مکتبۃ الفہیم
MAKTABA AL-FAHEEM-MAU

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تفسیر

احسن البیان (اردو)

صحیح احادیث کی روشنی میں

ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ

نظرثانی: مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نظرثانی: مولانا مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

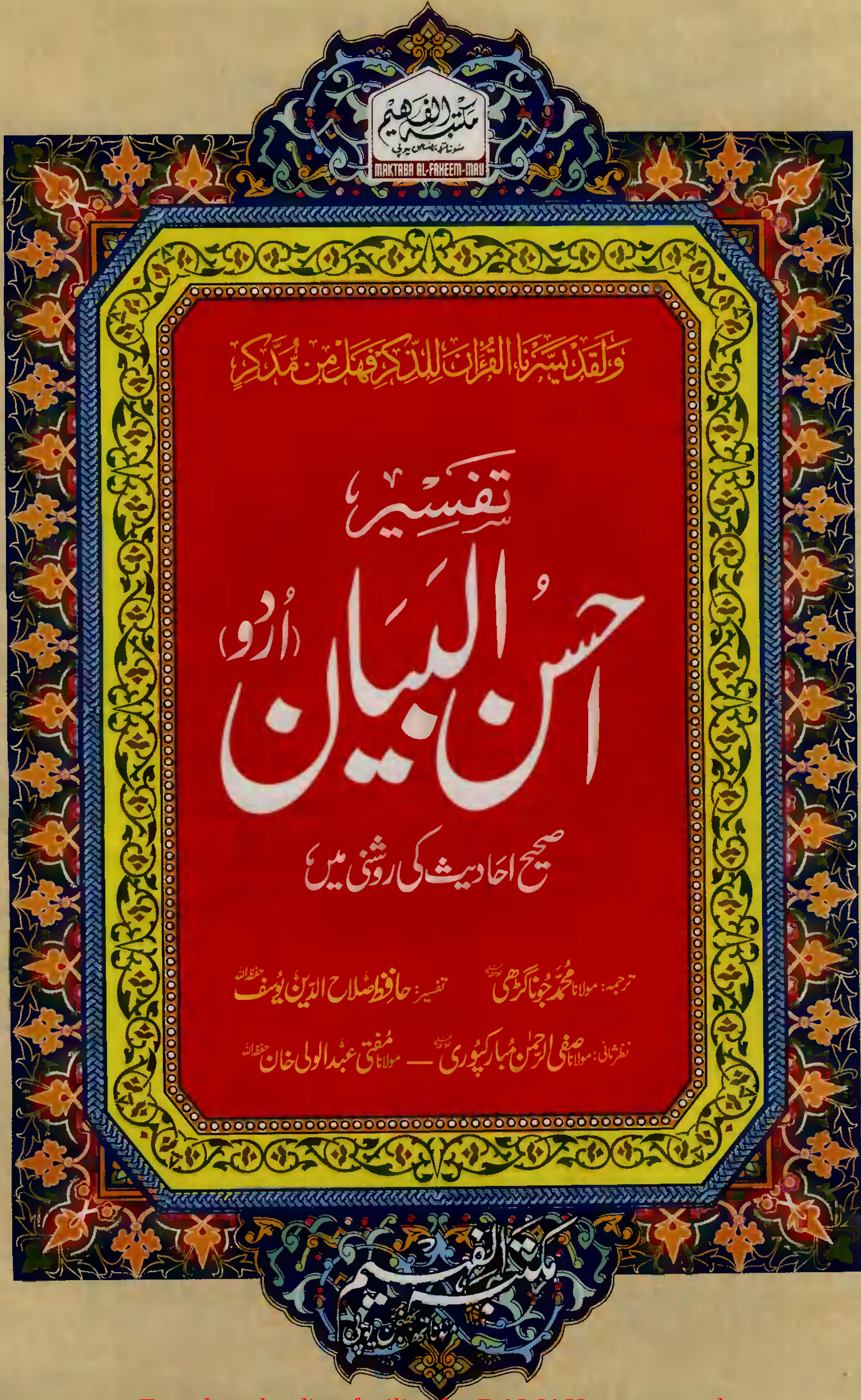
معزز قارئین توجہ فرمائیں!

منہاج السنت ڈاٹ کام پر تمام ''پی ڈی ایف ''کتب قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی و شرعی جرم ہے۔

منہاج السنت النبویہ ﷺ لائبریری ٹیم



مکتبۃ الفہیم
MAKTABA AL-FAHEEM-MAU
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ
تفسیر
احسن البیان
(اردو)
صحیح احادیث کی روشنی میں
ترجمہ: مولانا محمد جوناگڑھی
تفسیر: حافظ صلاح الدین یوسف
نظرثانی: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری — مولانا مفتی عبدالولی خان
مکتبۃ الفہیم



ڈسٹری بیوٹرس

مکتبہ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

بسم الله الرحمن الرحيم

أيـاتها: 7 (1) سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (5) رکوعها: 1

سورۂ فاتحہ [1] مکی ہے [2] اس میں 7 آیات، [3] 1 رکوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے [4]

[1] سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں، اس لیے اسے اَلْفَاتِحَة، یعنی فَاتِحَةُ الْكِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اس کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں، مثلاً: أُمُّ الْقُرْآنِ، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي، اَلْقُرْآنُ الْعَظِيم، الرُّقْيَة (دم) جس طرح ایک صحابی نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے کو اس سے دم کیا تو اسے آرام آ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ”تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟“ (صحيح البخاري، حديث: 2276، وصحيح مسلم، حديث: 65-(2201) وغيرها من الاسماء۔ اس کا ایک اہم نام الصلاۃ بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي......» (صحيح مسلم، حديث: 38-(395)) ”میں نے صلاۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔“ مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو ”نماز“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ نبی ﷺ کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے، فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحيح البخاري، حديث: 756، وصحيح مسلم، حديث: 34-(394)) ”اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔“ اس حدیث میں (مَنْ) کا لفظ عام ہے جو ہر نمازی کو شامل ہے۔ منفرد ہو یا امام یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سری نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل۔ ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس عموم کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز فجر میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قراءت بوجھل ہو گئی، نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا» تم ایسا مت کیا کرو (مت پڑھا کرو) البتہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“ (سنن أبي داود، حديث: 823، وجامع الترمذي، حديث: 311، وسنن النسائي، حديث: 921) اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ» ”جس نے بغیر فاتحہ کے نماز پڑھی وہ ناقص ہے مکمل نہیں۔ تین مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا۔“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا: «إِنَّا نَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ» ”امام کے پیچھے بھی ہم نماز پڑھتے ہیں، اس وقت کیا کریں؟“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «إِقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ» ”امام کے پیچھے تم سورۂ فاتحہ اپنے جی میں پڑھو۔“ (صحيح مسلم، حديث: 38-(395)) مذکورہ دونوں حدیثوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو آتا ہے: ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (الأعراف 7: 204) ”جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔“ یا حدیث «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (بشرط صحت) ”جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔“ کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں۔ یا امام سورۂ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے جو مسنون بھی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

سب تعریف اللہ کے لیے ہے[1] جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ① بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان ②[2] بدلے کے دن[3]

اور مقتدی ان وقفوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا مقتدی سورۂ فاتحہ امام کی اس خاموشی (سکتے) میں پڑھے جو وہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کرتا ہے یا قراءت کے اختتام پر۔ (صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔) اس طرح آیت قرآن اور احادیث صحیحہ میں الحمدللہ کوئی تعارض نہیں رہتا۔ دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورۂ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے، بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا (مزید دیکھیے سورۂ اعراف، آیت:204 کا حاشیہ۔)

[2] یہ سورت مکی ہے۔ مکی یا مدنی کا مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت (13 نبوت) سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، خواہ ان کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا اس کے اطراف و جوانب میں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں، خواہ مدینہ یا اس کے اطراف میں نازل ہوئیں یا اس سے دور۔ حتیٰ کہ مکہ اور اس کے اطراف ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں۔

[3] بِسْمِ اللّٰهِ کی بابت اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر سورت کی مستقل آیت ہے یا ہر سورت کی آیت کا حصہ ہے یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا یہ کسی بھی سورت کی مستقل آیت نہیں ہے، اسے صرف دوسری سورت سے ممتاز کرنے کے لیے ہر سورت کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ قرائے مکہ و کوفہ نے اسے سورۂ فاتحہ سمیت ہر سورت کی آیت قرار دیا ہے جبکہ قرائے مدینہ، بصرہ و شام نے اسے کسی بھی سورت کی آیت تسلیم نہیں کیا ہے، سوائے سورۂ نمل کی آیت:30 کے، کہ اس میں بالاتفاق بسم اللہ اس کا جز ہے۔ محقق عصر شیخ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ نے اپنا خلاصۂ تحقیق اس طرح بیان فرمایا ہے کہ "قرآن میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، وہاں قرآنی آیت ہے، البتہ اس کا اس سورت کی آیت ہونا جس کے شروع میں وہ تحریر ہے یا اس کا مستقل آیت ہونا محل نظر و بحث ہے۔ میرے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ یہ ہر سورت کی آیت ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر سورت کے پڑھنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ ضرور پڑھے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ چاہے اسی سورت سے تلاوت کا آغاز کرے یا دوران تلاوت میں کوئی سورت آ جائے۔" (حاشيه جامع الترمذي: 22/2، تحت حديث: 246. طبع مصر) اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے۔ (فتح القدیر) اکثر علماء نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

④ بِسْمِ اللّٰهِ کے آغاز میں أَقْرَأُ، أَبْدَأُ یا أَتْلُو محذوف ہے، یعنی اللہ کے نام سے پڑھتا یا شروع کرتا یا تلاوت کرتا ہوں۔ شریعت میں بہت سے اہم کاموں کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ کھانے، ذبح، وضو اور جماع سے پہلے بسم اللہ پڑھو۔ تاہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ سے پہلے أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا بھی ضروری ہے۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ (النحل 98:16) "جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو۔"

① ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ میں ال، استغراق کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور حق دار صرف

نَسْتَعِيْنُ ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٦﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

(قیامت) کا مالک ہے ③ [1] ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ④ [2] ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ⑤ [3] ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا [4] ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی ⑦ [5]

اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس لیے حمد (تعریف) کا مستحق بھی وہی ہے۔ ﴿ لِلّٰهِ ﴾ میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اَللّٰہ یہ اللہ کا ذاتی نام ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ یہ کلمۂ شکر ہے جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کو افضل الذکر اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو افضل الدعاء کہا گیا ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3383.) صحیح مسلم اور سنن نسائی کی روایت میں ہے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ» (صحيح مسلم، حديث: 1-(223)) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میزان کو بھر دیتا ہے۔'' اسی لیے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ ہر کھانے پر اور پینے پر بندہ اللہ کی حمد کرے۔ (صحيح مسلم، حديث: 89-(2734).)

② ﴿ رَبِّ ﴾ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، جس کے معنی ہیں ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کو تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس کا استعمال بغیر اضافت کے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ ﴿ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ عَالَمٌ (جہان) کی جمع ہے۔ ویسے تو تمام خلائق کے مجموعے کو عالم کہا جاتا ہے، اسی لیے اس کی جمع نہیں لائی جاتی۔ لیکن یہاں اس کی ربوبیت کاملہ کے اظہار کے لیے عالم کی بھی جمع لائی گئی ہے، جس سے مراد مخلوقات کی الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً: عالم جن، عالم انس، عالم ملائکہ اور عالم وحوش وطیور وغیرہ۔ ان تمام مخلوقات کی ضرورتیں ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں لیکن رَبُّ الْعَالَمِين سب کی ضروریات، ان کے احوال وظروف اور طبائع واجسام کے مطابق مہیا فرماتا ہے۔

③ ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ بروزن فَعْلان اور ﴿ الرَّحِيْمِ ﴾ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ دونوں صفت کے صیغے ہیں، جن میں مبالغہ موجود ہے، یعنی اُن میں کثرت اور دوام کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے اور اس کی یہ صفت دیگر صفات کی طرح دائمی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں: رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اسی لیے یَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر و مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں اور آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا، یعنی اس کی رحمت صرف مومنین کے لیے خاص ہوگی۔ ﴿ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾. (الأعراف 156:7) ''میں وہ رحمت ان لوگوں کے لیے ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!

① دنیا میں بھی اگرچہ مکافات عمل کا سلسلہ ایک حد تک جاری رہتا ہے، تاہم اس کا مکمل ظہور آخرت میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے مطابق مکمل جزا اور سزا دے گا۔ اسی طرح دنیا میں عارضی طور پر اور بھی کئی لوگوں کے پاس ظاہری الاسباب اختیارات ہوتے ہیں لیکن آخرت میں تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس روز فرمائے گا:

﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ﴾ ”آج کس کی بادشاہی ہے؟“ پھر وہی جواب دے گا: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝﴾ (المؤمن 16:40) ”صرف ایک غالب اللہ کے لیے۔“ ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝﴾ (الانفطار 19:82) ”اس دن کوئی ہستی کسی کے لیے اختیار نہیں رکھے گی، سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔“ یہ ہوگا جزا کا دن۔

② عبادت کے معنی ہیں کسی کی رضا کے لیے انتہائی تذلل و عاجزی اور کمال خشوع کا اظہار۔ اور بقول ابن کثیر ”شریعت میں کمال محبت، خضوع اور خوف کے مجموعے کا نام عبادت ہے۔“ یعنی جس ذات کے ساتھ محبت بھی ہو، اس کی مافوق الاسباب طاقت کے سامنے عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہو اور اسباب و مافوق الاسباب ذرائع سے اس کی گرفت کا خوف بھی ہو۔ سیدھی عبارت نَعْبُدُكَ وَ نَسْتَعِينُكَ ”ہم تیری عبادت کرتے اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔“ ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں مفعول بہ [ضمیر] کو فعل پر مقدم کر کے ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾ فرمایا، جس سے مقصد اختصاص پیدا کرنا ہے، یعنی ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“ اس اعتبار سے نہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سد باب کر دیا گیا ہے لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے، وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب استعانت میں فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، بیوی سے مدد چاہتے ہیں، ڈرائیور اور دیگر انسانوں سے مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ کے سوا اوروں سے مدد مانگنا بھی جائز ہے۔ حالانکہ اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے مدد چاہنا اور مدد کرنا یہ شرک نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس میں سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانوں کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللّٰهِ ﴾ (الصف 14:61) ”اللہ کے (دین کے) لیے کون میرا مددگار ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا: ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المآئدة 2:5) ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔“ ظاہر بات ہے کہ یہ تعاون ممنوع ہے نہ شرک مطلوب و محمود ہے۔ اس کا اصطلاحی شرک سے کیا تعلق؟ شرک تو یہ ہے کہ ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اس کو نافع و ضار باور کرنا اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔ اس کا نام ہے مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا اور اسے خدائی صفات سے متصف ماننا۔ اسی کا نام شرک ہے جو بدقسمتی سے محبت اولیاء کے نام پر مسلمان ملکوں میں عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ!

توحید کی تین قسمیں: اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ توحید کی تین اہم قسمیں بھی مختصرًا بیان کر دی جائیں۔ یہ قسمیں ہیں:

① توحید ربوبیت ② توحید الوہیت ③ توحید اسماء وصفات۔

① توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ و زنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اس کے قائل رہے ہیں اور ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے مشرکین مکہ کا اعتراف نقل کیا ہے، مثلاً: فرمایا: ”اے پیغمبر! ان سے پوچھیں کہ تم کو آسمان و زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ (یہ سب کام کرنے والا اللہ ہے)۔“ (یونس 31:10)

دوسرے مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ۔'' (الزمر 39: 38)
ایک اور مقام پر فرمایا: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب کس کا مال ہے؟ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہ یہی کہیں گے کہ اللہ، یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔'' (المؤمنون 23: 84-89) وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ.

② توحید الوہیت کا مطلب ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے، اس لیے نماز، روزہ، حج اور زکاۃ صرف یہی عبادات نہیں ہیں بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دعا و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کا طواف کرنا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادات ہیں۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ (تاہم ظاہری اسباب کے مطابق زندہ انسانوں سے طبعی طمع یا طبعی خوف توحید کے منافی نہیں ہے) قبر پرستی کے مرض میں مبتلا عوام وخواص اس توحید الوہیت میں شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور مذکورہ عبادات کی بہت سی قسمیں وہ قبروں میں مدفون افراد اور فوت شدہ بزرگوں کے لیے بھی کرتے ہیں۔

③ توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً: جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یہ یا دیگر صفات الٰہیہ میں سے کوئی بھی صفت اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک ہوگا۔

افسوس ہے کہ قبروں کے پجاریوں میں شرک کی یہ قسم بھی عام ہے اور انھوں نے اللہ کی مذکورہ صفات میں بہت سے بندوں کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ!

③ ہدایت کے دو مفہوم ہیں۔ راستے کی طرف رہنمائی کرنا، راستہ بتا دینا اسے ارشاد ودلالت یا اراءت الطریق کہتے ہیں۔ دوسرا مفہوم راستے پر چلا دینا، منزل مقصود پر پہنچا دینا۔ اسے عربی میں توفیق اور ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما، اس پر چلنے کی توفیق اور اس پر استقامت نصیب فرما تاکہ ہمیں تیری رضا حاصل ہو جائے۔ یہ صراط مستقیم محض عقل اور ذہانت سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صراط مستقیم وہی ''اسلام'' ہے، جسے نبی ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اب قرآن واحادیث صحیحہ میں محفوظ ہے۔

④ یہ صراط مستقیم کی وضاحت ہے کہ یہ سیدھا راستہ وہ ہے جس پر وہ لوگ چلے، جن پر تیرا انعام ہوا۔ یہ مُنْعَمْ عَلَيْهِ گروہ ہے انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النسآء 4: 69) ''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا یہ راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے، نہ کہ کوئی اور راستہ۔

⑤ بعض روایات سے ثابت ہے کہ ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ (جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا) سے مراد یہودی اور ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾

(گمراہوں) سے مراد نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ «وَلَا أَعْلَمُ فِي هٰذَا الْحَرْفِ اخْتِلَافًا بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ بِالْيَهُودِ وَ الضَّآلِّينَ بِالنَّصَارٰى» (تفسير ابن أبي حاتم) اس لیے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ دونوں کی گمراہیوں سے بچ کر رہیں۔ یہود کی بڑی گمراہی یہ تھی کہ وہ جانتے بوجھتے صحیح راستے پر نہیں چلتے تھے، آیات الٰہی میں تحریف اور حیلہ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، حضرت عزیر کو انھوں نے ابن اللہ کہا اور وہ اپنے احبار و رہبان کو حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھتے تھے۔ نصاریٰ کی بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا اور انھیں ابنُ اللّٰهِ اور ثَالِثُ ثَلَاثَه (اللہ کا بیٹا اور تین خداؤں میں سے ایک) قرار دیا۔ افسوس ہے کہ امت محمدیہ میں بھی افراط و غلو کی یہ گمراہیاں عام ہیں اور اسی وجہ سے وہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے گڑھے سے نکالے تاکہ ادبار و نکبت (پستی و بدحالی) کے بڑھتے ہوئے سائے سے وہ محفوظ رہ سکے۔

سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے، اس لیے امام اور مقتدی ہر ایک کو آمین کہنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جہری نمازوں میں) اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی۔ اس مسئلے کے لیے دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 780-782، وسنن ابن ماجه، حديث: 853، وسنن أبي داود، حديث: 934، مصنف عبدالرزاق: 97/2) بنابریں آمین اونچی آواز سے کہنا سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے۔ آمین کے معنی مختلف بیان کیے گئے ہیں: كَذٰلِكَ فَلْيَكُنْ ''اسی طرح ہو۔'' لَا تُخَيِّبْ رَجَاءَنَا ''ہمیں نامراد نہ کرنا۔'' اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لَنَا ''اے اللہ ہماری دعا قبول فرمالے۔''

اٰيَاتُهَا 286 (2) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (87) رُكُوْعَاتُهَا 40

سورۂ بقرہ مدنی ہے، ■ اس میں 286 آیات اور 40 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

الۗمّۗ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

الۗمّۗ ① [1] اس کتاب کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں، [2] پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے ② [3] جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں [4] اور نماز کو قائم رکھتے ہیں [5] اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں ③ [6] اور جو لوگ ایمان

■ اس سورت میں آگے چل کر گائے کا واقعہ بیان ہوا، اس لیے اسے سورۂ بقرہ (گائے کے واقعے والی سورت) کہا جاتا ہے۔ حدیث میں اس کی ایک خاص فضیلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں یہ پڑھی جائے، اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (صحيح مسلم، حديث: 212-(780)) نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیات حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں۔ بعض علماء کے نزدیک اس میں ایک ہزار خبر، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار منہیات ہیں۔ (ابن کثیر) منہیات کا مطلب، حرام اور ممنوع چیزیں۔

① انھیں حروف مُقَطَّعَات کہا جاتا ہے، یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ متشابہات میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ. البتہ نبی ﷺ نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھا اسے اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے، میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2910.)

② اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰهِ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (السجدة 32:2) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ خبر بمعنی نَهْی ہے۔ أَيْ لَا تَرْتَابُوا فِيهِ (اس میں شک نہ کرو)۔ علاوہ ازیں اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان کی صداقت میں، جو احکام و مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان سے انسانیت کی فلاح و نجات وابستہ ہونے میں اور جو عقائد (توحید و رسالت اور معاد کے بارے میں) بیان کیے گئے ہیں، ان کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آنکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے ۔۔۔ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے

③ ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے، جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوں گے۔ جس کے دل میں مرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جواب دہی کا احساس اور اس کی فکر ہی نہیں، اس کے اندر ہدایت کی طلب یا گمراہی سے بچنے کا جذبہ ہی نہیں ہوگا تو اسے ہدایت کہاں سے اور کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے؟

④ امور غَيْبِيَّه سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل و حواس سے ممکن نہیں۔ جیسے ذات باری تعالیٰ، وحی الٰہی، جنت، دوزخ،

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦ ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، [1] اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں ⑤ [2] کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ⑥ [3] اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ⑦ [4] بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایمان

ملائکہ، عذابِ قبر اور حشر اجساد وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی ماورائے عقل و احساس باتوں پر یقین رکھنا، جزوِ ایمان ہے اور ان کا انکار کفر وضلالت ہے۔

٭ اقامت صلاۃ سے مراد پابندی سے اور سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ عنکبوت 29:54 کا حاشیہ)

٭ إِنْفَاق کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ اہل ایمان حسبِ استطاعت دونوں میں کوتاہی نہیں کرتے، ماں باپ اور اہل وعیال پر صحیح طریقے سے خرچ کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔

① پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں، وہ سب سچی ہیں لیکن وہ اب اپنی اصل شکل میں دنیا میں پائی نہیں جاتیں، نیز اب ان پر عمل بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب عمل صرف قرآن اور اس کی تشریح نبوی (حدیث) پر ہی کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی و رسالت کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ ﷺ کے بعد اگر وحی نازل ہونے والی ہوتی تو اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر اللہ تعالیٰ ضرور فرماتا۔

② یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ وعمل اور عقیدۂ صحیح کا اہتمام کرتے ہیں۔ محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے۔ کامیابی سے مراد آخرت میں رضائے الٰہی اور اس کی رحمت و مغفرت کا حصول ہے۔ اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوش حالی اور سعادت وکامرانی مل جائے تو سبحان اللہ، ورنہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جو صرف کافر ہی نہیں بلکہ اس کا کفر وعناد اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے جس کے بعد اس سے خیر اور قبولِ اسلام کی توقع ہی نہیں۔

③ نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ کوشش فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب ہی میں نہیں ہے۔ یہ وہ چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے، حتیٰ کہ پورا جزیرۂ عرب اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گیا۔

④ یہ ان کے عدم ایمان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ کفر ومعصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے، ان کے کان حق بات سننے کے لیے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انھی لوگوں کے حصے میں آتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ

والے نہیں ہیں ⑧ [1] وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں ⑨ ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے انھیں بیماری میں مزید بڑھادیا [2] اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ⑩ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں ⑪ خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، [3] لیکن انھیں شعور نہیں ⑫ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں، [4] خبردار

استعمال کرتے اور ان سے معرفت کردگار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ تو اس حدیث کا مصداق ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ''مومن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر کے گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا دل پہلے کی طرح صاف شفاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کرتا جاتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ پھیل کر اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ زنگ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففين 14:83) یعنی ''ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3334.) اسی کیفیت کو قرآن نے ''ختم'' (مہر لگانے) سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان کی مسلسل بداعمالیوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اسی کو بعض جگہ ﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ﴾ کے الفاظ میں ذکر کیا ہے (النسآء 155:4) ''اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر مہر لگا دی۔''

[1] یہاں سے تیسرے گروہ منافقین کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جن کے دل تو ایمان سے محروم تھے مگر وہ اہل ایمان کو فریب دینے کے لیے زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نہ اللہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، کیوں کہ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اور نہ اہل ایمان کو مستقل فریب میں رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے مسلمانوں کو ان کی فریب کاریوں سے آگاہ فرما دیتا تھا۔ یوں اس فریب کاری کا سارا نقصان خود انھی کو پہنچا کہ انھوں نے اپنی عاقبت برباد کر لی اور دنیا میں بھی رسوا ہوئے۔

[2] بیماری سے مراد وہی کفر و نفاق کی بیماری ہے، جس کی اصلاح کی فکر نہ کی جائے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا منافقین کی علامات میں سے ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

[3] فساد، صلاح کی ضد ہے۔ کفر و معصیت سے زمین میں فساد پھیلتا ہے اور اطاعت الٰہی سے امن و سکون ملتا ہے۔ ہر دور کے منافقین کا کردار یہی رہا ہے کہ پھیلاتے وہ فساد ہیں، اشاعت وہ منکرات کی کرتے ہیں اور پامال حدود الٰہی کو کرتے ہیں اور سمجھتے یا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اصلاح و ترقی کے لیے کوشاں ہیں۔

[4] ان منافقین نے ان صحابہ ﷺ کو ''بے وقوف'' کہا جنھوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور

لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ

ہو جاؤ! یقیناً یہی بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ⑬ اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں [2] تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف استہزا کرتے ہیں ⑭ اللہ بھی ان سے استہزا کرتا ہے [3] اور انھیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے ⑮ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت [4] نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے ⑯ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے

آج کے منافقین یہ باور کراتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان ہی سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم دونوں منافقین کی تردید فرمائی۔ فرمایا: کسی اعلیٰ تر مقصد کے لیے دنیوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، عین عقل مندی اور سعادت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی سعادت مندی کا ثبوت مہیا کیا ہے، اس لیے وہ پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں، اب ایمان انھی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ (البقرة 2:137) ''اگر لوگ اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم ایمان لائے تو یقیناً وہ راہ یاب ہو گئے۔''

① ظاہر بات ہے کہ نفع عاجل (فوری فائدے) کے لیے نفع آجل (دیر سے ملنے والے فائدے) کو نظر انداز کر دینا اور آخرت کی پائیدار اور دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی فانی زندگی کو ترجیح دینا اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرنا پرلے درجے کی سفاہت ہے جس کا ارتکاب ان منافقین نے کیا۔ یوں ایک مسلمہ حقیقت سے بے علم رہے۔

② شیاطین سے مراد سرداران قریش و یہود ہیں جن کے ایما پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے یا منافقین کے اپنے سردار۔

③ ''اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا کرتا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزا و استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی جس طرح اس کی شان کے لائق ہے، ان سے استہزا کرتا ہے۔ (تفسير الطبري: 154/1) اور نتیجتاً ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال اس کو استہزا سے تعبیر کرنا، زبان کا اسلوب ہے، ورنہ حقیقتاً یہ استہزا نہیں ہے، ان کے فعل استہزا کی سزا ہے۔ جیسے ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ (الشورىٰ 42:40) ''برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔'' میں برائی کے بدلے کو برائی کہا گیا ہے، حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز فعل ہے۔ اسی طرح ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ﴾ وغیرہ آیات میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے استہزا فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ میں مذکور ہے۔

④ تجارت سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ منافقین نے نفاق کا جامہ پہن کر یہی گھاٹے والی تجارت کی۔ لیکن یہ گھاٹا آخرت کا گھاٹا ہے، ضروری نہیں کہ دنیا ہی میں انھیں اس گھاٹے کا علم ہو جائے۔ بلکہ دنیا میں تو اس نفاق کے ذریعے سے انھیں جو فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش ہوتے اور اس کی بنیاد پر اپنے آپ کو بہت دانا اور

اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿17﴾ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿18﴾ اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿19﴾ يَكَادُ الۡبَرۡقُ يَخۡطَفُ اَبۡصَارَهُمۡ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمۡ مَّشَوۡا فِيۡهِ ۙ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُوۡا ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿20﴾ ع 2/13/2 يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿21﴾ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ

جس نے آگ جلائی، پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں کہ اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، جو نہیں دیکھتے ﴿17﴾ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ نہیں لوٹتے[1] ﴿18﴾ یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿19﴾ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے، جب ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں[2] اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بے کار کر دے۔[3] یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿20﴾ اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا بچاؤ ہے ﴿21﴾ جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمھیں

مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے: نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن پھر جلد ہی منافق ہو گئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا، اس نے روشنی جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید اور نقصان دہ چیزیں اس پر واضح ہو گئیں، دفعتاً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا۔ یہی حال منافقین کا تھا۔ پہلے وہ شرک کی تاریکی میں تھے، مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے۔ حلال و حرام اور خیر و شر کو پہچان گئے، پھر وہ دوبارہ کفر و نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر)

② یہ منافقین کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جس پر کبھی حق واضح ہوتا ہے اور کبھی اس کی بابت وہ ریب و شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ان کے دل ریب و تردد میں اس بارش کی طرح ہیں جو اندھیروں (شکوک، کفر اور نفاق) میں اترتی ہے، گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، حتیٰ کہ خوف کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ لیکن یہ تدبیریں اور یہ خوف و دہشت انھیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ کبھی حق کی کرنیں ان پر پڑتی ہیں تو حق کی طرف جھک پڑتے ہیں لیکن پھر جب اسلام یا مسلمانوں پر مشکلات کا دور آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر) منافقین کا یہ گروہ آخر وقت تک تذبذب اور گومگو کا شکار اور قبول حق (اسلام) سے محروم رہتا ہے۔

③ اس میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو سلب کر لے، اس لیے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿23﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿24﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

روزی دی، خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو﴿22﴾ [1] ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمھیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمھیں اختیار ہے کہ اللہ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو﴿23﴾ [2] پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے [3] تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، [4] جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے﴿24﴾ [5] اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو [6] ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب

اطاعت سے گریزاں اور اس کے عذاب اور مؤاخذے سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

① ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمھارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمھاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔

② توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے بندے پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس کے مُنَزَّل مِنَ اللّٰه ہونے میں اگر تمھیں شک ہے تو تم اپنے تمام حمایتیوں کو ساتھ ملا کر اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کی کاوش نہیں ہے، کلام الٰہی ہی ہے اور ہم پر اور رسالت محمدیہ پر ایمان لا کر جہنم کی آگ سے بچنے کی سعی کرنی چاہیے، جو کافروں کے لیے ہی تیار کی گئی ہے۔

③ یہ قرآن کریم کی صداقت کی ایک اور واضح دلیل ہے کہ عرب و عجم کے تمام کافروں کو چیلنج دیا گیا لیکن وہ آج تک اس کا جواب دینے سے عاجز و قاصر ہیں اور یقیناً قیامت تک عاجز و قاصر رہیں گے۔

④ پتھر سے مراد بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما گندھک کے پتھر ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک پتھر کے وہ ''اصنام'' (بت) بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے جن کی لوگ دنیا میں پرستش کرتے رہے ہوں گے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ (الأنبيآء 21:98) ''تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کے سوا جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''
(اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ الأنبیآء، آیات 98-101 اور سورۃ الزخرف، آیت: 58 کے حواشی)

⑤ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہنم اصل میں کافروں اور مشرکوں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ کا وجود ہے جو اس وقت بھی ثابت ہے۔ یہی سلف امت کا عقیدہ ہے۔ یہ تمثیلی چیزیں نہیں ہیں، جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین حدیث باور کراتے ہیں۔

رِّزْقًاۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًاؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَاؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًاۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًاۙ

کبھی وہ پھلوں کا رزق دیے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیے گئے تھے[1] اور ان کے لیے بیویاں ہیں صاف[2] ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿25﴾[3] یقیناً اللہ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا، خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔[4] ایمان والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟ اسی کے ساتھ وہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے[5] اور

⑥ قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عمل صالح کے بغیر ایمان ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر اعمال خیر کی عنداللہ اخروی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں۔ اور عمل صالح کیا ہے؟ جو سنت کے مطابق ہو اور خالص رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے۔ خلاف سنت عمل بھی نا مقبول اور نمود ونمائش اور ریا کاری کے لیے کیے گئے عمل بھی مردود ومطرود۔

① ﴿مُتَشَابِهًا﴾ کا مطلب یا تو جنت کے تمام میووں کا آپس میں ہم شکل ہونا ہے یا دنیا کے میووں کے ہم شکل ہونا۔ تاہم یہ مشابہت صرف شکل یا نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے میووں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے میووں کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث میں ہے: «مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ» (صحيح البخاري، حديث: 4779، 4780) ''نہ کسی آنکھ نے انھیں دیکھا، نہ کسی کان نے انھیں سنا (اور دیکھنا سننا تو کجا) کسی انسان کے دل میں ان کا گمان بھی نہیں گزرا۔''

② یعنی حیض ونفاس اور دیگر آلائشوں سے پاک ہوں گی۔

③ خلود کے معنی ہیشگی کے ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت میں رہیں گے اور خوش رہیں گے اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے اور مبتلائے عذاب رہیں گے۔ حدیث میں ہے: جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا: ''اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے، اسی حالت میں ہمیشہ رہے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6544، و صحيح مسلم، حديث: 42-(2850))

④ جب اللہ تعالیٰ نے دلائل قاطعہ سے قرآن کا معجزہ ہونا ثابت کر دیا تو کفار نے ایک دوسرے طریقے سے معارضہ کر دیا اور وہ یہ کہ اگر یہ کلام الٰہی ہوتا تو اتنی عظیم ذات کے نازل کردہ کلام میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ بات کی توضیح اور کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر تمثیلات کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اس میں حیا وحجاب بھی نہیں۔ ﴿فَوْقَهَا﴾ جو مچھر کے اوپر ہو، یعنی پر یا بازو، مراد اس مچھر سے بھی حقیر تر چیز۔ یا فَوْقَ کے معنی، اس سے بڑھ کر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ''مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز'' کے ہوں گے۔ لفظ فَوْقَهَا میں دونوں مفہوم کی گنجائش ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے

وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾ ع 3

گمراہ تو صرف فاسقوں ہی کو کرتا ہے ﴿26﴾ جو لوگ اللہ کے مضبوط عہد کو[1] توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انھیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿27﴾[2] تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر تمھیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا،[3] پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿28﴾ وہ اللہ جس نے تمھارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا،[4] پھر آسمان کی طرف قصد کیا[5] اور ان کو ٹھیک ٹھاک سات

قانون قدرت ومشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ جسے قرآن نے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (النسآء 4:115) ''جس طرف کوئی پھرتا ہے، ہم اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں۔'' اور حدیث میں «كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ» ''ہر ایک کو اس چیز میں آسانی دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4949) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فسق، اطاعت الٰہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج، یعنی کفر ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے کہ اس میں مومن کے مقابلے میں کافروں والی صفات کا تذکرہ ہے۔

[1] مفسرین نے ''عہد'' کے مختلف مفہوم بیان کیے ہیں، مثلاً: ① اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے مخلوق کو کی۔ ② وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان ﷺ کے آجانے کے بعد تمھارے لیے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ③ وہ عهد الست جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ الأية (الأعراف 7:172) نقض عہد کا مطلب عہد کی پروانہ کرنا ہے۔ (ابن کثیر)

[2] ظاہر بات ہے کہ نقصان اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ کا یا اس کے پیغمبروں اور دین کی طرف بلانے والوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔

[3] آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے۔ پہلی موت سے مراد عدم (نیست، یعنی نہ ہونا) ہے اور پہلی زندگی ماں کے پیٹ سے نکل کر موت سے ہمکنار ہونے تک ہے، پھر موت آجائے گی اور پھر آخرت کی زندگی دوسری زندگی ہوگی، جس کا انکار کفار اور منکرین قیامت کرتے ہیں۔ شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے کہ قبر کی زندگی كَمَا هِيَ دنیوی زندگی میں ہی شامل ہوگی مگر صحیح یہ ہے کہ برزخ کی زندگی، حیات آخرت کا پیش خیمہ اور اس کا سرنامہ ہے، اس لیے اس کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے۔

[4] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوقہ میں ''اصل'' اباحت ہے۔ الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو۔ (فتح القدير) یعنی جس چیز کی بابت حرام ہونے کی صراحت نہ ہو، وہ مباح وحلال ہوگی۔

[5] بعض سلف امت نے اس کا ترجمہ ''پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا'' کیا ہے۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 7418) اللہ تعالیٰ کا

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

آسمان[1] بنایا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے﴿29﴾ اور جب تیرے رب نے فرشتوں[2] سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ[3] بنانے والا ہوں تو انھوں نے کہا کہ ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے ؟ اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے﴿30﴾[4] اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ﴿31﴾ ان سب نے کہا: اے اللہ! تیری ذات پاک ہے

آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص خاص مواقع پر آسمان دنیا پر نزول، اللہ کی صفات میں سے ہے، جن پر اسی طرح بغیر تاویل وکیفیت بیان کرنے کے ایمان رکھنا ضروری ہے، جس طرح قرآن یا احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

① اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ ''آسمان'' ایک حسی وجود اور حقیقت ہے۔ محض بلندی کو سماء سے تعبیر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان 500 سال کی مسافت ہے۔ اور زمین کی بابت قرآن کریم میں ہے: ﴿وَ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ (الطلاق 12:65) ''اور زمینیں بھی آسمانوں کی مثل ہیں۔'' اس سے زمین کی تعداد بھی سات ہی معلوم ہوتی ہے جس کی مزید تائید حدیث نبوی سے ہو جاتی ہے: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 3198) ''جس نے ظلماً کسی کی ایک بالشت زمین لے لی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔'' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق ہوئی ہے لیکن سورۂ نازعات میں آسمان کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ ''زمین کو اس کے بعد بچھایا۔'' اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ تخلیق پہلے زمین ہی کی ہوئی ہے اور دَحْی (ہموار کر کے بچھانا) تخلیق سے مختلف عمل ہے جو آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ (فتح القدیر مزید دیکھیے حٰمٓ السجدة، آیت: 9 کا حاشیہ)

② ملائکہ (فرشتے) اللہ کی نوری مخلوق ہیں، جن کا مسکن آسمان ہے، جو اوامر الٰہی کے بجالانے اور اس کی تحمید وتقدیس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے۔

③ خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ کیوں کہا، بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنات کو زمین بدر کر دیا اور ان کی جگہ آدم علیہ السلام کو زمین میں بسایا تو آدم علیہ السلام گزشتہ قوم جنات کے خلیفہ اور جانشین بنے، اس بنا پر انھیں خلیفہ کہا گیا۔ بعض دیگر اہل علم یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خلیفہ اس لیے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کی مخلوق میں نافذ کرنے میں نائب ہے۔ (تفسیر اللباب: 501/1)

④ فرشتوں کا یہ کہنا حسد یا اعتراض کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی حقیقت اور حکمت معلوم کرنے کی غرض سے تھا کہ اے رب! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے، جب کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد پھیلائیں گے اور خون ریزی کریں گے؟ اگر مقصود یہ ہے کہ تیری عبادت ہو تو اس کام کے لیے ہم جو موجود ہیں، ہم سے وہ خطرات بھی نہیں جو نئی مخلوق سے متوقع ہیں۔ اللہ تعالیٰ

لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿32﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ

ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے، پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے ﴿32﴾ اللہ نے آدم سے فرمایا: تم انھیں ان چیزوں کے نام بتا دو۔ جب انھوں نے بتا دیے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے ﴿33﴾ [1] اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو [2] تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا [3] اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا ﴿34﴾ [4] اور ہم نے کہہ دیا کہ اے

نے فرمایا: میں وہ مصلحت رَاجِحہ جانتا ہوں جس کی بنا پر ان ذکر کردہ مفاسد کے باوجود میں اسے پیدا کر رہا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ کیوں کہ ان میں انبیاء، شہداء، صالحین اور زہّاد و اولیاء بھی ہوں گے۔ (ابن کثیر) ذریت آدم کی بابت فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ وہ فساد برپا کرے گی؟ اس کا اندازہ انھوں نے انسانی مخلوق سے پہلے کی مخلوق کے اعمال یا کسی اور طریقے سے کر لیا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتلا دیا تھا کیونکہ وہ خود تو عالم الغیب نہیں ہیں، لہٰذا یہ لوگ کلام میں حذف مانتے ہیں جس کی تقدیر ہے: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً يَفْعَلُ كَذَا وَكَذَا ”میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو ایسے ایسے کام کرے گا۔“ (فتح القدير)

[1] اسماء سے مراد مسمیات (اشخاص و اشیاء) کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاء و الہام کے ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلا دیا، پھر جب ان سے کہا گیا کہ آدم علیہ السلام ان کے نام بتلاؤ تو انھوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا جو فرشتے بیان نہ کر سکے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیقِ آدم واضح کر دی۔ دوسرے، دنیا کا نظام چلانے کے لیے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرما دی، جب یہ حکمت و اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوئی تو انھوں نے اپنے قصورِ علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے یہ بھی واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، اللہ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔

[2] علمی فضیلت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی یہ دوسری تکریم ہوئی۔ سجدہ کے معنی خضوع اور تذلل کے ہیں، اس کی انتہا ہے: ”زمین پر پیشانی کا ٹکا دینا۔“ (تفسير القرطبي) یہ سجدہ شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور فرمان ہے کہ اگر سجدہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (جامع الترمذي، حديث: 1159) تاہم فرشتوں نے اللہ کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس سے ان کی تکریم و فضیلت فرشتوں پر واضح کر دی گئی کیونکہ یہ سجدہ اکرام و تعظیم کے طور پر ہی تھا، نہ کہ عبادت کے طور پر۔ ہماری شریعت میں تعظیماً بھی کسی کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔

[3] ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحت قرآن جنات میں سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اس حکم میں فرشتوں کے ساتھ شامل کر رکھا تھا اور صراحتاً اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا، اس لیے بحکم الٰہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا لیکن اس نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب سب سے پہلے کیا گیا اور اس کا مرتکب ابلیس تھا۔

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿35﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿36﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿37﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾ ع 4 10 4

آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو [1] اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا [2] ورنہ ظالم ہو جاؤ گے ﴿35﴾ لیکن شیطان نے ان کو بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا [3] اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو [4] اور ایک وقت مقرر تک تمھارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ﴿36﴾ آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں [5] اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿37﴾ ہم نے کہا: تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمھارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں ﴿38﴾ اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں

(4) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں۔

(1) یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری فضیلت ہے جو جنت کو ان کا مسکن بنا کر عطا کی گئی۔

(2) یہ درخت کس چیز کا تھا؟ اس کی بابت قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے۔ اس کو گندم کا درخت مشہور کر دیا گیا ہے جو بے اصل بات ہے، ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہے، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔

(3) شیطان نے جنت میں داخل ہو کر روبرو انھیں بہکایا یا وسوسہ اندازی کے ذریعے سے، اس کی بابت کوئی صراحت نہیں۔ تاہم یہ واضح ہے کہ جس طرح سجدے کے حکم کے وقت اس نے حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس سے کام لے کر (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) سجدے سے انکار کیا، اسی طرح اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ وَلَا تَقْرَبَا ﴾ کی تاویل کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو پھسلانے میں کامیاب ہو گیا، جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں آئے گی۔ گویا حکم الٰہی کے مقابلے میں قیاس کرنا اور نص کی دور از کار تاویل کا ارتکاب بھی سب سے پہلے شیطان نے کیا۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

(4) مراد آدم اور شیطان ہیں یا یہ مطلب ہے کہ بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

(5) حضرت آدم علیہ السلام جب پشیمانی میں ڈوبے دنیا میں تشریف لائے تو توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے۔ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی و دست گیری فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھا دیے جو ''سورۂ اعراف'' میں بیان کیے گئے ہیں: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سكتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا ﴾ بعض حضرات یہاں ایک موضوع روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش الٰہی پر «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ» لکھا ہوا دیکھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔ (الضعیفة، حدیث: 25) اور قرآن کے بھی معارض ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقے کے بھی خلاف ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ براہ راست اللہ سے دعائیں کی ہیں، کسی نبی، ولی، بزرگ کا واسطہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ

کو جھٹلائیں، وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے ﴿39﴾ [1] اے بنی اسرائیل! [2] میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿40﴾ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمھاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس [3] کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت [4] پر نہ فروخت کرو اور

اور وسیلہ نہیں پکڑا، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقۂ دعا یہی رہا ہے کہ بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔

[1] توبہ قبول فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کی بجائے دنیا میں ہی رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنو آدم کو جنت کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے میری ہدایت (زندگی گزارنے کے احکام و ضابطے) تم تک پہنچے گی، جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق اور بصورت دیگر عذاب الٰہی کا حق دار ہوگا۔ ''ان پر خوف نہیں ہوگا'' کا تعلق آخرت سے ہے۔ أَيْ فِيمَا يَسْتَقْبِلُونَهُ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ اور ''حزن نہیں ہوگا'' کا تعلق دنیا سے ہے۔ عَلٰى مَا فَاتَهُمْ مِّنْ أُمُورِ الدُّنْيَا ''جو فوت ہوگیا امور دنیا سے یا اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے۔'' جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ (طٰہٰ 123:20) ''جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، پس وہ (دنیا میں) گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت۔'' (ابن کثیر) گویا ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کا مقام ہر مومن صادق کو حاصل ہے۔ یہ کوئی ایسا مقام نہیں جو صرف بعض اولیاء اللہ ہی کو حاصل ہو اور پھر اس ''مقام'' کا مفہوم بھی کچھ کا کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام مومنین و متقین بھی اولیاء اللہ ہیں ''اولیاء اللہ'' کوئی الگ مخلوق نہیں۔ ہاں البتہ اولیاء کے درجات میں فرق ہوسکتا ہے۔

[2] إِسْرَائِيلَ (بمعنی عبداللہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہود کو بنو اسرائیل کہا جاتا ہے، یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن سے ان کے بارہ قبیلے بنے اور ان میں بکثرت انبیاء و رسل ہوئے۔ بنو اسرائیل ہی میں سے یہود ہوئے، جن کو عرب میں اس کی گزشتہ تاریخ اور علم و مذہب سے وابستگی کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل تھا، اس لیے انھیں گزشتہ انعامات الٰہی یاد کروا کے کہا جا رہا ہے کہ تم میرا وہ عہد پورا کرو جو تم سے نبی آخر الزمان کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا کہ تم سے وہ بوجھ اتار دیے جائیں گے جو تمھاری غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے بطور سزا تم پر لاد دیے گئے تھے اور تمھیں دوبارہ عروج عطا کیا جائے گا۔ اور مجھ سے ڈرو کہ میں تمھیں مسلسل اس ذلت و ادبار میں مبتلا رکھ سکتا ہوں جس میں تم بھی مبتلا ہو اور تمھارے آباء و اجداد بھی مبتلا رہے۔

[3] بِهٖ کی ضمیر قرآن کی طرف یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ دونوں ہی قول صحیح ہیں کیونکہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور جس نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر کیا، اس نے قرآن کے ساتھ کفر کیا۔ (ابن کثیر) ''پہلے کافر نہ بنو'' کا مطلب ہے کہ ایک تو تمھیں جو علم ہے دوسرے اس سے محروم ہیں، اس لیے تمھاری ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ دوسرے، مدینہ میں یہود کو سب سے پہلے دعوت ایمان دی گئی، ورنہ ہجرت سے پہلے بہت سے لوگ

وَّاِيَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿41﴾ وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿42﴾ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ﴿43﴾ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿44﴾ وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيۡرَةٌ اِلَّا عَلَى الۡخٰشِعِيۡنَ ﴿45﴾ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿46﴾ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿47﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ

صرف مجھ ہی سے ڈرو ﴿41﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمھیں تو خود اس کا علم ہے ﴿42﴾ اور نمازوں کو قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿43﴾ کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ﴿44﴾ اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو [1] یہ بڑی چیز ہے، مگر ڈر رکھنے والوں پر ﴿45﴾ [2] جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ﴿46﴾ اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ﴿47﴾ [3] اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ

اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے انھیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ یہودیوں میں تم اولین کافر مت بنو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمام یہودیوں کے کفر و جحود کا وبال تم پر پڑے گا۔

[4] ''تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو۔'' کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں ہیچ اور ثمن قلیل ہے۔ آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لیے ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لیے گریز کرے گا وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔ (فتح القدیر)

[1] صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں۔ نماز کے ذریعے سے ایک مومن کا رابطہ و تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہوتا ہے، جس سے اسے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے سے کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: «إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلَاةِ» (مسند أحمد: 388/5، حديث: 23688، و سنن أبي داود، حديث: 1319، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 4703) ''نبی ﷺ کو جب بھی کوئی شدید معاملہ پیش آتا آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔'' (مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت، آیت: 45 کے حواشی)

[2] نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے لیکن خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان بلکہ اطمینان اور راحت کا باعث ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ گویا قیامت پر یقین اعمالِ خیر کو آسان کر دیتا اور آخرت سے بے فکری انسان کو بے عمل بلکہ بدعمل بنا دیتی ہے۔

[3] یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد کرائے جارہے ہیں جو ان پر کیے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جارہا ہے،

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا

اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے ﴿48﴾ اور جب ہم نے تمھیں فرعونیوں[1] سے نجات دی جو تمھیں بدترین عذاب دیتے تھے جو تمھارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمھاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس نجات دینے میں تمھارے رب کی بڑی مہربانی تھی ﴿49﴾ اور جب ہم نے تمھارے لیے[2] دریا چیر (پھاڑ) دیا اور تمھیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمھاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا ﴿50﴾ اور ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ﴿51﴾[3] لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمھیں معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو ﴿52﴾ اور ہم نے موسیٰ کو

جس دن نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش قبول ہوگی، نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا ہو سکے گا، نہ کوئی مددگار آگے آئے گا۔ ایک انعام یہ بیان فرمایا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی، یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی جو انھوں نے معصیت الٰہی کا ارتکاب کر کے گنوا لی اور امت محمدیہ کو خَيْرُ اُمَّةٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انعامات الٰہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان و عمل سے محرومی پر سلب کر لیے جاتے ہیں، جس طرح امت محمدیہ بھی اس وقت اپنی بدعملیوں اور شرک و بدعات کے ارتکاب کی وجہ سے خَيْرُ اُمَّةٍ کی بجائے شَرُّ اُمَّةٍ بنی ہوئی ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى۔

یہود کو یہ دھوکہ بھی تھا کہ ہم تو اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لیے مؤاخذۂ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا۔ اسی فریب میں امت محمدیہ بھی مبتلا ہے اور مسئلۂ شفاعت کو، جو اہل سنت کے ہاں مسلمہ ہے، اپنی بدعملی کا جواز بنا رکھا ہے۔ نبی ﷺ اللہ کی اجازت سے یقیناً شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول بھی فرمائے گا (احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے) لیکن یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ إِحْدَاث فِي الدِّينِ (بدعات) کے مرتکب اس سے محروم ہی رہیں گے، نیز بہت سے گناہ گاروں کو جہنم میں سزا دینے کے بعد آپ ﷺ کی شفاعت پر جہنم سے نکالا جائے گا، کیا جہنم کی یہ چند روزہ سزا قابل برداشت ہے کہ ہم شفاعت پر تکیہ کر کے معصیت کا ارتکاب کرتے رہیں؟

[1] آل فرعون سے مراد صرف فرعون اور اس کے اہل خانہ ہی نہیں بلکہ فرعون کے تمام پیروکار ہیں۔ جیسا کہ آگے: ﴿اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ہے (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا) یہ غرق ہونے والے فرعون کے گھر والے ہی نہیں تھے، اس کے فوجی اور دیگر پیروکار بھی تھے۔ گویا قرآن میں آل مُتَّبِعِين (پیروکاروں) کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس کی مزید تفصیل ''سورۂ احزاب'' آیت:33 کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] سمندر کا یہ پھاڑنا اور اس میں سے راستہ بنا دینا، ایک معجزہ تھا جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں بیان کی گئی ہے۔ یہ سمندر کا مد و جزر

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿54﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿55﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿56﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

تمھاری ہدایت کے لیے کتاب اور معجزے عطا فرمائے ﴿53﴾ [1] جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے کو آپس میں قتل کرو، تمھاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمھاری توبہ قبول کی، وہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿54﴾ [2] اور (تم یاد کرو) جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمھارے [3] دیکھتے ہوئے بجلی گری ﴿55﴾ پھر اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو، اس موت کے بعد بھی ہم نے تمھیں زندہ کر دیا ﴿56﴾ اور ہم نے تم

نہیں تھا، جیسا کہ سرسید احمد خان اور دیگر منکرین معجزات کا خیال ہے۔

③ یہ گئوسالہ پرستی کا واقعہ اس وقت ہوا جب فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد بنو اسرائیل جزیرہ نمائے سینا پہنچے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انسان کتنا ظاہر پرست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود اور نبیوں (حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام) کی موجودگی کے باوصف بچھڑے کو اپنا ''معبود'' سمجھ لیا۔ آج کا مسلمان بھی شرکیہ عقائد و اعمال میں بری طرح مبتلا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ مسلمان مشرک کس طرح ہو سکتا ہے؟ ان مشرک مسلمانوں نے شرک کو پتھر کی مورتیوں کے پجاریوں کے لیے خاص کر دیا ہے کہ صرف وہی مشرک ہیں۔ جب کہ یہ نام نہاد مسلمان بھی قبروں پر قبوں کے ساتھ وہی کچھ کرتے ہیں جو پتھر کے پجاری اپنی مورتیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

① یہ بھی بحر قلزم پار کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ (ابن کثیر) ممکن ہے کتاب، یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو، کیوں کہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے یا معجزات کو فرقان کہا گیا ہے کیونکہ معجزات کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان تفریق اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔

② جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک پر متنبہ فرمایا تو پھر انھیں توبہ کا احساس ہوا تو توبہ کا طریقہ قتل تجویز کیا گیا: ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''اپنے کو آپس میں قتل کرو۔'' کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ سب کو دو صفوں میں کر دیا گیا اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ دوسری، یہ کہ ارتکاب شرک کرنے والوں کو کھڑا کر دیا گیا اور جو اس سے محفوظ رہے تھے، انھیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ انھوں نے قتل کیا۔ مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن كثير و فتح القدير)

3 حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر (70) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لیے ساتھ لے گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آنے لگے تو انھوں نے کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں، ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ جس پر بطور

وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿57﴾ وَاِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿58﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ

پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ (1) (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انھوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (57) اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں (2) جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے گزرو (3) اور زبان سے حِطَّةٌ (4) کہو،ہم تمھاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے (58) پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی (5) بدل ڈالا،

عتاب ان پر بجلی گری اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔ دیکھتے ہوئے بجلی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں جن پر بجلی گری، آخر والے اسے دیکھ رہے تھے، حتیٰ کہ سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

(1) اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر اور شام کے درمیان میدان تیہ کا واقعہ ہے۔ جب انھوں نے الٰہی حکم سے اعراض کرتے ہوئے عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بطور سزا بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں پڑے رہے۔ بعض کے نزدیک یہ تخصیص صحیح نہیں۔ صحرائے سینا میں اترنے کے بعد جب سب سے پہلے پانی اور کھانے کا مسئلہ درپیش آیا تو اسی وقت یہ انتظام کیا گیا۔ ﴿ اَلۡمَنَّ ﴾ بعض کے نزدیک ترنجبین ہے یا اوس جو درخت یا پتھر پر گرتی، شہد کی طرح میٹھی ہوتی اور خشک ہو کر گوند کی طرح ہو جاتی۔ بعض کے نزدیک شہد یا میٹھا پانی ہے۔ مَنّ، مصدر ہے بمعنی اسم مفعول، یعنی ممنون به (اس کے ساتھ احسان کیا گیا) ویسے تو تمام نعمتیں ہی اللہ کا احسان ہیں لیکن ان کے لیے پھر بھی انسانوں کو کچھ سعی ومحنت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ یہ مَنّ بغیر کسی سعی ومحنت کے حاصل ہوتا تھا، اس لیے اللہ نے اسے تعبیر ہی مَنّ کے لفظ سے فرمایا۔ (فتح الباري، تحت حديث: 5708.) حدیث میں ہے کہ کھمبی مَنّ کی اس قسم سے ہے جو بنو اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4478، وصحيح مسلم، حديث: 161،160-(2049)) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کو وہ کھانا بلا وقت بہم پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھمبی بغیر کسی کے بونے اور سیراب کرنے کے پیدا ہو جاتی ہے۔ (فتح الباري، تحت حديث: 5708) ﴿ وَالسَّلۡوٰى ﴾ بٹیر یا چڑیا کی طرح کا ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے۔ (فتح القدير)

(2) اس بستی سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بیت المقدس ہے۔

(3) سجدہ سے بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ جھکتے ہوئے داخل ہو اور بعض نے سجدۂ شکر ہی مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں عجز وانکسار کا اظہار اور اعتراف شکر کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو۔

(4) ﴿ حِطَّةٌ ﴾ اس کے معنی ہیں ''ہمارے گناہ معاف فرما دے۔''

(5) اس کی وضاحت ایک حدیث میں آتی ہے جو صحيح البخاري، حديث: 4479، و صحيح مسلم، حديث: 1-(3015) وغیرہما میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان کو حکم دیا گیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل

لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب [1] نازل کیا﴿59﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے [2] اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو﴿60﴾ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز دے، آپ نے فرمایا: بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمھیں تمھاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی [3] ان پر ذلت اور مسکینی ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ [4] اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں

ہوئے اور حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ (گندم بالی میں) کہتے رہے۔'' اس سے ان کی اس سرتابی و سرکشی کا، جو ان کے اندر پیدا ہوگئی تھی اور احکام الٰہی سے تمسخر و استہزا کا جس کا ارتکاب انھوں نے کیا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ پھر احکام الٰہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

[1] یہ آسمانی عذاب کیا تھا؟ بعض نے کہا کہ غضب الٰہی، سخت پالا، طاعون۔ اس آخری معنی کی تائید حدیث سے ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے بعض لوگوں پر نازل ہوا۔ تمھاری موجودگی میں کسی جگہ یہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے مت نکلو اور اگر کسی اور علاقے کی بابت تمھیں معلوم ہو کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ۔'' (صحيح مسلم، حديث:92-(2218))

[2] یہ واقعہ بعض کے نزدیک تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے، وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

[3] یہ قصہ بھی اسی میدان تیہ کا ہے۔ مصر سے مراد یہاں ملک مصر نہیں بلکہ کوئی ایک شہر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں سے کسی بھی شہر میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں، دالیں اگاؤ اور کھاؤ۔ ان کا یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لیے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا: ''تمھارے لیے وہاں تمھاری مطلوبہ چیزیں ہیں۔''

[4] کہاں وہ انعامات و احسانات، جن کی تفصیل گزری اور کہاں وہ ذلت و مسکنت جو بعد میں ان پر مسلط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿61﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے[1] تھے، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے﴿61﴾[2] مسلمان ہوں، یہودی[3] ہوں، نصاریٰ[4] ہوں یا صابی[5] ہوں، جو کوئی بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی﴿62﴾[6] اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تم پر

کے مصداق بن گئے ،غضب بھی رحمت کی طرح اللہ کی صفت ہے، جس کی تاویل ارادہ عقوبت یا نفس عقوبت سے کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا۔ كَمَا هُوَ شَانُهٗ۔ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

① یہ ذلت وغضب الٰہی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور اللہ کی طرف بلانے والے انبیاء علیہم السلام اور داعیان حق کا قتل اور ان کی تذلیل واہانت، یہ غضب الٰہی کا باعث ہے۔ کل یہود اس کا ارتکاب کر کے مغضوب اور ذلیل ورسوا ہوئے تو آج اس کا ارتکاب کرنے والے کس طرح معزز اور سرخرو ہو سکتے ہیں: مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ مَا كَانُوا ”وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں؟“

② یہ ذلت ومسکنت کی دوسری وجہ ہے۔ ﴿عَصَوْا﴾ (نافرمانی کی) کا مطلب ہے جن کاموں سے انھیں روکا گیا تھا، ان کا ارتکاب کیا اور ﴿يَعْتَدُوْنَ﴾ کا مطلب ہے مَامُور بِهِ کاموں میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اطاعت وفرمانبرداری یہ ہے کہ مَنْهِيات سے باز رہا جائے اور مَامُورَات کو اس طرح بجا لایا جائے جس طرح ان کو بجا لانے کا حکم دیا گیا ہو۔ اپنی طرف سے کمی بیشی یہ زیادتی (اِعْتِدَاء) ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

③ یہود، هَوَادَةٌ (بمعنی محبت) سے یا تَهَوُّد (بمعنی توبہ) سے بنا ہے۔ گویا ان کا یہ نام اصل میں توبہ کرنے یا ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے پڑا۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو یہود کہا جاتا ہے۔

④ ﴿النَّصٰرٰى﴾ نَصْرَانِيّ کی جمع ہے اور بعض بتاتے ہیں کہ نَصْرَان کی جمع ہے جیسے نَدَامٰى نَدْمَان کی جمع ہے اور نَصْرَانِيّ نَصْرَان یا نَاصِرَة کی طرف منسوب ہے جو اس بستی کا نام ہے جس میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ناصری کہتے ہیں اور آپ کے پیروکاروں کو نصرانی۔ (تفسير اللباب:2/133-135)

⑤ ﴿الصّٰبِـِٕيْنَ﴾ صَابِئٌ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو ابتدا میں کسی دین حق کے پیرو رہے ہوں گے (اسی لیے قرآن میں یہودیت وعیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے) لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لامذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔

⑥ بعض جدید مفسرین کو اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور اس سے انھوں نے ”وحدت ادیان“ کا فلسفہ کشید کرنے کی مذموم سعی کی ہے، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اس کے مطابق ایمان رکھتا اور اچھے عمل کرتا ہے، اس کی نجات ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سخت گمراہ کن ہے، آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات میں

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿65﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا[1] اور کہا جو ہم نے تمھیں دیا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو﴿63﴾ لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے، پھر اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے﴿64﴾ اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتے[2] کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ﴿65﴾ اسے ہم

یہود کی بدعملیوں اور سرکشیوں اور اس کی بنا پر ان کے مستحق عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا تو ذہن میں اشکال پیدا ہو سکتا تھا کہ ان یہود میں جو لوگ صحیح، کتاب الٰہی کے پیرو اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے والے تھے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ یا کیا معاملہ فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرما دی کہ صرف یہود ہی نہیں، نصاریٰ اور صابی بھی اپنے اپنے وقت میں جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور عمل صالح کرتے رہے، وہ سب نجات اخروی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح اب رسالت محمدیہ پر ایمان لانے والے مسلمان بھی اگر صحیح طریقے سے ایمان باللہ والیوم الآخر اور عمل صالح کا اہتمام کریں تو یہ بھی یقیناً آخرت کی ابدی نعمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔ نجات اخروی میں کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ وہاں بے لاگ فیصلہ ہوگا۔ چاہے مسلمان ہوں یا رسول آخر الزمان سے پہلے گزر جانے والے یہودی، عیسائی اور صابی وغیرھم۔ اس کی تائید بعض مرسل آثار سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: مجاہد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ان اہل دین کے بارے میں پوچھا جو میرے ساتھی تھے، عبادت گزار اور نمازی تھے (رسالت محمدیہ سے قبل وہ اپنے دین کے پابند تھے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ الآیۃ (ابن کثیر) قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، مثلاً: ﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ﴾ (آل عمران 19:3) ''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ (آل عمران 85:3) ''جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا متلاشی ہوگا، وہ ہرگز مقبول نہیں ہوگا۔'' اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی شخص کی نجات نہیں ہو سکتی، مثلاً: فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحيح مسلم، حديث: 153) ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (دعوت) میں جو شخص بھی میری بابت سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وحدت ادیان کی گمراہی، جہاں دیگر آیات قرآنی کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے، وہاں احادیث کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی مذموم سعی کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

[1] جب تورات کے احکام کے متعلق یہود نے ازراہ شرارت کہا کہ ہم سے تو ان احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو سائبان کی طرح ان کے اوپر کر دیا، جس سے ڈر کر انھوں نے عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

نے اگلوں پچھلوں کے لیے عبرت کا سبب بنا دیا اور پرہیز گاروں کے لیے وعظ ونصیحت کا ﴿66﴾ اور موسیٰ نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے[1] تو انھوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں ﴿67﴾ انھوں نے کہا: اے موسیٰ! دعا کیجیے کہ اللہ ہمارے لیے اس کی ماہیت بیان کردے، آپ نے فرمایا: سنو! وہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہو، نہ بچی، بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہو، اب جو تمھیں حکم دیا گیا ہے بجالاؤ ﴿68﴾ وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجیے کہ اللہ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے، چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے ﴿69﴾ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجیے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے، اس قسم کی گائے تو بہت ہیں پتا نہیں چلتا، اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے ﴿70﴾ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی، زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں، وہ تندرست اور بے داغ ہے انھوں نے کہا: اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ﴿71﴾[2] جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر اس میں

---

(2) السَّبْتِ "ہفتہ" کے دن یہودیوں کو مچھلی کا شکار بلکہ کوئی بھی دنیاوی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا لیکن انھوں نے ایک حیلہ اختیار کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا۔ ہفتے کے دن (بطور امتحان) مچھلیاں زیادہ آتیں، انھوں نے گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں ان میں پھنسی رہیں اور پھر اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے۔

(1) ایک مرسل روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک لا ولد مالدار آدمی تھا جس کا وارث صرف ایک بھتیجا تھا، ایک رات اس بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی آدمی کے دروازے پر ڈال دی، صبح قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے لگے، بالآخر بات حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا، گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا جس سے وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا۔ (فتح القدير)

(2) انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کوئی سی بھی ایک گائے ذبح کر دیتے تو حکم الٰہی پر عمل ہو جاتا لیکن انھوں نے حکم الٰہی پر سیدھے طریقے سے عمل کرنے کی بجائے، مین میکھ نکالنا اور طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیے، جس پر اللہ تعالیٰ بھی

تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ

اختلاف کرنے لگے اور جو کچھ تم چھپاتے تھے اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا ﴿72﴾ [1] ہم نے کہا کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو، (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مُردوں کو زندہ کر کے تمھیں تمھاری عقل مندی کے لیے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ﴿73﴾ [2] پھر اس کے بعد تمھارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، [3] بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، [4] اور تم اللہ کو اپنے اعمال سے

ان پر سختی کرتا چلا گیا۔ اسی لیے دین میں تعمّق اور سختی اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

[1] مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس قتل کا راز فاش کر دیا، دراں حالیکہ وہ قتل رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر کیا گیا تھا۔ تاہم کسی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم کا تعلق اس قتل سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نیکی یا بدی تم کتنی بھی چھپ کر کرو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس لیے خلوت ہو یا جلوت ہر وقت اور ہر جگہ اچھے کام ہی کیا کرو تاکہ اگر وہ کسی وقت ظاہر بھی ہو جائیں اور لوگوں کے علم میں بھی آجائیں تو شرمندگی نہ ہو بلکہ اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہی ہو اور بدی کتنی بھی چھپ کر کیوں نہ کی جائے، اس کے فاش ہونے کا امکان ہے جس سے انسان کی بدنامی اور ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔

[2] مقتول کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت کا اعلان فرما رہا ہے۔ قیامت والے دن دوبارہ مُردوں کا زندہ ہونا، منکرین قیامت کے لیے ہمیشہ حیرت و استعجاب کا باعث رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے کو بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف اسلوب اور پیرائے میں بیان فرمایا ہے، سورۂ بقرہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی پانچ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال: ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرة 2:56) میں گزر چکی ہے۔ دوسری مثال یہی قصہ ہے۔ تیسری مثال دوسرے پارے کی آیت نمبر 243: ﴿مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاھُمْ﴾ چوتھی، آیت نمبر 259: ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ اور پانچویں مثال اس کے بعد والی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طیور اربعہ (چار پرندوں) کی ہے۔

[3] یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا، دیکھ کر بھی تمھارے دلوں کے اندر اِنَابَت اِلَی اللّٰہ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس تمھارے دل پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ دلوں کا سخت ہو جانا یہ افراد اور امتوں کے لیے سخت تباہ کن اور اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ دلوں سے اثر پذیری کی صلاحیت سلب اور قبول حق کی استعداد ختم ہو گئی ہے، اس کے بعد اس کی اصلاح کی توقع کم اور مکمل فنا اور تباہی کا اندیشہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو خاص طور پر تاکید کی گئی ہے: ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الحديد 16:57) ''اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب دی گئی لیکن مدت گزرنے پر ان کے دل سخت ہو گئے۔''

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿77﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ

غافل نہ جانو ﴿74﴾ مسلمانو! کیا تمھاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں، حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، عقل وعلم والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں ﴿75﴾ [1] جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں [2] اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمھیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی ﴿76﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ (سب) جانتا ہے جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ﴿77﴾ [3] ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ ہی کو جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ﴿78﴾ [4] ان لوگوں کے لیے ''ویل'' (ہلاکت) ہے۔ جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف

﴿4﴾ پتھروں کی سنگینی کے باوجود، ان سے جو جو فوائد حاصل ہوتے اور جو جو کیفیت ان پر گزرتی ہے، اس کا بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھروں کے اندر بھی ایک قسم کا ادراک واحساس موجود ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی إسرآءیل 44:17) (مزید وضاحت کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:44 کا حاشیہ دیکھیے)

﴿1﴾ اہل ایمان سے خطاب کر کے یہودیوں کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمھیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے، درآں حالیکہ ان کے پچھلے لوگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام الٰہی میں جانتے بوجھتے تحریف (لفظی ومعنوی) کرتا تھا۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دنیوی مفادات یا حزبی تعصبات کی وجہ سے کلام الٰہی میں تحریف تک کرنے سے گریز نہیں کرتے، وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس جاتے ہیں کہ اس سے نکل نہیں پاتے۔ امت محمدیہ کے بہت سے علماء و مشائخ بھی بدقسمتی سے قرآن وحدیث میں تحریف کے مرتکب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جرم سے محفوظ رکھے۔ (دیکھیے سورۂ نساء، آیت:77 کا حاشیہ)

﴿2﴾ یہ بعض یہودیوں کے منافقانہ کردار کی نقاب کشائی ہو رہی ہے کہ وہ مسلمانوں میں تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے لیکن جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ایسی باتیں کیوں بتاتے ہو جس سے رسول عربی کی صداقت واضح ہوتی ہے۔ اس طرح تم خود ہی ایک ایسی حجت ان کے ہاتھ میں دے رہے ہو جو وہ تمھارے خلاف بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے۔

﴿3﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتلاؤ یا نہ بتلاؤ، اللہ تعالیٰ کو تو ہر بات کا علم ہے اور وہ ان باتوں کو تمھارے بتلائے بغیر بھی مسلمانوں پر ظاہر فرما سکتا ہے۔

﴿4﴾ یہ تو ان کے اہل علم کی باتیں تھیں۔ رہے ان کے ان پڑھ لوگ، وہ کتاب (تورات) سے تو بے خبر ہیں لیکن وہ آرزوئیں ضرور

يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿80﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ ع 11 وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں، ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل (ہلاکت) اور افسوس ہے ﴿79﴾ [1] یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز جہنم میں رہیں گے، ان سے کہو کہ کیا تمھارے پاس اللہ کا کوئی پروانہ ہے؟ [2] اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو [3] جنھیں تم نہیں جانتے ﴿80﴾ یقیناً جس نے بھی برے کام کیے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے ﴿81﴾ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو ہمیشہ جنت میں رہیں گے ﴿82﴾ [4] اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں

رکھتے ہیں اور گمانوں پر ان کا گزارہ ہے، جس میں انھیں ان کے علماء نے مبتلا کیا ہوا ہے، مثلاً: ہم تو اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ ہم جہنم میں اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے اور ہمیں ہمارے بزرگ بخشوا لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے آج کے جاہل مسلمانوں کو بھی بعض علماء و مشائخ نے ایسے ہی حسین جالوں اور پرفریب وعدوں میں پھنسا رکھا ہے۔

[1] یہ یہود کے علماء کی جسارت اور خوف الٰہی سے بے نیازی کی وضاحت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مسئلے گھڑتے ہیں اور بہ بانگ دہل یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت سے قرآن مجید (مصحف) کی فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں۔ آیت کا مصداق صرف وہی لوگ ہیں جو دنیا کمانے کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرتے اور لوگوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔

[2] یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہیں گے، اس حساب سے صرف سات دن جہنم میں رہیں گے۔ کچھ کہتے تھے کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی، چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے؟ یہ بھی استفہام انکاری ہے، یعنی یہ غلط کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

[3] یعنی تمھارا یہ دعویٰ کہ ہم اگر جہنم میں گئے بھی تو صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے، تمھاری اپنی طرف سے ہے اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو، جن کا تمھیں خود بھی علم نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنا وہ اصول بیان فرما رہا ہے جس کی رو سے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نیک و بد کو ان کی نیکی اور بدی کی جزا دے گا۔

[4] یہ یہود کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے جنت و جہنم میں جانے کا اصول بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہی برائیاں ہوں گی، یعنی کفر و شرک (کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے اگر بعض اچھے عمل بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی بے حیثیت رہیں گے) تو

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا

باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکاۃ دیتے رہا کرنا لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا﴿83﴾ اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا، یعنی قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو جلاوطن نہ کرنا، تم نے اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے﴿84﴾ [1] لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی، ہاں جب وہ قیدی ہو کر تمھارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیے۔ لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ [2] تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی

وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہیں (گویا یہاں ﴿سَيِّئَةً﴾ سیاق کے اعتبار سے کفر و شرک کے معنی میں ہے) اور جو ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے وہ جنتی اور جو مومن گناہ گار ہوں گے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا، وہ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے ان کے گناہ معاف فرما کر یا بطور سزا کچھ عرصہ جہنم میں رکھنے کے بعد یا نبی ﷺ کی شفاعت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا، جیسا کہ یہ باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

[1] ان آیات میں پھر وہ عہد بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا لیکن اس سے بھی انھوں نے اعراض ہی کیا۔ اس عہد میں اولاً صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے (جیسا کہ سورۂ انبیاء، آیت: 25 اور دیگر آیات سے واضح ہے) اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ضروری ہے، اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ اسلام میں ان باتوں کی بڑی تاکید ہے، جیسا کہ احادیث رسول ﷺ سے واضح ہے۔ اس عہد میں اقامت صلاۃ اور ایتائے زکاۃ کا بھی حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عبادتیں پچھلی شریعتوں میں بھی موجود رہی ہیں جن سے ان کی اہمیت واضح ہے۔ اسلام میں بھی یہ دونوں عبادتیں نہایت اہم ہیں، حتیٰ کہ ان میں سے کسی ایک کے انکار یا اس سے اعراض کو کفر سمجھا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کرنے سے واضح ہے۔

جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ

سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار اور اللہ تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں ﴿85﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿86﴾ [1] ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد مسلسل اور رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی [2] لیکن جب کبھی تمھارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمھاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم

---

[2] نبی کریم ﷺ کے زمانے میں انصار (جو اسلام سے قبل مشرک تھے) کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج، ان کی آپس میں آئے دن جنگ رہتی تھی۔ اسی طرح یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنو قریظہ اوس کے حلیف (ساتھی) اور بنو قینقاع اور بنو نضیر، خزرج کے حلیف تھے۔ جنگ میں یہ اپنے اپنے حلیفوں (ساتھیوں) کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے، ان کے گھروں کو لوٹتے اور انھیں جلا وطن کر دیتے۔ درآں حالیکہ تورات کے مطابق ایسا کرنا ان کے لیے حرام تھا۔ لیکن پھر انھی یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی بن جاتے تو فدیہ دے دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے شریعت کو موم کی ناک بنا لیا تھا، بعض چیزوں پر ایمان لاتے اور بعض کو ترک کر دیتے، کسی حکم پر عمل کر لیتے اور کسی وقت شریعت کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے۔ قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا، ان کی شریعت میں بھی حرام تھا، ان امور کا تو انھوں نے بے محابا ارتکاب کیا اور فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا، اس پر عمل کر لیا۔ حالانکہ اگر پہلے تین امور کا وہ لحاظ رکھتے تو فدیہ دے دے کر چھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

[1] یہ شریعت کے کسی حکم کے مان لینے اور کسی کو نظر انداز کر دینے کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ اس کی سزا دنیا میں عزت و سرفرازی کی جگہ (جو مکمل شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے) ذلت و رسوائی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی بجائے سخت عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں وہ اطاعت مقبول ہے جو مکمل ہو، بعض بعض باتوں کا مان لینا یا ان پر عمل کر لینا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ آیت ہم مسلمانوں کو بھی دعوت غور و فکر دے رہی ہے کہ کہیں مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی وجہ بھی مسلمانوں کا وہی کردار تو نہیں جو مذکورہ آیات میں یہودیوں کا بیان کیا گیا ہے؟

[2] ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ﴾ کے معنی ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مسلسل پیغمبر آتے رہے، حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہو گیا۔ ﴿ الْبَيِّنٰتِ ﴾ سے معجزات مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھی اور اندھے کو صحت یاب کرنا وغیرہ، جن کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت: 49 میں ہے۔ ﴿ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ سے مراد حضرت جبریل ہیں، ان کو روح القدس، اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ امر تکوینی سے ظہور میں آئے تھے، جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''روح'' کہا گیا ہے۔

اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۚ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ

نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ﴿87﴾ [1] یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، [2] نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انھیں اللہ نے ملعون کر دیا ہے، ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے ﴿88﴾ [3] اور ان کے پاس جب اللہ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ساتھ [4] کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے، اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ﴿89﴾ بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ ان کا کفر کرنا ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات [5] سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس

اور ''القدس'' سے ذات الٰہی مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح تر قرار دیا ہے کیونکہ سورۂ مائدہ، آیت: 10 میں روح القدس اور انجیل دونوں الگ الگ مذکور ہیں (اس لیے روح القدس سے انجیل مراد نہیں ہو سکتی) ایک اور آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ''الروح الأمين'' فرمایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: «اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ» ''اے اللہ! روح القدس سے اس کی تائید فرما۔'' ایک دوسری حدیث میں ہے: «وَجِبْرِيلُ مَعَكَ» ''جبریل تمھارے ساتھ ہے۔'' معلوم ہوا کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہی ہیں۔ (فتح البیان، ابن کثیر بحوالہ أشرف الحواشي)

① جیسے حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔

② یعنی ہم پر اے محمد! تیری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 5:41) ''ہمارے دل اس دعوت سے پردے میں ہیں، جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے۔''

③ دلوں پر حق بات کا اثر نہ کرنا، کوئی فخر کی بات نہیں۔ بلکہ یہ تو ملعون ہونے کی علامت ہے، پس ان کا ایمان بھی تھوڑا ہے (جو عند اللہ نامقبول ہے) یا ان میں ایمان لانے والے کم ہی لوگ ہوں گے۔

④ ﴿ يَسْتَفْتِحُوْنَ ﴾ کے ایک معنی یہ ہیں: غلبہ اور نصرت کی دعا کرتے تھے، یعنی جب یہ یہود مشرکین سے شکست کھا جاتے تو اللہ سے دعا کرتے کہ اے اللہ! آخری نبی جلد مبعوث فرما تا کہ اس سے مل کر ہم ان مشرکین پر غلبہ حاصل کریں، یعنی اِسْتِفْتَاح بِمَعْنَى اِسْتِنْصَار ہے۔ دوسرے معنی خبر دینے کے ہیں: أَيْ يُخْبِرُونَهُمْ بِأَنَّهُ سَيُبْعَثُ یعنی یہودی کافروں کو خبر دیتے کہ عنقریب نبی کی بعثت ہوگی۔ (فتح القدیر) لیکن بعثت کے بعد علم رکھنے کے باوجود نبوت محمد یہ پر محض حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

⑤ یعنی اس بات کی معرفت کے بعد بھی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ وہی آخری پیغمبر ہیں، جن کے اوصاف تورات و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی وجہ سے ہی اہل کتاب ان کے ایک ''نجات دہندہ'' کے طور پر منتظر بھی تھے لیکن ان پر محض اس جلن اور حسد کی وجہ سے

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ

بندے پر چاہا نازل فرمایا، اس باعث یہ لوگ غضب[1] پر غضب کے مستحق ہوگئے اور ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ﴿90﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے،[2] اور اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اچھا ان سے یہ تو دریافت کریں کہ اگر تمھارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟ ﴿91﴾[3] تمھارے پاس تو موسیٰ یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا،[4] تم ہو ہی ظالم ﴿92﴾ جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو! تو انھوں نے کہا: ہم نے سنا اور نافرمانی کی[5] اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی[6] بسبب ان کے کفر کے،[7] ان سے

ایمان نہیں لائے کہ یہ نبی ہماری نسل میں سے کیوں نہ ہوئے، جیسا کہ ہمارا گمان تھا، یعنی ان کا انکار دلائل پر نہیں، نسلی منافرت اور حسد و عناد پر مبنی تھا۔

[1] غضب پر غضب کا مطلب ہے بہت زیادہ غضب۔ کیونکہ بار بار وہ غضب والے کام کرتے رہے، جیسا کہ تفصیل گزری اور اب محض حسد کی وجہ سے قرآن اور حضرت محمد ﷺ کا انکار کیا۔

[2] یعنی تورات پر ہم ایمان رکھتے ہیں، اب اس کے بعد ہمیں قرآن پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

[3] یعنی تمھارا تورات پر دعویٰ ایمان بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر تورات پر تمھارا ایمان ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو تم قتل نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اب بھی تمھارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

[4] یہ ان کے انکار اور عناد کی ایک اور دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آیات واضحات اور دلائل قاطعہ اس بات کے لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن تم نے اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور الٰہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

[5] یہ کفر و انکار کی انتہا ہے، زبان سے تو اقرار کہ سن لیا، یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے؟

[6] ایک تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ دوسرے، اس کو ﴿اُشْرِبُوْا﴾ (پلا دی گئی) سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب دوڑتا ہے جبکہ کھانے کا گزر اس طرح نہیں ہوتا۔ (فتح القدیر)

[7] یعنی عصیان اور بچھڑے کی محبت و عبادت کی وجہ وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿93﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿94﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿95﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ ع قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ

(ع 11/10/11)

کہہ دیجیے کہ تمھارا ایمان تمھیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم مومن ہو﴿93﴾ آپ کہہ دیجیے کہ اگر آخرت کا گھر، اللہ کے نزدیک صرف تمھارے ہی لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو﴿94﴾ لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے وہ کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے،[1] اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے﴿95﴾ بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی! آپ انھیں کو پائیں گے۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں،[2] ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے، گو یہ عمر دیا جانا بھی انھیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا، اللہ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے﴿96﴾ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ جو جبریل کا دشمن ہو جس نے آپ کے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے، جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کی تصدیق کرنے والا اور مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دینے والا ہے[3] تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے﴿97﴾ جو شخص اللہ کا اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، جبرائیل اور

---

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر دعوت مباہلہ سے کی ہے، یعنی یہودیوں کو کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمد یہ کے انکار اور اللہ تعالیٰ سے محبوبیت کے دعوے میں سچے ہو تو مباہلہ کر لو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ اے اللہ! دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار کر دے، یہی دعوت انھیں سورۂ جمعہ میں بھی دی گئی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لیے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو (مباہلہ) نہیں کریں گے۔ حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

② موت کی آرزو تو کجا یہ تو دنیوی زندگی کے تمام لوگوں حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی انھیں عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکے گی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہودی اپنے ان دعووں میں یکسر جھوٹے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور چہیتے ہیں یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے جہنمی کیونکہ فی الواقع اگر ایسا ہوتا یا کم از کم انھیں اپنے دعووں کی صداقت پر پورا یقین ہوتا تو یقیناً وہ مباہلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے تا کہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی۔ مباہلے سے پہلے یہودیوں کا اعراض اور گریز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ گو وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے تھے لیکن ان کے دل اصل حقیقت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمانوں کے لیے طے کر رکھا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ

میکائیل کا دشمن ہو، ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے ﴿98﴾ [1] اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا ﴿99﴾ یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں ﴿100﴾ جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا، ان اہل کتاب کے ایک فرقے نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا، گویا جانتے ہی نہ تھے ﴿101﴾ [2] اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں

---

[3] حدیث میں ہے کہ چند یہودی علماء نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ نے ہمارے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے کیونکہ نبی کے علاوہ کوئی ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ جب نبی ﷺ نے ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیے تو انھوں نے کہا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جبریل'' یہود کہنے لگے: جبریل تو ہمارا دشمن ہے، وہی تو حرب وقتال اور عذاب لے کر اترتا رہا ہے۔ اور اس بہانے سے نبی کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا۔ (ابن كثير و فتح القدير)

[1] یہود کہتے تھے کہ میکائیل ہمارا دوست ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ سب میرے مقبول بندے ہیں جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ» (صحيح البخاري، حديث: 6502) ''جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی رکھی، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔'' گویا اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ولی سے دشمنی سارے اولیاء اللہ سے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کی تعظیم نہایت ضروری اور ان سے بغض وعناد اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف اعلان جنگ فرماتا ہے۔ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ (سورۂ یونس، آیت: 62، 63) لیکن محبت اور تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر گنبد اور قبے بنائے جائیں، ان کی قبروں پر سالانہ عرس کے نام پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کیا جائے، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قبروں کو غسل دیا جائے اور ان پر چادریں چڑھائی جائیں اور انھیں حاجت روا، مشکل کشا، نافع و ضار سمجھا جائے، ان کی قبروں پر دست بستہ قیام اور ان کی چوکھٹوں پر سجدہ کیا جائے وغیرہ، جیسا کہ بدقسمتی سے ''اولیاء اللہ کی محبت'' کے نام پر یہ کاروبار لات ومنات فروغ پذیر ہے۔ حالانکہ یہ ''محبت'' نہیں ہے، ان کی عبادت ہے، جو شرک اور ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ عبادت قبور سے محفوظ رکھے۔

[2] اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کو بہت سی آیات بینات عطا کی ہیں، جن کو دیکھ کر یہود کو بھی ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں خود ان کی کتاب تورات میں بھی آپ کے اوصاف کا ذکر اور آپ پر ایمان لانے کا عہد موجود ہے لیکن انھوں نے پہلے بھی کسی عہد کی کب پروا کی ہے جو اس عہد کی وہ کریں گے؟ عہد شکنی ان کے ایک گروہ کی ہمیشہ عادت رہی ہے

كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ

کو جادو سکھایا کرتے تھے،[1] اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا،[2] وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے[3] جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں[4] تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس

حتیٰ کہ اللہ کی کتاب کو بھی اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

[1] یعنی ان یہودیوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پروا نہیں کی، البتہ شیطان کے پیچھے لگ کر نہ صرف جادو ٹونے پر عمل کرتے رہے بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی (نعوذ باللّٰہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے ہی حکومت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت سلیمان علیہ السلام جادو کا عمل نہیں کرتے تھے کیونکہ عمل سحر تو کفر ہے، اس کفر کا ارتکاب حضرت سلیمان کیونکر کر سکتے تھے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے سدباب کے لیے جادو کی کتابیں لے کر اپنی کرسی یا تخت کے نیچے دفن کر دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت واقتدار کا راز یہی جادو کا عمل تھا اور اسی بنا پر ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی کافر قرار دیا، جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ (ابن کثیر وغیرہ)

[2] بعض مفسرین نے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ ﴾ میں مَا نافیہ مراد لیا ہے اور ہاروت و ماروت پر کسی چیز کے اترنے کی نفی کی ہے لیکن قرآن کریم کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ اسی لیے ابن جریر وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔ (ابن کثیر) اسی طرح ہاروت و ماروت کے بارے میں بھی تفاسیر میں اسرائیلی روایات کی بھرمار ہے۔ لیکن کوئی صحیح مرفوع روایت اس بارے میں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تفصیل کے نہایت اختصار کے ساتھ یہ واقعہ بیان کیا ہے، ہمیں صرف اس پر اور اسی حد تک ایمان رکھنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر) قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد (واللّٰہ أعلم بالصواب) یہ معلوم ہوتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہیں اور جادو یہ ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء علیہم السلام کو بھی نعوذ باللّٰہ جادوگر اور شعبدہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی پستی کی نشاندہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے لیے درپے رہے جس سے ان کا مقصد بنتے بستے گھروں کو اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا، یعنی یہ اُن کے گراوٹ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات اور اخلاقی گراوٹ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[3] یہ ایسے ہی ہے جیسے باطل کی تردید کے لیے، باطل مذاہب کا علم کسی استاذ سے حاصل کیا جائے، استاذ شاگرد کو اس یقین دہانی پر باطل مذہب کا علم سکھائے کہ وہ اس کی تردید کرے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے بعد وہ خود بدمذہب ہو جائے یا اس کا غلط استعمال

بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ع 12/7/12 يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ

سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، [1] یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے ﴿102﴾ اگر یہ لوگ صاحب ایمان متقی بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انھیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے ﴿103﴾ اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) ''راعنا'' نہ کہا کرو، بلکہ ''انظرنا'' کہو [2] (یعنی ہماری طرف دیکھیے) اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہیں ﴿104﴾ نہ تو اہل کتاب کے کافر اور نہ مشرکین یہ چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (بھلا ان کے حسد سے کیا ہوتا ہے؟) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرماتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے ﴿105﴾ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں۔

کرے تو استاذ اس میں قصور وار نہیں ہوگا۔

(4) أَيْ إِنَّمَا نَحْنُ ابْتِلَاءٌ وَاخْتِبَارٌ مِّنَ اللّٰهِ لِعِبَادِهِ ''ہم اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے آزمائش ہیں۔'' (فتح القدير)

(1) یہ جادو بھی اس وقت تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا اذن نہ ہو، اس لیے اس کے سیکھنے کا فائدہ بھی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جادو کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر قرار دیا ہے، ہر قسم کی خیر کی طلب اور ضرر کے دفع کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات میں ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔

(2) ﴿رَاعِنَا﴾ کے معنی ہیں: ہمارا لحاظ اور خیال کیجیے! بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کا استعمال کر کے متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر استعمال کرتے تھے جس سے اس کے معنی میں تبدیلی اور ان کے جذبۂ عناد کی تسلی ہو جاتی، مثلاً: وہ کہتے: رَاعِينَا (ہمارے چرواہے) یا رَاعِنًا (احمق) وغیرہ، جیسے وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کی بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تم پر موت آئے) کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ﴿انْظُرْنَا﴾ کہا کرو۔ اس سے ایک تو یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ، جن میں تنقیص و اہانت کا شائبہ ہو، ادب و احترام کے پیش نظر اور سدِ ذریعہ کے طور پر ان کا استعمال صحیح نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کفار کے ساتھ افعال و اقوال میں مشابہت اختیار کرنے سے بچا جائے تاکہ مسلمان «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن أبي داود، حديث: 4031 وحسنه الألباني) ''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انھی میں شمار ہوگا۔'' کی وعید میں داخل نہ ہوں۔

اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ
اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ﴿108﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا

یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے﴿106﴾ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے[1] اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی ولی اور مددگار نہیں﴿107﴾ کیا تم اپنے رسول سے یہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ سے پوچھا گیا تھا؟[2] (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے﴿108﴾ ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی

---

[1] نسخ کے لغوی معنی تو نقل کرنے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم نازل کرنے کے ہیں۔ یہ نسخ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام کے زمانے میں سگے بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح جائز تھا، بعد میں اسے حرام کر دیا گیا وغیرہ، اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے اور ان کی جگہ نیا حکم نازل فرمایا۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''الفوز الکبیر'' میں ان کی تعداد صرف پانچ بیان کی ہے۔ یہ نسخ تین قسم کا ہے۔ ایک تو مطلقاً نسخ حکم، یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسرا نسخ مع بقاء التلاوۃ یعنی پہلے حکم کے الفاظ قرآن مجید میں موجود رکھے گئے ہیں، ان کی تلاوت ہوتی ہے لیکن دوسرا حکم بھی، جو بعد میں نازل کیا گیا، قرآن میں موجود ہے، یعنی ناسخ اور منسوخ دونوں آیات موجود ہیں۔ نسخ کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ ان کی تلاوت منسوخ کر دی گئی، یعنی مصحف (قرآن کریم) میں نبی ﷺ نے انھیں شامل نہیں فرمایا لیکن ان کا حکم باقی رکھا گیا۔ جیسے «اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ» (موطأ إمام مالك: 335/2 ومسند أحمد: 132/5.) ''شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کا ارتکاب کریں تو یقیناً انھیں سنگسار کر دیا جائے۔'' اس آیت میں نسخ کی پہلی دو قسموں کا بیان ہے۔ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ میں دوسری قسم اور ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ میں پہلی قسم۔ ﴿نُنْسِهَا﴾ (ہم بھلوا دیتے ہیں) کا مطلب ہے کہ اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں۔ گویا کہ ہم نے اسے بھلا دیا اور نیا حکم نازل کر دیا۔ یا نبی ﷺ کے قلب سے ہی ہم نے اسے مٹا دیا اور اسے نسیاً منسیاً کر دیا گیا۔ یہودی تورات کو ناقابل نسخ قرار دیتے تھے اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھے کرے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہو، اسے نافذ کرے اور جسے چاہے منسوخ کر دے۔ یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے۔ بعض قدیم گمراہوں (مثلاً: ابومسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کل کے بھی بعض متجددین نے یہودیوں کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو مذکورہ سطروں میں بیان کی گئی ہے، سلف صالحین کا عقیدہ بھی اثبات نسخ ہی رہا ہے۔

[2] مسلمانوں (صحابہ) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر سے غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ اس میں اندیشۂ کفر ہے۔

مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّھُمْ ۭ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾ بَلٰي ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿112﴾ ۧ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ

معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿109﴾ تم نماز قائم رکھو اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ تمھارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿110﴾[1] یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو ﴿111﴾[2] سنو! جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے،[3] بے شک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا، اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا، نہ غم اور اداسی ﴿112﴾ یہودی کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں[4] اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔[5] قیامت کے دن اللہ ان کے

---

① یہودیوں کو اسلام اور نبی ﷺ سے جو حسد اور عناد تھا اس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی مذموم سعی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبر اور درگزر سے کام لیتے ہوئے، ان احکام و فرائض اسلام کو بجالاتے رہو، جن کا تمھیں حکم دیا گیا ہے۔

② یہاں اہل کتاب کے اس غرور اور فریب نفس کو پھر بیان کیا جا رہا ہے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جن کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

③ ﴿اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کا مطلب ہے محض اللہ کی رضا کے لیے کام کرے اور ﴿وَھُوَ مُحْسِنٌ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ، پیغمبر آخر الزمان کی سنت کے مطابق۔ قبولیت عمل کے لیے یہ دو بنیادی اصول ہیں اور نجات اخروی انھی اصولوں کے مطابق کیے گئے اعمال صالحہ پر مبنی ہے، نہ کہ محض آرزوؤں پر۔

④ یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے تھے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ہونے کی تصدیق ہے، اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، یہ گویا اہل کتاب کے دونوں فرقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

⑤ اہل کتاب کے مقابلے میں عرب کے مشرکین، ان پڑھ ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ تھے، اس لیے انھیں بے علم کہا گیا لیکن وہ بھی مشرک ہونے

مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي

اس اختلاف کا فیصلہ ان کے درمیان کردے گا ﴿۱۱۳﴾ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کیے جانے کو روکے [1] اوران کی بربادی کی کوشش کرے، [2] ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہیے، [3] ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب ہے ﴿۱۱۴﴾ اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے، [4] اللہ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے ﴿۱۱۵﴾ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، نہیں بلکہ وہ پاک ہے

کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ وہی حق پر ہیں۔اسی لیے وہ نبی ﷺ کو صابی، یعنی بے دین کہا کرتے تھے۔

[1] جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا، یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عیسائی ہیں، جنھوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا اور اس کی تخریب میں حصہ لیا۔ابن جریر طبری نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنھوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور یوں خانہ کعبہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار دہرایا اور کہا کہ ہم اپنے آباء واجداد کے قاتلوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حالانکہ خانہ کعبہ میں کسی کو عبادت سے روکنے کی اجازت اور روایت نہیں تھی۔

[2] تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا، اقامت شریعت اور مظاہر شرک سے پاک کرنے سے منع کرنا بھی تخریب اور اللہ کے گھروں کو برباد کرنا ہے۔

[3] یہ الفاظ خبر کے ہیں لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمھیں تَمَكُّنْ اور غلبہ عطا فرمائے تو تم ان مشرکین کو اس میں صلح اور جزیے کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ جب 8 ہجری میں مکہ فتح ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے بعد 9 ہجری میں اعلان کرا دیا کہ آئندہ سال کعبہ میں کسی مشرک کو حج کرنے کی اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہو گی اور جس سے جو معاہدہ ہے، معاہدے کی مدت تک وہ معاہدہ برقرار ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے کہ ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے، چنانچہ جلد ہی یہ خوش خبری پوری ہو گئی۔

[4] ہجرت کے بعد جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کو اس کا رنج تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔بعض کہتے ہیں کہ اس وقت نازل ہوئی جب بیت المقدس سے پھر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو یہودیوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں، بعض کے نزدیک اس کے نزول کا سبب سفر میں سواری پر نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے کہ سواری کا منہ کدھر بھی ہو، نماز پڑھ سکتے ہو۔کبھی چند اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے حکم کے لیے ایک ہی آیت نازل ہو جاتی ہے۔ایسی آیتوں کے شان نزول میں متعدد روایات مروی ہوتی ہیں، کسی روایت میں ایک سبب نزول کا بیان ہوتا ہے اور کسی میں دوسرا۔یہ آیت

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ

زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے﴿116﴾ وہ زمین وآسمان کا موجد ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ ہوجاتا ہے﴿117﴾ [1] اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ [2] اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہوگئے۔ [3] ہم نے تو یقین والوں کے لیے نشانیاں بیان کردیں﴿118﴾ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور جہنمیوں کے بارے میں آپ سے پرسش نہیں ہوگی﴿119﴾ آپ سے یہود ونصاری ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، [4] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے [5] اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم

بھی اسی قسم کی ہے۔ (ملخص از احسن التفاسیر)

① یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کی فرماں بردار ہے بلکہ آسمان وزمین کا بغیر کسی نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ جو کام کرنا چاہے اس کے لیے اسے صرف لفظ کُن کافی ہے۔ ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟

② اس سے مراد مشرکین عرب ہیں جنھوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا یا کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتا؟ جسے دیکھ کر ہم مسلمان ہوجائیں جس طرح کہ (سورۂ بنی اسرائیل آیت: 90 تا 93) میں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔

③ یعنی مشرکین عرب کے دل، کفر وعناد اور انکار وسرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہوگئے۔ جیسے سورۂ ذاریات میں فرمایا گیا: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝﴾ ”ان سے پہلے جو بھی رسول آیا، اس کو لوگوں نے جادوگر یا دیوانہ ہی کہا۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کر جاتے تھے؟ نہیں یہ سب سرکش لوگ ہیں۔“ یعنی قدر مشترک ان سب میں سرکشی کا جذبہ ہے، اس لیے داعیان حق کے سامنے نئے نئے مطالبے رکھتے ہیں یا انھیں دیوانہ گردانتے ہیں۔

④ یعنی یہودیت یا نصرانیت اختیار کرلیں۔

⑤ جواب اسلام کی صورت میں ہے، جس کی طرف نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے ہیں، نہ کہ تحریف شدہ یہودیت ونصرانیت۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران 3:85) میں بیان کیا گیا ہے۔

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿120﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ
اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿121﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

ع 14 / 9 / 14

آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار ﴿120﴾ [1] جنھیں ہم نے کتاب دی ہے [2] اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، [3] یہی لوگ اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے ﴿121﴾ [4] اے اولادِ یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انھیں یاد کرو اور میں نے تو تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دے رکھی تھی ﴿122﴾ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا، نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ﴿123﴾ جب ابراہیم کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا [5]

---

① یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان برخود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداہنت اور بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔

② اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کے مذموم اخلاق و کردار کی ضروری تفصیل کے بعد ان میں جو کچھ لوگ صالح اور اچھے کردار کے تھے، اس آیت میں ان کی خوبیاں اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر افراد ہیں، جن کو یہودیوں میں سے قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی۔

③ ''وہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔'' کے کئی مطلب بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ① خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں۔ جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ ② اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الٰہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے دوسرے یہودی کرتے تھے۔) ③ اس میں جو کچھ تحریر ہے، لوگوں کو بتلاتے ہیں، اس کی کوئی بات چھپاتے نہیں۔ ④ اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، متشابہات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، انھیں علماء سے حل کرواتے ہیں ⑤ اس کی ایک ایک بات کا اتباع کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مفہوم داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

④ اہل کتاب میں سے جو نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ جیسے صحیح مسلم کی حدیث: (153) آیت: 62 کی تشریح میں گزری ہے۔

⑤ کلمات سے مراد احکام شریعت، مناسکِ حج، ذبحِ پسر، ہجرت، نارِ نمرود وغیرہ وہ تمام آزمائشیں ہیں، جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے اور ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلے میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں، یہودی، عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں ان کی شخصیت محترم اور پیشوا مانی اور سمجھی جاتی ہے۔

فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی وَعَهِدْنَآ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

اورانھوں نے سب کو پورا کردیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمھیں لوگوں کا امام بنادوں گا،عرض کرنے لگے اور میری اولاد کو،[1] فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ﴿۱۲۴﴾ ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن وامان کی جگہ بنایا،[2] تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کرلو،[3] ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو ﴿۱۲۵﴾ جب ابراہیم نے کہا: اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے[4] اللہ نے فرمایا: میں کافروں کو

---

① اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا فرمایا، جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت 29:27) ''ہم نے نبوت اور کتاب کو اس کی اولاد میں کر دیا۔'' پس ہر نبی جسے اللہ نے مبعوث کیا اور ہر کتاب جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل فرمائی، اولاد ابراہیم ہی میں یہ سلسلہ رہا۔ (ابن کثیر) اس کے ساتھ ہی یہ فرما کر کہ ''میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔'' اس امر کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عنداللہ منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم میں سے جو ناخلف اور ظالم ومشرک ہوں گے، ان کی شقاوت ومحرومی کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پیمبر زادگی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اگر ایمان وعمل صالح نہیں تو پیرزادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہ الٰہی میں کیا حیثیت ہوگی؟ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ یُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث:38-(2699)) ''جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا۔''

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو اس کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائیں: ایک ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ) دوسرے معنی ہیں: بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ۔ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوجاتا ہے، دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ یہ شوق روز افزوں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت ''امن کی جگہ'' یعنی یہاں کسی دشمن کا بھی خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے اس احترام کو باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کی۔

③ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی ومعتمر طواف کے دوران میں بآسانی دیکھتا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔

④ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول فرمائیں، یہ شہر امن کا گہوارہ بھی ہے اور وادیٔ غیر ذي زرع (غیر کھیتی والی)

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿126﴾ وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿128﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ‌ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿129﴾ ع 15 8 15 وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ‌ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿130﴾ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿131﴾

بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر انھیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے ﴿126﴾ جب ابراہیم اور اسماعیل کعبے کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے تو کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿127﴾ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾ اے ہمارے رب! ان میں انھیں میں سے رسول بھیج[1] جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت[2] سکھائے اور انھیں پاک کرے،[3] یقیناً تو غلبے والا اور حکمت والا ہے ﴿129﴾ دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہیں ﴿130﴾[4] جب کبھی بھی انھیں ان کے رب نے کہا: فرمانبردار

ہونے کے باوجود اس میں دنیا بھر کے پھل فروٹ اور ہر قسم کے غلے کی وہ فراوانی ہے جسے دیکھ کر انسان حیرت وتعجب میں ڈوب جاتا ہے۔

[1] یہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہ السلام کی آخری دعا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔'' (الفتح الرباني: 181/20 و 189، ومسند أحمد: 262/5)

[2] کتاب سے مراد قرآن مجید اور حکمت سے مراد حدیث ہے۔ تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب وحکمت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی نفس تلاوت بھی مقصود اور باعث اجر وثواب ہے۔ تاہم اگر ان کا مفہوم ومطلب بھی سمجھ میں آتا جائے تو سبحان اللہ، سونے پر سہاگہ ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ترجمہ ومطلب نہیں آتا، تب بھی اس کی تلاوت میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تلاوت بجائے خود ایک الگ اور نیک عمل ہے۔ تاہم اس کے مفاہیم اور مطالب سمجھنے کی بھی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

[3] تلاوت وتعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کے بعد نبی ﷺ کی بعثت کا یہ چوتھا مقصد ہے کہ انھیں شرک وتوہمات کی آلائشوں سے اور اخلاق وکردار کی کوتاہیوں سے پاک کریں۔

[4] عربی زبان میں رَغِبَ کا صلہ عَنْ ہو تو اس کے معنی بے رغبتی کرنا، اعراض کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت وفضیلت بیان فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائی ہے اور یہ بھی وضاحت فرما دی کہ ملت ابراہیمی سے اعراض اور بے رغبتی بے وقوفوں کا کام ہے، کسی عقل مند سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

ہو جا، انھوں نے کہا: میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی (131) [1] اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو کی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے اس دین کو پسند فرما لیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا (132) [2] کیا یعقوب کی موت کے وقت تم موجود تھے؟ جب [3] انھوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے (133) یہ جماعت تو گزر چکی، جو انھوں نے کیا وہ ان کے لیے ہے اور جو تم کرو گے تمھارے لیے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم نہیں پوچھے جاؤ گے (134) [4] کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور ابراہیم خالص اللہ کے

---

① یہ فضیلت و برگزیدگی انھیں اس لیے حاصل ہوئی کہ انھوں نے اطاعت و فرماں برداری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔

② حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب علیہما السلام نے ﴿الدِّيْنَ﴾ کی وصیت اپنی اولاد کو بھی فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہی ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے اور قرآن کریم میں دیگر متعدد مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئے گی۔ جیسے ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران 3:19) وغیرہ ''اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

③ یہود کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ موجود تھے تو یہ کذب و زور اور بہتان ہوا اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کیونکہ انھوں نے جو وصیت کی، وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وَثَنِیَّت کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: «اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث: 3443) ''انبیاء علیہم السلام کی جماعت باپ شریک اولاد (اولادِ علّات) ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے۔''

④ یہ بھی یہود کو کہا جا رہا ہے کہ تمھارے آباء واجداد میں جو انبیاء علیہم السلام و صالحین ہو گزرے ہیں، ان کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا ہے، اس کا صلہ انھیں ہی ملے گا، تمھیں نہیں، تمھیں تو وہی کچھ ملے گا جو تم کماؤ گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے۔ **اصل چیز** ایمان اور عمل صالح ہی ہے جو پچھلے صالحین کا بھی سرمایہ تھا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات کا بھی واحد ذریعہ ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ

پرستار تھے اور مشرک نہ تھے (135) [1] اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء دیے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں (136) [2] اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں، اللہ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا [3] اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے (137) اللہ کا رنگ اختیار کرو

[1] یہودی، مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی، عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو کہ ہدایت ملت ابراہیم کی پیروی میں ہے جو حنیف تھا (الٰہ واحد کا پرستار اور اسی کی عبادت کرنے والا) اور وہ مشرک نہیں تھا۔ جبکہ یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شرک موجود ہے۔ اور اب بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی شرک کے مظاہر عام ہیں، اسلام کی تعلیمات اگرچہ بحمد اللہ قرآن وحدیث میں محفوظ ہیں، جن میں توحید کا تصور بالکل بے غبار اور نہایت واضح ہے، جس سے یہودیت، عیسائیت اور ثَنوِیّتْ (دو خداؤں کے قائل مذاہب) سے اسلام کا امتیاز نمایاں ہے لیکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اعمال وعقائد میں جو مشرکانہ اقدار و تصورات در آئے ہیں، اس نے اسلام کے امتیاز کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کیونکہ غیر مذاہب والوں کی دسترس براہ راست قرآن وحدیث تک تو نہیں ہو سکتی، وہ تو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ کریں گے کہ اسلام میں اور دیگر مشرکانہ تصورات سے آلودہ مذاہب کے مابین تو کوئی امتیاز ہی نظر نہیں آتا۔ اگلی آیت میں ایمان کا معیار بتلایا جا رہا ہے۔

[2] یعنی ایمان یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جو کچھ بھی ملا یا نازل ہوا، سب پر ایمان لایا جائے، کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی ایک کتاب یا نبی کو ماننا، کسی کو نہ ماننا، یہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں رکھا ہے، البتہ عمل اب صرف قرآن کریم ہی کے احکام پر ہوگا۔ پچھلی کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں پر نہیں کیونکہ ایک تو وہ اصلی حالت میں نہیں رہیں، تحریف شدہ ہیں، دوسرے قرآن نے ان سب کو منسوخ کر دیا ہے۔

[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی مذکورہ طریقے پر ایمان لائے تھے، اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح اے صحابہ! رضی اللہ عنہم تم ایمان لائے ہو تو پھر یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اگر وہ ضد اور اختلاف میں منہ موڑیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند سالوں ہی میں یہ وعدہ پورا ہوا اور بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور بنو قریظہ قتل کیے گئے۔ امام احمد کی کتاب فضائل الصحابہ: 501/1 میں صحیح سند کے ساتھ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ایک مصحف عثمان ان کی اپنی گود میں تھا اور اس آیت کے جملہ ﴿ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ﴾ پر ان کے خون کے چھینٹے گرے بلکہ دھار بھی۔ کہا جاتا ہے یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔

لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿138﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿139﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿140﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿141﴾

ع 16/12/16

اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا؟ (1) ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿138﴾ آپ کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمھارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال، ہم تو اسی کے لیے مخلص ہیں ﴿139﴾ (2) کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ (3) اللہ کے پاس شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اور اللہ تمھارے کاموں سے غافل نہیں ﴿140﴾ (4) یہ امت ہے جو گزر چکی۔ جو انھوں نے کیا ان کے لیے ہے اور جو تم نے کیا تمھارے لیے، تم ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہ کیے جاؤ گے ﴿141﴾ (5)

(1) عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر رکھا ہے جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اس شخص کو بھی دیا جاتا ہے جس کو عیسائی بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اس رسم کا نام ان کے ہاں ''بپتسمہ'' ہے۔ یہ ان کے نزدیک بہت ضروری ہے، اس کے بغیر وہ کسی کو پاک تصور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور کہا کہ اصل رنگ تو اللہ کا رنگ ہے، اس سے بہتر کوئی رنگ نہیں اور اللہ کے رنگ سے مراد وہ دین فطرت، یعنی دین اسلام ہے، جس کی طرف ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی امتوں کو دعوت دی، یعنی دعوت توحید۔

(2) کیا تم ہم سے اس بارے میں جھگڑتے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اسی کے لیے اخلاص و نیاز مندی کے جذبات رکھتے ہیں اور اس کے اوامر کا اتباع اور زواجر سے اجتناب کرتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارا رب ہی نہیں، تمھارا بھی ہے اور تمھیں بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو ہم کرتے ہیں اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمھارا عمل تمھارے ساتھ، ہمارا عمل ہمارے ساتھ۔ ہم تو اسی کے لیے اخلاص عمل کا اہتمام کرنے والے ہیں۔

(3) تم کہتے ہو کہ یہ انبیاء اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی نفی فرماتا ہے۔ تو زیادہ علم اللہ کو ہے یا تمھیں؟

(4) تمھیں معلوم ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام یہودی یا عیسائی نہیں تھے، اسی طرح تمھاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نشانیاں بھی موجود ہیں لیکن تم ان شہادتوں کو لوگوں سے چھپا کر ایک بڑے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہو جو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

(5) اس آیت میں پھر کسب و عمل کی اہمیت بیان فرما کر بزرگوں کی طرف انتساب یا ان پر اعتماد کو بے فائدہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحیح مسلم، حدیث:38-(2699)) ''جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔'' مطلب ہے کہ اسلاف کی نیکیوں سے تمھیں کوئی فائدہ اور ان کے گناہوں پر تم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے عملوں کی بابت تم سے یا تمھارے عملوں کی بابت ان سے نہیں پوچھا جائے گا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (فاطر 18:35) ''کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم 39:53) ''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔''

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿142﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا

عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلے پر یہ تھے اس سے انھیں کس چیز نے ہٹایا؟ آپ کہہ دیجیے کہ مشرق ومغرب کا مالک اللہ ہی ہے،[1] وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے ﴿142﴾ ہم نے اسی طرح تمھیں افضل امت بنایا ہے[2] تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے، جس قبلے پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔[3] گو یہ کام مشکل ہے مگر جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں)

---

[1] جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو 16، 17 مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، درآں حالیکہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلۂ ابراہیمی ہے۔ اس کے لیے آپ ﷺ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نظر بھی اٹھاتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم دے دیا، جس پر یہودیوں اور منافقین نے شور مچا دیا، حالانکہ نماز اللہ کی ایک عبادت ہے اور عبادت میں عابد کو جس طرح حکم ہوتا ہے، اس طرح کرنے کا وہ پابند ہوتا ہے، اس لیے جس طرف اللہ نے رخ پھیر دیا، اس طرف پھر جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت کرنی ہے مشرق، مغرب ساری جہتیں اسی کی ہیں، اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں، ہر جہت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہو۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر کے وقت آیا اور عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

[2] ﴿وَسَطًا﴾ کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں لیکن یہ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہاں اسی معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے، یعنی جس طرح تمھیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے، اسی طرح تمھیں سب سے افضل امت بھی بنایا گیا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ تم لوگوں پر گواہی دو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج 22:78) ''تا کہ رسول تم پر اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔'' اس کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے قیامت والے دن پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں، محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ یہ امت گواہی دے گی، اس لیے اس کا ترجمہ عادل بھی کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) ایک معنی وسط کے اعتدال کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی امت معتدل، یعنی افراط وتفریط سے پاک۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اعتبار سے ہے کہ اس میں اعتدال ہے، افراط وتفریط نہیں۔

[3] یہ تحویل قبلہ کی ایک غرض بیان کی گئی ہے، مومنین صادقین تو رسول اللہ ﷺ کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، اس لیے ان کے لیے تو ادھر سے ادھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا بلکہ ایک مقام پر تو عین نماز کی حالت میں جبکہ وہ رکوع میں تھے یہ حکم پہنچا تو انھوں نے رکوع ہی میں اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ مسجد قِبْلَتَيْنِ (وہ مسجد جس میں ایک نماز دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی) کہلاتی

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ

اللہ تمھارے ایمان ضائع نہ کرے گا،[1] یقیناً اللہ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ﴿143﴾ ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اب ہم آپ کو اس قبلے کی جانب متوجہ کریں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ اسی طرف پھیرا کریں، اہل کتاب کو اس بات کے اللہ کی طرف سے برحق ہونے کا قطعی علم ہے[2] اور اللہ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں ﴿144﴾ اور آپ اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دیں لیکن وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے[3] اور نہ آپ ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں[4] اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں[5] اور اگر آپ باوجودیکہ آپ کے پاس علم آچکا پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں تو بالیقین

ہے اور ایسا ہی واقعہ مسجد قبا میں بھی ہوا۔ ﴿لِنَعْلَمَ﴾ ''تاکہ ہم جان لیں۔'' اللہ کو تو پہلے بھی علم تھا، اس کا مطلب ہے تاکہ ہم اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کر دیں تاکہ لوگوں کے سامنے بھی دونوں قسم کے لوگ واضح ہو جائیں۔ (فتح القدیر)

① بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے یا ہم جتنا عرصہ اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں یہ ضائع ہو گئیں یا شاید ان کا ثواب نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی، تمھیں پورا ثواب ملے گا۔ یہاں نماز کو ایمان سے تعبیر کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ایمان تب ہی معتبر ہے جب نماز اور دیگر شرائط کی پابندی ہوگی۔

② اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں خانہ کعبہ کے قبلۂ آخر الانبیاء ہونے کے واضح اشارات موجود ہیں، اس لیے اس کا برحق ہونا انھیں یقینی طور پر معلوم تھا مگر ان کا نسلی غرور و حسد قبول حق میں رکاوٹ بن گیا۔

③ کیونکہ یہود کی مخالفت تو حسد و عناد کی بنا پر ہے، اس لیے دلائل کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ گویا اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا دل صاف ہو۔

④ کیونکہ آپ ﷺ وحی الٰہی کے پابند ہیں، جب تک نبی ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایسا حکم نہ ملے آپ ان کے قبلے کو کیوں کر اختیار کر سکتے ہیں۔

⑤ یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس اور عیسائیوں کا بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔ جب اہل کتاب کے یہ دو گروہ بھی ایک قبلے پر متفق نہیں تو مسلمانوں سے کیوں یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ان کی موافقت کریں گے۔

الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿146﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿148﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿149﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

نصف ع 17/6 1

آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿145﴾ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے[1] ﴿146﴾ آپ کے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے، خبردار آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا[2] ﴿147﴾ ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے[3] تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔[4] جہاں کہیں بھی تم ہو گے، اللہ تمھیں لے آئے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿148﴾ آپ جہاں سے نکلیں اپنا منہ (نماز کے لیے) مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ بے خبر نہیں ﴿149﴾ اور جس جگہ سے آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو[5] تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے[6] سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے

① یہ وعید پہلے بھی گزر چکی ہے، مقصد امت کو متنبہ کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کے علم کے باوجود اہل بدعت کے پیچھے لگنا ظلم اور گمراہی ہے۔

② یہاں اہل کتاب کے ایک فریق کو حق کے چھپانے کا مجرم قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں ایک فریق عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا بھی تھا جو اپنے صدق وصفائے باطنی کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

③ پیغمبر پر اللہ کی طرف سے جو بھی حکم اترتا ہے، وہ یقیناً حق ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

④ یعنی ہر مذہب والے نے اپنا پسندیدہ قبلہ متعین کیا ہوا ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک مذہب نے اپنا ایک منہاج اور طریقہ بنا رکھا ہے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ﴾ (المآئدة 48:5) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور ضلالت دونوں کی وضاحت کے بعد انسان کو ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کی جو آزادی دی ہے اس کی وجہ سے مختلف طریقے اور دستور لوگوں نے بنا لیے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی راستے، یعنی ہدایت کے راستے پر چلا سکتا تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ اختیار دینے سے مقصود ان کا امتحان ہے، اس لیے اے مسلمانو! تم تو خیرات کی طرف سبقت کرو، یعنی نیکی اور بھلائی ہی کے راستے پر گامزن رہو اور یہ وحی الٰہی اور اتباع رسول ﷺ ہی کا راستہ ہے جس سے دیگر اہل ادیان محروم ہیں۔

⑤ قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے یا تو اس کی تاکید اور اہمیت واضح کرنے کے لیے یا یہ چونکہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلجان دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے یا تَعَدُّدِ عِلّت کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، وہاں اسے بیان کیا۔ دوسری علت ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل

وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿150﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿152﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿153﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

ع 18 / 5 / 2

ان میں سے ظلم کیا ہے [1] تم ان سے نہ ڈرو مجھ ہی سے ڈرو [2] اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لیے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ﴿150﴾ جس طرح [3] ہم نے تم میں تمھی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمھارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ﴿151﴾ اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمھیں یاد کروں گا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو ﴿152﴾ [4] اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو، اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے ﴿153﴾ [5] اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو [6] وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ﴿154﴾ اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمائش

مرکز کا وجود ہے، وہاں اسے دہرایا، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے، وہاں اسے بیان کیا گیا ہے۔(فتح القدیر)

[6] یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور نماز یہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے ہیں۔

[1] یہاں ﴿ظَلَمُوْا﴾ سے مراد معاندین (عناد رکھنے والے) ہیں، یعنی اہل کتب میں سے جو معاندین ہیں، وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزماں کا قبلہ خانۂ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔

[2] ظالموں سے نہ ڈرو، یعنی مشرکوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ انھوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارا قبلہ تو اختیار کر لیا ہے، عنقریب ہمارا دین بھی اپنا لیں گے۔ ''مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' جو حکم میں دیتا رہوں، اس پر بلا خوف لَوْمَةَ لَائِم (ملامت گروں کی ملامت سے بے نیاز ہو کر) عمل کرتے رہو۔ تحویل قبلہ کو اتمام نعمت اور ہدایت یافتگی سے تعبیر فرمایا کہ حکم الٰہی پر عمل کرنا یقیناً انسان کو انعام واکرام کا مستحق بھی بناتا ہے اور ہدایت کی توفیق بھی اسے نصیب ہوتی ہے۔

[3] ﴿كَمَآ﴾ ''جس طرح'' کا تعلق ماقبل کلام سے ہے، یعنی یہ اتمام نعمت اور توفیق ہدایت تمھیں اس طرح ملی جس طرح اس سے پہلے تمھارے اندر تمھی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھارا تزکیہ کرتا، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور جن باتوں کا تمھیں علم نہیں، وہ تمھیں سکھلاتا ہے۔

[4] پس ان نعمتوں پر تم میرا ذکر اور شکر کرو۔ کفران نعمت مت کرو۔ ذکر کا مطلب ہر وقت اللہ کو یاد کرنا ہے، یعنی اس کی تسبیح تہلیل اور تکبیر بلند کرو اور شکر کا مطلب اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور توانائیوں کو اس کی اطاعت میں صرف کرنا ہے۔ خداداد قوتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کرنا، یہ اللہ کی ناشکر گزاری (کفران نعمت) ہے۔ شکر کرنے پر مزید احسانات کی نوید اور ناشکری پر عذاب شدید کی وعید ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ (ابراهيم 7:14)

[5] انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے ﴿155﴾ جنھیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿156﴾ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ﴿157﴾[1] صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں،[2] اس لیے بیت اللہ کا حج اور عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں،[3] اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انھیں خوب جاننے والا ہے ﴿158﴾ جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں

ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 64-(2999)). صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا، احکام اِلٰھِیَّہ کے بجا لانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انھیں صبر وضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس وبدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات ولذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔ (ابن کثیر)

﴿6﴾ شہداء کو مردہ نہ کہنا، ان کے اعزاز وتکریم کے لیے ہے۔ یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ زندگی علیٰ قدر مراتب انبیاء ومومنین حتیٰ کہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف (یا سینہ) میں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں۔ (ابن کثیر، نیز دیکھیے آل عمران 3:129)

﴿1﴾ ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ حدیث میں نقصان ومصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ کے ساتھ «اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا» پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 3-(918)).

﴿2﴾ ﴿شَعَآئِرِ﴾ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، یہاں حج کے وہ مناسک (مثلاً: موقف، سعی، منحر، ہدی (قربانی) کو اشعار کرنا وغیرہ) مراد ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔

﴿3﴾ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے۔ لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: «فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا» ''اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔'' پھر اس کی شان نزول بیان فرمائی کہ انصار قبول اسلام سے قبل مناۃ طاغیہ بت کے نام کا تلبیہ پکارتے، جس کی وہ مُشَلَّل پہاڑی پر عبادت کرتے تھے اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا مروہ

يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ ع 19/11/3 اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ

باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ﴿159﴾ (1) مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور بیان کردیں تو میں ان کی توبہ قبول کرلیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم وکرم کرنے والا ہوں ﴿160﴾ یقیناً جو کفار اپنے کفر ہی میں مرجائیں، ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ﴿161﴾ (2) جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں ڈھیل دی جائے گی ﴿162﴾ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ (3) وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ﴿163﴾ آسمان اور زمین کی پیدائش، رات دن کا ہیر پھیر، کشتیوں

کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 1643) بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت (اساف) اور مروہ پہاڑی پر نائلہ بت رکھا ہوا تھا، جنھیں وہ سعی کے دوران بوسہ دیتے یا چھوتے۔ جب لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرمادیا۔ اب یہ سعی ضروری ہے۔ جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

(1) اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں، انھیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: «مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 264، و جامع الترمذي، حديث: 2649 . وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ) "جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی (جس کا اس کو علم تھا) اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔"

(2) اس سے معلوم ہوا کہ جن کی بابت یقینی علم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، ان پر لعنت جائز ہے لیکن ان کے علاوہ لوگوں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے مرنے سے پہلے اس نے کفر سے توبہ کرلی ہو۔ مسلمانوں کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جن بعض معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جاسکتا ہے کہ یہ کام کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

(3) اس آیت میں پھر دعوت توحید دی گئی ہے۔ یہ دعوت توحید مشرکین مکہ کے لیے ناقابل فہم تھی، انھوں نے کہا: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (صٓ 5:38) "کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنادیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

کا لوگوں کونفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا، آسمان سے پانی اتار کر، مردہ زمین کو زندہ کر دینا،[1] اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا، ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل، جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان میں عقلمندوں کے لیے قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں﴿164﴾ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اوروں کو اللہ کے شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے[2] اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔[3] کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذاب کو

اس لیے اگلی آیت میں اس توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

① یہ آیت اس لحاظ سے بڑی جامع ہے کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کے متعلق سات اہم امور کا اس میں یکجا تذکرہ ہے، جو کسی اور آیت میں نہیں۔① آسمان اور زمین کی پیدائش، جن کی وسعت و عظمت محتاج بیان ہی نہیں۔② رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا، دن کو روشنی اور رات کو اندھیرا کر دینا تاکہ کاروبار معاش بھی ہو سکے اور آرام بھی، پھر رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور پھر اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔③ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، جن کے ذریعے سے تجارتی سفر بھی ہوتے ہیں اور ٹنوں کے حساب سے سامان رزق و آسائش بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔④ بارش جو زمین کی شادابی و روئیدگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔⑤ ہر قسم کے جانوروں کی پیدائش، جو نقل و حمل، کھیتی باڑی اور جنگ میں بھی کام میں آتے ہیں اور انسانی خوراک کی بھی ایک بڑی مقدار ان سے پوری ہوتی ہے۔⑥ ہر قسم کی ہوائیں ٹھنڈی بھی، گرم بھی، بارآور بھی اور غیر بارآور بھی، شرقی غربی بھی اور شمالی جنوبی بھی۔ انسانی زندگی اور ان کی ضروریات کے مطابق۔⑦ بادل جنھیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے، برساتا ہے۔ یہ سارے امور کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ کیا اس تخلیق میں اور اس نظم و تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ تو پھر اس کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود اور حاجت روا سمجھنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

② مذکورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیے، بعثت محمدی کے وقت ہی ایسا نہیں تھا، شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے، انھوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماوی و ملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے بلکہ ان سے ان کی محبت، اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح گراں گزرتا ہے جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی، جس کا نقشہ اللہ نے اس آیت میں کھینچا ہے: ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ (الزمر 39:45) ’’اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے دل سکڑ جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔‘‘ ﴿اِشْمَاَزَّتْ﴾

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾ ع 20/4/4 يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا

دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شرک نہ کرے) ﴿165﴾ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تمام رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے ﴿166﴾ اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے: کاش! ہم دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں، اسی طرح اللہ انھیں ان کے اعمال دکھائے گا ان کو حسرت دلانے کو، یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ﴿167﴾ [1] لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو، [2] وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے ﴿168﴾ وہ تمھیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم دیتا ہے جن کا تمھیں علم نہیں ﴿169﴾ اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو

”دلوں کا تنگ ہونا۔“

[3] تاہم اہل ایمان کو مشرکین کے برعکس اللہ تعالیٰ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرکین جب سمندر وغیرہ میں پھنس جاتے ہیں تو وہاں انھیں اپنے معبود بھول جاتے ہیں اور وہاں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں: ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (العنکبوت 65:29) ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (لقمٰن 32:31) ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (یونس 22:10) ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین سخت مصیبت میں مدد کے لیے صرف ایک اللہ کو پکارتے ہیں۔

[1] آخرت میں پیروں اور گدی نشینوں کی بے بسی اور بے وفائی پر مشرکین حسرت کریں گے لیکن وہاں اس حسرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کاش دنیا میں ہی وہ شرک سے توبہ کر لیں۔

[2] یعنی شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام مت کرو۔ جس طرح مشرکین نے کیا کہ اپنے بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو وہ حرام کر لیتے تھے، جس کی تفصیل سورۂ انعام میں آئے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پس شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ انھوں نے ان پر حرام کر دیں۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 63-(2865)).

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿171﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا

پایا، گوان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں ﴿170﴾ [1] کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)، وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انھیں عقل نہیں ﴿171﴾ [2] اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں انھیں کھاؤ، پیو اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿172﴾ [3] تم پر مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے، [4] پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿173﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن

---

[1] آج بھی اہل بدعت کو سمجھایا جائے کہ ان بدعات کی دین میں کوئی اصل نہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ رسمیں تو ہمارے آباء واجداد سے چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ آباء واجداد بھی دینی بصیرت سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم رہ سکتے ہیں، اس لیے دلائل شریعت کے مقابلے میں آباء پرستی یا اپنے ائمہ وعلماء کی پیروی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دلدل سے نکالے۔

[2] ان کافروں کی مثال جنھوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل وفہم کو معطل کر رکھا ہے، ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے وہ جانور آواز تو سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انھیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح یہ مقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں کہ حق کے دیکھنے سے عاجز ہیں اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید وسنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہاں دعا سے قریب کی آواز اور ندا سے دور کی آواز مراد ہے۔

[3] اس میں اہل ایمان کو ان تمام پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم ہے جو اللہ نے حلال کی ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی حلال کردہ چیزیں ہی پاک اور طیب ہیں، حرام کردہ اشیاء پاک نہیں، چاہے وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب ہوں (جیسے یورپ کے نصرانیوں کو سور کا گوشت بڑا مرغوب ہے) دوسرا یہ کہ بتوں کے نام پر منسوب جانوروں اور اشیاء کو مشرکین اپنے اوپر جو حرام کر لیتے تھے (جس کی تفصیل سورۂ انعام میں ہے) مشرکین کا یہ عمل غلط ہے اور اس طرح ایک حلال چیز حرام نہیں ہوتی، تم ان کی طرح ان کو حرام مت کرو (حرام صرف وہی ہیں جس کی تفصیل اس کے بعد والی آیت میں ہے)، تیسرا یہ کہ اگر تم صرف ایک اللہ کے عبادت گزار ہو تو ادائے شکر کا اہتمام کرو۔

[4] اس آیت میں چار حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے اور اسے کلمہ حصر ﴿اِنَّمَا﴾ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس سے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام صرف یہی چار چیزیں ہیں، جبکہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں، اس لیے اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ حصر ایک خاص

النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿174﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿176﴾ ع 21 لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اللہ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انھیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿174﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں ﴿175﴾ ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ نے سچی کتاب اتاری اور اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ﴿176﴾ ساری اچھائی

سیاق میں آیا ہے، یعنی مشرکین کے اس فعل کے ضمن میں کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو صرف یہ ہیں، اس لیے یہ حصر اضافی ونسبی ہے ورنہ اس کے علاوہ بھی دیگر محرمات ہیں جو قرآن وحدیث میں دوسرے مواضع پر مذکور ہیں، اس سلسلے میں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حصر اس لحاظ سے ہے کہ یہ چار چیزیں تمام آسمانی دینوں میں ہمیشہ سے حرام رہی ہیں۔ دوسرے، حدیث میں دو اصول، جانوروں کی حلت وحرمت کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں، وہ آیت کی صحیح تفسیر کے طور پر سامنے رہنے چاہئیں۔ درندوں میں ذُو نَاب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) اور پرندوں میں ذو مِخْلَبْ (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔ تیسرے، جن جانوروں کی حرمت حدیث سے ثابت ہے، مثلاً: گدھا، کتا وغیرہ وہ بھی حرام ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حدیث بھی قرآن کریم کی طرح دین کا ماخذ اور دین میں حجت ہے اور دین دونوں کے ماننے سے مکمل ہوتا ہے، نہ کہ حدیث کو نظر انداز کر کے، صرف قرآن سے۔ مردہ سے مراد ہر وہ حلال جانور ہے جو بغیر ذبح کیے طبعی طور پر یا کسی حادثے سے (جس کی تفصیل المائدہ میں ہے) مر گیا ہو۔ یا شرعی طریقے کے خلاف اسے ذبح کیا گیا ہو، مثلاً: گلا گھونٹ دیا جائے یا پتھر اور لکڑی وغیرہ سے مارا جائے یا جس طرح آج کل مشینی ذبح کا طریقہ ہے جس میں جھٹکے سے مارا جاتا ہے، البتہ حدیث میں دو مردار جانور حلال قرار دیے گئے ہیں۔ ایک مچھلی، دوسری ٹڈی، وہ اس حکم مَيْتَه سے مستثنیٰ ہیں۔ خون سے مراد دمِ مسفوح ہے، یعنی ذبح کے وقت جو خون نکلتا اور بہتا ہے۔ گوشت کے ساتھ جو خون لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے۔ یہاں بھی دو خون حدیث کی رو سے حلال ہیں: کلیجی اور تلی۔ خنزیر، یعنی سور کا گوشت، یہ بے غیرتی میں بدترین جانور ہے، اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے ﴿وَمَآ اُهِلَّ﴾ وہ جانور یا کوئی اور چیز جسے غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں۔ جیسے مشرکین عرب لات وعزیٰ وغیرہ کے ناموں پر ذبح کرتے تھے یا آگ کے نام پر، جیسے مجوسی کرتے تھے۔ اور اسی میں وہ جانور بھی آجاتے ہیں جو جاہل مسلمان فوت شدہ بزرگوں کی عقیدت ومحبت، ان کی خوشنودی وتقرب حاصل کرنے کے لیے یا ان سے ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے، قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاورین کو بزرگوں کی نیاز کے نام پر دے آتے ہیں (جیسے بہت سے بزرگوں کی قبروں پر بورڈ لگے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا'' صاحب کی نیاز کے لیے بکرے یہاں جمع کرائے جائیں)، ان جانوروں کو، چاہے ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے، یہ حرام ہی ہوں گے کیونکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی نہیں، رضائے اہل قبور اور تعظیم لغیر اللہ یا خوف یا رجاعن غیر اللہ (غیر اللہ سے مافوق الاسباب طریقے سے ڈر یا امید) ہے جو شرک ہے۔ اسی طریقے سے جانوروں کے علاوہ جو اشیاء بھی غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوں گی، حرام ہوں گی، جیسے قبروں پر لے جا کر یا وہاں سے خرید کر، قبور کے ارد گرد فقراء ومساکین پر دیگوں اور لنگروں کی یا مٹھائی اور پیسوں وغیرہ کی تقسیم یا

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں (1) بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکاۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگ دستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ﴿177﴾ اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض

وہاں صندوقچی میں نذرونیاز کے پیسے ڈالنا یا عرس کے موقع پر وہاں دودھ پہنچانا، یہ سب کام حرام اور ناجائز ہیں کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذرونیاز کی صورت ہیں اور نذر بھی نماز، روزہ وغیرہ عبادات کی طرح ایک عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم صرف ایک اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے: «مَلْعُونٌ مَّنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ» (صحيح الجامع الصغير: 1024/2) ''جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا، وہ ملعون ہے۔'' تفسیر عزیزی میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری ہے: «أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيحَةً يُّرِيدُ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيحَتُهُ ذَبِيحَةُ مُرْتَدٍّ» (تفسيرعزيزي، ص:611، پارہ دوم، طبع 1311ھ) ''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔'' (مزید دیکھیے سورۂ انعام 6: 145 اور سورۂ نحل 16: 115 کے حواشی)

(1) یہ آیت قبلے کے ضمن میں ہی نازل ہوئی۔ ایک تو یہودی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مغربی حصہ ہے) اور نصارٰی اپنے قبلے کو (جو بیت المقدس کا مشرقی حصہ ہے) بڑی اہمیت دے رہے تھے اور اس پر فخر کر رہے تھے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے تحویل قبلہ پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے، جس سے بعض مسلمان بھی بعض دفعہ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر لینا بذات خود کوئی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف مرکزیت اور اجتماعیت کے حصول کا ایک طریقہ ہے، اصل نیکی تو ان عقائد پر ایمان رکھنا ہے جو اللہ نے بیان فرمائے اور ان اعمال واخلاق کو اپنانا ہے جس کی اس نے تاکید فرمائی ہے، پھر آگے ان عقائد واعمال کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ اسے اپنی ذات وصفات میں یکتا، تمام عیوب سے پاک ومنزہ اور قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام صفات باری کو بغیر کسی تحریف، تاویل یا تعطیل یا تکییف کے تسلیم کیا جائے۔ آخرت کے روز جزا ہونے، حشر نشر اور جنت ودوزخ پر یقین رکھا جائے۔ ﴿الْكِتٰبِ﴾ سے مراد تمام آسمانی کتابوں کی صداقت پر ایمان ہے۔ اور فرشتوں کے وجود پر اور تمام پیغمبروں پر یقین رکھا جائے۔ ان ایمانیات کے ساتھ ان اعمال کو اپنایا جائے جس کی تفصیل اس آیت میں ہے۔ ﴿عَلٰى حُبِّهٖ﴾ میں (ہ) ضمیر مال کی طرف راجع ہے، یعنی مال کی محبت کے باوجود مال خرچ کرے۔ ﴿الْبَاْسَآءِ﴾ سے تنگ دستی اور شدت فقر ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ سے نقصان یا بیماری اور ﴿الْبَاْسِ﴾ سے لڑائی اور اس کی شدت مراد ہے۔ ان تینوں حالتوں میں صبر کرنا، یعنی احکامات الٰہیہ سے سرِمو انحراف نہ کرنا نہایت

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي

کیا گیا ہے، آزاد آزاد کے بدلے، غلام غلام کے بدلے، عورت عورت کے بدلے۔ [1] ہاں، جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔ [2] تمھارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے، [3] اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا ﴿178﴾ [4] عقلمندو! قصاص میں تمھارے لیے

کٹھن ہوتا ہے، اس لیے ان حالتوں کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے۔

[1] زمانۂ جاہلیت میں کوئی نظم اور قانون تو تھا نہیں، اس لیے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے، ظلم و جور کا ارتکاب کر لیتے۔ ایک ظلم کی شکل یہ تھی کہ کسی طاقت ور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کی بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بسا اوقات پورے قبیلے ہی کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرتے اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق و امتیاز کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قاتل ہوگا، قصاص (بدلے) میں اسی کو قتل کیا جائے گا۔ قاتل آزاد ہے تو بدلے میں وہی آزاد، غلام ہے تو بدلے میں وہی غلام اور عورت ہے تو بدلے میں وہی عورت ہی قتل کی جائے گی، نہ کہ غلام کی جگہ آزاد اور عورت کی جگہ مرد یا ایک مرد کے بدلے میں متعدد مرد۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مرد اگر عورت کو قتل کر دے تو قصاص میں کوئی عورت قتل کی جائے گی یا عورت مرد کو قتل کر دے تو کسی مرد کو قتل کیا جائے گا بلکہ یہ الفاظ شان نزول کے اعتبار سے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قصاص میں قاتل ہی کو قتل کیا جائے گا، چاہے مرد ہو یا عورت، طاقتور ہو یا کمزور۔ «اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ ----» (سنن أبي داود، حديث: 2751) ''تمام مسلمانوں کے خون (مرد ہو یا عورت) برابر ہیں۔'' گویا آیت کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم کی دوسری آیت: ﴿النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المآئدة 45:5) کا ہے۔ احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن جمہور علماء اس کے قائل نہیں، کیونکہ حدیث میں وضاحت ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ» (صحيح البخاري، حديث: 6915) ''مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔'' (فتح القدير) تفصیل کے لیے دیکھیے المائدة 45:5 کا حاشیہ۔

[2] معافی کی دو صورتیں ہیں: ایک بغیر معاوضۂ مالی، یعنی دیت لیے بغیر ہی محض رضائے الٰہی کے لیے معاف کر دینا، دوسری صورت، قصاص کی بجائے دیت قبول کر لینا، اگر یہ دوسری صورت اختیار کی جائے تو کہا جا رہا ہے کہ طالب دیت بھلائی کا اتباع کرے۔ ﴿وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ﴾ میں قاتل کو کہا جا رہا ہے کہ بغیر تنگ کیے اچھے طریقے سے دیت کی ادائیگی کرے۔ اولیاءِ مقتول نے اس کی جان بخشی کر کے اس پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ احسان ہی کے ساتھ دے۔ ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝﴾ (الرحمٰن 60:55) ''احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔''

[3] یہ تخفیف اور رحمت (قصاص، معافی یا دیت تین صورتیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تم پر ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اہل تورات کے لیے قصاص یا معافی تھی، دیت نہیں تھی اور اہل انجیل (عیسائیوں) میں صرف معافی ہی تھی، قصاص تھا نہ دیت۔ (ابن كثير)

[4] قبول دیت یا اخذ دیت کے بعد قتل بھی کر دے تو یہ سرکشی اور زیادتی ہے جس کی سزا اسے دنیا و آخرت میں بھگتنی ہوگی کیونکہ ایسا کر کے

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿183﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

ع 22 / 6 / 6

زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ﴿179﴾ [1] تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے، [2] پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ﴿180﴾ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا، واقعی اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿181﴾ ہاں، جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے، [3] پس وہ ان میں آپس میں اصلاح کرا دے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿182﴾ اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو ﴿183﴾ [4] گنتی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا

اب وہ خود ظالم بن گیا ہے، اس لیے ظالم کی سزا کا وہ مستحق ہو گیا ہے۔

[1] جب قاتل کو یہ خوف ہوگا کہ میں بھی قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا تو پھر اسے کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور جس معاشرے میں یہ قانون قصاص نافذ ہو جاتا ہے، وہاں یہ خوف معاشرے کو قتل و خونریزی سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے معاشرے میں نہایت امن اور سکون رہتا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ موجود ہیں۔ کاش دوسرے اسلامی ممالک بھی اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو یہ پرسکون زندگی مہیا کر سکیں۔

[2] وصیت کرنے کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا۔ اب یہ منسوخ ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ» (جامع الترمذي، حديث: 2120، وسنن ابن ماجه، حديث: 2713) ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں۔'' (صحیح بخاری کے ایک باب کا عنوان ہے: «لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»، قبل حديث: 2747) البتہ اب ایسے رشتہ داروں کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے جو وارث نہ ہوں یا راہ خیر میں خرچ کرنے کے لیے کی جا سکتی ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ حد ثُلُث (ایک تہائی) مال ہے، اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جا سکتی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6733)

[3] ﴿جَنَفًا﴾ (مائل ہونا) کا مطلب ہے غلطی یا بھول سے کسی ایک رشتے دار کی طرف زیادہ مائل ہو کر دوسروں کی حق تلفی کرے اور ﴿اِثْمًا﴾ سے مراد ہے: جان بوجھ کر ایسا کرے۔ (أيسر التفاسير) یا اس سے مراد گناہ کی وصیت ہے جس کا بدلنا اور اس پر عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وصیت میں عدل و انصاف کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ظلم کا ارتکاب، اس کی اخروی نجات کے حوالے سے سخت خطرناک ہے۔

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ

کر لے[1] اور اس کی طاقت رکھنے والے[2] فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں، پھر جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لیے بہتر ہے[3] لیکن تمھارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو﴿184﴾ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا[4] جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے، ہاں، جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ کا ارادہ تمھارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کر لو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو﴿185﴾ جب میرے بندے میرے

---

④ صِیَام صوم (روزہ) مصدر ہے جس کے شرعی معنی ہیں: صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بیوی سے ہم بستری کرنے سے، صرف اللہ کی عبادت کی نیت سے اُسی کی رضا کے لیے رکے رہنا، یہ عبادت چونکہ نفس کی طہارت اور تزکیہ کے لیے بہت اہم ہے، اس لیے اسے تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ اور تقویٰ انسان کے اخلاق وکردار کے سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

① یہ بیمار اور مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان المبارک میں جتنے روزے نہ رکھ سکے ہوں، وہ بعد میں رکھ کر گنتی پوری کر لیں۔

② ﴿يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ کا ترجمہ يَتَجَشَّمُونَهٗ ''نہایت مشقت سے روزہ رکھ سکیں۔'' کیا گیا ہے (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، امام بخاری (حدیث: 4505) نے بھی اسے پسند کیا ہے) یعنی جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری کی وجہ سے، جس سے شفایابی کی امید نہ ہو، روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے، وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دے دے لیکن جمہور مفسرین نے اس کا ترجمہ ''طاقت رکھتے ہیں۔'' ہی کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں طاقت رکھنے والوں کو بھی رخصت دے دی گئی تھی کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو اس کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔ لیکن بعد میں ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کے ذریعے سے اسے منسوخ کر کے ہر صاحب طاقت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے، دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور حَامِله (حمل والی) اور مُرْضِعَه (دودھ پلانے والی) عورتیں اگر مشقت محسوس کریں تو وہ مریض کے حکم میں ہوں گی، یعنی وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزے کی قضا دیں۔ (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، تحت حديث: 715)

③ جو خوشی سے ایک مسکین کی بجائے دو یا تین مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

④ رمضان میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی

بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں،[1] اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے ﴿186﴾ روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمھارے لیے حلال کیا گیا، وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو، تمھاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ کو علم ہے، اس نے تمھاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرما لیا، اب تمھیں ان سے مباشرت کی اور اللہ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔[2] پھر رات تک

محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور وہاں بیت العزہ میں رکھ دیا گیا۔ وہاں سے حسب حالات 23 سالوں تک اترتا رہا۔(ابن کثیر) اس لیے یہ کہنا کہ قرآن رمضان میں یا لیلۃ القدر یا لیلۂ مبارکہ میں اترا۔ یہ سب صحیح ہے کیونکہ لوح محفوظ سے تو رمضان میں ہی اترا ہے اور لیلۃ القدر اور لیلۂ مبارکہ یہ ایک ہی رات ہے، یعنی قدر کی رات، جو رمضان میں ہی آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی طرف بھی رمضان ہی میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور پہلی وحی، جو غار حرا میں آئی، وہ رمضان میں آئی۔ بہرصورت قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ اس ماہ مبارک میں حضرت جبریل سے قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے رمضان میں جبریل کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا، رمضان کی تین راتوں (25,23 اور 27) میں آپ نے صحابہ کو باجماعت قیام بھی کروایا، جس کو اب تراویح کہا جاتا ہے۔ (صحيح سنن الترمذي، حديث: 806، و صحيح سنن ابن ماجه، حديث: 1100) یہ تراویح آٹھ رکعات مع وتر گیارہ رکعات تھیں جس کی صراحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (جو قیام اللیل للمروزي میں ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو، صحيح البخاري، حديث: 1147) نبی ﷺ کا 20 رکعات تراویح پڑھنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

[1] رمضان المبارک کے احکام و مسائل کے درمیان دعا کا مسئلہ بیان کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ رمضان میں دعا کی بھی بڑی فضیلت ہے، جس کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً افطاری کے وقت کو قبولیت دعا کا خاص وقت بتلایا گیا ہے۔ (مسند أحمد: 445/2، وجامع الترمذي، حديث: 3598، وسنن ابن ماجه، حديث: 1753 بحواله ابن كثير) تاہم قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں بیان کیے گئے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں ایمان اور دوسرا اس کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اسی طرح احادیث میں حرام خوراک سے بچنے اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

[2] ابتدائے اسلام میں ایک حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا اس سے پہلے سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے

الَّيۡلِ‌ۚ وَلَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ ۙ فِى الۡمَسٰجِدِ‌ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَقۡرَبُوۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿187﴾ وَلَا تَاۡكُلُوۡٓا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَآ اِلَى الۡحُکَّامِ لِتَاۡکُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿188﴾ ع يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَهِلَّةِ ‌ؕ قُلۡ هِىَ مَوَاقِيۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ‌ؕ وَلَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰى‌ۚ وَاۡتُوا

روزے کو پورا کرو[1] اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو،[2] یہ اللہ کی حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں﴿187﴾ اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو، نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو﴿188﴾[3] لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے اور (احرام کی حالت میں) گھروں

مباشرت کرنے کی اجازت تھی، سونے کے بعد یا عشاء کی نماز کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے یہ پابندی سخت تھی اور اس پر عمل مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ دونوں پابندیاں اٹھالیں اور افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ﴿الرَّفَثُ﴾ سے مراد بیوی سے ہم بستری کرنا ہے، ﴿الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ سے صبح صادق اور ﴿الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ (سیاہ دھاری) سے مراد رات ہے۔ (ابن کثیر)

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں روزہ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ فجر تک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ امور کی اجازت دی ہے اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی رات ہوتے ہی (غروب شمس کے فوراً بعد) روزہ افطار کر لو۔ تاخیر مت کرو، جیسا کہ حدیث میں بھی روزہ جلد افطار کرنے کی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وصال مت کرو۔ وصال کا مطلب ہے ایک روزہ افطار کیے بغیر دوسرا روزہ رکھ لینا۔ اس سے نبی ﷺ نے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاري، حديث:1965)

[2] اعتکاف کی حالت میں بیوی سے مباشرت اور بوس وکنار کی اجازت نہیں ہے، البتہ ملاقات اور بات چیت جائز ہے۔ ﴿عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے، چاہے مرد ہو یا عورت۔ ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں اعتکاف کیا ہے، اس لیے عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا صحیح نہیں، البتہ مسجد میں ان کے لیے ہر چیز کا مردوں سے الگ انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ مردوں سے کسی طرح کا اختلاط نہ ہو، جب تک مسجد میں معقول، محفوظ اور مردوں سے بالکل الگ انتظام نہ ہو، عورتوں کو مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے اور عورتوں کو بھی اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک نفلی عبادت ہی ہے، جب تک پوری طرح تحفظ نہ ہو، اس نفلی عبادت سے گریز بہتر ہے۔ فقہ کا اصول ہے: دَرْءُ الْمَفَاسِدِ يُقَدَّمُ عَلٰى جَلْبِ الْمَصَالِحِ ''مصالح کے حصول کے مقابلے میں مفاسد سے بچنا اور ان کو ٹالنا مقدم ہے۔''

[3] یہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس کسی کا حق ہو لیکن حق والے کے پاس ثبوت نہ ہو، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر وہ عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کروا لے اور اس طرح دوسرے کا حق غصب کر لے۔ یہ ظلم ہے اور حرام ہے۔ عدالت کا فیصلہ ظلم

الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿190﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿192﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ

کے پیچھے سے تمھارا آنا کچھ نیکی نہیں، بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ اور گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو [1] اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿189﴾ لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں، (جہاد کرو) اور زیادتی نہ کرو، [2] اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ﴿190﴾ انھیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے اور (سنو!) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے [3] اور مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ وہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی انھیں مارو [4] کافروں کا بدلہ یہی ہے ﴿191﴾ اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿192﴾ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ مٹ نہ جائے اور

اور حرام کو جائز اور حلال نہیں کر سکتا۔ یہ ظالم عند اللہ مجرم ہوگا۔ (ابن کثیر)

[1] انصار جاہلیت میں جب حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے اور پھر کسی خاص ضرورت کے لیے گھر آنے کی ضرورت پڑ جاتی تو دروازے سے آنے کی بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے، اس کو وہ نیکی سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔ (أیسر التفاسیر)

[2] اس آیت میں پہلی مرتبہ ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے جو مسلمانوں سے آمادۂ قتال رہتے تھے۔ تاہم زیادتی سے منع فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مثلہ مت کرو، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو، اسی طرح درخت وغیرہ جلا دینا یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے، جن سے بچا جائے۔ (ابن کثیر)

[3] مکہ میں مسلمان چونکہ کمزور اور منتشر تھے، اس لیے کفار سے قتال ممنوع تھا، ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ساری قوت مدینہ میں مجتمع ہو گئی تو پھر ان کو جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ ابتدا میں آپ صرف انھی سے لڑتے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پہل کرتے، اس کے بعد اس میں مزید توسیع کر دی گئی اور مسلمانوں نے حسب ضرورت کفار کے علاقوں میں بھی جا کر جہاد کیا۔ قرآن کریم نے اِعْتِدَاء (زیادتی کرنے) سے منع فرمایا، اس لیے نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو تاکید فرماتے کہ خیانت، بدعہدی اور مثلہ نہ کرنا، نہ بچوں، عورتوں اور گرجوں میں مصروف عبادت درویشوں کو قتل کرنا۔ اسی طرح درختوں کے جلانے اور حیوانات کو بغیر کسی مصلحت کے مارنے سے بھی منع فرماتے۔ (ابن کثیر، و صحیح مسلم، حدیث: 3-(1731)، وحدیث: 24-(1744)) ﴿حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ "جہاں بھی پاؤ" کا مطلب ہے: تَمَكَّنْتُمْ مِنْ قِتَالِهِمْ ان کو قتل کرنے کی قدرت تمھیں حاصل ہو جائے۔ (أیسر التفاسیر) ﴿مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ﴾ یعنی جس طرح کفار نے تمھیں مکہ سے نکالا تھا۔ اسی طرح تم بھی انھیں مکہ سے نکال باہر کرو، چنانچہ فتح مکہ کے بعد جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انھیں مدت معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ فتنہ سے مراد، کفر و شرک ہے۔ یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

[4] حدود حرم میں قتال منع ہے لیکن اگر کفار اس کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے لڑیں تو تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿193﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿195﴾ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ

اللہ کا دین غالب نہ آ جائے اگر وہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں ہی پر ہے ﴿193﴾ حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں۔ [1] جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ﴿194﴾ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو [2] اور سلوک و احسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ﴿195﴾ حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو، [3] ہاں، اگر تم روک لیے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، اسے کر ڈالو [4] اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی

---

[1] 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے گئے تھے لیکن کفار مکہ نے انھیں مکہ نہیں جانے دیا اور یہ طے پایا کہ آئندہ سال مسلمان تین دن کے لیے عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آ سکیں گے۔ یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب دوسرے سال مسلمان حسب معاہدہ اسی مہینے میں عمرہ کرنے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دفعہ بھی اگر کفار مکہ اس مہینے کی حرمت پامال کر کے (گزشتہ سال کی طرح) تمھیں مکے میں جانے سے روکیں تو تم بھی اس کی حرمت کو نظر انداز کر کے ان سے بھرپور مقابلہ کرنا۔ حرمتوں کو ملحوظ رکھنے میں بدلہ ہے، یعنی وہ حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی رکھو، بصورت دیگر تم بھی حرمت کو نظر انداز کر کے کفار کو عبرت ناک سبق سکھاؤ۔ (ابن کثیر)

[2] اس سے بعض لوگوں نے ترک انفاق، بعض نے ترک جہاد اور بعض نے گناہ پر گناہ کیے جانا مراد لیا ہے۔ اور یہ ساری ہی صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دو گے یا جہاد میں اپنا مال صرف کرنے سے گریز کرو گے تو یقیناً دشمن قوی ہوگا اور تم کمزور۔ نتیجہ تباہی ہے۔

[3] یعنی حج یا عمرے کا احرام باندھ لینے کے بعد پھر شرائط و ارکان کے مطابق اس کا پورا کرنا ضروری ہے، خواہ یہ نفلی ہوں یا فرض، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ (فتح القدیر)

[4] اگر راستے میں دشمن یا شدید بیماری کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے تو ایک جانور (ہدی) بکری، گائے یا اونٹ، جو بھی میسر ہو، وہیں ذبح کر کے سر منڈوا لو اور حلال ہو جاؤ، جیسے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے وہیں حدیبیہ میں قربانیاں ذبح کی تھیں اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ (فتح القدیر) یہ یاد رہے کہ نبی ﷺ جب 6 ہجری کو عمرہ ادا نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے 7 ہجری کو دوبارہ آ کر عمرہ کیا، اسے عمرۃ القضا کہا جاتا ہے۔ یہ نام اس لیے نہیں ہے کہ آپ نے عمرے کی قضا دی تھی بلکہ اسے عمرۃ القضا اس لیے کہا جاتا ہے کہ 7 ہجری کا عمرہ اُس فیصلے (قضا) و معاہدے کا نتیجہ تھا جو 6 ہجری کو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا جس کی ایک شق آئندہ سال عمرہ کرنے کی بھی تھی۔ (فتح الباري، تحت حدیث: 1780) یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے فرض حج و عمرے کا احرام کھولنا پڑا (بعض علماء کے نزدیک عمرہ فرض

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ
اَمِنْتُمْ ۫ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ
حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾ ع 24/8/8 اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ
مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے،[1] البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈا لے) تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے دے، خواہ قربانی کرے،[2] پس جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں،[3] یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لیے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں،[4] لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے ﴿196﴾ حج کے مہینے مقرر ہیں،[5] اس لیے جو شخص ان میں حج لازم کر لے وہ اپنی

ہے) تو سابقہ وجوب کی وجہ سے استطاعت ہونے پر حج وعمرہ ادا کرے گا اور اگر حج وعمرہ نفلی ہیں تو پھر ان کی قضا محدثین کے نزدیک ضروری نہیں۔

① اس کا عطف ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ ﴾ پر ہے اور اس کا تعلق حالت امن سے ہے، یعنی امن کی حالت میں اس وقت تک سر نہ منڈاؤ (احرام کھول کر حلال نہ ہو) جب تک تمام مناسک حج پورے نہ کر لو۔

② یعنی اس کو ایسی تکلیف ہو جائے کہ سر کے بال منڈانے پڑ جائیں تو اس کا فدیہ ضروری ہے۔ حدیث کی رو سے ایسا شخص 6 مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک بکری ذبح کر دے یا تین دن کے روزے رکھے۔ روزوں کے علاوہ پہلے دو فدیوں کی جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ کھانا اور خون مکہ میں ہی دے، بعض کہتے ہیں کہ روزوں کی طرح اس کے لیے بھی کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ امام شوکانی نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔ (فتح القدیر)

③ حج کی تین قسمیں ہیں: اِفراد، صرف حج کی نیت سے احرام باندھنا۔ قِرَان، حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھنا۔ ان دونوں صورتوں میں تمام مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔ حج تَمَتُّع، اس میں بھی حج وعمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے لیکن پہلے صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے اور عمرہ کر کے پھر احرام کھول دیا جاتا ہے اور پھر 8 ذوالحجہ کو حج کے لیے مکہ سے ہی دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے، تَمَتُّع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ گویا درمیان میں احرام کھول کر فائدہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ حج قِرَان اور حج تَمَتُّع دونوں میں ایک ہَدْی (جانور) کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس آیت میں اسی حج تمتع کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ مُتَمَتِّع حسب طاقت 10 ذوالحجہ کو ایک جانور کی قربانی دے اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں اور سات روزے گھر جا کر رکھے۔ ایام حج، جن میں روزے رکھنے ہیں، 9 ذی الحجہ (یوم عرفات) سے پہلے یا پھر ایام تشریق ہیں۔ (فتح القدیر)

④ یعنی تمتع اور اس کی وجہ سے ہدی یا روزے صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں، مراد اس سے حدود حرم

خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿197﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿198﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، [1] تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ باخبر ہے اور اپنے ساتھ خرچ سفر لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے [2] اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو ﴿197﴾ تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں [3] جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس ذکر الٰہی کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمھیں ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ﴿198﴾ [4] پھر تم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے

میں یا اتنی مسافت پر رہنے والے ہیں کہ ان کے سفر پر قصر کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو۔ (ابن كثير بحواله ابن جرير)

[5] اور یہ ہیں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔ مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص دنوں میں ہی ہوتا ہے، اس لیے اس کا احرام حج کے مہینوں کے علاوہ باندھنا جائز نہیں۔ (ابن كثير)

مسئلہ: حج قران یا افراد کا احرام اہل مکہ، مکہ کے اندر سے ہی باندھیں گے، البتہ حج تمتع کی صورت میں عمرے کے احرام کے لیے حرم سے باہر حل میں جانا ان کے لیے ضروری ہے۔ (فتح الباري، تحت حديث: 1524، و الموطأ للإمام مالك: 312/1) اسی طرح آفاقی لوگ حج تمتع میں 8 ذوالحجہ کو مکہ سے ہی احرام باندھیں گے، البتہ بعض علماء کے نزدیک اہل مکہ کو عمرے کے احرام کے لیے حل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے وہ ہر طرح کے حج اور عمرے کے لیے اپنی اپنی جگہ سے ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔

تنبیہ: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے صرف دو قسم کے عمرے ثابت ہیں۔ ایک وہ جو حج تمتع کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور دوسرا وہ عمرہ مفردہ جو ایام حج کے علاوہ صرف عمرے کی نیت سے ہی سفر کر کے کیا جائے۔ باقی حرم سے جا کر کسی قریب ترین حل سے عمرے کے لیے احرام باندھ کر آنا غیر مشروع ہے۔ (الا یہ کہ جن کے احوال و ظروف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے ہوں۔)

(زاد المعاد، ج: 2، طبع جديد)

نوٹ: حدود حرم سے باہر کے علاقے کو حل اور بیرون مکہ سے آنے والے حجاج کو آفاقی کہا جاتا ہے۔

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے: «مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (صحيح البخاري، حديث: 1820) ''جس نے حج کیا اور شہوانی باتوں اور فسق و فجور سے بچا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس دن پاک تھا جب اسے اس کی ماں نے جنا تھا۔''

[2] تقویٰ سے مراد یہاں سوال سے بچنا ہے۔ بعض لوگ بغیر زاد راہ لیے حج کے لیے گھر سے نکل پڑتے اور کہتے کہ ہمارا اللہ پر توکل ہے۔ اللہ نے توکل کے اس مفہوم کو غلط قرار دیا اور زاد راہ لینے کی تاکید فرمائی۔

[3] فضل سے مراد تجارت اور کاروبار ہے، یعنی سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[4] 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے غروب شمس تک میدان عرفات میں وقوف، حج کا سب سے اہم رکن ہے، جس کی بابت حدیث میں کہا گیا ہے: اَلْحَجُّ عَرَفَةُ ''عرفات میں وقوف ہی حج ہے۔'' یہاں مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی تین رکعات اور

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿199﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ
اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ﴿200﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿201﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ
مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ

ہیں [1] اور اللہ سے بخشش طلب کرتے رہو، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿199﴾ پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، [2] بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ﴿200﴾ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے [3] اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ﴿201﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿202﴾ اور اللہ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں، یعنی ایام تشریق میں کرو، [4] دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، [5] یہ پرہیزگار کے لیے ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

عشاء کی دو رکعات (قصر) جمع کر کے ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھی جائیں گی۔ مزدلفہ ہی کو مشعر حرام کہا گیا ہے کیونکہ یہ حرم کے اندر ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کی تاکید ہے۔ یہاں رات گزارنی ہے، فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں، یعنی اول وقت میں پڑھ کر دن کے روشن ہونے تک ذکر میں مشغول رہا جائے۔ تاہم طلوع آفتاب سے قبل وہاں سے منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے۔

[1] مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق عرفات جانا اور وہاں وقوف کر کے واپس آنا ضروری ہے لیکن عرفات چونکہ حرم سے باہر ہے، اس لیے قریش مکہ عرفات تک نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے، چنانچہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جہاں سے سب لوگ لوٹ کر آتے ہیں وہیں سے لوٹ کر آؤ، یعنی عرفات سے۔

[2] عرب کے لوگ حج سے فراغت کے بعد منیٰ میں میلہ لگاتے اور آباء واجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے، مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ جب تم 10 ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے، قربانی کرنے، سر منڈانے، طواف کعبہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کے بعد جو تین دن منیٰ میں قیام کرنا ہے تو وہاں خوب اللہ کا ذکر کرو، جیسے جاہلیت میں تم اپنے آباء کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

[3] یعنی اعمال خیر کی توفیق، یعنی اہل ایمان دنیا میں بھی محض دنیا طلب نہیں کرتے بلکہ نیکی کی ہی توفیق طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ دنیا کا مال واسباب بھی اس طریقے سے دے کہ وہ بھی ہمارے لیے بھلائی ہی ثابت ہو۔ نبی ﷺ کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے۔ طواف کے دوران میں لوگ ہر چکر کی الگ الگ دعا پڑھتے ہیں جو خود ساختہ ہیں، ان کی بجائے طواف کے وقت یہی دعا ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ...... ﴾ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھنا مسنون عمل ہے۔

[4] مراد ایام تشریق ہیں، یعنی 12،11 اور 13 ذوالحجہ۔ ان میں ذکر الٰہی، یعنی بہ آواز بلند تکبیرات مسنون ہیں، صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں بلکہ ہر وقت یہ تکبیرات پڑھی جائیں: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ»

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ

اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ﴿203﴾ بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ زبردست جھگڑالو ہے ﴿204﴾ [1] جب وہ پلٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ فساد کو ناپسند کرتا ہے ﴿205﴾ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا [2] ہے، ایسے کے لیے بس جہنم ہی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ﴿206﴾ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں [3] اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ﴿207﴾ ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، [4] وہ تمہارا کھلا دشمن

کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے۔ (نیل الأوطار: 354/3 و 361/4)

(5) رَمْيِ جِمَار (جمرات کو کنکریاں مارنا) 3 دن افضل ہیں لیکن اگر کوئی دو دن (12،11 ذوالحجہ) کو کنکریاں مار کر منیٰ سے واپس آ جائے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

(1) بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت ایک منافق اَخْنَسْ بن شریق ثقفي کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سے مراد سارے ہی منافقین اور متکبرین ہیں، جن میں یہ مذموم اوصاف پائے جائیں جو قرآن نے اس کے ضمن میں بیان فرمائے ہیں۔

(2) ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ "تکبر اور غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔" عزت کے معنی غرور وانانیت کے ہیں۔

(3) یہ آیت، کہتے ہیں: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو کافروں نے کہا کہ یہ مال سب یہاں کا کمایا ہوا ہے، اسے ہم ساتھ نہیں لے جانے دیں گے، حضرت صہیب نے وہ سارا مال ان کے حوالے کر دیا اور دین ساتھ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: "صہیب نے نفع بخش تجارت کی ہے۔" دو مرتبہ فرمایا۔ (فتح القدیر) لیکن یہ آیت بھی عام ہے، جو تمام مومنین، متقین اور دنیا کے مقابلے میں دین کو اور آخرت کو ترجیح دینے والوں کو شامل ہے کیونکہ اس قسم کی تمام آیات کے بارے میں، جو کسی خاص شخص یا واقعے کے بارے میں نازل ہوئیں، یہ اصول ہے: اَلْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوگا، سبب نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس اَخْنَسْ بن شریق (جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا) برے کردار کا ایک نمونہ ہے جو ہر اس شخص پر صادق آئے گا جو اس جیسے برے کردار کا حامل ہوگا اور صہیب رضی اللہ عنہ خیر اور کمال ایمان کی ایک مثال ہیں، ہر اس شخص کے لیے جو ان صفات خیر و کمال سے متصف ہوگا۔

(4) اہل ایمان کو کہا جا رہا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس طرح نہ کرو کہ جو باتیں تمہاری مصلحتوں اور خواہشات

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾

ہے ﴿208﴾ اگر تم باوجود تمھارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ﴿209﴾ کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے، [1] اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ﴿210﴾ بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انھیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں [2] اور جو شخص اللہ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) [3] کہ اللہ بھی سخت عذاب والا ہے ﴿211﴾ کافروں کے لیے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، [4] حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے، اللہ جسے چاہتا

کے مطابق ہوں، ان پر تو عمل کر لو اور دوسرے حکموں کو نظر انداز کر دو۔ اسی طرح جو دین تم چھوڑ آئے ہو، اس کی باتیں اسلام میں شامل کرنے کی کوشش مت کرو بلکہ صرف اسلام کو مکمل طور پر اپناؤ۔ اس سے دین میں بدعات کی بھی نفی کر دی گئی اور آج کل کے سیکولر ذہن کی تردید بھی، جو اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لیے تیار نہیں بلکہ دین کو عبادات، یعنی مساجد تک محدود کرنا اور سیاست اور ایوان حکومت سے دیس نکالا دینا چاہتا ہے۔ اسی طرح عوام کو بھی سمجھایا جا رہا ہے جو شریعت مخالف رسوم و رواج اور علاقائی ثقافت و روایات کو پسند کرتے ہیں اور انھیں چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، جیسے مرگ اور شادی بیاہ کی مسرفانہ اور ہندوانہ رسوم اور دیگر رواج۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، جو تمھیں مذکورہ خلاف اسلام باتوں کے لیے حسین فلسفے تراش کر پیش کرتا، برائیوں پر خوش نما غلاف چڑھاتا اور بدعات کو بھی نیکی باور کراتا ہے تاکہ اس کے دام ہم رنگ زمین میں پھنسے رہو۔

[1] یہ یا تو قیامت کا منظر ہے (جیسا کہ بعض تفسیری روایات میں ہے۔) (ابن کثیر) یعنی کیا یہ قیامت برپا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں؟ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں اور بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آئے اور فیصلہ چکائے، تب وہ ایمان لائیں گے۔ لیکن ایسا اسلام قابل قبول ہی نہیں، اس لیے قبول اسلام میں تاخیر مت کرو اور فوراً اسلام قبول کر کے اپنی آخرت سنوار لو۔

[2] مثلاً: عصائے موسیٰ، جس کے ذریعے سے ہم نے جادوگروں کا توڑ کیا، سمندر سے راستہ بنایا، پتھر سے بارہ چشمے جاری کیے، بادلوں کا سایہ، من و سلویٰ کا نزول وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہمارے پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے احکام الٰہی سے اعراض کیا۔

[3] نعمت کے بدلنے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بدلے انھوں نے کفر اور اعراض کا راستہ اپنایا۔

[4] چونکہ مسلمانوں کی اکثریت غرباء پر مشتمل تھی جو دنیوی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم تھے، اس لیے کافر، یعنی قریش مکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ اہل ثروت کا ہر دور میں شیوہ رہا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

ہے بے حساب روزی دیتا ہے ﴿212﴾[1] دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے،[2] اللہ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور صرف ان ہی لوگوں نے جو وہ کتابیں دیے گئے تھے، اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا،[3] اس لیے اللہ نے ایمان والوں کے اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی[4] اور اللہ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ﴿213﴾ کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔[5] انھیں بیماریاں

[1] اہل ایمان کے فقر اور سادگی کا کفار جو استہزا و تمسخر اڑاتے، اس کا ذکر فرما کر کہا جا رہا ہے کہ قیامت والے دن یہی فقراء اپنے تقویٰ کی بدولت بلند و بالا ہوں گے۔ ''بے حساب روزی'' کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہو سکتا ہے کہ چند سالوں کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے ان فقراء پر بھی فتوحات کے دروازے کھول دیے، جن سے سامان دنیا اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔

[2] یعنی توحید پر۔ یہ حضرت آدم سے حضرت نوح علیہ السلام، یعنی دس قرون تک لوگ توحید پر، جس کی تعلیم انبیاء علیہم السلام دیتے رہے، قائم رہے۔ آیت میں مفسرین صحابہ نے فَاخْتَلَفُوا محذوف مانا ہے، یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہو گئی۔ ﴿فَبَعَثَ﴾ اس کا عطف فَاخْتَلَفُوا (جو محذوف ہے) پر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اور حق اور توحید کو قائم و واضح کریں۔ (ابن کثیر)

[3] اختلاف ہمیشہ راہ حق سے انحراف کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس انحراف کا منبع بغض و عناد بنتا ہے، امت مسلمہ میں بھی جب تک یہ انحراف نہیں آیا، یہ امت اپنی اصل پر قائم اور اختلافات کی شدت سے محفوظ رہی لیکن تقلید اور بدعات نے حق سے گریز کا جو راستہ کھولا، اس سے اختلافات کا دائرہ پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا، تا آنکہ اتحاد امت ایک ناممکن چیز بن کر رہ گیا ہے۔ فَهَدَى اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ.

[4] چنانچہ اہل کتاب نے جمعہ میں اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار کو اپنا مقدس دن قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جمعے کا دن اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہود نے ان کی تکذیب کی اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھا، اس کے برعکس عیسائیوں نے ان کو اللہ کا بیٹا اور الٰہ بنا دیا۔ اللہ نے مسلمانوں کو ان کے بارے میں صحیح موقف اپنانے کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے فرماں بردار بندے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا، ایک نے یہودی اور دوسرے نے نصرانی کہا، مسلمانوں کو اللہ نے صحیح بات بتلائی کہ وہ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا تھے اور اس طرح کے دیگر کئی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن، یعنی اپنے فضل سے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھائی۔

[5] ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کو یہودیوں، منافقوں اور مشرکین عرب سے مختلف قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں تو بعض

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿216﴾ؑ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

26 ع 6 10

اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ﴿214﴾[1] لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے: جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے[2] اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے ﴿215﴾ تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمھیں دشوار معلوم ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمھارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو ﴿216﴾[3] لوگ آپ سے حرمت والے

مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی، جس پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی اور خود نبی ﷺ نے بھی فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سر سے لے کر پیروں تک آرے سے چیرا گیا اور لوہے کی کنگھی سے ان کے گوشت پوست کو نوچا گیا لیکن یہ ظلم وتشدد ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکا۔'' پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس معاملے کو مکمل (اسلام کو غالب) فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صَنْعَاء سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6943.) مقصد نبی ﷺ کا مسلمانوں کے اندر حوصلہ اور استقامت کا عزم پیدا کرنا تھا۔

[1] اس لیے کہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ ''ہر آنے والی چیز، قریب ہے۔'' اور اہل ایمان کے لیے اللہ کی مدد یقینی ہے، اس لیے وہ قریب ہی ہے۔

[2] بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے استفسار پر مال خرچ کرنے کے اولین مصارف بیان کیے جا رہے ہیں، یعنی یہ سب سے زیادہ تمھارے مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا یہ حکم صدقات نافلہ سے متعلق ہے، زکاۃ سے متعلق نہیں کیونکہ ماں باپ پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: ''مال خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوبی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا۔'' مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا ناپسندیدہ اور اسراف ہے۔ افسوس ہے کہ آج یہ مسرفانہ اور ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا اس طرح لازمی حصہ بن گئے ہیں کہ اس میں کراہت کا کوئی پہلو ہی ہماری نظروں میں نہیں رہا۔

[3] جہاد کے حکم کی ایک مثال دے کر اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرو، چاہے تمھیں وہ گراں اور ناگوار ہی لگے، اس لیے کہ اس کے انجام اور نتیجے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ہوسکتا ہے اس میں تمھارے لیے بہتری ہو۔ جیسے جہاد کے نتیجے میں تمھیں فتح وغلبہ، عزت وسربلندی اور مال واسباب مل سکتا ہے، اسی طرح تم جس کو پسند کرو، (جہاد کی بجائے گھر میں بیٹھ رہنا) اس کا

قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ

مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے،[1] وہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمھیں تمھارے دین سے مرتد کر دیں[2] اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے ﴿217﴾[3] البتہ ایمان لانے والے، ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں، اللہ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے ﴿218﴾ لوگ آپ سے شراب اور جوئے

نتیجہ تمھارے لیے خطرناک ہو، یعنی دشمن تم پر غالب آ جائے اور تمھیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔

① رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ یہ چار مہینے زمانۂ جاہلیت میں بھی حرمت والے سمجھے جاتے تھے، جن میں قتال و جدال ناپسندیدہ تھا۔ اسلام نے بھی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان فوجی دستے کے ہاتھوں رجب کے مہینے میں ایک کافر قتل ہو گیا اور بعض کا فر قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں کے علم میں یہ نہیں تھا کہ رجب شروع ہو گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ دیکھو یہ حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ یقیناً حرمت والے مہینے میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن حرمت کی دہائی دینے والوں کو اپنا عمل نظر نہیں آتا؟ یہ خود اس سے بھی بڑے جرائم کے مرتکب ہیں یہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں اور وہاں سے مسلمانوں کو نکلنے پر انھوں نے مجبور کر دیا۔ علاوہ ازیں کفر و شرک بجائے خود قتل سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لیے اگر مسلمانوں سے غلطی سے ایک آدھ قتل حرمت والے مہینے میں ہو گیا تو کیا ہوا؟ اس پر واویلا کرنے کی بجائے ان کو اپنا نامۂ سیاہ بھی تو دیکھ لینا چاہیے۔

② جب یہ اپنی شرارتوں، سازشوں اور تمھیں مرتد بنانے کی کوششوں سے باز آنے والے نہیں تو پھر تم ان سے مقاتلہ کرنے میں ماہ حرام کی وجہ سے کیوں رکے رہو؟

③ جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی مرتد ہو جائے (اگر وہ توبہ نہ کرے) تو اس کی دنیوی سزا قتل ہے۔ حدیث میں ہے: «مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ» (صحيح البخاري، حديث: 3017) آیت میں اس کی اخروی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی حالت میں کیے گئے اعمال صالحہ بھی کفر و ارتداد کی وجہ سے کالعدم ہو جائیں گے اور جس طرح ایمان قبول کرنے سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو

أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۗ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

کا مسئلہ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے : ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے[1] اور لوگوں کو ان سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔[2] آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو آپ کہہ دیجیے کہ ضرورت سے زائد چیز،[3] اللہ اسی طرح اپنے احکام صاف صاف تمھارے لیے بیان فرما رہا ہے، تاکہ تم سوچ سمجھ سکو﴿۲۱۹﴾ امور دینی اور دنیوی کو۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں،[4] آپ کہہ دیجیے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں، بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں مشقت میں ڈال دیتا،[5] یقیناً اللہ غلبے

جاتے ہیں، اسی طرح کفر وارتداد سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ تاہم قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ حَبطِ اعمال (عملوں کا ضائع ہونا) اسی وقت ہوگا جب خاتمہ کفر پر ہوگا، اگر موت سے پہلے تائب ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا، یعنی مرتد کی توبہ مقبول ہے۔

① بڑا گناہ تو دین کے اعتبار سے ہے۔

② فائدوں کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: شراب سے وقتی طور پر بدن میں چستی و مستعدی اور بعض ذہنوں میں تیزی آ جاتی ہے۔ جنسی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کا استعمال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی خرید و فروخت نفع بخش کاروبار ہے۔ جوا میں بھی بعض دفعہ آدمی جیت جاتا ہے تو اس کو کچھ مال مل جاتا ہے لیکن یہ فائدے ان نقصانات و مفاسد کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو انسان کی عقل اور اس کے دین کو ان سے پہنچتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ''ان کا گناہ، ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہے۔'' اس طرح اس آیت میں شراب اور جوا کو حرام تو قرار نہیں دیا گیا، تاہم اس کے لیے تمہید باندھ دی گئی ہے۔ اس آیت سے ایک بہت اہم اصول یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز میں چاہے وہ کتنی بھی بری ہو، کچھ نہ کچھ فائدے بھی ہوتے ہیں، مثلاً: ریڈیو، ٹی وی اور دیگر اس قسم کی ایجادات ہیں اور لوگ ان کے بعض فوائد بیان کر کے اپنے نفس کو دھوکہ دے لیتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ فوائد اور نقصانات کا تقابل کیا ہے۔ خاص طور پر دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے۔ اگر دینی نقطۂ نظر سے نقصانات و مفاسد زیادہ ہیں تو تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر اسے جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

③ اس معنی کے اعتبار سے یہ اخلاقی ہدایت ہے یا پھر یہ حکم ابتدائے اسلام میں دیا گیا، جس پر فرضیت زکاۃ کے بعد عمل ضروری نہیں رہا، تاہم افضل ضرور ہے یا اس کے معنی ہیں: مَا سَهُلَ وَتَيَسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ (فتح القدیر) ''جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر شاق (گراں) نہ گزرے۔'' اسلام نے یقیناً انفاق کی بڑی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ اعتدال ملحوظ رکھا ہے کہ ایک تو اپنے زیر کفالت افراد کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرے، اس طرح خرچ کرنے سے بھی منع کیا ہے کہ کل کو تمھیں یا تمھارے اہل خاندان کو دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

④ جب یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے لیے وعید نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور یتیموں کی ہر چیز الگ کر دی حتیٰ کہ کھانے

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلَى الۡجَنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿221﴾ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ ؕ قُلۡ هُوَ اَذًى ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الۡمَحِيۡضِ ۙ وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰى

والا اور حکمت والا ہے ﴿220﴾ اور شرک کرنے والی عورتوں سے، تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو، [1] ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے، بہت بہتر ہے، گو تمھیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں اپنی عورتوں کو دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، [2] ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے، گو مشرک تمھیں اچھا لگے۔ یہ لوگ جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿221﴾ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ وہ گندگی ہے، حالتِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو [3] اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں

پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے بھی استعمال نہ کرتے اور وہ خراب ہو جاتی، اس ڈر سے کہ کہیں ہم بھی اس وعید کے مستحق نہ قرار پا جائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(ابن کثیر)

[5] یعنی تمھیں بغرض اصلاح و بہتری بھی ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتا۔

[1] مشرکہ عورتوں سے مراد بتوں کی پجاری عورتیں ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) عورتوں سے نکاح کی اجازت قرآن نے دی ہے، البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب مرد سے نہیں ہو سکتا۔ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا ہے۔(ابن کثیر) آیت میں اہل ایمان کو ایمان دار مردوں اور عورتوں سے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''عورت سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب نسب، حسن و جمال یا دین کی وجہ سے۔ تم دین دار عورت کا انتخاب کرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5090، و صحيح مسلم، حديث:53-(1466)) اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو دنیا کی سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» (صحيح مسلم، حديث :64-(1469)) ''دنیا کا بہترین متاع، نیک عورت (بیوی) ہے۔''

[2] یہ عورت کے اولیاء (ولیوں) سے خطاب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح ولی ہی کرے گا اور اگر عورت اپنا نکاح خود کرے گی تو وہ نکاح باطل ہوگا۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں'' مطبوعہ دار السلام۔

[3] بلوغت کے بعد ہر عورت کو ایام ماہواری میں جو خون آتا ہے، اسے حیض کہا جاتا ہے اور بعض دفعہ عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے خون آتا ہے، اسے استحاضہ کہتے ہیں، جس کا حکم حیض سے مختلف ہے۔ حیض کے ایام میں عورت کو نماز معاف ہے اور روزے رکھنے ممنوع ہیں، تاہم روزوں کی قضا بعد میں ضروری ہے۔ مرد کے لیے صرف ہم بستری منع ہے، البتہ بوس و کنار جائز ہے۔ اسی طرح عورت ان دنوں میں کھانا پکانا اور دیگر گھر کا ہر کام کر سکتی ہے لیکن یہودیوں میں ان دنوں میں عورت کو بالکل نجس سمجھا جاتا تھا، وہ اس کے ساتھ اختلاط اور کھانا

يَطْهُرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿222﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿223﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا

ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں[1] تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے،[2] اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ﴿222﴾ تمھاری بیویاں تمھاری کھیتیاں ہیں، اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو[3] آؤ اور اپنے لیے (نیک اعمال) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور ایمان والوں کو خوش خبری سنا دیجیے ﴿223﴾ اور اللہ کو اپنی قسموں کا (اس طرح) نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا چھوڑ بیٹھو[4] اور

پینا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی بابت نبی ﷺ سے پوچھا تو یہ آیت اتری، جس میں صرف جماع کرنے سے روکا گیا۔ علیحدہ رہنے اور قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع سے ممانعت ہے۔ (ابن کثیر)

(1) جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: ''ایک خون بند ہو جائے۔'' یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک ہیں، مرد کے لیے ان سے مباشرت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ اور بعض ائمہ اس کے قائل ہیں۔ دوسرے معنی ہیں: خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کر لے، اس سے مباشرت حرام رہے گی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے۔

(2) ''جہاں سے اجازت دی ہے۔'' یعنی شرمگاہ سے۔ کیونکہ حالت حیض میں بھی اسی کے استعمال سے روکا گیا تھا اور اب پاک ہونے کے بعد جو اجازت دی جا رہی ہے تو اس کا مطلب اسی (فرج، شرمگاہ) کی اجازت ہے، نہ کہ کسی اور حصے کی۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کی دبر کا استعمال حرام ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی مزید صراحت کر دی گئی ہے۔

(3) یہودیوں کا خیال تھا کہ اگر عورت کو پیٹ کے بل لٹا کر (مُدْبِرَة) مباشرت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ مباشرت آگے سے کرو (چت لٹا کر) یا پیچھے سے (پیٹ کے بل) یا کروٹ پر، جس طرح چاہو، جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر صورت میں عورت کی فرج ہی استعمال ہو۔ (صحيح البخاري، حديث: 4528، وصحيح مسلم، حديث: 117-(1435)) بعض لوگوں نے اس سے یہ غلط استدلال کیا تھا (جس طرح چاہو) سے وطی فی الدبر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ جب قرآن نے عورت کو کھیتی قرار دیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صرف کھیتی کے استعمال کے لیے یہ کہا جا رہا ہے کہ ''اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو، آؤ۔'' اور یہ کھیتی (موضع ولد) صرف فرج ہے نہ کہ دبر۔ بہر حال یہ غیر فطری فعل ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے: «مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا» (سنن أبي داود، حديث: 2162، و مسند أحمد، حديث: 479/2، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 5889)

(4) یعنی غصے میں اس طرح کی قسم مت کھاؤ کہ میں فلاں کے ساتھ نیکی نہیں کروں گا، فلاں سے نہیں بولوں گا، فلاں کے درمیان صلح نہیں کراؤں گا۔ اس قسم کی قسموں کے لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر کھا لو تو انھیں توڑ دو اور قسم کا کفارہ ادا کرو (کفارۂ قسم کے لیے دیکھیے سورۂ مائدہ، آیت: 89)

وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿224﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿225﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿226﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿227﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْۤ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اللہ سننے والا جاننے والا ہے ﴿224﴾ اللہ تمھیں تمھاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں، [1] ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمھارے دلوں کا فعل ہو، اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے ﴿225﴾ جو لوگ اپنی بیویوں سے (تعلق نہ رکھنے کی) قسمیں کھائیں، ان کے لیے چار مہینے کی مدت ہے، [2] پھر اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے ﴿226﴾ اور اگر طلاق ہی کا ارادہ کرلیں [3] تو اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿227﴾ طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، [4] انھیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں، [5] اگر انھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو، ان کے خاوند اس مدت میں انھیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں اگر ان

[1] یعنی جو غیر ارادی اور عادت کے طور پر ہوں، البتہ عمداً جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

[2] اِیلَآء کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے ایک مہینے یا دو مہینے (مثلاً) تعلق نہیں رکھوں گا، پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں، ہاں، اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کی تعیین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں یا پھر اسے طلاق دے دیں (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ وہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

[3] ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی از خود طلاق واقع نہیں ہوگی (جیسا کہ احناف وغیرہ کا مسلک ہے) بلکہ خاوند کے طلاق دینے سے طلاق ہوگی، جس پر تعلق نہ قائم کرنے کی صورت میں اسے عدالت بھی مجبور کرے گی۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے۔ (ابن کثیر)

[4] اس سے وہ مطلقہ عورت مراد ہے جو حاملہ بھی نہ ہو (کیونکہ حمل والی عورت کی مدت وضع حمل ہے) جسے دخول سے قبل طلاق مل گئی ہو، وہ بھی نہ ہو (کیونکہ اس کی کوئی عدت ہی نہیں ہے) آئِسَہ بھی نہ ہو، یعنی جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اور صغیرہ بھی نہ ہو جس کو ابھی حیض نہیں آیا ہے (کیونکہ ان کی عدت تین مہینے ہے) گویا یہاں مذکورہ عورتوں کے علاوہ صرف مدخولہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے تین قروء۔ جس کے معنی طہر یا تین حیض کے ہیں، یعنی تین طہر یا تین حیض عدت گزار کے وہ دوسری جگہ شادی کرنے کی مجاز ہے۔ سلف نے قروء کے دونوں ہی معنی صحیح قرار دیے ہیں، اس لیے دونوں کی گنجائش ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) جبکہ راجح یہ ہے کہ قرء بمعنی حیض ہے۔

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿228﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

ع 28 7 12

کا ارادہ اصلاح کا ہو۔[1] اور عورتوں کے بھی اچھائی کے ساتھ ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے ہیں۔[2] ہاں مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے ﴿228﴾ یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں،[3] پھر یا تو اچھائی کے ساتھ روکنا یا[4] عمدگی کے ساتھ چھوڑ

---

[5] اس سے حیض اور حمل دونوں ہی مراد ہیں۔ حیض نہ چھپائیں، مثلاً: کہے کہ طلاق کے بعد مجھے ایک یا دو حیض آئے ہیں، درآں حالیکہ اسے تینوں حیض آچکے ہوں۔ مقصد پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا ہو (اگر وہ رجوع کرنا چاہتا ہو) یا اگر رجوع کرنا نہ چاہتی ہو تو یہ کہہ دے کہ مجھے تو تین حیض آچکے ہیں جبکہ واقعتاً ایسا نہ ہوتا کہ خاوند کا حق رجوع ثابت نہ ہو سکے۔ اسی طرح حمل نہ چھپائیں کیونکہ اس طرح دوسری جگہ شادی کرنے کی صورت میں نسب میں اختلاط ہو جائے گا۔ نطفہ وہ پہلے خاوند کا ہوگا اور منسوب دوسرے خاوند کی طرف ہو جائے گا۔ یہ سخت کبیرہ گناہ ہے۔

[1] رجوع کرنے سے خاوند کا مقصد اگر تنگ کرنا نہ ہو تو عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ عورت کے ولی کو اس حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

[2] یعنی دونوں کے حقوق ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، جن کے پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں، تاہم مرد کو عورت پر فضیلت یا درجہ حاصل ہے، مثلاً: فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوامیت اور حاکمیت میں اور اختیار طلاق و رجوع (وغیرہ) میں۔

[3] یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو (عدت کے اندر) رجوع کا حق حاصل ہے، وہ دو مرتبہ ہے۔ پہلی مرتبہ طلاق کے بعد بھی اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد بھی رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا، آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، اس طرح اسے نہ بساتا تھا، نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا۔ اور پہلی یا دوسری مرتبہ سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم بھی نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق میں ہی ہمیشہ کے لیے جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے طَلْقَتَان ''دو طلاقیں'' نہیں فرمایا بلکہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ ''طلاق دو مرتبہ'' فرمایا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انھیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمتِ الٰہیّہ کے خلاف ہے۔ حکمتِ الٰہیّہ اسی بات کی مقتضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد (چاہے وہ ایک ہو یا کئی ایک) مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کیے گئے کام کے ازالے کا موقع دیا جائے، یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے جیسا کہ اہل حدیث کا مذہب ہے جو حدیث سے ثابت ہے، نہ کہ تینوں کو بیک وقت نافذ کر کے سوچنے اور غلطی کا ازالہ کرنے کی سہولت سے محروم کر دینے کی صورت میں، جیسا کہ بعض لوگوں کا نقطۂ نظر ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل۔'' مطبوعہ دارالسلام۔

[4] یعنی رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے بسانا۔

تَأْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

دینا ہے [1] اور تمھیں حلال نہیں کہ تم نے انھیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں، یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، اس لیے اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے، اس میں دونوں پر گناہ نہیں، [2] یہ اللہ کی حدود ہیں، خبردار! ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔ ﴿229﴾ پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں [3] بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جنھیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے ﴿230﴾ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت

---

[1] یعنی تیسری مرتبہ طلاق دے کر۔

[2] اس میں خُلع کا بیان ہے، یعنی عورت خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں خاوند عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ خاوند اگر علیحدگی قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت خاوند کو طلاق دینے کا حکم دے گی اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔ گویا خُلع بذریعہ طلاق بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک حیض ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 2229,2228، وجامع الترمذي، حديث: 1185، و سنن النسائي، حديث: 3492، والمستدرك للحاكم، حديث: 2825) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے خاوند سے علیحدگی، یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی ﷺ نے ایسی عورتوں کے لیے یہ سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گی۔ (ابن کثير)

[3] اس طلاق سے تیسری طلاق مراد ہے، یعنی تیسری طلاق کے بعد خاوند اب نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح، البتہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح کر لے اور دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس کے بعد زوج اول سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ لیکن اس کے لیے ہمارے ملک میں جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے، یہ لعنتی فعل ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 1119، وسنن النسائي، حديث: 3445) حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہے، زنا کاری ہے۔ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ بعض حضرات اس آیت سے حلالۂ مروجہ کا، جسے حدیث میں لعنتی فعل قرار دیا گیا ہے، اثبات کرتے ہیں۔ ان کی یہ شوخ چشمانہ جسارت قرآن کریم کی معنوی تحریف ہے۔ فنعوذ باللّٰه من هٰذا.

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿231﴾ ع 29 3 13 وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

ختم کرنے پر آئیں تو اب انھیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو [1] اور انھیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لیے نہ روکو، جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ [2] اور اللہ کا تم پر جو احسان ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب وحکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمھیں نصیحت کر رہا ہے، اسے بھی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ﴿231﴾ اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انھیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضا مند ہوں۔ [3] یہ نصیحت انھیں کی جاتی ہے جنھیں تم میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو، اس میں تمھاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿232﴾ مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل

① ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ میں بتلایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہو سکتا ہے، عدت گزرنے کے بعد نہیں، اس لیے یہ تکرار نہیں ہے جس طرح کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے۔

② بعض لوگ مذاق میں طلاق دے دیتے یا نکاح کر لیتے یا مملوک کو آزاد کر دیتے، پھر کہتے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اللہ نے اسے آیات الٰہی سے استہزا قرار دیا، جس سے مقصود اس سے روکنا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مذاق سے بھی اگر کوئی مذکورہ کام کرے گا تو وہ حقیقت ہی سمجھا جائے گا اور مذاق کی طلاق یا نکاح یا آزادی نافذ ہو جائے گی۔ (سنن أبي داود، حديث: 2194، وجامع الترمذي، حديث: 1184، و سنن ابن ماجه، حديث: 2039)

③ اس میں مطلقہ عورت کی بابت ایک تیسرا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ کہ عدت گزرنے کے بعد (پہلی یا دوسری طلاق کے بعد) اگر سابقہ خاوند بیوی باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو مت روکو۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ ہوا تو عورت کے بھائی نے انکار کر دیا جس پر یہ آیت اتری۔ (صحيح البخاري، حديث: 5130.) اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح نہیں کر سکتی بلکہ اس کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضا مندی ضروری ہے۔ تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق ولایت غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ اس کی مزید تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، مثلاً: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» مسند أحمد: 413/4، وسنن أبي داود، حديث :2085، وجامع الترمذي، حديث: 1101، وسنن ابن ماجه، حديث: 1881، وإرواء الغليل: 235/6، صححه الألباني) ”ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں۔“ ایک اور روایت میں ہے: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» (مسند أحمد: 165/6، 166، وسنن أبي داود، حديث: 2083،

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا

دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو، [1] اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمے ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہو۔ [2] ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔ [3] وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری [4] ہے، پھر اگر وہ دونوں (ماں باپ) اپنی

وجامع الترمذي، حديث: 1102، وسنن ابن ماجه، حديث: 1879، وإرواء الغليل: 243/6 وصححه أيضًا الألباني) ’’جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا، پس اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔‘‘ ان احادیث کو علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی، دیگر محدثین کی طرح، صحیح اور حسن تسلیم کیا ہے۔ (فیض الباري، ج :4 كتاب النكاح) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت کے ولیوں کو بھی عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کی رضامندی کو بھی ضرور ملحوظ رکھیں۔ اگر ولی عورت کی رضامندی کو نظر انداز کر کے زبردستی نکاح کر دے تو شریعت نے عورت کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار دیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ نکاح میں دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے، کوئی ایک فریق بھی من مانی نہ کرے۔ اگر عورت من مانے طریقے سے ولی کی اجازت نظر انداز کرے گی تو وہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا اور ولی زبردستی کرے گا اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے گا تو عدالت ایسے ولی کو حق ولایت سے محروم کر کے ولی ابعد کے ذریعے سے یا خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فریضہ انجام دے گی۔ «فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهَا» (إرواء الغليل: 243/6) ’’پس اگر ولی آپس میں لڑیں تو بادشاہ اس عورت کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔‘‘

[1] اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ پورے دو سال دودھ پلائے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہ ؓ سے مرفوعًا روایت ہے: «لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ» (جامع الترمذي، حديث: 1152) ’’وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔‘‘ چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقہ سے دودھ پی لے گا، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہوگا جس طرح نسبی بہن بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔ «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري، حديث: 2645) ’’رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔‘‘

[2] ﴿مَوْلُوْدٌ لَّهٗ﴾ سے مراد باپ ہے۔ طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الٰہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق مطلقہ عورت کی روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو، جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

[3] ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً: ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے مگر مامتا کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا

وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

6

رضا مندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمھارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کو دستور کے مطابق جو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو،[1] اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تمھارے اعمال کی دیکھ بھال کر رہا ہے ﴿233﴾ تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں،[2] پھر جب مدت ختم کر لیں تو جو اچھائی کے ساتھ وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں[3] اور اللہ تمھارے ہر عمل سے خبردار ہے ﴿234﴾ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارے کنائے میں ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو، اللہ کو علم ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو،[4] ہاں،

جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کی ذمہ داری اٹھائے، اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا، اس سے مالی مطالبہ کرے۔

④ باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تا کہ نہ عورت کو تکلیف ہو اور نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

① یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا مَا وَجَب (معاوضہ) دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

② یہ عدت وفات ہر عورت کے لیے ہے، چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، جوان ہو یا بوڑھی، البتہ اس سے حاملہ عورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾. (الطلاق 4:65) "حمل والی عورتوں کی مدت وضع حمل ہے۔" اس عدت وفات میں عورت کو زیب و زینت کی (حتیٰ کہ سرمہ لگانے کی بھی) اور خاوند کے مکان سے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی اجازت نہیں ہے، البتہ مطلقہ رَجْعِيَّہ کے لیے عدت کے اندر زیب و زینت ممنوع نہیں ہے اور مطلقہ بائنہ میں اختلاف ہے، بعض جواز کے اور بعض ممانعت کے قائل ہیں۔ (ابن کثیر)

③ یعنی عدت گزرنے کے بعد وہ زیب و زینت اختیار کریں اور اولیاء کی اجازت و مشاورت سے کسی اور جگہ نکاح کا بندوبست کریں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے تم پر بھی (اے عورت کے ولیو!) کوئی گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوہ کے عقد ثانی کو برا سمجھنا چاہیے، نہ اس میں رکاوٹ ڈالنی چاہیے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے اثرات سے ہمارے معاشرے میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

④ یہ بیوہ یا وہ عورت جس کو تین طلاقیں مل چکی ہوں، یعنی طلاق بائنہ، ان کی بابت کہا جا رہا ہے کہ عدت کے دوران میں ان سے

سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

ع 30/4/14

یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو [1] اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرو، جان رکھو کہ اللہ کو تمھارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ بخشش اور حلم والا ہے ﴿235﴾ اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں، انھیں کچھ نہ کچھ فائدہ دو۔ خوشحال اپنے انداز سے اور تنگدست اپنی طاقت کے مطابق، دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ﴿236﴾ [2] اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انھیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو، یہ اور

اشارے کنائے میں تو تم نکاح کا پیغام دے سکتے ہو (مثلاً: میرا ارادہ شادی کرنے کا ہے یا میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں وغیرہ) لیکن ان سے کوئی خفیہ وعدہ مت لو اور نہ مدت گزرنے سے قبل عقد نکاح پختہ کرو۔ لیکن وہ عورت جس کو خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں، اس کو عدت کے اندر اشارے کنائے میں بھی نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں کیونکہ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، اس پر خاوند کا ہی حق ہے۔ ممکن ہے خاوند رجوع ہی کر لے۔

مسئلہ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل لوگ عدت کے اندر ہی نکاح کر لیتے ہیں، اس کی بابت حکم یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے تو فوراً ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے اور اگر ہم بستری ہوگئی ہے تب بھی تفریق تو ضروری ہے، تاہم دوبارہ ان کے درمیان (عدت گزرنے کے بعد) نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کے درمیان اب کبھی باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے لیے ابدًا حرام ہیں لیکن جمہور علماء ان کے درمیان نکاح کے جواز کے قائل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

[1] اس سے مراد بھی وہی تعریض و کنایہ ہے جس کا حکم پہلے دیا گیا ہے، مثلاً: میں تیرے معاملے میں رغبت رکھتا ہوں یا ولی سے کہے کہ اس کے نکاح کی بابت فیصلہ کرنے سے قبل مجھے اطلاع ضرور کرنا وغیرہ۔ (ابن کثیر)

[2] یہ اس عورت کی بابت حکم ہے کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور خاوند نے خَلْوَتِ صَحِيحَہ یعنی ہم بستری کیے بغیر طلاق دے دی تو اسے کچھ نہ کچھ فائدہ دے کر رخصت کرو۔ یہ فائدہ (متعۂ طلاق) ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہونا چاہیے۔ خوش حال اپنی حیثیت اور تنگ دست اپنی طاقت کے مطابق دے۔ تاہم محسنین کے لیے ہے یہ ضروری۔ اس متعہ کی تعیین بھی کی گئی ہے، کسی نے کہا: خادم۔ کسی نے کہا: 500 درہم۔ کسی نے کہا: ایک یا چند سوٹ وغیرہ۔ بہر حال یہ تعیین شریعت کی طرف سے نہیں ہے۔ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دینے کا اختیار اور حکم ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کو دینا ضروری ہے یا خاص اسی عورت کی بابت حکم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ قرآن کریم کی بعض اور آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے

اِلَّاۤ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿237﴾ حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰی ٭ وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِیۡنَ ﴿238﴾ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُکۡبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ

بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں [1] یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، [2] تمھارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو، یقیناً اللہ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ﴿237﴾ نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز [3] کی اور اللہ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو ﴿238﴾ اگر تمھیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی، ہاں، جب امن

لیے ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. اس حکم متعہ میں جو حکمت اور فوائد ہیں وہ محتاج وضاحت نہیں۔ تلخی، کشیدگی اور اختلاف کے موقع پر، جو طلاق کا سبب ہوتا ہے، احسان کرنا اور عورت کی دلجوئی و دلداری کا اہتمام کرنا، مستقبل کی متوقع خصومتوں کے سد باب کا نہایت اہم ذریعہ ہے لیکن ہمارے معاشرے میں اس احسان وسلوک کی بجائے، مطلقہ کو ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

[1] یہ دوسری صورت ہے کہ مساس (خَلْوَتِ صَحِيحَه) سے قبل ہی طلاق دے دی اور حق مہر بھی مقرر تھا۔ اس صورت میں خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نصف مہر ادا کرے۔ اِلا یہ کہ عورت اپنا یہ حق معاف کر دے۔ اس صورت میں خاوند کو کچھ نہیں دینا پڑے گا۔

[2] اس سے مراد خاوند ہے کیونکہ نکاح کی گرہ (اس کا توڑنا اور باقی رکھنا) اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نصف حق مہر معاف کر دے، یعنی طے شدہ حق مہر، جس کی ادائیگی ہو چکی ہے، میں سے نصف مہر واپس لینے کی بجائے، اپنا یہ حق (نصف مہر) معاف کر دے اور پورے کا پورا مہر عورت کو دے دے۔ اس سے آگے آپس میں فضل واحسان کو نہ بھولنے کی تاکید کر کے حق مہر میں بھی اسی فضل واحسان کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ملحوظہ: بعض نے ﴿بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ﴾ سے عورت کا ولی مراد لیا ہے کہ عورت معاف کر دے یا اس کا ولی معاف کر دے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ایک تو عورت کے ولی کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح نہیں، دوسرے مہر عورت کا حق اور اس کا مال ہے، اسے معاف کرنے کا حق بھی ولی کو حاصل نہیں، اس لیے وہی تفسیر صحیح ہے جو آغاز میں کی گئی ہے۔ (فتح القدير)

ضروری وضاحت: طلاق یافتہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں:

① جن کا حق مہر بھی مقرر ہے، خاوند نے مجامعت بھی کی ہے ان کو پورا حق مہر دیا جائے گا۔ جیسا کہ آیت: 229 میں اس کی تفصیل ہے۔

② حق مہر بھی مقرر نہیں، مجامعت بھی نہیں کی گئی، ان کو صرف متعۂ طلاق دیا جائے گا۔

③ حق مہر مقرر ہے لیکن مجامعت نہیں کی گئی، ان کو نصف مہر دینا ضروری ہے (ان دونوں کی تفصیل، زیر نظر آیت میں ہے)

④ مجامعت کی گئی ہے لیکن حق مہر مقرر نہیں، ان کے لیے مہر مثل ہے، مہر مثل کا مطلب ہے اس عورت کی قوم میں جو رواج ہے یا اس جیسی عورت کے لیے بالعموم جتنا مہر مقرر کیا جاتا ہو۔ (نيل الأوطار: 194/6، و عون المعبود: 106/6)

[3] درمیان والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جس کو اس حدیث رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے جس میں نبی ﷺ نے خندق والے دن عصر کی نماز کو «صَلَاةِ وُسْطٰى» قرار دیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 2931، وصحيح مسلم حديث: 205-(627))

تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿239﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ
مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ
مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿240﴾ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿241﴾
ع 31 7 15 كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿242﴾ ع أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿243﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

ہو جائے تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تمھیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے ﴿239﴾ (1) جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں، (2) انھیں کوئی نہ نکالے، ہاں، اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں، اللہ غالب اور حکیم ہے ﴿240﴾ طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ﴿241﴾ (3) اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿242﴾ کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ نے انھیں فرمایا: مر جاؤ، پھر انھیں زندہ کر دیا، (4) بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں ﴿243﴾ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ

(1) یعنی دشمن سے خوف کے وقت جس طرح بھی ممکن ہے، پیادہ چلتے ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لو، تاہم جب خوف کی حالت ختم ہو جائے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح سکھلایا گیا ہے۔

(2) یہ آیت، گو ترتیب میں مؤخر ہے مگر منسوخ ہے، ناسخ آیت پہلے گزر چکی ہے، جس میں عدت وفات 4 مہینے 10 دن بتلائی گئی۔ علاوہ ازیں آیت مواریث نے بیویوں کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہے، اس لیے اب خاوند کو عورت کے لیے کسی بھی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، نہ رہائش (سُکنٰی) کی اور نہ نان ونفقہ کی۔

(3) یہ حکم عام ہے جو ہر مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ اس میں تفریق کے وقت جس حسن سلوک اور تَطْیِیبِ قُلُوب کا اہتمام کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس کے بے شمار معاشرتی فوائد ہیں۔ کاش! مسلمان اس نہایت ہی اہم نصیحت پر عمل کریں، جسے انھوں نے بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ آج کل کے بعض ''مجتہدین'' نے ﴿مَتَاعٌ﴾ اور ﴿مَتِّعُوْهُنَّ﴾ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مطلقہ کو اپنی جائیداد میں سے باقاعدہ حصہ دو یا عمر بھر نان ونفقہ دیتے رہو۔ یہ دونوں باتیں بے بنیاد ہیں، بھلا جس عورت کو مرد نے نہایت ناپسندیدہ سمجھ کر اپنی زندگی سے ہی خارج کر دیا، وہ ساری عمر کس طرح اس کے اخراجات کی ادائیگی کے لیے تیار ہوگا؟ یا اپنی جائیداد میں سے اسے حصہ دے گا؟

(4) یہ واقعہ سابقہ کسی امت کا ہے، جس کی تفصیل کسی صحیح حدیث میں بیان نہیں کی گئی۔ تفسیری روایات میں اسے بنی اسرائیل کے زمانے کا واقعہ اور اس پیغمبر کا نام، جس کی دعا سے انھیں اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ فرمایا، حزقیل بتلایا گیا ہے۔ یہ جہاد میں قتل کے ڈر سے یا وبائی بیماری طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے تاکہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مار کر ایک تو یہ بتلا دیا کہ اللہ کی تقدیر سے تم بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ دوسرا یہ کہ انسانوں کی آخری جائے پناہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ تیسرا

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا

سنتا، جانتا ہے ﴿244﴾ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض[1] دے، پس اللہ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے، اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿245﴾ کیا آپ نے موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا[2] جب کہ انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجیے[3] تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو، انھوں نے کہا: بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور

یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ تمام انسانوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا جس طرح اللہ نے ان کو مار کر زندہ کر دیا۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے اس واقعے کے بیان میں یہی حکمت ہے کہ جہاد سے جی مت چراؤ، موت و حیات تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اس موت کا وقت بھی متعین ہے جسے جہاد سے گریز و فرار کر کے تم ٹال نہیں سکتے۔

① قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں اور جہاد میں مال خرچ کرنا ہے، یعنی جان کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل مت کرو۔ رزق کی کشادگی اور کمی بھی اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ دونوں طریقوں سے تمھاری آزمائش کرتا ہے۔ کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی اس میں فراوانی کر کے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تو کمی بھی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے، کبھی ظاہری طور پر، کبھی معنوی و روحانی طور پر اس میں برکت ڈال کر اور آخرت میں تو یقیناً اس میں اضافہ حیران کن ہوگا۔

② ﴿ الْمَلَاِ ﴾ کسی قوم کے ان اشراف، سردار اور اہل حل و عقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں۔ (مَلَا کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں) (أیسر التفاسیر) جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے اس کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے۔ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصے تک تو ٹھیک رہے، پھر ان میں انحراف آ گیا، دین میں بدعات ایجاد کر لیں۔ حتیٰ کہ بعض نے بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء علیہم السلام ان کو روکتے رہے لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بھی بنا لیا، ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا، بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے، جنھوں نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ انھوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

③ نبی کی موجودگی میں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ، بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہت جائز ہی نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبے کو رد فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیا، جیسا کہ آگے آ رہا ہے،

وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿246﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾ ع 32/6/16

بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں، پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿246﴾ اور انھیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے: بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں، اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا: سنو! اللہ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے،[1] بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے، اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے ﴿247﴾ ان کے نبی نے انھیں پھر کہا کہ اس کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق[2] آجائے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمھارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایماندار ہو ﴿248﴾

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ اگر مطلق العنان نہیں ہے بلکہ وہ احکام الٰہی کا پابند اور عدل وانصاف کرنے والا ہے تو اس کی بادشاہت جائز ہی نہیں بلکہ مطلوب ومحبوب بھی ہے۔ مزید دیکھیے: سورۂ مائدہ، آیت: 20 کا حاشیہ۔

[1] حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ غریب اور ایک عام فوجی تھے، جس پر انھوں نے اعتراض کیا۔ پیغمبر نے کہا کہ یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں قیادت وسیادت کے لیے مال سے زیادہ عقل وعلم اور جسمانی قوت وطاقت کی ضرورت ہے اور طالوت اس میں تم سب میں ممتاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ وہ واسع الفضل ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت وعنایات سے نوازتا ہے۔ ﴿عَلِيْمٌ﴾ ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ بادشاہت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ جب انھیں بتلایا گیا کہ یہ تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے انھوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں، چنانچہ اگلی آیت میں ایک اور نشانی کا بیان ہے۔)

[2] صندوق، یعنی ﴿التَّابُوْتُ﴾ جو توب سے ہے، جس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (فتح القدیر) اس تابوت میں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، یہ تابوت بھی ان کے دشمن ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعے سے حضرت طالوت کے دروازے پر پہنچا دیا۔ جسے دیکھ کر بنو اسرائیل خوش بھی ہوئے اور اسے طالوت کی بادشاہی کے لیے منجانب اللہ نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ان کے لیے ایک اعجاز (آیت) اور فتح وسکینت کا سبب قرار دیا۔ سکینت کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول ہے جو وہ اپنے خاص

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ

يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ

جب طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا: سنو! اللہ تمھیں ایک نہر [1] سے آزمانے والا ہے، جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے، ہاں، یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔ لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا، [2] طالوت مومنین سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے: آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ [3] لیکن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا: بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے

بندوں پر نازل فرماتا ہے اور جس کی وجہ سے جنگ کی خون ریز معرکہ آرائیوں میں، جس سے بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں، اہل ایمان کے دل دشمن کے خوف اور ہیبت سے خالی اور فتح و کامرانی کی امید سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت و افادیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں۔ جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں بن جاتی، جس طرح آج کل ''تبرکات'' کے نام پر کئی جگہوں پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس طرح بعض لوگ نبی ﷺ کے نعل مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھروں میں لٹکانے کو یا مخصوص طریقے سے اس کے استعمال کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لیے اکسیر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز کی چیزوں کو اور لنگر کو متبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ غیر اللہ کے نام کا چڑھاوا ہے جو شرک کے دائرے میں آتا ہے، اس کا کھانا قطعاً حرام ہے، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، حالانکہ قبروں کو غسل دینا بھی خانہ کعبہ کے غسل کی نقل ہے، جس کا کوئی جواز نہیں ہے، یہ شرک آلود گندا پانی کیسے متبرک ہو سکتا ہے؟ بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔

[1] یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان ہے۔ (ابن کثیر)

[2] اطاعت امیر ہر حال میں ضروری ہے، تاہم دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت تو اس کی اہمیت دو چند بلکہ صد چند ہو جاتی ہے۔ دوسرے، جنگ میں کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فوجی اس دوران میں بھوک، پیاس اور دیگر شدائد کو نہایت صبر اور حوصلے سے برداشت کریں، چنانچہ ان دونوں باتوں کی تربیت اور امتحان کے لیے طالوت نے کہا کہ نہر پر تمھاری پہلی آزمائش ہوگی۔ جس نے پانی پی لیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اس تنبیہ کے باوجود اکثریت نے پانی پی لیا۔ ان کی تعداد میں مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ اسی طرح نہ پینے والوں کی تعداد 313 بتلائی گئی ہے، جو اصحاب بدر کی تعداد ہے۔ واللہ أعلم۔

[3] ان اہل ایمان نے بھی، ابتدا میں جب دشمن کی بڑی تعداد دیکھی تو اپنی قلیل تعداد کے پیش نظر اس رائے کا اظہار کیا، جس پر ان کے علماء اور ان سے زیادہ پختہ یقین رکھنے والوں نے کہا کہ کامیابی، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی فراوانی پر منحصر نہیں بلکہ اللہ کی مشیت اور اس کے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

غلبہ پالیتی ہیں، اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے ﴿249﴾ جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انھوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما ﴿250﴾ [1] چنانچہ اللہ کے حکم سے انھوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی اور داود کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا [2] اور اللہ نے داود کو مملکت وحکمت [3] اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے ﴿251﴾ [4] یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنھیں ہم حقانیت کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں ﴿252﴾ [5]

اذن پر موقوف ہے اور اللہ کی تائید کے لیے صبر کا اہتمام ضروری ہے۔

[1] ﴿جَالُوْتَ﴾ اس دشمن قوم کا کمانڈر اور سربراہ تھا جس سے طالوت اور ان کے رفقاء کا مقابلہ تھا۔ یہ قوم عمالقہ تھی جو اپنے وقت کی بڑی جنگجو اور بہادر قوم سمجھی جاتی تھی۔ ان کی اسی شہرت کے پیش نظر، عین معرکہ آرائی کے وقت اہل ایمان نے بارگاہ الٰہی میں صبر وثبات اور کفر کے مقابلے میں ایمان کی فتح وکامیابی کی دعا مانگی۔ گویا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلبگار رہیں، جیسے جنگ بدر میں نبی ﷺ نے نہایت الحاح وزاری سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور مسلمانوں کی ایک نہایت قلیل تعداد کافروں کی بڑی تعداد پر غالب آئی۔

[2] حضرت داود بھی، جو ابھی پیغمبر تھے نہ بادشاہ، اس لشکر طالوت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔

[3] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داود کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی۔ حکمت سے بعض نے نبوت، بعض نے صنعت آہن گری اور بعض نے ان امور کی سمجھ مراد لی ہے، جو اس موقع جنگ پر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

[4] اس میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے کہ وہ انسانوں ہی کے ایک گروہ کے ذریعے سے، دوسرے انسانی گروہ کے ظلم اور اقتدار کا خاتمہ فرماتا رہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا اور کسی ایک ہی گروہ کو ہمیشہ قوت واختیار سے بہرہ ور کیے رکھتا تو یہ زمین ظلم وفساد سے بھر جاتی، اس لیے یہ قانون الٰہی اہل دنیا کے لیے فضل الٰہی کا خاص مظہر ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کی آیت: 38 اور 40 میں بھی فرمایا ہے۔

[5] یہ گزشتہ واقعات، جو آپ پر نازل کردہ کتاب کے ذریعے سے دنیا کو معلوم ہو رہے ہیں، اے محمد! یقیناً آپ کی رسالت وصداقت کی دلیل ہیں، کیونکہ آپ نے یہ نہ کسی کتاب میں پڑھے ہیں، نہ کسی سے سنے ہیں۔ جس سے یہ واضح ہے کہ یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ آپ پر نازل فرما رہا ہے۔ اور یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے،① ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کیے ہیں اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔② اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے،③ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے﴿253﴾ اے ایمان والو! جو ہم نے تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ

① قرآن نے ایک دوسرے مقام پر بھی اسے بیان کیا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (بنی إسرآءیل 55:17) ”ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔“ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے: «لَاتُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ» (صحيح البخاري، حديث: 4638، و صحيح مسلم، حديث: 160-(2373)) ”تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔“ تو اس سے ایک کی دوسرے پر فضیلت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ یہ امت کو انبیاء کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمھیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا، جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسر شان ہو۔ ورنہ بعض نبیوں کی بعض پر فضیلت اور تمام پیغمبروں پر نبی ﷺ کی فضیلت و اشرفیت مسلمہ اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدير)

② مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو دیے گئے تھے، مثلاً: احیائے موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنا) وغیرہ۔ جس کی تفصیل سورۂ آل عمران میں آئے گی۔ روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

③ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ مطلب اس کا یہ نہیں ہے کہ اللہ کو دین میں اختلاف کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اس کی پسند (رضا) تو یہ ہے کہ تمام انسان اس کی نازل کردہ شریعت کو اپنا کر نار جہنم سے بچ جائیں، اسی لیے اس نے کتابیں اتاریں، انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا تا آنکہ نبی کریم ﷺ پر رسالت کا خاتمہ فرما دیا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء اور علماء و دعاۃ کے ذریعے سے دعوت حق اور امر بالمعروف ونهي عن الْمُنْكَرِ کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور اس کی سخت اہمیت و تاکید بیان فرمائی گئی۔ کس لیے؟ اسی لیے تا کہ لوگ اللہ کے پسندیدہ راستے کو اختیار کریں۔ لیکن چونکہ اس نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسانوں کو کوئی ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ بطور امتحان اسے اختیار اور ارادہ کی آزادی سے نوازا ہے، اس لیے کوئی اس اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اس اختیار و آزادی کا غلط استعمال کر کے

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿255﴾ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ

دوستی اور نہ شفاعت [1] اور کافر ہی ظالم ہیں (254) اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند، اس کی ملکیت میں زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہیں۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، [2] اس کی کرسی کی وسعت [3] نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے، وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے (255) دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو

کافر۔ یہ اس کی حکمت ومشیت ہے جو اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔

[1] یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین اپنے اپنے پیشواؤں، یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں۔ اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے۔ یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جاہلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اَڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں ایسی کسی شفاعت کا کوئی وجود نہیں۔ پھر اس کے بعد آیت الکرسی میں اور دوسری متعدد آیات واحادیث میں بتایا گیا کہ اللہ کے ہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہو گی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنھیں اللہ اجازت دے گا۔ اور صرف اسی بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا۔ اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا۔ یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے، انبیاء ورسل بھی اور شہداء وصالحین بھی۔ مگر اللہ پر ان میں سے کسی بھی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ خود اللہ کے خوف سے لرزاں وترساں ہوں گے۔ ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○﴾ (الأنبياء 21:28)

[2] یہ آیت الکرسی ہے جس کی صحیح احادیث سے بڑی فضیلت ثابت ہے، مثلاً: یہ آیت قرآن کی اعظم آیت ہے۔ اس کے پڑھنے سے رات کو شیطان سے تحفظ رہتا ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے وغیرہ (ابن کثیر) یہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلال، اس کی علو شان اور اس کی قدرت وعظمت پر مبنی نہایت جامع آیت ہے۔

[3] ﴿ كُرْسِيُّهُ ﴾ سے بعض نے مَوْضِعَ قَدَمَيْنِ (قدم رکھنے کی جگہ)، بعض نے علم، بعض نے قدرت وعظمت، بعض نے بادشاہی اور بعض نے عرش مراد لیا ہے۔ لیکن صفات باری تعالیٰ کے بارے میں محدثین اور سلف کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات جس

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ٭ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿256﴾ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾ ع 34/4/2 اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ

چکی ہے،[1] اس لیے جو شخص اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿256﴾ ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے، وہ انھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ﴿257﴾ کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں

طرح قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی بغیر تاویل اور کیفیت بیان کیے، ان پر ایمان رکھا جائے۔ اس لیے یہی ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ فی الواقع کرسی ہے جو عرش کے علاوہ چیز ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر وہ کس طرح مستوی ہے؟ اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔

[1] اس کی شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ انصار کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے، پھر جب یہ انصار مسلمان ہو گئے تو انھوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی بن چکے تھے، زبردستی مسلمان بنانا چاہا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شان نزول کے اس اعتبار سے بعض مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے، یعنی مسلمان مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انھیں قبول اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے، یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے۔ تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے۔ مقصد معاشرے سے اس قوت کا زور اور دباؤ ختم کرنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہو تاکہ ہر شخص اپنی آزاد مرضی سے چاہے تو اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے تو اسلام میں داخل ہو جائے۔ چونکہ رکاوٹ بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی، اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی، جیسا کہ حدیث میں ہے: «لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّينُ قَائِمًا، يُقَاتِلُ عَلَيهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ» (صحيح مسلم: 1922) ''یہ دین قائم رہے گا اور قیام قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے لیے لڑتی رہے گی۔'' خود نبی ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جہاد کیا ہے اور فرمایا ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ» (صحيح البخاري، حديث: 25) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جہاد کروں جب تک کہ وہ [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] اور [مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ] کا اقرار نہ کر لیں۔'' اسی طرح سزائے ارتداد (قتل) سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ ایسا باور کراتے ہیں۔) کیونکہ ارتداد کی سزا 'قتل' سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہ جانے کی اجازت تو بے شک دی جا سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس سے بغاوت و انحراف کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لہٰذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام

رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿258﴾ۚ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ

جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا: میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں، ابراہیمؑ نے کہا: اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔ اب تو وہ کافر ہکا بکا رہ گیا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا﴿258﴾ یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی، وہ کہنے لگا: اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ [1] تو اللہ نے اسے ماردیا سو سال کے لیے، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، [2] فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا، اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی

لائے۔ کیونکہ اگر یہ اجازت دے دی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی جو اسلامی معاشرے کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔ اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل، چوری، زنا، ڈاکہ اور حرابہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جا سکتی، اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔ یہ جبر و اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارت گری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے۔ ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد، ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج اسلامی ممالک ان دونوں ہی مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

[1] ﴿اَوْ كَالَّذِيْ﴾ کا عطف پہلے واقعہ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے (پہلے واقعہ کی طرح) اس شخص کے قصے پر نظر نہیں ڈالی جو ایک بستی سے گزرا...... یہ شخص کون تھا؟ اس کی بابت مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ زیادہ مشہور حضرت عزیر کا نام ہے جس کے بعض صحابہ و تابعین قائل ہیں۔ واللہ أعلم. اس سے پہلے کے واقعے (حضرت ابراہیم علیہ السلام و نمرود) میں صانع، یعنی باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس دوسرے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت احیائے موتیٰ کا اثبات ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اور اس کے گدھے کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، حتیٰ کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی خراب نہیں ہونے دیا۔ وہی اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ جب وہ سو سال کے بعد زندہ کر سکتا ہے تو ہزاروں سال کے بعد بھی زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں۔

[2] مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ شخص مذکور مرا تھا، اس وقت کچھ دن چڑھا ہوا تھا اور جب زندہ ہوا تو ابھی شام نہیں ہوئی تھی، اس

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿259﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿260﴾ ع مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

ع 35/3 3

دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھران پر گوشت چڑھاتے ہیں، جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا: میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿259﴾ [1] اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ [2] (جناب باری تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تمھیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا: چار پرندے لو، ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انھیں پکارو، وہ تمھارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا ہے ﴿260﴾ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی

سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن گزر گیا ہے اور اگر یہ آج ہی کا واقعہ ہے تو دن کا کچھ حصہ ہی گزرا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی موت پر سو سال گزر چکے تھے۔

(1) یعنی یقین تو مجھے پہلے بھی تھا لیکن اب عینی مشاہدے کے بعد میرے یقین اور علم میں مزید پختگی اور اضافہ ہو گیا ہے۔

(2) یہ احیائے موتی، یعنی مُردوں کو زندہ کرنے کا دوسرا واقعہ ہے جو ایک نہایت جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش اور ان کے اطمینان قلب کے لیے دکھایا گیا۔ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کیے ہیں لیکن ناموں کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے اللہ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کیے۔ بس یہ چار پرندے تھے۔ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کے ایک معنی اَمِلْهُنَّ کیے گئے ہیں، یعنی ان کو ''ہلا لے'' (مانوس کر لے) تا کہ زندہ ہونے کے بعد ان کو آسانی سے پہچان لے کہ یہ وہی پرندے ہیں اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ اس معنی کے اعتبار سے پھر اس کے بعد ثُمَّ قَطِّعْهُنَّ (پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے) محذوف ماننا پڑے گا۔ دوسرے معنی قَطِّعْهُنَّ (ٹکڑے ٹکڑے کر لے) کیے گئے ہیں۔ اس صورت میں کچھ محذوف ماننے بغیر معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان کے اجزاء باہم ملا کر رکھ دے، پھر تو آواز دے تو وہ زندہ ہو کر تیرے پاس آ جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان پرندوں کے ذبح اور زندہ ہونے کی اجمالی کیفیت پر علمائے سلف کا اجماع ہے۔ اس اجماعی تفسیر کے خلاف سب سے پہلے ابو مسلم معتزلی نے اپنی ذاتی رائے سے ایک نیا مطلب نکال لیا جسے آج کل کے جدت پسند مغرب زدہ طبقے نے عمداً اختیار کیا ہے کہ ﴿فَصُرْهُنَّ﴾ کا مطلب صرف ''ہلا لے'' ہے۔ اور ان کے ٹکڑے کرنے اور پہاڑوں پر ان کے اجزاء بکھیرنے اور پھر اللہ کی قدرت سے ان کے جڑنے کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں، اس سے واقعے کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے اور مردے کو زندہ کر دکھانے کا سوال جوں کا توں قائم رہتا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی صفت احیائے موتیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کا اثبات ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم کے اس واقعے کا تذکرہ کر کے فرمایا: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ»(صحيح البخاري، حديث: 4537) ''ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حق دار ہیں۔''

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿263﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ

مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا دے[1] اور اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے﴿261﴾ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں،[2] ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے﴿262﴾ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو،[3] اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے﴿263﴾ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے ہم اس معاملے میں شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اور جب ہم نے شک نہیں کیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطریق اولیٰ شک نہیں کیا ہے۔ مطلب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مسئلے میں کوئی شک نہیں کیا۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: فتح القدیر)

[1] یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت ہے۔ اس سے مراد اگر جہاد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جہاد میں خرچ کی گئی رقم کا یہ ثواب ہوگا اور اگر اس سے مراد تمام مصارف خیر ہیں تو یہ فضیلت نفقات وصدقات نافلہ کی ہوگی اور دیگر نیکیاں «اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا» ''ایک نیکی کا اجر دس گنا'' کی ذیل میں آئیں گی۔ (فتح القدیر) گویا نفقات وصدقات کا عام اجر وثواب دیگر امور خیر سے زیادہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اس اہمیت وفضیلت کی وجہ بھی واضح ہے کہ جب تک سامان واسلحہ جنگ کا انتظام نہیں ہوگا، فوج کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی اور سامان واسلحہ رقم کے بغیر مہیا کرنا مشکل ہے۔

[2] انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا نہ زبان سے ایسا کلمۂ تحقیر ادا کرتا ہے جس سے کسی غریب، محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے۔ کیونکہ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا، ان میں ایک احسان جتلانے والا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:171-(106))

[3] سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا یا دعائیہ کلمات (اللہ تعالیٰ تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے نوازے وغیرہ) سے اس کو جواب دینا قول معروف ہے اور ﴿مَغْفِرَةٌ﴾ کا مطلب سائل کے فقر اور اس کی حاجت کا لوگوں کے سامنے عدم اظہار اور اس کی پردہ پوشی ہے اور اگر سائل کے منہ سے کوئی ناز یبا بات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی بھی اس میں شامل ہے۔ یعنی سائل سے نرمی وشفقت اور چشم پوشی، پردہ پوشی، اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں ذلیل ورسوا کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے: «اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ» (صحیح مسلم، حدیث:56-(1009)) ''پاکیزہ کلمہ بھی صدقہ ہے۔'' نیز نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَّلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» ''تم کسی بھی معروف (نیکی) کو حقیر مت سمجھو

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ

ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر، اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے،[1] ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ کافروں کی قوم کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا﴿264﴾ ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو[2] اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمھارے کام دیکھ رہا ہے﴿265﴾ کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں، اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو، اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ کو بگولا لگ جائے جس میں آگ بھی ہو،

اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 144-(2626))

[1] اس میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات کر کے احسان جتلانا اور تکلیف دہ باتیں کرنا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں بلکہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو منافق ہیں اور ریاکاری کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دوسرے، ایسے خرچ کی مثال صاف چٹان کی سی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، کوئی شخص پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس میں بیج بو دے لیکن بارش کا ایک جھٹکا پڑتے ہی وہ ساری مٹی اس سے اتر جائے اور وہ پتھر مٹی سے بالکل صاف ہو جائے۔ یعنی جس طرح بارش اس پتھر کے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوئی، اسی طرح ریاکار کو بھی اس کے صدقے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

[2] یہ ان اہل ایمان کی مثال ہے جو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کا خرچ کیا ہوا مال اس باغ کی مانند ہے جو پرفضا مقام اور بلند چوٹی پر ہو کہ اگر زوردار بارش ہو تو اپنا پھل دگنا دے ورنہ ہلکی سی پھوار اور شبنم بھی اس کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے نفقات بھی، چاہے کم ہوں یا زیادہ، عنداللہ کئی کئی گنا اجر وثواب کے باعث ہوں گے۔ ﴿ جَنَّةٍ ﴾ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں اتنی کثرت سے درخت ہوں جو زمین کو ڈھانک لیں یا وہ باغ، جس کے چاروں طرف باڑھ ہو، اور باڑھ کی وجہ سے باغ نظروں سے پوشیدہ ہو۔ یہ جن سے ماخوذ ہے، جن اس مخلوق کا نام ہے جو نظر نہیں آتی، پیٹ کے بچے کو جنین کہا جاتا ہے کہ وہ بھی نظر نہیں آتا، دیوانگی کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں بھی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور جنت کو بھی اس لیے جنت کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مستور

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ

پس وہ باغ جل جائے، [1] اسی طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو ﴿266﴾ اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمھارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو، [2] ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا، جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کرلو تو، [3] اور جان لو کہ اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے ﴿267﴾ شیطان تمھیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، [4] اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا

ہے۔ ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ نرم وزرخیز زمین کو کہتے ہیں۔ ﴿وَابِلٌ﴾ تیز بارش۔

[1] اسی ریاکاری کے نقصانات کو واضح کرنے اور اس سے بچنے کے لیے مزید مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح ایک شخص کا باغ ہو جس میں ہر طرح کے پھل ہوں (اس سے بھرپور آمدنی کی امید ہو)، وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں (وہ خود بھی ضعف پیری اور کبرسنی کی وجہ سے محنت ومشقت سے عاجز ہو چکا ہو اور اولاد بھی اس کے بڑھاپے کا سہارا تو کیا خود اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو) اس حالت میں تیز وتند ہوائیں چلیں اور اس کا سارا باغ جل جائے۔ اب نہ وہ خود دوبارہ اس باغ کو آباد کرنے کے قابل رہا نہ اس کی اولاد۔ یہی حال ان ریاکار خرچ کرنے والوں کا قیامت کے دن ہوگا کہ نفاق وریاکاری کی وجہ سے ان کے سارے اعمال اکارت چلے جائیں گے جبکہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت وفرصت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا یہی حال ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4538، وفتح القدير، وتفسير الطبري)

[2] صدقے کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ مَنٌّ واَذًی (احسان جتلانے اور تکلیف دینے) اور ریاکاری سے پاک ہو (جیسا کہ گزشتہ آیات میں بتایا گیا ہے) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاکیزہ کمائی سے ہو۔ چاہے وہ کاروبار (تجارت وصنعت) کے ذریعے سے ہو یا فصل اور باغات کی پیداوار سے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ''خبیث چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد مت کرو'' تو خبیث سے ایک تو وہ چیزیں مراد ہیں جو غلط کمائی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا۔ حدیث میں ہے: «إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» ''اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک (حلال) چیز ہی قبول فرماتا ہے۔'' دوسرے خبیث کے معنی ردی اور نکمی چیز کے ہیں، ردی چیزیں بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کی جائیں جیسا کہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کا بھی مفاد ہے۔ اس کی شان نزول کی روایت میں بتلایا گیا ہے کہ بعض لوگ جو خیر کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے خراب اور نکمی کھجوریں اہل صفہ کے لیے مسجد میں لٹکا جاتے، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 2987)

[3] یعنی جس طرح تم خود ردی چیزیں لینا پسند نہیں کرتے، اسی طرح اللہ کی راہ میں بھی اچھی چیز ہی خرچ کرو۔

[4] یعنی بھلے کام میں مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ لیکن برے کام پر خرچ کرنا ہو تو ایسے

وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿270﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

ہے، اللہ وسعت والا اور علم والا ہے ﴿268﴾ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا[1] اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں ﴿269﴾ تم جتنا کچھ خرچ کرو، یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو[2] اسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿270﴾ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے،[3] اللہ تمھارے گناہوں کو مٹا دے گا اور اللہ تمھارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ﴿271﴾ انھیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمے نہیں، بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو بھلی چیز

اندیشوں کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا۔ بلکہ ان برے کاموں کو اس طرح سجا اور سنوار کر پیش کرتا ہے اور ان کے لیے خفتہ آرزوؤں کو اس طرح جگاتا ہے کہ ان پر انسان بڑی سے بڑی رقم بے دھڑک خرچ کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد، مدرسے یا اور کسی کار خیر کے لیے کوئی چندہ لینے پہنچ جائے تو صاحب مال سو، دوسو کے لیے بار بار اپنے حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور مانگنے والے کو بسا اوقات کئی کئی بار دوڑاتا اور پلٹاتا ہے۔ لیکن یہی شخص سینما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری اور مقدمے بازی وغیرہ کے جال میں پھنستا ہے تو اپنا مال بے تحاشا خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد کا ظہور نہیں ہوتا۔

① حکمت سے بعض کے نزدیک عقل وفہم، علم اور بعض کے نزدیک اصابت رائے، قرآن کے ناسخ ومنسوخ کا علم وفہم، قوت فیصلہ اور بعض کے نزدیک صرف سنت یا کتاب وسنت کا علم وفہم ہے، یہ سارے ہی مفہوم اس کے مصداق میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صحیحین وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ”دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 73، وصحيح مسلم، حديث: 266-(815))

② نذر کا مطلب ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا یا فلاں ابتلا سے نجات مل گئی تو میں اللہ کی راہ میں اتنا صدقہ کروں گا یا فلاں نیک عمل کروں گا۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نافرمانی یا ناجائز کام کی نذر مانی ہے تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ نذر بھی نماز روزہ کی طرح عبادت ہے۔ اس لیے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے، جیسا کہ آج کل مشہور قبروں پر نذر و نیاز کا یہ سلسلہ عام ہے، اللہ تعالیٰ اس شرک سے بچائے۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خفیہ طور پر صدقہ کرنا افضل ہے، سوائے کسی ایسی صورت کے کہ علانیہ صدقہ دینے میں لوگوں کے لیے ترغیب کا پہلو ہو۔ اگر ریا کاری کا جذبہ شامل نہ ہو تو ایسے موقعوں پر پہل کرنے والے جو خاص فضیلت حاصل کر سکتے ہیں، وہ

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ ع الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

رکوع 37 / 7 / 5

اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ تمھیں صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لیے ہی خرچ کرنا چاہیے، تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمھیں دیا جائے گا، [1] اور تمھارا حق نہ مارا جائے گا ﴿272﴾ صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیے گئے، جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے، [2] نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انھیں مال دار خیال کرتے ہیں، آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انھیں پہچان لیں گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے، [3] تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ اس کو جاننے والا ہے ﴿273﴾ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انھیں

احادیث سے واضح ہے۔ تاہم اس قسم کی مخصوص صورتوں کے علاوہ دیگر مواقع پر خاموشی سے صدقہ و خیرات کرنا ہی بہتر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس نے اتنے خفیہ طریقے سے صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ صدقے میں اخفا کی افضلیت کو بعض علماء نے صرف نفلی صدقات تک محدود رکھا ہے اور زکاۃ کی ادائیگی میں اظہار کو بہتر سمجھا ہے۔ لیکن قرآن کا عموم صدقات نافلہ اور واجبہ دونوں کو شامل ہے۔ (ابن کثیر) اور حدیث کا عموم بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

[1] تفسیری روایات میں اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کی مدد کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہدایت کے راستے پر لگا دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ تم لوجہ اللّٰہ جو بھی خرچ کرو گے، اس کا پورا اجر ملے گا جس سے یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم رشتے داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا باعث اجر ہے۔ تاہم زکاۃ (و دیگر صدقات واجبہ) صرف مسلمانوں کا حق ہے یہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیے جا سکتے۔

[2] اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے اور اللہ کے راستے میں ہر چیز سے کٹ گئے۔ لوجہ اللّٰہ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء اور علماء بھی اس کی ذیل میں آ سکتے ہیں۔

[3] گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ ﴿التَّعَفُّفِ﴾ ''سوال سے بچنا'' اختیار کرتے اور ﴿اِلْحَافًا﴾ ''چمٹ کر سوال کرنا'' سے گریز کرتے ہیں۔ بعض نے اِلحاف کے معنی کیے ہیں: بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت عفت بیان کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح و زاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انھیں ضرورت نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ) لوگوں سے مانگے، اس مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ ''مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک، دو دو لقمے کے لیے در در

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

خوف ہے اور نہ غمگینی﴿274﴾ سود خور[1] لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی

پر جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے آیت ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ کا حوالہ پیش فرمایا(صحيح البخاري، حديث: 4539 وحديث: 1476) اس لیے پیشہ ور گداگروں کی بجائے، مہاجرین، دین کے طلباء، علماء اور سفید پوش ضرورت مندوں کا پتا چلا کر ان کی امداد کرنی چاہیے۔ جو سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انسان کی عزت نفس اور خودداری کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ جس کے پاس (مَا يُغْنِيهِ) ہو (اتنا سامان ہو جو اس کو کفایت کرتا ہو) لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت والے دن اس کے چہرے پر زخم ہوں گے۔ (سنن أبي داود، حديث: 1626، وسنن النسائي، حديث: 2593، وسنن ابن ماجه، حديث: 1840، وجامع الترمذي، حديث: 650) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ لوگوں سے ہمیشہ سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔(صحيح البخاري، حديث: 1474، وصحيح مسلم، حديث: 103-(1040))

[1] ﴿اَلرِّبٰوا﴾ کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اور شریعت میں اس کا اطلاق ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے۔ ربا الفضل، اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیاء میں (یا کیلی ووزنی اشیاء میں) کمی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے، مثلاً: گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے (يَدًا بِيَدٍ) ''ہاتھوں ہاتھ'' ہو۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کی بجائے، ایک نقد اور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی سود ہے۔ رِبَا النَّسِيئَة کا مطلب ہے کسی کو، (مثلاً:) 6 مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی 125 روپے ہوگی۔ 25 روپے 6 مہینے کی مہلت کے لیے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے: «كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا» (فيض القدير شرح الجامع الصغير: 4487/9) ''قرض پر لیا گیا نفع سود ہے۔'' یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لیے، دونوں قسم کے قرضوں پر لیا گیا سود حرام ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا۔ شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ (جو عام طور پر بنک سے لیا جاتا ہے) اس پر اضافہ، سود نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بنک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں، مثلاً: قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے۔ بلکہ منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے۔ بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہوکار) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے۔ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے، جس سے معاشرے میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور خودغرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی

وقف لازم

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

بنادے،[1] یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے،[2] حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام، جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزرا[3] اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے،[4] اور جس نے پھر بھی کیا، وہ جہنمی ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ﴿275﴾ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقے کو بڑھاتا ہے[5] اور اللہ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا ﴿276﴾ بے شک جو لوگ ایمان کے ساتھ نیک کام کرتے ہیں، نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی اور غم ﴿277﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار ہو ﴿278﴾ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ،[6]

ہے، چاہے معاشرے میں ضرورت مند بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بے روزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت وسنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں، تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر حال سود مطلقاً حرام ہے، چاہے ذاتی ضرورت کی خاطر لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر۔

[1] سود خور کی یہ کیفیت قبر سے اٹھتے وقت یا میدان محشر میں ہوگی۔

[2] حالانکہ تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس میں نفع نقصان کا امکان رہتا ہے، جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، علاوہ ازیں بیع کو اللہ نے حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر یہ دونوں ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟

[3] قبول ایمان کے بعد یا علم ہو جانے پر توبہ کے بعد پچھلے سود پر گرفت نہیں ہوگی۔

[4] کہ وہ توبہ پر ثابت قدم رہتا ہے یا سوءِ عمل اور فساد نیت کی وجہ سے اسے حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد دوبارہ سود لینے والے کے لیے وعید ہے۔

[5] یہ سود کی معنوی اور روحانی مضرتوں اور صدقے کی برکتوں کا بیان ہے۔ سود میں بظاہر بڑھوتری نظر آتی ہے لیکن معنوی حساب سے یا مآل (انجام) کے اعتبار سے سودی رقم ہلاکت و بربادی ہی کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اب یورپی ماہرین معیشت بھی کرنے لگے ہیں۔

[6] یہ ایسی سخت وعید ہے کہ قرآن مجید میں اور کسی معصیت کے ارتکاب پر نہیں دی گئی۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿279﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿280﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿281﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ

ہاں اگر توبہ کرلو تو تمھارا اصل مال تمھارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے (279)[1] اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور صدقہ کرو تو تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے،[2] اگر تم میں علم ہو (280) اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (281)[3] اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو،[4] اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے، پس اسے

ہے کہ اسلامی مملکت میں جو شخص سود چھوڑنے پر تیار نہ ہو تو خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سے توبہ کرائے اور باز نہ آنے کی صورت میں اس کی گردن اڑا دے۔ (ابن کثیر)

① تم اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو یہ تمھاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمھیں اصل زر بھی نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا۔

② زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا، جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک اسے مہلت دے دو اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور پر رحمت نظام الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت وافادیت کو سمجھ سکیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

③ بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ﷺ (ابن کثیر)

④ جب سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقات و خیرات کی تاکید بیان کی گئی تو پھر ایسے معاشرے میں دیون (قرضوں) کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ سود تو ویسے ہی حرام ہے اور ہر شخص صدقہ و خیرات کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر شخص صدقہ لینا پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر اپنی ضروریات و حاجات پوری کرنے کے لیے قرض ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا باعث بھی ہے۔ اس لیے اس آیت میں، جسے آیت الدَّین کہا جاتا ہے اور جو قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلے میں ضروری ہدایات دی ہیں تا کہ یہ ناگزیر ضرورت لڑائی جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ مدت کا تعین کر لو، دوسرا یہ

كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

بھی لکھ دینا چاہیے اور جس کے ذمے حق ہو [1] وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں، ہاں، جس شخص کے ذمے حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو، [2] تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے، [3] اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی ہے اور بہت قریب ہے اس سے کہ تم شک میں نہ پڑو، [4] ہاں، یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس

کہ اسے لکھ لو، تیسرا یہ کہ اس پر مسلمانوں میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو۔

[1] اس سے مراد مقروض ہے، یعنی وہ اللہ سے ڈرتا ہوا رقم کی صحیح تعداد لکھوائے، اس میں کمی نہ کرے۔ آگے کہا جا رہا ہے کہ یہ مقروض اگر کم عقل یا کمزور بچہ یا مجنون ہے تو اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف کے ساتھ لکھوا لے تا کہ صاحب حق (قرض دینے والے) کو نقصان نہ ہو۔

[2] یعنی جن کی دین داری اور عدالت پر تم مطمئن ہو۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس نص سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں، سوائے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ مدعی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جبکہ دوسرے گواہ کی جگہ مدعی قسم کھا لے۔ فقہائے احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، جبکہ محدثین اس کے قائل ہیں کیونکہ حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے اور دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی جائز ہوگا۔ (فتح القدیر)

[3] یہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے، یعنی عورت عقل اور یادداشت میں مرد سے کمزور ہے (جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 304 و صحیح مسلم، حدیث: 79 میں بھی عورت کو ناقص العقل کہا گیا ہے) اس میں عورت کے استخفاف اور فروتری کا اظہار نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ ایک فطری کمزوری کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت پر مبنی ہے۔ مکابرۃً کوئی اس کو تسلیم نہ کرے تو اور بات ہے لیکن حقائق و واقعات کے اعتبار سے یہ ناقابل تردید ہے۔

[4] یہ لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے، گواہی بھی درست رہے گی کہ گواہ کے بھولنے، شک کرنے،

اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾ ع 39/2/7

تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔ خرید وفروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کرلیا کرو[1] اور یاد رکھو کہ نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو[2] اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمھاری کھلی نافرمانی ہے، اللہ سے ڈرو،[3] اللہ تمھیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿282﴾ اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضے میں رکھ لیا کرو،[4] ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے مطمئن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کردے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔[5] اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے[6] اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے ﴿283﴾

نوت یا غائب ہونے کی صورت میں بھی تحریر کام آئے گی کہ اسے یاد آجائے گا اور بھول اور شک دور ہوجائے گا اور شک وشبہ واختلاف سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ شک واختلاف پڑنے کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کرلیا جاسکتا ہے۔

[1] نقد سودے کو نہ لکھنے میں گناہ تو نہیں، تاہم اس پر گواہ بنانا ضروری ہے بالخصوص جب فروخت شدہ چیز زیادہ قدر و قیمت والی ہو، مثلاً: زمین، مکان، دکان، باغ، حیوانات، گاڑیاں وغیرہ۔ جبکہ بعض مفسرین نے اسے امر ارشادی کہا ہے۔ (أیسر التفاسیر، وتفسیر اللباب: 504/4)

[2] ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

[3] یعنی جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرو۔

[4] اگر سفر میں قرض کا معاملہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور وہاں لکھنے والا یا کاغذ پنسل وغیرہ نہ ملے تو اس کی متبادل صورت بتلائی جارہی ہے کہ قرض لینے والا کوئی چیز دائن (قرض دینے والے) کے پاس رہن (گروی) رکھ دے۔ اس سے گروی کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس جو کے بدلے گروی رکھی تھی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2513) تاہم اگر مَرْھُوْنَۃٌ (گروی رکھی ہوئی چیز) ایسی ہے جس سے نفع موصول ہوتا ہے تو اس نفع کا حق دار مالک ہوگا نہ کہ دائن۔ البتہ اس پر دائن کا اگر کچھ خرچ ہوتا ہے تو اس سے وہ اپنا خرچہ وصول کرسکتا ہے۔ باقی نفع مالک کو ادا کرنا ضروری ہے اور اگر مرہونہ چیز دودھ والا جانور ہو یا سواری والا تو اس پر خرچہ کے بدلے اس جانور کا دودھ لے لینا اور اس پر سواری کرنا دائن (قرض دینے والے) کے لیے جائز ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔

[5] یعنی اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو بغیر گروی رکھے بھی ادھار کا معاملہ کرسکتے ہو۔ امانت سے مراد یہاں قرض ہے، اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے صحیح طریقے سے ادا کرے۔

[6] گواہی کا چھپانا کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر سخت وعید یہاں قرآن میں اور احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اسی لیے صحیح گواہی

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ اس کا حساب تم سے لے گا۔[1] پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (284) رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے

دینے کی فضیلت بھی بڑی ہے، صحیح مسلم کی حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ سب سے بہتر گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی از خود گواہی کے لیے پیش ہو جائے۔'' «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» (صحيح مسلم، حديث: 19-(1719)) ایک دوسری روایت میں بدترین گواہ کی نشاندہی بھی فرما دی گئی ہے۔ «الَّذِينَ يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدُوا» (صحيح البخاري، حديث: 6428، و صحيح مسلم، حديث: 213-(2534) واللفظ له) ''یہ وہ لوگ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے قبل ہی گواہی دیتے ہیں۔'' مطلب ہے جھوٹی گواہی دے کر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، نیز آیت میں دل کا خاص ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ کتمان دل کا فعل ہے۔ علاوہ ازیں دل تمام اعضاء کا سردار ہے اور یہ (مُضْغَه) گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح رہے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر اس میں فساد آ جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے: «أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (صحيح البخاري، حديث: 52)

[1] احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام بڑے پریشان ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نماز، روزہ، زکاۃ اور جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال، جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ہم بجا لاتے ہیں کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت ہی سے ماورا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرما دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فی الحال تم ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ہی کہو۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ سمع و طاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔'' سے منسوخ فرما دیا۔ (ابن كثير و فتح القدير) صحیحین و سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (صحيح البخاري، حديث: 2528، وصحيح مسلم، حديث: 201-(127)) ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، البتہ ان پر گرفت ہو گی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان سے کر دیا جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں گزرنے والے خیالات پر محاسبہ نہیں ہو گا، صرف ان پر محاسبہ ہو گا جو پختہ عزم و ارادہ میں ڈھل جائیں یا عمل کا قالب اختیار کر لیں۔ اس کے برعکس امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ محاسبہ معاقبہ کو لازم نہیں

مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿285﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾

40 ع 3 8

رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے، [1] انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ﴿285﴾ اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے اور جو برائی وہ کرے وہ اس پر ہے، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما! اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر! تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ﴿286﴾

ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا بھی محاسبہ کرے، اس کو سزا بھی ضرور دے بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا کرے گا لیکن بہت سے لوگ ہوں گے کہ محاسبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا بلکہ بعض کے ساتھ تو یہ معاملہ فرمائے گا کہ اس کا ایک ایک گناہ یاد کرا کے ان کا اس سے اعتراف کروائے گا اور پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں ان پر پردہ ڈالے رکھا، جا آج میں ان کو معاف کرتا ہوں۔ یہ حدیث (صحيح البخاري، حديث: 6070، وصحيح مسلم، حديث: 52-(2768)) میں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں نسخ اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اسے وضاحت کے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام کے دل میں جو شبہ اس آیت سے پیدا ہوا تھا، اسے آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ اور حدیث: «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي -----» وغیرہ سے دور کر دیا گیا۔ اس طرح ناسخ منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

[1] اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے اگلی آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ﴾ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے کہ اس نے انسانوں کو کسی ایسی بات کا مکلف نہیں کیا ہے جو ان کی طاقت سے بالا ہو۔ ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو یہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4008، وصحيح مسلم، حديث: 255-(807)) یعنی اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب رات کے قیام سے کافی ہو جانا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: نبی ﷺ کو معراج کی رات جو تین چیزیں ملیں، ان میں سے ایک سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیات بھی ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 279-(173)) کئی روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ اس سورت کی آخری آیات نبی ﷺ کو ایک خزانے سے عطا کی گئیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ اور یہ آیات آپ کے سوا کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں۔ (مسند أحمد: 147/4، والسنن الكبرى للنسائي: 15/5، والمعجم الكبير للطبراني: 283/17، وشعب الإيمان للبيهقي: 461/2، حديث: 2404، والمستدرك للحاكم: 562/1، وسنن الدارمي: 321/2) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس سورت کے خاتمے پر آمین کہا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

آیاتُھا 200 (3) سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (89) رُکُوْعَاتُھا 20

سورۂ آل عمران مدنی ہے اس میں 200 آیات اور 20 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۭ② نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

الٓمٓ ① اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کو تھامنے والا ہے ② [1] جس نے آپ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے، [2] جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو اتارا تھا ③ اس سے پہلے، لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر، [3] اور قرآن بھی اسی نے اتارا، [4] جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے ④ یقیناً اللہ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ

یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں مختلف اوقات میں ہجرت کے بعد اتری ہیں۔ اور اس کا ابتدائی حصہ، یعنی 83 آیات تک عیسائیوں کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے جو 9 ہجری میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ عیسائیوں نے آ کر نبی ﷺ سے اپنے عیسائی عقائد اور اسلام کے بارے میں مذاکرہ ومباحثہ کیا، جس کا رد کیا گیا، پھر جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اظہار حق اور دلائل کے باوجود وفد نجران نے راہ عناد اختیار کی تو آخری فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا اور انھیں دعوت مباہلہ دی گئی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم کی ان آیات کا مطالعہ کیا جائے۔

[1] ﴿اَلْحَيُّ﴾ اور ﴿اَلْقَيُّوْمُ﴾ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں حي کا مطلب وہ ازل سے زندہ ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔ قیوم کا مطلب ساری کائنات کا قائم رکھنے والا، محافظ اور نگران، ساری کائنات اس کی محتاج وہ کسی کا محتاج نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا تین آلہہ میں سے ایک مانتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانۂ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت عرصے بعد کا ہے تو پھر وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمھارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انھیں مخلوق کی بجائے الوہی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا، نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے بقول ہمکنار ہو چکے۔ احادیث میں آتا ہے کہ تین آیتوں میں اللہ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سے دعا کی جائے تو وہ رد نہیں ہوتی۔ ایک یہی آل عمران کی آیت۔ دوسری آیت الکرسی میں ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ تیسری سورۂ طٰہٰ میں ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ (ابن كثير، تفسير آيت الكرسي)

[2] یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

[3] اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے، یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں، ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلے بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔ اگر یہ کسی اور کی طرف سے یا انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا تو ان میں باہم مطابقت

وَلَا فِي السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڗ وَمَا

يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ

نہیں⑤ وہ ماں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے،[1] اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ غالب ہے، حکمت والا ہے⑥ وہی اللہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔[2] پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا[3] اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے،

کی بجائے مخالفت ہوتی۔

④ یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں، اس لیے کہ ان کے اتارنے کا مقصد ہی یہی تھا۔ تاہم اس کے بعد ﴿وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ دوبارہ کہہ کر وضاحت فرما دی کہ اب تورات و انجیل کا دور ختم ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے، وہ فرقان ہے اور اب صرف وہی حق و باطل کی پہچان ہے، اس پر ایمان لائے بغیر عند اللہ کوئی مسلمان اور مومن نہیں۔

① خوب صورت یا بدصورت، مذکر یا مؤنث، نیک بخت یا بد بخت، ناقص الخلقت یا تام الخلقت۔ جب رحم مادر میں یہ سارے تصرفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کرنے والا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں جو خود بھی اسی مرحلۂ تخلیق سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں جس کا سلسلہ اللہ نے رحم مادر میں قائم فرمایا ہے۔

② ﴿مُّحْكَمٰتٌ﴾ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر ونواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم بذاتِ خود واضح اور اٹل ہے یا دیگر دلائل سے اس کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہو اور ان کے سمجھنے میں کسی کو اشکال پیش نہیں آتا۔ اس کے برعکس آیات متشابہات ہیں، مثلاً: حروف مقطعات، قضاء وقدر کے مسائل، حقیقت ملائکہ وغیرہ، یعنی ماورائے عقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات: استوا، علو، قدم، چہرہ وغیرہ معنی کے لحاظ سے محکم اور کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ: 26/5) وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے ذریعے سے ''فتنے'' برپا کرتے ہیں، جیسے عیسائی ہیں۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے۔ لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے، اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں۔ یہی حال اہل بدعت کا ہے۔ قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے ہیں، وہ انھی متشابہات کو بنیاد بناتے ہیں اور بسا اوقات محکمات کو بھی اپنے فلسفیانہ استدلال کے گورکھ دھندے سے متشابہات بنا دیتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ ان کے برعکس صحیح العقیدہ مسلمان محکمات پر عمل کرتا ہے اور متشابہات کے مفہوم کو بھی (اگر اس میں اشتباہ ہو) محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ قرآن نے انھی کو ''اصل کتاب'' قرار دیا ہے۔ جس سے وہ فتنے سے بھی

اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً

یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں ⑦ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے ⑧ اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ⑨ بلاشبہ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذاب سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، وہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں ⑩ جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ نے بھی انھیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب والا ہے ⑪ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے [1] اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ⑫ یقیناً تمھارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو باہم مدمقابل ہوئیں، ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انھیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے [2] اور اللہ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے۔ یقیناً اس میں

محفوظ رہتا ہے اور عقائد کی گمراہی سے بھی۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

③ تاویل کے ایک معنی تو ہیں: "کسی چیز کی اصل حقیقت۔" اس معنی کے اعتبار سے ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف ضروری ہے کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت واضح طور پر صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تاویل کے دوسرے معنی ہیں: "کسی چیز کی تفسیر و تعبیر اور بیان و توضیح۔" اس اعتبار سے ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کی بجائے ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ پر بھی وقف درست ہے کیونکہ مضبوط علم والے بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں۔ "تاویل" کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از ابن کثیر)

① یہاں کافروں سے مراد یہودی ہیں۔ اور یہ پیش گوئی جلد ہی پوری ہوگئی۔ چنانچہ بنوقینقاع اور بنونضیر جلا وطن کیے گئے، بنوقریظہ قتل کیے گئے۔ پھر خیبر فتح ہوگیا اور تمام یہودیوں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

② یعنی ہر فریق، دوسرے فریق کو اپنے سے دوگنا دیکھتا تھا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انھیں مسلمان دو ہزار کے قریب دکھائی دیتے تھے۔ مقصد اس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر (یا 313) تھی، انھیں کافر 600 اور 700 کے درمیان نظر آتے تھے۔ دراں حالیکہ ان کی اصل تعداد ہزار کے قریب (3 گنا) تھی۔ مقصد اس سے

لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ

آنکھوں والوں کے لیے بڑی عبرت ہے⑬ مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے مزین کردی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی۔ [1] یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے⑭ آپ کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لیے ان کے رب کے پاس

مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں اضافہ کرنا تھا۔ اپنے سے تین گنا دیکھ کر ممکن تھا کہ مسلمان مرعوب ہوجاتے۔ جب وہ تین گنا کی بجائے دوگنا نظر آئے تو ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا۔ لیکن یہ دگنا دیکھنے کی کیفیت ابتدا میں تھی، پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس دونوں کو ایک دوسرے کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تاکہ کوئی بھی فریق لڑائی سے گریز نہ کرے بلکہ ہر ایک پیش قدمی کی کوشش کرے۔ (ابن کثیر) یہ تفصیل سورۂ انفال، آیت: 44 میں بیان کی گئی ہے۔ یہ جنگ بدر کا واقعہ ہے جو ہجرت کے بعد دوسرے سال مسلمانوں اور کافروں کے درمیان پیش آیا۔ یہ کئی لحاظ سے نہایت اہم جنگ تھی۔ ایک تو اس لیے کہ یہ پہلی جنگ تھی۔ دوسرے، یہ جنگی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئی۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کے لیے نکلے تھے جو شام سے سامان تجارت لے کر مکہ جا رہا تھا مگر اطلاع مل جانے کی وجہ سے وہ اپنا قافلہ تو بچا کر لے گیا لیکن کفار مکہ اپنی طاقت و کثرت کے گھمنڈ میں مسلمانوں پر چڑھ دوڑے اور مقام بدر میں یہ پہلا معرکہ برپا ہوا۔ تیسرے، اس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد حاصل ہوئی، چوتھے، اس میں کافروں کو عبرت ناک شکست ہوئی، جس سے آئندہ کے لیے کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔

[1] ﴿الشَّهَوٰتِ﴾ سے مراد یہاں مُشْتَهَيَاتٌ ہیں، یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں۔ اسی لیے ان میں رغبت اور ان کی محبت ناپسندیدہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے۔ ان کی تزیین بھی اللہ کی طرف سے بطور آزمائش ہے۔ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ﴾ (الكهف 18:7) ”ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں۔“ سب سے پہلے عورت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر بالغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے زیادہ مرغوب بھی۔ خود نبی ﷺ کا فرمان ہے: «حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيبُ» (مسند أحمد: 3/199) ”عورت اور خوشبو مجھے محبوب ہیں۔“ اسی طرح نبی ﷺ نے نیک عورت کو ”دنیا کی سب سے بہتر متاع“ قرار دیا ہے: «خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» اس لیے اس کی محبت شریعت کے دائرے سے تجاوز نہ کرے تو یہ بہترین رفیق زندگی بھی ہے اور زاد آخرت بھی۔ ورنہ یہی عورت مرد کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے: «مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» (صحيح البخاري، حديث: 5096) ”میرے بعد جو فتنے رونما ہوں گے، ان میں مردوں کے لیے سب سے بڑا مضر فتنہ عورتوں کا ہے۔“ اسی طرح بیٹوں کی محبت ہے۔ اگر اس سے مقصد مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور بقاؤ تکثیر نسل ہے تو محمود ہے ورنہ مذموم۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ”بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، اس لیے کہ میں قیامت والے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ اِنَّ الدِّيْنَ

النصف

جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے [1] اور پاکیزہ بیویاں [2] اوراللہ کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں ⑮ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا ⑯ جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں ⑰ اللہ فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں [3] اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ⑱ بے شک اللہ کے نزدیک

کی کثرت پر فخر کروں گا۔'' اس آیت سے رہبانیت کی تردید اور تحریک خاندانی منصوبہ بندی کی تردید بھی ہوتی ہے کیونکہ ﴿اَلْبَنِيْنَ﴾ جمع ہے۔ مال و دولت سے بھی مقصود قیام معیشت، صلہ رحمی، صدقہ وخیرات اور اسے امور خیر میں خرچ کرنا اور سوال سے بچنا ہے تا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو اس کی محبت بھی عین مطلوب ہے ورنہ مذموم۔ گھوڑوں سے مقصد جہاد کی تیاری، دیگر جانوروں سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لینا اور زمین سے اس کی پیداوار حاصل کرنا ہو تو یہ سب پسندیدہ ہیں اور اگر مقصود محض دنیا کمانا اور پھر اس پر فخر وغرور کا اظہار کرنا اور یاد الٰہی سے غافل ہو کر عیش وعشرت سے زندگی گزارنا ہے تو یہ سب مفید چیزیں اس کے لیے وبال جان ثابت ہوں گی۔ ﴿الْقَنَاطِيْرِ﴾، قِنطَارٌ (خزانہ) کی جمع ہے۔ مراد ہے خزانے، یعنی سونے چاندی اور مال و دولت کی فراوانی اور کثرت۔ ﴿الْمُسَوَّمَةِ﴾ وہ گھوڑے جو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑے گئے ہوں یا جہاد کے لیے تیار کیے گئے ہوں یا نشان زدہ، جن پر امتیاز کے لیے کوئی نشان یا نمبر لگا دیا جائے۔ (فتح القدیر وابن کثیر)

① اس آیت میں اہل ایمان کو بتلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی مذکورہ چیزوں میں ہی مت کھو جانا بلکہ ان سے بہتر تو وہ زندگی اور اس کی نعمتیں ہیں جو رب کے پاس ہے، جس کے مستحق اہل تقویٰ ہی ہوں گے۔ اس لیے تم تقویٰ اختیار کرو اگر یہ تمھارے اندر پیدا ہو گیا تو یقیناً تم دین ودنیا کی بھلائیاں اپنے دامن میں سمیٹ لو گے۔

② پاکیزہ، یعنی وہ دنیاوی میل کچیل، حیض ونفاس اور دیگر آلودگیوں سے پاک ہوں گی اور پاک دامن ہوں گی۔ اس سے اگلی دو آیات میں اہل تقویٰ کی صفات کا تذکرہ ہے۔

③ شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اس کے ذریعے سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ (فتح القدیر) فرشتے اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے، تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ (فتح القدیر)

عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

دین اسلام ہی ہے،[1] اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے[2] اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے،[3] بلاشبہ اللہ اس کا جلد حساب لینے والا ہے⑲ پھر بھی اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو آپ کہہ دیں

---

[1] اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید و رسالت اور آخرت پر اس طرح یقین و ایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کر لینا، یہ اسلام نہیں نہ اس سے ہی نجات آخرت ملے گی۔ ایمان و اسلام اور دین یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی ایک معبود کی عبادت کی جائے، محمد رسول اللہ ﷺ سمیت تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا جائے۔ اور نبی ﷺ کی ذات پر رسالت کا خاتمہ تسلیم کیا جائے اور ایمانیات کے ساتھ ساتھ وہ عقائد واعمال اختیار کیے جائیں جو قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اب اس دین اسلام کے سوا کوئی اور دین عنداللہ قبول نہیں ہو گا۔ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 85:3) نبی ﷺ کی رسالت پوری انسانیت کے لیے ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا﴾ (الأعراف 158:7) ''کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَۨا ۝﴾ (الفرقان 1:25) ''برکتوں والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو۔'' اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سنے، پھر مجھ پر ایمان لائے بغیر فوت ہو گیا، وہ جہنمی ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:240-(153)) مزید فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (مسند أحمد:145/5، وصحیح مسلم، حدیث:3-(152)) ''میں احمر واسود (تمام انسانوں کے لیے) نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' اسی لیے آپ نے اپنے وقت کے تمام سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط تحریر فرمائے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ (صحیحین بحوالہ ابن کثیر)

[2] ان کے اس باہمی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ایک ہی دین کے ماننے والوں نے آپس میں برپا کر رکھا تھا، مثلاً: یہودیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں، اسی طرح عیسائیوں کے باہمی اختلافات اور فرقہ بندیاں۔ پھر وہ اختلاف بھی مراد ہے جو اہل کتاب کے درمیان آپس میں تھا۔ اور جس کی بنا پر یہودی نصرانیوں کو اور نصرانی یہودیوں کو کہا کرتے تھے: ''تم کسی چیز پر نہیں ہو۔'' نبوت محمدی اور نبوت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سارے اختلافات دلائل کی بنیاد پر نہیں تھے، محض حسد اور بغض وعناد کی وجہ سے تھے، یعنی وہ لوگ حق کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود محض اپنے خیالی دنیاوی مفاد کے چکر میں غلط بات پر جمے رہتے اور اس کو دین باور کراتے تھے۔ تاکہ ان کی ناک بھی اونچی رہے اور ان کا عوامی حلقۂ ارادت بھی قائم رہے۔ افسوس آج بعض علماء ان ہی غلط مقاصد کے لیے ٹھیک اسی غلط ڈگر پر چل رہے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَ اِيَّانَا.

[3] یہاں ان آیتوں سے مراد وہ آیات ہیں جو اسلام کے دین الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿20﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ

کہ میں اور میرے تابعداروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا چہرہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں[1] سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے ﴿20﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی بات کہیں انھیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں[2] تو اے نبی! انھیں دردناک عذابوں کی خبر دے دیجیے ﴿21﴾ ان کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں ﴿22﴾ کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لیے اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، پھر بھی ان کی ایک جماعت منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے ﴿23﴾[3] اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند دن ہی آگ جلائے گی، ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انھیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ﴿24﴾[4] پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انھیں اس دن جمع کریں گے؟ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ﴿25﴾[5] آپ کہہ دیجیے: اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک!

---

① ان پڑھ لوگوں سے مراد مشرکین عرب ہیں جو اہل کتاب کے مقابلے میں بالعموم ان پڑھ تھے۔

② یعنی ان کی سرکشی و بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی انھوں نے ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان تک کو بھی قتل کر ڈالا جو عدل وانصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ نبیوں کے ساتھ ان کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و فضیلت بھی واضح کر دی۔

③ ان اہل کتاب سے مراد مدینے کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام، مسلمانوں اور نبی ﷺ کے خلاف مکر وہ سازشوں میں مصروف رہے تا آنکہ ان کے دو قبیلوں کو جلا وطن اور ایک قبیلے کو قتل کر دیا گیا۔

④ یعنی کتاب اللہ کے ماننے سے گریز و اعراض کی وجہ ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

8

تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، [1] بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿26﴾ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، [2] تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے، [3] تو ہی ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے ﴿27﴾ مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، [4] اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی کسی حمایت میں

صرف چند دن ہی کے لیے جائیں گے۔ اور انھی من گھڑت باتوں نے انھیں دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے۔

(5) قیامت والے دن ان کے یہ دعوے اور غلط عقائد کچھ کام نہ آئیں گے اور اللہ تعالیٰ بے لاگ انصاف کے ذریعے سے ہر نفس کو، اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا، کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

(1) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات کا مالک وہی ہے۔ اَلْخَيْرُ بِيَدِكَ کی بجائے ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (خبر کی تقدیم) سے مقصود تخصیص ہے، یعنی تمام بھلائیاں صرف تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تیرے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔ ''شر'' کا خالق بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ذکر صرف خیر کا کیا گیا ہے، شر کا نہیں۔ اس لیے کہ خیر اللہ کا فضل محض ہے، بخلاف شر کے کہ یہ انسان کے اپنے عمل کا بدلہ ہے جو اسے پہنچتا ہے یا اس لیے کہ شر بھی اس کے قضا و قدر کا حصہ ہے جو خیر کو متضمن ہے، اس اعتبار سے اس کے تمام افعال خیر ہیں۔ فَأَفْعَالُهُ كُلُّهَا خَيْرٌ (فتح القدير)

(2) رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب موسمی تغیرات ہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے تو دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور دوسرے موسم میں اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یعنی کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا حصہ رات میں داخل کر دیتا ہے جس سے رات اور دن چھوٹے یا بڑے ہو جاتے ہیں۔

(3) جیسے نطفہ (مردہ) پہلے زندہ انسان سے نکالتا ہے پھر اس مردہ (نطفہ) سے انسان۔ اسی طرح مردہ انڈے سے پہلے مرغی اور پھر زندہ مرغی سے انڈہ (مردہ) یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر پیدا فرماتا ہے۔

(4) ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ وَلِيٌّ کی جمع ہے۔ ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے محبت اور خصوصی تعلق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اہل ایمان کا ولی قرار دیا ہے۔ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة 2:257) یعنی ''اللہ اہل ایمان کا ولی ہے۔'' مطلب یہ ہوا کہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے محبت اور خصوصی تعلق ہے اور وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں۔ کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی دشمن ہیں۔ تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت کے ساتھ

تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿30﴾ ع 3 10/11 قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ

نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو، [1] اور اللہ خود تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ﴿28﴾ کہہ دیجیے کہ خواہ تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ، خواہ ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿29﴾ جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پا لے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی۔ اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ﴿30﴾ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، [2] خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا [3] اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ﴿31﴾ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی طاعت کرو،

بیان فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات (دوستی) اور ان سے خصوصی تعلق قائم کرنے سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی۔ اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں، ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے (جس کی تفصیل سورۂ ممتحنہ میں ہے) کیونکہ یہ سارے معاملات، موالات (دوستی و محبت) سے مختلف ہیں۔

[1] یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو کسی کافر حکومت میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

[2] یہود اور نصاریٰ دونوں کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ہم سے محبت ہے، بالخصوص عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تعظیم و محبت میں جو اتنا غلو کیا کہ انھیں درجۂ الوہیت پر فائز کر دیا، اس کی بابت بھی ان کا خیال تھا کہ ہم اس طرح اللہ کا قرب اور اس کی رضا و محبت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے دعووں اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میرے آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کا اتباع کرو۔ اس آیت نے تمام دعوے داران محبت کے لیے ایک کسوٹی اور معیار مہیا کر دیا ہے کہ محبت الٰہی کا طالب اگر اتباع محمد ﷺ کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یقیناً وہ کامیاب ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے، ورنہ وہ جھوٹا بھی ہے اور اس مقصد کے حصول میں ناکام بھی رہے گا۔ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم ، حديث:18-(1718)) ”جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے، یعنی ہمارے بتلائے ہوئے طریقے سے مختلف ہے تو وہ مسترد ہے۔“

[3] یعنی اتباع رسول ﷺ کی وجہ سے تمھارے گناہ ہی معاف نہیں ہوں گے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ کتنا اونچا مقام ہے کہ بارگاہ الٰہی میں ایک انسان کو محبوبیت کا مقام مل جائے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿35﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ

اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ﴿32﴾ [1] بے شک اللہ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم، نوح اور ابراہیم کے خاندان اور عمران کے خاندان کا انتخاب فرمالیا ﴿33﴾ [2] کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں [3] اور اللہ سنتا جانتا ہے ﴿34﴾ جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے [4] کی نذر مانی، تو میری طرف سے قبول فرما! یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے ﴿35﴾ جب بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا

---

[1] اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی پھر تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعوے دار ہوں۔ اس آیت میں حجیت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرنے والوں دونوں کے لیے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[2] انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو عمران ہوئے ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے والد اور دوسرے مریم علیہا السلام کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک یہی دوسرے عمران مراد ہیں اور اس خاندان کو بلند درجہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے حاصل ہوا اور حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا نام مفسرین نے حنة بنت فاقوذ لکھا ہے۔ (تفسير القرطبي و ابن كثير) اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آل عمران کے علاوہ مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت میں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان میں پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جنھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انھیں مسجود ملائک بنایا، انھیں اسماء کا علم عطا کیا اور انھیں جنت میں رہائش پذیر کیا، جس سے پھر انھیں زمین میں بھیج دیا گیا جس میں اس کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ دوسرے حضرت نوح علیہ السلام ہیں، انھیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا گیا جب لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا، انھیں عمر طویل عطا کی گئی، انھوں نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی لیکن چند افراد کے سوا، کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ بالآخر آپ کی بد دعا سے اہل ایمان کے سوا، دوسرے تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا۔ آل ابراہیم کو یہ فضیلت عطا کی کہ ان میں انبیاء وسلاطین کا سلسلہ قائم کیا اور بیشتر پیغمبر آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ حتیٰ کہ کائنات میں علی الاطلاق سب سے افضل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

[3] یا دوسرے معنی ہیں دین میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار۔

[4] ﴿مُحَرَّرًا﴾ ''تیرے نام آزاد'' کا مطلب تیری عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف۔

كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿38﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ

نہیں،[1] میں نے اس کا نام مریم رکھا،[2] میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں﴿36﴾[3] پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی، اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا،[4] جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے،[5] وہ پوچھتے: اے مریم! یہ روزی تمھارے پاس کہاں سے آئی؟ وہ جواب دیتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے﴿37﴾ اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے﴿38﴾ پس فرشتوں نے اسے آواز دی، جب کہ وہ حجرے

---

[1] اس جملے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور اعتذار بھی۔ حسرت، اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور اعتذار اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہی ہے۔ (فتح القدیر)

[2] حافظ ابن کثیر نے اس آیت سے اور دیگر احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچے کا نام ولادت کے پہلے روز رکھنا درست ہے اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تمام احادیث پر بحث کر کے آخر میں لکھا ہے کہ پہلے روز، تیسرے روز یا ساتویں روز نام رکھا جا سکتا ہے، اس مسئلے میں گنجائش ہے۔ وَالْأَمْرُ فِيهِ وَاسِعٌ (تحفة المودود، ص:110)

[3] اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو مَس کرتا (چھوتا) ہے جس سے وہ چیختا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مس شیطان سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ) علیہ السلام کو محفوظ رکھا ہے۔ «مَا مِنْ مَّوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطٰنُ حِينَ يُولَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّهِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا» (صحيح البخاري، حديث: 4548، وصحيح مسلم، حديث: 146-(2366))

[4] حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھی، اس لیے بھی، علاوہ ازیں اپنے وقت کے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے بھی وہی سب سے بہتر کفیل بن سکتے تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کی مادی ضروریات اور علمی و اخلاقی تربیت کے تقاضوں کا صحیح اہتمام کر سکتے تھے، اس لیے قرعہ ان کے نام نکلا۔

[5] ﴿الْمِحْرَابَ﴾ سے مراد حجرہ ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام رہائش پذیر تھیں۔ رزق سے مراد پھل فروٹ ہیں۔ یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے، گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی کے موسم میں ان کے کمرے میں موجود ہوتے، دوسرے حضرت زکریا علیہ السلام یا کوئی اور شخص لا کر دینے والا نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے از راہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے؟ انھوں

يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿39﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿40﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ

میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے[1] جو اللہ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا،[2] سردار، ضابطِ نفس اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے ﴿39﴾ کہنے لگے: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے ﴿40﴾ کہنے لگے: پروردگار! میرے لیے اس کی کوئی نشانی مقرر کردے، فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کرسکے گا، صرف اشارے سے سمجھائے گا، تو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کر اور صبح و شام اسی کی تسبیح بیان[3] کرتا رہ! ﴿41﴾ اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کرلیا

نے کہا: اللہ کی طرف سے۔ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔ معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے، یعنی جو ظاہری، مخفی، اور عادی تمام اسباب کے خلاف ہو۔ یہ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں۔ تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ معجزہ اور کرامت، جب چاہے، صادر کردے۔ اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی تو دلیل ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انھیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کردیتے ہیں اس کی مزید وضاحت بعض معجزات کے ضمن میں آئے گی۔ إن شاء اللّٰہ.

[1] بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔

[2] اللہ کے کلمے کی تصدیق سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ ایک قول کی رو سے دونوں آپس میں خالہ زاد تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی تائید کی۔ (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے، سورۂ مریم، آیت: 8 کا حاشیہ) ﴿سَيِّدًا﴾ کے معنی ہیں سردار ﴿حَصُوْرًا﴾ کے معنی ہیں: گناہوں سے پاک، یعنی گناہوں کے قریب نہیں پھٹکتے گویا کہ ان کو ان سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی حصور بمعنی محصور، بعض نے اس کے معنی نامرد کے کیے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے جبکہ یہاں ان کا ذکر مدح اور فضیلت کے طور پر کیا گیا ہے۔

[3] بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوش خبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے آپ لوگوں سے ہم کلام نہیں ہوسکیں گے جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تو اس خاموشی میں کثرت سے صبح و شام

اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا

اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا﴿42﴾ [1] اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر﴿43﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں، تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا﴿44﴾ [2] جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک کلمے [3] کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ [4] ابن مریم ہے جو دنیا اور

اللہ کی تسبیح بیان کیا کرتا کہ اس نعمت الٰہی کا، جو تجھے ملنے والی ہے، شکر ادا ہو۔ یہ گویا سبق دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری طلب کے مطابق تمھیں مزید نعمتوں سے نوازے تو اسی حساب سے اس کا شکر بھی زیادہ سے زیادہ کرو۔

① حضرت مریم علیہا السلام کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی خَيْرُ نِسَاءِ هَا ''سب عورتوں میں بہتر'' کہا گیا ہے۔ (متفق علیہ) ایک اور روایت میں ہے: مردوں میں تو بہت کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ (فرعون کی بیوی) اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3411، وصحيح مسلم، حديث: 70-(2431)) اور سنن ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر) اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ خواتین ان چند عورتوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی یا یہ کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں فضیلت رکھتی تھیں۔ والله أعلم.

② آج کل کے اہل بدعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ان کے اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اس آیت سے ان دونوں عقیدوں کی واضح تردید ہوتی ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ ''ہم غیب کی خبریں آپ کو بیان کر رہے ہیں۔'' کیونکہ جس کو پہلے ہی علم ہو، اس کو اس طرح نہیں کہا جاتا اور اسی طرح حاضر و ناظر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب لوگ قرعہ اندازی کے لیے قلمیں ڈال رہے تھے۔ قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے اور بھی کئی خواہش مند تھے۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی صداقت کا اثبات بھی ہے جس میں یہودی اور عیسائی شک کرتے تھے کیونکہ وحی شریعت پیغمبر ہی پر آتی ہے، غیر پیغمبر پر نہیں۔

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ، یعنی کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمۂ کن کی تخلیق ہے۔

④ ﴿اَلْمَسِيْحُ﴾ مسح سے ہے أَيْ مَسِيحُ الْأَرْضِ یعنی کثرت سے زمین کی سیاحت کرنے والا یا اس کے معنی ہاتھ پھیرنے والا

وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿45﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿46﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿47﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿48﴾ وَرَسُوْلًا

آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین میں سے ہے ﴿45﴾ وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی،[1] اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا ﴿46﴾ کہنے لگیں: الٰہی! مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتا ہے ﴿47﴾[2] اللہ اسے لکھنا[3] اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا ﴿48﴾ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف

ہیں کیونکہ آپ ہاتھ پھیر کر مریضوں کو باذن اللہ شفایاب فرماتے تھے۔ ان دونوں معنوں کے اعتبار سے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ یا تو بمعنی مفعول، یعنی مَمْسُوحُ الْعَيْنِ ''اس کی ایک آنکھ کانی ہوگی'' کے اعتبار سے ہے یا وہ بھی چونکہ کثرت سے دنیا میں پھرے گا اور مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے سوا ہر جگہ پہنچے گا، اس لیے اسے بھی اَلْمَسِيحُ الدَّجَّالِ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) عام اہل تفسیر نے عموماً یہی بات درج کی ہے۔ کچھ اور محققین کہتے ہیں کہ مسیح یہود و نصاریٰ کی اصطلاح میں بڑے مَاْمُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ پیغمبر کو کہتے ہیں، یعنی ان کی یہ اصطلاح تقریباً اولوالعزم پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ دجال کو مسیح اس لیے کہا گیا ہے کہ یہود کو جس انقلاب آفریں مسیح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کے وہ غلط طور پر اب بھی منتظر ہیں، دجال اسی مسیح کے نام پر آئے گا، یعنی اپنے آپ کو وہی مسیح قرار دے گا۔ مگر وہ اپنے اس دعویٰ سمیت تمام دعووں میں دجل وفریب کا اتنا بڑا پیکر ہوگا کہ اولین و آخرین میں اس کی کوئی مثال نہ ہوگی اس لیے وہ الدجال کہلائے گا۔ اور عیسیٰ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عربی اور عَاسَ يَعُوسُ سے مشتق ہے جس کے معنی سیاست وقیادت کے ہیں۔ (تفسیر القرطبي، و فتح القدیر)

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مہد (گہوارے) میں گفتگو کرنے کا ذکر خود قرآن کریم کی سورۂ مریم میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث میں دو اور بچوں کا ذکر ہے۔ ایک صاحب جریج اور ایک بنی اسرائیلی عورت کا بچہ۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3436) اس روایت میں جن تین بچوں کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے کیونکہ ان کے علاوہ صحیح مسلم میں اصحاب الاخدود کے قصے میں بھی شیر خوار بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ بعض نے ان کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ صحیحین کی روایت میں مذکور بچے گہوارے میں بولنے والے تھے، جبکہ کھائی میں گرنے والا بچہ گہوارے میں نہیں تھا۔ اس طرح ان کے مابین منافات نہیں رہتی۔ اور شاہد یوسف، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اثر کے مطابق بچہ نہیں تھا (جیسا کہ مشہور ہے) بلکہ وہ ذولحیہ (داڑھی والا) تھا۔ (السلسلة الضعیفة: 273/2) ﴿كَهْلًا﴾ (ادھیڑ عمر) میں کلام کرنے کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ جب وہ بڑے ہو کر وحی اور رسالت سے سرفراز کیے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کا قیامت کے قریب جب آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے تو اس وقت جو وہ اسلام کی تبلیغ کریں گے، وہ کلام مراد ہے۔ (تفسیر ابن کثیر و القرطبي)

[2] تیرا تعجب بجا لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ وظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن

اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿49﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ

رسول ہوگا، میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمھارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں،[1] پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں[2] اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمھیں بتا دیتا ہوں، اس میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایماندار ہو ﴿49﴾ اور میں توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں[3] اور میں تمھارے پاس تمھارے

سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر دے۔

③ کتاب سے مراد کتابت (لکھنا) ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یا انجیل و تورات کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا۔ (تفسیر القرطبی) یا تورات و انجیل، الکتاب اور الحکمۃ کی تفسیر ہے۔

① ﴿ اَخْلُقُ لَكُمْ ﴾ أَيْ أُصَوِّرُ وَأُقَدِّرُ لَكُمْ (قرطبی) یعنی خلق یہاں پیدائش کے معنی میں نہیں ہے، اس پر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ یہاں اس کے معنی ظاہری شکل و صورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔

② دوبارہ ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کے حکم سے۔'' کہنے سے مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں۔ نہیں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہی ہوں۔ یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے، معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالاتری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انھیں ایسا معجزہ عطا فرمایا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انھیں مردہ کو زندہ کر دینے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا گیا جو کوئی بھی بڑے سے بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعے سے کرنے پر قادر نہیں تھا۔ ہمارے پیغمبر نبی کریم ﷺ کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انھیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پر اعجاز کلام عطا فرمایا گیا، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء اور ادباء و شعراء عاجز رہے اور چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔ (ابن کثیر)

③ اس سے مراد یا تو وہ بعض چیزیں ہیں جو بطور سزا اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دی تھیں یا پھر وہ چیزیں ہیں جو ان کے علماء نے اپنے طور پر حرام کر رکھی تھیں، اللہ کا حکم نہیں تھا۔ (تفسیر القرطبی) یا ایسی چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو انھوں نے آپس کے جھگڑوں کے

وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿50﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى

رب کی نشانی لایا ہوں، اس لیے تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو!﴿50﴾ یقین مانو! میرا اور تمھارا رب اللہ ہی ہے، تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے﴿51﴾ [1] پس جب عیسیٰ نے ان کا کفر محسوس کرلیا [2] تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟ [3] حواریوں [4] نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم تابعدار ہیں﴿52﴾ اے ہمارے پالنے والے معبود! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی، پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے﴿53﴾ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے﴿54﴾ [5] جب اللہ نے فرمایا کہ

نتیجے میں غلط طور پر حرام قرار دی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلطی کا ازالہ کر کے انھیں حلال قرار دیا۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی میرا اور تمھارا خالق اور پرورش کرنے والا اللہ ہی ہے، لہٰذا جب خالق و مربی وہ ہے تو عبادت کے لائق بھی وہی ہے تو تم سب اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے سیدھا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

[2] یعنی ایسی گہری سازشیں اور مشکوک حرکتیں جو کفر، یعنی حضرت مسیح کی رسالت کے انکار پر مبنی تھیں۔

[3] بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تنگ آ کر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتدا میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تاکہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انھوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اسی طرح یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ یہ وہ مدد نہیں ہے جو مافوق الاسباب طریقے سے طلب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو شرک ہے اور ہر نبی شرک کے سدباب ہی کے لیے آتا رہا ہے، پھر وہ خود شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن قبر پرستوں کی غلط روش قابل افسوس ہے کہ وہ فوت شدہ اشخاص سے مدد مانگنے کے جواز کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ سے استدلال کرتے ہیں؟ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

[4] ﴿الْحَوَارِيُّوْنَ﴾ حَوَارِيٌّ کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ» (صحيح البخاري، حديث: 2846) ''ہر نبی کا کوئی مددگار خاص ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے۔''

[5] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں شام کا علاقہ رومیوں کے زیرنگیں تھا، یہاں ان کی طرف سے جو حکمران مقرر تھا، وہ کافر تھا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس حکمران کے کان بھر دیے کہ یہ نَعُوذُ بِاللّٰهِ بغیر باپ کے اور فسادی ہے وغیرہ وغیرہ۔ حکمران نے ان کے مطالبے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھالیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو انھوں نے سولی دے دی اور سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے ''مکر'' عربی

اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿56﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿57﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ﴿58﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ

اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں [1] اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں [2] اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر (غالب) رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک، [3] پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا ﴿55﴾ پھر کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿56﴾ لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ﴿57﴾ یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ﴿58﴾ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال کی طرح ہے جسے

زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اور اس معنی میں یہاں اللہ تعالیٰ کو خیر الماکرین کہا گیا ہے۔ گویا مکر، سَيِّءٌ (برا) بھی ہوسکتا ہے، اگر غلط مقصد کے لیے ہو اور خیر (اچھا) بھی ہوسکتا ہے اگر اچھے مقصد کے لیے ہو۔

[1] (اَلْمُتَوَفِّي) کا مصدر تَوَفِّي اور مادہ وَفْيٌ ہے جس کے اصل معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انسان کی موت پر جو وفات کا لفظ بولا جاتا ہے تو اسی لیے کہ اس کے جسمانی اختیارات مکمل طور پر سلب کر لیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے موت اس کے معنی کی مختلف صورتوں میں سے محض ایک صورت ہے۔ نیند میں بھی چونکہ انسانی اختیارات عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اس لیے نیند پر بھی قرآن نے وفات کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کے حقیقی اور اصل معنی پورا پورا لینے کے ہی ہیں۔ ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ میں یہ اسی اپنے حقیقی اور اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اے عیسیٰ! میں تجھے یہودیوں کی سازش سے بچا کر پورا پورا اپنی طرف آسمانوں پر اٹھالوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بعض نے اس کے مجازی معنی کے شہرت استعمال کے مطابق موت ہی کے معنی کیے ہیں لیکن اس کے ساتھ انھوں نے کہا ہے کہ الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے، یعنی لفظ ﴿وَرَافِعُكَ﴾ کو مؤخر رکھا گیا ہے اور ﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کو مقدم، یعنی ترتیب اس طرح ہے کہ میں تجھے اٹھانے والا ہوں اور (دوبارہ نزول کے بعد مقررہ وقت پر) فوت کرنے والا ہوں، یعنی یہودیوں کے ہاتھوں تیرا قتل نہیں ہوگا بلکہ تجھے طبعی موت ہی آئے گی۔ (فتح القدير و ابن كثير)

[2] اس سے مراد ان الزامات سے پاکیزگی ہے جن سے یہودی آپ کو متہم کرتے تھے، نبی ﷺ کے ذریعے سے آپ کی صفائی دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

[3] اس سے مراد یا تو نصاریٰ کا وہ دنیاوی غلبہ ہے جو یہودیوں پر قیامت تک رہے گا، گو وہ اپنے غلط عقائد کی وجہ سے نجات اخروی سے محروم ہی رہیں گے۔ یا امت محمدیہ کے افراد کا غلبہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرتے اور ان کے صحیح اور غیر محرف دین کی پیروی کرتے ہیں۔

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿59﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿60﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿61﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

ع 6 14

مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا﴿59﴾ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے، خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا﴿60﴾ اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں﴿61﴾[1] یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود برحق نہیں بجز اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے﴿62﴾ پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے﴿63﴾ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں،[2] نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے ہی کو رب بنائیں۔[3] پس اگر وہ

① یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں: دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت، یعنی بد دعا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف و نزاع ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ 9 ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ جو غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر بحث و مناظرہ کرنے لگا۔ نبی ﷺ نے دلائل دیے لیکن وفد نجران نے عناد کی راہ اختیار کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انھیں مباہلہ کی دعوت دی۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلا لو اور پھر مل کر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کریں۔ عیسائیوں نے باہم مشورہ کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرما دیا جس کی وصولی کے لیے آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو، جنھیں آپ ﷺ نے امین امت کا خطاب عنایت فرمایا تھا، ان کے ساتھ بھیجا۔ (ملخص از تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر) اس سے اگلی آیت میں اہل کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) کو دعوت توحید دی جا رہی ہے۔

② کسی بت کو نہ صلیب کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ بلکہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت رہی ہے۔

③ یہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کی ربوبیت (رب ہونے) کا جو عقیدہ گھڑ رکھا ہے یہ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں﴿64﴾[1] اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو، حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟﴿65﴾[2] سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمھیں علم تھا، پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں؟[3] اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے﴿66﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ خالص مسلمان تھے،[4] وہ مشرک بھی نہ تھے﴿67﴾ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کا

غلط ہے، وہ رب نہیں ہیں انسان ہی ہیں۔ دوسرا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اپنے احبار ورہبان کو حلال وحرام کرنے کا جو اختیار دے رکھا ہے، یہ بھی ان کو رب بنانا ہے جیسا کہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ﴾ الآية (التوبة 9:31) اس پر شاہد ہے، تمھارا یہ عمل بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ حلال وحرام کا اختیار بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ (ابن كثير و فتح القدير)

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ نے ہرقل شاہ روم کو مکتوب تحریر فرمایا اور اس میں اسے اس آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی اور اسے کہا کہ تو مسلمان ہو جائے گا تو تجھے دہرا اجر ملے گا، ورنہ ساری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ «فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، أَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ» (صحيح البخاري، حديث: 7) ''اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔ اسلام لے آ، اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہوگا۔'' کیونکہ رعایا کے عدم قبول اسلام کا سبب تو ہی ہوگا۔ اس آیت میں مذکور تین نکات، یعنی ① صرف اللہ کی عبادت کرنا ② اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ③ اور کسی کو شریعت سازی کا خدائی مقام نہ دینا، وہ کلمۂ سواء ہے جس پر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی گئی۔ لہٰذا اس امت کے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے بھی ان ہی تینوں نکات اور اس کلمۂ سواء کو بدرجہ اولیٰ اساس وبنیاد بنانا چاہیے۔

[2] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات، جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے اور انجیل جسے عیسائی مانتے تھے، دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کس طرح ہو سکتے تھے؟ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا اور حضرت ابراہیم وعیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ تھا۔ (تفسير القرطبي)

[3] تمھارے علم ودیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمھیں علم ہے، یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمھارے جھگڑے (جس کا ذکر پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے) بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی۔ تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿69﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿70﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿71﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ

7 ع 8 15

کہا مانا اور یہ نبی اور جولوگ ایمان لائے،① مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے ﴿68﴾ اہلِ کتاب کی ایک جماعت چاہتی ہے کہ تمھیں گمراہ کر دے، دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ﴿69﴾② اے اہل کتاب تم باوجود گواہ (قائل) ہونے کے پھر بھی دانستہ اللہ کی آیات کا کیوں کفر کر رہے ہو؟ ﴿70﴾③ اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟ ﴿71﴾④ اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان

سرے سے علم ہی نہیں ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت حنیفیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاص پر ہے۔

④ ﴿حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ ''یک طرفہ خالص مسلمان'' یعنی شرک سے بیزار اور صرف خدائے واحد کے پرستار۔

① مراد نبی کریم ﷺ اور مومنین صادقین ہیں کیونکہ شریعت اسلامیہ، ملت حنیفیہ کے سب سے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمی کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (النحل:123:16) علاوہ ازیں حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِّنَ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ وَلِيِّي أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ» (جامع الترمذي، حديث:2995) ''ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ خاص دوست ہوتے ہیں، میرے ولی (دوست) میرے باپ اور میرے رب کے خلیل (ابراہیم) ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

② یہ یہودیوں کے اس حسد و بغض کی وضاحت ہے جو وہ اہل ایمان سے رکھتے تھے اور اسی عناد کی وجہ سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔

③ قائل ہونے کا مطلب ہے کہ تمھیں نبی کریم ﷺ کی صداقت و حقانیت کا علم ہے۔

④ اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انھیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے، پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق اور باطل واضح نہ ہو سکے۔ دوسرا کِتْمَانِ حَقّ، یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے، انھیں لوگوں سے چھپانا تاکہ نبی ﷺ کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے۔ اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بدبختی دوچند ہو گئی تھی۔ ان کے جرائم کی نشان دہی سورۂ بقرہ میں بھی کی گئی ہے: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرة 42:2) ''حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق مت چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔'' اہل کتاب کے لفظ کو بعض مفسرین نے عام رکھا ہے، جس میں یہود و نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ یعنی دونوں کو ان جرائم مذکورہ سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد صرف وہ قبائل یہود ہیں جو مدینے میں رہائش پذیر تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا براہ راست انھی سے معاملہ تھا اور یہی نبی ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بعد کے یہودیوں میں یہ اوصاف موجود نہیں ہوں گے۔

اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿72﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ

والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تا کہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں﴿72﴾ [1] اور سوائے تمھارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ [2] آپ کہہ دیجیے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے [3] (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیے گئے ہو، [4] یا یہ کہ یہ تم سے تمھارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے، آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے﴿73﴾ وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اور اللہ بڑے فضل والا ہے﴿74﴾ [5] اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس سونے

---

[1] یہ یہودیوں میں سے ایک فرقے کے ایک اور مکر کا ذکر ہے۔ جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے باہم طے کیا کہ صبح کو مسلمان ہو جائیں اور شام کو پھر اپنے دین میں واپس آ جائیں۔ تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی اپنے اسلام کے بارے میں شک پیدا ہو کہ یہ لوگ قبول اسلام کے بعد دوبارہ اپنے دین میں واپس چلے گئے ہیں تو ممکن ہے کہ اسلام میں ایسے عیوب اور خامیاں ہوں جو ان کے علم میں آئی ہوں۔

[2] یہ آپس میں انھوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب (یہود) کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت رکھنا۔

[3] یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے ان کے مکر و حیلہ کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے دے یا دینا چاہے، تمھارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

[4] یہ بھی یہودیوں کا قول ہے اور اس کا عطف ﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا﴾ پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمھارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے، یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور اس طرح یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

[5] اس آیت کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھتے ایمان لاؤ اور دن اترتے کفر کرو تا کہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذبذب ہو کر مرتد ہو جائیں تو ان شاگردوں کو مزید یہ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہرُ المسلمان ہونا، حقیقتاً اور واقعتاً مسلمان نہ ہو جانا بلکہ یہودی ہی رہنا۔ اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمھیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے یا تمھارے بجائے کوئی اور حق پر ہے جو تمھارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے۔ اور تمھیں غلط ٹھہرا سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر ﴿عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ تک یہود کا قول ہوگا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمھیں اس بات کا غم اور جلن ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی و شریعت اور دین تمھیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں

يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿77﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

چاندی کا ڈھیر بھی امانت رکھو تو وہ مانگنے پر تمھارے حوالے کر دے اور کوئی ان میں سے ایسا بھی ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تمھیں ادا نہ کرے الا یہ کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں، یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں ﴿75﴾[1] کیوں نہیں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا قرار پورا کر لے اور پرہیز گاری کرے، تو اللہ بھی ایسے پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے ﴿76﴾[2] بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ نہ تو ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿77﴾[3] یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان

دے دیا گیا۔ دوسرا تمھیں یہ اندیشہ اور خطرہ بھی ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمھیں دنیا میں جو جاہ و وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا۔ بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا پردہ بھی فاش ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمھارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے۔ حالانکہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے۔ اور یہ کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہیے۔

① ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ ''ان پڑھ، جاہل'' سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ یہود کے خائن لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ چونکہ مشرک ہیں اس لیے ان کا مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کا مال ہڑپ کر جانے کی اجازت دے سکتا ہے؟ اور بعض تفسیری روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی یہ سن کر فرمایا کہ ''اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا، زمانۂ جاہلیت کی تمام چیزیں میرے قدموں تلے ہیں، سوائے امانت کے کہ وہ ہر صورت میں ادا کی جائے گی، چاہے وہ کسی نیکوکار کی ہو یا بدکار کی۔'' (ابن کثیر و فتح القدیر) افسوس ہے کہ یہود کی طرح آج بعض مسلمان بھی مشرکین کا مال ہڑپ کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دار الحرب کا سود جائز ہے۔ لیکن ان کا علمی دوغلا پن دیکھیے کہ جس ملک کو دار الحرب کہہ کر اس طرح کا مال کھاتے ہیں اس سے لڑنے کے لیے کبھی تنکا بھی نہیں اٹھاتے۔

② ''قرار پورا کرے'' کا مطلب، وہ عہد پورا کرے جو اہل کتاب سے یا ہر نبی کے واسطے سے ان کی امتوں سے نبی ﷺ پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا ہے اور ''پرہیز گاری کرے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچے اور ان باتوں پر عمل کرے جو نبی ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ایسے لوگ یقیناً مواخذۂ الٰہی سے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ محبوب باری تعالیٰ ہوں گے۔

③ مذکورہ افراد کے برعکس دوسرے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرح کے لوگوں کو شامل ہے ایک تو وہ لوگ جو عہد الٰہی اور

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿78﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو، حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں﴿78﴾ [1] کسی ایسے انسان کو جسے اللہ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، [2] تمھارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمھارے کتاب پڑھنے کے سبب﴿79﴾ [3] اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمھیں فرشتوں اور

اپنی قسموں کو پس پشت ڈال کر تھوڑے سے دنیٰی مفادات کے لیے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچتے یا کسی کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کا مال ہتھیانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے، وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث:2356، وصحيح مسلم، حديث: 220-(138)) نیز فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، ان میں ایک وہ شخص ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنا سودا بیچتا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث:171-(106)) متعدد احادیث میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير)

[1] یہ یہود کے ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے کتاب الٰہی (تورات) میں نہ صرف تحریف وتبدیلی کی بلکہ دو جرم اور بھی کیے کہ ایک تو زبان کو مروڑ کر کتاب کے الفاظ پڑھتے جس سے عوام کو خلاف حقیقت تأثر دینے میں وہ کامیاب رہتے۔ دوسرے، وہ اپنی خود ساختہ باتوں کو من عنداللہ باور کراتے۔ بدقسمتی سے امت محمدیہ کے مذہبی پیشواؤں میں بھی، نبی ﷺ کی پیش گوئی «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» ''تم اپنے سے پہلی امتوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے۔'' کے مطابق بکثرت ایسے لوگ ہیں جو دنیوی اغراض یا جماعتی تعصب یا فقہی جمود کی وجہ سے قرآن کریم کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں۔ پڑھتے قرآن کی آیت ہیں اور مسئلہ اپنا خود ساختہ بیان کرتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نے مسئلہ قرآن سے بیان کیا ہے، دراں حالیکہ اس مسئلے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یا پھر آیات میں معنوی تحریف وملمع سازی سے کام لیا جاتا ہے تاکہ باور یہی کرایا جائے کہ یہ من عنداللہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[2] یہ عیسائیوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنایا ہوا ہے، حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنھیں کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔ اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ۔ ﴿رَبّٰنِيّٖنَ﴾ رَبَّانِي واحد جو رب کی طرف منسوب ہے، نون اور الف کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے بڑی داڑھی والے کو لِحْيَانِيٌّ، بڑی لٹوں والے کو جُمَّانِيٌّ اور موٹی گردن والے کو رَقَبَانِيٌّ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدير)

[3] یعنی کتاب اللہ کی تعلیم وتدریس کے نتیجے میں رب کی شناخت اور رب سے خصوصی ربط وتعلق قائم ہونا چاہیے۔ اسی طرح کتاب اللہ

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿80﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾

نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمھارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمھیں کفر کا حکم دے گا؟ ﴿80﴾ [1] جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب و حکمت دوں، پھر تمھارے پاس وہ رسول آئے جو تمھارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمھارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ [2] فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا: تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں ﴿81﴾

کا علم رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو بھی قرآن کی تعلیم دے۔ اس آیت سے واضح ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیں تو کسی اور کو یہ حق کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے؟ اس میں ان علماء و مشائخ کے لیے سخت زجر و توبیخ ہے جو اپنی طرف سے شریعت سازی کرتے ہیں۔ (تفسير ابن كثير)

[1] یعنی نبیوں اور فرشتوں (یا کسی اور) کو رب والی صفات کا حامل باور کرانا یہ کفر ہے۔ تمھارے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک نبی یہ کام بھلا کس طرح کر سکتا ہے؟ کیونکہ نبی کا کام تو ایمان کی دعوت دینا ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی شان نزول میں یہ بات بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ وہ آپ کو سجدہ کریں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (فتح القدير) اور بعض نے اس کی شان نزول میں یہ کہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جمع ہو کر نبی ﷺ سے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت و پرستش کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، اس بات سے کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا حکم دیں، اللہ نے مجھے نہ اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا حکم ہی دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن كثير بحواله سيرة ابن هشام)

[2] یعنی ہر نبی سے یہ وعدہ لیا گیا کہ اس کی زندگی اور دور نبوت میں اگر دوسرا نبی آئے گا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہو گا، جب نبی کی موجودگی میں آنے والے نئے نبی پر خود اس نبی کا ایمان لانا ضروری ہے تو ان کی امتوں کے لیے تو اس نئے نبی پر ایمان لانا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ بعض مفسرین نے ﴿رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ﴾ سے الرسول کا مفہوم مراد لیا ہے، یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ اگر ان کے دور میں وہ آ جائیں تو اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہو گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پہلے معنی میں یہ دوسرا مفہوم از خود ہی آ جاتا ہے۔ اس لیے الفاظ قرآن کے اعتبار سے پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے اور اس مفہوم کے لحاظ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نبوت محمدی کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے اوراق پڑھ رہے تھے تو نبی ﷺ یہ دیکھ کر غضب ناک ہوئے اور فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔“ (مسند أحمد: 266/4، و سنن الدارمي ايضًا: 78/1 وحسنه الألباني، تعليق المشكاة: 68/1) بہر حال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور نجات انھی کی اطاعت میں منحصر ہے نہ کہ کسی امام کی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت میں۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿84﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں﴿82﴾[1] کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے،[2] سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے﴿83﴾ آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا اور جو کچھ موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء اللہ کی طرف سے دیے گئے، ان سب پر ایمان لائے،[3] ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں﴿84﴾ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا﴿85﴾ اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہو جائیں، اللہ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا﴿86﴾ ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو﴿87﴾ جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے، نہ تو ان

جب کسی پیغمبر کا سکہ اب نہیں چل سکتا تو کسی اور کی ذات غیر مشروط اطاعت کی مستحق کیونکر ہو سکتی ہے؟ ﴿اِصْرِ﴾ بمعنی عہد اور ذمہ ہے۔

① یہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر اہل مذاہب کو تنبیہ ہے کہ بعثت محمدی کے بعد بھی ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنا اس عہد کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے واسطے سے ہر امت سے لیا اور اس عہد سے انحراف کفر ہے۔ فسق یہاں کفر کے معنی میں ہے کیونکہ نبوت محمدی سے انکار صرف فسق نہیں، سراسر کفر ہے۔

② جب آسمان اور زمین کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے باہر نہیں، چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ تو پھر تم اس کے سامنے سرافگندگی (قبول اسلام) سے کیوں گریز کرتے ہو؟ اگلی آیات میں ایمان لانے کا طریقہ بتلا کر (کہ ہر نبی اور ہر منزل کتاب پر بغیر تفریق کے ایمان لانا ضروری ہے) پھر کہا جا رہا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں ہوگا، کسی اور دین کے پیروکاروں کے حصے میں سوائے گھاٹے کے اور کچھ نہیں آئے گا۔

③ یعنی تمام سچے نبیوں پر ایمان لانا کہ وہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کی طرف سے مبعوث تھے، نیز ان پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان کی بابت بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں جو واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ضروری ہے۔ گو اب عمل صرف

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿90﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿91﴾

سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انھیں مہلت دی جائے گی ﴿88﴾ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿89﴾ [1] بے شک جو لوگ [2] اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر وہ کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، [3] یہی گمراہ لوگ ہیں ﴿90﴾ ہاں، جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں، ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں ﴿91﴾ [4]

قرآن کریم ہی پر ہوگا کیونکہ قرآن نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔

[1] انصار میں سے ایک مسلمان مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جا ملا لیکن جلد ہی اسے ندامت ہوئی اور اس نے لوگوں کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ هَلْ لِّي مِنْ تَوْبَةٍ؟ ''کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (سنن النسائي، حديث:4073، وصحيح ابن حبان: 329/10، و المستدرك للحاكم: 366/4) ان آیات سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض و عناد اور سرکشی سے حق سے اعراض و انکار کیا۔ تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

[2] اس آیت میں ان کی سزا بیان کی جا رہی ہے جو مرتد ہونے کے بعد توبہ کی توفیق سے محروم رہیں اور کفر پر ان کا انتقال ہو۔

[3] اس سے وہ توبہ مراد ہے جو موت کے وقت ہو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ تو ہر ایک کے لیے ہر وقت کھلا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں بھی قبولیت توبہ کا اثبات ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار توبہ کی اہمیت اور قبولیت کو بیان فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (الشورىٰ 25:42) ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (التوبة 9: 104) ''کیا انھوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' اور احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت سے مراد آخری سانس کی توبہ ہے جو نامقبول ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ایک اور مقام پر ہے: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ (النسآء 18:4) ''ان کی توبہ (قبول) نہیں ہے جو برائی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت پہنچتی ہے تو کہتا ہے میری توبہ۔'' حدیث میں بھی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ» (مسند أحمد: 132/2، وجامع الترمذي، حديث: 3537، و صحيح الجامع الصغير: 386/1) ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اس پر حالت نزع طاری نہ ہو جائے۔'' یعنی جان کنی کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

[4] حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہلکے ترین عذاب والے جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا

سامان ہوتو کیا تو اس عذاب نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا: ہاں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا جبکہ تو آدم کی پشت میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6557) اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ اس نے اگر دنیا میں کچھ کام بھی کیے ہوں گے تو کفر کی وجہ سے وہ بھی ضائع ہی جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن جدعان کی بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا، کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، کیونکہ اس نے ایک دن بھی اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 365-(214)) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں زمین بھر سونا بطور فدیہ دے کر یہ چاہے کہ وہ عذاب جہنم سے بچ جائے تو یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ اور اگر بالفرض اس کے پاس دنیا بھر کے خزانے ہوں اور انھیں دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ اس سے وہ معاوضہ یا فدیہ قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرة 2:123) ''اس سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ پہنچائے گی۔'' ﴿لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○﴾ (إبراهيم 14:31) ''اس دن میں کوئی خرید وفروخت ہوگی نہ کوئی دوستی (ہی کام آئے گی۔)''

الجزء الرابع (4)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿92﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿94﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے،[1] اور تم جو خرچ کرو اسے اللہ بخوبی جانتا ہے﴿92﴾[2] تورات کے نزول سے پہلے یعقوب نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے، آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ﴿93﴾[3] اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں﴿94﴾ کہہ دیجیے کہ اللہ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو، جو مشرک نہ

---

① ﴿ الْبِرَّ ﴾ ''نیکی بھلائی'' سے مراد یہاں عمل صالح یا جنت ہے۔(فتح القدیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوطلحہ انصاری، جو مدینہ میں اصحاب حیثیت میں سے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بیرحاء باغ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اسے اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تو بہت نفع بخش مال ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔'' چنانچہ آپ کے مشورے سے انھوں نے اسے اپنے اقارب اور عم زادوں میں تقسیم کر دیا۔(صحیح البخاري، حدیث: 4554، والفتح الرباني: 178/15) اسی طرح اور بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں۔ ﴿ مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ میں مِنْ تَبْعِیض کے لیے ہے، یعنی ساری پسندیدہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ، اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اچھی چیز صدقہ کی جائے۔ یہ افضل اور اکمل درجہ حاصل کرنے کا طریقہ ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کمتر چیز یا اپنی ضرورت سے زائد فالتو چیز یا استعمال شدہ پرانی چیز کا صدقہ نہیں کیا جا سکتا یا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ اس قسم کی چیزوں کا صدقہ کرنا بھی یقیناً جائز اور باعث اجر ہے گو کمال و افضیلت محبوب چیز کے خرچ کرنے میں ہے۔

② تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اچھی یا بری چیز، اللہ اسے جانتا ہے، اس کے مطابق جزا سے نوازے گا۔

③ یہ اور مابعد کی دو آیتیں یہود کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جبکہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ دین ابراہیمی میں حرام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہود کا دعویٰ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں۔ ہاں، البتہ بعض چیزیں اسرائیل (حضرت یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور وہ یہی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا (اس کی ایک وجہ نذر یا بیماری تھی) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے، اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ پھر تم کس طرح مذکورہ دعویٰ کر سکتے ہو؟ علاوہ ازیں تورات میں بعض چیزیں تم (یہودیوں) پر تمھارے ظلم اور سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔(الأنعام 6:146، والنسآء 4:160) اگر تمھیں یقین نہیں ہے تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿95﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿96﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿97﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿98﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿99﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

تھے ﴿95﴾ اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکے میں ہے [1] جو تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے ﴿96﴾ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے [2] اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ [3] اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پروا ہے ﴿97﴾ [4] آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر گواہ ہے ﴿98﴾ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ کی راہ سے مومنوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو، حالانکہ تم خود شاہد ہو [5] اللہ تمھارے اعمال سے بے خبر نہیں ﴿99﴾ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے

جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں اور تم پر بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں تو اس کی وجہ تمھارا ظلم اور زیادتی تھی، یعنی ان کی حرمت بطور سزا تھی۔ (أیسر التفاسیر)

① یہ یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل لیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ تمھارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پہلا گھر، جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

② اس میں قتال، خوں ریزی، شکار حتیٰ کہ درخت تک کا کاٹنا ممنوع ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 1349، وصحیح مسلم، حدیث: 445-(1353))

③ ''راہ پا سکتے ہوں'' کا مطلب زاد راہ کی استطاعت اور فراہمی ہے، یعنی اتنا خرچ کہ سفر کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ علاوہ ازیں استطاعت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور جان و مال محفوظ رہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ صحت و تندرستی کے لحاظ سے سفر کے قابل ہو۔ نیز عورت کے لیے محرم بھی ضروری ہے۔ (فتح القدیر) یہ آیت ہر صاحب استطاعت کے لیے وجوب حج کی دلیل ہے اور احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

④ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے تلمیحاً ''کفر'' سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ احادیث و آثار میں بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

⑤ یعنی تم جانتے ہو کہ یہ دین اسلام حق ہے، اس کے داعی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ باتیں ان کتابوں میں درج ہیں جو تمھارے انبیاء پر اتریں اور جنھیں تم پڑھتے ہو۔

تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمٰنِكُمْ كٰفِرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ

تو وہ تمھیں تمھارے ایمان (لانے) کے بعد پھر کافر بنا دیں [1] گے ﴿١٠٠﴾ (گو یہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ موجود ہیں۔ جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوط تھام لے [2] تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی ﴿١٠١﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے [3] اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا ﴿١٠٢﴾ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو [4] اور پھوٹ نہ ڈالو [5] اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے

[1] یہودیوں کے مکر و فریب اور ان کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مذموم کوششوں کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی ان کی سازشوں سے ہوشیار رہو اور قرآن کی تلاوت کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے موجود ہونے کے باوجود کہیں یہود کے جال میں نہ پھنس جاؤ۔ اس کا پس منظر تفسیری روایات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ شاس بن قیس یہودی ان کے پاس سے گزرا اور ان کا باہمی پیار دیکھ کر جل بھن گیا کہ پہلے یہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے اور اب اسلام کی برکت سے باہم شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اس نے ایک نوجوان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ ان کے درمیان جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے جو ہجرت سے ذرا پہلے ان کے درمیان برپا ہوئی تھی اور انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف جو رزمیہ اشعار کہے تھے وہ ان کو سنائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جس پر ان دونوں قبیلوں کے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے یہاں تک کہ ہتھیار اٹھانے کے لیے للکار اور پکار شروع ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ ان میں باہم قتال بھی شروع ہو جائے کہ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور انھیں سمجھایا اور وہ باز آ گئے۔ اس پر یہ آیات بھی اور جو آگے آ رہی ہیں وہ بھی نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر وغیرہ)

[2] اعتصام باللّٰہ کے معنی ہیں: اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا اور اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنا۔

[3] اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجا لائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن 16:64) "اللہ سے اپنی طاقت کے مطابق ڈرو" نازل فرما دی۔ لیکن اسے ناسخ کی بجائے اس کی مبین (بیان و توضیح کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے کیونکہ نسخ وہیں ماننا چاہیے جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں یہ تطبیق ممکن ہے۔ معنی یہ ہوں گے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ "اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔" (فتح القدیر)

[4] تقویٰ کے بعد اِعْتِصَامٌ بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں" کا درس دے کر واضح کر دیا کہ نجات بھی انھی دو اصولوں میں ہے اور اتحاد بھی انھی پر قائم ہو سکتا اور برقرار رہ سکتا ہے۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿103﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿104﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ

تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿103﴾ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں ﴿104﴾ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا[1] اور اختلاف کیا،

(5) ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور پھوٹ نہ ڈالو'' کے ذریعے سے فرقہ بندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں سے انحراف کرو گے تو تمھارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجیے، یہی چیز نمایاں ہو کر سامنے آئے گی، قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ و تابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گروہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا، قرآن اور حدیث رسول ﷺ لیکن جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولین حیثیت کے اور اللہ، رسول اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔ اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی یہ کجی اتنی بڑھی کہ یہ اختلاف، جو تَحَزُّب و تفرق کی بنیاد ہے اور جس سے قرآن نے روکا ہے۔ اسے نعوذ باللہ ''رحمت'' قرار دیا جا رہا ہے اور اس کے لیے یہ موضوع روایت پیش کی جاتی ہے کہ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔'' حالانکہ اگر یہ اختلاف رحمت ہوتا تو نبی ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، باقی سب جہنم میں۔ اب مسلمانوں کے تمام فرقے دعوے دار ہیں کہ جنتی فرقہ وہی ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق تو وہی ایک فرقہ ہو گا جس کی پہچان آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو گا۔ (سنن أبي داود، حديث: 4597، وجامع الترمذي، حديث: 2641، وسنن ابن ماجه، حديث: 3992، ومسند أحمد: 332/2)

(1) روشن دلیلیں آ جانے کے بعد تفرقہ ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف و تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انھیں حق کا پتہ نہ تھا۔ اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں انھیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ مگر وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل و ذہانت کا

مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿105﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿106﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿107﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿109﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

ع 11 8 2

انھیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿105﴾ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ،[1] سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو ﴿106﴾ اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿107﴾ اے نبی! ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت آپ پر کررہے ہیں اور اللہ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں ﴿108﴾ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں ﴿109﴾ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،[2] اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان والے بھی

سارا جوہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل وتحریف کے مکروہ شغل میں ضائع کررہے ہیں۔

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت وافتراق مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) جس سے معلوم ہوا کہ اسلام وہی ہے جس پر اہل سنت والجماعت عمل پیرا ہیں اور اہل بدعت واہل افتراق اس نعمت اسلام سے محروم ہیں جو ذریعۂ نجات ہے۔

② اس آیت میں امت مسلمہ کو ''خیر امت'' قرار دیا گیا ہے اور اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''خیر امت'' ہے، بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ ان کی صفت بیان کی گئی ہے: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ (المآئدۃ 5:79) ''وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جو وہ کرتے تھے۔'' اور یہاں اسی آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔ امر بالمعروف یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اکثر علماء کے خیال میں یہ فرض کفایہ ہے، یعنی علماء کی ذمے داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف ومنکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضۂ تبلیغ ودعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا۔ جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک گروہ کی طرف سے ادائیگی سے اس فرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔ تاہم ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں بھی «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً» کے تحت تبلیغ کا ذمے دار ہے۔

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ

ہیں [1] لیکن اکثر تو فاسق ہیں ﴿۱۱۰﴾ وہ تمھیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے ﴿۱۱۱﴾ [2] ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، [3] وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی، یہ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے، یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا ﴿۱۱۲﴾ [4] وہ سارے کے سارے یکساں نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت

① جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ اس لیے ﴿مِنْهُمُ﴾ میں مِنْ، تبعیض کے لیے ہے۔

② ﴿اَذًى﴾ (ستانے) سے مراد زبانی ایذا، بہتان تراشی اور افترا ہے جس سے دل کو وقتی طور پر ضرور تکلیف پہنچتی ہے، تاہم میدان حرب وضرب میں یہ تمھیں شکست نہیں دے سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ سے یہودیوں کو نکلنا پڑا، پھر خیبر فتح ہو گیا اور وہاں سے بھی نکلے، اسی طرح شام کے علاقوں میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تا آنکہ صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور بیت المقدس پر قابض بھی ہو گئے مگر اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے 90 سال کے بعد واگزار کرالیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کے نتیجہ میں یہود و نصاریٰ کی مشترکہ سازشوں اور کوششوں سے بیت المقدس پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تاہم ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ یہ صورت حال تبدیل ہو جائے گی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد نصرانیت کا خاتمہ اور اسلام کا غلبہ یقینی ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ (ابن کثیر)

③ یہودیوں پر جو ذلت و مسکنت، غضب الٰہی کے نتیجے میں مسلط کی گئی ہے، اس سے وقتی طور پر بچاؤ کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ یا اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر ذمی کی حیثیت سے رہنا قبول کرلیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی پناہ ان کو حاصل ہو جائے، اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی مملکت کی بجائے عام مسلمان ان کو پناہ دے دیں جیسا کہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے اور اسلامی مملکت کے حکمرانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ادنیٰ مسلمان کی دی گئی پناہ کو بھی رد نہ کریں۔ دوسرا یہ کہ کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی پشت پناہی ان کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ (النَّاس) عام ہے۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت (اسرائیل) امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی حمایت سے قائم ہے۔ ان بڑی طاقتوں نے اپنے استعماری مقاصد اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس یہودی مملکت کو وجود بھی بخشا ہے اور وہ اس کے مستقل پشت پناہ بھی ہیں۔ اس لیے یہودیوں کی اس مملکت کی وجہ سے جو دراصل امریکہ وغیرہ کی شرقِ اوسط میں ایک چھاؤنی ہے، اس شبہے اور مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اس ذلت و مسکنت کے

قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿115﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿116﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿117﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

(حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں ﴿113﴾ وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں، بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔ وہ نیک لوگوں میں سے ہیں ﴿114﴾ وہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ [1] کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ﴿116﴾ وہ (کفار اس دنیوی زندگی میں) جو خرچ کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا۔ [2] اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿117﴾ اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔ [3]

خلاف ہے جو ان کی بابت قرآن میں بیان کیا گیا ہے بلکہ قرآن کی صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے۔

④ یہ ان کے کرتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

① یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں جن کی مذمت پچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں، جیسے عبداللّٰه بن سلام، أسد بن عبید، ثعلبة بن سعية، أُسَيْد بن سعية وغیرہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا اور ان میں اہل ایمان وتقویٰ والی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ ﴿قَآئِمَةٌ﴾ کے معنی ہیں: شریعت کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والی ﴿يَسْجُدُوْنَ﴾ کا مطلب: رات کو قیام کرتے ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر آگے بھی کیا گیا ہے۔ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران 3:199)

② قیامت والے دن کافروں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر وہ جو خرچ کرتے ہیں، وہ بھی بیکار جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے، ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ایمان نہیں ہوگا، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے، آخرت میں انھیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا، وہاں تو ان کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

③ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہاں اس کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرایا جا رہا ہے۔ ﴿بِطَانَةً﴾ دلی دوست اور راز دار کو کہا

بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿118﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿119﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ

(تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمھاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، [1] ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو) ﴿118﴾ ہاں تم تو انھیں چاہتے ہو [2] اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں [3] کہہ دو کہ اپنے غصے ہی میں مر جاؤ، اللہ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے ﴿119﴾ تمھیں اگر بھلائی ملے تو وہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں! اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں، [4] تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمھیں کچھ نقصان

جاتا ہے۔ کافر اور مشرک مسلمانوں کے بارے میں جو جذبات و عزائم رکھتے ہیں، ان میں سے جن کا وہ اظہار کرتے اور جنھیں اپنے سینوں میں مخفی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نشاندہی فرما دی ہے یہ اور اس قسم کی دیگر آیات کے پیش نظر ہی علماء و فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا جائز نہیں ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی (غیر مسلم) کو کاتب (سیکرٹری) رکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں سختی سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم انھیں اپنے قریب نہ کرو جبکہ اللہ نے انھیں دور کر دیا ہے، ان کو عزت نہ بخشو جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کر دیا ہے اور انھیں امین و راز دار مت بناؤ جبکہ اللہ نے انھیں خائن قرار دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: اس زمانے میں اہل کتاب کو سیکرٹری اور امین بنانے کی وجہ سے احوال بدل گئے ہیں اور اسی وجہ سے غبی لوگ سردار اور امراء بن گئے ہیں۔ (تفسیر القرطبي) بدقسمتی سے آج کے اسلامی ممالک میں بھی قرآن کریم کے اس نہایت اہم حکم کو اہمیت نہیں دی جا رہی اور اس کے برعکس غیر مسلم بڑے بڑے اہم عہدوں اور کلیدی مناصب پر فائز ہیں جن کے نقصانات واضح ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اپنی داخلی اور خارجی دونوں پالیسیوں میں اس حکم کی رعایت کریں تو یقیناً بہت سے مفاسد اور نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

[1] ﴿لَا يَاۡلُوۡنَ﴾ کوتاہی اور کمی نہیں کرتے ﴿خَبَالًا﴾ کے معنی فساد اور ہلاکت کے ہیں ﴿مَا عَنِتُّمۡ﴾ جس سے تم مشقت اور تکلیف میں پڑو۔ عَنَت بمعنی مشقت۔

[2] تم ان منافقین کی نماز اور اظہار ایمان کی وجہ سے ان کی بابت دھوکے کا شکار ہو جاتے ہو اور ان سے محبت رکھتے ہو۔

[3] عَضَّ يَعَضُّ کے معنی دانت سے کاٹنے کے ہیں۔ یہ ان کے غیظ و غضب کی شدت کا بیان ہے، جیسا کہ اگلی آیت ﴿اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ﴾ میں بھی ان کی اسی کیفیت کا اظہار ہے۔

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ

نہ دے گا۔[1] اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿۱۲۰﴾ اے نبی! اس وقت کو بھی یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ[2] بٹھا رہے تھے اللہ سننے، جاننے والا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب تمھاری دو جماعتیں

---

④ اس میں منافقین کی اس شدید عداوت کا ذکر ہے جو انھیں مومنوں کے ساتھ تھی اور وہ یہ کہ جب مسلمانوں کو خوش حالی میسر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی اور مسلمانوں کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا تنگدستی میں مبتلا ہوتے، یا اللہ کی مشیت و مصلحت سے دشمن، وقتی طور پر مسلمانوں پر غالب آ جاتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے کہ جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتے ہیں کہ مسلمان ان سے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور انھیں اپنا راز دان اور دوست بنائیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر ہے) اس لیے کہ وہ بھی مسلمانوں سے نفرت و عداوت رکھتے، ان کی کامیابیوں سے ناخوش اور ان کی ناکامیوں سے خوش ہوتے ہیں۔

① یہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج ہے۔ گویا منافقین اور دیگر اعدائے اسلام و مسلمین کی سازشوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔ اس صبر اور تقویٰ کے فقدان نے غیر مسلموں کی سازشوں کو کامیاب بنا رکھا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کافروں کی یہ کامیابی مادی اسباب و وسائل کی فراوانی اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی پستی و زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ اپنے دین پر استقامت (جو صبر کا متقاضی ہے) سے محروم اور تقویٰ سے عاری ہو گئے ہیں جو مسلمان کی کامیابی کی کلید اور تائید الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

② جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنگ احد کا واقعہ ہے جو شوال 3 ہجری میں پیش آیا۔ اس کا پس منظر مختصراً یہ ہے کہ جب جنگ بدر 2 ہجری میں کفار کو عبرت ناک شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے تو ان کفار کے لیے یہ بڑی بدنامی کا باعث اور ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ کافر تین ہزار کی تعداد میں احد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کریں، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اندر رہ کر ہی مقابلہ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پر جوش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جنھیں جنگ بدر میں حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپ حجرے میں تشریف لے گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے، دوسری رائے والوں کو ندامت ہوئی کہ شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی خواہش کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا، چنانچہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔ چنانچہ مسلمان ایک ہزار کی تعداد میں روانہ ہو گئے مگر صبح دم جب مقام شوط پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿122﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿123﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿124﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿125﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿126﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں،[1] اللہ ان کا ولی اور مددگار تھا۔[2] اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے ﴿122﴾ جنگ بدر میں اللہ نے عین اس وقت تمھاری مدد فرمائی تھی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے،[3] اس لیے اللہ ہی سے ڈرو! (نہ کسی اور سے) تاکہ تمھیں شکر گزاری کی توفیق ہو۔ (اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو) ﴿123﴾ جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے، کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ کا تمھاری مدد کرنا تمھیں کافی نہ ہوگا ﴿124﴾ کیوں نہیں، بلکہ اگر تم صبر و پرہیز گاری کرو اور یہ لوگ اسی دم تمھارے پاس آجائیں تو تمھارا رب تمھاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا[4] جو نشان زدہ ہوں گے ﴿125﴾[5] اور یہ تو محض تمھارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے ہے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے ﴿126﴾ (اس امداد الٰہی کا مقصد یہ تھا) کہ وہ

واپس آ گیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی، خواہ مخواہ جان دینے کا کیا فائدہ؟ اس کے اس فیصلے سے وقتی طور پر بعض مسلمان بھی متاثر ہو گئے اور انھوں نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ (ابن کثیر)

[1] یہ اوس اور خزرج کے دو قبیلے (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) تھے۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کی مدد کی اور ان کی کمزوری کو دور فرما کر ان کی ہمت بندھا دی۔

[3] بہ اعتبار قلت تعداد اور قلت سامان کے کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان 313 تھے اور یہ بھی بے سروسامان۔ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے۔ (ابن کثیر)

[4] مسلمان بدر کی جانب محض قافلۂ قریش پر، جو تقریباً نہتا تھا، چھاپہ مارنے نکلے تھے۔ مگر بدر پہنچتے پہنچتے معلوم ہوا کہ مکہ سے مشرکین کا ایک لشکر جرار پورے غیظ و غضب اور جوش و خروش کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی صف میں گھبراہٹ، تشویش اور جوش قتال کا ملا جلا ردعمل ہوا اور انھوں نے رب تعالیٰ سے دعا و فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار فرشتے اتارنے کی بشارت دی اور مزید وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے اور مشرکین اسی حالت غیظ و غضب میں آ دھمکے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا۔ (بدر پہنچنے سے پہلے ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک گروہ مکہ پلٹ گیا اور باقی جو بدر آئے ان میں سے اکثر سرداروں کی رائے تھی کہ لڑائی نہ کی جائے) اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہ آ سکی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ تعداد پوری کی گئی۔

[5] یعنی پہچان کے لیے ان کی مخصوص علامت ہوگی۔

فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿127﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿128﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿129﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

(اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ دے یا انھیں ذلیل کرڈالے اور (سارے کے سارے) نامراد ہوکر واپس چلے جائیں ﴿127﴾ [1] اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں، [2] اللہ چاہے توان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں﴿128﴾ آسمانوں اورزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے، اللہ بخشش کرنے والا مہربان ہے ﴿129﴾اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کرسود نہ کھاؤ [3] اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات

---

[1] یہ اللہ غالب وکارفرما کی مدد کا نتیجہ بتلایا جارہا ہے۔ سورۂ انفال میں فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بتلائی گئی ہے۔ ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾ (الأنفال 9:8) ''جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھاری فریاد سنتے ہوئے کہا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے۔'' ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے واقعتاً تو ایک ہزار ہی نازل ہوئے اور مسلمانوں کے حوصلے اور تسلی کے لیے تین ہزار کا اور پھر پانچ ہزار کا مزید مشروط وعدہ کیا گیا۔ پھر حسب حالات مسلمانوں کی تسلی کے نقطۂ نظر سے بھی ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا کیونکہ مقصد تو مسلمانوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنا تھا، ورنہ اصل مددگار تو اللہ تعالیٰ ہی تھا اور وہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں مسلمانوں کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی، کفر کی طاقت کمزور ہوئی اور کافروں کا گھمنڈ خاک میں مل گیا۔ (أيسر التفاسير)

[2] یعنی ان کافروں کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہوگئے اور چہرۂ مبارک بھی زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کو زخمی کردیا۔'' گویا آپ نے ان کی ہدایت سے ناامیدی ظاہر فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ غزوۂ احد کے کچھ عرصے کے بعد واقعۂ بئر معونہ پیش آیا جس میں کافروں نے دھوکہ دہی سے قرآن کریم کے ستر قاری ومبلغ صحابۂ کرام کو اپنے علاقے میں لے جا کر شہید کردیا۔ نبی ﷺ کو المناک واقعے پر شدید صدمہ ہوا اور ایک مہینے تک کافروں کے ان قبیلوں کا نام لے لے کر ان کے لیے بددعا فرمائی، یعنی قنوتِ نازلہ کا اہتمام فرمایا۔ یہ بالکل الگ واقعہ ہے جس کا کوئی تعلق نہ غزوۂ احد سے ہے اور نہ آیت مذکورہ کے نزول سے۔ لیکن بعض راویوں نے اس قنوتِ نازلہ کو بھی آیتِ مذکورہ کے نزول کا سبب قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی ﷺ نے قنوتِ نازلہ بند کردی۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ راوی کا اِدراج ہے، یعنی اس نے اپنی طرف سے یہ بات کہہ دی ہے ورنہ اس آیت کے نزول کا سبب قصۂ اُحد ہی ہے۔ اس بنا پر قنوتِ نازلہ کا اہتمام حسبِ ضرورت ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔

[3] چونکہ غزوۂ احد میں ناکامی رسول کی نافرمانی اور مال دنیا کے لالچ کے سبب ہوئی تھی اس لیے اب طمع کی سب سے زیادہ بھیانک شکل سود سے منع کیا جارہا ہے اور بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ

تُفْلِحُوْنَ ﴿130﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿131﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿132﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿133﴾ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿134﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ

ملے ﴿130﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿131﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿132﴾ اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو [1] جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿133﴾ جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، [2] غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنیوالے ہیں، [3] اللہ ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے ﴿134﴾ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، [4] فی الواقع اللہ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے ﴿135﴾ انھی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں،

مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے۔ یہ قید نہی (حرمت) کے لیے بطور شرط نہیں ہے بلکہ واقعے کی رعایت کے طور پر ہے، یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان واظہار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعل حرام تمھیں کفر تک پہنچا سکتا ہے کیونکہ یہ اللہ ورسول سے محاربہ ہے۔

① مال ودولت دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کی بجائے، اللہ ورسول کی اطاعت کا اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔ چنانچہ آگے متقین کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

② یعنی محض خوش حالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کے موقع پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حال اور ہر موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

③ یعنی جب غصہ انھیں بھڑکاتا ہے تو اسے پی جاتے ہیں، یعنی اس پر عمل نہیں کرتے اور ان کو معاف کر دیتے ہیں جو ان کے ساتھ برائی کرتے ہیں۔

④ یعنی جب ان سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ واستغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

10

فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِينَ ﴿136﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿137﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿138﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿139﴾ إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ ﴿140﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿141﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے ﴿136﴾ تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ﴿137﴾ [1] عام لوگوں کے لیے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے ﴿138﴾ تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم ایماندار ہو ﴿139﴾ [2] اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمھارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں، ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ [3] (شکستِ اُحد) اس لیے تھی کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے، اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ﴿140﴾ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے ﴿141﴾ [4] کیا تم یہ سمجھ بیٹھے

---

[1] جنگ احد میں مسلمانوں کا لشکر سات سو افراد پر مشتمل تھا، جس میں سے 50 تیر اندازوں کا ایک دستہ آپ نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا اور انھیں تاکید کر دی کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست، تم یہاں سے نہ ہلنا اور تمھارا کام یہ ہے کہ جو گھڑ سوار تمھاری طرف آئے تیروں سے اسے پیچھے دھکیل دینا۔ لیکن جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور مال و اسباب سمیٹنے لگے تو اس دستے میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب تک جنگ جاری رہے یہیں جمے رہنا لیکن جب یہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور کفار بھاگ رہے ہیں تو یہاں رہنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی وہاں سے ہٹ کر مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا اور وہاں نبی کریم ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔ جس سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور ان کے گھڑ سوار پلٹ کر وہیں سے مسلمانوں کے عقب میں جا پہنچے اور ان پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ غیر متوقع حملے سے سخت سراسیمہ ہو گئے جس سے مسلمانوں کو قدرتی طور پر بہت تکلیف ہوئی۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دے رہا ہے کہ تمھارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ تاہم بالآخر تباہی و بربادی اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والوں کا ہی مقدر بنی ہے۔

[2] گزشتہ جنگ میں تمھیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہوؤ اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمھارے اندر ایمانی قوت موجود رہی تو غالب و کامران تم ہی رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قوت کا اصل راز اور ان کی کامیابی کی بنیاد واضح کر دی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد مسلمان ہر معرکے میں سرخرو ہی رہے ہیں۔

[3] ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمھارے کچھ لوگ زخمی ہوئے ہیں تو کیا ہوا؟ تمھارے مخالف بھی تو جنگ بدر میں اور احد کی ابتدا میں اسی طرح زخمی ہو چکے ہیں اور اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ فتح و شکست کے ایام کو

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾ ع وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے،[1] حالانکہ اب تک اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟﴿142﴾[2] جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے،[3] اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا﴿143﴾[4] اور محمد تو

ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے۔

④ احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ان کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی، اس میں بھی کئی حکمتیں پنہاں تھیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ آگے بیان فرما رہا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے (کیونکہ صبر و استقامت ایمان کا تقاضا ہے) جنگ کی شدتوں اور مصیبتوں میں جنھوں نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، یقیناً وہ سب مومن ہیں۔ دوسری یہ کہ کچھ لوگوں کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ تیسری یہ کہ ایمان والوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دے۔ تمحیص کے معنی اختیار (چن لینا) کے کیے گئے ہیں۔ ایک معنی تطہیر اور ایک معنی تخلیص کے ہیں۔ آخری دونوں کا مطلب گناہوں سے پاکی اور خلاصی ہے۔ (فتح القدیر) مترجم رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ چوتھی یہ کہ کافروں کو مٹا دے۔ وہ اس طرح کہ وقتی فتح یابی سے ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہوگا اور یہی چیز ان کی تباہی و ہلاکت کا سبب بنے گی۔

① یعنی بغیر قتال و شدائد کی آزمائش کے تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ نہیں بلکہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آزمائش میں پورے اتریں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا ﴾ (البقرة 2:214) ''کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو تم سے پہلے لوگوں پر آئی تھی، انھیں تنگ دستی اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب ہلائے گئے۔'' مزید فرمایا: ﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○﴾ (العنکبوت 29:2) ''کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انھیں صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی؟''

② یہ مضمون اس سے پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے پھر بیان کیا جا رہا ہے کہ جنت یوں ہی نہیں مل جائے گی، اس کے لیے پہلے تمھیں آزمائش کی بھٹی سے گزارا اور میدان جہاد میں آزمایا جائے گا وہاں نرغۂ اعداء میں گھر کر تم سرفروشی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہو یا نہیں؟

③ یہ اشارہ ان صحابہ کی طرف ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ایک احساس محرومی رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ میدان کارزار گرم ہو تو وہ بھی کافروں کی سرکوبی کر کے جہاد کی فضیلت حاصل کریں۔ انھی صحابہ نے جنگ احد میں جوش جہاد سے کام لیتے ہوئے مدینہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کی فتح، کافروں کے اچانک حملے سے شکست میں تبدیل ہوگئی (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی) تو یہ پرجوش مجاہدین بھی سراسیمگی کا شکار ہوگئے اور بعض نے راہ فرار اختیار کی۔ (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) اور بہت تھوڑے لوگ ہی ثابت قدم رہے۔ (فتح القدیر) اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''تم دشمن سے مڈھ بھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت طلب کیا کرو تاہم جب از خود حالات ایسے بن جائیں کہ تمھیں دشمن سے لڑنا پڑ جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یہ بات

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿145﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ

صرف رسول ہی ہیں، [1] ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، [2] عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا ﴿144﴾ [3] بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے، دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دیں گے۔ [4] اور احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے ﴿145﴾ بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انھیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں

جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 2966)

④ ﴿ رَاَيْتُمُوْهُ ﴾ اور ﴿ تَنْظُرُوْنَ ﴾ دونوں کے ایک ہی معنی، یعنی دیکھنے کے ہیں۔ تاکید اور مبالغے کے لیے دو لفظ لائے گئے ہیں، یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی تیزی، تیروں کی یلغار اور جاں بازوں کی صف آرائی میں تم نے موت کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر)

① محمد ﷺ صرف رسول ہی ہیں، یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انھیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

② جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑا دی کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا اس پر موت کا وارد ہو جانا، کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء بھی قتل اور موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحۂ وفات کے وقت جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت جذبات میں وفات نبوی ﷺ کا انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسول کے پہلو میں کھڑے ہو کر انھی آیات کی تلاوت کی، جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔

③ یعنی ثابت قدم رہنے والوں کو جنھوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ادا کیا۔

④ یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے کا کیا فائدہ؟ اسی طرح محض دنیا طلب کرنے سے کچھ دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی، دنیا بھی اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرماتا ہے۔ آگے مزید

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿146﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿147﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿148﴾ ع 15 5 6 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿149﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿150﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿151﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

لیکن نہ تو انھوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے ﴿146﴾[1] وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے ﴿147﴾ اللہ نے انھیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا ثواب بھی عطا فرمایا اور اللہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے ﴿148﴾ اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں تمھاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے، (تمھیں مرتد بنا دیں گے۔) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے ﴿149﴾ بلکہ اللہ ہی تمھارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے ﴿150﴾[2] ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری،[3] ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے ﴿151﴾ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا

حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے پچھلے انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

① یعنی ان کو جو جنگ کی شدتوں میں پست ہمت نہیں ہوتے اور ضعف اور کمزوری نہیں دکھاتے۔

② یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے، یہاں پھر دہرایا جا رہا کیونکہ احد کی شکست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار یا منافقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ایسے میں مسلمانوں کو کہا گیا کہ کافروں کی اطاعت ہلاکت وخسران کا باعث ہے۔ کامیابی اللہ کی اطاعت ہی میں ہے اور اس سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔

③ مسلمانوں کی شکست دیکھتے ہوئے بعض کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ موقع مسلمانوں کے بالکلیہ خاتمے کے لیے بڑا اچھا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ پھر انھیں اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حوصلہ نہ ہوا۔ (فتح القدیر) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ «نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ» ''دشمن کے دل میں ایک مہینے کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا رعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی امت، یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان کا شرک ہے۔ گویا شرک کرنے والوں کے دل دوسروں کی ہیبت سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب سے مسلمانوں کی ایک

وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلۡتُمۡ وَ تَنَازَعۡتُمۡ فِى الۡاَمۡرِ وَعَصَيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَرٰٮكُمۡ مَّا تُحِبُّوۡنَ ‌ؕ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ‌ ۚ وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿152﴾ اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰٓى

جبکہ تم اس کے حکم سے انھیں کاٹ رہے تھے۔ [1] یہاں تک کہ جب تم نے پست ہمتی اختیار کی اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی، [2] اس کے بعد کہ اس نے تمھاری چاہت کی چیز تمھیں دکھا دی، [3] تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے [4] اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا [5] تو پھر اس نے تمھیں ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے [6] اور یقیناً اس نے تمھاری لغزش سے درگزر فرمالیا اور ایمان والوں پر اللہ بڑے فضل والا ہے ﴿152﴾ [7] جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے [8] اور کسی کی طرف توجہ تک

بڑی تعداد مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہوئی ہے، دشمن ان سے مرعوب ہونے کی بجائے، وہ دشمنوں سے مرعوب ہیں۔

[1] اس وعدے سے بعض مفسرین نے تین ہزار اور 5 ہزار فرشتوں کا نزول مراد لیا ہے لیکن یہ رائے سرے سے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ نزول صرف جنگ بدر کے ساتھ مخصوص تھا۔ باقی رہا وہ وعدہ جو اس آیت میں مذکور ہے تو اس سے مراد فتح و نصرت کا وہ عام وعدہ ہے جو اہل اسلام کے لیے اور اس کے رسول کی طرف سے بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا۔ حتیٰ کہ بعض آیتیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں۔ اور اس کے مطابق ابتدائے جنگ میں مسلمان غالب و فاتح رہے جس کی طرف ﴿اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

[2] اس تنازع اور عصیان سے مراد 50 تیر اندازوں کا وہ اختلاف ہے جو فتح و غلبہ دیکھ کر ان کے اندر واقع ہوا اور جس کی وجہ سے کافروں کو پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہونے کا موقع ملا۔

[3] اس سے مراد وہ فتح ہے جو ابتدا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔

[4] یعنی مال غنیمت، جس کے لیے انھوں نے وہ پہاڑی چھوڑ دی جس کے نہ چھوڑنے کی انھیں تاکید کی گئی تھی۔

[5] یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مورچہ چھوڑنے سے منع کیا اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی جگہ ڈٹے رہنے کا عزم ظاہر کیا۔

[6] یعنی غلبہ عطا کرنے کے بعد پھر تمھیں شکست دے کر ان کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمھیں آزمائے۔

[7] اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس شرف و فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان پر فرمایا، یعنی ان کی غلطیوں کی وضاحت کر کے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ کریں، اللہ نے ان کے لیے معافی کا اعلان کر دیا تاکہ کوئی بدباطن ان پر زبان طعن دراز نہ کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا تو اب کسی کے لیے طعن و تشنیع کی گنجائش کہاں رہ گئی؟ صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں، بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ نیز یوم احد میں فرار ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو ان کی اہلیہ (بنت رسول) بیمار تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر ہی مدینہ میں رہے، بیعت رضوان کے موقع پر آپ رسول ﷺ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یہ بیعت آپ کی وجہ سے لی گئی اور یوم احد کے فرار کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3699 ملخصًا)

[8] کفار کے یکبارگی اچانک حملے سے مسلمانوں میں جو بھگدڑ مچی اور مسلمانوں کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ اس کا نقشہ بیان

اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿153﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ

نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تمھیں تمھارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے، (1) بس تمھیں غم پر غم پہنچا (2) تا کہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ پہنچنے والی (تکلیف) پر اداس ہو، (3) اللہ تمھارے تمام اعمال سے خبردار ہے (153) پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔ (4) ہاں، کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انھیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، (5) وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے (6) اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ (7) آپ کہہ دیجیے

کیا جا رہا ہے۔ ﴿تُصْعِدُوْنَ﴾ اِصْعَاد سے ہے جس کے معنی اپنی رو بھاگے جانے یا وادی کی طرف چڑھے جانے یا بھاگنے کے ہیں۔ (تفسير الطبري)

(1) نبی کریم ﷺ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے اور مسلمانوں کو پکارتے رہے: «إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!» ''اللہ کے بندو! میری طرف لوٹ کر آؤ! اللہ کے بندو میری طرف لوٹ کر آؤ۔'' لیکن سراسیمگی کے عالم میں یہ پکار کون سنتا؟

(2) ﴿فَاَثَابَكُمْ﴾ تمھاری کوتاہی کے بدلے میں تمھیں غم پر غم دیا۔ ﴿غَمًّۢا بِغَمٍّ﴾ بمعنی غَمًّا عَلٰى غَمٍّ ابن جریر اور ابن کثیر کے اختیار کردہ راجح قول کے مطابق پہلے غم سے مراد ہے، مال غنیمت اور کفار پر فتح وظفر سے محرومی کا غم اور دوسرے غم سے مراد ہے مسلمانوں کی شہادت، ان کے زخمی ہونے، نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی اور آپ کی خبر شہادت سے پہنچنے والا غم۔

(3) یعنی یہ غم پر غم اس لیے دیا تا کہ تمھارے اندر شدائد برداشت کرنے کی قوت اور عزم وحوصلہ پیدا ہو۔ جب یہ قوت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو فوت شدہ چیز پر غم اور پہنچنے والے شدائد پر ملال نہیں ہوتا۔

(4) مذکورہ سراسیمگی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں پر اپنا فضل فرمایا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر اونگھ مسلط کر دی۔ یہ اونگھ اللہ کی طرف سے سکینت اور نصرت کی دلیل تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ چھائی جا رہی تھی حتیٰ کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری میں اسے پکڑتا، وہ پھر گر جاتی، پھر پکڑتا اور پھر گر جاتی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4068) ﴿نُّعَاسًا﴾، ﴿اَمَنَةً﴾ سے بدل ہے۔ ﴿طَآئِفَةً﴾ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (فتح القدير)

(5) اس سے مراد منافقین ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں ان کو تو اپنی جانوں ہی کی فکر تھی۔

(6) وہ یہ تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا معاملہ باطل ہے، یہ جس دین کی دعوت دیتے ہیں، اس کا مستقبل مخدوش ہے، انھیں اللہ کی مدد ہی حاصل نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(7) یعنی کیا اب ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فتح ونصرت کا امکان ہے؟ یا یہ کہ کیا ہماری بھی کوئی بات چل سکتی ہے اور مانی جا سکتی ہے؟

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ یُخْفُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَكَ ؕ یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿154﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿155﴾ ع 16/7/7

کہ کام کُل کا کُل اللہ کے اختیار میں ہے،[1] یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں آپ کو نہیں بتاتے،[2] کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کیے جاتے۔[3] آپ کہہ دیجیے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے،[4] اللہ کو تمھارے سینوں کے اندر کی چیز کا آزمانا اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، اس کو پاک کرنا تھا،[5] اور اللہ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے﴿154﴾[6] تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آگئے[7] لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا[8] بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور تحمل والا ہے﴿155﴾

① تمھارے یا دشمن کے اختیار میں نہیں ہے، مدد بھی اسی کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اس کے حکم سے ہوگی اور امر و نہی بھی اسی کا ہوگا۔

② اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ رہنمائی کے طالب ہیں۔

③ یہ وہ آپس میں کہتے یا اپنے دل میں کہتے تھے۔

④ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قسم کی باتوں کا کیا فائدہ؟ موت تو ہر صورت میں آنی ہے اور اسی جگہ پر آنی ہے جہاں اللہ کی طرف سے لکھ دی گئی ہے۔ اگر تم گھروں میں بیٹھے ہوتے اور تمھاری موت کسی مقتل میں لکھی ہوتی تو تمھیں قضا ضرور وہاں کھینچ لے جاتی؟

⑤ یہ جو کچھ ہوا اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمھارے سینوں کے اندر جو کچھ ہے، یعنی ایمان، اسے آزمائے (تاکہ منافق الگ ہو جائیں) اور پھر تمھارے دلوں کو شیطانی وساوس سے پاک کر دے۔

⑥ یعنی اس کو تو علم ہے کہ مخلص مسلمان کون ہے اور نفاق کا لبادہ کس نے اوڑھ رکھا ہے؟ جہاد کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے مومن اور منافق کھل کر سامنے آجاتے ہیں جنھیں عام لوگ بھی پھر دیکھ اور پہچان لیتے ہیں۔

⑦ یعنی احد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی بعض کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے شیطان اس روز بھی انھیں پھسلانے میں کامیاب ہوگیا۔ جس طرح بعض سلف کا قول ہے کہ ''نیکی کا بدلہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد مزید نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے بعد مزید برائی کا راستہ کھلتا اور ہموار ہوتا ہے۔''

⑧ اللہ تعالیٰ صحابہ کی لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر اپنی طرف سے ان کی معافی کا اعلان فرما رہا ہے۔ جس سے ایک تو ان کا محبوب بارگاہ الٰہی ہونا واضح ہے اور دوسرے، عام مومنین کو تنبیہ ہے کہ ان مومنین صادقین کو جب اللہ نے معاف فرما

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿156﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿157﴾ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿158﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں، جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں، کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے،[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے،[2] اللہ ہی زندہ رکھتا اور مارتا ہے اور اللہ تمھارے عمل کو دیکھ رہا ہے ﴿156﴾ قسم ہے اگر اللہ کی راہ میں شہید کیے جاؤ یا اپنی موت مرو بے شک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ﴿157﴾[3] بالیقین خواہ تم مر جاؤ یا مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کیے جاؤ گے ﴿158﴾ اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان[4] کے لیے استغفار کریں

دیا ہے تو اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ انھیں ہدف ملامت یا نشانہ تنقید بنائے۔

① اہل ایمان کو اس فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیونکہ یہ عقیدہ بزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم وحوصلہ اور اللہ کی راہ میں لڑنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

② مذکورہ فسادِ عقیدہ دلی حسرت کا ہی سبب بنتا ہے کہ اگر وہ سفر پر یا میدان جنگ میں نہ جاتے بلکہ گھر میں ہی رہتے تو موت کی آغوش میں جانے سے بچ جاتے۔ دراں حالیکہ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آ جاتی ہے، ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (النسآء 78:4) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمھیں پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' اس لیے اس حسرت سے مسلمان ہی بچ سکتے ہیں جن کے عقیدے صحیح ہیں۔

③ موت تو ہر صورت میں آنی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال واسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے گریز نہیں، اس میں رغبت اور شوق ہونا چاہیے کہ اس طرح رحمت و مغفرت الٰہی یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

④ نبی ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت وتبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے آپ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ درگزر سے ہی کام لیتے رہیے۔

لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿159﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿160﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿161﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ لَقَدْ مَنَّ

اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں،[1] پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کریں،[2] بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ﴿159﴾ اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے ﴿160﴾ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے،[3] ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے ﴿161﴾ کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے ﴿162﴾ اللہ کے پاس ان کے الگ الگ درجے ہیں اور ان کے تمام اعمال کو اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے ﴿163﴾ بے شک

---

[1] یعنی مسلمانوں کی طیب خاطر کے لیے مشورہ کر لیا کریں۔ اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت ومشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔ (ابن کثیر) امام شوکانی لکھتے ہیں کہ حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انھیں علم نہیں ہے۔ یا ان کے بارے میں انھیں اشکال ہیں۔ فوج کے سربراہوں سے فوجی معاملات میں، سربرآوردہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام ووالیان سے ان کے علاقوں کی ضروریات وترجیحات کے سلسلے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمران کے وجوب عزل پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم واہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔ یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔ (فتح القدیر) (مزید دیکھیے سورۂ شوریٰ، آیت: 38 کا حاشیہ)

[2] یعنی مشاورت کے بعد جس پر آپ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر توکل کر کے اسے کر گزریے۔ اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ مشاورت کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہوگا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے۔ دوسری یہ کہ سارا اعتماد وتوکل، اللہ کی ذات پر ہو نہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل وفہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

[3] جنگ احد کے دوران جو لوگ، مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال غنیمت دوسرے لوگ سمیٹ لے جائیں گے اس پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس مال میں سے تمھارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا۔ کیا تمھیں قائد غزوہ محمد ﷺ کی امانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ خیانت نبوت کے منافی ہے۔ اگر نبی ہی خائن ہو تو پھر اس کی نبوت پر یقین کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ

مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، (1) جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت (2) سکھاتا ہے، یقیناً یہ (3) سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ﴿164﴾ (کیا بات ہے) کہ جب تمھیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے، (4) تو یہ کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟

(1) نبی کے بشر اور انسانوں ہی میں سے ہونے کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان کر رہا ہے اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے، لوگ اسی کی جنس میں سے ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے۔ تیسرے، انسان کے لیے انسان، یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان وشعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ اس لیے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ ودعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے۔ قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے، مثلاً، فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ (یوسف 12:109) ”ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ مرد تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔“ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان 25:20) ”ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے۔“ اور خود نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:6) ”آپ (ﷺ) کہہ دیجیے: میں بھی تو تمھاری طرح صرف بشر ہی ہوں، البتہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔“ آج بہت سے افراد اس چیز کو نہیں سمجھتے اور انحراف کا شکار ہیں۔

(2) اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کیے گئے ہیں۔ (1) تلاوت آیات (2) تزکیہ (3) تعلیم کتاب وحکمت۔ تعلیم کتاب میں تلاوت ازخود آ جاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے، تلاوت کے بغیر تعلیم کا تصور ہی نہیں۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس سے اس نکتے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور نیک عمل ہے، چاہے پڑھنے والا اس کا مفہوم سمجھے یا نہ سمجھے۔ قرآن کے معنی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو یا اتنی فہم واستعداد بہم نہ پہنچ جائے، تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت جائز نہیں۔ تزکیے سے مراد عقائد اور اعمال واخلاق کی اصلاح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے انھیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بداخلاق اور بداطوار قوم کو اخلاق وکردار کی رفعتوں سے ہمکنار کر دیا، حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک سنت ہے۔

(3) یہ ﴿ اِنْ ﴾ مُخَفَّفَةٌ مِّنَ الْمُثَقَّلَةِ ہے، یعنی اِنَّ (تحقیق، یقیناً، بلاشبہ) کے معنی میں۔

(4) یعنی احد میں تمھارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں تم نے ستر کافر قتل کیے تھے اور ستر قیدی بنائے تھے۔

مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿167﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

آپ کہہ دیجیے کہ یہ خود تمھاری طرف سے ہے،[1] بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿165﴾ اور تمھیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوئی تھی، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے ﴿166﴾ اور منافقوں کو بھی معلوم کرے[2] جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے،[3] وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے،[4] اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں،[5] اور اللہ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ﴿167﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو ﴿168﴾[6] جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ

① یعنی تمھاری اس غلطی کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کے باوجود پہاڑی مورچہ چھوڑ کر تم نے کی تھی۔ جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری کہ اس غلطی کی وجہ سے کافروں کے ایک دستے کو اس درے سے دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

② یعنی احد میں تمھیں جو کچھ نقصان پہنچا، وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا ہے (تاکہ آئندہ تم اطاعت رسول کا کما حقہ اہتمام کرو) علاوہ ازیں اس کا ایک مقصد مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز کرنا بھی تھا۔

③ لڑائی جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی آپ لوگ لڑائی لڑنے چل رہے ہوتے تو ہم بھی ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو لڑائی کی بجائے اپنے آپ کو تباہی کے دہانے میں جھونکنے جا رہے ہیں۔ ایسے غلط کام میں ہم کیوں آپ کا ساتھ دیں۔ یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس لیے کہا کہ ان کی بات نہیں مانی گئی تھی اور اس وقت کہا جب وہ مقام شوط پر پہنچ کر واپس ہو رہے تھے اور عبداللہ بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ انھیں سمجھا بجھا کر شریک جنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (قدرے تفصیل گزر چکی ہے)

④ اپنے نفاق اور ان باتوں کی وجہ سے جو انھوں نے کیں۔

⑤ یعنی زبان سے تو ظاہر کیا جو مذکور ہوا لیکن دل میں یہ تھا کہ ہماری علیحدگی سے ایک تو مسلمانوں کے اندر بھی ضعف پیدا ہوگا۔ دوسرے، کافروں کو فائدہ ہوگا۔ مقصد اسلام، مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کو نقصان پہنچانا تھا۔

⑥ یہ منافقین کے اس قول کا رد ہے کہ ''اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر تم سچے ہو تو اپنے سے موت ٹال کر دکھاؤ۔'' مطلب یہ ہے کہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں۔ موت بھی جہاں اور جیسے مقدر ہے، وہاں اور اسی صورت میں آ کر

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿169﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿170﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿171﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

سمجھیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیے جاتے ہیں ﴿169﴾ [1] اللہ نے اپنا فضل جو انھیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو اب تک ان سے نہیں ملے، ان کے پیچھے ہیں، [2] یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿170﴾ وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ ایمان والوں کے اجر کو برباد نہیں کرتا ﴿171﴾ [3] جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انھیں پورے زخم لگ چکے تھے،

رہے گی۔ اس لیے جہاد اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے گریز وفرار یہ کسی کو موت کے شکنجے سے نہیں بچا سکتا۔

① شہداء کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی، یقیناً حقیقی ہے لیکن برزخی ہے جس کا شعور اہل دنیا کو نہیں (جیسا کہ قرآن نے وضاحت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت نمبر: 154) پھر اس زندگی کا مطلب کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں قبروں میں ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہاں اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت کے پھلوں کی خوشبوئیں انھیں آتی ہیں جن سے ان کے مشام جان معطر رہتے ہیں۔ لیکن حدیث سے ایک تیسری شکل معلوم ہوتی ہے اس لیے وہی صحیح ہے، وہ یہ کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف یا سینوں میں داخل کر دی جاتی ہیں اور وہ جنت میں کھاتی پھرتی اور اس کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہیں۔ (فتح القدیر، و صحیح مسلم، حدیث:121-(1887))

② یعنی وہ اہل اسلام جو ان کے پیچھے دنیا میں زندہ ہیں یا مصروف جہاد ہیں، ان کی بابت وہ خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر یہاں ہم جیسی پر لطف زندگی حاصل کریں۔ شہدائے احد نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو دنیا میں زندہ ہیں، انھیں ہمارے حالات اور پر مسرت زندگی سے کوئی مطلع کرنے والا ہے تا کہ وہ جنگ و جہاد سے اعراض نہ کریں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمھاری یہ بات ان تک پہنچا دیتا ہوں۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ علاوہ ازیں متعدد احادیث سے شہادت کی فضیلت ثابت ہے۔ مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: «مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ يَسُرُّهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا إِلَّا الشَّهِيدُ فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ مَرَّةً أُخْرٰى لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ» (مسند أحمد: 126/3، وصحیح مسلم، حدیث:108-(1877)) ''کوئی مرنے والی جان، جس کو اللہ کے ہاں اچھا مقام حاصل ہے، دنیا میں لوٹنا پسند نہیں کرتی۔ البتہ شہید دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرتا ہے تا کہ وہ دوبارہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ آرزو وہ اس لیے کرتا ہے کہ شہادت کی فضیلت کا وہ مشاہدہ کر لیتا ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے معلوم ہے کہ اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی آرزو کا اظہار کر (تا کہ میں اسے پورا کر دوں) تیرے باپ نے جواب دیا کہ میری تو صرف یہی آرزو ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ممکن نہیں ہے اس لیے کہ میرا فیصلہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کوئی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔'' (مسند أحمد 361/3)

③ یہ اِسْتِبْشَارَ، پہلے استبشار کی تاکید اور اس بات کا بیان ہے کہ ان کی خوشی محض خوف و حزن کے فقدان کی ہی وجہ سے نہیں بلکہ

لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ‌ۖۚ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

ان میں سے جنھوں نے نیکی کی اور پرہیز گاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے ﴿۱۷۲﴾ [1] وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمھارے مقابلے پر لشکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ﴿۱۷۳﴾ [2] (نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے، [3]

اللہ کی نعمتوں اور اس کے بے پایاں فضل وکرم کی وجہ سے بھی ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے پہلی خوشی کا تعلق دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کی وجہ سے اور یہ دوسری خوشی اس انعام واکرام کی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خود ان پر ہوا۔(فتح القدیر)

① جب مشرکین جنگ احد سے واپس ہوئے تو راستے میں انھیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک نہایت سنہری موقع ضائع کر دیا۔ مسلمان شکست خوردگی کی وجہ سے بے حوصلہ اور خوف زدہ تھے۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر بھرپور حملہ کر دینا چاہیے تھا تاکہ اسلام کا یہ پودا اپنی سرزمین (مدینہ) سے ہی نیست ونابود ہو جاتا۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کو بھی اندیشہ ہوا کہ شاید وہ پھر پلٹ آئیں، لہٰذا آپ نے صحابہ کو لڑنے کے لیے آمادہ کیا آپ کے کہنے پر صحابہ باوجود اس بات کے کہ وہ اپنے مقتولین ومجروحین کی وجہ سے دل گرفتہ اور محزون ومغموم تھے، تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے 8 میل کے فاصلے پر واقع ’’حمراء الاسد‘‘ پر پہنچا تو مشرکین کو خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی بجائے مکہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے رفقاء بھی مدینہ واپس آ گئے۔ آیت میں مسلمانوں کے اسی جذبہ اطاعت اللہ ورسول کی تعریف کی گئی ہے بعض نے اس کا سبب نزول ابوسفیان کی اس دھمکی کو بتلایا ہے کہ آئندہ سال بدر صغریٰ میں ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا۔ (ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جس پر مسلمانوں نے بھی اللہ ورسول کی اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے، جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا عزم کر لیا۔ (ملخص از فتح القدیر و ابن کثیر) مگر یہ آخری قول سیاق سے میل نہیں کھاتا۔

② حمراء الاسد...... اور کہا جاتا ہے کہ بدر صغریٰ ...... کے موقع پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کے لیے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات کی رو سے یہ کام شیطان نے اپنے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کی بجائے، مزید عزم وولولہ سے سرشار ہو گئے اور ان کا ایمان مزید بڑھ گیا کیونکہ ایمان جتنا زیادہ ہوگا، جہاد کا عزم اور ولولہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان جامد قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتلاء ومصیبت کے وقت اہل ایمان کا شیوہ اللہ پر اعتماد وتوکل ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی ﴿حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴾ پڑھنے کی فضیلت وارد ہے۔ نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ (فتح القدیر)

③ نعمت سے مراد سلامتی ہے اور فضل سے مراد وہ نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے بدر صغریٰ میں ایک گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپ نے مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر)

وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿174﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿178﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

انھیں کوئی برائی نہ پہنچی، انھوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے﴿174﴾ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے[1] تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو﴿175﴾[2] کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غم ناک نہ کریں، یقین مانو کہ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اللہ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے،[3] اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے﴿176﴾ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لیے المناک عذاب ہے﴿177﴾ کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں،[4] ان ہی کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے﴿178﴾ جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ ایمان والوں کو نہ چھوڑ دے گا جب تک کہ

---

① یعنی تمھیں اس وسوسے اور وہم میں ڈالتا ہے کہ وہ بڑے مضبوط اور طاقتور ہیں۔

② یعنی جب وہ تمھیں اس وہم میں مبتلا کرے تو تم صرف مجھ پر ہی بھروسا رکھو اور میری ہی طرف رجوع کرو، میں تمھیں کافی ہو جاؤں گا اور تمھارا ناصر رہوں گا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ (الزمر 36:39) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟'' مزید ملاحظہ ہوں: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلة 21:58) وغیرها من الآیات

③ نبی ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لیے ان کے انکار اور تکذیب سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں، یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

④ اس میں اللہ کے قانون اِمْهَال (مہلت دینے) کا بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق کافروں کو مہلت عطا فرماتا ہے، وقتی طور پر انھیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، فتوحات سے اور مال و اولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے والے نیکی اور اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو یہ دنیوی نعمتیں فضل الٰہی نہیں مہلت الٰہی ہے۔ جس سے ان کے کفر و فسوق میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بالآخر وہ جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق قرار پا جاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے، مثلاً: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:55،56) ''کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں، یہ ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔''

الۡخَبِيۡثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿179﴾ وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿180﴾ ع 18 لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ

پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے،[1] اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمھیں غیب سے آگاہ کر دے،[2] بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لیتا ہے،[3] اس لیے تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو، اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمھارے لیے اجر عظیم ہے ﴿179﴾ جنھیں اللہ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن وہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے،[4] آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اللہ آگاہ ہے ﴿180﴾ یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا

---

[1] اس لیے اللہ تعالیٰ ابتلا کی بھٹی سے ضرور گزارتا ہے تاکہ اس کے دوست واضح اور دشمن ذلیل ہو جائیں۔ مومن صابر، منافق سے الگ ہو جائے جس طرح احد میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آزمایا جس سے ان کے ایمان، صبر و ثبات اور جذبہ اطاعت کا اظہار ہوا اور منافقین نے اپنے اوپر جو نفاق کا پردہ ڈال رکھا تھا، وہ بے نقاب ہو گیا۔

[2] یعنی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح ابتلا کے ذریعے سے لوگوں کے حالات اور ان کے ظاہر و باطن کو نمایاں نہ کرے تو تمھارے پاس کوئی غیب کا علم تو ہے نہیں کہ جس سے تم پر یہ چیزیں منکشف ہو جائیں اور تم جان سکو کہ کون منافق ہے اور کون مومن خالص؟

[3] ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی باتوں پر مطلع فرماتا ہے جس سے بعض دفعہ ان پر منافقین کا اور ان کے حالات اور ان کی سازشوں کا راز فاش ہو جاتا ہے، یعنی یہ بھی کسی کسی وقت اور کسی کسی نبی پر ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نبی بھی (جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے) منافقین کے اندرونی نفاق اور ان کے مکر و کید سے بے خبر ہی رہتا ہے (جس طرح کہ سورۂ توبہ کی آیت:101 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اعراب اور اہل مدینہ میں جو منافق ہیں اے پیغمبر! آپ ان کو نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں) اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب کی باتوں کا پتہ ہم صرف اپنے رسولوں کو ہی عطا کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی منصبی ضرورت ہے۔ اس وحی الٰہی اور امور غیبیہ کے ذریعے سے ہی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اپنے کو اللہ کا رسول ثابت کراتے ہیں؟ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ﴾ (الجن 27,26:72) ''عالم الغیب (اللہ تعالیٰ ہے) اور وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی واقف نہیں کرتا مگر جس کو پسند کر لے رسولوں میں سے۔'' ظاہر بات ہے یہ امور غیبیہ وہی ہوتے ہیں جن کا تعلق منصب و فرائض رسالت کی ادائیگی سے ہوتا ہے نہ کہ مَا كَانَ وَمَا يَكُوۡنُ ''جو کچھ ہو چکا اور آئندہ قیامت تک جو ہونے والا ہے۔'' کا علم۔ جیسا کہ بعض اہل باطل اس طرح کا علم غیب انبیاء علیہم السلام کے لیے اور کچھ لوگ اپنے ''ائمہ معصومین'' کے لیے باور کراتے ہیں۔

[4] اس میں اس بخیل کا بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکاۃ بھی نہیں

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿182﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿183﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾ كُلُّ نَفْسٍ

جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں [1] ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے۔ اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی، [2] اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلا دینے والا عذاب چکھو ﴿181﴾ یہ تمھارے پیش کردہ اعمال کا بدلہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ﴿182﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمھارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو تو پھر تم نے انھیں کیوں مار ڈالا؟ ﴿183﴾ [3] پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں، صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے ﴿184﴾ [4] ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے

نکالنا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اس کے مال کو ایک زہریلا اور نہایت خوفناک سانپ بنا کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ «مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 4565)

[1] جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (البقرة 2:245) ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔'' تو یہود نے کہا کہ اے محمد! تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن كثير)

[2] یعنی مذکورہ قول جس میں اللہ کی شان میں گستاخی ہے اور اسی طرح ان کے (اسلاف) کا انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، ان کے یہ سارے جرائم اللہ کی بارگاہ میں درج ہیں، جن پر وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔

[3] اس میں یہود کی ایک اور بات کی تکذیب کی جا رہی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ تم صرف اس رسول کو ماننا جس کی دعا پر آسمان سے آگ آئے اور قربانی و صدقات کو جلا ڈالے۔ مطلب یہ تھا کہ اے محمد! آپ کے ذریعے سے اس معجزے کا چونکہ صدور نہیں ہوا۔ اس لیے بحکم الٰہی آپ کی رسالت پر ایمان لانا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے، حالانکہ پہلے نبیوں میں ایسے نبی بھی آئے کہ جن کی دعا سے آسمان سے آگ آتی اور اہل ایمان کے صدقات اور قربانیوں کو کھا جاتی۔ جو ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ اللہ کی راہ میں پیش کردہ صدقہ یا قربانی بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی۔ دوسری طرف اس بات کی دلیل ہوتی کہ یہ نبی برحق ہے۔ لیکن ان یہودیوں نے ان نبیوں اور رسولوں کی بھی تکذیب ہی کی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تم نے ایسے پیغمبروں کو کیوں جھٹلایا اور انھیں قتل کیا جو تمھاری طلب کردہ نشانی ہی لے کر آئے تھے۔''

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿185﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿186﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا

اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے، پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس[1] ہے ﴿185﴾ یقیناً تمھارے مالوں اور جانوں سے تمھاری آزمائش کی جائے گی[2] اور یہ بھی یقین ہے کہ تمھیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے[3] ﴿186﴾ اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے

④ نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ یہودیوں کی ان کٹ حجتیوں سے بد دل نہ ہوں۔ ایسا معاملہ صرف آپ کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے۔

① اس آیت میں ایک تو اس اٹل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہو گا، اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تیسرا، کامیابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

② اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمانے کا بیان ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت:155 میں گزر چکا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک مجلس میں مسلمان، مشرکین، یہود اور عبداللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ وہاں آئے اور سلام کہا۔ آپ کی سواری سے جو گرد اٹھی، ابن ابی نے اس پر بھی ناگواری کا اظہار کیا اور آپ نے انھیں ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبداللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ وہاں بعض مسلمان بھی تھے، انھوں نے اس کے برعکس آپ کی تحسین فرمائی، قریب تھا کہ ان کے مابین جھگڑا ہو جائے، آپ نے ان سب کو خاموش کرایا۔ پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھیں بھی یہ واقعہ سنایا جس پر انھوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے قبل، یہاں کے باشندگان نے اس کی تاج پوشی کرنی تھی، آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس کا اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں۔ اس لیے آپ درگزر ہی سے کام لیں۔ (صحيح البخاري، حديث:4566)

③ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ نبی ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مختلف انداز سے طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مشرکین عرب کا حال تھا۔ علاوہ ازیں مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس عبداللہ بن ابی بھی آپ ﷺ

تَكۡتُمُوۡنَهٗ ۫ فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿187﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَآ اَتَوۡا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿188﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿189﴾ ع 19/9/10 اِنَّ فِىۡ

سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے ﴿187﴾ [1] وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں آپ انھیں عذاب سے چھٹکارے میں نہ سمجھیے ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے ﴿188﴾ [2] آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿189﴾ آسمانوں اور زمین کی

کی شان میں استخفاف کرتا رہتا تھا۔ آپ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاج سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا، چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف سب وشتم کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا (جیسا کہ صحیح بخاری کے حوالے سے اس کی ضروری تفصیل گزشتہ حاشیہ میں ہی بیان کی گئی ہے) ان حالات میں مسلمانوں کو عفو و درگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ داعیانِ حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ (ابن کثیر)

[1] اس میں اہل کتاب کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ ان سے اللہ نے یہ عہد لیا تھا کہ کتاب الٰہی (تورات اور انجیل) میں جو باتیں درج ہیں اور آخری نبی کی جو صفات ہیں، انھیں لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور انھیں چھپائیں گے نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے اللہ کے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ یہ گویا اہل علم کو تلقین و تنبیہ ہے کہ ان کے ہاں جو علم نافع ہے، جس سے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو سکتی ہو، وہ لوگوں تک ضرور پہنچانا چاہیے اور دنیوی اغراض و مفادات کی خاطر ان کو چھپانا بہت بڑا جرم ہے۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ كما في الحديث (سنن أبي داود حديث: 3658، وجامع الترمذي، حديث: 2649، ومسند أحمد: 305/2)

[2] اس میں ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو صرف اپنے واقعی کارناموں پر ہی خوش نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کیے جائیں جو انھوں نے نہیں کیے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کے پیش نظر آیات کا نزول ہوا۔ اسی طرح آج بھی جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے اور دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ آیت کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کتاب الٰہی میں تحریف و کتمان کے مجرم تھے مگر وہ اپنے ان کرتوتوں پر خوش ہوتے تھے، یہی حال آج کے باطل گروہوں کا بھی ہے، وہ بھی لوگوں کو گمراہ کر کے، غلط رہنمائی کر کے اور آیات الٰہی میں معنوی تحریف و تلبیس کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل حق ہیں اور یہ کہ ان کے دجل و فریب کاری کی انھیں داد دی جائے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿190﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿191﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ

کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿190﴾ [1] جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے ﴿191﴾ [2] اے ہمارے پالنے والے! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں ﴿192﴾ اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو!

① یعنی جو لوگ زمین وآسمان کی تخلیق اور کائنات کے دیگر اسرار ورموز پر غور کرتے ہیں، انھیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل وعریض کائنات کا یہ لگا بندھا نظام، جس میں ذرا خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔ آگے انھی اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں..... حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے اٹھتے تو ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ سے لے کر آخر سورت تک یہ آیات پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4569، وصحيح مسلم، حديث: 182-(763))

② ان دس آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت وطاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ نشانیاں ضرور ہیں لیکن کن کے لیے؟ اہل عقل ودانش کے لیے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان عجائبات اور قدرت الٰہیّہ کو دیکھ کر بھی جس شخص کو باری تعالیٰ کا عرفان حاصل نہ ہو، وہ اہل دانش ہی نہیں۔ لیکن یہ المیہ بھی بڑا عجیب ہے کہ آج کے عالم اسلام میں ''دانش ور'' سمجھا ہی اس کو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو۔ «فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ» دوسری آیت میں اہل دانش کے ذوق ذکر الٰہی اور ان کا آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرنے کا بیان ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو کروٹ کے بل لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ لو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1117) ایسے لوگ جو ہر وقت اللہ کو یاد کرتے اور رکھتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق اور اس کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جن سے خالق کائنات کی عظمت وقدرت، اس کا علم واختیار اور اس کی رحمت وربوبیت کی صحیح معرفت انھیں حاصل ہوتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ رب کائنات نے یہ کائنات یوں ہی بے مقصد نہیں بنائی ہے بلکہ اس سے مقصد بندوں کا امتحان ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو گیا، اس کے لیے ابدالآباد تک جنت کی نعمتیں ہیں اور جو ناکام ہوا اس کے لیے عذاب نار ہے۔ اس لیے وہ عذاب نار سے بچنے کی دعا بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ كَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّىۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَ قٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِى الۡبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ۟ ثُمَّ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ

اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یاالٰہی! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے پالنے والے معبود! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿۱۹۴﴾ پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی [1] کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، [2] تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، [3] اس لیے وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنھیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے، میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انھیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ﴿۱۹۵﴾ تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے ﴿۱۹۶﴾ [4] یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔ [5] اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے

[1] ﴿فَاسۡتَجَابَ﴾ یہاں اَجَابَ، یعنی ''قبول فرمالی'' کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر)

[2] مرد ہو یا عورت کی وضاحت اس لیے کر دی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے، مثلاً: قوامیت و حاکمیت میں، کسب معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے میں اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزا میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا، وہ نیکی اگر ایک عورت کرے گی تو اس کو بھی وہی اجر ملے گا۔

[3] یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کا مقصد پچھلے نکتے کی ہی وضاحت ہے، یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو، یعنی ایک جیسے ہی ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر الطبري و ابن کثیر و فتح القدیر)

[4] خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد تجارت و کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کے وسعت و فروغ کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿198﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿199﴾

لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور نیک لوگوں کے لیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ﴿198﴾ [1] یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمھاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی، اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے بھی نہیں، [2] ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے، یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿199﴾

انجام پر نظر رکھنی چاہیے، جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالا مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝﴾ (المؤمن 40:4) ''اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں، پس ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔'' ﴿قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ (یونس 10: 70,69) ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝﴾ (لقمٰن 31:24)

(5) یعنی یہ دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں۔ کیونکہ بالآخر انھیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کیے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔

(1) ان کے برعکس جو تقویٰ اور خدا خوفی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ گو دنیا میں ان کے پاس رب فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر وصلہ ملے گا، وہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔

(2) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جسے رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا، جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا، آیات الٰہی میں تحریف وتلبیس کرنا اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان علم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء ومشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیات الٰہی میں تحریف یا ان کے مفہوم کے بیان میں دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں، وہ ایمان وتقویٰ سے محروم ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی، البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے اور انھوں نے دین حق کو اپنایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿200﴾ ع 20 11 11

اٰيَاتُهَا: 176 (4) سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ (92) رُكُوْعَاتُهَا: 24	سورۂ نساء مدنی ہے اور اس میں 176 آیات اور 24 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو[1] اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو ﴿200﴾

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا[2] اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی

① صبر کرو، یعنی طاعات کے اختیار کرنے اور شہوات ولذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔ مُصَابَرَۃٌ (صَابِرُوا) جنگ کی شدتوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنا، یہ صبر کی سخت ترین صورت ہے۔ اس لیے علیحدہ بیان فرمایا۔ ﴿رَابِطُوْا﴾، میدان جنگ یا محاذ جنگ میں مورچہ بند ہو کر ہمہ وقت چوکنا اور جہاد کے لیے تیار رہنا مُرَابَطَه ہے۔ یہ بھی بڑے عزم و حوصلہ کا کام ہے۔ اسی لیے حدیث میں اس کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے: «رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا» (صحيح البخاري، حديث: 2892) ''اللہ کے راستے (جہاد) میں اسلامی سرحد کا پہرہ دینا، مورچہ بند ہونا) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' علاوہ ازیں حدیث میں مکارہ (ناگواری کے حالات میں) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو بھی رباط کہا گیا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 41-(251))

﴿نِسَآءً﴾ کے معنی ہیں ''عورتیں'' اس سورت میں عورتوں کے بہت سے اہم مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس لیے اسے سورۂ نساء کہا جاتا ہے۔

② ''ایک جان'' سے مراد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں مِنْهَا سے وہی ''جان'' یعنی آدم مراد ہیں، یعنی آدم سے ان کی زوج (بیوی) حضرت حواء کو پیدا کیا۔ حضرت حواء حضرت آدم علیہ السلام سے کس طرح پیدا ہوئیں؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول مروی ہے کہ حضرت حواء، مرد (آدم) سے پیدا ہوئیں، یعنی ان کی بائیں پسلی سے۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے: «إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ......» (صحيح البخاري، حديث: 3331، وصحيح مسلم، حديث: 60-(715) بعد الحديث: 1466) ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ، اس کا بالائی حصہ ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کجی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔'' علماء مفسرین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول رائے کی تائید کی ہے۔ قرآن کے الفاظ ﴿خَلَقَ مِنْهَا﴾ سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق اسی نفس واحدہ سے ہوئی ہے جسے آدم کہا جاتا ہے، تاہم بعض لوگ ''پسلی سے پیدا کی گئی'' کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ یہ عورت کی طبیعت اور فطرت کے اندر جو کجی ہے، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر یہ تاویل قرینے اور دلیل سے خالی ہے۔ واللّٰه أعلم بالصواب.

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا

بچو،[1] بے شک اللہ تم پرنگہبان ہے① اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھا جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے②[2] اگر تمھیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمھیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار سے لیکن اگر تمھیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمھاری ملکیت کی لونڈی،[3] یہ زیادہ قریب ہے، (ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ③[4] اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں، اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے

﴿ وَالْاَرْحَامَ ﴾ کا عطف اللہ پر ہے، یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو۔ ارحام، رحم کی جمع ہے۔ مراد رشتے یاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔

② یتیم جب بالغ اور باشعور ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ ﴿ الْخَبِيْثَ ﴾ سے گھٹیا چیزیں اور ﴿ بِالطَّيِّبِ ﴾ سے عمدہ چیزیں مراد ہیں، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لیے گھٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔ ان گھٹیا چیزوں کو خبیث (ناپاک) اور عمدہ چیزوں کو طیب (پاک) سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس طرح بدلایا گیا مال، جو اگرچہ اصل میں تو طیب (پاک اور حلال) ہے لیکن تمھاری اس بددیانتی نے اس میں خباثت داخل کر دی اور وہ اب طیب نہیں رہا، بلکہ تمھارے حق میں وہ خبیث (ناپاک اور حرام) ہو گیا۔ اسی طرح بددیانتی سے ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھانا بھی ممنوع ہے ورنہ اگر مقصد خیر خواہی ہو تو ان کے مال کو اپنے مال میں ملانا جائز ہے۔

③ اس کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کے زیر پرورش ہوتی تو وہ اس کے مال اور حسن و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا لیکن اس کو دوسری عورتوں کی طرح ان کا پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا کہ اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو، تمھارے لیے دوسری عورتوں سے نکاح کرنے کا راستہ کھلا ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4574) بلکہ ایک کی بجائے دو سے، تین سے حتیٰ کہ چار عورتوں سے تم نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو۔ ورنہ ایک سے ہی نکاح کرو یا اس کی بجائے لونڈی پر گزارا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان مرد (اگر وہ ضرورت مند ہے) تو چار عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی مزید صراحت اور تحدید کر دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو چار سے زائد شادیاں کیں وہ آپ کے خصائص میں سے ہے جس پر کسی امتی کے لیے عمل کرنا جائز نہیں۔ (ابن کثیر)

④ یعنی ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں انصاف کا اہتمام بہت

مَّرِيْٓـًٔا ④ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ

شوق سے (خوش ہوکر) کھاؤ پیو④ بے عقل لوگوں کو اپنا مال نہ دے دو جس مال کو اللہ نے تمھاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے، ہاں، انھیں اس مال سے کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ اوڑھاؤ اور انھیں معقولیت سے نرم بات کہو⑤ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہو، پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انھیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو، مال داروں کو چاہیے کہ (ان کے مال سے) بچتے رہیں، ہاں، جو مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھا لے، پھر جب انھیں ان کے مال سونپو تو گواہ بنا لو، دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے⑥ [1] ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں اس سے مردوں کے لیے حصہ ہے (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی اس مال سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں،

مشکل ہے جس کی طرف قلبی میلان زیادہ ہوگا، ضروریات زندگی کی فراہمی میں زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف ہوگی۔ یوں بیویوں کے درمیان وہ انصاف کرنے میں ناکام رہے گا اور اللہ کے ہاں مجرم قرار پائے گا۔ قرآن نے اس حقیقت کو دوسرے مقام پر نہایت بلیغانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا: ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ (النسآء 129:4) ''اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہ رکھو گے کہ بیویوں کے درمیان انصاف کر سکو اگرچہ تم حرص رکھو۔ (اس لیے یہ تو ضرور کرو) کہ ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیویوں کو بیچ ادھڑ میں لٹکا رکھو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ پتہ ہو کہ دوسری شادی کی صورت میں ایک ہی بیوی کی طرف مائل ہو جائے گا اور دوسری کو کالمعلقة ''لٹکائی ہوئی'' چھوڑ دے گا تو اس کے لیے ایک سے زائد شادیاں کرنا ناجائز اور نہایت خطرناک ہے۔

① یتیموں کے مال کے بارے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یتیم کا مال تمھارے پاس رہا، تم نے اس کی کس طرح حفاظت کی اور جب مال ان کے سپرد کیا تو اس میں کوئی کمی بیشی یا کسی قسم کی تبدیلی کی یا نہیں؟ عام لوگوں کو تو تمھاری امانت داری یا خیانت کا شاید پتہ نہ چلے۔ لیکن اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ یقیناً جب تم اس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو تم سے حساب لے گا۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ابوذر! میں تمھیں ضعیف دیکھتا ہوں اور تمھارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں، جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا نہ کسی یتیم کے مال کا والی اور سرپرست۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 17-(1826))

مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ⑦ وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَ قُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ⑧ وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ⑩ يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ

ع 1 10/12

خواہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں ہر ایک کا) حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے ⑦ [1] اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انھیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ⑧ [2] اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (ننھے ننھے) ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس اللہ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں ⑨ [3] جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے ⑩ اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ

---

① اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انھیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے (جیسا کہ 3 آیات کے بعد مذکور ہے) یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

② اسے بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں، اسی طرح دیگر یتیم اور مسکین لوگ اگر تقسیم کے وقت آ جائیں تو انھیں بھی کچھ دے دو۔ نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔ دولت کو آتے ہوئے دیکھ کر قارون و فرعون نہ بنو۔

③ بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، قطع نظر اس کے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کر سکے نہ حقوق بنی آدم میں اور وہ وصیت میں ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ خوب صاحب حیثیت ہے تو اپنے مال کو ایسے لوگوں کے حق میں ضرور وصیت کرے جو اس کے قریبی غیر وارث رشتہ داروں

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ

دولڑکیوں کے برابر ہے،[1] اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔[2] اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو،[3] اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے،[4] ہاں، اگر میت کے کئی

میں غریب اور مستحق امداد ہیں یا پھر کسی دینی مقصد اور ادارے پر خرچ کرنے کی وصیت کرے تاکہ یہ مال اس کے لیے زاد آخرت بن جائے لیکن یہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہ صاحب حیثیت نہیں ہے تو اسے تہائی مال میں وصیت کرنے سے روکا جائے تاکہ اس کے اہل خانہ بعد میں مفلسی اور احتیاج سے دوچار نہ ہوں۔ اسی طرح کوئی اپنے ورثاء کو محروم کرنا چاہے تو اس سے اس کو منع کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اگر ان کے بعد ان کے بچے فقر و فاقہ سے دوچار ہو جائیں تو اس کے تصور سے ان پر کیا گزرے گی۔ اس تفصیل سے مذکورہ سارے ہی مخاطبین اس کا مصداق ہیں۔ (تفسير القرطبي و فتح القدير)

① اس کی حکمت اور اس کا مبنی بر عدل و انصاف ہونا ہم واضح کر آئے ہیں۔ ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں تو پھر اس اصول کے مطابق تقسیم ہوگی۔ لڑکے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی سب وارث ہوں گی۔ حتی کہ جنین (ماں کے پیٹ میں زیر پرورش بچہ) بھی وارث ہوگا۔ البتہ کافر اولاد وارث نہ ہوگی۔

② یعنی بیٹا کوئی نہ ہو تو مال کا دو تہائی (کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے) دو سے زائد لڑکیوں کو دیے جائیں گے اور اگر صرف دو ہی لڑکیاں ہوں، تب بھی انھیں دو تہائی حصہ ہی دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ مگر سعد رضی اللہ عنہ کے سارے مال پر ان کے ایک بھائی نے قبضہ کر لیا تو نبی ﷺ نے ان دونوں لڑکیوں کو ان کے چچا سے اپنے باپ کے ترکہ میں سے دو ثلث مال دلوایا۔ (جامع الترمذي، حديث: 2092، وسنن أبي داود، حديث: 2891، وسنن ابن ماجه، حديث: 2720) علاوہ ازیں سورۂ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لیے بھی دو تہائی حصہ ہے، لہٰذا جب دو بہنیں دو تہائی مال کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی مال کی وارث ہوں گی۔ جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انھیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے (فتح القدير) خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو دونوں صورتوں میں مال متروکہ سے دو تہائی بیٹیوں کا حصہ ہوگا۔ باقی مال عصبہ میں تقسیم ہوگا۔

③ ماں باپ کے حصے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ پہلی صورت ہے کہ مرنے والے کی اگر اولاد بھی ہو تو مرنے والے کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اس میں سے چونکہ صرف نصف مال (چھ حصوں میں سے 3 حصے) بیٹی کے ہوں گے اور ایک سدس (چھٹا حصہ) ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد مزید ایک سدس باقی بچ جائے گا اس لیے بچنے والا یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائے گا، یعنی اس صورت میں باپ کو دو سدس ملیں گے، ایک ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے دوسرا عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

④ یہ دوسری صورت ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہیں ہے (یاد رہے کہ پوتا پوتی بھی اولاد میں اجماعاً شامل ہیں) اس صورت میں ماں

بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱﴾ وَلَـكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَآ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ

بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ [1] یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمھارے باپ ہوں یا تمھارے بیٹے تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے، [2] یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے ﴿۱۱﴾ تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھا تمھارا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمھارے لیے چوتھائی ہے۔ [3] اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے، اگر تمھاری اولاد نہ ہو اور اگر تمھاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمھارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا، [4] اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور

کے لیے تیسرا حصہ ہے اور باقی دو حصے (جو ماں کے حصے سے دوگنا ہیں) باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو راجح قول کے مطابق بیوی یا شوہر کا حصہ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) نکال کر باقی ماندہ مال میں سے ماں کے لیے ثلث (تیسرا حصہ) اور باقی باپ کے لیے ہوگا۔

[1] یہ تیسری صورت ہے کہ ماں باپ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بہن زندہ ہیں۔ وہ بھائی چاہے سگے (عینی) ہوں، یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں۔ یا باپ ایک ہو، مائیں مختلف ہوں، یعنی علاتی بھائی بہن ہوں یا ماں ایک ہو، باپ مختلف ہوں، یعنی اَخْیَافِی بھائی بہن ہوں۔ اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے۔ لیکن ماں کے لیے حجب (نقصان کا سبب) بن جائیں گے، یعنی جب ایک سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث (تیسرے حصے) کو سدس (چھٹے حصے) میں تبدیل کر دیں گے۔ باقی سارا مال (5/6) باپ کے حصہ میں چلا جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک دو بھائیوں کا بھی وہی حکم ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا مذکور ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک بھائی یا بہن ہو تو اس صورت میں مال میں ماں کا حصہ ثلث برقرار رہے گا۔ وہ سدس میں تبدیل نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

[2] اس لیے تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جس کا جتنا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، وہ ان کو دو۔

[3] صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد، یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہیں، اس پر امت کے علماء کا اجماع ہے (فتح القدیر وابن کثیر) اسی طرح مرنے والے شوہر کی اولاد، خواہ اس کی وارث ہونے والی موجودہ بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح مرنے والی عورت کی اولاد اس کے وارث ہونے والے موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کے کسی خاوند سے۔

[4] بیوی اگر ایک ہوگی تب بھی اسے چوتھایا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں گی تب بھی یہی حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا، ہر ایک کو الگ الگ چوتھائی یا آٹھواں حصہ نہیں ملے گا، یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے۔ (فتح القدیر)

تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ⑫ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ

قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو، یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو،[1] اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن[2] ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں،[3] اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد[4] جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو،[5] یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ دانا ہے بردبار ⑫ یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری

---

①[1] (کلالہ) سے مراد وہ میت ہے جس کا باپ ہو نہ اولاد۔ یہ اکلیل سے مشتق ہے۔ اکلیل تاج کو کہتے ہیں جو کہ سر کو اس کے اطراف (کناروں) سے گھیرتا ہے۔ کلالہ کو بھی کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ اصول وفروع کے اعتبار سے تو اس کا وارث نہ بنے لیکن اطراف و جوانب سے وارث قرار پا جائے۔ (فتح القدیر و ابن کثیر) اور کہا جاتا ہے کہ کلالہ کلل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھک جانا۔ گویا اس شخص تک پہنچتے پہنچتے سلسلۂ نسل ونسب تھک گیا اور آگے نہ چل سکا۔

② اس سے مراد اخیافی بہن بھائی ہیں جن کی ماں ایک ہو باپ الگ الگ کیونکہ عینی بھائی بہن یا علاتی بہن بھائی کا حصہ میراث اس طرح نہیں ہے اور اس کا بیان اسی سورت کے اخیر میں آ رہا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجماعی ہے (فتح القدیر) دراصل نسل کے لیے مرد وزن میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾ کا قانون چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے لیے اس جگہ اور بہن بھائیوں کے لیے آخری آیت نساء میں ہر دو جگہ یہی قانون ہے، البتہ صرف ماں کی اولاد میں چونکہ نسل کا حصہ نہیں ہوتا اس لیے وہاں ہر ایک کو برابر کا حصہ دیا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بھائی یا ایک بہن کی صورت میں ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

③ ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ نیز ان میں مذکر اور مؤنث کے اعتبار سے بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ بلاتفریق سب کو مساوی حصہ ملے گا، مرد ہو یا عورت۔

ملحوظہ: ماں زاد، یعنی اخیافی بھائی بعض احکام میں دوسرے وارثوں سے مختلف ہیں (1) یہ صرف اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں۔ (2) ان کے مرد اور عورت، حصے میں مساوی ہوں گے۔ (3) یہ اس وقت وارث ہوں گے جبکہ میت کلالہ ہو، پس باپ دادا بیٹا اور پوتے وغیرہ کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (4) ان کے مرد وعورت کتنے بھی زیادہ ہوں، ان کا حصہ ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ نہیں ہوگا اور جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ ان کو اپنے مرنے والے اخیافی بھائی سے جو مال ملے گا اس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہوگا، یہ نہیں کہ مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ یقیناً اسی صورت میں ہی کیا ہوگا جب ان کے پاس نبی ﷺ کی کوئی حدیث ہوگی۔ (ابن کثیر)

④ میراث کے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تیسری مرتبہ کہا جا رہا ہے کہ ورثے کی تقسیم وصیت پر عمل کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں پر عمل کرنا کتنا ضروری ہے۔ پھر اس پر بھی اتفاق ہے کہ سب سے پہلے قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی اور وصیت پر عمل اس کے بعد کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے تینوں جگہ وصیت کا ذکر دَین (قرض)

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؑ ⑭ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ

ع 2/4 13

کرے گا اسے اللہ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ⑬ اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے، اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب ہے ⑭ تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے،[1] یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالے ⑮[2] تم میں سے جو افراد ایسا کام کرلیں[3] انھیں ایذا

سے پہلے کیا، حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے دَین کا ذکر پہلے ہونا چاہیے تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کو تو لوگ اہمیت دیتے ہیں، نہ بھی دیں تو لینے والے زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ لیکن وصیت پر عمل کرنے کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے اور اکثر لوگ اس معاملے میں تساہل یا تغافل سے کام لیتے ہیں۔ اس لیے وصیت کا پہلے ذکر فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ (روح المعاني)
ملحوظہ: اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی دین (قرض) میں شمار ہوگا اور اس کی ادائیگی بھی وراثت کی تقسیم سے پہلے ضروری ہے۔ نیز عورت کا حصہ شرعی اس مہر کے علاوہ ہوگا۔

⑤ بایں طور کہ وصیت کے ذریعے سے کسی وارث کو محروم کر دیا جائے یا کسی کا حصہ گھٹا بڑھا دیا جائے یا یوں ہی وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کہہ دے کہ فلاں شخص سے میں نے اتنا قرض لیا ہوا ہے، درآں حالیکہ کچھ بھی نہ لیا ہو۔ گویا اضرار کا تعلق وصیت اور دَین دونوں سے ہے اور دونوں کے ذریعے سے نقصان پہنچانا ممنوع اور کبیرہ گناہ ہے۔ نیز ایسی وصیت بھی باطل ہوگی۔

① یہ بدکار عورتوں کی بدکاری کی وہ سزا ہے جو ابتدائے اسلام میں، جبکہ زنا کی سزا متعین نہیں ہوئی تھی، عارضی طور پر مقرر کی گئی تھی۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں تین سے دس تک کی گنتی میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ معدود مذکر ہوگا تو عدد مؤنث اور معدود مؤنث ہوگا تو عدد مذکر۔ یہاں اربعة (معدود 4 کا عدد) مؤنث ہے، اس لیے اس کا معدود جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا اور محذوف ہے، یقیناً مذکر آئے گا اور وہ ہے رجال، یعنی اَرْبَعَةُ رِجَالٍ جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اثبات زنا کے لیے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ گویا جس طرح زنا کی سزا سخت مقرر کی گئی ہے، اس کے اثبات کے لیے گواہوں کی کڑی شرط عائد کر دی گئی ہے، یعنی چار مسلمان مرد عینی گواہ، اس کے بغیر شرعی سزا کا اثبات ممکن نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عورتوں کے امتیازی مسائل، مسئلہ شہادتِ نسواں عقل ونقل کی روشنی میں)

② اس راستے سے مراد زنا کی وہ سزا ہے جو بعد میں مقرر کی گئی، یعنی شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ زنا کار مرد و عورت کے لیے سو سو کوڑوں کی سزا، جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 12-(1690))

③ بعض نے اس سے اغلام بازی مراد لی ہے، یعنی عمل لواطت۔ دو مردوں کا ہی آپس میں بدفعلی کرنا اور بعض نے اس سے باکرہ مرد و

فَإِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿16﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿17﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿18﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى

دو،[1] اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ﴿16﴾ اللہ صرف انھی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے، اللہ بڑے علم والا حکمت والا ہے ﴿17﴾ ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی،[2] ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر ہی پر مر جائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿18﴾ ایمان والو! تمھیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو،[3] انھیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے کچھ لے لو،[4] ہاں، یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی

عورت مراد لیے ہیں اور اس سے قبل کی آیت کو انھوں نے محصنات، یعنی شادی شدہ کے ساتھ خاص کیا ہے اور بعض نے اس تثنیہ کے صیغے سے مرد اور عورت مراد لیے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باکرہ ہوں یا شادی شدہ۔ ابن جریر طبری نے دوسرے مفہوم، یعنی باکرہ (مرد و عورت) کو ترجیح دی ہے۔ اور پہلی آیت میں بیان کردہ سزا کو نبی ﷺ کی بتلائی ہوئی سزا ''سزائے رجم'' سے اور اس آیت میں بیان کردہ سزا کو سورۂ نور میں بیان کردہ ''سو کوڑوں کی سزا'' سے منسوخ قرار دیا ہے۔ (تفسیر الطبري)

① یعنی زبان سے زجر و توبیخ اور ملامت یا ہاتھ سے کچھ زدوکوب کر لینا۔ اب یہ منسوخ ہے، جیسا کہ گزرا۔

② اس سے واضح ہے کہ موت کے وقت (حالت نزع میں) کی گئی توبہ غیر مقبول ہے، جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے۔ اس کی ضروری تفصیل آل عمران کی آیت: 90 میں گزر چکی ہے۔

③ اسلام سے قبل عورت پر ایک یہ ظلم بھی ہوتا تھا کہ کسی شخص کے مر جانے پر اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کر لیتے یا اپنے بھائی، بھتیجے سے اس کا نکاح کر دیتے، حتیٰ کہ سوتیلا بیٹا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کر لیتا یا اگر چاہتے تو اسے کسی بھی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دیتے اور وہ ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرما دیا۔

④ ایک ظلم یہ بھی عورت پر کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو وہ پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا (جس طرح ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے) بلکہ اسے خوب تنگ کرتا تا کہ وہ مجبور ہو کر حق مہر یا جو کچھ خاوند نے

اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡــًٔـا وَّ يَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ⑲ وَاِنۡ اَرَدْتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡــًٔـا ‌ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ⑳ وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ㉑ وَلَا تَنۡكِحُوۡا

کریں،[1] ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو، گوتم انھیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کردے ⑲[2] اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو،[3] کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟⑳ تم اسے کیسے لے لو گے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو[4] اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہدو پیمان لے رکھا ہے ㉑[5] اور ان عورتوں سے نکاح

اسے دیا ہوتا، ازخود واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کرنے کو ترجیح دے۔ اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا ہے۔

① کھلی برائی سے مراد بدکاری یا بدزبانی اور نافرمانی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں البتہ یہ اجازت دی گئی ہے کہ خاوند اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا حق مہر واپس کر کے خلع کرانے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ خلع کی صورت میں خاوند کو حق مہر واپس لینے کا حق دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، آیت :229)

② یہ بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی ﷺ نے اس کی بڑی وضاحت اور تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں آیت کے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے: «لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَّضِيَ مِنْهَا آخَرَ» (صحیح مسلم، حدیث :61-(1467)) ''مومن مرد (شوہر) مومنہ عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہے تو اس کی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔'' مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اور نشوز وعصیان کے سوا اگر بیوی میں کچھ اور کوتاہیاں ہوں جن کی وجہ سے خاوند اسے ناپسند کرتا ہو تو اسے جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق نہ دے بلکہ صبر اور برداشت سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں سے اس کے لیے خیر کثیر پیدا فرما دے، یعنی نیک اولاد دے دے یا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار میں برکت ڈال دے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس ہے کہ مسلمان قرآن وحدیث کی ان ہدایات کے برعکس ذرا ذرا سی باتوں کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق دے ڈالتے ہیں اور اس طرح اسلام کے عطا کردہ حق طلاق کو نہایت ظالمانہ طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حق تو انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کے لیے دیا گیا تھا، نہ کہ گھر اجاڑنے، عورتوں پر ظلم کرنے اور بچوں کی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ علاوہ ازیں اس طرح یہ اسلام کی بدنامی کا بھی باعث بنتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دے کر اسے ظلم کرنے کا اختیار دے دیا۔ یوں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی کو خرابی اور ظلم باور کرایا جاتا ہے۔

③ خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ ﴿قِنۡطَارًا﴾ خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں، یعنی کتنا بھی حق مہر دیا ہو واپس نہیں لے سکتے۔ اگر ایسا کرو گے تو یہ ظلم (بہتان) اور گناہ ہوگا۔

④ ''ایک دوسرے سے مل چکے ہو'' کا مطلب ہم بستری ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے کنایۃً بیان فرمایا ہے۔

⑤ ''مضبوط عہد و پیمان'' سے وہ عہد مراد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم ''اسے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان

مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿22﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿23﴾ ۙ

نہ کرو جن سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہے [1] مگر جو گزر چکا ہے، یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے ﴿22﴾ حرام کی گئیں [2] تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری لڑکیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری ساس اور تمھاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمھاری گود میں ہیں، تمھاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں، اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کا جمع کرنا، ہاں، جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿23﴾

کے ساتھ چھوڑ دینا۔"

[1] زمانۂ جاہلیت میں سوتیلے بیٹے اپنے باپ کی بیوی سے (سوتیلی ماں سے) نکاح کر لیتے تھے، اس سے روکا جا رہا ہے کہ یہ بہت ہی بے حیائی کا کام ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ کا عموم ایسی عورت سے بھی نکاح کو ممنوع قرار دیتا ہے جس سے اس کے باپ نے نکاح کیا لیکن دخول سے قبل ہی طلاق دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات مروی ہے۔ اور علماء اسی کے قائل ہیں۔ (تفسير الطبري)

[2] جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ ان میں سات محرمات نسبی، سات رضاعی اور چار سسرالی ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث رسول سے ثابت ہے کہ بھتیجی اور پھوپھی اور بھانجی اور خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ سات نسبی محرمات میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں اور سات رضاعی محرمات میں رضاعی مائیں، رضاعی بیٹیاں، رضاعی بہنیں، رضاعی پھوپھیاں، رضاعی خالائیں رضاعی بھتیجیاں اور رضاعی بھانجیاں ہیں اور سسرالی محرمات میں ساس، ربائب (مدخولہ بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیاں) بہو اور دو سگی بہنوں کا جمع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ باپ کی منکوحہ (جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے) اور حدیث کے مطابق بیوی جب تک عقد نکاح میں ہے، اس کی پھوپھی اور اس کی خالہ اور اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔

محرمات نسبیہ کی تفصیل: أُمَّهَات (مائیں) میں ماؤں کی مائیں (نانیاں) ان کی دادیاں اور باپ کی مائیں (دادیاں، پردادیاں اور ان

12

سے آگے تک) شامل ہیں۔ بَنَات (بیٹیاں) میں پوتیاں، نواسیاں اور پوتیوں، نواسیوں کی بیٹیاں (نیچے تک) شامل ہیں۔ زنا کے نتیجے میں زانی کے نطفے سے پیدا ہونے والی لڑکی، اس کی بیٹی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ائمۂ ثلاثہ اسے بیٹی میں شامل کرتے ہیں اور اس سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں اور یہی حق ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ بنت شرعی نہیں ہے۔ پس جس طرح وہ ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد میں مال متروکہ تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' میں داخل نہیں اور بالا جماع وہ وارث نہیں۔ اسی طرح وہ اس آیت میں بھی داخل نہیں۔ واللّٰه أعلم (ابن کثیر) أَخَوَات (بہنیں) عینی ہوں یا اخیافی وعلاتی۔ عَمَّات (پھوپھیاں) اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول (نانا، دادا) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ خَالَات (خالائیں) اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول (نانی، دادی) کی تینوں قسموں کی بہنیں شامل ہیں۔ بھتیجیاں، اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ اور بلاواسطہ (یا صلبی وفرعی) شامل ہیں۔ بھانجیاں، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلاواسطہ (یا صلبی وفرعی) شامل ہیں۔

قسم دوم، محرمات رضاعیہ: رضاعی ماں، جس کا دودھ تم نے مدت رضاعت (دو سال) کے اندر پیا ہو۔ رضاعی بہن، وہ عورت جس کو تمھاری حقیقی یا رضاعی ماں نے دودھ پلایا، تمھارے ساتھ پلایا یا تم سے پہلے یا بعد تمھارے اور بہن بھائیوں کے ساتھ پلایا۔ یا جس عورت کی حقیقی یا رضاعی ماں نے تمھیں دودھ پلایا، چاہے مختلف اوقات میں پلایا ہو۔ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہو جائیں گے جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رضاعی ماں بننے والی عورت کی نسبی و رضاعی اولاد دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی، اس عورت کا شوہر اس کا باپ اور اس مرد کی بہنیں، اس کی پھوپھیاں، اس عورت کی بہنیں، خالائیں اور اس عورت کے جیٹھ، دیور، اس کے رضاعی چچا، تایا بن جائیں گے اور اس دودھ پینے والے بچے کے نسبی بہن بھائی وغیرہ اس گھرانے پر رضاعت کی بنا پر حرام نہ ہوں گے۔

قسم سوم، سسرالی محرمات: بیوی کی ماں، یعنی ساس (اس میں بیوی کی نانی دادی بھی داخل ہے) اگر کسی عورت سے نکاح کر کے بغیر ہم بستری کے ہی طلاق دے دی ہو، تب بھی اس کی ماں (ساس) سے نکاح حرام ہو گا۔ البتہ کسی عورت سے نکاح کر کے اسے بغیر مباشرت کے طلاق دے دی ہو تو اس کی لڑکی سے اس کا نکاح جائز ہو گا۔ (فتح القدیر)

ربیبہ: بیوی کے پہلے خاوند سے لڑکی۔ اس کی حرمت مشروط ہے، یعنی اس کی ماں سے اگر مباشرت کر لی گئی ہو گی تو ربیبہ سے نکاح حرام، بصورت دیگر حلال ہو گا۔ ﴿ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ﴾ ''وہ ربیبہ جو تمھاری گود میں پرورش پائیں۔'' یہ قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، بطور شرط کے نہیں ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بھی زیر پرورش یا مقیم ہو گی۔ تب بھی اس سے نکاح حرام ہو گا۔ حلائل یہ حليلة کی جمع ہے یہ حل يحل (اترنا) سے فعيلة کے وزن پر بمعنی فاعلة ہے۔ بیوی کو حلیلہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا محل (جائے قیام) خاوند کے ساتھ ہی ہوتا ہے، یعنی جہاں خاوند اترتا یا قیام کرتا ہے یہ بھی وہیں اترتی یا قیام کرتی ہے۔ بیٹوں میں پوتے نواسے بھی داخل ہیں، یعنی ان کی بیویوں سے بھی نکاح حرام ہو گا۔ اسی طرح رضاعی اولاد کے جوڑے بھی حرام ہوں گے۔ ﴿ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ ''تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں۔'' کی قید سے یہ واضح ہو گیا کہ لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام نہیں ہے۔ دو بہنیں (رضاعی ہوں یا نسبی) ان سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ البتہ ایک کی وفات کے بعد یا طلاق کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے۔ اسی طرح چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے سے پانچویں نکاح کی اجازت نہیں جب تک طلاق یافتہ عورت عدت سے فارغ نہ ہو جائے۔

ملحوظہ: زنا سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس بدکاری کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اسی طرح اگر اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے یا اس کی بیٹی سے (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کرلے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی (دلائل کے لیے (فتح القدير) احناف اور دیگر بعض علماء کی رائے میں زنا کاری سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

امام شوکانی اور صاحب ''فقه السنة'' نے جمہور کی رائے کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ قرآن میں ایک تو یہ کہا گیا کہ ''تمھاری بیویوں کی مائیں حرام ہیں۔'' اور انسان جس عورت سے بدکاری کرتا ہے تو وہ اس کی بیوی نہیں بن جاتی ہے کہ اس کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے۔ ثانیاً محرمات کے ذکر کے بعد کہا گیا ہے: ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ ''ان کے علاوہ سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔'' قرآن کے اس عموم نے محرمات کے علاوہ سب سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور اللہ نے زنا کو اسباب تحریم میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث میں بھی اس کا بیان نہیں ہے۔ حدیث «لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ»(سنن ابن ماجه، حديث: 2015) ''حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے صرف اسے مدار استدلال نہیں بنایا جا سکتا، تاہم مذکورہ دلائل کی تائید میں اسے پیش کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کے ہم معنی ایک اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے: «إِنَّ وَطْءَ الْحَرَامِ لَا يُحَرِّمُ»(إرواء الغليل: 287/6) چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں: ''زنا، کسی حلال کو حرام نہیں کرے گا، اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے بدکاری کی تو اس عورت کے ساتھ اس کا یا اس کے بیٹے کا نکاح کرنا حرام نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اپنی ساس کے ساتھ یا بیوی کی بیٹی کے ساتھ (جو دوسرے خاوند سے ہو) زنا کرلے، تو وہ بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، اسی طرح سالی کے ساتھ بدکاری کرنے سے بیوی حرام ہوگی نہ اس طرح وہ دونوں بہنوں کو (ایک نکاح میں) جمع کرنے والا ہوگا۔ (كتاب الأم: 98/6)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمھاری ملکیت میں آ جائیں، [1] اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے، [2] اس لیے جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انھیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے

---

① قرآن کریم میں اِحْصَان چار معنوں میں مستعمل ہوا ہے: ① شادی شدہ ہونا ② آزادی ③ پاک دامنی ④ اور اسلام۔ اس اعتبار سے مُحْصَنَاتٌ کے چار مطلب ہیں: ① منکوحہ عورتیں ② آزاد عورتیں ③ پاک دامن عورتیں اور ④ مسلمان عورتیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب بعض جنگوں میں کافروں کی عورتیں بھی مسلمانوں کی قید میں آ کر لونڈیاں بنا دی گئیں تو مسلمانوں نے ان سے ہم بستری کرنے میں کراہت محسوس کی کیونکہ وہ شوہر والیاں تھیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے پوچھا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1456) جس سے یہ معلوم ہوا کہ جنگ میں حاصل ہونے والی کافر عورتیں، جب مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں تو شوہر والیاں ہونے کے باوجود ان سے مباشرت کرنا جائز ہے، البتہ استبرائے رحم ضروری ہے، یعنی ایک حیض آنے کے بعد یا حاملہ ہیں تو وضع حمل کے بعد ان سے جنسی تعلق قائم کیا جائے۔

لونڈی کا مسئلہ: نزول قرآن کے وقت غلام اور لونڈیوں کا سلسلہ عام تھا جسے قرآن نے بند نہیں کیا، البتہ ان کے بارے میں ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جس سے غلاموں اور لونڈیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں۔ اس کے دو ذریعے تھے۔ ایک تو بعض خاندان صدیوں سے ایسے قدیم روایتی جنگوں کے نتیجے میں غلام ہی چلے آ رہے تھے کہ ان کی نسلوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ان کے مرد اور عورت فروخت کر دیے جاتے تھے۔ یہی خریدے ہوئے مرد و عورت غلام اور لونڈی کہلاتے تھے۔ مالک کو ان سے ہر طرح کے استمتاع (فائدہ اٹھانے) کا حق حاصل ہوتا تھا۔ دوسرا ذریعہ اسلامی جنگوں میں قیدیوں والا تھا کہ کافروں کی قیدی عورتوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ ان کی لونڈیاں بن کر ان کے پاس رہتی تھیں۔ اس دور میں قیدیوں کے لیے کوئی بین الاقوامی قانون تو تھا نہیں، اس لیے یہ اس دور کے اعتبار سے قیدیوں کے لیے بہترین حل تھا۔ کیونکہ اگر انھیں معاشرے میں یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو معاشرے میں ان کے ذریعے سے فساد پیدا ہوتا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب اَلرِّقُّ فِي الْإِسْلَامِ ''اسلام میں غلامی کی حقیقت'' از مولانا سعید احمد اکبر آبادی) بہر حال مسلمان شادی شدہ عورتیں تو ویسے حرام ہیں، تاہم کافر عورتیں بھی حرام ہی ہیں الا یہ کہ وہ مسلمانوں کی ملکیت میں آ جائیں۔ اس صورت میں استبرائے رحم کے بعد وہ ان کے لیے حلال ہیں۔

② یعنی مذکورہ محرمات قرآنی اور حدیثی کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ چار چیزیں اس میں ہوں۔ اول یہ کہ طلب کرو ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا﴾ یعنی دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہو۔ دوسری یہ کہ مال، یعنی مہر ادا کرنا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان کو شادی کی قید (دائمی قبضے) میں لانا مقصود ہو، صرف شہوت رانی غرض نہ ہو (جیسے زنا میں یا اس متعہ میں ہوتا ہے جو شیعوں میں رائج ہے، یعنی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے چند روز یا چند گھنٹوں کا نکاح۔) چوتھی یہ کہ چھپی یاری دوستی نہ ہو بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔ یہ چاروں شرطیں اس آیت سے مستفاد ہیں۔ اس سے جہاں شیعوں کے متعہ کا بطلان ہوتا ہے وہیں مروجہ حلالہ کا بھی ناجائز ہونا

فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ع 4/3/1 يُرِيْدُ اللّٰهُ

دو [1] اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضا مندی سے جو طے کرلو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، [2] بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے ﴿24﴾ اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کرلے) اللہ تمھارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، اس لیے ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو [3] اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر ان کو دو، وہ پاک دامن ہوں نہ کہ اعلانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں، پس جب یہ لونڈیاں نکاح میں آجائیں، پھر اگر وہ بے حیائی کا کام کریں تو انھیں آدھی سزا ہے اس سزا سے جو آزاد عورتوں کی ہے۔ [4] کنیزوں سے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جنھیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمھارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے ﴿25﴾ [5] اللہ چاہتا ہے

ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بھی عورت کو نکاح کی دائمی قید میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ عرفاً یہ صرف ایک رات یا چند راتوں کے لیے مقرر اور معہود ذہنی ہے۔

① یہ اس امر کی تاکید ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح شرعی کے ذریعے سے استمتاع اور تلذذ کرو، انھیں ان کا مقرر کردہ مہر ضرور ادا کرو۔

② اس میں آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

ملحوظہ: ''استمتاع'' کے لفظ سے شیعہ حضرات نکاح متعہ کا اثبات کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد نکاح کے بعد صحبت و مباشرت کا استمتاع ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ البتہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے اور اس کا جواز اس آیت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ اس رواج کی بنیاد پر تھا جو اسلام سے قبل چلا آرہا تھا۔ لیکن پھر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کردیا گیا۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مالک ہی لونڈیوں کا ولی ہے، لونڈی کا کسی جگہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح غلام بھی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کسی جگہ نکاح نہیں کرسکتا۔

④ یعنی شوہر والی لونڈیوں کو سو (100) کی بجائے نصف، یعنی پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ گویا ان کے لیے سزائے رجم نہیں ہے کیونکہ وہ نصف نہیں ہوسکتی اور غیر شادی شدہ لونڈی کو تعزیری سزا ہوگی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

⑤ یعنی لونڈیوں سے شادی کی اجازت ایسے لوگوں کے لیے ہے جو شہوانی جذبات پر کنٹرول رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور بدکاری میں

لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿27﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿29﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کہ تمھارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمھیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر رجوع کرے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ﴿26﴾ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمھاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ ﴿27﴾ [1] اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿28﴾ [2] اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، [3] مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو [4] اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو [5] یقیناً اللہ تم پر نہایت مہربان ہے ﴿29﴾ اور جو شخص یہ (نافرمانیاں) سرکشی اور ظلم سے کرے گا [6] تو عنقریب ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ اللہ پر

مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اگر ایسا اندیشہ نہ ہو۔ تو اس وقت تک صبر کرنا بہتر ہے جب تک کسی آزاد عورت سے شادی کے قابل نہ ہو جائے۔

① ﴿ اَنْ تَمِيْلُوْا ﴾ یعنی حق سے باطل کی طرف جھک جاؤ۔

② اس کمزوری کی وجہ سے اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ممکن آسانیاں فراہم کی ہیں۔ انھیں میں سے لونڈیوں سے شادی کی اجازت ہے۔ بعض نے اس ضعف کا تعلق عورتوں سے بتلایا ہے، یعنی عورت کے بارے میں کمزور ہے، اسی لیے عورتیں بھی باوجود نقصان عقل کے اس کو آسانی سے اپنے دام میں پھنسا لیتی ہیں۔

③ ﴿ بِالْبَاطِلِ ﴾ میں دھوکہ، فریب، جعل سازی، ملاوٹ کے علاوہ وہ تمام کاروبار بھی شامل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے، جیسے قمار، ربا وغیرہ۔ اسی طرح ممنوع اور حرام چیزوں کا کاروبار کرنا بھی باطل میں شامل ہے، مثلاً: ناجائز فوٹو گرافی، ناجائز مقاصد کے لیے استعمال ہونے والا ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں اور غلط کیسٹیں وغیرہ۔ ان کا بنانا، بیچنا، مرمت کرنا سب ناجائز ہے۔

④ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ یہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ حرام اشیاء کا کاروبار باہمی رضامندی کے باوجود ناجائز ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں رضامندی میں خیار مجلس کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے، یعنی جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں سودا فسخ کرنے کا اختیار رہے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا» (صحيح البخاري، حديث: 2110، و صحيح مسلم، حديث: 43-(1531)) ''دونوں باہم سودا کرنے والوں کو، جب تک جدا نہ ہوں، اختیار ہے۔''

⑤ اس سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے جو کبیرہ گناہ ہے اور ارتکاب معصیت بھی جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اس لیے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

⑥ یعنی منہیات کا ارتکاب، جانتے بوجھتے، ظلم و تعدی سے کرے گا۔

يَسِيْرًا ﴿30﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿31﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ

آسان ہے ﴿30﴾ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے [1] تو ہم تمھارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے ﴿31﴾ اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، [2] یقیناً اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿32﴾ ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ کر مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیے

① کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ گناہ ہیں جن پر حد مقرر ہے، بعض کے نزدیک وہ گناہ جس پر قرآن میں یا حدیث میں سخت وعید یا لعنت آئی ہے، بعض کہتے ہیں: ہر وہ کام جس سے اللہ نے یا اس کے رسول نے بطور تحریم کے روکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی کسی گناہ میں پائی جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ احادیث میں مختلف کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جنھیں بعض علماء نے ایک کتاب میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے (الكبائر للذهبي، و الزواجر عن اقتراف الكبائر للهيثمي) وغیرہ۔ یہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو مسلمان کبیرہ گناہوں، مثلاً: شرک، حقوق والدین اور جھوٹ وغیرہ سے اجتناب کرے گا تو ہم اس کے صغیرہ گناہ معاف کر دیں گے۔ سورۂ نجم میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، البتہ وہاں کبائر کے ساتھ فواحش (بے حیائی کے کاموں) سے اجتناب کو بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صغیرہ گناہوں پر اصرار و مداومت بھی صغیرہ گناہوں کو کبائر بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اجتناب کبائر کے ساتھ احکام و فرائض اسلام کی پابندی اور اعمال صالحہ کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شریعت کے اس مزاج کو سمجھ لیا تھا، اس لیے انھوں نے صرف وعدۂ مغفرت ہی پر تکیہ نہیں کیا بلکہ مغفرت و رحمت الٰہی کے یقینی حصول کے لیے مذکورہ تمام ہی باتوں کا اہتمام کیا۔ جبکہ ہمارا دامن عمل سے تو خالی ہے لیکن ہمارے قلب امیدوں اور آرزوؤں سے معمور ہیں۔

② اس کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں۔ ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں۔ ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد: 322/6) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿33﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

ہیں[1] اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں معاہدہ کیا ہے انھیں ان کا حصہ دو،[2] حقیقتاً اللہ ہر چیز پر حاضر ہے ﴿33﴾ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں،[3] پس نیک عورتیں تو (خاوندوں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں۔ اور ان کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں، پس جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمھیں خوف ہو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور

---

① ﴿ مَوَالِیَ ﴾ مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ کے کئی معنی ہیں: دوست، آزاد کردہ غلام، چچازاد، پڑوسی وغیرہ۔ لیکن یہاں اس سے مراد ورثاء ہیں۔ یعنی ہر مرد وعورت جو کچھ چھوڑ جائیں گے، اس کے وارث ان کے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

② اس آیت کے محکم یا منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن جریر طبری وغیرہ اسے غیر منسوخ (محکم) مانتے ہیں اور ﴿ اَیْمَانُكُمْ ﴾ (معاہدہ) سے مراد وہ حلف اور معاہدہ لیتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے اسلام سے قبل دو اشخاص یا دو قبیلوں کے درمیان ہوا اور اسلام کے بعد بھی وہ چلا آ رہا تھا۔ ﴿ نَصِیْبَهُمْ ﴾ (حصہ) سے مراد اسی حلف اور معاہدے کی پابندی کے مطابق تعاون و تناصر کا حصہ ہے اور ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ کیونکہ ﴿ اَیْمَانُكُمْ ﴾ سے ان کے نزدیک وہ معاہدہ ہے جو ہجرت کے بعد ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان اخوت کی صورت میں ہوا تھا۔ اس میں ایک مہاجر، انصاری کے مال کا اس کے رشتہ داروں کی بجائے وارث ہوتا تھا لیکن یہ چونکہ ایک عارضی انتظام تھا، اس لیے پھر ﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ (الأنفال 75:8) ”رشتے دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ نازل فرما کر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ﴿ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ﴾ سے مراد دوستی ومحبت اور ایک دوسرے کی مدد ہے اور بطور وصیت کچھ دے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ موالات عقد، موالات حلف یا موالات اخوت میں اب وراثت کا تصور نہیں ہوگا۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس سے مراد ایسے دو شخصوں کو لیا جن میں سے کم از کم ایک لاوارث ہے۔ اور ایک دوسرے شخص سے یہ طے کرتا ہے کہ میں تمھارا مولیٰ ہوں۔ اگر کوئی جنایت (جرم) کروں تو میری مدد کرنا اور اگر مارا جاؤں تو میری دیت لے لینا۔ اس لاوارث کی وفات کے بعد اس کا مال مذکورہ شخص لے گا۔ بشرطیکہ واقعتاً اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ بعض دوسرے اہل علم نے اس آیت کا ایک اور معنی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ﴿ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ ﴾ سے مراد بیوی اور شوہر ہیں اور اس کا عطف ﴿ الْاَقْرَبُوْنَ ﴾ پر ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ”ماں باپ نے، قرابت داروں نے اور جن کو تمھارا عہد وپیمان آپس میں باندھ چکا ہے، یعنی شوہر یا بیوی انھوں نے جو کچھ چھوڑا اس کے حقدار، یعنی حصے دار ہم نے مقرر کر دیے ہیں، لہٰذا ان حقداروں کو ان کے حصے دے دو۔“ گویا پیچھے آیات میراث میں تفصیلاً جو حصے بیان کیے گئے تھے یہاں اجمالاً ان کی ادائیگی کی مزید تاکید کی گئی ہے۔

③ اس میں مرد کی حاکمیت وقوامیت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک وہبی ہے جو مردانہ قوت ودماغی صلاحیت ہے جس میں مرد

وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ

انھیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو،[1] بے شک اللہ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے ﴿34﴾ اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو،[2] اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرادے گا، یقیناً اللہ پورے علم والا پوری خبر والا ہے ﴿35﴾ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسائے سے اور اجنبی ہمسائے سے[3] اور

عورت سے خلقی طور پر ممتاز ہے۔ دوسری وجہ کسبی ہے، جس کا مکلّف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے جو اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری بتلائی ہیں، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نص قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً» (صحيح البخاري، حديث: 4425 و حديث: 7099) ''وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیے۔''

[1] نافرمانی کی صورت میں عورت کو سمجھانے کے لیے سب سے پہلے وعظ و نصیحت کا نمبر ہے، دوسرے نمبر پر ان سے گھر کے اندر ہی بستر کی وقتی اور عارضی علیحدگی ہے جو سمجھ دار عورت کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے۔ اس سے بھی نہ سمجھے تو مارنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو جیسا کہ جاہل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس ظلم کی اجازت کسی مرد کو نہیں دی ہے۔ اگر وہ اصلاح کر لے تو پھر راستہ تلاش نہ کرو، یعنی مار پیٹ نہ کرو، تنگ نہ کرو، یا طلاق نہ دو، گویا طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہے۔ لیکن مرد اس حق کو بھی بہت ناجائز طریقے سے استعمال کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات میں فوراً طلاق دے ڈالتے ہیں اور اپنی زندگی بھی برباد کرتے ہیں، عورت کی بھی اور بچے ہوں تو ان کی بھی۔

[2] گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو یہ چوتھا طریقہ ہے اور اس کی بابت کہا کہ حَكَمَيْن (فیصلہ کرنے والے) اگر مخلص ہوں گے تو یقیناً اس کی سعی اصلاح کامیاب ہوگی۔ تاہم ناکامی کی صورت میں حَكَمَيْن کو تفریق بین الزوجین، یعنی طلاق کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کو حاکم مجاز کے حکم یا زوجین کے توکیل بالفرقہ (جدائی کے لیے وکیل بنانا) کے ساتھ مشروط کرتے ہیں اور جمہور علماء اس کے بغیر اس اختیار کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسير الطبري، وفتح القدير، وتفسير ابن كثير)

[3] ﴿اَلْجَارِ الْجُنُبِ﴾ قرابت دار پڑوسی کے مقابلے میں ہے جس کے معنی ہیں ایسا پڑوسی جس سے قرابت داری نہ ہو۔ مطلب یہ

بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿36﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾ فَكَيْفَ

پہلو کے ساتھی سے [1] اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمھارے ہاتھ ہیں، [2] یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ﴿36﴾ [3] جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انھیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں، ہم نے ان کافروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ﴿37﴾ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو، [4] وہ بدترین ساتھی ہے ﴿38﴾ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے جو انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے، اللہ انھیں خوب جاننے والا ہے ﴿39﴾ بے شک اللہ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ﴿40﴾ پس کیا حال ہوگا

ہے کہ پڑوسی سے بہ حیثیت پڑوسی کے حسن سلوک کیا جائے، وہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار جس طرح کہ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

[1] اس سے مراد رفیق سفر، شریک کار، بیوی اور وہ شخص ہے جو فائدے کی امید پر کسی کی قربت وہم نشینی اختیار کرے۔ بلکہ اس کی تعریف میں وہ لوگ بھی آ سکتے ہیں جو تحصیل علم، تعلم صناعت (کوئی کام سیکھنے) کے لیے یا کسی کاروباری سلسلے میں آپ کے ہم پہلو بنیں۔ (فتح القدير)

[2] ایک لحاظ سے اس میں گھر، دکان اور کارخانوں، ملوں کے ملازم اور نوکر چاکر بھی آ جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی غلاموں سے ایک گونہ مشابہت رکھتے ہیں۔ احادیث میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔

[3] فخر و غرور اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔“ (صحيح مسلم ، حديث:147-(91)) یہاں کبر کی بطور خاص مذمت سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور جن جن لوگوں سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس پر عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل کبر سے خالی ہوگا۔ متکبر اور مغرور شخص صحیح معنوں میں نہ حق عبادت ادا کر سکتا ہے اور نہ اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام کر سکتا ہے۔

[4] بخل، یعنی حقوق مالیہ واجبہ ادا نہ کرنا (اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا) یا خرچ تو کرنا لیکن ریاکاری، یعنی نمود و نمائش کے لیے کرنا۔ یہ دونوں باتیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں اور ان کی مذمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہاں قرآن کریم میں ان دونوں باتوں کو کافروں کا شیوہ اور ان لوگوں کا وطیرہ بتایا گیا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ﴿41﴾ [1] جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ﴿42﴾ اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، [2] جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو، [3] ہاں، اگر راہ چلتے گزر جانے والے ہو تو اور بات ہے [4] اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے

---

① ہر امت میں سے اس کا پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں گواہی دے گا کہ یااللہ! ہم نے تو تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا، اب انھوں نے نہیں مانا تو ہمارا کیا قصور؟ پھر ان سب پر نبی کریم ﷺ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! یہ سچے ہیں۔ آپ ﷺ یہ گواہی اس قرآن کی وجہ سے دیں گے جو آپ پر نازل ہوا اور جس میں گزشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کی سرگزشت بھی حسب ضرورت بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک سخت مقام ہوگا، اس کا تصور ہی لرزہ براندام کر دینے والا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی خواہش ظاہر فرمائی، وہ سناتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''بس، اب کافی ہے۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 5050) بعض لوگ کہتے ہیں کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اس لیے وہ ''شہید'' (گواہ) کے معنی ''حاضر و ناظر'' کے کرتے ہیں اور یوں نبی ﷺ کو ''حاضر و ناظر'' باور کراتے ہیں۔ لیکن نبی ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا، یہ آپ کو اللہ کی صفت میں شریک کرنا ہے جو شرک ہے کیونکہ علم کے لحاظ سے ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کا ناظر، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ''شہید'' کے لفظ سے ان کا استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے اور قرآن میں بیان کردہ حقائق و واقعات سے زیادہ یقینی کس کا علم ہو سکتا ہے؟ اسی یقینی علم کی بنیاد پر خود امت محمدیہ کو بھی قرآن نے ﴿شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الحج 22:78) ''تمام کائنات کے لوگوں پر گواہ'' کہا ہے۔ اگر گواہی کے لیے حاضر و ناظر ہونا ضروری ہے تو پھر امت محمدیہ کے ہر فرد کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ بہر حال نبی ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔

② یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جبکہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک دعوت میں شراب نوشی کے بعد جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو نشے میں قرآن کے الفاظ بھی امام صاحب غلط پڑھ گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 3026) جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز مت پڑھا کرو۔ گویا اس وقت صرف نماز کے وقت کے قریب شراب نوشی سے منع کیا گیا۔ بالکل ممانعت اور حرمت کا حکم اس کے بعد نازل ہوا۔ (یہ شراب کی بابت دوسرا حکم ہے جو مشروط ہے)

③ یعنی ناپاکی کی حالت میں بھی نماز مت پڑھو۔ کیونکہ نماز کے لیے طہارت ضروری ہے۔

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿44﴾

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿45﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا

فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ

آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ مل لو۔[1] بے شک اللہ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے ﴿43﴾ کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ؟ ﴿44﴾ اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے ﴿45﴾ بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے[2] اور ہماری رعایت کر! (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر وہ لوگ کہتے کہ ہم نے

④ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسافری کی حالت میں اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھ لو (جیسا کہ بعض نے کہا ہے) بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں تم مسجد کے اندر مت بیٹھو، البتہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہو بعض صحابہ کے مکان اس طرح تھے کہ ہر صورت میں مسجد نبوی کے اندر سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ رخصت ان ہی کے پیش نظر دی گئی ہے۔(ابن کثیر) ورنہ مسافر کا حکم آگے آ رہا ہے۔

① بیمار سے مراد، وہ بیمار ہے جسے وضو کرنے سے نقصان ہوتا ہو اور بیماری میں اضافے کا اندیشہ ہو یا وضو نہ کر سکتا ہو۔ ② سافر عام ہے، لمبا سفر کیا ہو یا مختصر۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم کرنے کی اجازت ہے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں یہ اجازت تو مقیم کو بھی حاصل ہے لیکن بیمار اور مسافر کو چونکہ اس قسم کی ضرورت عام طور پر پیش آتی تھی اس لیے بطور خاص ان کے لیے اجازت بیان کر دی گئی ہے۔ ③ قضائے حاجت سے آنے والا اور ④ بیوی سے مباشرت کرنے والا، ان کو بھی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ ہاتھ زمین پر مار کر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لے۔ (کہنیوں تک ضروری نہیں) اور چہرے پر بھی پھیر لے «قَالَ فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَةٌ لِّلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ»(مسند أحمد: 263/4) نبی ﷺ نے تیمّم کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے لیے ایک ہی مرتبہ مارنا ہے۔'' ﴿صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ سے مراد ''پاک مٹی'' ہے۔ زمین کی جنس سے ہر چیز نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے: «جُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ»(صحيح مسلم، حديث: 4-(522)) ''جب ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔'' جبکہ بعض نے صَعِيد سے مراد وجہ الأرض لے کر ریت وغیرہ سے بھی تیمّم کو جائز قرار دیا ہے۔ دیکھیے زاد المعاد لابن القیم رحمہ اللہ۔

② یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''ہم نے سنا'' کے ساتھ ہی کہہ دیتے لیکن ہم نافرمانی کریں گے، یعنی

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿46﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿47﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنیے اور ہمیں دیکھیے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انھیں لعنت کی ہے۔ پس وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ﴿46﴾[1] اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں،[2] یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی[3] اور اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہنا ہے ﴿47﴾[4] یقیناً اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے[5] اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا ﴿48﴾[6] کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے، کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا ﴿49﴾[7] دیکھو یہ لوگ اللہ پر کس طرح جھوٹ باندھتے

اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دل میں کہتے یا اپنے ساتھیوں سے کہتے یا شوخ چشمانہ جسارت کا ارتکاب کرتے ہوئے منہ پر کہتے۔ اسی طرح ﴿غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾ (تیری بات نہ سنی جائے) یہ بددعا کے طور پر کہتے، یعنی تیری بات مقبول نہ ہو۔ ﴿رَاعِنَا﴾ کی بابت دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 104 کا حاشیہ۔

[1] یعنی ایمان لانے والے بہت ہی قلیل ہیں پہلے گزر چکا ہے کہ یہود میں سے نبی ﷺ پر آپ کی حیات میں ایمان لانے والوں کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ یا یہ معنی ہیں کہ بہت ہی کم باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جبکہ ایمان نافع یہ ہے کہ سب باتوں پر ایمان لایا جائے۔

[2] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمھارے کرتوتوں کی پاداش میں یہ سزا دے سکتا ہے۔

[3] یہ قصہ سورۂ اعراف میں آئے گا، کچھ اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے، یعنی تم بھی ان کی طرح ملعون قرار پا سکتے ہو۔

[4] یعنی جب وہ کسی بات کا حکم کر دے تو نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے اور نہ اسے روک ہی سکتا ہے۔

[5] یعنی ایسے گناہ جن سے مومن توبہ کیے بغیر ہی مر جائیں، اللہ تعالیٰ اگر کسی کے لیے چاہے گا تو بغیر کسی قسم کی سزا دیے معاف فرما دے گا اور بہت سوں کو سزا کے بعد اور بہت سوں کو نبی ﷺ کی شفاعت پر معاف فرما دے گا۔ لیکن شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہو گا کیونکہ مشرک پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے۔

[6] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمٰن 13:31) "شرک ظلم عظیم ہے۔" حدیث میں اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے: «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الشِّرْكُ بِاللّٰهِ ـــــ» (جامع الترمذي، حديث: 3020)

[7] یہود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے تھے، مثلاً: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں وغیرہ، اللہ نے فرمایا: تزکیہ کا اختیار بھی اللہ کو ہے اور

وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ط وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿53﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ

ہیں[1] اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے﴿50﴾[2] کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو بتوں کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں﴿51﴾[3] یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ لعنت کردے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا﴿52﴾ کیا سلطنت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتو پھر یہ کسی کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے﴿53﴾[4] یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل

اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کے کٹاؤ پر جو دھاگے یا سوت کی طرح نکلتا یا دکھائی دیتا ہے اس کو کہا جاتا ہے، یعنی اتنا سا ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔

① یعنی مذکورہ دعوائے تزکیہ کرکے۔

② یعنی ان کی یہ حرکت (اپنی پاکیزگی کا ادعاء) ان کے کذب وافترا کے لیے کافی ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت اور اس کی شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا کہ اپنی مدح وتوصیف بالخصوص تزکیۂ نفوس کا دعویٰ کرنا صحیح اور جائز نہیں۔ اسی بات کو قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا: ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم 32:53) ''اپنے نفسوں کی پاکیزگی اور ستائش مت کرو، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تم میں متقی کون ہے؟'' اسی طرح دوسروں کی بھی بلا ضرورت مدح وستائش کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ «أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ» (صحيح مسلم، حديث:(3002)) ''ہم تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈال دیں۔'' ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ» ''افسوس ہے تجھ پر تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔'' پھر فرمایا کہ ''تم میں سے کسی نے کسی کی لامحالہ تعریف کرنی ہے تو اس طرح کہا کرے: «أَحْسِبُهُ كَذَا» میں اسے اس طرح گمان کرتا ہوں۔ اللہ پر کسی کا تزکیہ بیان نہ کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث:2662 و6061، و صحيح مسلم، حديث:65-(3000))

③ اس آیت میں یہودیوں کے ایک اور فعل پر تعجب کا اظہار کیا جارہا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ جبت (بت، کاہن یا ساحر) اور طاغوت (جھوٹے معبودوں) پر ایمان رکھتے اور کفار مکہ کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔ جِبْتِ کے یہ سارے مذکورہ معنی کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ» (سنن أبي داود، حديث: 3907) ''پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر، کنکریاں مار کر فال گیری کرنا اور بدشگونی لینا یہ جِبت سے ہیں۔'' یعنی یہ سب شیطانی کام ہیں اور یہود میں بھی یہ چیزیں عام تھیں۔ طاغوت کے ایک معنی شیطان بھی کیے گئے ہیں۔ دراصل معبودان باطل کی پرستش، شیطان ہی کی پیروی ہے۔ اس لیے شیطان بھی یقیناً طاغوت میں شامل ہے۔

الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿54﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ

سے انھیں دیا ہے، (1) پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے (54) پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے، (2) اور جہنم کا جلانا کافی ہے (55) جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انھیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے (3) جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، (4) یقیناً اللہ غالب حکمت والا (56) اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کیے (5) ہم عنقریب انھیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے وہاں صاف ستھری بیویاں

---

(4) یہ استفہام انکاری ہے، یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو اور بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جس سے کھجور کی گٹھلی کا شگاف ہی پر ہو جاتا۔ نقیر اس داغ (شگاف) کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(1) ام (یا) بل کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، یعنی بلکہ یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر دوسروں میں آخری نبی کیوں بنایا؟ نبوت اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

(2) یعنی بنی اسرائیل کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور آل میں سے ہیں، ہم نے نبوت بھی دی اور بڑی سلطنت و بادشاہی بھی۔ پھر بھی یہود کے یہ سارے لوگ ان پر ایمان نہیں لائے۔ کچھ ایمان لائے اور کچھ نے اعراض کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد! اگر یہ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو کوئی انوکھی بات نہیں ہے، ان کی تو تاریخ ہی نبیوں کی تکذیب سے بھری ہوئی ہے حتیٰ کہ اپنی نسل کے نبیوں پر بھی یہ ایمان نہیں لائے۔ بعض نے ﴿اٰمَنَ بِهٖ﴾ میں "ہ" کا مرجع نبی ﷺ کو بتلایا ہے، یعنی ان یہود میں سے کچھ نبی ﷺ پر ایمان لائے اور کچھ نے انکار کیا۔ ان منکرین نبوت کا انجام جہنم ہے۔

(3) یعنی جہنم میں اہل کتاب کے منکرین ہی نہیں جائیں گے بلکہ دیگر تمام کفار کا ٹھکانہ بھی جہنم ہی ہے۔

(4) یہ جہنم کے عذاب کی سختی، تسلسل اور دوام کا بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول بعض آثار میں بتلایا گیا ہے۔ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں مرتبہ عمل میں آئے گی اور مسند احمد کی روایت کی رو سے جہنمی جہنم میں اتنے فربہ ہو جائیں گے کہ ان کے کانوں کی لو سے پیچھے گردن تک کا فاصلہ سات سو سال کی مسافت جتنا ہوگا، ان کی کھال کی موٹائی ستر بالشت اور داڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی۔

(5) کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کے لیے جو ابدی نعمتیں ہیں، ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جو اعمال صالحہ کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے واضح کر دیا کہ ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے،

مُّطَهَّرَةٌ ؕ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿58﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ

ہوں گی اور ہم انھیں گھنی چھاؤں (اور پوری راحت) میں لے جائیں گے ﴿57﴾ [1] اللہ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انھیں پہنچاؤ! [2] اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو! [3] یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمھیں اللہ کر رہا ہے۔ [4] بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے ﴿58﴾ اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور اپنے میں سے اختیار والوں

یعنی لازم و ملزوم ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے دوسرے مسلمانوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا تھا، چنانچہ ان کی زندگیاں ایمان کے پھل، اعمال صالحہ سے مالا مال تھیں۔ اس دور میں بے عملی یا بد عملی کے ساتھ ایمان کا تصور ہی نہیں تھا۔ اس کے برعکس آج ایمان صرف زبانی جمع خرچ کا نام رہ گیا ہے۔ اعمال صالحہ سے دعوے داران ایمان کا دامن خالی ہے۔ هَدَانَا اللّٰهُ تَعَالٰى اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے عمل کرتا ہے جو اعمال صالحہ کی ذیل میں آتا ہے، مثلاً: راست بازی، امانت و دیانت، ہمدردی و غم گساری اور دیگر اخلاقی خوبیاں۔ لیکن ایمان کی دولت سے یہ محروم ہے تو اس کے یہ اعمال دنیا میں تو اس کی شہرت و نیک نامی کا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں اور مفید بھی لیکن اخروی لحاظ سے اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان کا سرچشمہ ایمان نہیں ہے جو اچھے اعمال کو عند اللہ بار آور بناتا ہے بلکہ صرف اور صرف دنیوی مفادات یا قومی اخلاق و عادات ان کی بنیاد ہے۔

[1] گھنی، گہری، عمدہ اور پاکیزہ چھاؤں جس کو ترجمہ میں ''پوری راحت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کا سایہ اتنا ہے کہ ایک سوار سو سال میں بھی اسے طے نہیں کر سکے گا یہ شجرۃ الخلد ہے۔'' (مسند أحمد: 455/2 وأصله في صحيح البخاري، حديث: 3251)

[2] اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں، جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار چلے آرہے تھے، نازل ہوئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف وغیرہ کے بعد آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، طلب فرمایا اور انھیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا: ''یہ تمھاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے۔'' (ابن كثير) آیت کا یہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے اور اس کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں۔ دونوں کو تاکید ہے کہ امانتیں انھیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوں۔ ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ یہ بحفاظت عند الطلب لوٹا دی جائیں۔ دوسرے عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیے جائیں، محض سیاسی بنیاد یا نسلی و وطنی بنیاد یا قرابت و خاندان کی بنیاد یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا (جبکہ وہ شخص اس منصب کے لیے اہل نہیں ہے) اس آیت کے خلاف ہے۔

[3] اس میں حکام کو بطور خاص عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''حاکم جب تک ظلم نہ کرے، اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2312)

[4] یعنی امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرنا اور عدل و انصاف مہیا کرنا۔

فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿59﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ

کی۔[1] پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے[2] ﴿59﴾ کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا

---

① ﴿اُولِی الْاَمْرِ﴾ ''اپنے میں سے اختیار والے'' سے مراد بعض کے نزدیک امراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء و فقہاء ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ ہی کی ہے کیونکہ ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الأعراف 54:7) ''خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے، حکم بھی اسی کا ہے۔'' ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف 40:12) ''حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔'' لیکن چونکہ رسول خالص منشا الٰہی کا ہی مظہر اور اس کی مرضیات کا نمائندہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسآء 80:4) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم۔ تاہم امراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ یا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں یا امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امراء و حکام کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن وہ علی الاطلاق نہیں بلکہ بالتبع ہے اور اللہ و رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اسی لیے ﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ﴾ کے بعد ﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ تو کہا، کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل طور پر واجب ہیں۔ لیکن اَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ (اولی الامر کی اطاعت کرو) نہیں کہا کیونکہ اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے اور حدیث میں بھی کہا گیا ہے: «لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ» (صحیح مسلم، حدیث: 39-(1840)) اور «إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» (صحيح البخاري، حديث: 7145) «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً» ''اللہ کی معصیت میں اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف میں ہے، امام کی سمع و اطاعت لازم ہے جب تک یہ معصیت نہ ہو۔'' یہی حال علماء و فقہاء کا بھی ہے۔ (اگر اولوالامر میں ان کو بھی شامل کیا جائے) یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہوگی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرمودات بیان کرتے ہیں اور اس کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء و فقہاء بھی دینی امور و معاملات میں حکام کی طرح یقیناً مرجع عوام ہیں۔ لیکن ان کی اطاعت بھی صرف اس وقت تک کی جائے گی جب تک کہ عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات بتلائیں لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہے۔

② اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد، قرآن کریم اور ﴿الرَّسُوْلَ﴾ سے مراد اب حدیث رسول ہے۔ یہ تنازعات کے ختم کرنے کے لیے ایک بہترین اصول بتلا دیا گیا ہے۔ اس اصول سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ تیسری شخصیت کی اطاعت واجب نہیں۔ جس طرح کہ

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿60﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿62﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿63﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ

ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انھیں بہکا کر دور ڈال دے ﴿60﴾ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رک کے جاتے ہیں ﴿61﴾ [1] پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا ﴿62﴾ [2] یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ پر بخوبی روشن ہے، آپ ان سے چشم پوشی کیجیے، انھیں نصیحت کرتے رہیے اور انھیں وہ بات کہیے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو ﴿63﴾ [3] ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے اور اگر وہ لوگ جب انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے

تقلید شخصی معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے، مسلمانوں کو امت متحدہ کی بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنا دیا ہے۔

① یہ آیات ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو اپنا فیصلہ عدالت میں لے جانے کی بجائے سرداران یہود یا سرداران قریش کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ تاہم اس کا حکم عام ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کتاب و سنت سے اعراض کرتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے لیے ان دونوں کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔ ورنہ مسلمانوں کا حال تو یہ ہوتا ہے: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا﴾ ”کہ جب انھیں اللہ و رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ”ہم نے سنا اور اطاعت کی۔“ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (النور 24:51) ”یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

② یعنی جب اپنے اس کرتوت کی وجہ سے عتاب الٰہی کا شکار ہو کر مصیبتوں میں پھنستے ہیں تو پھر آ کر کہتے ہیں کہ کسی دوسری جگہ جانے سے مقصد یہ نہیں تھا کہ وہاں سے ہم فیصلہ کروائیں یا آپ ﷺ سے زیادہ ہمیں وہاں انصاف ملے گا بلکہ مقصد صلح اور ملاپ کرانا تھا۔

③ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ہم ان کے دلوں کے تمام بھیدوں سے واقف ہیں (جس پر ہم انھیں جزا دیں گے) لیکن اے پیغمبر! آپ ان کے ظاہر کو سامنے رکھتے ہوئے درگزر ہی فرمائیے اور وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے ان کے اندر کی اصلاح کی کوشش جاری رکھیے! جس سے یہ معلوم ہوا کہ دشمنوں کی سازش کو عفو و درگزر، وعظ و نصیحت اور قول بلیغ کے ذریعے سے بھی ناکام بنانے کی سعی کی جانی چاہیے۔

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ

اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتا،[1] تو یقیناً وہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے﴿64﴾ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! وہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں﴿65﴾[2] اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجالاتے اور اگر وہ وہی کریں جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو﴿66﴾[3] اور تب تو انھیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں﴿67﴾ اور یقیناً

① مغفرت کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہی توبہ واستغفار ضروری اور کافی ہے۔ لیکن یہاں ان کو کہا گیا کہ اے پیغمبر! تیرے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور تو بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتا۔ یہ اس لیے کہ چونکہ انھوں نے فصل خصومات (جھگڑوں کے فیصلے) کے لیے دوسروں کی طرف رجوع کر کے آپ ﷺ کا استخفاف کیا تھا۔ اس لیے اس کے ازالے کے لیے آپ کے پاس آنے کی تاکید کی۔ ظاہر بات ہے کہ اپنے پس منظر کے لحاظ سے بھی اور الفاظ کے اعتبار سے بھی اس ہدایت کا تعلق صرف آپ کی زندگی سے تھا، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ آج بھی روضۂ نبوی پر استغفار کے لیے حاضری ایسی ہی ہے جیسے آپ کی زندگی میں تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہانہ تفسیر سے محفوظ رکھے۔

② اس آیت کی شان نزول میں ایک یہودی اور مسلمان کا واقعہ عموماً بیان کیا جاتا ہے جو بارگاہ رسالت سے فیصلے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانے گیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ لیکن سنداً یہ واقعہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی وضاحت کی ہے۔ صحیح واقعہ یہ ہے جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا، جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد تھے اور ایک آدمی کا کھیت سیراب کرنے والے نالے (کھال) کے پانی پر جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا آپ نے صورت حال کا جائزہ لے کر جو فیصلہ دیا تو وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھا، جس پر دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4585) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی کسی بات یا فیصلے سے اختلاف تو کجا، دل میں انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ یہ آیت بھی منکرین حدیث کے لیے تو ہے ہی دیگر افراد کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے جو قول امام کے مقابلے میں حدیث صحیح سے انقباض ہی محسوس نہیں کرتے بلکہ یا تو کھلے لفظوں میں اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس کی دور از کار تاویل کر کے یا ثقہ راویوں کو ضعیف باور کرا کے مسترد کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

③ آیت میں انھی نافرمان قسم کے لوگوں کی جِبِلّتِ ردیئه کی طرف اشارہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر انھیں حکم دیا جاتا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو جب یہ آسان باتوں پر عمل نہیں کر سکے تو اس پر عمل کس طرح کر سکتے تھے؟ یہ اللہ تعالیٰ

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ وَاِنَّ
مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾

ع 11 6

انھیں راہ راست دکھا دیں﴿68﴾ اور جو بھی اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں﴿69﴾ [1] یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور کافی ہے اللہ جاننے والا﴿70﴾ اے مسلمانو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، [2] پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے ہو!﴿71﴾ اور یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں، [3] پھر اگر تمھیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے

نے اپنے علم کے مطابق ان کی بابت فرمایا ہے جو یقیناً واقعات کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سخت حکموں پر عمل تو یقیناً مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ بہت شفیق اور مہربان ہے، اس کے احکامات بھی آسان ہیں۔ اس لیے اگر وہ ان حکموں پر چلیں جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور ثابت قدمی کا باعث ہو۔ کیونکہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہو جاتا ہے۔ نیکی سے نیکی کا راستہ کھلتا اور بدی سے بدی متولد ہوتی ہے، یعنی اس کا راستہ کشادہ اور آسان ہوتا ہے۔

﴿1﴾ اللہ و رسول کی اطاعت کا صلہ بتلایا جا رہا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے: «اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» (صحيح البخاري، حديث: 6168، وصحيح مسلم، حديث: 165-(2640)) ''آدمی انھی کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمان رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔'' کیونکہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اس کی شان نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی تسلی کا سامان فرمایا۔ (ابن كثير) بعض صحابہ کرام نے بطور خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی: «أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ» جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی: «فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» (صحيح مسلم، حديث: 226-(489)) ''پس تم کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔'' علاوہ ازیں ایک اور حدیث ہے: «اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ» (جامع الترمذي، حديث: 1209) ''راست باز، امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' صدیقیت، کمال ایمان و کمال اطاعت کا نام ہے، نبوت کے بعد اس کا مقام ہے، امت محمدیہ میں اس مقام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے ممتاز ہیں۔ اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ہیں، صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے۔

﴿2﴾ ﴿حِذْرَكُمْ﴾ (اپنا بچاؤ اختیار کرو) اسلحہ اور سامان جنگ اور دیگر ذرائع سے۔

﴿3﴾ یہ منافقین کا ذکر ہے۔ پس و پیش کا مطلب، جہاد میں جانے سے گریز کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ

ساتھ موجود نہ تھا﴿72﴾ اور اگر تمھیں اللہ کا کوئی فضل [1] مل جائے تو اس طرح کہ گویا تمھارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی تھی ہی نہیں، [2] کہے گا: کاش! میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا﴿73﴾ [3] پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے ہیں، [4] انھیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہیے اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے، یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے﴿74﴾ بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا﴿75﴾ [5] جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ

[1] یعنی جنگ میں فتح و غلبہ اور غنیمت۔

[2] یعنی گویا وہ تمھارے اہل دین میں سے ہی نہیں بلکہ اجنبی ہے۔

[3] یعنی مال غنیمت سے حصہ حاصل کرنا جو اہل دنیا کا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے۔

[4] شَرٰى يَشْرِي کے معنی بیچنے کے بھی آتے ہیں اور خریدنے کے بھی۔ متن میں پہلا ترجمہ اختیار کیا گیا ہے اس اعتبار سے ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ کا فاعل ﴿الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ......﴾ بنے گا لیکن اگر اس کے معنی خریدنے کے کیے جائیں تو اس صورت میں ﴿الَّذِيْنَ﴾ مفعول بنے گا اور ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ کا فاعل، اَلْمُؤْمِنُ النَّافِرُ (راہ جہاد میں کوچ کرنے والے مومن) محذوف ہوگا۔ مطلب ہوگا، مومن ان لوگوں سے لڑیں جنھوں نے آخرت بیچ کر دنیا خرید لی، یعنی جنھوں نے دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر دیا۔ مراد منافقین اور کافر ہیں۔ (ابن کثیر نے یہی مفہوم بیان کیا ہے)

[5] ظالموں کی بستی سے مراد (نزول کے اعتبار سے) مکہ ہے۔ ہجرت کے بعد وہاں باقی رہ جانے والے مسلمان خاص طور پر بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے، کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اللہ کی بارگاہ میں مدد کی دعا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان (کمزور لوگوں) کو کفار سے نجات دلانے کے لیے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور نرغۂ کفار میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ

فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى

میں لڑتے ہیں۔[1] پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو! یقین مانو کہ شیطانی حیلہ (بالکل بودا اور) سخت کمزور ہے ﴿76﴾[2] کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکاۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب انھیں جنگ کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟[3] کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی؟[4] آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کی سودمندی

ان کو کافروں کے ظلم وستم سے بچانے کے لیے جہاد کریں اور یہ جہاد اسی وقت مؤثر ہوسکتا ہے جب ایک نظم اور امیر کے ماتحت ہو۔

[1] مومن اور کافر، دونوں کو جنگوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن دونوں کے مقاصد جنگ میں عظیم فرق ہے، مومن اللہ کے لیے لڑتا ہے، محض طلب دنیا یا ہوس ملک گیری کی خاطر نہیں۔ جبکہ کافر کا مقصد یہی دنیا اور اس کے مفادات ہوتے ہیں۔

[2] مومنوں کو ترغیب دی جارہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لیے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں، ان کے ظاہری اسباب کی فراوانی اور کثرت تعداد سے مت ڈرو، تمھاری ایمانی قوت اور عزم جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ حیلے نہیں ٹھہر سکتے۔

[3] مکے میں مسلمان چونکہ تعداد اور وسائل کے اعتبار سے لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی خواہش کے باوجود انھیں قتال سے روکے رکھا گیا اور دو باتوں کی تاکید کی جاتی رہی، ایک یہ کہ کافروں کے ظالمانہ رویے کو صبر اور حوصلے سے برداشت کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ دوسرے یہ کہ نماز، زکاۃ اور دیگر عبادات و تعلیمات پر عمل کا اہتمام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق مضبوط بنیادوں پر استوار ہو جائے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کی طاقت مجتمع ہوگئی تو پھر انھیں قتال کی اجازت دے دی گئی اور جب اجازت دے دی گئی تو بعض لوگوں نے کمزوری اور پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اس پر آیت میں مکی دور کی ان کی آرزو یاد دلا کر کہا جارہا ہے کہ اب یہ مسلمان حکم جہاد سن کر خوف زدہ کیوں ہورہے ہیں جبکہ یہ حکم جہاد خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق ہے۔

آیت قرآن میں تحریف: آیت کا پہلا حصہ جس میں کَفَّ أَيْدِي (لڑائی سے ہاتھ روکے رکھنے) کا حکم ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کی حالت میں ہاتھوں کو روک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک انتہائی غلط اور واہیات استدلال ہے۔ اس کے لیے ان صاحب نے آیت کے الفاظ میں بھی تحریف کی اور معنی میں بھی، یعنی لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریف سے کام لیا ہے۔ (دیکھیے صفدر اوکاڑوی کی کتاب "مسئلہ تحقیق رفع یدین" در مجموعہ رسائل اوکاڑوی) أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ اس قسم کی گھٹیا حرکت کسی مسلمان عالم کے شایان شان نہیں۔

[4] اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس حکم کو کچھ اور مدت کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا، یعنی اجل قریب سے مراد موت یا فرض جہاد کی مدت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿77﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿78﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا﴿77﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمھیں آ پکڑے گی، گو تم مضبوط قلعوں میں ہو [1] اور اگر انھیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ [2] انھیں کہہ دو کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں﴿78﴾ [3] تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے [4] اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے، [5] ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے

① ایسے کمزور مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ ایک تو یہ دنیا فانی اور اس کا فائدہ عارضی ہے جس کے لیے تم کچھ مہلت طلب کر رہے ہو۔ اس کے مقابلے میں آخرت بہت بہتر اور پائیدار ہے جس کے تم اطاعت الٰہی کے صلے میں حق دار ہو گے۔ دوسرے یہ کہ جہاد کرو یا نہ کرو، موت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ، پھر جہاد سے گریز کا کیا فائدہ؟ مضبوط برجوں سے مراد مضبوط اور بلند و بالا فصیلوں والے قلعے ہیں۔

ملحوظہ: بعض مسلمانوں کا چونکہ یہ خوف بھی طبعی تھا۔ اسی طرح تاخیر کی خواہش بھی بطور اعتراض یا انکار نہ تھی بلکہ طبعی خوف کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا اور نہایت مضبوط دلائل سے انھیں سہارا اور حوصلہ دیا۔

② یہاں سے پھر منافقین کی باتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سابقہ امت کے منکرین کی طرح انھوں نے بھی کہا کہ بھلائی (خوشحالی، غلے کی پیداوار، مال و اولاد کی فراوانی وغیرہ) اللہ کی طرف سے ہے اور برائی (قحط سالی، مال و دولت میں کمی وغیرہ) اے محمد! تیری طرف سے ہے، یعنی تیرے دین اختیار کرنے کے نتیجے میں یہ ابتلا آئی۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب ان کو بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے (ہم اس کے مستحق ہیں) اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں سے بدشگونی پکڑتے ہیں، (نعوذ باللہ ان کی نحوست کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔)'' (الأعراف 131:7)

③ یعنی بھلائی اور برائی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہیں لیکن یہ لوگ قلت فہم و علم اور کثرت جہل و ظلم کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں پاتے۔

④ یعنی اس کے فضل و کرم سے ہے، یعنی کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی کی توفیق بھی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی نعمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ایک انسان کی عبادت و طاعت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں جو بھی جائے گا، محض اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وَلَا أَنْتَ؟ آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جب تک اللہ مجھے بھی اپنے دامان رحمت میں نہیں ڈھانک لے گا جنت میں نہیں جا سکوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6463)

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿80﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿81﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿82﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

اور اللہ گواہ کافی ہے ﴿79﴾ اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ﴿80﴾ وہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے، پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان کی ایک جماعت، جو بات آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے،[1] ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے، تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں، اللہ کافی کارساز ہے ﴿81﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ﴿82﴾[2] جہاں انھیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انھوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر

⑤ یہ برائی بھی اگرچہ اللہ کی مشیت سے ہی آتی ہے۔ جیسا کہ ﴿ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ سے واضح ہے لیکن یہ برائی کسی گناہ کی عقوبت یا اس کا بدلہ ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ تمھارے نفس سے ہے، یعنی تمھاری غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 30:42) ''تمھیں جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمھارے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف ہی فرما دیتا ہے۔''

① یعنی یہ منافقین آپ کی مجلس میں جو باتیں ظاہر کرتے ہیں۔ راتوں کو ان کے برعکس باتیں کرتے اور سازشوں کے جال بنتے ہیں۔ آپ ان سے اعراض کریں اور اللہ پر توکل کریں۔ ان کی باتیں اور سازشیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کیونکہ آپ کا وکیل اور کارساز اللہ ہے۔

② قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اس میں غور و تدبر کی تاکید کی جا رہی ہے اور اس کی صداقت جانچنے کے لیے ایک معیار بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا (جیسا کہ کفار کا خیال ہے) تو اس کے مضامین اور بیان کردہ واقعات میں تعارض و تناقض ہوتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی سی کتاب نہیں ہے۔ ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے، جس کا ہر حصہ اعجاز و بلاغت میں ممتاز ہے۔ حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور اس کی فصاحت و بلاغت قائم نہیں رہتی۔ دوسرے، اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ جنھیں اللہ علام الغیوب کے سوا کوئی اور بیان نہیں کر سکتا۔ تیسرے ان حکایات و قصص میں نہ باہمی تعارض و تضاد ہے اور نہ ان کا چھوٹے سے چھوٹا کوئی جزئیہ قرآن کی کسی اصل سے ٹکراتا ہے۔ حالانکہ ایک انسان گزشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ان تمام انسانی کوتاہیوں سے مبرا ہونے کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ یقیناً کلام الٰہی ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿84﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿85﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿86﴾

النصف

یہ لوگ اسے رسول کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں [1] اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ﴿83﴾ تو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں، ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے ﴿84﴾ جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿85﴾ اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو، [2] بلاشبہ اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ﴿86﴾

---

① یہ بعض کمزور اور جلد باز مسلمانوں کا رویہ، ان کی اصلاح کی غرض سے بیان کیا جا رہا ہے۔ امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی اور دشمن کی ہلاکت و شکست کی خبر ہے۔ (جس کو سن کر امن اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ضرورت سے زیادہ پُر اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جو نقصان کا باعث بن سکتی ہے) اور خوف کی خبر سے مراد مسلمانوں کی شکست اور ان کے قتل و ہلاکت کی خبر ہے (جس سے مسلمانوں میں افسردگی پھیلنے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان ہوتا ہے) اس لیے انھیں کہا جا رہا ہے کہ اس قسم کی خبریں، چاہے امن کی ہوں یا خوف کی، انھیں سن کر عام لوگوں میں پھیلانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا دو یا اہل علم و تحقیق میں انھیں پہنچا دو تا کہ وہ یہ دیکھیں کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو اس وقت اس سے مسلمانوں کا باخبر ہونا مفید ہے یا بے خبر رہنا انفع ہے؟ یہ اصول ویسے تو عام حالات میں بھی بڑا اہم اور نہایت مفید ہے لیکن عین حالت جنگ میں تو اس کی اہمیت و افادیت بہت ہی زیادہ ہے۔ استنباط کا مادہ نَبْطٌ ہے، نَبْطٌ اس پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت سب سے پہلے نکلتا ہے۔ اسی لیے استنباط تحقیق اور بات کی تہہ تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

② تَحِيَّةٌ اصل میں تَحْيِيَةٌ (تَفْعِلَةٌ) ہے۔ یاء کے یاء میں ادغام کے بعد تحیّة ہو گیا۔ اس کے معنی ہیں: اَلدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ ''درازیٔ عمر کی دعا'' یہاں یہ سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ (فتح القدیر) زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں ورحمة اللّٰه کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمة اللّٰه کے جواب میں وبرکاته کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته کہے تو پھر اضافے کے بغیر انھی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (ابن کثیر) ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں اس کے ساتھ ورحمة اللّٰه

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾ فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿89﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا، جس کے (آنے) میں کوئی شک نہیں، اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا﴿87﴾ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟[1] انھیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ نے اوندھا کر دیا ہے۔[2] اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کیے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا﴿88﴾[3] ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک وہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ،[4] پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو انھیں پکڑو[5] اور قتل کرو جہاں بھی وہ ہاتھ لگ جائیں،[6] خبردار! ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا﴿89﴾ سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے

کہنے سے بیس نیکیاں اور وبرکاتہ بھی کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔(مسند أحمد: 439/4 و440) یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ لیکن اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ایک تو ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ جبکہ ان کے سلام کے جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے۔(صحیح البخاري، حدیث:6258، و صحیح مسلم، حدیث:6-(2163))

[1] یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی تمھارے درمیان ان منافقین کے بارے میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان منافقین سے مراد وہ ہیں جو احد کی جنگ میں مدینہ سے کچھ دور جا کر واپس آ گئے تھے کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ ان منافقین کے بارے میں اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ بن گئے، ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں ان منافقین سے (بھی) لڑنا چاہیے۔ دوسرا گروہ اسے مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔

[2] ﴿كَسَبُوْا﴾ (اعمال) سے مراد، رسول کی مخالفت اور جہاد سے اعراض ہے ﴿اَرْكَسَهُمْ﴾ اوندھا کر دیا، یعنی جس کفر و ضلالت سے نکلے تھے، اسی میں مبتلا کر دیا، یا اس کے سبب ہلاک کر دیا۔

[3] جس کو اللہ گمراہ کر دے، یعنی مسلسل کفر و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دے، انھیں کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا۔

[4] ہجرت (ترک وطن) اس بات کی دلیل ہوگی کہ اب یہ مخلص مسلمان بن گئے ہیں۔ اس صورت میں ان سے دوستی اور محبت جائز ہوگی۔

[5] یعنی جب تمھیں ان پر قدرت و طاقت حاصل ہو جائے۔

[6] حِل ہو یا حرم۔(حدود حرم سے باہر کا علاقہ حِل کہلاتا ہے)

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿90﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمھارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں[1] اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے،[2] پس اگر وہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمھاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں،[3] تو اللہ نے تمھارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی ﴿90﴾ تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔[4] (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی[5] کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال

① یعنی جن سے لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ لوگ، جو ایسی قوم سے ربط و تعلق رکھتے ہیں، یعنی ایسی قوم کے فرد ہیں یا اس کی پناہ میں ہیں جس قوم سے تمھارا معاہدہ ہے۔ دوسرے وہ جو تمھارے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کے سینے اس بات سے تنگ ہیں کہ وہ اپنی قوم سے مل کر تم سے یا تم سے مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں، یعنی تمھاری حمایت میں لڑنا پسند کرتے ہیں نہ تمھاری مخالفت میں۔

② یعنی یہ اللہ کا احسان ہے کہ ان کو لڑائی سے الگ کر دیا ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کی حمایت میں لڑنے کا خیال پیدا کر دیتا تو یقیناً وہ بھی تم سے لڑتے۔ اس لیے اگر واقعی یہ لوگ جنگ سے کنارہ کش رہیں تو تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام مت کرو۔

③ ﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ﴾ "اگر یہ لوگ کنارہ کش رہیں۔" ﴿فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ﴾ "تم سے نہ لڑیں۔" ﴿وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ﴾ "تمھاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں۔" سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ تاکید اور وضاحت کے لیے تین الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مقصد ان تین حالتوں اور شرطوں کو بیان کرنا ہے: ① الگ ہو جانا۔ ② تم سے نہ لڑنا۔ ③ صلح کے لیے درخواست دینا۔ تاکہ مسلمان ان کے بارے میں محتاط رہیں کیونکہ جو جنگ و قتال سے پہلے ہی علیحدہ ہیں اور ان کی یہ علیحدگی مسلمانوں کے مفاد میں بھی ہے، اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان اور احسان کے ذکر کیا ہے تو ان کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کا رویہ یا غیر محتاط طرز عمل ان کے اندر بھی مخالفت و مخاصمت کا جذبہ بیدار کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے جب تک وہ مذکورہ حال پر قائم رہیں، ان سے مت لڑو! ﴿السَّلَمَ﴾ یہاں مسالمت، یعنی صلح کے معنی میں ہے۔

④ یہ ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو منافقین کا تھا۔ یہ مسلمانوں کے پاس آتے تو اسلام کا اظہار کرتے تاکہ مسلمانوں سے محفوظ رہیں، اپنی قوم کے پاس جاتے تو شرک و بت پرستی کرتے تاکہ وہ انھیں اپنا ہی ہم مذہب سمجھیں اور یوں دونوں سے مفادات حاصل کرتے۔

⑤ فتنہ سے مراد شرک بھی ہو سکتا ہے۔ ﴿اُرْكِسُوْا فِيْهَا﴾ اسی شرک میں لوٹا دیے جاتے۔ یا فتنہ سے مراد قتال ہے کہ جب انھیں مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی طرف بلایا، یعنی لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ

دیے جاتے ہیں، پس اگر وہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمھیں صلح کی پیش کش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں،[1] تو انھیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پالو! یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمھیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے (91)[2] کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں[3] مگر غلطی سے ہو جائے[4] (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہے۔[5] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں،[6] اور اگر مقتول تمھاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے۔[7] اور اگر مقتول اس قوم

① ﴿يُلْقُوْٓا﴾ اور ﴿يَكُفُّوْٓا﴾ کا عطف ﴿لَمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ﴾ پر ہے، یعنی سب نفی کے معنی میں ہیں، سب میں لَمْ لگے گا۔

② اس بات پر کہ واقعی ان کے دلوں میں نفاق اور ان کے سینوں میں تمھارے خلاف بغض وعناد ہے، تب ہی تو وہ بہ ادنیٰ کوشش دوبارہ فتنے (شرک یا تمھارے خلاف آمادۂ قتال ہونے) میں مبتلا ہو گئے۔

③ یہ نفی، نہی کے معنی میں ہے جو حرمت کی متقاضی ہے، یعنی ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا ممنوع اور حرام ہے، جیسے ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ (الأحزاب 53:33) ''تمھارے یہ لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ۔'' یعنی حرام ہے۔

④ غلطی کے اسباب و وجوہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ مقصد ہے کہ نیت اور ارادہ قتل کا نہ ہو۔ مگر بوجوہ قتل ہو جائے۔

⑤ یہ قتل خطا کا جرمانہ بیان کیا جا رہا ہے جو دو چیزیں ہیں۔ ایک بطور کفارہ و استغفار ہے، یعنی مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور دوسری چیز بطور حق العباد کے ہے اور وہ ہے، دِیَت (خون بہا۔) مقتول کے خون کے بدلے میں جو چیز مقتول کے وارثوں کو دی جائے، وہ دیت ہے۔ اور دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سو اونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے، چاندی یا کرنسی کی شکل میں ہو گی۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ قتل عمد میں قصاص یا دیت مُغَلَّظَه ہے اور دیت مغلظہ کی مقدار سو اونٹ ہے جو عمر اور وصف کے لحاظ سے تین قسم یا تین معیار کے ہوں گے۔ جبکہ قتل خطا میں صرف دیت ہے۔ قصاص نہیں ہے۔ اس دیت کی مقدار سو اونٹ ہے مگر معیار اخماسًا ہے۔ علاوہ ازیں اس دیت کی قیمت سنن ابی داود کی حدیث میں 800 سو دینار یا 8 ہزار درہم اور سنن ترمذی کی روایت میں بارہ ہزار درہم بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قیمت دیت میں کمی بیشی اور مختلف پیشوں والوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر فرمائی تھیں۔ (إرواء الغليل: 305/7) جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت (سو اونٹ) کی بنیاد پر اس کی قیمت ہر دور کے اعتبار سے مقرر کی جائے گی۔ (تفصیل کے لیے شروحات حدیث وکتب فقہ ملاحظہ ہوں)

⑥ معاف کر دینے کو صدقہ سے تعبیر کرنے سے مقصد معافی کی ترغیب دینا ہے۔

⑦ یعنی اس صورت میں دیت نہیں ہو گی۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کیونکہ اس کے وارث حربی کافر ہیں، اس لیے وہ

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا

سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے، جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (بھی ضروری ہے)،[1] پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں،[2] اللہ سے بخشوانے کے لیے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿92﴾ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے،[3] اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿93﴾[4] اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو

مسلمان کی دیت لینے کے حق دار نہیں۔ بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس مسلمان نے اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ ہجرت نہیں کی، جبکہ ہجرت کی اس وقت بڑی تاکید تھی۔ اس کوتاہی کی وجہ سے اس کے خون کی حرمت کم ہے۔ (فتح القدیر)

① یہ ایک تیسری صورت ہے، اس میں بھی وہی کفارہ اور دیت ہے جو پہلی صورت میں ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر مقتول معاہد (ذمی) ہو تو اس کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی کیونکہ حدیث میں کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف بیان کی گئی ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس تیسری صورت میں بھی مقتول مسلمان ہی کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔

② یعنی اگر گردن آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو پہلی صورت اور اس آخری صورت میں دیت کے ساتھ مسلسل لگا تار (بغیر ناغہ کے) دو مہینے کے روزے ہیں۔ اگر درمیان میں ناغہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے، البتہ عذر شرعی کی وجہ سے ناغہ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسے حیض، نفاس یا شدید بیماری، جو روزہ رکھنے میں مانع ہو۔ سفر کے عذر شرعی ہونے میں اختلاف ہے۔ (ابن کثیر)

③ یہ قتل عمد کی سزا ہے۔ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ (1) قتل خطا (جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہے) (2) قتل شبہ عمد جو حدیث سے ثابت ہے۔ (3) قتل عمد جس کا مطلب ہے، ارادہ اور نیت سے کسی کو قتل کرنا اور اس کے لیے وہ آلہ استعمال کرنا جس سے فی الواقع عادتاً قتل کیا جاتا ہے، جیسے تلوار، خنجر وغیرہ۔ آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی ہے، مثلاً: اس کی سزا جہنم ہے، جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا، نیز اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اور عذاب عظیم بھی ہوگا۔ اتنی سخت سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔ جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔ احادیث میں بھی اس کی سخت مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

④ مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ بعض علماء مذکورہ سخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں لیکن قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (الفرقان 25:70) اور دیگر آیات توبہ عام ہیں۔ ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، توبۃ النصوح سے اس کی معافی ممکن ہے۔ یہاں اس کی جو سزا جہنم بیان کی گئی

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى

تحقیق کرلیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ (1) تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ (2) پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے (94) اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں، (3) اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجوں میں بہت فضیلت دے

ہے اس کا مطلب ہے کہ اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی یہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ اس جرم پر اسے دے سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ نہ کرنے کی صورت میں خلود (ہمیشہ جہنم میں رہنے) کا مطلب بھی مکث طویل (لمبی مدت) ہے کیونکہ جہنم میں خلود کافروں اور مشرکوں کے لیے ہی ہے۔ علاوہ ازیں قتل کا تعلق اگرچہ حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی بھی تلافی اور ازالہ فرما سکتا ہے اس طرح مقتول کو بھی بدلہ مل جائے گا اور قاتل کی بھی معافی ہو جائے گی۔ (فتح القدير و ابن كثير)

(1) احادیث میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کسی علاقے سے گزرے جہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے نے سلام کیا، بعض صحابہ نے سمجھا کہ شاید وہ جان بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے، چنانچہ انھوں نے بغیر تحقیق کیے اسے قتل کر ڈالا اور بکریاں (بطور مال غنیمت) لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4591، وجامع الترمذي، حديث: 3030) بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مکہ میں پہلے تم بھی اس چرواہے کی طرح ایمان چھپانے پر مجبور تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 6866) مطلب یہ تھا کہ اس قتل کا کوئی جواز نہیں تھا۔

(2) یعنی تمھیں چند بکریاں، اس مقتول سے حاصل ہو گئیں، یہ کچھ بھی نہیں، اللہ کے پاس اس سے کہیں زیادہ بہتر غنیمتیں ہیں جو اللہ و رسول کی اطاعت کی وجہ سے تمھیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں اور آخرت میں تو ان کا ملنا یقینی ہے۔

(3) جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نابینا صحابی) وغیرہ نے عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے ہم جہاد میں حصہ لینے سے مجبور ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے جہاد میں حصہ لینے والوں کے برابر ہم اجر و ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے، درآں حالیکہ ہمارا گھر میں بیٹھ رہنا بطور شوق، یا جان کی حفاظت کے لیے نہیں ہے بلکہ عذر کی وجہ سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ (بغیر عذر کے) کا استثنا نازل فرما دیا، یعنی عذر کے ساتھ بیٹھ رہنے والے، مجاہدین کے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ "ان کو عذر نے روکا ہوا ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 2839)

الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا

عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى

اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو، پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ ہٹ کر تمھارے پیچھے آجائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آجائے اور تمھارے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ، تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں، [1] ہاں! اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمھیں

یہ شرط نہیں ہے کہ سفر میں خوف ہو تو قصر کی اجازت ہے، جیسے قرآن مجید میں اور بھی بعض مقامات پر اس قسم کی قیدیں بیان کی گئی ہیں جو اتفاقی، یعنی غالب احوال کے اعتبار سے ہیں، مثلاً: ﴿لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران 130:3) یا ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور 33:24) ''تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ اس سے بچنا چاہیں۔'' چونکہ بچنا چاہتی تھیں، اس لیے اللہ نے اسے بیان فرما دیا۔ یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری پر آمادہ ہوں تو پھر تمھارے لیے یہ جائز ہے کہ تم ان سے بدکاری کروا لیا کرو۔ ﴿وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ﴾ (النساء 23:4) وغیرها من الآیات بعض صحابہ کے ذہن میں بھی یہ اشکال آیا کہ اب تو امن ہے، ہمیں سفر میں نماز قصر نہیں کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کی طرف سے تمھارے لیے صدقہ ہے، اس کے صدقے کو قبول کرو۔'' (مسند أحمد: 25/1 و 36، و صحیح مسلم، حدیث: 4-(686) اور دیگر کتب حدیث)

ملحوظہ: سفر کی مسافت اور ایام تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 3 فرسخ، یعنی 9 میل (ساڑھے بائیس کلومیٹر) والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (نیل الأوطار: 233/3) اسی طرح بہت سے محققین علمائے اہلحدیث اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ دوران سفر میں کسی ایک مقام پر تین یا چار دن سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو پھر نماز قصر کی اجازت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح)

[1] اس آیت میں صلاۃ الخوف کی اجازت بلکہ حکم دیا جا رہا ہے۔ صلاۃ الخوف کے معنی ہیں: خوف کی نماز۔ یہ اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوں اور ایک لمحے کی بھی غفلت مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں اگر نماز کا وقت ہو جائے تو صلاۃ الخوف پڑھنے کا حکم ہے، جس کی مختلف صورتیں حدیث میں بیان کی گئی ہیں، مثلاً: فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک حصہ دشمن کے بالمقابل کھڑا رہا تا کہ کافروں کو حملہ کرنے کی جسارت نہ ہو اور ایک حصے نے آ کر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب یہ حصہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے کی جگہ مورچہ زن ہو گیا اور مورچہ زن حصہ نماز کے لیے آ گیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں حصوں کو ایک ایک

اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ‌ۚ وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿102﴾ فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ‌ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ‌ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿103﴾ وَلَا تَهِنُوۡا فِى ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ‌ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ يَاۡلَمُوۡنَ كَمَا تَاۡلَمُوۡنَ‌ۚ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرۡجُوۡنَ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿104﴾ ع 15/4/12 اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ

تکلیف ہو بوجہ بارش یا بسبب بیمار ہو جانے کے اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لیے رہو۔ یقیناً اللہ نے منکروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ﴿102﴾ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو[1] اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو![2] یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے ﴿103﴾[3] ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو![4] اگر تمھیں بے آرامی ہوتی ہے تو انھیں بھی تمھاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے ہو، جو امیدیں انھیں نہیں[5] اور اللہ دانا اور حکیم ہے ﴿104﴾ یقیناً ہم نے تمھاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا[6]

نے آ کر نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے انھیں بھی ایک رکعت پڑھائی اور التحیات میں بیٹھ گئے اور اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک فوجیوں نے دوسری رکعت پوری نہیں کر لی، پھر ان کے ساتھ آپ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح آپ کی بھی دو رکعت اور فوج کے دونوں حصوں کی بھی دو رکعات ہوئیں۔ (دیکھیے کتب حدیث)

① مراد یہی خوف کی نماز ہے، اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے کہا جا رہا کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔

② اس سے مراد ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو جائے تو پھر نماز کو اس کے اس طریقے کے مطابق پڑھنا ہے، جیسے عام حالات میں پڑھی جاتی ہے۔

③ اس میں نماز کو مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر و حج کے سوا اقامت کی حالت میں بغیر شرعی عذر و تنگی کے دو نمازوں کو جمع کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کم از کم ایک نماز غیر وقت میں پڑھی جائے گی جو اس آیت کے خلاف ہے۔

④ یعنی اپنے دشمن کا تعاقب کرنے میں کمزوری مت دکھاؤ بلکہ ان کے خلاف بھرپور جدوجہد کرو اور گھات لگا کر بیٹھو!

⑤ یعنی زخم تو تمھیں بھی اور انھیں بھی دونوں کو پہنچے ہیں لیکن ان زخموں پر تمھیں تو اللہ سے اجر کی امید ہے لیکن وہ اس کی امید نہیں رکھتے، اس لیے اجرِ آخرت کے حصول کے لیے جو محنت و کاوش تم کر سکتے ہو، وہ کافر نہیں کر سکتے۔

⑥ ان آیات (104 سے 113 تک) کی شانِ نزول میں بتلایا گیا ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طُعْمَہ یا بُشَیرِ بنْ اُبَیرِق نے ایک انصاری کی زرہ چرا لی، جب اس کا چرچا ہوا اور اس کو اپنی چوری کے بے نقاب ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے وہ زرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور بنی ظفر کے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا، ان سب نے کہا کہ زرہ چوری کرنے والا فلاں یہودی ہے۔ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ بنی ابیرق نے زرہ چوری کر کے

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿105﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿106﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿107﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ

ہے اور خیانت کرنے والوں [1] کے حمایتی نہ بنو ﴿105﴾ اور اللہ سے بخشش مانگو! [2] بے شک اللہ بخشش کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے ﴿106﴾ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کرو جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں، یقیناً دغا باز گناہ گار اللہ کو اچھا نہیں لگتا ﴿107﴾ وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے، وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کو ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں، اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے، ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ﴿108﴾ ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ اور وہ

میرے گھر پھینک دی ہے۔ بنی ابیرق (طعمہ یا بشیر وغیرہ) ہشیار تھے اور نبی ﷺ کو باور کراتے رہے کہ چور یہودی ہی ہے اور وہ طُعْمَہ پر الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی احوال ظاہرہ پر صحابی کو ڈانٹ پلادی کہ تم بغیر دلیل اور بلاتحقیق سے چوری کی تہمت لگاتے ہو، حالانکہ ان سے اسلام اور نیکی بتائی جاتی ہے!؟۔ اور ایک روایت میں ہے آپ سخت غصہ ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ بھی بہ حیثیت ایک انسان کے غلط فہمی میں پڑ سکتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ پر فوراً صورتحال واضح ہو جاتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر کبھی حق کے پوشیدہ رہ جانے اور اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا مرحلہ آ جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ اسے متنبہ فرما دیتا اور اس کی اصلاح فرما دیتا ہے جیسا کہ عصمت انبیاء کا تقاضا ہے۔ یہ وہ مقام عصمت ہے جو انبیاء کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

[1] اس سے مراد وہی بنی ابیرق ہیں جنھوں نے چوری خود کی لیکن اپنی چرب زبانی سے یہودی کو چور باور کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ اگلی آیات میں بھی اِن کے اور اُن کے حمایتیوں کے غلط کردار کو نمایاں کر کے نبی ﷺ کو خبردار کیا جارہا ہے۔

[2] یعنی بغیر تحقیق کیے آپ ﷺ نے جو خیانت کرنے والوں کی حمایت کی ہے، اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریقین میں سے جب تک کسی کی بابت پورا یقین نہ ہو کہ وہ حق پر ہے، اس کی حمایت و وکالت کرنا جائز نہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی فریق دھوکے، فریب اور اپنی چرب زبانی سے عدالت یا حاکم مجاز سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گا، درآں حالیکہ وہ صاحب حق نہ ہو تو ایسے فیصلے کی عنداللہ کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کو نبی ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح بیان فرمایا: ”خبردار! میں ایک انسان ہوں اور جس طرح میں سنتا ہوں، اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے ایک شخص اپنی دلیل و حجت پیش کرنے میں تیز طرار اور ہوشیار ہو اور میں اس کی گفتگو سے متأثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں، حالانکہ وہ حق پر نہ ہو اور اس طرح میں دوسرے مسلمان کا حق اسے دے دوں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 2680 و 6967 و 7169، وصحیح مسلم، حدیث: 5-(1713))

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿112﴾ ع 16/8/13 وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ﴿109﴾ [1] جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا، مہربانی کرنے والا پائے گا ﴿110﴾ اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے [2] اور اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے ﴿111﴾ اور جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی بے گناہ کے ذمے تھوپ دے، اس نے بہت بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا ﴿112﴾ [3] اگر اللہ کا فضل ورحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا، [4] مگر دراصل یہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کرتے ہیں، یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا [5] اور

---

① یعنی جب اس گناہ کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ ہوگا تو کون اللہ کی گرفت سے اسے بچا سکے گا؟

② اس مضمون کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:15) ”کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ یعنی کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہوگا، ہر نفس کو وہی کچھ ملے گا جو وہ کما کر ساتھ لے گیا ہوگا۔

③ جس طرح بنوابیرق نے کیا کہ چوری خود کی اور تہمت کسی اور پر دھر دی۔ یہ زجر و توبیخ عام ہے۔ جو بنوابیرق کو بھی شامل ہے اور ان کو بھی جو ان کی سی بدخصلتوں کے حامل اور ان جیسے برے کاموں کے مرتکب ہوں گے۔

④ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت و نگرانی کا ذکر ہے جس کا اہتمام انبیاء علیہم السلام کے لیے فرمایا جاتا ہے جو انبیاء پر اللہ کے فضل خاص اور اس کی رحمت خاصہ کا مظہر ہے۔ ﴿ طَّآئِفَةٌ ﴾ (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جو بنوابیرق کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی صفائی پیش کر رہے تھے جس سے یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ نبی ﷺ اس شخص کو چوری کے الزام سے بری کر دیں گے، جو فی الواقع چور تھا۔

⑤ یہ دوسرے فضل و احسان کا تذکرہ ہے جو آپ ﷺ پر کتاب وحکمت (سنت) نازل فرما کر اور ضروری باتوں کا علم دے کر فرمایا گیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ...... ﴾ (الشورٰی 52:42) ”اور اسی طرح وحی کی ہم نے تیری طرف ایک روح (قرآن) کی اپنے حکم سے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“ ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (القصص 28:86) ”تجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تجھ پر کتاب اتاری جائے گی مگر تیرے رب کی رحمت سے (یہ کتاب اتاری گئی۔)“ ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ پر فضل و احسان فرمایا اور کتاب وحکمت بھی عطا فرمائی، ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتوں کا آپ کو علم دیا گیا جن سے آپ بے خبر تھے۔ یہ بھی گویا آپ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے کیونکہ جو خود عالم الغیب ہو، اسے تو کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾ لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿114﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے﴿113﴾ ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں،[1] ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے[2] اور جو شخص صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے[3] اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے﴿114﴾[4] جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے،[5] وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے﴿115﴾ اسے اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے،

نہیں ہوتی اور جسے دوسرے سے معلومات حاصل ہوں، وحی کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے وہ عالم الغیب نہیں ہوتا۔

① ﴿نَّجْوٰىهُمْ﴾ (خفیہ مشورے) سے مراد وہ باتیں ہیں جو منافقین آپس میں مسلمانوں کے خلاف یا ایک دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔

② یعنی صدقہ خیرات، معروف (جو ہر قسم کی نیکی کو شامل ہے) اور اصلاح بین النّاس کے بارے میں مشورے، خیر پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ان امور کی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔

③ کیونکہ اگر اخلاص (رضائے الٰہی کا مقصد) نہیں ہوگا تو بڑے سے بڑا عمل بھی نہ صرف ضائع جائے گا بلکہ وبال جان بن جائے گا۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّيَاءِ وَالنِّفَاقِ

④ احادیث میں اعمال مذکورہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ کی راہ میں حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بھی احد پہاڑ جتنا ہو جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث:63-(1014)) نیک بات کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ اسی طرح رشتے داروں، دوستوں اور باہم ناراض دیگر لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا بہت بڑا عمل ہے۔ ایک حدیث میں اسے نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقات وخیرات سے بھی افضل بتلایا گیا ہے۔ فرمایا: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ قَالَ: وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ» (سنن أبي داود، حديث:4919، وجامع الترمذي، حديث: 2509، ومسند أحمد:445,444/6) حتیٰ کہ صلح کرانے والے کو جھوٹ تک بولنے کی اجازت دے دی گئی تا کہ اسے ایک دوسرے کو قریب لانے کے لیے دروغ مصلحت آمیز کی ضرورت پڑے تو وہ اس میں بھی تامل نہ کرے۔ «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا، وَيَقُولُ خَيْرًا» (صحيح البخاري، حديث: 2692، وصحيح مسلم، حديث:101-(2605)، وجامع الترمذي، حديث: 1938، وسنن أبي داود، حديث:4920) ”وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔“

⑤ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿116﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿118﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ

ہاں شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ﴿116﴾ یہ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں [1] اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں ﴿117﴾ [2] جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے اللہ سے کہا تھا کہ تیرے بندوں میں سے میں مقرر شدہ حصہ لے کر رہوں گا ﴿118﴾ [3] اور انھیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا [4] اور انھیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں [5] اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ

خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعید بیان فرمائی گئی ہے۔ مومنین سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے اولین پیرو اور اس کی تعلیمات کا کامل نمونہ تھے۔ اور ان کے نزول کے وقت جن کے سوا کوئی گروہ مومنین موجود نہ تھا کہ وہ مراد ہو، اس لیے رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المومنین کا اتباع دونوں حقیقت میں ایک ہی چیز کے نام ہیں، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے اور منہاج سے انحراف بھی کفر وضلال ہی ہے۔ بعض علماء نے سبیل المومنین سے مراد اجماع امت لیا، یعنی اجماع امت سے انحراف بھی کفر ہے۔ اجماع امت کا مطلب ہے کسی مسئلے میں امت کے تمام ہم عصر علماء وفقہاء کا اتفاق یا کسی مسئلے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق یہ دونوں صورتیں اجماع امت کی ہیں اور دونوں کا انکار یا ان میں سے کسی ایک کا انکار اکثر علماء کے نزدیک کفر ہے۔ تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی صورت تو ملتی ہے۔ لیکن اجماع صحابہ کے بعد کسی مسئلے میں پوری امت کے اجماع واتفاق کے دعوے تو بہت سے مسائل میں کیے گئے ہیں لیکن فی الحقیقت ایسے اجماعی مسائل جو واقعتاً اجماعی ہوں، عدیم النظیر ہیں، بہرحال اجماع شرعاً حجت ہے، اس لیے کہ صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2167)

[1] ﴿اِنٰثًا﴾ (عورتیں) سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کے نام مؤنث تھے جیسے لات، عزیٰ، مناۃ، نائلہ وغیرہ یا مراد فرشتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

[2] بتوں، فرشتوں اور دیگر ہستیوں کی عبادت دراصل شیطان کی عبادت ہے کیونکہ شیطان ہی انسان کو اللہ کے در سے چھڑا کر دوسروں کے آستانوں اور چوکھٹوں پر جھکاتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

[3] مقرر شدہ حصہ، مراد وہ نذر ونیاز بھی ہو سکتی ہے جو مشرکین اپنے بتوں اور قبروں میں مدفون اشخاص کے نام نکالتے ہیں اور جہنمیوں کا وہ کوٹہ بھی ہو سکتا ہے جنھیں شیطان گمراہ کر کے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔

[4] یہ وہ باطل امیدیں ہیں جو شیطان کے وسوسوں اور دخل اندازی سے پیدا ہوتی اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔

[5] یہ بحیرہ اور سائبہ جانوروں کی علامتیں اور صورتیں ہیں۔ مشرکین ان کو بتوں کے نام وقف کرتے تو شناخت کے لیے ان کے کان وغیرہ چیر دیا کرتے تھے۔

خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿124﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

دیں،[1] سنو! جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا﴿119﴾ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا۔ اور سبز باغ دکھاتا رہے گا، (مگر یاد رکھو!) شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں﴿120﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے، جہاں سے انھیں چھٹکارا نہ ملے گا﴿121﴾ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں، ہم انھیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟﴿122﴾[2] حقیقتِ حال نہ تو تمھاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہلِ کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے، جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے﴿123﴾ جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے، یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا﴿124﴾[3] باعتبارِ دین کے اس سے اچھا کون ہے؟

① تَغْيِيرِ خَلْقِ اللّٰهِ ''اللہ کی تخلیق کو بدلنا'' کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہی جس کا ابھی یہاں ذکر ہوا، یعنی کان وغیرہ کاٹنا، چیرنا، سوراخ کرنا، ان کے علاوہ اور کئی صورتیں ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، پتھر اور آگ وغیرہ اشیاء مختلف مقاصد کے لیے بنائی ہیں، لیکن مشرکین نے ان کے مقصدِ تخلیق کو بدل کر انھیں معبود بنا لیا۔ یا تغییر کا مطلب تغییر فطرت ہے، یا حلت و حرمت میں تبدیلی ہے وغیرہ۔ اسی تغییر میں مردوں کی نس بندی کر کے اور اسی طرح عورتوں کے آپریشن کر کے انھیں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دینا۔ میک اپ کے نام پر ابروؤں کے بال وغیرہ اکھاڑنا جو درحقیقت اپنی صورتوں کو مسخ کرنا ہے اور وشم (گودنا گدوانا) وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جن سے بچنا ضروری ہے، البتہ جانوروں کو اس لیے خصی کرنا کہ ان سے زیادہ انتفاع ہو سکے یا ان کا گوشت زیادہ بہتر ہو سکے یا اسی قسم کا کوئی اور صحیح مقصد ہو تو جائز ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے خصی جانور قربانی میں ذبح فرمائے ہیں۔ اگر جانور کو خصی کرنے کا جواز نہ ہوتا تو آپ ان کی قربانی نہ کرتے، یہ استدلال اگرچہ محلِ نظر ہے لیکن استئناسا پیش کیا گیا۔

② شیطانی وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب ہیں لیکن انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ یہ سچوں کی بات کو کم مانتا ہے اور جھوٹوں کے پیچھے زیادہ چلتا ہے، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ شیطانی چیزوں کا چلن عام ہے اور ربانی کاموں کو اختیار کرنے والے ہر دور میں اور ہر جگہ کم ہی رہے ہیں اور کم ہی ہیں ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سبا 13:34) ''میرے شکر گزار بندے کم ہی ہیں۔''

③ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہلِ کتاب اپنے متعلق بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی خوش فہمیوں کا

مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿125﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ع وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ

جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیکوکار، ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم کے دین کی پیروی کر رہا ہو اور ابراہیم کو اللہ نے اپنا دوست بنالیا ہے ﴿125﴾ [1] آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے ﴿126﴾ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، [2] آپ کہہ دیجیے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے [3] اور انھیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو [4] اور

پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کی کامیابی محض امیدوں اور آرزوؤں سے نہیں ملے گی۔ اس کے لیے تو ایمان اور عمل صالح کی پونجی ضروری ہے، اگر اس کے برعکس نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی، کفر ہوگا تو اسے ہر صورت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی، وہاں کوئی ایسا دوست یا مددگار نہیں ہوگا جو برائی کی سزا سے بچا سکے۔ آیت میں اہل کتاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی خطاب فرمایا ہے تا کہ وہ بھی یہود و نصاریٰ کی سی غلط فہمیوں، خوش فہمیوں اور عمل سے خالی آرزوؤں اور تمناؤں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔ لیکن افسوس مسلمان اس تنبیہ کے باوجود انھی خام خیالیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں سابقہ امتیں گرفتار ہوئیں۔ اور آج بے عملی اور بد عملی مسلمان کا بھی شعار بنی ہوئی ہے اور اس کے باوجود وہ امت مرحومہ کہلانے پر مصر ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1] یہاں کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا جارہا ہے۔ معیار یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے اور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ ﴿خَلِيْلًا﴾ کے معنی ہیں کہ جس کے دل میں محبت اس طرح خالص اور راسخ ہو کہ اس میں کوئی خلل و نقص نہ ہو۔ خلیل (بروزن فعیل) بمعنی فاعل ہے، جیسے علیم بمعنی عالم اور بعض کہتے ہیں کہ بمعنی مفعول ہے، جیسے حبیب بمعنی محبوب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یقیناً اللہ کے محبّ بھی تھے اور محبوب بھی۔ (فتح القدیر) اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ نے مجھے بھی خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خلیل بنایا۔'' (صحیح مسلم، حدیث:23-(532))

[2] عورتوں کے بارے میں جو سوالات ہوتے رہتے تھے، یہاں سے ان کے جوابات دیے جارہے ہیں۔

[3] ﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ اس کا عطف ﴿اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ﴾ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بابت وضاحت فرماتا ہے اور کتاب اللہ کی وہ آیاتِ وضاحت کرتی ہیں جو اس سے قبل یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل ہو چکی ہیں۔ مراد ہے سورۂ نساء کی آیت:3 جس میں ان لوگوں کو اس بے انصافی سے روکا گیا ہے کہ وہ یتیم لڑکی سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی تو کر لیتے تھے لیکن مہر مثل دینے سے گریز کرتے تھے۔

[4] اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں، ایک تو یہی جو مرحوم مترجم نے کیا ہے، اس میں فِي کا لفظ محذوف ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ عَنْ کا

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

کمزور بچوں کے بارے میں① اور اس بارے میں کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔② تم جو نیک کام کرو، بلا شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے﴿127﴾ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پروائی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔③ صلح بہت بہتر چیز ہے، طمع ہر ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے۔④ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ پوری طرح خبر دار ہے﴿128﴾ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو، گو تم اس کی کتنی ہی خواہش و کوشش کر لو، اس لیے بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ

لفظ محذوف مان کر کیا گیا ہے، یعنی تَرْغَبُونَ عَنْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ "تمھیں ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہ ہو۔" رغب کا صلہ عن آئے تو معنی اعراض اور بے رغبتی کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ﴾ (البقرة 2:130) "ملت ابراہیم سے بے رغبتی کون کر سکتا ہے۔" میں ہے یہ گویا دوسری صورت بیان کی گئی ہے کہ یتیم لڑکی بعض دفعہ بدصورت ہوتی تو اس کے ولی یا اس کے ساتھ وراثت میں شریک دوسرے ورثاء خود بھی اس کے ساتھ نکاح کرنا پسند نہ کرتے اور کسی دوسری جگہ بھی اس کا نکاح نہ کرتے...... تا کہ کوئی اور شخص اس کے حصۂ جائیداد میں شریک نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی صورت کی طرح ظلم کی اس دوسری صورت سے بھی منع فرمایا۔

① اس کا عطف ﴿يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ پر ہے، یعنی وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ فِي الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ "یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم پر جو پڑھا جاتا ہے (سورۂ نساء کی آیت:3) اور کمزور بچوں کی بابت جو پڑھا جاتا ہے اس سے مراد قرآن کا حکم ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ ہے جس میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ جبکہ زمانۂ جاہلیت میں صرف بڑے لڑکوں کو ہی وارث سمجھا جاتا تھا، چھوٹے کمزور بچے اور عورتیں وراثت سے محروم ہوتی تھیں۔ شریعت نے سب کو وارث قرار دیا۔

② اس کا عطف بھی ﴿يَتٰمَى النِّسَآءِ﴾ پر ہے، یعنی کتاب اللہ کا یہ حکم بھی تم پر پڑھا جاتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔ یتیم بچی صاحب جمال ہو تب بھی اور بدصورت ہو تب بھی۔ دونوں صورتوں میں انصاف کرو۔ (جیسا کہ تفصیل گزری)

③ خاوند اگر کسی وجہ سے اپنی بیوی کو ناپسند کرے اور اس سے دور رہنا (نُشُوز) اور اعراض کرنا معمول بنا لے یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی کم تر خوب صورت بیوی سے اعراض کرے تو عورت اپنا کچھ حق چھوڑ کر (مہر سے یا نان ونفقہ سے یا باری سے) خاوند سے مصالحت کر لے تو اس مصالحت میں خاوند یا بیوی پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ صلح بہر حال بہتر ہے۔ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑھاپے میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی جسے نبی ﷺ نے قبول فرما لیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 2593، و صحيح مسلم، حديث: 47-(1463))

④ ﴿الشُّحَّ﴾ بخل اور طمع کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد اپنا اپنا مفاد ہے جو ہر نفس کو عزیز ہوتا ہے، یعنی ہر نفس اپنے مفاد میں بخل اور طمع

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ
اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿131﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ

چھوڑو[1] اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے﴿129﴾ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا،[2] اللہ وسعت والا حکمت والا ہے﴿130﴾ زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم کفر کرو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بہت بے نیاز اور قابلِ تعریف ہے﴿131﴾ اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کارساز کافی ہے﴿132﴾ اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو! وہ تم

سے کام لیتا ہے۔

① یہ ایک دوسری صورت ہے کہ ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دلی تعلق اور محبت میں وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کر سکتا کیونکہ محبت، فعل قلب ہے جس پر کسی کو اختیار نہیں ہے، خود نبی ﷺ کو بھی اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ خواہش کے باوجود انصاف نہ کرنے سے مطلب یہی قلبی میلان اور محبت میں عدم مساوات ہے۔ اگر یہ قلبی محبت ظاہری حقوق کی مساوات میں مانع نہ بنے تو عنداللہ قابل مؤاخذہ نہیں۔ جس طرح نبی ﷺ نے اس کا نہایت عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ لیکن اکثر لوگ اس قلبی محبت کی وجہ سے دوسری بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں اور ظاہری طور پر بھی ''محبوب بیوی'' کی طرح دوسری بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور انھیں معلقہ (درمیان میں لٹکی ہوئی) بنا کر رکھ چھوڑتے ہیں، نہ انھیں طلاق دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں۔ یہ انتہائی ظلم ہے جس سے یہاں روکا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو (دوسری کو نظر انداز کیے رکھے) تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ (نصف) ساقط ہوگا۔ (جامع الترمذي، حديث:1141)

② یہ تیسری صورت ہے کہ کوشش کے باوجود اگر نباہ کی صورت نہ بنے تو پھر طلاق کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ ممکن ہے علیحدگی کے بعد مرد کو مطلوبہ صفات والی بیوی اور عورت کو مطلوبہ صفات والا مرد مل جائے۔ اسلام میں طلاق کو اگرچہ سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: «أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ» (سنن أبي داود، حديث:2178، و مشكاة المصابيح: 978/2) ''طلاق ایسا حلال کام ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے۔'' اس کے باوجود اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ قرآن وسنت کی نصوص سے یہ واضح ہے کہ یہ حق اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب نباہ کی کوئی صورت کسی طرح بھی نہ بن سکے۔ ملحوظہ: حدیث مذکور «أَبْغَضُ الْحَلَالِ ---» کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (إرواء الغليل، حديث:2040) تاہم عذر شرعی

وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿134﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿135﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے﴿133﴾ جو شخص[1] دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو (یاد رکھو کہ) اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا ثواب موجود ہے[2] اور اللہ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے﴿134﴾ اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمھارے اپنے خلاف ہو یا تمھارے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے،[3] وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے،[4] اس لیے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا[5] اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی[6] تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے﴿135﴾ اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر

کے بغیر طلاق کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

① یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ وکاملہ کا اظہار ہے جبکہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد 47:38) "اگر تم پھر و گے تو وہ تمھاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔"

② جیسے کوئی شخص صرف مال غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کرے تو کتنی نادانی کی بات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں کا ثواب عطا فرمانے پر قادر ہے تو پھر اس سے ایک ہی چیز کیوں طلب کی جائے؟ انسان دونوں ہی کا طلب گار کیوں نہ بنے؟

③ اس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عدل و انصاف قائم کرنے اور حق کے مطابق گواہی دینے کی تاکید فرما رہا ہے، چاہے اس کی وجہ سے انھیں یا ان کے والدین اور رشتہ داروں کو نقصان ہی اٹھانا پڑے، اس لیے کہ حق سب پر حاکم ہے اور سب پر مقدم ہے۔

④ یعنی کسی مال دار کی مالداری کی وجہ سے رعایت کی جائے نہ کسی فقیر کے فقر کا اندیشہ تمھیں سچی بات کہنے سے روکے بلکہ اللہ ان دونوں سے تمھارے زیادہ قریب اور مقدم ہے۔

⑤ یعنی خواہش نفس، عصبیت یا بغض تمھیں انصاف کرنے سے نہ روک دے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المآئدة 5:8) "تمھیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔"

⑥ ﴿تَلْوٗۤا﴾ لَیّ سے ہے جو تحریف اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کو کہا جاتا ہے۔ مطلب شہادت میں تحریف و تغییر ہے اور اعراض سے مراد شہادت کا کتمان (چھپانا) اور اس کا ترک کرنا ہے۔ ان دونوں باتوں سے بھی روکا گیا ہے۔ اس آیت میں عدل و انصاف کی تاکید اور اس کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہے، ان کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً: ① ہر حال میں عدل کرو اس سے سرمو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اور کوئی اور محرک اس میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ اس کے قیام میں تم ایک دوسرے کے معاون اور

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿136﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿138﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ[1] جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ﴿136﴾ جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے، اللہ یقیناً انھیں نہ بخشے گا اور نہ انھیں راہ ہدایت سمجھائے گا ﴿137﴾[2] منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے ﴿138﴾ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں،[3] کیا ان

دست و بازو بنو۔② صرف اللہ کی رضا تمھارے پیش نظر ہو کیونکہ اس صورت میں تم تحریف، تبدیلی اور کتمان سے گریز کرو گے اور تمھارا فیصلہ عدل کی میزان میں پورا اترے گا۔③ عدل و انصاف کی زد اگر تم پر یا تمھارے والدین یا دیگر قریبی رشتے داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پروا مت کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو۔④ کسی مال دار کو اس کی تونگری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف مت کھاؤ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟⑤ فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمنی آڑے نہیں آنی چاہیے بلکہ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل کرو۔

عدل کا یہ اہتمام جس معاشرے میں ہوگا، وہاں امن و سکون اور اللہ کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو بھی خوب سمجھ لیا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بابت آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا تخمینہ لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے انھیں رشوت کی پیشکش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں، انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ لیکن اپنے محبوب کی محبت اور تمھاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمھارے معاملے میں انصاف نہ کروں۔'' یہ سن کر انھوں نے کہا: ''اسی عدل کی وجہ سے آسمان و زمین کا یہ نظام قائم ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

① ایمان والوں کو ایمان لانے کی تاکید تحصیل حاصل والی بات نہیں بلکہ کمال ایمان اور اس پر استقرار و اثبات کا حکم ہے، جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا مفہوم ہے۔

② بعض مفسرین نے اس سے مراد یہود لیے ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کا انکار کیا، پھر حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا بھی انکار کیا اور بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں، چونکہ مقصد ان کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا، اس لیے وہ بار بار اپنی مسلمانی کا ڈھونگ رچاتے تھے بالآخر کفر و ضلالت میں اتنے بڑھ گئے کہ ان کی ہدایت کی امید منقطع ہوگئی۔

③ جس طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ منافقین کافروں کے پاس جا کر یہی کہتے تھے کہ ہم تو حقیقت میں تمھارے ہی

جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع 20 / 7 / 17

کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ (تو یاد رکھیں کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضے میں ہے (139)[1] اور اللہ تمھارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی (مجلس والوں) کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انھی جیسے ہو،[2] یقیناً اللہ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے (140) یہ لوگ تمھارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمھیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمھارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟[3] پس قیامت میں خود اللہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا[4] اور اللہ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا (141)[5]

ساتھی ہیں، مسلمانوں سے تو ہم یوں ہی استہزا کرتے ہیں۔

① یعنی عزت کافروں کے ساتھ موالات و محبت سے نہیں ملے گی کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ عزت اپنے ماننے والوں ہی کو عطا فرماتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر 10:35) ''جو عزت کا طالب ہے تو (اسے سمجھ لینا چاہیے کہ) عزت سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (المنٰفقون 8:63)، یعنی وہ نفاق کے ذریعے سے اور کافروں سے دوستی کے ذریعے سے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ طریقہ ذلت وخواری کا ہے، عزت کا نہیں۔

② یعنی منع کرنے کے باوجود اگر تم ایسی مجلسوں میں، جہاں آیات الٰہی کا استہزا کیا جاتا ہو بیٹھو گے اور اس پر نکیر نہیں کرو گے تو پھر تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہو گے، جیسے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔'' (مسند أحمد: 20/1 و339/3) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ و رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً مذاق اڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں کیا جاتا ہے۔

③ یعنی ہم تم پر غالب آنے لگے تھے لیکن تمھیں اپنا ساتھی سمجھ کر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہم نے تمھیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا۔ مطلب یہ کہ تمھیں غلبہ ہماری اس دوغلی پالیسی کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے جو ہم نے مسلمانوں میں ظاہری طور پر شامل ہو کر اپنائے رکھی لیکن درپردہ ان کو نقصان پہنچانے میں ہم نے کوئی کوتاہی اور کمی نہیں کی تاآنکہ تم ان پر غالب آ گئے۔ یہ منافقین

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿142﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ ان سے چالبازی کرنے والا ہے[1] اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں،[2] صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں،[3] اور یادِ الٰہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں ﴿142﴾[4] وہ درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی

کا قول ہے جو انھوں نے کافروں سے کہا۔

④ یعنی دنیا میں تم نے دھوکے اور فریب سے وقتی طور پر کچھ کامیابی حاصل کر لی لیکن قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان باطنی جذبات و کیفیات کی روشنی میں ہوگا جنھیں تم سینوں میں چھپائے ہوئے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی خوب جانتا ہے اور پھر اس پر جو وہ سزا دے گا تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں منافقت اختیار کر کے نہایت خسارے کا سودا کیا تھا جس پر جہنم کا دائمی عذاب بھگتنا ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

⑤ یعنی غلبہ نہ دے گا۔ اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ① اہل اسلام کا یہ غلبہ قیامت والے دن ہوگا۔ ② حجت اور دلائل کے اعتبار سے کافر مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکتے۔ ③ کافروں کا ایسا غلبہ نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کی دولت و شوکت کا بالکل ہی خاتمہ ہو جائے اور وہ حرف غلط کی طرح دنیا کے نقشے سے ہی محو ہو جائیں۔ ایک حدیث صحیح سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ④ جب تک مسلمان اپنے دین کے عامل، باطل سے غیر راضی اور منکرات سے روکنے والے رہیں گے، کافران پر غالب نہ آ سکیں گے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں کہ ''یہ سب سے عمدہ معنی ہیں۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ (الشوریٰ 30:42) ''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، سو تمھارے اپنے فعلوں کی وجہ سے۔'' (فتح القدير) گویا مسلمانوں کی مغلوبیت ان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔

① اس کی مختصر توضیح سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔

② نماز اسلام کا اہم ترین رکن اور اشرف ترین فرض ہے اور اس میں بھی وہ کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے تھے کیونکہ ان کا قلب ایمان، خشیت الٰہی اور خلوص سے محروم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عشاء اور فجر کی نماز بطور خاص ان پر بہت بھاری تھی جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ» (صحيح البخاري، قبل حديث: 564) ''منافق پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے زیادہ بھاری ہے۔''

③ یہ نماز بھی وہ صرف ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے پڑھتے تھے تاکہ مسلمانوں کو فریب دے سکیں۔

④ اللہ کا ذکر تو برائے نام کرتے ہیں یا نماز مختصر سی پڑھتے ہیں۔ أَيْ لَا يُصَلُّونَ إِلَّا صَلَاةً قَلِيلَةً جب نماز اخلاص، خشیت الٰہی اور خشوع سے خالی ہو تو اطمینان سے نماز کی ادائیگی نہایت گراں ہوتی ہے جیسا کہ ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرة 45:2) سے واضح ہے۔ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان (غروب کے قریب) ہو جاتا ہے تو اٹھتا ہے

وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا
الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿144﴾ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾

طرف[1] اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا ﴿143﴾ اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صاف حجت قائم کر لو ﴿144﴾[2] منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں جائیں گے،[3] ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے ﴿145﴾ ہاں، جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں،[4] اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا ﴿146﴾ اللہ تمھیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو،[5] اللہ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے ﴿147﴾[6]

ٹھونگیں مار لیتا ہے......‘‘(صحیح مسلم، حدیث:195-(622)، و الموطأ للإمام مالك:207/1)

① کافروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کے ساتھ اور مومنوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے ساتھ دوستی اور تعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاھرًا وباطنًا وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں نہ کافروں کے ساتھ۔ ظاہراً ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہے تو باطن کافروں کے ساتھ اور بعض منافق تو کفر و ایمان کے درمیان متحیر اور تذبذب ہی کا شکار رہتے تھے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ’’منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو جفتی کے لیے دو ریوڑوں کے درمیان متردد رہتی ہے، (بکرے کی تلاش میں) کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے، کبھی دوسرے کی طرف۔‘‘(صحیح مسلم، حدیث:17-(2784))

② یعنی اللہ نے تمھیں کافروں کی دوستی سے منع فرمایا ہے۔ اب اگر تم دوستی کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کو یہ دلیل مہیا کر رہے ہو کہ وہ تمھیں بھی سزا دے۔ (معصیت الٰہی اور حکم عدولی کی وجہ سے)

③ جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہاویہ کہلاتا ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا منافقین کی مذکورہ عادات سے ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

④ یعنی منافقین میں سے جو ان چار چیزوں کا خلوص دل سے اہتمام کرے گا، وہ جہنم میں جانے کی بجائے جنت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوگا۔

⑤ شکر گزاری کا مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق برائیوں سے اجتناب اور عمل صالح کا اہتمام کرنا۔ یہ گویا اللہ کی نعمتوں کا عملی شکر ہے اور ایمان سے مراد اللہ کی توحید و ربوبیت پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے۔

⑥ یعنی جو اس کا شکر کرے گا، وہ قدر کرے گا، جو دل سے ایمان لائے گا، وہ اس کو جان لے گا اور اس کے مطابق وہ بہترین جزا سے نوازے گا۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿148﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿150﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے[1] اور اللہ خوب سنتا جانتا ہے﴿148﴾ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگزر کرو،[2] پس یقیناً اللہ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے﴿149﴾ جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں﴿150﴾ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر

① شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو بلکہ تنہائی میں اس کو سمجھاؤ، الا یہ کہ کوئی دینی مصلحت ہو۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب ویسے ہی ممنوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے برسر عام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے اور اس کی وجہ سے اس برائی کا جرم بڑھ سکتا ہے۔ قرآن کے الفاظ مذکورہ دونوں قسم کی برائیوں کے اظہار سے ممانعت کو شامل ہیں اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص کو اس کی کردہ یا ناکردہ حرکت پر برا بھلا کہا جائے، البتہ اس سے ایک استثنا ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کرسکتے ہو جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آ جائے یا اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ نے اولاً اسے صبر کی تلقین فرمائی، وہ پھر دو تین مرتبہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا: ”تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو۔“ اس نے ایسا ہی کیا، چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑوسی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر رہ گزر اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورتحال دیکھ کر معذرت کر لی اور اسے آئندہ کے لیے ایذا نہ پہنچانے کا وعدہ کر لیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔ (سنن أبي داود، حديث:5153)

② کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم یا برائی کا ارتکاب کرے تو شریعت نے اس حد تک بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ جس حد تک اس پر ظلم ہوا ہے۔ «اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ» (صحيح مسلم، حديث:68-(2587)) ”آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو شخص جو کچھ کہیں اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے (بشرطیکہ) مظلوم (جسے پہلے گالی دی گئی) زیادتی نہ کرے۔“ لیکن بدلہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ معافی اور درگزر کو زیادہ پسند فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود باوجود قدرت کاملہ کے عفو و درگزر سے کام لینے والا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشورىٰ 40:42) ”برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔“ اور حدیث میں بھی ہے: ”معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔“ (صحيح مسلم، حديث:69-(2588)).

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿151﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾ ع 21 يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿153﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿154﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

ہیں،[1] اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ﴿151﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ ہیں جنھیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا[2] اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ﴿152﴾ آپ سے اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائیں،[3] موسیٰ سے تو انھوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ کو دکھا دے، پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی، پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں، انھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ (اور صریح دلیل) عنایت فرمائی ﴿153﴾ اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سے سخت قول و قرار لیے ﴿154﴾ (یہ سزا تھی) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے،[4]

---

① اہل کتاب کے متعلق پہلے گزر چکا ہے کہ وہ بعض نبیوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں، جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ و حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان تفریق کرنے والے یہ پکے کافر ہیں۔

② یہ ایمانداروں کا شیوہ بتلایا کہ وہ سب انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس طرح مسلمان ہیں کہ وہ کسی بھی نبی کا انکار نہیں کرتے۔ اس آیت سے بھی ''وحدت ادیان'' کی نفی ہوتی ہے جس کے قائلین کے نزدیک رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ ان غیر مسلموں کو بھی نجات یافتہ سمجھتے ہیں جو اپنے تصورات کے مطابق ایمان باللہ رکھتے ہیں۔ لیکن قرآن کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ ایمان باللہ کے ساتھ تمام رسولوں پر اور بالخصوص رسالت محمدیہ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اگر اس آخری رسالت کا انکار ہوگا تو اس انکار کے ساتھ ایمان باللہ غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ کی آیت:62 کا حاشیہ)

③ یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور تختیوں پر لکھی ہوئی تورات لے کر آئے، اسی طرح آپ بھی آسمان پر جا کر لکھا ہوا قرآن مجید لے کر آئیں۔ یہ مطالبہ محض عناد، جحود اور تعنت کی بنا پر تھا۔

④ تقدیری عبارت یوں ہوگی: فَبِنَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ یعنی ہم نے ان کے نقض میثاق، کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء وغیرہ کی وجہ سے ان پر لعنت کی یا سزا دی۔

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿155﴾

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿156﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ 15

مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ج وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿157﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط

اور اس سبب سے کہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے، حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اس لیے وہ قلیل ہی ایمان لاتے ہیں﴿155﴾ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث﴿156﴾[1] اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا[2] بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی۔[3] یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انھیں حقیقتِ حال کا کوئی علم نہیں ہے وہ محض ظن کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔[4] اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے اسے قتل نہیں کیا﴿157﴾ بلکہ اللہ نے انھیں

① اس سے مراد یوسف نجار کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام پر بدکاری کی تہمت ہے۔ آج بھی بعض نام نہاد محققین اس بہتان عظیم کو ایک "حقیقت ثابتہ" باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف نجار (نعوذ باللّٰہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا اور یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے معجزانہ ولادت کا انکار کرتے ہیں۔

② اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی چڑھانے میں جیسا کہ ان کا منصوبہ تھا۔ اس کی مختصر وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت:55 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

③ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے حواریوں کو، جن کی تعداد 12 یا 17 تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل و صورت میری جیسی بنا دی جائے؟ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انھوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھا دیا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔ یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے، درآں حالیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے وہ زندہ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے۔(ابن کثیر و فتح القدیر)

④ عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل شخص کو قتل کرنے کے بعد ایک گروہ تو یہی کہتا رہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جبکہ دوسرا گروہ جسے یہ اندازہ ہو گیا کہ مصلوب شخص عیسیٰ نہیں، کوئی اور ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور مصلوب ہونے کا انکار کرتا رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ کو آسمان پر جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو خود عیسائیوں کے درمیان ہوا۔ عیسائیوں کے نسطوریہ فرقے نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام جسم کے لحاظ سے تو سولی دے دیے گئے لیکن لاہوت (خداوندی) کے اعتبار سے نہیں۔ ملکانیہ فرقے نے کہا کہ یہ قتل وصلب ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے مکمل طور پر ہوا ہے۔(فتح القدیر) بہرحال وہ اختلاف، تردد اور شک کا شکار رہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿158﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿159﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ

اپنی طرف اٹھالیا[1] اور اللہ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ﴿158﴾[2] اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے،[3] اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ﴿159﴾[4] جو نفیس چیزیں یہودیوں کے لیے حلال کی گئی تھیں، وہ ہم

① یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا اور متواتر صحیح احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ یہ احادیث صحیحین سمیت حدیث کی اکثر کتابوں میں بھی وارد ہیں۔(صحيح البخاري، حديث: 3448، و صحيح مسلم، حديث:242-(155)) ان احادیث میں آسمان پر اٹھائے جانے کے علاوہ قیامت کے قریب ان کے نزول کا اور دیگر بہت سی باتوں کا تذکرہ ہے۔ امام ابن کثیر یہ تمام روایات ذکر کر کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے متواتر ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابوامامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، مجمع بن جاریہ، ابی سریحہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان احادیث میں آپ کے نزول کی صفت اور جگہ کا بیان ہے، آپ دمشق میں منارہ شرقیہ کے پاس اس وقت اتریں گے جب فجر کی نماز کے لیے اقامت ہو رہی ہوگی، آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ معاف کر دیں گے، ان کے دور میں سب مسلمان ہو جائیں گے، دجال کا قتل بھی آپ کے ہاتھوں سے ہوگا اور یاجوج و ماجوج کا ظہور و فساد بھی آپ کی موجودگی میں ہوگا، بالآخر آپ ہی کی بددعا سے ان کی ہلاکت واقع ہوگی۔ (ملخصاً)

② زبردست اور غالب ہے، اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو اس کی پناہ میں آجائے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ حکیم بھی ہے، وہ جو فیصلہ بھی کرتا ہے حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

③ ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک اہل کتاب (نصاریٰ) ہیں اور مطلب یہ کہ ہر کتابی موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے۔ گو موت کے وقت کا ایمان نافع نہیں۔ لیکن سلف اور اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کا دوبارہ دنیا میں نزول ہوگا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے تو اس وقت جتنے یہودی اور عیسائی ہونگے ایمان لائیں گے یا قتل کر دیے جائیں گے۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے بچنے والا کوئی یہودی یا عیسائی نہ ہوگا مگر وہ ایمان لا چکا ہوگا۔ چنانچہ ان پر ایمان لائیں گے۔ (خواہ ان کا ایمان کسی بھی ڈھنگ کا ہو)۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور ایک وقت آئے گا کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل بن کر نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے اور مال کی اتنی بہتات ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ہوگا۔ (صدقہ خیرات لینے والا کوئی نہیں ہوگا) حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ ''اہل کتاب میں سے ہر ایک اپنی وفات یا حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ضرور ان پر ایمان لائے گا''(صحيح البخاري، حديث: 3448) اور ابوداود (4324) میں مزید یہ کہ وہ اسلام کی طرف بلائیں گے، اور اللہ اس زمانے میں تمام دین ختم کر دیں گے سوائے اسلام کے بالحدیث۔ یہ احادیث اتنی کثرت سے آئی ہیں کہ انھیں تواتر کا درجہ حاصل ہے اور انھی متواتر صحیح روایات کی بنیاد پر اہل سنت کے

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿160﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿161﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿162﴾ ع اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ

22 ع 10 2

نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور اللہ کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ﴿160﴾ [1] اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿161﴾ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں [2] اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں [3] اور زکاۃ کے ادا کرنے والے ہیں [4] اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں، [5] یہ ہیں جنھیں ہم بہت بڑے اجر عطا فرمائیں گے ﴿162﴾ یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف [6]

تمام مکاتب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دنیا میں ان کا نزول ہوگا اور دجال کا اور تمام ادیان کا خاتمہ فرما کر اسلام کو غالب فرمائیں گے۔ یاجوج ماجوج کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی موجودگی میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے ہی اس فتنے کا بھی خاتمہ ہوگا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

④ یہ گواہی اپنی پہلی زندگی کے حالات سے متعلق ہوگی جیسا کہ سورۂ مائدہ کے آخر میں وضاحت ہے: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ (المآئدة 5:117) ''میں جب تک ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے باخبر رہا۔''

① یعنی ان کے ان جرائم و معاصی کی وجہ سے بطور سزا بہت سی حلال چیزیں ہم نے ان پر حرام کر دی تھیں۔ (جن کی تفصیل سورۂ انعام 6:146 میں ہے)

② ان سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

③ ان سے مراد بھی وہ اہل ایمان ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے یا پھر مہاجرین و انصار مراد ہیں، یعنی شریعت کا پختہ علم رکھنے والے اور کمال ایمان سے متصف لوگ ان معاصی کے ارتکاب سے بچتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

④ اس سے مراد زکاۃ اموال ہے یا زکاۃ نفوس، یعنی اپنے اخلاق و کردار کی تطہیر اور ان کا تزکیہ کرنا، یا دونوں ہی مراد ہیں۔

⑤ یعنی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نیز بعث بعد الموت اور عملوں پر جزا و سزا کا یقین رکھتے ہیں۔

⑥ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا اور یوں نبی ﷺ کی وحی رسالت سے بھی انکار کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر) جس میں مذکورہ قول کا رد کرتے ہوئے

وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿163﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿164﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿165﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ

اور ہم نے داود کو زبور عطا فرمائی ﴿163﴾ اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں [1] اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے [2] اور موسیٰ سے اللہ نے صاف طور پر کلام کیا ﴿164﴾ [3] ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے [4] تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے۔ [5] اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ﴿165﴾ جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے

رسالت محمدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کا اثبات کیا گیا ہے۔

① جن رسولوں کے اسمائے گرامی اور ان کے واقعات قرآن کریم میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تعداد 24 یا 25 ہے۔ ① آدم ② ادریس ③ نوح ④ ہود ⑤ صالح ⑥ ابراہیم ⑦ لوط ⑧ اسماعیل ⑨ اسحاق ⑩ یعقوب ⑪ یوسف ⑫ ایوب ⑬ شعیب ⑭ موسیٰ ⑮ ہارون ⑯ یونس ⑰ داود ⑱ سلیمان ⑲ الیاس ⑳ الیسع ㉑ زکریا ㉒ یحیٰ ㉓ عیسیٰ ㉔ ذوالکفل (اکثر مفسرین کے نزدیک) ㉕ محمد۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

② جن انبیاء ورسل کے نام اور واقعات قرآن میں بیان نہیں کیے گئے، ان کی تعداد کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک حدیث میں جو بہت مشہور ہے ایک لاکھ 24 ہزار اور ایک حدیث میں 8 ہزار تعداد بتلائی گئی ہے لیکن ان روایات میں کلام ہے۔ قرآن وحدیث سے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار وحالات میں مبشرین ومنذرین (انبیاء) آتے رہے ہیں۔ بالآخر یہ سلسلۂ نبوت حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا گیا۔ آپ سے پہلے کتنے نبی آئے؟ ان کی صحیح تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، تاہم محمد ﷺ کے بعد جتنے بھی دعوے داران نبوت ہو گزرے یا ہوں گے، سب دجال اور کذاب ہیں اور ان کی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور امت محمدیہ سے الگ ایک متوازی امت ہیں، جیسے امت بابیہ، بہائیہ اور امت مرزائیہ وغیرہ۔ اسی طرح مرزا قادیانی کو مسیح موعود ماننے والے لاہوری مرزائی بھی۔

③ یہ موسیٰ علیہ السلام کی وہ خاص صفت ہے جس میں وہ دوسرے انبیاء سے ممتاز ہیں۔ صحیح ابن حبان کی ایک روایت کی رو سے امام ابن کثیر نے اس صفت ہم کلامی میں حضرت آدم علیہ السلام وحضرت محمد ﷺ کو بھی شریک مانا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) زیر آیت ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرة 2:253)

④ ایمان والوں کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور کافروں کو اللہ کے عذاب اور بھڑکتی ہوئی جہنم سے ڈرانا۔

⑤ یعنی نبوت یا إنذار و تبشیر کا یہ سلسلہ ہم نے اس لیے قائم فرمایا کہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾ (طٰہٰ 20:134) ”اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل ورسوا ہونے سے پیشتر تیری آیات کی پیروی کر لیتے۔“

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝166 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝167 اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝168 اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝169 يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝170 يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا

اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ بطور گواہ کافی ہے (166) جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے (167) جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، انھیں اللہ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انھیں کوئی راہ دکھائے گا (168)[1] بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے (169) اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تا کہ تمھارے لیے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے،[2] اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے (170) اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ[3] اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ

---

(1) کیونکہ مسلسل کفر اور ظلم کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنے دلوں کو سیاہ کر لیا ہے جس سے اب ان کی ہدایت و مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔

(2) یعنی تمھارے کفر سے اللہ کا کیا بگڑے گا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ (إبراهيم 8:14) ''اگر تم اور روئے زمین پر بسنے والے سب کے سب کفر کا راستہ اختیار کر لیں تو وہ اللہ کا کیا بگاڑیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو بے پروا تعریف کیا گیا ہے۔'' اور حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمھارے اول و آخر تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے تو اس سے میری بادشاہی میں اضافہ نہیں ہو گا اور اگر تمھارے اول و آخر اور انس و جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان ہو تو اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور مجھ سے سوال کرو اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے میں اتنی ہی کمی ہو گی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:55-(2577))

(3) غُلُو کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہ انھیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 31:9) ''انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔'' یہ رب بنانا حدیث کے مطابق، ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ درآں حالیکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علماء وغیرہ کو دے دیا۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے

اَلْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

وقف لازم — ع 23 ۹ 3

کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں، جسے اس نے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح[1] ہیں، اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں،[2] اس سے باز آجاؤ کہ تمھارے لیے بہتری ہے، اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا ﴿۱۷۱﴾ مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو،[3] اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے، اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا ﴿۱۷۲﴾

بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا: «لَاتُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ» (صحيح البخاري، حديث: 3445، و مسند أحمد: 23/1 و47) ’’تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔‘‘ لیکن افسوس امت محمدیہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمدیہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا جو دراصل عیسائیوں کا وتیرہ تھا۔ اسی طرح علماء و فقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کی بجائے ان کو شارع (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنا دیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سچ فرمایا نبی ﷺ نے: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ -----» (صحيح البخاري، حديث: 7320، و صحيح مسلم، حديث: 6-(2669)) ’’تم بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے۔‘‘ یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔

[1] کلمة الله کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کن سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ نَفْخَه (پھونک) ہے جو حضرت جبریل نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ اللہ کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں جسے لے کر جبریل حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[2] عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ أَقَانِيمِ ثَلَاثَه (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ کے ثَالِثُ ثَلَاثَه (تین میں سے ایک) ہونے کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین خدا کہنے سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے۔

[3] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بعض لوگوں نے فرشتوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور اس سے انھیں قطعاً کوئی انکار نہیں ہے۔ تم انھیں اللہ یا اس کی الوہیت میں شریک کس بنیاد پر بناتے ہو؟

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿173﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿174﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿175﴾ؕ یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ

پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انھیں اور زیادہ دے گا،[1] اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا،[2] انھیں المناک عذاب دے گا،[3] اور وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی، دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے ﴿173﴾ اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی[4] اور ہم نے تمھاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا ہے[5] ﴿174﴾ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا، انھیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انھیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے گا ﴿175﴾ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ خود تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے[6] اور وہ بھائی

---

① بعض نے اس ''زیادہ'' سے مراد یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو شفاعت کا حق عطا فرمائے گا، یہ اذن شفاعت پا کر جن کی بابت اللہ چاہے گا یہ شفاعت کریں گے۔

② یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت سے رکے رہے اور اس سے انکار و تکبر کرتے رہے۔

③ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ○﴾ (المؤمن 60:40) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار (انکار و تکبر) کرتے ہیں، یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

④ برہان، ایسی دلیل قاطع جس کے بعد کسی کو عذر کی گنجائش نہ رہے اور ایسی حجت جس سے ان کے شبہات زائل ہو جائیں، اسی لیے آگے اسے نور سے تعبیر فرمایا۔

⑤ اس سے مراد قرآن کریم ہے جو کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہدایت کا نور ہے۔ ضلالت کی پگڈنڈیوں میں صراط مستقیم اور حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِین ہے، پس اس کے مطابق ایمان لانے والے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔

⑥ کَلَالَہ کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا باپ یا دادا نہ ہو اور اولاد بھی نہ ہو۔ یہاں پھر اس کی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں نے کلالہ اس شخص کو قرار دیا ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو، یعنی باپ موجود ہو لیکن یہ صحیح نہیں۔ کلالہ کی پہلی تعریف ہی صحیح ہے کیونکہ باپ کی موجودگی میں بہن سرے سے وراث ہی نہیں ہوتی۔ باپ اس کے حق میں حاجب بن جاتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر اس کی بہن ہو تو وہ اس کے نصف مال کی وارث ہوگی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ اولاد نہ ہونے کے ساتھ باپ دادا بھی نہ ہو، یوں اولاد کی نفی تو نص سے ثابت ہے اور باپ کی نفی اِشَارَۃُ النَّص سے ثابت ہو جاتی ہے۔

يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿176﴾

اٰيَاتُهَا: 120 (5) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (112) رُكُوْعَاتُهَا: 16

سورۂ مائدہ مدنی ہے اس میں 120 آیات اور 16 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي

اس بہن کا وارث ہوگا۔ اگر اس کے اولاد نہ ہو، [1] پس اگر بہنیں دو ہوں تو انھیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا۔ [2] اور اگر کئی بہن بھائی، یعنی مرد عورتیں ملے جلے ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ [3] اللہ تمھارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ﴿176﴾

اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو، [4] تمھارے لیے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں [5] بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا

ملحوظہ: اولاد سے مراد بیٹی، بیٹا اور بیٹے کی اولاد ہے۔ اسی طرح بہن سے مراد سگی بہن یا علاتی (باپ شریک) بہن ہے۔(أیسر التفاسیر) احادیث سے ثابت ہے کہ اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں صرف بیٹی اور بہن ہے تو بیٹی کو نصف اور باقی بہن کو بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا اور اگر پوتی بھی ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس (چھٹا حصہ) اور بہن کو باقی مال بوجہ عصبہ ہونے کے دے دیا جائے گا۔(فتح القدیر و ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کی اولاد موجود ہو تو بہن کو بحیثیت ذوی الفروض کچھ نہیں ملے گا۔ اب اگر وہ اولاد بیٹا ہو تو کسی اور حیثیت سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر بیٹی ہو تو بہن اس کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی۔

① اسی طرح باپ بھی نہ ہو، اس لیے کہ باپ، بھائی سے قریب ہے، باپ کی موجودگی میں بھائی وارث ہی نہیں ہوتا اگر اس کلالہ عورت کا خاوند یا کوئی ماں شریک بھائی ہوگا تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی مال کا وارث بھائی قرار پائے گا۔(ابن کثیر)

② یہی حکم دو سے زائد بہنوں کی صورت میں بھی ہے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ کلالہ شخص کی دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو انھیں کل مال کا دو تہائی (2/3) حصہ ملے گا۔

③ یعنی کلالہ کے وارث مخلوط (مرد اور عورت دونوں) ہوں تو پھر ''ایک مرد، دو عورتوں کے برابر'' کے اصول پر ورثے کی تقسیم ہوگی۔

④ (عُقُوْدٌ) عَقْدٌ کی جمع ہے، جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں، اس کا استعمال کسی چیز میں گرہ لگانے کے لیے بھی ہوتا ہے اور پختہ عہد و پیمان کرنے کے لیے بھی۔ یہاں اس سے مراد احکام الٰہی ہیں جن کا اللہ نے انسانوں کو مکلف ٹھہرایا ہے اور وہ عہد و پیمان اور معاملات بھی ہیں جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ دونوں کا ایفا ضروری ہے۔

⑤ ﴿بَهِيْمَةٌ﴾ چوپائے (چار ٹانگوں والے جانور) کو کہا جاتا ہے، اس کا مادہ بھم، ابہام ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی گفتگو اور عقل و فہم میں چونکہ ابہام ہے، اس لیے ان کو بَهِيْمَة کہا جاتا ہے۔ ﴿الْاَنْعَامِ﴾ اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ یہ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَام نر اور مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہیں، جن کی تفصیل سورۂ انعام، آیت: 124 میں آئے گی، علاوہ ازیں جو جانور وحشی کہلاتے ہیں، مثلاً: ہرن، نیل گائے وغیرہ جن کا عموماً شکار کیا جاتا ہے، یہ بھی حلال ہیں، البتہ حالت احرام میں

الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

دیے جائیں گے ① مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے① اے ایمان والو! اللہ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو، ② نہ ادب والے مہینوں کی، ③ نہ حرم میں قربان ہونے والے اور پٹے پہنائے گئے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں ④ اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے ارادے سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں، ⑤

ان کا اور دیگر جانوروں اور پرندوں کا شکار ممنوع ہے۔ سنت میں بیان کردہ اصول کی رو سے جو جانور ذوناب اور جو پرندے ذُومِخْلَبْ نہیں ہیں، وہ سب حلال ہیں (سوائے ان کے جن کے بارے میں الگ نص آئی ہو جیسے گدھا وغیرہ) جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ ذوناب کا مطلب ہے: وہ جانور جو اپنے کچلی کے دانت سے اپنا شکار پکڑتا اور چیرتا ہو، مثلاً: شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا وغیرہ اور ذُومِخلَب کا مطلب ہے: وہ پرندہ جو اپنے پنجے کے ذریعے سے اپنے شکار پر جھپٹتا اور اسے پکڑتا ہو، مثلاً: شکرہ، باز، شاہین، عقاب وغیرہ۔

① ان کی تفصیل آیت:2 میں آ رہی ہے۔

② ﴿شَعَآئِرَ﴾ شَعِيرَة کی جمع ہے، اس سے مراد حرمات اللہ ہیں (جن کی تعظیم و حرمت اللہ نے مقرر فرمائی ہے) بعض نے اسے عام رکھا ہے اور بعض کے نزدیک یہاں حج و عمرے کے مناسک مراد ہیں، یعنی ان کی بے حرمتی اور بے توقیری نہ کرو۔ اسی طرح حج و عمرے کی ادائیگی میں کسی کے درمیان رکاوٹ بھی مت بنو کیونکہ یہ بھی بے حرمتی ہی ہے۔

③ ﴿الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ الشهر میں الف لام جنس کا ہے، لہٰذا حرمت کے تمام مہینے مراد ہیں، یعنی حرمت والے چاروں مہینوں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) کی حرمت برقرار رکھو اور ان میں قتال مت کرو۔ بعض نے اس سے صرف ایک مہینہ، یعنی ماہ ذوالحجہ (حج کا مہینہ) مراد لیا ہے۔ بعض نے اس حکم کو ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (التوبة 5:9) سے منسوخ مانا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔ دونوں احکام کے اپنے اپنے دائرے ہیں جن میں تعارض نہیں۔

④ هدی ایسے جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا عمرہ کرنے والے حرم میں قربان کرنے کے لیے ساتھ لے جاتے تھے۔ قلائد قَلَادَةٌ کی جمع ہے جو گلے کے پٹے کو کہا جاتا ہے، یہاں حج یا عمرہ کے موقع پر قربان کیے جانے والے ان جانوروں کو مراد لیا گیا ہے جن کے گلوں میں علامت اور نشانی کے طور پر جوتے یا پٹے ڈال دیے جاتے تھے، پس قلائد سے مقصود وہی جانور ہوئے جنھیں حرم لے جایا جاتا تھا۔ یہ ہدی کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو کسی سے چھینا جائے نہ ان کے حرم تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی جائے۔

⑤ یعنی حج و عمرے کی نیت سے یا تجارت و کاروبار کی غرض سے حرم جانے والوں کو مت روکو نہ انھیں تنگ کرو۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ احکام اس وقت کے ہیں جب مسلمان اور مشرک اکٹھے حج و عمرہ کرتے تھے لیکن جب آیت: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبة 28:9) ”مشرکین تو پلید ہیں، پس اس برس کے بعد وہ خانۂ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔“ نازل ہو گئی تو مشرکین کی حد تک یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض کے نزدیک یہ آیت محکم، یعنی غیر منسوخ ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ (فتح القدیر)

وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

ہاں، جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو،[1] جن لوگوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا، ان کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ،[2] نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو،[3] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ② تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو[4] اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو[5] اور جو کسی چوٹ لگنے سے مر گیا ہو[6]

① یہاں امر اباحت اور جواز بتلانے کے لیے ہے، یعنی جب تم احرام کھول دو تو شکار کرنا تمھارے لیے جائز ہے۔

② یعنی گو تمھیں ان مشرکین نے 6 ہجری میں مسجد حرام میں جانے سے روک دیا تھا لیکن تم ان کے اس روکنے کی وجہ سے ان کے ساتھ زیادتی والا رویہ اختیار مت کرنا۔ دشمن کے ساتھ بھی حلم اور عفو کا سبق دیا جا رہا ہے۔

③ یہ ایک نہایت اہم اصول بیان کر دیا گیا ہے جو ایک مسلمان کے لیے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا لیں!

④ یہاں سے ان محرمات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کا حوالہ سورت کے آغاز میں دیا گیا ہے۔ آیت کا اتنا حصہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت:173)

⑤ گلا کوئی شخص گھونٹ دے یا کسی چیز میں پھنس کر خود گلا گھٹ جائے، دونوں صورتوں میں مردہ جانور حرام ہے۔

⑥ کسی نے پتھر، لاٹھی یا کوئی اور چیز ماری جس سے وہ بغیر ذبح کیے مر گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں ایسے جانوروں کو کھا لیا جاتا تھا۔ شریعت نے منع کر دیا۔

بندوق کا شکار: بندوق کا شکار کیے ہوئے جانور کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ چند صدیوں قبل اس کی ایجاد ہوئی ہے، قرونِ اولیٰ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ بُنْدُقَہ سے مارا ہوا جانور، مَوْقُوْذَۃ ہے۔ تو اس سے مراد غلیل ہے، غلیل میں پتھر رکھ کر مارا جاتا ہے، اس پتھر سے مرنے والا جانور یقیناً مَوْقُوذَۃ ہے جسے اگر ذبح کرنے کا موقع نہیں ملا، تو وہ حرام ہوگا۔ لیکن بندوق کا چھرہ یا گولی، وہ جسم کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہے، اس لیے اس گولی یا چھرے سے ہلاک ہونے والا جانور امام شوکانی رحمہ اللہ، صاحب فقہ السنہ سابق مصری اور علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ بسم اللہ پڑھ کر بندوق کا فائر کیا گیا ہو۔ لیکن دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جسم پھاڑ کر پار ہو جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی ہلاکت محض دباؤ کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ حَد، یعنی دھارے سے واقع ہو۔ اس لیے کہ صحیح بخاری، حدیث:5475 اور صحیح مسلم، حدیث: 1929 میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «مَا أَصَابَ بِحَدِّهٖ فَكُلْهُ وَمَا أَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَهُوَ وَقِيذٌ وَ زَادَ مُسْلِمٌ فَلَا تَأْكُلْهُ» ''جو تیر جانور کو دھار کی طرف سے لگے (اور اس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے) اسے کھا لو اور جو دھار کی بجائے عرض تیر سے مرے، تو وہ موقوذہ ہے، اسے نہ کھاؤ۔'' اس حدیث کی رو سے یہ دیکھا جانا ضروری ہے کہ بندوق کے چھرے یا گولی سے جو ہلاکت ہوتی ہے، وہ محض دباؤ اور زور کی وجہ سے ہوتی ہے یا واقعی اس کی گولی، حد، یعنی دھار سے قتل کرنے کے مفہوم کو شامل ہے۔ اگر اول الذکر صورت ہے تو وہ

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ

اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو[1] اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو[2] اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو[3] لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں،[4] اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو[5] اور یہ بھی کہ قرعے کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو،[6] یہ سب بدترین گناہ ہیں، آج کفار تمھارے دین سے ناامید ہوگئے، خبردار! تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا،

شکار شدہ جانور مَوْقُوذَة، یعنی حرام ہوگا اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ واللّٰہ أعلم بالصواب.

[1] چاہے خود گرا ہو یا کسی نے پہاڑ وغیرہ سے دھکا دے کر گرایا ہو۔

[2] ﴿ اَلنَّطِيْحَةُ ﴾ منطوحة کے معنی میں ہے، یعنی کسی نے اسے ٹکر ماردی اور بغیر ذبح کیے وہ مر گیا۔

[3] یعنی شیر، چیتا اور بھیڑیا وغیرہ جیسے ذوناب (کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں میں سے کسی نے) اسے کھایا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں مر جانے کے باوجود ایسے جانور کو کھا لیا جاتا تھا۔

[4] جمہور مفسرین کے نزدیک یہ استثنا مذکورہ جانوروں میں سے آخری پانچ کے لیے ہے، یعنی مُنْخَنِقَه، مَوْقُوذَه، مُتَرَدِّيَه، نَطِيحَه اور درندوں کا کھایا ہوا اگر تم انھیں اس حال میں پالو کہ ان میں زندگی کے آثار موجود ہوں اور پھر تم انھیں شرعی طریقے سے ذبح کر لو تو تمھارے لیے ان کا کھانا حلال ہوگا۔ زندگی کی علامت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور پھڑکے اور ٹانگیں مارے۔ اگر چھری پھیرتے وقت یہ اضطراب وحرکت نہ ہو تو سمجھ لو یہ مردہ ہے۔ ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبّے پر چھری ماری جائے۔ اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے جبکہ اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کے لیے ذبح اولیٰ ہے۔ جس سے نرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہیں اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

[5] مشرکین اپنے بتوں کے قریب پتھر یا کوئی چیز نصب کر کے ایک خاص جگہ بناتے تھے جسے ﴿ اَلنُّصُبِ ﴾ (تھان یا آستانہ) کہتے تھے۔ اسی پر وہ بتوں کے نام نذر کیے گئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے، یعنی یہ ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ ہی کی ایک شکل تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آستانوں، مقبروں اور درگاہوں پر، جہاں لوگ طلب حاجات کے لیے جاتے ہیں اور وہاں مدفون افراد کی خوشنودی کے لیے جانور (مرغا، بکرا وغیرہ) ذبح کرتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے یہ ﴿ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ میں داخل ہیں یا پکی ہوئی دیگیں تقسیم کرتے ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے۔

[6] ﴿ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ استقسام بالازلام کے دو معنی کیے گئے ہیں: ایک، تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرنا۔ دوسرے، تیروں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنا، پہلے معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ مشرکین جوئے وغیرہ میں ذبح شدہ جانور کی تقسیم کے لیے یہ تیر ہوتے تھے جس میں کسی کو کچھ مل جاتا، کوئی محروم رہ جاتا۔ دوسرے معنی کی رو سے مطلب یہ ہے کہ ازلام سے مراد تیر ہیں جن سے وہ کسی کام کا آغاز کرتے وقت فال لیا کرتے تھے۔ انھوں نے تین قسم کے تیر بنا رکھے تھے۔ ایک اِفْعَل (کر) دوسرے میں لَا تَفْعَلْ (نہ کر) اور تیسرے میں کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اِفْعَلْ والا تیر نکل آتا تو وہ کام کر لیا جاتا، لَا تَفْعَلْ والا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا تیر نکل آتا تو پھر دوبارہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے③ [1] آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں، [2] اور جن شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہے، یعنی جنھیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ نے تمھیں دے رکھی ہے، [3] پس جس شکار کو وہ تمھارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تو تم اس سے کھا لو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو۔ [4] اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے④ کل پاکیزہ چیزیں آج تمھارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے [5] اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب

فال نکالتے۔ یہ بھی کہانت اور اِسْتِمْدَاد لِغَيْرِ اللّٰهِ کی شکل ہے، اس لیے اسے بھی حرام کر دیا گیا۔

① یہ بھوک کی اضطراری کیفیت میں مذکورہ محرمات کے کھانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مقصد اللہ کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، صرف جان بچانا مطلوب ہو۔

② اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو حلال ہیں۔ ہر حلال طیب ہے اور ہر حرام خبیث۔

③ جَوَارِح، جَارِحَةٌ کی جمع ہے جو کاسب (کمانے والا) کے معنی میں ہے یا زخمی کرنے والے کے۔ مراد شکاری کتا، باز، چیتا، شکرا اور دیگر شکاری پرندے اور درندے ہیں۔ ﴿ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ فاعل سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ تم ان شکاری جانوروں کو شکار کے لیے تعلیم دینے والے ہو۔ یا یہ بقول بعض کے مفعول بہ الجوارح سے حال ہے اور اس کا مطلب ہے: شکار پر چھوڑنے سے پہلے ان کو شکار کے لیے سدھایا گیا ہو۔ سدھانے کا مطلب ہے جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو دوڑتا ہوا جائے، جب روک دیا جائے تو رک جائے اور شکار سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے لیے رکھے۔

④ ایسے سدھائے ہوئے جانوروں کا شکار کیا ہوا جانور دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔ ایک یہ کہ اسے شکار کے لیے چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو۔ دوسری یہ کہ شکاری جانور شکار کر کے اپنے مالک کے لیے رکھ چھوڑے خود نہ کھائے حتی کہ اگر اس نے اسے مار بھی ڈالا ہو، تب بھی وہ مقتول شکار شدہ جانور حلال ہو گا بشرطیکہ اس کے شکار میں اس سدھائے اور شکار پر چھوڑے ہوئے جانور کے علاوہ کسی اور جانور کی شرکت نہ ہو۔ (صحيح البخاري، حديث:5483، و صحيح مسلم، حديث:1-(1929))

⑤ اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہو گا جس میں مثلاً خون بہہ گیا ہو یا کوئی اور شرعی مخالفت نہ ہو، چنانچہ ان کا مشینی ذبیحہ حلال نہیں ہے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

ع 1/5 5

دیے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتیں بھی حلال ہیں[1] جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو، اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو یا پوشیدہ بدکاری کرو، منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں⑤ اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو[2] اپنے سروں کا مسح کرو[3] اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو[4] اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو،[5] ہاں، اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم

کیونکہ اس میں خون بہنے کی ایک بنیادی شرط مفقود ہے جبکہ بلاد مغرب (یورپ وغیرہ) میں آج کل مشینی ذبح ہی کا طریقہ ہے۔

① اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاک دامنی کی قید ہے جو آج کل اکثر آزاد خیال نام لیوا اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے۔ عامر شعبی نے کہا احصان سے مراد اپنی شرمگاہ کو فجور سے بچاتی اور غسل جنابت کرتی ہو۔ اور حضرت عمر نے روکا اور وجہ بتائی: ہوسکتا ہے تم اس سے ان کی طوائف سے بھی نکاح نہ کرنے لگ جاؤ۔ (سنن ابن منصور و باسناد صحیح عنهما) دوسرے، اس کے بعد فرمایا گیا: جو ایمان کے ساتھ کفر کرے، اس کے عمل برباد ہو گئے۔ اس اعمال کی بربادی سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بچنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس پر آخرت کا خسارہ مرتب ہوگا۔ پس اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح تب جائز ہے جب یہ دونوں شرطیں ہوں، پاک دامنی اور ایمان کو سنبھال سکے۔

② ''منہ دھوؤ'' یعنی ایک ایک، دو دو یا تین تین مرتبہ دونوں ہتھیلیاں دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنے کے بعد جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ منہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھویا جائے۔

③ مسح پورے سر کا کیا جائے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے، اپنے ہاتھ آگے سے پیچھے گدی تک لے جائے، پھر وہاں سے آگے کو لائے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ کانوں کا مسح کر لے۔ اگر سر پر پگڑی یا عمامہ ہو تو حدیث کی رو سے موزوں کی طرح، اس کے اوپر بھی مسح جائز ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث:146) علاوہ ازیں ایک مرتبہ ہی اس طرح مسح کر لینا کافی ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک سر کے کچھ حصے کا مسح کر لینا بھی کافی ہے لیکن امام ابن کثیر نے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر) تاہم سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر مسح اور باقی سر پر پگڑی ہو تو پگڑی پر مسح بھی درست ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث :81-(274) میں ہے۔

④ ﴿اَرْجُلَكُمْ﴾ کا عطف ﴿وُجُوْهَكُمْ﴾ پر ہے، یعنی اپنے پیر ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں (بشرطیکہ وضو کی حالت میں پہنی ہوں) تو حدیث کی رو سے پیر دھونے کی بجائے موزوں، جرابوں پر مسح بھی جائز ہے۔

ملحوظہ: ① اگر پہلے سے باوضو ہو تو نیا وضو کرنا ضروری نہیں، تاہم ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ ② وضو سے پہلے نیت فرض ہے۔ ③ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنی بھی ضروری ہے۔ ④ ڈاڑھی کا خلال کیا جائے۔ ⑤ اعضاء کو ترتیب وار دھویا جائے۔ ⑥ ان

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ

میں سے کوئی حاجتِ ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو، [1] اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا [2] بلکہ اس کا ارادہ تمھیں پاک کرنے کا اور تمھیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے [3] تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ⑥ تم پر اللہ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انھیں یاد رکھو! اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا: ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ⑦ اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، [4] کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، [5] عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے

کے درمیان وقفہ نہ کیا جائے، یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کے دھونے میں دیر نہ کی جائے بلکہ سب اعضاء تسلسل کے ساتھ یکے بعد دیگرے دھوئے جائیں۔ ⑦ اعضائے وضو میں سے کسی بھی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ ⑧ کوئی عضو بھی تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے، ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ (تفسير ابن كثير و فتح القدير وأيسر التفاسير)

⑤ جنابت سے مراد وہ حالت ناپاکی ہے جو احتلام یا ہم بستری کرنے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے اور اسی حکم میں حیض اور نفاس بھی داخل ہے۔ جب حیض یا نفاس کا خون بند ہو جائے تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے طہارت، یعنی غسل ضروری ہے، البتہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح القدير وأيسر التفاسير)

[1] اس کی مختصر تشریح اور تیمّم کا طریقہ سورۂ نساء کی آیت: 43 میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ ایک سفر میں بیداء کے مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں رکنا یا رکے رہنا پڑا۔ صبح کی نماز کے لیے لوگوں کے پاس پانی نہ تھا اور تلاش ہوئی تو پانی دستیاب بھی نہیں ہوا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا کہ اے آل ابی بکر! تمھاری وجہ سے اللہ نے لوگوں کے لیے برکتیں نازل فرمائی ہیں اور یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے (تم لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔) (صحيح البخاري، حديث: 4607)

[2] اسی لیے تیمّم کی اجازت مرحمت فرما دی ہے۔

[3] اسی لیے حدیث میں وضو کرنے کے بعد دعا کرنے کی ترغیب ہے۔ مسنون دعاؤں کی کتاب حصن المسلم وغیرہ سے یہ دعا یاد کر لی جائے۔

[4] [5] پہلے جملے کی تشریح سورۂ نساء آیت: 135 میں اور دوسرے جملے کی سورۂ مائدہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کے نزدیک عادلانہ گواہی کی کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے جو حدیث میں آتا ہے حضرت

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ۧ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے ⑧ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لیے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر وثواب ہے ⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا، وہ دوزخی ہیں ⑩ اے ایمان والو! اللہ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ⑪ اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا[2] اور انھی

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو میری والدہ نے کہا کہ اس عطیے پر آپ جب تک اللہ کے رسول کو گواہ نہیں بنائیں گے میں راضی نہیں ہوں گی، چنانچہ میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو۔'' اور فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2587، و صحيح مسلم، حديث: 14-(1623))

① اس کی شان نزول میں مفسرین نے متعدد واقعات بیان کیے ہیں، مثلاً: اس اعرابی کا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے واپسی پر ایک درخت کے سائے میں آرام فرما تھے، تلوار درخت سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس اعرابی نے تلوار پکڑ کر آپ پر سونت لی اور کہنے لگا کہ اے محمد! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے بلا تامل فرمایا: ''اللہ'' (اللہ بچائے گا) یہ کہنا تھا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2910) بعض کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے خلاف، جبکہ آپ وہاں تشریف فرما تھے، دھوکہ اور فریب سے نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کے ہاتھوں غلط فہمی سے جو دو عامری شخص قتل ہو گئے تھے، ان کی دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کے قبیلے بنونضیر سے حسب معاہدہ جو تعاون لینا تھا، اس کے لیے نبی کریم ﷺ اپنے رفقاء سمیت وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ سازش تیار کی کہ اوپر سے چکی کا پتھر آپ ﷺ پر گرا دیا جائے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا۔ ممکن ہے کہ ان سارے ہی واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو کیونکہ ایک آیت کے نزول کے کئی اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں۔ (تفسير ابن كثير و أيسر التفاسير و فتح القدير)

② جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ عہد اور میثاق پورا کرنے کی تاکید کی جو اس نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے لیا اور انھیں قیام حق اور شہادت عدل کا حکم دیا اور انھیں وہ انعامات یاد کرائے جو ان پر ظاہراً اور باطناً ہوئے اور بالخصوص یہ بات کہ انھیں حق و صواب کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی تو اب اس مقام پر اس عہد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور جس میں وہ ناکام رہے۔ یہ گویا بالواسطہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی کہیں بنی اسرائیل کی طرح عہد و میثاق کو پامال کرنا شروع نہ کر دینا۔

اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے [1] اور اللہ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم رکھو گے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً میں تمھاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمھیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں، اب اس عہد و پیمان کے بعد بھی تم میں سے جو انکاری ہو جائے تو وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا⑫ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں [2] اور جو کچھ نصیحت انھیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، [3] ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی، [4] ہاں، تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں، [5] پس تو انھیں معاف کرتا جا اور درگزر

[1] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جابرہ سے قتال کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں پر بارہ نقیب مقرر فرما دیے تاکہ وہ انھیں جنگ کے لیے تیار بھی کریں، ان کی قیادت و رہنمائی بھی کریں اور دیگر معاملات کا انتظام بھی کریں۔

[2] یعنی اتنے انتظامات اور عہد مواعید کے باوجود بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی جس کی بنا پر وہ لعنت الٰہی کے مورد بنے، اس لعنت کے دنیوی نتائج یہ سامنے آئے کہ ایک، ان کے دل سخت کر دیے گئے جس سے ان کے دل اثر پذیری سے محروم ہو گئے اور انبیاء کے وعظ و نصیحت ان کے لیے بے کار ہو گئے، دوسرے، یہ کہ وہ کلمات الٰہی میں تحریف کرنے لگ گئے۔ یہ تحریف لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہوتی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ ان کی عقل و فہم میں کجی آ گئی ہے اور ان کی جسارتوں میں بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ اللہ کی آیتوں تک میں تصرف کرنے سے انھیں گریز نہیں۔ بدقسمتی سے اس قساوت قلبی اور کلمات الٰہی میں تحریف سے امت محمدیہ کے افراد بھی محفوظ نہیں رہے۔ مسلمان کہلانے والے عوام ہی نہیں خواص بھی، جہلاء ہی نہیں علماء بھی ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی کی یاد دہانی ان کے لیے بیکار ہے، وہ سن کر ان سے ذرا اثر قبول نہیں کرتے اور جن غفلتوں اور کوتاہیوں کا وہ شکار ہیں، ان سے تائب نہیں ہوتے۔ اسی طرح اپنی بدعات، خود ساختہ مزعومات اور اپنی فقہی تاویل کے اثبات کے لیے کلام الٰہی میں تحریف کرنے میں بھی باک نہیں سمجھتے۔

[3] یہ تیسرا نتیجہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے میں انھیں کوئی رغبت اور دلچسپی نہیں رہی بلکہ بے عملی اور بدعملی ان کا شعار بن گئی اور وہ پستی کے اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کے دل سلیم رہے نہ ان کی فطرت مستقیم۔

[4] یعنی غدر، خیانت اور مکر، ان کے کردار کا جز بن گیا ہے جس کے نمونے ہر وقت آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔

[5] یہ تھوڑے سے لوگ وہی ہیں جو یہودیوں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔

16

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

کرتا رہ،[1] بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ⑬ اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں[2] ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا، انھوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے درمیان بغض وعداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی[3] اور جو کچھ یہ کرتے تھے عنقریب اللہ انھیں سب بتا دے گا ⑭ اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمھارے سامنے کتاب اللہ کی بکثرت ایسی باتیں ظاہر کر رہا ہے جنھیں تم چھپا رہے تھے[4] اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے[5] ⑮ جس کے ذریعے سے اللہ انھیں جو رضائے رب کے درپے ہوں

① عفو ودرگزر کا یہ حکم اس وقت دیا گیا تھا جب لڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ بعد میں اس کی جگہ حکم دیا گیا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (التوبة 29:9) ''ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' بعض کے نزدیک عفو ودرگزر کا یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ یہ بجائے خود ایک اہم حکم ہے، حالات و واقعات کے مطابق اسے بھی اختیار کیا جا سکتا ہے اور اس سے بھی بعض دفعہ وہ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں جن کے لیے قتال کا حکم ہے۔

② ﴿نَصٰرٰٓى﴾ نَصْرَانِي کی جمع ہے جو نَصْرَان یا ناصرہ بستی کی طرف نسبت ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ یہ بھی یہود کی طرح اہل کتاب ہیں، ان سے بھی اللہ نے عہد لیا لیکن انھوں نے بھی اس کی پروا نہیں کی، اس کے نتیجے میں ان کے دل بھی اثر پذیری سے خالی اور ان کے کردار کھوکھلے ہو گئے۔

③ یہ عہد الٰہی سے انحراف اور بے عملی کی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قیامت تک کے لیے مسلط کر دی گئی، چنانچہ عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے شدید نفرت وعناد رکھتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے معبد میں عبادت نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ پر بھی یہ سزا مسلط کر دی گئی ہے۔ یہ امت بھی کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے جن کے درمیان شدید اختلافات اور نفرت وعناد کی دیواریں حائل ہیں۔

④ یعنی انھوں نے تورات وانجیل میں جو تبدیلیاں اور تحریفات کیں، انھیں طشت از بام کیا اور جن کو وہ چھپاتے تھے، ظاہر کیا، جیسے سزائے رجم۔ جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

⑤ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان واؤ، برائے مغایرت مصداق نہیں مغایرت معنی کے لیے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے جس میں کہا جا رہا ہے: ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ ''کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے۔'' اگر نور اور کتاب یہ دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ يَهْدِي بِهِمَا اللّٰهُ ہوتے ''یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے سے ہدایت فرماتا ہے۔'' قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہو گیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد ایک ہی چیز،

وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ

سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ⑯ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ⑰ [1] یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں، [2]

یعنی قرآن کریم ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نور سے نبی ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جیسا کہ وہ اہل بدعت باور کراتے ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی بابت نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے۔ اور آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس خانہ ساز عقیدے کے اثبات کے لیے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے ساری کائنات پیدا کی، حالانکہ یہ حدیث، حدیث کے کسی بھی مستند مجموعے میں موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ» یہ روایت جامع الترمذي، حدیث: 2155 اور سنن أبي داود، حدیث: 4700 میں ہے۔ محدث البانی لکھتے ہیں: فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ بِلَارَيْبٍ وَّهُوَ مِنَ الْأَدِلَّةِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى بُطْلَانِ الْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورُ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ! (تعلیقات المشكاة: 34/1) ''مشہور زبان زد حدیث جابر کہ اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، باطل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں سب سے پہلے قلم پیدا کرنے کا ذکر ہے۔'' (خلاصۂ ترجمہ)

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور ملکیت تامہ کا بیان فرمایا ہے۔ مقصد عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا رد و ابطال ہے۔ حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کے قائل پہلے تو کچھ ہی لوگ تھے، یعنی ایک ہی فرقہ، یعقوبیہ کا یہ عقیدہ تھا لیکن اب تقریباً تمام عیسائی الوہیت مسیح کے کسی نہ کسی انداز سے قائل ہیں۔ اسی لیے مسیحیت میں اب عقیدۂ تثلیث یا اقانیم ثلاثہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بہر حال قرآن نے اس مقام پر تصریح کر دی کہ کسی پیغمبر اور رسول کو الوہی صفات سے متصف قرار دینا کفر صریح ہے۔ اس کفر کا ارتکاب عیسائیوں نے حضرت مسیح کو اللہ قرار دے کر کیا، اگر کوئی اور گروہ یا فرقہ کسی اور پیغمبر کو بشریت و رسالت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرے گا تو وہ بھی اسی کفر کا ارتکاب کرے گا۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيدَةِ الْفَاسِدَةِ

[2] یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہا۔ اور اپنے آپ کو بھی ابناء اللہ (اللہ کے بیٹے) اور اس کا محبوب قرار دے لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے: أَتْبَاعُ أَبْنَاءِ اللّٰهِ یعنی ہم ''اللہ کے بیٹوں (عزیر و مسیح) کے پیروکار ہیں۔'' دونوں مفہوموں میں سے کوئی سا بھی مفہوم مراد لیا جائے، اس سے ان کے تفاخر اور اللہ کے بارے میں بے جا اعتقاد کا،

قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ

آپ کہہ دیجیے کہ پھر تمھیں تمھارے گناہوں کے باعث اللہ کیوں سزا دیتا ہے؟[1] نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے،[2] زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ⑱ اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمھارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آپہنچا ہے جو تمھارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمھاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری اور ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپہنچا[3] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ⑲ اور یاد کرو موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمھیں بادشاہ بنادیا[4] اور تمھیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا ⑳[5] اے میری قوم والو!

نیز بدعقیدگی کا اظہار ہوتا ہے جس کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

① اس میں ان کے مذکورہ تفاخر کا بے بنیاد ہونا واضح کر دیا گیا کہ اگر تم واقعی اللہ کے محبوب اور چہیتے ہوتے یا محبوب ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تم سے باز پرس ہی نہیں کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے گناہوں کی پاداش میں سزا کیوں دیتا رہا ہے؟ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں فیصلہ محض دعووں کی بنیاد پر نہیں ہوتا اور نہ قیامت والے دن ہوگا بلکہ وہ تو ایمان، تقویٰ اور عمل دیکھتا ہے اور دنیا میں بھی اسی کی روشنی میں فیصلہ فرماتا ہے اور قیامت والے دن بھی اسی اصول پر فیصلہ ہوگا۔

② تاہم یہ عذاب یا مغفرت کا فیصلہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہوگا، جس کی اس نے وضاحت فرما دی ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت اور اہل کفر وفسق کے لیے عذاب، تمام انسانوں کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا۔ اے اہل کتاب! تم بھی اسی کی پیدا کردہ مخلوق، یعنی انسان ہو۔ تمھاری بابت فیصلہ دیگر انسانی مخلوق سے مختلف کیونکر ہوگا؟

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو تقریباً 570 یا 600 سال کا فاصلہ ہے یہ زمانہ فترت کہلاتا ہے۔ اہل کتاب کو کہا جا رہا ہے کہ اس فترت کے بعد ہم نے اپنا آخری رسول ﷺ بھیج دیا ہے۔ اب تم یہ بھی نہ کہہ سکو گے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر ونذیر پیغمبر ہی نہیں آیا۔

④ اس مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تو اپنے اس احسان عظیم کا ذکر کیا جو اس نے انبیاء علیہم السلام کا وسیع سلسلہ ان کے اندر قائم کرکے بنی اسرائیل پر کیا، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر انبیاء بنی اسرائیل ہی میں سے ہوئے جن کا سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم کر دیا گیا اور آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ بنو اسماعیل سے ہوئے۔ دوسرے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے تمھیں بادشاہ بنادیا۔ بادشاہ کا مطلب

ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿21﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿22﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

اس مقدس زمین [1] میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے [2] اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو [3] کہ پھر نقصان میں جا پڑو ﴿21﴾ انھوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے، ہاں، اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم (بخوشی) چلے جائیں گے ﴿22﴾ [4] دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم

یہاں خود مختار بنانا ہے، یعنی تمھیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما کر، جس نے تمھیں ذلت وخواری میں مبتلا کر رکھا تھا، تمھیں آزاد اور اپنے معاملات کا خود مختار بنا دیا۔ تیسرے احسان کا ذکر آیت کے اگلے ٹکڑے میں ہے۔

[5] یہ اشارہ ہے ان انعامات اور معجزات کی طرف، جن سے بنی اسرائیل نوازے گئے، جیسے من وسلویٰ کا نزول، بادلوں کا سایہ، فرعون سے نجات کے لیے دریا سے راستہ بنا دینا وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ قوم اپنے زمانے میں فضیلت اور اونچے مقام کی حامل تھی لیکن پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی رسالت وبعثت کے بعد اب یہ مقام فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمرٰن 3. 110) ''تم بہترین امت ہو جسے نوع انسانی کے لیے بنایا گیا ہے۔'' لیکن یہ بھی مشروط ہے اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ جو اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے: ﴿تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمرٰن 110:3) ''تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس مقصد کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے خیر امت ہونے کا اعزاز برقرار رکھ سکے۔

[1] بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن بیت المقدس تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی امارت مصر کے زمانے میں یہ لوگ مصر جا کر آباد ہو گئے تھے اور اس وقت سے بنی اسرائیل مصر ہی میں رہے، جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام انھیں راتوں رات (فرعون سے چھپ کر) مصر سے نکال نہیں لے گئے۔ اس وقت بیت المقدس پر عمالقہ کی حکمرانی تھی جو ایک جنگجو قوم تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بیت المقدس جا کر آباد ہونے کا عزم کیا تو اس کے لیے وہاں قابض عمالقہ سے جہاد ضروری تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا اور نصرت الٰہی کی بشارت بھی سنائی لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل عمالقہ سے لڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ (ابن کثیر)

[2] اس سے مراد وہی فتح ونصرت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی صورت میں ان سے کر رکھا تھا۔

[3] یعنی جہاد سے اعراض مت کرو۔

[4] بنی اسرائیل عمالقہ کی بہادری کی شہرت سے مرعوب ہو گئے اور پہلے مرحلے پر ہی ہمت ہار بیٹھے۔ اور جہاد سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی کوئی پروا کی اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت پر یقین کیا۔ اور وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

فَإِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿23﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا
مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿24﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ
وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿25﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ
يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ ۧ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

غالب آجاؤ گے اور تم اگر مومن ہو تو تم اللہ ہی پر بھروسا رکھو ﴿23﴾ [1] قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لیے تم اور تمھارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ﴿24﴾ [2] موسیٰ کہنے لگے: الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور اپنے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی ڈال دے ﴿25﴾ [3] ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ اس زمین میں ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے، [4] اس لیے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ﴿26﴾ [5] آدم کے دونوں بیٹوں کا حال بھی انھیں کھرا کھرا سنا

---

① قوم موسیٰ میں سے صرف یہ دو شخص صحیح معنوں میں ایماندار نکلے جنھیں نصرت الٰہی پر یقین تھا، انھوں نے قوم کو سمجھایا کہ تم ہمت تو رو، پھر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں غلبہ عطا فرماتا ہے۔

② لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل نے بدترین بزدلی، سوء ادبی اور تمرد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تو اور تیرا رب جا کر لڑے۔ اس کے برعکس جب جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو انھوں نے قلت تعداد و قلت وسائل کے باوجود جہاد میں حصہ لینے کے لیے بھرپور عزم کا اظہار کیا اور یہ بھی کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3952 و4609)

③ اس میں نافرمان قوم کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اظہار بھی ہے اور براءت کا اعلان بھی۔

④ یہ میدان تیہ کہلاتا ہے جس میں چالیس سال یہ قوم اپنی نافرمانی اور جہاد سے اعراض کی وجہ سے سرگرداں رہی۔ اس میدان میں اس کے باوجود ان پر من و سلویٰ کا نزول ہوا جس سے اکتا کر انھوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ روز روز ایک ہی کھانا کھا کر ہمارا جی بھر گیا ہے۔ اپنے رب سے دعا کر کہ وہ مختلف قسم کی سبزیاں اور دالیں ہمارے لیے پیدا فرمائے۔ یہیں ان پر بادلوں کا سایہ ہوا، پتھر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے، اور اس طرح کے دیگر انعامات ہوتے رہے۔ چالیس سال بعد پھر ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ یہ بیت المقدس کے اندر داخل ہوئے۔

⑤ پیغمبر، دعوت و تبلیغ کے باوجود جب دیکھتا ہے کہ میری قوم سیدھا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں جس میں اس کے لیے دین و دنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں ہیں تو فطری طور پر اس کو سخت افسوس اور دلی قلق ہوتا ہے۔ یہی نبی ﷺ کا بھی حال ہوتا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا ہے لیکن آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ جب تو نے فریضۂ تبلیغ ادا کر دیا اور پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچا دیا اور اپنی قوم کو ایک عظیم الشان کامیابی کے نقطۂ آغاز پر لا کھڑا کیا۔ لیکن اب وہ اپنی کم ہمتی اور بد دماغی کے سبب تیری بات ماننے کو تیار نہیں تو تو اپنے فرض سے سبک دوش ہو گیا اور اب تجھے ان کے بارے میں غمگین ہونے کی ضرورت

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾

دو، [1] ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی [2] تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا، اس نے کہا: اللہ تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے ﴿27﴾ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ﴿28﴾ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لے [3] اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے، ظالموں کا یہی بدلہ ہے ﴿29﴾ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ﴿30﴾ [4]

نہیں۔ ایسے موقع پر غمگینی تو ایک فطری چیز ہے لیکن مراد اس تسلی سے یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے بعد اب تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

① آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا نام ہابیل اور قابیل بتلایا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

② یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی۔ دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی، ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی، جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ جو خوبصورت تھی، نکاح کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ سمجھا، بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی، قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی لیکن جیسا کہ بتایا گیا یہ بات ثابت نہیں ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی، ہابیل نے ایک عمدہ دنبے کی قربانی اور قابیل نے ایک سٹے کی، ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا۔

③ میرے گناہ کا مطلب، قتل کا وہ گناہ ہے جو مجھے اس وقت ہوتا جب میں تجھے قتل کرتا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ’’اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔‘‘ (صحيح البخاري، حديث: 7083، و صحيح مسلم، حديث: 14-(2888))

④ چنانچہ حدیث میں آتا ہے: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ز ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ

پھر اللہ نے ایک کوّے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تا کہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے، وہ کہنے لگا: ہائے افسوس! کیا میں ایسا کرنے سے بھی گیا گزرا ہوگیا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہوگیا﴿31﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا[1] اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم وزیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے﴿32﴾[2] ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے

سَنَّ الْقَتْلَ» (صحيح البخاري، حديث: 3335، و صحيح مسلم، حديث: 27-(1677)) "جو قتل بھی ظلمًا ہوتا ہے، (قاتل کے ساتھ) اس کے خون ناحق کا بوجھ آدم کے اس پہلے بیٹے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا کام شروع کیا۔" امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "ظاہر بات یہ ہے کہ قابیل کو قتل ناحق کی سزا دنیا میں ہی فوری طور پر دے دی گئی تھی۔" حدیث میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا: «مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لِصَاحِبِهِ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ» (سنن أبي داود، حديث: 4902، و سنن ابن ماجه، حديث: 4211، ومسند أحمد: 36/5 و38) "بغی (ظلم وزیادتی) اور قطع رحمی یہ دونوں گناہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکبین کو دنیا میں ہی جلد سزا دے دے، تاہم آخرت کی سزا اس کے علاوہ اس کے لیے ذخیرہ ہوگی جو انھیں وہاں بھگتنی ہوگی۔" اور قابیل میں یہ دونوں گناہ جمع ہوگئے تھے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (ابن کثیر)

[1] اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر وقیمت کو واضح کرنے کے لیے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن (بصری) سے پوچھا: یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لیے تھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بنی اسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابل احترام نہیں تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[2] اس میں یہود کو زجر وتوبیخ ہے کہ ان کے پاس انبیاء دلائل و براہین لے کر آتے رہے لیکن ان کا رویہ ہمیشہ حد سے تجاوز کرنے والا ہی رہا۔ اس میں گویا نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کو قتل کرنے اور نقصان پہنچانے کی جو سازشیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی

وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾ يٰٓاَيُّهَا

رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے،[1] یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (33) ہاں، جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر قابو پالو[2] تو یقین مانو کہ اللہ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے (34)

بات نہیں ہے، ان کی ساری تاریخ ہی مکر و فساد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ بہرحال اللہ پر بھروسا رکھیں جو خیر الماکرین ہے۔ تمام سازشیوں سے بہتر تدبیر کرنے والا۔

[1] اس کی شان نزول کی بابت آتا ہے کہ عُکْل اور عُرَیْنَہ قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے، انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی ﷺ نے انھیں مدینہ سے باہر، جہاں صدقے کے اونٹ تھے، بھیج دیا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پیو، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا، چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہو گئے لیکن اس کے بعد انھوں نے اونٹوں کے رکھوالے اور چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ جب نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جو انھیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔ نبی ﷺ نے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں (کیونکہ انھوں نے بھی چرواہے کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا) پھر انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا حتیٰ کہ وہیں مر گئے۔ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ انھوں نے چوری بھی کی، قتل بھی کیا، ایمان لانے کے بعد کفر بھی کیا اور اللہ و رسول کے ساتھ محاربہ بھی۔ (صحيح البخاري، حديث: 233، وصحيح مسلم، حديث: 9-(1671)) یہ آیت محاربہ کہلاتی ہے۔ اس کا حکم عام ہے، یعنی مسلمانوں اور کافروں دونوں کو شامل ہے۔ محاربہ کا مطلب ہے: کسی منظم اور مسلح جتھے کا اسلامی حکومت کے علاقے میں یا اس کے قریب صحرا وغیرہ میں راہ چلتے قافلوں اور افراد اور گروہوں پر حملے کرنا، قتل و غارت گری کرنا، سلب و نہب، اغوا اور آبرو ریزی کرنا وغیرہ اس کی جو 4 سزائیں بیان کی گئی ہیں، امام (خلیفۂ وقت) کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: اگر محاربین نے قتل و سلب کیا اور دہشت گردی کی تو انھیں قتل اور سولی کی سزا دی جائے گی اور جس نے صرف قتل کیا، مال نہیں لیا، اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے قتل کیا اور مال بھی چھینا، اس کا ایک دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور جس نے نہ قتل کیا نہ مال لیا، صرف دہشت گردی کی اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلی بات صحیح ہے کہ سزا دینے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ (فتح القدير)

[2] یعنی گرفتار ہونے سے پہلے اگر وہ توبہ کر کے اسلامی حکومت کی اطاعت کا اعلان کر دیں تو پھر انھیں معاف کر دیا جائے گا، مذکورہ سزائیں نہیں دی جائیں گی لیکن پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ سزاؤں کی معافی کے ساتھ انھوں نے قتل کر کے یا مال لوٹ کر یا آبرو ریزی کر کے بندوں پر جو دست درازی کی یہ جرائم بھی معاف ہو جائیں گے یا ان کا بدلہ لیا جائے گا، بعض علماء کے نزدیک یہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿36﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ز وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿37﴾ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو[1] اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمھارا بھلا ہو﴿35﴾ یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا فدیہ قبول کر لیا جائے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہی ہے﴿36﴾[2] وہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے، ان کے لیے تو دائمی عذاب ہے﴿37﴾[3] چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا

معاف نہیں ہوں گے بلکہ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ امام شوکانی اور امام ابن کثیر ﷭ کا رجحان اس طرف ہے کہ مطلقاً انھیں معاف کر دیا جائے گا اور اسی کو ظاہر آیت کا مُقْتَضٰی بتلایا ہے، البتہ گرفتاری کے بعد توبہ سے جرائم معاف نہیں ہوں گے۔ وہ مستحق سزا ہوں گے۔ (فتح القدير وابن كثير)

① وسیلہ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی مقصود کے حصول یا اس کے قرب کا ذریعہ ہو۔ ''اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔'' کا مطلب ہوگا ایسے اعمال اختیار کرو جس سے تمھیں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔ امام شوکانی ﷫ فرماتے ہیں: وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْوَسِيلَةَ: هِيَ الْقُرْبَةُ تَصْدُقُ عَلَى التَّقْوٰى وَعَلٰى غَيْرِهَا مِنْ خِصَالِ الْخَيْرِ الَّتِي يَتَقَرَّبُ الْعِبَادُ بِهَا إِلٰى رَبِّهِمْ ''وسیلہ جو قربت کے معنی میں ہے، تقویٰ اور دیگر خصال خیر پر صادق آتا ہے جن کے ذریعے سے بندے اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہیں۔'' اسی طرح منہیات ومحرمات کے اجتناب سے بھی اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اس لیے منہیات ومحرمات کا ترک بھی قرب الٰہی کا وسیلہ ہے لیکن جاہلوں نے اس حقیقی وسیلے کو چھوڑ کر قبروں میں مدفون لوگوں کو اپنا وسیلہ سمجھ لیا ہے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں ہے، البتہ حدیث میں اس مقام محمود کو بھی وسیلہ کہا گیا ہے جو آخرت میں نبی ﷺ کو عطا فرمایا جائے گا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''جو اذان کے بعد میرے لیے یہ دعائے وسیلہ کرے گا وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث: 614، وصحيح مسلم، حديث: 384) دعائے وسیلہ، جو اذان کے بعد پڑھنی مسنون ہے، یہ ہے: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودَانِ الَّذِي وَعَدْتَّهُ» (صحيح البخاري، حديث: 614)

② حدیث میں آتا ہے کہ ایک کافر سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ''کیا تو زمین بھر سونا فدیہ دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کرے گا؟'' وہ اثبات میں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے تو دنیا میں اس سے بھی بہت کم کا تجھ سے مطالبہ کیا تھا تو نے وہاں اس کی پروا نہیں کی اور اسے دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6557، وصحيح مسلم، حديث: 51-(2805))

③ یہ آیت کافروں کے حق میں ہے کیونکہ مومنوں کو بالآخر سزا کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿38﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿39﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿40﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ

کرو۔[1] اللہ کی طرف سے یہ عبرت ناک سزا، بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا اور اللہ قوت وحکمت والا ہے ﴿38﴾ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے،[2] یقیناً اللہ معاف فرمانے والا، مہربانی کرنے والا ہے ﴿39﴾ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿40﴾ اے رسول! آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں، خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں[3] اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلمات کے اصلی موقع کو چھوڑ کر انھیں تبدیل کر دیا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا[4] اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو

[1] بعض فقہائے ظاہریہ کے نزدیک سرقے کا یہ حکم عام ہے۔ چوری تھوڑی سی چیز کی ہو یا زیادہ کی، اسی طرح وہ حرز (محفوظ جگہ) میں رکھی ہو یا غیر حرز میں، ہر صورت میں چوری کی سزا دی جائے گی، جبکہ دوسرے فقہاء اس کے لیے حرز اور نصاب کو ضروری قرار دیتے ہیں، پھر نصاب کی تعیین میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ محدثین کے نزدیک نصاب ربع دینار (دینار کا چوتھا حصہ) یا تین درہم (یا ان کے مساوی قیمت کی چیز) ہے، اس سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح ہاتھ رسغ (پہنچوں) سے کاٹے جائیں گے، کہنی یا کندھے سے نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ (تفصیلات کے لیے کتب حدیث وفقہ اور تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے)

[2] اس توبہ سے مراد عنداللہ قبول توبہ ہے، یہ نہیں کہ حاکم وقاضی کے پاس ثابت ہو جانے کے بعد توبہ سے چوری یا کسی اور قابل حد جرم کی سزا معاف ہو جائے گی۔

[3] نبی کریم ﷺ کو اہل کفر وشرک کے ایمان نہ لانے اور ہدایت کا راستہ نہ اپنانے پر جو قلق اور افسوس ہوتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو زیادہ غم نہ کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے تا کہ اس اعتبار سے آپ کو تسلی رہے کہ ایسے لوگوں کی بابت اللہ کے ہاں آپ سے باز پرس نہیں ہوگی۔

[4] آیت نمبر 41 تا 44 کی شان نزول میں دو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک تو دو شادی شدہ یہودی زانیوں (مرد وعورت) کا۔ یہودیوں نے اپنی کتاب تورات میں تو ردوبدل کیا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی کئی باتوں پر عمل بھی نہیں کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک حکم رجم بھی تھا جو ان کی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے لیے تھا اور اب بھی موجود ہے لیکن وہ چونکہ اس سزا سے بچنا چاہتے تھے، اس لیے آپس

اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿41﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿43﴾ۧ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى

تو آپ اس کے لیے الو ہی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے ﴿41﴾ وہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے [1] اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں اگر وہ تمھارے پاس آئیں تو تمھیں اختیار ہے، خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو، خواہ ان کو ٹال دو اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی وہ تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے ﴿42﴾ تعجب کی بات ہے کہ وہ کیسے اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکام الٰہی ہیں تم کو منصف بناتے ہیں، پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں، دراصل یہ ایمان ویقین والے ہیں ہی نہیں ﴿43﴾ ہم نے تورات نازل فرمائی ہے

میں فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ کے پاس چلتے ہیں اگر انھوں نے ہمارے ایجاد کردہ طریقے کے مطابق کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا کا فیصلہ کیا تو مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ دیا تو نہیں مانیں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا کہ تورات میں رجم کی بابت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ تورات میں زنا کی سزا کوڑے مارنا اور رسوا کرنا ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو، تورات میں رجم کا حکم موجود ہے، جاؤ تورات لاؤ، تورات لا کر وہ پڑھنے لگے تو آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی آیات پڑھ دیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: ہاتھ اٹھاؤ، ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم تھی۔ بالآخر انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے، چنانچہ دونوں زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 6841، و صحيح مسلم، حديث:26-(1699)) ودیگر کتب حدیث) ایک دوسرا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہود کا ایک قبیلہ اپنے آپ کو دوسرے یہودی قبیلے سے زیادہ معزز اور محترم سمجھتا تھا اور اسی کے مطابق اپنے مقتول کی دیت سو وسق اور دوسرے قبیلے کے مقتول کی پچاس وسق مقرر کر رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کے دوسرے قبیلے کو کچھ حوصلہ ہوا جس کے مقتول کی دیت نصف تھی اور اس نے دیت سو وسق دینے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان اس مسئلے پر لڑائی چھڑ جاتی لیکن ان کے سمجھدار لوگ نبی ﷺ سے فیصلہ کرانے پر رضا مند ہو گئے اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے ایک آیت میں قصاص میں برابری کا حکم دیا گیا ہے۔ (یہ روایت مسند احمد میں ہے جس کی سند کو شیخ احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ مسند أحمد: 246/1) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ممکن ہے دونوں سبب ایک ہی وقت میں جمع ہو گئے ہوں اور ان سب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا ہو۔ (ابن کثیر)

[1] ﴿سَمّٰعُوْنَ﴾ کے معنی ''بہت زیادہ سننے والے'' اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، جاسوسی کرنے کے لیے زیادہ باتیں سننا یا دوسروں

وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

جس میں ہدایت ونور ہے، یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے [1] انبیاء [2] اوراہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انھیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ [3] اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے، [4] اب تمھیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو، [5] جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں﴿44﴾ [6] اور ہم نے یہودیوں کے ذمے تورات میں یہ بات مقرر کردی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، [7] پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہی لوگ

کی باتیں ماننے اور قبول کرنے کے لیے سننا۔ بعض مفسرین نے پہلے معنی مراد لیے ہیں اور بعض نے دوسرے۔

① ﴿لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اس کا تعلق ﴿يَحْكُمُ﴾ سے ہے، یعنی یہودیوں سے متعلق فیصلے کرتے تھے۔

② ﴿اَسْلَمُوْا﴾ یہ ﴿النَّبِيُّوْنَ﴾ کی صفت بیان کی کہ وہ سارے انبیاء دین اسلام ہی کے پیروکار تھے جس کی طرف محمد ﷺ دعوت دے رہے ہیں، یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا ہے۔ اسلام۔ جس کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی دعوت توحید واخلاص پیش کی۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○﴾ (الأنبیآء 21:25) ”ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“ اسی کو قرآن میں ﴿الدِّيْنِ﴾ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ سورۂ شوریٰ کی آیت:13 ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ...... ﴾الآیۃ میں کہا گیا ہے جس میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو آپ سے قبل دیگر انبیاء کے لیے کیا تھا۔

③ چنانچہ انھوں نے تورات میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کیا جس طرح بعد میں لوگوں نے کیا۔

④ کہ یہ کتاب کمی بیشی سے محفوظ ہے اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

⑤ یعنی لوگوں سے ڈر کر تورات کے اصل احکام پر پردہ مت ڈالو نہ دنیا کے تھوڑے سے مفادات کے لیے ان میں ردوبدل کرو۔

⑥ پھر تم کیسے ایمان کے بدلے کفر پر راضی ہوگئے ہو؟

⑦ جب تورات میں جان کے بدلے جان اور زخموں میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا تو پھر یہودیوں کے ایک قبیلے (بنونضیر) کا دوسرے قبیلے (بنوقریظہ) کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرنا اور اپنے مقتول کی دیت دوسرے قبیلے کے مقتول کی بہ نسبت دوگنا رکھنے کا کیا جواز

الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾ وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿46﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

ظالم ہیں ﴿45﴾ [1] اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب، یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، [2] اور ہم نے انھیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت ونصیحت تھی، پارسا لوگوں کے لیے ﴿46﴾ [3] اور انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ

ہے؟ جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزری۔

① یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس قبیلے نے مذکورہ فیصلہ کیا تھا، یہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے خلاف تھا اور اس طرح انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا۔ گویا انسان اس بات کا مُکلّف ہے کہ وہ احکامات الٰہی کو اپنائے، اسی کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو بارگاہ الٰہی میں ظالم متصور ہوگا، فاسق متصور ہوگا اور کافر متصور ہوگا، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تینوں لفظ استعمال کر کے اپنے غضب اور ناراضی کا بھرپور اظہار فرما دیا۔ اس کے بعد بھی انسان اپنے ہی خود ساختہ قوانین یا اپنی خواہشات ہی کو اہمیت دے تو اس سے زیادہ بدقسمتی کیا ہوگی؟

ملحوظہ: علمائے اصولیین نے لکھا ہے کہ پچھلی شریعت کا حکم اگر اللہ نے برقرار رکھا ہے تو ہمارے لیے بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس آیت میں بیان کردہ حکم غیر منسوخ ہے، اس لیے یہ بھی شریعت اسلامیہ ہی کے احکام ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح احادیث سے اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ (جان، بدلے جان کے) کے عموم سے دو صورتیں خارج ہوں گی کہ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کافر کو قتل کر دے تو قصاص میں اس کافر کے بدلے مسلمان کو، اسی طرح غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا جبکہ بعض علماء نے النفس بالنفس کو غلام کے حوالے سے عام رکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباري، تحت حديث: 6878، ونيل الأوطار: 10/7 وغیرہ)

② یعنی انبیائے سابقین کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے، اس کی تکذیب کرنے والے نہیں جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسی اللہ کے فرستادہ ہیں جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی تو اس کے باوجود بھی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ ان کی تکفیر اور تنقیص واہانت کی۔

③ یعنی جس طرح تورات اپنے وقت میں لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ تھی۔ اسی طرح انجیل کے نزول کے بعد اب یہی حیثیت انجیل کو حاصل ہوگئی اور پھر قرآن کریم کے نزول کے بعد تورات وانجیل اور دیگر صحائف آسمانی پر عمل منسوخ ہوگیا اور ہدایت ونجات کا واحد ذریعہ قرآن کریم رہ گیا اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کا سلسلہ ختم فرما دیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی فلاح وکامیابی اسی قرآن سے وابستہ ہے۔ جو اس سے جڑ گیا، سرخرو رہے گا۔ جو کٹ گیا ناکامی ونامرادی اس کا مقدر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''وحدت ادیان'' کا فلسفہ یکسر غلط ہے، حق ہر دور میں ایک ہی رہا ہے، متعدد نہیں۔ حق کے سوا دوسری چیزیں

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

کریں[1] اور جو اللہ کے نازل کردہ ہی سے فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں ﴿47﴾ اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔[2] اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجیے،[3] اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے،[4] تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کردی ہے۔[5] اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمھیں

باطل ہیں۔ تورات اپنے دور کا حق تھی، اس کے بعد انجیل اپنے دور کا حق تھی، انجیل کے نزول کے بعد تورات پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اور جب قرآن نازل ہو گیا تو انجیل منسوخ ہو گئی، انجیل پر عمل کرنا جائز نہیں رہا اور صرف قرآن ہی واحد نظام عمل اور نجات کے لیے قابل عمل رہ گیا۔ اس پر ایمان لائے بغیر، یعنی نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تسلیم کیے بغیر نجات ممکن نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو، سورۂ بقرہ آیت: 62 کا حاشیہ۔

① اہل انجیل کو یہ حکم اس وقت تک تھا، جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ تھا۔ نبی ﷺ کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ کا دور نبوت بھی ختم ہو گیا اور انجیل کی پیروی کا حکم بھی۔ اب ایماندار وہی سمجھا جائے گا جو رسالت محمدی پر ایمان لائے گا اور قرآن کریم کا اتباع کرے گا۔

② ہر آسمانی کتاب اپنے سے ماقبل کتاب کی مصدق رہی ہے جس طرح قرآن پچھلی تمام کتابوں کا مصدق ہے اور تصدیق کا مطلب ہے کہ یہ ساری کتابیں فی الواقع اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ لیکن قرآن مصدق ہونے کے ساتھ ساتھ ﴿مُهَيْمِنًا﴾ ''محافظ، امین، شاہد اور حاکم'' بھی ہے، یعنی پچھلی کتابوں میں چونکہ تحریف وتغییر بھی ہوئی ہے، اس لیے قرآن کا فیصلہ ناطق ہو گا جس کو یہ صحیح قرار دے گا وہی صحیح ہے۔ اور جس کو یہ باطل قرار دے وہ باطل ہے۔

③ اس سے پہلے آیت: 42 میں نبی ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپ ان کے معاملات کے فیصلے کریں یا نہ کریں۔ آپ کی مرضی ہے لیکن اب اس کی جگہ یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے آپس کے معاملات میں بھی قرآن کریم کے مطابق فیصلے فرمائیں۔

④ یہ دراصل امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر لوگوں کی خواہشات اور آراء یا ان کے خود ساختہ مزعومات وافکار کے مطابق فیصلے کرنا گمراہی ہے جس کی اجازت جب پیغمبر کو نہیں ہے تو کسی اور کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟

⑤ اس سے مراد پچھلی شریعتیں ہیں جن کے بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک شریعت میں بعض چیزیں حرام تو دوسری میں حلال تھیں، بعض میں کسی مسئلے میں تشدید تھی تو دوسری میں تخفیف لیکن دین سب کا ایک، یعنی توحید پر مبنی تھا۔ اس لحاظ سے سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ اس مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: «اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ» (صحيح البخاري، حديث: 3443) ''انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں تو مختلف ہوں باپ ایک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف

اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿48﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿49﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿50﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ

دیا ہے اس میں تمھیں آزمائے،[1] تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو، تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے، پھر وہ تمھیں ہر وہ چیز بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو﴿48﴾ آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیجیے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے کہ کہیں وہ آپ کو اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں، اگر وہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقین کریں کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انھیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی ڈالے، بلاشبہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں﴿49﴾ کیا وہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟[2] یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟﴿50﴾[3] اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ[4] یہ تو آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست

تھیں لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہوگئی ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک۔

① یعنی نزول قرآن کے بعد اب نجات تو اگرچہ اسی سے وابستہ ہے لیکن اس راہ نجات کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا ہے۔ ورنہ وہ چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا لیکن اس طرح تمھاری آزمائش نہ ہوتی جبکہ وہ تمھیں آزمانا چاہتا ہے۔

② اب قرآن اور اسلام کے سوا، سب جاہلیت ہے، کیا یہ اب بھی روشنی اور ہدایت (اسلام) کو چھوڑ کر جاہلیت ہی کے متلاشی اور طالب ہیں؟ یہ استفہام، انکار اور توبیخ کے لیے ہے اور فاء لفظ مقدر پر عطف ہے اور معنی ہیں: أَيُعْرِضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَيَتَوَلَّوْنَ عَنْهُ وَ يَبْتَغُونَ حُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ ''کیا تیرے اس فیصلے سے جو اللہ نے تجھ پر نازل کیا ہے یہ اعراض کرتے اور پیٹھ پھیرتے ہیں اور جاہلیت کے طریقوں کے متلاشی ہیں؟'' (فتح القدير) یہ آیت اور اس کے ہم معنی حدیث نبوی ﷺ جو آگے آرہی ہے، آج کے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو اسلامی ملکوں میں اسلامی تعلیمات کی بجائے جاہلیت جدیدہ کو اپنائے ہوئے ہیں اور اسی کو فروغ دے رہے ہیں، چنانچہ اسلامی ملکوں میں اسلام محبوس و محکوم ہے اور جاہلیت غالب اور حکمران۔ یہ ظالم اور اسلام سے منحرف حکمران اللہ کے ہاں کس طرح سرخرو ہوں گے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس پر ان کا یقین ہی نہیں ہے۔

③ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ثلاثة: مُلحِدٌ في الحَرَمِ، ومُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِىءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِّيُهْرِيقَ دَمَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 6882) ''اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا متلاشی ہو اور جو ناحق کسی کا خون بہانے کا طالب ہو۔''

④ اس میں یہود و نصاریٰ سے موالات و محبت کا رشتہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اس پر اتنی سخت وعید بیان فرمائی کہ جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ انھی میں سے سمجھا جائے گا۔ (مزید دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت: 28 اور آیت: 118 کا حاشیہ)

يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ

ہیں۔ [1] تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انھی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ﴿51﴾ [2] آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے [3] وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ [4] بہت ممکن ہے کہ اللہ فتح دے دے، [5] یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے، [6] پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر نادم ہونے لگیں گے ﴿52﴾ اور ایمان دار کہیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغے سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہوگئے ﴿53﴾ اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے [7] تو اللہ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی

[1] قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا اگرچہ آپس میں عقائد کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض و عناد ہے لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون، بازو اور محافظ ہیں۔

[2] ان آیات کی شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی دونوں ہی عہد جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آرہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو عبداللہ بن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ ادھر بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں بعد فتنہ برپا کیا اور وہ کس لیے گئے، جس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے اعلان براءت کر دیا لیکن عبداللہ بن ابی نے اس کے برعکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

[3] اس سے مراد نفاق ہے، یعنی منافقین یہودیوں سے محبت اور دوستی میں جلدی کر رہے ہیں۔

[4] یعنی مسلمانوں کو شکست ہو جائے اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی کچھ نقصان اٹھانا پڑے۔ یہودیوں سے دوستی ہوگی تو ایسے موقع پر ہمارے بڑے کام آئے گی۔

[5] یعنی مسلمانوں کو۔

[6] یہ یہود و نصاریٰ پر جزیہ عائد کر دے یا اشارہ ہے بنو قریظہ کے قتل اور ان کی اولاد کے قیدی بنائے جانے اور بنو نضیر کی جلاوطنی وغیرہ کی طرف، جس کا وقوع مستقبل قریب ہی میں ہوا۔

[7] قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیونکہ اسے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے عرب قبائل اسلام سے مرتد ہو جائیں گے، لہٰذا ایسے ہی ہوا اور اس فتنۂ ارتداد کے خاتمے کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا۔ رضي الله عنهم ورضوا عنه.

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

17 ع 8 12

ہوگی، ① وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے، ② یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ﴿54﴾ (مسلمانو!) تمھارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں ③ جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں ﴿55﴾ اور جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی ﴿56﴾ ④ مسلمانو! ان لوگوں کو

---

① مرتدین کے مقابلے میں جس قوم کو اللہ تعالیٰ کھڑا کرے گا ان کی چار نمایاں صفات بیان کی جا رہی ہیں: ① اللہ سے محبت کرنا اور اس کا محبوب ہونا ② اہل ایمان کے لیے نرم اور کفار پر سخت ہونا ③ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ④ اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات اور خوبیوں کا مظہر اتم تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مشرف فرمایا اور دنیا ہی میں اپنی رضامندی کی سند سے نواز دیا۔

② یہ ان اہل ایمان کی چوتھی صفت ہے، یعنی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں انھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ ہوگی۔ یہ بھی بڑی اہم صفت ہے۔ معاشرے میں جن برائیوں کا چلن عام ہو جائے، ان کے خلاف نیکی پر استقامت اور اللہ کے حکموں کی اطاعت اس صفت کے بغیر ممکن نہیں۔ ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو برائی، معصیت الٰہی اور معاشرتی خرابیوں سے اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں لیکن اپنے اندر ملامت گروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ نتیجتاً وہ ان برائیوں کی دلدل سے نکل نہیں پاتے اور باطل سے بچنے کی توفیق سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مذکورہ صفات حاصل ہو جائیں تو یہ اللہ کا ان پر خاص فضل ہے۔

③ جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو اب اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر وہ دوستی کن سے کریں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کے دوست سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول ہیں اور پھر ان کے ماننے والے اہل ایمان ہیں۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

④ یہ حِزْبُ اللّٰه (اللہ کی جماعت) کی نشاندہی اور اس کے غلبے کی نوید سنائی جا رہی ہے۔ حزب اللہ وہی ہے جس کا تعلق صرف اللہ، رسول اور مومنین سے ہو اور کافروں، مشرکوں اور یہود و نصاریٰ سے چاہے وہ ان کے قریبی رشتے دار ہوں، وہ محبت و موالات کا تعلق نہ رکھیں جیسا کہ سورۂ مجادلہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ ''تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بیٹے ہوں، ان کے بھائی ہوں یا ان کے خاندان اور قبیلے کے لوگ ہوں۔'' پھر خوشخبری دی گئی کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہے اور جنھیں اللہ کی مدد حاصل ہے، انھیں ہی اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا...... اور یہی حزب اللہ ہے، کامیابی جس کا مقدر ہے۔'' (سورۂ مجادلہ آخری آیت)

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

دوست نہ بناؤ جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہوں، خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے یا کفار ہوں،[1] اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو﴿57﴾ اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں۔[2] یہ اس لیے کہ وہ بے عقل ہیں﴿58﴾ آپ کہہ دیجیے: اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کررہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں﴿59﴾ کہہ دیجیے کہ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ برا بدلہ پانے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور

---

[1] اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مشرکین مراد ہیں۔ یہاں پھر یہی تاکید کی گئی ہے کہ دین کو کھیل مذاق بنانے والے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، اس لیے ان کے ساتھ اہل ایمان کی دوستی نہیں ہونی چاہیے۔

[2] حدیث میں آتا ہے کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے، تکبیر کے وقت پھر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے، جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر آ کر نمازیوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے۔ الحدیث (صحیح البخاري، حدیث: 608، وصحیح مسلم، حدیث: 16-(389)) شیطان ہی کی طرح شیطان کے پیروکاروں کو اذان کی آواز اچھی نہیں لگتی، اس لیے وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث رسول بھی قرآن کی طرح دین کا ماخذ اور اسی طرح حجت ہے کیونکہ قرآن نے نماز کے لیے ''نداء'' کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ ''نداء'' کس طرح دی جائے گی؟ اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں حدیث سے ثابت ہیں جو اس کی حجیت اور ماخذ دین ہونے پر دلیل ہیں۔

حجیت حدیث کا مطلب: حدیث کے ماخذ دین اور حجت شرعیہ ہونے کا مطلب ہے کہ جس طرح قرآن کریم کی نص سے ثابت ہونے والے احکام و فرائض پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونے والے احکام کا ماننا بھی فرض، ان پر عمل کرنا ضروری اور ان کا انکار کفر ہے، تاہم حدیث کا صحیح، مقبول، مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے۔ صحیح حدیث چاہے متواتر ہو یا آحاد، قولی ہو، فعلی ہو یا تقریری۔ یہ سب قابل عمل ہیں۔ حدیث کا خبر واحد کی بنیاد پر، یا قرآن سے زائد ہونے کی بنیاد پر ائمہ کے قیاس و اجتہادات کی بنیاد پر یا راوی کی عدم فقاہت کے دعویٰ کی بنیاد پر یا عقلی استحالے کی بنیاد پر یا اسی قسم کے دیگر دعاوی کی بنیاد پر رد کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ سب حدیث سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں جو مختلف گروہوں نے اس کے رد و انکار کے لیے اختیار کر رکھی ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿60﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿63﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ

وقف لازم

سور بنا دیا اور جنھوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ﴿60﴾ [1] اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر ہی کے ساتھ گئے بھی اور یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اسے اللہ خوب جانتا ہے ﴿61﴾ [2] آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم وزیادتی کی طرف اور حرام مال کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں ﴿62﴾ انھیں ان کے عابد وعالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک برا کام ہے جو وہ کر رہے ہیں ﴿63﴾ [3] اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ [4] انھی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں،

---

[1] یعنی تم تو (اے اہل کتاب!) ہم سے یوں ہی ناراض ہو جبکہ ہمارا قصور اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اللہ پر اور قرآن کریم اور اس سے قبل اتاری گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قصور یا عیب ہے؟ یعنی یہ عیب اور مذمت والی بات نہیں جیسا کہ تم نے سمجھ لیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ استثنا منقطع ہے، البتہ ہم تمھیں بتلاتے ہیں کہ بدترین لوگ اور گمراہ ترین لوگ، جو نفرت اور مذمت کے قابل ہیں، کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوا اور جن میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور سور بنا دیا اور جنھوں نے طاغوت کی پوجا کی۔ اور اس آئینے میں تم اپنا چہرہ اور کردار دیکھ لو کہ یہ کن کی تاریخ ہے اور کون لوگ ہیں؟ کیا یہ تم ہی نہیں ہو؟

[2] یہ منافقین کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی خدمت میں کفر کے ساتھ ہی آتے ہیں اور اسی کفر کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں، آپ کی صحبت اور آپ کے وعظ ونصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوتا کیونکہ دل میں تو کفر چھپا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری سے مقصد ہدایت کا حصول نہیں بلکہ دھوکہ اور فریب دینا ہوتا ہے تو پھر ایسی حاضری سے فائدہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟

[3] یہ علماء ومشائخ دین اور عباد وزہاد پر نکیر ہے کہ عوام کی اکثریت تمھارے سامنے فسق وفجور اور حرام خوری کا ارتکاب کرتی ہے لیکن تم انھیں منع نہیں کرتے، ایسے حالات میں تمھاری یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کتنی اہمیت اور اس کے ترک پر کتنی سخت وعید ہے جیسا کہ احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت اور کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

[4] یہ وہی بات ہے جو سورۂ آل عمران کی آیت: 181 میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے۔'' لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور تعبیر کے اس حسن کو عناداً انظر انداز کر دیا جو اس میں پنہاں تھا، یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿64﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿65﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ

جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو سرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے،[1] یہ ملک بھر میں شر وفساد مچاتے پھرتے ہیں[2] اور اللہ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا﴿64﴾ اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے[3] تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انھیں راحت وآرام کی جنتوں میں لے جاتے﴿65﴾ اور اگر وہ لوگ تورات وانجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل

میں خرچ کر دینا، کوئی قرض نہیں ہے لیکن یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمھیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُولَةٌ کے معنی بَخِيلَةٌ (بخل والے) کیے گئے ہیں، یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے اسے اس نے روک رکھا ہے۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاتھ تو انھی کے بندھے ہوئے ہیں، یعنی بخیلی انھی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ وہ واسع الفضل اور جزیل الْعَطَاء ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لیے تمام حاجات وضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔ ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾ (ابرٰهیم 34:14) ”تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمھیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکرا ہے۔“ حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو جب سے آسمان وزمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں آئی......“ (صحیح البخاري، حدیث: 7419، وصحیح مسلم، حدیث: 37-(993))

[1] یعنی یہ جب بھی آپ کے خلاف کوئی سازش کرتے یا لڑائی کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو باطل کر دیتا اور ان کی سازش کو انھی پر الٹا دیتا ہے اور ان کو ”چاہ کن را چاہ در پیش“ کی سی صورت حال سے دوچار کر دیتا ہے۔

[2] ان کی عادت ثانیہ ہے کہ ہمیشہ زمین میں فساد پھیلانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں، درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں فرماتا۔

[3] یعنی وہ ایمان جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے، ان میں سب سے اہم محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ ان پر نازل شدہ کتابوں میں بھی ان کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَاتَّقَوْا﴾ اور اللہ کی معاصی سے بچتے، جن میں سب سے اہم وہ شرک ہے

رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

فرمایا گیا ہے، اس کے پورے پابند رہتے[1] تو وہ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے،[2] ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں﴿66﴾[3] اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی،[4]

جس میں وہ مبتلا ہیں اور وہ جُحُود ہے جو آخری رسول کے ساتھ وہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

① تورات اور انجیل کے پابند رہنے کا مطلب، ان کے ان احکام کی پابندی ہے جو ان میں انھیں دیے گئے، اور انھی میں ایک حکم آخری نبی پر ایمان لانا بھی تھا۔ اور ﴿وَمَاۤ اُنْزِلَ﴾ سے مراد تمام آسمانی کتب اور اللہ کی نازل کردہ وحی پر ایمان لانا ہے جن میں قرآن کریم بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کر لیتے۔

② اوپر نیچے کا ایک مطلب یہ ہے کہ کثرت سے اور انواع و اقسام کے رزق اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا۔ یا اوپر سے مراد آسمان ہے، یعنی حسب ضرورت خوب بارشیں برساتا اور ”نیچے“ سے مراد زمین ہے، یعنی زمین اس بارش کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پیداوار دیتی، نتیجتاً شادابی اور خوش حالی کا دور دورہ ہو جاتا۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الأعراف 7:96) ”اگر بستی والے ایمان لائے ہوتے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔“

③ لیکن ان کی اکثریت نے ایمان کا یہ راستہ اختیار نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر مصر اور رسالت محمدی سے انکار پر اڑے ہوئے ہیں۔ اسی اصرار اور انکار کو یہاں برے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ درمیانہ روش کی ایک جماعت سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے 8، 9 افراد ہیں جو یہود مدینہ میں سے مسلمان ہوئے۔

④ اس حکم کا مفاد یہ ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، بلا کم و کاست اور بلا خوف لومۃ لائم آپ لوگوں تک پہنچا دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جو شخص یہ گمان کرے کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپا لیا، اس نے یقیناً جھوٹ کہا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4612، و صحيح مسلم، حديث: 287-(177)) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی جب سوال کیا گیا کہ تمھارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں «إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ أَوْفَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 111) ”صرف اللہ کی کتاب ہے یا کتاب اللہ کی وہ فہم ہے جو کسی مسلمان آدمی کو عطا کی جائے یا جو اس صحیفے میں ہیں۔“ یعنی رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں جو دیت، قیدیوں اور قتل سے متعلق ہیں۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ چالیس ہزار کے جم غفیر میں فرمایا: ”تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟“ انھوں نے کہا: «نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ أَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ» ”ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام دیا اور ادا کر دیا اور خیر خواہی فرما دی۔“ آپ نے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے لوگوں کی طرف اسے سیدھا کرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» (تین مرتبہ) (صحيح مسلم، حديث: 147-(1218)) ”یعنی اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ، تو گواہ رہ۔“

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿67﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

اور آپ کو اللہ لوگوں سے بچالے گا،[1] بے شک اللہ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا(67) آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تورات وانجیل کو اور جو کچھ تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ کرو، جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا،[2] تو آپ ان کافروں پر غمگین نہ ہوں(68) مسلمان، یہودی، ستارہ پرست اور نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ محض بے خوف

---

[1] یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طریقہ پر بھی فرمائی اور دنیاوی اسباب کے تحت بھی۔ دنیاوی اسباب کے تحت اس آیت کے نزول سے بہت قبل اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے چچا ابوطالب کے دل میں آپ کی طبعی محبت ڈال دی، اور وہ آپ کی حفاظت کرتے رہے، ان کا کفر پر قائم رہنا بھی انھی اسباب کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو شاید سرداران قریش کے دل میں ان کی وہ ہیبت وعظمت نہ رہتی جو ان کے ہم مذہب ہونے کی صورت میں آخر وقت تک رہی، پھر ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض سرداران قریش کے ذریعے سے، پھر انصار مدینہ کے ذریعے سے آپ کا تحفظ فرمایا، پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ نے تحفظ کے ظاہری اسباب (پہرے وغیرہ) اٹھوا دیے۔ اس کے بعد بارہا سنگین خطرے پیش آئے لیکن اللہ نے حفاظت فرمائی، چنانچہ وحی کے ذریعے سے اللہ نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کے مکروکید سے مطلع فرما کر خاص خطرے کے مواقع پر بچایا اور گھمسان کی جنگوں میں کفار کے انتہائی پر خطر حملوں سے بھی آپ کو محفوظ رکھا۔ ذٰلِكَ مِنْ قُدْرَةِ اللّٰهِ وَ قَدْرِهٖ بِمَا شَاءَ وَلَا يَرُدُّ قَدْرَ اللّٰهِ وَ قَضَاءَهٗ أَحَدٌ وَلَا يَغْلِبُهٗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت کے اندازے میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اندازے اور فیصلے کو نہ کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر غالب آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب علم والا ہے۔

[2] یہ ہدایت اور گمراہی اس اصول کے مطابق ہے جو سنت اللہ رہی ہے، یعنی جس طرح بعض اعمال واشیاء سے اہل ایمان کے ایمان وتصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح معاصی اور تمرد سے کفر وطغیان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''فرما دیجیے: یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔ گرانی کے سبب ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾ (بنیٓ إسرآءیل 82:17) ''اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا﴿69﴾ [1] ہم نے بالیقین بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انھوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا﴿70﴾ اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہ ہوگی، پس اندھے بہرے بن بیٹھے، پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا، اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہو گئے، [2] اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے﴿71﴾ بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، [3] حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا رب ہے، [4] یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا﴿72﴾ [5] وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنھوں نے کہا: اللہ تین

---

① یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت:62 میں بیان ہوا ہے، اسے دیکھ لیا جائے۔

② یعنی سمجھے یہ تھے کہ کوئی سزا مترتب نہ ہوگی لیکن مذکورہ اصول الٰہی کے مطابق اس سزا کا ترتب ہو گیا کہ یہ حق کے دیکھنے سے مزید اندھے اور حق کے سننے سے مزید بہرے ہو گئے اور توبہ کے بعد پھر یہی عمل انھوں نے دہرایا ہے تو اس کی وہی سزا بھی دوبارہ واقع ہوئی۔

③ یہی مضمون آیت:71 میں بھی گزر چکا ہے، یہاں اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذکر میں اس کا پھر ذکر فرمایا۔ اس میں ان کے اس فرقے کے کفر کا اظہار ہے جو حضرت مسیح کے عین اللہ ہونے کا قائل ہے۔

④ چنانچہ حضرت عیسیٰ، یعنی مسیح ابن مریم علیہما السلام نے عالم شیر خوارگی میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبکہ بچے اس عمر میں قوت گویائی نہیں رکھتے) سب سے پہلے اپنی زبان سے اپنی عبودیت ہی کا اظہار فرمایا: ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○﴾ (مریم 30:19) ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھے اس نے کتاب بھی عطا کی ہے۔'' حضرت مسیح نے یہ نہیں کہا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں۔ صرف یہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور عمر کہولت میں بھی وہ یہی دعوت دیں گے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○﴾ (آل عمران 51:3) ''یقیناً اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے۔ اس لیے اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔'' یہ وہی الفاظ ہیں جو ماں کی گود میں بھی کہے تھے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ مریم 36:19) اور جب قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا، جس کی خبر صحیح احادیث میں دی گئی ہے اور جس پر اہل سنت کا اجماع ہے، تب بھی وہ نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلائیں گے، نہ کہ اپنی عبادت کی طرف۔

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿74﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ

میں سے تیسرا ہے،[1] دراصل اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے، انھیں المناک عذاب ضرور پہنچے گا﴿73﴾ یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے﴿74﴾ مسیح ابن مریم نہیں ہے مگر ایک رسول، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں اور اس کی والدہ ایک نہایت راست باز عورت تھیں،[2] دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے،[3] آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں، پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ الٹے پھرے جاتے ہیں﴿75﴾ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم

---

(5) حضرت مسیح نے اپنی بندگی اور رسالت کا اظہار اللہ کے حکم اور مشیت سے اس وقت بھی فرمایا تھا جب وہ ماں کی گود میں، یعنی شیر خوارگی کی حالت میں تھے، پھر سن کہولت میں بھی یہ اعلان فرمائیں گے۔ اور ساتھ ہی شرک کی شناعت و قباحت بھی بیان فرما دی کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا جو اسے جہنم سے نکال لائے جیسا کہ مشرکین سمجھتے ہیں۔

(1) یہ عیسائیوں کے دوسرے فرقے کا ذکر ہے جو تین خداؤں کا قائل ہے، جن کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان کی تعبیر و تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے، تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) قرار دے لیا ہے جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا: ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (المائدة 116:5) ''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا؟'' اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ان دونوں کو عیسائیوں نے الٰہ بنایا، اور اللہ تیسرا الٰہ ہوا، جو ثالث ثلاثہ (تین میں تیسرا) کہلایا۔ پہلے عقیدے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر قرار دیا۔

(2) ﴿صِدِّيْقَةٌ﴾ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں، یعنی وہ بھی حضرت مسیح پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نَبِیَّہ (پیغمبر) نہیں تھیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نبیہ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آ کر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے، وہ مرد تھے۔ (سورۂ یوسف 109:12 مزید دیکھیے سورۂ قصص 7:28 کا حاشیہ)

(3) یہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام دونوں کی الوہیت (الٰہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج و ضروریات میں سے ہے۔ جو الٰہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿76﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿77﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿78﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿79﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

ع 10/11 14

اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے﴿76﴾[1] کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو[2] اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں[3] اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں﴿77﴾ بنی اسرائیل کے کافروں پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت کی گئی[4] اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے﴿78﴾[5] آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے،[6] جو کچھ بھی وہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا﴿79﴾ ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انھوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے

---

① یہ مشرکوں کی کم عقلی کی وضاحت کی جارہی ہے کہ ایسوں کو انھوں نے معبود بنا رکھا ہے جو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان بلکہ نفع نقصان پہنچانا تو کجا، وہ تو کسی کی بات سننے اور کسی کا حال جاننے کی ہی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ قدرت صرف اللہ ہی کے پاس ہے، اس لیے حاجت روا مشکل کشا بھی صرف وہی ہے۔

② یعنی اتباع حق میں حد سے تجاوز نہ کرو اور جن کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے، اس میں مبالغہ کر کے انھیں منصب نبوت سے اٹھا کر مقام الوہیت پر فائز مت کرو، جیسے حضرت مسیح کے معاملے میں تم نے کیا۔ غلو ہر دور میں شرک اور گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے۔ انسان کو جس سے عقیدت و محبت ہوتی ہے، وہ اس کی شان میں خوب مبالغہ کرتا ہے۔ وہ امام اور دینی قائد ہے تو اس کو پیغمبر کی طرح معصوم سمجھنا اور پیغمبر کو خدائی صفات سے متصف ماننا عام بات ہے، بدقسمتی سے مسلمان بھی اس غلو سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ انھوں نے بعض ائمہ کی شان میں بھی غلو کیا اور ان کی رائے اور قول حتیٰ کہ ان کی طرف منسوب فتویٰ اور فقہ کو بھی حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں ترجیح دی۔

③ یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کے پیچھے مت لگو جو ایک نبی کو الٰہ بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

④ یعنی زبور میں جو حضرت داود علیہ السلام پر اور انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اب یہی لعنت قرآن کریم کے ذریعے سے ان پر کی جارہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت اور خیر سے دوری ہے۔

⑤ یہ لعنت کے اسباب ہیں: ① عصیان، یعنی واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کر کے انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی ② اور اعتداء، یعنی دین میں غلو اور بدعات ایجاد کر کے انھوں نے حد سے تجاوز کیا۔

⑥ اس پر مستزاد یہ کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے نہیں تھے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ بعض مفسرین نے اسی ترک نہی عن المنکر کو عصیان اور اعتدا قرار دیا ہے جو لعنت کا سبب بنا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں برائی کو دیکھتے ہوئے برائی سے نہ

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿80﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

وہ بہت برا ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ﴿80﴾[1] اگر انھیں اللہ پر اور نبی پر اور جو کچھ اس کی طرف

روکنا بہت بڑا جرم اور لعنت وغضب الٰہی کا سبب ہے۔ حدیث میں بھی اس جرم پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں اس کی تاکید کرتے ہوئے کہا گیا ہے: «مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحيح مسلم، حديث: 78-(49)) ''تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتّٰى يَرَوُا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ وَ هُمْ قَادِرُونَ عَلٰى أَنْ يُّنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُونَهُ ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَذَّبَ اللّٰهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ» (مسند أحمد: 192/4) ''یقیناً اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل (گناہوں) کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب عام لوگوں کا حال یہ ہو جائے کہ وہ برائی اپنے درمیان ہوتے دیکھیں اور وہ اس پر نکیر کرنے پر قادر بھی ہوں لیکن وہ اسے نشانۂ تنقید نہ بنائیں، جب ایسا ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص اور عام سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔'' ایک دوسری روایت میں اس فریضے کے ترک پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ تم عذاب الٰہی کے مستحق بن جاؤ گے، پھر تم اللہ سے دعائیں بھی مانگو گے تو قبول نہیں ہوں گی۔ (مسند أحمد: 389/5)

اس حقیقت کو نبی ﷺ نے ایک تمثیل کے ذریعے سے بھی واضح فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی حدوں میں مداہنت (نرمی اور درگزر) کرنے والے اور حدوں کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جنھوں نے (ایک دومنزلہ) کشتی میں سفر کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی، بعض کے حصے میں بالائی منزل اور بعض کے حصے میں نچلی منزل آئی۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لیے بالائی منزل پر آتے اور بالانشینوں کے پاس سے گزرتے تو وہ تکلیف محسوس کرتے، چنانچہ نچلی منزل والوں نے کلہاڑا پکڑ کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیا تاکہ نیچے سے ہی پانی لے لیں اور اوپر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ سوراخ کرنے کی آواز سن کر اوپر والے آئے اور پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی لینے اوپر جاتے ہیں تو تم ناگواری محسوس کرتے ہو، چنانچہ ہم نیچے ہی سوراخ کرنے لگے ہیں کیونکہ پانی کے بغیر تو چارہ نہیں۔ (نبی ﷺ نے فرمایا) اگر وہ اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور سوراخ سے روک دیں تو وہ سوراخ کرنے والوں کو بھی بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں گے اور اگر وہ ان کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیں گے تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کر لیں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2686) اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہایت ضروری ہے جو نہ صرف منکرات سے باز رہنے والے ہوں بلکہ دوسروں کو بھی ان کے ارتکاب سے روکتے رہتے ہوں اور منکرات سے مفاہمت یا مداہنت کرنے والے نہ ہوں۔ ورنہ برائی سے مفاہمت یا اس کے معاملے میں مداہنت غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ أعاذنا الله منه.

[1] یہ اہل کفر سے دوستانہ تعلق کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور اسی ناراضی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿81﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ
النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾

نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو وہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں﴿81﴾[1] یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے،[2] اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب آپ یقیناً انھیں پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں دانش منداور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿82﴾[3]

---

① اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے اندر صحیح معنوں میں ایمان ہوگا، وہ کافروں سے کبھی دوستی نہیں کرے گا۔

② اس لیے کہ یہودیوں کے اندر عناد و جُحُود، حق سے اعراض و استکبار اور اہل علم و ایمان کی تنقیص کا جذبہ بہت پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا قتل اور ان کی تکذیب ان کا شعار رہا ہے حتیٰ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی بھی کئی مرتبہ سازش کی، آپ پر جادو بھی کیا اور ہر طرح نقصان پہنچانے کی مذموم سعی کی۔ اور اس معاملے میں مشرکین کا حال بھی یہی ہے۔

③ ﴿ رُهْبَانًا ﴾ سے مراد نیک، عبادت گزار اور گوشہ نشین لوگ اور ﴿ قِسِّيْسِيْنَ ﴾ سے مراد علماء و خطباء ہیں، یعنی ان عیسائیوں میں علم و تواضع ہے، اس لیے ان میں یہودیوں کی طرح جو د و استکبار نہیں ہے، علاوہ ازیں دین مسیحی میں نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کوئی تمھارے دائیں رخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی ان کو پیش کر دو، یعنی لڑو مت۔ ان وجوہ سے یہ مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ عیسائیوں کا یہ وصف یہودیوں اور دیگر مشرکوں کے مقابلے میں ہے اور دائمی حقیقت ہے، آج بھی جو دشمنی یہودیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں سے ہے وہ بہرحال نصرانیوں کو نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک نفس اسلام دشمنی کا تعلق ہے، اسلام کے خلاف یہ عناد عیسائیوں میں بھی موجود ہے، جیسا کہ صلیب و ہلال کی صدیوں پر محیط معرکہ آرائی سے واضح ہے اور جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ اور اب تو اسلام کے خلاف یہودی اور عیسائی دونوں ہی مل کر سرگرم عمل ہیں۔ اسی لیے قرآن نے دونوں سے ہی دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿84﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

(ع 11/9) (وَاِذَا سَمِعُوْا 7)

اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام) کو سنتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہم کو بھی اُن لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں﴿83﴾ اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اُس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کردے گا﴿84﴾[1] اِس لیے اُن کو اللہ اُن کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے﴿85﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے، وہ لوگ دوزخ والے ہیں﴿86﴾ اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی ہیں، اُن کو حرام مت

---

[1] حبشے میں، جہاں مسلمان مکی زندگی میں دو مرتبہ ہجرت کر کے گئے، اَصْحَمہ نجاشی کی حکومت تھی۔ یہ عیسائی مملکت تھی۔ یہ آیات حبشے میں رہنے والے عیسائیوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تاہم روایات کی رو سے نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا جو انھوں نے جا کر اسے سنایا، نجاشی نے وہ مکتوب سن کر حبشے میں موجود مہاجرین اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے علماء اور عباد وزہاد (قسیسین) کو بھی جمع کر لیا، پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت اور ان کی عبدیت ورسالت کا ذکر ہے جسے سن کر وہ بڑے متاثر ہوئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنے کچھ علماء نبی ﷺ کے پاس بھیجے تھے، جب آپ نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لے آئے۔ (فتح القدیر) آیات میں قرآن کریم سن کر ان پر جو اثر ہوا اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ ہے، قرآن کریم میں بعض اور مقامات پر اس قسم کے عیسائیوں کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ (آل عمران 3:199) ''یقیناً اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس کتاب پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔'' وغیرها من الآیات. اور حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ حبشے میں تمھارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کی نماز پڑھو! چنانچہ ایک صحرا میں آپ نے اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) ادا فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 1320، وصحیح مسلم، حدیث: 66-(952)) ایک اور حدیث میں ایسے اہل کتاب کی بابت جو نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے، بتلایا گیا ہے کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 97)

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ

کرو[1] اور حد سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿87﴾ اور اللہ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں، اُن میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو﴿88﴾ اللہ تمھاری قسموں میں لغو قسم پر تم سے مؤاخذہ نہیں فرماتا لیکن مؤاخذہ اُس پر فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کر دو۔[2] اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے، اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو

---

① حدیث میں آتا ہے، ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر کہا کہ اے اللہ کے رسول! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا ہے جس پر آیت نازل ہوئی۔ (جامع الترمذي للألباني: 232/3، حدیث: 3054) اسی طرح سبب نزول کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ زہد وعبادت کی غرض سے بعض حلال چیزوں سے (مثلاً: عورت سے نکاح کرنے، رات کے وقت سونے، دن کے وقت کھانے پینے سے) اجتناب کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں منع فرمایا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی، ان کی بیوی کی شکایت پر آپ نے انھیں بھی اس کنارہ کشی سے روکا۔ (سنن أبي داود، حدیث: 1369، و مسند أحمد: 268/6) بہر حال اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو حرام کر کے اس سے پرہیز کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اس کا تعلق ماکولات ومشروبات سے ہو یا لباس سے ہو یا مرغوبات وجائز خواہشات سے۔
مسئلہ: اس طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے گا تو وہ حرام نہیں ہوگی، سوائے عورت کے، البتہ اس صورت میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور بعض کے نزدیک کفارہ ضروری نہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے کسی کو بھی کفارۂ یمین ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فتوائے ابن عباس ودیگر آثار سے، نیز اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کے قسم کا کفارہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام کر لینا، یہ قسم کھانے کے مرتبے میں ہے جو کفارہ ادا کرنے کا متقاضی ہے لیکن یہ استدلال احادیث صحیحہ کی موجودگی میں محل نظر ہے۔ فالصحیح ما قاله الشوكاني.

② قسم، جس کو عربی میں حلف یا یمین کہتے ہیں جن کی جمع اَحلاف اور اَیمان ہے، تین قسم کی ہیں۔ ① لغو ② غموس ③ معقدہ۔
لغو: وہ قسم ہے جو انسان بات بات میں عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے۔ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔
غموس: وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکا اور فریب دینے کے لیے کھائے۔ یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر میں سے ہے، شرعاً اس کے لیے کفارہ نہیں۔
معقدہ: وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لیے ارادتاً اور نیتاً کھائے، ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ

کھلاتے ہو،[1] یا اُن کو کپڑا دینا[2] یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے[3] اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں،[4] یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھو! اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو﴿89﴾ اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جُوا اور تھان (وغیرہ) اور پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو﴿90﴾[5] شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان عداوت اور بغض واقع کرا دے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو

[1] اس کھانے کی مقدار میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، اس لیے اختلاف ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے ہم بستری کرنے والے کے کفارہ کا ذکر ہے، ایک مد (تقریباً 10 چھٹانک) فی مسکین خوراک قرار دی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کفارۂ جماع ادا کرنے کے لیے 15 صاع کھجوریں دی تھیں جنھیں ساٹھ مسکینوں پر تقسیم کرنا تھا۔ ایک صاع میں 4 مد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے بغیر سالن کے دس مسکینوں کے لیے دس مد (چھ سیر یا چھ کلو) خوراک کفارہ ہوگی۔ (ابن کثیر)

[2] لباس کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر مراد جوڑا ہے جو نماز کے لیے ضروری ہے۔ بعض علماء خوراک اور لباس دونوں کے لیے عرف کو معتبر قرار دیتے ہیں۔ (ابن کثیر)

[3] بعض علماء قتل خطا کی دیت پر قیاس کرتے ہوئے لونڈی، غلام کے لیے ایمان کی شرط عائد کرتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت میں عموم ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

[4] یعنی جس کو مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ روزے اس کی قسم کا کفارہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء پے در پے روزے رکھنے کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک دونوں طرح جائز ہیں۔

[5] یہ شراب کے بارے میں تیسرا حکم ہے۔ پہلے اور دوسرے حکم میں صاف طور پر ممانعت نہیں فرمائی گئی لیکن یہاں اسے اور اس کے ساتھ، جوا، پرستش گاہوں یا تھانوں اور فال کے تیروں کو رِجْس (پلید) اور شیطانی کام قرار دے کر صاف لفظوں میں ان سے اجتناب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں شراب اور جوا کے مزید نقصانات بیان کر کے سوال کیا گیا ہے کہ اب بھی باز آؤ گے یا نہیں؟ جس سے مقصود اہل ایمان کی آزمائش ہے، چنانچہ جو اہل ایمان تھے، وہ تو منشائے الٰہی سمجھ گئے اور اس کی قطعی حرمت کے قائل ہو گئے۔ اور کہا: «اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا» ”اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے۔“ (مسند أحمد: 351/2) لیکن آج کل کے بعض ”دانشور“ کہتے ہیں کہ اللہ نے شراب کو حرام کہاں قرار دیا ہے؟

الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ ۧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿94﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ع 12 / 7 / 2

باز رکھے،[1] پس کیا تم باز آنے والے ہو؟﴿91﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو۔ اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے﴿92﴾ ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اُس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو انھوں نے کھایا (پیا) جب کہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، پھر پرہیز گاری کرتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں، پھر پرہیز کرتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اللہ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے﴿93﴾ [2] اے ایمان والو! اللہ قدرے شکار سے تمھارا امتحان کرے گا[3] جن تک تمھارے ہاتھ اور تمھارے نیزے پہنچ سکیں گے[4] تا کہ اللہ معلوم کرلے کہ کون شخص اُس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا، اُس کے لیے دردناک سزا ہے﴿94﴾ اے ایمان

ع..... بریں عقل و دانش بباید گریست

یعنی شراب کو رِجس (پلیدی) اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم دینا، نیز اس اجتناب کو باعث فلاح قرار دینا، ان ''مجتہدین'' کے نزدیک حرمت کے لیے کافی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک پلید کام بھی جائز ہے، شیطانی کام بھی جائز ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اجتناب کا حکم دے، وہ بھی جائز ہے اور جس کی بابت کہے کہ اس کا ارتکاب عدم فلاح اور اس کا ترک فلاح کا باعث ہے، وہ بھی جائز ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کیا خوب ''اجتہاد'' اور ''فہم قرآن'' ہے؟

[1] یہ شراب اور جوا کے مزید معاشرتی اور دینی نقصانات ہیں جو محتاج وضاحت نہیں ہیں۔ اسی لیے شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے اور جوا بھی ایسی بری لت ہے کہ یہ انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی اور بسا اوقات رئیس زادوں اور پشتنی جاگیرداروں کو مفلس وقلاش بنا دیتی ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا.

[2] حرمت شراب کے بعد بعض صحابہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے کئی ساتھی جنگوں میں شہید یا ویسے ہی فوت ہو گئے جبکہ وہ شراب پیتے رہے ہیں تو اس آیت میں اس شبہے کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان وتقویٰ پر ہی ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔

[3] شکار عربوں کی معاش کا ایک اہم عنصر تھا، اس لیے حالت احرام میں اس کی ممانعت کر کے ان کا امتحان لیا گیا۔ خاص طور پر حدیبیہ میں قیام کے دوران کثرت سے شکار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب آتے لیکن انھی ایام میں ان 4 آیات نزول ہوا جن میں اس سے متعلقہ احکام بیان فرمائے گئے۔

[4] قریب کا شکار یا چھوٹے جانور عام طور پر ہاتھ ہی سے پکڑ لیے جاتے ہیں اور دور کے یا بڑے جانوروں کے لیے تیر اور نیزے

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ

والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، [1] اور جو شخص تم میں سے جان بوجھ کر شکار مارے گا [2] تو اُس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ اُس جانور کے برابر ہوگا جس کو اُس نے مارا ہے [3] جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر عادل شخص کر دیں [4] ،خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبے تک پہنچایا جائے [5] اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اُس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں [6]

استعمال ہوتے تھے، اس لیے صرف ان دونوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ جس طرح بھی اور جس چیز سے بھی شکار کیا جائے، احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

① امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے مراد صرف ان جانوروں کا قتل لیا ہے جو ماکول اللحم ہیں، یعنی جو کھانے کے کام آتے ہیں۔ دوسرے بری جانوروں کا قتل وہ جائز قرار دیتے ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس میں کوئی تفریق نہیں، ماکول اور غیر ماکول دونوں قسم کے جانور اس میں شامل ہیں، البتہ ان موذی جانوروں کا قتل جائز ہے جن کا استثنا احادیث میں آیا ہے اور وہ پانچ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہا اور باؤلا کتا۔ (صحیح مسلم، حدیث:67-(1198)، والموطأ للإمام مالك: 328/1) حضرت نافع سے سانپ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے قتل میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اور امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ اور دیگر علماء نے بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر کو کلب عقور (کاٹنے والے کتے) میں شامل کر کے حالت احرام میں ان کے قتل کی بھی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

② ”جان بوجھ کر“ کے الفاظ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ بغیر ارادہ کے، یعنی بھول کر قتل کر دے تو اس کے لیے فدیہ نہیں ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک بھول کر، یا غلطی سے بھی قتل ہو جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ ﴿مُّتَعَمِّدًا﴾ کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے بطور شرط نہیں ہے۔

③ مساوی جانور (یا اس جیسے جانور) سے مراد خلقت، یعنی قد و قامت میں مساوی ہونا ہے۔ قیمت میں مساوی ہونا نہیں ہے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، مثلاً: اگر ہرن کو قتل کیا ہے تو اس کی مثل (مساوی) بکری ہے۔ نیل گائے کی مثل گائے ہے وغیرہ، البتہ جس جانور کا مثل نہ مل سکتا ہو، وہاں اس کی قیمت بطور فدیہ لے کر مکہ پہنچا دی جائے گی۔

④ کہ مقتول جانور کی مثل (مساوی) فلاں جانور ہے اور اگر وہ غیر مِثْلی ہے یا مثل دستیاب نہیں ہے تو اس کی اتنی قیمت ہے۔ اس قیمت سے غلہ خرید کر مکہ کے مساکین میں فی مسکین ایک مد کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف کے نزدیک فی مسکین دو مد ہیں۔

⑤ یہ فدیہ، جانور یا اس کی قیمت، کعبہ پہنچائی جائے گی اور کعبہ سے مراد حرم ہے۔ (فتح القدیر) یعنی ان کی تقسیم حرم مکہ کی حدود میں رہنے والے مساکین پر ہوگی۔

⑥ ﴿اَوْ﴾ (یا) تَخْيِير کے لیے ہے، یعنی کفارہ، اطعام مساکین ہو یا اس کے برابر روزے، دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا جائز ہے۔ مقتول جانور کے حساب سے طعام میں جس طرح کمی بیشی ہوگی، روزوں میں بھی کمی بیشی ہوگی، مثلاً: محرم (احرام والے) نے ہرن قتل کیا ہے تو اس کی مثل بکری ہے، یہ فدیہ حرم مکہ میں ذبح کیا جائے گا اگر یہ نہ ملے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق چھ مساکین کو کھانا یا تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے، اگر اس نے بارہ سنگھا، سانبھر، یا اس جیسا کوئی جانور قتل کیا ہے تو اس کی مثل گائے ہے، اگر

وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿96﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿97﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿100﴾ ع 13/7/3

تاکہ اپنے کام کی سزا چکھے، اللہ نے گزشتہ کو معاف کر دیا اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ انتقام لے گا اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا ﴿95﴾ تمھارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اُس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔[1] تمھارے فائدے کے لیے اور مسافروں کے لیے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے، جب تک تم حالت احرام میں رہو اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے ﴿96﴾ اللہ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور اُن جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں۔[2] یہ اس لیے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے اندر کی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے اور بے شک اللہ سب چیزوں کو خوب جانتا ہے ﴿97﴾ تم یقین جانو کہ اللہ سخت سزا دینے والا بھی ہے اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا بھی ہے ﴿98﴾ رسول کے ذمے تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ سب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو ﴿99﴾ آپ فرما دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو آپ کو ناپاک کی کثرت بھلی لگتی ہو،[3] اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل مندو! تاکہ تم کامیاب ہو ﴿100﴾

یہ دستیاب نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو تو بیس مسکینوں کو کھانا یا بیس دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ یا ایسا جانور (شتر مرغ یا گورخر وغیرہ) قتل کیا ہے جس کی مثل اونٹ ہے تو اس کی عدم دستیابی کی صورت میں 30 مساکین کو کھانا یا 30 دن کے روزے رکھنے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

① ﴿صَیْدُ﴾ سے مراد زندہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر سے شکار کیا جائے اور ﴿طَعَامُهٗ﴾ سے مراد سمندر کا وہ مردہ جانور مچھلی وغیرہ جو سمندر میں رہتا ہو اور وہیں پر مر جائے اور پھر اسے سمندر یا دریا باہر پھینک دے یا پانی کے اوپر آ جائے۔ جس طرح کہ حدیث میں بھی وضاحت ہے کہ سمندر کا مردار حلال ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر اور نیل الأوطار: 165/8 وغیرہ)

② کعبہ کو بیت الحرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا، درخت کاٹنا وغیرہ حرام ہیں۔ اسی طرح اس میں اگر باپ کے قاتل سے بھی سامنا ہو جاتا تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اسے ﴿قِیٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے قیام اور گزران کا باعث'' قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعے سے اہل مکہ کا نظم وانصرام بھی صحیح ہے اور ان کی معاشی ضروریات کی فراہمی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) اور حرم میں جانے والے جانور ﴿الْهَدْيَ﴾ اور ﴿الْقَلَآئِدَ﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿101﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں اور اگر تم نزول قرآن کے زمانے میں ان باتوں کی بابت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، [1] سوالاتِ گزشتہ اللہ نے معاف کر دیے اور اللہ بڑی مغفرت والا، بڑے حلم والا ہے ﴿101﴾ ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں، پھر اُن باتوں کے منکر ہو گئے ﴿102﴾ [2] اللہ نے نہ بحیرہ کو جائز قرار دیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو [3] لیکن جو لوگ کافر ہیں

بھی ﴿ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ہیں کہ ان تمام چیزوں سے بھی اہل مکہ کو مذکورہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔

③ ﴿ الْخَبِيْثُ ﴾ (ناپاک) سے مراد حرام، یا کافر یا گناہ گار یا ردی۔ ﴿ الطَّيِّبُ ﴾ (پاک) سے مراد حلال، یا مومن یا فرماں بردار اور عمدہ چیز ہے یا یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث (ناپاکی) ہوگی، وہ کفر ہو، فسق و فجور ہو، اشیاء و اقوال ہوں، کثرت کے باوجود وہ ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے جن میں پاکیزگی ہو۔ یہ دونوں کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ خبث کی وجہ سے اس چیز کی منفعت اور برکت ختم ہو جاتی ہے جبکہ جس چیز میں پاکیزگی ہوگی، اس سے اس کی منفعت اور برکت میں اضافہ ہوگا۔

① یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت تھی۔ خود نبی ﷺ بھی صحابہ کو زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں وہ سب سے بڑا مجرم ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام کر دی گئی، درآں حالیکہ اس سے قبل وہ حلال تھی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7289، وصحيح مسلم، حديث: 132-(2358))

② کہیں اس کوتاہی کے مرتکب تم بھی نہ ہو جاؤ۔ جس طرح ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔'' ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے، اس نے تین مرتبہ سوال دہرایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہر سال حج کرنا تمھاری استطاعت میں نہ ہوتا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1337، ومسند أحمد: 255/1، وسنن أبي داود، حديث: 1721، و سنن النسائي، حديث: 2620، و سنن ابن ماجه، حديث: 2885) اسی لیے بعض مفسرین نے عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس چیز کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے، پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ نے معاف کر دیا ہے، پس تم بھی ان کی بابت خاموش رہو، جس طرح وہ خاموش رہا۔ (ابن كثير) ایک حديث میں نبی ﷺ نے اس مفہوم کو بایں الفاظ بیان فرمایا: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ» (صحيح مسلم، حديث: 1337) ''تمھیں جن چیزوں کی بابت نہیں بتایا گیا، تم مجھ سے ان کی بابت سوال مت کرو، اس لیے کہ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف بھی تھا۔''

③ یہ ان جانوروں کی قسمیں ہیں جو اہل عرب اپنے بتوں کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ ان کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب سے صحیح بخاری میں اس کی تفسیر حسب ذیل نقل کی گئی ہے: ''﴿ بَحِيْرَةٍ ﴾ وہ جانور جس کا دودھ دوہنا چھوڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ یہ بتوں کے لیے ہے، چنانچہ کوئی شخص اس کے تھنوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ ﴿ سَآئِبَةٍ ﴾ وہ جانور جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے،

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿103﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ

وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے ﴿103﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں اُن کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا اگرچہ اُن کے بڑے نہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں ﴿104﴾ اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اُس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں۔[1] اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم سب کرتے تھے ﴿105﴾ اے ایمان والو!

اسے نہ سواری کے لیے استعمال کرتے نہ بار برداری کے لیے۔ ﴿وَصِيْلَةٍ﴾ وہ اونٹنی جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی۔ (ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی، ان کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی) ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے اور ﴿حَامٍ﴾ وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوتے (اور نسل کافی بڑھ جاتی) تو اس سے بھی بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے اور بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اسے وہ حامی کہتے۔'' اسی روایت میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور آزاد چھوڑنے والا شخص عمرو بن عامر خزاعی تھا۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اُسے جہنم میں انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4623) آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا ہے کیونکہ اس نے تو نذر و نیاز صرف اپنے لیے خاص رکھی ہے۔ بتوں کے لیے یہ نذر و نیاز کے طریقے مشرکوں نے ایجاد کیے ہیں اور بتوں اور معبودانِ باطلہ کے نام پر جانور چھوڑنے اور نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکوں میں بلکہ بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی قائم و جاری ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[1] بعض لوگوں کے ذہن میں ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اپنی اصلاح اگر کر لی جائے تو کافی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ امر بالمعروف کا فریضہ بھی نہایت اہم ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ فریضہ ہی ترک کر دے گا تو اس کا تارک ہدایت پر قائم رہنے والا کب رہے گا؟ جبکہ قرآن نے ﴿اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ ''جب تم خود ہدایت پر چل رہے ہو'' کی شرط عائد کی ہے، اسی لیے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آئی تو انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تم آیت کو غلط جگہ استعمال کر رہے ہو، میں نے تو نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جب لوگ برائی ہوتے ہوئے دیکھ لیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' (مسند أحمد: 5/1، وجامع الترمذي، حديث: 2168، و سنن أبي داود، حديث: 4338) اس لیے آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمھارے سمجھانے کے باوجود اگر لوگ نیکی کا راستہ اختیار نہ کریں یا برائی سے باز نہ آئیں تو تمھارے لیے یہ نقصان دہ نہیں ہے جبکہ تم خود نیکی پر قائم اور برائی سے مجتنب ہو، البتہ ایک صورت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترک جائز ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اندر اس کی طاقت نہ پائے اور اس سے اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اس

بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿106﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖؗ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

اگر تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو وصیت کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے[1] دو صاحبِ عدل گواہ بنا لے اور اگر تم حالت سفر میں ہو اور تمھیں موت آ لے تو دو غیر مسلموں کو بھی گواہ بنا سکتے ہو۔[2] اگر تمھیں کچھ شک پڑ جائے تو اُن دونوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو، پھر وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ ہم (کسی ذاتی مفاد کی خاطر) شہادت کو بیچنے والے نہیں،[3] خواہ ہمارا کوئی رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور نیز یہ کہ ہم اللہ کی (خاطر) گواہی کو نہیں چھپائیں گے اور اگر ایسا کریں تو ہم مجرم ہیں ﴿106﴾ پھر اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ دونوں گناہ میں ملوث ہو کر حق بات کو دبا گئے ہیں[4] تو اُن کی جگہ دو اور گواہ کھڑے ہوں جو پہلے دونوں (غیر مسلم) گواہوں سے اہل تر ہوں[5] اور اُن لوگوں کی طرف سے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے، وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہیں کہ ہماری شہادت اُن پہلے گواہوں کی شہادت سے زیادہ سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو بلاشبہ ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ﴿107﴾ اس طریقے سے زیادہ

صورت میں «فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» کے تحت اس کی گنجائش ہے۔ آیت بھی اس صورت کی متحمل ہے۔

[1] ''اپنے میں سے ہوں۔'' کا مطلب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ مُوصِي (وصیت کرنے والے) کے قبیلے سے ہوں۔ اسی طرح ﴿اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ میں دو مفہوم ہوں گے، یعنی مِنْ غَيْرِكُمْ سے مراد یا غیر مسلم (اہل کتاب) ہوں گے یا موصی کے قبیلے کے علاوہ کسی اور قبیلے سے۔

[2] یعنی سفر میں کوئی ایسا شدید بیمار ہو جائے کہ جس سے زندہ بچنے کی امید نہ ہو تو وہ سفر میں دو عادل گواہ بنا کر جو وصیت کرنا چاہے، کر دے۔

[3] یعنی مرنے والے (موصی) کے ورثاء کو شک پڑ جائے کہ ان اوصیاء نے مال میں خیانت یا تبدیلی کی ہے تو وہ نماز کے بعد، یعنی لوگوں کی موجودگی میں ان سے قسم لیں اور وہ قسم کھا کے کہیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں، یعنی جھوٹی قسم نہیں کھا رہے ہیں۔

[4] یعنی جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔

[5] ﴿الْاَوْلَيٰنِ﴾ اَوْلٰی کا تثنیہ ہے، مراد ہے میت، یعنی (وصیت کرنے والے) کے قریب ترین دو رشتے دار۔ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ﴾ کا مطلب یہ ہے: جن کے مقابلے پر گناہ کا ارتکاب ہوا تھا، یعنی جھوٹی قسم کا ارتکاب کر کے ان کو ملنے والا مال ہڑپ کر لیا تھا۔ ﴿الْاَوْلَيٰنِ﴾ یہ یا تو هُمَا مبتدا محذوف کی خبر ہے یا يَقُومَانِ یا آخَرَانِ کی ضمیر سے بدل ہے، یعنی یہ دو قریبی رشتے دار، ان کی جھوٹی قسموں کے مقابلے میں اپنی قسم دیں گے۔

اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿109﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

توقع کی جاسکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک شہادت دیا کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ کہیں اُن کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے اُن کی تردید نہ ہو جائے [1] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کے احکام دھیان سے سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ﴿108﴾ اللہ جس روز تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ارشاد فرمائے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں، [2] بے شک تو ہی پوشیدہ باتوں کو پورا جاننے والا ہے ﴿109﴾ جب کہ اللہ ارشاد فرمائے گا کہ اے عیسٰی ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمھاری والدہ پر ہوا ہے، جب میں نے تم کو رُوح القدس [3] سے تائید دی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے، گود میں بھی [4] اور بڑی عمر میں بھی اور جبکہ میں نے تم کو

[1] یہ اس فائدے کا ذکر ہے جو اس حکم میں پنہاں ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، وہ یہ کہ یہ طریقہ اختیار کرنے میں اوصیاء صحیح صحیح گواہی دیں گے کیونکہ انھیں خطرہ ہوگا کہ اگر ہم نے خیانت یا دروغ گوئی یا تبدیلی کا ارتکاب کیا تو یہ کارروائیاں خود ہم پر الٹ سکتی ہیں۔ اس کی شان نزول میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنو سہم کا ایک آدمی، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا۔ وہاں سہمی کا انتقال ہو گیا اور یہ علاقہ ایسا تھا کہ وہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا، (جبکہ اس کے دونوں ساتھی عیسائی تھے) پس یہ دونوں ساتھی اس کا چھوڑا ہوا مال لے کر اس کے ورثاء کے پاس آئے اور سارا سامان ان کے سپرد کر دیا لیکن اس سامان میں چاندی کا ایک پیالہ موجود نہیں تھا جس میں سونے کے باریک نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے حلف لیا، (انھوں نے جھوٹا حلف اٹھالیا) پھر وہ پیالہ اس کے ورثاء نے مکے میں پالیا، استفسار پر ان لوگوں نے بتلایا کہ یہ پیالہ انھوں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے، چنانچہ سہمی کے ورثاء میں سے دو شخصوں نے حلف اٹھایا کہ وہ پیالہ ان (مرنے والے) کے رشتے دار کا ہے اور انھوں نے کہا کہ ان کی گواہی، ان (غیر مسلموں) کی گواہی سے زیادہ حق دار ہے، پس انھی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2780) سہمی کا نام بدیل بن ابی مریم تھا رضی اللہ عنہ۔ یہ تجارت کے لیے مذکورہ دو عیسائیوں کے ساتھ شام کے علاقے میں گئے تھے، جہاں اس وقت کوئی مسلمان نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے وہاں مرتے وقت اپنا سامان ورثاء تک پہنچانے کی ان دونوں کو وصیت کر دی لیکن انھوں نے خیانت سے کام لیا اور ایک پیالہ بیچ کر رقم دونوں نے مل کر کھالی۔ (مزید دیکھیے جامع الترمذي، حديث: 3059)

[2] انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں نے اچھا یا برا جو بھی معاملہ کیا، اس کا علم تو یقیناً انھیں ہوگا لیکن وہ اپنے علم کی نفی یا تو محشر کی ہولناکیوں اور اللہ جل جلالہ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے کریں گے یا اس کا تعلق ان کی وفات کے بعد کے حالات سے ہوگا، علاوہ ازیں باطنی امور کا علم تو کلیتاً صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسی لیے وہ کہیں گے: علام الغیوب تو تو ہی ہے نہ کہ ہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و رسل عالم الغیب نہیں ہوتے، عالم الغیب صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کو جتنا کچھ بھی علم ہوتا ہے، اولاً تو اس کا تعلق ان امور سے ہوتا ہے جو فرائض رسالت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ثانیاً، ان سے بھی ان کو بذریعہ وحی ہی آگاہ کیا جاتا ہے، حالانکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿110﴾

کتاب اور حکمت کی باتیں اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، [1] اور جب کہ تم میرے حکم سے گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے، پھر تم اُس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مُردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے [2] اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم اُن کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے، [3] پھر اُن میں جو کافر تھے، اُنھوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا اور کچھ بھی نہیں ﴿110﴾ [4]

جس کو ہر چیز کا علم ذاتی طور پر ہو، نہ کہ کسی کے بتلانے پر اور جس کو بتلانے پر کسی چیز کا علم حاصل ہوا سے عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔

[3] اس سے مراد حضرت جبریل ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت: 87 میں گزرا۔

[4] گود میں اس وقت کلام کیا، جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے اس نومولود (بچے) کو لے کر اپنی قوم میں آئیں اور انھوں نے اس بچے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار اور اس کی بابت استفسار کیا تو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی کے عالم میں کلام کیا اور بڑی عمر میں کلام سے مراد، نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد دعوت و تبلیغ ہے یا آسمان سے اترنے کے بعد سن کہولت میں لوگوں سے کلام کرنا مراد ہے۔

[1] اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کی آیت: 48 میں گزر چکی ہے۔

[2] ان معجزات کا ذکر بھی مذکورہ سورت کی آیت: 49 میں گزر چکا ہے۔

[3] یہ اشارہ ہے اس سازش کی طرف جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے اور سولی دینے کے لیے تیار کی تھی جس سے اللہ نے بچا کر انھیں آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ آل عمران، آیت: 54۔

[4] ہر نبی کے مخالفین، آیات الٰہی اور معجزات دیکھ کر انھیں جادو ہی قرار دیتے رہے ہیں، حالانکہ جادو تو شعبدہ بازی کا ایک فن ہے جس سے انبیاء علیہم السلام کو کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات قادر مطلق، اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا مظہر ہوتے تھے کیونکہ وہ اللہ ہی کے حکم سے اور اس کی مشیت و قدرت سے ہوتے تھے۔ کسی نبی کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کوئی معجزہ صادر کر کے دکھا دیتا، اسی لیے یہاں بھی دیکھ لیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہر معجزے کے ساتھ اللہ نے چار مرتبہ یہ فرمایا: ﴿بِاِذْنِيْ﴾ ''ہر معجزہ میرے حکم سے ہوا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے مشرکین مکہ نے مختلف معجزات کے دکھانے کا مطالبہ کیا جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 91-93 میں ذکر کی گئی ہے تو اس کے جواب میں نبی ﷺ نے یہی فرمایا: «سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا» ''میرا رب پاک ہے (وہ تو اس کمزوری سے پاک ہے کہ وہ یہ چیزیں نہ دکھا سکے، وہ تو دکھا سکتا ہے لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی ہے یا نہیں؟ یا کب مقتضی ہو گی؟ اس کا علم اسی کو ہے اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے) لیکن میں تو صرف بشر اور رسول ہوں۔'' یعنی میرے اندر یہ معجزات دکھانے کی اپنے طور پر طاقت نہیں ہے۔ بہرحال انبیاء کے معجزات کا جادو سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جادوگر اس کا توڑ مہیا کر لیتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہے کہ ملک بھر کے جمع شدہ بڑے بڑے جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ نہ کر سکے اور جب ان کو معجزہ اور جادو کا

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿111﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

اور جب کہ میں نے حواریوں کو حکم دیا[1] کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، اُنھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم پورے فرماں بردار ہیں ﴿111﴾ وہ وقت یاد کے قابل ہے جب کہ حواریوں نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل فرما دے؟[2] آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو ﴿112﴾[3] وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جائے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ﴿113﴾ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے، یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے[4] اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما دے اور تو سب عطا کرنے والوں

فرق واضح طور پر معلوم ہوگیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔

① ﴿اَلْحَوَارِيّٖنَ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار بنے، ان کی تعداد 12 بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القا کر دی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے وحی کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام نبیہ تھیں، اس لیے کہ ان پر بھی اللہ کی طرف سے وحی آئی تھی، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ یہ وحی، وحیٔ الہام ہی تھی، جیسے یہاں ﴿اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ﴾ میں یہ وحیٔ رسالت نہیں بلکہ وحیٔ الہام ہے۔

② ﴿مَآئِدَةً﴾ ایسے برتن (سینی، پلیٹ یا ٹرے وغیرہ) کو کہتے ہیں جس میں کھانا ہو، اسی لیے دسترخوان بھی اس کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے کیونکہ اس پر بھی کھانا چنا ہوتا ہے۔ سورت کا نام بھی اسی مناسبت سے ہے کہ اس میں اس کا ذکر ہے۔ حَوَارِیِّین نے مزید اطمینان قلب کے لیے یہ مطالبہ کیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتی کے مشاہدے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔

③ یعنی یہ سوال مت کرو، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش کا سبب بن جائے کیونکہ حسب طلب معجزہ دکھائے جانے کے بعد اس قوم کی طرف سے ایمان نہ لانا عذاب کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں اس مطالبے سے روکا اور انھیں اللہ سے ڈرایا۔

④ اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے، چراغاں کیا جائے اور جشن منایا جائے جیسا کہ آج کل اس کا

الرّٰزِقِيْنَ ﴿114﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿115﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ

سے اچھا ہے ﴿114﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اُس کے بعد کفر کرے گا تو میں اُس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا ﴿115﴾ [1] اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے اُن لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو! [2] عیسیٰ عرض کریں گے کہ تو پاک ہے، مجھے کسی طرح لائق نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں،

یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تہوار منائے جاتے ہیں بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے۔ جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تکبیر وتحمید کے زمزمے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید بنانے کی جس خواہش کا اظہار کیا ہے، اس سے ان کا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف وتمجید اور تکبیر وتحمید کریں۔ بعض اہل بدعت اس ''عید مائدہ'' سے ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلے کی شریعت کا واقعہ ہے جسے اگر اسلام نے برقرار رکھنا ہوتا تو وضاحت کر دی جاتی۔ دوسرے، یہ پیغمبر کی زبان سے ''عید'' بنانے کی خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ تیسرے، عید کا مفہوم ومطلب بھی وہ ہوتا ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا ہے جبکہ ''عید میلاد'' میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے، لہٰذا ''عید میلاد'' کے بدعت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اسلام میں صرف دو ہی عیدیں ہیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری عید نہیں ہے۔

[1] یہ مائدہ (خوان طعام) آسمان سے اترا یا نہیں؟ اس کی بابت کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نہیں۔ جمہور علماء (امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری سمیت) اس کے نزول کے قائل ہیں اور ان کا استدلال قرآن کے الفاظ ﴿اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ سے ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً سچا ہے لیکن اسے اللہ کی طرف سے یقینی وعدہ قرار دینا اس لیے صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ اگلے الفاظ ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ﴾ اس وعدے کے مشروط ہونے کو ظاہر کرتے ہیں، اس لیے دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط سن کر انھوں نے کہا کہ پھر ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ جس کے بعد اس کا نزول نہیں ہوا۔ امام ابن کثیر نے ان آثار کی اسانید کو جو امام مجاہد اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ سے منقول ہیں، صحیح قرار دیا ہے جن میں نزول مائدہ کی نفی کی گئی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ان آثار کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نزول مائدہ کی کوئی شہرت عیسائیوں میں ہے نہ ان کی کتابوں میں درج ہے، حالانکہ اگر یہ نازل ہوا ہوتا تو اسے ان کے ہاں مشہور بھی ہونا چاہیے تھا اور کتابوں میں بھی تواتر سے یا کم از کم آحاد سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

[2] یہ سوال قیامت والے دن ہوگا اور مقصد اس سے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لینے والوں کو زجر وتوبیخ ہے کہ جن کو تم معبود اور حاجت روا سمجھتے تھے، وہ تو خود اللہ کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) بنایا ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (اللہ کے سوا معبود) صرف وہی نہیں ہیں جنھیں مشرکین نے پتھر یا لکڑی کی مورتیوں کی شکل میں بنا کر ان کی پوجا کی، جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست علماء اپنے عوام کو یہ

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿116﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿117﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿118﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ

اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھے اُس کا علم ہوگا۔ تُو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور جو کچھ تیرے نفس میں ہے، میں اُس کو نہیں جانتا۔[1] تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے ﴿116﴾ میں نے تو اُن سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔[2] میں اُن پر گواہ رہا جب تک اُن میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تُو ہی اُن پر نگران تھا[3] اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے ﴿117﴾ اگر تُو اُن کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو اُن کو معاف فرما دے تو تُو زبردست ہے، حکمت والا ہے ﴿118﴾[4] اللہ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے اُن کا سچا ہونا

باور کرا کے مغالطہ دیتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے نیک بندے بھی ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ میں شامل ہیں جن کی لوگوں نے کسی بھی انداز سے عبادت کی، جیسے حضرت عیسیٰ اور مریم ؑ کی عیسائیوں نے کی۔

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے واضح الفاظ میں اپنی بابت علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید وعبادت رب کی یہ دعوت عالم شیر خوارگی میں بھی دی جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے اور عمر جوانی وکہولت میں بھی۔

③ ﴿ تَوَفَّیْتَنِیْ ﴾ کا مطلب ہے: جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ آل عمران کی آیت: 55 میں گزر چکی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پیغمبروں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیا جاتا ہے یا جسے وہ اپنی زندگی میں حواس کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا جبکہ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جسے بغیر کسی کے بتلائے ہر چیز کا علم ہوتا ہے اور اس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہوتا ہے۔ یہ صفت علم اللہ کے سوا کسی اور کے اندر نہیں، اس لیے عالم الغیب صرف ایک اللہ ہی کی ذات ہے، اس کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ میدان حشر میں نبی ﷺ کی طرف آپ کے کچھ امتی آنے لگیں گے تو فرشتے ان کو پکڑ کر دوسری طرف لے جائیں گے، آپ فرمائیں گے کہ ان کو آنے دو، یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے آپ کو بتلائیں گے: «إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» ''اے محمد! آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انھوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔'' جب آپ یہ سنیں گے تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت یہی کہوں گا جو العبد الصالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا: «وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّادُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ» (صحيح البخاري، حديث:4625، وصحيح مسلم، حديث:58-(2860))

④ یعنی مطلب یہ کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے، اس لیے کہ تو ﴿ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ ﴾ ہے، (جو چاہے کر سکتا ہے) اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا بھی نہیں ہے۔ ﴿ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 23:21) ''اللہ جو کچھ کرتا ہے، اس سے باز پرس نہیں ہوگی، لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔'' گویا آیت میں اللہ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿119﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿120﴾

اٰیَاتُهَا 165 (6) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّیَّةٌ (55) رُكُوْعَاتُهَا 20

سورۂ انعام مکی ہے اس میں 165 آیات اور 20 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿1﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

اُن کے کام آئے گا،[1] اُن کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور خوش اور وہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿119﴾ اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اُن چیزوں کی جو اُن میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿120﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا،[2] پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ﴿1﴾[3] وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا،[4] پھر ایک وقت معین کیا[5] اور (دوسرا) معین وقت خاص اللہ

اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت وجلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان دونوں باتوں کے حوالے سے عفو ومغفرت کی التجا بھی۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب وبلیغ آیت ہے، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات نبی ﷺ نوافل میں اس آیت کو پڑھتے رہے، بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ (مسند أحمد: 149/5)

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں: «یَنْفَعُ الْمُوَحِّدِینَ تَوْحِیدُهُمْ» ”وہ دن ایسا ہوگا کہ صرف توحید ہی موحدین کو نفع پہنچائے گی۔“ یعنی مشرکین کی معافی اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

② الظُّلُمٰتِ سے رات کی تاریکی اور نور سے دن کی روشنی یا کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی مراد ہے۔ نور کے مقابلے میں ظلمات کو جمع ذکر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ظلمات کے اسباب بھی بہت سے ہیں اور اس کی انواع بھی متعدد ہیں اور نور کا ذکر بطور جنس ہے جو اپنی تمام انواع کو شامل ہے۔ (فتح القدیر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ ہدایت اور ایمان کا راستہ ایک ہی ہے، چار یا پانچ یا متعدد نہیں ہیں، اس لیے نور کو واحد ذکر کیا گیا ہے۔

③ یعنی اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

④ یعنی تمھارے باپ آدم کو جو تمھاری اصل ہیں اور جن سے تم سب نکلے ہو۔ اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم جو خوراک اور غذائیں کھاتے ہو، سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اور انھی غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے جو رحم مادر میں جا کر تخلیق انسانی کا باعث بنتا ہے۔ اس لحاظ سے گویا تمھاری پیدائش مٹی سے ہوئی۔

⑤ یعنی موت کا وقت۔

تَمْتَرُوْنَ ② وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥ وَلَوْ نَزَّلْنَا

ہی کے نزدیک ہے،[1] پھر بھی تم شک رکھتے ہو② اور وہی ہے معبودِ برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ تمھارے پوشیدہ اور تمھارے ظاہر احوال کو جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اُس کو بھی جانتا ہے③[3] اور اُن کے پاس کوئی نشانی بھی اُن کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اُس سے اعراض ہی کرتے ہیں④ اُنھوں نے اُس سچی کتاب کو بھی جھٹلایا جب کہ وہ اُن کے پاس پہنچی، سو جلد ہی اُن کو اُس چیز کی خبر مل جائے گی جس کے ساتھ یہ لوگ مذاق کیا کرتے تھے⑤[4] کیا اُنھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم اُن سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں؟ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے اُن پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے اُن کے نیچے سے نہریں جاری کیں، پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا[5] اور اُن کے بعد

---

① یعنی آخرت کا وقت، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ گویا پہلی اجل سے مراد پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی عمر ہے اور دوسری اجل مسمّی سے مراد انسان کی موت سے لے کر وقوعِ قیامت تک دنیا کی کل عمر ہے جس کے بعد وہ زوال وفنا سے دو چار ہو جائے گی اور ایک دوسری دنیا، یعنی آخرت کی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔

② یعنی قیامت کے وقوع میں جیسا کہ کفار و مشرکین کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کیا جا سکے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا، دوبارہ بھی وہی اللہ تمھیں زندہ کرے گا۔'' (یٰسٓ 79:36)

③ اہل سنت، یعنی سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو عرش پر ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے لیکن اپنے علم کے لحاظ سے ہر جگہ ہے، یعنی اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ بعض گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ اس آیت سے اپنے اس عقیدے کا اثبات کرتے ہیں لیکن یہ عقیدہ جس طرح غلط ہے، یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کی حکمرانی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جس کو معبود برحق سمجھا اور مانا جاتا ہے، وہ اللہ تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو، سب کو جانتا ہے۔ (فتح القدیر) اس کی اور بھی بعض توجیہات کی گئی ہیں جنھیں اہل علم تفسیروں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، مثلاً: تفسير الطبري وابن كثير وغیرہ۔ (مزید ملاحظہ ہو، سورۂ اعراف، آیت: 180 کا حاشیہ)

④ یعنی اس اعراض اور تکذیب کا وبال انھیں پہنچے گا، اس وقت انھیں احساس ہوگا کہ کاش! ہم اس کتاب برحق کی تکذیب اور اس کا استہزا نہ کرتے۔

⑤ یعنی جب گناہوں کی پاداش میں تم سے پہلی امتوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، درآں حالیکہ وہ طاقت و قوت میں بھی تم سے کہیں زیادہ

عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا⑥ [1] اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھر اُس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے⑦ [2] اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اُن کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، پھر اُن کو ذرا مہلت نہ دی جاتی⑧ [3] اور اگر ہم کسی

تھیں اور خوش حالی اور وسائل رزق کی فراوانی میں بھی تم سے بہت بڑھ کر تھیں تو تمھیں ہلاک کرنا ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی اور خوش حالی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بہت کامیاب و کامران ہے۔ یہ استدراج و امہال کی وہ صورتیں ہیں جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ قوموں کو عطا فرماتا ہے لیکن جب یہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو پھر یہ ساری ترقیاں اور خوشحالیاں انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتیں۔

① تاکہ انھیں بھی پچھلی قوموں کی طرح آزمائیں۔

② یہ ان کے عناد و جُحُود اور مکابرۃ کا اظہار ہے کہ اتنے واضح نوشتۂ الٰہی کے باوجود وہ اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور اسے ایک ساحرانہ کرتب قرار دیں گے، جیسے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ ﴾ (الحجر 15,14:15) ”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی کہیں گے: ہماری آنکھیں متوالی ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔“ ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ○ ﴾ (الطور 44:52) ”اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا ٹکڑا بھی دیکھ لیں تو کہیں گے کہ تہ بہ تہ بادل ہیں۔“ یعنی عذاب الٰہی کی کوئی نہ کوئی ایسی توجیہ کر لیں گے کہ جس میں مشیت الٰہی کا کوئی دخل انھیں تسلیم کرنا نہ پڑے، حالانکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے، وہ انسانوں ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر قوم میں اسی کے ایک فرد کو وحی و رسالت سے نواز دیا جاتا تھا، چنانچہ اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو انسانوں ہی میں سے چن کر رسول مبعوث فرمایا لیکن کفار مکہ آپ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے لیے فرشتہ اتارا جائے یا خود فرشتے کو بطور رسول بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بات کے حوالے سے فرمایا کہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی سے معجزہ طلب کرے اور وہ ان کو دکھا دیا جائے لیکن اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ دوسری بات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم ان کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو وہ ان کے پاس بصورت مرد، یعنی انسان کی شکل ہی میں آتا کیونکہ اصلی شکل میں یہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے اور جب وہ آدمی کی شکل میں آتا تو پھر یہی شبہ پیش کرتے جواب پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے انسانوں ہی کو نبی اور رسول بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بطور احسان ہی قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (آل عمران 164:3) ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جبکہ انھی کی جانوں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا۔“

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ

فرشتے کو رسول بناتے تو بھی اُسے ہم انسانی شکل ہی میں اتارتے اور ہم اُنھیں اُسی شبہے میں ڈال دیتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں⑨ [1] اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں، اُن کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا، پھر جن لوگوں نے اُن سے مذاق کیا تھا، اُن کو اُس عذاب نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے⑩ آپ فرما دیجیے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا⑪ آپ کہہ دیجیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اللہ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرما لیا ہے، [2] تم کو اللہ قیامت کے روز جمع کرے گا، اُس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے⑫ اور اللہ ہی کی ملک ہے، وہ سب کچھ جو رات میں اور دن میں

لیکن پیغمبروں کی بشریت کافروں کے لیے حیرت واستعجاب کا باعث رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول انسانوں میں سے نہیں، فرشتوں میں سے ہونا چاہیے گویا ان کے نزدیک بشریت رسالت کے شایان شان نہیں تھی جیسا کہ آج کل کے اہل بدعت بھی یہی سمجھتے ہیں۔ فَتَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ''ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے ہیں۔'' اہل کفر وشرک، رسولوں کی بشریت کا تو انکار کر نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ ان کے خاندان، حسب ونسب ہر چیز سے واقف ہوتے تھے لیکن رسالت کا وہ انکار کر دیتے جبکہ آج کل کے اہل بدعت رسالت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن بشریت کو رسالت کے منافی سمجھنے کی وجہ سے رسولوں کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ اگر ہم کافروں کے مطالبے پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے یا اس رسول کی تصدیق کے لیے ہم کوئی فرشتہ نازل کر دیتے (جیسا کہ یہاں یہی بات بیان کی گئی ہے) اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لاتے تو انھیں مہلت دیے بغیر ہلاک کر دیا جاتا۔

① یعنی اگر ہم فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کرتے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر اصل فرشتے کی شکل میں آتا تو انسان اسے نہ دیکھ پاتے یا انسان اس سے خوف زدہ ہو جاتے اور قریب و مانوس ہونے کی بجائے دور بھاگتے، اس لیے ناگزیر تھا کہ اسے انسانی شکل میں بھیجا جاتا لیکن یہ تمھارے لیڈر پھر یہی اعتراض اور شبہ پیش کرتے کہ یہ تو انسان ہی ہے جو اس وقت بھی وہ رسول کی بشریت کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں تو پھر فرشتے کے بھیجنے کا بھی کیا فائدہ؟

② جس طرح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو عرش پر یہ لکھ دیا: «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي» (صحيح البخاري، حديث: 7404، و صحيح مسلم ، حديث:14-(2751)) ''یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔'' لیکن یہ رحمت قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی، کافروں کے لیے رب سخت غضب ناک ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کی رحمت یقیناً عام ہے جس سے مومن اور کافر نیک اور بد، فرماں بردار اور نافرمان سب ہی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی بھی روزی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بند نہیں کرتا لیکن اس کی رحمت کا یہ عموم صرف دنیا کی حد تک ہے۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ

رہتا ہے اور وہی بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے ⑬ آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا، میں کسی اور کو معبود قرار دوں؟[1] آپ فرما دیجیے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا⑭ آپ کہہ دیجیے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں⑮ [2] اور جس شخص سے اُس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے⑯ [3] اور اگر تجھ کو اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کا دُور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے⑰ [4] اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے،[5] اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے⑱ آپ کہہ دیجیے: گواہی دینے کے لیے سب سے بڑی چیز کون ہے؟ آپ کہہ دیجیے: اللہ، وہ میرے اور

آخرت میں جو کہ دارالجزا ہے، وہاں اللہ کی صفت عدل کا کامل ظہور ہوگا جس کے نتیجے میں اہل ایمان دامان رحمت میں جگہ پائیں گے اور اہل کفر وفسق جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق ٹھہریں گے، اسی لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 156:7) ”اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔“

① ولی سے مراد یہاں معبود و کارساز ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے ورنہ عام دوست بنانا تو جائز ہے۔

② یعنی اگر میں نے بھی رب کی نافرمانی کرتے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لیا تو میں بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا۔

③ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران 185:3) ”جو آگ سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔“ اس لیے کہ کامیابی، خسارے سے بچ جانے اور نفع حاصل کر لینے کا نام ہے۔ اور جنت سے بڑھ کر نفع کیا ہوگا؟

④ یعنی نفع وضرر کا مالک، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور اس کے حکم وقضا کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔ ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: «اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (صحيح البخاري، حديث: 7292، و صحيح مسلم، حديث: 137-(593)) ”جو چیز تو دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی صاحب حیثیت کو اس کی حیثیت تیرے مقابلے میں نفع نہیں پہنچا سکتی۔“ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُل لَّا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿19﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿20﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿21﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

تمھارے درمیان گواہ ہے،[1] اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اُن سب کو ڈراؤں،[2] کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمھارے شرک سے بیزار ہوں ﴿19﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿20﴾[3] اور اُس سے زیادہ بے انصاف کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے،[4] ایسے بے انصافوں کو کامیابی نہ ہوگی ﴿21﴾[5] اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام

قَدِيرٌ» سمیت پڑھا کرتے تھے۔

⑤ یعنی تمام گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر لوگ اس کے سامنے بے بس ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور تمام کائنات اس کی مطیع ہے، وہ اپنے ہر کام میں حکیم ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے، پس اسے معلوم ہے کہ اس کے احسان وعطا کا کون مستحق ہے اور کون غیر مستحق۔

① یعنی اللہ تعالیٰ ہی اپنی وحدانیت اور ربوبیت کا سب سے بڑا گواہ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں۔

② ربیع بن انس کہتے ہیں کہ اب جس کے پاس بھی یہ قرآن پہنچ جائے اگر وہ سچا متبع رسول ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف اسی طرح بلائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی اور اس طرح ڈرائے جس طرح آپ نے لوگوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیر)

③ يَعْرِفُونَهُ میں ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے، اس لیے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَاتَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

”اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔“

④ یعنی جس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑنے والا (نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا) سب سے بڑا ظالم ہے، اسی طرح وہ بھی بڑا ظالم ہے جو اللہ کی آیات اور اس کے سچے رسول کی تکذیب کرے۔ جھوٹے دعوائے نبوت پر اتنی سخت وعید کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ متعدد لوگوں نے ہر دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے کیے ہیں اور یوں یقیناً نبی ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی کہ 30 جھوٹے دجال ہونگے، ہر ایک کا دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے۔ گذشتہ صدی میں بھی قادیان کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آج اس کے پیروکار اسے اس لیے

ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿23﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ

لوگوں کو جمع کریں گے، پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمھارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے، کہاں گئے؟ ﴿22﴾ پھر اُن کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی ہمارے پروردگار کی ہم مشرک نہ تھے ﴿23﴾ [1] ذرا دیکھو تو اُنھوں نے کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے وہ ان سے غائب ہو گئے ﴿24﴾ [2] اور اُن میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں [3] اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اس سے کہ وہ اُس کو سمجھیں

سچا نبی اور بعض مسیح موعود مانتے ہیں کہ اسے ایک قلیل تعداد نبی مانتی ہے، حالانکہ کچھ لوگوں کا کسی جھوٹے کو سچا مان لینا، اس کی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صداقت کے لیے تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل کی ضرورت ہے۔ اور اس میدان میں یہ ہمیشہ کے لیے ناکام رہیں گے، اس لیے کہ قرآن وسنت کے واضح دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین والرسل ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا کوئی رسول نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ یہ حقیقت ریکارڈ پر موجود ہے کہ مرزائیوں کے خلیفہ مرزا ناصر احمد قادیانی کو اپنا موقف واضح کرنے اور دلائل دینے کا بھرپور موقع فراہم کیا گیا مگر وہ بری طرح ناکام رہا اور باطل کا مقدر ہی ناکام ہونا ہے۔

⑤ جب یہ دونوں ہی ظالم ہیں تو نہ مُفْتَرِی (جھوٹ گھڑنے والا) کامیاب ہوگا اور نہ مُکَذِّب (جھٹلانے والا) اس لیے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنے انجام پر اچھی طرح غور کر لے۔

① فِتْنَة کے ایک معنی حجت اور ایک معنی معذرت کے کیے گئے ہیں۔ بالآخر یہ حجت یا معذرت پیش کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔ اور امام ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں: «ثُمَّ لَمْ يَكُنْ قِيلُهُمْ عِنْدَ فِتْنَتِنَا إِيَّاهُمْ اعْتِذَارًا مِّمَّا سَلَفَ مِنْهُمْ مِّنَ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا--- الخ.» ”جب ہم انھیں سوال کی بھٹی میں جھونکیں گے تو دنیا میں انھوں نے جو شرک کیا، اس کی معذرت کے لیے یہ کہے بغیر ان کے لیے چارہ نہیں ہوگا کہ ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔“ یہاں یہ اشکال پیش نہ آئے کہ وہاں تو انسانوں کے ہاتھ پیر گواہی دیں گے اور زبانوں پر تو مہریں لگا دی جائیں گی، پھر یہ انکار کس طرح کریں گے؟ اس کا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ دیا ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ اہل توحید مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو یہ باہم مشورہ کر کے اپنے شرک کرنے سے ہی انکار کر دیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گے اور پھر یہ اللہ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ (ابن کثیر) یعنی مشرکین پہلے پہل اپنے شرک کا انکار کریں گے، پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

② لیکن وہاں انھیں اس کذب صریح کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جس طرح بعض دفعہ دنیا میں انسان ایسا محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے معبودان باطلہ بھی، جن کو وہ اللہ کا شریک اپنا حمایتی ومددگار اور سفارشی سمجھتے تھے، غائب ہوں گے اور وہاں ان پر شرکاء کی حقیقت واضح ہوگی لیکن وہاں اس خرابی کے ازالے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾

اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے [1] اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں تو بھی اُن پر کبھی ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، صرف پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں ﴿25﴾ [2] اور یہ لوگ اس سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور دور رہتے ہیں، [3] اور یہ لوگ اپنے آپ ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے ﴿26﴾ [4] اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں [5] تو کہیں گے: ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ﴿27﴾ [6] بلکہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے، وہ اُن کے سامنے آ گئی ہے [7] اور اگر وہ لوگ پھر واپس بھیج دیے جائیں، تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً وہ بالکل جھوٹے

③ یعنی یہ مشرکین آپ کے پاس آ کر قرآن سنتے ہیں لیکن چونکہ مقصد طلب ہدایت نہیں، اس لیے بے فائدہ ہے۔

① علاوہ ازیں مجازاۃً عَلٰی کُفْرِھِمْ. ان کے کفر کے نتیجے میں ان کے دلوں پر بھی ہم نے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ، جس کی وجہ سے ان کے دل حق بات سمجھنے سے قاصر اور ان کے کان حق کو سننے سے عاجز ہیں۔

② اب وہ گمراہی کی ایسی دلدل میں پھنس گئے ہیں کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی دیکھ لیں، تب بھی ایمان لانے کی توفیق سے محروم رہیں گے اور ان کا عناد و جحود اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں کہتے ہیں۔

③ یعنی عام لوگوں کو آپ ﷺ سے اور قرآن سے روکتے ہیں تاکہ وہ ایمان نہ لائیں اور خود بھی دور دور رہتے ہیں۔

④ لیکن لوگوں کو روکنا اور خود بھی دور رہنا، اس سے ہمارا یا ہمارے پیغمبر کا کیا بگڑے گا؟ اس طرح کے کام کر کے وہ خود ہی بے شعوری میں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔

⑤ یہاں ﴿لَوْ﴾ کا جواب محذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی ''تو آپ کو ہولناک منظر نظر آئے گا۔''

⑥ لیکن وہاں سے دوبارہ دنیا میں آنا ممکن ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکیں۔ کافروں کی اس آرزو کا قرآن نے متعدد مقامات ذکر کیا ہے، مثلاً: ﴿رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ○ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○﴾ (المؤمنون 23:107,108) ''اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال لے اگر ہم دوبارہ تیری نافرمانی کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی میں ذلیل وخوار پڑے رہو، مجھ سے بات نہ کرو۔'' ﴿رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○﴾ (السجدة 32:12) ''اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، پس ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں، اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔''

⑦ ﴿بَلْ﴾ جو اِضْرَاب (پہلی بات سے دوسری بات کی طرف منتقل ہونے) کے لیے آتا ہے۔ اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

ع 3 10 9

ہیں﴿28﴾ [1] اور وہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ نہ کیے جائیں گے﴿29﴾ [2] اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے؟ وہ کہیں گے بے شک قسم ہمارے رب کی! اللہ فرمائے گا: تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو﴿30﴾ [3] بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملاقات (کی حقیقت) کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت اُن پر اچانک آ پہنچے گا تو کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حالت اُن کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہوں گے، خوب سن لو کہ بُری ہوگی وہ چیز جس کو وہ لادیں گے﴿31﴾ [4] اور دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے اور آخرت کا گھر

---

① ان کے لیے وہ کفر اور عناد و تکذیب ظاہر ہو جائے گی، جو اس سے قبل وہ دنیا یا آخرت میں چھپاتے تھے، یعنی جس کا انکار کرتے تھے، جیسے وہاں بھی ابتداءً کہیں گے: ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ''ہم تو مشرک ہی نہ تھے۔'' ② یا رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی صداقت کا علم جو ان کے دلوں میں تھا لیکن اپنے پیروکاروں سے چھپاتے تھے۔ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ ③ یا منافقین کا وہ نفاق وہاں ظاہر ہو جائے گا جسے وہ دنیا میں اہل ایمان سے چھپاتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[1] یعنی دوبارہ دنیا میں آنے کی خواہش ایمان لانے کے لیے نہیں، صرف عذاب سے بچنے کے لیے ہے جو ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا اور جس کا وہ معائنہ کرلیں گے ورنہ اگر یہ دنیا میں دوبارہ بھیج دیے جائیں، تب بھی یہ وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔

[2] یہ بعث بَعْدَ الْمَوْتِ (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے) کا انکار ہے جو کافر کرتا ہے اور اس حقیقت سے انکار ہی دراصل ان کے کفر و عصیان کی سب سے بڑی وجہ ہے ورنہ اگر انسان کے دل میں صحیح معنوں میں اس عقیدۂ آخرت کی صداقت راسخ ہو جائے تو کفر و عصیان کے راستے سے فوراً تائب ہو جائے۔

[3] یعنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد تو وہ اعتراف کرلیں گے کہ آخرت کی زندگی واقعی برحق ہے لیکن وہاں اس اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ اب تو اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

[4] اللہ کی ملاقات کی تکذیب کرنے والے جس خسارے اور نامرادی سے دوچار ہوں گے، اپنی کوتاہیوں پر جس طرح نادم ہوں گے اور برے اعمال کا جو بوجھ اپنے اوپر لادے ہوں گے، آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے ﴿فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾ میں ضمیر الساعة کی طرف راجع ہے، یعنی قیامت کی تیاری اور تصدیق کے معاملے میں جو کوتاہی ہم سے ہوئی۔ یا اَلصَّفْقَه (سودا) کی طرف راجع ہے، جو اگرچہ عبارت میں موجود نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ نقصان (خسارہ) سودے میں ہی ہوتا ہے اور مراد اس سودے سے وہ ہے جو ایمان کے بدلے کفر خرید کر انھوں نے کیا، یعنی یہ سودا کر کے ہم نے سخت کوتاہی کی یا حَيَاة کی طرف راجع ہے، یعنی ہم

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿33﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ

متقیوں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو﴿32﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتیں غم زدہ کرتی ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں﴿33﴾[1] اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، اُن کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے سو اُنھوں نے اُس پر صبر ہی کیا، اُن کی تکذیب کی گئی اور اُن کو ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد اُن کو پہنچی[2] اور اللہ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں،[3] اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کی کچھ خبریں تو آ ہی چکی ہیں﴿34﴾[4] اور اگر آپ کو اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سُرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو،

نے اپنی زندگی میں برائیوں اور کفر و شرک کا ارتکاب کر کے جو کوتاہیاں کیں۔ (فتح القدیر)

① نبی ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنی تکذیب کی وجہ سے جو غم و حزن پہنچتا، اس کے ازالے اور آپ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تکذیب آپ کی نہیں۔ (آپ کو تو وہ صادق و امین مانتے ہیں) دراصل یہ آیات الٰہی کی تکذیب ہے اور یہ ایک ظلم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ جامع ترمذی کی روایت: 3064 میں ہے کہ ابوجہل نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! ہم تم کو نہیں بلکہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن دوسری صحیح روایات سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی امانت و دیانت اور صداقت کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے گریزاں رہے۔ آج بھی جو لوگ نبی ﷺ کے حسن اخلاق، رفعت کردار اور امانت و صداقت کو تو خوب جھوم جھوم کر بیان کرتے اور اس موضوع پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے ہیں لیکن اتباع رسول ﷺ میں وہ انقباض محسوس کرتے، آپ کی بات کے مقابلے میں فقہ و قیاس اور اقوال ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں، انھیں سوچنا چاہیے کہ یہ کس کا کردار ہے جسے انھوں نے اپنایا ہوا ہے؟

② نبی ﷺ کی مزید تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کافر اللہ کے پیغمبر کا انکار کر رہے ہیں بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں جن کی تکذیب کی جاتی رہی ہے، پس آپ بھی ان کی اقتدا کرتے ہوئے اسی طرح صبر اور حوصلے سے کام لیں جس طرح انھوں نے تکذیب اور ایذا پر صبر سے کام لیا حتیٰ کہ آپ کے پاس بھی اسی طرح ہماری مدد آ جائے جس طرح پہلے رسولوں کی ہم نے مدد کی اور ہم اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ ہم نے وعدہ کیا ہوا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (المؤمن 40:51) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں اور اہل ایمان کی مدد کریں گے۔'' ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔'' وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ. (مثلاً: الصّٰفّٰت 37:171،172)

③ بلکہ اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا کہ آپ کافروں پر غالب و منصور رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

④ جن سے واضح ہے کہ ابتدا میں گو ان کی قوموں نے انھیں جھٹلایا، انھیں ایذائیں پہنچائیں اور ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا

بِاٰيَةٍ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ط وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾

پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اُن سب کو راہِ راست پر جمع کر دیتا،[1] سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے ﴿35﴾[2] وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں[3] اور مُردوں کو اللہ زندہ کر کے اٹھائے گا، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے ﴿36﴾ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ فرما دیجیے کہ اللہ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرما دے[4] لیکن اُن میں اکثر بے خبر ہیں ﴿37﴾[5] اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اُڑتے ہیں اُن میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمھاری طرح کے گروہ نہ ہوں،[6] ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی،[7] پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں ﴿38﴾[8]

لیکن بالآخر اللہ کی نصرت سے کامیابی و کامرانی اور نجات ابدی انھی کا مقدر بنی۔

[1] نبی ﷺ کو معاندین و کافرین کی تکذیب سے جو گرانی اور مشقت ہوتی تھی، اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر سے ہونا ہی تھا اور اللہ کے حکم کے بغیر آپ ان کو قبول اسلام پر آمادہ نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر آپ کوئی سرنگ کھود کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر بھی کوئی نشانی ان کو لا کر دکھا دیں تو اول تو آپ کے لیے ایسا کرنا محال ہے اور اگر بالفرض آپ ایسا کر دکھائیں بھی تو یہ ایمان لانے کے نہیں کیونکہ ان کا ایمان نہ لانا، اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت ہے جس کا مکمل احاطہ انسانی عقل و فہم نہیں کر سکتے، البتہ جس کی ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اختیار و ارادے کی آزادی دے کر آزما رہا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمام انسانوں کو ہدایت کے ایک راستے پر لگا دینا مشکل کام نہ تھا، اس کے لیے لفظ کن سے پلک جھپکتے میں یہ کام ہو سکتا ہے۔

[2] یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ حسرت و افسوس نہ کریں کیونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت و تقدیر سے ہے، اس لیے اسے اللہ ہی کے سپرد کر دیں، وہی اس کی حکمت و مصلحت کو بہتر سمجھتا ہے۔

[3] اور ان کافروں کی حیثیت تو ایسی ہے جیسے مُردوں کی ہوتی ہے جس طرح وہ سننے اور سمجھنے کی قدرت سے محروم ہیں، یہ بھی چونکہ اپنی عقل و فہم سے حق کو سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اس لیے یہ بھی مردہ ہی ہیں۔

[4] یعنی ایسا معجزہ جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے، جیسے ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتہ اترے یا پہاڑ ان پر اٹھا کر بلند کر دیا جائے، جس طرح بنی اسرائیل پر کیا گیا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو یقیناً ایسا کر سکتا ہے لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ پھر انسانوں کے ابتلا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے مطالبے پر اگر کوئی معجزہ دکھلایا جاتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو پھر فوراً انھیں اس کی دنیا ہی میں سخت سزا دے دی جاتی، یوں گویا اللہ کی اس حکمت میں بھی انھی کا دنیاوی فائدہ ہے۔

[5] جو اللہ کے حکم و مشیت کی حکمت بالغہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ ع 4/11/10

اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، وہ تو طرح طرح کی ظلمتوں میں بہرے گونگے ہو رہے ہیں، اللہ جس کو چاہے بے راہ کر دے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے ﴿39﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آ پڑے یا تم پر قیامت ہی آ پہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو ﴿40﴾ بلکہ خاص اُسی کو پکارو گے، پھر جس کے لیے تم پکارو گے اگر وہ چاہے تو اُس کو بھی ہٹا دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اُن سب کو بھول بھال جاؤ گے [2]

⑥ یعنی انھیں بھی اللہ نے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح تمھیں پیدا کیا، اسی طرح انھیں روزی دیتا ہے جس طرح تمھیں دیتا ہے اور تمھاری ہی طرح وہ بھی اس کی قدرت و علم کے تحت داخل ہیں۔

⑦ الْكِتٰبِ (دفتر) سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی وہاں ہر چیز درج ہے یا مراد قرآن ہے جس میں اجمالاً یا تفصیلاً دین کے ہر معاملے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل 89:16) ''ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔'' یہاں پر سیاق کے لحاظ سے پہلا معنی اقرب ہے۔

⑧ یعنی تمام مذکورہ گروہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اس سے علماء کے ایک گروہ نے استدلال کیا ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کو زندہ کر کے ان کا حساب کتاب لیا جائے گا، جانوروں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی زندہ کر کے ان کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ جس طرح ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی سینگ والی بکری نے اگر بغیر سینگ والی بکری پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو قیامت والے دن سینگ والی بکری سے بدلہ لیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2582) بعض علماء نے حشر سے مراد صرف موت لی ہے، یعنی سب کو موت آئے گی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حشر سے مراد کفار کا حشر ہے۔ اور درمیان میں مزید جو باتیں آئی ہیں، وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں۔ اور حدیث مذکور (جس میں بکری سے بدلہ لیے جانے کا ذکر ہے) بطور تمثیل ہے جس سے مقصد قیامت کے حساب و کتاب کی اہمیت و عظمت کو واضح کرنا ہے۔ یا یہ کہ حیوانات میں سے صرف ظالم اور مظلوم کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کو بدلہ دلا دیا جائے گا، پھر دونوں معدوم کر دیے جائیں گے۔ (فتح القدیر وغیرہ) اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

① آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والے چونکہ اپنے کانوں سے حق بات سنتے نہیں اور اپنی زبانوں سے حق بات بولتے نہیں، اس لیے وہ ایسے ہی ہیں جیسے گونگے اور بہرے ہوتے ہیں، علاوہ ازیں یہ کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھی گھرے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس سے ان کی اصلاح ہو سکے، پس ان کے حواس گویا مسلوب ہو گئے جن سے کسی حال میں وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، پھر فرمایا: تمام اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لگا دے لیکن اس کا یہ فیصلہ یوں ہی الل ٹپ نہیں ہو جاتا بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، گمراہ اسی کو کرتا ہے جو خود گمراہی میں پھنسا ہوتا ہے اور اس سے نکلنے کی وہ سعی کرتا ہے نہ نکلنے کو وہ پسند ہی کرتا ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 26 کا حاشیہ)

② ﴿اَرَءَيْتَكُمْ﴾ کے معنی: اَخْبِرُوْنِي (مجھے بتلاؤ یا خبر دو) کے ہیں جبکہ كُمْ حرف خطاب ہے۔ اس مضمون کو بھی قرآن کریم میں

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿42﴾ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿43﴾ فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟ أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ﴿44﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ۚ وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿45﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ

اور بلاشبہ ہم نے اور اُمتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے، سو ہم نے اُن کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ عاجزی سے گڑگڑائیں ﴿42﴾ سو جب اُن کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انھوں نے عاجزی کیوں نہیں اختیار کی؟ لیکن اُن کے دل سخت ہوگئے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کے خیال میں آراستہ کر دیا ﴿43﴾[1] پھر جب وہ لوگ اُن چیزوں کو بھولے رہے جن کی اُن کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں پر جو کہ اُن کو ملی تھیں، وہ خوب اِترا گئے، ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے ﴿44﴾ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے ﴿45﴾[2] آپ کہہ دیجیے کہ یہ بتلاؤ اگر

کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت:165 کا حاشیہ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید انسانی فطرت کی آواز ہے۔ انسان ماحول یا آباء واجداد کی تقلید ناسدید میں مشرکانہ عقائد واعمال میں مبتلا رہتا ہے اور غیر اللہ کو اپنا حاجت روا ومشکل کشا سمجھتا رہتا ہے، نذر و نیاز بھی انھی کے نام کی نکالتا ہے لیکن جب کسی ابتلا سے دوچار ہوتا ہے تو پھر یہ سب بھول جاتا ہے اور فطرت ان سب پر غالب آ جاتی ہے اور بے اختیار انسان پھر اسی ذات کو پکارتا ہے جس کو پکارنا چاہیے۔ کاش! لوگ اسی فطرت پر قائم رہیں کہ نجات اخروی تو مکمل طور پر اسی صدائے فطرت، یعنی توحید کے اختیار کرنے ہی میں ہے۔

[1] قومیں جب اخلاق و کردار کی پستی میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کو زنگ آلود کر لیتی ہیں تو اس وقت اللہ کے عذاب بھی انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں، پھر ان کے ہاتھ طلب مغفرت کے لیے اللہ کے سامنے نہیں اٹھتے، ان کے دل اس کی بارگاہ میں نہیں جھکتے اور ان کے رخ اصلاح کی طرف نہیں مڑتے بلکہ اپنی بداعمالیوں پر تاویلات و توجیہات کے حسین غلاف چڑھا کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتی ہیں۔ اس آیت میں ایسی ہی قوموں کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے جسے شیطان نے ان کے لیے خوبصورت بنا دیا ہوتا ہے۔

[2] اس میں خدا فراموش قوموں کی بابت اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ہم بعض دفعہ وقتی طور پر ایسی قوموں پر دنیا کی آسائشوں اور فراوانیوں کے دروازے کھول دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اس میں خوب مگن ہو جاتی ہیں اور اپنی مادی خوش حالی و ترقی پر اترانے لگ جاتی ہیں تو پھر ہم اچانک انھیں اپنے مؤاخذے کی گرفت میں لے لیتے ہیں اور ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی کو اس کی خواہشات کے مطابق دنیا دے رہا ہے تو یہ اِسْتِدْرَاج (ڈھیل دینا) ہے۔'' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مسند أحمد: 145/4) قرآن کریم کی اس آیت اور حدیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوا کہ دنیوی ترقی اور خوش حالی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس فرد یا قوم کو یہ حاصل ہو تو وہ اللہ کی چہیتی

اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿46﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا

اللہ تمھاری سماعت اور بصارت بالکل لے لے اور تمھارے دلوں پر مُہر کر دے تو اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دے دے۔ آپ دیکھیے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف انداز سے پیش کر رہے ہیں، پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں ﴿46﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ یہ بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے، خواہ اچانک یا اعلانیہ تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور بھی کوئی ہلاک کیا جائے گا ﴿47﴾ [2] اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں، [3] پھر جو ایمان لے آئے اور اصلاح کر لے تو اُن لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے ﴿48﴾ [4] اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، اُن کو اس وجہ سے عذاب پہنچے گا کہ وہ

ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے جیسا کہ بعض لوگ ایسا سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو انھیں ﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ (الأنبیآء 105:21) ''کہ یہ زمین، اس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔'' کا مصداق قرار دے کر انھیں ''اللہ کے نیک بندے'' تک قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا غلط ہے، گمراہ قوموں یا افراد کی دنیوی خوش حالی، ابتلا اور مہلت کے طور پر ہے نہ کہ یہ ان کے کفر و معاصی کا انعام اور صلہ ہے۔

① آنکھیں، کان اور دل، یہ انسان کے نہایت اہم اعضاء و جوارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کی وہ خصوصیات سلب کر لے جو اللہ نے ان کے اندر رکھی ہیں، یعنی سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی خصوصیات، جس طرح کافروں کے یہ اعضاء ان خصوصیات سے محروم ہوتے ہیں۔ یا اگر وہ چاہے تو اعضاء کو ویسے ہی ختم کر دے، وہ دونوں ہی باتوں پر قادر ہے، اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا مگر یہ کہ وہ خود کسی کو بچانا چاہے۔ آیات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرنے کا مطلب ہے کبھی اِنْذَار و تَبْشِیر اور ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے اور کبھی کسی اور ذریعے سے۔

② ﴿ بَغْتَةً ﴾ (اچانک) سے مراد رات اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ (کھلم کھلا) سے دن مراد ہے جسے سورۂ یونس میں ﴿ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا ﴾ (یونس 50:10) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی دن کو عذاب آ جائے یا رات کو۔ یا پھر ﴿ بَغْتَةً ﴾ وہ عذاب ہے جو اچانک بغیر تمہید اور مقدمات کے آ جائے اور ﴿ جَهْرَةً ﴾ وہ عذاب جو تمہید اور مقدمات کے بعد آئے۔ یہ عذاب جو قوموں کی ہلاکت کے لیے آتا ہے۔ ان ہی پر آتا ہے جو ظالم ہوتی ہیں، یعنی کفر و طغیان اور معصیت الٰہی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں۔

③ وہ اطاعت گزاروں کو ان نعمتوں اور اجر جزیل کی خوش خبری دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جنت کی صورت میں ان کے لیے تیار کر رکھی ہے اور نافرمانوں کو ان عذابوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے جہنم کی صورت میں تیار کیے ہوئے ہیں۔

④ مستقبل (آخرت) میں پیش آنے والے حالات کا انھیں اندیشہ نہیں اور اپنے پیچھے دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے یا دنیا کی جو آسودگیاں وہ حاصل نہ کر سکے، اس پر وہ مغموم نہیں ہوں گے کیونکہ دونوں جہانوں میں ان کا ولی اور کارساز وہ رب ہے جو دونوں ہی جہانوں کا رب ہے۔

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿50﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿51﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿52﴾

نافرمانی کرتے ہیں ﴿49﴾[1] آپ کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے ، اُس کا اتباع کرتا ہوں،[2] آپ کہہ دیجیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتا ہے[3] سو کیا تم غور نہیں کرتے ؟ ﴿50﴾ اور ایسے لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کیے جائیں گے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی اُن کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفیع ہوگا، اس امید پر کہ وہ ڈر جائیں ﴿51﴾[4] اور اُن لوگوں کو (اپنے سے) دور نہ ہٹائیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اُسی کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اُن کے حساب سے آپ کے ذمے کچھ نہیں اور نہ آپ کے حساب سے کچھ ان کے ذمے ہے، سو اگر آپ اُنھیں (اپنے سے) دور ہٹائیں گے تو آپ ظلم کرنے والوں میں سے ہوجائیں

① یعنی ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ انھوں نے تکفیر و تکذیب کا راستہ اختیار کیا، اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی پروا نہیں کی اور اس کے محارم و مناہی کا ارتکاب بلکہ اس کی حرمتوں کو پامال کیا۔

② میرے پاس اللہ کے خزانے بھی نہیں (جس سے مراد ہر طرح کی قدرت و طاقت ہے) کہ میں تمھیں اللہ کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ایسا بڑا معجزہ صادر کر کے دکھا سکوں جیسا کہ تم چاہتے ہو جسے دیکھ کر تمھیں میری صداقت کا یقین ہوجائے۔ میرے پاس غیب کا علم بھی نہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات سے میں تمھیں مطلع کر دوں، مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کہ تم مجھے ایسے خرق عادات امور پر مجبور کرو جو انسانی طاقت سے بالا ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کا پیرو ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اور اس میں حدیث بھی شامل ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا: «أَلَا! إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ» (مسند أحمد: 131/4، و سنن أبي داود، حديث: 4604، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 2643) ”خبردار مجھے کتاب کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا۔“ یہ مثل حدیث رسول ﷺ ہی ہے۔

③ یہ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی اندھا اور بینا، گمراہ اور ہدایت یافتہ اور مومن و کافر برابر نہیں ہوسکتے۔

④ یعنی انذار کا فائدہ ایسے ہی لوگوں کو ہوسکتا ہے، ورنہ جو بعث بعد الموت اور حشر و نشر پر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اپنے کفر و جحود پر ہی قائم رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ان اہل کتاب کا، کافروں کا اور مشرکوں کا رد بھی ہے جو اپنے آباء اور اپنے بتوں کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ نیز کارساز اور سفارشی نہیں ہوگا کا مطلب، یعنی ان کے لیے جو عذاب جہنم کے مستحق قرار پا چکے ہوں گے۔ ورنہ مومنوں کے لیے تو اللہ کے نیک بندے، اللہ کے حکم سے سفارش کریں گے، یعنی شفاعت کی نفی اہل کفر و شرک کے لیے ہے اور اس کا اثبات ان

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوٓا أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنۢ بَيْنِنَا ط أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ﴿53﴾ وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِأٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ

گے ﴿52﴾[1] اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کو دوسروں کے ذریعے سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں، کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ نے فضل کیا ہے۔[2] کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ شکر گزاروں کو خوب جانتا ہے ﴿53﴾[3] اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو (یوں) کہہ دیجیے کہ تم پر سلامتی ہو،[4] تمھارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کرلیا ہے[5]

کے لیے جو گناہ گار مومن و موحد ہوں گے، اس طرح دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا۔

[1] یعنی یہ بے سہارا اور غریب مسلمان، جو بڑے اخلاص سے رات دن اپنے رب کو پکارتے ہیں، یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد! تمھارے ارد گرد تو غرباء وفقراء کا ہی ہجوم رہتا ہے، ذرا انھیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمھارے ساتھ بیٹھیں۔ ان غرباء کو اپنے سے دور نہ کرنا، بالخصوص جبکہ آپ کا کوئی حساب ان کے متعلق نہیں اور ان کا آپ کے متعلق نہیں اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ظلم ہوگا جو آپ کے شایان شان نہیں۔ اس سے مقصد امت کو بھی سمجھانا ہے کہ بے وسائل مومن موحد لوگوں کو حقیر سمجھنا یا ان کی صحبت سے گریز کرنا اور ان سے وابستگی نہ رکھنا، یہ نادانوں کا کام ہے، اہل ایمان کا نہیں۔ اہل ایمان تو اہل ایمان سے محبت رکھتے ہیں، چاہے وہ غریب اور مسکین ہی کیوں نہ ہوں۔

[2] ابتدا میں اکثر غریب، غلام قسم کے لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے، اس لیے یہی چیز رؤسائے کفار کی آزمائش کا ذریعہ بن گئی اور وہ ان غریبوں کا مذاق بھی اڑاتے اور جن پر ان کا بس چلتا، انھیں تعذیب واذیت سے بھی دوچار کرتے اور کہتے کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان فرمایا ہے؟ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایمان اور اسلام اگر واقعی اللہ کا احسان ہوتا تو یہ سب سے پہلے ہم پر ہوتا جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَآ إِلَيْهِ﴾ (الأحقاف 11:46) ''اگر یہ بہتر چیز ہوتی تو اس کے قبول کرنے میں یہ ہم سے سبقت نہ کرتے۔'' یعنی ان ضعفاء کے مقابلے میں ہم پہلے مسلمان ہوتے۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری چمک دمک، ٹھاٹھ باٹھ اور رئیسانہ کروفر وغیرہ نہیں دیکھتا، وہ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے وہ جانتا ہے کہ اس کے شکر گزار بندے اور حق شناس کون ہیں؟ پس اس نے جن کے اندر شکر گزاری کی خوبی دیکھی، انھیں ایمان کی سعادت سے سرفراز کردیا۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحيح مسلم، حديث: 34-(2564)، وسنن ابن ماجه، حديث: 4143) ''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتیں اور تمھارے اموال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دل اور تمھارے عمل دیکھتا ہے۔''

[4] یعنی ان پر سلام کرکے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں۔

[5] اور انھیں خوشخبری دیں کہ تفضُّل و اِحْسان کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی رحمت کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوگیا تو اس نے عرش پر لکھ دیا: «إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي» (صحيح البخاري، حديث: 7404، و صحيح مسلم، حديث: 14-(2751)) ''میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔''

الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ أَصْلَحَ ۙ فَأَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿54﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ ع قُلْ إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ أَتَّبِعُ أَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ قُلْ إِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ

کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے، پھر وہ اُس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والا ہے، بڑی رحمت والا ہے ﴿54﴾ [1] اِسی طرح ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے ﴿55﴾ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ اُن کی عبادت کروں جن کو اللہ کے سوا تم لوگ پکارتے ہو۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمھاری خواہشات کی پیروی نہ کروں گا کیوں کہ اِس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہِ راست پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا ﴿56﴾ [2] آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے [3] اور تم اُس کی تکذیب کرتے ہو، جس چیز کی تم جلد بازی کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں۔ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے [4] جو حق ہی بیان کرتا ہے [5] اور وہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ﴿57﴾ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلد بازی کر رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان معاملے کا فیصلہ [6]

① اس میں بھی اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کیونکہ ان ہی کی یہ صفت ہے کہ اگر نادانی سے یا بہ تقاضائے بشریت کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ گناہ پر اصرار اور دوام اور توبہ و انابت سے اعراض نہیں کرتے۔

② یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے، تمھاری خواہشات کے مطابق غیر اللہ کی عبادت شروع کر دوں تو یقیناً میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت و پرستش، سب سے بڑی گمراہی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ گمراہی اتنی ہی عام بھی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

③ مراد وہ شریعت ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ پر نازل کی گئی جس میں توحید کو اولین حیثیت حاصل ہے۔

④ تمام کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس لیے تم جو چاہتے ہو کہ جلد ہی اللہ کا عذاب تم پر آ جائے تاکہ تمھیں میری صداقت یا کذب کا پتہ چل جائے تو یہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمھاری خواہش کے مطابق جلدی عذاب بھیج کر تمھیں متنبہ یا تباہ کر دے اور چاہے تو اس وقت تک تمھیں مہلت دے جب تک اس کی حکمت اس کی مقتضی ہو۔

⑤ ﴿يَقُصُّ﴾ قصص سے ہے، یعنی يَقُصُّ قَصَصَ الْحَقِّ ''حق باتیں بیان کرتا یا بتلاتا ہے یا'' قَصَّ أَثَرَہ ''کسی کے پیچھے لگنا، پیروی کرنا سے ہے، یعنی يَتَّبِعُ الْحَقَّ فِيمَا يَحْكُمُ بِهٖ ''اپنے فیصلوں میں وہ حق کی پیروی کرتا ہے، یعنی حق کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔'' (فتح القدیر)

⑥ یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرے طلب کرنے پر فوراً عذاب بھیج دیتا یا اللہ تعالیٰ میرے اختیار میں یہ چیز دے دیتا تو پھر تمھاری خواہش کے مطابق عذاب بھیج کر جلد ہی فیصلہ کر دیا جاتا لیکن یہ معاملہ چونکہ کلیتاً اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے مجھے اس کا اختیار بالکل نہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿58﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿59﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿60﴾ ع وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

ہو چکا ہوتا اور ظالموں کو اللہ خوب جانتا ہے ﴿58﴾ اور اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) اُن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اُس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں ﴿59﴾[1] اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمھاری روح کو قبض کر دیتا ہے[2] اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اُس کو جانتا ہے، پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے[3] تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے[4] پھر اُسی کی طرف تم کو جانا ہے،[5] پھر وہ تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ﴿60﴾ اور وہی اپنے بندوں

ہے کہ میں عذاب فوراً نازل کردوں یا میری درخواست پر فوراً عذاب نازل ہو جائے۔

ضروری وضاحت: حدیث میں جو آتا ہے کہ ایک موقع پر اللہ کے حکم سے پہاڑوں کا فرشتہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں ساری آبادی کو دونوں پہاڑوں کے درمیان کچل دوں، آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا فرمائے گا، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3231، وصحيح مسلم، حديث: 111-(1795)) یہ حدیث آیت زیر وضاحت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ آیت میں عذاب طلب کرنے پر عذاب دینے کا اظہار ہے جبکہ اس حدیث میں مشرکین کے طلب کیے بغیر صرف ان کی ایذا دہی کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے جس پر نبی ﷺ نے ان کی نسلوں میں سے مسلمانوں کے پیدا ہونے کی امید ظاہر فرمائی۔ اس لیے ان کے لیے عذاب پسند نہیں فرمایا۔

① ﴿كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، غیب کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں، اس لیے کفار و مشرکین اور معاندین کو کب عذاب دیا جائے؟ اس کا علم بھی صرف اسی کو ہے اور وہی اپنی حکمت کے مطابق اس کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ مفاتح الغیب پانچ ہیں: قیامت کا علم، بارش کا نزول، رحم مادر میں پلنے والا بچہ، آئندہ کل میں پیش آنے والے واقعات اور موت کہاں آئے گی۔ ان پانچوں امور کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4627)

② یہاں نیند کو وفات سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی لیے اسے وفات اصغر اور موت کو وفات اکبر کہا جاتا ہے۔ (وفات کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران کی آیت: 55 کا حاشیہ)

③ یعنی دن کے وقت روح واپس لوٹا کر زندہ کر لیتا ہے۔

④ یعنی یہ سلسلہ شب و روز اور وفات اصغر سے ہمکنار ہو کر دن کو پھر اٹھ کھڑے ہونے کا معمول انسان کی وفات اکبر تک جاری رہے گا۔

⑤ یعنی پھر قیامت والے دن زندہ ہو کر سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿61﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿63﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿64﴾ قُلْ

کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو اُس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے ﴿61﴾[1] پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جائیں گے۔[2] خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے گا ﴿62﴾ آپ کہہ دیجیے وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں سے نجات دیتا ہے؟ تم اُس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے کہ اگر تو ہم کو اُن سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿63﴾ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو اُن سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے، تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو ﴿64﴾ آپ کہیے

[1] یعنی اپنے اس مفوضہ کام میں اور روح کی حفاظت میں بلکہ وہ فرشتہ، مرنے والا اگر نیک ہوتا ہے تو اس کی روح ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ میں اور اگر بد ہوتا ہے تو ﴿سِجِّيْنٌ﴾ میں، بھیج دیتا ہے۔

[2] آیت میں ﴿رُدُّوْۤا﴾ ''لوٹائے جائیں گے'' کا مرجع بعض نے فرشتوں کو قرار دیا ہے، یعنی قبض روح کے بعد فرشتے اللہ کی بارگاہ میں لوٹ جاتے ہیں۔ اور بعض نے اس کا مرجع تمام لوگوں کو بنایا ہے، یعنی سب لوگ حشر کے بعد اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جائیں گے (پیش کیے جائیں گے) اور پھر وہ سب کا فیصلہ فرمائے گا۔ آیت میں روح قبض کرنے والے فرشتوں کو رسل (جمع کے صیغے کے ساتھ) بیان کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح قبض کرنے والا فرشتہ ایک نہیں متعدد ہیں۔ اس کی توجیہ بعض مفسرین نے اس طرح کی ہے کہ قرآن مجید میں روح قبض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے۔ ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا﴾ (الزمر 42:39) ''اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔'' اور اس کی نسبت ایک فرشتے (ملک الموت) کی طرف بھی کی گئی ہے۔ ﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ﴾ (السجدة 11:32) ''کہہ دو تمھاری روحیں وہ فرشتۂ موت قبض کرتا ہے جو تمھارے لیے مقرر کیا گیا ہے۔'' اور اس کی نسبت متعدد فرشتوں کی طرف بھی کی گئی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے اور اسی طرح سورۂ نساء، آیت: 97 اور سورۂ انعام، آیت: 93 میں بھی ہے، اس لیے اللہ کی طرف اس کی نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہی اصل آمر (حکم دینے والا) بلکہ فاعل حقیقی ہے۔ متعدد فرشتوں کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ وہ ملک الموت کے مددگار ہیں، وہ رگوں، شریانوں، پٹھوں سے روح نکالنے اور اس کا تعلق ان تمام چیزوں سے کاٹنے کا کام کرتے ہیں اور ملک الموت کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ پھر آخر میں وہ روح قبض کر کے آسمانوں کی طرف لے جاتا ہے۔ (تفسير روح المعاني: 256/5) حافظ ابن کثیر، امام شوکانی رحمہما اللہ اور جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ملک الموت ایک ہی ہے جیسا کہ سورۂ سجدہ کی آیت سے اور مسند أحمد: 287/4 میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں جمع کے صیغے میں ان کا ذکر ہے تو وہ اس کے اعوان و انصار ہیں۔ اور بعض آثار میں ملک الموت کا نام ''عزرائیل'' بتلایا گیا ہے۔ (تفسير ابن كثير) لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے ان کی اسناد کو محل نظر قرار دیا ہے۔

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿66﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿67﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ

اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمھارے اوپر سے بھیج دے[1] یا تمھارے پاؤں تلے سے[2] یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمھارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔[3] آپ دیکھیے تو سہی ہم کس طرح دلائل مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں﴿65﴾ اور آپ کی قوم[4] نے اس (قرآن) کو جھٹلایا، حالانکہ وہ (سراسر) حق ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر داروغہ مقرر نہیں کیا گیا﴿66﴾[5] ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا﴿67﴾ اور جب آپ اُن لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہوں تو اُن لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد

دیکھیے: تعليقات الألباني على العقيدة الطحاوية.

① یعنی آسمان سے، جیسے بارش کی کثرت، ہوا اور پتھروں کے ذریعے سے عذاب، یا امراء و حکام کی طرف سے ظلم و ستم۔

② جیسے دھنسایا جانا، طوفانی سیلاب، جس میں سب کچھ غرق ہو جائے، یا مراد ہے ماتحتوں، غلاموں اور نوکروں چاکروں کی طرف سے عذاب کہ وہ بد دیانت اور خائن ہو جائیں۔

③ ﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ أَيْ يَخْلِطَ أَمْرَكُمْ تمھارے معاملے کو خلط ملط یا مشتبہ کر دے جس کی وجہ سے تم گروہوں اور جماعتوں میں بٹ جاؤ۔ ﴿وَّيُذِيْقَ﴾ أَيْ يَقْتُلَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَتُذِيقَ كُلُّ طَائِفَةٍ الْأُخْرٰى أَلَمَ الْحَرْبِ ''تمھارا ایک دوسرے کو قتل کرے۔ اس طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کو لڑائی کا مزہ چکھائے۔'' (أيسر التفاسير) حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں: ① میری امت غرق کے ذریعے سے ہلاک نہ کی جائے ② قحط عام کے ذریعے سے اس کی تباہی نہ ہو ③ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرما لیں۔ اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا۔'' (صحيح مسلم، حدیث: 20-(2890)) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ امت محمدیہ میں اِخْتِلَاف وَاِنْشِقَاق واقع ہوگا اور اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی اور قرآن و حدیث سے اعراض ہوگا جس کے نتیجے میں عذاب کی اس صورت سے امت محمدیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گی۔ گویا اس کا تعلق اس سنت اللہ سے ہے جو قوموں کے اخلاق و کردار کے بارے میں ہمیشہ رہی ہے۔ جس میں تبدیلی ممکن نہیں ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝﴾ (فاطر 43:35).

④ ﴿بِهٖ﴾ کا مرجع قرآن ہے یا عذاب۔ (فتح القدير)

⑤ یعنی مجھے اس امر کا مکلّف نہیں کیا گیا ہے کہ میں تمھیں ہدایت کے راستے پر لگا کر ہی چھوڑوں بلکہ میرا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الكهف 29:18) ''پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔''

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿68﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿69﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ

آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں ﴿68﴾ [1] اور جو لوگ پرہیز گار ہیں اُن پر اُن (ظالموں) کے حساب میں کسی چیز کی ذمے داری نہیں [2] لیکن اُن کے ذمے نصیحت کر دینا ہے، شاید وہ بھی تقویٰ اختیار کریں ﴿69﴾ [3] اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے اُنھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور آپ اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) نہ پھنس جائے [4] کہ کوئی غیر اللہ اُس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اُس سے نہ لیا جائے۔ [5] یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، اُن کے لیے نہایت تیز گرم پانی پینے کے لیے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی

① آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک تاکیدی حکم ہے جسے قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء، آیت: 140 میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو یا عملاً ان کا استخفاف کیا جا رہا ہو یا اہل بدعت و اہل زیغ اپنی تاویلات رکیکہ اور توجیہات سخیفہ کے ذریعے سے آیات الٰہی کو توڑ مروڑ رہے ہوں۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمۂ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے، بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔

② ﴿مِنْ حِسَابِهِمْ﴾ کا تعلق آیات الٰہی کا استہزا کرنے والوں سے ہے، یعنی جو لوگ ایسی مجالس سے اجتناب کریں گے تو اِسْتِهْزَاءٌ بِآيَاتِ اللّٰه کا جو گناہ، استہزا کرنے والوں کو ملے گا، وہ اس گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

③ یعنی اجتناب و علیحدگی کے باوجود وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حتی المقدور ادا کرتے رہیں، شاید وہ بھی اپنی اس حرکت سے باز آجائیں۔

④ ﴿تُبْسَلَ﴾ أَيْ لِئَلَّا تُبْسَلَ۔ بَسَل کے اصل معنی تو منع کے ہیں، اسی سے ہے شُجَاعٌ بَاسِلٌ۔ لیکن یہاں اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں: ① تُسْلَمَ ''سونپ دیے جائیں'' ② تُفْضَحَ ''رسوا کر دیا جائے'' ③ تُؤَاخَذَ ''مؤاخذہ کیا جائے'' ④ تُجَازٰی ''بدلہ دیا جائے'' امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سب کے معنی قریب قریب ایک ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انھیں اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس کو، جو اس نے کمایا، اس کے بدلے ہلاکت کے سپرد کر دیا جائے۔ یا رسوائی اس کا مقدر بن جائے یا وہ مؤاخذہ اور مجازات کی گرفت میں آجائے۔ ان تمام مفاہیم کو فاضل مترجم نے ''پھنس نہ جائے'' سے تعبیر کیا ہے۔

⑤ دنیا میں انسان عام طور پر کسی دوست کی مدد یا کسی کی سفارش سے یا مالی معاوضہ دے کر چھوٹ جاتا ہے لیکن آخرت میں یہ تینوں ذریعے کام نہیں آئیں گے۔ وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ ہوگا جو انھیں اللہ کی گرفت سے بچا لے، نہ کوئی سفارشی ہوگا جو انھیں

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿72﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ

اُن کے کفر کے سبب ﴿70﴾ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے اور کیا ہم الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو اللہ نے ہدایت کردی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ اُس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اُس کو ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ۔[1] آپ کہہ دیجیے کہ یقینی بات ہے کہ راہِ راست وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے،[2] اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگارِ عالم کے پورے فرماں بردار ہو جائیں ﴿71﴾ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اُس سے ڈرو[3] اور وہی ہے جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ﴿72﴾ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا[4] اور جس

عذاب الٰہی سے نجات دلا دے اور نہ کسی کے پاس معاوضہ دینے کے لیے کچھ ہوگا اگر بالفرض ہو بھی تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ دے کر چھوٹ جائے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔

① یہ ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو ایمان کے بعد کفر اور توحید کے بعد شرک کی طرف لوٹ جائیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ ایک شخص اپنے ان ساتھیوں سے بچھڑ جائے جو سیدھے راستے پر جا رہے ہوں۔ اور بچھڑ جانے والا جنگلوں میں حیران و پریشان بھٹکتا پھر رہا ہو، ساتھی اسے بلا رہے ہوں لیکن حیرانی میں اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ یا جنات کے نرغے میں پھنس جانے کے باعث صحیح راستے کی طرف مراجعت اس کے لیے ممکن نہ رہی ہو۔

② مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک اختیار کر کے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ بھٹکے ہوئے راہی کی طرح ہدایت کی طرف نہیں آ سکتا۔ ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر کر دی ہے تو یقیناً اللہ کی توفیق سے وہ راہ یاب ہو جائے گا کیونکہ ہدایت پر چلا دینا اسی کا کام ہے، جیسے دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ (النحل 16:37) ''اگر تو ان کی ہدایت کی خواہش رکھتا ہے (تو کیا؟) بے شک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کر دے، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔'' لیکن یہ ہدایت اور گمراہی اسی اصول کے تحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنایا ہوا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ یوں ہی جسے چاہے گمراہ اور جسے چاہے راہ یاب کر دے جیسا کہ اس کی وضاحت متعدد جگہ کی جا چکی ہے۔

③ ﴿ وَاَنْ اَقِيْمُوْا ﴾ کا عطف ﴿ لِنُسْلِمَ ﴾ پر ہے، یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے مطیع ہو جائیں اور یہ کہ ہم نماز قائم کریں اور اس سے ڈریں۔ تسلیم و انقیادِ الٰہی کے بعد سب سے پہلا حکم اقامت صلاۃ کا دیا گیا ہے جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ نماز کی پابندی تقویٰ اور خشوع کے بغیر ممکن نہیں ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ (البقرۃ 2:45) ''نماز یقیناً بھاری ہے، مگر خشوع و خضوع کرنے والوں کے لیے نہیں۔''

④ حق کے ساتھ یا بافائدہ پیدا کیا، یعنی ان کو عبث اور بے فائدہ (کھیل کود کے طور پر) پیدا نہیں کیا بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ۬ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿73﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿74﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿76﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ

وقت [1] اللہ اتنا کہہ دے گا تُو ہو جا، بس وہ ہو پڑے گا۔ اُس کی بات سچی ہے اور ساری حکومت خاص اُسی کی ہوگی جب کہ صُور میں پھونک ماری جائے گی، [2] وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا اور وہی ہے بڑی حکمت والا، پوری خبر رکھنے والا ﴿73﴾ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر [3] سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں ﴿74﴾ اور ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ﴿75﴾ [4] پھر جب رات کی تاریکی اُن پر چھا گئی تو اُنھوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿76﴾ [5] پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے

کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس اللہ کو یاد رکھا اور اس کا شکر ادا کیا جائے جس نے یہ سب کچھ بنایا۔

[1] ﴿ يَوْمَ ﴾ فعل محذوف وَاذْكُرْ یا وَاتَّقُوا کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو یا اس دن سے ڈرو! کہ اس کے لفظ کُن (ہو جا) سے وہ جو چاہے گا، ہو جائے گا۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حساب کتاب کے کٹھن مراحل بھی بڑی سرعت کے ساتھ طے ہو جائیں گے لیکن کن کے لیے؟ ایمان داروں کے لیے۔ دوسروں کو تو یہ دن ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی طرح بھاری لگے گا۔

[2] ﴿ الصُّوْرِ ﴾ سے مراد وہ نرسنگا یا بگل ہے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ''اسرافیل اسے منہ میں لیے اور اپنی پیشانی جھکائے، حکم الٰہی کے منتظر کھڑے ہیں کہ جب انھیں کہا جائے تو اس میں پھونک دیں۔'' (ابن كثير) ابوداود اور ترمذی میں ہے: «اَلصُّورُ قَرْنٌ يُّنْفَخُ فِيهِ» (سنن أبي داود، حديث: 4742، و جامع الترمذي، حديث: 3244) ''صور ایک قرن (نرسنگا) ہے جس میں پھونکا جائے گا۔'' بعض علماء کے نزدیک تین نفخے ہوں گے، نفخة الصعق جس سے تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، نفخة الفنا جس سے تمام لوگ فنا ہو جائیں گے، نفخة الإنشاء جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ بعض علماء آخری دو نفخوں کے ہی قائل ہیں۔

[3] مؤرخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے دو نام ذکر کرتے ہیں، آزر اور تارخ۔ ممکن ہے دوسرا نام لقب ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آزر آپ کے چچا کا نام تھا لیکن یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ قرآن نے آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے طور پر ذکر کیا ہے، لہٰذا یہی صحیح ہے۔

[4] ﴿ مَلَكُوْتَ ﴾ مبالغے کا صیغہ ہے، جیسے رَغْبَةٌ سے رَغَبُوت اور رَهْبَةٌ سے رَهَبُوت اس سے مراد مخلوقات ہے جیسا کہ ترجمہ میں یہی مفہوم اختیار کیا گیا ہے۔ یا ربوبیت و الوہیت ہے، یعنی ہم نے اس کو یہ دکھلائی اور اس کی معرفت کی توفیق دی۔ یا یہ مطلب ہے کہ عرش سے لے کر اسفل ارض تک کا ہم نے ابراہیم کو مکاشفہ و مشاہدہ کرایا۔ (فتح القدير)

20

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿77﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿78﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿79﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ

ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا ﴿77﴾ پھر جب آفتاب کو چمکتا ہوا دیکھا تو فرمایا[1] کہ یہ میرا رب ہے، یہ تو سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! بے شک میں تمھارے شرک سے بیزار ہوں ﴿78﴾[2] میں اپنا رخ اُس کی طرف کرتا ہوں[3] جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ﴿79﴾ اور اُن سے اُن کی قوم جھگڑا کرنے لگی،[4] آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اُس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا

⑤ یعنی غروب ہونے والے معبودوں کو پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ غروب، تغیر حال پر دلالت کرتا ہے جو حادث ہونے کی دلیل ہے اور جو حادث ہو معبود نہیں ہو سکتا۔

① ﴿الشَّمْسَ﴾ (سورج) عربی میں مؤنث ہے لیکن اسم اشارہ مذکر ہے۔ مراد الطالع ہے، یعنی یہ طلوع ہونے والا سورج میرا رب ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ جس طرح کہ سورج پرستوں کو مغالطہ لگا اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اجرام ساویہ میں سورج سب سے بڑا اور سب سے زیادہ روشن ہے اور انسانی زندگی کے بقا و وجود کے لیے اس کی اہمیت و افادیت محتاج وضاحت نہیں۔ اسی لیے مظاہر پرستوں میں سورج کی پرستش عام رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں چاند سورج کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کی بے حیثیتی کو واضح فرمایا۔

② یعنی ان تمام چیزوں سے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، میں بیزار ہوں، اس لیے کہ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کبھی طلوع ہوتے، کبھی غروب ہوتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مخلوق ہیں اور ان کا خالق کوئی اور ہے جس کے حکم کے یہ تابع ہیں۔ جب یہ خود مخلوق اور کسی کے تابع ہیں تو کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟
مشہور ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نمرود نے اپنے ایک خواب اور تعبیر بتانے والوں کی تعبیر کی وجہ سے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دے رکھا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی انھی ایام میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے انھیں ایک غار میں رکھا گیا تاکہ نمرود اور اس کے کارندوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ وہیں غار میں جب کچھ شعور آیا اور چاند سورج دیکھے تو یہ تأثرات ظاہر فرمائے لیکن یہ غار والی بات مستند نہیں ہے۔ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم سے گفتگو اور مکالمے کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ باتیں کی ہیں، اسی لیے آخر میں قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔ اور مقصد اس مکالمے سے معبودان باطل کی اصل حقیقت کی وضاحت تھی۔

③ رخ یا چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ چہرے سے ہی انسان کی اصل شناخت ہوتی ہے، مراد اس سے شخص ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میری عبادت اور توحید سے مقصود، اللہ عزوجل ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

④ جب قوم نے توحید کا یہ وعظ سنا جس میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی تردید بھی تھی تو انھوں نے بھی اپنے دلائل دینے شروع کیے جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین نے بھی اپنے شرک کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل تراش رکھے تھے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿80﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ

ہے اور میں اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے، کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے ﴿80﴾ اور میں اُن چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے [1] اگر تم خبر رکھتے ہو ﴿81﴾ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، اُنھی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں ﴿82﴾ [2] اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی تھی، [3] ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، بڑا علم والا ہے ﴿83﴾ اور ہم نے اُن کو اسحاق دیا اور یعقوب۔ [4] ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور اُن کی

جتنے بھی مشرکانہ عقائد رکھنے والے گروہ ہیں، سب نے اپنے اپنے عوام کو مطمئن کرنے اور رکھنے کے لیے ایسے ''سہارے'' تلاش کر رکھے ہیں جن کو وہ ''دلائل'' سمجھتے ہیں یا جن سے کم از کم دامِ تزویر میں پھنسے ہوئے عوام کو جال میں پھنسائے رکھا جا سکتا ہے۔

① یعنی مومن اور مشرک میں سے؟ مومن کے پاس تو توحید کے بھرپور دلائل ہیں، جبکہ مشرک کے پاس اللہ کی اتاری ہوئی دلیل کوئی نہیں، صرف اوہامِ باطلہ ہیں یا دور از کار تاویلات، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امن اور نجات کا مستحق کون ہوگا؟

② آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے ظلم کا عام مطلب (کوتاہی، غلطی، گناہ، زیادتی وغیرہ) سمجھا جس سے وہ پریشان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: «أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ» ''ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''اس سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جس طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا تھا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (لقمٰن 13:31) ''یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4629) ظلم کا مطلب ہے، کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ پر رکھنا۔ اس اعتبار سے شرک یقیناً بڑا ظلم ہے۔

③ یعنی توحیدِ الٰہی پر ایسی حجت اور دلیل، جس کا کوئی جواب ابراہیم کی قوم سے نہ بن پڑا۔ اور وہ بعض کے نزدیک یہ قول تھا: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تصدیق فرمائی اور کہا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○﴾

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿85﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿86﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿87﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿88﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

اولاد میں سے [1] داود کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں ﴿84﴾ اور (نیز) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ [2] کو اور الیاس کو، سب نیک لوگوں میں سے تھے ﴿85﴾ اور اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی ﴿86﴾ اور اُن کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو، [3] اور ہم نے اُن کو مقبول بنایا اور ہم نے اُن کو راہِ راست کی ہدایت کی ﴿87﴾ اللہ کی ہدایت، وہ یہی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اور اگر (فرضًا) یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے ان کے سب اکارت ہو جاتے ﴿88﴾ [4] یہ لوگ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی،

---

④ یعنی بڑھاپے میں جبکہ وہ اولاد سے ناامید ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود، آیت: 73,72 میں ہے، پھر بیٹے کے ساتھ ایسے پوتے کی بھی بشارت دی جو یعقوب ہوگا، جس کے معنی میں یہ مفہوم شامل ہے کہ اس کے بعد ان کی اولاد کا سلسلہ چلے گا، اس لیے کہ یہ عقب (پیچھے) سے مشتق ہے۔

① ﴿ذُرِّيَّتِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت نوح علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ وہی اقرب ہیں، یعنی حضرت نوح کی اولاد میں سے داود اور سلیمان علیہما السلام کو۔ اور بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، اس لیے کہ ساری گفتگو انھی کے ضمن میں ہو رہی ہے لیکن اس صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ پھر ''لوط'' کا ذکر اس فہرست میں نہیں آنا چاہیے تھا کیونکہ وہ ذریت ابراہیم میں سے نہیں ہیں۔ وہ ان کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے، یعنی ابراہیم کے بھتیجے ہیں اور ابراہیم، لوط کے باپ نہیں، چچا ہیں۔ لیکن بطور تَغْلِیب انھیں بھی ذریت ابراہیم میں شمار کر لیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن مجید ہے۔ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اولاد یعقوب کے آباء میں شمار کیا گیا ہے جبکہ وہ ان کے چچا تھے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 133)

② عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت نوح یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں اس لیے کیا گیا ہے (حالانکہ ان کا باپ نہیں تھا) کہ بیٹی کی اولاد بھی آدمی کی ذریت ہی میں شمار ہوتی ہے۔ جس طرح نبی ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ (اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے) کو اپنا بیٹا فرمایا: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 2704) ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا۔'' (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)

③ آباء سے اصول اور ذریات سے فروع مراد ہیں، یعنی ان کے اصول و فروع اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو ہم نے مقام اِجْتبَاء اور ہدایت سے نوازا۔ اِجْتِبَاء کے معنی ہیں: چن لینا اور اپنے خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿90﴾ ع 10/8/16 وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ط قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں (1) تو ہم نے اس کے لیے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں ﴿89﴾ (2) یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیے، (3) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، (4) یہ تو صرف تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے ﴿90﴾ (5) اور اُن لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، (6) آپ یہ کہہ دیجیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے؟ (جس کی کیفیت یہ ہے کہ) وہ نور ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے جس کو

اَلْحَوْضِ ''میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا۔'' سے مشتق ہے، پس اِجْتِبَاء کا مطلب ہوگا، اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اِصْطِفَاء، تخلیص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں جس کے مفعول مُصْطَفٰی (مُجْتَبٰی)، مُخْلَص اور مُخْتَار ہیں۔ (فتح القدیر)

(4) اٹھارہ انبیاء کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر یہ حضرات بھی شرک کا ارتکاب کر لیتے تو ان کے سارے اعمال برباد ہو جاتے۔ جس طرح دوسرے مقام پر نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر 65:39) ''اے پیغمبر! اگر تو نے بھی شرک کیا تو تیرے سارے عمل برباد ہو جائیں گے۔'' حالانکہ پیغمبر شرک سے محفوظ ہوتے ہیں۔ مقصد امتوں کو شرک کی خطرناکی اور ہلاکت خیزی سے آگاہ کرنا ہے۔

(1) اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مخالفین، مشرکین اور کفار ہیں۔

(2) اس سے مراد مہاجرین وانصار اور قیامت تک آنے والے ایماندار ہیں۔

(3) اس سے مراد انبیاء مذکورین ہیں۔ ان کی اقتدا کا حکم مسئلہ توحید میں اور ان احکام وشرائع میں ہے جو منسوخ نہیں ہوئے۔ (فتح القدیر) کیونکہ اصول دین تمام شریعتوں میں ایک ہی رہے ہیں، گو شرائع اور مناہج میں کچھ کچھ اختلاف رہا جیسا کہ آیت: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا﴾ (الشوریٰ 13:42) سے واضح ہے۔

(4) یعنی تبلیغ ودعوت کا کیونکہ مجھے اس کا وہ صلہ ہی کافی ہے جو آخرت میں عنداللہ ملے گا۔

(5) جہان والے اس سے نصیحت حاصل کریں، پس یہ قرآن انھیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کرے گا اور ضلالت کی پگڈنڈیوں سے نکال کر ایمان کی صراط مستقیم پر گامزن کر دے گا بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے، ورنہ
ع...... دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے...... والا معاملہ ہوگا۔

(6) ﴿قَدْرٍ﴾ کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مشرکین مکہ اِرْسَالِ رُسُل اور اِنْزَال کُتُب کا انکار کرتے ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انھیں اللہ کی صحیح معرفت ہی حاصل نہیں، ورنہ وہ ان چیزوں کا انکار نہ کرتے، علاوہ ازیں اسی عدم معرفت الٰہی کی وجہ سے وہ نبوت ورسالت کی معرفت سے بھی قاصر رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ کسی انسان پر اللہ کا کلام کس طرح نازل ہو سکتا ہے؟ جس طرح دوسرے مقام پر

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿91﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ

تم نے اُن متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے [1] جن کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے بڑے۔ [2] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے، [3] پھر اُن کو اُن کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجیے ﴿91﴾ اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی (بھی) حفاظت، یعنی پابندی کرتے ہیں ﴿92﴾ اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اُس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ نے نازل کیا ہے، اُسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اُس وقت دیکھیں جب کہ یہ ظالم لوگ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ (یونس 10:2) ”کیا یہ بات لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی پر وحی نازل کر کے اسے لوگوں کو ڈرانے پر مامور کر دیا ہے؟“ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 94:17) ”ہدایت آ جانے کے بعد لوگ اسے قبول کرنے سے اس لیے رک گئے کہ انھوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟“ اس کی کچھ تفصیل اس سے قبل آیت :8 کے حاشیے میں بھی گزر چکی ہے۔ آیت زیر وضاحت میں بھی انھوں نے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر اس بات کی نفی کی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے تو ان سے پوچھو! موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ (جس کو یہ بھی مانتے ہیں)

[1] آیت کی مذکورہ تفسیر کے مطابق اب یہود سے خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم اس کتاب کو متفرق اوراق میں رکھتے ہو جن میں سے جس کو چاہتے ہو، ظاہر کر دیتے ہو اور جن کو چاہتے ہو، چھپا لیتے ہو، جیسے رجم کا مسئلہ یا نبی ﷺ کی صفات کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے یَجعلُونَہٗ اور یُبْدُونَھَا صیغہ غائب کے ساتھ والی قراءت کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مکی آیت ہے۔ اس میں یہود سے خطاب کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور بعض مفسرین نے پوری آیت کو ہی یہود سے متعلق قرار دیا ہے اور اس میں سرے سے نبوت و رسالت کا جو انکار ہے اسے یہود کی ہٹ دھرمی، ضد اور عناد پر مبنی قول قرار دیا ہے۔ گویا اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کی تین رائے ہیں۔ ایک پوری آیت کو یہود سے متعلق، دوسرے پوری آیت کو مشرکین سے متعلق اور تیسرے آیت کے ابتدائی حصے کو مشرکین سے متعلق اور ﴿ تَجْعَلُوْنَهٗ ﴾ سے یہود سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

[2] یہود سے متعلق ماننے کی صورت میں اس کی تفسیر ہوگی کہ تورات کے ذریعے سے تمھیں بتائی گئیں، بصورت دیگر قرآن کے ذریعے سے۔

[3] یہ ﴿ مَنْ اَنْزَلَ ﴾ (کس نے اتارا)، کا جواب ہے۔

غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ ع 11/4/17 اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ ہاں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی،[1] اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تم اللہ کی آیات سے تکبر کرتے تھے ﴿93﴾[2] اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے[3] جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اُس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمھارے ہمراہ تمھارے اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمھارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمھارا آپس میں تعلق تو قطع ہو گیا اور وہ تمھارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا ﴿94﴾ بے شک اللہ دانے کو اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے،[4] وہ جاندار کو بے جان

① ظَالِمٌ سے مراد ہر ظالم ہے اور اس میں کتاب الٰہی کا انکار کرنے والے اور جھوٹے مدعیان نبوت سب سے پہلے شامل ہیں۔ ﴿غَمَرٰتِ﴾ سے موت کی سختیاں مراد ہیں۔ ''فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔'' یعنی جان نکالنے کے لیے۔ ﴿اَلْيَوْمَ﴾ (آج) سے مراد قبض روح کا دن ہے اور یہی عذاب کے آغاز کا وقت بھی ہے جس کا مبدأ قبر ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر برحق ہے، ورنہ ہاتھ پھیلانے اور جان نکالنے کا حکم دینے کے ساتھ اس بات کے کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ آج تمھیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے، یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے، چاہے اسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، اس کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہو گئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا ہو یا قبر میں دفنا دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی ہے جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

② اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے میں انزال کتب اور ارسال رسل کا انکار بھی ہے اور جھوٹا دعویٰ نبوت بھی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کا انکار و استکبار ہے۔ ان دونوں وُجُوہ سے انھیں ذلت و رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔

③ ﴿فُرَادٰى﴾ فرد کی جمع ہے جس طرح سُكَارٰى، سَكْرَان کی اور كُسَالٰى، كَسْلَان کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ تم علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے میرے پاس آؤ گے۔ تمھارے ساتھ مال ہو گا نہ اولاد اور نہ وہ معبود جن کو تم نے اللہ کا شریک اور اپنا مددگار سمجھا ہوا تھا، یعنی ان میں سے کوئی چیز بھی تمھیں فائدہ پہنچانے پر قادر نہ ہو گی۔ اگلے جملوں میں انھی امور کی مزید وضاحت ہے۔

④ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور کاریگری کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ دانے (حب) اور گٹھلی (نواۃ، جمع نوی) کو، جسے کاشت کار زمین کی تہ میں دبا دیتا ہے، پھاڑ کر اس سے انواع و اقسام کے درخت اور انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ زمین ایک ہوتی ہے، پانی بھی، جس سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں، ایک ہی ہوتا ہے لیکن جس جس چیز کے وہ دانے یا گٹھلیاں ہوتی ہیں۔ اس کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ مختلف قسم کے غلوں اور پھلوں کے درخت ان سے پیدا فرما دیتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی ہے، جو یہ کام کرتا ہو یا کر سکتا ہو؟

وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿96﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ

سے نکالتا ہے[1] اور وہ بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے،[2] اللہ یہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو ﴿95﴾ وہ صبح کا نکالنے والا ہے[3] اور اُس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے[4] اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے۔[5] یہ اُس ذات کے اندازے ہیں جو قادر ہے، بڑے علم والا ہے ﴿96﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے تمھارے لیے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم اُن کے ذریعے سے اندھیروں میں، خشکی میں اور دریا میں راستہ معلوم کر سکو۔[6] بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں ﴿97﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر (ہر ایک کے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سونپے جانے کی،[7]

① یعنی دانے اور گٹھلیوں سے درخت اگا دیتا ہے جس میں زندگی ہوتی ہے اور وہ بڑھتا، پھیلتا اور پھل یا غلہ دیتا ہے یا وہ خوشبودار، رنگ برنگ کے پھول ہوتے ہیں جن کو دیکھ یا سونگھ کر انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا یا نطفے اور انڈے سے انسان اور حیوانات پیدا کرتا ہے۔

② یعنی حیوانات سے انڈے جو مردہ کے حکم میں ہیں۔ حَيٌّ اور مَيِّت کی تعبیر مومن اور کافر سے بھی کی گئی ہے، یعنی مومن کے گھر میں کافر اور کافر کے گھر میں مومن پیدا کر دیتا ہے۔

③ اندھیرے اور روشنی کا خالق بھی وہی ہے۔ وہ رات کی تاریکی سے صبح روشن پیدا کرتا ہے جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔

④ یعنی رات کو تاریکیوں میں بدل دیتا ہے تا کہ لوگ روشنی کی تمام مصروفیات ترک کر کے آرام کر سکیں۔

⑤ یعنی دونوں کے لیے ایک حساب بھی مقدر ہے جس میں کوئی تغیر و اضطراب نہیں ہوتا بلکہ دونوں کی اپنی اپنی منزلیں ہیں، جن پر وہ گرمی اور سردی میں رواں رہتے ہیں جس کی بنیاد پر سردی میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی اور گرمی میں اس کے برعکس دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہو جاتی ہیں جس کی تفصیل سورۂ یونس 5:10، سورۂ یٰسٓ 40:36 اور سورۂ اعراف 54:7 میں بھی بیان کی گئی ہے۔

⑥ ستاروں کا یہاں یہ ایک فائدہ اور مقصد بیان کیا گیا ہے، ان کے دو مقصد اور ہیں جو سورۂ ملک، آیت:5 میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک آسمانوں کی زینت اور دوسرا مقصد شیطانوں کی مرمت۔ ﴿رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ یعنی شیطان آسمان پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان پر شعلہ بن کر گرتے ہیں تو کل تین مقصد ہیں۔ بعض سلف کا قول ہے: مَنِ اعْتَقَدَ فِي هٰذِهِ النُّجُومِ غَيْرَ ثَلَاثٍ فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ''ان تین باتوں کے علاوہ ان ستاروں کے بارے میں اگر کوئی شخص کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ملک میں جو علم نجوم کا چرچا ہے جس میں ستاروں کے ذریعے سے مستقبل کے حالات اور انسانی زندگی یا کائنات میں ان کے اثرات بتانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ بے بنیاد بھی ہے اور شریعت کے خلاف بھی، چنانچہ ایک حدیث میں اسے جادو ہی کا ایک شعبہ (حصہ) بتلایا گیا ہے: «مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ» (حسنه الألباني في تحقيق سنن أبي داود، حديث:3905)

⑦ اکثر مفسرین کے نزدیک ﴿فَمُسْتَقَرٌّ﴾ سے رحم مادر اور ﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ سے صلب پدر مراد ہے۔ (فتح القدير، ابن كثير)

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿98﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿100﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

ع 12/6/18

بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیے، اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں﴿98﴾ اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا،[1] پھر ہم نے اس سے سرسبز شاخیں نکالیں[2] جن سے ہم تہ بہ تہ دانوں والے خوشے نکالتے ہیں[3] اور کھجوروں کے شگوفوں سے گچھے پیدا کرتے ہیں جو (پھل کی وجہ سے) جھکے ہوتے ہیں،[4] اور انگوروں کے باغ اور زیتون[5] اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور نہیں بھی ملتے۔[6] ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو دیکھو، ان میں دلائل ہیں،[7] اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں﴿99﴾ اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اُن لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلاسند تراش رکھی ہیں اور وہ پاک اور برتر ہے، اُن باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں﴿100﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے، حالانکہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور

① یہاں سے اس کی ایک اور عجیب صنعت (کاریگری) کا بیان ہو رہا ہے، یعنی بارش کا پانی جس سے وہ ہر قسم کے نباتات پیدا فرماتا ہے۔

② اس سے مراد وہ سبز شاخیں اور کونپلیں ہیں جو زمین میں دبے ہوئے دانے سے اللہ تعالیٰ زمین کے اوپر ظاہر فرماتا ہے، پھر وہ پودا یا درخت نشوونما پاتا ہے۔

③ یعنی ان سبز شاخوں سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ جس طرح گندم اور چاول کی بالیاں ہوتی ہیں۔ مراد یہ سب غلہ جات ہیں، مثلاً: جو، جوار، باجرہ، مکئی، گندم اور چاول وغیرہ۔

④ ﴿قِنْوَانٌ﴾ قِنْوٌ کی جمع ہے، جیسے صِنْوٌ اور صِنْوَانٌ ہے، مراد خوشے ہیں۔ طَلْعٌ وہ گابھا یا گپھا ہے جو کھجور کی ابتدائی شکل ہے، یہی بڑھ کر خوشہ بنتا ہے اور پھر وہ رطب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿دَانِيَةٌ﴾ سے مراد وہ خوشے ہیں جو قریب ہوں۔ اور کچھ خوشے دور بھی ہوتے ہیں جن تک ہاتھ نہیں پہنچتے۔ بطور امتنان دَانِيَة کا ذکر فرما دیا ہے، مطلب ہے: مِنْهَا دَانِيَةٌ وَّمِنْهَا بَعِيدَةٌ (کچھ خوشے قریب ہیں اور کچھ دور) مِنْهَا بَعِيْدَةٌ محذوف ہے۔ (فتح القدير)

⑤ ﴿جَنّٰتٍ﴾ زَيْتُون اور رُمَّان یہ سب منصوب ہیں، جن کا عطف نبات پر ہے، یعنی فَأَخْرَجْنَا بِهِ جَنَّاتٍ----- یعنی بارش کے پانی سے ہم نے انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار پیدا کیے۔

⑥ یعنی بعض اوصاف میں یہ باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض میں ملتے جلتے نہیں ہیں۔ یا ان کے پتے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، پھل نہیں ملتے، یا شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لیکن مزے اور ذائقے میں باہم مختلف ہیں۔

⑦ یعنی مذکورہ تمام چیزوں میں خالق کائنات کے کمال قدرت اور اس کی حکمت ورحمت کے دلائل ہیں۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿101﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿102﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿103﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿104﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا

اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا[1] اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے﴿101﴾ یہ ہے اللہ تمھارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، پس تم اُس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے﴿102﴾ نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں[2] جب کہ وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے﴿103﴾ اب بلاشبہ تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے (حق کے) دلائل پہنچ چکے ہیں، سو جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا،[3] اور میں تمھارا نگران نہیں ہوں﴿104﴾[4] اور ہم اس طور پر دلائل کو

① یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ اس لائق ہے کہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے، عبادت میں کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے لیکن لوگوں نے اس ذات واحد کو چھوڑ کر جنوں کو اس کا شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ خود اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مشرکین عبادت تو بتوں کی یا قبروں میں مدفون اشخاص کی کرتے ہیں لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ انھوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا ہوا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جنات سے مراد شیاطین ہیں اور شیاطین کے کہنے سے ہی شرک کیا جاتا ہے، اس لیے گویا شیطان ہی کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ نساء117:4 وسورۂ مریم44:19 وسورۂ یٰسٓ60:36 وسورۂ سبا41:34)

② ﴿الْاَبْصَارُ﴾ بَصَر (نگاہ) کی جمع ہے یعنی انسان کی آنکھیں اللہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتیں۔ اور اگر اس سے مراد رؤیت بصری ہو تو اس کا تعلق دنیا سے ہوگا، یعنی دنیا کی آنکھ سے کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، تاہم یہ صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے، اس لیے معتزلہ کا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا، دنیا میں نہ آخرت میں، صحیح نہیں کیونکہ اس نفی کا تعلق صرف دنیا سے ہے، اسی لیے حضرت عائشہ ﷞ بھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتی تھیں، جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ نبی ﷺ نے (شب معراج میں) اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، اس نے قطعاً جھوٹ بولا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:4855) کیونکہ اس آیت کی رو سے پیغمبر سمیت کوئی بھی اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے، البتہ آخرت کی زندگی میں یہ دیدار ممکن ہوگا، جیسے دوسرے مقام پر قرآن نے اس کا اثبات فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (القيامة 22,21:75) ”کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“ معلوم ہوا کہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہوگا۔

③ ﴿بَصَآئِرُ﴾ بَصِيرَةٌ کی جمع ہے۔ جو اصل میں دل کی روشنی کا نام ہے۔ یہاں مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو قرآن نے جگہ جگہ اور بار بار بیان کیے ہیں اور جنھیں نبی ﷺ نے بھی احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ جو ان دلائل کو دیکھ کر ہدایت کا راستہ اپنا لے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے، نہیں اپنائے گا تو اسی کا نقصان ہے، جیسے فرمایا: ﴿مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ (بنيٓ إسرآءيل 15:17) اس کا مطلب بھی وہی ہے جو زیر وضاحت آیت کا ہے۔

④ بلکہ صرف مبلغ، داعی اور بشیر و نذیر ہوں۔ راہ دکھلانا میرا کام ہے، راہ پر چلا دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿105﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿106﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿107﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿108﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا

مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے[1] اور تاکہ ہم اس کو دانش مندوں کے لیے خوب ظاہر کر دیں ﴿105﴾ آپ خود اُس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین سے کنارہ کیجیے ﴿106﴾ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے[2] اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر نگہبان ہیں ﴿107﴾[3] اور مت گالی دو اُن کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے،[4] ہم نے اِسی طرح ہر طریقہ والوں کے لیے اُن کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے، پھر اپنے رب ہی کے پاس اُن کو جانا ہے، سو وہ اُن کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے ﴿108﴾ اور اُن لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ[5] اگر

---

① یعنی ہم توحید اور اس کے دلائل کو اس طرح کھول کھول کر اور مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین یہ کہنے لگتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کہیں سے پڑھ کر اور سیکھ کر آیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۞ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا﴾ (الفرقان 25:4,5) ''کافروں نے کہا کہ یہ قرآن تو اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے جس پر دوسروں نے بھی اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ ایسا دعویٰ کر کے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔ نیز انھوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھ رکھا ہے......'' حالانکہ بات یہ نہیں ہے جس طرح یہ سمجھتے یا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ مقصد اس تفصیل سے سمجھ دار لوگوں کے لیے تبیین وتشریح ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔

② اس نکتے کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ اللہ کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور، اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے، تاہم اس نے اس پر انسانوں کو مجبور نہیں کیا کیونکہ جبر کی صورت میں انسان کی آزمائش نہ ہوتی، ورنہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسے اختیارات ہیں کہ وہ چاہے تو کوئی انسان شرک کرنے پر قادر ہی نہ ہو سکے۔ (مزید دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت:253 اور سورۂ انعام، آیت:35 کا حاشیہ)

③ یہ مضمون بھی قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مقصد نبی ﷺ کی داعیانہ اور مبلغانہ حیثیت کی وضاحت ہے جو منصب رسالت کا تقاضا ہے اور آپ صرف اسی حد تک مکلّف تھے۔ اس سے زیادہ آپ کے پاس اگر اختیارات ہوتے تو آپ اپنے محسن چچا ابوطالب کو ضرور مسلمان کر لیتے جن کے قبول اسلام کی آپ شدید خواہش رکھتے تھے۔

④ یہ سد ذریعہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ اگر ایک مباح کام، اس سے بھی زیادہ بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہاں اس مباح کام کا ترک راجح بلکہ ضروری ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ ''تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لیے گالی کا سبب بن جاؤ گے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:146-(90)) امام شوکانی لکھتے ہیں: یہ آیت سد ذرائع کے لیے اصل اصیل ہے۔ (فتح القدیر)

الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿109﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿110﴾

ع 13 10 19

اُن کے پاس کوئی نشانی آ جائے [1] تو وہ ضرور ہی اُس پر ایمان لے آئیں گے، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں سب اللہ کے قبضے میں ہیں [2] اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آ جائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہ لائیں گے ﴿109﴾ اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے [3] اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے ﴿110﴾

---

⑤ ﴿ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ أَيْ حَلَفُوا أَيْمَانًا مُؤَكَّدَةً بڑی مؤکد قسمیں کھائیں۔

① یعنی کوئی بڑا معجزہ جو ان کی خواہش کے مطابق ہو، جیسے عصائے موسیٰ، احیائے موتی اور ناقۂ ثمود وغیرہ۔

② یعنی جس بڑی نشانی کا مطالبہ تم کر رہے ہو، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور تمام تر اللہ کے اختیار اور اس کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو ان کے مطالبے پر نشانی نازل فرما دے، نہ چاہے تو کسی پیغمبر کے اندر اس کی طاقت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض مرسل روایات میں ہے کہ کفار مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ صفا پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے جس پر جبریل نے آ کر کہا کہ اگر اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جائے گا، لہٰذا آپ اگر چاہیں تو ان کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان میں سے توبہ کرنے والا توبہ کرے، نبی اکرم ﷺ نے اسے پسند فرمایا۔(تفسیر ابن کثیر)

③ اس کا مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تو اس کا وبال ان پر اس طرح پڑا کہ آئندہ بھی ان کے ایمان لانے کا امکان ختم ہو گیا۔ دلوں اور نگاہوں کے پھیر دینے کا یہی مطلب ہے۔(ابن کثیر)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿111﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ

اور اگر ہم اُن کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے [1] اور اُن سے مُردے باتیں کرنے لگتے [2] اور ہم تمام چیزوں کو اُن کے روبرو لا کر جمع کر دیتے [3] تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے۔ ہاں، اگر اللہ چاہے (تو اور بات ہے) لیکن اُن میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں﴿111﴾ [4] اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، [5] جو دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے [6] اور اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے [7] سو اُن لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں، اُس کو آپ رہنے دیجیے﴿112﴾ اور تا کہ اُس کی طرف اُن لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ

① جیسا کہ وہ بار بار اس کا مطالبہ ہمارے پیغمبر سے کرتے ہیں۔

② اور وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کر دیتے۔

③ دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نشانیاں وہ طلب کرتے ہیں، وہ سب ان کے روبرو پیش کر دیتے۔ اور ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز جمع ہو کر گروہ در گروہ یہ گواہی دے کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو ان تمام نشانیوں اور مطالبوں کے پورا کر دینے کے باوجود یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔ اسی مفہوم کی یہ آیت بھی ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ ﴾ (یونس 10:96,97)

''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آ جائے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''

④ اور یہ جہالت کی باتیں ہی ان کے اور حق قبول کرنے کے درمیان حائل ہیں اگر جہالت کا پردہ اٹھ جائے تو شاید حق ان کی سمجھ میں آ جائے اور پھر اللہ کی مشیت سے حق کو اپنا بھی لیں۔

⑤ یہ وہی بات ہے جو مختلف انداز میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے، ان کی تکذیب کی گئی، انھیں ایذائیں دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے صبر اور حوصلے سے کام لیا، آپ بھی ان دشمنان حق کے مقابلے میں صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے پیروکار جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ اور یہ وہ ہیں جو دونوں گروہوں میں سے سرکش، باغی اور متکبر قسم کے ہیں۔

⑥ وحی، خفیہ بات کو کہتے ہیں، یعنی انسانوں اور جنوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو چالبازیاں اور حیلے سکھاتے ہیں تا کہ لوگوں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کر سکیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ شیطانی کاموں میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ خوب بڑھ چڑھ کر تعاون کرتے ہیں جس کی وجہ سے برائی بہت جلدی فروغ پا جاتی ہے۔

⑦ یعنی اللہ تعالیٰ تو ان شیطانی ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے پر قادر ہے لیکن وہ بالجبر ایسا نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا اس کے نظام اور

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿114﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿115﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

اُس کو پسند کر لیں اور تا کہ اُن اُمور کے مرتکب ہو جائیں جن کے وہ مرتکب ہو رہے ہیں ﴿113﴾ [1] تو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اُس نے ایک کتاب کامل تمھارے پاس بھیج دی ہے، اُس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کیے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اِس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿114﴾ [2] آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، [3] اُس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں [4] اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿115﴾ [5] اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں ﴿116﴾ [6] یقیناً آپ کا رب اُن کو خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں ﴿117﴾ سو (ذبح کرتے ہوئے) جس جانور پر

اصول کے خلاف ہے جو اس نے اپنی مشیت کے تحت اختیار کیا ہے جس کی حکمتیں وہ بہتر جانتا ہے۔

① یعنی شیطانی وساوس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں اور وہی اسے پسند کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس حساب سے لوگوں کے اندر عقیدۂ آخرت کے بارے میں ضعف پیدا ہو رہا ہے، اسی حساب سے لوگ شیطانی جال میں پھنس رہے ہیں۔

② آپ کو خطاب کر کے دراصل امت کو تعلیم دی جارہی ہے۔

③ اخبار و واقعات کے لحاظ سے سچا ہے اور احکام و مسائل کے اعتبار سے عادل ہے، یعنی اس کا ہر امر اور نہی عدل و انصاف پر مبنی ہے کیونکہ اس نے انھی باتوں کا حکم دیا ہے جن میں انسانوں کا فائدہ ہے اور انھی چیزوں سے روکا ہے جن میں نقصان اور فساد ہے۔ گو انسان اپنی نادانی یا اغوائے شیطانی کی وجہ سے اس حقیقت کو نہ سمجھ سکیں۔

④ یعنی کوئی ایسا نہیں جو رب کے کسی حکم میں تبدیلی کر دے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں۔

⑤ یعنی بندوں کے اقوال سننے والا اور ان کی ایک ایک حرکت وادا کو جاننے والا ہے اور وہ اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

⑥ قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا بھی واقعے کے طور پر ہر دور میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (یوسف 103:12) ”آپ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔“ اس سے معلوم ہوا کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے والے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿119﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اللہ کا نام لیا جائے، اُس میں سے کھاؤ! اگر تم اُس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو ﴿118﴾ [1] اور تمھارے لیے کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حالانکہ اللہ نے اُن سب جانوروں کی تفصیل بتا دی ہے جن کو اس نے تم پر حرام کیا ہے، [2] مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے لوگ بغیر علم کے محض اپنی خواہشات کی بنا پر (دوسروں کو) گمراہ کرتے ہیں۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿119﴾ اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور پوشیدہ گناہ کو بھی چھوڑ دو۔ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں، اُن کو

کہ حق و باطل کا معیار دلائل و براہین ہیں، لوگوں کی اکثریت و اقلیت نہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو اکثریت نے اختیار کیا ہوا ہو، وہ حق ہو اور اقلیت میں رہنے والے باطل پر ہوں بلکہ مذکورہ حقیقت قرآنی کی رو سے یہ زیادہ ممکن ہے کہ اہل حق تعداد کے لحاظ سے اقلیت میں ہوں اور اہل باطل اکثریت میں جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی۔ اور اس جنتی فرقے کی نشانی آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ جو «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» ”میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہوگا۔“ (سنن أبي داود، حديث: 4596، وجامع الترمذي، حديث: 2641 وقد حسنه الترمذي في بعض النسخ وأقره الألباني في شرح الطحاوية، حديث: 263) اسی طرح آج کل مغربی جمہوریت کا بڑا چرچا ہے، قرآن کے بیان کردہ اس اصول سے ”جمہوریت“ کی بھی نفی ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جمہوریت اکثریت کی رائے اور ان کی خواہشات کا نام ہے اور اکثریت گمراہوں کی ہے، اس لیے ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہی ہو سکتے ہیں، ہدایت یافتہ نہیں۔

① یعنی جس جانور پر شکار کرتے وقت یا ذبح یا نحر کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے، اسے کھالو بشرطیکہ وہ ان جانوروں میں سے ہوں جن کا کھانا مباح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس جانور پر عمداً ان موقعوں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، وہ حلال وطیب نہیں، البتہ ایسی صورت کہ جس میں التباس (شک) ہو کہ ذبح کے وقت ذبح کرنے کے اہل شخص نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ ایسے لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوا» (صحيح البخاري، حديث: 5507) ”تم اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔“ یعنی اس صورت میں یہ حکم ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی منڈیوں اور دکانوں سے ملنے والا گوشت حلال ہے۔ اگر کسی کو کوئی وہم اور التباس ہو تو وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے۔ البتہ جو مسلمان عمداً بسم اللہ نہ کہے، اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

② جس کی تفصیل اسی سورت میں آگے آ رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور سورتوں، نیز احادیث میں محرمات کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ باقی حلال ہیں اور حرام جانور عند الاضطرار سَدِّ رَمَق کی حد تک جائز ہیں۔

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع 14/11/1 اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ

اُن کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی﴿۱۲۰﴾اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بلاشبہ یہ نافرمانی ہے [1] اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کرتے رہیں۔ [2] اور اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے﴿۱۲۱﴾ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔کیا ایسا شخص اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ [3] اسی طرح کافروں کو اُن کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں﴿۱۲۲﴾اور اِسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں فریب کریں [4]

[1] یعنی جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا، اس کا کھانا فسق اور ناجائز ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ''بھول جانے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔'' اور امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے، تاہم امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ دونوں صورتوں میں حلال ہے، چاہے وہ اللہ کا نام لے یا عمداً چھوڑ دے اور وہ ﴿وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

[2] شیطان نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے سے یہ بات پھیلائی کہ یہ مسلمان اللہ کے ذبح کیے ہوئے جانور (مردہ) کو تو حرام اور اپنے ہاتھ سے ذبح شدہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کو ماننے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان اور اس کے دوستوں کے وسوسوں کے پیچھے مت لگو جو جانور مردہ ہے، یعنی بغیر ذبح کیے مر گیا (سوائے سمندری میتۃ کے کہ وہ حلال ہے) اس پر چونکہ اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اس لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

[3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر کو ﴿مَيْتًا﴾ (مردہ) اور مومن کو حَيٌّ (زندہ) قرار دیا ہے، اس لیے کہ کافر کفر و ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس سے نکل ہی نہیں پاتا جس کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اور مومن کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے سے زندہ فرما دیتا ہے جس سے زندگی کی راہیں اس کے لیے روشن ہو جاتی ہیں اور وہ ایمان و ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ کامیابی و کامرانی ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ (البقرة 2:257)، ﴿مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾ (ھود 11:24) اور ﴿وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾ (فاطر 35:19-22)

[4] ﴿اَكٰبِرَ﴾ اکبر کی جمع ہے، مراد کافروں اور فاسقوں کے سرغنے اور کھڑپینچ ہیں کیونکہ یہی انبیاء اور داعیانِ حق کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں اور عام لوگ تو صرف ان کے پیچھے لگنے والے ہوتے ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں ایسے لوگ

وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿124﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿125﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ

وقف لازم

اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور اُن کو ذرا خبر نہیں ﴿123﴾ [1] اور جب اُن کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، [2] اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے؟ [3] عنقریب اُن لوگوں کو جنھوں نے جرم کیا ہے اُن کی مکاریوں کی پاداش میں اللہ کے پاس (پہنچ کر) ذلت نصیب ہوگی اور سخت عذاب (بھی) ﴿124﴾ سو جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے، اُس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہے، اُس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے، [4] اِسی طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں پر (مخالفت حق کی) ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ﴿125﴾ [5] اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے اِن آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ﴿126﴾ اُن لوگوں کے لیے اُن کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور اللہ اُن کے اعمال کی وجہ سے اُن کا (والی اور) سرپرست ہے ﴿127﴾ [6] اور جس روز اللہ تمام مخلوق کو جمع کرے گا،

عام طور پر دنیاوی دولت اور خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی نمایاں ہوتے ہیں، اس لیے مخالفت حق میں بھی ممتاز ہوتے ہیں (یہی مضمون سورۂ سبا کی آیات:31 تا33، سورۂ زخرف کی آیت : 23 اور سورۂ نوح کی آیت:22 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔)

① یعنی ان کی اپنی شرارت کا وبال اور اسی طرح ان کے پیچھے لگنے والے لوگوں کا وبال، انھی پر پڑے گا- مزید دیکھیے سورۂ عنکبوت کی آیت:13 اور سورۂ نحل کی آیت:25-

② یعنی ان کے پاس بھی فرشتے وحی لے کر آئیں اور ان کے سروں پر بھی نبوت و رسالت کا تاج رکھا جائے۔

③ یعنی یہ فیصلہ کرنا کہ کس کو نبی بنایا جائے؟ یہ تو اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کی حکمت و مصلحت کو جانتا ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے؟ مکے کا کوئی چودھری اور رئیس یا مکے کا دریتیم محمد رسول اللہ ﷺ؟

④ یعنی جس طرح زور لگا کر آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح جس شخص کے سینے کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دے اس میں توحید اور ایمان کا داخلہ ممکن نہیں ہے، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا سینہ اس کے لیے کھول دے۔

⑤ یعنی جس طرح سینہ تنگ کر دیتا ہے، اسی طرح رجس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رجس سے مراد پلیدی یا عذاب یا شیطان کا تسلط ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

⑥ جس طرح دنیا میں اہل ایمان کفر وضلالت کے کج راستوں سے بچ کر ایمان وہدایت کی صراط مستقیم پر گامزن رہے، اب

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿128﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ

(کہے گا:) اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں میں سے بہت سے اپنا لیے،[1] جو انسان اُن کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! (دنیا میں) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا[2] اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آ پہنچے جو تو نے ہمارے لیے معین فرمائی،[3] اللہ فرمائے گا کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو (تو دوسری بات ہے)۔[4] بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا، بڑا علم والا ہے ﴿128﴾ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیں گے ﴿129﴾[5] اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے[6] جو تم سے میرے احکام بیان کرتے اور تمھیں آج کے اس دن کی ملاقات

آخرت میں بھی ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا، ان کے نیک عملوں کی وجہ سے دوست اور کارساز ہے۔

[1] یعنی انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تم نے گمراہ کر کے اپنا پیروکار بنالیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰسٓ میں فرمایا: ''اے بنی آدم کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کر دیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا مت کرنا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے اور اس شیطان نے تمھاری ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر دیا ہے کیا پس تم سمجھتے نہیں؟'' (یٰسٓ 36:60-62)

[2] جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں: جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا، ان کو اپنا پیروکار بنا کر ان سے تلذذ حاصل کرنا ہے اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ شیطانوں نے گناہوں کو ان کے لیے خوبصورت بنا دیا جسے انھوں نے قبول کیا اور گناہوں کی لذت میں پھنسے رہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انسان ان غیبی خبروں کی تصدیق کرتے رہے جو شیاطین و جنات کی طرف سے کہانت کے طور پر پھیلائی جاتی تھیں۔ یہ گویا جنات نے انسانوں کو بے وقوف بنا کر فائدہ اٹھایا اور انسانوں کا فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ انسان جنات کی بیان کردہ جھوٹی یا اٹکل پچو باتوں سے لطف اندوز ہوتے اور کاہن قسم کے لوگ ان سے دنیاوی مفادات حاصل کرتے رہے۔

[3] یعنی قیامت واقع ہوگئی جسے ہم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب جہنم تمھارا دائمی ٹھکانہ ہے۔

[4] اللہ کی مشیت کفار کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہی ہے جس کی اس نے بار بار قرآن کریم میں وضاحت کی ہے۔ بنا بریں اس سے کسی کو مغالطے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ استثنا اللہ تعالیٰ کے مطلق ارادہ کے بیان کے لیے ہے جسے کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اگر وہ کفار کو جہنم سے نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، اس سے نہ وہ عاجز ہے نہ کوئی دوسرا روکنے والا۔ (أیسر التفاسیر)

[5] یعنی جہنم میں جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہم نے انسانوں اور جنوں کو ایک دوسرے کا ساتھی اور مددگار بنایا (جیسا کہ گزشتہ آیت میں گزرا) اسی طرح ہم ظالموں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر ہم مسلط کر

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿132﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿133﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿134﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

سے ڈراتے تھے؟ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور اُن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا اور وہ لوگ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ﴿130﴾ [1] یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے جب کہ اس بستی کے رہنے والے [2] (حق سے) بے خبر ہوں ﴿131﴾ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے سبب درجے ملیں گے اور آپ کا رب [3] اُن کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے ﴿132﴾ اور آپ کا رب بے نیاز ہے، رحمت والا ہے، [4] اگر وہ چاہے تو تم سب کو اُٹھا لے اور تمھارے بعد جس کو چاہے تمھاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے ﴿133﴾ [5] بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ لازماً آنے والی چیز ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿134﴾ [6] آپ یہ فرما دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، میں بھی

دیتے ہیں، اس طرح ایک ظالم دوسرے ظالم کو ہلاک وتباہ کرتا ہے اور ایک ظالم کا انتقام دوسرے ظالم کے ذریعے سے لے لیتے ہیں۔

⑥ رسالت ونبوت کے معاملے میں جنات انسانوں کے ہی تابع ہیں ورنہ جنات میں الگ نبی نہیں آئے، البتہ رسولوں کا پیغام پہنچانے والے اور منذرین جنات میں ہوتے رہے ہیں جو اپنی قوم کے جنوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور دیتے ہیں۔

① میدان حشر میں کافر مختلف پینترے بدلیں گے، کبھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کریں گے (الأنعام 23:6) اور کبھی اقرار کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا، جیسے یہاں ان کا اقرار نقل کیا گیا ہے۔

② ۔ یعنی رسولوں کے ذریعے سے جب تک اپنی حجت قائم نہیں کر دیتا، ہلاک نہیں کرتا جیسا کہ یہی بات سورۂ فاطر، آیت: 24، وسورۂ نحل، آیت: 26، وسورۂ بنی اسرائیل، آیت: 15 اور سورۂ ملک، آیت: 9,8 وغیرہ میں بیان کی گئی ہے۔

③ یعنی ہر انسان اور جن کے باہمی درجات میں عملوں کے مطابق فرق ہوگا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح جنتی اور جہنمی ہوں گے۔

④ وہ غنی (بے نیاز) ہے اپنی مخلوقات سے۔ ان کا محتاج ہے نہ ان کی عبادتوں کا ضرورت مند ہے، ان کا ایمان اس کے لیے نفع مند ہے نہ ان کا کفر اس کے لیے ضرر رساں۔ لیکن اس شان غنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لیے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

⑤ یہ اس کی بے پناہ قوت اور غیر محدود قدرت کا اظہار ہے۔ جس طرح پچھلی کئی قوموں کو اس نے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کی جگہ نئی قوموں کو اٹھا کھڑا کیا، وہ اب بھی اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے تمھیں نیست ونابود کر دے اور تمھاری جگہ ایسی قوم پیدا کر دے جو تم جیسی نہ ہو۔ (مزید ملاحظہ ہو النسآء 133:4 وإبراهيم 20,19:14 وفاطر 17,16:35 ومحمد 38:47)

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾

عمل کر رہا ہوں،[1] سو اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لیے نافع ہوگا۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے﴿135﴾[2] اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں اُن لوگوں نے اُن میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے،[3] پھر جو چیز اُن کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی[4] اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے، وہ اُن کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے،[5] برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں﴿136﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں اُن کے معبودوں نے اُن کی اولاد کے قتل کرنے کو خوشنما بنا رکھا ہے[6] تاکہ وہ اُن کو برباد کریں اور تاکہ اُن کے دین کو اُن پر مشتبہ کر دیں[7] اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے[8] تو آپ اُن کو اور جو کچھ وہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجیے﴿137﴾

---

⑥ اس سے مراد قیامت ہے۔ ''اور تم عاجز نہیں کر سکتے'' کا مطلب ہے کہ وہ تمھیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے چاہے تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو چکے ہو۔

① یہ کفر اور معصیت پر قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سخت وعید ہے جیسا کہ اگلے الفاظ سے بھی واضح ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○﴾ (ھود 11:121,122)
''جو ایمان نہیں لاتے، ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، ہم بھی عمل کرتے ہیں اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔''

② جیسا کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ سچا کر دکھایا، 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور فتح کے بعد عرب قبائل فوج در فوج مسلمان ہونا شروع ہو گئے اور پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا اور یہ دائرہ پھر پھیلتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

③ اس آیت میں مشرکوں کے اس عقیدہ و عمل کا ایک نمونہ بتلایا گیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر گھڑ رکھے تھے۔ وہ زمینی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ اپنے خود ساختہ معبودوں کے لیے مقرر کر لیتے۔ اللہ کے حصے کو مہمانوں، فقراء اور صلہ رحمی پر خرچ کرتے اور بتوں کے حصے کو بتوں کے مجاورین اور ان کی ضروریات پر خرچ کرتے، پھر اگر بتوں کے مقررہ حصے میں توقع کے مطابق پیداوار نہ ہوتی تو اللہ کے حصے میں سے نکال کر اس میں شامل کر لیتے اور اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو بتوں کے حصے میں سے نہ نکالتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے۔

④ یعنی اللہ کے حصے میں کمی کی صورت میں بتوں کے مقررہ حصے میں سے تو صدقات وخیرات نہ کرتے۔

⑤ ہاں، اگر بتوں کے مقررہ حصے میں کمی ہو جاتی تو وہ اللہ کے مقررہ حصے سے لے کر بتوں کے مصالح اور ضروریات پر خرچ کر لیتے، یعنی اللہ کے مقابلے میں بتوں کی عظمت اور ان کا خوف ان کے دلوں میں زیادہ تھا جس کا مشاہدہ آج کے مشرکین کے رویے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

⑥ یہ اشارہ ہے ان کے بچیوں کے زندہ درگور کر دینے یا بتوں کی بھینٹ چڑھانے کی طرف۔

⑦ یعنی ان کے دین میں شرک کی آمیزش کر دیں۔

⑧ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اختیارات اور قدرت سے ان کے ارادہ و اختیار کی آزادی کو سلب کر لیتا تو پھر یقیناً یہ وہ کام نہ کرتے جو مذکور

وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿138﴾ وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿139﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿140﴾ ع وَ هُوَ

اور وہ اپنے خیال کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ مویشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا، سوائے اُن کے جن کو ہم چاہیں [1] اور کچھ مویشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کر دی گئی [2] اور کچھ مویشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے، اس پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔ [3] عنقریب اللہ ان کو ان کے افترا کی سزا دے گا (138) اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ اور اگر وہ مُردہ ہے تو سب اس میں شریک ہیں۔ [4] عنقریب اللہ اُن کو اُن کی غلط بیانی کی سزا دے گا۔ [5] بلاشبہ وہ بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے (139) واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو محض حماقت سے بغیر علم کے قتل کر ڈالا اور جو رزق اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا، اللہ پر افترا باندھتے ہوئے اس کو (اپنے اوپر) حرام قرار دیا۔ بے شک وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے (140) اور وہی ہے

ہوئے لیکن ایسا کرنا چونکہ جبر ہوتا جس میں انسان کی آزمائش نہیں ہو سکتی تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دے کر آزمانا چاہتا ہے، اس لیے اللہ نے جبر نہیں فرمایا۔

① اس میں ان کی جاہلی شریعت اور اباطیل کی تین صورتیں اور بیان فرمائی ہیں۔ ﴿حِجْرٌ﴾ (بمعنی منع) اگرچہ مصدر ہے لیکن مفعول، یعنی مَحْجُورٌ (ممنوع) کے معنی میں ہے۔ یہ پہلی صورت ہے کہ یہ جانور یا فلاں کھیت کی پیداوار، ان کا استعمال ممنوع ہے۔ اسے صرف وہی کھائے گا جسے ہم اجازت دیں گے۔ یہ اجازت بتوں کے خادم اور مجاورین ہی کے لیے ہوتی۔

② یہ دوسری صورت ہے کہ وہ مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے بتوں کے نام، آزاد چھوڑ دیتے جن سے وہ بار برداری یا سواری کا کام نہ لیتے، جیسے بَحِيرَة، سَائِبَة وغیرہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ مائدہ 103:5 کا حاشیہ)

③ یہ تیسری صورت ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت صرف اپنے بتوں کا نام لیتے، اللہ کا نام نہ لیتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان جانوروں پر بیٹھ کر وہ حج کے لیے نہ جاتے۔ بہر حال یہ ساری صورتیں گھڑی ہوئی تو ان کی اپنی تھیں لیکن وہ اللہ پر افترا باندھتے، یعنی یہ باور کراتے کہ اللہ کے حکم سے ہی ہم سب کچھ کر رہے ہیں۔

④ یہ ایک اور شکل ہے کہ جو جانور وہ اپنے بتوں کے نام وقف کرتے، ان میں سے بعض کے بارے میں کہتے کہ ان کا دودھ اور ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والا زندہ بچہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے، عورتوں کے لیے حرام ہے۔ ہاں، اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو پھر اس کے کھانے میں مرد وعورت برابر سمجھے جاتے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو غلط بیانی کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان پر عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا۔ وہ اپنے فیصلوں

الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ٘ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿141﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا

جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو چھتریوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں[1] اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے،[2] اُن کے پھل کھاؤ جب وہ (درخت) پھل لائیں اور اُس میں جو حق واجب ہے، وہ اُس کے کاٹنے کے دن دیا کرو[3] اور حد سے[4] مت گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے﴿141﴾[5] اور مویشیوں میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے[6]

میں حکیم ہے اور اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح علم رکھنے والا ہے اور اپنے علم وحکمت کے مطابق وہ جزا وسزا کا اہتمام فرمائے گا۔

① ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ﴾ کا مادہ عرش ہے جس کے معنی بلند کرنے اور اٹھانے کے ہیں۔ مراد معروشات سے بعض درختوں کی وہ بیلیں ہیں جو ٹٹیوں (چھپروں، منڈیروں وغیرہ) پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور اور بعض ترکاریوں کی بیلیں ہیں۔ اور غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وہ درخت ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں بلکہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں، جیسے خربوزہ اور تربوز وغیرہ کی بیلیں ہیں یا وہ تنے دار درخت ہیں جو بیل کی شکل میں نہیں ہوتے۔ یہ تمام بیلیں، درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں، جن کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور زیتون وانار، ان سب کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

② اس کے لیے دیکھیے آیت:99 کا حاشیہ۔

③ یعنی جب کھیتی سے غلہ کاٹ کر صاف کرلو اور پھل درختوں سے توڑلو تو اس کا حق ادا کرو۔ اس حق سے مراد بعض علماء کے نزدیک نفلی صدقہ ہے اور بعض کے نزدیک صدقہ واجبہ، یعنی عشر، دسواں حصہ (اگر زمین بارانی اور نہری ہو) یا نصف عشر، یعنی بیسواں حصہ (اگر زمین کنویں، ٹیوب ویل سے سیراب کی جاتی ہو۔)

④ یعنی صدقہ وخیرات میں بھی حد سے تجاوز نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق حکام سے ہے، یعنی صدقات وزکاۃ کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کرو اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیاق آیت کی رو سے زیادہ صحیح یہ بات لگتی ہے کہ کھانے میں اسراف مت کرو کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔ اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اس لیے سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف سے منع فرمایا ہے جس سے واضح ہے کہ کھانے پینے میں بھی اعتدال بہت ضروری اور اس سے تجاوز اللہ کی نافرمانی ہے۔ آج کل مسلمانوں نے اس اسراف کو اپنی امارت کے اظہار کی علامت بنالیا ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

⑤ اس لیے اسراف کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں ہے، صدقہ وخیرات دینے میں نہ کسی اور چیز میں۔ ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی مطلوب ومحبوب ہے اور اسی کی تاکید کی گئی ہے۔

⑥ ﴿حَمُوْلَةً﴾ (بوجھ اٹھانے والے) سے مراد اونٹ، گدھا اور خچر وغیرہ ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں اور ﴿فَرْشًا﴾ سے مراد زمین سے لگے ہوئے جانور، جیسے بکری وغیرہ جس کا تم دودھ پیتے یا گوشت کھاتے ہو۔

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿143﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾ قُلْ

ع 17/4

(پیدا کیے) جو کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے، کھاؤ[1] اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو،[2] بلاشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے ﴿142﴾ (پیدا کیے) آٹھ نر اور مادہ،[3] یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم،[4] آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ نے اُن دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اُس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟[5] تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر سچے ہو ﴿143﴾[6] اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم،[7] آپ کہہ دیجیے کہ کیا اللہ نے اُن دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو؟ یا اُس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہوں؟ کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا؟[8] تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بلا دلیل جھوٹی تہمت لگائے[9] تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے، یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو راستہ نہیں دکھلاتا ﴿144﴾ آپ کہہ دیجیے کہ

---

① یعنی پھلوں، کھیتوں اور چوپایوں سے۔ ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ان کو تمھارے لیے خوراک بنایا ہے۔

② جس طرح مشرکین اس کے پیچھے لگ گئے اور حلال جانوروں کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا گویا اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کو حلال کر لینا، یہ شیطان کی پیروی ہے۔

③ یعنی أَنْشَأَ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ''اسی اللہ نے آٹھ زوج پیدا کیے۔'' ﴿ اَزْوَاجٍ ﴾ زَوْجٌ کی جمع ہے۔ ایک ہی جنس کے نر اور مادہ کو زَوْج (جوڑا) کہا جاتا ہے اور ان دونوں کے ایک ایک فرد کو بھی زَوْج کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لیے زوج ہوتا ہے۔ قرآن کے اس مقام پر بھی ازواج، افراد ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی 8 افراد اللہ نے پیدا کیے جو باہم ایک دوسرے کا جوڑا ہیں۔ یہ نہیں کہ زوج (بمعنی جوڑے) پیدا کیے کیونکہ اس طرح تعداد 8 کی بجائے 16 ہو جائے گی جو آیت کے اگلے حصہ کے مطابق نہیں ہے۔

④ یہ ثَمَانِيَة سے بدل ہے اور مراد دو قسم سے نر اور مادہ ہے، یعنی بھیڑ سے نر اور مادہ اور بکری سے نر اور مادہ پیدا کیے (بھیڑ میں دنبہ اور چھترا بھی شامل ہے۔)

⑤ مشرکین جو بعض جانوروں کو اپنے طور پر ہی حرام کر لیتے تھے، اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس بچے کو جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو کسی کو بھی حرام نہیں کیا ہے۔

⑥ تمھارے پاس حرام قرار دینے کی کوئی یقینی دلیل ہے تو پیش کرو کہ بَحِیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ اس دلیل کی بنیاد پر حرام ہیں۔

⑦ یہ بھی ثمانیۃ سے بدل ہے اور یہاں بھی دو دو قسم سے دونوں کے نر اور مادہ مراد ہیں اور یوں یہ آٹھ قسمیں پوری ہوگئیں۔

⑧ یعنی تم جو بعض جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، کیا جب اللہ نے ان کی حرمت کا حکم دیا تو تم اس کے پاس موجود تھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ان کی حرمت کا کوئی حکم ہی نہیں دیا، یہ سب تمھارا افترا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

لَآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿145﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ

جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے، اُن میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اُس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو،[1] پھر جو شخص مجبور ہو جائے، بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور و رحیم ہے ﴿145﴾ اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے[2] اور گائے اور بکری میں سے اُن دونوں کی چربیاں اُن پر ہم نے حرام کر دی

[9] یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا، اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر وصیلہ اور حام وغیرہ جانور چھوڑنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4623، وصحیح مسلم، حدیث: (2856)) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عمرو بن لحی خزاعہ قبیلے کے سرداروں میں سے تھا جو جرہم قبیلے کے بعد خانہ کعبہ کا والی بنا تھا، اس نے سب سے پہلے دین ابراہیمی میں تبدیلی کی اور حجاز میں بت قائم کر کے لوگوں کو ان کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور مشرکانہ رسمیں جاری کیں۔ (ابن کثیر) بہر حال مقصود آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آٹھ قسم کے جانور پیدا کر کے بندوں پر احسان فرمایا ہے، ان میں سے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کر لینا، اللہ کے احسان کو رد کرنا بھی ہے اور شرک کا ارتکاب بھی۔

[1] اس آیت میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اس کی ضروری تفصیل سورۂ بقرہ، آیت: 173 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔ یہاں یہ نکتہ مزید قابل وضاحت ہے کہ ان چار محرمات کا ذکر کلمہ حصر سے کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار قسموں کے علاوہ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ان چار کے علاوہ اور جانور بھی شریعت میں حرام ہیں، پھر یہاں حصر کیوں کیا گیا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس سے قبل مشرکین کے جاہلانہ طریقوں اور ان کے رد کا بیان چلا آ رہا ہے۔ ان ہی میں بعض جانوروں کا بھی ذکر آیا ہے جو انھوں نے اپنے طور پر حرام کر رکھے تھے، اس سیاق اور ضمن میں یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھ پر جو وحی کی گئی ہے، اس میں تو اس سے مقصود مشرکین کے حرام کردہ جانوروں کی حلت ہے، یعنی وہ حرام نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے جن محرمات کا ذکر کیا ہے، ان میں تو وہ شامل ہی نہیں ہیں اگر وہ حرام ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی ذکر ضرور کرتا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ اگر یہ آیت مکی نہ ہوتی تو پھر یقیناً محرمات کا حصر قابل تسلیم تھا لیکن چونکہ اس کے بعد خود قرآن نے سورۂ مائدہ میں بعض اور محرمات کا ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے پرندوں اور درندوں کی حلت و حرمت معلوم کرنے کے لیے دو اصول بیان فرما دیے ہیں جن کی وضاحت بھی مذکورہ محولہ حاشیہ میں موجود ہے۔ ﴿ اَوْ فِسْقًا ﴾ کا عطف ﴿ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ ﴾ پر ہے، اس لیے منصوب ہے۔ ﴿ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ معنی ہیں: أَيْ ذُبِحَ عَلَى الْأَصْنَامِ "وہ جانور جو بتوں کے نام پر یا ان کے تھانوں پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیے جائیں۔" یعنی ایسے جانوروں پر گو عند الذبح اللہ کا نام لیا جائے، تب بھی حرام ہوں گے کیونکہ ان سے اللہ کا تقرب نہیں، غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہے۔ فسق رب کی اطاعت سے خروج کا نام ہے۔ رب نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کیا جائے اور صرف اسی کے تقرب و نیاز کے لیے کیا جائے، اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو یہی فسق اور شرک ہے۔

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿146﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿147﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿148﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿149﴾ قُلْ

تھیں مگر وہ جو اُن کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔[1] اُن کی شرارت کے سبب ہم نے اُن کو یہ سزا دی[2] اور ہم یقیناً سچے ہیں﴿146﴾[3] پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجیے کہ تمھارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے[4] اور اُس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا﴿147﴾[5] یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔[6] اِسی طرح جو لوگ اِن سے پہلے ہو چکے ہیں اُنھوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ اُنھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔[7] آپ کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کوئی دلیل ہے تو اُس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔[8] تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل قیاس آرائی سے باتیں بناتے ہو﴿148﴾ آپ کہہ دیجیے: بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی، پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہِ راست پر لے آتا﴿149﴾ آپ کہہ

﴿2﴾ ناخن والے جانور سے مراد وہ ہاتھ والے جانور ہیں جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی، یعنی جدا جدا نہ ہوں، جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ، قاز وغیرہ۔ ایسے سب چرند پرند ان پر حرام تھے۔ گویا صرف وہ جانور اور پرندے ان کے لیے حلال تھے جن کے پنجے کھلے ہوں۔

﴿1﴾ یعنی جو چربی گائے یا بکری کی پشت پر ہو (یا دنبے کی چکتی ہو) یا انتڑیوں (یا اوجھ) یا ہڈیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ چربی کی یہ مقدار حلال تھی۔

﴿2﴾ یہ چیزیں ہم نے بطور سزا ان پر حرام کی تھیں، یعنی یہود کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ یہ چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی تھیں اور ہم تو ان کے اتباع میں ان کو حرام سمجھتے ہیں۔

﴿3﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود یقیناً اپنے مذکورہ دعوے میں جھوٹے ہیں۔

﴿4﴾ اس لیے تکذیب کے باوجود عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

﴿5﴾ یعنی مہلت دینے کا مطلب ہمیشہ کے لیے عذابِ الٰہی سے محفوظ ہونا نہیں ہے۔ وہ جب بھی عذاب دینے کا فیصلہ کرے گا تو پھر اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔

﴿6﴾ یہ وہی مغالطہ ہے جو مشیتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کو ہم معنی سمجھ لینے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے، حالانکہ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

﴿7﴾ اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ اگر یہ شرک اللہ کی رضا کا مظہر تھا تو پھر ان پر عذاب کیوں آیا؟ عذابِ الٰہی اس بات کی دلیل ہے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضائے الٰہی اور چیز۔

﴿8﴾ یعنی اپنے دعوے پر تمھارے پاس دلیل ہے تو پیش کرو! لیکن ان کے پاس دلیل کہاں؟ وہاں تو صرف اوہام وظنون ہی ہیں۔

هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا

دیجیے: اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ نے اِن چیزوں کو حرام کر دیا ہے،[1] پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اِس کی شہادت[2] نہ دیجیے اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں ﴿150﴾[3] آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمھارے رب نے تم پر لازم فرما دیا ہے،[4] وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ[5] اور ماں باپ کے ساتھ اِحسان کرو[6] اور اپنی اولاد کو مفلسی (کے ڈر) سے قتل مت کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو رزق دیتے ہیں[7] اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں، اُن کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں، خواہ پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔

(1) یعنی وہ جانور جن کو مشرکین حرام قرار دیے ہوئے تھے۔

(2) کیونکہ ان کے پاس سوائے کذب وافترا کے کچھ نہیں۔

(3) یعنی اس کا عدیل (برابر کا) ٹھہرا کر شرک کرتے ہیں۔

(4) یعنی حرام وہ نہیں ہیں جن کو تم نے بلا دلیل مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ، محض اپنے اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کی بنیاد پر حرام قرار دے رکھا ہے بلکہ حرام تو وہ چیزیں ہیں جن کو تمھارے رب نے حرام کیا ہے کیونکہ تمھارا پیدا کرنے والا اور تمھارا پالنہار وہی ہے اور ہر چیز کا علم بھی اسی کے پاس ہے، اس لیے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال اور جس چیز کو چاہے حرام کرے، چنانچہ میں تمھیں ان باتوں کی تفصیل بتلاتا ہوں جن کی تاکید تمھارے رب نے کی ہے۔

(5) اَلَّا تُشْرِكُوْا سے پہلے أَوْصَاكُمْ محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو تم شریک مت ٹھہراؤ۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے لیے معافی نہیں، مشرک پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ قرآن مجید میں یہ ساری چیزیں مختلف انداز سے بار بار بیان ہوئی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی احادیث میں ان کو تفصیل اور وضاحت سے بیان فرما دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ لوگ شیطان کے بہکاوے میں آ کر شرک کا عام ارتکاب کرتے ہیں۔

(6) اللہ تعالیٰ کی توحید واطاعت کے بعد یہاں بھی (اور قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی) والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رب کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی نے والدین کی اطاعت اور ان سے حسن سلوک کے تقاضے پورے نہیں کیے تو وہ رب تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے تقاضے بھی پورے کرنے میں ناکام رہے گا۔

(7) زمانۂ جاہلیت کا یہ فعل قبیح آج کل ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زور وشور سے جاری ہے۔ یہ افراد یا حکومتیں سمجھتی ہیں کہ وسائل رزق ہمارے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہیں، قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿152﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اُس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق کے ساتھ،[1] یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو﴿151﴾ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ (اُس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے[2] اور ناپ تول پوری پوری کرو، انصاف کے ساتھ،[3] ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے[4] اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ سے جو عہد کیا اُس کو پورا کرو، ان (باتوں) کا اللہ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو﴿152﴾ اور یہ کہ یہ (دین)[5] میرا سیدھا راستہ ہے۔ سو اِس راہ پر چلو[6] اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

[1] یعنی قصاص کے طور پر نہ صرف جائز ہے بلکہ اگر مقتول کے وارث معاف نہ کریں تو یہ قتل نہایت ضروری ہے۔ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ (البقرة 2:179) ”قصاص میں تمھاری زندگی ہے۔“

[2] جس یتیم کی کفالت تمھاری ذمہ داری قرار پائے تو اس کی ہر طرح خیر خواہی کرنا تمھارا فرض ہے۔ اسی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے، یعنی وراثت میں سے اس کو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

[3] ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت تو پورا ناپ یا تول کر لینا مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا، یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کے من جملہ اسباب میں سے تھی۔ آج کل یہ اخلاقی کمزوری بھی عام ہوتی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔

[4] یہاں اس بات کے بیان سے یہ مقصد ہے کہ جن باتوں کی تاکید کر رہے ہیں، یہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے، اس لیے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے، اس لیے اگر نجات اخروی اور دنیا میں بھی عزت و سرفرازی چاہتے ہو تو ان احکام الٰہی پر عمل کرو اور ان سے گریز مت کرو۔

[5] ﴿هٰذَا﴾ (یہ) سے مراد قرآن مجید یا دین اسلام یا وہ احکام ہیں جو بطور خاص اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں اور وہ ہیں: توحید، رسالت اور معاد۔ اور یہی اسلام کے اصول ثلاثہ ہیں جن کے گرد پورا دین گھومتا ہے، اس لیے جو بھی مراد لیا جائے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

[6] ﴿صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ کو واحد کے صیغے سے بیان فرمایا کیونکہ اللہ کی یا قرآن کی یا رسول اللہ ﷺ کی راہ ایک ہی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں، اس لیے پیروی صرف اسی ایک راہ کی کرنی ہے کسی اور کی نہیں۔ یہی ملت مسلمہ کی وحدت و اجتماع کی بنیاد ہے جس سے ہٹ کر یہ امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی ہے، حالانکہ اسے تاکید کی گئی ہے کہ ”دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿154﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿155﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿156﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا

اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو﴿153﴾ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے اور راہنمائی ہو اور رحمت ہو [1] تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لائیں﴿154﴾ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی، [2] سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو﴿155﴾ کہیں تم لوگ یوں [3] نہ کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے، اُن پر نازل ہوئی تھی اور ہم اُن کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے﴿156﴾ [4] یا یوں نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن سے بھی زیادہ راہِ راست پر ہوتے۔ سو اب تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور راہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے۔ [5] اب اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا

راہ سے جدا کر دیں گی۔'' دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾(الشوریٰ 13:42)''دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو'' یعنی اختلاف اور تفرقہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسی بات کو حدیث میں نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ''یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے۔'' اور چند خطوط اس کی دائیں اور بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: ''یہ راستے ہیں جن پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔'' پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی جو زیر وضاحت ہے۔ (مسند أحمد: 435/1 احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے مسند أحمد: 4142 بتعلیق أحمد شاکر رحمہ اللہ) بلکہ ابن ماجہ کی حدیث: 11 میں صراحت ہے کہ دو دو خط داہنے اور بائیں کھینچے، یعنی کل چار خطوط کھینچے اور انھیں شیطان کا راستہ بتلایا لیکن پھر بھی آج کل لوگ کہتے ہیں کہ حق کا راستہ ایک نہیں ہے، چار ہیں اور چاروں ہی برحق ہیں۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○﴾(صٓ 5:38) حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾(یونس 32:10)''حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔''

[1] قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے جو متعدد جگہ دہرایا گیا ہے کہ جہاں قرآن کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں تورات کا اور جہاں تورات کا ذکر ہو، وہاں قرآن کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔ اسی اسلوب کے مطابق یہاں تورات کا اور اس کے اس وصف کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی ایک جامع کتاب تھی جس میں ان کی دینی ضروریات کی تمام باتیں تفصیل سے بیان کی گئی تھیں اور وہ ہدایت و رحمت کا باعث تھی۔

[2] اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں دین و دنیا کی برکتیں اور بھلائیاں ہیں۔

[3] یعنی یہ قرآن اس لیے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہو۔ دو فرقوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

[4] اس لیے کہ وہ ہماری زبان میں نہ تھی، چنانچہ اس عذر کو قرآن عربی میں اتار کر ختم کر دیا۔

سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ ﴿157﴾ هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ رَبُّكَ اَوۡ یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ كَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا ؕ قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿158﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ

جو اللہ کی اِن آیتوں کو جھٹلائے اور اِن سے (لوگوں کو) روکے۔[1] ہم جلد ہی اُن لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں۔ اُن کے اِس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے ﴿157﴾ کیا وہ لوگ صرف اِس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے آئیں یا اُن کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی (بڑی) نشانی آئے؟[2] جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا[3] یا اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔[4] آپ فرما دیجیے کہ تم منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں ﴿158﴾[5] بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے،[6] آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، بس اُن کا

---

⑤ گویا یہ عذر بھی تم نہیں کر سکتے۔

① یعنی کتاب ہدایت ورحمت کے نزول کے بعد اب جو شخص ہدایت (اسلام) کا راستہ اختیار کر کے رحمت الٰہی کا مستحق نہیں بنتا بلکہ تکذیب واعراض کا راستہ اپناتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ ﴿صَدَفَ﴾ جب لازم ہو تو اس کے معنی اعراض کرنے کے کیے گئے ہیں اور متعدی ہو تو دوسروں کو روکنے کے ہیں۔

② قرآن مجید کے نزول اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی ہے۔ اب بھی اگر یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یعنی ان کی روحیں قبض کرنے کے لیے، اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کا رب ان کے پاس آئے، یعنی قیامت برپا ہو جائے اور وہ اللہ کے روبرو پیش کیے جائیں۔ اس وقت یہ ایمان لائیں گے؟ یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے، جیسے قیامت کے قریب سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا تو اس قسم کی بڑی نشانی دیکھ کر یہ ایمان لائیں گے؟ اگلے جملے میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ اگر یہ اس انتظار میں ہیں تو بہت ہی نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں کیونکہ بڑی نشانی کے ظہور کے بعد کافر کا ایمان اور فاسق وفاجر شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ صحیح حدیث ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سورج (مشرق کی بجائے) مغرب سے طلوع ہو، پس جب ایسا ہوگا اور لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''یعنی اس وقت ایمان لانا کسی کو نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہوگا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4635)

③ یعنی کافر کا ایمان فائدہ مند اور مقبول نہیں ہوگا۔

④ اس کا مطلب ہے کہ کوئی گناہ گار مومن گناہوں سے توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس کے بعد عمل صالح غیر مقبول ہوگا جیسا کہ احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔

⑤ یہ ایمان نہ لانے والوں اور توبہ نہ کرنے والوں کے لیے تہدید ووعید ہے۔ قرآن کریم میں یہی مضمون سورۂ محمد، آیت: 18 اور

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿160﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿161﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿162﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿163﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا

معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ اُن کو بتلا دے گا جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے ﴿159﴾ جو شخص نیک کام کرے گا، اُس کو اُس کے دس گنا ملیں گے [1] اور جو شخص برا کام کرے گا، اُس کو اُس کے برابر ہی سزا ملے گی [2] اور اُن لوگوں پر ظلم نہ ہوگا ﴿160﴾ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے کہ وہ ایک مستحکم دین ہے جو طریقہ ہے ابراہیم کا جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے ﴿161﴾ آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے ﴿162﴾ اُس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں ﴿163﴾ [3] آپ فرما دیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے

سورۂ مؤمن، آیت: 85,84 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

⑥ اس سے بعض لوگ یہود ونصاریٰ مراد لیتے ہیں جو مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بعض مشرکین مراد لیتے ہیں کہ کچھ مشرک ملائکہ کی، کچھ ستاروں کی، کچھ مختلف بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ آیت عام ہے، کفار ومشرکین سمیت وہ سب لوگ اس میں داخل ہیں جو اللہ کے دین کو اور رسول اللہ ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے دین یا دوسرے طریقے کو اختیار کر کے تفرق وتَحَزُّب کا راستہ اپناتے ہیں۔ ﴿شِيَعًا﴾ کے معنی ہیں: فرقے اور گروہ۔ اور یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملے میں مجتمع تھی لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنے کسی بڑے کی رائے کو ہی مستند اور حرف آخر قرار دے کر اپنا راستہ الگ کر لیا، چاہے وہ رائے حق و صواب کے خلاف ہی ہو۔ (فتح القدیر)

① یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل واحسان کا بیان ہے جو اہل ایمان کے ساتھ وہ کرے گا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس نیکیوں کے برابر عطا فرمائے گا۔ یہ کم از کم اجر ہے ورنہ قرآن اور احادیث دونوں سے ثابت ہے کہ بعض نیکیوں کا اجر کئی کئی سو گنا بلکہ بے حساب اور ان گنت ملے گا۔

② یعنی جن گناہوں کی سزا مقرر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب کے بعد اس نے اس سے توبہ بھی نہیں کی یا اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب نہ آئیں یا اللہ نے اپنے فضل خاص سے اسے معاف نہیں فرما دیا (کیونکہ ان تمام صورتوں میں مجازات کا قانون بروئے عمل نہیں آئے گا) تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی برائی کی سزا دے گا اور اس کے برابر ہی دے گا۔

③ توحید الوہیت کی یہی دعوت تمام انبیاء نے دی جس طرح یہاں آخری پیغمبر کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا کہ ''مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔'' دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے، سب کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔'' (الأنبیآء 21:25) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہ اعلان فرمایا: ﴿وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (یونس 10:72) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے

وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿164﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾ ع

(ربع 20 — 11 — 7)

اٰيَاتُهَا 206 (7) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (39) رُكُوْعَاتُهَا 24

سورۂ اعراف مکی ہے، اس میں 206 آیات اور 24 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ﴿1﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿2﴾

لیے تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے،[1] اور جو شخص بھی کوئی (برا) عمل کرتا ہے، اس کا بوجھ اسی پر ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا،[2] پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا، پھر وہ تم کو بتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے﴿164﴾[3] اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا[4] اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تمھیں اُن چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دی ہیں۔[5] بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے﴿165﴾

المص ﴿1﴾ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اِس لیے بھیجی گئی ہے کہ آپ اِس کے ذریعے سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں

انھیں کہا کہ أَسْلِمْ (فرمانبردار ہوجا) تو انھوں نے فرمایا: ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة 131:2) ''میں رب العالمین کے لیے مسلمان، یعنی فرمانبردار ہوگیا۔'' حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی: ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (البقرة 132:2) ''تمھیں موت اسلام ہی پر آنی چاہیے۔'' حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی: ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا﴾ (یوسف 101:12) ''مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھانا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾ (یونس 84:10) ''اگر تم مسلمان ہو تو اسی اللہ پر بھروسا کرو۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا ﴿وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ﴾ (المآئدة 111:5) اسی طرح اور بھی انبیاء اور ان کے مخلص پیروکاروں نے اسی اسلام کو اپنایا جس میں توحید الوہیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گو بعض بعض شرعی احکام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

[1] یہاں رب سے مراد وہی الٰہ ماننا ہے جس کا انکار مشرکین کرتے رہے ہیں اور جو اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے لیکن مشرکین اس کی ربوبیت کو تو مانتے تھے اور اس میں کسی کو شریک نہیں گردانتے تھے لیکن اس کی الوہیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا پورا اہتمام فرمائے گا اور جس نے، اچھا یا برا، جو کچھ کیا ہوگا، اس کے مطابق جزا و سزا دے گا، نیکی پر اچھی جزا اور بدی پر سزا دے گا اور ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالے گا۔

[3] اس لیے اگر تم اس دعوت توحید کو نہیں مانتے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت رہی ہے تو تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کیے جاتے ہیں۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں ہی ہمارا تمھارا فیصلہ ہوگا۔

[4] یعنی حکمران بنا کر اختیارات سے نوازا۔ یا ایک کے بعد دوسرے کو اس کا وارث (خلیفہ) بنایا۔

[5] یعنی فقر و غنا، علم و جہل، صحت اور بیماری جس کو جو کچھ دیا ہے، اسی میں اس کی آزمائش ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اِس سے بالکل تنگی نہ ہو[1] اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے ② تم لوگ اُس (کتاب) کا اتباع کرو جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے[2] اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو ③ اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا اور اُن پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے ④[3] سو جس وقت اُن پر ہمارا عذاب آیا اُس وقت اُن کے منہ سے سوائے اِس کے اور کوئی بات نہ نکلی کہ واقعی ہم ظالم تھے ⑤[4] پھر ہم اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے ⑥[5] پھر یقیناً ہم اپنے علم سے (اُن کے حالات) اُن کے روبرو بیان کر دیں گے۔[6] اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے ⑦ اور اُس روز (اعمال کا) وزن بھی برحق ہے، پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا

---

① یعنی اس کے ابلاغ سے آپ کا دل تنگ نہ ہو کہ کہیں کافر میری تکذیب نہ کریں اور مجھے ایذا نہ پہنچائیں، اس لیے کہ اللہ آپ کا حافظ و ناصر ہے یا حرج شک کے معنی میں ہے، یعنی اس کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں آپ اپنے سینے میں شک محسوس نہ کریں۔ یہ نہی بطور تعریض ہے اور اصل مخاطب امت ہے کہ وہ شک نہ کرے۔

② جو اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، یعنی قرآن اور جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی حدیث کیونکہ آپ نے فرمایا کہ "میں قرآن اور اس کی مثل اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔" ان دونوں کا اتباع ضروری ہے۔ ان کے علاوہ کسی کا اتباع ضروری نہیں بلکہ ان کا انکار لازمی ہے جیسا کہ اگلے فقرے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی مت کرو جس طرح زمانۂ جاہلیت میں سرداروں، نجومیوں اور کاہنوں کی بات کو ہی اہمیت دی جاتی حتیٰ کہ حلال و حرام میں بھی ان کو سند تسلیم کیا جاتا تھا۔

③ ﴿قَآئِلُوْنَ﴾ قیلولہ سے ہے جو دوپہر کے وقت استراحت (آرام کرنے) کو کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا عذاب اچانک ایسے وقتوں میں آیا جب وہ آرام و راحت کے لیے بے خبر بستروں میں آسودہ خواب یا حالتِ استراحت میں تھے۔

④ لیکن عذاب آ جانے کے بعد ایسے اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (المؤمن 85:40) "جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کے لیے نفع مند نہیں ہوا۔"

⑤ امتوں سے پوچھا جائے گا کہ تمھارے پاس پیغمبروں نے آ کر تمھیں ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ اور پیغمبروں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام اپنی امتوں کو پہنچایا تھا؟ پیغمبر اس سوال کا جواب دیں گے کہ ہاں، اللہ! ہم نے تیرا پیغام ان کو پہنچا دیا تھا۔ جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے جبکہ کفار کہہ دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی پیغام پہنچانے والا نہیں آیا، پھر امت محمدیہ انبیاء کے لیے ان کفار کے خلاف گواہی دے گی جیسا کہ سورۂ بقرہ 143:2 میں ذکر ہے اور دیکھیے صحیح البخاري، مع فتح الباري: 216/8، حدیث: 4487 جبکہ جہنم میں جانے کے بعد جب داروغۂ جہنم پوچھے گا تو پھر اقرار کر لیں گے کہ ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے

الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑩ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

سوایسے لوگ کامیاب ہوں گے ⑧ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ⑨ [1] اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمھارے لیے اس میں سامانِ رزق پیدا کیا، تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ⑩ اور ہم نے تم کو پیدا کیا، [2] پھر ہم ہی نے تمھاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ⑪ حق تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس بات نے سجدہ کرنے سے روکا [3] جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا، کہنے لگا: میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے

لیکن ہم پر کلمۂ عذاب ثابت ہو گیا تھا جیسا کہ سورۂ زمر 71:39 اور سورۂ ملک 10:67 میں ہے۔

⑥ ہم چونکہ ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کا علم رکھتے ہیں، اس لیے ہم پھر دونوں (امتیوں اور پیغمبروں) کے سامنے ساری باتیں بیان کریں گے اور جو جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، ان کے سامنے رکھ دیں گے۔

① ان آیات میں وزن اعمال کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت والے دن ہوگا اور جسے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ اور احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ترازو میں اعمال تولے جائیں گے، جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ کامیاب ہوگا اور جس کا بدیوں والا پلڑا بھاری ہوگا، وہ ناکام ہوگا۔ یہ اعمال کس طرح تولے جائیں گے جبکہ یہ اعراض ہیں، یعنی ان کا ظاہری وجود اور جسم نہیں ہے؟ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کو اجسام میں تبدیل فرمادے گا اور ان کا وزن ہوگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ صحیفے اور رجسٹر تولے جائیں گے جن میں انسان کے اعمال درج ہوں گے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا۔ تینوں مسلکوں والوں کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صحیح احادیث وآثار موجود ہیں، اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی باتیں صحیح ہوسکتی ہیں، ممکن ہے کبھی اعمال، کبھی صحیفے اور کبھی صاحب عمل کو تولا جائے (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر) بہرحال میزان اور وزن اعمال کا مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار یا اس کی تاویل گمراہی ہے۔ اور موجودہ دور میں تو اس کے انکار کی اب مزید کوئی گنجائش نہیں کہ بے وزن چیزیں بھی تولی جانے لگی ہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ انبیاء 21: 47 کا حاشیہ)

② ﴿خَلَقْنٰكُمْ﴾ میں ضمیر اگرچہ جمع کی ہے لیکن مراد ابوالبشر حضرت آدم ہیں۔

③ ﴿اَلَّا تَسْجُدَ﴾ میں لا زائد ہے، یعنی أَنْ تَسْجُدَ (تجھے سجدہ کرنے سے کس نے روکا؟) یا عبارت محذوف ہے، یعنی "تجھے کس چیز نے اس بات پر مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے۔" (ابن کثیر وفتح القدیر) شیطان، فرشتوں میں سے نہیں تھا بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا۔ (الکھف 50:18) لیکن فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا مستقلاً حکم تھا۔ اسی لیے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا اگر اسے حکم نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ راندۂ درگاہ قرار پاتا۔

طِيۡنٍ ⑫ قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ⑬ قَالَ اَنۡظِرۡنِيۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ⑮ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِيۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ⑯ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ⑰ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ

اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے ⑫ [1] حق تعالیٰ نے فرمایا تُو آسمان سے اتر، [2] تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے، سونکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے ⑬ [3] اُس نے کہا کہ مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دیجیے ⑭ اللہ نے فرمایا: تجھ کو مہلت دی گئی ⑮ [4] اس نے کہا چونکہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے [5] میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اُن کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا ⑯ پھر اُن پر حملہ کروں گا اُن کے آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کی دائیں جانب سے بھی اور اُن کی بائیں جانب سے بھی [6] اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکرگزار نہیں پائیں گے ⑰ [7] اللہ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا، جو

---

① شیطان کا یہ عذر "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا آئینہ دار ہے۔ ایک تو اس کا یہ سمجھنا کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جا سکتا، غلط ہے، اس لیے کہ اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں افضل وغیر افضل کی بحث اللہ سے سرتابی ہے۔ دوسرا، اس نے بہتر ہونے کی دلیل یہ دی کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے لیکن اس نے اس شرف وعظمت کو نظر انداز کر دیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ اس شرف کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ تیسرا، نص کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا جو کسی بھی اللہ کو ماننے والے کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ، مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ میں سوائے تیزی، بھڑکنے اور جلانے کے کیا ہے؟ جبکہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے، اس میں نبات ونمو، زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ یہ صفات آگ سے بہرحال بہتر اور زیادہ مفید ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ "فرشتے نور سے، ابلیس آگ کی لپٹ سے اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔" (صحيح مسلم، حديث:60-(2996))

② ﴿مِنۡهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین نے جنت کو قرار دیا ہے اور جنت آسمان کے اوپر ہے، اسی لیے مترجم رحمہ اللہ نے اس مفہوم کے مطابق آسمان ترجمہ کیا ہے۔

③ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام وتعظیم کا نہیں، ذلت وخواری کا مستحق ہے۔

④ اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مہلت عطا فرما دی جو اس کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھی جس کا پورا علم اسی کو ہے، تاہم ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کی وہ آزمائش کر سکے گا کہ کون رحمان کا بندہ بنتا ہے اور کون شیطان کا پجاری؟

⑤ گمراہ تو وہ اللہ کی تکوینی مشیت کے تحت ہوا لیکن اس نے اسے بھی مشرکوں کی طرح الزام بنا لیا جس طرح وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔

⑥ مطلب یہ ہے کہ میں ہر خیر اور شر کے راستے پر بیٹھوں گا۔ خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿18﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿19﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿20﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿21﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

شخص اُن میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا﴿18﴾ اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو، پھر جس جگہ سے چاہو، دونوں کھاؤ اور اِس درخت کے پاس مت جاؤ [1] ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ﴿19﴾ پھر شیطان نے اُن دونوں کے دلوں میں وسوسہ [2] ڈالا تا کہ اُن کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھیں اُنھیں اُن کے سامنے کھول [3] دے اور کہنے لگا کہ تمھارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اِس لیے منع کیا ہے کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ) تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ﴿20﴾ اور اُن دونوں کے روبرو قسم کھا لی کہ یقین جانیے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں﴿21﴾ [4] سو اُن دونوں کو فریب سے (معصیت کی طرف)

کرنے کی ترغیب دوں گا۔

⑦ ﴿شٰكِرِيْنَ﴾ کے دوسرے معنی مُوَحِّدِينَ کے کیے گئے ہیں، یعنی اکثر لوگوں کو میں شرک میں مبتلا کر دوں گا۔ شیطان نے اپنا یہ گمان فی الواقع سچا کر دکھایا ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (سبا 34:20) ''شیطان نے اپنا گمان سچا کر دکھایا اور مومنوں کے ایک گروہ کو چھوڑ کر سب لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔'' اسی لیے احادیث میں شیطان سے پناہ مانگنے کی اور قرآن میں اس کے مکر وکید سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

① یعنی صرف اس ایک درخت کو چھوڑ کر جہاں سے اور جتنا چاہو، کھاؤ۔ ایک درخت کا پھل کھانے کی پابندی آزمائش کے طور پر عائد کر دی۔

② وَسْوَسَةٌ اور وِسْوَاس، زَلْزَلَةٌ اور زِلْزَال کے وزن پر ہے، پست آواز اور نفس کی بات، شیطان دل میں جو بری باتیں ڈالتا ہے، اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

③ یعنی شیطان کا مقصد اس بہکاوے سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو اس لباس جنت سے محروم کر کے انھیں شرمندہ کرنا تھا جو انھیں جنت میں پہننے کے لیے دیا گیا تھا۔ ﴿سَوْاٰتِهِمَا﴾ سَوْءَةٌ (شرم گاہ) کی جمع ہے۔ شرم گاہ کو سَوْءَةٌ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے ظاہر ہونے کو برا سمجھا جاتا ہے۔

④ جنت کی جو نعمتیں اور آسائشیں حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو حاصل تھیں، اس کے حوالے سے شیطان نے دونوں کو بہلایا اور یہ جھوٹ بولا کہ اللہ تمھیں ہمیشہ جنت میں رکھنا نہیں چاہتا، اسی لیے اس درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کی تاثیر ہی یہ ہے کہ جو اسے کھالیتا ہے، وہ فرشتہ بن جاتا ہے یا دائمی زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے، پھر قسم کھا کر اپنا خیر خواہ ہونا بھی ظاہر کیا جس سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام متاثر ہو گئے، اس لیے کہ اللہ والے اللہ کے نام پر آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿22﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾ ع يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ

ع 2/15/9

مائل[1] کرلیا، پس ان دونوں نے جب اُس درخت کو چکھا تو اُن کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے روبرو ظاہر ہوگئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے[2] اور اُن کے رب نے اُن کو پکارا، کیا میں نے تم دونوں کو اِس درخت سے روکا نہ تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمھارا صریح دشمن ہے؟﴿22﴾[3] دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہوجائیں گے ﴿23﴾[4] حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور تمھارے لیے ایک وقت تک زمین میں رہنے کی جگہ اور نفع حاصل کرنا ہے ﴿24﴾ فرمایا: تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اُسی میں سے پھر نکالے جاؤ گے ﴿25﴾ اے آدم کی اولاد! ہم نے تمھارے لیے لباس پیدا کیا جو تمھاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی

---

① تدلیة اور ادلاء کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر سے نیچے چھوڑ دینا۔ یعنی شیطان نے ان کو ممنوعہ درخت کے پھل کی طرف راغب کر کے انھیں مرتبۂ علیا سے نیچے اتار لیا۔

② یہ اس معصیت کا اثر ظاہر ہوا جو آدم وحواء علیہما السلام سے غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر ہوئی اور پھر دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہ چھپانے لگے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نورانی لباس ملا ہوا تھا جو اگرچہ غیر مرئی تھا لیکن ایک دوسرے کی شرم گاہ کے لیے ساتر (پردہ پوش) تھا۔ (ابن کثیر)

③ یعنی اس تنبیہ کے باوجود تم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے جال بڑے حسین اور دلفریب ہوتے ہیں اور جن سے بچنے کے لیے بڑی کاوش ومحنت اور ہر وقت اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

④ توبہ واستغفار کے یہ وہی کلمات ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سیکھے جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: 37 میں اس کی طرف اشارہ ہے (دیکھیے مذکورہ آیت کا حاشیہ) گویا شیطان نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا تو اس کے بعد وہ اس پر نہ صرف اڑ گیا بلکہ اس کے جواز واثبات میں عقلی وقیاسی دلائل دینے لگا۔ نتیجتاً وہ راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام نے اپنی غلطی پر ندامت و پشیمانی کا اظہار اور بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کا اہتمام کیا تو اللہ کی رحمت ومغفرت کے مستحق قرار پائے، یوں گویا دونوں راستوں کی نشان دہی ہوگئی، شیطانی راستے کی بھی اور اللہ والوں کے راستے کی بھی۔ گناہ کر کے اس پر اترانا، اصرار کرنا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے "دلائل" کے انبار فراہم کرنا، شیطانی راستہ ہے۔ اور گناہ کے بعد احساس ندامت سے مغلوب ہوکر بارگاہ الٰہی میں جھک جانا اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا، بندگان الٰہی کا راستہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿27﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

ہے [1] اور تقویٰ کا لباس، [2] یہ اُس سے بڑھ کر ہے۔ [3] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں﴿26﴾ اے اولادِ آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے باہر کرا دیا ایسی حالت میں کہ اُن کا لباس بھی اتروا دیا تاکہ وہ اُن کو اُن کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اُس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ [4] ہم نے شیطانوں کو اُن ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے﴿27﴾ [5] اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اِسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا تم اللہ

---

① ﴿سَوْاٰتِكُمْ﴾ جسم کے وہ حصے جنھیں چھپانا ضروری ہے، جیسے شرم گاہ اور ﴿رِيْشًا﴾ وہ لباس جو حسن و رعنائی کے لیے پہنا جائے۔ گویا لباس کی پہلی قسم ضروریات سے اور دوسری قسم تکملہ و اضافہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے لباس کے لیے سامان اور مواد پیدا فرمایا۔

② اس سے مراد بعض کے نزدیک وہ لباس ہے جو مُتَّقِین قیامت والے دن پہنیں گے۔ بعض کے نزدیک ایمان، بعض کے نزدیک عمل صالح اور خشیت الٰہی وغیرہ ہیں۔ مفہوم سب کا تقریباً ایک ہے کہ ایسا لباس جسے پہن کر انسان تکبر کرنے کی بجائے اللہ سے ڈرے اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کرے۔

③ حدیث: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ»(جامع الترمذي، حديث: 2819) ”بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت ظاہر ہو۔“ اور حدیث: «إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ» (صحيح مسلم، حديث:91) ”یقیناً اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔“ کی بنا پر عمدہ اور اچھا زیب و زینت والا لباس پہننا بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن اگر ایک شخص عمدہ لباس پہننے کی طاقت کے باوجود اللہ کی رضا کے لیے لباس میں سادگی اختیار کرتا ہے تو اس صورت میں یہ بھی قابلِ ستائش ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ»(صحيح الجامع، حديث: 2879، والسلسلة الصحيحة، حديث: 341) ”بذاذت ایمان کا حصہ ہے۔“ بذاذت کا مطلب، عاجزی و خاکساری کے نقطۂ نظر سے بیش قیمت لباس کی بجائے سادہ لباس پہننا ہے۔ (لباس کے بارے میں اسلامی ہدایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب ”لباس اور پردہ“ مطبوعہ دارالسلام)

④ اس میں اہل ایمان کو شیطان اور اس کے قبیلے، یعنی چیلے چانٹوں سے ڈرایا گیا ہے کہ کہیں وہ تمھاری غفلت اور سستی سے فائدہ اٹھا کر تمھیں بھی اس طرح فتنے اور گمراہی میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے ماں باپ (آدم و حوا علیہما السلام) کو اس نے جنت سے نکلوا دیا اور لباس جنت بھی اتروا دیا۔ بالخصوص جبکہ وہ نظر بھی نہیں آتے تو اس سے بچنے کا اہتمام اور فکر بھی زیادہ ہونی چاہیے۔

⑤ یعنی بے ایمان قسم کے لوگ ہی اس کے دوست اور اس کے خاص شکار ہیں، تاہم اہل ایمان پر بھی وہ ڈورے ڈالتا رہتا ہے۔ کچھ اور نہیں تو شرک خفی، (ریاکاری) حتی کہ بعض کو شرک جلی میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور یوں ان کو بھی ایمان کے بعد ایمان صحیح کی پونجی سے

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿30﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ ﴿28﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کرنے کا [2] حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدے کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو [3] اور اللہ کی عبادت اِس طور پر کرو کہ اُس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھو۔ تم کو اللہ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا، اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہو گے ﴿29﴾ بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی ہے۔ اُن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ﴿30﴾ اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو (لباس سے) آراستہ کر لیا کرو [4]

محروم کر دیتا ہے۔

① اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت کو اختیار کر کے طواف کرتے ہیں جو اس وقت تھی جب ہمیں ہماری ماؤں نے جنا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اس کی یہ تاویل کرتے تھے کہ ہم نے جو لباس پہنا ہوتا ہے، اس میں ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، اس لیے اس لباس میں طواف کرنا مناسب نہیں، چنانچہ وہ لباس اتار کر طواف کرتے اور عورتیں بھی ننگی طواف کرتیں، صرف اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا چمڑے کا ٹکڑا رکھ لیتیں۔ اپنے اس شرمناک فعل کے لیے دو عذر انھوں نے اور پیش کیے۔ ایک تو یہ کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح ہی کرتے پایا ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم دے؟ یعنی تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو اس نے نہیں کہی۔ اس آیت میں ان مقلدین کے لیے بڑی زجر و توبیخ ہے جو آباء پرستی، پیر پرستی اور شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں، جب انھیں بھی حق کی بات بتلائی جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے یہی کرتے آئے ہیں یا ہمارے امام اور پیر و شیخ کا یہی حکم ہے۔ یہی وہ خصلت ہے جس کی وجہ سے یہودی یہودیت پر، نصرانی نصرانیت پر اور بدعتی بدعتوں پر قائم رہے۔ (فتح القدیر)

② انصاف سے مراد یہاں بعض کے نزدیک «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» یعنی توحید ہے۔

③ امام شوکانی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''اپنی نمازوں میں اپنا رخ قبلے کی طرف کر لو، چاہے تم کسی بھی مسجد میں ہو۔'' اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سے استقامت بمعنی متابعت رسول مراد لی ہے اور اگلے جملے سے اخلاص اللہ اور کہا ہے کہ ہر عمل کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو اور دوسرا یہ کہ خالص رضائے الٰہی کے لیے ہو۔ آیت میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

④ آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اس کا سبب نزول بھی مشرکین کے ننگے طواف سے متعلق ہے، اس لیے انھیں کہا گیا کہ لباس پہن کر اللہ کی عبادت کرو اور طواف کرو۔ بعض کہتے ہیں: زینت سے وہ لباس مراد ہے جو آرائش کے لیے پہنا جائے جس سے ان کے نزدیک نماز اور طواف کے وقت تزئین کا حکم نکلتا ہے۔ اس آیت سے نماز میں سترعورت کے وجوب پر بھی استدلال کیا گیا ہے بلکہ احادیث کی رو سے سترعورت (مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصے کو ڈھانپنا) ہر حال میں ضروری ہے، چاہے آدمی خلوت میں ہی ہو۔ (فتح القدیر) جمعہ اور عید کے دن خوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے کہ یہ بھی زینت کا حصہ ہے۔ (ابن کثیر)

كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿32﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

اور کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔ بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا[1] ﴿31﴾ آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں، اُن چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں[2] (اور) قیامت کے دن تو خالص (انھی کے لیے ہوں گی۔) ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے لیے صاف صاف بیان کرتے ہیں ﴿32﴾ آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے اُن تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں[3] اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو[4] اور اِس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز

[1] اسراف (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہو، کھاؤ۔ جو چاہو پہنو! البتہ دو باتوں سے گریز کرو۔ اسراف اور تکبر سے۔'' (صحيح البخاري، قبل حديث: 5783) بعض سلف کا قول ہے، اللہ تعالیٰ نے ﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ اس آدھی آیت میں ساری طب جمع فرما دی ہے۔ (ابن کثیر)

[2] مشرکین نے جس طرح طواف کے وقت لباس پہننے کو ناپسندیدہ قرار دے رکھا تھا، اسی طرح بعض حلال چیزیں بھی بطور تقرب الٰہی اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (جیسا کہ بعض صوفیاء بھی ایسا کرتے ہیں) نیز بہت سی حلال چیزیں اپنے بتوں کے نام وقف کر دینے کی وجہ سے حرام گردانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کی زینت کے لیے (مثلاً: لباس وغیرہ) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بنائی ہیں، انھیں کون حرام کرنے والا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حرام کر لینے سے اللہ کی حلال کردہ چیزیں حرام نہیں ہو جائیں گی، وہ حلال ہی رہیں گی۔ یہ حلال وطیب چیزیں اصلاً اللہ نے اہل ایمان ہی کے لیے بنائی ہیں۔ گو کفار بھی ان سے فیض یاب اور متمتع ہو لیتے ہیں بلکہ بعض دفعہ دنیوی چیزوں اور آسائشوں کے حصول میں وہ مسلمانوں سے زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن یہ بالتبع اور عارضی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تکوینی مشیت اور حکمت ہے، تاہم قیامت والے دن یہ نعمتیں صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی کیونکہ کافروں پر جس طرح جنت حرام ہوگی، اسی طرح ماکولات ومشروبات بھی حرام ہوں گے۔

[3] علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈوں پر جا کر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ''گرل فرینڈ'' سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اول الذکر سے مراد محارم سے نکاح کرنا ہے جو سخت ممنوع ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے، جیسے فلمیں، ڈرامے، ٹی وی، وی سی آر، فحش اخبارات ورسائل، رقص وسرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہر وغیرہ، یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

[4] گناہ، اللہ کی نافرمانی کا نام ہے اور ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اِس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں ﴿33﴾ اور ہر گروہ کے لیے ایک میعاد معین ہے،[1] سو جس وقت اُن کی میعاد معین آ جائے گی، اُس وقت ایک لمحہ نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ﴿34﴾ اے اولادِ آدم! اگر تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر آئیں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اِصلاح کرے تو اُن لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿35﴾[2] اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں، وہ لوگ دوزخ والے ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿36﴾[3] سو اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے، اُن لوگوں کے نصیب کا لکھا ہوا تو ان کو مل ہی جائے گا[4]

مطلع ہونے کو تو برا سمجھے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 14-(2553)) بعض کہتے ہیں کہ گناہ وہ ہے جس کا اثر، کرنے والے کی اپنی ذات تک محدود ہو اور بغی یہ ہے کہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچیں، یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق کا مطلب، ناحق ظلم وزیادتی، مثلاً: لوگوں کا حق غصب کر لینا، کسی کا مال ہتھیا لینا، ناجائز مارنا پیٹنا اور سبّ وشتم کر کے بے عزتی کرنا وغیرہ ہے۔

[1] میعاد معین سے مراد وہ مہلت عمل ہے جو اللہ تعالیٰ ہر گروہ کو آزمانے کے لیے عطا فرماتا ہے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بغاوت وسرکشی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مہلت بعض دفعہ ان کی پوری زندگیوں تک ممتد ہوتی ہے، یعنی دنیوی زندگی میں وہ گرفت نہیں فرماتا بلکہ صرف آخرت میں ہی وہ سزا دے گا، ان کی اجل مسمّٰی قیامت کا دن ہی ہے اور جن کو دنیا میں وہ عذاب سے دوچار کر دیتا ہے، ان کی اجل مسمّٰی وہ ہے جب ان کا مؤاخذہ فرماتا ہے۔

[2] یہ ان اہل ایمان کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ اکثر جگہ عمل صالح کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند اللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔ اسی طرح عمل خیر بھی تب فائدہ مند ہوگا جب اس کے ساتھ ایمان ہوگا، یعنی رسالت محمدیہ پر ایمان۔

[3] اس میں اہل ایمان کے برعکس ان لوگوں کا برا انجام بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے احکام کی تکذیب اور ان کے مقابلے میں استکبار کرتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں کا انجام بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اس کردار کو اپنائیں جس کا انجام اچھا ہے اور اس کردار سے بچیں جس کا انجام برا ہے۔

[4] اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی عمل، رزق اور عمر کے کیے گئے ہیں، یعنی ان کے مقدر میں جو عمر اور رزق ہے، اسے پورا کر لینے اور جتنی عمر ہے، اسے گزار لینے کے بعد بالآخر موت سے ہمکنار ہوں گے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ الآية (یونس 10:69,70) ''جو لوگ اللہ پر

الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿37﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا

یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی جان قبض کرنے آئیں گے تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے ﴿37﴾ اللہ فرمائے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں [1] جنوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی، اُن کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ۔ جس وقت بھی کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی [2] یہاں تک کہ جب اُس میں سب جمع ہو جائیں گے [3] تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے [4] کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دے۔ [5] اللہ فرمائے گا کہ سب ہی کے لیے دوگنا ہے، [6] لیکن تم کو خبر نہیں ﴿38﴾ اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں،

جھوٹ باندھتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوں گے، دنیا کا چند روزہ فائدہ اٹھا کر بالآخر ہمارے پاس ہی انھیں لوٹ کر آنا ہے۔“

① ﴿اُمَمٍ﴾ اُمَّةٌ کی جمع ہے۔ مراد وہ فرقے اور گروہ ہیں جو کفر و شقاق اور شرک و تکذیب میں ایک جیسے ہوں گے۔ ﴿فِیْۤ﴾ بمعنی مع بھی ہو سکتا ہے، یعنی تم سے پہلے انسانوں اور جنوں میں جو گروہ تم جیسے یہاں آ چکے ہیں، ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ یا ان میں جا شامل ہو۔

② ﴿لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ ”اپنی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی۔“ اُخْتٌ بہن کو کہتے ہیں۔ ایک جماعت (امت) کو دوسری جماعت (امت) کی بہن بہ اعتبار دین یا گمراہی کے کہا گیا، یعنی دونوں ہی ایک غلط مذہب کے پیرو یا گمراہ تھے یا جہنم کے ساتھی ہونے کے اعتبار سے ان کو ایک دوسری کی بہن قرار دیا گیا ہے۔

③ ﴿ادَّارَكُوْا﴾ کے معنی ہیں: تَدَارَكُوا جب ایک دوسرے کو ملیں گے اور باہم اکٹھے ہوں گے۔

④ أُخرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُولٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔ یا اُخرٰی سے اَتْبَاع (پیروکار) اور اُولٰی سے مَتْبُوع لیڈر اور سردار ہیں۔ ان کا جرم چونکہ زیادہ شدید ہے کہ خود بھی راہ حق سے دور رہے اور دوسروں کو بھی کوشش کر کے اس سے دور رکھا، اس لیے یہ اپنے أتباع سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔

⑤ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا، جہنمی کہیں گے: ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا۠ ○ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ○﴾ (الأحزاب 33:67,68) ”اے ہمارے رب! ہم تو اپنے سرداروں اور بڑوں کے پیچھے لگے رہے، پس انھوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کیا، اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر۔“

⑥ یعنی اب ایک دوسرے کو طعنے دینے، کوسنے اور ایک دوسرے پر الزام دھرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم سب ہی اپنی اپنی جگہ بڑے

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿40﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿42﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا

سوتم بھی اپنی کمائی کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو﴿39﴾ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے تکبر کیا اُن کے لیے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے [1] اور نہ وہ لوگ کبھی جنت میں داخل ہوسکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے [2] اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں﴿40﴾ اُن کے لیے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور اُن کے اوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہوگا [3] اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں﴿41﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتاتے، [4] وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے﴿42﴾ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں (کینہ) ہوگا، ہم اُس کو دُور کر دیں گے۔ [5] اُن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس

مجرم ہو اور تم سب ہی دو گنے عذاب کے مستحق ہو۔ أَتْبَاع اور مَتْبُوعِین کا یہ مکالمہ سورۂ سبا 34: 31،32 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

① اس سے بعض نے اعمال، بعض نے ارواح اور بعض نے دعا مراد لی ہے، یعنی ان کے عملوں یا روحوں یا دعا کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، یعنی اعمال اور دعا قبول نہیں ہوتی اور روحیں واپس زمین میں لوٹا دی جاتی ہیں جیسا کہ مسند أحمد: (365,364/2) کی ایک حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تینوں ہی چیزیں مراد ہوسکتی ہیں۔

② یہ تعلیق بالمحال ہے جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ممکن نہیں، اسی طرح اہل کفر کا جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ اونٹ کی مثال بیان فرمائی، اس لیے کہ اونٹ عربوں میں متعارف تھا اور جسمانی اعتبار سے ایک بڑا جانور تھا۔ اور سوئی کا ناکہ (سوراخ) یہ اپنے باریک اور تنگ ہونے کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ ان دونوں کے ذکر نے اس تعلیق بالمحال کے مفہوم کو غایت درجے واضح کر دیا ہے۔ تعلیق بالمحال کا مطلب ہے، ایسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا، جو ناممکن ہو، جیسے اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اب کسی چیز کے وقوع کو، اونٹ کے سوئی کے ناکے میں داخل ہونے کے ساتھ مشروط کر دینا، تعلیق بالمحال ہے۔

③ ﴿غَوَاشٍ﴾ غَاشِيَةٌ کی جمع ہے۔ ڈھانپ لینے والی، یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا ہوگا، یعنی اوپر سے بھی آگ نے ان کو ڈھانپا، یعنی گھیرا ہوگا۔

④ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ایمان اور عمل صالح، یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جو انسانی طاقت سے زیادہ ہوں اور انسان ان پر عمل کرنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں بلکہ ہر انسان ان کو بہ آسانی اپنا سکتا ہے اور ان کے مقتضیات کو بروئے عمل لا سکتا ہے۔

⑤ ﴿غِلٍّ﴾ اس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر یہ انعام بھی فرمائے گا کہ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و عداوت کے جو جذبات ہوں گے، وہ دور کر دے گا، پھر ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں

لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

نے ہمیں اس (مقام تک پہنچنے) کا راستہ دکھایا۔ اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے۔ [1] واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے۔ اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ جو نیک اعمال تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں اِس جنت کے وارث بنائے گئے ہو ﴿43﴾ [2] اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے تو اس کو سچا پالیا ہے، بھلا تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، تم نے بھی اس کو سچا پایا؟ [3] وہ کہیں گے: ہاں، پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان میں پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو اُن ظالموں پر ﴿44﴾ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اُس میں کجی تلاش کرتے تھے

آئینے کی طرح صاف ہو جائیں گے، کسی کے بارے میں دل میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں رہے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اہل جنت کے درمیان درجات و منازل کا جو تفاوت ہوگا، اس پر وہ ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے۔ پہلے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور ان کے درمیان آپس کی جو زیادتیاں ہوں گی، ایک دوسرے کو ان کا بدلہ دیا دلایا جائے گا حتی کہ جب وہ بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت میں داخلے کی اجازت دے دی جائے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 2440) جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی رنجشیں ہیں جو سیاسی رقابت میں ان کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''مجھے امید ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (ابن كثير)

[1] یعنی یہ ہدایت جس سے ہمیں ایمان اور عمل صالح کی زندگی نصیب ہوئی اور پھر انھیں بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ بھی حاصل ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر یہ رحمت اور فضل الٰہی نہ ہوتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ اسی مفہوم کی یہ حدیث ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ رحمت الٰہی مجھے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6463، وصحيح مسلم، حديث: 71-(2816))

[2] یہ تصریح پچھلی بات اور حدیث مذکور کے منافی نہیں، اس لیے کہ نیک عمل کی توفیق بھی بجائے خود اللہ کا فضل و احسان ہے۔

[3] یہی بات نبی ﷺ نے جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے تھے اور ان کی لاشیں ایک کنویں میں پھینک دی گئی تھیں۔ انھیں خطاب کرتے ہوئے کہی تھی، جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جو ہلاک ہو چکے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں انھیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ اس وقت تم سے زیادہ سن رہے ہیں لیکن اب وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔''

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿45﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾

اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے ﴿45﴾ اور اُن دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی، [1] اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے، وہ لوگ [2] ہر ایک کو ان کے نشانات سے پہچانیں گے [3] اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے: السلام علیکم! ابھی یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اُس کے امیدوار ہوں گے ﴿46﴾ [4] اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھریں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو اُن ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر ﴿47﴾ اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو، جن کو ان کے نشانات سے پہچانیں گے، پکاریں گے اور کہیں گے کہ (آج) تمھاری جماعت اور تمھارا تکبر تمھارے کچھ کام نہ آیا ﴿48﴾ [5] کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ اِن پر [6] رحمت نہ کرے گا، اُن کو یوں حکم ہوگا کہ جاؤ جنت میں تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے ﴿49﴾

(صحیح البخاري، حدیث:3981,3980، وصحیح مسلم، حدیث: (2874)) مقتول کافروں کا یہ سننا، نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔

① ''ان دونوں کے درمیان'' سے مراد جنت ودوزخ کے درمیان یا کافروں اور مومنوں کے درمیان ہے۔ ﴿حِجَابٌ﴾ (آڑ) سے وہ فصیل (دیوار) مراد ہے جس کا ذکر سورۂ حدید میں ہے: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ (الحدید 13:57) ''پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔'' یہی اعراف کی دیوار ہے۔

② یہ کون ہوں گے؟ ان کی تعیین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ ان کی نیکیاں جہنم میں جانے سے اور برائیاں جنت میں جانے سے مانع ہوں گی اور یوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی فیصلہ ہونے تک وہ درمیان میں معلق رہیں گے۔

③ سِیمَا کے معنی علامت کے ہیں۔ جنتیوں کے چہرے روشن اور تروتازہ اور جہنمیوں کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ اس طرح وہ دونوں قسم کے لوگوں کو پہچان لیں گے۔

④ یہاں ﴿يَطْمَعُوْنَ﴾ کے معنی بعض لوگوں نے يَعْلَمُونَ کے کیے ہیں، یعنی ان کو علم ہوگا کہ وہ عنقریب جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔

⑤ یہ اہل دوزخ ہوں گے جن کو اصحاب الاعراف ان کی علامتوں سے پہچان لیں گے اور وہ اپنے جتھے اور دوسری چیزوں پر جو گھمنڈ کرتے تھے، اس کے حوالے سے انھیں یاد دلائیں گے کہ یہ چیزیں تمھارے کچھ کام نہ آئیں۔

⑥ اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جو دنیا میں غریب و مسکین اور مفلس و نادار قسم کے تھے جن کا استہزا مذکورہ متکبرین اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے محبوب ہوتے تو ان کا دنیا میں یہ حال ہوتا؟ پھر مزید جسارت کرتے ہوئے دعویٰ کرتے کہ قیامت

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ

اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۟ۙ﴿50﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ

فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿51﴾ وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ

فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ تَاْوِیْلُهٗ

اور دوزخ والے جنتِ والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔ جنت والے کہیں گے کہ اللہ نے دونوں چیزیں کافروں کے لیے حرام کر دی ہیں ﴿50﴾[1] جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو ہم (بھی) آج کے روز اُن کو ترک کر دیں گے جیسا کہ وہ اِس دن کو بھول گئے[2] اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿51﴾ اور ہم نے اُن لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے،[3] وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لائے ہیں ﴿52﴾ اُن لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اُس کے انجام کا انتظار

والے دن بھی اللہ کی رحمت ہم پر ہوگی (جس طرح دنیا میں ہو رہی ہے) نہ کہ ان پر۔ بعض نے اس کا قائل اصحاب الاعراف کو بتلایا ہے اور بعض کہتے ہیں: جب اصحاب الاعراف جہنمیوں کو یہ کہیں گے کہ "تمھارا جتھہ اور تمھارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تمھارے کچھ کام نہ آیا" تو اس وقت اللہ کی طرف سے جنتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ "یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان پر اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔" (تفسیر ابن کثیر)

① جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ کھانے پینے کی نعمتیں قیامت والے دن صرف اہل ایمان کے لیے ہوں گی۔ ﴿خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (الأعراف 32:7) یہاں اس کی مزید وضاحت جنتیوں کی زبان سے کر دی گئی ہے۔

② حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس قسم کے بندے سے کہے گا: "کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیے تھے؟ تجھے عزت و اکرام سے نہیں نوازا تھا؟ کیا اونٹ اور گھوڑے تیرے تابع نہیں کر دیے تھے؟ اور کیا تو سرداری کرتے ہوئے لوگوں سے چنگی وصول نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں؟ اے اللہ! یہ سب باتیں صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا تو میری ملاقات کا یقین رکھتا تھا؟ وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "پس جس طرح تو مجھے بھولا رہا، آج میں تجھے بھول جاتا ہوں۔" (صحیح مسلم، حدیث: 2968) قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کو لہو و لعب بنانے والے وہی ہوتے ہیں جو دنیا کے فریب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں سے چونکہ آخرت کی فکر اور اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، اس لیے وہ دین میں بھی اپنی طرف سے جو چاہتے ہیں، اضافہ کر لیتے ہیں اور دین کے جس حصے کو چاہتے ہیں، عملاً کالعدم کر دیتے ہیں یا انھیں کھیل کود کا رنگ دے دیتے ہیں، اس لیے دین میں اپنی طرف سے بدعات کا اضافہ کر کے انھی کو اصل اہمیت دینا (جیسا کہ اہل بدعت کا شیوہ ہے) یہ بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس سے دین کھیل تماشا بن کر رہ جاتا ہے اور احکام و فرائض پر عمل کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

③ یہ اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے ضمن میں ہی فرما رہا ہے کہ ہم نے تو اپنے علم کامل کے مطابق ایسی کتاب بھیج دی تھی جس میں ہر چیز کو کھول کر

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾ ع 6/13

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي

ہے،[1] جس روز اُس کا انجام سامنے آئے گا، اُس روز جو لوگ اُس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے، سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کر دے اور کیا ہم پھر واپس بھیجے جاسکتے ہیں تاکہ ہم لوگ اُن اعمال کے برخلاف، جن کو ہم کیا کرتے تھے، دوسرے اعمال کریں۔ بے شک اُن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور وہ جو جو باتیں تراشتے تھے، سب گم ہو گئیں ﴿53﴾[2] بے شک تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے،[3] پھر عرش پر قائم ہوا۔[4] وہ رات سے دن کو

بیان کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کی بدقسمتی ورنہ جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئے، وہ ہدایت و رحمت الٰہی سے فیض یاب ہوئے گویا ہم نے تو ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنی إسرآءیل 15:17) ''جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے، ہم عذاب نہیں دیتے۔'' کے مطابق اہتمام کر دیا تھا۔

① ﴿تَاْوِيْلَهٗ﴾ کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام، یعنی کتاب الٰہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔

② یعنی یہ جس انجام کے منتظر تھے، اس کے سامنے آجانے کے بعد اعتراف حق کرنے یا دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو اور کسی سفارشی کی تلاش، یہ سب بے فائدہ ہوں گی۔ وہ معبود بھی ان سے گم ہو جائیں گے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، وہ ان کی مدد کر سکیں گے نہ سفارش اور نہ عذاب جہنم سے چھڑا ہی سکیں گے۔

③ یہ چھ دن اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ہیں۔ سلسلۂ تخلیق اتوار سے شروع ہو کر جمعے تک جاری رہا، ہفتے کے دن عمل تخلیق قطع ہوا۔ اسی لیے اسے یَوْمُ السَّبْت کہا جاتا ہے کیونکہ سبت کے معنی قطع (کاٹنے) کے ہیں، یعنی اس دن تخلیق کا کام قطع ہو گیا، پھر اس دن سے کیا مراد ہے؟ ہماری دنیا کا دن جو طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس پر ختم ہو جاتا ہے۔ یا یہ دن ہزار سال کے برابر ہے؟ جس طرح کہ اللہ کے یہاں کے دن کی گنتی ہے یا جس طرح قیامت کے دن کے بارے میں آتا ہے۔ بظاہر یہ دوسری بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک تو اس وقت سورج چاند کا یہ نظام ہی نہیں تھا، آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ہی یہ نظام قائم ہوا۔ دوسرا، یہ عالم بالا کا واقعہ ہے جس کو دنیا سے کوئی نسبت نہیں ہے، اس لیے اس دن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم قطعیت کے ساتھ کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ تو لفظ کُنْ سے سب کچھ پیدا کر سکتا تھا، اس کے باوجود اس نے ہر چیز کو الگ الگ تدریج کے ساتھ بنایا۔ اس کی بھی اصل حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تاہم بعض علماء نے اس کی ایک حکمت لوگوں کو آرام، وقار اور تدریج کے ساتھ کام کرنے کا سبق دینا بتلائی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

④ اِسْتِوَاءٌ کے معنی علو اور استقرار کے ہیں۔ سلف نے بلا کیف و بلا تشبیہ یہی معنی مراد لیے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند اور مستقر ہے۔ لیکن کس طرح، کس کیفیت کے ساتھ، اسے ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کیفیت کا ہمیں علم ہی نہیں۔ نہ کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے

اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا

ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ رات اس دن کے پیچھے لپکی چلی آتی ہے [1] اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا، ایسے طور پر کہ سب اُس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو، اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے (54) تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی۔ واقعی اللہ اُن لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں (55) اور زمین کی اِصلاح کے بعد اس میں فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ سے ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت کی) امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے (56) [2] اور وہ ایسا ہے کہ اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں، [3] یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی

ہیں۔ نعیم بن حماد کا قول ہے کہ جو اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے، اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اللہ کی اپنے بارے میں بیان کردہ کسی بات کا انکار کیا، اس نے بھی کفر کیا اور اللہ کے بارے میں اس کی یا اس کے رسول کی بیان کردہ بات کو بیان کرنا تشبیہ نہیں ہے، اس لیے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں نص سے ثابت ہیں، ان پر بلا تاویل کیے اور بلا کیف وتشبیہ بیان کیے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

① ﴿حَثِيْثًا﴾ کے معنی ہیں: نہایت تیزی سے۔ اور مطلب ہے کہ ایک کے بعد دوسرا فوراً آجاتا ہے، یعنی دن کی روشنی آتی ہے تو رات کی تاریکی فوراً کافور ہو جاتی ہے اور رات آتی ہے تو دن کا اجالا ختم ہو جاتا ہے اور سب دور و نزدیک سیاہی چھا جاتی ہے۔

② ان آیات میں چار چیزوں کی تلقین کی گئی ہے: ① اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری اور خفیہ طریقے سے دعا کی جائے جس طرح کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ "لوگو! اپنے نفس کے ساتھ نرمی کرو (آواز پست رکھو) تم جس کو پکار رہے ہو، وہ بہرا ہے نہ غائب، وہ تمھاری دعائیں سننے والا اور قریب ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 6384، وصحيح مسلم، حديث: 44-(2704)) ② دعا میں زیادتی نہ کی جائے، یعنی دُعا میں تکلف نہ کیا جائے اور بے جا شرطیں نہ لگائی جائیں جیسا کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے بیٹے نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں اس میں داخل ہو جاؤں۔ ابن مغفل نے فرمایا: بیٹے! اللہ سے جنت مانگ اور جہنم سے اللہ کی پناہ طلب کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «سَيَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ» (سنن أبي داود، حديث: 96) "عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔" ③ اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلایا جائے، یعنی اللہ کی نافرمانیاں کر کے فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا جائے۔ ④ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں ہو اور اس کی رحمت کی امید بھی۔ اس طریقے سے دعا کرنے والے محسنین ہیں۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان کے قریب ہے۔

③ اپنی ربوبیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید مثالیں بیان فرما کر پھر اس سے اِحْيَاءِ مَوْتٰی کا اثبات فرما رہا ہے۔ ﴿بُشْرًا﴾

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿58﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

ہیں[1] تو ہم اُس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اُس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اُس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔[2] یوں ہی ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو ﴿57﴾[3] اور جو ستھری سرزمین ہوتی ہے۔ اُس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اُس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے،[4] اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو قدر کرتے ہیں ﴿58﴾ ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود ہونے کے قابل نہیں، یقیناً مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا

بشیر کی جمع ہے۔ رحمت سے مراد یہاں مطر (بارش) ہے، یعنی بارش سے پہلے وہ ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی نوید ہوتی ہیں۔

① بھاری بادل سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں۔

② ہر قسم کے پھل جو رنگوں میں، ذائقوں میں، خوشبوؤں میں اور شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

③ جس طرح ہم پانی کے ذریعے سے مردہ زمین میں روئیدگی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ انواع واقسام کے غلے اور پھل پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تمام انسانوں کو جو مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوں گے، ہم دوبارہ زندہ کریں گے، پھر ان کا حساب لیں گے۔

④ علاوہ ازیں یہ تمثیل بھی ہو سکتی ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ سے مراد سریع الفہم اور اَلْبَلَدُ الْخَبِيثُ سے کند ذہن، وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل اور اس کے برعکس دل۔ قلب مومن یا قلب منافق یا پاکیزہ انسان اور ناپاک انسان۔ مومن، پاکیزہ انسان اور وعظ ونصیحت قبول کرنے والا دل بارش کو قبول کرنے والی زمین کی طرح آیات الٰہی کو سن کر ایمان وعمل صالح میں مزید پختہ ہوتا ہے اور دوسرا دل اس کے برعکس شور زمین کی طرح ہے جو بارش کا پانی قبول ہی نہیں کرتی یا کرتی ہے تو برائے نام جس سے پیداوار بھی نکمی اور برائے نام ہوتی ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ نے جو علم وہدایت دے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ اس کے جو حصے زرخیز تھے، انھوں نے پانی کو اپنے اندر جذب کر کے چارہ اور گھاس خوب اگایا (بھرپور پیداوار دی) اور اس کے بعض حصے سخت تھے، جنھوں نے پانی کو تو روک لیا (اندر جذب نہیں ہوا) تاہم اس سے بھی لوگوں نے فائدہ اٹھایا، خود بھی پیا۔ کھیتیوں کو بھی سیراب کیا اور کاشت کاری کی اور زمین کا کچھ حصہ بالکل چٹیل تھا جس نے پانی روکا اور نہ کچھ اگایا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور اللہ نے مجھے جس چیز کے ساتھ بھیجا، اس سے اس نے نفع اٹھایا، پس خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور مثال اس شخص کی بھی ہے جس نے کچھ نہیں سیکھا اور نہ وہ ہدایت ہی قبول کی جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 79)

عَظِيْمٍ ﴿59﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿60﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿61﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿62﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾ ع وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ

اندیشہ ہے ﴿59﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے صریح غلطی میں دیکھتے ہیں ﴿60﴾ [1] انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی گمراہی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں ﴿61﴾ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے اُن امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو نہیں ﴿62﴾ اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمھاری ہی جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ [2] اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿63﴾ سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے ہی رہے تو ہم نے نوح کو اور اُن کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے، بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کو ہم نے غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے ﴿64﴾ [3] اور ہم نے قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی

① شرک اس طرح انسانی عقل کو ماؤف کر دیتا ہے کہ انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی، ہدایت نظر آتی ہے، چنانچہ قوم نوح کی بھی یہی قلب ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ گمراہ نظر آتے تھے ؂

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا　　　کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

② حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرنوں یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آ رہے تھے، پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالحین فوت ہو گئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیں اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکا دیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکر الٰہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انھوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنا دیے اور پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد یہ مجسمے بتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہو گئی اور قوم نوح کے یہ صالحین وَدّ، سُوَاع، یَغُوق، یَغُوث اور نَسر معبود بنا لیے گئے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جنھوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا۔ بالآخر اہل ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ قوم نوح نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ انھی میں سے ایک آدمی نبی بن کر آ گیا ہے جو انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے؟ یعنی ان کے خیال میں نبوت کے لیے ان جیسا عام انسان موزوں نہیں۔

③ یعنی حق کو دیکھتے تھے نہ اسے اپنانے کے لیے تیار تھے۔

هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿66﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿67﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿68﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ

ہود کو بھیجا[1] انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے ﴿65﴾ اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے انھوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں[2] اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں ﴿66﴾ انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿67﴾ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں ﴿68﴾ اور کیا تم اِس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت، جو تمھاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تا کہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم وہ حالت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ (بھی دوسروں سے) زیادہ دیا،[3] سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ﴿69﴾ اُنھوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اُن کو چھوڑ دیں،[4]

---

① یہ قوم عاد، عاد اولیٰ ہے جن کی رہائش یمن میں ریتلے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت وطاقت میں بے مثال تھی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جو اسی قوم کے ایک فرد تھے، نبی بن کر آئے۔

② یہ کم عقلی ان کے نزدیک یہ تھی کہ بتوں کو چھوڑ کر، جن کی عبادت ان کے آباء واجداد سے ہوتی آ رہی تھی، اللہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔

③ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا: ﴿لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝﴾ (الفجر 8:89) ”اس جیسی قوت والی قوم پیدا نہیں کی گئی۔“ اپنی اسی قوت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اس نے کہا: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ ”ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جس نے انھیں پیدا کیا ہے وہ ان سے بہت زیادہ قوت والا ہے“ (حٰمٓ السجدة 15:41)

④ آباء واجداد کی تقلید، ہر دور میں گمراہی کی بنیاد رہی ہے۔ قوم عاد نے بھی یہی ”دلیل“ پیش کی اور شرک چھوڑ کر توحید کا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی اپنے بڑوں کی تقلید کی یہ بیماری عام ہے۔ ان کا ایک طبقہ تو وہ ہے جو دین کا کچھ شعور رکھتا ہے۔ اور دینی علوم میں بھی اسے ایک حد تک دسترس حاصل ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی خاص فقہ اور متعین امام کی رائے کا پابند کر رکھا ہے۔ اور اس ”تقلید“ کو اپنے طور پر واجب قرار دیا ہوا ہے، حالانکہ سرے سے یہ حکم شرعی ہے ہی نہیں چہ جائیکہ

اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۲﴾ ع وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ

اگر تو سچا ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ ﴿۷۰﴾ [1] انھوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب [2] اور غضب آیا ہی چاہتا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو [3] جن کو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے؟ اُن کے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی، سو تم منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں ﴿۷۱﴾ غرض ہم نے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے ﴿۷۲﴾ [4] اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ [5]

یہ واجب ہو۔ اس تقلید نے ان مقلدین کو کئی سنتوں پر عمل کرنے سے روک رکھا ہے کیونکہ وہ سنتیں ان کی فقہ میں درج نہیں ہیں یا ان کے امام کو ان کا پتہ نہیں چلا جس کی بنا پر ان کی کتب میں وہ ہے ہی نہیں۔ ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو دینی شعور اور دینی علوم سے ہی بے بہرہ ہے۔ اس کا تو مذہب ہی رسم و رواج پرستی ہے، چنانچہ یہ طبقہ شادی ہو یا مرگ، ہر موقع پر جاہلانہ رسموں کی پابندی کرتا ہے اور بدعات پر عمل کرنے کو فرائض وسنن سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ان کے ہاں فرائض کا ترک عام ہے لیکن بدعات و رسومات کی پابندی کا غایت درجہ اہتمام۔ ''دلیل'' ان کی بھی یہی ہے کہ یہ کام ہمارے ''بڑے'' کرتے آئے ہیں۔ ﴿اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ﴾ (البقرة 2:170) ''اگرچہ ان کے باپ دادے کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے نہ وہ ہدایت پر ہی تھے۔'' هداهم الله تعالى.

① جس طرح قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کے جواب میں کہا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا، یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔'' یعنی شرک کرتے کرتے مشرک کی مت بھی ماری جاتی ہے، حالانکہ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ کہا جاتا: اے اللہ اگر یہ سچ ہے اور تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ بہر حال قوم عاد نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اگر تو سچا ہے تو اپنے اللہ سے کہہ جس عذاب سے وہ ڈراتا ہے، بھیج دے۔

② ﴿رِجۡسٌ﴾ کے معنی تو پلیدی اور عذاب کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رِجۡزٌ سے مقلوب (بدلا ہوا) ہے۔ جس کے معنی عذاب کے ہیں۔ یا پھر رِجۡسٌ یہاں ناراضی اور غضب کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر)

③ اس سے مراد وہ نام ہیں جو انھوں نے اپنے معبودوں کے رکھے ہوئے تھے، مثلاً: صداء، صمود، هباء وغیرہ جیسے قوم نوح کے پانچ بت تھے جن کے نام اللہ نے قرآن میں ذکر کیے ہیں اور جیسے مشرکین عرب کے بتوں کے نام تھے۔ لات، عزیٰ، منات، ہبل وغیرہ یا جیسے آج کل کے مشرکانہ عقائد واعمال میں ملوث لوگوں نے نام رکھے ہوئے ہیں، مثلاً: ''داتا گنج بخش'' ''خواجہ غریب نواز'' ''بابا فرید

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿74﴾

اُنھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمھارے لیے دلیل ہے، سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ تمھیں دردناک عذاب آ پکڑے گا ﴿73﴾ اور تم وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو [1] اور پہاڑوں کو تراش کر اُن میں گھر بناتے ہو، [2] سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ [3] ﴿74﴾

شکر گنج''، ''مشکل کشا'' وغیرہ جن کے معبود یا مشکل کشا و گنج بخش وغیرہ ہونے کی ان لوگوں کے پاس سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

④ اس قوم پر بادِ تند کا عذاب آیا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جاری رہا جس نے ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور یہ عادی، جنھیں اپنی قوت پر بڑا ناز تھا، ان کے لاشے کھجور کے کٹے ہوئے تنوں کی طرح زمین پر پڑے نظر آتے تھے۔ (دیکھیے سورۂ حاقہ 69: 6-8، سورۂ ہود 11: 56,53 اور سورۂ احقاف 46: 25,24 وغیرھا من الآیات)

⑤ ثَمُوْدَ: حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کا ان کے مساکن اور وادی سے گزر ہوا جس پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''معذب قوموں کے علاقے سے گزرو تو روتے ہوئے، یعنی عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے ہوئے گزرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 433، وصحيح مسلم، حديث: 38-(2980)) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ عاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ بعض روایات میں ہے، انھوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال کر دکھائی جائے جسے نکلتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرما دی۔ (تفسير ابن أبي حاتم، وتفسير الطبري) اس اونٹنی کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی کہ اسے بری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے ورنہ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے لیکن ظالموں نے اس اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انھیں چنگھاڑ (صَيْحَة، سخت چیخ اور رَجْفَة، زلزلہ) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

① اس کا مطلب ہے کہ نرم زمین سے مٹی لے لے کر اینٹیں تیار کرتے ہو اور ان اینٹوں سے محل، جیسے آج بھی بھٹوں پر اسی طرح مٹی سے اینٹیں تیار کی جاتی ہیں۔

② یہ ان کی قوت، صلابتِ بدن اور مہارتِ فن کا اظہار ہے۔

③ یعنی ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو، نہ کہ کفرانِ نعمت اور معصیت کا ارتکاب کر کے فساد پھیلاؤ۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿75﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿76﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿77﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿78﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿79﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿80﴾

اُن کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انھوں نے غریب لوگوں سے جو کہ اُن میں سے ایمان لے آئے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اِس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کا رسول ہے؟ انھوں نے کہا: بلاشبہ ان کو جو کچھ دے کر بھیجا گیا ہم اس پر یقین رکھتے ہیں ﴿75﴾[1] وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس بات پر یقین لائے ہوئے ہو، ہم تو اُس کے منکر ہیں ﴿76﴾[2] پس اُنھوں نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تو رسول ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا تھا، وہ لے آ ﴿77﴾ پس اُن کو زلزلے نے آ پکڑا[3] اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے ﴿78﴾ اُس وقت (صالح) اُن سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے[4] کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ﴿79﴾ اور ہم نے لوط کو بھیجا[5] جب کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا ﴿80﴾

① یعنی جو دعوت وہ لے کر آئے ہیں، وہ چونکہ فطرت کی آواز ہے، ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ صالح واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ جو ان کا سوال تھا، اس سے ان اہل ایمان نے تعرض ہی نہیں کیا کیونکہ ان کے رسول من اللہ ہونے کو وہ بحث کے قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کیونکہ فی الواقع ان کی رسالت ایک مسلمہ حقیقت وصداقت تھی۔

② اس معقول جواب کے باوجود وہ اپنے استکبار اور انکار پر اڑے رہے۔

③ یہاں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ (زلزلے) کا ذکر ہے۔ دوسرے مقام پر صَیْحَة (چیخ) کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قسم کا عذاب ان پر آیا۔ اوپر سے سخت چیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

④ یہ یا تو ہلاکت سے قبل کا خطاب ہے یا پھر ہلاکت کے بعد اسی طرح کا خطاب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر ختم ہونے کے بعد قلیب بدر میں پھینکے گئے مشرکین کی لاشوں سے خطاب فرمایا تھا۔

⑤ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے، پھر خود ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے میں نبی بنا کر بھیجا۔ یہ علاقہ اردن اور بیت المقدس کے درمیان تھا جسے سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ زمین سرسبز وشاداب تھی اور یہاں ہر طرح کے غلے اور پھلوں کی کثرت تھی۔ قرآن نے اس جگہ کو مُؤتَفِكَة اور مُؤتَفِكَات کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں اولاً دعوت توحید دی، دوسری بڑی خرابی، قوم لوط میں تھی، یعنی مردوں کے ساتھ بدفعلی، اس کی شناعت وقباحت بیان

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو[1] عورتوں کو چھوڑ کر[2] بلکہ تم تو حد ہی سے گزر گئے ہو﴿81﴾[3] اور اُن کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، سوائے اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ اِن لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنے پھرتے ہیں﴿82﴾[4] سو ہم نے لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیا بجز اُن کی بیوی کے کہ وہ اُن ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے ﴿83﴾[5] اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ[6] برسایا، پس دیکھو تو سہی اُن

فرمائی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جسے دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم لوط نے کیا، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ پہلے قوم کو اس جرم کی خطرناکی سے آگاہ کیا جائے۔ لواطت کی سزا میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی وہی سزا ہے جو زنا کی ہے، یعنی مجرم اگر شادی شدہ ہو تو رجم، غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑے۔ بعض کے نزدیک اس کی سزا رجم ہے چاہے مجرم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور بعض کے نزدیک فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دینا چاہیے، البتہ امام ابوحنیفہ تعزیر کے قائل ہیں، حد مذکورہ کے نہیں۔ (تحفة الأحوذي:625/4)

① یعنی مردوں کے پاس تم اس بے حیائی کے کام کے لیے محض شہوت رانی کی غرض سے آتے ہو، اس کے علاوہ تمھاری اور کوئی غرض ایسی نہیں ہوتی جو موافق عقل ہو۔ یہ جرم سب سے پہلے اسی قوم نے شروع کیا تھا حتیٰ کہ جانور بھی اس فعل قبیح سے اجتناب کرتے ہیں۔

② جو قضائے شہوت کا اصل محل اور حصول لذت کی اصل جگہ ہے۔ یہ ان کی فطرت کے مسخ ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے مرد کی جنسی لذت کی تسکین کے لیے عورت کو اس کا محل اور موضع بنایا ہے اور ان ظالموں نے اس سے تجاوز کر کے مرد کی دبر کو اس کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

③ لیکن اب اسی فطرت صحیحہ سے انحراف اور حدود الٰہی سے تجاوز کو مغرب کی ''مہذب'' قوموں نے اختیار کر لیا ہے تو یہ انسانوں کا ''بنیادی حق'' قرار پا گیا ہے جس سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے، چنانچہ اب وہاں لواطت کو قانونی تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ سرے سے جرم ہی نہیں رہا۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

④ یہ حضرت لوط کو بستی سے نکالنے کی علت ہے۔ باقی ان کی پاکیزگی کا اظہار تو حقیقت کے طور پر ہے اور مقصد ان کا یہ ہوا کہ یہ لوگ اس برائی سے بچنا چاہتے ہیں، اس لیے بہتر ہے کہ یہ ہمارے ساتھ ہماری بستی ہی میں نہ رہیں یا استہزا اور تمسخر کے طور پر انھوں نے ایسا کہا۔

⑤ إِنَّهَا كَانَتْ مِنَ الْبَاقِينَ فِي عَذَابِ اللّٰهِ، یعنی وہ ان لوگوں میں باقی رہ گئی جن پر اللہ کا عذاب آیا کیونکہ وہ بھی مسلمان نہیں تھی اور اس کی ہمدردیاں بھی مجرمین کے ساتھ تھیں۔ بعض نے اس کا ترجمہ ''ہلاک ہونے والوں میں سے'' کیا ہے۔ لیکن یہ لازمی معنی ہیں اصل معنی وہی ہیں۔

⑥ یہ خاص طرح کا مینہ کیا تھا؟ پتھروں کا مینہ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴾ (ہود 82:11) ''ہم نے ان پر تہ بہ تہ پتھروں کی بارش برسائی۔'' اس سے پہلے فرمایا: ﴿ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ﴾ ''ہم نے اس بستی کو

ع 10 12 17

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿85﴾
وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿86﴾ وَاِنْ

مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟﴿84﴾ [1] اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔[2] اُنھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے، پس تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم کر کے مت دو[3] اور زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد مت پھیلاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم واقعی مومن ہو﴿85﴾ اور تم سڑکوں پر اِس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والے کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور اُس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو۔[4] اور اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے، پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے﴿86﴾ اگر تم میں

(الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔"

① یعنی اے محمد! دیکھیے تو سہی، جو لوگ علانیہ اللہ کی معاصی کا ارتکاب اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟

② مدین حضرت ابراہیم کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا، پھر انھی کی نسل پر مبنی قبیلے کا نام بھی مدین اور جس بستی میں یہ رہائش پذیر تھے، اس کا نام بھی مدین پڑ گیا۔ یوں اس کا اطلاق قبیلے اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ بستی حجاز کے راستے میں "معان" کے قریب ہے۔ انھی کو قرآن میں دوسرے مقام پر ﴿ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ﴾ (بن کے رہنے والے) بھی کہا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب نبی بنا کر بھیجے گئے۔ (دیکھیے سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ)

ملحوظہ: ہر نبی کو اس قوم کا بھائی کہا گیا ہے، جس کا مطلب اسی قوم اور قبیلے کا فرد ہے، جس کو بعض جگہ ﴿ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ یا ﴿ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور مطلب ان سب کا یہ ہے کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے چن لیتا ہے اور وحی کے ذریعے سے اس پر اپنی کتاب اور احکام نازل فرماتا ہے۔

③ دعوت توحید کے بعد، اس قوم میں ناپ تول میں کمی کی جو بڑی خرابی تھی، اس سے اسے منع فرمایا اور پورا پورا ناپ اور تول کر دینے کی تلقین کی۔ یہ کوتاہی بھی بہت خطرناک ہے جس سے اس قوم کی اخلاقی پستی اور گراوٹ کا پتہ چلتا ہے جس کے اندر یہ ہو۔ یہ بدترین خیانت ہے کہ پیسے پورے لیے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ اسی لیے سورۂ مطففین میں ایسے لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔

④ اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اللہ کے راستے میں کجیاں تلاش کرنا۔ یہ ہر دور کے نافرمانوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے جس کے نمونے آج کل کے متجددین اور فرنگیت زدہ لوگوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ. علاوہ ازیں راستے میں بیٹھنے کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لوگوں کو ستانے کے لیے بیٹھنا، جیسے عام طور پر اوباش قسم کے لوگوں کا شیوہ ہے۔ یا حضرت شعیب علیہ السلام

كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِيۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا‌ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿87﴾

سے ایک گروہ اس (تعلیم) پر ایمان لے آیا ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿87﴾ [1]

کی طرف جانے والے راستوں میں بیٹھنا تا کہ ان کے پاس جانے والوں کو روکیں اور ان سے انھیں بدظن کریں، جیسے قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے والوں سے کرتے تھے یا دین کے راستوں پر بیٹھنا اور اس راہ پر چلنے والوں کو روکنا۔ یوں لوٹ مار کی غرض سے ناکوں پر بیٹھنا تا کہ آنے جانے والوں کا مال سلب کر لیں۔ یا بعض کے نزدیک محصول اور چنگی وصول کرنے کے لیے ان کا راستوں پر بیٹھنا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے ہی مفہوم صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ یہ سب کچھ کرتے ہوں۔ (فتح القدير)

[1] یہ کفر پر صبر کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کے لیے تہدید اور سخت وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اہل حق کا اہل باطل پر فتح و غلبہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ﴾ (التوبة 9:52) ''پس تم بھی انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔''

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَاؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿88﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَاؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَاؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًاؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَاؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿89﴾

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ! ہم آپ کو اور جو آپ کے ہمراہ ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ۔[1] شعیب نے جواب دیا کہ کیا ہم تمھارے دین میں آجائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں ﴿88﴾[2] ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمھارے دین میں آجائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی۔[3] اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ تمھارے دین میں واپس آجائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔[4] ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے، ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔[5] اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ﴿89﴾[6]

---

[1] ان سرداروں کے تکبر اور سرکشی کا اندازہ کیجیے کہ انھوں نے ایمان و توحید کی دعوت ہی کو رد نہیں کیا بلکہ اس سے بھی تجاوز کر کے اللہ کے پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو دھمکی دی کہ یا تو اپنے آبائی مذہب پر واپس آجاؤ، نہیں تو ہم تمھیں یہاں سے نکال دیں گے۔ اہل ایمان کے اپنے سابق مذہب کی طرف واپسی کی بات تو قابل فہم ہے کیونکہ انھوں نے کفر چھوڑ کر ایمان اختیار کیا تھا۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی آبائی ملت کی طرف لوٹنے کی دعوت اس لحاظ سے تھی کہ وہ انھیں بھی نبوت اور تبلیغ و دعوت سے پہلے اپنا ہم مذہب ہی سمجھتے تھے، گو حقیقتاً ایسا نہ ہو۔ یا بطور تَغْلِیب انھیں بھی شامل کر لیا ہو۔

[2] یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ حالیہ ہے، یعنی کیا تم ہمیں اپنے مذہب کی طرف لوٹاؤ گے یا ہمیں اپنی بستی سے نکال دو گے، درآں حالیکہ ہم اس مذہب کی طرف لوٹنا اور اس بستی سے نکلنا پسند نہ کرتے ہوں؟ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ تم ہمیں ان میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے پر مجبور کرو۔

[3] یعنی اگر ہم دوبارہ اس آبائی دین کی طرف لوٹ آئے جس سے اللہ نے ہمیں نجات دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایمان و توحید کی دعوت دے کر اللہ پر جھوٹ باندھا تھا؟ مطلب یہ تھا کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری طرف سے ایسا ہو۔

[4] اپنا عزم ظاہر کرنے کے بعد معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد کر دیا، یعنی ہم تو اپنی رضامندی سے اب کفر کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں، اگر اللہ چاہے تو بات اور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ مفروضے کے طور پر ہے، یعنی تمھارے جبر و اکراہ سے تو ہم کفر اختیار نہیں کر سکتے۔ ہاں، بالفرض اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی (معاذ اللہ) یہی ہو تو دوسری بات ہے۔

[5] کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت رکھے گا اور ہمارے اور کفر و اہل کفر کے درمیان حائل رہے گا، ہم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمائے گا اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

[6] اللہ جب فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ یہی ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچا کر مُکَذِّبِین اور مُسْتَکْبِرِین کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ گویا

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿90﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿91﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

ع 11/9/1

اوران کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلو گے تو بے شک بڑا نقصان اٹھاؤ گے ﴿90﴾[1] پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے ﴿91﴾[2] جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔[3] جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، وہی خسارے میں پڑ گئے ﴿92﴾[4] اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیے تھے اور میں نے تمھاری خیر خواہی کی، پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں ﴿93﴾[5] اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف میں پکڑا، تاکہ وہ گڑگڑائیں ﴿94﴾[6] پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے

عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ ہے۔

① اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنا اور ناپ تول میں کمی نہ کرنا، یہ ان کے نزدیک خسارے والی بات تھی، درآں حالیکہ ان دونوں باتوں میں ان ہی کا فائدہ تھا۔ لیکن دنیا والوں کی نظر میں تو نفع عاجل (دنیا میں فوراً حاصل ہو جانے والا نفع) ہی سب کچھ ہوتا ہے جو ناپ تول میں ڈنڈی مار کر انھیں حاصل ہو رہا تھا، وہ اہل ایمان کی طرح آخرت کے نفع آجل (دیر میں ملنے والے نفع) کے لیے اسے کیوں چھوڑتے؟

② یہاں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ (زلزلہ) کا لفظ آیا ہے اور سورۂ ہود، آیت:94 میں ﴿الصَّيْحَةُ﴾ (چیخ) کا لفظ ہے اور سورۂ شعراء، آیت:189 میں ﴿الظُّلَّةِ﴾ (بادل کا سایہ) کے الفاظ ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذاب میں ساری ہی چیزوں کا اجتماع ہوا، یعنی سائے والے دن ان پر عذاب آیا۔ پہلے بادل نے ان پر سایہ کیا جس میں شعلے، چنگاریاں اور آگ کے بھبوکے تھے، پھر آسمان سے سخت چیخ آئی اور زمین سے بھونچال، جس سے ان کی روحیں نکل گئیں اور بے جان لاشے ہو کر پرندوں کی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔

③ یعنی جس بستی سے یہ اللہ کے رسول اور ان کے پیروکاروں کو نکالنے پر تلے ہوئے تھے، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہونے کے بعد ایسے ہو گئے جیسے وہ یہاں رہتے ہی نہ تھے۔

④ یعنی خسارے میں وہی لوگ رہے جنھوں نے پیغمبر کی تکذیب کی، نہ کہ پیغمبر اور ان پر ایمان لانے والے۔ اور خسارہ بھی دونوں جہانوں میں۔ دنیا میں بھی ذلت کا عذاب چکھا اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ عذاب شدید ان کے لیے تیار ہے۔

⑤ عذاب و تباہی کے بعد جب وہ وہاں سے چلے تو انھوں نے وفور جذبات میں یہ باتیں کہیں۔ اور ساتھ ہی کہا کہ جب میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا تو اس کے باوجود اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے رہے تو اب میں ایسے لوگوں پر افسوس کروں تو کیوں کروں؟

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿95﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿97﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ع 12/6/2 اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ

کہ ہمارے آباء واجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھی تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا[1] اور ان کو خبر بھی نہ تھی ﴿95﴾ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ﴿96﴾ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آپڑے جس وقت وہ سوتے ہوں ﴿97﴾ اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جس وقت کہ وہ اپنے کھیلوں میں مشغول ہوں ﴿98﴾ کیا پس وہ اللہ کی اس پکڑ سے بے فکر ہو گئے۔ سو اللہ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا ﴿99﴾[2] اور کیا ان لوگوں کو جو زمین

⑥ ﴿بِالْبَاْسَآءِ﴾ وہ تکلیفیں جو انسان کے بدن کو لاحق ہوں، یعنی بیماری اور ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ سے مراد فقر و تنگ دستی۔ مطلب یہ ہے کہ جس کسی بستی میں بھی ہم نے رسول بھیجا، انھوں نے اس کی تکذیب کی جس کی پاداش میں ہم نے ان کو بیماری اور محتاجی میں مبتلا کر دیا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑائیں۔

① یعنی فقر و بیماری کے ابتلا سے بھی جب ان کے اندر رجوع الی اللہ کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تو ہم نے ان کی تنگ دستی کو خوش حالی سے اور بیماری کو صحت و عافیت سے بدل دیا تا کہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ لیکن اس انقلاب حال سے بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی اور انھوں نے کہا کہ یہ تو ہمیشہ ہی سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ کبھی تنگی آگئی، کبھی خوش حالی، کبھی بیماری تو کبھی صحت، کبھی فقیری تو کبھی امیری، یعنی تنگ دستی کا پہلا علاج ان کے لیے مؤثر ثابت ہوا نہ خوش حالی ان کے اصلاح احوال کے لیے کارگر ثابت ہوئی۔ وہ اسے لیل و نہار کی گردش ہی سمجھتے رہے اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت الٰہی اور اس کے ارادے کو سمجھنے میں ناکام رہے تو پھر ہم نے انھیں اچانک اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔ اسی لیے حدیث میں مومنوں کا معاملہ اس کے برعکس بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ آرام و راحت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور تکلیف پہنچنے پر صبر سے کام لیتے ہیں، یوں دونوں ہی حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر کا باعث ہوتی ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2999)

② ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان و تقویٰ ایسی چیز ہے کہ جس بستی کے لوگ اسے اپنا لیں تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی حسب ضرورت انھیں آسمان سے بارش مہیا فرماتا ہے اور زمین اس سے سیراب ہو کر خوب پیداوار دیتی ہے۔ نتیجتاً خوش حالی و فراوانی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس تکذیب اور کفر کا راستہ اختیار کرنے پر قومیں اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھہر جاتی ہیں، پھر پتہ نہیں ہوتا کہ شب و روز کی کس گھڑی میں عذاب آجائے اور ہنستی کھیلتی بستیوں کو آن واحد میں کھنڈر بنا کر رکھ دے، اس لیے اللہ کی ان تدبیروں سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اس بے خوفی کا نتیجہ سوائے

يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿101﴾ وَمَا وَجَدْنَا

کے وارث ہوئے، وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ان واقعاتِ مذکورہ نے یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں، پس وہ نہ سن سکیں ﴿100﴾ [1] ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے، [2] پھر جس چیز کو انھوں نے ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا، یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے، [3] اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے ﴿101﴾ اور اکثر لوگوں میں

خسارے کے اور کچھ نہیں۔ ﴿مَكْرَ﴾ کے مفہوم کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ۔

① یعنی گناہوں کے نتیجے میں عذاب ہی نہیں آتا، دلوں پر بھی قفل لگ جاتے ہیں، پھر بڑے بڑے عذاب بھی انھیں خواب غفلت سے بیدار نہیں کر پاتے۔ دیگر بعض مقامات کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں کو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کیا، ہم چاہیں تو تمھیں بھی تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ مسلسل گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی آواز کے لیے ان کے کان بند ہو جاتے ہیں، پھر انذار اور وعظ و نصیحت ان کے لیے بیکار ہو جاتے ہیں۔ آیت میں ہدایت تَبَيُّن (وضاحت) کے معنی میں ہے، اسی لیے لام کے ساتھ متعدی ہے۔ ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ﴾ یعنی کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔

② جس طرح گزشتہ صفحات میں چند انبیاء کا ذکر گزرا۔ ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ سے مراد دلائل و براہین اور معجزات دونوں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے جب تک ہم نے حجت تمام نہیں کر دی، ہم نے انھیں ہلاک نہیں کیا کیونکہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (بنیٓ إسرآءیل 15:17) ”جب تک ہم رسول نہیں بھیج دیتے، عذاب نازل نہیں کرتے۔“

③ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یوم میثاق کو جب ان سے عہد لیا گیا تھا تو یہ اللہ کے علم کے مطابق ایمان لانے والے نہ تھے، اس لیے جب ان کے پاس رسول آئے تو یہ لوگ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایمان نہیں تھا جسے اللہ نے اپنے علم کے مطابق لکھ دیا تھا جس کو حدیث میں «فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ» ”ہر کسی کے لیے وہ کام آسان ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 4949) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لائے کہ وہ اس سے قبل حق کی تکذیب کر چکے تھے۔ گویا ابتداءً جس چیز کی وہ تکذیب کر چکے تھے، یہی گناہ ان کے عدم ایمان کا سبب بن گیا اور ایمان لانے کی توفیق ان سے سلب کر لی گئی، اسی کو اگلے جملے میں مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے: ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○﴾ (الأنعام 110,109:6) ”اور تمھیں کیا معلوم؟ یہ تو ایسے (بدبخت) ہیں کہ ان کے پاس نشانیاں بھی آ جائیں، تب بھی ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے۔“

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿103﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿107﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿108﴾ ع 13/9 قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿109﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿110﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ

ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا[1] اور ہم نے اکثر لوگوں کو فاسق ہی پایا﴿102﴾ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا،[2] مگر ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھیے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا؟[3] ﴿103﴾ اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں ﴿104﴾ میرا فرضِ منصبی ہے کہ سچ کے سوا اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں،[4] سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے[5] ﴿105﴾ فرعون نے کہا: اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجیے! اگر آپ سچے ہیں ﴿106﴾ پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکایک وہ صاف ایک اژدھا بن گیا﴿107﴾ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہوگیا[6] ﴿108﴾ قومِ فرعون میں جو سردار لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے﴿109﴾[7] یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمھاری سرزمین سے باہر کردے تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ ﴿110﴾ انھوں نے کہا کہ آپ

[1] اس سے بعض نے عہدِ اَلَسْتُ، جو عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا، بعض نے عذاب ٹالنے کے لیے پیغمبروں سے جو عہد کرتے تھے، وہ عہد اور بعض نے عام عہد مراد لیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے کرتے تھے۔ اور یہ عہد شکنی، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہو، فسق ہی ہے۔

[2] یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو مذکورہ انبیاء کے بعد آئے جو جلیل القدر پیغمبر تھے، جنھیں فرعون مصر اور اس کی قوم کی طرف دلائل و معجزات دے کر بھیجا گیا تھا۔

[3] یعنی انھیں غرق کر دیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

[4] جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ رسول ہوں۔ اس معجزے اور بڑی دلیل کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے۔

[5] بنی اسرائیل، جن کا اصل مسکن شام کا علاقہ تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فرعون نے ان کو غلام بنا لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا، جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ فرعون اور اس کے درباری امراء نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ دوسرا مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ یہ اپنے آبائی مسکن میں جا کر عزت و احترام کی زندگی گزاریں اور اللہ کی عبادت کریں۔

[6] یعنی اللہ تعالیٰ نے جو دو بڑے معجزے انھیں عطا فرمائے تھے، اپنی صداقت کے لیے انھیں پیش کر دیا۔

[7] معجزے دیکھ کر، ایمان لانے کی بجائے، فرعون اور اس کے درباریوں نے اسے جادو قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے

وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿111﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿112﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ

اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجیے ﴿111﴾ کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لاکر حاضر کردیں ﴿112﴾ [1] اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ ﴿113﴾ فرعون نے کہا کہ ہاں اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤ گے ﴿114﴾ [2] ان ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ! خواہ آپ ڈالیے اور یا ہم ہی ڈالیں؟ ﴿115﴾ [3] موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو، [4] پس جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا

جس سے اس کا مقصد تمھاری حکومت ختم کرنا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا زور اور اس کا عام چلن تھا، اس لیے انھوں نے معجزات کو جن میں سرے سے انسان کا دخل ہی نہیں ہوتا، خالص اللہ کی مشیت سے ظہور میں آتے ہیں، جادو بتایا۔ تاہم اس عنوان سے فرعون اور اس کے درباریوں کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قوم فرعون کو بہکانے کا موقع مل گیا۔

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو بھی انھوں نے جادو سمجھا اور جادو کے ذریعے سے اس کا توڑ مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہماری زمین سے نکال دے۔ پس ہم بھی اس جیسا جادو تیرے مقابلے میں لائیں گے، اس کے لیے کسی ہموار جگہ اور وقت کا ہم تعین کرلیں جس کی دونوں پابندی کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ نوروز کا دن اور چاشت کا وقت ہے، اس حساب سے لوگ جمع ہوجائیں۔'' (طٰہٰ 20:57-59)

[2] جادوگر چونکہ طالب دنیا تھے، دنیا کمانے کے لیے ہی شعبدہ بازی کا فن سیکھتے تھے، اس لیے انھوں نے موقع غنیمت جانا کہ اس وقت تو بادشاہ کو ہماری ضرورت لاحق ہوئی ہے، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کی جائے، چنانچہ انھوں نے اپنا مطالبۂ اجرت، کامیابی کی صورت میں پیش کردیا، جس پر فرعون نے کہا کہ اجرت ہی نہیں بلکہ تم میرے مقربین میں بھی شامل ہوجاؤ گے۔

[3] جادوگروں نے یہ اختیار اپنے آپ پر مکمل اعتماد کرنے کی وجہ سے دیا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ہمارے جادو کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ، جسے وہ ایک کرتب ہی سمجھتے تھے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کا موقع دے بھی دیا تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، ہم اس کے کرتب کا توڑ بہرصورت مہیا کرلیں گے۔

[4] لیکن موسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی تائید انھیں حاصل تھی، اس لیے انھیں اپنے اللہ کی مدد کا یقین تھا، لہٰذا انھوں نے بغیر کسی خوف اور تامل کے جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم جو دکھانا چاہتے ہو، دکھاؤ۔ علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ جادوگروں کے پیش کردہ جادو کا توڑ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزانہ انداز میں پیش ہوگا تو یہ لوگوں کے لیے زیادہ متاثر کن ہوگا جس سے ان کی صداقت واضح تر ہوگی اور لوگوں کے لیے ایمان لانا آسان ہوجائے گا

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا

اور ان کو دہشت زدہ کر دیا اور ایک طرح کا بہت بڑا جادو بنا لائے (116)[1] اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈال دیجیے! سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا (117)[2] پس حق ظاہر ہو گیا اور انھوں نے جو کچھ بنایا تھا، سب جاتا رہا (118) پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہو کر پھرے (119) اور وہ جو ساحر تھے سجدے میں گر گئے (120) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر (121)[3] جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے (122)[4] فرعون کہنے لگا کہ تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو بغیر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بیشک یہ ایک سازش تھی جو تم نے اس شہر میں کی تا کہ تم سب اس شہر سے یہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو۔ سو اب تم کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے (123)[5] میں تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (124)[6] انھوں نے

① بعض آثار میں بتایا گیا ہے کہ یہ جادوگر 70 ہزار کی تعداد میں تھے۔ بظاہر یہ تعداد مبالغے سے خالی نہیں جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی میدان میں پھینکی جو دیکھنے والوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ گویا بزعم خویش بہت بڑا جادو تھا جو انھوں نے پیش کیا۔

② لیکن یہ جو کچھ بھی تھا، ایک تخیل، شعبدہ بازی اور جادو تھا جو حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی ڈالتے ہی سب کچھ ختم ہو گیا اور لاٹھی نے ایک خوفناک اژدھے کی شکل اختیار کر کے سب کچھ نگل لیا۔

③ جادوگروں نے، جو جادو کے فن اور اس کی اصل حقیقت کو جانتے تھے، یہ دیکھا تو سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ یہاں پیش کیا ہے، جادو نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی مدد ہی سے اس نے یہ معجزہ پیش کیا ہے۔ جس نے آن واحد میں ہم سب کے کرتبوں پر پانی پھیر دیا، چنانچہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ باطل، باطل ہے، چاہے اس پر کتنے ہی حسین غلاف چڑھا لیے جائیں اور حق، حق ہے، چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیے جائیں، تاہم حق کا ڈنکا بج کر رہتا ہے۔

④ سجدے میں گر کر انھوں نے رب العالمین پر ایمان لانے کا اعلان کیا جس سے فرعونیوں کو مغالطہ ہو سکتا تھا کہ یہ سجدہ فرعون کو کیا گیا ہے جس کی ربوبیت کے وہ قائل تھے، اس لیے انھوں نے موسیٰ اور ہارون کا رب کہہ کر واضح کر دیا کہ یہ سجدہ ہم جہانوں کے رب ہی کو کر رہے ہیں۔ لوگوں کے خود ساختہ کسی رب کو نہیں۔

⑤ یہ جو کچھ ہوا، فرعون کے لیے بڑا حیران کن اور تعجب زا تھا، اس لیے اسے اور تو کچھ نہیں سوجھا، اس نے یہی کہہ دیا کہ تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو اور اس کا مقصد ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہے۔ اچھا! اس کا انجام عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔

⑥ یعنی دایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ، پھر یہی نہیں، سولی پر چڑھا کر تمھیں نشان عبرت بھی بنا دوں گا۔

اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿125﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿126﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿127﴾ قَالَ

جواب دیا کہ ہم مر کر اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے ﴿125﴾ [1] اور تو نے ہم میں کون سا عیب دیکھا ہے، بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے، [2] جب وہ ہمارے پاس آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما [3] اور ہماری جان حالتِ اسلام پر نکال ﴿126﴾ [4] اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں، [5] اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں۔ [6] فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر ہر طرح کا زور ہے ﴿127﴾ [7] موسیٰ نے

---

① اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کرے گا تو تجھے بھی اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے اس جرم کی سخت سزا دے گا، اس لیے کہ ہم سب کو مر کر اسی کے پاس جانا ہے، اس کی سزا سے کون بچ سکتا ہے؟ گویا فرعون کے عذابِ دنیا کے مقابلے میں اسے عذاب آخرت سے ڈرایا گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ موت تو ہمیں آنی ہی آنی ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا کہ موت سولی پر آئے یا کسی اور طریقے سے؟

② یعنی تیرے نزدیک ہمارا یہی عیب ہے جس پر تو ہم سے ناراض ہو گیا ہے اور ہمیں سزا دینے پر تل گیا ہے، درآں حالیکہ یہ سرے سے عیب ہی نہیں ہے۔ یہ تو خوبی ہے، بہت بڑی خوبی کہ جب حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو کر آ گئی تو ہم نے اس کے مقابلے میں تمام دنیاوی مفادات ٹھکرا دیے اور حقیقت کو اپنا لیا، پھر انھوں نے اپنا روئے سخن فرعون سے پھیر کر اللہ کی طرف کر لیا اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہو گئے۔

③ تاکہ ہم تیرے اس دشمن کے عذاب کو برداشت کر لیں اور حق میں مُتَصَلِّب اور ایمان پر ثابت قدم رہیں۔

④ اس دنیاوی آزمائش سے ہمارے اندر ایمان سے انحراف آئے نہ کسی اور فتنے میں ہم مبتلا ہوں۔

⑤ یہ ہر دور کے مفسدین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اللہ والوں کو فسادی اور ان کی دعوت ایمان و توحید کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرعونیوں نے بھی یہی کہا۔

⑥ فرعون کو بھی اگرچہ دعوائے ربوبیت تھا، وہ کہا کرتا تھا ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ”میں تمھارا بڑا رب ہوں۔“ لیکن دوسرے چھوٹے چھوٹے معبود بھی تھے جن کے ذریعے سے لوگ فرعون کا تقرب حاصل کرتے تھے۔

⑦ ہمارے اس انتظام میں یہ رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ قتل ابناء (بیٹوں کے قتل کرنے) کا یہ پروگرام دوبارہ بنایا گیا۔ پہلی بار قتل کا منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کے وجود سے بچنے کے لیے تھا مگر اللہ نے اس کی تدبیر کو خود اسی پر الٹا کر دیا۔ جب یہ تدبیر کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود فرعون کے محل میں پہنچوا کر اسی کی گود میں ان کی پرورش کروائی۔ دوسری یہ بار ہے، اور اس وقت اس کا مقصد بنی اسرائیل کو ذلیل و خوار اور اپنے قہر کو جکڑ دینا تھا، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر کے اس کی ناک خاک سے بھر کر اور بنو اسرائیل کو محلات اور باغوں کا وارث بنا کر نقیض مقصود بنا دیا۔ (ابن کثیر) فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿128﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿129﴾ ع وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿130﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

15
3
5

اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، یہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنادے اور اخیر کامیابی ان ہی کی ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں﴿128﴾[1] قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی[2] اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔[3] موسیٰ نے فرمایا کہ بہت جلد اللہ تمھارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا خلیفہ بنادے گا، پھر تمھارا طرزِ عمل دیکھے گا﴿129﴾[4] اور ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ وہ نصیحت قبول کریں﴿130﴾[5] سو جب ان پر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لیے ہونا ہی چاہیے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔[6] یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے[7]

---

① جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمھیں ہی ملے گا۔

② یہ ان مظالم کی طرف اشارہ ہے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل ان پر ہوتے رہے۔

③ جادوگروں کے واقعے کے بعد ظلم وستم کا یہ نیا دور ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد شروع ہوا۔

④ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اللہ تمھارے دشمن کو ہلاک کرکے زمین میں تمھیں اقتدار عطا فرمائے گا۔ اور پھر تمھاری آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ ابھی تو تکلیفوں کے ذریعے سے آزمائے جا رہے ہو، پھر انعام واکرام کی بارش کرکے اور اختیار واقتدار سے بہرہ مند کرکے تمھیں آزمایا جائے گا۔

⑤ ﴿اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ سے مراد، فرعون کی قوم ہے۔ اور سنین سے قحط سالی، یعنی بارش کے فقدان اور درختوں میں کیڑے وغیرہ لگ جانے سے پیداوار میں کمی۔ مقصد اس آزمائش سے یہ تھا کہ اس ظلم اور استکبار سے باز آجائیں جس میں وہ مبتلا تھے۔

⑥ ﴿اَلْحَسَنَةُ﴾ (بھلائی) سے مراد غلے اور پھلوں کی فراوانی اور ﴿سَيِّئَةٌ﴾ (برائی) سے اس کے برعکس قحط سالی اور پیداوار میں کمی۔ حَسَنَة کا سارا کریڈٹ خود لے لیتے کہ یہ ہماری محنت کا ثمرہ ہے اور بدحالی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو قرار دیتے کہ یہ تم لوگوں کی نحوست کے اثرات ہمارے ملک پر پڑ رہے ہیں۔

⑦ ﴿طٰٓئِرُ﴾ کے معنی ہیں "اڑنے والا" یعنی پرندہ۔ چونکہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فالی یا بدفالی لیا کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خیر یا شر، جو خوش حالی یا قحط سالی کی وجہ سے انھیں پہنچتا ہے، اس کے اسباب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿131﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿133﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿134﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے﴿131﴾ اور یوں کہتے کیسی ہی بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمھاری بات ہرگز نہ مانیں گے﴿132﴾[1] پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔[2] سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ﴿133﴾ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجیے! جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے، اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی (رہا کر کے) آپ کے ہمراہ کر دیں گے﴿134﴾ پھر جب ہم ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کے لیے جس تک (بہر حال) ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے، تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے﴿135﴾[3] پھر ہم نے

پیروکار اس کا سبب نہیں۔ ﴿طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ کا مطلب ہوگا کہ ان کی بدشگونی کا سبب اللہ کے علم میں ہے اور وہ ان کا کفرو انکار ہے نہ کہ کچھ اور، یا اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی وجہ ان کا کفر ہے۔

[1] یہ اسی کفر و جحود کا اظہار ہے جس میں وہ مبتلا تھے اور معجزات و آیات الٰہی کو اب بھی وہ جادوگری باور کرتے یا کراتے تھے۔

[2] ﴿الطُّوْفَانَ﴾ سے سیلاب یا کثرت بارش، جس سے ہر چیز غرق ہوگئی یا کثرت اموات مراد ہے، جس سے ہر گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ ﴿الْجَرَادَ﴾ ٹڈی کو کہتے ہیں، ٹڈی دَل کا حملہ فصلوں کی ویرانی کے لیے مشہور ہے۔ یہ ٹڈیاں ان کے غلوں اور پھلوں کی فصلوں کو کھا کر چٹ کر جاتیں۔ ﴿الْقُمَّلَ﴾ سے مراد جوئیں ہیں جو انسان کے جسم، کپڑے اور بالوں میں ہو جاتی ہیں یا گھن کا کیڑا ہے جو غلے میں لگ جاتا ہے تو اس کے بیشتر حصے کو ختم کر دیتا ہے۔ جوؤں سے انسان کو گھن بھی آتی ہے اور اس کی کثرت سے سخت پریشانی بھی۔ اور جب یہ بطور عذاب ہوں تو اس سے لاحق ہونے والی پریشانی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح گھن کا عذاب بھی معیشت کو کھوکھلا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ﴿الضَّفَادِعَ﴾ ضِفْدَعٌ کی جمع ہے، یہ مینڈک کو کہتے ہیں جو پانی اور جوہڑوں، چھپڑوں میں ہوتا ہے۔ یہ مینڈک ان کے کھانوں میں، بستروں میں، رکھے ہوئے غلوں میں غرض ہر جگہ اور ہر طرف مینڈک ہی مینڈک ہو گئے، جس سے ان کا کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا حرام ہو گیا۔ ﴿الدَّمَ﴾ سے مراد ہے پانی کا خون بن جانا، یوں پانی پینا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ بعض نے خون سے مراد نکسیر کی بیماری لی ہے، یعنی ہر شخص کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ ﴿اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ﴾ یہ کھلے کھلے اور جدا جدا معجزے تھے جو وقفے وقفے سے ان کے پاس آئے۔

[3] یعنی ایک عذاب آتا تو اس سے تنگ آ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے، ان کی دعا سے وہ ٹل جاتا تو ایمان لانے کی بجائے پھر اس کفر و شرک پر جمے رہتے، پھر دوسرا عذاب آ جاتا تو پھر اسی طرح کرتے۔ یوں کچھ کچھ وقفوں سے پانچ عذاب ان پر آئے۔ لیکن ان کے

فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿136﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ

ان سے بدلہ لیا، یعنی ان کو دریا میں غرق کردیا اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی غفلت کرتے تھے ﴿136﴾ [1] اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کیے جاتے تھے، [2] اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنادیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے [3] اور آپ کے رب کا نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا [4] اور فرعون اور اس کی قوم جو (فیکٹریاں اور کارخانے) بناتے اور جو اونچی اونچی عمارتیں اور محلات وہ تعمیر کرتے تھے، سب کو ہم نے درہم برہم کردیا ﴿137﴾ [5] اور ہم نے

دلوں میں جو رعونت اور دماغوں میں جو تکبر تھا، وہ حق کی راہ میں ان کے لیے زنجیر پا بنا رہا اور اتنی اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے باوجود وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہے۔

[1] اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے اور خواب غفلت سے بیدار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر انھیں دریا میں غرق کردیا گیا، جس کی تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

[2] یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم روا رکھتا تھا۔ اس بنا پر وہ فی الواقع مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے کیونکہ مغلوب اور غلام تھے۔ لیکن جب اللہ نے چاہا تو اسی مغلوب اور غلام قوم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ ﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ﴾ (آل عمرٰن 26:3) "اللہ جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلیل کردے۔"

[3] زمین سے مراد شام کا علاقہ فلسطین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کے بعد بنی اسرائیل کو غلبہ عطا فرمایا، شام میں بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد اس وقت گئے جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عمالقہ کو شکست دے کر بنی اسرائیل کے لیے راستہ ہموار کردیا۔ اور اللہ نے زمین کے ان حصوں میں برکتیں رکھیں، یعنی شام کے علاقے میں۔ جو معنوی اور ظاہری شادابی و خوش حالی میں بھی ممتاز ہے، یعنی ظاہری و باطنی دونوں قسم کی برکتوں سے یہ زمین مالا مال رہی ہے۔ ﴿ مَشَارِقَ ﴾ مشرق کی جمع اور ﴿ مَغَارِبَهَا ﴾ مغرب کی جمع ہے۔ حالانکہ مشرق اور مغرب ایک ایک ہی ہیں۔ جمع سے مراد اس ارض بابرکت کے مشرقی اور مغربی حصے ہیں، یعنی جہات مشرق و مغرب۔

[4] یہ وعدہ وہی ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی آیت 128، 129 میں فرمایا گیا ہے اور سورۂ قصص میں بھی۔ ﴿ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 6،5:28) "ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت، طاقت دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے ہیں۔" اور یہ فضل و احسان اس صبر کی وجہ سے ہے، جس کا مظاہرہ انھوں نے فرعونی مظالم کے مقابلے میں کیا۔

[5] مَصْنُوعَات سے مراد کارخانے، عمارتیں اور ہتھیار وغیرہ ہیں اور ﴿ يَعْرِشُوْنَ ﴾ "جو وہ بلند کرتے تھے" سے مراد اونچی اونچی

اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿140﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿141﴾ ۧ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ ع 16/12/6

بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود مقرر کر دیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ﴿138﴾ [1] یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جائے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے ﴿139﴾ [2] فرمایا: کیا اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے ﴿140﴾ [3] اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمھارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿141﴾ [4] اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور مزید دس راتوں سے ان تیس راتوں کو پورا کیا۔ سو ان کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی۔ [5]

عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انگوروں وغیرہ کے باغات بھی جو وہ چھپروں پر پھیلاتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شہری عمارتیں، ہتھیار اور دیگر سامان بھی تباہ کر دیا اور ان کے باغات بھی۔

[1] اس سے بڑی جہالت اور نادانی کیا ہوگی کہ جس اللہ نے انھیں فرعون جیسے بڑے دشمن سے نہ صرف نجات دی بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے اسے اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا اور انھیں معجزانہ طریق سے دریا عبور کروایا، وہ دریا پار کرتے ہی اس اللہ کو بھول کر پتھر کے خود تراشیدہ معبود تلاش کرنے لگ گئے۔ کہتے ہیں کہ پتھر کے یہ بت گائے کی شکل کے تھے۔

[2] یعنی یہ مورتیوں کے پجاری جن کے حال نے تمھیں بھی دھوکے میں ڈال دیا، ان کا مقدر تباہی اور ان کا یہ فعل باطل اور خسارے کا باعث ہے۔

[3] کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمھیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمھارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں؟ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ ہے۔

[4] یہ وہی آزمائشیں ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں بھی گزرا اور سورۂ ابراہیم میں بھی آئے گا۔

[5] فرعون اور اس کے لشکر کے غرق کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کوئی کتاب انھیں دی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو نبی تھے اور ان کے بھائی بھی، اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی

لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿142﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿143﴾ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّيْ

اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کی راہ پر مت چلنا ﴿142﴾ [1] اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے (اپنا جمال) دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے [2] لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ [3] پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی، بے شک تیری ذات پاک ہے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ﴿143﴾ [4] اللہ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! میں نے

ہدایت واصلاح کا کام کرتے رہیں اور انھیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

① حضرت ہارون علیہ السلام خود نبی تھے اور اصلاح کا کام ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں محض تذکیر و تنبیہ کے طور پر یہ نصیحتیں کیں، میقات سے یہاں مراد وقت معین ہے۔

② جب موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے اور وہاں اللہ نے ان سے براہ راست گفتگو کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اپنے اس شوق کا اظہار ﴿رَبِّ اَرِنِيْۤ﴾ کہہ کر کیا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ "تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔" اس سے استدلال کرتے ہوئے معتزلہ نے کہا کہ لن نفی تابید (ہمیشہ کی نفی) کے لیے آتا ہے، اس لیے اللہ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ لیکن معتزلہ کا یہ مسلک صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے اور قواعد عربیہ کے بھی۔ متواتر، صحیح اور قوی روایات سے ثابت ہے کہ قیامت والے دن اہل ایمان اللہ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے۔ تمام اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ اس نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے۔ دنیا میں کوئی انسانی آنکھ اللہ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے اور حرف لَنْ نفی تابید کے لیے نہیں، تابید خارجی دلیل سے معلوم ہوتی ہے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکے۔

③ یعنی وہ پہاڑ بھی رب کی تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "قیامت والے دن سب لوگ بے ہوش ہوں گے، (یہ بے ہوشی امام ابن کثیر کے بقول میدان محشر میں اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے نزول اجلال فرمائے گا) اور جب ہوش میں آئیں گے تو میں ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا انھیں کوہ طور کی بے ہوشی کے بدلے میں میدان محشر کی بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔" (صحيح البخاري، حديث:4638، وصحيح مسلم، حديث:160-(2373))

اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿145﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ

پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے تمھیں تمام لوگوں پر امتیاز بخشا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو ﴿144﴾ [1] اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی، [2] تم ان کو قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں، [3] عنقریب تم لوگوں کو ان فاسقوں کا گھر دکھلاؤں گا ﴿145﴾ [4] میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر تمام نشان دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں، [5] اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اختیار نہیں کرتے اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اختیار کرتے ہیں، [6]

④ تیری عظمت وجلالت کا اور اس بات کا کہ میں تیرا عاجز بندہ ہوں، دنیا میں تیرے دیدار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

① یہ ہم کلامی کا دوسرا موقع تھا جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مشرف کیا گیا۔ اس سے قبل جب آگ لینے گئے تھے تو اللہ نے ہم کلامی سے نوازا تھا اور پیغمبری عطا فرمائی تھی۔

② گویا تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی جس میں ان کے لیے دینی احکام، امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کی پوری تفصیل تھی۔

③ اللہ تعالیٰ کے احکام تمام ہی اچھے اور خوب تر ہوتے ہیں، مراد یہ کہ اس کے احکام پر عمل کرو جو نہایت اچھے اور خوب تر ہیں۔

④ مقام (دار) سے مراد یا تو انجام، یعنی ہلاکت ہے یا اس کا مطلب ہے کہ فاسقوں کے ملک پر تمھیں حکمرانی عطا کروں گا اور اس سے مراد ملک شام ہے جس پر اس وقت عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ جو اللہ کے نافرمان تھے۔ (ابن کثیر)

⑤ تکبر کا مطلب ہے اللہ کی آیات و احکام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور لوگوں کو حقیر گردانا۔ یہ تکبر انسان کے لیے زیبا نہیں۔ کیونکہ اللہ خالق ہے اور وہ اس کی مخلوق۔ مخلوق ہو کر خالق کا مقابلہ کرنا اور اس کے احکام و ہدایات سے اعراض و غفلت کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اسی لیے تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اس آیت میں تکبر کا نتیجہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں آیات الٰہی سے دور ہی رکھتا ہے، پھر وہ اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ کسی طرح کی بھی نشانی انھیں حق کی طرف لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○﴾ (یونس 10:96,97) ''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی، وہ ایمان نہیں لائیں گے، چاہے ان کے پاس ہر طرح کی نشانی آ جائے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''

⑥ اس میں احکام الٰہی سے اعراض کرنے والوں کی ایک اور عادت یا نفسیات کا بیان ہے کہ ہدایت کی کوئی بات ان کے سامنے آئے تو اسے تو نہیں مانتے، البتہ گمراہی کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اسے فوراً اپنا لیتے اور راہ عمل بنا لیتے ہیں۔ قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کا ہر دور میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آج ہم بھی ہر جگہ اور ہر معاشرے میں حتیٰ کہ مسلمان معاشروں میں بھی یہی کچھ دیکھ رہے

سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿146﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿147﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿148﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿149﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا

ع 17/6 — 7 — وقف لازم

یہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے ﴿146﴾ [1] اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے۔ وہ جیسے عمل کرتے ہیں ان کو ویسا ہی بدلہ ملے گا ﴿147﴾ [2] اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا وہ ایک جسم تھا جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔ کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ تو کوئی بات کرتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ ہی دکھا سکتا ہے، اس کو انھوں نے معبود قرار دیا اور وہ لوگ تھے ہی ظالم ﴿148﴾ [3] اور جب نادم ہوئے [4] اور دیکھا کہ واقعی وہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں معاف نہ کیا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے ﴿149﴾ اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو فرمایا کہ تم نے

ہیں کہ نیکی منہ چھپائے پھر رہی ہے اور بدی کو ہر کوئی لپک لپک کر اختیار کر رہا ہے۔

① یہ اس بات کا سبب بتلایا جا رہا ہے کہ لوگ نیکی کے مقابلے میں بدی کو اور حق کے مقابلے میں باطل کو کیوں زیادہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سبب ہے آیات الٰہی کی تکذیب اور ان سے غفلت واعراض کا۔ یہ ہر معاشرے میں عام ہے۔

② اس میں آیات الٰہی کی تکذیب اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا انجام بتلایا گیا ہے کہ چونکہ ان کے عمل کی اساس عدل وحق نہیں، ظلم و باطل ہے، اس لیے ان کے نامۂ اعمال میں شر ہی شر ہو گا جس کی کوئی قیمت اللہ کے ہاں نہ ہو گی۔ ہاں، اس شر کا بدلہ ان کو وہاں ضرور دیا جائے گا۔

③ موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا جس میں اس نے جبریل کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی بھی، جو اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی، شامل کر دی، جس میں اللہ نے زندگی کی تاثیر رکھی تھی، جس کی وجہ سے بچھڑا کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ فی الواقع گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا تھا یا تھا وہ سونے کا ہی۔ لیکن کسی طریقے سے اس میں ہوا داخل ہوتی تو گائے، بیل کی سی آواز اس میں سے نکلتی۔ (ابن کثیر) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ تمھارا معبود تو یہ ہے، موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں اور وہ معبود کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔ (یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ میں آئے گا۔)

④ ﴿سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ محاورہ ہے جس کے معنی نادم ہونا ہیں۔ یہ ندامت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد ہوئی، جب انھوں نے آکر اس پر ان کی زجر و توبیخ کی، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ یہاں اسے مقدم اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ان کا فعل اور قول اکٹھا ہو جائے۔ (فتح القدیر)

خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

ع 18/4/8

میرے بعد بری جانشینی کی، کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کرلی؟ اور تورات کی تختیاں ڈال دیں [1] اور اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارون نے کہا، اے میرے ماں جائے! [2] ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے [3] تو تم دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دو [4] اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کرو﴿150﴾ [5] موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے﴿151﴾ بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا۔ ان پر بہت جلد ان کے رب کا غضب (نازل) ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) [6] اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں﴿152﴾ [7] اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کی اور ایمان لے

[1] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تورات کی تختیاں بھی، جو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر عطا کی تھیں، نیچے ڈال دیں اور ایسی حالت میں یہ فعل سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان کا تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا بلکہ دینی غیرت وحمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔

[2] حضرت ہارون وموسیٰ علیہما السلام آپس میں سگے بھائی تھے لیکن یہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے ''ماں جائے'' اس لیے کہا کہ اس لفظ میں پیار اور نرمی کا پہلو زیادہ ہے۔

[3] حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ اپنا عذر پیش کیا جس کی وجہ سے وہ قوم کو شرک جیسے جرم عظیم سے روکنے میں ناکام رہے۔ ایک اپنی کمزوری اور دوسرا بنی اسرائیل کا عناد اور سرکشی کہ وہ انھیں قتل تک کر دینے پر آمادہ ہو گئے تھے اور انھیں اپنی جان بچانے کے لیے خاموش ہونا پڑا، جس کی اجازت ایسے موقعوں پر اللہ نے دی ہے۔

[4] میری ہی سرزنش کرنے سے دشمن خوش ہوں گے جبکہ یہ موقع تو دشمنوں کی سرکوبی اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کا ہے۔

[5] اور ویسے بھی عقیدہ وعمل میں مجھے کس طرح ان کے ساتھ شمار کیا جا سکتا ہے؟ میں نے نہ شرک کا ارتکاب کیا، نہ اس کی اجازت دی، نہ اس پر خوش ہوا، صرف خاموش رہا اور اس کے لیے بھی میرے پاس معقول عذر موجود ہے، پھر میرا شمار ظالموں (مشرکوں) کے ساتھ کس طرح ہوسکتا ہے؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا مانگی۔

[6] اللہ کا غضب یہ تھا کہ توبہ کے لیے قتل ضروری قرار پایا۔ اور اس سے قبل جب تک جیتے رہے، ذلت ورسوائی کے وہ مستحق قرار پائے۔

[7] اور یہ سزا ان ہی کے لیے خاص نہیں ہے، جو بھی اللہ پر افترا کرتا ہے، اس کو ہم یہی سزا دیتے ہیں۔

رَّحِيْمٌ ﴿153﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

آئے تو تمھارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا، رحمت کرنے والا ہے﴿153﴾[1] اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے ان تختیوں کو اٹھا لیا، ان کے مضامین میں[2] ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں﴿154﴾[3] اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت کے لیے منتخب کیے، سو جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا[4] تو موسیٰ عرض کرنے لگے کہ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ واقعہ محض تیری طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی تو ہمارا سرپرست ہے، پس ہم پر مغفرت اور رحمت فرما اور تو ہی سب سے بہتر معاف کرنے والا ہے﴿155﴾[5] اور ہمارے لیے دنیا میں بھی نیکی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا

① ہاں، جنھوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

② ﴿نُسْخَتِهَا﴾ فُعْلَة کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔ یہ اس اصل کو بھی کہتے ہیں جس سے نقل کیا جائے اور نقل شدہ کو بھی نسخہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں نسخہ سے مراد یا تو وہ اصل الواح ہیں جن پر تورات لکھی گئی تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ تختیاں ڈالنے سے نہیں ٹوٹی تھیں کیونکہ آگے چل کر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان "تختیوں کو اٹھا لیا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تختیاں ٹوٹی نہیں تھیں۔ بہر حال اس کا مرادی مفہوم "مضامین" ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔

③ تورات کو بھی، قرآن کریم کی طرح، انھی لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت قرار دیا گیا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ اصل فائدہ آسمانی کتابوں سے ایسے ہی لوگوں کو ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں نے تو چونکہ اپنے کانوں کو حق کے سننے سے، آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے بند کیا ہوا ہوتا ہے، اس لیے اس چشمۂ فیض سے وہ بالعموم محروم ہی رہتے ہیں۔

④ ان ستر آدمیوں کی تفصیل اگلے حاشیے میں آ رہی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے اور انھیں کوہ طور پر لے گئے، جہاں پر انھیں کسی جرم کی وجہ سے بطور عذاب ہلاک کر دیا گیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا......

⑤ بنی اسرائیل کے یہ ستر آدمی کون تھے اور کس جرم کی وجہ سے ہلاک کیے گئے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات کے احکام انھیں سنائے تو انھوں نے کہا: ہم کیسے یقین کر لیں کہ یہ کتاب واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل شدہ ہے؟ ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کلام کرتے ہوئے نہ سن لیں، اسے نہیں مانیں گے، چنانچہ انھوں نے ستر برگزیدہ آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں کوہ طور پر لے گئے۔ وہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا جسے ان لوگوں نے بھی سنا۔ لیکن

عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ

ہے۔[1] اللہ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔[2] تو میں وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں(156) جو لوگ اس رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،[3] وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں[4] اور پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور

وہاں انھوں نے ایک نیا مطالبہ کر دیا کہ ہم تو جب تک اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جو پوری قوم کی طرف سے بچھڑے کی عبادت کے جرم عظیم کی توبہ اور معذرت کے لیے کوہ طور پر لے جائے گئے تھے اور وہاں جا کر انھوں نے اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں کہ جنھوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا لیکن انھیں اس سے منع نہیں کیا۔ ایک چوتھی رائے یہ ہے کہ یہ ستر آدمی وہ ہیں جنھیں اللہ کے حکم سے کوہ طور پر لے جانے کے لیے چنا گیا تھا، وہاں جا کر انھوں نے اللہ سے دعائیں کیں۔ جن میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''یا اللہ! ہمیں تو وہ کچھ عطا فرما جو اس سے قبل تو نے کسی کو عطا نہیں کیا اور نہ آئندہ وہ کسی کو عطا کرنا۔'' اللہ تعالیٰ کو یہ دعا پسند نہیں آئی، جس پر وہ زلزلے کے ذریعے سے ہلاک کر دیے گئے۔ زیادہ مفسرین دوسری رائے کے قائل ہیں اور اسے انھوں نے وہی واقعہ قرار دیا ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ، آیت: 56 میں آیا ہے۔ جہاں ان پر صَاعِقه (بجلی کی کڑک) سے موت وارد ہونے کا ذکر ہے اور یہاں رجفة (زلزلے) سے موت کا ذکر ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی عذاب آئے ہوں اوپر سے بجلی کی کڑک اور نیچے سے زلزلہ۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا والتجا کے بعد کہ اگر ان کو ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے قبل اس وقت ہلاک کرتا جب یہ بچھڑے کی عبادت میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا۔

[1] یعنی توبہ کرتے ہیں۔

[2] یہ اس کی وسعت رحمت ہی ہے کہ دنیا میں صالح و فاسق اور مومن و کافر دونوں ہی اس کی رحمت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے 100 حصے ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے کہ جس سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اس نے اپنی رحمت کے 99 حصے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:19-(2752)، و سنن ابن ماجه، حدیث:4293)

[3] یہ آیت بھی اس امر کی وضاحت کے لیے نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسالت محمدیہ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں اور ایمان وہی معتبر ہے جس کی تفصیلات محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس آیت سے بھی تصور ''وحدت ادیان'' کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

[4] معروف وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔

عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿158﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿159﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

طوق تھے [1] ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿157﴾ [2] آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ ﴿158﴾ [3] اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی اور اسی کے مطابق انصاف

[1] یہ بوجھ اور طوق وہ ہیں جو پچھلی شریعت میں تھے، مثلاً: نفس کے بدلے نفس کا قتل ضروری تھا، (دیت یا معافی نہیں تھی) یا جس کپڑے کو نجاست لگ جاتی، اس کا قطع کرنا ضروری تھا، شریعت اسلامیہ نے اسے صرف دھونے کا حکم دیا۔ جس طرح قصاص میں دیت اور معافی کی بھی اجازت دی، اس طرح دیگر احکام میں بھی آسانی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ "مجھے آسان دین حنفی کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔" (مسند أحمد: 266/5) لیکن افسوس! اس امت نے اپنے طور پر رسوم و رواج کے بہت سے بوجھ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور جاہلیت کے طوق زیب گلو کر لیے ہیں، جن سے شادی اور مرگ دونوں عذاب بن گئے ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰی.

[2] ان آخری الفاظ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ کامیاب وہی لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ جو رسالت محمدیہ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ کامیاب نہیں، خاسر اور ناکام ہوں گے۔ علاوہ ازیں کامیابی سے مراد بھی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم رسالت محمدیہ پر ایمان نہ رکھتی ہو اور اسے دنیاوی خوش حالی و فراوانی حاصل ہو۔ جس طرح اس وقت مغربی اور یورپی اور دیگر بعض قوموں کا حال ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی یا کافر و مشرک ہونے کے باوجود مادی ترقی اور خوش حالی میں ممتاز ہیں۔ لیکن ان کی یہ ترقی عارضی و بطور امتحان و استدراج ہے۔ یہ ان کی اخروی کامیابی کی ضمانت یا علامت نہیں۔ اسی طرح ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ المائدہ کی آیت: 15 میں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ (جیسا کہ وہاں بھی وضاحت کی گئی تھی) کیونکہ جو نور آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہ قرآن مجید ہی ہے، اس لیے اس "نور" سے خود نبی کریم ﷺ کی ذات مراد نہیں ہے۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ ہدایت کے لحاظ سے آپ کی صفات میں ایک صفت نور بھی ہے۔ جس سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ لیکن اس سے آپ کا نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، جس طرح اہل بدعت یہ ثابت کرتے ہیں۔ اہل بدعت کا یہ عقیدہ عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت مسیح کے مشابہ اور اسی طرح باطل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُمَا (مزید دیکھیے سورہ مائدہ، آیت: 15 کا حاشیہ)

[3] یہ آیت بھی رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے اثبات میں بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًاؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًاؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰىؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿160﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿161﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

کرتی ہے﴿159﴾ [1] اور ہم نے انھیں بارہ قبیلوں کے لحاظ سے بارہ جماعتیں بنادیا تھا، [2] اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو، پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا گھاٹ معلوم کرلیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا اور کہا کہ کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کررہے تھے﴿160﴾ اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس بستی میں جا کر رہو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور یہ کہتے جانا کہ ہمیں معاف کردے اور سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہونا، ہم تمھاری خطائیں معاف کردیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو اور زیادہ دیں گے﴿161﴾ تو جو لوگ ان میں سے ظالم تھے، انھوں نے وہ بات ہی بدل دی

آپ کہہ دیجیے کہ اے کائنات کے انسانو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یوں آپ پوری بنی نوع انسانی کے راہ نما اور رسول ہیں۔ اب نجات اور ہدایت نہ عیسائیت میں ہے نہ یہودیت میں، نہ کسی اور مذہب میں۔ نجات اور ہدایت اگر ہے تو صرف اسلام کے اپنانے اور اسے ہی اختیار کرنے میں ہے۔ اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں بھی آپ کو ﴿النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ کہا گیا ہے۔ یہ آپ کی ایک خاص صفت ہے۔ امی کے معنی ہیں: ان پڑھ، یعنی آپ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیے، کسی سے کسی قسم کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے جو قرآن کریم پیش کیا، اس کے اعجاز و بلاغت کے سامنے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء عاجز آ گئے اور آپ نے جو تعلیمات پیش کیں، ان کی صداقت و حقانیت کی ایک دنیا معترف ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے ورنہ ایک امی نہ ایسا قرآن پیش کرسکتا ہے اور نہ ایسی تعلیمات بیان کرسکتا ہے جو عدل و انصاف کا بہترین نمونہ اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے ناگزیر ہیں، انھیں اپنائے بغیر دنیا حقیقی امن وسکون اور راحت و عافیت سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔

[1] اس سے مراد وہی چند لوگ ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے، عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ رضی اللہ عنہم

[2] ﴿اَسْبَاطًا﴾ سِبْط کی جمع ہے جس کے ایک معنی اولاد کی اولاد ہیں جبکہ یہاں اسباط قبائل کے معنی میں ہے، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے بارہ قبیلے معرض وجود میں آئے، ہر قبیلے پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نقیب (نگران) مقرر فرمادیا۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾ (المآئدة 12:5) یہاں اللہ تعالیٰ ان بارہ قبیلوں کے بعض صفات میں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کی بنا پر ان کے الگ الگ گروہ ہونے کو بطور امتنان کے ذکر فرمارہا ہے۔

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿162﴾ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى

جو ان سے کہی گئی تھی، پس ہم نے ان پر آسمان سے ایک عذاب بھیج دیا کیونکہ وہ ظلم کیا کرتے تھے ﴿162﴾[1] اور آپ ان لوگوں سے،[2] اس بستی والوں کا[3] جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے، اس وقت کا حال پوچھیے جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جبکہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، اس طرح ہم انھیں آزمائش میں ڈال رہے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ﴿163﴾[4] اور جب ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟[5] انھوں نے جواب

---

① 160 تا 162 آیات میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں، یہ وہ ہیں جو پارہ الم، سورۂ بقرہ کے آغاز میں بیان کی گئی ہیں۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمالی جائے۔

② ﴿وَسْـَٔلْهُمْ﴾ میں ھم ضمیر سے مراد یہود ہیں، یعنی ان سے پوچھیے۔ اس میں یہودیوں کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس واقعے کا علم نبیٔ کریم ﷺ کو بھی ہے جو آپ کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر آپ کو اس واقعے کا علم نہیں ہوسکتا تھا۔

③ اس بستی کی تعیین میں اختلاف ہے، کوئی اس کا نام ایلہ کوئی طبریہ کوئی ایلیاء اور کوئی شام کی کوئی بستی، جو سمندر کے قریب تھی، بتلاتا ہے۔ مفسرین کا زیادہ رجحان ''ایلہ'' کی طرف ہے جو مدین اور کوہ طور کے درمیان بحر قلزم کے ساحل پر تھی۔

④ ﴿حِيْتَانُهُمْ﴾ حوت (مچھلی) کی جمع ہے۔ ﴿شُرَّعًا﴾ شارع کی جمع ہے۔ معنی ہیں: پانی کے اوپر ابھر ابھر کر آنے والیاں۔ یہ یہودیوں کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں انھیں ہفتے والے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن بطور آزمائش ہفتے والے دن مچھلیاں کثرت سے آتیں اور پانی کے اوپر ظاہر ہو ہو کر چلتی تھیں۔ اور جب یہ دن گزر جاتا تو اس طرح نہ آتیں۔ بالآخر یہودیوں نے ایک حیلہ کر کے حکم الٰہی سے تجاوز کیا کہ گڑھے کھود لیے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنسی رہیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تو پھر انھیں پکڑ لیتے۔

⑤ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے: ایک ظالم جو حیلہ سازی سے ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، دوسرا گروہ جو ان کو ایسا کرنے سے منع کرتا تھا اور تیسرا گروہ جو خود اگرچہ نیک تھا لیکن اس ظالم گروہ کو اس برائی سے منع نہیں کرتا تھا، یہاں پر اُمۃ سے مراد یہی تیسرا گروہ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین اس جماعت سے وہی نافرمان اور تجاوز کرنے والے مراد لیتے ہیں، جب ان کو وعظ کرنے والے نصیحت کرتے تو یہ کہتے کہ جب تمھارے خیال میں ہلاکت یا عذاب الٰہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ہمیں کیوں وعظ کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے کہ ایک تو اپنے رب کے سامنے معذرت پیش کرنے کے لیے تاکہ ہم تو اللہ کی گرفت سے محفوظ رہیں کیونکہ معصیت الٰہی کا ارتکاب ہوتے ہوئے دیکھنا اور پھر اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا بھی جرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی

رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿164﴾ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَاَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۭ بَـِٕيۡسٍۭ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿165﴾ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ﴿166﴾ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿167﴾ وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِى

دیا کہ تمھارے رب کے سامنے معذرت کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈر جائیں ﴿164﴾ سو جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی [1] تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ﴿165﴾ [2] یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا تم بندر ذلیل بن جاؤ ﴿166﴾ [3] اور وہ وقت یاد کرنا چاہیے کہ جب آپ کے رب نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیتا رہے گا، [4] بلاشبہ آپ کا رب جلد ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے ﴿167﴾ [5] اور ہم نے زمین میں

گرفت ہوسکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ شاید یہ لوگ حکم الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز ہی آ جائیں۔ پہلی تفسیر کی رو سے یہ تین جماعتیں ہوئیں۔ ① نافرمان اور شکار کرنے والی جماعت ② وہ جماعت جو بالکل کنارہ کش ہوگئی، نہ وہ نافرمانوں میں تھی نہ منع کرنے والوں میں ③ وہ جماعت جو نافرمان بھی نہیں تھی۔ اور بالکل کنارہ کش بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ نافرمانوں کو منع کرتی تھی۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ دو جماعتیں ہوں گی۔ ایک نافرمانوں کی اور دوسری منع کرنے والوں کی۔

[1] یعنی وعظ ونصیحت کی انھوں نے کوئی پروا نہیں کی اور نافرمانی پر اڑے رہے۔

[2] یعنی وہ ظالم بھی تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور انھیں جہنم کا ایندھن بنا لیا اور فاسق بھی کہ اللہ کے حکموں سے سرتابی کو انھوں نے اپنا شیوہ اور وتیرہ بنا لیا۔

[3] ﴿عَتَوۡا﴾ کے معنی ہیں، جنھوں نے اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ نجات پانے والے صرف وہی تھے جو منع کرتے تھے اور باقی دونوں عذاب الٰہی کی زد میں آئے؟ یا زد میں آنے والے صرف معصیت کار تھے؟ اور باقی دو جماعتیں نجات پانے والی تھیں؟ امام ابن کثیر نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔

[4] ﴿تَاَذَّنَ﴾ اِیْذَان بمعنی اعلام، (خبر دینا، جتلا دینا) سے باب تفعل ہے، یعنی وہ وقت بھی یاد کرو! جب آپ کے رب نے ان یہودیوں کو اچھی طرح باخبر کر دیا یا جتلا دیا تھا۔ ﴿لَيَبۡعَثَنَّ﴾ میں لام قسم کے لیے ہے جو تاکید کے معنی کا فائدہ دیتا ہے، یعنی قسم کھا کر نہایت تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت عذاب میں مبتلا رکھیں گے، چنانچہ یہودیوں کی پوری تاریخ اسی ذلت ومسکنت اور غلامی ومحکومی کی تاریخ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دی ہے۔ اسرائیل کی موجودہ حکومت قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ وہ قرآن ہی کے بیان کردہ استثنا ﴿وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کی مظہر ہے اور اس حقیقت کی مؤید ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے آل عمران، آیت:112 کا حاشیہ)

[5] یعنی اگر ان میں سے کوئی توبہ کر کے مسلمان ہو جائے گا تو وہ اس ذلت وسوء عذاب سے بچ جائے گا۔

الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿168﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾ وَاِذْ

ان کی مختلف جماعتیں کر دیں۔ بعض ان میں سے نیک تھے اور بعض ان میں اور طرح کے یعنی بد تھے اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آجائیں ﴿168﴾[1] پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین بنے[2] جو کتاب یعنی تورات کے وارث ہوئے، وہ اس ادنی دنیا کا سامان لے لیتے[3] اور کہتے تھے کہ ضرور ہماری مغفرت ہو جائے گی،[4] حالانکہ اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی سامان آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب میں پختہ وعدہ نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں[5] اور اس کتاب میں جو کچھ تھا انھوں نے اس کو پڑھ بھی لیا[6] اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں سمجھتے ﴿169﴾ اور جو لوگ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے اور نماز قائم کرتے ہیں، ہم ایسے نیک کردار لوگوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے ﴿170﴾[7] اور وہ وقت بھی

---

① اس میں یہود کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے اور ان میں سے بعض کے نیک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کو دونوں طریقوں سے آزمائے جانے کا بیان ہے کہ شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

② خَلَفٌ (لام پر فتح کے ساتھ) اولاد صالح کو اور خَلْف (لام کے سکون کے ساتھ) نالائق اولاد کو کہتے ہیں۔ اردو میں بھی ناخلف کی ترکیب نالائق اولاد کے معنی میں مستعمل ہے۔

③ ﴿الْاَدْنٰى﴾ دُنُوٌّ (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے، یعنی قریب کا مال حاصل کرتے ہیں جس سے دنیا مراد ہے یا یہ دَنَاءَۃٌ (حقارت) سے ماخوذ ہے جس سے مراد حقیر اور ردی مال ہے۔ مطلب دونوں سے ان کے دنیا کے مال و متاع کے حرص کی وضاحت ہے۔

④ یعنی طالب دنیا ہونے کے باوجود مغفرت کی امید رکھتے ہیں، جیسے آج کل کے مسلمانوں کا بھی حال ہے۔

⑤ اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے سے باز نہیں آتے، مثلاً: وہی مغفرت کی بات، جو اوپر گزری۔

⑥ اس کا ایک دوسرا مفہوم مٹانا بھی ہوسکتا ہے، جیسے: دَرَسَتِ الرِّيحُ الْآثَارَ ''ہوا نے نشانات مٹا ڈالے''، یعنی کتاب کی باتوں کو مٹا ڈالا، محو کر دیا، یعنی ان پر عمل ترک کر دیا۔

⑦ ان لوگوں میں سے جو تقویٰ کا راستہ اختیار کر لیں، کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں، جس سے مراد اصلی تورات ہے اور جس پر عمل کرتے ہوئے نبوت محمدی پر ایمان لے آئیں، نماز وغیرہ کی پابندی کریں تو اللہ ایسے مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ اس میں ان اہل کتاب (سیاق کلام سے یہاں بطور خاص یہود) کا ذکر ہے جو تقویٰ، تمسک بالکتاب اور اقامت صلاۃ کا اہتمام کریں اور ان کے لیے آخرت کی خوش خبری ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور رسالت محمدیہ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اب

نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿171﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

قابلِ ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تمھیں دی ہے، اسے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے، اس کو یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ﴿171﴾ [1] اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ ہیں۔ [2] تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے﴿172﴾ یا یوں کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے تو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہم کو ہلاکت

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات اخروی ممکن نہیں۔

(1) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تورات لائے اور اس کے احکام ان کو سنائے تو انھوں نے پھر حسب عادت ان پر عمل کرنے سے انکار و اعراض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ کو بلند کر دیا کہ تم پر گرا کر تمھیں کچل دیا جائے گا، جس سے ڈرتے ہوئے انھوں نے تورات پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع جبل کا یہ واقعہ ان کے مطالبے پر پیش آیا، جب انھوں نے کہا کہ ہم تورات پر عمل اس وقت کریں گے جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کو ہمارے اوپر بلند کر کے دکھائے۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں مطلق پہاڑ کا ذکر ہے۔ لیکن اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت: 63 اور آیت: 93 میں دو جگہ اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کا نام صراحت کے ساتھ طور بتلایا گیا ہے۔

(2) یہ عہد اَلَسْت کہلاتا ہے جو ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ہونے والی تمام اولاد سے لیا گیا۔ اس کی تفصیل ایک صحیح حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''میدان عرفات کے قریب نَعمان جگہ میں اللہ تعالیٰ نے اصلاب آدم سے عہد (میثاق) لیا۔ پس آدم کی پشت سے ان کی ہونے والی تمام اولاد کو نکالا اور اس کو اپنے سامنے پھیلا دیا اور ان سے پوچھا: ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟'' سب نے کہا ﴿بَلٰى شَهِدْنَا﴾ ''کیوں نہیں۔ تیرے رب ہونے کی ہم سب گواہی دیتے ہیں۔'' (مسند أحمد: 272/1، والمستدرك للحاكم: 544/2 وصححه ووافقه الذهبي) امام شوکانی رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں وإسناده لا مطعن فيه (فتح القدير) ''اس کی سند میں کوئی طعن نہیں۔'' نیز امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ عالم ذر کہلاتا ہے اس کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول اور کسی اور مفہوم کی طرف جانا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مرفوع حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر بھی محمول کرنا جائز نہیں ہے۔'' بہرحال اللہ کی ربوبیت کی یہ گواہی ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے، اس کا ناک، کان کٹا نہیں ہوتا۔''

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿173﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿174﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿176﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ

میں ڈال دے گا؟ ﴿173﴾ [1] ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ہماری طرف لوٹ آئیں ﴿174﴾ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، سو وہ گم راہ لوگوں میں شامل ہوگیا ﴿175﴾ [2] اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند (مرتبہ) کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا، سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے، [3] یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ ان واقعات کو بیان کردیجیے تاکہ وہ لوگ کچھ سوچیں ﴿176﴾ [4] ان لوگوں کی مثال بھی بری ہے [5] جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ﴿177﴾ جس کو اللہ ہدایت دیتا ہے تو وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے

(صحيح البخاري، حديث:1358، وصحيح مسلم، حديث:22-(2658)) اور صحیح مسلم کی روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں نے اپنے بندوں کو حنیف (اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے والا) پیدا کیا ہے۔ پس شیطان ان کو ان کے دین (فطری) سے گمراہ کردیتا ہے۔" (صحيح مسلم، حديث:63-(2865)) یہ فطرت یا دین فطرت، یہی رب کی توحید اور اس کی نازل کردہ شریعت ہے جو اب اسلام کی صورت میں محفوظ اور موجود ہے۔

[1] یعنی ہم نے یہ اخذ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی تاکہ تم یہ عذر پیش نہ کرسکو کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے، یہ عذر قیامت والے دن بارگاہ الٰہی میں مسموع نہیں ہوں گے۔

[2] مفسرین نے اسے کسی ایک متعین شخص سے متعلق قرار دیا ہے جسے کتاب الٰہی کا علم حاصل تھا لیکن پھر وہ دنیا اور شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہ ہوگیا۔ تاہم اس کی تعیین میں کوئی مستند بات مروی نہیں، اس لیے اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عام ہے اور ایسے افراد ہر امت اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، جو بھی اس صفت کا حامل ہوگا، وہ اس کا مصداق قرار پائے گا۔

[3] لَهَثٌ کہتے ہیں تھکاوٹ یا پیاس وغیرہ کی وجہ سے زبان باہر نکال کر ہانپنے کو۔ کتے کی یہ عادت ہے کہ وہ شکم سیر ہو یا بھوکا، تندرست ہو یا بیمار، تھکا ماندہ ہو یا توانا، ہر حال میں زبان باہر نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ یہی حال ایسے شخص کا ہے، اسے وعظ کرو یا نہ کرو، اس کا حال ایک ہی رہے گا اور دنیا کے مال ومتاع کے لیے اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔

[4] اور اس قسم کے لوگوں سے عبرت حاصل کرکے گمراہی سے بچیں اور حق کو اپنائیں۔

[5] ﴿مَثَلًا﴾ تَمْيِيز ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی سَاءَ مَثَلًا مَّثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا......الخ.

وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿178﴾ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿180﴾ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَاۤ

اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو وہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں﴿178﴾ [1] اور یقیناً ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں، [2] جن کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں [3] اور یہی لوگ غافل ہیں﴿179﴾ اور اللہ کے اچھے نام ہیں، سو تم اللہ کو انھی ناموں کے ساتھ پکارو، [4] اور ایسے لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، [5] ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی﴿180﴾ اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت

① یہ اس کے قانون مشیت کا بیان ہے جس کی وضاحت پہلے دو تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے بقرہ، آیت: 253 کا حاشیہ)

② اس کا تعلق تقدیر سے ہے، یعنی ہر جن و انسان کی بابت اللہ کو علم تھا کہ وہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کیا عمل کرے گا، اس کے مطابق اس نے لکھ رکھا ہے۔ یہاں انھی دوزخیوں کا ذکر ہے جنھیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ والے ہی کام کرنے تھے۔ آگے ان کی مزید صفات بیان کر کے بتا دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر یہ چیزیں اسی انداز میں ہوں جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا انجام برا ہے۔

③ یعنی دل، آنکھ، کان یہ چیزیں اللہ نے اس لیے دی ہیں کہ انسان ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پروردگار کو سمجھے، اس کی آیات کا مشاہدہ کرے اور حق کی بات کو غور سے سنے۔ لیکن جو شخص ان مشاعر سے یہ کام نہیں لیتا، وہ ان سے عدم انتفاع (فائدہ نہ اٹھانے) میں چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے، اس لیے کہ چوپایے تو پھر بھی اپنے نفع نقصان کا کچھ شعور رکھتے ہیں اور نفع والی چیزوں سے نفع اٹھاتے اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اعراض کرنے والے شخص کے اندر تو یہ تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے مفید چیز کون سی ہے اور مضر کون سی؟ اسی لیے اگلے جملے میں انھیں غافل بھی کہا گیا ہے۔

④ ﴿اَلْحُسْنٰى﴾ أَحْسَن اسم تفضیل کی تانیث ہے۔ اللہ کے ان بہترین ناموں سے مراد اللہ کے وہ نام ہیں جن سے اس کی مختلف صفات، اس کی عظمت و جلالت اور اس کی قدرت و طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ان کی تعداد 99 (ایک کم سو) بتائی گئی۔ اور فرمایا کہ ''جو ان کو شمار کرے گا، جنت میں داخل ہو گا، اللہ تعالیٰ طاق ہے، طاق کو پسند فرماتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6410، وصحيح مسلم، حديث: 5-(2677)) شمار کرنے کا مطلب ہے، ان پر ایمان لانا یا ان کو گننا اور انھیں ایک ایک کر کے بطور تبرک اخلاص کے ساتھ پڑھنا یا ان کا حفظ کرنا، ان کے معانی کا جاننا اور ان سے اپنے کو متصف کرنا۔ (مرقاة شرح مشكاة: 71/5) بعض روایات میں ان 99 ناموں کو تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ روایات ضعیف ہیں اور علماء نے انھیں مدرج قرار دیا ہے، یعنی راویوں کا اضافہ۔ وہ نبی ﷺ کی حدیث کا حصہ نہیں ہیں۔ نیز علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اللہ کے ناموں کی تعداد 99 میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ (ابن كثير و فتح القدير)

⑤ إِلْحَاد کے معنی ہیں: کسی ایک طرف مائل ہونا۔ اسی سے لحد ہے جو اس قبر کو کہا جاتا ہے جو قبر کے گھڑے کے اندر ایک طرف بنائی

أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ

ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے ﴿181﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو

جاتی ہے۔ دین میں الحاد اختیار کرنے کا مطلب کج روی اور گمراہی اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کج روی) کی تین صورتیں ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کے ناموں میں تبدیلی کر دی جائے۔ جیسے مشرکین نے کیا، مثلاً: اللہ کے ذاتی نام سے اپنے ایک بت کا نام لات اور اس کے صفاتی ناموں عَزِیز سے عُزیٰ بنا لیا۔ ② یا اللہ کے ناموں پر اپنی طرف سے اضافے کر لینا، یعنی اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے نام گھڑ لینا جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی ہے۔ ③ یا اس کے ناموں میں کمی کر دی جائے، مثلاً: اسے کسی ایک ہی مخصوص نام سے پکارا جائے اور دوسرے صفاتی ناموں سے پکارنے کو برا سمجھا جائے۔ (فتح القدیر) اللہ کے ناموں میں الحاد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان میں تاویل، تعطیل یا تشبیہ سے کام لیا جائے۔ (أیسر التفاسیر) جس طرح معتزلہ، مُعطِّلَہ اور مُشَبِّہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سب سے بچ کر رہو۔ یعنی اللہ کے اسماء وصفات میں تاویل نہ کرو، جیسے کہا جائے کہ یَدٌ (ہاتھ) سے مراد قدرت ہے۔ یا استواء علی العرش کا مطلب اِسْتِیلاء (غلبہ) ہے، وغیرہ۔ بلکہ یہ ایمان رکھا جائے کہ واقعی اللہ کے ہاتھ ہیں جیسا کہ اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہیں، اس لیے کہ ہاتھ کو اگر قدرت کے معنی میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ میں نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (صٓ 75:38) تو حضرت آدم علیہ السلام کا یہ اختصاص ختم ہو جائے گا کیونکہ قدرت الٰہی سے تو ساری ہی مخلوق پیدا ہوئی ہے تو پھر حضرت آدم کی کیا خصوصیت ہوئی جسے اللہ نے بطور خاص بیان فرمایا ہے؟ اس طرح سے ایک حقیقت کا انکار لازم آتا ہے۔ اِسْتَوٰی کے معنی ہیں صَعِدَ، عَلَا، اِرْتَفَعَ، اِسْتَقَرَّ (سلف سے یہ چاروں الفاظ منقول ہیں) جس کا مطلب عرش پر بلند ہونا اور اس پر استقرار پکڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود اور مستقر صرف عرش پر ہے، البتہ اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید 4:57) ''تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمھارے ساتھ ہے۔'' میں یہی معیتِ علمی اور احاطۂ علمی مراد ہے نہ کہ معیت ذات۔ ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ 115:2) ''پس جس طرف بھی تم پھرو، ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو محیط ہے، انسان جس طرف بھی اپنا رخ کر لے، اللہ تعالیٰ اس کو گھیر لینے والا ہے، وہ اس کے حیطۂ قدرت سے باہر نہیں۔ اور بعض نے ﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ سے مراد قبلہ لیا ہے۔ بہر حال اللہ کے عرش پر جلوہ گر ہونے کے دلائل قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں، اس لیے سلف کا عقیدہ یہی ہے کہ اس پر ایمان رکھا جائے اور اس کی تاویل نہ کی جائے۔ تعطیل کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو معانی ومطالب سے خالی اور معرا قرار دینا۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسے سب سے بڑا الحاد کہا ہے: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جو اس کی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اسماء، صفات ہی سے مشتق ہیں اور وہی اس کے اوصاف ہیں اور انھی اوصاف کی وجہ سے وہ حسنیٰ ہو سکتے ہیں اگر اسمائے الٰہی صرف الفاظ ہوں، ان کے معانی نہ ہوں تو وہ حسنیٰ ہو سکتے ہیں اور نہ مدح وکمال پر دلالت کرنے والے، اس طرح اسمائے انتقام وغضب کا استعمال، رحمت و احسان کے موقع پر اور اسمائے رحمت و احسان کا استعمال، انتقام وغضب کے موقع پر جائز ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اس طرح نہیں کہتا اور نہ کہنا جائز ہی ہے کہ یا اللہ! مجھے بخش دے، اس لیے کہ تو مُنْتَقِم ہے۔ یا، اے اللہ! مجھے عطا کر، اس لیے کہ تو ضار و مانع ہے بلکہ جس طرح کی دعا کی جاتی ہے، اسی

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿183﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتة مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ

بتدریج عذاب کی طرف اس طرح لے جائیں گے کہ انھیں خبر بھی نہیں ہوگی ﴿182﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے ﴿183﴾[1] کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں ﴿184﴾[2] اور کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر نظر نہیں کی اور

صفت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ یا اللہ مجھے بخش دے، بے شک تو غفور و رحیم ہے، اے اللہ! مجھے عطا کر کیونکہ تو وَهَّاب اور مُعْطِی ہے، وغیرہ، اس لیے اللہ نے اپنے کو قَوِيّ کہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ قوت والا ہے، عزیز ہے، یعنی عزت والا ہے، وہ علیم وقدیر ہے تو یقیناً وہ علم وقدرت سے موصوف ہے، وہ عظیم ہے تو مطلب ہے، عظمت والا۔ سمیع وبصیر ہے تو مطلب ہے سننے اور دیکھنے والا۔ وعلٰی هذا القياس دوسرے اسماء وصفات ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اسمائے الٰہی معانی کے بغیر ہوں تو غفور رحیم اور شديد العقاب کے مابین کوئی فرق نہیں ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وہ غفور رحیم بھی ہے اور شديد العقاب بھی۔ غفور رحیم ہے اہل ایمان و تقویٰ کے لیے اور شديد العقاب ہے نافرمانوں اور سرکشوں کے لیے۔ بہر حال یہ تعطیل بھی بڑی گمراہی ہے۔

تشبیہ کا مطلب ہے اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات جیسا قرار دینا، جیسے کہا جائے: اللہ کے عرش پر استوا کا مطلب ایسے ہی ہے جیسے مخلوق کا تخت وکرسی پر بیٹھنا اور مستوی ہونا یا اس کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ کی طرح ہے وغیرہ۔ اس طرح کی تشبیہ اللہ کے وصف میں کمی کو مستلزم ہے جو اس کی عظمت وشان کے منافی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات جو قرآن حدیث میں بیان ہوئے ہیں، ان پر ایمان رکھا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے یقیناً متصف ہے جیسا کہ اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے۔ تاہم ان کی کیفیت کیا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں، اس لیے ہم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ اس کا کوئی مثیل، نظیر، ہمسر اور مشابہ نہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

ضروری وضاحت: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں سلف کا مسلک تفویض اور توقف کا تھا اور اسی اعتبار سے انھیں مفوضہ کہا گیا ہے۔ یہ بات ایک اعتبار سے صحیح اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔ صحیح اس اعتبار سے کہ وہ صفات الٰہی اور ان کی حقیقت کا تو اثبات کرتے تھے، البتہ ان کی کیفیت کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے گویا کیفیت صفات میں ان کا مسلک توقف وتفویض کا تھا نہ کہ صفات الٰہی کی حقیقت اور ان کے معانی ومطالب کی وضاحت میں، اس لیے سلف کی بابت یہ باور کرانا کہ وہ صفات الٰہی کے معنی ومطلب پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے اور اس کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے، یہ ان پر اتہام ہے اور اس اعتبار سے انھیں مفوضہ قرار دینا بھی غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر شمس الدین افغانی رحمہ اللہ کی کتاب الماتریدية: 125/2) سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ.

[1] یہ وہی اِسْتِدْرَاج و اِمْهَال ہے جو بطور امتحان اللہ تعالیٰ افراد اور قوموں کو دیتا ہے، پھر جب اس کی مشیت مؤاخذہ کرنے کی ہوتی ہے تو کوئی اس سے بچانے پر قادر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

[2] صَاحِبٌ سے مراد نبیٔ کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کی بابت مشرکین کبھی ساحر اور کبھی مجنون (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تمھارے عدم تفکر کا نتیجہ ہے۔ وہ تو ہمارا پیغامبر ہے جو ہمارے احکام پہنچانے والا اور ان سے غفلت واعراض کرنے والوں کو

شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿186﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ

وقف لازم

نہ اس بات پر غور کیا کہ شاید ان کی موت کا وقت قریب ہو،[1] پھر قرآن کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟﴿185﴾[2] جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور اللہ ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے﴿186﴾ یہ لوگ آپ سے قیامت[3] کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب واقع ہوگی؟[4] آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے،[5] اسے اس کے وقت پر وہی ظاہر کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا،[6] وہ تم پر بالکل اچانک آ پڑے گی۔ وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی پوری تحقیق کر چکے ہیں۔[7] آپ فرما دیجیے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے﴿187﴾ آپ فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا، میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا

ڈرانے والا ہے۔

[1] مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر بھی اگر یہ غور کریں تو یقیناً یہ اللہ پر ایمان لے آئیں، اس کے رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت اختیار کر لیں اور انھوں نے جو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں، انھیں چھوڑ دیں اور اس بات سے ڈریں کہ انھیں موت اس حال میں آ جائے کہ وہ کفر پر قائم ہوں۔

[2] حدیث سے مراد یہاں قرآن کریم ہے، یعنی نبی ﷺ کے انذار و تہدید اور قرآن کریم کے بعد بھی اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان سے بڑھ کر انھیں ڈرانے والی چیز اور کیا ہوگی جو اللہ کی طرف سے نازل ہو اور پھر یہ اس پر ایمان لائیں؟

[3] سَاعَةٌ کے معنی گھڑی (لمحہ یا پل) کے ہیں۔ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اچانک اس طرح آ جائے گی کہ پل بھر میں ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی یا سرعت حساب کے اعتبار سے قیامت کی گھڑی کو ساعة سے تعبیر کیا گیا ہے۔

[4] أَرْسٰى يُرْسِي کے معنی اثبات و وقوع کے ہیں، یعنی کب یہ قیامت ثابت یا واقع ہوگی؟

[5] یعنی اس کا یقینی علم نہ کسی فرشتے کو ہے نہ کسی نبی کو، اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں، وہی اس کو اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

[6] اس کے ایک دوسرے معنی ہیں۔ اس کا علم آسمان اور زمین والوں پر بھاری ہے کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفی چیز دلوں پر بھاری ہوتی ہے۔

[7] ﴿حَفِيٌّ﴾ کہتے ہیں: پیچھے پڑ کر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کو، یعنی یہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں اس طرح سوال

يُؤْمِنُوْنَ ﴿188﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا

ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان لائیں ﴿188﴾[1] وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا[2] اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا[3] تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے،[4] پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو[5] اس کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا تو وہ اس کو لیے ہوئے چلتی پھرتی رہی،[6] پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے جو ان کا مالک ہے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہم کو صحیح سالم

کرتے ہیں کہ گویا آپ نے رب کے پیچھے پڑ کر اس کی بابت ضروری علم حاصل کر رکھا ہے۔

① یہ آیت اس بات میں کتنی واضح ہے کہ نبی ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ظلم اور جہالت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود اہل بدعت آپ کو عالم الغیب باور کراتے ہیں۔ حالانکہ بعض جنگوں میں آپ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے، آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ قوم کیسے فلاح یاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا (کتب حدیث میں یہ واقعات بھی اور ذیل کے واقعات بھی درج ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو نبی ﷺ پورا ایک مہینہ سخت مضطرب اور نہایت پریشان رہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا جسے آپ نے بھی تناول فرمایا اور صحابہ نے بھی حتی کہ بعض صحابہ تو کھانے کی سُمِّيَّتْ (زہریلے پن) سے وفات ہی پا گئے اور خود نبی ﷺ عمر بھر اس زہر کے اثرات محسوس فرماتے رہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے واضح ہے کہ آپ کو عدم علم کی وجہ سے تکلیف پہنچی، نقصان اٹھانا پڑا جس سے قرآن کی بیان کردہ حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ ''اگر میں غیب جانتا ہوتا تو مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی۔''

② یعنی حضرت آدم سے۔ اسی لیے ان کو انسان اول اور ابوالبشر کہا جاتا ہے۔

③ اس سے مراد حضرت حواء ہیں، جو حضرت آدم علیہ السلام کی زوج بنیں۔ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جس طرح کہ ﴿مِنْهَا﴾ کی ضمیر سے، جو نفس واحدہ کی طرف راجع ہے، واضح ہے۔ (مزید دیکھیے سورۂ نساء، آیت: 1 کا حاشیہ)

④ یعنی اس سے اطمینان وسکون حاصل کرے، اس لیے کہ ایک جنس اپنے ہی ہم جنس سے صحیح معنوں میں مانوس اور قریب ہو سکتی ہے جو سکون حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ غیر سے اس سکون کا حصول ممکن ہی نہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ (الروم 30:21) ''اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم ہی میں سے (یا تمھاری جنس ہی میں سے) جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان اس نے پیار و محبت رکھ دی۔'' یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب وانس حاصل کرتے ہیں، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جو باہمی پیار میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، وہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ نہیں ہوتا۔

⑤ یعنی یہ نسل انسانی اس طرح بڑھی اور آگے چل کر جب ان میں سے ایک زوج، یعنی میاں بیوی نے ایک دوسرے سے قربت کی۔ ﴿تَغَشّٰىهَا﴾ کے معنی بیوی سے ہم بستری کرنا ہیں، یعنی وطی کرنے کے لیے ڈھانپا۔

⑥ یعنی حمل کے ابتدائی ایام میں حتیٰ کہ نطفے سے عَلَقَه اور عَلَقَه سے مُضْغَه بننے تک حمل خفیف ہی رہتا ہے، محسوس بھی نہیں ہوتا

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿189﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۖ﴿191﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿192﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿193﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿194﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ

اولا د دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے ﴿189﴾ [1] سو جب اللہ نے دونوں کو صحیح سالم اولا د دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، [2] پس اللہ بلند تر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿190﴾ کیا وہ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں ﴿191﴾ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ﴿192﴾ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمھارے کہنے پر نہ چلیں، [3] تمھارے لیے دونوں امر برابر ہیں، خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو ﴿193﴾ اللہ کو چھوڑ کر جنھیں تم پکارتے ہو، بلاشبہ وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں، [4] سو تم ان کو پکارو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمھیں جواب دیں ﴿194﴾ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہوں یا ان کی آنکھیں ہیں

اور عورت کو زیادہ گرانی بھی نہیں ہوتی۔

[1] بوجھل ہو جانے سے مراد، جب بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے تو جوں جوں ولادت کا وقت قریب آتا جاتا ہے، والدین کے دل میں خطرات اور توہمات پیدا ہوتے جاتے ہیں (بالخصوص جب عورت کو اٹھرا کی بیماری ہو) تو انسانی فطرت ہے کہ خطرات میں وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ وہ دونوں اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور شکر گزاری کا عہد کرتے ہیں۔

[2] شریک قرار دینے سے مراد یا تو بچے کا نام ایسا رکھنا ہے، مثلاً: امام بخش، پیراں دتہ، عبد شمس، بندہ علی وغیرہ، جس سے یہ اظہار ہوتا ہو کہ یہ بچہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کی (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) نظر کرم کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اپنے اس عقیدے کا اظہار کرے کہ ہم فلاں بزرگ یا فلاں قبر پر گئے تھے جس کے نتیجے میں یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ یا کسی مردہ کے نام کی نذر نیاز دے یا بچے کو کسی قبر پر لے جا کر اس کا ماتھا وہاں ٹکائے کہ ان کے طفیل بچہ ہوا ہے۔ یہ ساری صورتیں اللہ کا شریک ٹھہرانے کی ہیں جو بدقسمتی سے مسلمان عوام میں بھی عام ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ شرک کی تردید فرما رہا ہے۔

[3] یعنی تمھاری بتلائی ہوئی بات پر عمل نہیں کریں گے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اگر تم ان سے رشد و ہدایت طلب کرو تو وہ تمھاری بات نہیں مانیں گے، نہ تمھیں کوئی جواب ہی دیں گے۔ (فتح القدیر)

[4] یعنی جب وہ زندہ تھے۔ بلکہ اب تو تم خود ان سے زیادہ کامل ہو، اب وہ دیکھ نہیں سکتے، تم دیکھتے ہو۔ وہ سن نہیں سکتے تم سنتے ہو۔ وہ کسی کی بات سمجھ نہیں سکتے، تم سمجھتے ہو۔ وہ جواب نہیں دے سکتے، تم دیتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین، جن کی مورتیاں بنا کر پوجتے تھے، وہ بھی پہلے اللہ کے بندے، یعنی انسان ہی تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بتوں کی بابت صحیح بخاری میں صراحت موجود ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4920)

يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ

جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں،[1] آپ کہہ دیجیے! تم اپنے سب شرکاء کو بلا لو، پھر میرے خلاف تدبیر کرو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو﴿195﴾[2] یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی کارسازی کرتا ہے﴿196﴾ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتے، وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے﴿197﴾[3] اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو اس کو نہ سنیں[4] اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے﴿198﴾ آپ درگزر کو اختیار کریں[5] نیک

① یعنی اب ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی دیکھنے، سننے، سمجھنے اور چلنے کی طاقت ختم ہو گئی۔ اب ان کی طرف منسوب یا تو پتھر یا لکڑی کی خود تراشیدہ مورتیاں ہیں یا گنبد، قبے اور آستانے ہیں جو ان کی قبروں پر بنا لیے گئے اور یوں استخواں فروشی کا کاروبار فروغ پذیر ہے۔ ع......اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات ومنات۔

② یعنی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ تمھارے مددگار ہیں تو ان سے مدد طلب کر کے میرے خلاف تدبیر کرو۔

③ جو اپنی مدد آپ کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

④ اس کا وہی مفہوم ہے جو آیت: 193 کا ہے۔

⑤ بعض علماء نے اس کے معنی کیے ہیں: خُذْ مَا عَفَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ أَيْ مَا فَضَلَ یعنی ”جو ضرورت سے زائد مال ہو، وہ لے لو۔“ اور یہ زکاۃ کی فرضیت سے قبل کا حکم ہے۔ (فتح الباري: 388/8) لیکن دوسرے مفسرین نے اس سے اخلاقی ہدایت، یعنی عفو و درگزر مراد لیا ہے اور امام ابن جریر اور امام بخاری رحمہما اللہ وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عُيَيْنَه بن حِصن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر ان پر تنقید کرنے لگے کہ آپ ہمیں نہ پوری عطا دیتے ہیں اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہیں جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر کے مشیر حُر بن قیس نے (جو عیینہ کے بھتیجے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ ”درگزر کو اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے۔“ اور یہ بھی جاہلوں میں سے ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درگزر فرما دیا۔ «وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ» ”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً گردن خم کر دینے والے تھے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4642) اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کے مقابلے میں معاف کر دینے، قطع رحمی کے مقابلے میں صلہ رحمی اور برائی کے بدلے احسان کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

الْجٰهِلِيْنَ ﴿199﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿200﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿201﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿202﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿203﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿204﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا

کام کا حکم دیں [1] اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجائیں ﴿199﴾ [2] اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے، [3] بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿200﴾ یقیناً جو لوگ متقی ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ﴿201﴾ [4] اور جو شیاطین کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے لیے جاتے ہیں، پھر وہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ﴿202﴾ [5] اور جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ تم خود اپنی طرف سے کیوں نہیں بنالاتے؟ آپ فرمادیجیے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ یہ روشن دلیلیں ہیں تمھارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ﴿203﴾ [6] اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو ﴿204﴾ [7] اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی

---

① ﴿بِالْعُرْفِ﴾ سے مراد معروف، یعنی نیکی ہے۔

② یعنی جب آپ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکیں اور پھر بھی وہ نہ مانیں تو ان سے اعراض فرمالیں اور ان کے جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیں۔

③ اور اس موقع پر اگر آپ کو شیطان اشتعال میں لانے کی کوشش کرے تو آپ اللہ سے پناہ طلب فرمائیں۔

④ اس میں اہل تقویٰ کی بابت بتلایا گیا ہے کہ وہ شیطان سے چوکنا رہتے ہیں۔ ﴿طٰٓئِفٌ﴾ یا طَیْف، اس تخیل کو کہتے ہیں جو دل میں آئے یا خواب میں نظر آئے۔ یہاں اسے شیطانی وسوسے کے معنی میں استعمال کیا گیا کیونکہ وسوسۂ شیطانی بھی خیالی تصورات کے مشابہ ہے۔ (فتح القدیر)

⑤ یعنی شیطان کافروں کو گمراہی کی طرف کھینچے لے جاتے ہیں، پھر وہ کافر (گمراہی کی طرف جانے میں) یا شیطان ان کو لے جانے میں کمی کوتاہی نہیں کرتے، یعنی ﴿لَا يُقْصِرُوْنَ﴾ کا فاعل کافر بھی بن سکتے ہیں اور اخوانُ الْكُفَّارِ شیاطین بھی۔

⑥ مراد ایسا معجزہ ہے جو ان کے کہنے پر ان کی خواہش کے مطابق ظاہر کر کے دکھایا جائے، جیسے ان کے بعض مطالبات سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 93,90 میں بیان کیے گئے ہیں۔ ﴿لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ کے معنی ہیں، تو اپنے پاس سے ہی کیوں نہیں بنا لاتا؟ اس کے جواب میں بتلایا گیا کہ آپ فرمادیں، معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے میں تو صرف وحیٔ الٰہی کا پیروکار ہوں۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو میرے پاس آیا ہے، یہ بجائے خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس میں تمھارے رب کی طرف سے بصائر (دلائل و براہین) اور ہدایت و رحمت ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایمان لانے والا ہو۔

وَّ خِيفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿205﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿206﴾ السجدۃ ع 24 18 14

اٰيَاتُهَا 75 (8) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ (88) رُكُوْعَاتُهَا 10

سورۂ انفال مدنی ہے اور اس کی 75 آیات اور 10 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا

اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے صبح وشام یاد کرتے رہو اور ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو غفلت میں پڑے ہیں ﴿205﴾ یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں ﴿206﴾ یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں،[1] آپ فرما دیجیے! کہ یہ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں،[2] سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول

[7] یہ ان کافروں کو کہا جا رہا ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے وقت شور کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو کہتے تھے: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ (حٰمٓ السجدة 26:41) ''یہ قرآن مت سنو اور شور کرو۔'' ان سے کہا گیا کہ اس کی بجائے تم اگر غور سے سنو اور خاموش رہو تو شاید اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت سے نواز دے۔ اور یوں تم رحمت الٰہی کے مستحق بن جاؤ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے، چاہے نماز ہو یا غیر نماز، سب کو خاموشی سے قرآن سننے کا حکم ہے اور پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف باور کراتے ہیں۔ درآں حالیکہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ سے صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اول تو اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے جیسا کہ اس کے مکی ہونے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسے عام سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح وقوی احادیث سے ثابت ہے۔ بنا بریں جس طرح اور بعض عمومات قرآنی کی تخصیص احادیث کی بنیاد پر تسلیم کی جاتی ہے، مثلاً: آیت ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا﴾ (النور 2:24) کے عموم سے شادی شدہ زانی کا اخراج اور ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ﴾ (المآئدة 38:5) کے عموم سے ایسے چور کا اخراج یا تخصیص جس نے ربع دینار سے کم مالیت کی چیز چوری کی ہو یا چوری شدہ چیز حرز میں نہ رکھی ہو وغیرہ۔ اسی طرح ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ کے عمومی حکم سے مقتدی خارج ہوں گے اور ان کے لیے جہری نمازوں میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہوگا کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے (جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ احادیث بیان کی گئی ہیں)

[1] ﴿اَلْاَنْفَالُ﴾ نَفَل کی جمع ہے جس کے معنی زیادہ کے ہیں، یہ اس مال واسباب کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے ساتھ جنگ میں ہاتھ لگے جسے غنیمت بھی کہا جاتا ہے یا اسے نفل (زیادہ) اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک ہے جو پچھلی امتوں پر حرام تھیں۔ یہ گویا امت محمدیہ پر ایک زائد چیز حلال کی گئی ہے یا اس لیے کہ یہ جہاد کے اجر سے (جو آخرت کو ملے گا) ایک زائد چیز ہے جو

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

کی اطاعت کرو① [1] بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں② [2] جو نماز قائم کرتے

بعض دفعہ دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔

② یعنی اس کا فیصلہ وہی کریں گے۔ اللہ کا رسول، اللہ کے حکم سے اسے تقسیم فرمائے گا، نہ کہ تم آپس میں جس طرح چاہو اسے تقسیم کرلو۔

① اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ تینوں باتوں پر عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اس سے تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اہمیت واضح ہے۔ خاص طور پر مال غنیمت کی تقسیم میں ان تینوں امور پر عمل نہایت ضروری ہے کیونکہ مال کی تقسیم میں باہمی فساد کا بھی شدید اندیشہ رہتا ہے، اس کے علاج کے لیے اصلاح ذات البین پر زور دیا۔ ہیرا پھیری اور خیانت کا بھی امکان رہتا ہے، اس کے لیے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کے باوجود بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مضمر ہے۔

② ان آیات میں اہل ایمان کی 4 صفات بیان کی گئی ہیں: ① وہ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعت کرتے ہیں ② اللہ کا ذکر سن کر، اللہ کی جلالت وعظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ③ تلاوت قرآن سے ان کے ایمانوں میں اضافہ ہوتا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے) ④ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ توکل کا مطلب ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں، یعنی اسباب سے اعراض وگریز بھی نہیں کرتے کیونکہ انھیں اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے لیکن اسباب ظاہری کو ہی سب کچھ نہیں سمجھ لیتے بلکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل کارفرما مشیت الٰہی ہی ہے، اس لیے جب تک اللہ کی مشیت نہیں ہوگی، یہ ظاہری اسباب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اس یقین واعتماد کی بنیاد پر پھر وہ اللہ کی مدد واعانت حاصل کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔ آگے ان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے اور ان صفات کے حاملین کے لیے اللہ کی طرف سے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ اور مغفرت ورحمت الٰہی اور رزق کریم کی نوید ہے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ. (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شمار فرمالے)

جنگ بدر کا پس منظر: جنگ بدر، جو 2 ہجری میں ہوئی، کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی جنگ تھی۔ علاوہ ازیں یہ منصوبہ بندی اور تیاری کے بغیر اچانک ہوئی۔ نیز بے سروسامانی کی وجہ سے بعض مسلمان ذہنی طور پر اس کے لیے تیار بھی نہیں تھے۔ مختصراً اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آ رہا تھا، چونکہ مسلمانوں کا بھی بہت سا مال واسباب ہجرت کی وجہ سے مکہ رہ گیا تھا یا کافروں نے چھین لیا تھا، نیز کافروں کی قوت وشوکت کو توڑنا بھی مقتضائے وقت تھا، ان تمام باتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا اور مسلمان اس نیت سے مدینہ سے چل پڑے۔ ابوسفیان کو بھی اس امر کی اطلاع مل گئی، چنانچہ انھوں نے ایک تو اپنا راستہ تبدیل کرلیا۔ دوسرے، مکہ اطلاع بھجوا دی جس کی بنا پر ابوجہل ایک لشکر لے کر اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے بدر کی جانب چل پڑا، نبی ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے معاملہ رکھ دیا اور اللہ کا وعدہ بھی بتلایا کہ ان دونوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے ایک چیز

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ⑤ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑥ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ⑦ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ⑧ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں③ یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے④ جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا تھا[1] جب کہ مومنوں کی ایک جماعت اس کو ناپسند کرتی تھی⑤[2] وہ اس حق کے بارے میں، اس کے بعد کہ وہ واضح ہو گیا تھا[3] آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے اور وہ اسے دیکھ رہے ہیں⑥[4] اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آ جائے گی[5] اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمھارے ہاتھ آ جائے[6] اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے⑦ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں⑧[7] اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے

تمھیں ضرور حاصل ہو گی۔ تاہم پھر بھی لڑائی میں بعض صحابہ نے تردد کا اظہار اور تجارتی قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا جبکہ دوسرے تمام صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑنے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

① یعنی جس طرح مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنا ہوا تھا، پھر اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا گیا تو اسی میں مسلمانوں کی بہتری تھی، اسی طرح آپ کا مدینہ سے نکلنا اور آگے چل کر تجارتی قافلے کی بجائے لشکر قریش سے مڈبھیڑ ہو جانا، گو بعض طبائع کے لیے ناگوار تھا لیکن اس میں بھی بالآخر فائدہ مسلمانوں ہی کا تھا۔

② یہ ناگواری لشکر قریش سے لڑنے کے معاملے میں تھی، جس کا اظہار چند ایک افراد کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ طبعی خوف اور بے سروسامانی تھی۔ اس کا تعلق مدینہ سے نکلنے سے نہیں ہے۔

③ یعنی یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور اب لشکر قریش ہی سامنے ہے جس سے لڑائی ناگزیر ہے۔

④ یہ بے سروسامانی کی حالت میں لڑنے کی وجہ سے یا طبعی خوف کی وجہ سے بعض مسلمانوں کی جو کیفیت تھی، اس کا اظہار ہے۔

⑤ یعنی یا تو تجارتی قافلے کو تم پا لو گے، جس سے تمھیں بغیر لڑائی کے وافر مال و اسباب مل جائے گا، بصورت دیگر لشکر قریش سے تمھارا مقابلہ ہو گا اور تمھیں غلبہ ہو گا اور مال غنیمت ملے گا۔

⑥ یعنی تجارتی قافلہ، تاکہ بغیر لڑے مال ہاتھ آ جائے۔

⑦ لیکن اللہ اس کے برعکس یہ چاہتا تھا کہ لشکر قریش سے تمھاری جنگ ہو تاکہ کفر کی قوت و شوکت ٹوٹ جائے گو یہ امر مجرموں (مشرکوں)

مُرْدِفِيْنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ ۧ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪ ؕ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ

تھے، پھر اللہ نے تمھاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو لگا تار چلے آئیں گے ⑨ [1] اور اللہ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ تمھیں خوش خبری ہو اور تا کہ اس سے تمھارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے [2] جو کہ زبردست حکمت والا ہے ⑩ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تمھیں تسکین دینے کے لیے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا [3] اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے [4] اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعے سے (تمھارے) قدم جما دے ⑪ [5] اس وقت کو یاد کرو جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں

کے لیے ناگوار ہی ہو۔

① اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد 313 تھی جبکہ کافر اس سے 3 گنا (ہزار کے قریب) تھے، پھر مسلمان نہتے اور بے سروسامان تھے جبکہ کافروں کے پاس اسلحے کی بھی فراوانی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کا سہارا صرف اللہ ہی کی ذات تھی، جس سے وہ گڑگڑا کر مدد کی فریادیں کر رہے تھے۔ خود نبیٔ کریم ﷺ الگ ایک خیمے میں نہایت الحاح و زاری سے مصروف دعا تھے۔ (صحيح البخاري، حدیث: 3953 و 3957) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعائیں قبول کیں اور ایک ہزار فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل لگا تار مسلمانوں کی مدد کے لیے آ گئے۔

② یعنی فرشتوں کا نزول تو صرف خوش خبری اور تمھارے دلوں کے اطمینان کے لیے تھا، ورنہ اصل مدد تو اللہ کی طرف سے تھی جو فرشتوں کے بغیر بھی تمھاری مدد کر سکتا تھا، تاہم اس سے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ فرشتوں نے عملاً جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ میں فرشتوں نے عملی حصہ لیا اور کئی کافروں کو انھوں نے تہ تیغ کیا۔ (دیکھیے صحيح البخاري، حدیث: 3995)

③ جنگ احد کی طرح جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی، جس سے ان کے دلوں کے بوجھ ہلکے ہو گئے اور اطمینان وسکون کی ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔

④ تیسرا انعام یہ کیا کہ بارش نازل فرما دی، جس سے ایک تو ریتلی زمین میں نقل و حرکت آسان ہو گئی۔ دوسرے، وضو و طہارت میں آسانی ہو گئی۔ تیسرے، اس سے شیطانی وسوسوں کا ازالہ فرما دیا گیا جو وہ اہل ایمان کے دلوں میں ڈال رہا تھا کہ تم اللہ کے نیک بندے ہوتے ہوئے بھی پانی سے دور ہو، دوسرے، جنابت کی حالت میں تم لڑو گے تو کیسے اللہ کی رحمت و نصرت تمھیں حاصل ہو گی؟ تیسرے، تم پیاسے ہو جبکہ تمھارے دشمن سیراب ہیں وغیرہ وغیرہ۔

⑤ یہ چوتھا انعام ہے جو دلوں اور قدموں کو مضبوط کر کے کیا گیا۔

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

رعب ڈالے دیتا ہوں،[1] سوتم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو⑫[2] یہ اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، سو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے⑬ سو یہ سزا چکھو اور جان لو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب تیار ہے⑭ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدان جنگ میں مقابلہ کرو تو ان سے پیٹھ مت پھیرنا⑮[3] اور جو شخص ان سے اس موقع پر پیٹھ پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو وہ مستثنیٰ ہے۔[4] باقی اور جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے⑯[5] سو تم نے انھیں قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا۔ اور جب آپ نے مٹھی بھر خاک پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ

---

① یہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اور خاص اپنی طرف سے جس جس طریقے سے مسلمانوں کی بدر میں مدد فرمائی، اس کا بیان ہے۔

② ﴿بَنَانٍ﴾ ہاتھوں اور پیروں کے پور، یعنی ان کی انگلیوں کے اطراف (کنارے) یہ اطراف کاٹ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ معذور ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ ہاتھوں سے تلوار چلانے کے اور پیروں سے بھاگنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

③ ﴿زَحْفًا﴾ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کے مقابل اور دو بدو ہونا، یعنی مسلمان اور کافر جب ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے: «اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» ''ہلاک کر دینے والی سات چیزوں سے بچو!'' ان سات میں ایک «وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ» ''مقابلے والے دن پیٹھ پھیر جانا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2766، وصحيح مسلم، حديث: 89)

④ گزشتہ آیت میں پیٹھ پھیرنے سے جو منع کیا گیا ہے، دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک تَحَرُّف کی اور دوسری تَحَیُّز کی۔ تحرف کے معنی ہیں، ایک طرف پھر جانا، یعنی لڑائی میں جنگی چال کے طور پر یا دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے لڑتا لڑتا ایک طرف پھر جائے، دشمن یہ سمجھے کہ شاید یہ شکست خوردہ ہو کر بھاگ رہا ہے لیکن پھر وہ ایک دم پینترا بدل کر اچانک دشمن پر حملہ کر دے۔ یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے بلکہ یہ جنگی چال ہے جو بعض دفعہ ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ تَحَیُّز کے معنی ملنے اور پناہ لینے کے ہیں۔ کوئی مجاہد لڑتا لڑتا تنہا رہ جائے تو بہ لطائف الحیل میدان جنگ سے ایک طرف ہو جائے تا کہ وہ اپنی جماعت کی طرف پناہ حاصل کرے اور اس کی مدد سے دوبارہ حملہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

⑤ یعنی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ کوئی شخص میدان جنگ سے پیٹھ پھیرے گا، اس کے لیے یہ سخت وعید ہے۔

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

ع 2/16

وہ اللہ نے پھینکی تھی [1] اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے، [2] بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿17﴾ (ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات) یہ ہے کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے ﴿18﴾ [3] اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمھارے سامنے آموجود ہوا، [4] اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمھاری جمعیت تمھارے ذرا بھی کام نہ آسکے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ﴿19﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی مت کرو اور تم سنتے ہو ﴿20﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں ﴿21﴾ [5] بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو ذرا نہیں

﴿۶﴾ یعنی جنگ بدر کی ساری صورت حال تمھارے سامنے رکھ دی گئی ہے اور جس جس طرح اللہ نے تمھاری وہاں مدد فرمائی، اس کی وضاحت کے بعد تم یہ نہ سمجھ لینا کہ کافروں کا قتل، یہ تمھارا کارنامہ ہے۔ نہیں، بلکہ یہ اللہ کی اس مدد کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے تمھیں یہ طاقت حاصل ہوئی، اس لیے دراصل انھیں قتل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

[1] جنگ بدر میں نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی تھی، جسے ایک تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے چہروں اور آنکھوں تک پہنچا دیا اور دوسرے، اس میں یہ تاثیر پیدا فرما دی کہ اس سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، یہ معجزہ بھی، جو اس وقت اللہ کی مدد سے ظاہر ہوا، مسلمانوں کی کامیابی میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے پیغمبر! کنکریاں بے شک آپ نے پھینکی تھیں لیکن اس میں تاثیر ہم نے پیدا کی تھی اگر ہم اس میں یہ تاثیر پیدا نہ کرتے تو یہ کنکریاں کیا کر سکتی تھیں؟ اس لیے یہ بھی دراصل ہمارا ہی کام تھا نہ کہ آپ کا۔

[2] ﴿بَلَآءً﴾ یہاں نعمت کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی یہ تائید و نصرت، اللہ کا انعام ہے جو مومنوں پر ہوا۔

[3] دوسرا مقصد اس کا کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا اور ان کی قوت و شوکت کو توڑنا تھا۔

[4] ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش نے مکہ سے نکلتے وقت دعا کی تھی کہ ''یا اللہ ہم میں سے جو تیرا زیادہ نافرمان اور قاطع رحم ہے، کل تو اسے ہلاک کر دے۔'' اپنے طور پر وہ مسلمانوں کو قاطع رحم اور نافرمان سمجھتے تھے، اس لیے اس قسم کی دعا کی۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرما دی تو اللہ تعالیٰ ان کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم فتح، یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ طلب کر رہے تھے تو وہ فیصلہ تو سامنے آچکا ہے، اس لیے اب تم کفر سے باز آجاؤ، تو تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر تم دوبارہ مسلمانوں کے مقابلے میں آؤ گے تو ہم بھی دوبارہ ان کی مدد کریں گے اور تمھاری جماعت، کثرت کے باوجود تمھارے کچھ کام نہ آئے گی۔

[5] یعنی سن لینے کے باوجود، عمل نہ کرنا، یہ کافروں کا طریقہ ہے، تم اس رویے سے بچو۔ اگلی آیت میں ایسے ہی لوگوں کو بہرہ، گونگا،

قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿22﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا

سمجھتے ﴿22﴾ اور اگر اللہ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا [1] اور اگر ان کو اب سنا دے تو وہ ضرور بے رخی کرتے ہوئے روگردانی کریں گے ﴿23﴾ [2] اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو، جب کہ رسول تم کو تمھاری حیات بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔ [3] اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے [4] اور بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے ﴿24﴾ اور تم اس فتنے سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے [5]

لایعقل اور بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔ ﴿الدَّوَآبِّ﴾ دَابَّةٌ کی جمع ہے، جو بھی زمین پر چلنے پھرنے والی چیز ہے، وہ دَابَّة ہے۔ مراد مخلوقات ہے، یعنی یہ سب سے بدتر ہیں جو حق کے معاملے میں بہرے، گونگے اور غیر عاقل ہیں۔

[1] اسی بات کو قرآن کریم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ؗ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 7:179)
''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ (اللہ سے) بے خبر ہیں۔''

[2] یعنی ان کے سماع کو نافع بنا کر ان کو فہم صحیح عطا فرما دیتا، جس سے وہ حق کو قبول کر لیتے اور اسے اپنا لیتے۔ لیکن چونکہ ان کے اندر خیر، یعنی حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ فہم صحیح سے ہی محروم ہیں۔

[3] پہلے سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ اس دوسرے سماع سے مراد مطلق سماع ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ انھیں حق بات سنوا بھی دے تو چونکہ ان کے اندر حق کی طلب ہی نہیں ہے، اس لیے وہ بدستور اس سے اعراض ہی کریں گے۔

[4] ﴿لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ ایسی چیزوں کی طرف جس سے تمھیں زندگی ملے۔ بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے کہ اسی میں تمھاری زندگی کا سروسامان ہے۔ بعض نے قرآن کے اوامر و نواہی اور احکام شرعیہ مراد لیے ہیں، جن میں جہاد بھی آ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو، اور اس پر عمل کرو، اسی میں تمھارے لیے زندگی ہے۔

[5] یعنی موت وارد کر کے، جس کا مزہ ہر نفس کو چکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تمھیں موت آ جائے، اللہ اور رسول کی بات مان لو اور اس پر عمل کر لو۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے جس طرح قریب ہے اس میں اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے دلوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انسان اس کی مشیت کے بغیر کسی چیز کو پا نہیں سکتا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے کہ مسلمان دشمن کی کثرت سے خوف زدہ

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿25﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿26﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿27﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا

ہیں[1] اور یہ جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿25﴾ اور اس حالت کو یاد کرو! جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ اور تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک نہ لے جائیں، سو اللہ نے تمھیں رہنے کی جگہ دی اور تمھیں اپنی نصرت سے قوت دی اور تمھیں نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تاکہ تم شکر کرو ﴿26﴾[2] اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت مت کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو ﴿27﴾[3] اور تم اس بات کو جان لو کہ تمھارے اموال اور تمھاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے۔[4] اور اس بات کو بھی جان لو کہ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے ﴿28﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو

تھے تو اللہ تعالیٰ نے دلوں کے درمیان حائل ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں موجود خوف کو امن سے بدل دیا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ (فتح القدير) امام ابن جریر رحمہ اللہ کے بیان کردہ مفہوم کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے، جن میں دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرنے کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے دل، ایک دل کی طرح رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، انھیں جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔'' پھر آپ نے یہ دعا پڑھی: «اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ» (صحيح مسلم، حديث: 2654) اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔'' بعض روایات میں «ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ» (جامع الترمذي، حديث: 2140) کے الفاظ ہیں۔ ''اے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔''

[1] اس سے مراد یا تو بندوں کا ایک دوسرے پر تسلط ہے جو بلا تخصیص، عام و خاص پر ظلم کرتے ہیں یا وہ عام عذاب ہیں جو کثرت بارش یا سیلاب وغیرہ ارضی و سماوی آفات کی صورت میں آتے ہیں اور نیک و بد سب ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں یا بعض احادیث میں أمر بالمعروف و نهي عن المنكر کے ترک کی وجہ سے عذاب کی جو وعید بیان کی گئی ہے، وہ مراد ہے۔

[2] اس میں مکی زندگی کے شدائد و خطرات کا بیان اور اس کے بعد مدنی زندگی میں مسلمان جس آرام و راحت اور آسودگی سے بفضل الٰہی ہمکنار ہوئے، اس کا تذکرہ ہے۔

[3] اللہ اور رسول کے حقوق میں خیانت یہ ہے کہ جلوت میں اللہ اور رسول ﷺ کا تابع دار بن کر رہے اور خلوت میں اس کے برعکس معصیت کار۔ اسی طرح یہ بھی خیانت ہے کہ فرائض میں سے کسی فرض کا ترک اور نواہی میں سے کسی بات کا ارتکاب کیا جائے۔ اور ﴿تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ کا مطلب ایک شخص دوسرے کے پاس جو امانت رکھواتا ہے اس میں خیانت نہ کرے۔ نبی ﷺ نے بھی امانت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ» (مسند أحمد: 135/3 وقال الألباني حديث جيد، تعليقات الألباني على المشكاة:

اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿32﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا

وہ تمھارے لیے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی چیز دے گا اور تم سے تمھارے گناہ دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ﴿29﴾ [1] اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجیے! جب کافر لوگ آپ کے خلاف خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کرڈالیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں، [2] اور وہ تو اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے ﴿30﴾ [3] اور جب ان کافروں پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کلام سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ دیں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿31﴾ اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ ﴿32﴾ اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو

17/1) ''اس کا ایمان نہیں، جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں، جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں۔''

④ مال اور اولاد کی محبت ہی عام طور پر انسان کو خیانت پر اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریز پر مجبور کرتی ہے، اس لیے ان کو فتنہ (آزمائش) قرار دیا گیا ہے، یعنی اس کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان کی محبت میں امانت اور اطاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پورے کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہے، بصورت دیگر ناکام۔ اس صورت میں یہی مال اور اولاد اس کے لیے عذاب الٰہی کا باعث بن جائیں گے۔

① تقویٰ کا مطلب ہے، اوامر الٰہی کی مخالفت اور اس کے مناہی کے ارتکاب سے بچنا۔ اور فُرقان کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: ایسی چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی بدولت دل مضبوط، بصیرت تیز تر اور ہدایت کا راستہ واضح تر ہوجاتا ہے، جس سے انسان کو ہر ایسے موقع پر، جب عام انسان التباس و اشتباہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوں، صراط مستقیم کی توفیق مل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں فتح و نصرت اور نجات و مخرج بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور سارے ہی معانی مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ تقویٰ سے یقیناً یہ سارے ہی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ تکفیر سیئات، مغفرت ذنوب اور فضل عظیم بھی حاصل ہوتا ہے۔

② یہ اس سازش کا تذکرہ ہے جو رؤسائے مکہ نے ایک رات دار الندوہ میں تیار کی تھی اور بالآخر یہ طے پایا تھا کہ مختلف قبیلوں کے نوجوانوں کو نبی ﷺ کے قتل پر مامور کیا جائے تاکہ کسی ایک کو قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بلکہ دیت دے کر جان چھوٹ جائے۔

③ چنانچہ اس سازش کے تحت ایک رات یہ نوجوان نبی ﷺ کے گھر کے باہر اس انتظار میں کھڑے رہے کہ آپ باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ نے گھر سے باہر نکلتے وقت مٹی کی ایک مٹھی لی اور ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے نکل گئے، کسی کو آپ کے نکلنے کا پتہ ہی نہیں لگا، حتیٰ کہ آپ غار ثور میں پہنچ گئے۔ یہ کافروں کے مقابلے میں اللہ

كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿36﴾ لِيَمِيْزَ

عذاب دے[1] اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں﴿33﴾[2] اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ سزا نہ دے، حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی بھی نہیں۔ اِس کے متولی تو صرف متقی لوگ ہی ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے﴿34﴾[3] اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔[4] سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب کا مزہ چکھو﴿35﴾ بیشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کررہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعثِ حسرت ہوجائیں گے، پھر مغلوب ہوجائیں گے اور کافر لوگ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے﴿36﴾[5] تاکہ اللہ

کی تدبیر تھی جس سے بہتر تدبیر کوئی نہیں کرسکتا۔ (مکر کے معنی کے لیے دیکھیے: آل عمران، آیت: 54 کا حاشیہ)

[1] یعنی پیغمبر کی موجودگی میں قوم پر عذاب نہیں آتا، اس لحاظ سے آپ کا وجودِ گرامی بھی ان کے حفظ وامان کا سبب تھا۔

[2] اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ مسلمان ہوکر استغفار کریں گے یا یہ کہ طواف کرتے وقت مشرکین غُفْرَانَكَ رَبَّنَا غُفْرَانَكَ کہا کرتے تھے۔

[3] یعنی وہ مشرکین اپنے آپ کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) کا متولی سمجھتے تھے اور اس اعتبار سے جس کو چاہتے طواف کی اجازت دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے، چنانچہ مسلمانوں کو بھی وہ مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے۔ درآں حالیکہ وہ اس کے متولی ہی نہیں تھے، تَحَکُّمًا (زبردستی) بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے متولی تو متقی افراد ہی بن سکتے ہیں نہ کہ مشرک۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس سے مراد فتح مکہ ہے جو مشرکین کے لیے عذاب الیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے قبل کی آیت میں جس عذاب کی نفی ہے، جو پیغمبر کی موجودگی یا استغفار کرتے رہنے کی وجہ سے نہیں آتا، اس سے مراد عذاب استیصال اور ہلاکت کلی ہے۔ عبرت وتنبیہ کے طور پر چھوٹے موٹے عذاب اس کے منافی نہیں۔

[4] مشرکین جس طرح بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے، اسی طرح طواف کے دوران وہ انگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹیاں اور ہاتھوں سے تالیاں بجاتے۔ اس کو بھی وہ عبادت اور نیکی تصور کرتے تھے، جس طرح آج بھی جاہل صوفی مسجدوں اور آستانوں میں رقص کرتے، ڈھول پیٹتے اور دھمالیں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی ہماری نماز اور عبادت ہے۔ ناچ ناچ کر ہم اپنے یار (اللہ) کو منالیں گے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ.

[5] جب قریش مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور ان کے شکست خوردہ اصحاب مکہ واپس گئے۔ ادھر سے ابوسفیان بھی اپنا تجارتی قافلہ لے

اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ

ع 4/9 18

ناپاک کو پاک سے الگ کر دے [1] اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پس ان سب کو ایک اکٹھا ڈھیر کر دے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے یہی لوگ پورے خسارے میں ہیں ﴿37﴾ آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ لوگ باز آ جائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں معاف کر دیے جائیں گے، [2] اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو سابقین یعنی کفار کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے ﴿38﴾ [3] اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔ [4] اور دین اللہ ہی کا ہو جائے، [5]

کر وہاں پہنچ چکے تھے تو کچھ لوگ، جن کے باپ، بیٹے یا بھائی اس جنگ میں مارے گئے تھے، ابوسفیان اور جن کا اس تجارتی سامان میں حصہ تھا، ان کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ وہ اس مال کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کریں۔ مسلمانوں نے ہمیں بڑا سخت نقصان پہنچایا ہے، اس لیے ان سے انتقامی جنگ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انھی لوگوں یا اسی قسم کا کردار اپنانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کر لیں لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

[1] یہ علیحدگی یا تو آخرت میں ہو گی کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یٰسٓ 59:36) ''اے گناہ گارو! آج الگ ہو جاؤ۔'' یعنی نیک لوگوں سے۔ اور مجرموں، یعنی کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں کو اکٹھا کر کے سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یا پھر اس کا تعلق دنیا سے ہے اور لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی کافر اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جو مال خرچ کر رہے ہیں، ہم ان کو ایسا کرنے کا موقع دیں گے تاکہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے، کافر کو مومن سے اور منافق کو مخلص سے علیحدہ کر دے۔ اس اعتبار سے آیت کے معنی ہوں گے: کفار کے ذریعے سے ہم تمھاری آزمائش کریں گے، وہ تم سے لڑیں گے اور ہم انھیں ان کے مال بھی لڑائی پر خرچ کرنے کی قدرت دیں گے تاکہ خبیث، طیب سے ممتاز ہو جائے، پھر وہ خبیث کو ایک دوسرے سے ملا دے گا، یعنی سب کو جمع کر دے گا۔ (ابن کثیر)

[2] باز آ جانے کا مطلب، مسلمان ہونا ہے۔ جس طرح حدیث میں بھی ہے: ''جس نے اسلام قبول کر کے نیکی کا راستہ اپنا لیا، اس سے اس کے ان گناہوں کی باز پرس نہیں ہو گی جو اس نے جاہلیت میں کیے ہوں گے اور جس نے اسلام لا کر بھی برائی نہ چھوڑی، اس سے اگلے پچھلے سب عملوں کا مؤاخذہ ہو گا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 6921، وصحیح مسلم، حدیث: 189-(120)) ایک اور حدیث میں ہے: «اَلْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَا قَبْلَهُ» (مسند أحمد: 199/4) ''اسلام ماقبل کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

[3] یعنی اگر وہ اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جلد یا بہ دیر عذاب الٰہی کے مورد بن کر رہیں گے۔

[4] ﴿فِتْنَةٌ﴾ سے مراد شرک ہے یا شرک و کفر کی قوت، یعنی اس وقت تک جہاد جاری رکھو، جب تک شرک اور شرک کی قوت کا خاتمہ نہ ہو جائے۔

[5] یعنی اللہ کی توحید کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا جائے۔

لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿39﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿40﴾

پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے ﴿39﴾ [1] اور اگر یہ رُوگردانی کریں [2] تو یقین رکھیں کہ اللہ تمھارا رفیق ہے، [3] وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے ﴿40﴾ [4]

① یعنی تمھارے لیے ان کا ظاہری اسلام ہی کافی ہے، باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو کیونکہ اس کو ظاہر و باطن ہر چیز کا علم ہے۔

② یعنی اسلام قبول نہ کریں اور اپنے کفر اور تمھاری مخالفت پر مصر رہیں۔

③ یعنی تمھارے دشمنوں پر تمھارا مددگار اور تمھارا حامی ومحافظ ہے۔

④ پس کامیاب بھی وہی ہوگا جس کا مولیٰ اللہ ہو اور غالب بھی وہی ہوگا جس کا مددگار وہ ہو۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿41﴾ اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَالرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَلٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَهۡلِکَ

جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو[1] اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا،[2] اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری ہے،[3] جو دن حق و باطل کی جدائی کا تھا[4] جس دن دو فوجیں بھڑ گئی تھیں۔[5] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿41﴾ جب کہ تم پاس والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر تھے[6] اور قافلہ تم سے بہت نیچا تھا۔[7] اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو یقیناً تم وقتِ معین پر پہنچنے میں مختلف ہو جاتے[8] تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو،

---

[1] غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو کافروں سے لڑائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہو۔ پہلی امتوں میں اس کے لیے یہ طریقہ تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد کافروں سے حاصل کردہ سارا مال ایک جگہ ڈھیر کر دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا کر بھسم کر ڈالتی۔ لیکن امت مسلمہ کے لیے یہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ اور جو مال بغیر لڑائی کے صلح کے ذریعے یا جزیہ و خراج سے وصول ہو، اسے فَی کہا جاتا ہے۔ کبھی غنیمت کو بھی فَی سے تعبیر کر لیا جاتا ہے۔ ﴿مِّنۡ شَیۡءٍ﴾ سے مراد جو کچھ بھی ہو، یعنی تھوڑا ہو یا زیادہ، قیمتی ہو یا معمولی، سب کو جمع کر کے اس کی تقسیم حسب ضابطہ کی جائے گی۔ کسی سپاہی کو اس میں سے کوئی چیز تقسیم سے قبل اپنے پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

[2] اللہ کا لفظ تو بطور تبرک، نیز اس لیے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں خُمُس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ حصہ اپنی ضروریات، ازواج مطہرات کی ضروریات اور مسلمانوں کے مفاد عامہ میں لگاتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: «وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ» (سنن النسائي، حديث: 4143 وصححه الألباني في صحيح سنن النسائي، حديث: 4149، ومسند أحمد: 319/5) یعنی ''میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصالح پر ہی خرچ ہوتا ہے۔'' دوسرا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کا، پھر یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے گا۔

[3] اس نزول سے مراد فرشتوں کا اور آیات الٰہی (معجزات وغیرہ) کا نزول ہے جو بدر میں ہوا۔

[4] بدر کی جنگ 2 ہجری 17 رمضان المبارک کو ہوئی۔ اس دن کو یوم الفرقان اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ تھی اور مسلمانوں کو فتح و غلبہ دے کر واضح کر دیا گیا کہ اسلام حق ہے اور کفر و شرک باطل ہے۔

[5] یعنی مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں۔

[6] ﴿الدُّنۡیَا﴾ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قریب۔ مراد ہے: وہ کنارہ جو مدینہ شہر کے قریب تھا۔ ﴿الۡقُصۡوٰی﴾ کہتے ہیں دور کو۔ کافر اس

مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿42﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ط وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿43﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿44﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

دلیل پر (یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔[1] بے شک اللہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿42﴾ جب کہ اللہ نے تجھے تیرے خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی، اگر وہ آپ کو زیادہ دکھاتا تو تم بزدل ہو جاتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے بچالیا، وہ دلوں کے بھیدوں سے خوب آگاہ ہے[2] ﴿43﴾ جبکہ اس نے بوقت ملاقات انھیں تمھاری نگاہوں میں بہت کم دکھایا اور تمھیں ان کی نگاہوں میں بہت کم دکھایا[3] تاکہ اللہ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو مقرر ہو چکا تھا[4] اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں ﴿44﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی

کنارے پر تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور تھا۔

⑦ اس سے مراد وہ تجارتی قافلہ ہے جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور جسے حاصل کرنے کے لیے ہی دراصل مسلمان اس طرف آئے تھے۔ یہ پہاڑ سے بہت دور مغرب کی طرف نشیب میں تھا جبکہ بدر کا مقام، جہاں جنگ ہوئی، بلندی پر تھا۔

⑧ یعنی اگر جنگ کے لیے باقاعدہ دن اور تاریخ کا ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ یا اعلان ہوتا تو یقین تھا کہ تم لڑائی کی تاریخ میں مختلف ہو جاتے لیکن چونکہ اس جنگ کا ہونا اللہ نے لکھ رکھا تھا، اس لیے ایسے اسباب پیدا کر دیے گئے کہ دونوں فریق بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل بغیر پیشگی وعدہ وعید کے صف آرا ہو جائیں۔

① یہ علت ہے اللہ کی اس تقدیری مشیت کی جس کے تحت بدر میں فریقین کا اجتماع ہوا تاکہ جو ایمان پر زندہ رہے تو وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ اسلام حق ہے کیونکہ اس کی حقانیت کا مشاہدہ وہ بدر میں کر چکا ہے اور جو کفر کے ساتھ ہلاک ہو تو وہ بھی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو کیونکہ اس پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ مشرکین کا راستہ گمراہی اور باطل کا راستہ ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی دکھائی اور وہی تعداد آپ نے صحابۂ کرام کے سامنے بیان فرمائی، جس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے اگر اس کے برعکس کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو صحابہ میں پست ہمتی پیدا ہونے اور باہمی اختلاف کا اندیشہ تھا۔ لیکن اللہ نے ان دونوں باتوں سے بچالیا۔

③ تاکہ وہ کافر بھی تم سے خوف کھا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ پہلا واقعہ خواب کا تھا اور یہ دکھلانا عین قتال کے وقت تھا جیسا کہ الفاظ قرآنی سے واضح ہے۔ تاہم یہ معاملہ ابتدا میں تھا۔ لیکن جب باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی تو پھر کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت:13 سے معلوم ہوتا ہے۔ بعد میں زیادہ دکھانے کی حکمت یہ نظر آتی ہے کہ کثرت دیکھ کر ان کے اندر مسلمانوں کا خوف اور دہشت بیٹھ جائے جس سے ان کے اندر بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہو، اس کے برعکس پہلے کم دکھانے میں حکمت یہ تھی کہ وہ لڑنے سے گریز نہ کریں۔

④ اس سب کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے معرکۂ حق و باطل واقع ہونے کا جو فیصلہ کیا ہوا تھا، وہ پورا ہو جائے، اس لیے اس نے اس

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿45﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿46﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿47﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ج فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ

مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کو یاد کرو تاکہ تمھیں کامیابی حاصل ہو ﴿45﴾[1] اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿46﴾[2] ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے،[3] جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے ﴿47﴾ جبکہ شیطان ان کے اعمال انھیں خوشنما کر کے دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا، میں خود بھی تمھارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا: میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ

کے اسباب پیدا فرما دیے۔

[1] اب مسلمانوں کو لڑائی کے وہ آداب بتائے جا رہے ہیں جن کو دشمن سے مقابلے کے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ سب سے پہلی بات ثابت قدمی اور استقلال ہے تاہم اس سے تَحَرُّف اور تَحَیُّز کی وہ دونوں صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جن کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کیونکہ بعض دفعہ ثابت قدمی کے لیے بھی تحرف یا تحیز ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسری ہدایت یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ مسلمان اگر تھوڑے ہوں تو اللہ کی مدد کے طالب رہیں اور اگر مسلمان تعداد میں زیادہ ہوں تو کثرت کی وجہ سے ان کے اندر عجب اور غرور پیدا نہ ہو بلکہ اصل توجہ اللہ کی امداد پر ہی رہے۔

[2] تیسری ہدایت، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، ظاہر بات ہے ان نازک حالات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کتنی سخت خطرناک ہو سکتی ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے ویسے تو ہر حالت میں اللہ اور رسول کی اطاعت ضروری ہے۔ تاہم میدان جنگ میں اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور اس موقع پر تھوڑی سی بھی نافرمانی اللہ کی مدد سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ چوتھی ہدایت کہ آپس میں تنازع اور اختلاف نہ کرو، اس سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور پانچویں ہدایت کہ صبر کرو، یعنی جنگ میں کتنی بھی شدت آ جائے اور تمھیں کتنے بھی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑے لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ نبی ﷺ نے بھی ایک حدیث میں فرمایا: ''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگا کرو، تاہم جب کبھی دشمن سے لڑائی کا موقع پیدا ہو جائے تو صبر کرو (جم کر لڑو) اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2966)

[3] مشرکین مکہ جب اپنے قافلے کی حفاظت اور لڑائی کی نیت سے نکلے تو بڑے اتراتے اور فخر وغرور کرتے ہوئے نکلے، مسلمانوں کو اس کافرانہ شیوے سے روکا گیا ہے۔

عٓ 4/2 اَخَافُ اللّٰهَ ط وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿48﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿49﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا لا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ذٰلِكَ بِمَا

رہے۔ ① میں اللہ سے ڈرتا ہوں، ② اور اللہ سخت عذاب والا ہے ﴿48﴾ ③ جبکہ منافق کہہ رہے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ تھا ④ کہ انھیں تو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے ⑤ جو بھی اللہ پر بھروسہ کرے اللہ بلاشک و شبہ غلبے والا اور حکمت والا ہے ﴿49﴾ ⑥ کاش کہ تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور سرینوں پر مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو ﴿50﴾ ⑦ یہ ان کاموں کا بدلہ ہے

① مشرکین جب مکہ سے روانہ ہوئے تو انھیں اپنے حریف قبیلے بنی بکر بن کنانہ سے اندیشہ تھا کہ وہ پیچھے سے انھیں نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ شیطان سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر آیا جو بنی بکر بن کنانہ کے ایک سردار تھے اور انھیں نہ صرف فتح و غلبہ کی بشارت دی بلکہ اپنی حمایت کا بھی پورا یقین دلایا۔ لیکن جب ملائکہ کی صورت میں امداد الٰہی اسے نظر آئی تو ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔

② اللہ کا خوف تو اس کے دل میں کیا ہونا تھا؟ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ کی خاص مدد حاصل ہے۔ مشرکین ان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

③ ممکن ہے یہ شیطان کے کلام کا حصہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہو، یعنی ماقبل سے الگ مستقل جملہ۔

④ اس سے مراد یا تو وہ مسلمان ہیں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کے بارے میں انھیں شک تھا اگرچہ وہ منافق نہ تھے یا اس سے مراد مشرکین ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہودی مراد ہوں۔

⑤ یعنی ان کی تعداد تو دیکھو اور سرو سامان کا جو حال ہے، وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں مشرکین مکہ سے جو تعداد میں بھی ان سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر طرح کے سامان حرب اور وسائل سے مالا مال بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال دیا ہے۔ اور یہ موٹی سی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان اہل دنیا کو اہل ایمان کے عزم و ثبات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جن کا توکل اللہ کی ذات پر ہے جو غالب ہے، یعنی اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو وہ بے سہارا نہیں چھوڑتا اور حکیم بھی ہے اس کے ہر فعل میں حکمت بالغہ ہے جس کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔

⑦ بعض مفسرین نے اسے جنگ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی بابت قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف آتے تو مسلمان ان کے چہروں پر تلواریں مارتے، جس سے بچنے کے لیے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے تو فرشتے ان کی دبروں پر تلواریں مارتے۔ لیکن یہ آیت عام ہے جو ہر کافر و مشرک کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں (یا دبروں، یعنی چوتڑوں) پر مارتے ہیں، جس طرح سورۂ انعام میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿51﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿53﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿54﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ

جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے ہیں، بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ﴿51﴾ [1] مثل فرعونیوں کے حال کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے [2] کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا، پس اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں پکڑ لیا، یقیناً اللہ قوت والا اور سخت عذاب والا ہے ﴿52﴾ یہ اس لیے کہ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی [3] اور یہ کہ اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿53﴾ مثل حالت فرعونیوں کے اور ان سے پہلے کے لوگوں کے کہ انھوں نے اپنے رب کی باتیں جھٹلائیں، پس ان کے گناہوں کے باعث ہم نے انھیں برباد کیا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ یہ سارے ظالم تھے ﴿54﴾ [4] تمام جانداروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ

اَيْدِيْهِمْ ﴾ (الأنعام 93:6) ''فرشتے ان کو مارنے کے لیے ہاتھ دراز کرتے ہیں۔'' اور بعض کے نزدیک فرشتوں کی یہ مار قیامت والے دن جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے ہوگی اور داروغۂ جہنم کہے گا: ''تم جلنے کا عذاب چکھو۔''

[1] یہ ضرب وعذاب تمھارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ تو عادل ہے جو ہر قسم کے ظلم وجور سے پاک ہے۔ حدیث قدسی میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا ہے اور تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو میں نے شمار کر کے رکھے ہوئے ہیں، پس جو اپنے اعمال میں بھلائی پائے، اس پر اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے برعکس پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔'' (صحیح مسلم، حدیث:55-(2577))

[2] ﴿ كَدَاْبِ ﴾ کے معنی ہیں: عادت۔ کاف تشبیہ کے لیے ہے، یعنی ان مشرکین کی عادت یا حال، اللہ کے پیغمبروں کے جھٹلانے میں، اسی طرح ہے جس طرح فرعون اور اس سے قبل دیگر مکذبین کی عادت یا حال تھا۔

[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم کفران نعمت کا راستہ اختیار کر کے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سے اعراض کر کے اپنے احوال، واخلاق کو نہیں بدل لیتی، اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ گناہوں کی وجہ سے اپنی نعمتیں سلب فرمالیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق بننے کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ گویا تبدیلی کا مطلب یہی ہے کہ قوم گناہوں کو چھوڑ کر اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرے۔

[4] یہ اس بات کی تاکید ہے جو پہلے گزری، البتہ اس میں ہلاکت کی صورت کا اضافہ ہے کہ انھیں غرق کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ واضح کر دیا کہ اللہ نے ان کو غرق کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾ ع وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

ایمان نہ لائیں ﴿55﴾ [1] جن سے آپ نے عہد و پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور وہ (ذرا) نہیں ڈرتے ﴿56﴾ [2] پس اگر آپ انھیں لڑائی میں (موجود) پائیں تو انھیں ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں [3] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿57﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی سطح پر ان کا معاہدہ ان کے آگے پھینک دو، [4] اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ﴿58﴾ [5] کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے۔ یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے ﴿59﴾ تم ان (کافروں) کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور تیار بندھے ہوئے گھوڑے (فراہم کرنے) کی تیاری

① شَرُّ النَّاسِ (لوگوں میں سب سے بدتر) کے بجائے انھیں ﴿شَرَّ الدَّوَآبِّ﴾ کہا گیا ہے۔ جو لغوی معنی کے لحاظ سے تو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال چوپایوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا کافروں کا تعلق ہی انسانوں سے نہیں۔ کفر کا ارتکاب کر کے وہ جانور بلکہ جانوروں میں بھی سب سے بدتر جانور بن گئے ہیں۔

② یہ مذکورہ کافروں ہی کی ایک عادت بیان کی گئی ہے کہ ہر بار نقض عہد کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے عواقب سے ذرا نہیں ڈرتے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کو مراد لیا ہے، جن سے رسول اللہ ﷺ کا یہ معاہدہ تھا کہ وہ کافروں کی مدد نہیں کریں گے لیکن انھوں نے اس کی پاسداری نہیں کی۔

③ ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ﴾ کا مطلب ہے کہ ان کو ایسی مار مار کہ جس سے ان کے پیچھے، ان کے حامیوں اور ساتھیوں میں بھگدڑ مچ جائے حتیٰ کہ وہ آپ کی طرف اس اندیشے سے رخ ہی نہ کریں کہ کہیں ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کے پیش رووں کا ہوا ہے۔

④ خیانت سے مراد ہے، معاہد قوم سے نقض عہد کا خطرہ۔ اور ﴿عَلٰى سَوَآءٍ﴾ "برابری کی حالت میں" کا مطلب ہے کہ انھیں باقاعدہ مطلع کیا جائے کہ آئندہ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔ تاکہ دونوں فریق اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، کوئی ایک فریق لاعلمی اور مغالطے میں نہ مارا جائے۔

⑤ یعنی یہ نقض عہد اگر مسلمانوں کی طرف سے بھی ہو تو یہ خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ جب معاہدے کی مدت ختم ہونے کے قریب آئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی سرزمین کے قریب اپنی فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ مقصد یہ تھا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی رومیوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات آئی تو انھوں نے اسے غدر سے تعبیر فرمایا اور ایک حدیث رسول بیان فرما کر اسے معاہدے کی خلاف ورزی قرار دیا، جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ (مسند أحمد: 111/4، وسنن أبي داود، حديث: 2759، وجامع الترمذي، حديث: 1580)

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿61﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿63﴾

کرو[1] کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے ساتھ اوروں کو بھی، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں خوب جانتا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے، وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا حق نہ مارا جائے گا ﴿60﴾ اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تُو بھی اس کی طرف مائل ہو جا اور اللہ پر بھروسا رکھ،[2] یقیناً وہ بہت سننے والا، جاننے والا ہے ﴿61﴾ اور اگر وہ تجھ سے دغابازی کرنا چاہیں گے تو اللہ تجھے کافی ہے، اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے ﴿62﴾ اور ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تُو اگر سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے،[3] وہ غالب حکمتوں والا ہے ﴿63﴾

---

[1] ﴿قُوَّةٍ﴾ کی تفسیر نبی ﷺ نے رَمْيٌ (پھینکنے) سے کی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1917. اور دیگر کتب حدیث) نبی ﷺ کے دور میں رَمْيٌ کی شکل تیر اندازی، منجنیق وغیرہ کے ذریعے سے پتھر کی گولہ باری وغیرہ تھی اور یہ اس دور میں بہت بڑے جنگی ہتھیار تھے، جس طرح گھوڑے جنگ کے لیے ناگزیر ضرورت تھی اور ہے جبکہ آج کے دور میں رَمْيٌ (پھینکنے) کی مزید جدید شکلیں وجود میں آئی ہیں، لہٰذا ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کے تحت آج کل کے رَمْيٌ والے جنگی ہتھیاروں مشین گن، میزائل اور علاوہ ازیں ٹینک، بم اور جنگی جہاز اور بحری جنگ کے لیے آبدوزیں وغیرہ کی تیاری نہایت ضروری ہے۔

[2] یعنی اگر حالات جنگ کی بجائے صلح کے متقاضی ہوں اور دشمن بھی مائل بہ صلح ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر صلح سے دشمن کا مقصد دھوکہ اور فریب ہو، تب بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، یقیناً اللہ دشمن کے فریب سے بھی محفوظ رکھے گا اور وہ آپ کو کافی ہے۔ لیکن صلح کی یہ اجازت ایسے حالات میں ہے جب مسلمان کمزور ہوں اور صلح میں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد ہو۔ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو، مسلمان قوت و وسائل میں ممتاز ہوں اور کافر کمزور اور ہزیمت خوردہ تو اس صورت میں صلح کی بجائے کافروں کی قوت و شوکت کو توڑنا ضروری ہے۔ (سورۂ محمد 35:47) ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال 39:8)

[3] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنوں پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک بڑے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ نبی ﷺ کی مومنین کے ذریعے سے مدد فرمائی، وہ آپ کے دست و بازو اور محافظ و معاون بن گئے۔ مومنین پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے درمیان پہلے جو عداوت تھی، اسے محبت و الفت میں تبدیل فرما دیا۔ پہلے وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایک دوسرے کے جانثار بن گئے، پہلے ایک دوسرے کے دلی دشمن تھے، اب آپس میں رحیم و شفیق ہو گئے۔ صدیوں پرانی باہمی عداوتوں کو

ع 6/8 4 يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿64﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ

اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیری پیروی کر رہے ہیں ﴿64﴾ اے نبی! ایمان والوں کو جہاد کا شوق دلایئے [1] اگر تم میں بیس بھی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں ایک سو ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے، [2] اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں ﴿65﴾ اچھا اب اللہ تمھارا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ

اس طرح ختم کر کے، باہم پیار اور محبت پیدا کر دینا، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کی قدرت و مشیت کی کارفرمائی تھی، ورنہ یہ ایسا کام تھا کہ دنیا بھر کے خزانے بھی اس پر خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ گوہر مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت:103 ﴿ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ﴾ میں بھی فرمایا ہے اور نبی ﷺ نے بھی غنائم حنین کے موقع پر انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے جماعت انصار! کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں ہدایت نصیب فرمائی۔ تم محتاج تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں خوش حال کر دیا اور تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں آپس میں جوڑ دیا۔'' نبی ﷺ جو بات کہتے، انصار اس کے جواب میں یہی کہتے: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَمَنُّ ''اللہ اور اس کے رسول کے احسانات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث:4330، وصحيح مسلم، حديث:1061)

① تَحْرِيضٌ کے معنی ہیں: ترغیب میں مبالغہ کرنا، یعنی خوب رغبت دلانا اور شوق پیدا کرنا، چنانچہ اس کے مطابق نبی ﷺ جنگ سے قبل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اس کی فضیلت بیان فرماتے جیسا کہ بدر کے موقع پر جب مشرکین اپنی بھاری تعداد اور بھرپور وسائل کے ساتھ میدان میں آ موجود ہوئے، آپ نے فرمایا: ''ایسی جنت میں جانے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' ایک صحابی عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' اس پر انھوں نے بخ بخ کہا، یعنی خوشی کا اظہار کیا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں بھی جنت میں جانے والوں میں سے ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: ''تم اس میں جانے والوں میں سے ہو گے۔'' چنانچہ انھوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور چند کھجوریں جو ان کے پاس تھیں نکال کر کھانے لگے لیکن جلد ہی اپنے پاس سے تمام کھجوریں پھینک دیں اور کہا: ان کے کھانے تک میں زندہ رہا، یہ تو طویل زندگی ہو گی۔ پھر آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے لگے حتیٰ کہ عروس شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ (صحيح مسلم، حديث:1901)

② یہ مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ تمھارے ثابت قدمی سے لڑنے والے 20 مجاہد دو سو پر اور سو ایک ہزار پر غالب رہیں گے، اس لیے مسلمان تھوڑے ہوں، تب بھی گھبرانا نہیں چاہیے۔

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿67﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ

اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب رہیں گے،[1] اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿66﴾[2] نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (جنگی) قیدی آتے جب تک کہ وہ زمین (میدان جنگ) میں خوب خون ریزی نہ کرلے۔ تم تو دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے[3] اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ﴿67﴾ اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی[4] تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے، اس (کے بدلے) میں تمھیں کوئی بہت بڑی سزا ہوتی ﴿68﴾ پس جو کچھ حلال اور پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، خوب

---

[1] پچھلا حکم صحابہ پر گراں گزرا کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے میں، 20 دو سو کے مقابلے میں اور سو ایک ہزار کے مقابلے میں کافی ہیں اور جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اتنی تعداد ہو تو میدانِ جنگ سے بھاگنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرما کر ایک اور دس کا تناسب کم کر کے ایک اور دو کا تناسب کر دیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4653) اب اس تناسب پر کفر کے سامنے ثابت قدم رہنا ضروری ہے اور میدانِ جنگ سے بھاگنا حرام ہے اور اگر کفار دو چند سے زیادہ ہوں تو بھاگنا گناہ نہیں لیکن لڑنا اور جمے رہنا بہر حال افضل ہے۔

[2] یہ کہہ کر صبر و ثابت قدمی کی اہمیت بیان فرما دی کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے اس کا اہتمام ضروری ہے۔

[3] جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ یہ کفر و اسلام کا چونکہ پہلا معرکہ تھا، اس لیے قیدیوں کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟ ان کی بابت احکام پوری طرح واضح نہیں تھے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان ستر قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ جواز کی حد تک دونوں ہی باتوں کی گنجائش تھی۔ اسی لیے دونوں ہی باتیں زیرِ غور آئیں۔ لیکن بعض دفعہ جواز و عدمِ جواز سے قطع نظر حالات و ظروف کے اعتبار سے زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں بھی ضرورت زیادہ بہتر صورت اختیار کرنے کی تھی۔ لیکن جواز کو سامنے رکھتے ہوئے کم تر صورت اختیار کر لی گئی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ مشورے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہ مشورہ دیا کہ کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ کفر اور کافروں کے سرغنے ہیں، یہ آزاد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ سازشیں کریں گے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی رائے اس کے برعکس یہ تھی کہ فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دیا جائے اور اس مال سے آئندہ جنگ کی تیاری کی جائے۔ نبی ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا جس پر یہ اور اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ ﴿حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾ کا مطلب ہے کہ اگر ملک میں کفر کا غلبہ ہے (جیسا کہ اس وقت عرب میں کفر کا غلبہ تھا) تو کافروں کی خوں ریزی کر کے کفر کی قوت کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کر کے تم نے جو فدیہ قبول کیا ہے تو گویا زیادہ بہتر صورت کو چھوڑ کر کم تر صورت کو اختیار کیا ہے جو تمھاری غلطی ہے۔ بعد میں جب کفر کا غلبہ ختم ہو گیا تو قیدیوں کے بارے میں امام وقت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہے تو قتل کر دے، فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ کر لے اور چاہے تو ان کو غلام

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿69﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿70﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

کھاؤ پیو[1] اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے ﴿69﴾ اے نبی! جو قیدی آپ (لوگوں) کے قبضے میں ہیں، ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا[2] تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمھیں دے گا[3] اور تمھارے گناہ بھی معاف فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿70﴾ اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا خیال کریں گے تو یہ تو اس سے پہلے خود اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں آخر اس نے انھیں گرفتار کرا دیا[4] اور اللہ علم وحکمت والا ہے ﴿71﴾ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا[5] اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی،[6] یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں[7] اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی، تمھارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں

بنا لے، حالات وظروف کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرنا جائز ہے۔

④ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ لکھی ہوئی بات کیا تھی؟ بعض نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی حلت مراد ہے، یعنی چونکہ یہ نوشتۂ تقدیر تھا کہ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال ہوگا، اس لیے تم نے فدیہ لے کر ایک جائز کام ہی کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فدیہ لینے کی وجہ سے تمھیں عذاب عظیم پہنچتا۔ بعض نے اہل بدر کی مغفرت اس سے مراد لی ہے، بعض نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کو عذاب میں مانع ہونا مراد لیا ہے وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر)

① اس میں مال غنیمت کی حلت دپاکیزگی کو بیان کر کے فدیے کا جواز بیان فرما دیا گیا۔ جس سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ "لکھی ہوئی بات" سے مراد شاید یہی حلت غنائم ہے۔

② یعنی ایمان واسلام لانے کی نیت اور اسے قبول کرنے کا جذبہ۔

③ یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمھیں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کے بعد عطا فرما دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو ان قیدیوں میں تھے، مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد اللہ نے انھیں دنیوی مال ودولت سے بھی خوب نوازا۔

④ یعنی زبان سے تو اظہار اسلام کر دیں لیکن مقصد دھوکہ دینا ہو تو اس سے قبل انھوں نے کفر وشرک کا ارتکاب کر کے کیا حاصل کیا؟ یہی کہ وہ مسلمانوں کے قیدی بن گئے، اس لیے آئندہ بھی اگر وہ شرک کے راستے پر قائم رہے تو اس سے مزید ذلت ورسوائی کے سوا انھیں کچھ اور حاصل نہیں ہوگا۔

⑤ یہ صحابہ اولین مہاجرین کہلاتے ہیں جو فضیلت میں صحابہ میں اول نمبر پر ہیں۔

⑥ یہ انصار کہلاتے ہیں۔ یہ فضیلت میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿72﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ﴿73﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿74﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں،① ہاں، اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے② مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ جن کے اور تمھارے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے،③ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے ﴿72﴾ کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ اور زبردست فساد برپا ہو جائے گا ﴿73﴾④ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی۔ وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ﴿74﴾⑤ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمھارے ساتھ ہو کر جہاد کیا، پس وہ لوگ بھی تم میں سے ہی ہیں⑥

⑦ یعنی ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہیں جیسا کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرما دیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی قرار پائے۔ (بعد میں وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا)

① یہ صحابہ کی تیسری قسم ہے جو مہاجرین و انصار کے علاوہ ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے ہی علاقوں اور قبیلوں میں مقیم رہے، اس لیے فرمایا کہ تمھاری حمایت یا وراثت کے وہ مستحق نہیں۔

② مشرکین کے خلاف اگر ان کو تمھاری مدد کی ضرورت پیش آ جائے تو پھر ان کی مدد کرنا ضروری ہے۔

③ ہاں، اگر وہ تم سے ایسی قوم کے خلاف مدد کے خواہش مند ہوں کہ تمھارے اور ان کے درمیان صلح کا اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے تو پھر ان مسلمانوں کی حمایت کے مقابلے میں، معاہدے کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔

④ یعنی جس طرح کافر ایک دوسرے کے دوست اور حامی ہیں، اسی طرح اگر تم نے بھی ایمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی حمایت اور کافروں سے عدم موالات نہ کی تو پھر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اور وہ یہ کہ مومن اور کافر کے باہمی اختلاط اور محبت و موالات سے دین کے معاملے میں اشتباہ اور مداہنت پیدا ہوگی۔ بعض نے بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ سے وارث ہونا مراد لیا ہے، یعنی کافر ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر تم وراثت میں کفر و ایمان کو نظر انداز کر کے محض قرابت کو سامنے رکھو گے تو اس سے بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہوگا۔

⑤ یہ مہاجرین و انصار کے انھی دو گروہوں کا تذکرہ ہے جو پہلے بھی گزرا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر ان کی فضیلت کے سلسلے میں ہے جبکہ پہلے ان کا ذکر آپس میں ایک دوسرے کی حمایت و نصرت کا وجوب بیان کرنے کے لیے تھا۔

⑥ یہ ایک چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو فضیلت میں پہلے دو گروہوں کے بعد اور تیسرے گروہ سے، جنھوں نے ہجرت نہیں کی تھی، پہلے ہے۔

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾

سورۂ توبہ مدنی ہے، اس میں 129 آیات اور 16 رکوع ہیں۔

اٰيَاتُهَا: 129 (9) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (113) رُكُوْعَاتُهَا: 16

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿1﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿2﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور رشتے ناطے والے اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں،① بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿75﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صاف جواب ہے② ان مشرکوں کے لیے جن سے تم نے (صلح کا) معاہدہ کیا تھا ﴿1﴾ پس (اے مشرکو!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو،③ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور یہ (بھی یاد رہے) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ﴿2﴾ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے④

① اخوت یا حلف کی بنیاد پر وراثت میں جو حصہ دار بنتے تھے، اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا اب وارث صرف وہی ہوں گے جو نسبی اور سسرالی رشتوں میں منسلک ہوں گے۔ اللہ کی کتاب یا اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ لوح محفوظ میں اصل حکم یہی تھا۔ لیکن اخوت کی بنیاد پر صرف عارضی طور پر ایک دوسرے کا وارث بنا دیا گیا تھا، جواب ضرورت ختم ہونے پر غیر ضروری ہو گیا اور اصل حکم نافذ کر دیا گیا۔

② وجہ تسمیہ: مفسرین نے اس کے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن زیادہ مشہور دو ہیں۔ ایک توبہ، اس لیے کہ اس میں بعض مومنین کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ دوسرا نام براءت ہے، اس لیے کہ اس میں مشرکین سے براءت کا اعلان عام ہے۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ درج نہیں ہے۔ اس کی بھی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ ان دونوں کے مضامین میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ سورت گویا سورۂ انفال کا تتمہ یا بقیہ ہے۔ غالبًا اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں کروائی اور آپ کی متابعت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس میں بسم اللہ تحریر نہیں کی۔ یہ سات بڑی سورتوں میں ساتویں بڑی سورت ہے جنھیں سبع طوال کہا جاتا ہے۔

③ فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو قرآن کریم کی یہ آیات اور یہ احکام دے کر بھیجا تاکہ وہ مکے میں ان کا عام اعلان کر دیں۔ انھوں نے آپ کے فرمان کے مطابق اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بیت اللہ کا عریاں طواف نہیں کرے گا بلکہ آئندہ سال سے کسی مشرک کو بیت اللہ کے حج کی ہی اجازت نہیں ہوگی۔ (صحيح البخاري، حديث: 369، وصحيح مسلم، حديث: (1347))

■ یہ اعلان براءت ان مشرکین کے لیے تھا جن سے غیر مؤقت معاہدہ تھا یا چار مہینے سے کم کا تھا یا جن سے چار مہینے سے زیادہ ایک خاص مدت تک تھا لیکن ان کی طرف سے عہد کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ ان سب کو 4 مہینے مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مدت کے اندر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو انھیں یہاں رہنے کی اجازت ہوگی، بصورت دیگر ان کے لیے ضروری

وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ

27

لوگوں کو حج اکبر کے دن[1] صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی، اگر اب بھی تم توبہ کرلو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکتے۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجیے ③ بجز ان مشرکوں کے جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انھوں نے تمھیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمھارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو،[2] بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ④ پھر جب حرمت والے مہینے[3]

ہوگا کہ وہ 4 مہینے کے بعد ہمارے ملک سے نکل جائیں، اگر دونوں صورتوں میں سے وہ کوئی بھی اختیار نہیں کریں گے تو وہ حربی کافر شمار ہوں گے، جن سے لڑنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا تاکہ جزیرۂ عرب کفر وشرک کی تاریکیوں سے صاف ہو جائے۔

④ یعنی یہ مہلت اس لیے نہیں دی جا رہی ہے کہ فی الحال تمھارے خلاف کارروائی ممکن نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد صرف تمھاری بھلائی اور خیر خواہی ہے تاکہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہے، وہ مسلمان ہو جائے ورنہ یاد رکھو کہ تمھاری بابت اللہ کی جو تقدیر و مشیت ہے، اسے تم ٹال نہیں سکتے اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے تم بچ نہیں سکتے۔

① صحیحین (بخاری و مسلم) اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر (10 ذوالحجہ) کا دن ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4657، و صحيح مسلم، حديث: 1347، و جامع الترمذي، حديث: 957) اسی دن منیٰ میں اعلان براءت سنایا گیا۔ 10 ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اسی لیے کہا گیا کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں۔ عمرہ چونکہ حج اصغر ہے، اس لیے اس سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ والے دن آئے، وہ حج اکبر ہوتا ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

② یہ مشرکین کی چوتھی قسم ہے۔ ان سے جتنی مدت کا معاہدہ تھا، اس مدت تک انھیں رہنے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ انھوں نے معاہدے کی پاسداری کی اور اس کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی پاسداری کو ضروری قرار دیا گیا۔

③ ان حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی چار مہینے ہیں جو حرمت والے ہیں، یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور اعلان براءت 10 ذوالحجہ کو کیا گیا۔ اس اعتبار سے گویا اعلان کے بعد 50 دن کی مہلت انھیں دی گئی کیونکہ حرمت والے مہینوں کے گزرنے کے بعد مشرکین کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں أَشْهُرِ حُرُم سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ 10 ذوالحجہ سے لے کر 10 ربیع الثانی تک کے 4 مہینے مراد ہیں۔ انھیں أَشْهُرِ حُرُم اس لیے کہا گیا ہے کہ اعلان براءت کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں تھی۔ اعلان براءت کی رو سے یہ تفسیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب.

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ

گزر جائیں تو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو،[1] انھیں گرفتار کرو،[2] ان کا محاصرہ کرلو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو،[3] ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو۔[4] یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے⑤ اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تُو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے، پھر تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دے[5] یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے علم ہیں⑥ [6] مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے؟ سوائے ان

① بعض مفسرین نے اس حکم کو عام رکھا ہے، یعنی حِلّ یا حَرَم میں، جہاں بھی پاؤ، قتل کرو۔ اور بعض مفسرین نے آیت: ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾ (البقرة 2:191) ''مسجد حرام کے پاس ان سے مت لڑو یہاں تک کہ وہ خود تم سے لڑیں، اگر وہ لڑیں تو پھر تمھیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔'' سے اس آیت کی تخصیص کی ہے اور صرف حدود حَرَم سے باہر حِلّ میں قتل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (ابن کثیر)

② یعنی انھیں قیدی بنالو یا قتل کر دو۔

③ یعنی اس بات پر اکتفا نہ کرو کہ وہ تمھیں کہیں ملیں تو تم کارروائی کرو بلکہ جہاں جہاں ان کے حصار، قلعے اور پناہ گاہیں ہیں، ان کا محاصرہ کرلو اور ہر جگہ ان کی گھات میں رہو حتیٰ کہ تمھاری اجازت کے بغیر ان کے لیے نقل و حرکت ممکن نہ رہے۔

④ یعنی کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی جائے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ گویا قبول اسلام کے بعد اقامت صلاۃ اور ادائے زکاۃ کا اہتمام ضروری ہے اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ترک کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف، اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے جہاد کیا۔ اور فرمایا: «وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ» (صحيح البخاري، حديث: 1400، وصحيح مسلم، حديث: 20) ''اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کریں گے۔'' یعنی نماز تو پڑھیں لیکن زکاۃ ادا کرنے سے گریز کریں۔

⑤ اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو، یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تا کہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے اور تا کہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی امان کی پاسداری آخر تک کرنی ہے جب تک وہ اپنے مستقر تک بخیریت واپس نہیں پہنچ جاتا، اس کی جان کی حفاظت تمھاری ذمہ داری ہے۔

⑥ یعنی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ کی رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں۔ ممکن ہے اللہ اور رسول کی باتیں ان کے علم

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ

کہ جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے، [1] جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے معاہدہ نبھاؤ، بلاشبہ اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے ⑦ [2] ان کے وعدوں کا کیا اعتبار ان کا اگر تم پر غلبہ ہوجائے تو نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہدو پیمان کا، [3] اپنی زبانوں سے تو تمھیں پرچا رہے ہیں لیکن ان کے دل نہیں مانتے، ان میں سے اکثر تو فاسق ہیں ⑧ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے روکا۔ بہت برا ہے جو یہ کررہے ہیں ⑨ یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے ⑩ [4] اب بھی اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں، [5]

میں آئیں اور وہ مسلمانوں کا اخلاق و کردار دیکھیں تو اسلام کی حقانیت و صداقت کے قائل ہو جائیں جس طرح صلح حدیبیہ کے بعد بہت سے کافر مدینہ آتے جاتے رہے تو انھیں مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے مشاہدے سے اسلام کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

① یہ استفہام نفی کے لیے ہے، یعنی جن مشرکین سے تمھارا معاہدہ ہے، ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا ہے۔

② یعنی عہد کی پاسداری، اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ امر ہے، اس لیے معاملے میں احتیاط ضروری ہے۔

③ ﴿ كَيْفَ ﴾ پھر بطور تاکید نفی کے لیے ہے۔ ﴿ اِلًّا ﴾ کے معنی قرابت (رشتہ داری) اور ﴿ ذِمَّةً ﴾ کے معنی عہد کے ہیں، یعنی ان مشرکین کی زبانی باتوں کا کیا اعتبار جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر یہ تم پر غالب آ جائیں تو کسی قرابت اور عہد کا پاس نہیں کریں گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کیف مشرکین کے لیے ہے اور دوسرے سے یہودی مراد ہیں کیونکہ ان کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ اور یہ وتیرہ یہودیوں ہی کا رہا ہے۔

④ بار بار وضاحت سے مقصود مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

⑤ نماز، توحید و رسالت کے اقرار کے بعد اسلام کا سب سے اہم رکن ہے جو اللہ کا حق ہے، اس میں اللہ کی عبادت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس میں دست بستہ قیام ہے، رکوع و سجود ہے، دعا و مناجات ہے، اللہ کی عظمت و جلالت کا اور اپنی عاجزی و بے کسی کا اظہار ہے۔ عبادت کی یہ ساری صورتیں اور قسمیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ نماز کے بعد دوسرا اہم فریضہ زکاۃ ہے، جس میں عبادتی پہلو کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں۔ زکاۃ سے معاشرے کے اور اس کے قبیلے کے ضرورت مند، مفلس و نادار اور معذور و محتاج لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی شہادت کے بعد ان ہی دو چیزوں کو نمایاں کرکے بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿11﴾ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿12﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿13﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

ہم تو جاننے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان فرما رہے ہیں (11) اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمھارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سردارانِ کفر سے بھڑ جاؤ، ان کی قسمیں[1] کوئی چیز نہیں، ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں (12) تم ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتے[2] جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کی فکر میں ہیں[3] اور پہلے پہل انھوں نے خود ہی تم سے چھیڑ چھاڑ کی ہے۔[4] کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان دار ہو (13) ان سے تم جنگ کرو اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا، انھیں ذلیل و رسوا کرے گا، تمھیں

فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 25، وصحیح مسلم، حدیث: 22) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: «وَمَنْ لَّمْ يُزَكِّ فَلَا صَلَاةَ لَهُ» (جامع العلوم والحِکَم: 150/1) ''جس نے زکاۃ نہیں دی، اس کی نماز بھی نہیں۔''

① ﴿ اَيْمَانَ ﴾ یَمِین کی جمع ہے، جس کے معنی قسم کے ہیں۔ ﴿ اَىِٕمَّةَ ﴾ امام کی جمع ہے۔ مراد پیشوا اور لیڈر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ عہد توڑ دیں اور دین میں طعن کریں تو ظاہری طور پر یہ قسمیں بھی کھائیں تو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ کفر کے ان پیشواؤں سے لڑائی کرو۔ ممکن ہے اس طرح اپنے کفر سے یہ باز آ جائیں۔ اس سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ ذمی (اسلامی مملکت میں رہائش پذیر غیر مسلم) اگر نقض عہد نہیں کرتا، البتہ دین اسلام میں طعن کرتا ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن نے ان سے قتال کے لیے دو چیزیں ذکر کی ہیں، اس لیے جب تک دونوں چیزوں کا صدور نہیں ہوگا، وہ قتل کا مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ اور دیگر علماء طعن فی الدین کو بھی نقض عہد قرار دیتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اس میں دونوں ہی چیزیں آ جاتی ہیں، لہٰذا اس ذمی کا قتل جائز ہے، اسی طرح نقض عہد کی صورت میں بھی قتل جائز ہے۔ (فتح القدیر)

② ﴿ اَلَا ﴾ حرف تحضیض ہے، جس سے رغبت دلائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دے رہا ہے۔

③ اس سے مراد دارالندوہ کی وہ مشاورت ہے جس میں رؤسائے مکہ نے نبی ﷺ کے جلا وطن کرنے، قید کرنے یا قتل کرنے کی تجویزوں پر غور کیا۔

④ اس سے مراد یا تو بدر کی جنگ میں مشرکین مکہ کا رویہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے گئے لیکن اس کے باوجود کہ انھوں نے دیکھ لیا کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں سے چھیڑ خانی کرتے اور لڑنے کی تیاری کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بالآخر جنگ ہو کر رہی۔ یا اس سے مراد قبیلۂ بنی بکر کی وہ امداد ہے جو قریش نے ان کے لیے کی جبکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ط وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع 2/10/8

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا⑭ اور ان کے دل کا غم وغصہ دور کرے گا،[1] اور اللہ جس پر چاہتا ہے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے⑮ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے،[2] حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا[3] اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔[4] اللہ خوب خبردار ہے اس سے جو تم کر رہے ہو⑯[5] لائق نہیں کہ مشرک اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ خود اپنے کفر کے آپ ہی گواہ ہیں،[6] ان کے اعمال غارت واکارت ہیں اور وہ دائمی طور پر جہنمی ہیں⑰[7] اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور قیامت

کے حلیف قبیلے خزاعہ پر چڑھائی کی تھی، درآں حالیکہ قریش کی یہ امداد معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔

① یعنی جب مسلمان کمزور تھے تو یہ مشرکین ان پر ظلم وستم کرتے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے بڑے دکھی اور مجروح تھے۔ جب تمھارے ہاتھوں وہ قتل ہوں گے اور ذلت ورسوائی ان کے حصے میں آئے گی تو فطری بات ہے کہ اس سے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے اور دلوں کا غصہ فرو ہوگا۔

② یعنی بغیر امتحان اور آزمائش کے۔

③ گویا جہاد کے ذریعے سے امتحان لیا گیا۔

④ ﴿ وَلِيْجَةً ﴾ گہرے اور دلی دوست کو کہتے ہیں مسلمانوں کو چونکہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرنے اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے بھی منع کیا گیا تھا، لہٰذا یہ بھی آزمائش کا ایک ذریعہ تھا، جس سے مخلص مومنوں کو دوسروں سے ممتاز کیا گیا۔

⑤ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے ہی ہر چیز کا علم ہے۔ لیکن جہاد کی حکمت یہ ہے کہ اس سے مخلص اور غیر مخلص، فرماں بردار اور نافرمان بندے نمایاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں، جنھیں ہر شخص دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔

⑥ ﴿ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ﴾ سے مراد مسجد حرام ہے۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ تمام مساجد کا قبلہ ومرکز ہے یا عربوں میں واحد کے لیے بھی جمع کا استعمال جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر وشرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کرتے ہیں، جیسے وہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے: «لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ» (صحیح مسلم، حدیث: 1185) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والا کرتا ہے کہ میں یہودی، نصرانی، صابی یا مشرک ہوں۔ (فتح القدیر)

⑦ یعنی ان کے وہ عمل جو بظاہر نیک لگتے ہیں، جیسے طواف وعمرہ اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ کیونکہ ایمان کے بغیر یہ اعمال ایسے

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿18﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿19﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وقف لازم

کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں۔ زکاۃ دیتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہیں ﴿18﴾ [1] کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلا دینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں [2] ہو سکتے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿19﴾ [3] جو لوگ ایمان

درخت کی طرح ہیں جو بے ثمر ہے یا ان پھولوں کی طرح ہیں جن میں خوشبو نہیں ہے۔

[1] جس طرح حدیث میں بھی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ»(جامع الترمذي، حديث:3093) ''جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں پابندی سے آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔'' یہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم صحیح احادیث میں بھی یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہاں بھی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بعد جن اعمال کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نماز، زکاۃ اور خشیت الٰہی ہے۔ جس سے نماز، زکاۃ اور تقویٰ کی اہمیت واضح ہے۔

[2] مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے، اس پر انھیں بڑا فخر تھا اور اس کے مقابلے میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم سقایت حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں، چاہے وہ صورتاً خیر ہی ہو جیسا کہ اس سے پہلی آیت کے جملے ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ میں واضح کیا جا چکا ہے۔ بعض روایات میں اس کا سبب نزول مسلمانوں کی آپس میں ایک گفتگو کو بتلایا گیا ہے کہ ایک روز منبر نبوی کے قریب کچھ مسلمان جمع تھے، ان میں سے ایک نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ مسجد حرام کو آباد کرنا ہے۔ تیسرے نے کہا بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ان تمام عملوں سے بہتر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اس طرح باہم تکرار کرتے ہوئے سنا تو انھیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول کے پاس آوازیں اونچی مت کرو۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ راویٔ حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی اس گفتگو کی بابت استفسار کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح مسلم، حديث:111-(1879)) جس میں گویا یہ واضح کر دیا گیا کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ سب سے زیادہ اہمیت و فضیلت والے عمل ہیں۔ گفتگو کے حوالے سے اصل اہمیت و فضیلت تو جہاد کی بیان کرنی تھی لیکن ایمان باللہ کے بغیر چونکہ کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اس لیے پہلے اسے بیان کیا گیا۔ بہرحال اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر سے بڑھ کر عمل ہے۔ دوسرا، یہ معلوم ہوا کہ اس کا سبب نزول مشرکین کے مزعومات فاسدہ کے علاوہ خود مسلمانوں کا بھی اپنے اپنے طور پر بعض عملوں کو بعض پر زیادہ اہمیت دینا تھا جبکہ یہ کام شارع کا ہے نہ کہ مومنوں کا۔ مومنوں کا کام تو ہر اس بات پر عمل کرنا ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے انھیں بتلائی جائے۔

[3] یعنی یہ لوگ چاہے کیسے بھی دعوے کریں، حقیقت میں ظالم ہیں، یعنی مشرک ہیں، اس لیے کہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس ظلم کی

وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ㉓ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ㉔ ع 3/8/9

لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں⑳ انھیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت اور رضا مندی کی اور جنتوں کی، ان کے لیے وہاں دائمی نعمتیں ہیں㉑ وہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑا اجر ہے㉒ [1] اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے عزیز رکھیں، تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا تو وہی ظالم ہے㉓ [2] آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں، تمھارے کنبے قبیلے اور تمھارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنھیں تم پسند کرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم (سے عذاب کے آنے) کا انتظار کرو۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا㉔ [3]

وجہ سے یہ ہدایت الٰہی سے محروم ہیں، اس لیے ان کا اور مسلمانوں کا، جو ہدایت الٰہی سے بہرہ ور ہیں، آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔

① ان آیات میں ان اہل ایمان کی فضیلت بیان کی گئی جنھوں نے ہجرت کی اور اپنی جان مال کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ فرمایا: اللہ کے ہاں انھی کا درجہ سب سے بلند ہے اور یہی کامیاب ہیں، یہی اللہ کی رحمت و رضا مندی اور دائمی نعمتوں کے مستحق ہیں نہ کہ وہ جو خود اپنے منہ میاں مٹھو بنتے اور اپنے آبائی طور طریقوں کو ہی ایمان باللہ کے مقابلے میں عزیز رکھتے ہیں۔

② یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ آل عمران، آیت: 28-118 وسورۂ مائدہ، آیت: 51 اور سورۂ مجادلہ، آیت: 22) یہاں جہاد و ہجرت کے موضوع کے ضمن میں بھی چونکہ اس کی اہمیت واضح ہے، اس لیے اسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے، یعنی جہاد و ہجرت میں تمھارے لیے تمھارے باپوں اور بھائیوں وغیرہ کی محبت آڑے نہ آئے کیونکہ اگر وہ ابھی تک کافر ہیں تو پھر وہ تمھارے دوست ہی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ تو تمھارے دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے محبت کا تعلق رکھو گے تو یاد رکھو تم ظالم قرار پاؤ گے۔

③ اس آیت میں بھی سابقہ مضمون کو بڑے مؤکد انداز میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَشِيْرَتُكُمْ﴾ اسم جمع ہے، وہ قریب ترین رشتے دار جن کے ساتھ آدمی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے، یعنی کنبہ، قبیلہ۔ ﴿اقْتَرَفْتُمُوْهَا﴾ کسب (کمائی) کے معنی کے لیے آتا ہے۔ ﴿تِجَارَةٌ﴾ سودے کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں جس سے مقصد نفع کا حصول ہو۔ ﴿كَسَادَ﴾ مندے کو کہتے ہیں، یعنی سامان

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ كَثِیۡرَةٍ ۙ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَیۡــًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَیۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ﴿25﴾ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِیۡنَتَهٗ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿26﴾ ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿27﴾ یٰۤاَیُّهَا

یقیناً اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمھیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمھیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے ﴿25﴾ پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اتاری اپنے نبی پر اور مومنوں پر اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو پوری سزا دی۔ اور ان کفار کا یہی بدلہ تھا ﴿26﴾ پھر اس کے بعد بھی اللہ جس پر چاہے گا توجہ فرمائے گا[1] اور اللہ ہی بخشش و مہربانی کرنے والا ہے ﴿27﴾ اے

فروخت موجود ہو لیکن خریدار نہ ہوں یا اس چیز کا وقت گزر چکا ہو جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے۔ دونوں صورتیں مندے کی ہیں۔ ﴿مَسٰكِنُ﴾ سے مراد وہ گھر ہیں جنھیں انسان موسم کے شدائد و حوادث سے بچنے، آبرومندانہ طریقے سے رہنے سہنے اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لیے تعمیر کرتا ہے، یہ ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں اور ان کی اہمیت وافادیت بھی ناگزیر اور قلوب انسانی میں ان سب کی محبت بھی طبعی ہے (جو مذموم نہیں) لیکن اگر ان کی محبت اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے میں مانع ہو جائے تو یہ بات اللہ کو سخت ناپسندیدہ اور اس کی ناراضی کا باعث ہے اور یہ وہ فسق (نافرمانی) ہے جس سے انسان اللہ کی ہدایت سے محروم ہو سکتا ہے جس طرح کہ آخری الفاظ تہدید سے واضح ہے۔ احادیث میں نبی ﷺ نے بھی اس مضمون کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً: ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے آپ، اپنے نفس کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک میں تمھارے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس وقت تک تم مومن نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اے عمر! اب (بات بن گئی)۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6632) ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں، جب تک میں اس کو اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 14، وصحيح مسلم، حديث: 70-(44)) ایک اور حدیث میں جہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جب تم بَیْعِ عِینَہ (کسی کو مدت معینہ کے لیے چیز ادھار دے کر پھر اس سے نقد کم قیمت پر خرید لینا) اختیار کر لو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی و قانع ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط فرما دے گا جس سے تم اس وقت تک نہ نکل سکو گے جب تک اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے۔'' (سنن أبي داود، حديث: 3462، ومسند أحمد: 42/2)

[1] ﴿حُنَیۡنٍ﴾ مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں ہوازن اور ثقیف رہتے تھے، یہ دونوں قبیلے تیر اندازی میں مشہور تھے۔ یہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہے تھے جس کا علم رسول اللہ ﷺ کو ہوا تو آپ 12 ہزار کا لشکر لے کر ان قبیلوں سے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿28﴾ قَاتِلُوا

ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں [1] وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں [2] اگر تمھیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے تمھیں دولت مند کر دے گا، [3] بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے (28) ان لوگوں سے لڑو

جنگ کے لیے حنین تشریف لے گئے، یہ فتح مکہ کے 19,18 دن بعد شوال کا واقعہ ہے۔ مذکورہ قبیلوں نے بھرپور تیاری کر رکھی تھی اور مختلف کمین گاہوں میں تیراندازوں کو مقرر کر دیا تھا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ عجب پیدا ہو گیا کہ آج کم از کم قلت کی وجہ سے ہم مغلوب نہیں ہوں گے، یعنی اللہ کی مدد کی بجائے اپنی کثرت تعداد پر اعتماد زیادہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عجب اور یہ کلمہ پسند نہیں آیا۔ نتیجتاً جب ہوازن کے تیراندازوں نے مختلف کمین گاہوں سے مسلمانوں کے لشکر پر یک بارگی تیراندازی کی تو اس غیر متوقع اور اچانک تیروں کی بوچھاڑ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان میں صرف رسول اللہ ﷺ اور سو کے قریب مسلمان رہ گئے۔ آپ مسلمانوں کو پکار رہے تھے: ''اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔'' کبھی یہ رجزیہ کلمہ پڑھتے: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»، پھر آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو (جو نہایت بلند آواز تھے) حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لیے آوازیں دیں، چنانچہ ان کی ندا سن کر مسلمان سخت پشیمان ہوئے اور دوبارہ میدان میں آ گئے اور پھر اس طرح جم کر لڑے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کی بھی مدد پھر اس طرح حاصل ہوئی کہ ایک تو ان پر سکینت نازل فرمائی گئی جس سے ان کے دلوں سے دشمن کا خوف دور ہو گیا۔ دوسرا، فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے چھ ہزار کافروں کو قیدی بنایا (جنھیں بعد میں نبی ﷺ کی درخواست پر چھوڑ دیا گیا) اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ جنگ کے بعد ان کے بہت سے سردار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہاں 3 آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا مختصراً ذکر فرمایا ہے۔

[1] مشرک کے نجس (پلید، ناپاک) ہونے کا مطلب، عقائد و اعمال کے لحاظ سے ناپاک ہونا ہے بعض کے نزدیک مشرک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہے کیونکہ وہ طہارت (صفائی و پاکیزگی) کا اس طرح اہتمام نہیں کرتا جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ لیکن پہلی بات ہی درست ہے۔

[2] یہ وہی حکم ہے جو نو ہجری میں اعلان براءت کے ساتھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں جس طرح نبیٔ کریم ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا حتیٰ کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے، یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے اپنے دور حکومت میں یہود و نصاریٰ کو بھی مسلمانوں کی مسجدوں میں داخلے سے ممانعت کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (ابن کثیر)

[3] مشرکین کی ممانعت سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی ہے، یہ متاثر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مفلسی (کاروبار کی کمی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمھیں

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿29﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

ع 5/10

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں﴿29﴾ [1] یہود کہتے ہیں: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں: مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انھیں غارت کرے، وہ کدھر بہکے جا رہے ہیں﴿30﴾ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے [2] اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود

غنی کر دے گا، چنانچہ فتوحات کی وجہ سے کثرت سے مالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا، پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہو گیا اور حج کے موسم میں حاجیوں کی ریل پیل پھر اسی طرح ہو گئی جس طرح پہلے تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہو گئی اور جو مسلسل روز افزوں ہی ہے۔

[1] مشرکین سے قتالِ عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جا رہا ہے (اگر وہ اسلام نہ قبول کریں) یا پھر وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔ ﴿الْجِزْيَةَ﴾ ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں۔ اس کے بدلے میں ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمے داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ یہود و نصاریٰ باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان کی بابت کہا گیا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس سے یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان جب تک اللہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے بتلایا ہے، اس وقت تک اس کا ایمان باللہ قابلِ اعتبار نہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ ان کے ایمان باللہ کو غیر معتبر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہما السلام کی ابنیت (بیٹا ہونے کا) اور الوہیت کا عقیدہ گھڑ لیا تھا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے اس عقیدے کا اظہار ہے۔

[2] اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انھوں نے ان کو رب بنا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انھوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا، اس کو حرام ہی سمجھا۔ یہی ان کی عبادت کرنا ہے۔'' (صحيح سنن الترمذي للألباني: 247/3، حديث:3095) کیونکہ حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنھوں نے اپنے اپنے

هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝31 يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝32 هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝33 يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے (31) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے، گو کافر ناخوش رہیں (32) [1] اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام ادیان پر غالب کر دے [2] اگرچہ مشرک برا مانیں (33) اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں [3] اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں

پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن وحدیث کو بھی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

(1) یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، یہود ونصاریٰ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال وافترا سے اسے مٹا دیں۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو یا چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھائے۔ پس جس طرح یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے۔ وہ تمام دینوں پر غالب آ کر رہے گا جیسا کہ اگلے جملے میں اللہ نے فرمایا۔ کافر کے لغوی معنی ہیں: چھپانے والا۔ اسی لیے رات کو بھی ''کافر'' کہا جاتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اندھیرے میں چھپا لیتی ہے۔ کاشت کار کو بھی ''کافر'' کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ گویا کافر بھی اللہ کے نور کو چھپانا چاہتے ہیں یا اپنے دلوں میں کفر ونفاق اور مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض وعناد چھپائے ہوئے ہیں، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔

(2) دلائل وبراہین کے لحاظ سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے۔ تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انھیں دنیوی غلبہ بھی حاصل ہوا۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے دین کے عامل بن جائیں تو ان کا غلبہ یقینی ہے، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب و فاتح ہوگا۔ شرط یہی ہے کہ مسلمان واقعی حزب اللہ بن جائیں۔

(3) ﴿الْاَحْبَارِ﴾ حبر کی جمع ہے۔ یہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بات کو خوبصورت طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو۔ خوبصورت اور منقش کپڑے کو ثوب محبر کہا جاتا ہے، مراد علمائے یہود ہیں۔ ﴿الرُّهْبَانِ﴾ رَاهِب کی جمع ہے جو رهبة سے مشتق ہے۔ اس سے مراد علمائے نصاریٰ ہیں، بعض کے نزدیک یہ صوفیائے نصاریٰ ہیں۔ علماء کے لیے ان کے ہاں قِسِّيسِينَ کا لفظ ہے۔ یہ دونوں ایک تو کلام اللہ میں تحریف وتغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے اور یوں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے۔ دوسرا، اس طرح لوگوں سے مال اینٹھتے جو ان کے لیے باطل اور حرام تھا۔ بد قسمتی سے علمائے مسلمین کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے اور یوں نبی ﷺ کی پیش گوئی کا مصداق ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» (صحيح البخاري، حديث:

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿34﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے ﴿34﴾ [1] جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے جسے تم نے اپنے لیے خزانہ بنا کر رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو ﴿35﴾ بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار (مہینے) حرمت کے ہیں۔ [2] یہی درست دین ہے، [3] تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم

7320) صحیح البخاري، کتاب الاعتصام میں نبی ﷺ کا یہ فرمان اس باب کے عنوان کے تحت ذکر ہے کہ ''تم پچھلی امتوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے۔'' اور اسی باب میں یہ پوری حدیث بھی ہے۔

[1] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ زکاۃ کے حکم سے پہلے کا حکم ہے۔ زکاۃ کا حکم نازل ہونے کے بعد زکاۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا ہے، اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ جس مال سے زکاۃ ادا کر دی جائے، وہ کنز نہیں ہے اور جس مال سے زکاۃ ادا نہ کی جائے، وہ کنز (خزانہ) ہے جس پر یہ قرآنی وعید ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا، قیامت والے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا دیا جائے گا جس سے اس کے دونوں پہلوؤں کو، پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور لوگوں کے فیصلے ہو جانے تک اس کا یہی حال رہے گا، اس کے بعد جنت یا جہنم میں اسے لے جایا جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 24-(987)) یہ بگڑے ہوئے علماء اور صوفیاء کے بعد بگڑے ہوئے اہل سرمایہ ہیں۔ تینوں طبقے عوام کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ ایک عربی شاعر نے کیا ٹھیک کہا ہے:

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ ... وَأَحْبَارُ سَوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

بادشاہ (حکمران)، علمائے سوء اور صوفیاء دین میں خرابی کے ذمے دار صرف یہ تین طبقے ہیں۔

[2] ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں، ان میں قتال وجدال کی بالخصوص ممانعت ہے۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ''زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4662، وصحیح مسلم، حدیث: 29-(1679)) زمانہ اسی حالت پر آ گیا ہے کا مطلب، مشرکین عرب مہینوں میں جو تاخیر وتقدیم کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اس کا خاتمہ ہے۔

[3] یعنی ان مہینوں کا اسی ترتیب سے ہونا جو اللہ نے رکھی ہے اور جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں اور یہی حساب صحیح اور ان کا عدد مکمل

الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿36﴾ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـــُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿37﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿38﴾ اِلَّا

(ع 5/8 11)

نہ کرو[1] اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں[2] اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿36﴾ مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے،[3] اس سے وہ لوگ گمراہی میں ڈالے جاتے ہیں جو کافر ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرمت والا کر لیتے ہیں تاکہ اللہ نے جو حرمت رکھی ہے، اس کے شمار میں تو موافقت کر لیں[4] پھر اسے حلال بنالیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے، ان کے لیے ان کے برے کام خوشنما بنادیے گئے ہیں اور قوم کفار کی اللہ راہنمائی نہیں فرماتا ﴿37﴾ اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ چلو اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم زمین سے لگے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے عوض دنیا ہی کی زندگانی پر ریجھ گئے ہو۔ سنو! دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے ﴿38﴾ اگر

ہے اور اب یہ گھوم گھما کر اسی ترتیب پر آ گئے ہیں جو ابتدائے کائنات کے وقت تھی۔

① یعنی ان حرمت والے مہینوں میں قتال کر کے ان کی حرمت پامال کر کے اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے۔

② لیکن حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد، الا یہ کہ وہ لڑنے پر مجبور کر دیں، پھر حرمت والے مہینوں میں بھی تمھارے لیے لڑنا جائز ہو گا۔

③ ﴿النَّسِيْۗءُ﴾ کے معنی، پیچھے کرنے کے ہیں۔ عربوں میں بھی حرمت والے مہینوں میں قتال و جدال اور لوٹ مار کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مسلسل تین مہینوں کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قتل و غارت سے اجتناب ان کے لیے بہت مشکل تھا، اس لیے اس کا حل انھوں نے یہ نکال رکھا تھا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے، اس میں وہ کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہو گا، مثلاً: محرم کے مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے، اس طرح حرمت والے مہینوں میں وہ تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس کو نسیئ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ کفر میں زیادتی ہے کیونکہ اس ادل بدل سے مقصود لڑائی اور دنیاوی مفادات کے حصول کے سوا کچھ نہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے خاتمے کا اعلان یہ کہہ کر فرما دیا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت میں آ گیا ہے، یعنی اب آئندہ مہینوں کی یہ ترتیب اسی طرح رہے گی جس طرح ابتدائے کائنات سے چلی آ رہی ہے۔

④ یعنی ایک مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دینے سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینے حرمت والے رکھے ہیں، ان کی گنتی پوری رہے، یعنی گنتی پوری کرنے میں اللہ کی موافقت کرتے تھے لیکن اللہ نے قتال و جدال اور غارت گری سے جو منع کیا تھا، اس کی انھیں کوئی پروا نہ تھی بلکہ انھی ظالمانہ کارروائیوں کے لیے ہی وہ ادل بدل کرتے تھے۔

تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿40﴾

تم نے کوچ نہ کیا تو تمھیں اللہ دردناک سزا دے گا اور تمھارے سوا اور لوگوں کو بدل لائے گا، تم اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے[1] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿39﴾ اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہ کرو گے تو کوئی پروا نہیں، اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ اسے کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے،[2] پھر اللہ نے اس پر اپنی طرف سے تسکینِ (قلب) نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں،[3] اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و بالا تو اللہ ہی کا کلمہ ہے،[4] اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا ہے ﴿40﴾

[1] روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی تیاری کر رہا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اس کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ شوال 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور سفر بہت لمبا تھا۔ بعض مسلمانوں اور منافقین پر یہ حکم گراں گزرا جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انھیں زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ یہ غزوۂ تبوک کہلاتا ہے جس میں لڑائی ہوئی ہی نہیں، 20 روز مسلمان ملک شام کے قریب تبوک میں رہ کر واپس آ گئے۔ اس کو جیش العسرۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس لمبے سفر میں اس لشکر کو کافی دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ﴿اِثَّاقَلْتُمْ﴾ یعنی سستی کرتے اور پیچھے رہنا چاہتے ہو۔ اس کا مظاہرہ بعض لوگوں کی طرف سے ہوا لیکن اس کو منسوب سب کی طرف کر دیا گیا۔ (فتح القدیر)

[2] جہاد سے پیچھے رہنے یا اس سے جان چھڑانے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد اس وقت بھی کی جب اس نے غار میں پناہ لی تھی اور انھوں نے اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا: "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اس کی تفصیل حدیث میں یوں آتی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے کہا: اگر ان مشرکین نے (جو ہمارے تعاقب میں ہیں) اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا» (صحيح البخاري، حديث: 4663) "اے ابوبکر! تمھارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟" یعنی اللہ کی مدد اور اس کی معیت جن کے شامل حال ہے۔

[3] یہ مدد کی وہ دو صورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ کی مدد فرمائی گئی۔ ایک سکینت، دوسری فرشتوں کی تائید۔

[4] کافروں کے کلمے سے شرک اور کلمۃ اللہ سے توحید مراد ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ایک شخص بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے لڑتا ہے ایک قبائلی عصبیت و حمیت میں لڑتا ہے اور ایک ریاکاری کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "جو اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، وہ فی سبیل اللہ ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 123، وصحيح مسلم، حديث: 149-(1904))

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿41﴾ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿42﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿43﴾ لَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ

ع 6/5/12

ہلکے بھی نکلو اور بوجھل بھی[1] اور راہِ رب میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو ﴿41﴾ اگر جلد وصول ہونے والا مال و اسباب ہوتا[2] اور سفر بھی ہلکا ہوتا تو وہ ضرور آپ کے پیچھے ہو لیتے[3] لیکن ان پر وہ مسافت دور ہو گئی۔ اب تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں قوت و طاقت ہوتی تو ہم یقیناً آپ کے ساتھ نکلتے، وہ اپنی جانوں کو خود ہی ہلاکت میں ڈال رہے ہیں،[4] اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں ﴿42﴾ اللہ تجھے معاف فرما دے، تو نے انھیں کیوں اجازت دے دی؟ بیشتر اس کے کہ تیرے سامنے سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور تو جھوٹے لوگوں کو بھی جان لیتا ﴿43﴾[5] اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین رکھنے والے تو مالی اور جانی جہاد سے رک رہنے کی کبھی بھی تجھ سے اجازت طلب نہیں

---

① اس کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر، خوشی سے یا ناخوشی سے، غریب ہو یا امیر، جوان ہو یا بوڑھا پیادہ ہو یا سوار، عیال دار ہو یا اہل و عیال کے بغیر، وہ پیش قدمی کرنے والوں میں سے ہو یا پیچھے لشکر میں شامل۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت کا حمل تمام معانی پر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ''تم کوچ کرو، چاہے نقل و حرکت تم پر بھاری ہو یا ہلکی۔'' اور اس مفہوم میں مذکورہ تمام مفاہیم آ جاتے ہیں۔

② یہاں سے ان لوگوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جنھوں نے عذر معذرت کر کے نبی ﷺ سے اجازت لے لی تھی، درآں حالیکہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر نہیں تھا۔ ﴿عَرَضًا﴾ سے مراد ہے: جو دنیوی منافع سامنے آئیں، مطلب ہے، مالِ غنیمت۔

③ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوتے۔ لیکن سفر کی دوری نے انھیں حیلے تراشنے پر مجبور کر دیا۔

④ یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر کیونکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔

⑤ یہ نبیٔ کریم ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ جہاد میں عدم شرکت کی اجازت مانگنے والوں کو تو نے کیوں یہ تحقیق کیے بغیر کہ اس کے پاس معقول عذر بھی ہے یا نہیں، اجازت دے دی؟ لیکن اس توبیخ میں بھی پیار کا پہلو غالب ہے، اس لیے اس کوتاہی پر معافی کی وضاحت پہلے کر دی گئی ہے۔ یاد رہے! یہ تنبیہ اس لیے کی گئی ہے کہ اجازت دینے میں عجلت کی گئی اور پورے طور پر تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ورنہ تحقیق کے بعد ضرورت مندوں کو اجازت دینے کی آپ کو اجازت حاصل تھی جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ﴿فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِبَعۡضِ شَاۡنِهِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡهُمۡ﴾ (النور 62:24) ''جب یہ لوگ تجھ سے اپنے بعض کاموں کی وجہ سے اجازت مانگیں تو جس کو تو چاہے اجازت دے دے۔'' ''جس کو تو چاہے'' کا مطلب یہ ہے جس کے پاس معقول عذر ہو، اسے اجازت دینے کا حق تجھے حاصل ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسۡتَاۡذِنُكَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ فَهُمۡ فِىۡ رَيۡبِهِمۡ يَتَرَدَّدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوۡ اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰـكِنۡ كَرِهَ اللّٰهُ انۡۢبِعَاثَهُمۡ فَثَبَّطَهُمۡ وَقِيۡلَ اقۡعُدُوۡا مَعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۴۶﴾ لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا

کریں گے،[1] اور اللہ پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے﴿۴۴﴾ یہ اجازت تو تجھ سے وہی طلب کرتے ہیں جنھیں نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت کے دن کا یقین ہے جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں﴿۴۵﴾[2] اگر ان کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس (سفر) کے لیے سامان کی تیاری کر رکھتے[3] لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا، اس لیے انھیں حرکت سے ہی روک دیا[4] اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہو﴿۴۶﴾[5] اگر تم میں (شامل ہو کر) نکلتے بھی تو تمھارے لیے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے[6]

---

① یہ مخلص ایمان داروں کا کردار بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی تو عادت یہ ہے کہ وہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اور بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

② یہ ان منافقین کا بیان ہے جنھوں نے جھوٹے حیلے تراش کر رسول کریم ﷺ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت طلب کر لی تھی۔ ان کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی عدم ایمان نے انھیں جہاد سے گریز پر آمادہ کیا ہے۔ اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو نہ جہاد سے یہ بھاگتے نہ شکوک و شبہات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ اس جہاد میں شرکت کے معاملے میں مسلمانوں کی چار قسمیں تھیں: پہلے وہ مسلمان جو بلا تامل تیار ہو گئے۔ دوسرے، وہ جنھیں ابتداءً تردد ہوا اور ان کے دل ڈولے لیکن پھر جلد ہی اس تردد سے نکل آئے۔ تیسرے، وہ جو ضعف اور بیماری یا سواری اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے فی الواقع جانے سے معذور تھے اور جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی تھی۔ (ان کا ذکر آیت: 92،91 میں ہے) چوتھی قسم، وہ جو محض کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے اور جب نبی ﷺ واپس آئے تو انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اپنے آپ کو توبہ اور سزا کے لیے پیش کر دیا۔ ان کے علاوہ باقی منافقین اور ان کے جاسوس تھے۔ یہاں مسلمانوں کے پہلے گروہ اور منافقین کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کی باقی تین قسموں کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

③ یہ انھی منافقین کے بارے میں کہا جا رہا ہے جنھوں نے جھوٹ بول کر اجازت حاصل کی تھی کہ اگر وہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتے تو یقیناً اس کے لیے تیاری کرتے۔

④ ﴿فَثَبَّطَهُمۡ﴾ کے معنی ہیں، پیچھے رہنا ان کے لیے پسندیدہ بنا دیا گیا، پس وہ سست ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ (أیسر التفاسیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں ان کی شرارتیں اور سازشیں تھیں، اس لیے اللہ کی تقدیری مشیت یہی تھی کہ وہ نہ جائیں۔

⑤ یہ یا تو اسی مشیت الٰہی کی تعبیر ہے جو تقدیرًا لکھی ہوئی تھی یا بطور ناراضی اور غضب کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا ٹھیک ہے، تم عورتوں، بچوں، بیماروں اور بوڑھوں کی صف میں شامل ہو کر ان کی طرح گھروں میں بیٹھ رہو۔

⑥ یہ منافقین اگر اسلامی لشکر کے ساتھ شریک ہوتے تو یہ غلط رائے اور مشورے دے کر مسلمانوں میں انتشار ہی کا باعث بنتے۔

خَبَالًا وَّلَاۡ اَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ يَبۡغُوۡنَكُمُ الۡفِتۡنَةَ‌ ۚ وَفِيۡكُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿47﴾ لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَـقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿48﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ‌ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا‌ ؕ وَاِنَّ جَهَـنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿49﴾ اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ

28

بلکہ تمھارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے [1] ان کے لیے باتیں سننے والے (جاسوس) خود تم میں موجود ہیں، [2] اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿47﴾ یہ تو اس سے پہلے بھی فتنے کی تلاش کرتے رہے ہیں اور تیرے لیے کاموں کو الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب آ گیا [3] اگرچہ ان کو ناگوار ہی گزرا ﴿48﴾ [4] ان میں سے کوئی تو کہتا ہے: مجھے اجازت دیجیے، مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔ آگاہ رہو! وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے ﴿49﴾ [5] آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انھیں برا لگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو وہ کہتے ہیں: ہم نے تو

[1] اِیضَاعٌ کے معنی ہوتے ہیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑانا۔ مطلب یہ ہے کہ چغل خوری وغیرہ کے ذریعے سے تمھارے اندر فتنہ برپا کرنے میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور فتنے سے مطلب اتحاد کو پارہ پارہ کر دینا اور ان کے مابین باہمی عداوت و نفرت پیدا کر دینا ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی جاسوسی کرنے والے کچھ لوگ مومنین کے ساتھ بھی لشکر میں موجود تھے جو منافقین کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔

[3] اسی لیے اس نے گزشتہ اور آئندہ امور کی تمھیں اطلاع دے دی ہے اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ منافقین جو ساتھ نہیں گئے تو تمھارے حق میں اچھا ہی ہوا اگر یہ جاتے تو یہ یہ خرابیاں ان کی وجہ سے پیدا ہوتیں۔

[4] یعنی یہ منافقین تو جب سے آپ مدینہ میں آئے ہیں، آپ کے خلاف فتنے تلاش کرنے اور معاملات کو بگاڑنے میں سرگرم رہے ہیں حتیٰ کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و غلبہ عطا فرما دیا جو ان کے لیے بہت ہی ناگوار تھا۔ اسی طرح جنگ احد کے موقع پر بھی ان منافقین نے راستے سے ہی واپس ہو کر مشکلات پیدا کرنے کی اور اس کے بعد بھی ہر موقع پر بگاڑ کی کوششیں کرتے رہے حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا اور اکثر عرب مسلمان ہو گئے جس پر کف حسرت وافسوس مل رہے ہیں۔

[5] ''مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے تو مجھے بغیر اجازت رکنے پر سخت گناہ ہو گا۔ اس اعتبار سے فتنہ، گناہ کے معنی میں ہوگا، یعنی مجھے گناہ میں نہ ڈالیے، دوسرا مطلب فتنے کا ہلاکت ہے، یعنی مجھے ساتھ لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ کہا جاتا ہے کہ جدّ بن قیس (منافق) نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لے جائیں، روم کی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے رخ پھیر لیا اور اجازت دے دی۔ بعد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں۔'' یعنی جہاد سے پیچھے رہنا اور اس سے گریز کرنا بجائے خود ایک فتنہ اور سخت گناہ کا کام ہے جس میں یہ ملوث ہی ہیں اور مرنے کے بعد جہنم انھیں گھیر لینے والی ہے جس سے فرار کا کوئی راستہ ان کے لیے نہیں ہوگا۔

اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿50﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿52﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿53﴾

اپنا معاملہ پہلے ہی سے درست کرلیا تھا، پھر تو بڑے ہی اتراتے ہوئے لوٹتے ہیں﴿50﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ ہمیں سوائے اس کہ جو اللہ نے ہمارے حق میں لکھ رکھا ہے، کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی، وہ ہمارا کارساز اور مولا ہے۔ مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے﴿51﴾ [2] کہہ دیجیے کہ تم ہمارے بارے میں جس چیز کا انتظار کررہے ہو، وہ دو بھلائیوں میں سے ایک ہے، [3] اور ہم تمھارے حق میں اس کا انتظار کرتے ہیں کہ یا تو اللہ تمھیں اپنے پاس سے کوئی سزا دے یا ہمارے ہاتھوں سے، [4] پس ایک طرف تم منتظر رہو، دوسری جانب تمھارے ساتھ ہم بھی منتظر ہیں﴿52﴾ کہہ دیجیے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی طرح بھی خرچ کرو، قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا، [5] یقیناً تم فاسق لوگ ہو﴿53﴾

[1] سیاق کلام کے اعتبار سے ﴿حَسَنَةٌ﴾ سے یہاں کامیابی اور غنیمت اور ﴿مُصِيْبَةٌ﴾ سے ناکامی، شکست اور اسی قسم کے نقصانات جو جنگ میں متوقع ہوتے ہیں، مراد ہیں۔ اس میں ان کے اُس خبث باطنی کا اظہار ہے جو منافقین کے دلوں میں تھا، اس لیے کہ مصیبت پر خوش ہونا اور بھلائی حاصل ہونے پر رنج و تکلیف محسوس کرنا، غایت عداوت کی دلیل ہے۔

[2] یہ منافقین کے جواب میں مسلمانوں کے صبر و ثبات اور حوصلے کے لیے فرمایا جارہا ہے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے مقدر کام ہر صورت میں ہونا ہے اور جو بھی مصیبت یا بھلائی ہمیں پہنچتی ہے، اسی تقدیر الٰہی کا حصہ ہے تو انسان کے لیے مصیبت کا برداشت کرنا آسان اور اس کے حوصلے میں اضافے کا سبب ہوتا ہے۔

[3] یعنی کامیابی یا شہادت، ان دونوں میں سے جو چیز بھی ہمیں حاصل ہو، ہمارے لیے حسنہ (بھلائی) ہے۔

[4] یعنی ہم تمھارے بارے میں دو برائیوں میں سے ایک برائی کا انتظار کررہے ہیں کہ یا تو آسمان سے اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ یا ہمارے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ تمھیں (قتل کرنے یا قیدی بننے وغیرہ قسم کی) سزائیں دے۔ وہ دونوں باتوں پر قادر ہے۔

[5] ﴿اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ﴾ یہ امر ہے اور یہاں یہ شرط اور جزا کے معنی میں ہے، یعنی اگر تم خرچ کرو گے تو قبول نہیں کیا جائے گا یا یہ امر بمعنی خبر ہے، یعنی جو کچھ تم نے خوشی یا ناخوشی سے خرچ کیا ہے، وہ ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں باتیں برابر ہیں، خرچ کرو یا نہ کرو۔ اپنی مرضی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تب بھی نامقبول ہے کیونکہ قبولیت کے لیے ایمان شرط اول ہے اور وہ تمھارے اندر مفقود ہے اور ناخوشی سے خرچ کیا ہوا مال اللہ کے ہاں ویسے ہی مردود ہے، اس لیے کہ وہاں قصد صحیح موجود نہیں ہے جو قبولیت کے لیے ضروری ہے۔ یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ (التوبة 9:80) ''آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔'' (دونوں باتیں برابر ہیں)

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿54﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا

کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوانہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور بڑی کاہلی سے ہی نماز کو آتے ہیں اور برے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں ﴿54﴾[1] پس آپ کو ان کے مال واولاد تعجب میں نہ ڈال دیں۔[2] اللہ کی چاہت یہی ہے کہ اس سے انھیں دنیا کی زندگی میں ہی سزا دے[3] اور ان کے کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں نکل جائیں ﴿55﴾[4] اور وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ یقیناً وہ تمھی میں سے ہیں، حالانکہ وہ دراصل تمھارے نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں ﴿56﴾[5] اگر یہ کوئی بچاؤ کی جگہ یا کوئی غار یا کوئی بھی سر گھسانے کی جگہ پالیں تو ابھی اس طرف لگام توڑ کرا لٹے بھاگ چھوٹیں ﴿57﴾[6] ان میں وہ بھی ہیں جو

① اس میں ان کے صدقات کے عدم قبول کی تین دلیلیں بیان کی گئی ہیں: ایک، ان کا کفر وفسق۔ دوسرا، کاہلی سے نماز پڑھنا، اس لیے کہ وہ اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں اور نہ ان کی سزا سے انھیں کوئی خوف ہے کیونکہ رجا اور خوف، یہ بھی ایمان کی علامت ہے جس سے یہ محروم ہیں اور تیسرا، کراہت سے خرچ کرنا۔ جس کام میں دل کی رضا نہ ہو، وہ قبول کس طرح ہوسکتا ہے؟ بہر حال یہ تینوں وجوہات ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک وجہ بھی عمل کی نامقبولیت کے لیے کافی ہے، چہ جائیکہ تینوں وجوہات جہاں جمع ہو جائیں تو اس عمل کے مردود بارگاہ الٰہی ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

② اس لیے کہ یہ سب بطور آزمائش ہے جس طرح فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ ﴾ (طٰہٰ 131:20) ''اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تا کہ ان کی آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ''کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں ہم جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔'' یعنی یہ آل اولاد اور مال و دولت بطور آزمائش ہیں نہ کہ فضل الٰہی کے طور پر۔

③ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر طبری نے اس سے زکاۃ اور انفاق فی سبیل اللہ مراد لیا ہے، یعنی ان منافقین سے زکاۃ وصدقات تو (جو وہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے دیتے ہیں) دنیا میں قبول کر لیے جائیں تا کہ اس طریقے سے ان کو مالی مار بھی دنیا میں دی جائے۔

④ ان کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے گی، اس لیے کہ وہ اللہ کے پیغمبر کو صدق دل سے ماننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے کفر ونفاق پر ہی بدستور قائم ومصر ہیں۔

⑤ اس ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم ہی میں سے ہیں۔

مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿58﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿59﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں،① اگر انھیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے ﴿58﴾ ② اگر وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی، بے شک ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ﴿59﴾ صدقات (زکاۃ و خیرات) صرف فقیروں③ اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہ رو مسافروں کے

---

⑥ یعنی نہایت تیزی سے دوڑ کر وہ ان پناہ گاہوں میں چلے جائیں، اس لیے کہ تم سے ان کا جتنا کچھ بھی تعلق ہے، وہ محبت و خلوص پر نہیں، عناد، نفرت اور کراہت پر ہے۔

① یہ ان کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی کا بیان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو (نعوذ باللہ) صدقات و غنائم کی تقسیم میں غیر منصف باور کراتے، جس طرح ابن ذی الخویصرہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ تقسیم فرما رہے تھے کہ اس نے کہا: انصاف سے کام لیجیے! آپ نے فرمایا: ''افسوس ہے تجھ پر! اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا؟'' (صحیح البخاري، حديث: 3610، وصحيح مسلم، حديث: 148-(1064))

② گویا اس الزام تراشی کا مقصد محض مالی مفادات کا حصول تھا کہ اس طرح ان سے ڈرتے ہوئے انھیں زیادہ حصہ دیا جائے یا وہ مستحق ہوں یا نہ ہوں، انھیں حصہ ضرور دیا جائے۔

③ اس آیت میں اس طعن کا دروازہ بند کرنے کے لیے صدقات کے مستحق لوگوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ صدقات سے مراد یہاں صدقات واجبہ، یعنی زکاۃ ہے۔ آیت کا آغاز ﴿اِنَّمَا﴾ سے کیا گیا ہے جو قصر کے صیغوں میں سے ہے اور الصدقات میں لام تعریف جنس کے لیے ہے، یعنی ان صدقات کی جنس ان آٹھ قسموں میں مقصور ہے جن کا ذکر آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور پر صدقے کی رقم کا استعمال صحیح نہیں۔ اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ان آٹھوں مصارف پر تقسیم کرنا ضروری ہے یا ان میں سے جس مصرف یا مصارف پر امام یا زکاۃ ادا کرنے والا، مناسب سمجھے، حسب ضرورت خرچ کر سکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ پہلی رائے کے قائل ہیں اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ وغیرہما دوسری رائے کے۔ اور یہ دوسری رائے ہی زیادہ صحیح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کی رو سے زکاۃ کی رقم آٹھوں مصارف پر خرچ کرنا ضروری ہے، یعنی اقتضائے ضرورت اور مصالح دیکھے بغیر رقم کے آٹھ حصے کر کے آٹھوں جگہ پر کچھ کچھ رقم خرچ کی جائے جبکہ دوسری رائے کے مطابق ضرورت اور مصالح کا اعتبار ضروری ہے جس مصرف پر رقم خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت یا مصالح کسی ایک مصرف پر خرچ کرنے کے مقتضی ہوں تو وہاں ضرورت اور مصالح کے لحاظ سے زکاۃ کی رقم خرچ کی

حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

لیے،① فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب علم و حکمت والا ہے⑥⓪ ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ

جائے گی، چاہے دوسرے مصارف پر خرچ کرنے کے لیے رقم نہ بچے۔ اس رائے میں جو معقولیت ہے، وہ پہلی رائے میں نہیں ہے۔

① ان مصارف ثمانیہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے: ① فقیر اور مسکین چونکہ قریب قریب ہیں اور ایک کا اطلاق دوسرے پر بھی ہوتا ہے، یعنی فقیر کو مسکین اور مسکین کو فقیر کہہ لیا جاتا ہے، اس لیے ان کی الگ الگ تعریف میں خاصا اختلاف ہے۔ تاہم دونوں کے مفہوم میں یہ بات تو قطعی ہے کہ جو حاجت مند ہوں اور اپنی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ رقم اور وسائل سے محروم ہوں، ان کو فقیر اور مسکین کہا جاتا ہے۔ ② مسکین کی تعریف میں ایک حدیث آتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ گھومنے پھرنے والا نہیں ہے جو ایک ایک یا دو دو لقمے یا کھجور کے لیے گھر گھر پھرتا ہے بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو جو اسے بے نیاز کر دے، نہ اسے غریب اور فقیر سمجھا جاتا ہے کہ لوگ مستحق سمجھ کر اس پر صدقہ کریں اور نہ خود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1479، و صحيح مسلم، حديث: 101-(1039)) حدیث میں گویا اصل مسکین شخص مذکور کو قرار دیا گیا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مسکین کی یہ تعریف بھی نقل کی گئی ہے کہ جو گداگر ہو، گھوم پھر کر اور لوگوں کے پیچھے پڑ کر مانگتا ہو۔ اور فقیر وہ ہے جو نادار ہونے کے باوجود سوال سے بچے اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ (ابن كثير) ③ ﴿الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ سے مراد حکومت کے وہ اہل کار ہیں جو زکاۃ و صدقات کی وصولی و تقسیم اور اس کے حساب و کتاب پر مامور ہوں۔ ④ ﴿الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ایک تو وہ کافر ہے جو کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہو اور اس کی امداد کرنے پر یہ امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ دوسرے، وہ نو مسلم افراد ہیں جن کو اسلام پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے امداد دینے کی ضرورت ہو۔ تیسرے، وہ افراد بھی ہیں جن کو امداد دینے کی صورت میں یہ امید ہو کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے اور اس طرح وہ قریب کے کمزور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صورتیں تالیف قلب کی ہیں جن پر زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے، چاہے مذکورہ افراد مال دار ہی ہوں۔ احناف کے نزدیک یہ مصرف ختم ہو گیا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات و ظروف کے مطابق ہر دور میں اس مصرف پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ ⑤ گردنیں آزاد کرانے میں۔ بعض علماء نے اس سے صرف مکاتب غلام مراد لیے ہیں، اور دیگر علماء نے مکاتب و غیر مکاتب ہر قسم کے غلام مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ⑥ ﴿الْغٰرِمِيْنَ﴾ سے ایک تو وہ مقروض مراد ہیں جو اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے میں لوگوں کے زیر بار ہو گئے اور ان کے پاس نقد رقم بھی نہیں ہے اور ایسا سامان بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ قرض ادا کر سکیں۔ دوسرے، وہ ذمہ دار اصحاب ضمانت ہیں جنھوں نے کسی کی ضمانت دی اور پھر وہ اس کی ادائیگی کے ذمہ دار قرار پا گئے یا کسی کی فصل تباہ یا کاروبار خسارے کا شکار ہو گیا اور اس بنیاد پر وہ مقروض ہو گیا۔ ان سب افراد کی زکاۃ کی مد سے امداد کرنا جائز ہے۔ ⑦ ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ سے مراد جہاد ہے، یعنی جنگی سامان و ضروریات اور مجاہد (چاہے وہ مالدار ہی ہو) پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح بعض علماء کے نزدیک تبلیغ و دعوت بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے کیونکہ اس سے بھی مقصد، جہاد کی طرح، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ ⑧ ﴿ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ سے مراد مسافر ہے، یعنی اگر کوئی مسافر سفر میں مستحق امداد ہو گیا ہے تو چاہے وہ اپنے گھر یا وطن میں

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿64﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿65﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

کان (کا کچا) ہے، آپ کہہ دیجیے کہ یہ کان (کا کچا) ہونا ہی تمھارے لیے بہتر ہے،[1] وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہلِ ایمان ہیں، یہ ان کے لیے رحمت ہے، رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿61﴾ محض تمھیں خوش کرنے کے لیے تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، حالانکہ اگر یہ ایمان دار ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول راضی کرنے کے زیادہ مستحق تھے ﴿62﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا، اس کے لیے یقیناً دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، یہ زبردست رسوائی ہے ﴿63﴾ منافقوں کو ہر وقت اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نہ اترے جو ان کے دلوں کی باتیں انھیں بتلا دے۔ کہہ دیجیے کہ تم مذاق اڑاتے رہو، یقیناً اللہ اسے ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈر دبک رہے ہو ﴿64﴾ اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمھارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ ﴿65﴾[2] تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان

صاحبِ حیثیت ہی ہو، اس کی امداد زکاۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔

[1] یہاں سے پھر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے۔ انھوں نے نبی ﷺ کے خلاف ایک ہرزہ سرائی یہ کی کہ یہ کان کا کچا (ہلکا) ہے، مطلب ہے کہ یہ ہر ایک کی بات سن لیتا ہے (یہ گویا آپ کے حلم و کرم اور عفو و صفح کی صفت سے ان کو دھوکہ ہوا) اللہ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا پیغمبر شر و فساد کی کوئی بات نہیں سنتا جو بھی سنتا ہے، تمھارے لیے اس میں خیر اور بھلائی ہے۔

[2] منافقین آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑاتے، مومنین کا استہزا کرتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے جس کی اطلاع کسی نہ کسی طریقے سے بعض مسلمانوں کو، پھر رسول اللہ ﷺ کو ہو جاتی۔ لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو صاف مکر جاتے اور کہتے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہنسی مذاق کے لیے کیا تمھارے سامنے اللہ، اس کی آیات اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر مقصد تمھارا آپس میں ہنسی مذاق ہی ہوتا تو اس میں اللہ، اس کی آیات اور رسول کا ذکر درمیان میں کیوں آتا؟ یہ یقیناً تمھارے اس خبث اور نفاق کا اظہار ہے جو آیاتِ الٰہی اور ہمارے پیغمبر کے خلاف تمھارے دلوں میں موجود ہے۔

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿66﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿67﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿68﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ

ہوگئے ، [1] اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کرلیں [2] تو کچھ لوگوں کو سنگین سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ (واقعی) مجرم ہیں (66) [3] تمام منافق مرد وعورتیں آپس میں ایک ہی ہیں، [4] یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، [5] یہ اللہ کو بھول گئے، اللہ نے انھیں بھلا دیا۔ [6] بے شک منافق ہی فاسق و بدکردار ہیں (67) اللہ ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر چکا ہے جہاں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی انھیں کافی ہے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے، اور ان ہی کے لیے دائمی عذاب ہے (68) (منافقو! تمھارا حال) مثل ان لوگوں کے ہے جو تم سے پہلے تھے، [7] تم سے وہ زیادہ قوت والے اور زیادہ مال واولاد

[1] یعنی تم جو ایمان لائے تھے اللہ اور رسول کے استہزا کے بعد اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے، تم کافر ہو گئے ہو۔

[2] اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جنھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور انھوں نے توبہ کرلی اور مخلص مسلمان بن گئے۔

[3] یہ وہ لوگ ہیں جنھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور کفر ونفاق پر اڑے رہے۔ اسی لیے اس عذاب کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ وہ مجرم تھے۔

[4] منافقین جو حلف اٹھا کر مسلمانوں کو باور کراتے تھے کہ ''ہم تم ہی میں سے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی کہ ایمان والوں سے ان کا کیا تعلق؟ البتہ یہ سب منافق، چاہے مرد ہوں یا عورتیں، ایک ہی ہیں، یعنی کفر ونفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ آگے ان کی صفات بیان کی جا رہی ہیں جو مومنین کی صفات کے بالکل الٹ ہیں۔

[5] اس سے مراد بخل ہے، یعنی مومن کی صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور منافق کی اس کے برعکس بخل، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔

[6] یعنی اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرے گا کہ گویا اس نے انھیں بھلا دیا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (الجاثية 34:45) ''آج ہم تمھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم ہماری ملاقات کے اس دن کو بھولے ہوئے تھے۔'' مطلب یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے دنیا میں اللہ کے احکامات کو چھوڑے رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل وکرم سے محروم کر کے چھوڑے رکھے گا۔ نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ترک وچھوڑ دینے کے ہوتا ہے جبکہ نسیان بمعنی بھولنے اور یاد نہ رہنے کے، اس سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ (فتح القدیر)

[7] یعنی تمھارا مآل بھی اعمال اور انجام کے اعتبار سے امم ماضیہ کے کافروں جیسا ہی ہے۔ اب غائب کی بجائے منافقین سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ط اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿69﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

والے تھے، پس انھوں نے اپنے دینی حصے سے خوب فائدہ اٹھایا اور تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا [1] جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور تم نے بھی اسی طرح مذاقانہ بحث کی جس طرح کہ انھوں نے کی تھی۔ [2] ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہو گئے۔ اور یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ﴿69﴾ [3] کیا انھیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں، یعنی قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ ابراہیم، اہلِ مدین اور اہلِ مؤتفکات، یعنی الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں کی، [4] ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیلیں لے کر پہنچے، [5] اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے

---

[1] خَلَاقٌ کا دوسرا ترجمہ دنیوی حصہ بھی کیا گیا ہے، یعنی تمھاری تقدیر میں دنیا کا جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے، وہ برت لو، جس طرح تم سے پہلے لوگوں نے اپنا حصہ برتا اور پھر موت یا عذاب سے ہمکنار ہو گئے۔

[2] یعنی آیات الٰہی اور اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے یا دوسرا مفہوم ہے کہ دنیا کے اسباب اور لہو ولعب میں جس طرح وہ مگن رہے، تمھارا بھی یہی حال ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ ہیں، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور متابعت کرو گے۔ بالشت بہ بالشت، ذراع بہ ذراع اور ہاتھ بہ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ضرور گھسو گے۔ لوگوں نے پوچھا: کیا اس سے آپ کی مراد اہل کتاب ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اور کون؟'' (صحيح البخاري، حديث: 7320، وصحيح مسلم، حديث:6-(2669)) البتہ ہاتھ بہ ہاتھ کے الفاظ ان میں نہیں ہیں۔ یہ تفسیر طبری میں منقول ایک اثر میں ہیں۔

[3] اُولٰٓئِكَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات و عادات کے حامل ہیں، مُشَبَّهِین بھی اور مُشَبَّه بِهِمْ بھی، یعنی جس طرح وہ خاسر و نامراد رہے، تم بھی اسی طرح رہو گے، حالانکہ وہ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ اس کے باوجود وہ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو تم، جو ان سے ہر لحاظ سے کم ہو، کس طرح اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔

[4] یہاں ان چھ قوموں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا مسکن ملک شام رہا ہے۔ یہ بلاد عرب کے قریب ہے اور ان کی کچھ باتیں انھوں نے شاید آباء و اجداد سے سنی بھی ہوں۔ قوم نوح جو طوفان میں غرق کر دی گئی۔ قوم عاد جو قوت و طاقت میں ممتاز ہونے کے باوجود بادِ تند سے ہلاک کر دی گئی۔ قوم ثمود جسے آسمانی چیخ سے ہلاک کیا گیا۔ قوم ابراہیم جس کے بادشاہ نمرود بن کنعان بن کوش کو مچھر سے مروا دیا گیا۔ اصحاب مدین (حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم) جنھیں چیخ، زلزلہ اور بادلوں کے سائے کے عذاب سے ہلاک کیا گیا اور اہل مؤتفکات، اس سے مراد قوم لوط ہے جن کی بستی کا نام ''سدوم'' تھا۔ ائتکاف کے معنی ہیں: انقلاب، الٹ پلٹ دینا۔ ان پر ایک تو آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ دوسرا، ان کی بستی کو اوپر اٹھا کر نیچے پھینکا گیا جس سے پوری بستی اوپر نیچے ہو گئی۔ اس اعتبار سے انھیں اصحاب مؤتفکات کہا جاتا ہے۔

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿70﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿72﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ

بلکہ انھوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا﴿70﴾ [1] مومن مرد وعورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، [2] وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، [3] نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، [4] یہی لوگ ہیں جن پر اللہ بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبے والا خوب حکمت والا ہے ﴿71﴾ ان ایماندار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات [5] کا جو ان ہیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، [6] یہی زبردست کامیابی ہے﴿72﴾ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو، [7]

⑤ ان سب قوموں کے پاس ان کے پیغمبر، جو ان ہی کی قوم کے ایک فرد ہوتے تھے، آئے لیکن انھوں نے ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی بلکہ تکذیب اور عناد کا راستہ اختیار کیا جس کا نتیجہ بالآخر عذاب الٰہی کی شکل میں نکلا۔

① یعنی یہ عذاب، ان کے ظلم پر استمرار اور دوام کا نتیجہ ہے، یوں ہی بلا وجہ عذاب الٰہی کا شکار نہیں ہوئے۔

② منافقین کی صفات مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت، وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون وغم خوار ہیں جس طرح حدیث میں ہے: «اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» (صحيح البخاري، حديث:481، وصحيح مسلم، حديث: (2585)) ''مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔'' دوسری حدیث میں فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى» (صحيح البخاري، حديث: 6011، وصحيح مسلم، حديث:66-(2586)) ''مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے، رحم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔''

③ یہ اہل ایمان کی دوسری خاص صفت ہے۔ معروف وہ ہے جسے شریعت نے معروف (نیکی اور بھلائی) اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے منکر (برا) قرار دیا ہے، نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا یا برا کہیں۔

④ نماز، حقوق اللہ میں نمایاں ترین عبادت ہے اور زکاۃ، حقوق العباد کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ان دونوں کا بطور خاص تذکرہ کر کے فرما دیا گیا کہ وہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

⑤ جو موتی اور یاقوت سے تیار کیے گئے ہوں گے۔ ﴿عَدْنٍ﴾ کے کئی معنی کیے گئے ہیں: ایک معنی ہیشگی کے ہیں۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿73﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا

اوران پر سخت ہو جاؤ [1] ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے جو نہایت بدترین جگہ ہے ﴿73﴾ [2] وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا، حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور وہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں [3] اور انھوں نے اس کام کا قصد بھی کیا جو پورا نہ کر سکے۔ [4] وہ صرف اسی بات کا انتقام لے رہے ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے دولت مند کر دیا [5] اگر وہ اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ موڑے رہیں تو

---

⑥ حدیث میں بھی آتا ہے کہ جنت کی تمام نعمتوں کے بعد اہل جنت کو سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی کی صورت میں ملے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6549، وصحيح مسلم، حديث: 2829)

⑦ اس آیت میں نبیٔ کریم ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ نبی ﷺ کے بعد اس کی مخاطب آپ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا جو حکم ہے، اس کی بابت اختلاف ہے۔ ایک رائے تو یہی ہے کہ اگر منافقین کا نفاق اور ان کی سازشیں بے نقاب ہو جائیں تو ان سے بھی اسی طرح جہاد کیا جائے جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ انھیں زبان سے وعظ و نصیحت کی جائے یا وہ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کریں تو ان پر حدود نافذ کی جائیں۔ تیسری رائے یہ ہے کہ جہاد کا حکم کفار سے متعلق ہے اور سختی کرنے کا منافقین سے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان آراء میں آپس میں کوئی تضاد اور منافات نہیں، اس لیے کہ حالات و ظروف کے مطابق ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کرنا جائز ہے۔

① غِلْظَةٌ رأفت کی ضد ہے، جس کے معنی نرمی اور شفقت کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے غلظت کے معنی سختی اور قوت سے دشمنوں کے خلاف اقدام ہے۔ محض زبان کی سختی مراد نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو نبیٔ کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ ہی کے خلاف ہے، اسے آپ اختیار کر سکتے تھے نہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کا حکم آپ کو مل سکتا تھا۔

② جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔

③ مفسرین نے اس کی تفسیر میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں، جن میں منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے جنھیں بعض مسلمانوں نے سن لیا اور انھوں نے آ کر نبی ﷺ کو بتلایا لیکن آپ کے استفسار پر مکر گئے بلکہ حلف تک اٹھا لیا کہ انھوں نے ایسی بات نہیں کی جس پر یہ آیت اتری۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔

④ اس کی بابت بھی بعض واقعات نقل کیے گئے ہیں، مثلاً: تبوک سے واپسی پر منافقین نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک سازش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے کہ دس بارہ منافقین ایک گھاٹی میں آپ کے پیچھے لگ گئے جہاں رسول اللہ ﷺ باقی لشکر سے الگ تقریباً تنہا گزر رہے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ آپ پر حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں گے، اس کی اطلاع وحی کے ذریعے سے آپ کو دے دی گئی جس سے آپ نے بچاؤ کر لیا۔

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿74﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿77﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿78﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ

اللہ انھیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین بھر میں ان کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا﴿74﴾ ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور پکی طرح نیکو کاروں میں ہو جائیں گے ﴿75﴾ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا تو وہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا﴿76﴾[1] پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملنے کے دن تک کیونکہ انھوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے﴿77﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور اللہ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے﴿78﴾[2] جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنھیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں،

⑤ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہاں تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ ملا اور اہل مدینہ کی معاشی حالت بہت اچھی ہوگئی۔ منافقین مدینہ کو بھی اس سے خوب فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہی فرما رہا ہے کہ کیا ان کو اس بات کی ناراضی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دیا ہے؟ یعنی یہ ناراضی اور غضب والی بات تو نہیں بلکہ ان کو تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں فقر و تنگ دستی سے نکال کر خوش حال بنا دیا۔

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر اس لیے ہے کہ اس غنا اور تونگری کا ظاہری سبب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی بنی تھی ورنہ حقیقت میں غنی بنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی تھا، اس لیے آیت میں من فضله واحد کی ضمیر ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا۔

① اس آیت کو بعض مفسرین نے ایک صحابی حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بھی منافقین کا ایک اور کردار بیان کیا گیا ہے۔

② اس میں ان منافقین کے لیے سخت وعید ہے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں اور پھر اس کی پروا نہیں کرتے۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کیونکہ وہ تو علام الغیوب ہے۔ غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہے۔

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿79﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿80﴾ ع 10/8/16 فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں[1] اور اللہ ان (مذاق اڑانے والوں) کا مذاق اڑاتا ہے[2] اور انھی کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿79﴾ تو ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا،[3] یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے،[4] ایسے فاسق لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا ﴿80﴾[5] پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں[6] انھوں نے

---

① ﴿ الْمُطَّوِّعِيْنَ ﴾ کے معنی ہیں، صدقات واجبہ کے علاوہ اپنی خوشی سے مزید اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے۔(جهد) کے معنی محنت و مشقت کے ہیں، یعنی وہ لوگ جو مال دار تو نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے تھوڑے سے مال میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں سے چندے کی اپیل فرماتے تو مسلمان آپ کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے حسب استطاعت اس میں حصہ لیتے۔ کسی کے پاس زیادہ مال ہوتا، وہ زیادہ صدقہ دیتا جس کے پاس تھوڑا ہوتا، وہ تھوڑا دیتا۔ یہ منافقین دونوں قسم کے مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے۔ زیادہ دینے والوں کی بابت کہتے کہ اس کا مقصد ریاکاری اور نمود و نمائش ہے اور تھوڑا دینے والوں کو کہتے کہ تیرے اس مال سے کیا بنے گا؟ یا اللہ تعالیٰ تیرے اس صدقے سے بے نیاز ہے۔(صحيح البخاري، حديث: 4668، وصحيح مسلم، حديث: 72-(1018)) یوں وہ منافقین مسلمانوں کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے۔

② یعنی مومنین سے استہزا کا بدلہ انھیں اس طرح دیتا ہے کہ ان سے اپنی شان کے لائق استہزا کرتا ہے اور انھیں ذلیل و رسوا کرتا ہے یا یہ بددعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسی طرح استہزا کا معاملہ کرے جس طرح یہ مسلمانوں کے ساتھ استہزا کرتے ہیں۔(فتح القدير)

③ ستر (70) کا عدد مبالغے اور تکثیر کے لیے ہے، یعنی تو کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کر لے، اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔

④ یہ عدم مغفرت کی علت بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش کی امید پر نہ رہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہوگا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی شفاعت ہی نہیں کرے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے شفاعت کی اجازت ہی نہیں دے گا۔

⑤ اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جو انسان کو مطلوب (ایمان) تک پہنچا دیتی ہے ورنہ ہدایت بمعنی رہنمائی، یعنی راستے کی نشاندہی۔ اس کا اہتمام تو دنیا میں ہر مومن و کافر کے لیے کر دیا گیا ہے: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ ﴾ (الدهر 3:76) ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ ﴾ (البلد 10:90) ''اور ہم نے اس کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیے ہیں۔''

⑥ یہ ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک میں نہیں گئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کر لی۔ ﴿ خِلٰفَ ﴾ کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت، یعنی رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد آپ کے پیچھے یا آپ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿81﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرنا ناپسند کیا اور انھوں نے کہہ دیا کہ اس گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ بہت ہی سخت گرم ہے۔ کاش کہ وہ سمجھتے ہوتے ﴿81﴾ [1] پس انھیں چاہیے کہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں [2] بدلے میں اس کے جو وہ کرتے تھے ﴿82﴾ پس اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت [3] کی طرف لوٹا کر واپس لے آئے، پھر وہ آپ سے میدانِ جنگ میں نکلنے کی اجازت طلب کریں [4] تو آپ کہہ دیجیے کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔ تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا [5] پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو ﴿83﴾ [6] ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ [7] یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں

① یعنی اگر ان کو یہ علم ہوتا کہ جہنم کی آگ کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی گرمی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو وہ کبھی پیچھے نہ رہتے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی یہ آگ جہنم کی آگ کا 70 واں حصہ ہے، یعنی جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی آگ سے 69 حصے زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3265) اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهَا.

② ﴿قَلِيْلًا﴾ اور ﴿كَثِيْرًا﴾ یا تو مصدریت (یعنی ضِحْكًا قَلِيْلًا اور بُكَاءً كَثِيْرًا) یا ظرفیت (یعنی زَمَانًا قَلِيْلًا وَّزَمَانًا كَثِيْرًا) کی بنیاد پر منصوب ہیں۔ اور امر کے دونوں صیغے بمعنی خبر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہنسیں گے تھوڑا اور روئیں گے بہت زیادہ۔

③ منافقین کی جماعت مراد ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت تبوک سے مدینہ واپس لے آئے جہاں یہ پیچھے رہ جانے والے منافقین بھی ہیں۔

④ یعنی کسی اور جنگ کے لیے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کریں۔

⑤ یہ آئندہ ساتھ نہ لے جانے کی علت ہے کہ تم پہلی مرتبہ ساتھ نہیں گئے، لہٰذا اب تم اس لائق نہیں کہ تمھیں کسی بھی جنگ میں ساتھ لے جایا جائے۔

⑥ یعنی اب تمھاری اوقات یہی ہے کہ تم عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو کہ عورتیں جنگ میں شرکت نہیں کرتیں۔ انھیں گھروں کی چار دیواری تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو یہ ہدایت اس لیے دی گئی ہے تاکہ ان کے اس رنج و ملال اور حسرت میں مزید اضافہ ہو جو انھیں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے تھا۔ (اگر تھا)

⑦ یہ آیت نبی ﷺ کی طرف سے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق پر ہو، وہ اس میں شامل ہے۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرگیا تو اس

وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿85﴾ وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿86﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿87﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں﴿84﴾ [1] آپ ان کے مال واولاد سے تعجب نہ کرنا، اللہ کی چاہت یہی ہے کہ انھیں ان چیزوں سے دنیوی سزا دے اور یہ اپنی جانیں نکلنے تک کافر ہی رہیں﴿85﴾ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے دولت مندوں کا ایک طبقہ آپ کے پاس آ کر یہ کہہ کر رخصت لے لیتا ہے کہ ہمیں تو بیٹھے رہنے والوں ہی میں چھوڑ دیجیے﴿86﴾ [2] یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اب یہ کچھ نہیں سمجھتے﴿87﴾ [3] لیکن خود

کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان اور باپ ہی کے ہم نام تھے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ایک تو آپ (بطور تبرک) اپنی قمیص عنایت فرما دیں تا کہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنا دوں۔ دوسرے، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ نے قمیص بھی عنایت فرما دی اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا ہے، آپ کیوں اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے (روکا نہیں ہے۔) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے گا تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ ان کے لیے استغفار کرلوں گا۔'' چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آئندہ کے لیے منافقین کے حق میں دعائے مغفرت اور نماز جنازہ کی قطعی ممانعت فرما دی۔ (صحيح البخاري ، حديث: 4670، و صحيح مسلم ، حديث: 3-(2774))

[1] یہ نماز جنازہ اور دعائے مغفرت نہ کرنے کی علت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کا خاتمہ کفر وشرک پر ہو، ان کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے اور نہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب نبی ﷺ قبرستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کو دفنایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اس پر اپنا لعاب دہن تھوکا، اپنی قمیص اسے پہنائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 1270، وصحيح مسلم، حديث: 2-(2773)) جس سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوگا، اسے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی شفاعت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

[2] یہ انھی منافقین کا ذکر ہے جنھوں نے حیلے تراش کر پیچھے رہنا پسند کیا۔ ﴿اُولُوا الطَّوْلِ﴾ سے مراد ہے، صاحب حیثیت، مال دار طبقہ، یعنی اس طبقے کو پیچھے تو نہیں رہنا چاہیے تھا کیونکہ اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ ﴿الْقٰعِدِيْنَ﴾ سے مراد بعض مجبوریوں کے تحت گھروں میں رک جانے والے افراد ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ان کو خَوَالِفَ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خَالِفَةٌ کی جمع ہے، یعنی ''پیچھے رہنے والی عورتیں۔''

[3] دلوں پر مہر لگ جانا، یہ مسلسل گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے، اس کے بعد انسان سوچنے سمجھنے کی

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿90﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿91﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

رسول اور اس کے ساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں﴿88﴾ انھی کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے﴿89﴾[1] بادیہ نشینوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (تمھارے پاس) آئے کہ انھیں رخصت دے دی جائے اور وہ لوگ بھی (گھروں میں) بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اب تو ان میں جتنے کفار ہیں، انھیں دردناک عذاب ہوگا﴿90﴾[2] ضعیفوں اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں، کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیکو کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے﴿91﴾[3] ہاں ان پر بھی کوئی حرج نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انھیں سواری مہیا کر دیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ میں

صلاحیت سے عاری ہو جاتا ہے۔

[1] ان منافقین کے برعکس اہل ایمان کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں انھیں اپنی جانوں کی پروا ہے اور نہ مالوں کی۔ ان کے نزدیک اللہ کا حکم سب پر بالاتر ہے۔ انھی کے لیے خیرات ہیں، یعنی آخرت کی بھلائیاں اور جنت کی نعمتیں۔ اور بعض کے نزدیک دین و دنیا کے منافع اور یہی لوگ فلاح یاب اور فوز عظیم کے حامل ہوں گے۔

[2] ان معذوروں کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی ہیں جنھوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے اجازت حاصل کی۔ دوسری قسم ان میں وہ تھی جنھوں نے آ کر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹھے رہے۔ اس طرح گویا آیت میں منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذاب الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں اور مِنْهُمْ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے اور بیٹھ رہنے والے دونوں مراد ہوں گے اور دوسرے مفسرین نے ﴿الْمُعَذِّرُوْنَ﴾ سے مراد ایسے بادیہ نشین مسلمان لیے ہیں جنھوں نے معقول عذر پیش کر کے اجازت لی تھی۔ اور مُعَذِّرُوْنَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُوْنَ ہے۔ تاء کو ذال میں مدغم کر دیا گیا ہے اور معتذر کے معنی ہیں، واقعی عذر رکھنے والا۔ اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے میں منافقین کا جو بغیر عذر پیش کیے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصے میں جو وعید ہے، اسی دوسرے گروہ کے لیے ہے۔ (واللہ أعلم)

[3] اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور ان کا عذر بھی واضح تھا، مثلاً: ① ضعیف و ناتواں، یعنی بوڑھے قسم کے

عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿92﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿93﴾

تو تمھاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا، تو وہ رنج وغم سے اپنی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں کہ انھیں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہیں ﴿92﴾ [1] الزام تو (درحقیقت) ان لوگوں پر ہے جو باوجود دولت مند ہونے کے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ یہ خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے، لہٰذا اب وہ کچھ نہیں جانتے ﴿93﴾ [2]

لوگ اور نابینا یا لنگڑے وغیرہ معذورین بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ بعض نے ان کو بیماروں میں شامل کیا ہے۔ ② بیمار ③ جن کے پاس جہاد کے اخراجات نہیں تھے اور بیت المال بھی ان کے اخراجات کا متحمل نہیں تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی سے مراد ان کے دلوں میں جہاد کی تڑپ ہے، مجاہدین سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے عداوت اور حتی الامکان اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ ایسے محسنین اگر جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

① یہ مسلمانوں کے ایک دوسرے گروہ کا ذکر ہے جن کے پاس اپنی سواریاں بھی نہیں تھیں اور نبی ﷺ نے بھی انھیں سواریاں پیش کرنے سے معذرت کی جس پر انھیں اتنا صدمہ ہوا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ گویا مخلص مسلمان جو کسی بھی لحاظ سے معقول عذر رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جو کہ ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہے، ان کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان معذورین کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے فرمایا کہ ''تمھارے پیچھے مدینے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمھارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔'' صحابۂ کرام نے پوچھا: مدینے میں ہوتے ہوئے؟ آپ نے فرمایا: «حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» (صحيح البخاري، حديث: 2839، وصحيح مسلم، حديث:159-(1911)) ''ہاں! کیونکہ عذر نے ان کو وہاں روک دیا ہے۔''

② یہ منافقین ہیں جن کا تذکرہ آیت:86,87 میں گزرا۔ یہاں دوبارہ ان کا ذکر مخلص مسلمانوں کے مقابلے میں ہوا ہے۔ [تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا] کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ ﴿الْخَوَالِفِ﴾ خَالِفَةٌ کی جمع ہے (پیچھے رہنے والی) مراد عورتیں، بچے، معذور اور شدید بیمار اور بوڑھے ہیں جو جنگ میں شرکت سے معذور ہیں۔ ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کا مطلب ہے، وہ نہیں جانتے کہ پیچھے رہنا کتنا بڑا جرم ہے ورنہ شاید وہ رسول ﷺ سے پیچھے نہ رہتے۔

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ ؕ وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿95﴾ یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿96﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ

یہ لوگ تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجیے: عذر پیش مت کرو، ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے، یقیناً اللہ ہم کو تمھاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمھاری کارگزاری دیکھ لیں گے، پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے ﴿94﴾ وہ اب تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے جنھیں وہ کیا کرتے تھے ﴿95﴾ وہ اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ﴿96﴾ [1] دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں [2] اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ان کو ان احکام کا علم ہی نہ ہو جو اللہ نے اپنے رسول پر

[1] ان تین آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی بخیریت واپسی پر اپنے عذر پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تم ان کے پاس آؤ گے تو یہ عذر پیش کریں گے، تم ان سے کہہ دو کہ ہمارے سامنے عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اصل حالات سے ہمیں باخبر کر دیا ہے۔ اب تمھارے جھوٹے عذروں کا ہم اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں؟ البتہ ان عذروں کی حقیقت مستقبل قریب میں مزید واضح ہو جائے گی، تمھارا عمل، جسے اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور رسول کی نظر بھی اس پر ہے، تمھارے عذروں کی حقیقت کو خود بے نقاب کر دے گا۔ اور اگر تم رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو پھر بھی فریب اور مغالطہ دینے میں کامیاب رہے تو بالآخر ایک وقت آئے گا ہی، جب تم ایسی ذات کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے جو ظاہر و باطن ہر چیز کو خوب جانتی ہے، اسے تو تم بہرصورت دھوکا نہیں دے سکتے، وہ اللہ تمھارا سارا کچا چٹھا تمھارے سامنے کھول کر رکھ دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا کہ تمھارے لوٹنے پر یہ قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض، یعنی درگزر کر دو، پس تم انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ یہ لوگ اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے پلید ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا بدلہ جہنم ہی ہے۔ تیسری آیت میں فرمایا: یہ تمھیں راضی کرنے کے لیے قسمیں کھائیں گے۔ لیکن ان نادانوں کو یہ پتا نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو انھوں نے جس فسق، یعنی اطاعت الٰہی سے گریز و فرار کا راستہ اختیار کیا ہے اس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

[2] مذکورہ آیات میں ان منافقین کا تذکرہ تھا جو مدینہ شہر میں رہائش پذیر تھے۔ اور کچھ منافقین وہ بھی تھے جو بادیہ نشین، یعنی مدینہ کے باہر دیہاتوں میں رہتے تھے، دیہات کے ان باشندوں کو اعراب کہا جاتا ہے جو اعرابی کی جمع ہے۔ شہریوں کے اخلاق و کردار کے مقابلے

اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿97﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿98﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿99﴾ ع وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ

نازل فرمائے[1] ہیں اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿97﴾ اور ان دیہاتیوں میں سے بعض[2] ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کو جرمانہ سمجھتے ہیں[3] اور تم مسلمانوں کے واسطے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں،[4] برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے[5] اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ﴿98﴾ اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں،[6] یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے شک ان کے لیے موجب قربت ہے، ان کو اللہ ضرور اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔[7] اللہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے ﴿99﴾ اور جو مہاجرین اور انصار سابق

میں جس طرح ان کے اخلاق و کردار میں درشتی اور کھردرا پن زیادہ پایا جاتا ہے، اسی طرح ان میں جو کافر و منافق تھے، وہ کفر و نفاق میں بھی شہریوں سے زیادہ سخت اور احکام شریعت سے زیادہ بے خبر تھے۔ اس آیت میں انھی کا تذکرہ اور ان کے اسی کردار کی وضاحت ہے۔ بعض احادیث سے بھی ان کے کردار پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً: ایک موقع پر کچھ اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا: «أَتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ؟» ''کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہاں'' انھوں نے کہا: ''واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''اگر اللہ نے تمھارے دلوں سے رحم و شفقت کا جذبہ نکال دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے؟'' (صحيح البخاري، حديث: 5998، وصحيح مسلم، حديث: 2317)

① اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ شہر سے دور رہتے ہیں اور انھیں اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننے کا موقع نہیں ملتا۔

② اب ان دیہاتیوں کی دو قسمیں بیان کی جا رہی ہیں۔ یہ پہلی قسم ہے۔

③ ﴿مَغْرَمًا﴾ تاوان اور جرمانے کو کہتے ہیں، یعنی ایسا خرچ ہو جو انسان کو نہایت ناگواری سے ناچار کرنا پڑ جاتا ہے۔

④ ﴿الدَّوَآئِرَ﴾ دَائِرَةٌ کی جمع ہے، گردش زمانہ، یعنی مصائب و آلام، یعنی وہ منتظر رہتے ہیں کہ مسلمان زمانے کی گردشوں، یعنی مصائب کا شکار ہوں۔

⑤ یہ بددعا یا خبر ہے کہ زمانے کی گردش ان ہی پر پڑے یا ان ہی پر پڑے گی کیونکہ وہی اس کے مستحق ہیں۔

⑥ یہ اعراب کی دوسری قسم ہے جن کو اللہ نے شہر سے دور رہنے کے باوجود اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی اور اس ایمان کی بدولت ان سے وہ جہالت بھی دور فرما دی جو بدویت کی وجہ سے اہل بادیہ میں عام طور پر ہوتی ہے، چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کردہ مال کو جرمانہ سمجھنے کی بجائے اللہ کے قرب کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی طرف جو صدقہ دینے والوں کے بارے میں آپ کا تھا، یعنی آپ ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک صدقہ لانے والے کے لیے آپ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى» (صحيح البخاري،

وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿100﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ

اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں [1] اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ [2] یہ بڑی کامیابی ہے۔ ﴿100﴾ اور کچھ تمھارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں اور کچھ

حدیث: 1497، وصحیح مسلم، حدیث: 176-(1078)) ''اے اللہ! ابواوفی کی آل پر رحمت نازل فرما۔''

[7] یہ خوش خبری ہے کہ اللہ کا قرب انھیں حاصل ہے اور اللہ کی رحمت کے وہ مستحق ہیں۔

[1] اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک مہاجرین کا جنھوں نے دین کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر مکہ اور دیگر علاقوں سے ہجرت کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے انصار کا جو مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت فرمائی اور مدینہ آنے والے مہاجرین کی بھی خوب پذیرائی اور تواضع کی اور اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہاں ان دونوں گروہوں کے سابقون اولون کا ذکر فرمایا ہے، یعنی دونوں گروہوں میں سے وہ افراد جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی۔ اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سابقون اولون وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، یعنی تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار۔ بعض کے نزدیک یہ وہ صحابہ ہیں جو حدیبیہ میں بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ بعض کے نزدیک یہ اہل بدر ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جو خلوص اور احسان کے ساتھ ان مہاجرین و انصار کے پیروکار ہیں۔ اس گروہ سے مراد بعض کے نزدیک تابعین ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے، یعنی قیامت تک جتنے بھی انصار و مہاجرین سے محبت رکھنے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمان ہیں، وہ اس میں شامل ہیں۔ ان میں تابعین بھی آ جاتے ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ رضا اور غضب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، جیسے اس کی شان کے لائق ہیں، تاہم قرآن کریم کے ان الفاظ اور دیگر نصوص کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیاں قبول فرما لیں، ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرما دیا اور وہ ان پر ناراض نہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کی بشارت کیوں دی جاتی جو اس آیت میں دی گئی ہے؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ رضائے الٰہی موقت اور عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جمعیت نے مرتد ہو جانا تھا، بالخصوص تعیین نام کے ساتھ مُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ (جیسا کہ ایک باطل ٹولے کا عقیدہ ہے) تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت کی بشارت سے نہ نوازتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ نے ان کی ساری لغزشیں معاف فرما دیں تو اب تنقیص و تنقید کے طور پر ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کرنا کسی مسلمان کی شان کے لائق نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی محبت اور پیروی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور بغض و عناد رضائے الٰہی سے محرومی کا باعث ہے۔ ﴿فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الأنعام 81:6) ''پس (محبت اور عداوت رکھنے والے) دونوں گروہوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے اگر تمھیں علم ہو۔''

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے[1] ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے،[2] ان کو ہم جانتے ہیں، ہم ان کو دوہری سزا دیں گے،[3] پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے ﴿۱۰۱﴾ اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں[4] جنھوں نے ملے جلے عمل کیے تھے، کچھ بھلے اور کچھ برے۔[5] اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔[6] بلاشبہ اللہ بڑی مغفرت والا، بڑی رحمت والا ہے ﴿۱۰۲﴾ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے لیے دعا کیجیے،[7] بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے اور اللہ خوب سنتا ہے، خوب جانتا ہے ﴿۱۰۳﴾ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے

---

① مَرَدَ اور تَمَرَّدَ کے اصل لغوی معنی ہیں: نرمی، سپاٹ ہونا اور تجرد، چنانچہ اس شاخ کو جو بغیر پتے کے ہو، وہ گھوڑا جو بغیر بال کے ہو، وہ لڑکا جس کے چہرے پر بال نہ ہوں، ان سب کو اَمرد کہا جاتا ہے اور صاف شفاف شیشے کو مُمَرَّدٌ أَيْ مُجَرَّدٌ کہا جاتا ہے۔ ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ کے معنی ہوں گے: تَجَرَّدُوا لِلنِّفَاقِ گویا انھوں نے نفاق کے لیے اپنے آپ کو خالص اور تنہا کر لیا، یعنی اس پر ان کا اصرار اور استمرار ہے۔

② کتنے واضح الفاظ میں نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی ہے۔ کاش اہل بدعت کو قرآن سمجھنے کی توفیق نصیب ہو!

③ اس سے مراد بعض کے نزدیک دنیا میں ہی دوہری سزا ہے۔

④ یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جو بغیر عذر کے محض تساہل کی وجہ سے تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے بلکہ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اعتراف گناہ کر لیا۔

⑤ بھلے سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جو جہاد میں پیچھے رہ جانے سے پہلے وہ کرتے رہے ہیں جن میں مختلف جنگوں میں شرکت بھی ہے اور ''کچھ برے'' سے مراد یہی تبوک کے موقع پر ان کا پیچھے رہنا ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امید یقین کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع فرما کر ان کے اعتراف گناہ کو توبہ کے قائم مقام قرار دے کر انھیں معاف فرما دیا۔

⑦ یہ عام ہے۔ جرم کا اعتراف کرنے والے مذکورہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ نبی ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرما دیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکاۃ و صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ علاوہ ازیں صدقے کو صدقہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صدقہ وصول کرنے والے کو صدقہ کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیے جس طرح یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دعا کرنے کا حکم دیا اور آپ اس کے مطابق دعا فرمایا

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿106﴾

بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے [1] اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے ﴿104﴾ کہہ دیجیے کہ تم عمل کیے جاؤ، تمھارے عمل اللہ خود دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے (بھی دیکھ لیں گے) اور تم نے ایسے کے پاس ضرور جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تم کو تمھارا سب کیا ہوا بتلا دے گا ﴿105﴾ [2] اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے، [3] ان کو سزا دے گا [4] یا ان کی توبہ قبول کرلے گا اور اللہ خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے ﴿106﴾

کرتے تھے۔ اس حکم کے عموم سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زکاۃ کی وصولی امام وقت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار کرے تو حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں اس کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ (ابن کثیر)

[1] صدقات قبول فرماتا ہے کا مطلب (بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہو) اس میں اضافہ فرماتا ہے جس طرح حدیث میں آیا ہے، ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے صدقے کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے حتیٰ کہ ایک کھجور کے برابر صدقہ (بڑھ بڑھ کر) احد پہاڑ کی مثل ہو جاتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1410، و جامع الترمذي، حديث: 662)

[2] یہاں رؤیت (دیکھنا) سے مراد علم ہے، یعنی تمھارے عملوں کو اللہ تعالیٰ ہی نہیں دیکھتا بلکہ ان کا علم اللہ کے رسول اور مومنوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ (یہ منافقین ہی کے ضمن میں کہا جا رہا ہے) اس مفہوم کی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ یہاں مومنین کا بھی اضافہ ہے جن کو اللہ کے رسول کے بتلانے سے اور خود بھی حالات کے دیکھنے سے علم ہو جاتا ہے۔

[3] غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین گروہ تھے: ایک تو منافق تھے، دوسرے وہ جو بلا عذر پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ دو قسم کے لوگ تھے، دونوں مخلص مسلمان تھے، اس لیے دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ ایک گروہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھ دیگر 6 افراد کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس مدینہ آئے تو ان ساتوں صحابہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا، رسول اللہ ﷺ کا گزر جب ان کے پاس سے ہوا تو ان کو ستونوں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتلایا گیا کہ یہ سفر تبوک سے پیچھے رہ جانے والے لوگ ہیں، انھوں نے اپنے آپ کو اس لیے باندھا ہے کہ آپ ان کی معذرت قبول فرما کر انھیں اپنے دست مبارک سے کھول دیں۔ آپ نے فرمایا: میں ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کھولنے کا حکم نازل نہیں ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیت: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا ﴾ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا۔ انھوں نے قبول توبہ کی خوشی میں اپنا مال بھی آپ کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کر دیا جسے آپ نے لینے سے انکار کر دیا جس پر آیت: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ﴾ نازل ہوئی، چنانچہ آپ نے ان کا مال بھی لے کر صدقہ کر دیا۔ (تفسير الطبري و تفسير ابن أبي حاتم) دوسرا ان مخلص مسلمانوں کا گروہ تھا جنھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا۔ تاہم رسول اللہ ﷺ

وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّكُفۡرًا وَّتَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاِرۡصَادًا لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَلَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّا الۡحُسۡنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿107﴾ لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ اَنۡ

اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو پہلے ہی سے اللہ اور رسول کا مخالف ہے، (1) اور قسمیں کھا جائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (107) (2) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ (3) البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، (4) اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں (5)

کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس آیت میں اسی گروہ کا ذکر ہے جن کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ (یہ تین فراد تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے)

(4) اگر وہ اپنی غلطی پر مصر رہے۔

(1) اس میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مسجد بنائی اور نبی ﷺ کو یہ باور کرایا کہ بارش، سردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور جانے میں دقت پیش آتی ہے۔ ان کی سہولت کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ آپ وہاں چل کر نماز پڑھیں تا کہ ہمیں برکت حاصل ہو۔ آپ اس وقت تبوک کے لیے پابہ رکاب تھے، آپ نے واپسی پر نماز پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن واپسی پر وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اصل مقاصد کو بے نقاب کر دیا کہ اس سے وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، کفر پھیلانا، مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لیے کمین گاہ مہیا کرنا چاہتے ہیں۔

(2) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر وہ نبی ﷺ کو فریب دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے مکر و فریب سے بچا لیا اور فرمایا کہ ان کی نیت صحیح نہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں، اس میں جھوٹے ہیں۔

(3) یعنی اے نبی! آپ اس مسجد میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں، چنانچہ آپ نے نہ صرف یہ کہ وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے چند ساتھیوں کو بھیج کر وہ مسجد ڈھا دی اور اسے ختم کر دیا۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جو مسجد اللہ کی عبادت کی بجائے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی غرض سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے، حاکم وقت اس کو ڈھا دے تا کہ مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا نہ ہو۔

(4) اس سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے مسجد قبا اور بعض نے مسجد نبوی قرار دیا ہے۔ سلف کی ایک جماعت دونوں کی قائل رہی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت سے اگر مسجد قبا مراد ہے تو بعض احادیث میں مسجد نبوی کو ﴿اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى﴾ کا مصداق قرار دیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ اگر مسجد قبا کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے کہ اول یوم ہی سے اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے تو مسجد نبوی تو بطریق اولیٰ اس صفت کی حامل اور اس کی مصداق ہے۔

(5) حدیث میں آتا ہے کہ اس سے مراد اہل قبا ہیں۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری طہارت کی تعریف فرمائی ہے، تم کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 44، وابن كثير) امام ابن کثیر رحمہ اللہ

يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿108﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿109﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿110﴾ ع 13/11/2 اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿111﴾ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ

اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿108﴾ پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو، رکھی ہو، پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے، [1] اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت ہی نہیں دیتا ﴿109﴾ ان کی یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ کے دلوں میں شک کی بنیاد پر (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی، ہاں مگر ان کے دل ہی اگر پاش پاش ہو جائیں [2] تو خیر اور اللہ بڑا علم والا، بڑی حکمت والا ہے ﴿110﴾ بلا شبہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ [3] وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے، [4] تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے، خوشی مناؤ، [5] اور یہ بڑی کامیابی ہے ﴿111﴾ وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے،

فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی قدیم مساجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی غرض سے تعمیر کی گئی ہوں، نیز صالحین کی جماعت اور ایسے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے جو مکمل وضو کرنے اور طہارت و پاکیزگی کا صحیح صحیح اہتمام کرنے والے ہوں۔

[1] اس میں مومن اور منافق کے عمل کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مومن کا عمل اللہ کے تقوٰی پر اور اس کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے جبکہ منافق کا عمل ریاکاری اور فساد پر مبنی ہوتا ہے جو اس حصہ زمین کی طرح ہے جس کے نیچے سے وادی کا پانی گزرتا ہے اور مٹی کو ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ وہ حصہ نیچے سے کھوکھلا رہ جاتا ہے جس پر کوئی تعمیر کر لی جائے تو فوراً گر پڑے گی۔ ان منافقین کا مسجد بنانے کا عمل بھی ایسا ہی ہے جو انھیں جہنم میں ساتھ لے گرے گا۔

[2] دل پاش پاش ہو جائیں، کا مطلب موت سے ہم کنار ہونا ہے، یعنی موت تک یہ عمارت ان کے دلوں میں مزید شک و نفاق پیدا کرنے کا ذریعہ بنی رہے گی جس طرح کہ بچھڑے کے، پجاریوں میں بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی۔

[3] یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص فضل و کرم کا بیان ہے کہ اس نے مومنوں کو ان کے جان و مال کے عوض جو انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے، جنت عطا فرما دی جبکہ یہ جان و مال بھی اسی کا عطیہ ہے، پھر قیمت اور معاوضہ بھی جو عطا کیا، یعنی جنت، وہ نہایت ہی بیش قیمت ہے۔

الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآٮِٕحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ‌ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿112﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿113﴾ وَمَا كَانَ

حمد کرنے والے ،روزہ رکھنے والے (یا راہ حق میں سفر کرنے والے) ، رکوع اور سجدہ کرنے والے ، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں[1] اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجیے ﴿112﴾[2] پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں ﴿113﴾[3] اور ابراہیم کا

---

④ یہ اسی سودے کی تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچا وعدہ پچھلی کتابوں میں بھی اور قرآن میں بھی کیا ہے اور اللہ سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

⑤ یہ مسلمانوں کو کہا جارہا ہے۔لیکن یہ خوشی اسی وقت منائی جاسکتی ہے جب مسلمان کو بھی یہ سودا منظور ہو، یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے انھیں دریغ نہ ہو۔

① یہ انھی مومنوں کی مزید صفات بیان کی جارہی ہیں جن کی جانوں اور مالوں کا سودا اللہ نے کرلیا ہے۔ وہ توبہ کرنے والے، یعنی گناہوں اور فواحش سے، پابندی سے اپنے رب کی عبادت کرنے والے، زبان سے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے والے اور دیگران صفات کے حامل ہیں جو آیت میں مذکور ہیں۔ سِيَاحَةٌ سے مراد اکثر مفسرین نے روزے لیے ہیں اور اسی کو ابن کثیر نے صحیح ترین اور مشہور ترین قول قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ ایک حسن حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، «سِيَاحَةُ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» (سنن أبي داود، حديث: 2486) ''میری امت کی سیاحت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا ہی ہے تو اس کے لیے بہترین عمل جہاد ہے جس میں ہر وقت موت انسان کے تعاقب میں رہتی ہے۔ جب موت ہر وقت انسان کے سامنے رہے تو کون لذتوں میں الجھنا پسند کرتا ہے؟ بہرحال سیاحت سے زمین کی سیاحت مراد نہیں ہے جس طرح کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں اور سنسان بیابانوں میں جاکر ڈیرے لگالینا بھی اس سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ رہبانیت اور جوگی پن کا ایک حصہ ہے جو اسلام میں نہیں ہے، البتہ فتنوں کے ایام میں اپنے دین کو بچانے کے لیے شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں جاکر رہنے کی اجازت حدیث میں دی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 19)

② مطلب یہ ہے کہ مومن کامل وہ ہے جو قول وعمل میں اسلام کی تعلیمات کا عمدہ نمونہ ہو اور ان چیزوں سے بچنے والا ہو جن سے اللہ نے اسے روک دیا ہے اور یوں اللہ کی حدوں کو پامال نہیں بلکہ ان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ ایسے ہی کامل مومن خوشخبری کے مستحق ہیں۔ یہ وہی بات ہے جسے قرآن میں ﴿اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے الفاظ میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کی قدرے تفصیل بیان کردی گئی ہے۔

③ اس کا شان نزول صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ جب نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ ان کے پاس گئے

اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿114﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿116﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا وہ صرف وعدے کے سبب سے تھا جو انھوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بالکل بے تعلق ہو گئے،[1] واقعی ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے[2] ﴿114﴾ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں،[3] بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور تمھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہے ﴿116﴾ اللہ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی،

جبکہ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''چچا جان! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کرسکوں۔'' ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے مذہب سے انحراف کرو گے؟ (مرتے وقت یہ کیا کرنے لگے ہو؟) تو ابوطالب نے آخری بات یہ کہی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کردیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے روک نہیں دیا جائے گا، میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔'' جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1360) اور آیت ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ (القصص 56:28) بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی اجازت طلب فرمائی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند أحمد: 355/5) اور نبی ﷺ نے اپنی مشرک قوم کے لیے جو دعا فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» ''یااللہ! میری قوم بے علم ہے، اس کی مغفرت فرمادے۔'' یہ آیت کے منافی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب ان کے لیے ہدایت کی دعا ہے، یعنی وہ میرے مقام و مرتبہ سے ناآشنا ہے، اسے ہدایت سے نواز دے تاکہ وہ مغفرت کی اہل ہو جائے۔ اور زندہ کفار و مشرکین کے لیے ہدایت کی دعا کرنی جائز ہے۔

[1] یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی جب یہ بات واضح ہوگئی کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے اور جہنمی ہے تو انھوں نے اس سے اظہار براءت کردیا اور اس کے بعد مغفرت کی دعا نہیں کی۔

[2] اور ابتدا میں باپ کے لیے مغفرت کی دعا بھی اپنے اسی مزاج کی نرمی اور حلیمی کی وجہ سے کی تھی۔

[3] جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنے سے روکا تو بعض صحابہ کو جنھوں نے ایسا کیا تھا، یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ایسا کر کے انھوں نے گمراہی کا کام تو نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تک بچنے والے کاموں کی وضاحت نہیں فرمادیتا، اس وقت تک اس پر مؤاخذہ بھی نہیں فرماتا نہ اسے گمراہی قرار دیتا ہے، البتہ جب ان کاموں سے نہیں بچتا جن سے روکا جاچکا ہو تو پھر

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ

جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا،① اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا،② پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان سب پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے ﴿117﴾ اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔③ یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے④ اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے، پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔⑤

اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے، اس لیے جن لوگوں نے اس حکم سے قبل اپنے فوت شدہ مشرک رشتے داروں کے لیے مغفرت کی دعائیں کی ہیں، ان سے مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ انھیں مسئلے کا اس وقت علم ہی نہیں تھا۔

① جنگ تبوک کے سفر کو ''تنگی کا وقت'' قرار دیا، اس لیے کہ ایک تو موسم سخت گرمی کا تھا۔ دوسرے، فصلیں تیار تھیں۔ تیسرے، سفر خاصا لمبا تھا اور چوتھے، وسائل کی بھی کمی تھی۔ اسی لیے اسے جَيْشُ الْعُسْرَةِ (تنگی کا لشکر) کہا جاتا ہے۔ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی، توبہ قبول فرمائی۔'' توبہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ پہلے گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہو۔ اس کے بغیر بھی رفع درجات کے لیے توبہ ہوتی ہے۔ یہاں مہاجرین و انصار کے اس پہلے گروہ کی توبہ اسی مفہوم میں ہے جنھوں نے بلا تامل (سوچے سمجھے بغیر) نبی ﷺ کے حکم جہاد پر لبیک کہا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ کچھ لغزشیں اور غیر شعوری کوتاہیاں ان سے سرزد ہو گئی ہوں، اس [illegible] توبہ کا ذکر فرمایا اور نبی ﷺ کو ملانے سے غرض ان صحابۂ کرام کی عظمت و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر اللباب)

② یہ اس دوسرے گروہ کا ذکر ہے جسے مذکورہ وجوہ سے ابتداءً تردد ہوا۔ لیکن پھر جلد ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا اور بخوشی جہاد میں شریک ہوا۔ دلوں میں تزلزل سے مراد دین کے بارے میں کوئی تزلزل یا شبہ نہیں ہے بلکہ مذکورہ دنیاوی اسباب کی وجہ سے شریک جہاد ہونے میں جو تذبذب اور تردد تھا، وہ مراد ہے۔

③ ﴿خُلِّفُوْا﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿مُرْجَوْنَ﴾ کا ہے، یعنی جن کا معاملہ مؤخر اور ملتوی کر دیا گیا تھا اور پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ تین صحابہ تھے۔ کعب بن مالک، مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہم۔ یہ تینوں نہایت مخلص مسلمان تھے۔ اس سے قبل غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ اس غزوۂ تبوک میں صرف تساہلاً شریک نہیں ہوئے۔ بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سوچا کہ ایک غلطی (پیچھے رہنے کی) تو ہو ہی گئی ہے۔ لیکن اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے، چنانچہ حاضر خدمت ہو کر اپنی غلطی کا صاف اعتراف کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ نبی ﷺ نے ان کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے گا، تاہم اس دوران میں آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتیٰ کہ بات چیت تک کرنے سے روک دیا۔ چالیس راتوں کے بعد انھیں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں، چنانچہ بیویوں سے بھی جدائی عمل میں آ گئی مزید دس دن گزرے تو توبہ قبول کر لی گئی اور مذکورہ آیت نازل

اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم والا ہے ﴿118﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو ﴿119﴾ [1] مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں [2] اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں، [3] یہ اس سبب سے کہ [4] ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو تکان پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے جو کفار کے لیے موجب غیظ بنا ہو [5] اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، [6] ان سب پر ان کے نام نیک کام لکھا گیا، یقیناً اللہ محسنین کا اجر

ہوئی۔ اس واقعے کی پوری تفصیل حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: (صحيح البخاري، حديث: 4418، وصحيح مسلم، حديث: 53-(2769))

④ یہ ان ایام کی کیفیت کا بیان ہے جس سے سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے انھیں گزرنا پڑا۔

⑤ یعنی پچاس دن کے بعد اللہ نے ان کی آہ وزاری اور توبہ قبول فرمائی۔

① سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرما دی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (اللہ کا خوف) ہوگا، وہ سچا بھی ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔

② جنگ تبوک میں شرکت کے لیے چونکہ عام منادی کر دی گئی تھی، اس لیے معذورین، بوڑھے اور دیگر شرعی عذر رکھنے والوں کے سوا، سب کے لیے اس میں شرکت ضروری تھی لیکن پھر بھی جو سکان مدینہ یا حوالیٔ مدینہ میں سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

③ یعنی یہ بھی ان کے لیے زیبا نہیں کہ خود اپنی جانوں کا تو تحفظ کر لیں اور رسول اللہ ﷺ کی جان کے تحفظ کا انھیں خیال نہ ہو۔ بلکہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے سے زیادہ ان کے تحفظ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

④ ﴿ذٰلِكَ﴾ سے پیچھے نہ رہنے کی علت بیان کی جا رہی ہے، یعنی انھیں اس لیے پیچھے نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ کی راہ میں انھیں جو پیاس، تھکاوٹ اور بھوک پہنچے گی یا ایسے اقدامات جن سے کافروں کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوگا، اسی طرح دشمنوں کے آدمیوں کو قتل یا ان کو قیدی بناؤ گے، یہ سب کے سب کام عمل صالح لکھے جائیں گے، یعنی عمل صالح صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی مسجد میں یا کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر نوافل، تلاوت اور ذکر الٰہی وغیرہ کرے بلکہ جہاد میں پیش آنے والی ہر تکلیف اور پریشانی حتیٰ کہ وہ کارروائیاں بھی جن سے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا ہو یا غیظ بھڑکے، ان میں سے ہر ایک چیز اللہ کے ہاں عمل صالح لکھی جائے گی، اس لیے محض شوق عبادت میں بھی جہاد سے گریز صحیح نہیں، چہ جائیکہ بغیر عذر کے ہی آدمی جہاد سے جی چرائے؟

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ
اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ع يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

ع 15 4

ضائع نہیں کرتا﴿120﴾ اور جو کچھ چھوٹا بڑا انھوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے، [1] یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے﴿121﴾ اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں﴿122﴾ [2] اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمھارے آس پاس [3] ہیں اور ان کو تمھارے اندر سختی پانا چاہیے۔ [4] اور یہ یقین رکھو کہ اللہ

---

⑤ اس سے مراد پیادہ یا گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر ایسے علاقوں سے گزرنا ہے کہ ان کے قدموں کی چاپوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے دشمن کے دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے اور ان کی آتش غیظ بھڑک اٹھے۔

⑥ ﴿وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا﴾ (دشمن سے کوئی چیز لیتے ہیں یا ان کی خبر لیتے ہیں) سے مراد، ان کے آدمیوں کو قتل یا قیدی کرتے ہیں یا انھیں شکست سے دوچار کرتے اور مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔

① پہاڑوں کے درمیان کے میدان اور پانی کی گزرگاہ کو وادی کہتے ہیں۔ مراد یہاں مطلق وادیاں اور علاقے ہیں، یعنی کی راہ میں تھوڑا یا زیادہ جتنا بھی خرچ کرو گے اسی طرح جتنے بھی میدان یا علاقے طے کرو گے، (جہاد میں تھوڑا یا زیادہ سفر کرو گے) یہ سب نیکیاں تمھارے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی جن پر اللہ تعالیٰ اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

② بعض مفسرین کے نزدیک اس کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جہ پیچھے رہنے والوں کے لیے سخت وعید اور زجر و توبیخ بیان کی گئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بڑے محتاط ہو گئے اور جب بھی جہاد کا مرحلہ آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے۔ آیت میں انھیں حکم دیا گیا کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ جس میں ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک گروہ کی ہی شرکت کافی ہے۔ ان کے نزدیک ﴿لِّيَتَفَقَّهُوْا﴾ کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا گروہ ہے، یعنی ایک گروہ جہاد پر چلا جائے وَتَبْقٰى طَائِفَةٌ (یہ محذوف ہوگا) ''اور ایک گروہ پیچھے رہے۔'' جو دین کا علم حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آئیں تو انھیں بھی احکام دین سے آگاہ کر کے انھیں ڈرائیں۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان، اس کی ترغیب اور طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت یا قبیلے میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس و مراکز علم میں جا کر اسے حاصل کریں اور پھر آ کر اپنی قوم میں وعظ و نصیحت کریں۔ دین میں تفقہ حاصل کرنے کا مطلب اوامر و نواہی کا علم حاصل کرنا ہے تاکہ اوامر الٰہی کو بجا لا سکے اور نواہی سے دامن کشاں رہے اور اپنی قوم کے اندر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿125﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ

متقی لوگوں کے ساتھ ہے ﴿123﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کیا ہے،[1] سو جو لوگ ایماندار ہیں، اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں ﴿124﴾[2] اور جن کے دلوں میں روگ ہے، اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے ﴿125﴾[3] اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں،[4] پھر بھی

③ اس میں کافروں سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ اَلْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے جزیرۂ عرب میں آباد مشرکین سے قتال کیا، جب ان سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے مکہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر اور حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دیا اور عرب کے سارے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اور 9 ہجری میں رومیوں سے قتال کے لیے تبوک تشریف لے گئے جو اس وقت بلاد اسلامیہ سے قریب تھا اور اب الحمد للہ یہ سعودی عرب میں شامل ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال فرمایا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

④ یعنی کافروں کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں نرمی نہیں سختی ہونی چاہیے جیسا کہ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح 29:48) ''وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔'' صحابہ کی صفت بیان کی گئی۔ اسی طرح ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المآئدة 54:5) ''وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر۔'' اہل ایمان کی صفت ہے۔

① اس سورت میں منافقین کے کردار کی جو نقاب کشائی کی گئی ہے، یہ آیات اس کا بقیہ اور تتمہ ہیں۔ اس میں بتلایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت یا اس کا کوئی حصہ نازل ہوتا اور ان کے علم میں بات آتی تو وہ استہزا اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

② اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو بھی سورت اترتی ہے اس سے اہل ایمان کے ایمان میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ایمان کے اضافے پر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آیت بھی اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جس طرح کہ محدثین کا مسلک ہے۔

③ روگ سے مراد نفاق اور آیات الٰہی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ فرمایا: ''البتہ یہ سورت منافقین کو ان کے نفاق اور خبث میں اور بڑھاتی ہے اور وہ اپنے کفر و نفاق میں اس طرح پختہ تر ہو جاتے ہیں کہ انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔'' جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ ''ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سے ظالموں کے خسارے ہی میں اضافہ فرماتا ہے۔'' (بنیٓ إسرآءیل 82:17) یہ گویا ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ

لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿128﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ

نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں﴿126﴾اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں،① اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس وجہ سے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں﴿127﴾② تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں③ جن کو تمھاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے④ جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں،⑤ ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں﴿128﴾⑥ پھر اگر وہ روگردانی کریں⑦ تو آپ کہہ دیجیے

جس سے لوگوں کے دل ہدایت پاتے ہیں۔ وہی باتیں ان کی ضلالت و ہلاکت کا باعث ثابت ہوتی ہیں جس طرح کسی شخص کا مزاج اور معدہ بگڑ جائے تو وہی غذائیں جن سے لوگ قوت اور لذت حاصل کرتے ہیں، اس کی بیماری میں مزید بگاڑ اور خرابی کا باعث بنتی ہیں۔

④ ﴿يُفْتَنُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: آزمائے جاتے ہیں۔ آفت سے مراد یا تو آسمانی آفات ہیں، مثلاً: قحط سالی وغیرہ (مگر یہ بعید ہے) یا جسمانی بیماریاں اور تکالیف ہیں یا غزوات ہیں جن میں شرکت کے موقع پر ان کی آزمائش ہوتی تھی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے یہ مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

① یعنی ان کی موجودگی میں سورت نازل ہوتی جس میں منافقین کی شرارتوں اور سازشوں کی طرف اشارہ ہوتا تو پھر یہ دیکھ کر کہ مسلمان انھیں دیکھ تو نہیں رہے، خاموشی سے کھسک جاتے۔

② یعنی آیات الٰہی میں غور و تدبر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں کو خیر اور ہدایت سے پھیر دیا ہے۔

③ سورت کے آخر میں مسلمانوں پر نبی ﷺ کی صورت میں جو احسان عظیم فرمایا گیا، اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ تمھاری جنس، یعنی جنس بشریت سے ہیں (وہ نور یا کچھ اور نہیں) جیسا کہ فسادِ عقیدہ کے شکار لوگ عوام کو اس قسم کے گورکھ دھندے میں پھنساتے ہیں۔

④ عَنَتٌ ایسی چیزیں جن سے انسان کو تکلیف ہو، اس میں دنیاوی مشقتیں اور اخروی عذاب دونوں آ جاتے ہیں۔ اس پیغمبر پر تمھاری ہر قسم کی تکلیف و مشقت گراں گزرتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ ”میں آسان دین حنیفی دے کر بھیجا گیا ہوں۔“ (مسند أحمد: 266/5 و 233/6) ایک اور حدیث میں فرمایا: «إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ» ”بے شک یہ دین آسان ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 39)

⑤ تمھاری ہدایت اور تمھاری دنیوی و اخروی منفعت کے خواہش مند ہیں۔ اور تمھارا جہنم میں جانا پسند نہیں فرماتے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ ”میں تمھیں تمھاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نار جہنم میں داخل ہوتے ہو۔“ (صحيح البخاري، حديث: 6483)

⑥ یہ آپ کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ ساری خوبیاں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور کریمانہ صفات کی مظہر ہیں۔ یقیناً آپ صاحب خلق عظیم ہیں۔ ﷺ

⑦ یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت اور دین رحمت سے۔

16 ع 7 5

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿129﴾

اٰیَاتُهَا: 109 (10) سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَكِّیَّةٌ (51) رُكُوْعَاتُهَا: 11	سورۂ یونس مکی ہے، اس کی 109 آیات اور 11 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿1﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ﴿2﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ط

کہ میرے لیے اللہ کافی ہے،[1] اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے ﴿129﴾[2]

الٓرٰ۔ یہ پرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں ﴿1﴾[3] کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب[4] ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آئیں ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ[5] ملے گا۔ کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے ﴿2﴾[6] بلاشبہ تمھارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا،[7]

---

① جو کفر و اعراض کرنے والوں کے مکر و کید سے مجھے بچا لے گا۔

② حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ ...... الْعَظِیْمِ﴾ صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہموم (فکر و مشکلات) کو کافی ہو جائے گا۔ (سنن أبي داود، حديث: 5081)

■ یہ سورت مکی ہے، البتہ اس کی دو آیات اور بعض نے تین آیات کو مدنی قرار دیا ہے۔ (فتح القدير)

③ ﴿اَلْحَكِیْمِ﴾ کتاب، یعنی قرآن مجید کی صفت ہے۔ اس کے ایک تو وہی معنی ہیں جو ترجمے میں اختیار کیے گئے ہیں۔ اس کے اور بھی کئی معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: اَلْمُحْكَمُ یعنی حلال و حرام اور حدود و احکام میں محکم (مضبوط) ہے۔ حکیم بمعنی حاکم، یعنی اختلافات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب۔ حکیم بمعنی محکوم فیہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کیے ہیں۔ سارے مفہوم ہی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

④ ان کے تعجب کرنے پر استفہام انکار ہے جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے، یعنی اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے ایک آدمی کو وحی و رسالت کے لیے چن لیا کیونکہ ان کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا تو فرشتہ یا جن ہوتا، اور دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس لیے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کی بجائے وحشت محسوس کرتے۔ دوسرے، ان کے لیے اس کو دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ اور اگر ہم کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجتے تو پھر وہی اعتراض آتا کہ یہ تو ہماری طرح کا ہی انسان ہے، اس لیے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

⑤ ﴿قَدَمَ صِدْقٍ﴾ کا مطلب: جنت، بلند مرتبہ، اجر حسن اور وہ اعمال صالحہ ہیں جو ایک مومن آگے بھیجتا ہے۔

⑥ کافروں کو جب انکار کے لیے کوئی اور بات نہیں سوجھتی تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے کہ یہ تو جادوگر ہے۔ نعوذ باللہ.

⑦ اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 7:84 کا حاشیہ۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔[1] اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے پاس سفارش کرنے والا نہیں،[2] یہی اللہ تمھارا رب ہے سوتم اس کی عبادت کرو،[3] کیا تم پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے؟③ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، انصاف کے ساتھ جزا دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ان کے کفر کی وجہ سے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا④[4] وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا[5] اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا

① یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کر کے اس نے ان کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ساری کائنات کا نظم و تدبیر وہ اس طرح کر رہا ہے کہ کبھی کسی کا آپس میں تصادم نہیں ہوا، ہر چیز اس کے حکم پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہے۔

② مشرکین و کفار جو اصل مخاطب تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے چھڑوائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ اور یہ اجازت بھی صرف انھی لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الأنبیآء 28:21) ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○﴾ (النجم 26:53) ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○﴾ (طٰہٰ 109:20) مزید دیکھیے سورۂ سبا 23:34، سورۂ نبا 38:78 اور آیت الکرسی۔

③ یعنی ایسا اللہ جو کائنات کا خالق بھی ہے اور اس کا مدبر و منتظم بھی۔ علاوہ ازیں تمام اختیارات کا بھی کلی طور پر وہی مالک ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

④ اس آیت میں قیامت کے وقوع، بارگاہ الٰہی میں سب کی حاضری، اور جزا و سزا کا بیان ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں مختلف اسلوب سے متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا جس میں اللہ کے عدل و انصاف کا اہتمام ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ یک شخص جو اللہ کا سخت نافرمان ہوتا ہے، وہ عیش و عشرت اور آرام کی زندگی گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے اور دنیا میں اسے کوئی سزا نہیں ملتی۔ اسی طرح ایک نیک آدمی کو اس کی نیکیوں کی جزا دنیا میں نہیں ملتی۔ قیامت والے دن ہر نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی۔ اگر جزا و سزا کا یہ دن نہ ہوتا تو یقیناً ظلم ہوتا کہ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا ہی نہ ملتی جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

⑤ ﴿ضِيَآءً﴾ ضَوْءٌ کے ہم معنی ہے۔ مضاف یہاں محذوف ہے۔ ذَاتَ ضِيَاءٍ وَّالْقَمَرَ ذَا نُوْرٍ، سورج کو چمکنے والا اور چاند کو نور والا بنایا۔ یا پھر انھیں مبالغے پر محمول کیا جائے گویا کہ یہ بذات خود ضیا اور نور ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کی تدبیر کے ذکر کے بعد اور مثال کچھ اور چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کا تعلق تدبیر کائنات سے ہے جس میں سورج اور چاند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

کرو،[1] اللہ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں⑤ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں⑥ جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں⑦ ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے⑧ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ہدایت کرے گا،[2] نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی⑨ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی: ''سبحان اللہ''[3] اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا ''السلام علیکم''[4] اور ان کی اخیر بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں

سورج کی حرارت وتپش اور اس کی روشنی، کس قدر ناگزیر ہے، اس سے ہر باشعور آدمی واقف ہے۔ اسی طرح چاند کی نورانیت کا جو لطف اور اس کے فوائد ہیں، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ حکماء کا خیال ہے کہ سورج کی روشنی بالذات ہے اور چاند کی نورانیت بالعرض ہے جو سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔ (فتح القدیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

① یعنی ہم نے چاند کی چال کی منزلیں مقرر کر دی ہیں، ان منزلوں سے مراد وہ مسافت ہے جو وہ ایک رات اور ایک دن میں اپنی مخصوص حرکت یا چال کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہ 28 منزلیں ہیں۔ ہر رات کو ایک منزل پر پہنچتا ہے جس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔ پہلی منزلوں میں وہ چھوٹا اور باریک نظر آتا ہے، پھر بتدریج بڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ چودھویں شب یا چودھویں منزل پر وہ مکمل (بدر کامل) ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سکڑنا اور باریک ہونا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ آخر میں ایک یا دو راتیں چھپا رہتا ہے اور پھر ہلال بن کر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو، یعنی چاند کی ان منازل اور رفتار سے ہی مہینے اور سال بنتے ہیں جن سے تمھیں ہر چیز کا حساب کرنے میں آسانی رہتی ہے، یعنی سال 12 مہینے کا، مہینہ 29، 30 دن کا۔ ایک دن 24 گھنٹے کا، یعنی رات اور دن۔ جو ایام استوا میں 12، 12 گھنٹے اور سردی گرمی میں کم وبیش ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیوی منافع اور کاروبار ہی ان منازل قمر سے وابستہ نہیں۔ دینی منافع بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طلوع ہلال سے حج، صیام رمضان، أَشْهُرِ حُرُمْ، عیدین اور دیگر عبادات کی تعیین ہوتی ہے جن کا اہتمام ایک مومن کرتا ہے۔

② اس کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ دنیا میں ایمان کے سبب، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کے لیے پل صراط سے گزرنا آسان فرما دے گا، اس صورت میں یہ ''با'' سَبَبِيَّتْ کے لیے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ان کے لیے ایک نور مہیا فرمائے گا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے جیسا کہ سورۂ حدید میں اس کا ذکر آتا ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿10﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿11﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ

اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے ⑩ اور اگر اللہ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ طلب خیر کے لیے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ [1] سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا یقین نہیں ہے ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ⑪ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا، [2] ان حد سے گزرنے والوں کے اعمال کو ان کے لیے اسی طرح خوش نما بنا

---

③ یعنی اہل جنت، اللہ کی حمد و تسبیح میں ہر وقت رطب اللسان رہیں گے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''اہل جنت کی زبانوں پر تسبیح و تحمید کا اس طرح الہام ہو گا جس طرح سانس الہام کیا جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 18-(2835)) یعنی جس طرح بے اختیار سانس کی آمد و رفت رہتی ہے، اسی طرح اہل جنت کی زبانوں پر بغیر اہتمام کے حمد و تسبیح الٰہی کے ترانے رہیں گے۔

④ یعنی ایک دوسرے کو اس طرح سلام کریں گے، نیز فرشتے بھی انھیں سلام عرض کریں گے۔

① اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح انسان خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے، اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے، اللہ کے پیغمبروں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے کر آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ان کے اس مطالبے کے مطابق ہم جلدی عذاب بھیج دیتے تو کبھی کے یہ موت اور ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ لیکن ہم مہلت دے کر انھیں پورا موقع دیتے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جس طرح انسان اپنے لیے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنھیں ہم قبول کرتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لیے اور اپنی اولاد وغیرہ کے لیے بددعائیں کرتا ہے، جنھیں ہم اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے تو ہلاکت مانگ رہا ہے مگر اس کے دل میں ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انھیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں تو پھر جلد ہی یہ لوگ موت اور تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''تم اپنے لیے، اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال اور ماتحتوں کے لیے بددعائیں مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بددعائیں، اس گھڑی کو پا لیں جس میں اللہ کی طرف سے دعائیں قبول کی جاتی ہیں، پس وہ تمھاری بددعائیں قبول فرمالے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 3009، وسنن أبي داود، حديث: 1532)

② یہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہو رہی ہے، دعائیں کی جا رہی ہیں، توبہ و استغفار کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ کڑا وقت نکال دیتا ہے تو پھر بارگاہ الٰہی میں دعا و تضرع سے بھی غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ نے ان کی دعائیں قبول کر کے انھیں جس ابتلا اور مصیبت سے نجات دی، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق انھیں نصیب نہیں ہوتی۔

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

دیا گیا ہے⑫[1] اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جب کہ انھوں نے ظلم کیا، حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے؟ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں⑬[2] پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا[3] تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو⑭ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں[4] جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجیے۔[5] آپ یوں کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں[6] بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں⑮[7] آپ یوں کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تم کو اس کی اطلاع دیتا[8] کیونکہ اس سے پہلے تو ایک بڑے حصہ عمر تک میں تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے⑯[9] سو اس شخص سے زیادہ ظالم

① یہ تزئین عمل بطور آزمائش اور مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، وسوسوں کے ذریعے سے شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور انسان کے اس نفس کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے جو انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔ ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف 12:53) ''بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔'' تاہم اس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔ یہاں معنی یہ ہوئے کہ ان کے لیے دعا سے اعراض، شکر الٰہی سے غفلت اور شہوات وخواہشات کے ساتھ اشتغال کو مزین کر دیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

② یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہو۔

③ ﴿خَلٰٓئِفَ﴾ خَلِیفَةٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: گزشتہ امتوں کا جانشین یا ایک دوسرے کا جانشین۔

④ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

⑤ مطلب یہ ہے کہ یا تو اس قرآن مجید کی جگہ قرآن ہی دوسرا لائیں یا پھر اس میں ہماری حسب خواہش تبدیلی کر دیں۔

⑥ یعنی مجھ سے دونوں باتیں ممکن نہیں، میرے اختیار ہی میں نہیں۔

⑦ یہ اس کی مزید تاکید ہے۔ میں تو صرف اسی بات کا پیرو ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی کا

اللهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلائے، یقیناً ایسے مجرموں کو فلاح نہ ہوگی⑰ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر[1] ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں[2] اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔[3] آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں،[4] وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے⑱[5] اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انھوں نے اختلاف پیدا کرلیا[6] اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا⑲[7] اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان

میں ارتکاب کروں گا تو یوم عظیم کے عذاب سے میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

⑧ یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ چاہتا تو میں نہ انھیں پڑھ کر سناتا نہ تمھیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی۔ بعض نے ﴿وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ﴾ کے معنی کیے ہیں: مَاأَعْلَمَكُمْ بِهِ عَلٰى لِسَانِي کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بابت کچھ نہ بتلاتا۔

⑨ اور تم بھی جانتے ہو کہ دعوائے نبوت سے قبل چالیس سال میں نے تمھارے اندر گزارے ہیں۔ کیا میں نے کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہے؟ اسی طرح تم میری امانت وصداقت کے بھی قائل رہے ہو۔ کیا اب یہ ممکن ہے کہ میں اللہ پر افترا باندھنا شروع کر دوں؟ مطلب ان دونوں باتوں کا یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے نہ میں نے کسی سے سن یا سیکھ کر اسے بیان کیا ہے اور نہ یوں ہی جھوٹ موٹ اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

① یعنی اللہ کی عبادت سے تجاوز کر کے نہ کہ بالکلیہ اللہ کی عبادت ترک کر کے کیونکہ مشرکین اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے اور غیر اللہ کی بھی۔

② جبکہ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو بدلہ اور اپنے نافرمانوں کو سزا دینے پر قادر ہو۔

③ یعنی ان کی سفارش سے اللہ ہماری ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ ہماری بگڑی بنا دیتا ہے یا ہمارے دشمن کی بنی ہوئی بگاڑ دیتا ہے، یعنی مشرکین بھی اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے تھے ان کو نفع وضرر میں مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

④ یعنی اللہ کو تو اس بات کا علم نہیں کہ اس کا کوئی شریک بھی ہے یا اس کی بارگاہ میں سفارشی بھی ہوں گے؟ گویا یہ مشرکین اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ تجھے کو خبر نہیں۔ لیکن ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ تیرے شریک بھی ہیں اور سفارشی بھی ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کی سفارش کریں گے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی یہ باتیں بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے۔

⑥ یعنی یہ شرک، لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ ورنہ پہلے پہل اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تمام لوگ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقے پر تھے اور وہ اسلام ہے جس میں توحید کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے تمام لوگ اسی توحید پر قائم رہے، قوم نوح نے اختلاف کر کے شرک شروع کیا، چنانچہ لوگوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا شروع کر دیا۔

اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلۡ اِنَّمَا الۡغَيۡبُ لِلّٰهِ فَانۡتَظِرُوۡا ۚ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿20﴾ وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً مِّنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُمۡ اِذَا لَهُمۡ مَّكۡرٌ فِىۡۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ ﴿21﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُسَيِّرُكُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنۡتُمۡ فِى الۡفُلۡكِ ۚ

پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی؟[1] سو آپ فرما دیجیے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے[2] سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ﴿20﴾ اور جب ہم لوگوں کو اس امر کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں[3] تو وہ فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں،[4] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ چال چلنے میں تم سے زیادہ تیز ہے،[5] بالیقین ہمارے فرشتے تمھاری سب چالوں کو لکھ رہے ہیں ﴿21﴾ وہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے،[6] یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو

---

⑦ یعنی اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا ہے، اسی طرح اس نے مخلوق کے لیے ایک وقت موعود کا تعین نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ ان کے مابین اختلافات کا فیصلہ اور مومنوں کو سعادت مند اور کافروں کو عذاب ومشقت میں مبتلا کر چکا ہوتا۔

① اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لیے اونٹنی کا ظہور ہوا۔ ان کے لیے صفا پہاڑی کو سونے کا یا مکے کے پہاڑوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور اس قسم کا کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلایا جائے۔

② یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی خواہشات کے مطابق وہ معجزے تو ظاہر کر کے دکھلا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو پھر اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو وہ فوراً اہلاک کر دیتا ہے، اس لیے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ کسی قوم کے لیے اس کی خواہشات کے مطابق معجزے ظاہر کر دینا، اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو نہ دکھائے گئے تو انھیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ''تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

③ مصیبت کے بعد نعمت کا مطلب ہے: تنگی، قحط سالی اور آلام ومصائب کے بعد رزق کی فراوانی، اسباب معیشت کی ارزانی، صحت و عافیت اور فراغت وخوش حالی وغیرہ۔

④ اس کا مطلب ہے کہ وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر اور ان پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کفر وشرک کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی یہ ان کی وہ بری تدبیر ہے جو وہ اللہ کی نعمتوں کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں۔

⑤ یعنی اللہ کی تدبیر، ان سے کہیں زیادہ تیز ہے جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا مؤاخذہ کرنے پر قادر ہے، وہ جب چاہے ان کی گرفت کر سکتا ہے، فوراً ابھی اور اگر اس کی حکمت تاخیر کی مقتضی ہو تو بعد میں بھی۔ ﴿مَّكۡرٌ﴾ عربی زبان میں لغوی لحاظ سے شر والی خفیہ تدبیر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں لیکن فاعل اور مقصد کے اعتبار سے اچھی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مکر کی نسبت اللہ کی طرف ہو جائے تو اس کا مطلب اچھی خفیہ تدبیر ہے۔ یہاں اللہ کی عقوبت اور گرفت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

⑥ ﴿يُسَيِّرُكُمۡ﴾ وہ تمھیں چلاتا یا چلنے پھرنے اور سیر کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ''خشکی میں'' یعنی اس نے تمھیں قدم عطا کیے جن سے تم چلتے ہو، سواریاں مہیا کیں جن پر سوار ہو کر دور دراز کے سفر کرتے ہو۔ ''اور سمندر میں'' یعنی اللہ نے تمھیں کشتیاں اور جہاز بنانے

وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿22﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى

اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں، ان پر ایک جھونکا سخت ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب گھر گئے،[1] (اس وقت) سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں[2] کہ اگر تو ہم کو اس سے بچا لے تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے ﴿22﴾ پھر جب اللہ ان کو بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں[3] اے لوگو! یہ تمھاری سرکشی تمھارے لیے وبال ہونے

کی عقل اور سمجھ دی، تم نے وہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے سمندروں کا سفر کرتے ہو۔

[1] ﴿ اُحِيْطَ بِهِمْ ﴾ کا مطلب ہے، جس طرح دشمن کسی قوم یا شہر کا احاطہ، یعنی محاصرہ کر لیتا ہے اور پھر وہ دشمن کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں، اسی طرح وہ جب سخت ہواؤں کے تھپیڑوں اور تلاطم خیز موجوں میں گھر جاتے ہیں اور موت ان کو سامنے نظر آتی ہے۔

[2] یعنی پھر وہ دعا میں غیر اللہ کی ملاوٹ نہیں کرتے جس طرح عام حالات میں کرتے ہیں۔ عام حالات میں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ بھی اللہ کے بندے ہیں، انھیں بھی اللہ نے اختیارات سے نواز رکھا ہے اور انھی کے ذریعے سے ہم اللہ کا قرب تلاش کرتے ہیں لیکن جب اس طرح شدائد میں گھر جاتے ہیں تو یہ سارے شیطانی فلسفے بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ یاد رہ جاتا ہے اور پھر صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فطرت میں اللہ واحد کی طرف رجوع کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہو کر اس جذبے یا فطرت کو دبا دیتا ہے لیکن مصیبت میں یہ جذبہ ابھر آتا ہے اور یہ فطرت عود کر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توحید، فطرت انسانی کی آواز اور اصل چیز ہے جس سے انسان کو انحراف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے انحراف فطرت سے انحراف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مشرکین جب اس طرح مصائب میں گھر جاتے تو وہ اپنے خود ساختہ معبودوں کی بجائے، صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے، چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل کے بارے میں آتا ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو یہ وہاں سے فرار ہو گئے۔ باہر کسی جگہ جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی طوفانی ہواؤں کی زد میں آ گئی جس پر ملاح نے کشتی میں سوار لوگوں سے کہا کہ آج اللہ واحد سے دعا کرو، تمھیں اس طوفان سے اس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سوچا اگر سمندر میں نجات دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو خشکی میں بھی یقیناً نجات دینے والا وہی ہے۔ اور یہی بات محمد (ﷺ) کہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کر لیا اگر یہاں سے میں زندہ بچ کر نکل گیا تو مکہ واپس جا کر اسلام قبول کر لوں گا، چنانچہ یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ (سنن النسائي، حديث:4072، وسنن أبي داود، حديث: 2683 وذكره الألباني في الصحيحة، حديث: 1723) لیکن افسوس! امت محمدیہ کے عوام اس طرح شرک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ شدائد و آلام میں بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے، فوت شدہ بزرگوں کو ہی مشکل کشا سمجھتے اور انھی کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ آه! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا

[3] یہ انسان کی اسی ناشکری کی عادت کا ذکر ہے جس کا تذکرہ ابھی آیت: 12 میں بھی گزرا، اور قرآن میں اور بھی متعدد مقامات پر

اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿23﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿26﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

والی ہے [1] دنیاوی زندگی کے (چند) فائدے ہیں، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمھارا کیا ہوا تم کو بتلا دیں گے ﴿23﴾ پس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلی، یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے۔ تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم آپڑا سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا [2] کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں ﴿24﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے ﴿25﴾ جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی [3] اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿26﴾ اور جن لوگوں نے بد کام کیے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی [4] اور ان پر ذلت چھائے گی، ان کو اللہ

اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم یہ ناشکری اور سرکشی کر لو، چار روزہ متاع زندگی سے فائدہ اٹھا کر بالآخر تمھیں ہمارے ہی پاس آنا ہے، پھر ہم تمھیں، جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے، بتلائیں گے، یعنی ان کو سزا دیں گے۔

② ﴿حَصِيْدًا﴾ فعیل بمعنی مفعول ہے أَيْ مَحْصُودًا یعنی ایسی کھیتی جسے کاٹ کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہو اور کھیت صاف ہو گیا ہو۔ دنیا کی زندگی کو اس طرح کھیتی سے تشبیہ دے کر اس کے عارضی پن اور ناپائیداری کو واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی بھی بارش کے پانی سے نشوونما پاتی اور سرسبز و شاداب ہوتی ہے لیکن اس کے بعد اسے کاٹ کر فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

③ اس ﴿زِيَادَةٌ﴾ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن حدیث میں اس کی تفسیر دیدار باری تعالیٰ سے کی گئی ہے جس سے اہل جنت کو جنت اور جنت کی نعمتیں دینے کے بعد مشرف کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 181)

④ گزشتہ آیت میں اہل جنت کا تذکرہ تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ انھیں ان کے نیک عملوں کی جزا کئی کئی گنا ملے گی اور پھر مزید دیدار الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ملے گا۔ ﴿السَّيِّاٰتِ﴾ سے مراد کفر و شرک اور

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿27﴾
وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿28﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
لَغٰفِلِيْنَ ﴿29﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ [1] گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیے گئے ہیں۔ [2] یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿27﴾ اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے [3] پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی جگہ ٹھہرو [4] پھر ہم ان کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے [5] اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ﴿28﴾ سو ہمارے تمھارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ کے طور پر، کہ ہم کو تمھاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ﴿29﴾ [6] اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کیے ہوئے کاموں کی جانچ کر لے گا [7] اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ

اس کے ساتھ دیگر معاصی ہیں۔

① جس طرح کہ اہل ایمان کو بچانے والا اللہ تعالیٰ ہوگا وہ انھیں اس روز اپنے فضل خاص سے نوازے گا۔ علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بھی شفاعت کی اجازت دے گا جن کی شفاعت وہ قبول فرمائے گا۔

② یہ مبالغہ ہے کہ ان کے چہرے اتنے سخت سیاہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے چہرے تروتازہ اور روشن ہوں گے جس طرح سورۂ آل عمران 106:3 ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ سورۂ عبس 80:38-41 اور سورۂ قیامہ 75:22-24 میں ہے۔

③ ﴿جَمِيْعًا﴾ سے مراد شروع سے آخر تک کے تمام اہل زمین انسان اور جنات ہیں، سب کو اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝﴾ (الكهف 18:47) ''ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

④ ان کے مقابلے میں اہل ایمان کو دوسری طرف کر دیا جائے گا، یعنی اہل ایمان اور اہل کفر و شرک دونوں کو الگ الگ ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا جائے گا، جیسے فرمایا: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ 36:59) ﴿يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝﴾ (الروم 30:43) ''اس دن لوگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔'' یعنی دو گروہوں میں۔ أَيْ يَصِيرُونَ صِدْعَيْنِ (ابن كثير) ''لوگ دو گروہوں میں ہو جائیں گے۔''

⑤ یعنی دنیا میں ان کے درمیان آپس میں جو خصوصی تعلق تھا، وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے معبودین اس بات کا انکار کریں گے کہ یہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے، ان کو مدد کے لیے پکارتے تھے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے۔

⑥ یہ انکار کی وجہ ہے کہ ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں، تم کیا کچھ کرتے تھے اور ہم جھوٹ بول رہے ہوں تو ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور وہ کافی ہے، اس کی گواہی کے بعد کسی اور ثبوت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ مشرکین جن کو مدد کے لیے پکارتے تھے، وہ محض پتھر کی مورتیاں نہیں تھیں (جس طرح کہ آج کل کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کو جائز

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ

جھوٹ باندھا کرتے تھے سب ان سے غائب ہو جائیں گے ﴿30﴾[1] آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ''اللہ''[2] تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿31﴾ سو یہ ہے اللہ جو تمھارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھیرے جاتے ہو؟ ﴿32﴾[3] اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام فاسق لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے ﴿33﴾[4] آپ یوں کہیے کہ کیا تمھارے شرکاء میں کوئی ایسا

ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اس قسم کی آیات تو بتوں کے لیے ہیں) بلکہ وہ عقل وشعور رکھنے والے افراد ہی ہوتے تھے جن کے مرنے کے بعد لوگ ان کے مجسمے اور بت بنا کر پوجنے شروع کر دیتے تھے۔ جس طرح کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے طرز عمل سے بھی ثابت ہے جس کی تصریح صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد، انسان کتنا بھی نیک ہو حتیٰ کہ نبی و رسول ہو، اسے دنیا کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ اس کے متبعین اور عقیدت مند اسے مدد کے لیے پکارتے ہیں، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، اس کی قبر پر میلے ٹھیلے کا انتظام کرتے ہیں لیکن وہ بے خبر ہوتا ہے اور ان تمام چیزوں کا انکار ایسے لوگ قیامت والے دن کریں گے۔ یہی بات سورۂ احقاف 6,5:46 میں بھی بیان کی گئی ہے۔

⑦ یعنی جان لے گا یا مزہ چکھ لے گا۔

① یعنی کوئی معبود اور ''مشکل کشا'' وہاں کام نہیں آئے گا۔ کوئی کسی کی مشکل کشائی پر قادر نہیں ہوگا۔

② اس آیت سے بھی واضح ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی مالکیت، خالقیت، ربوبیت اور اس کے مدبر الامور ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود چونکہ وہ اس کی الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم کا ایندھن قرار دیا۔ آج کل کے بہت سے مدعیان ایمان بھی اسی توحید الوہیت کے منکر ہیں۔ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى)

③ یعنی رب اور الٰہ (معبود) تو یہی ہے، جس کے بارے میں تمھیں خود اعتراف ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور مدبر وہی ہے، پھر اس معبود کو چھوڑ کر جو تم دوسرے معبود بنائے پھرتے ہو، وہ گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تمھاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟ تم کہاں پھرے جاتے ہو؟

④ یعنی جس طرح یہ مشرکین تمام تر اعتراف کے باوجود اپنے شرک پر قائم ہیں اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح تیرے رب کی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ یہ غلط راستہ چھوڑ کر صحیح راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو ہدایت اور ایمان انھیں کس طرح نصیب ہو سکتا ہے؟ یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾ (الزمر 71:39) ''لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہو گئی۔''

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿34﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿35﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿37﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی پیدا کرے، آپ خود ہی کہیے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟﴿34﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے۔ [2] تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے، [3] پس تم کو کیا ہوگیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟﴿35﴾ [4] اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں۔ یقیناً گمان، حق کی معرفت میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا [5] یہ جو کچھ کررہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے﴿36﴾ [6] اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ (کی وحی) کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں [7] اور سب کتابوں کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، [8] اس میں کوئی بات شک کی نہیں [9] کہ رب العالمین کی طرف سے ہے﴿37﴾ [10] کیا یہ لوگ یوں کہتے

---

(1) مشرکین کے شرک کے کھوکھلے پن کو واضح کرنے کے لیے ان سے پوچھا جارہا ہے کہ بتلاؤ جنھیں تم اللہ کا شریک گردانتے ہو، کیا انھوں نے اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے؟ یا دوبارہ اسے پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ پہلی مرتبہ بھی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور روز قیامت دوبارہ وہی سب کو زندہ کرے گا تو پھر تم ہدایت کا راستہ چھوڑ کر کہاں پھر ے جارہے ہو؟

(2) یعنی بھٹکے ہوئے مسافرین راہ کو راستہ بتانے والا اور دلوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان کے شرکاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو یہ کام کرسکے۔

(3) یعنی پھر پیروی کے لائق کون ہے؟ وہ شخص جو دیکھتا سنتا اور لوگوں کی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے؟ یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود راستے پر چل بھی نہیں سکتا، جب تک کہ دوسرے لوگ اسے راستے پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لے جائیں؟

(4) یعنی تمھاری عقلوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تم کس طرح اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہرائے جارہے ہو؟ اور اللہ کے ساتھ تم دوسروں کو بھی شریک عبادت بنارہے ہو؟ جبکہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور عبادت کی تمام قسمیں صرف اسی کے لیے خاص مانی جائیں۔

(5) لیکن بات یہ ہے کہ لوگ محض اٹکل پچو باتوں پر چلنے والے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلے میں اوہام و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن میں ظن، یقین اور گمان دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

(6) یعنی اس ہٹ دھرمی کی وہ سزا دے گا کہ دلائل نہ رکھنے کے باوجود، یہ محض اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ کے پیچھے لگے رہے اور عقل و فہم سے ذرا کام نہ لیا۔

افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿38﴾ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿39﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يُّؤۡمِنُ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿40﴾ ع وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَكُمۡ عَمَلُكُمۡ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ

ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلا لو اگر تم سچے ہو ﴿38﴾ [1] بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے۔ [2] اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں [3] جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انھوں نے بھی جھٹلایا تھا، سو دیکھ لیجیے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿39﴾ [4] اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے ﴿40﴾ [5] اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو اور

---

⑦ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل فرمائی تھیں۔

⑧ یعنی حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تفصیل بیان کرنے والا۔

⑨ اس کی تعلیمات میں، اس کے بیان کردہ قصص و واقعات میں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں۔

⑩ یہ سب باتیں واضح کرتی ہیں کہ یہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو ماضی اور مستقبل کو جاننے والا ہے۔

① ان تمام حقائق و دلائل کے بعد بھی اگر تمھارا دعویٰ یہی ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا گھڑا ہوا ہے، تو وہ بھی تمھاری ہی طرح کا ایک انسان ہے، تمھاری زبان بھی اسی کی طرح عربی ہے۔ وہ تو ایک ہے، تم اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم دنیا بھر کے ادیبوں، فصحاء و بلغاء کو اور اہل علم واہل قلم کو جمع کر لو اور اس قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کے مثل بنا کر پیش کر دو۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج تک باقی ہے، اس کا جواب نہیں ملا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن، کسی انسانی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ فی الواقع کلام الٰہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا ہے۔

② یعنی قرآن پر تدبر اور اس کے معانی پر غور کیے بغیر اس کی تکذیب پر تل گئے جس طرح مقلدین کا حال ہوتا ہے۔

③ یعنی قرآن نے جو پچھلے واقعات اور مستقبل کے امکانات بیان کیے ہیں، اس کی پوری سچائی اور حقیقت بھی ان پر واضح نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہی تکذیب شروع کر دی یا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے قرآن پر کما حقہ تدبر کیے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی، حالانکہ اگر وہ صحیح معنوں میں اس پر تدبر کرتے اور ان امور پر غور کرتے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یقیناً اس کے فہم اور معانی کے دروازے ان پر کھل جاتے۔ اس صورت میں تاویل کے معنی، قرآن کریم کے اسرار و معارف اور لطائف و معانی کے واضح ہو جانے کے ہوں گے۔

④ یہ ان کفار و مشرکین کو تنبیہ و تہدید ہے کہ تمھاری طرح پچھلی قوموں نے بھی آیات الٰہی کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ اگر تم اس تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

⑤ وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے؟ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ اور گمراہی کا مستحق کون ہے؟ اس کے لیے گمراہی کا

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿41﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿42﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿44﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

میں تمھارے عمل سے بری ہوں ﴿41﴾ [1] اوران میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگائے بیٹھے ہیں۔کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گوان کو سمجھ بھی نہ ہو؟ ﴿42﴾ [2] اوران میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو تک رہے ہیں۔پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو؟ ﴿43﴾ [3] یہ یقینی بات ہے کہ اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ﴿44﴾ [4] اوران کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو جمع کرے گا کہ گویا وہ (دنیا میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے

راستہ چوپٹ کھول دیتا ہے۔وہ عادل ہے، اس کے کسی کام میں ظلم کا شائبہ نہیں۔جو جس بات کا مستحق ہوتا ہے، اس کے مطابق وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے۔

① یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو پھر آپ یہ کہہ دیں کہ میرا کام صرف دعوت وتبلیغ ہے، سو وہ میں کر چکا ہوں۔اب نہ تم میرے عمل کے ذمے دار ہو، نہ میں تمھارے عمل کا۔سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے یا برے عمل کی باز پرس ہوگی۔یہ وہی بات ہے جو ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ ﴾ (الكٰفرون 109:1,2) میں ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں کہی تھی: ﴿ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ ﴾ (الممتحنة 60:4) ”بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی ہم تمھارے ساتھ انکار کرتے ہیں۔“

② یعنی ظاہری طور پر وہ قرآن تو سنتے ہیں لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں، اس لیے انھیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔بالخصوص جب بہرا غیر عاقل بھی ہو کیونکہ عقل مند بہرہ پھر بھی اشاروں سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔لیکن ان کی مثال تو غیر عاقل بہرے کی طرح ہے جو بالکل ہی بے بہرہ رہتا ہے۔

③ اسی طرح بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں لیکن مقصد ان کا بھی چونکہ کچھ اور ہوتا ہے، اس لیے انھیں بھی اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک اندھے کو نہیں ہوتا۔بالخصوص وہ اندھا جو بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہو کیونکہ بعض اندھے جنھیں دل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے، وہ آنکھوں کی بصارت سے محروم ہونے کے باوجود بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔لیکن ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی اندھا جو دل کی بصیرت سے بھی محروم ہو۔مقصد ان باتوں سے نبی ﷺ کی تسلی ہے۔جس طرح ایک حکیم اور طبیب کو جب معلوم ہو جائے کہ مریض علاج کرانے میں سنجیدہ نہیں اور وہ میری ہدایات اور علاج کی پروا نہیں کرتا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے اور وہ اس پر اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔

④ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ساری صلاحیتوں سے نوازا ہے، آنکھیں بھی دی ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، کان دیے ہیں جن سے سن سکتے ہیں، عقل وبصیرت دی ہے جن سے حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔لیکن اگر ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر کے وہ حق کا راستہ نہیں اپناتے تو پھر یہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے۔

يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿45﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿46﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ‌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿47﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ

ہوں گے [1] اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کو کھڑے ہوں [2] واقعی خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے ﴿45﴾ اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں، سو ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے، پھر اللہ ان کے سب افعال پر گواہ ہے ﴿46﴾ [3] اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ رسول آ جاتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے، [4] اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ﴿47﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ

---

[1] یعنی محشر کی سختیاں دیکھ کر انھیں دنیا کی ساری لذتیں بھول جائیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے معلوم ہوگی گویا وہ دنیا میں ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہیں۔ ﴿ لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰهَا ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''وہ (دنیا میں) ٹھہرے ہی نہیں مگر دن کا ایک پچھلا حصہ یا اس کا پہلا حصہ۔''

[2] محشر میں مختلف حالتیں ہوں گی، جنھیں قرآن میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک وقت یہ بھی ہوگا جب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، بعض مواقع ایسے آئیں گے کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام دھریں گے، اور بعض موقعوں پر ایسی دہشت طاری ہوگی کہ ﴿ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴾ (المؤمنون 101:23) کہ ''آپس میں ایک دوسرے کی رشتہ داریوں کا پتا ہوگا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔''

[3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم ان کفار کے بارے میں جو وعدہ کر رہے ہیں کہ اگر انھوں نے کفر و شرک پر اصرار جاری رکھا تو ان پر بھی اسی طرح عذاب الٰہی آ سکتا ہے جس طرح پچھلی قوموں پر آیا، ان میں سے بعض اگر ہم آپ کی زندگی میں بھیج دیں تو یہ بھی ممکن ہے، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اگر آپ اس سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیے گئے، تب بھی کوئی بات نہیں، ان کافروں کو بالآخر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ ان کے سارے اعمال و احوال کی ہمیں اطلاع ہے، وہاں یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکیں گے؟ یعنی دنیا میں تو ہماری مخصوص حکمت کی وجہ سے ممکن ہے کہ عذاب سے بچ جائیں لیکن آخرت میں تو ان کے لیے ہمارے عذاب سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوگا کیونکہ قیامت کے وقوع کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہاں اطاعت گزاروں کو ان کی اطاعت کا صلہ اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانی کی سزا دی جائے۔

[4] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہر امت میں ہم رسول بھیجتے رہے۔ اور جب رسول اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر چکتا تو پھر ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتے، یعنی پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے اور دوسروں کو ہلاک کر دیتے کیونکہ ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 15:17) ''اور ہماری عادت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔'' اور اس فیصلے میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا تھا کیونکہ ظلم تو تب ہوتا جب بغیر گناہ کے ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا بغیر حجت تمام کیے ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا۔ (فتح القدیر) دوسرا مفہوم اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت سے ہے، یعنی قیامت والے دن ہر امت جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگی تو اس امت میں بھیجا گیا رسول بھی ساتھ ہوگا۔ سب کے اعمال نامے بھی ہوں گے اور فرشتے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿50﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿52﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؔؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ ع 13/5 10 وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

یہ وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو﴿48﴾ آپ فرما دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی نفع اور ضرر کا اختیار رکھتا ہی نہیں مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔ ہر امت کے لیے ایک معین وقت ہے جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں﴿49﴾[1] آپ فرما دیجیے کہ یہ تو بتلاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں﴿50﴾[2] کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا اس پر ایمان لاؤ گے۔ ہاں اب مانا![3] حالانکہ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے﴿51﴾ پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو تمھارے کیے کا بدلہ ملا ہے﴿52﴾ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے؟[4] آپ فرما دیجیے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی! وہ واقعی سچ ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے﴿53﴾ اور اگر ہر جان

بھی بطور گواہ پیش ہوں گے۔ اور یوں ہر امت اور اس کے رسول کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ امت محمدیہ کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ''ہم اگرچہ سب کے بعد آنے والے ہیں لیکن قیامت کو سب سے آگے ہوں گے، اور تمام مخلوقات سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث:22-(856)) (تفسیر ابن کثیر)

① یہ مشرکین کے عذاب الٰہی مانگنے پر کہا جا رہا ہے کہ میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، چہ جائیکہ کہ میں کسی دوسرے کو نقصان یا نفع پہنچا سکوں۔ ہاں، یہ سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مشیت کے مطابق ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے، اس وقت موعود تک وہ مہلت دیتا ہے۔ لیکن جب وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

تنبیہ: یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ جب افضل الخلائق، سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں تو آپ کے بعد انسانوں میں اور کون سی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو کسی کی حاجت برآری اور مشکل کشائی پر قادر ہو؟ اسی طرح خود اللہ کے پیغمبر سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ''یا رسول اللہ مدد'' اور ''أَغِثْنِي يَارَسُولَ اللّٰهِ'' وغیرہ الفاظ سے استغاثہ و استعانت کرنا، کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی اس آیت اور اس قسم کی دیگر واضح تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ یہ شرک کی ذیل میں آتا ہے۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا

② یعنی عذاب تو ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے جس سے دل نفرت کرتے اور طبیعتیں انکار کرتی ہیں، پھر یہ اس میں کیا خوبی دیکھتے ہیں کہ اسے جلدی طلب کرتے ہیں؟

③ لیکن عذاب آنے کے بعد ماننے کا کیا فائدہ؟

مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿56﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ

کے پاس جس نے ظلم کیا ہے، اتنا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر اپنی جان بچانے لگے [1] اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا﴿54﴾ یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے لوگ علم ہی نہیں رکھتے﴿55﴾ وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے﴿56﴾ [2] اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے [3] اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے [4] اور راہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے﴿57﴾ [5] آپ کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے انعام اور رحمت پر خوش

④ یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ یہ معاد و قیامت اور انسانوں کے مٹی ہو جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا ایک برحق بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے کہ تمھارا مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا، اللہ تعالیٰ کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں کر سکتا، اس لیے یقیناً یہ ہو کر رہے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی نظیر قرآن میں مزید صرف 2 آیتیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا ہے کہ وہ قسم کھا کر معاد کے وقوع کا اعلان کریں۔ (ایک سورۂ سبا 3:34 اور دوسرے سورۂ تغابن 7:64)

① یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لیے آمادہ ہوگا۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

② ان آیات میں آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ، وعدۂ الٰہی کے برحق ہونے، زندگی اور موت پر اس کے اختیار اور اس کی بارگاہ میں سب کی حاضری کا بیان ہے جس سے مقصد گزشتہ باتوں ہی کی تائید و توضیح ہے کہ جو ذات اتنے اختیارات کی مالک ہے، اس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ اور اس نے حساب کتاب کے لیے جو ایک دن مقرر کیا ہوا ہے، اسے کون ٹال سکتا ہے؟ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ ایک دن ضرور آئے گا اور ہر نیک و بد کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔

③ یعنی جو قرآن کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ہے۔ وعظ کے اصل معنی ہیں، عواقب و نتائج کی یاد دہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ اور واعظ کی مثال، طبیب کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم و صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس طرح قرآن بھی ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہو سکتی ہے۔

④ یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور عقائد حقہ کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿59﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾ ع وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي

ع 6/7 11

ہونا چاہیے[1] وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کررہے ہیں﴿58﴾ آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمھارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔[2] آپ پوچھیے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا ہی کرتے ہو؟﴿59﴾ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے؟[3] واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے[4] لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے﴿60﴾[5] اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور جو کام بھی کرتے ہوں ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں

گندگی و پلیدی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

⑤ یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔ ویسے تو یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انھی کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے، اس مضمون کو قرآن کریم میں سورۂ بنی اسرائیل 82:17 اور سورۂ حٰمٓ سجدہ 44:41 میں بھی بیان کیا گیا ہے، نیز ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:2) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

① خوشی، اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اہل ایمان کو کہا جارہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے، اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے، یعنی ان کے دلوں میں فرحت اور اطمینان کی کیفیت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوشی کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا، چراغاں کا اور اس قسم کے دیگر غلط کاموں اور اسراف بے جا کا اہتمام کرو جیسا کہ آج کل اہل بدعت اس آیت سے ''جشن عید میلاد'' اور اس کی غلط رسوم کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

② اس سے مراد وہی بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے ناموں پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے جس کی تفصیل سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔

③ یعنی قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان سے کیا معاملہ فرمائے گا۔

④ کہ وہ انسانوں کا دنیا میں فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی نعمتیں بلاتفریق مومن و کافر، سب کو دیتا ہے۔ یا جو چیزیں انسانوں کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انھیں حلال اور جائز قرار دیا ہے، انھیں حرام نہیں کیا۔

⑤ یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے یا اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرلیتے ہیں۔

الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿61﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

31

نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی مگر یہ سب کتابِ مبین میں ہے (61) [1] یاد رکھو اللہ کے دوستوں [2] پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں (62) [3] یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے (63) ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی [4] اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی

---

(1) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی انسانوں پر اس کی نظر ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ انعام 59:6 میں گزر چکا ہے کہ ''اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنھیں وہی جانتا ہے۔ اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے، اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اسی طرح سورۂ انعام 38:6 اور سورۂ ہود 6:11 میں بھی اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ وہ آسمان وزمین میں موجود اشیاء کی حرکتوں کو جانتا ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی ان حرکات و اعمال سے کیوں کر بے خبر رہ سکتا ہے جو اللہ کی عبادت کے مکلّف اور مامور بہ ہیں؟

(2) نافرمانوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فرماں برداروں کا ذکر فرما رہا ہے اور وہ ہیں اولیاء اللہ۔ اولیاء ولی کی جمع ہے، جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں۔ اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے، وہ سچے اور مخلص مومن جنھوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔ اسی لیے اگلی آیت میں خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی، جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان و تقویٰ ہی اللہ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے، اس لحاظ سے ہر مومن متقی اللہ کا ولی ہے۔ لوگ ولایت کے لیے اظہار کرامت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے بنائے ہوئے ولیوں کے لیے جھوٹی سچی کرامتیں مشہور کرتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کرامت ولایت کے لیے نہ لازم ہے اور نہ اس کے لیے شرط۔ یہ ایک الگ چیز ہے اگر کسی سے کرامت ظاہر ہو جائے تو اللہ کی مشیت ہے، اس میں اس بزرگ کی مشیت شامل نہیں ہے۔ لیکن کسی متقی مومن اور متبع سنت سے کرامت کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کی ولایت میں کوئی شک نہیں۔

(3) ﴿خَوْفٌ﴾ کا تعلق مستقبل سے ہے اور غم ﴿يَحْزَنُوْنَ﴾ کا ماضی سے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے زندگی خدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے، اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہوگا، جس طرح دوسروں کو ہوگا بلکہ وہ اپنے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کی رحمت و فضل خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی لذتیں انھیں حاصل نہ ہو سکی ہوں گی، ان پر انھیں کوئی حزن و ملال نہیں ہوگا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انھیں نہ ملیں، اس پر وہ غم و حزن کا مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی قضا و تقدیر ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل قضائے الٰہی پر مسرور و مطمئن رہتے ہیں۔

الْعَظِيْمُ ﴿64﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿65﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿67﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾

کامیابی ہے ﴿64﴾ اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ سنتا جانتا ہے ﴿65﴾ یادرکھو جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کررہے ہیں کس چیز کی اتباع کررہے ہیں۔ محض بے سند خیال کی اتباع کررہے ہیں اور محض اٹکلیں لگا رہے ہیں ﴿66﴾ [1] وہ ایسا ہے جس نے تمھارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے، تحقیق اس میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو سنتے ہیں ﴿67﴾ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں [2] اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ [3] تمھارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے ﴿68﴾ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں، [4] وہ کامیاب نہ ہوں گے ﴿69﴾ [5]

﴿64﴾ دنیا میں خوشخبری سے مراد رؤیائے صادقہ ہیں یا وہ خوش خبری ہے جو موت کے وقت فرشتے ایک مومن کو دیتے ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

① یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ محض ظن و تخمین اور رائے و قیاس کی کرشمہ سازی ہے۔ آج اگر انسان اپنے قوائے عقل و فہم کو صحیح طریقے سے استعمال میں لائے تو یقیناً اس پر یہ واضح ہوسکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس طرح وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسرے کیوں کر اس کے شریک ہوسکتے ہیں؟

② اور جو کسی کا محتاج نہ ہو، اسے اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اولاد تو سہارے کے لیے ہی ہوتی ہے اور جب وہ سہارے کا محتاج نہیں تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

③ جب آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے تو ہر چیز اسی کی مملوک اور غلام ہوئی، پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جسے کچھ مدد اور سہارے کی ضرورت ہو، نیز اولاد کا ہونا خود محتاجی کی دلیل ہے اور جس کا حکم آسمان و زمین کی ہر چیز پر چلتا ہو، اسے کیا ضرورت لاحق ہوسکتی ہے؟ علاوہ ازیں اولاد کی ضرورت وہ شخص بھی محسوس کرتا ہے جو اپنے بعد مملوکات کا وارث دیکھنا یا بنانا پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو فنا ہی نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ازلی اور قدیم ہے، اس لیے اللہ کے لیے اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝﴾ (مریم 19:90،91) ''اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں رحمٰن کی اولاد ہے، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ط اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ لا وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

یہ دنیا میں تھوڑا سا نفع اٹھانا ہے، پھر ہمارے پاس ان کو آنا ہے، پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھائیں گے ﴿70﴾ اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام الٰہی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو اللہ ہی پر بھروسا ہے۔ تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کرلو[1] پھر تمھاری تدبیر تمھاری گھٹن کا باعث نہیں ہونی چاہیے۔[2] پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھ کو مہلت نہ دو ﴿71﴾ پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا،[3] میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمے ہے اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں ﴿72﴾[4] سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے[5] پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو جانشیں بنایا[6] اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔''

④ اِفْتِرَاء کے معنی جھوٹی بات کہنے کے ہیں۔ اس کے بعد مزید ''جھوٹ'' کا اضافہ تاکید کے لیے ہے۔

⑤ اس سے واضح ہے کہ کامیابی سے مراد آخرت کی کامیابی، یعنی اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچ جانا ہے محض دنیا کی عارضی خوش حالی، کامیابی نہیں جیسا کہ بہت سے لوگ کافروں کی عارضی خوش حالی سے مغالطے کا اور شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ ''یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش کر لیں، پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے۔'' یعنی یہ دنیا کا عیش، آخرت کے مقابلے میں نہایت قلیل اور تھوڑا سا ہے جو شمار میں نہیں۔ اس کے بعد انھیں عذاب شدید سے دوچار ہونا پڑے گا، اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کافروں، مشرکوں اور اللہ کے نافرمانوں کی دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقیاں، یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ قومیں کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ یہ مادی کامیابیاں، ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہیں جو اسباب ظاہری کے مطابق ہر اس قوم کو حاصل ہو سکتی ہیں جو اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی طرح محنت کرے گی، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ علاوہ ازیں یہ عارضی کامیابیاں اللہ کے قانون مہلت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

① یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کرلو، (اگر وہ تمھارے زعم کے مطابق تمھاری مدد کر سکتے ہیں)

② ﴿غُمَّةً﴾ کے دوسرے معنی ہیں، ابہام اور پوشیدگی، یعنی میرے خلاف تمھاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہیے۔

③ کہ جس کی وجہ سے تم یہ تہمت لگا سکو کہ دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو مال و دولت کا اکٹھا کرنا ہے۔

④ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے۔ گو شرائع مختلف اور مناہج متعدد رہے۔ جیسا کہ آیت: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المآئدة 48:5) سے واضح ہے۔ لیکن دین سب کا اسلام تھا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ قَالَ

تھا ان کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہیے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ڈرائے جا چکے تھے ﴿73﴾ پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے [1] پس جس چیز کو انھوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے۔ [2] اللہ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ﴿74﴾ [3] پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو، [4] فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ [5] سو انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ مجرم قوم تھے ﴿75﴾ [6] پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے ﴿76﴾ [7] موسیٰ نے

132,131:2، سورۂ مائدہ 44:5 و 111، سورۂ انعام 163,162:6، سورۂ اعراف 126:7، سورۂ یونس 84:10، سورۂ یوسف 101:12 اور سورۂ نمل 44:27 و 91۔)

⑤ یعنی قوم نوح نے تمام تر وعظ و نصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچا لیا اور باقی سب کو حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کو بھی غرق کر دیا۔

⑥ یعنی زمین میں ان بچنے والوں کو پچھلے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر انسانوں کی آئندہ نسل انھی لوگوں بالخصوص حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے چلی، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ان بیٹوں کے نام تھے، حام، سام اور یافث۔

① یعنی ایسے دلائل و معجزات لے کر آئے جو اس بات پر دلالت کرتے تھے کہ واقعی یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔

② لیکن یہ امتیں رسولوں کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں، محض اس لیے کہ جب اول اول یہ رسول ان کے پاس آئے تو فوراً بغیر غور و فکر کیے، ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ پہلی مرتبہ کا انکار ان کے لیے مستقل حجاب بن گیا۔ اور وہ یہی سوچتے رہے کہ ہم تو پہلے انکار کر چکے ہیں، اب اس کو کیا ماننا؟ نتیجتاً ایمان سے وہ محروم رہے۔

③ یعنی جس طرح ان گزشتہ قوموں پر ان کے کفر و تکذیب کی وجہ سے مہریں لگتی رہی ہیں اسی طرح آئندہ بھی جو قوم رسولوں کو جھٹلائے گی اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گی، ان کے دلوں پر مہر لگتی رہے گی اور وہ ہدایت سے اسی طرح محروم رہے گی جس طرح گزشتہ قومیں محروم رہیں۔

④ رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے، درآں حالیکہ رسول کے تحت میں وہ بھی آ جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا شمار جلیل القدر رسولوں میں ہوتا ہے، اس لیے خصوصی طور پر ان کا الگ ذکر فرمایا۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزات، بالخصوص نو آیات بینات، جن کا ذکر اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل 101:17 میں کیا ہے، مشہور ہیں۔

⑥ یعنی چونکہ وہ بڑے بڑے جرائم اور گناہوں کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے ساتھ بھی استکبار کا

مُوْسٰىٓ اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰىٓ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾ ع فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰىٓ اِلَّا ذُرِّيَّةٌ

8 ع 12 13

کہا: کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمھارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے، حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے ﴿77﴾ [1] وہ لوگ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقے سے ہٹاؤ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے [2] اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے ﴿78﴾ اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو ﴿79﴾ پھر جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ﴿80﴾ سو جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے، [3] اللہ فسادیوں کا کام درست نہیں کرتا ﴿81﴾ [4] اور اللہ حق کو اپنے فرمان سے [5] ثابت کر دیتا ہے، گو مجرم لوگ برا ہی مانیں ﴿82﴾ پس موسیٰ پر ان کی قوم میں سے صرف چند آدمی ہی

معاملہ کیا کیونکہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بنتا اور گناہوں پر اصرار بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب کی جرأت پیدا کر دیتا ہے۔

﴿77﴾ جب انکار کے لیے کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے، حالانکہ جادو تو سراسر دھوکا اور فریب ہے، انبیاء علیہم السلام کا اس سے کیا تعلق؟

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ذرا سوچو تو سہی، حق کی دعوت اور صحیح بات کو تم جادو کہتے ہو، بھلا یہ جادو ہے؟ جادوگر تو کامیاب ہی نہیں ہوتے، یعنی مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے اور ناپسندیدہ انجام سے بچنے میں وہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ اور میں تو اللہ کا رسول ہوں، مجھے اللہ کی مدد حاصل ہے اور اس کی طرف سے مجھے معجزات اور آیات بینات عطا کی گئی ہیں مجھے سحر و ساحری کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اللہ کے عطا کردہ معجزات کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟

[2] یہ منکرین کی دیگر کٹ حجتیاں ہیں جو دلائل سے عاجز آ کر پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو، دوسرے یہ کہ ہمیں جاہ و ریاست حاصل ہے، اسے ہم سے چھین کر خود اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس لیے ہم تو کبھی بھی تم پر ایمان نہیں لائیں گے، یعنی تقلید آباء پر اصرار اور دنیوی جاہ و مرتبت کی خواہش نے انھیں ایمان لانے سے روکے رکھا۔ اس کے بعد آگے وہی قصہ ہے کہ فرعون نے ماہر جادوگروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف 7:115-126 میں گزرا اور سورۂ طٰہٰ 20:65-70 میں بھی اس کی کچھ تفصیل آئے گی۔

[3] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بھلا جھوٹ بھی سچ کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ جادوگروں نے، چاہے وہ اپنے فن میں کتنے ہی درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، جو کچھ پیش کیا، وہ جادو ہی تھا اور نظر کی شعبدہ بازی ہی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا پھینکا تو اس نے ساری شعبدہ بازیوں کو آن واحد میں ختم کر دیا۔

مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿83﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

ایمان لائے [1] وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف نہ پہنچائے [2] اور یقیناً فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا اور وہ حد سے بڑھا ہوا تھا﴿83﴾ [3] اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلمان ہو﴿84﴾ [4] انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کے واسطے فتنہ نہ بنا﴿85﴾ اور ہم کو اپنی رحمت

④ اور یہ جادوگر بھی مفسدین تھے جنھوں نے محض دنیا کمانے کے لیے جادوگری کا فن سیکھا ہوا تھا اور جادو کے کرتب دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل فساد کو کس طرح سنوار سکتا تھا؟

⑤ یا کلمات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی کتابوں میں اتارتا رہا ہے جو پیغمبروں کو وہ عطا فرماتا تھا۔ یا وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کے ہاتھوں سے صادر ہوتے تھے یا اللہ کا وہ حکم ہے جو وہ لفظ کُنْ سے صادر فرماتا ہے۔

① ﴿قَوْمِهٖ﴾ کی ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے کیونکہ آیت میں ضمیر سے پہلے انھی کا ذکر ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے، یعنی فرعون کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تو ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں انھیں مل گئے اور اس اعتبار سے سارے بنی اسرائیل ان پر ایمان رکھتے تھے اور کسی پر بھی سوائے قارون کے، فرعون کا فتنہ اثر انداز ہونے والا نہیں تھا، چنانچہ صحیح بات یہی ہے کہ ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ﴾ سے مراد فرعون کی قوم سے تھوڑے سے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ انھی میں سے اس کی بیوی (حضرت آسیہ) فرعون کا خازن اور اس کی بیوی بھی ہیں۔

② قرآن کریم کی یہ صراحت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ فرعون کی قوم میں سے تھے کیونکہ انھی کو فرعون اور اس کے درباریوں اور حکام سے تکلیف پہنچائے جانے کا ڈر تھا۔ بنی اسرائیل، ویسے تو فرعون کی غلامی و محکومی کی ذلت ایک عرصے سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا نہ انھیں اس وجہ سے مزید تکالیف کا اندیشہ تھا۔

③ اور ایمان لانے والے اس کے اسی ظلم و ستم کی عادت سے خوف زدہ تھے۔

④ بنی اسرائیل، فرعون کی طرف سے جس ذلت و رسوائی کا شکار تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی اس میں کمی نہیں آئی، اس لیے وہ سخت پریشان تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انھوں نے یہ تک کہہ دیا، اے موسیٰ! جس طرح تیرے آنے سے پہلے ہم فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے تکلیفوں میں مبتلا تھے، تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں کہا تھا کہ امید ہے کہ میرا رب جلد ہی تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم صرف ایک اللہ سے مدد چاہو اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 7:128، 129) یہاں بھی حضرت موسیٰ نے انھیں تلقین کی کہ اگر تم اللہ کے سچے فرمانبردار ہو تو اسی پر توکل کرو، اس لیے کہ مومن اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

الْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿87﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿88﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ

سے ان کافر لوگوں سے نجات دے﴿86﴾[1] اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لیے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انھی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو[2] اور نماز کے پابند رہو اور آپ مومنوں کو بشارت دے دیں﴿87﴾ اور موسیٰ نے عرض کیا: اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیے۔ اے ہمارے رب! (اسی واسطے دیے ہیں) کہ وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے[3] سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں﴿88﴾[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم ثابت قدم رہو[5] اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں﴿89﴾[6] اور ہم نے بنی اسرائیل

---

① اللہ پر توکل کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعائیں بھی کیں۔ اور یقیناً اہل ایمان کے لیے یہ ایک بہت بڑا ہتھیار بھی ہے اور سہارا بھی۔

② اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنا لو اور ان کا رخ اپنے قبلے (بیت المقدس) کی طرف کر لو تاکہ تمھیں عبادت کرنے کے لیے باہر کنیسوں وغیرہ میں جانے کی ضرورت ہی نہ رہے، جہاں تمھیں فرعون کے کارندوں کے ظلم و ستم کا ڈر رہتا ہے۔

③ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور اس کی قوم پر وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور اس طرح معجزات دیکھ کر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی تو پھر ان کے حق میں بددعا فرمائی جسے اللہ نے یہاں نقل فرمایا ہے۔

④ یعنی اگر یہ ایمان لائیں بھی تو عذاب دیکھنے کے بعد لائیں گے جو ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ یہاں ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ پیغمبر تو ہدایت کی دعا کرتے ہیں نہ کہ ہلاکت کی بددعا، اس لیے کہ دعوت و تبلیغ اور ہر طرح سے اتمام حجت کے بعد جب یہ واضح ہو جائے کہ اب ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو پھر آخری چارۂ کار یہی رہ جاتا ہے کہ اس قوم کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اللہ کی مشیت ہی سے پیغمبر کی زبان پر بددعا جاری ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرنے کے بعد بالآخر اپنی قوم کے بارے میں بددعا فرمائی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝﴾ (نوح 26:71) ''اے رب زمین پر ایک کافر کو بھی بسا نہ رہنے دے۔'' اس لیے کہ اگر تو ان کو باقی چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور خود ان سے پیدا ہونے والی نسل کا فرد فاجر ہو گی۔

⑤ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اپنی بددعا پر قائم رہنا، چاہے اس کے ظہور میں تاخیر ہو جائے کیونکہ تمھاری دعا تو یقیناً قبول کر لی گئی ہے لیکن ہم اسے عملی جامہ کب پہنائیں گے؟ یہ خالص ہماری مشیت و حکمت پر موقوف ہے، چنانچہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس

اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿90﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿91﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿92﴾ ع 10/14 وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ

کو دریا سے پار کر دیا[1] پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادے سے چلا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا[2] تو کہنے لگا کہ میں اس ذات پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں﴿90﴾ (جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا﴿91﴾[3] سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں[4] اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں﴿92﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ سو انھوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔[5] یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان

بددعا کے چالیس سال بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک کی گئی اور بددعا کے مطابق فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس وقت اس نے ایمان لانے کا اعلان کیا جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ تم اپنی تبلیغ و دعوت، بنی اسرائیل کی ہدایت و رہنمائی اور اس کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی جدوجہد جاری رکھو۔

⑥ یعنی جو لوگ اللہ کی سنت، اس کے قانون اور اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو نہیں جانتے، تم ان کی طرح مت ہونا بلکہ اب انتظار اور صبر کرو، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جلد یا بدیر اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا کیونکہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

① یعنی سمندر کو پھاڑ کر اس میں خشک راستہ بنا دیا۔ (جس طرح کہ سورۂ بقرہ 2:50 میں گزرا اور مزید تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی) اور تمھیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔

② یعنی اللہ کے حکم سے معجزانہ طریق پر بنے ہوئے خشک راستے پر، جس پر چل کر موسیٰ اور ان کی قوم نے سمندر پار کیا تھا، فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر پار کرنے کی غرض سے چلنا شروع ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جو میری غلامی سے نجات دلانے کے لیے راتوں رات لے آیا تو اسے دوبارہ قیدِ غلامی میں لایا جائے۔ جب فرعون اور اس کا لشکر اس سمندری راستے میں داخل ہو گیا تو اللہ نے سمندر کو حسبِ سابق جاری ہو جانے کا حکم دے دیا۔ نتیجتاً فرعون سمیت سب کے سب غرقِ دریا ہو گئے۔

③ اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اب ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت تو نافرمانیوں اور فساد انگیزیوں میں مبتلا رہا۔

④ جب فرعون غرق ہو گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا، اس نے اس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا جس کا مشاہدہ پھر سب نے کیا۔ مشہور ہے کہ آج بھی یہ لاش مصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿94﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿93﴾ پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿94﴾ [1] اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ خسارہ پانے والوں میں سے نہ ہو جائیں ﴿95﴾ [2] یقیناً وہ لوگ جن کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے، وہ ایمان نہ لائیں گے ﴿96﴾ گو ان کے پاس تمام نشانیاں پہنچ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں ﴿97﴾ [3] چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا سوائے یونس کی قوم کے۔ [4] جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو

---

⑤ یعنی ایک تو اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے آپس میں اختلاف شروع کر دیا، پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ علم آ جانے کے بعد کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اختلاف محض عناد اور تکبر کی بنیاد پر تھا۔

① یہ خطاب یا تو عام انسانوں کو ہے یا پھر نبی ﷺ کے واسطے سے امت کو تعلیم دی جا رہی ہے کیونکہ نبی ﷺ کو تو وحی کے بارے میں کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ ''جو کتاب پڑھتے ہیں، ان سے پوچھ لیں۔'' کا مطلب ہے کہ قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابیں، (تورات وانجیل وغیرہ) یعنی جن کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں، ان سے اس قرآن کی بابت معلوم کریں کیونکہ ان میں اس کی نشانیاں اور آخری پیغمبر کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

② یہاں بھی دراصل نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تکذیب کا راستہ خسران اور تباہی کا راستہ ہے۔

③ یہ وہی لوگ ہیں جو کفر و معصیت الٰہی میں اتنے غرق ہو چکے ہوتے ہیں کہ کوئی وعظ ان پر اثر نہیں کرتا اور کوئی دلیل ان کے لیے کارگر نہیں ہوتی، اس لیے کہ نافرمانیاں کر کر کے قبول حق کی فطری استعداد و صلاحیت کو انھوں نے ختم کر لیا ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں اگر کھلتی ہیں تو اس وقت جب عذاب الٰہی ان کے سروں پر آ جاتا ہے، تب وہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (المؤمن 85:40) ''جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے انھیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔''

④ لَوْلَا یہاں تحضیض کے لیے، هَلَّا کے معنی میں ہے، یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایسا ایمان لاتی جو اس کے لیے فائدے مند ہوتا، ہاں! صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ جب وہ ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب دور کر دیا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو انھوں نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آ جائے گا اور خود وہاں سے نکل گئے۔ جب عذاب بادل کی طرح

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿98﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ

دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت تک کے لیے زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا﴿98﴾ [1] اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، [2] تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں﴿99﴾ حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اللہ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے﴿100﴾ [3] آپ کہہ دیجیے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو نشانیاں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں﴿101﴾ سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں آپ فرما دیجیے

ان پر امڈ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتیٰ کہ جانوروں سمیت ایک میدان میں جمع ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی وانکسار اور توبہ واستغفار شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما کر ان سے عذاب ٹال دیا، حضرت یونس علیہ السلام آنے جانے والے مسافروں سے اپنی قوم کا حال معلوم کرتے رہتے تھے، انھیں جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب ٹال دیا ہے تو انھوں نے اپنی تکذیب کے بعد اس قوم میں جانا پسند نہیں کیا بلکہ ان سے ناراض ہو کر وہ کسی اور طرف روانہ ہو گئے جس پر وہ کشتی کا واقعہ پیش آیا (جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔) (فتح القدیر)، البتہ مفسرین کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ قوم یونس ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی، جبکہ ایمان لانا نافع نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس قانون سے مستثنیٰ کر کے اس کے ایمان کو قبول کر لیا۔ یا ابھی عذاب نہیں آیا تھا، یعنی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم نے قوم یونس کا اِلَّا کے ساتھ جو استثنا کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

[1] قرآن نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے، اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی، اس لیے بعض مفسرین کے خیال میں اخروی عذاب ان سے ختم نہیں کیا گیا لیکن جب قرآن نے یہ وضاحت کر دی کہ دنیوی عذاب ایمان لانے کی وجہ سے ٹالا گیا تھا تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے کیونکہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان کی بنیاد پر ہی ہونا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس اپنے ایمان پر قائم رہی ہو گی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی، البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہو گا۔

[2] لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ یہ اس کی اس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے جسے مکمل طور پر وہی جانتا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مشیت الٰہی، جو حکمت بالغہ اور مصلحت راجحہ پر مبنی ہے، اس کی مقتضی نہیں، اس لیے آگے فرمایا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ایمان لانے پر کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟ جبکہ آپ کے اندر اس کی طاقت ہے نہ اس کے آپ مکلف ہی ہیں۔

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَ لَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ

10 ع 11 15

کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿۱۰۲﴾ [1] پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، اسی طرح ہمارے ذمے ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں ﴿۱۰۳﴾ آپ کہہ دیجیے [2] کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، [3] لیکن ہاں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھاری جان قبض کرتا ہے۔ [4] اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں ﴿۱۰۴﴾ اور یہ کہ اپنا رخ یکسو ہو کر (اس) دین کی طرف کر لینا، [5] اور کبھی مشرکوں میں سے نہ ہونا ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر ایسا کیا تو تم اس وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ﴿۱۰۶﴾ [6] اور اگر تم کو اللہ کوئی تکلیف

---

③ گندگی سے مراد عذاب یا کفر ہے، یعنی جو لوگ اللہ کی آیات پر غور نہیں کرتے، وہ کفر میں ہی مبتلا رہتے ہیں اور یوں عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

① یعنی یہ لوگ جن پر کوئی دلیل اور دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی، لہٰذا ایمان نہیں لاتے۔ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جائے جس سے پچھلی امتیں گزر چکی ہیں، یعنی اہل ایمان کو بچا کر (جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت ہے) باقی سب کو ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اگر اسی بات کا انتظار ہے تو ٹھیک ہے، تم بھی انتظار کرو، میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔

② اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ تمام لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ میرا طریقہ اور مشرکین کا طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

③ یعنی اگر تم میرے دین کے بارے میں شک کرتے ہو، جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے اور یہی دین حق ہے نہ کہ کوئی اور، تو یاد رکھو کہ میں ان معبودوں کی کبھی اور کسی حال میں عبادت نہیں کروں گا جن کی تم کرتے ہو۔

④ یعنی موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی لیے جب وہ چاہے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے کیونکہ انسانوں کی جانیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

⑤ ﴿حَنِیْفًا﴾ کے معنی ہیں: یک سو ہونا، یعنی ہر دین کو چھوڑ کر صرف دین اسلام کو اپنانا اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا۔

⑥ یعنی اگر اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو آپ پکاریں گے جو کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں تو یہ ظلم کا ارتکاب ہوگا۔ ظلم کے معنی ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ ''کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔'' عبادت چونکہ صرف اس اللہ کا حق ہے جس نے تمام کائنات بنائی ہے اور تمام اسباب حیات بھی وہی مہیا کرتا ہے تو اس مستحق عبادت ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی

بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿107﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿108﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿109﴾ ع

پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں،[1] وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کردے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے ﴿107﴾ آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمھارے پاس حق تمھارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے،[2] اس لیے جو شخص راہِ راست پر آجائے سو وہ اپنے واسطے راہِ راست پر آئے گا[3] اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا[4] اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ﴿108﴾[5] اور آپ اس کی اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجیے[6] یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے ﴿109﴾[7]

عبادت کرنا، عبادت کا نہایت ہی غلط استعمال ہے، اسی لیے شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی خطاب اگرچہ نبی ﷺ کو ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

① خیر کو یہاں فضل سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگرچہ بندے اس کے مستحق نہیں لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ اعمال سے قطع نظر کرتے ہوئے، انسانوں پر پھر بھی رحم و کرم فرماتا ہے۔

② حق سے مراد قرآن اور دین اسلام ہے جس میں توحید الٰہی اور رسالت محمدیہ پر ایمان نہایت ضروری ہے جیسا کہ اس نکتے کی وضاحت اس سے قبل متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے۔

③ یعنی اس کا فائدہ اسی کو ہوگا جو قیامت والے دن اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔

④ یعنی اس کا نقصان اور وبال اسی پر پڑے گا جو قیامت کو جہنم کی آگ میں جلے گا۔ گویا کوئی ہدایت کا راستہ اپنائے گا تو اس سے کوئی اللہ کی طاقت میں اضافہ نہیں ہو جائے گا اور اگر کوئی کفر و ضلالت کو اختیار کرے گا تو اس سے اللہ کی حکومت و طاقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہو جائے گا۔ گویا ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ضلالت سے بچنے کی تاکید و ترہیب، دونوں سے مقصد انسانوں ہی کی بھلائی اور خیر خواہی ہے۔ اللہ کی اپنی کوئی غرض نہیں ہے۔

⑤ یعنی یہ ذمہ داری مجھے نہیں سونپی گئی ہے کہ میں ہر صورت میں تمھیں مسلمان بنا کر چھوڑوں بلکہ میں تو صرف بشیر اور نذیر اور مبلغ اور داعی ہوں۔ میرا کام صرف اہل ایمان کو خوشخبری دینا، نافرمانوں کو اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے ڈرانا اور اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ کرنا ہے۔ کوئی اس دعوت کو مان کر ایمان لاتا ہے تو ٹھیک ہے، کوئی نہیں مانتا تو میں اس بات کا مکلف نہیں ہوں کہ اس سے زبردستی منوا کر چھوڑوں۔

⑥ اللہ تعالیٰ جس چیز کی وحی کرے، اسے مضبوطی سے پکڑ لیں، جس کا امر کرے، اسے عمل میں لائیں، جس سے روکے، رک جائیں اور کسی چیز میں کوتاہی نہ کریں۔ اور وحی کی اطاعت و اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، مخالفین کی طرف سے جو ایذائیں پہنچیں اور تبلیغ و دعوت

آيَاتُهَا 123 (11) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ (52) رُكُوْعَاتُهَا 10

سورۂ ہود مکی ■ ہے، اس کی 123 آیات اور 10 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

الرٰ، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔[1] پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں[2] ایک حکیم باخبر کی طرف سے ①[3] یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ ② اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی کی طرف متوجہ ہو، وہ تم کو وقتِ مقرر تک اچھا سامان[4] (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمھارے لیے ایک بڑے دن[5] کے عذاب کا

کی راہ میں جن دشواریوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر کریں اور ثابت قدمی سے سب کا مقابلہ کریں۔

⑦ کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے، اس کی قدرت و طاقت بھی وسیع ہے اور اس کی رحمت بھی عام ہے، اس لیے اس سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

■ اس سورت میں بھی ان قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں اور اللہ کی زمین سے حرف غلط کی طرح مٹ گئیں اور اوراق تاریخ پر عبرت کا نمونہ بنی موجود ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ (کیا بات ہے) آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے سورۂ ہُود، وَاقِعَة، وَالْمُرْسَلَاتُ، عَمَّ يَتَسَالُون اور إِذَ الشَّمْسُ كُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3297، وصحيح جامع الترمذي للألباني: 343/3)

① یعنی الفاظ و نظم کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ ان کی ترکیب اور معنی میں کوئی خلل نہیں۔

② پھر اس میں احکام و شرائع، مواعظ و قصص، عقائد و ایمانیات اور آداب و اخلاق جس طرح وضاحت اور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، پچھلی کتابیں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

③ یعنی اپنے اقوال میں حکیم ہے، اس لیے اس کی طرف سے نازل کردہ باتیں حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبیر بھی ہے، یعنی تمام معاملات اور ان کے انجام سے باخبر ہے، اس لیے اس کی باتوں پر عمل کرنے سے ہی انسان برے انجام سے بچ سکتا ہے۔

④ یہاں اس سامان دنیا کو جس کو قرآن نے عام طور پر ''متاع غرور'' دھوکے کا سامان کہا ہے، یہاں اسے ''متاع حسن'' قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا، اس کے لیے یہ متاع غرور ہے کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا، اس کے لیے یہ چند روزہ سامان زندگی متاع حسن ہے کیونکہ اس نے اسے اللہ کے احکام کے مطابق برتا ہے۔

كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

اندیشہ ہے ③ تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے ④ یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کیے دیتے ہیں تاکہ اپنی باتیں اس (اللہ) سے چھپا سکیں۔[1] سن رکھو جس وقت وہ اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تب بھی وہ ان کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے۔ بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں بھی جانتا ہے ⑤

⑤ بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

① اس کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس لیے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے، تاہم صحیح بخاری (تفسیر سورۂ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے ایسے موقعوں پر وہ شرم گاہ کو چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ رات کو اندھیرے میں جب وہ بستروں میں اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے تھے، تو اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا اور ان کی چھپی اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ شرم و حیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے تو پھر اس طرح کے تکلف کا کیا فائدہ؟

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ

زمین میں چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمے ہیں،[1] وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے[2] کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے⑥ اللہ ہی وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا[3] تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے،[4] اگر آپ ان سے کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ (فوراً) جواب دیں گے کہ یہ تو نرا صاف صاف جادو ہی ہے⑦ اور اگر ہم ان سے عذاب کو گنی چنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں تو وہ ضرور پکار اٹھیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روکے ہوئے

---

① یعنی وہ کفیل اور ذمے دار ہے۔ زمین پر چلنے والی ہر مخلوق، انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی، بحری ہو یا بری۔ ہر ایک کو اس کی نوعی یا جنسی ضروریات کے مطابق وہ خوراک مہیا کرتا ہے۔

② مُسْتَقَر اور مُسْتَوْدَع کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک منتہائے سیر (زمین میں چل پھر کر جہاں اس کے چلنے کی انتہا ہو) مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے۔ بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور باپ کی صلب مستودع ہے اور بعض کے نزدیک زندگی میں انسان یا حیوان جہاں رہائش پذیر ہو، وہ اس کا مستقر ہے اور جہاں وفات پا جائے، وہ مستودع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مستقر سے مراد زمین پر محلِ استقرار اور مستودع سے مراد رحم مادر یا جو اس کے قائم مقام ہو جیسے انڈا وغیرہ ہے اور مستقر سے زمین کے اوپر استقرار مراد لینے کے لیے انھوں نے آیت کریمہ: ﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ (البقرۃ 36:2) سے استدلال کیا ہے۔ بہرحال جو بھی مطلب لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے مستقر و مستودع کا علم ہے، اس لیے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے اور ذمے دار ہے اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرتا ہے۔

③ یہی بات صحیح احادیث میں بھی بیان کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 16-(2653) نیز دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 3191)

④ یعنی یہ آسمان و زمین یوں ہی عبث اور بلا مقصد نہیں بنائے بلکہ اس سے مقصود انسانوں (اور جنوں) کی آزمائش ہے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے؟

ملحوظہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا: کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے، اس لیے کہ اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ (ابن کثیر)

أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑧ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ⑨ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ⑩ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ⑪ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ

ہے، سنو! جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں، پھر تو جس کی ہنسی اڑا رہے تھے وہ انھیں گھیر لے گی ⑧ [1] اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے ⑨ [2] اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں اس سختی کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ بس برائیاں مجھ سے جاتی رہیں، [3] یقیناً وہ بڑا ہی اترانے والا شیخی خور ہے ⑩ [4] سوائے ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نیک کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ انھی لوگوں کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا [5] اجر بھی ⑪ پس شاید کہ آپ اس وحی کے کسی حصے کو چھوڑ دینے والے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور اس

---

① یہاں استعجال (جلد طلب کرنے) کو استہزا سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ استعجال، بطور استہزا ہی ہوتا تھا۔ بہر حال مقصود یہ سمجھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، اس کی گرفت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ (فتح القدیر)

اُمَّةٌ کے مختلف مفہوم: آیت میں اُمَّةٌ کا لفظ آیا ہے۔ یہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اُمٌّ سے مشتق ہے، جس کے معنی قصد کے ہیں۔ یہاں اس کے معنی اس وقت اور مدت کے ہیں جو نزول عذاب کے لیے مقصود ہے۔ (فتح القدیر) سورۂ یوسف کی آیت 45: ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ ﴾ میں بھی بمعنی مدت ووقت ہے اس کے علاوہ جن معنوں میں اس کا استعمال ہوا ہے، ان میں ایک امام وپیشوا ہے، جیسے ﴿ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً ﴾ (النحل 16: 120) ملت اور دین ہے، جیسے ﴿ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ ﴾ (الزخرف 23:43) جماعت اور طائفہ ہے، جیسے ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ (القصص 23:28) ﴿ وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ ﴾ (الأعراف 159:7) وغیرہ۔ وہ مخصوص گروہ یا قوم ہے، جس کی طرف کوئی رسول مبعوث ہو۔ ﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ﴾ (یونس 47:10) اس کو امت دعوت بھی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح پیغمبر پر ایمان لانے والوں کو بھی امت یا امت اَتباع یا امت اجابت کہا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

② انسانوں میں عام طور پر جو مذموم صفات پائی جاتی ہیں اس میں اور اگلی آیت میں ان کا بیان ہے۔ ناامیدی کا تعلق مستقبل سے ہے اور ناشکری کا ماضی وحال سے۔

③ یعنی سمجھتا ہے کہ سختیوں کا دور گزر گیا ہے، اب اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

④ یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے، اس پر اتراتا اور دوسروں پر فخر وغرور کا اظہار کرتا ہے، تاہم ان صفات مذمومہ سے اہل ایمان اور صاحب اعمال صالحہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

⑤ یعنی اہل ایمان، راحت وفراغت ہو یا تنگی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں اللہ کے احکام کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ مومن

بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ

32

سے آپ کا دل تنگ ہے، صرف ان (کافروں) کی اس بات پر کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا؟ یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی آتا، سن لیجیے! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں[1] اور ہر چیز کا ذمے دار اللہ ہے⑫ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے جواب دیجیے کہ پھر تم بھی اس کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو⑬[2] پھر اگر وہ تمھاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟⑭[3] جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا (جاتا) ہو ہم

کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے، اس میں اس کے لیے بہتری کا پہلو ہوتا ہے۔ اگر اس کو راحت پہنچتی ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر (اجر کا باعث) ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لیے بہتر (اجر وثواب کا باعث) ہے یہ امتیاز ایک مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث:2999) ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''مومن کو جو بھی فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی غلطیاں معاف فرما دیتا ہے۔'' (مسند أحمد: 4/3) سورۂ معارج کی آیات:19-22 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

① مشرکین نبی ﷺ کی بابت کہتے رہتے تھے کہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ (الفرقان 25: 8,7) ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ''ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ آپ کی بابت جو باتیں کہتے ہیں، ان سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔'' (الحجر 15:97) اس آیت میں انھی باتوں کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ شاید آپ کا سینہ تنگ ہو اور کچھ باتیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں اور وہ مشرکین پر گراں گزرتی ہیں، ممکن ہے آپ وہ انھیں سنانا پسند نہ کریں۔ آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ آپ ہر صورت میں کیے جائیں۔

② امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا قرآن ہے تو اس کی نظیر پیش کر کے دکھلا دو اور تم جس کی چاہو، مدد حاصل کر لو لیکن تم کبھی ایسا نہیں کر سکو گے۔ فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17 : 88) ''اعلان کر دیجیے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو وہ سب اس کا مثل نہیں لا سکیں گے، گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج دیا کہ پورا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے تو دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو جیسا کہ اس مقام پر ہے، پھر تیسرے نمبر پر چیلنج دیا کہ چلو ایک سورت بنا کر پیش کر دو جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت:39 اور سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ یونس، آیت:39 کے تحت)

③ یعنی اس کے بعد بھی کہ تم اس چیلنج کا جواب دینے سے قاصر ہو، یہ ماننے کے لیے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے، آمادہ

اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿15﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿16﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

ایسوں کو ان کے کل اعمال (کا بدلہ) یہیں، یعنی دنیا میں بھر پور پہنچا دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ﴿15﴾ ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے دنیا میں بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو عمل وہ کرتے رہے سب برباد ہونے والے ہیں ﴿16﴾ [1] کیا وہ شخص جو اپنے رب کی جانب سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ ہو جو اسے پڑھ کر سنائے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اوروں کے برابر ہوسکتا ہے؟) [2] یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں [3] اور تمام فرقوں میں سے جو بھی

نہیں ہوا اور نہ ہی مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو؟

[1] یہ دو آیات کفار اور مشرکین کے بارے میں ہیں کیونکہ آخر میں ﴿لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ ہے، یعنی ان کے لیے آخرت میں آگ ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کفار یہاں دنیا طلبی کے لیے صدقہ، خیرات وغیرہ کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہِ عامہ سے ہے انھیں ان کاموں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیا جاتا ہے جبکہ بعض علمائے تفسیر نے ان آیات کو عام مانا ہے اور ان میں منافق اور ریاکار کو بھی شامل کیا ہے کہ ان کے اعمال بھی آخرت میں اکارت جائیں گے۔ واضح رہے کہ اگر اس آیت کو عام رکھا جائے تو ﴿لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ میں تفصیل کی جائے گی کہ کفار اور منافقین کے لیے تو جہنم کی آگ دائمی ہے جبکہ مسلمان گناہ گار سزا کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے اور بعض کو اللہ تعالیٰ معاف بھی فرما دے گا۔ قرآن مجید میں اس مضمون کو سورۂ بنی اسرائیل، آیات: 18-21 اور سورۂ شوریٰ، آیت: 20 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

[2] منکرین اور کافرین کے مقابلے میں اہل فطرت اور اہل ایمان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ''اپنے رب کی طرف سے دلیل'' سے مراد وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے الٰہ واحد کا اعتراف اور اسی کی عبادت۔ جس طرح کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں......۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1359، وصحيح مسلم، حديث: 22-(2658)) ﴿يَتْلُوْهُ﴾ کے معنی ہیں، اس کے پیچھے، یعنی اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو، گواہ سے مراد قرآن یا محمد ﷺ ہیں جو اس فطرت صحیحہ کی طرف دعوت دیتے اور اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی جو پیشوا بھی ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے، یعنی یہ کتاب موسیٰ بھی قرآن پر ایمان لانے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو منکر و کافر ہے اور اس کے مقابلے میں ایک دوسرا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر قائم ہے، اس پر ایک گواہ (قرآن یا پیغمبر اسلام) بھی ہے، اسی طرح اس سے قبل نازل ہونے والی کتاب تورات، میں بھی اس کے لیے پیشوائی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور وہ ایمان لے آتا ہے کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک مومن ہے اور دوسرا کافر۔ ایک ہر طرح کے دلائل سے لیس ہے دوسرا بالکل خالی ہے۔

[3] یعنی جن کے اندر مذکورہ اوصاف پائے جائیں گے وہ قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿17﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿18﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿19﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ

وقف لازم

اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے،[1] پس تو اس میں کسی قسم کے شک میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ﴿17﴾[2] اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟[3] یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور سارے گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا، خبردار رہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر ﴿18﴾[4] جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں[5] یہی آخرت کے منکر ہیں ﴿19﴾ نہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کو عاجز کر سکے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے، ان کو دُگنا عذاب دیا جائے گا، نہ یہ سننے کی طاقت رکھتے تھے

[1] تمام فرقوں سے مراد روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں، یہودی، عیسائی، زرتشتی، بدھ مت، مجوسی اور مشرکین و کفار وغیرہ جو بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت کے جس یہودی یا عیسائی نے بھی میرے بارے میں سنا اور پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا، وہ جہنم میں جائے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: (153)) یہ مضمون اس سے قبل سورۂ بقرہ، آیت :62 اور سورۂ نساء، آیت :150-152 میں بھی گزر چکا ہے۔

[2] یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف 103:12) ''تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔'' ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سبا 20:34) ''ابلیس نے اپنا گمان سچا کر دکھایا، مومنوں کے ایک گروہ کے سوا، سب اس کے پیروکار بن گئے۔''

[3] یعنی جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کرنے کا یا آخرت میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا ہے، ان کی بابت یہ کہا جائے کہ اللہ نے انھیں یہ اختیار دیا ہے۔

[4] حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے کہ ''قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ایک مومن سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کروائے گا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو نے فلاں گناہ بھی کیا تھا، فلاں بھی کیا تھا، وہ مومن کہے گا کہ ہاں، میرے رب اور یہ بندہ سمجھ بیٹھے گا کہ بس ہلاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان گناہوں پر دنیا میں بھی پردہ ڈالے رکھا تھا، جا آج بھی انھیں معاف کرتا ہوں...... لیکن دوسرے لوگ یا کافروں کا معاملہ ایسا ہوگا کہ انھیں گواہوں کے سامنے پکارا جائے گا اور گواہ یہ گواہی دیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2441)

[5] یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے، اس میں کجیاں تلاش کرتے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرتے ہیں۔

وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿20﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿21﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿22﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿23﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿25﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿26﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے ﴿20﴾ [1] یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا اور وہ سب کچھ ان سے کھو گیا جو انھوں نے گھڑ رکھا تھا ﴿21﴾ بے شک یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوں گے ﴿22﴾ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی نیک کیے اور اپنے پالنے والے کی طرف جھکتے رہے، وہی جنت میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں ﴿23﴾ دونوں فرقوں یعنی مومن اور کافر کی مثال اندھے، بہرے اور دیکھنے، سننے والے جیسی ہے۔ [2] کیا یہ دونوں مثال میں برابر ہیں؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿24﴾ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿25﴾ کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، [3] مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے ﴿26﴾ [4] اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ

---

[1] یعنی ان کا حق سے اعراض اور بغض اس انتہا پر پہنچا ہوا تھا کہ یہ اُسے سننے اور دیکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کو کان اور آنکھیں تو دی تھیں لیکن انھوں نے ان سے حق کی بات نہ سنی اور نہ دیکھی۔ گویا: ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الأحقاف 26:46) ''نہ ان کے کانوں نے انھیں کوئی فائدہ پہنچایا، نہ ان کی آنکھوں اور دلوں نے۔'' کیونکہ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے دیکھنے سے اندھے بنے رہے، جس طرح کہ وہ جہنم میں داخل ہوتے ہوئے کہیں گے: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○﴾ (الملك 10:67) ''اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج جہنم میں نہ جاتے۔''

[2] پچھلی آیات میں مومنین اور کافرین اور سعادت مندوں اور بدبختوں، دونوں گروہوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب اس میں دونوں کی مثال بیان فرما کر حقیقت کو مزید واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی طرح ہے اور دوسرے کی مثال دیکھنے اور سننے والے کی طرح۔ کافر دنیا میں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے اندھا تو آخرت میں نجات سے محروم، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بہرا بنتا ہے، اسی لیے ایسی باتوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں۔ اس کے برعکس مومن سمجھ دار، حق کو دیکھنے والا اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے، چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے، دلائل کو سنتا اور ان کے ذریعے سے شبہات کا ازالہ کرتا اور باطل سے اجتناب کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ○﴾ (الحشر 20:59) ''جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں۔'' ایک اور مقام پر اسے اس طرح بیان فرمایا: ''اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں۔'' (فاطر 19:35-22)

قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿27﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿28﴾

ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں [1] اور تیرے تابعداروں کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ واضح طور پر سوائے نیچ [2] لوگوں کے [3] اور کوئی نہیں جو بے سوچے سمجھے (تمھاری پیروی کر رہے ہیں)، ہم تو تمھاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے بلکہ ہم تو تمھیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں﴿27﴾ نوح نے کہا: میری قوم والو! مجھے بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور مجھے اس نے اپنے پاس سے کوئی رحمت عطا کی ہو، [4] پھر وہ تمھاری نگاہوں میں [5] نہ آئی تو کیا میں زبردستی اسے تمھارے گلے مڑھ دوں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو﴿28﴾ [6]

---

③ یہ وہی دعوت توحید ہے جو ہر نبی نے آ کر اپنی اپنی قوم کو دی۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○﴾ (الأنبياء 25:21) ''جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔''

④ یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لائے اور اس دعوت توحید کو نہیں اپنایا تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکو گے۔

① یہ وہی شبہ ہے جس کی پہلے کئی جگہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ کافروں کے نزدیک بشریت کے ساتھ نبوت و رسالت کا اجتماع ناممکن اور قابل تعجب تھا، جس طرح آج کے اہل بدعت کو بھی عجیب لگتا ہے اور وہ بشریت رسول ﷺ سے انکار کرتے ہیں۔

② حق کی تاریخ میں یہ بات بھی ہر دور میں سامنے آتی رہی ہے کہ ابتدا میں اس کو اپنانے والے ہمیشہ وہ لوگ ہوتے جنھیں معاشرے میں بے نوا اور کم تر سمجھا جاتا تھا اور صاحب حیثیت اور خوش حال طبقہ اس سے محروم رہتا۔ حتیٰ کہ یہ چیز پیغمبروں کے پیروکاروں کی علامت بن گئی، چنانچہ جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی بابت باتیں پوچھیں تو اس میں ان سے ایک بات یہ بھی پوچھی کہ ''اس کے پیروکار معاشرے کے معزز سمجھے جانے والے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟'' تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ''کمزور لوگ۔'' جس پر ہرقل نے کہا: ''رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7) قرآن کریم میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ خوش حال متکبر طبقہ ہی سب سے پہلے پیغمبروں کی تکذیب کرتا رہا ہے۔ (الزخرف 23:43) اور یہ اہل ایمان کی دنیوی حیثیت تھی جس کے اعتبار سے اہل کفر انھیں حقیر اور کم تر سمجھتے تھے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حق کے پیروکار معزز اور اشراف ہیں چاہے وہ مال و دولت کے اعتبار سے فروتر ہی ہوں اور حق کا انکار کرنے والے حقیر اور بے حیثیت ہیں چاہے وہ دنیوی اعتبار سے مال دار ہی ہوں۔

③ اہل ایمان چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی عقل و دانش اور رائے کا استعمال نہیں کرتے، اس لیے اہل باطل یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موٹی عقل والے ہیں کہ اللہ کا رسول انھیں جس طرف موڑ دیتا ہے، یہ مڑ جاتے ہیں جس چیز سے روک دیتا ہے، رک جاتے ہیں۔ یہ بھی اہل ایمان کی ایک بڑی خوبی بلکہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے لیکن اہل کفر و باطل کے نزدیک یہ خوبی بھی ''عیب'' ہے۔

④ ﴿بَيِّنَةٍ﴾ سے مراد ایمان و یقین ہے اور رحمت سے مراد نبوت۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو سرفراز کیا تھا۔

⑤ یعنی تم اس کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے، چنانچہ تم نے نہ اس کی قدر پہچانی اور نہ اسے اپنانے پر آمادہ ہوئے بلکہ اس کی تکذیب اور رد کے درپے ہو گئے۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ﴿29﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿30﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ

میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔[1] میرا ثواب تو صرف اللہ ہی کے ہاں ہے، نہ میں ایمان داروں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں،[2] انھیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو ﴿29﴾[3] میری قوم کے لوگو! اگر میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کون کر سکتا ہے؟[4] کیا تم کچھ بھی غور و فکر نہیں کرتے ﴿30﴾ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، (سنو!) میں غیب کا علم بھی نہیں رکھتا، نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں، نہ میرا یہ قول ہے کہ جن پر تمھاری نگاہیں ذلت سے پڑ رہی ہیں انھیں اللہ کوئی نعمت دے گا ہی نہیں،[5] ان کے دل میں جو ہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے، اگر میں

---

⑥ جب یہ بات ہے تو یہ ہدایت و رحمت تمھارے حصے میں کس طرح آ سکتی ہے؟

① تاکہ تمھارے دماغوں میں یہ شبہ نہ آ جائے کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد تو دولت دنیا اکٹھا کرنا ہے۔ میں تو یہ کام صرف اللہ کے حکم پر اور اسی کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، وہی مجھے اس کا اجر بھی دے گا۔

② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے سرداروں نے بھی معاشرے میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کو حضرت نوح علیہ السلام سے اپنی مجلس یا اپنے قرب سے دور رکھنے کا مطالبہ کیا تھا، جس طرح رؤسائے مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کا مطالبہ کیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیات نازل فرمائی تھیں: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ﴾ (الأنعام 52:6) ''اے پیغمبر! ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کرنا جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔'' ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ﴾ (الکھف 28:18) ''اپنے نفسوں کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیے! جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں، اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سے (گزر کر کسی اور کی طرف) تجاوز نہ کریں۔''

③ یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا اور پھر انھیں قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا، یہ تمھاری جہالت ہے۔ یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے نہ کہ دور دھتکارا جائے۔

④ گویا ایسے لوگوں کو اپنے سے دور کرنا، اللہ کے غضب اور ناراضی کا باعث ہے۔

⑤ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں ایمان کی صورت میں خیر عظیم عطا کر رکھا ہے اور جس کی بنیاد پر وہ آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا تو بلند مرتبے سے ہمکنار ہوں گے۔ گویا تمھارا ان کو حقیر سمجھنا ان کے لیے کسی نقصان کا باعث نہیں، البتہ تم ہی عنداللہ مجرم ٹھہرو گے کہ اللہ کے نیک بندوں کو، جن کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے، تم حقیر اور فرومایہ سمجھتے ہو۔

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿31﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿33﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾ ع

ایسی بات کہوں تو یقیناً میرا شمار ظالموں میں ہوجائے گا﴿31﴾[1] (قوم کے لوگوں نے) کہا: اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔[2] اب اگر تو سچا ہے تو جس چیز سے ہمیں ڈرا دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ﴿32﴾[3] نوح نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور ہاں تم اسے ہرانے والے نہیں ہو﴿33﴾[4] تمھیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمھاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، اگر اللہ کا ارادہ تمھیں گمراہ کرنے کا ہو،[5] وہی تم سب کا پروردگار ہے[6] اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے﴿34﴾ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے خود اسی نے گھڑ لیا ہے؟ تو جواب دے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہو تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں ان گناہوں سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو﴿35﴾[7]

---

① کیونکہ میں اگر ان کی بابت ایسی بات کہوں گا جس کا مجھے علم نہیں اور اسے صرف اللہ جانتا ہے تو یہ ظلم ہوگا۔

② لیکن اس کے باوجود ہم ایمان نہیں لائے۔

③ یہ وہی حماقت ہے جس کا ارتکاب گمراہ قومیں کرتی آئی ہیں کہ وہ اپنے پیغمبر سے کہتی رہی ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا کر ہمیں تباہ کروا دے، حالانکہ ان میں عقل ہوتی تو وہ کہتیں کہ اگر تو سچا ہے اور واقعی اللہ کا رسول ہے تو ہمارے لیے بھی دعا کر کہ اللہ تعالیٰ ہمارا سینہ بھی کھول دے تاکہ ہم اسے اپنا لیں۔

④ یعنی عذاب کا آنا خالص اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ نہیں ہے کہ جب میں چاہوں، تم پر عذاب آ جائے، تاہم جب اللہ عذاب کا فیصلہ کر لے گا یا بھیج دے گا تو پھر اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

⑤ إِغْوَاء بمعنی إِضْلَال (گمراہ کرنا) ہے، یعنی تمھارا کفر وجود اگر اس مقام پر پہنچ چکا ہے، جہاں سے کسی انسان کا پلٹ کر آنا اور ہدایت کو اپنا لینا، ناممکن ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمھاری گمراہی اور ہلاکت کا ارادہ کر لیا ہے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو اب اگر میں تمھاری خیر خواہی بھی کرنی چاہوں، یعنی ہدایت پر لانے کی اور زیادہ کوششیں کروں تو یہ کوشش اور خیر خواہی تمھارے لیے مفید نہیں کیونکہ تم گمراہی کے آخری مقام پر پہنچ چکے ہو۔

⑥ ہدایت اور گمراہی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ تمھیں تمھارے عملوں کی جزا دے گا۔ نیکوں کو ان کے نیک عمل کی جزا اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔

⑦ بعض مفسرین کے نزدیک یہ مکالمہ قوم نوح اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ہوا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ جملہ معترضہ کے طور پر نبی اکرم ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن میرا گھڑا ہوا ہے اور میں اللہ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹا ہوں تو یہ میرا جرم ہے، اس کی سزا میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن تم جو کچھ کر رہے ہو جس سے میں بری ہوں، اس کا بھی

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿38﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿39﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی اب ایمان لائے گا ہی نہیں، پس تو ان کے کاموں پر غمگین نہ ہو﴿36﴾[1] اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر[2] اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، وہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں﴿37﴾[3] وہ (نوح) کشتی بنانے لگے ان کی قوم کے جو سردار ان کے پاس سے گزرتے وہ ان کا مذاق اڑاتے،[4] وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو﴿38﴾ تمھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور اس پر ہمیشگی کی سزا[5] اتر آئے﴿39﴾ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا،[6] ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے (جانداروں میں سے) جوڑے (یعنی) دو (جانور، ایک نر اور ایک مادہ) سوار کر لے[7] اور اپنے

تمھیں پتہ ہے؟ اس کا وبال تو مجھ پر نہیں، تم پر ہی پڑے گا، کیا اس کی بھی تمھیں کچھ فکر ہے؟

① جب نوح علیہ السلام مسلسل ساڑھے نو سو سال دعوت و تبلیغ کرتے رہے لیکن اس کے باوجود قوم کی تکذیب اور ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی یہاں تک کہ مطالبۂ عذاب کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو یہ وحی کی کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لے آئے وہ تو لے آئے ہیں ان کے بعد اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ اور نوح علیہ السلام کو قوم سے کلیتًا مایوس کر دیا تو پھر نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ یارب! زمین پر ایک کافر بھی بسنے والا نہ رہنے دے۔

② ''ہماری آنکھوں کے سامنے'' اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں لیکن اس طرح آنکھیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہیں، یعنی آنکھ ثابت ہے، اس کی کیفیت کا ہمیں پتہ نہیں۔ اور ''ہماری وحی سے'' کا مطلب، اس کے طول و عرض وغیرہ کی جو کیفیات ہم نے بتلائی ہیں، اس طرح اسے بنا۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے کشتی کے طول و عرض، اس کی منزلوں اور کس قسم کی لکڑی اور دیگر سامان اس میں استعمال کیا گیا، اس کی تفصیل بیان کی ہے جو ظاہر بات ہے کہ کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

③ بعض نے اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹے کو لیا ہے جو مومن نہیں تھے اور غرق ہونے والوں میں سے تھے۔ بعض نے اس سے غرق ہونے والی پوری قوم مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی مہلت طلب مت کرنا کیونکہ اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آ گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کی ہلاکت کے لیے جلدی نہ کریں، وقت مقرر میں یہ سب غرق ہو جائیں گے۔ (فتح القدیر)

④ مثلاً: کہتے کہ نوح! نبوت کے بعد اب بڑھئی بن گئے ہو؟ یا اے نوح! خشکی میں کشتی کس لیے تیار کر رہے ہو؟

⑤ اس سے مراد جہنم کا دائمی عذاب ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد ان کے لیے تیار ہے۔

⑥ اس سے بعض نے روٹی پکانے والے تنور، بعض نے مخصوص جگہیں، مثلاً: جزیرہ میں ایک چشمہ جسے عین الوردہ کہا جاتا ہے اور

إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۚ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰي نُوْحُۨ ابْنَهٗ

گھر کے لوگوں کو بھی، سوائے ان کے جن پر پہلے سے بات پڑ چکی ہے،[1] اور سب ایمان والوں کو بھی،[2] اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے (40)[3] نوح نے کہا: اس کشتی میں بیٹھ جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے،[4] یقیناً میرا رب بڑی بخشش اور بڑے رحم والا ہے (41) وہ کشتی انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں جا رہی تھی[5] اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو ایک کنارے پر تھا، پکار

بعض نے سطح زمین مراد لی ہے۔ حافظ ابن کثیر ؒ نے اسی آخری مفہوم کو ترجیح دی ہے، یعنی ساری زمین ہی چشموں کی طرح ابل پڑی یہاں تک کہ تنور بھی، اوپر آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔

⑦ اس سے مراد مذکر اور مؤنث، یعنی نر اور مادہ ہے۔ اس طرح ہر ذی روح مخلوق کا جوڑا کشتی میں رکھ لیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نباتات بھی رکھے گئے تھے۔ واللہ أعلم.

① یعنی جن کا غرق ہونا اللہ کے ہاں طے ہے۔ اس سے مراد اگر سارے کفار ہیں تو یہ ﴿اِحْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ﴾ سے استثنا ہے اور اگر اس سے مراد نوح ؑ کی بیوی واعلة اور بیٹا بنام یا بطور لقب ''کنعان'' اور بطور نام ''یام'' ہے، جو دونوں کافر تھے تو پھر یہ استثنا ﴿اَهْلَكَ﴾ سے ہے، یعنی اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی بات سبقت کر گئی ہے۔

② یعنی سب اہل ایمان کو کشتی میں سوار کر لے۔

③ بعض نے ان کی کل تعداد (مرد اور عورت ملا کر) 80 اور بعض نے اس سے بھی کم بتلائی ہے۔ ان میں حضرت نوح ؑ کے تین بیٹے، جو ایمان لانے والوں میں شامل تھے، سام، حام، یافث اور ان کی بیویاں اور چوتھی بیوی یام کی تھی جو کافر تھا لیکن اس کی بیوی مسلمان ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار تھی۔ (ابن کثیر)

④ یعنی اللہ ہی کے نام سے اس کا پانی کی سطح پر چلنا اور اسی کے نام پر اس کا ٹھہرنا ہے۔ اس سے ایک مقصد اہل ایمان کو تسلی اور حوصلہ دینا بھی تھا کہ بلا خوف و خطر کشتی میں سوار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ ہی اس کشتی کا محافظ اور نگران ہے، اسی کے حکم سے چلے گی اور اسی کے حکم سے ٹھہرے گی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ اے نوح! ''جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں آرام سے بیٹھ جائیں تو کہو:
﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○﴾ (المؤمنون 23: 29,28)
''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی اور کہہ کہ اے میرے رب! مجھے بابرکت اتارنا اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔'' بعض علماء نے کشتی یا سواری پر بیٹھتے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ اور حدیث سے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ○ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○﴾ (الزخرف 43: 14,13) تا آخر دعا پڑھنا بھی ثابت ہے۔

⑤ یعنی جب زمین پر پانی تھا حتیٰ کہ پہاڑ بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے، یہ کشتی حضرت نوح ؑ اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، اللہ کے حکم سے اور اس کی حفاظت میں پہاڑ جیسی موجوں میں رواں دواں تھی ورنہ اتنے طوفانی پانی میں کشتی کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے؟ اسی لیے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور احسان ذکر فرمایا: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ○ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ

وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿45﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ

کر کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ رہ ﴿42﴾ [1] اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی بڑے پہاڑ کی طرف پناہ میں آ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا، [2] نوح نے کہا: آج اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہوا۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا ﴿43﴾ [3] فرما دیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا [4] اور اے آسمان! بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور کام پورا کر دیا گیا [5] اور کشتی ”جودی“ نامی [6] پہاڑ پر جا لگی اور فرما دیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو ﴿44﴾ [7] نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے ہے، یقیناً تیرا وعدہ بالکل سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بہتر حاکم ہے ﴿45﴾ [8] اللہ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے سے

تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾ (الحاقۃ 12,11:69) ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ (القمر 14,13:54) ”اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کر لیا، جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔“

[1] یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا لقب کنعان اور نام ”یام“ تھا، اسے حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت دی کہ مسلمان ہو جا اور کافروں کے ساتھ شامل رہ کر غرق ہونے والوں میں سے مت ہو۔

[2] اس کا خیال تھا کہ کسی بڑے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر میں پناہ حاصل کر لوں گا، وہاں پانی کیوں کر پہنچ سکے گا؟

[3] باپ بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک طوفانی موج نے اسے اپنی طغیانی کی زد میں لے لیا۔

[4] نگلنا، کا استعمال حیوان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنے منہ کی خوراک کو نگل جاتا ہے۔ یہاں پانی کے خشک ہونے کو نگل جانے سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ پانی بتدریج خشک نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ کے حکم سے زمین نے سارا پانی دفعتاً اس طرح اپنے اندر نگل لیا جس طرح حیوان لقمہ نگل جاتا ہے۔

[5] یعنی تمام کافروں کو غرق آب کر دیا گیا۔

[6] ﴿الْجُوْدِيِّ﴾ پہاڑ کا نام ہے جو بقول بعض، موصل کے قریب ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی اسی کے قریب آباد تھی۔

[7] ﴿بُعْدًا﴾ یہ ہلاکت اور لعنت الٰہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم میں بطور خاص غضب الٰہی کی مستحق بننے والی قوموں کے لیے اسے کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

[8] حضرت نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ان خطرات واحوال کو دیکھتے ہوئے بیٹا ایمان قبول کر لے گا، اس لیے اس کے بارے میں یہ

عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿46﴾

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ

الْخٰسِرِيْنَ ﴿47﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿48﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا

نہیں ہے،[1] اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں،[2] تجھے ہرگز وہ چیز نہ مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو،[3] میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو﴿46﴾[4] نوح نے کہا: اے میرے رب! میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ مانگوں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو، اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوجاؤں گا﴿47﴾[5] فرمادیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر[6] جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر[7] اور بہت سی وہ امتیں ہوں گی جنھیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا﴿48﴾[8] یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں انھیں اس سے پہلے آپ جانتے تھے اور نہ

استدعا کی یا شفقت پدری کے جذبے سے مغلوب ہوکر بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی۔

① حضرت نوح علیہ السلام نے قرابت نسبی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنا بیٹا قرار دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کی بنیاد پر قرابت دینی کے اعتبار سے اس بات کی نفی فرمائی کہ وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس لیے کہ ایک نبی کا اصل گھرانہ تو وہی ہے جو اس پر ایمان لائے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو چاہے وہ نبی کا باپ ہو، بیٹا ہو یا بیوی، وہ نبی کے گھرانے کا فرد نہیں۔

② یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس ایمان اور عمل صالح نہیں ہوگا، اسے اللہ کے عذاب سے اللہ کا پیغمبر بھی بچانے پر قادر نہیں۔ آج کل لوگ پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں سے وابستگی کو ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ جب عمل صالح کے بغیر نبی سے نسبی قرابت بھی کام نہیں آتی تو یہ وابستگیاں کیا کام آسکتی ہیں؟

③ اس سے معلوم ہوا کہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا، اس کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمادیتا ہے۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے سے علم ہوتا کہ ان کی درخواست کی پذیرائی نہیں ہوگی تو یقیناً وہ اس سے پرہیز فرماتے۔

④ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو نصیحت ہے جس کا مقصد ان کو اس بلند مقام پر فائز کرنا ہے جو انبیائے کرام کے لیے اللہ کی بارگاہ میں ہے۔

⑤ جب حضرت نوح علیہ السلام یہ بات جان گئے کہ ان کا سوال واقع کے مطابق نہیں تھا تو فوراً اس سے رجوع فرمالیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت ومغفرت کے طالب ہوئے۔

⑥ یہ اترنا کشتی سے یا اس پہاڑ سے ہے جس پر کشتی جا کر ٹھہر گئی تھی۔

⑦ اس سے مراد یا تو وہ گروہ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یا آئندہ ہونے والے وہ گروہ ہیں جو ان کی نسل سے ہونے والے تھے۔ اگلے فقرے کے پیش نظر یہی دوسرا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

⑧ یہ وہ گروہ ہیں جو کشتی میں بچ جانے والوں کی نسل سے قیامت تک ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں کو دنیا کی چند روزہ

قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿50﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ

آپ کی قوم،[1] اس لیے آپ صبر کرتے رہیے (یقین مانیے) کہ انجامِ کار پرہیز گاروں ہی کے لیے ہے ﴿49﴾[2] اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا،[3] اس نے کہا: میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تم تو صرف بہتان باندھ رہے ہو ﴿50﴾[4] اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے ﴿51﴾[5] اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تاکہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمھاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھا دے[6] اور تم مجرم بن کر روگردانی مت کرو ﴿52﴾[7] انھوں نے کہا: اے ہود!

زندگی گزارنے کے لیے ہم دنیا کا ساز وسامان ضرور دیں گے لیکن بالآخر عذاب الیم سے دوچار ہوں گے۔

① یہ نبی ﷺ سے خطاب ہے اور آپ سے علمِ غیب کی نفی کی جا رہی ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے ہم آپ کو خبر دار کر رہے ہیں ورنہ آپ اور آپ کی قوم ان سے لاعلم تھی۔

② یعنی آپ کی قوم آپ کی جو تکذیب کر رہی ہے اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہی ہے، اس پر صبر سے کام لیجیے، اس لیے کہ ہم آپ کے مددگار ہیں اور حسن انجام آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے، جو تقویٰ کی صفت سے متصف ہیں۔ عاقبت دنیا و آخرت کے اچھے انجام کو کہتے ہیں۔ اس میں متقین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ ابتدا میں چاہے انھیں کتنا بھی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے، تاہم بالآخر اللہ کی مدد ونصرت اور حسن انجام کے مستحق وہی ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن 40:51) ''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ وہ مظفر و منصور ہوں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب اور برتر رہے گا۔''

③ بھائی سے مراد انھی کی قوم کا ایک فرد۔

④ یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔

⑤ اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو بغیر اجرت اور لالچ کے تمھیں اللہ کی طرف بلا رہا ہے، وہ تمھارا خیر خواہ ہے۔ آیت میں ﴿ يٰقَوْمِ ﴾ سے دعوت کا ایک طریق کار معلوم ہوتا ہے، یعنی بجائے یہ کہنے کے ''اے کافرو!'' ''اے مشرکو!'' ''اے میری قوم!'' سے مخاطب کیا گیا ہے۔

⑥ حضرت ہود علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی تلقین اپنی امت، یعنی اپنی قوم کو کی اور اس کے وہ فوائد بیان فرمائے جو توبہ و استغفار کرنے والی

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ

تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں﴿53﴾[1] بلکہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب پہنچا کر دیوانہ کر دیا ہے۔[2] اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تو اللہ کے سوا ان سب سے بیزار ہوں جنھیں تم شریک بنا رہے ہو﴿54﴾[3] اچھا تم سب مل کر میرے حق میں بدی کر لو اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو﴿55﴾[4] میرا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہے، جو میرا اور تم سب کا پروردگار ہے، جتنے بھی (زمین پر) چلنے پھرنے والے ہیں سب کی پیشانی وہی تھامے ہوئے ہے۔[5] یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے﴿56﴾[6] پس اگر تم روگردانی کرو تو کرو میں تو

قوم کو حاصل ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں اور بھی بعض مقامات پر یہ فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ نوح:11) اور اسی طرح سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ الآیۃ (الطلاق 3,2:65) ''جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتی۔'' توبہ و استغفار وہی شخص کرتا ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔

⑦ یعنی میں تمھیں جو دعوت دے رہا ہوں، اس سے اعراض اور اپنے کفر پر اصرار مت کرو۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی بارگاہ میں مجرم اور گناہ گار بن کر پیش ہو گے۔

① ایک نبی دلائل و براہین کی پوری قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے لیکن شپرہ چشموں کو وہ نظر نہیں آتے۔ قوم ہود نے بھی اسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم بغیر دلیل کے محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو کس طرح چھوڑ دیں؟

② یعنی تو جو ہمارے معبودوں کی توہین اور گستاخی کرتا ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں نے ہی تیری اس گستاخی پر تجھے کچھ کر دیا ہے۔ اور تیرا دماغ ماؤف ہو گیا ہے، جیسے آج کل کے نام نہاد مسلمان بھی اس قسم کے توہمات کا شکار ہیں جب انھیں کہا جاتا ہے کہ یہ فوت شدہ اشخاص اور بزرگ کچھ نہیں کر سکتے تو کہتے ہیں کہ یہ ان کی شان میں گستاخی ہے اور خطرہ ہے کہ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کا وہ بیڑا غرق کر دیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَاتِ وَالْأَكَاذِيبِ.

③ یعنی میں ان تمام بتوں اور معبودوں سے بیزار ہوں اور تمھارا یہ عقیدہ کہ انھوں نے مجھے کچھ کر دیا ہے، بالکل غلط ہے، ان کے اندر یہ قدرت ہی نہیں کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔

④ اور اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں ہے بلکہ تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ بت کچھ کر سکتے ہیں تو لو! میں حاضر ہوں، تم اور تمھارے معبود سب مل کر میرے خلاف کچھ کر کے دکھاؤ۔

⑤ یعنی جس ذات کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ و تصرف ہے، وہ وہی ذات ہے جو میرا اور تمھارا رب ہے، میرا توکل اسی پر ہے۔ مقصد

اِلَيْكُمْ ط وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ج وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ط اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ قف جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ط اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾ ع

تمھیں وہ پیغام پہنچا چکا جو دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا۔[1] میرا رب تمھارے قائم مقام اور لوگوں کو کردے گا اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے،[2] یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے[3]﴿57﴾ اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور اس کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات عطا فرمائی اور ہم نے ان سب کو سخت عذاب سے بچالیا﴿58﴾[4] یہ تھی قومِ عاد، جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی[5] نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش نافرمان کے حکم کی تابعداری کی﴿59﴾[6] دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی،[7] دیکھ لو، قومِ عاد نے اپنے رب سے کفر کیا، ہود کی قوم عاد پر دوری ہو﴿60﴾[8]

ان الفاظ سے حضرت ہود علیہ السلام کا یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، ان پر بھی اللہ ہی کا قبضہ وتصرف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو چاہے کرسکتا ہے، وہ کسی کا کچھ نہیں کرسکتے۔

⑥ یعنی وہ جو توحید کی دعوت دے رہا ہے یقیناً یہ دعوت ہی صراط مستقیم ہے، اسی پر چل کر نجات اور کامیابی سے ہم کنار ہوسکتے ہو اور اس صراط مستقیم سے اعراض وانحراف تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

① یعنی اس کے بعد میری ذمے داری ختم اور تم پر حجت تمام ہوگئی۔

② یعنی تمھیں تباہ کرکے تمھاری زمینوں اور املاک کا وہ دوسروں کو مالک بنا دے تو وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی مشیت وحکمت کے مطابق ایسا کرتا رہتا ہے۔

③ یقیناً وہ مجھے تمھارے مکر وفریب اور سازشوں سے بھی محفوظ رکھے گا اور شیطانی چالوں سے بھی بچائے گا۔ علاوہ ازیں ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق اچھی اور بری جزا بھی دے گا۔

④ سخت عذاب سے مراد وہی اَلرِّيحُ الْعَقِيمُ تیز آندھی کا عذاب ہے جس کے ذریعے سے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا اور جس سے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا گیا۔

⑤ عاد کی طرف صرف ایک نبی حضرت ہود علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اس سے یا تو یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک رسول کی تکذیب، یہ تمام رسولوں کی تکذیب ہے کیونکہ تمام رسولوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے کفر وانکار میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اگر ہم اس قوم میں متعدد رسول بھی بھیجتے تو یہ قوم ان سب کی تکذیب ہی کرتی۔ اور اس سے قطعاً یہ امید نہیں تھی کہ وہ کسی بھی رسول پر ایمان لے آتی۔

⑥ یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تو تکذیب کی لیکن جو لوگ اللہ کے حکموں سے سرکشی کرنے والے اور نافرمان تھے، ان کی اس قوم نے پیروی کی۔

⑦ ﴿لَعْنَةً﴾ کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری، امورِ خیر سے محرومی اور لوگوں کی طرف سے ملامت و بیزاری۔ دنیا میں یہ لعنت

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿61﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،[1] اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں،[2] اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا ہے[3] اور اسی نے اس زمین میں تمھیں بسایا ہے،[4] پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے ﴿61﴾ انھوں نے کہا: اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے، کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے ﴿62﴾[5] اس نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! ذرا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی مضبوط دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت

اس طرح کہ اہل ایمان میں ان کا ذکر ہمیشہ ملامت و بیزاری کے انداز میں ہوگا اور قیامت میں اس طرح کہ وہاں عَلٰى رُؤُوسِ الْأَشْهَادِ ذلت و رسوائی سے دوچار اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے۔

⑧ ﴿ بُعْدًا ﴾ کا یہ لفظ رحمت سے دوری اور لعنت ہلاکت کے معنی کے لیے ہے جیسا کہ اس سے قبل بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔

① ﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ ﴾ عطف ہے ماقبل پر، یعنی وَأَرْسَلْنَا إِلٰى ثَمُودَ ہم نے ثمود کی طرف بھیجا۔ یہ قوم تبوک اور مدینہ کے درمیان مدائن صالح (حجر) میں رہائش پذیر تھی اور یہ قوم عاد کے بعد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہاں بھی ثمود کا بھائی کہا ہے، یعنی یہ انھی کے خاندان اور قبیلے کا ایک فرد ہے جسے بعض جگہ ﴿ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (آل عمران 3: 174) سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی انھی کی جانوں میں سے ایک رسول، مطلب ہے: انسانوں میں سے۔

② حضرت صالح علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی جس طرح کہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے۔

③ یعنی ابتداءً تمھیں زمین سے پیدا کیا، وہ اس طرح کہ تمھارے باپ آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور سلسلۂ نسل انسانی آدم سے چلا، یوں تمام انسانوں کی پیدائش زمین سے ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو کچھ کھاتے ہو، سب زمین ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں جا کر وجود انسانی کا باعث ہوتا ہے۔

④ یعنی تمھارے اندر زمین کو بسانے اور آباد کرنے کی استعداد و صلاحیت پیدا کی، جس سے تم رہائش کے لیے مکان تعمیر کرتے، خوراک کے لیے کاشت کاری کرتے اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لیے صنعت و حرفت سے کام لیتے ہو۔

⑤ یعنی پیغمبر اپنی قوم میں چونکہ اخلاق و کردار اور امانت و دیانت میں ممتاز ہوتا ہے، اس لیے قوم کی اس سے اچھی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اسی اعتبار سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان سے یہ کہا۔ لیکن دعوت توحید دیتے ہی ان کی امیدوں کا یہ مرکز ان کی آنکھوں کا کانٹا بن گیا اور اس دین میں شک کا اظہار کیا جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام انھیں بلا رہے تھے، یعنی دین توحید۔ گویا توحید

يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿63﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿64﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ

عطا کی ہو،[1] پھر اگر میں نے اس کی نافرمانی کر لی[2] تو کون ہے جو اس کے مقابلے میں میری مدد کرے؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو (63)[3] اور اے میری قوم والو! یہ اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے ایک معجزہ ہے، اب تم اسے اللہ کی زمین میں کھاتی ہوئی چھوڑ دو اور اسے کسی طرح کی ایذا نہ پہنچاؤ ورنہ فوری عذاب تمھیں پکڑ لے گا (64)[4] پھر بھی ان لوگوں نے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح نے کہا کہ اچھا تم اپنے گھروں میں تین دن تک تو رہ سہ لو، یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے (65)[5] پھر جب ہمارا (عذاب کا) حکم آ پہنچا[6] تو ہم نے صالح کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے اس (عذاب) سے بھی بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ یقیناً تیرا رب نہایت قوی اور غالب ہے (66) اور ظالموں کو بڑے زور کی چنگھاڑ نے آ دبوچا،[7] پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے (67)[8] ایسے کہ گویا وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے،[9] آگاہ رہو

کا درس ہر دور کے لوگوں کے لیے جرعۂ تلخ ہی رہا ہے۔

[1] ﴿بَيِّنَةٍ﴾ سے مراد کھلی دلیل اور رحمت سے مراد نبوت ہے جیسا کہ پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ علاوہ ازیں بینہ سے مراد وہ معجزہ یا معجزات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے پیغمبر کے ذریعے سے پیغمبر کی تصدیق و تائید کے لیے ظاہر کرواتا ہے۔ یہ حجت و برہان اور نبوت اگرچہ یقینی اور متحقق الوقوع تھی لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے اسے یہاں شک کے لفظ (اگر) میں بیان کیا ہے تو یہ دراصل مخاطب قوم کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ شک میں مبتلا تھی ورنہ حضرت صالح علیہ السلام کو کوئی شک نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

[2] نافرمانی سے مراد یہ ہے کہ اگر میں تمھیں حق کی طرف اور اللہ واحد کی عبادت کی طرف بلانا چھوڑ دوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔

[3] یعنی اگر میں ایسا کروں تو تم مجھے کوئی فائدہ تو نہیں پہنچا سکتے، البتہ اس طرح تم میرے نقصان و خسارے میں ہی اضافہ کرو گے۔

[4] یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کہنے پر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پہاڑ یا ایک چٹان سے برآمد فرمائی۔ اسی لیے اسے ﴿نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے کیونکہ یہ خالص اللہ کے حکم سے معجزانہ طور پر (خلاف عادت طریقے سے) ظاہر ہوئی تھی۔ اس کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی تھی کہ اسے ایذا نہ پہنچانا ورنہ تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔

[5] لیکن ان ظالموں نے اس زبردست معجزے کے باوجود نہ صرف ایمان لانے سے گریز کیا بلکہ حکم الٰہی سے صریح سرتابی کرتے ہوئے اونٹنی کو مار ڈالا، جس کے بعد انھیں تین دن کی مہلت دے دی گئی کہ تین دن کے بعد تمھیں عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا جائے گا۔

[6] اس سے مراد وہی عذاب ہے جو وعدے کے مطابق چوتھے دن آیا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔

اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿68﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿70﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ

کہ قوم ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! ان ثمودیوں پر پھٹکار ہے ﴿68﴾ اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر پہنچے [1] اور سلام کہا، [2] انھوں نے بھی جواب سلام دیا [3] اور بغیر کسی تاخیر کے گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے ﴿69﴾ [4] اب جو دیکھا کہ ان کے تو ہاتھ بھی اس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو انھیں انجان پا کر دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے، [5] انھوں نے کہا: ڈرو نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿70﴾ [6] اس کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس

---

⑦ یہ عذاب ﴿الصَّيْحَةُ﴾ (چیخ، زور کی کڑک) کی صورت میں آیا، بعض کے نزدیک یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی اور بعض کے نزدیک آسمان سے آئی تھی جس سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی، اس کے بعد یا اس کے ساتھ ہی بھونچال (رَجْفَةٌ) بھی آیا، جس نے سب کچھ تہ و بالا کر دیا جیسا کہ سورۂ اعراف 78:7 کے الفاظ ہیں: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ یعنی بھونچال زلزلے نے ان کو پکڑ لیا۔

⑧ جس طرح پرندہ مرنے کے بعد زمین پر سینے اور منہ کے بل پڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ موت سے ہم کنار ہو کر منہ کے بل زمین پر پڑے رہے۔

⑨ ان کی بستی یا خود یہ لوگ یا دونوں ہی، اس طرح حرف غلط کی طرح مٹا دیے گئے، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔

① یہ دراصل حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی یا بقول بعض برادرزادے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بستی بحیرۂ مردار کے جنوب مشرق میں تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف جاتے ہوئے راستے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور انھیں بیٹے کی بشارت دی۔

② یعنی سَلَّمْنَا عَلَيْكَ سَلَامًا ''ہم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔''

③ جس طرح پہلا سلام ایک فعل مقدر کے ساتھ منصوب تھا۔ اسی طرح یہ سلام مبتدا یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے، عبارت ہوگی۔ أَمْرُكُمْ سَلَامٌ یا عَلَيْكُمْ سَلَامٌ

④ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے کی ان کو حاجت نہیں بلکہ انھوں نے انھیں انسان سمجھ کر فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے۔

⑤ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو انھیں خوف محسوس ہوا۔ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ چیز معروف تھی کہ آئے ہوئے مہمان اگر ضیافت سے فائدہ نہ اٹھاتے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کسی اچھی نیت سے نہیں آئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیغمبروں کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام غیب دان ہوتے تو بھنا ہوا بچھڑا

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿71﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿72﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿74﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿75﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

پڑی، [1] تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی ﴿71﴾ وہ کہنے لگی: ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت بڑی عمر کے ہیں، یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے! ﴿72﴾ [2] فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ [3] اے اس گھر کے لوگو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، [4] بیشک اللہ بڑا قابلِ تعریف اور بڑی شان والا ہے ﴿73﴾ جب ابراہیم کا ڈر خوف جاتا رہا اور اسے بشارت بھی پہنچ چکی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث کرنے لگے ﴿74﴾ [5] یقیناً ابراہیم بہت تحمل والے، نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے ﴿75﴾ اے ابراہیم! اس خیال کو چھوڑ دیجیے، آپ کے رب

بھی نہ لاتے اور ان سے خوف بھی محسوس نہ کرتے۔

⑥ اس خوف کو فرشتوں نے محسوس کیا یا تو ان آثار سے جو ایسے موقعوں پر انسان کے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں یا اپنی گفتگو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اظہار فرمایا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴾ (الحجر 52:15) ”ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔“ چنانچہ فرشتوں نے کہا: ڈرو نہیں، آپ جو سمجھ رہے ہیں، ہم وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف جا رہے ہیں۔

① حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ اہلیہ کیوں ہنسیں؟ بعض کہتے ہیں کہ قوم لوط کی فساد انگیزیوں سے وہ بھی آگاہ تھیں، ان کی ہلاکت کی خبر سے انھوں نے مسرت ظاہر کی۔ بعض کہتے ہیں: اس لیے ہنسی آئی کہ دیکھو آسمانوں سے ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور یہ قوم غفلت کا شکار ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس ہنسنے کا تعلق اس بشارت سے ہے جو فرشتوں نے اس بوڑھے جوڑے کو دی۔ واللہ أعلم.

② یہ اہلیہ حضرت سارہ تھیں، جو خود بھی بوڑھی تھیں اور ان کے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بوڑھے تھے، اس لیے تعجب ایک فطری امر تھا جس کا اظہار ان سے ہوا۔

③ یہ استفہام ہے اور اس سے مقصود نہی ہے، یعنی تو اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر پر تعجب نہ کر کیونکہ اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب عادیہ ہی کا محتاج ہے، وہ تو جو چاہے، اس کے لفظ کُنْ (ہو جا) سے معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

④ حضرت ابراہیم کی اہلیہ محترمہ کو یہاں فرشتوں نے ”اہل بیت“ سے یاد کیا اور دوسرے ان کے لیے جمع مذکر مخاطب ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ کا صیغہ استعمال کیا۔ جس سے ایک بات تو یہ ثابت ہو گئی کہ ”اہل بیت“ میں انسان کی بیوی شامل ہوتی ہے۔ دوسری، یہ کہ ”اہل بیت“ کے لیے لفظ أَهْلٌ کی وجہ سے جو اسم جمع ہے اور واحد و جمع کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ جمع مذکر کے صیغے کا استعمال بھی جائز ہے جیسا کہ سورۂ احزاب، آیت: 33 میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا ہے اور انھیں جمع مذکر کے صیغے

رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿76﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿77﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿78﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿79﴾ قَالَ

کا حکم آ پہنچا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب ضرور آنے والا ہے ﴿76﴾ [1] جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مصیبت کا دن [2] ہے ﴿77﴾ اور اس کی قوم دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ پہنچی، وہ تو پہلے ہی سے بدکاریوں میں مبتلا تھی، [3] لوط نے کہا: اے قوم کے لوگو! یہ ہیں میری بیٹیاں جو تمھارے لیے بہت ہی پاکیزہ ہیں، [4] اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ ﴿78﴾ [5] انھوں نے جواب دیا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ ہمیں تو تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں ہے اور تو ہماری اصلی چاہت سے بخوبی واقف ہے ﴿79﴾ [6] لوط نے کہا:

سے مخاطب بھی کیا ہے۔

⑤ اس مجادلے سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ جس بستی کو تم ہلاک کرنے جا رہے ہو، اسی میں حضرت لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں جس پر فرشتوں نے کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ لوط علیہ السلام بھی وہاں رہتے ہیں۔ لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچا لیں گے۔'' (العنکبوت 29: 32)

① یہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اب اس بحث و تکرار کا کوئی فائدہ نہیں، اسے چھوڑیے! اللہ کا وہ حکم (ہلاکت کا) آ چکا ہے، جو اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ اور اب یہ عذاب نہ کسی کے مجادلے سے رکے گا نہ کسی کی دعا سے ٹلے گا۔

② حضرت لوط علیہ السلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے نوعمر نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے جو بے ریش تھے جس سے حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی عادت قبیحہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس کیا کیونکہ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آنے والے یہ نوجوان، مہمان نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو اس قوم کو ہلاک کرنے کے لیے ہی آئے ہیں۔

③ اغلام بازی کے ان مریضوں کو پتہ چلا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے گھر آئے ہیں تو دوڑے ہوئے آئے اور انھیں اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تاکہ ان سے اپنی غلط خواہشات پوری کریں۔

④ یعنی تمھیں اگر جنسی خواہش ہی کی تسکین مقصود ہے تو اس کے لیے میری اپنی بیٹیاں موجود ہیں، جن سے تم نکاح کر لو اور اپنا مقصد پورا کر لو۔ یہ تمھارے لیے ہر طرح سے بہتر ہے۔ بعض نے کہا کہ بنات سے مراد عام عورتیں ہیں اور انھیں اپنی لڑکیاں اس لیے کہا ہے کہ پیغمبر اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے لیے عورتیں موجود ہیں، ان سے نکاح کرو اور اپنا مقصد پورا کرو! (ابن کثیر)

⑤ یعنی میرے گھر آئے مہمانوں کے ساتھ زیادتی اور زبردستی کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے جو میزبانی کے تقاضوں اور اس کی نزاکت کو سمجھ سکے؟ اور تمھیں اپنے برے ارادوں سے روک سکے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ساری باتیں

لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿80﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿81﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۬ مَّنْضُوْدٍ ﴿82﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کرنے کی قوت ہوتی یا میں کسی زبردست کا آسرا پکڑ پاتا﴿80﴾[1] اب فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، ناممکن ہے کہ یہ تجھ تک پہنچ جائیں، پس تو اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات رہے نکل کھڑا ہو۔ تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیے، بجز تیری بیوی کے، اس لیے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچے گا، یقیناً ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے، کیا صبح بالکل قریب نہیں﴿81﴾[2] پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیروزبر کر دیا اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے﴿82﴾ تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور وہ ان ظالموں سے کچھ بھی دور نہ

اس بنیاد پر کیں کہ وہ ان فرشتوں کو فی الواقع نووارد مسافر اور مہمان ہی سمجھتے رہے، اس لیے وہ بجا طور پر ان کی حفاظت کو اپنی عزت و وقار کے لیے ضروری سمجھتے رہے۔ اگر ان کو پتہ چل جاتا یا وہ عالم الغیب ہوتے تو ظاہر بات ہے کہ انھیں یہ پریشانی ہرگز لاحق نہ ہوتی جو انھیں ہوئی اور جس کا نقشہ یہاں قرآن مجید نے کھینچا ہے۔

⑥ یعنی ایک جائز اور فطری طریقے کو انھوں نے بالکل رد کر دیا اور غیر فطری کام اور بے حیائی پر اصرار کیا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قوم اپنی اس بے حیائی کی عادت خبیثہ میں کتنی آگے جا چکی تھی اور کس قدر اندھی ہو گئی تھی۔

① ﴿قُوَّةً﴾ سے اپنے دست و بازو اور اپنے وسائل کی قوت یا اولاد کی قوت مراد ہے اور ﴿رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴾ (مضبوط آسرا) سے خاندان، قبیلہ یا اسی قسم کا کوئی مضبوط سہارا مراد ہے، یعنی نہایت بے بسی کے عالم میں آرزو کر رہے ہیں کہ کاش! میرے اپنے پاس کوئی قوت ہوتی یا کسی خاندان اور قبیلے کی پناہ اور مدد مجھے حاصل ہوتی تو آج مجھے مہمانوں کی وجہ سے یہ ذلت و رسوائی نہ ہوتی، میں ان بد قماشوں سے نمٹ لیتا اور مہمانوں کی حفاظت کر لیتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی یہ آرزو اللہ تعالیٰ پر توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ ظاہری اسباب کے مطابق ہے۔ اور توکل علی اللہ کا صحیح مفہوم و مطلب بھی یہی ہے کہ پہلے تمام ظاہری اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور پھر اللہ پر توکل کیا جائے۔ یہ توکل کا نہایت غلط مفہوم ہے کہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جو کچھ کہا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے بالکل بجا کہا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا پیغمبر جس طرح عالم الغیب نہیں ہوتا، اسی طرح وہ مختار کل بھی نہیں ہوتا (جیسا کہ آج کل لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے) اگر نبی دنیا میں اس طرح کے اختیارات سے بہرہ ور ہوتے تو یقیناً حضرت لوط علیہ السلام اپنی بے بسی کا اور اس آرزو کا اظہار نہ کرتے جو انھوں نے مذکورہ الفاظ میں کی۔

② جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی اور ان کی قوم کی سرکشی کا مشاہدہ کر لیا تو بولے: اے لوط! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تک تو کیا، اب یہ تجھ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اب رات کے ایک حصے میں، سوائے بیوی کے، اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکل جا! صبح ہوتے ہی اس بستی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔

بِبَعِيْدٍ ﴿83﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿84﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿85﴾

تھے ﴿83﴾ [1] اور ہم نے مدین والوں [2] کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں بھی کمی نہ کرو، [3] میں تو تمھیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں [4] اور مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب کا خوف (بھی) ہے ﴿84﴾ [5] اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو [6] اور زمین میں فساد اور خرابی نہ مچاؤ ﴿85﴾ [7]

---

[1] اس آیت میں ﴿ هِيَ ﴾ کا مرجع بعض مفسرین کے نزدیک وہ نشان زدہ کنکر یلے پتھر ہیں اور ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ سے مراد قومِ لوط ہے کہ یہ نشان زدہ پتھر ان ظالموں سے دور نہیں۔ یا ﴿ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ سے مراد اس امت کے ظالم ہیں، یعنی پتھروں کا عذاب ان ظالموں سے بھی دور نہیں یا ﴿ هِيَ ﴾ ضمیر کا مرجع قومِ لوط کی بستی ہے جو ہلاک کی اور وہ ان کفار سے دور نہیں بلکہ وہ شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔ مقصد ان کو ڈرانا ہے کہ تمھارا حشر بھی ویسا ہو سکتا ہے جس سے گزشتہ قومیں دوچار ہوئیں۔

[2] مدین کی تحقیق کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف، آیت: 85 کا حاشیہ۔

[3] توحید کی دعوت دینے کے بعد، اس قوم میں جو نمایاں اخلاقی خرابی (ناپ تول میں کمی کی) تھی، اس سے انھیں منع فرمایا۔ ان کا معمول یہ بن چکا تھا کہ جب ان کے پاس فروخت کنندہ (بائع) اپنی چیز لے کر آتا تو اس سے ناپ اور تول میں زیادہ لیتے اور جب خریدار (مشتری) کو کوئی چیز فروخت کرتے تو ناپ میں کمی کر کے دیتے اور تول میں بھی ڈنڈی مار لیتے۔

[4] یہ اس منع کرنے کی علت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل کر رہا ہے اور اس نے تمھیں آسودگی اور مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر تم یہ قبیح حرکت کیوں کرتے ہو؟

[5] یہ دوسری علت ہے کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اندیشہ ہے کہ قیامت والے دن کے عذاب سے تم نہ بچ سکو۔ گھیرنے والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے کہ اس دن کوئی گناہ گار مؤاخذۂ الٰہی سے بچ سکے گا نہ بھاگ کر کہیں چھپ سکے گا۔

[6] انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد توحید، یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے، پھر اس کے بعد قوم کے اندر جو بھی خرابی ہوتی ہے اس کی نشاندہی فرماتے ہیں جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے اولاً دعوتِ توحید پیش کی اس کے بعد اس اخلاقی خرابی سے منع کیا جو ان کے اندر تھی اور وہ حقوق العباد سے متعلق تھی۔ اول الذکر کی طرف لفظ ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ اور آخر الذکر کے لیے ﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ ﴾ سے اشارہ کیا گیا اور اب تاکید کے طور پر انھیں انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ تول کا حکم دیا جا رہا ہے اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے دینے سے منع کیا جا رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بھی ایک بہت بڑا جرم ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ مطففین میں بھی اس جرم کی شناعت و قباحت اور اس کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے: ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ ﴾ (المطففین 83:1-3) ”ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔“

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿86﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

اللہ کا حلال کیا ہوا جو بچ رہے تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو،[1] میں تم پر کچھ نگہبان (اور داروغہ) نہیں ہوں﴿86﴾[2] انھوں نے جواب دیا کہ اے شعیب! کیا تیری نماز[3] تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں جو کچھ چاہیں اس کا کرنا بھی چھوڑ دیں[4] تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے﴿87﴾[5] شعیب نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے،[6] میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمھاری مخالفت کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمھیں روک رہا ہوں،[7] میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے ہی کا ہے۔[8] میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،[9]

---

⑦ اللہ کی نافرمانی سے، بالخصوص شرک کرکے اور وہ گناہ کرکے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے یہاں ناپ تول کی کمی بیشی میں ہے، زمین میں یقیناً فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے جس سے انھیں منع کیا گیا، اس لیے حقوق العباد کی ادائیگی بھی نہایت ضروری ہے۔

① ﴿بَقِيَّتُ اللّٰهِ﴾ سے مراد وہ نفع ہے جو ناپ تول میں کسی قسم کی کمی کیے بغیر، دیانت داری کے ساتھ سودا دینے کے بعد حاصل ہو۔ یہ چونکہ حلال وطیب ہے اور خیر و برکت بھی اسی میں ہے، اس لیے اللہ کا بقیہ قرار دیا گیا ہے۔

② یعنی میں تمھیں صرف تبلیغ کرسکتا ہوں اور وہ اللہ کے حکم سے کر رہا ہوں۔

③ صَلاۃ سے مراد عبادت، دین یا تلاوت ہے۔

④ اس سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک زکاۃ و صدقات ہیں جس کا حکم ہر آسمانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ اللہ کے حکم سے زکاۃ و صدقات کا اخراج، اللہ کے نافرمانوں پر نہایت شاق گزرتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم اپنی محنت ولیاقت سے مال کماتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے یا نہ کرنے میں ہم پر پابندی کیوں ہو؟ اور اس کا کچھ حصہ ایک مخصوص مد کے لیے نکالنے پر ہمیں مجبور کیوں کیا جائے؟ اسی طریقے سے کمائی اور تجارت میں حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی پابندی بھی ایسے لوگوں پر نہایت گراں گزرتی ہے، ممکن ہے ناپ تول میں کمی سے روکنے کو بھی انھوں نے اپنے مالی تصرفات میں دخل اندازی سمجھا ہو۔ اور ان الفاظ میں اس سے انکار کیا ہو۔ دونوں ہی مفہوم اس کے صحیح ہیں۔

⑤ حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ انھوں نے بطور استہزا کہے۔

⑥ ﴿رِزْقًا حَسَنًا﴾ کا دوسرا مفہوم نبوت بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

⑦ یعنی جس کام سے میں تمھیں روکوں، تمھاری مخالفت کر کے، وہ میں خود کروں ایسا نہیں ہوسکتا۔

⑧ میں تمھیں جس کام کے کرنے یا جس سے رکنے کا حکم دیتا ہوں، اس سے مقصد اپنی مقدور بھر، تمھاری اصلاح ہی ہے۔

⑨ یعنی حق تک پہنچنے کا جو میرا ارادہ ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اس لیے تمام معاملات میں میرا بھروسہ اسی پر ہے اور اسی کی

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿88﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿89﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ

اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہو ﴿88﴾ اور اے میری قوم! میرے خلاف ضد تمھارے لیے اس بات کا باعث نہ ہو جائے کہ تمھیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پیش آ چکا ہے اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں ﴿89﴾ [1] تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توجہ کرو، یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ﴿90﴾ انھوں نے کہا: اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں [2] اور ہم تو تجھے اپنے اندر بہت کمزور پاتے ہیں، [3] اگر تیرے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے، [4] اور ہم پر تمھارا دباؤ تو ہے ہی نہیں ﴿91﴾ [5] انھوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تمھارے نزدیک میرے قبیلے کے لوگ اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہیں کہ تم نے اُسے پس پشت ڈال دیا ہے، [6] یقیناً میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو سب کو گھیرے ہوئے ہے ﴿92﴾ اور اے میری قوم کے لوگو! اب تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،

طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

① یعنی ان کی جگہ تم سے دور نہیں یا اس سبب میں تم سے دور نہیں جو ان کے عذاب کا موجب بنا۔

② یہ بات انھوں نے تحقیر اور استہزا کے طور پر جھوٹ کہتے ہوئے کہی ورنہ شعیب علیہ السلام کی باتیں ان کے لیے نا قابلِ فہم نہیں تھیں یا حقیقتاً ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں کیونکہ وہ آپ کے کلام کی طرف شدت نفرت کی وجہ سے توجہ ہی نہیں دیتے تھے۔ (تفسیر اللباب) اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے ان کے ذہن اس قدر مسخ ہو چکے تھے کہ خطیب الانبیاء شعیب علیہ السلام کی سیدھی اور فصیح باتیں بھی ان کے ذہن میں نہ آتی تھیں، حالانکہ شعیب علیہ السلام نہ کسی غیر زبان میں گفتگو کرتے تھے اور نہ ان کا اندازِ بیان ہی پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا۔

③ اور بعض کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے انھیں کمزور کہا کہ وہ خود تنہا مخالفین سے مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ یہ کمزوری جسمانی لحاظ سے تھی جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بینائی کمزور تھی یا وہ نحیف و لاغر جسم کے تھے لیکن یہ بات درست نہیں۔ (تفسیر اللباب)

④ کہا جاتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا قبیلہ باقی کفار کے مقابلے میں کمزور اور تعداد میں کم تھا لیکن وہ قبیلہ چونکہ کفر و شرک میں اپنی ہی قوم کے ساتھ تھا، اس لیے اپنے ہم مذہب ہونے کی وجہ سے اس قبیلے کا لحاظ، بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے اور انھیں نقصان نے میں مانع تھا۔

⑤ لیکن چونکہ تیرے قبیلے کی حیثیت بہر حال ہمارے دلوں میں موجود ہے، اس لیے ہم درگزر سے کام لے رہے ہیں۔

⑥ کہ تم مجھے تو میرے قبیلے کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچا رہے ہو لیکن جس اللہ نے مجھے منصب نبوت سے نوازا ہے، اس کی کوئی عظمت

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿96﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿98﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کے پاس وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ﴿93﴾ [1] جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا ہم نے شعیب کو اور ان کے ساتھ (تمام) مومنوں کو اپنی خاص رحمت سے نجات بخشی اور ظالموں کو سخت چنگھاڑ نے آ پکڑا [2] جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿94﴾ گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو مدین والوں کے لیے بھی ویسی ہی دوری ہو جیسی دوری ثمود کو ہوئی ﴿95﴾ [3] اور یقیناً ہم نے ہی موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا تھا ﴿96﴾ [4] فرعون اور اس کے سرداروں [5] کی طرف، پھر بھی ان لوگوں نے فرعون کے احکام کی پیروی کی اور فرعون کا کوئی حکم درست تھا ہی نہیں ﴿97﴾ [6] وہ تو قیامت کے دن اپنی قوم کا پیش رو ہو کر ان سب کو دوزخ میں جا کھڑا کرے گا، [7] وہ بہت ہی برا گھاٹ [8] ہے جس پر لا کھڑے کیے جائیں گے ﴿98﴾ ان پر تو اس دنیا

اور اس منصب کا کوئی احترام تمھارے دلوں میں نہیں ہے اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنِّي (مجھ سے زیادہ ذی عزت) کی بجائے ﴿اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (اللہ سے زیادہ ذی عزت) کہا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی کی توہین، دراصل اللہ کی توہین ہے۔ ﴿وَاتَّخَذْتُمُوْهُ﴾ میں ''ہ'' ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی کی پروا نہ کر کے اور ان کی باتوں پر عمل نہ کر کے تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی تم نے کوئی پروا نہیں کی۔

① جب انھوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنے کفر و شرک پر مصر ہے اور وعظ و نصیحت کا بھی کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا تو کہا: اچھا تم اپنی ڈگر پر چلتے رہو، عنقریب تمھیں جھوٹے سچے کا اور اس بات کا کہ رسوا کن عذاب کا مستحق کون ہے؟ علم ہو جائے گا۔

② اس چیخ سے ان کے دل پارہ پارہ ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور اس کے مابعد ہی بھونچال بھی آیا جیسا کہ سورۂ اعراف، آیت:91 اور سورۂ عنکبوت، آیت:37 میں ہے۔

③ یعنی لعنت، پھٹکار، اللہ کی رحمت سے محرومی اور دوری۔

④ آیاتٌ سے تورات اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے وہ عظیم اور کھلے معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیات سے، آیات تسعة (نو نشانیاں) اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے۔ عصا، اگرچہ آیات تسعة میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت ہی عظیم الشان تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

⑤ مَلَأٌ قوم کے اشراف اور ممتاز قسم کے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ (اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے) فرعون کے ساتھ اس کے دربار کے ممتاز لوگوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اشراف قوم ہی ہر معاملے کے ذمے دار ہوتے تھے اور قوم ان ہی کے پیچھے چلتی تھی۔ اگر یہ

هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿100﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾ وَكَذٰلِكَ

میں بھی لعنت چپکا دی گئی اور قیامت کے دن بھی[1] برا انعام ہے جو دیا گیا﴿99﴾ [2] بستیوں کی یہ بعض خبریں جنھیں ہم تیرے سامنے بیان فرمار ہے ہیں، ان میں سے بعض تو موجود ہیں اور بعض (کی فصل) کٹ گئی ہے﴿100﴾ [3] ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا[4] لیکن خود انھوں نے ہی اپنے آپ پر ظلم کیا،[5] اور جب تیرے رب کا حکم آ گیا تو ان کے ان معبودوں نے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے بلکہ ان کے معبودوں نے ان کی تباہی و بربادی میں کچھ اضافہ ہی کیا﴿101﴾ [6] تیرے پروردگار

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یقیناً فرعون کی ساری قوم ایمان لے آتی۔

⑥ ﴿ بِرَشِيْدٍ ﴾ مُرْشِدٌ کے معنی میں ہے، یعنی خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذُو رُشد رشد والا کے معنی میں ہے، یعنی بات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رشد و ہدایت والی تھی لیکن اسے ان لوگوں نے رد کر دیا اور فرعون کی بات جو رشد و ہدایت سے دور تھی، اس کی انھوں نے پیروی کی۔

⑦ یعنی فرعون، جس طرح دنیا میں ان کا رہبر اور پیش رو تھا، قیامت والے دن بھی یہ آگے آگے ہی ہوگا اور اپنی قوم کو اپنی قیادت میں جہنم میں لے کر جائے گا۔

⑧ ﴿ الْوِرْدُ ﴾ پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں، جہاں سے پانی پیا جاتا ہے مراد جہنم ہے۔ ﴿ الْمَوْرُوْدُ ﴾ وہ مقام جس پر پینے کے لیے آیا جاتا ہے، یعنی یہ گھاٹ بری جگہ ہے جس پر ورود ہوتا ہے۔ مراد جہنم ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا.

① لعنت سے مراد پھٹکار اور رحمت الٰہی سے دوری و محرومی ہے، گویا دنیا میں بھی وہ رحمت الٰہیہ سے محروم اور آخرت میں بھی اس سے محروم ہی رہیں گے، اگر ایمان نہ لائے۔

② ﴿ الرِّفْدُ ﴾ انعام اور عطیے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں لعنت کو رفد کہا گیا ہے۔ اسی لیے اسے برا انعام قرار دیا گیا۔ ﴿ الْمَرْفُوْدُ ﴾ سے مراد وہ انعام جو کسی کو دیا جائے۔ یہ الرفد کی تاکید ہے۔

③ ﴿ قَآئِمٌ ﴾ سے مراد وہ بستیاں جو اپنی چھتوں پر قائم ہیں اور ﴿ حَصِيْدٌ ﴾ بمعنی محصود سے مراد وہ بستیاں جو کٹی ہوئی کھیتیوں کی طرح نابود ہو گئیں، یعنی جن گزشتہ بستیوں کے واقعات ہم بیان کر رہے ہیں، ان میں سے بعض تو اب بھی موجود ہیں جن کے آثار و کھنڈرات نشان عبرت ہیں اور بعض بالکل ہی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئیں اور ان کا وجود صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا ہے۔

④ ان کو عذاب اور ہلاکت سے دوچار کر کے۔

⑤ کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے۔

⑥ جبکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ انھیں نقصان سے بچائیں گے اور فائدہ پہنچائیں گے لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو واضح ہو گیا کہ ان کا یہ عقیدہ فاسد تھا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ

کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے، بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت [1] سخت ہے ﴿۱۰۲﴾ یقیناً اس میں [2] ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہے جو قیامت کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے ﴿۱۰۳﴾ [3] اسے ہم جو ملتوی کرتے ہیں تو وہ صرف ایک مدت معین تک ہے ﴿۱۰۴﴾ [4] جس دن وہ آجائے گی مجال نہ ہوگی کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی کر [5] لے، سو ان میں کوئی بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ﴿۱۰۵﴾ لیکن جو بدبخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے، وہاں چیخیں گے چلائیں گے ﴿۱۰۶﴾ وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان وزمین برقرار رہیں۔ [6] سوائے اس وقت کے جو تمھارا

---

(1) یعنی جس طرح گزشتہ بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کیا، آئندہ بھی وہ ظالموں کی اسی طرح گرفت کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» ''اللہ تعالیٰ یقیناً ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔'' پھر نبی ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4686، وصحيح مسلم، حديث:(2583))

(2) یعنی مؤاخذۂ الٰہی میں یا ان واقعات میں جو عبرت وموعظت کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

(3) یعنی حساب اور بدلے کے لیے۔ اور اول سے آخر تک، تمام لوگ جمع ہوں گے، کوئی باقی نہیں رہے گا، جیسے فرمایا: ﴿وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ (الكهف 47:18) ''ہم ان کو اکٹھا کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔'' فرشتے بھی، انبیاء ورسل بھی اور مخلوقاتِ عالم بھی، جیسے انسان، جن، چرند و پرند اور دیگر حیوانات اور پھر ان کے درمیان اللہ تعالیٰ عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔

(4) یعنی قیامت کے دن میں تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت معین کیا ہوا ہے۔ جب وہ وقت مقرر آجائے گا تو ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہوگی۔

(5) گفتگو نہ کرنے سے مراد، کسی کو اللہ تعالیٰ سے بحث وتکرار کی یا شفاعت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔ طویل حدیث شفاعت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ» (صحيح البخاري، حديث: 806، وصحيح مسلم، حديث:299-(182)) ''اس دن انبیاء کے علاوہ کسی کو گفتگو کی ہمت نہ ہوگی اور انبیاء کی زبان پر بھی اس دن صرف یہی ہوگا کہ یااللہ! ہمیں بچالے، ہمیں بچالے۔''

(6) ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب دائمی نہیں ہے بلکہ مؤقت ہے، یعنی اس وقت تک

رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿107﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿109﴾ ع 14

رب چاہے۔① یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے ﴿107﴾ لیکن جو نیک بخت کیے گئے، وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہے مگر جو تیرا پروردگار چاہے،② یہ کبھی ختم نہ ہونے والی بخشش ہے ﴿108﴾③ اس لیے آپ ان چیزوں سے شک شبہ میں نہ رہیں جنھیں وہ لوگ پوج رہے ہیں، ان کی پوجا تو اس طرح ہے جس طرح ان کے باپ دادوں کی اس سے پہلے تھی۔ ہم ان سب کو ان کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہی ہیں ﴿109﴾④

رہے گا، جب تک آسمان وزمین رہیں گے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہاں ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کے الفاظ اہل عرب کے روزمرہ اور محاورے کے مطابق کہے گئے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ هٰذَا دَائِمٌ دَوَامَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ''یہ چیز اسی طرح ہمیشہ رہے گی جس طرح آسمان وزمین کا دوام ہے۔'' اسی محاورے کو قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کفر وشرک جہنم میں ہمیشہ رہیں گے جس کو قرآن نے متعدد جگہ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آسمان وزمین سے مراد، جنس ہے، یعنی دنیا کے آسمان وزمین اور ہیں جو فنا ہو جائیں گے لیکن آخرت کے آسمان وزمین ان کے علاوہ اور ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراهيم 14:48) ''اس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے)۔'' اور آخرت کے یہ آسمان وزمین، جنت اور دوزخ کی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں یہی آسمان وزمین مراد ہے نہ کہ دنیا کے آسمان وزمین جو فنا ہو جائیں گے۔ (ابن كثير) ان دونوں مفہوموں میں سے کوئی بھی مفہوم مراد لے لیا جائے، آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور وہ اشکال پیدا نہیں ہوتا جو مذکور ہوا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس کے اور بھی کئی مفہوم بیان کیے ہیں جنھیں اہل علم ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ (فتح القدير)

① اس استثنا کے بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح مفہوم یہی ہے کہ یہ استثنا ان گناہ گاروں کے لیے ہے جو اہل توحید واہل ایمان ہوں گے۔ اس اعتبار سے اس سے ماقبل آیت میں ﴿شَقِيٌّ﴾ کا لفظ عام، یعنی کافر اور عاصی دونوں کو شامل ہو گا اور ﴿اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ سے عاصی مومنوں کا استثنا ہو جائے گا۔ اور مَاشَآءَ میں مَا، مَنْ کے معنی میں ہے۔

② یہ استثنا بھی عُصَاةِ اہل ایمان کے لیے ہے، یعنی دیگر جنتیوں کی طرح یہ نافرمان مومن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے بلکہ ابتدا میں ان کا کچھ عرصہ جہنم میں گزرے گا اور پھر انبیاء اور اہل ایمان کی سفارش سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

③ ﴿غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴾ کے معنی ہیں: غَيْرَ مَقْطُوعٍ، یعنی نہ ختم ہونے والی عطا۔ اس جملے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن گناہ گاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا، یہ دخول عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہو گا اور تمام جنتی ہمیشہ اللہ کی عطا اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اس میں کبھی انقطاع نہیں ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿110﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿111﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿112﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا[1] اگر پہلے ہی آپ کے رب کی بات صادر نہ ہوگئی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ کر دیا جاتا،[2] انھیں تو اس میں سخت شبہ ہے ﴿110﴾ یقیناً ان میں سے ہر ایک کو آپ کا رب اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ بے شک وہ جو کچھ کر رہے ہیں ان اعمال سے وہ باخبر ہے ﴿111﴾ پس آپ جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار تم حد سے نہ بڑھنا،[3] اللہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے ﴿112﴾ دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمھیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی[4] اور اللہ کے سوا تمھارا اور کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تم مدد کیے جاؤ گے ﴿113﴾ دن کے دونوں سروں (صبح اور شام کے اوقات) میں نماز قائم کیجیے اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی،[5] یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور

④ اس سے مراد وہ عذاب ہے جس کے وہ مستحق ہوں گے، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

① یعنی کسی نے اس کتاب کو مانا اور کسی نے نہیں مانا۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ پچھلے انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا آیا ہے، کچھ لوگ ان پر ایمان لانے والے ہوتے اور دوسرے تکذیب کرنے والے، اس لیے آپ اپنی تکذیب سے نہ گھبرائیں۔

② اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کیا ہوا نہ ہوتا تو وہ انھیں فوراً ہلاک کر ڈالتا۔

③ اس آیت میں نبیٔ کریم ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جارہی ہے جو دشمن کے مقابلے کے لیے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔ ''استقامت'' نہایت جامع لفظ ہے جو شریعت کے پورے نظام کی پابندی سے عبارت ہے اور یہ پابندی نہایت کٹھن ہے، اسی صعوبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: «شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا» ''سورۂ ہود اور اس کے نظائر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔'' دوسرے طُغْيَان، یعنی بغي (حد سے بڑھ جانے) سے روکا گیا ہے، یعنی شریعت نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کی پابندی کرو اور ان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرو، یہ اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعتِ کردار کے لیے بہت ضروری ہے حتیٰ کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں ہے۔

④ اس کا مطلب ہے کہ ظالموں کے ساتھ نرمی اور مداہنت کرتے ہوئے ان سے مدد حاصل مت کرو۔ اس سے ان کو یہ تأثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو۔ اس طرح یہ تمھارا ایک بڑا جرم بن جائے گا جو تمھیں بھی ان کے ساتھ نارِ جہنم کا مستحق بنا سکتا ہے۔ اس سے ظالم حکمرانوں کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی ممانعت نکلتی ہے۔ اِلَّا یہ کہ مصلحت عامہ یا دینی منافع متقاضی ہوں۔ ایسی صورت میں دل سے نفرت رکھتے ہوئے ان سے ربط و تعلق کی اجازت ہوگی جیسا کہ بعض احادیث سے واضح ہے۔

⑤ ''دونوں سروں'' سے بعض نے صبح اور مغرب، بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت مراد لیا ہے۔ امام

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿114﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿115﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿117﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿118﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

کر دیتی ہیں۔ [1] یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے، آپ صبر کرتے رہیے، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا﴿115﴾ پس کیوں نہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان چند کے جنھیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی، [2] ظالم لوگ تو اس چیز کے پیچھے پڑ گئے، جس میں انھیں آسودگی دی گئی تھی اور وہ گناہ گار تھے﴿116﴾ [3] آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کردے جب کہ وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں﴿117﴾ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنائے رکھتا، وہ تو برابر اختلاف کرتے ہی رہیں گے﴿118﴾ مگر جن پر آپ کا رب رحم فرمائے، اسی لیے تو اس نے انھیں پیدا کیا ہے، [4] اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ آیت معراج سے قبل نازل ہوئی ہو جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں، ایک طلوع شمس سے قبل اور ایک غروب سے قبل اور رات کے پچھلے پہر میں نماز تہجد، پھر نماز تہجد امت سے معاف کر دی گئی اور بعض کے مطابق اس کا وجوب آپ ﷺ سے بھی ساقط کر دیا گیا۔ (ابن کثیر) واللہ أعلم.

[1] جس طرح کہ احادیث میں بھی اسے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: پانچ نمازیں، جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 16-(233)) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر تمھارے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو، وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح پانچ نمازیں ہیں، ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 528، وصحیح مسلم، حدیث: 283-(667))

[2] یعنی گزشتہ امتوں میں سے ایسے نیک لوگ کیوں نہ ہوئے جو اہل شر اور اہل منکر کو شر، مُنْکَرَات اور فساد سے روکتے؟ پھر فرمایا: ایسے لوگ ہوتے تو تھے لیکن بہت تھوڑے۔ جنھیں ہم نے اس وقت نجات دے دی، جب دوسروں کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

[3] یعنی یہ ظالم اپنے ظلم پر قائم اور اپنی مدہوشیوں میں مست رہے حتیٰ کہ عذاب نے انھیں آلیا۔

[4] ''اسی لیے'' کا مطلب بعض نے اختلاف اور بعض نے رحمت لیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے انسانوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو دین حق سے اختلاف کا راستہ اختیار کرے گا، وہ آزمائش میں ناکام اور جو اسے اپنا لے گا، وہ کامیاب اور رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا۔

اَجْمَعِيْنَ ﴿119﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿120﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿121﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿122﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿123﴾ ع

10 ع 14 10

اٰيَاتُهَا 111 (12) سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ (53) رُكُوْعَاتُهَا 12	سورۂ یوسف مکی ہے،اس میں 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿1﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿2﴾ نَحْنُ نَقُصُّ

دوں گا ﴿119﴾[1] رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرمارہے ہیں۔ آپ کے پاس اس سورت میں بھی حق پہنچ چکا جو نصیحت و وعظ ہے مومنوں کے لیے ﴿120﴾ ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے طور پر عمل کیے جاؤ ہم بھی عمل میں مشغول ہیں ﴿121﴾ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ﴿122﴾[2] آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ ہی کو ہے، تمام کاموں کا رجوع بھی اسی کی جانب ہے، لہٰذا اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور تم جو کچھ کررہے ہو اس سے تمھارا رب غافل نہیں ہے ﴿123﴾

الٓرٰ، یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ﴿1﴾ یقیناً ہم نے اس (کتاب) کو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایا ہے تا کہ تم سمجھ سکو ﴿2﴾[3] ہم آپ کے

① یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا میں یہ بات ثبت ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور جنت و جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑیں، جنت نے کہا: کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرے کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا: میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کا مظہر ہے، تیرے ذریعے سے میں جس پر چاہوں اپنا رحم کروں۔ اور جہنم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو میرے عذاب کا مظہر ہے تیرے ذریعے سے میں جس کو چاہوں سزا دوں۔ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ دونوں کو بھر دے گا۔ جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے میں رہے گی۔ اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ (قٓ 30:50) کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم پکار اٹھے گی: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ ''بس، بس، تیری عزت کی قسم!'' (صحيح البخاري، حديث: 4850، وصحيح مسلم، حديث: (2846) و 37-(2848))

② یعنی عنقریب تمھیں پتہ چل جائے گا کہ حسن انجام کس کے حصے میں آتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوں گے، چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیر نگین آ گیا۔

③ آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کی ہدایت و رہنمائی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب وہ کتاب اسی زبان میں نازل ہو جس کو وہ سمجھ سکیں۔ قرآن کریم کے مخاطب اول چونکہ عرب تھے، اس لیے قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا۔ علاوہ ازیں

عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ④ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ

سامنے بہترین بیان[1] پیش کرتے ہیں اس قرآن سے جو ہم نے آپ کی جانب وحی کے ذریعے نازل کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے③[2] جب یوسف[3] نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ اباجی میں نے گیارہ ستاروں اور سورج چاند کو[4] (خواب میں) دیکھا ہے کہ وہ سب مجھے سجدہ کررہے ہیں④ یعقوب نے کہا: پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں،[5] شیطان تو انسان کا

عربی زبان اپنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز اور ادائے معانی کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بہتر زبان ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف الکتب (قرآن مجید) کو اشرف اللغات (عربی) میں اشرف الرسل (حضرت محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ (جبرائیل) کے ذریعے سے نازل فرمایا اور مکہ، جہاں اس کا آغاز ہوا، دنیا کا اشرف ترین مقام ہے اور جس مہینے میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی وہ بھی اشرف ترین مہینہ رمضان ہے۔ اور اس پر ایمان لانے والی امت کو بھی خیر امت قرار دیا گیا ہے۔

① ﴿الْقَصَصِ﴾ یہ مصدر ہے، معنی ہیں: کسی چیز کے پیچھے لگنا، مطلب بہترین واقعہ ہے۔ یہ اخبار ماضیہ کا واقعی اور حقیقی بیان ہے اور اس واقعے میں حسد کا انجام، صبر کا بہترین نتیجہ، تائید الٰہی کی کرشمہ سازیاں، نفس امارہ کی شورشیں اور سرکشیوں کا نتیجہ اور دیگر انسانی عوارض و حوادث کا نہایت دلچسپ بیان اور بڑے عبرت انگیز پہلو ہیں، اس لیے اسے قرآن نے احسن القصص ''بہترین بیان'' سے تعبیر کیا ہے۔

② قرآن کریم کے ان الفاظ سے بھی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے خبر قرار نہ دیتا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں کیونکہ آپ پر وحی کے ذریعے سے ہی یہ سچا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نہ کسی کے شاگرد تھے کہ کسی استاذ سے سیکھ کر بیان فرمادیتے، نہ کسی اور سے ہی ایسا تعلق تھا کہ جس سے سن کر تاریخ کا یہ واقعہ اپنی اہم جزئیات کے ساتھ آپ نشر کردیتے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے سے آپ پر نازل فرمایا ہے جیسا کہ اس مقام پر صراحت کی گئی ہے۔

③ یعنی اے محمد! اپنی قوم کے سامنے یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرو، جب اس نے اپنے باپ کو کہا۔ باپ یعقوب علیہ السلام تھے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے اور حدیث میں بھی یہ نسب بیان کیا گیا ہے: «اَلْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ» (مسند أحمد: 96/2)

④ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں جو گیارہ ہی تھے اور چاند سورج سے مراد ماں اور باپ ہیں اور خواب کی تعبیر چالیس یا اسی سال کے بعد اس وقت سامنے آئی جب یہ سارے بھائی اپنے والدین سمیت مصر گئے اور وہاں یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے جیسا کہ یہ تفصیل سورت کے آخر میں آئے گی۔

⑤ یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگالیا کہ ان کا یہ بیٹا عظمت شان کا حامل ہوگا، اس لیے انھیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کرکے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں، بنابریں انھوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرمادیا۔

مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

کھلا دشمن ہے ⑤ اور اسی طرح تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا اور یعقوب کے گھر والوں کو بھی، جیسے کہ اس نے اس سے پہلے تیرے دادا اور پردادا یعنی ابراہیم و اسحاق کو بھی اپنی بھرپور نعمت دی، یقیناً تیرا رب بہت بڑے علم والا اور زبردست حکمت والا ہے ⑥ یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں دریافت کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں ⑦ جب کہ انھوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی بہ نسبت ہمارے، باپ کو بہت زیادہ پیارا ہے، حالانکہ ہم (طاقتور) جماعت ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں ⑧ یوسف کو تو مار ہی ڈالو یا اسے کسی (نامعلوم) جگہ پھینک دو کہ تمھارے والد کا رخ صرف تمھاری طرف ہی ہو جائے۔ اس کے بعد تم نیک ہو جانا ⑨ ان میں سے ایک نے کہا: یوسف کو قتل تو نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنویں (کی تہ) میں

① یہ بھائیوں کے مکر و فریب کی وجہ بیان فرما دی کہ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے، اس لیے وہ انسانوں کو بہکانے، گمراہ کرنے اور انھیں حسد و بغض میں مبتلا کرنے میں ہر وقت کوشاں اور تاک میں رہتا ہے، چنانچہ یہ شیطان کے لیے بڑا اچھا موقع ہو گا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کے دلوں میں حسد و بغض کی آگ بھڑکا دے جیسا کہ فی الواقع بعد میں اس نے ایسا ہی کیا اور یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

② یعنی جس طرح تجھے تیرے رب نے نہایت عظمت والا خواب دکھانے کے لیے چن لیا، اسی طرح تیرا رب تجھے برگزیدگی بھی عطا کرے گا اور خوابوں کی تعبیر سکھائے گا۔ ﴿ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ کے اصل معنی باتوں کی تہ تک پہنچنا ہے۔ یہاں خواب کی تعبیر مراد ہے۔

③ اس سے مراد نبوت ہے جو یوسف علیہ السلام کو عطا کی گئی۔ یا وہ انعامات ہیں جن سے مصر میں یوسف علیہ السلام نوازے گئے۔

④ اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی، ان کی اولاد وغیرہم ہیں، جو بعد میں انعامات الٰہی کے مستحق بنے۔

⑤ یعنی اس قصے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی بڑی نشانیاں ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ان بھائیوں کے نام اور ان کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔

⑥ ''اس کا بھائی'' سے مراد بنیامین ہے اور یہ ان کے سگے بھائی تھے۔

⑦ یعنی ہم دس بھائی طاقتور جماعت اور اکثریت میں ہیں جبکہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین صرف دو ہیں، اس کے باوجود باپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

⑧ یہاں ﴿ ضَلٰلٍ ﴾ سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا

ڈال آؤ کہ [1] اسے کوئی (آتا جاتا) قافلہ اٹھالے جائے اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یوں کرو⑩ [2] انھوں نے کہا: ابا! آخر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے، ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں⑪ [3] کل آپ اسے ضرور ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب کھائے پیے اور کھیلے، [4] اس کی حفاظت کے ہم ذمے دار ہیں⑫ (یعقوب نے) کہا: اسے تمھارا لے جانا مجھے تو سخت صدمہ دے گا اور مجھے یہ بھی کھٹکا لگا رہے گا کہ تمھاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے⑬ انھوں نے جواب دیا کہ ہم جیسی (زورآور) جماعت کی موجودگی میں بھی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو ہم بالکل نکمے [5] ہی ہوئے⑭ پھر جب اسے لے چلے اور سب نے مل کر ٹھان لیا کہ اسے غیر آباد گہرے کنویں کی تہ میں پھینک دیں، ہم نے اس (یوسف) کی طرف وحی کی کہ یقیناً (وقت آرہا ہے کہ) تو انھیں اس ماجرے کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں⑮ [6] اور عشاء کے وقت (وہ سب) اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے پہنچے⑯ اور کہنے لگے کہ ابا جی! ہم تو آپس میں دوڑ میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے

میں صادر ہوئی۔

⑨ اس سے مراد تائب ہو جانا ہے، یعنی کنویں میں ڈال کر یا قتل کر کے اللہ سے اس گناہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔

[1] ﴿ الْجُبِّ ﴾ کنویں کو اور ﴿ غَيٰبَتِ ﴾ سے یہاں مراد اس کی تہ اور گہرائی ہے۔ کنواں ویسے بھی گہرا ہی ہوتا ہے اور اس میں گری ہوئی چیز کسی کو نظر نہیں آتی۔ جب اس کے ساتھ کنویں کی گہرائی کا بھی ذکر کیا تو گویا مبالغے کا اظہار کیا۔

[2] یعنی آنے جانے والے نووارد مسافر، جب پانی کی تلاش میں کنویں پر آئیں گے تو ممکن ہے کسی کے علم میں آجائے کہ کنویں میں کوئی انسان گرا ہوا ہے اور وہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ تجویز ایک بھائی نے ازراہ شفقت پیش کی۔ قتل کے مقابلے میں یہ تجویز واقعتاً ہمدردی کے جذبات ہی کی حامل ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہوگی اور باپ نے انکار کر دیا ہوگا۔

[4] کھیل اور تفریح کا رجحان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی دور میں بھی پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی ان کی اجازت ہے لیکن مشروط، یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی قباحت ہو نہ وہ محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ بنیں، چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا، البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو اور اسے بھیڑیا کھا جائے کیونکہ وہاں کے کھلے میدانوں اور صحراؤں میں بھیڑیے عام تھے۔

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ

اسباب کے پاس چھوڑا، پس اسے بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات نہیں مانیں گے، گو ہم بالکل سچے ہی ہوں ﴿17﴾[1] اور یوسف کے کُرتے کو جھوٹ موٹ کے خون سے خون آلود بھی کر لائے تھے، باپ نے کہا: یوں نہیں بلکہ تم نے اپنے دل ہی سے ایک بات بنالی ہے، پس صبر ہی بہتر ہے[2] اور تمھاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی سے مدد کی طلب ہے ﴿18﴾[3] اور ایک قافلہ آیا اور انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا، اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا اور کہنے لگا: واہ واہ! خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے،[4] انھوں نے اسے

---

⑤ یہ باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف کو کھا جائے۔

⑥ قرآن کریم نہایت اختصار کے ساتھ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انھوں نے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ ایسے بلند مقام پر تجھے فائز کریں گے کہ یہ بھائی اپنی حاجت لے کر تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور پھر تو انھیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا جسے سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے لیکن، جو بچے، نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن میں بھی وحی آ جاتی ہے، جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام وغیرہما پر آئی۔

① یعنی اگر ہم ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کر لیں گے؟

② کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف کی قمیص خون میں لت پت کر لی اور یہ بھول گئے کہ بھیڑیا اگر یوسف کو کھاتا تو قمیص کو بھی تو پھٹنا تھا، قمیص ثابت کی ثابت ہی تھی جس کو دیکھ کر، علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام کے خواب اور فراست نبوت سے اندازہ لگا کر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا ہے جو تم بیان کر رہے ہو بلکہ تم نے اپنے دلوں سے ہی یہ بات بنالی ہے، تاہم چونکہ جو ہونا تھا، ہو چکا تھا، یعقوب علیہ السلام اس کی تفصیل سے بے خبر تھے، اس لیے سوائے صبر کے کوئی چارہ اور اللہ کی مدد کے علاوہ کوئی سہارا نہ تھا۔

③ منافقین نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو انھوں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افہام و ارشاد کے جواب میں فرمایا تھا: «وَاللّٰهِ! لَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ إِذْ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾» (صحیح البخاري، حدیث: 2661) ''اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے وہی مثال پاتی ہوں جس سے یوسف علیہ السلام کے باپ یعقوب علیہ السلام کو سابقہ پیش آیا تھا اور انھوں نے فَصَبْرٌ جَمِيلٌ کہہ کر صبر کا راستہ اختیار کیا تھا۔'' یعنی میرے لیے بھی سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

④ ﴿وَارِدَ﴾ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرتا ہے۔ یہ وارد (قافلے کے لیے پانی لانے والا) جب کنویں پر آیا اور اپنا ڈول نیچے لٹکایا تو یوسف علیہ السلام نے اس کی رسی پکڑ لی، وارِد نے ایک خوش شکل بچہ دیکھا تو اسے اوپر کھینچ لیا اور بڑا خوش ہوا۔

بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ⑳ۧ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ

ع 2/14 12

مالِ تجارت قرار دے کر چھپا[1] دیا اور اللہ اس سے باخبر تھا جو وہ کر رہے تھے⑲[2] اور انھوں[3] نے اسے بہت ہی ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہموں پر ہی بیچ ڈالا، وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے⑳[4] مصر والوں میں سے جس نے اسے خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی[5] سے کہا کہ اسے بہت عزت و احترام کے ساتھ رکھو، بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنا لیں، یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم[6] جما دیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھا دیں، اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن

---

① ﴿بِضَاعَةً﴾ سامان تجارت کو کہتے ہیں ﴿اَسَرُّوْهُ﴾ کا فاعل کون ہے؟ یعنی یوسف کو سامان تجارت سمجھ کر چھپانے والا کون ہے؟ بعض نے برادران یوسف کو فاعل قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ڈول کے ساتھ یوسف بھی کنویں سے باہر نکل آئے تو وہاں یہ بھائی بھی موجود تھے، تاہم انھوں نے اصل حقیقت کو چھپائے رکھا، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا بھائی ہے اور یوسف علیہ السلام نے بھی قتل کے اندیشے سے اپنا بھائی ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ بھائیوں نے انھیں فروختنی قرار دیا تو خاموش رہے اور اپنا فروخت ہونا پسند کر لیا، چنانچہ اس وارد نے اہل قافلہ کو خوش خبری سنائی کہ ایک بچہ فروخت ہو رہا ہے۔ مگر یہ بات سیاق سے میل کھاتی نظر نہیں آتی۔ اور بعض نے ﴿اَسَرُّوْهُ﴾ کا فاعل وارد اور اس کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے کہ انھوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ بچہ کنویں سے نکلا ہے کیونکہ اس طرح تمام اہل قافلہ اس ''سامان تجارت'' میں شریک ہو جاتے بلکہ اہل قافلہ کو انھوں نے جا کر یہ بتلایا کہ کنویں کے مالکوں نے یہ بچہ ان کے سپرد کیا ہے تاکہ اسے وہ مصر جا کر بیچ دیں۔ مگر اقرب ترین بات یہ ہے کہ اہل قافلہ نے بچے کو سامان تجارت قرار دے کر چھپا لیا کہ کہیں اس کے عزیز و اقارب اس کی تلاش میں نہ آ پہنچیں۔ اور یوں لینے کے دینے پڑ جائیں کیونکہ بچہ ہونا اور کنویں میں پایا جانا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ کہیں قریب ہی کا رہنے والا ہے اور کھیلتے کودتے آ گرا ہے۔

② یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا، اللہ کو اس کا علم تھا لیکن اللہ نے یہ سب کچھ اس لیے ہونے دیا کہ تقدیر الٰہی بروئے کار آئے۔ علاوہ ازیں اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بتلا رہا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ یقیناً ایذا پہنچا رہے ہیں اور میں انھیں اس سے روکنے پر قادر بھی ہوں لیکن میں اسی طرح انھیں مہلت دے رہا ہوں جس طرح برادران یوسف کو مہلت دی تھی۔ اور پھر بالآخر میں نے یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت پر جا بٹھایا اور اس کے بھائیوں کو عاجز و لاچار کر کے اس کے دربار میں کھڑا کر دیا۔ اے پیغمبر! ایک وقت آئے گا کہ آپ بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے اور یہ سرداران قریش آپ کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب کے منتظر ہوں گے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وقت جلد ہی آ پہنچا۔

③ بھائیوں نے یا دوسری تفسیر کی رو سے اہل قافلہ نے بیچا۔

④ کیونکہ گری پڑی چیز انسان کو یوں ہی بغیر کسی محنت کے مل جاتی ہے، اس لیے چاہے وہ کتنی بھی قیمتی ہو، اس کی صحیح قدر و قیمت انسان پر واضح نہیں ہوتی۔

⑤ کہا جاتا ہے کہ مصر پر اس وقت ریان بن ولید حکمران تھا اور یہ عزیز مصر جس نے یوسف کو خریدا، اس کا وزیر خزانہ تھا۔ واللہ أعلم.

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿21﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿22﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ

اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں ﴿21﴾ اور جب (یوسف) پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو ہم نے اسے قوتِ فیصلہ اور علم دیا، [1] اور ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿22﴾ اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھے، یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے اور دروازے بند کر کے کہنے لگی: لو آ جاؤ۔ یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! وہ میرا رب ہے، مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا ﴿23﴾ [2] اس عورت نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف اس کا [3] قصد کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھتے، [4] یوں ہی ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ [5] بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا ﴿24﴾ اور دونوں

---

⑥ یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو کنویں سے ظالم بھائیوں سے نجات دی، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر میں ایک معقول اچھا ٹھکانہ عطا کیا۔

① یعنی نبوت یا نبوت سے قبل کی دانائی اور قوت فیصلہ۔

② یہاں سے یوسف علیہ السلام کا ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی جس کو اس کے خاوند نے تاکید کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو اکرام و احترام کے ساتھ رکھے، وہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگئی اور انھیں دعوت گناہ دینے لگی جسے یوسف علیہ السلام نے ٹھکرا دیا۔

③ یہ ترجمہ ان مفسرین کی تفسیر کے مطابق ہے۔ جنھوں نے اسے لَوْلَا کے ساتھ جوڑ کر یہ معنی بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے قصد ہی نہیں کیا جبکہ بعض دیگر مفسرین نے اسے عربی اسلوب کے خلاف قرار دیا ہے۔ اور یہ معنی بیان کیے ہیں کہ قصد تو یوسف علیہ السلام نے بھی کر لیا تھا لیکن ایک تو یہ اختیاری نہیں تھا۔ دوسرے، یہ کہ گناہ کا قصد کر لینا عصمت کے خلاف نہیں ہے، اس پر عمل کرنا عصمت کے خلاف ہے (فتح القدیر، ابن کثیر) مگر پہلا معنی ہی راجح ہے کہ یوسف علیہ السلام بھی اس کا قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھے ہوتے، یعنی انھوں نے اپنے رب کی برہان دیکھ رکھی تھی، اس لیے عزیز مصر کی بیوی کا قصد ہی نہیں کیا بلکہ دعوت گناہ ملتے ہی پکار اٹھے: معاذ اللہ......الخ، یوں کمال صبر و ضبط کا بے مثال نمونہ پیش فرمایا۔

④ یہاں بعض کی تفسیر کی بنا پر لَوْلَا کا جواب محذوف ہے، [لَفَعَلَ مَاهَمَّ بِهٖ] یعنی اگر یوسف علیہ السلام رب کی برہان نہ دیکھتے تو جو قصد کیا تھا، کر گزرتے۔ یہ برہان کیا تھی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رب کی طرف سے کوئی ایسی چیز آپ کو دکھائی گئی کہ اسے دیکھ کر آپ نفس کے داعیے کے دبانے اور رد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی اسی طرح حفاظت فرماتا ہے۔

⑤ یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو برہان دکھا کر، برائی یا اس کے ارادے سے بچا لیا، اسی طرح ہم نے اسے ہر معاملے میں برائی اور بے حیائی کی باتوں سے دور رکھنے کا اہتمام کیا کیونکہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔

وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿29﴾ ع وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ

دروازے کی طرف دوڑے [1] اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کر دیا جائے یا کوئی دردناک سزا دی جائے ﴿25﴾ [2] یوسف نے کہا: یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی، [3] اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے گواہی دی [4] کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور یوسف جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ﴿26﴾ اور اگر اس کا کرتا پیچھے کی جانب سے پھٹا ہوا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے ﴿27﴾ سو جب خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیٹھ کی جانب سے پھٹا ہوا ہے تو صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم عورتوں کی چال بازی ہے، بے شک تمھاری چال بازی بہت بڑی ہے ﴿28﴾ [5] یوسف اب اس بات کو جانے دو، [6] اور (اے عورت!) تو اپنے گناہ سے توبہ کر، بے شک تو گناہ گاروں میں سے ہے ﴿29﴾ [7] اور شہر کی عورتوں میں (چرچا)

① جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انھیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔

② یعنی خاوند کو دیکھتے ہی خود معصوم بن گئی اور مجرم تمام تر یوسف کو قرار دے کر ان کے لیے سزا بھی تجویز کر دی، حالانکہ صورت حال اس کے برعکس تھی، مجرم خود تھی جبکہ یوسف علیہ السلام بالکل بے گناہ اور اس برائی سے بچنے کے خواہش مند اور اس کے لیے کوشاں تھے۔

③ یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ عورت تمام الزام ان پر دھر رہی ہے تو صورت حال واضح کر دی اور کہا کہ مجھے برائی پر مجبور کرنے والی یہی ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے باہر دروازے کی طرف بھاگتا ہوا آیا ہوں۔

④ یہ انھی کے خاندان کا کوئی سمجھ دار آدمی تھا جس نے یہ فیصلہ کیا۔ فیصلے کو یہاں شہادت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کیونکہ معاملہ ابھی تحقیق طلب تھا۔ بعض نے کہا کہ گواہی دینے والا شیرخوار بچہ تھا لیکن یہ بات مستند روایات سے ثابت نہیں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3436، و صحیح مسلم، حدیث: 8-(2550)) میں تین شیرخوار بچوں کے بات کرنے کی حدیث ہے۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم، حدیث: (3005) میں اصحاب الاخدود میں سے بھی ایک عورت کے بچے کے بولنے کا ذکر ہے۔ ان صحیح احادیث میں شاہد یوسف کے بچے ہونے کی صراحت نہیں ہے، اس لیے جن روایات میں شاہد یوسف کو بھی معجزانہ طور پر گہوارے میں بولنے والے بچوں میں شمار کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ السلسلة الضعیفة للألباني: 273,272/2، حدیث: 880)

⑤ یہ عزیز مصر کا قول ہے جو اس نے اپنی بیوی کی حرکت قبیحہ دیکھ کر عورتوں کی بابت کہا۔ اس سے مراد وہی مخاطب عورت یا عورتیں تھیں، اس لیے اسے ہر عورت پر چسپاں کرنا اور اس بنیاد پر تمام عورتوں کو مکر و فریب کا پتلا باور کرانا درست نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ

امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ

ہونے لگا کہ عزیز کی بیوی اپنے (جوان) غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لیے بہلانے پھسلانے میں لگی رہتی ہے، اس کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے ﴿30﴾ [1] اس نے جب ان (عورتوں) کی پُر فریب مکارانہ باتیں سنیں تو انھیں بلوا بھیجا [2] اور ان کے لیے ایک مجلس مرتب [3] کی اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی۔ اور کہا: اے یوسف! ان کے سامنے چلے آؤ، [4] ان عورتوں نے جب اسے دیکھا تو بہت بڑا جانا اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے، [5] اور کہنے لگیں: حاشاللہ! یہ انسان تو ہرگز نہیں، یہ تو یقیناً کوئی بہت ہی بزرگ فرشتہ ہے ﴿31﴾ [6] اس وقت عزیز مصر کی بیوی نے کہا: یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دے رہی تھیں، [7] میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا

اس جملے سے ہر ہر عورت کے بارے میں یہ تاثر دیتے ہیں۔

⑥ یعنی اس کا چرچا مت کرو۔

⑦ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر پر یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی واضح ہوگئی تھی۔

① گو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو اسے نظرانداز کرنے کی تلقین کی اور یقیناً آپ نے اس کی پاسداری کی، اس کے باوجود کسی نہ کسی طریقے سے زنان مصر میں اس واقعہ کا چرچا عام ہوگیا، عورتیں تعجب کرنے لگیں کہ عشق کرنا ہی تھا تو کسی صاحب حیثیت سے کیا جاتا، یہ کیا اپنے ہی غلام پر یہ عورت فریفتہ ہوگئی، یہ تو اس کی بہت ہی نادانی ہے۔

② زنان مصر کی غائبانہ باتوں اور طعن و ملامت کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ ان عورتوں کو بھی یوسف علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال کی اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ اور وہ اس پیکر حسن کو دیکھنا چاہتی تھیں، چنانچہ وہ اپنے اس مکر (خفیہ تدبیر) میں کامیاب ہوگئیں اور امرأۃ العزیز نے یہ بتلانے کے لیے کہ میں جس پر فریفتہ ہوئی ہوں، محض ایک غلام یا عام آدمی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باطن کے ایسے حسن سے آراستہ ہے کہ اسے دیکھ کر نقد دل و جان ہار جانا کوئی انہونی بات نہیں، ان عورتوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اور انھیں دعوت طعام دی۔

③ یعنی ایسی نشست گاہیں بنائیں جن میں تکیے لگے ہوئے تھے جیسا کہ آج کل عربوں اور افغانیوں میں ایسی فرشی نشست گاہیں عام ہیں حتیٰ کہ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں بھی ان کا اہتمام ہے۔

④ یعنی یوسف علیہ السلام کو پہلے گھر کے اندر رکھا، جب سب عورتوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں تو امرأۃ العزیز (زلیخا) نے یوسف علیہ السلام کو مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

⑤ یعنی حسن یوسف علیہ السلام کی جلوہ آرائی دیکھ کر ایک تو ان کی عظمت و جلالت شان کا اعتراف کیا اور دوسرے، ان پر بے خودی و وارفتگی

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿33﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿35﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ

ع 4 14

اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کر دیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا[1] ﴿32﴾ یوسف نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں، اس سے تو مجھے جیل خانہ بہت پسند ہے، اگر تو نے ان کا مکر و فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں جا ملوں گا[2] ﴿33﴾ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ اس سے پھیر دیے، یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ﴿34﴾ پھر ان تمام نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی انھیں یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ یوسف کو کچھ مدت کے لیے قید خانے میں رکھیں[3] ﴿35﴾ اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے اور دوسرے

کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ چھریاں اپنے ہی ہاتھوں پر چلا لیں، جس سے ان کے ہاتھ زخمی اور خون آلودہ ہو گئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیا گیا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 259-(162))

⑥ فرشتوں کو نورانی چمک دمک پر ہونے کے خیال سے حسن و جمال کی بہتات میں بطور مثال پیش کرنا انسانی طبیعت کا حصہ ہے جیسا کہ بدصورت اور بھیانک شکل کو شیطانی تشبیہ دی جاتی ہے۔ اگرچہ انسان نے فرشتوں کو دیکھا ہے نہ شیطان کو۔ (متولی شعراوی کی قصص الانبیاء) یا وجہ شبہ یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی طرح آمادۂ گناہ نہ ہوئے، جنسی خواہشات سے مبرا ہونا دیے۔

⑦ جب امرأۃ العزیز نے دیکھا کہ اس کی چال کامیاب رہی ہے اور عورتیں یوسف علیہ السلام کے جلوۂ حسن آرا سے مبہوت و مدہوش ہو گئیں تو کہنے لگی کہ اس کی ایک جھلک سے تمھارا یہ حال ہو گیا ہے تو کیا تم اب بھی مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے پر طعنہ زنی کرو گی؟ یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو۔

① وہی حقیقت جو پہلے چھپا رہی تھی، ظاہر کر دی کیونکہ پہلے انکار و ملامت کے مقام پر تھی، اب اسے شانِ اعجاب اور عذر حاصل ہو چکا تھا۔

② یوسف علیہ السلام نے یہ دعا اپنے دل میں کی، اس لیے کہ ایک مومن کے لیے دعا بھی ایک ہتھیار ہے۔ حدیث میں آتا ہے، سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے ایک ایسی عورت دعوت گناہ دے جو حسن و جمال سے بھی آراستہ ہو اور جاہ و منصب کی بھی حامل ہو لیکن وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے کہ میں تو ”اللہ سے ڈرتا ہوں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 660، و صحيح مسلم، حديث: 91-(1031))

③ عفت و پاک دامنی واضح ہو جانے کے باوجود یوسف علیہ السلام کو حوالۂ زندان کرنے میں یہی مصلحت ان کے پیش نظر ہو سکتی تھی کہ عزیز مصر یوسف علیہ السلام کو اپنی بیوی سے دور رکھنا چاہتا تھا تا کہ وہ دوبارہ یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش نہ کرے جیسا کہ وہ ایسا ارادہ رکھتی تھی۔

اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿36﴾ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿37﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿39﴾

نے کہا: میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں﴿36﴾[1] یوسف نے کہا: تمھیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمھارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمھیں اس کی تعبیر بتلادوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے،[2] میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں﴿37﴾[3] میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے دین کا،[4] ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں،[5] ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کا یہ خاص فضل ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں﴿38﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو![6] کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں[7] یا ایک اللہ زبردست طاقت ور؟﴿39﴾

---

(1) یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے متعلق تھے۔ ایک شراب پلانے پر مامور تھا اور دوسرا نان بائی تھا۔ کسی حرکت پر دونوں کو پسِ دیوارِ زنداں کردیا (جیل میں ڈال دیا) گیا۔ یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت، تقویٰ وراست بازی اور اخلاق وکردار کے لحاظ سے جیل میں دیگر تمام قیدیوں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم اور ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھا تو قدرتی طور پر یوسف علیہ السلام کی طرف انھوں نے رجوع کیا اور کہا: ہمیں آپ محسنین میں سے نظر آتے ہیں، یعنی قیدیوں سے احسان کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتلائیں۔ محسن کے ایک معنی بعض نے یہ بھی کیے ہیں کہ خواب کی تعبیر آپ اچھی کر لیتے ہیں۔

(2) یعنی میں جو تعبیر بتلاؤں گا، وہ کاہنوں اور نجومیوں کی طرح ظن وتخمین پر مبنی نہیں ہوگی جس میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ میری تعبیر یقینی علم پر مبنی ہوگی جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا ہے، جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہے۔

(3) یہ نیا کلام ہے جس میں یہ الہام اور علم الٰہی (جن سے آپ کو نوازا گیا) کی وجہ بھی ضمناً شامل ہے کہ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا جو اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات مجھ پر ہوئے۔

(4) اجداد کو بھی آباء کہا، اس لیے کہ وہ بھی آباء ہی ہیں، پھر ترتیب میں بھی جد اعلیٰ (ابراہیم علیہ السلام) پھر جد اقرب (اسحاق علیہ السلام) اور پھر باپ (یعقوب علیہ السلام) کا ذکر کیا۔

(5) وہی توحید کی دعوت اور شرک کی تردید ہے جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین تعلیم اور دعوت ہوتی تھی۔

(6) قید خانے کے ساتھی اس لیے قرار دیا کہ یہ سب ایک عرصے سے جیل میں محبوس چلے آرہے تھے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿41﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ

اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو، وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے خود ہی گھڑ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی،[4] فرمانروائی صرف اللہ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست[2] ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿40﴾[3] اے میرے قید خانے کے رفیقو![4] تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا[5] لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کھائیں گے،[6] تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا ﴿41﴾[7] اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا، اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے اپنے بادشاہ سے

---

[2] یہ تفرق ذوات، صفات اور عدد کے لحاظ سے ہے، یعنی وہ رب جو ذات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متفرق، صفات میں ایک دوسرے سے مختلف اور تعداد میں باہم متنافی ہیں۔ وہ بہتر ہیں یا وہ اللہ جو اپنی ذات وصفات میں متفرد ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمران ہے؟ (فتح القدیر)

[1] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو تم نے نام رکھے ہیں یہ خالی نام ہی ہیں ان کے مسمّٰی نہیں ہیں اگرچہ تم یہ باطل عقیدہ رکھتے ہو کہ ان کے مسمیات ہیں، یعنی وہ جن کو تم معبود قرار دیتے ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں، مثلاً: خواجہ غریب نواز، گنج بخش، کرنی والا، کرماں والا وغیرہ۔ یہ سب تمھارے خود ساختہ ہیں، صرف نام ہیں اور حقیقت میں ان کے لیے کوئی حق الوہیت وعبادت نہیں۔

[2] یہی دین جس کی طرف میں تمھیں بلا رہا ہوں جس میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہے، درست اور قیم ہے، جس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

[3] جس کی وجہ سے اکثر لوگ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝﴾ (یوسف 12:106) ''اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت مشرک ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (یوسف 12:103) ''اے پیغمبر! تیری خواہش کے باوجود اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

[4] توحید کا وعظ کرنے کے بعد اب حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیان کردہ خوابوں کی تعبیر بیان فرما رہے ہیں۔

[5] یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے کو انگور کا شیرہ تیار کرتے ہوئے دیکھا تھا، تاہم آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی تاکہ مرنے والا پہلے ہی غم وحزن میں مبتلا نہ ہو جائے۔

[6] یہ وہ شخص ہے جس نے خواب میں اپنے آپ کو روٹیاں سر پر اٹھائے دیکھا تھا۔

[7] یعنی تقدیر الٰہی میں پہلے سے یہ بات ثبت ہے اور جو تعبیر میں نے بتلائی ہے، لامحالہ واقع ہو کر رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے،

ع 5/7 15 الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿42﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿43﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿45﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف نے کئی سال قید خانے ہی میں کاٹے ﴿42﴾ [1] بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی فربہ گائیں ہیں جن کو سات لاغر دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیاں ہیں سبز اور دوسری سات بالکل خشک۔ اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو ﴿43﴾ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو اڑتے اڑاتے پریشان خواب ہیں اور ایسے شوریدہ پریشان خوابوں کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں ﴿44﴾ [2] ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہوا تھا، اسے مدت کے بعد یاد آ گیا اور کہنے لگا: میں تمھیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا، مجھے جانے کی اجازت دیجیے ﴿45﴾ [3] اے یوسف! اے بہت بڑے سچے! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلائیے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالکل سبز خوشے ہیں اور سات ہی دوسرے بھی بالکل خشک ہیں تاکہ میں واپس جا کر ان لوگوں سے کہوں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواب، جب تک اس کی تعبیر نہ کی جائے، پرندے کے پاؤں پر ہے۔ جب اس کی (صحیح) تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتا ہے۔'' (مسند أحمد: 10/4)

① ﴿بِضْعَ﴾ کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ ایوب علیہ السلام آزمائش میں اور یوسف علیہ السلام قید خانے میں سات سال رہے اور بخت نصر کا عذاب بھی سات سال رہا۔ اور بعض کے نزدیک یوسف علیہ السلام بارہ سال اور بعض کے نزدیک چودہ سال قید خانے میں رہے۔ واللہ أعلم.

② ﴿اَضْغَاثُ﴾ ضِغْثٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھاس کے گٹھے کے ہیں۔ ﴿اَحْلَامٍ﴾ حِلْمٌ (بمعنی خواب) کی جمع ہے۔ اضغاث احلام کے معنی ہوں گے: خواب ہائے پریشان یا خیالات منتشرہ، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ یہ خواب اس بادشاہ کو آیا، عزیز مصر جس کا وزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے ذریعے سے یوسف کی رہائی عمل میں لانی تھی، چنانچہ بادشاہ کے درباریوں اور مُعَبِّرِین نے اس خواب پریشاں کی تعبیر بتلانے سے عجز کا اظہار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ درباروالوں کے اس قول کا مطلب مطلقاً علم تعبیر کی نفی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ علم تعبیر سے وہ بے خبر نہیں تھے نہ اس کی انھوں نے نفی کی، انھوں نے صرف اس خواب کی تعبیر بتلانے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

③ یہ قید کے دو ساتھیوں میں سے ایک نجات پانے والا تھا جسے یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا تاکہ میری بھی رہائی کی صورت بن سکے۔ اسے اچانک یاد آیا اور اس نے کہا کہ مجھے مہلت دو، میں تمھیں آ کر اس کی تعبیر بتلاتا ہوں، چنانچہ وہ نکل کر سیدھا یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور خواب کی تفصیل بتلا کر اس کی تعبیر کی بابت پوچھا۔ ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ (تم مجھے بھیجو) جمع کا صیغہ بادشاہ کے لیے بطور تعظیم استعمال کیا یا بادشاہ سمیت دربار میں موجود درباریوں کو مخاطب کر کے یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿47﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿49﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ

تاکہ وہ سب جان لیں ﴿46﴾ یوسف نے جواب دیا کہ تم سات سال تک پے در پے لگا تار حسب عادت غلہ بویا کرنا اور فصل کاٹ کر اسے بالیوں سمیت ہی رہنے دینا سوائے اپنے کھانے کی تھوڑی سی مقدار کے ﴿47﴾ اس کے بعد سات سال نہایت سخت قحط کے آئیں گے، وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا تھا، [1] سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم محفوظ کر کے رکھو گے ﴿48﴾ [2] اس کے بعد جو سال آئے گا، اس میں لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور وہ اس میں (شیرۂ انگور بھی) خوب نچوڑیں گے ﴿49﴾ [3] اور بادشاہ نے کہا: یوسف کو میرے پاس لاؤ، [4] جب قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ [5]

---

[1] یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم تعبیر سے بھی نوازا تھا، اس لیے وہ اس خواب کی تہ تک فوراً پہنچ گئے۔ انھوں نے موٹی تازہ سات گایوں سے ایسے سات سال مراد لیے جن میں خوب پیداوار ہو گی اور سات دبلی پتلی گایوں سے اس کے برعکس سات سال خشک سالی کے۔ اسی طرح سات سبز خوشوں سے مراد لیا کہ زمین خوب پیداوار دے گی اور سات خشک خوشوں کا مطلب یہ ہے کہ ان سات سالوں میں زمین کی پیداوار نہیں ہو گی۔ اور پھر اس کے لیے تدبیر بھی بتلائی کہ سات سال تم متواتر کاشتکاری کرو اور جو غلہ تیار ہو، اسے کاٹ کر بالیوں سمیت ہی سنبھال کر رکھو تاکہ ان میں غلہ زیادہ محفوظ رہے، پھر جب سات سال قحط کے آئیں گے تو یہ غلہ تمھارے کام آئے گا جس کا ذخیرہ تم اب کرو گے۔

[2] ﴿تُحْصِنُوْنَ﴾ سے مراد وہ دانے ہیں جو دوبارہ کاشت کے لیے محفوظ کر لیے جاتے ہیں، یعنی بیج۔

[3] یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد پھر خوب بارش ہو گی جس کے نتیجے میں کثرت سے پیداوار ہو گی اور تم انگوروں سے اس کا شیرہ نچوڑو گے، زیتون سے تیل نکالو گے اور جانوروں سے دودھ دوہو گے۔ خواب کی اس تعبیر کو خواب سے کیسی لطیف مناسبت حاصل ہے جسے صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسا صحیح وجدان، ذوق سلیم اور ملکۂ راسخہ عطا فرما دے جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

[4] مطلب یہ ہے کہ جب وہ شخص تعبیر دریافت کر کے بادشاہ کے پاس گیا اور اسے تعبیر بتلائی تو وہ اس تعبیر سے اور یوسف علیہ السلام کی بتلائی ہوئی تدبیر سے بڑا متاثر ہوا اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص جسے ایک عرصے سے حوالۂ زنداں کیا ہوا ہے، غیر معمولی علم و فضل اور اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے، چنانچہ بادشاہ نے انھیں دربار میں پیش کرنے کا حکم دیا۔

[5] یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ اب مائل بہ کرم ہے تو انھوں نے اس طرح محض عنایت شاہی سے جیل سے نکلنے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح

اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

ان کے حیلے کو (صحیح طور پر) جاننے والا میرا پروردگار ہی ہے (50) بادشاہ نے پوچھا: اے عورتو! اس وقت کا صحیح واقعہ کیا ہے؟ جب تم داؤ فریب کر کے یوسف کو اس کی دلی منشا سے بہکانا چاہتی تھیں، انھوں نے صاف جواب دیا کہ معاذ اللہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی نہیں [1] پائی، پھر تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب تو حق سچ واضح ہو گیا ہے۔ میں نے ہی اسے ورغلایا تھا اس کے جی سے اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے (51) [2] (یوسف نے کہا) یہ اس واسطے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی [3] اور یہ بھی کہ اللہ دغا بازوں کے ہتھکنڈے چلنے نہیں دیتا (52) [4]

ہو جائے کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے یہ عفت و پاک بازی اور رفعت کردار بہت ضروری ہے۔

[1] بادشاہ کے استفسار پر تمام عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا اعتراف کیا۔

[2] اب امرأۃ العزیز (زلیخا) کے لیے بھی یہ اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں رہا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہے اور یہ پیش دستی میری ہی طرف سے ہوئی تھی، اس فرشتہ صفت انسان کا اس لغزش سے کوئی تعلق نہیں۔

[3] بعض مفسرین کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کا قول ہے اور یہ انھوں نے اس وقت کہا جب جیل میں ان کو یہ ساری تفصیل بتلائی گئی یا بقول بعض، بادشاہ کے پاس جا کر انھوں نے یہ کہا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ بھی عزیز مصر کی بیوی ہی کا قول ہے اور مطلب یہ ہے کہ یوسف کی غیر موجودگی میں بھی اسے غلط طور پر متہم کر کے خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی بلکہ امانت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش تو ضرور کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنے خاوند کی خیانت نہیں کی اور کسی بڑے گناہ میں واقع نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اسے سیاق و معانی کے اعتبار سے انسب و الیق قرار دیا ہے۔

[4] اسے حضرت یوسف کے قول کا حصہ سمجھا جائے تو مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو ان کے مکر و فریب میں ہمیشہ کے لیے کامیاب نہیں ہونے دیتا بلکہ ان کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے، بالآخر جیت حق اور اہل حق ہی کی ہوتی ہے، گو عارضی طور پر اہل حق کو آزمائشوں سے گزرنا پڑے، (جیسے خود یوسف کو بھی قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی) تاہم ذلت و رسوائی انھی کا مقدر بنی جو خیانت کار تھے اور جنھوں نے ان کی پشت پناہی کر کے یوسف علیہ السلام کو پس دیوار زنداں رکھا۔ اور اسے زلیخا کا قول ہی سمجھا جائے تب بھی مفہوم واضح ہے کہ اس نے اعتراف کیا کہ مکر و فن کا ارتکاب کرنے والے بالآخر ناکام ہی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی عارضی کامیابی کو ناکامی سے دو چار کر کے دائمی ذلت و خسارے میں بدل دیتا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿53﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿54﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿55﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی

الجزء الثالث عشر (13)

میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی۔ (1) بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے، (2) مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے، (3) یقیناً میرا پالنے والا ، بڑی بخشش کرنے والا اور بہت مہربانی فرمانے والا ہے﴿53﴾ بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کرلوں، (4) پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں﴿54﴾ (5) (یوسف نے) کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، (6) میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں﴿55﴾ (7) اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک کا قبضہ دے دیا

(1) اسے اگر یوسف علیہ السلام کا قول تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی سے میرا بچ نکلنا اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے تھا۔ اور اگر یہ عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کا قول ہے (جیسا کہ امام ابن کثیر کا خیال ہے) تو وہ حقیقت پر مبنی گفتگو کر رہی ہے کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اور یوسف علیہ السلام کو بہلانے اور پھسلانے کا اعتراف کر لیا۔

(2) یہ اس نے اپنی غلطی کی توجیہ یا اس کی علت بیان کی کہ انسان کا نفس ہی ایسا ہے کہ اسے برائی پر ابھارتا اور اس پر آمادہ کرتا ہے۔

(3) یعنی نفس کی شرارتوں سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

(4) جب بادشاہ (ریان بن ولید) پر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل کے ساتھ ان کے کردار کی رفعت اور پاک دامنی بھی واضح ہوگئی تو اس نے حکم دیا کہ انھیں میرے سامنے پیش کرو میں انھیں اپنے لیے منتخب کرنا، یعنی اپنا مصاحب اور مشیر خاص بنانا چاہتا ہوں۔

(5) ﴿مَكِیْنٌ﴾ مرتبہ والا ﴿اَمِیْنٌ﴾ امور مملکت کے لیے قابل اعتماد اور راز داں۔

(6) ﴿خَزَآىِٕنِ﴾ خِزَانَةٌ کی جمع ہے۔ خزانہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں چیزیں محفوظ کی جاتی ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد وہ گودام ہیں جہاں غلہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش اس لیے ظاہر کی کہ مستقبل قریب میں (خواب کی تعبیر کی رو سے) جو قحط سالی کے ایام آنے والے ہیں، اس سے نمٹنے کے لیے مناسب انتظامات کیے جا سکیں اور غلے کی معقول مقدار بچا کر رکھی جا سکے۔ عام حالات میں اگرچہ عہدہ و منصب کی طلب جائز نہیں ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ معلوم ہوتا ہے ہے کہ خاص حالات میں اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قوم اور ملک کو جو خطرات درپیش ہیں اور ان سے نمٹنے کی اچھی صلاحیتیں میرے اندر موجود ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں تو وہ اپنی اہلیت کے مطابق اس مخصوص عہدے اور منصب کی طلب کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام نے تو سرے سے عہدہ و منصب طلب ہی نہیں کیا، البتہ جب بادشاہ مصر نے انھیں اس کی پیشکش کی تو پھر ایسے عہدے کی خواہش کی جس میں انھوں نے ملک اور قوم کی خدمت کا پہلو نمایاں دیکھا۔

(7) ﴿حَفِیْظٌ﴾ میں اس کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ اسے کسی بھی غیر ضروری مصرف میں خرچ نہیں کروں گا۔ ﴿عَلِیْمٌ﴾ اس کو جمع کرنے اور خرچ کرنے اور اس کے رکھنے اور نکالنے کے طریقوں کا بخوبی عالم ہوں۔

الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ

کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے،[1] ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے ﴿56﴾ [2] یقیناً ایمان داروں اور پرہیز گاروں کا اخروی اجر بہت ہی بہتر ہے ﴿57﴾ یوسف کے بھائی آئے اور یوسف کے پاس گئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور انھوں نے اسے نہ پہچانا ﴿58﴾ [3] اور جب اس نے ان کے لیے سامان تیار کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمھارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں؟ ﴿59﴾ [4] پس اگر تم اسے میرے پاس لے کر نہ آئے تو میری طرف سے تمھیں کوئی ناپ بھی نہ ملے

① یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے اور سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہتے وہ رہتے پورا مصر ان کے زیر نگیں تھا۔

② یہ گویا اجر تھا ان کے اس صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انھوں نے کیا اور اس ثابت قدمی کا جو امراۃ العزیز (زلیخا) کی دعوت گناہ کے مقابلے میں اختیار کی اور اس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ یوسف علیہ السلام کا یہ منصب وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ عزیز مصر فائز تھا جس کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی مذموم سعی کی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے کہ عزیز مصر، جس کا نام اطفیر تھا، فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کی بیوی (زلیخا) کا نکاح یوسف علیہ السلام سے ہو گیا اور دو بچے بھی ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام میشا تھا، افرائیم ہی نون (یوشع کے والد) اور ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت کے والد تھے۔ (تفسیر ابن کثیر) لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں، اس لیے نکاح والی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

③ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہو گئی جس نے ملک مصر کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے جہاں یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام اور بھائی رہائش پذیر تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آ رہے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے، چنانچہ باپ کے حکم پر یہ برادران یوسف علیہ السلام بھی گھر کی پونجی لے کر غلے کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے جہاں یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے جنھیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

④ یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے باتیں پوچھیں تو انھوں نے جہاں اور سب کچھ بتایا یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس

وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾

گا بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا﴿60﴾ [1] انھوں نے کہا: اچھا ہم اس کے باپ کو اس کی بابت پھسلائیں گے اور پوری کوشش کریں گے﴿61﴾ [2] اور اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ [3] ان کی پونجی انھی کی بوریوں میں رکھ دو [4] کہ جب لوٹ کر اپنے اہل وعیال میں جائیں اور پونجیوں کو پہچان لیں تو بہت ممکن ہے کہ یہ پھر لوٹ کر آئیں﴿62﴾ جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے والد کے پاس گئے تو کہنے لگے: ہم سے تو غلے کا پیمانہ روک لیا گیا۔ [5] اب آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیے کہ ہم پیمانہ بھر کر لائیں، ہم اس کی نگہبانی کے ذمے دار ہیں﴿63﴾ (یعقوب نے) کہا: مجھے تو اس کی بابت تمھارا بس ویسا ہی اعتبار ہے جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تھا، [6] بس اللہ ہی بہترین حافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے﴿64﴾ [7]

بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں۔لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (دوسری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہو گیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ناپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارات بھی خوب کرتا ہوں۔

① ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی ہے کہ اگر گیارھویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمھیں غلہ ملے گا نہ میری طرف سے اس خاطر مدارات کا اہتمام ہوگا۔

② یعنی ہم اپنے باپ کو اس بھائی کے لانے کے لیے پھسلائیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوں گے۔

③ فِتْيَانٌ (نوجوانوں) سے مراد یہاں وہ نوکر چاکر اور خادم وغلام ہیں جو دربار شاہی میں مامور تھے۔

④ اس سے مراد وہ پونجی ہے جو غلہ خریدنے کے لیے برادران یوسف علیہ السلام ساتھ لائے تھے۔ رِحَالٌ (کجاوے) سے مراد ان کا سامان ہے۔ پونجی چپکے سے ان کے سامانوں میں اس لیے رکھوا دی کہ ممکن ہے دوبارہ آنے کے لیے ان کے پاس مزید پونجی نہ ہو تو یہی پونجی لے کر آجائیں۔

⑤ مطلب یہ ہے کہ آئندہ کے لیے غلہ بنیامین کے بھیجنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ ساتھ نہیں جائے گا تو غلہ نہیں ملے گا، اس لیے اسے ضرور ساتھ بھیجیں تاکہ ہمیں دوبارہ بھی اسی طرح غلہ مل سکے جس طرح اس دفعہ ملا ہے۔ اور اس طرح کا اندیشہ نہ کریں جو یوسف علیہ السلام کو بھیجتے ہوئے کیا تھا، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

⑥ یعنی تم نے یوسف علیہ السلام کو بھی ساتھ لے جاتے وقت اسی طرح حفاظت کا وعدہ کیا تھا لیکن جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے۔ اب میں تمھارا کس طرح اعتبار کروں؟

⑦ تاہم چونکہ غلے کی ضرورت شدید تھی، اس لیے اندیشے کے باوجود بنیامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار مناسب نہیں سمجھا اور اللہ پر بھروسہ

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۞65 قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۞66 وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ

جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو انھوں نے اپنا سرمایہ موجود پایا جو ان کی جانب لوٹا دیا گیا تھا۔ کہنے لگے: اے ہمارے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے۔[1] دیکھیے تو یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ ہم اپنے خاندان کو رسد لا دیں گے اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور ایک اونٹ کا پیمانہ زیادہ لائیں گے۔[2] یہ ناپ تو بہت آسان ہے[3] (65) (یعقوب نے) کہا: میں تو اسے ہرگز ہرگز تمھارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول و قرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے، سوائے اس ایک صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لیے جاؤ۔[4] جب انھوں نے پکا قول قرار دے دیا تو انھوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے (66) اور (یعقوب نے) کہا: اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔[5] میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔[6] میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے

کرتے ہوئے اسے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

[1] یعنی بادشاہ کے اس حسن سلوک کے بعد کہ اس نے ہماری خاطر تواضع بھی خوب کی اور ہماری پونجی بھی واپس کر دی اور ہمیں کیا چاہیے؟

[2] کیونکہ فی کس ایک اونٹ جتنا بوجھ اٹھا سکتا تھا غلہ دیا جاتا تھا، بنیامین کی وجہ سے ایک اونٹ کی بھرتی مزید ملتی۔

[3] اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے ایک اونٹ کی مزید بھرتی کوئی مشکل بات نہیں ہے آسان ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا اشارہ اس غلے کی طرف ہے جو ساتھ لائے تھے اور ﴿يَسِيْرٌ﴾ بمعنی قلیل ہے، یعنی جو غلہ ہم ساتھ لائے ہیں قلیل ہے، بنیامین کے ساتھ جانے سے ہمیں کچھ غلہ اور مل جائے گا تو اچھی ہی بات ہے، ہماری ضرورت زیادہ بہتر طریقے سے پوری ہو سکے گی۔

[4] یعنی تمھیں اجتماعی مصیبت پیش آ جائے یا تم سب ہلاک یا گرفتار ہو جاؤ جس سے خلاصی پر تم قادر نہ ہو تو اور بات ہے اس صورت میں تم معذور ہو گے۔

[5] جب بنیامین سمیت گیارہ بھائی مصر جانے لگے تو یہ ہدایت دی کیونکہ ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے جو قد و قامت اور شکل و صورت میں بھی ممتاز ہوں جب اکٹھے ایک ہی جگہ یا ایک ساتھ کہیں سے گزریں تو عموماً انھیں لوگ تعجب یا حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہی چیز نظر لگنے کا باعث بنتی ہے، چنانچہ انھیں نظر سے بچانے کے لیے بطور تدبیر یہ حکم دیا۔ ''نظر کا لگ جانا حق ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5740، وصحيح مسلم، حديث: 42-(2188)) اور نبی ﷺ نے نظر سے بچنے کے لیے دعائیہ کلمات بھی اپنی امت کو بتلائے ہیں، مثلاً: فرمایا: ''جب تمھیں کوئی چیز اچھی لگے تو «بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِ» کہو۔'' (موطأ إمام مالك: 428/2، وهداية الرواة للألباني: 281/4، حديث: 4487) جس کی نظر لگے اس کو کہا جائے کہ غسل کرے اور اس کے غسل کا یہ پانی اس شخص کے سر اور جسم پر ڈالا جائے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿69﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ

ع 8/11 2

والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے ﴿67﴾ جب وہ انھی راستوں سے گئے جن کا حکم ان کے والد نے انھیں دیا تھا، کچھ نہ تھا کہ اللہ نے جو بات مقرر کر دی ہے، وہ اس سے انھیں ذرا بھی بچا لے مگر یعقوب کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) تھا جسے اس نے پورا کر لیا،[1] بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿68﴾[2] یہ سب، جب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں، پس یہ جو کچھ کرتے رہے اس کا کچھ رنج نہ کر ﴿69﴾[3] پھر جب انھیں ان کا سامان اسباب ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی پینے کا پیالہ[4] رکھ دیا، پھر ایک آواز دینے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو![5] تم لوگ تو چور ہو ﴿70﴾[6] انھوں نے ان کی طرف منہ پھیر کر کہا کہ تمھاری کیا چیز کھوئی گئی ہے؟ ﴿71﴾ جواب دیا کہ

جس کو نظر لگی ہو۔ (حوالۂ مذکور) اسی طرح ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (الكهف 39:18) پڑھنا قرآن سے ثابت ہے۔ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کو نظر کے لیے بطور دم پڑھنا چاہیے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2058)

⑥ یعنی یہ تاکید بطور ظاہری اسباب احتیاط اور تدبیر کے ہے جسے اختیار کرنے کا انسانوں کو حکم دیا گیا ہے، تاہم اس سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر و قضا میں تبدیلی نہیں آ سکتی۔ ہوگا وہی جو اس کی قضا کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

① یعنی اس تدبیر سے اللہ کی تقدیر کو ٹالا نہیں جا سکتا تھا، تاہم یعقوب علیہ السلام کے جی میں جو (نظر لگ جانے کا) اندیشہ تھا، اس کے پیش نظر انھوں نے ایسا کہا۔

② یعنی یہ تدبیر وحی الٰہی کی روشنی میں تھی اور یہ عقیدہ بھی کہ حذر (احتیاطی تدبیر) قدر کو نہیں بدل سکتی، اللہ تعالیٰ کے سکھلائے ہوئے علم پر مبنی تھا جس سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں۔

③ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دو دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ یوں بنیامین جب اکیلے رہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے انھیں تنہا الگ ایک کمرے میں رکھا اور پھر خلوت میں ان سے باتیں کیں اور انھیں پچھلی باتیں بتلا کر کہا کہ ان بھائیوں نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اس پر رنج نہ کر اور بعض کہتے ہیں کہ بنیامین کو روکنے کے لیے جو حیلہ اختیار کرنا تھا، اس سے بھی انھیں آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ پریشان نہ ہوں۔ (ابن كثير)

④ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ ﴿السِّقَايَةَ﴾ (پانی پینے کا برتن) سونے یا چاندی کا تھا پانی پینے کے علاوہ غلہ ناپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا۔ اسے چپکے سے بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا۔

⑤ ﴿الْعِيْرُ﴾ اصلاً ان اونٹوں، گدھوں یا خچروں کے قافلے کو کہا جاتا ہے جن پر غلہ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔ یہاں مراد أصحابُ

صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿72﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿74﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِىْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿75﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِىْ دِيْنِ

شاہی پیانہ گم ہے جو اسے لے آئے اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ ملے گا۔اس وعدے کا میں ضامن ہوں ﴿72﴾ [1] انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب علم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں ﴿73﴾ [2] انھوں نے کہا: اچھا چور کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے؟ ﴿74﴾ [3] جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔ [4] ہم تو ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿75﴾ [5] پس یوسف نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کی، اپنے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے، پھر اس پیانے کو اپنے بھائی کے سامان سے نکالا۔ [6] ہم نے یوسف کے لیے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ [7] اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا [8]

العِیر یعنی قافلے والے ہیں۔

⑥ چوری کی یہ نسبت اپنی جگہ صحیح تھی کیونکہ مُنادی یوسف علیہ السلام کے اس سوچے سمجھے منصوبے سے آگاہ نہیں تھا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارا حال تو چوروں کا سا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ بادشاہ کی رضامندی کے بغیر تمھارے سامان کے اندر ہے۔

① یعنی میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تفتیش سے قبل ہی جو شخص یہ جام شاہی ہمارے حوالے کر دے گا تو اسے انعام یا اجرت کے طور پر اتنا غلہ دیا جائے گا جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔

② برادران یوسف علیہ السلام چونکہ اس منصوبے سے بے خبر تھے جو یوسف علیہ السلام نے تیار کیا تھا، اس لیے قسم کھا کر انھوں نے اپنے چور ہونے کی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی نفی کی۔

③ یعنی اگر تمھارے سامان میں وہ شاہی پیالہ مل گیا تو پھر اس کی کیا سزا ہو گی؟

④ یعنی چور کو کچھ عرصے کے لیے اس شخص کے سپرد کر دیا جاتا تھا جس کی اس نے چوری کی ہوتی تھی۔ یہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں سزا تھی جس کے مطابق یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ سزا تجویز کی۔

⑤ یہ قول بھی برادران یوسف ہی کا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ یوسف علیہ السلام کے مُصَاحِبِین کا قول ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم بھی ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ لیکن آیت کا اگلا ٹکڑا کہ "بادشاہ کے دین میں وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہ سکتے تھے۔" اس قول کی نفی کرتا ہے۔

⑥ پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی آخر میں بنیامین کا سامان دیکھا تاکہ انھیں شبہ نہ ہو کہ یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔

⑦ یعنی ہم نے وحی کے ذریعے سے یوسف کو یہ تدبیر سمجھائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی صحیح غرض کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس کی ظاہری صورت حیلہ اور کید کی ہو، جائز ہے بشرطیکہ وہ طریقہ کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔ (فتح القدیر)

⑧ یعنی بادشاہ کا مصر میں جو قانون اور دستور رائج تھا اس کی رو سے بنیامین کو اس طرح روکنا جائز نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اہل قافلہ

الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿76﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿78﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ ع فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ

مگر یہ کہ اللہ کو منظور ہو۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیں،① ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے ﴿76﴾② انھوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔③ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ لیا اور ان کے سامنے بالکل ظاہر نہ کیا۔ کہا کہ تم بدتر جگہ میں ہو④ اور جو تم بیان کرتے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ﴿77﴾ انھوں نے کہا کہ اے عزیز مصر⑤ اس کے والد بڑی عمر کے بالکل بوڑھے شخص ہیں۔ آپ اس کے بدلے ہم میں سے کسی کو لے لیجیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بڑے نیک نفس ہیں ﴿78﴾⑥ یوسف نے کہا کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے کی گرفتاری کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے تو ہم یقیناً ناانصافی کرنے والے ہو جائیں گے ﴿79﴾⑦ جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ

ہی سے پوچھا کہ بتلاؤ! اس جرم کی کیا سزا ہو؟

① جس طرح یوسف علیہ السلام کو اپنی عنایات اور مہربانیوں سے بلند مرتبہ عطا کیا۔

② یعنی ہر عالم سے بڑھ کر کوئی نہ کوئی عالم ہوتا ہے، اس لیے کوئی صاحب علم اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو کہ میں ہی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ذات، یعنی اللہ تعالیٰ ہے۔

③ یہ انھوں نے اپنی پاکیزگی و شرافت کے اظہار کے لیے کہا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ان کے سگے اور حقیقی بھائی نہیں تھے علاتی بھائی تھے۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی چوری کے لیے دور از کار باتیں نقل کی ہیں جو کسی مستند ماخذ پر مبنی نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو تو نہایت بااخلاق اور باکردار باور کرایا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو کمزور کردار کا اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انھیں چور ثابت کرنے کی کوشش کی۔

④ یوسف علیہ السلام کے اس قول سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یوسف کی طرف چوری کے انتساب میں صریح کذب بیانی کا ارتکاب کیا۔

⑤ یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر اس لیے کہا کہ اس وقت عزیز مصر یوسف علیہ السلام ہی تھے۔

⑥ باپ تو یقیناً بوڑھے ہی تھے لیکن یہاں ان کا اصل مقصد بنیامین کو چھڑانا تھا۔ ان کے ذہن میں وہی یوسف علیہ السلام والی بات تھی کہ کہیں ہمیں پھر دوبارہ بنیامین کے بغیر باپ کے پاس نہ جانا پڑے اور باپ ہم سے کہیں کہ تم نے میرے بنیامین کو بھی یوسف علیہ السلام کی طرح کہیں گم کر دیا، اس لیے یوسف علیہ السلام کے احسانات کے حوالے سے یہ بات کی کہ شاید وہ یہ احسان بھی کر دیں کہ بنیامین کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ کسی اور بھائی کو رکھ لیں۔

⑦ یہ جواب اس لیے دیا کہ یوسف علیہ السلام کا اصل مقصد تو بنیامین ہی کو روکنا تھا۔

كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿80﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿81﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿82﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

کر مشورہ کرنے لگے۔ (1) ان میں جو سب سے بڑا تھا، اس نے کہا: تمھیں معلوم نہیں کہ تمھارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو، پس میں تو اس سر زمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں (2) یا اللہ میرے اس معاملے کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (80) (3) تم سب والد صاحب کی خدمت میں واپس جاؤ اور کہو کہ اباجی! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہم جانتے تھے۔ (4) ہم کچھ غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے (81) (5) آپ اس شہر کے لوگوں سے دریافت فرمالیں جہاں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں (82) (6) (یعقوب نے) کہا: یہ تو نہیں، بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات بنالی، (7) پس اب صبر ہی بہتر ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان

(1) کیونکہ بنیامین کو چھوڑ کر جانا ان کے لیے نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے، اس لیے باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟

(2) اس بڑے بھائی نے اس صورت حال میں باپ کا سامنا کرنے کی اپنے اندر سکت اور ہمت نہیں پائی تو صاف کہہ دیا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک خود والد صاحب تفتیش کر کے میری بے گناہی کا یقین نہ کر لیں اور مجھے آنے کی اجازت نہ دے دیں۔

(3) اللہ میرے لیے معاملے کا فیصلہ کر دے۔ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طرح یوسف علیہ السلام (عزیز مصر) بنیامین کو چھوڑ دے اور میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت عطا کر دے کہ میں بنیامین کو تلوار، یعنی طاقت کے ذریعے سے چھڑوا کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔

(4) یعنی ہم نے جو عہد کیا تھا کہ ہم بنیامین کو بہ حفاظت واپس لے آئیں گے تو یہ ہم نے اپنے علم کے مطابق عہد کیا تھا بعد میں جو واقعہ پیش آ گیا اور جس کی وجہ سے بنیامین کو ہمیں چھوڑنا پڑا یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم نے چوری کی جو سزا بیان کی تھی کہ چور کو ہی چوری کے بدلے میں رکھ لیا جائے تو یہ سزا ہم نے اپنے علم کے مطابق ہی تجویز کی تھی اس میں کسی قسم کی بدنیتی شامل نہیں تھی لیکن پھر یہ اتفاق کی بات تھی کہ جب سامان کی تلاشی لی گئی تو مسروقہ کٹورا بنیامین کے سامان سے نکل آیا۔

(5) یعنی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے ہم بے خبر تھے۔

(6) ﴿اَلْقَرْيَةَ﴾ سے مراد مصر ہے جہاں وہ غلہ لینے گئے تھے مطلب اہل مصر ہیں۔ اسی طرح ﴿اَلْعِيْرَ﴾ سے مراد أَصحَابُ العِير،

يَأْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿83﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿85﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـــَٔـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿87﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا

سب کو میرے پاس ہی پہنچا دے۔[1] وہ ہی علم و حکمت والا ہے﴿83﴾ پھر ان سے منہ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف![2] ان کی آنکھیں بوجہ رنج و غم کے سفید ہو چکی تھیں[3] اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے﴿84﴾ بیٹوں نے کہا: واللہ! آپ ہمیشہ یوسف کی یاد ہی میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ختم ہی ہو جائیں﴿85﴾[4] انھوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں، مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے﴿86﴾[5] میرے پیارے بچو! تم جاؤ اور یوسف کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو[6] اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں﴿87﴾[7] پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے[8] تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور

یعنی اہل قافلہ ہیں۔ آپ مصر جا کر اہل مصر سے اور اس قافلہ والوں سے جو ہمارے ساتھ آیا ہے پوچھ لیں کہ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں، وہ سچ ہے۔ اس میں جھوٹ کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

⑦ یعقوب علیہ السلام چونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی وحی کے ذریعے سے انھیں حقیقت واقعہ سے آگاہ نہیں فرمایا، اس لیے وہ یہی سمجھے کہ میرے ان بیٹوں نے جس طرح اس سے قبل یوسف کے معاملے میں اپنی طرف سے بات گھڑ کر بیان کی تھی اب پھر اسی طرح انھوں نے اپنی طرف سے بات بنا لی ہے۔ بنیامین کے ساتھ انھوں نے کیا معاملہ کیا ہے؟ اس کا یقینی علم تو یعقوب علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، تاہم یوسف کے واقعے پر قیاس کرتے ہوئے ان کی طرف سے یعقوب علیہ السلام کے دل میں بجا طور پر شکوک وشبہات تھے۔

① اب پھر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم صبر کے ساتھ امید کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ ﴿جَمِيْعًا﴾ سے مراد یوسف، بنیامین اور وہ بڑا بیٹا ہے جو مارے شرم کے وہیں مصر میں رک گیا تھا کہ یا تو والد صاحب مجھے اسی طرح آنے کی اجازت دے دیں یا پھر میں کسی طریقے سے بنیامین کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

② یعنی اس تازہ صدمے نے یوسف کی جدائی کے قدیم صدمے کو بھی تازہ کر دیا۔

③ یعنی آنکھوں کی سیاہی مارے غم کے سفیدی میں بدل گئی تھی۔

④ ﴿حَرَضًا﴾ اس جسمانی عارضے یا ضعف عقل کو کہتے ہیں جو بڑھاپے یا پے در پے صدمات کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتا ہے یوسف علیہ السلام کے ذکر سے بھائیوں کی آتش حسد پھر بھڑک اٹھی اور اپنے باپ کو یہ کہا۔

⑤ اس سے مراد یا تو وہ خواب ہے جس کی بابت انھیں یقین تھا کہ اس کی تعبیر ضرور سامنے آئے گی اور وہ یوسف کو سجدہ کریں گے یا ان کا یہ یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ موجود ہے اور اس سے زندگی میں ضرور ملاقات ہوگی۔

وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿88﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿89﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِىْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿91﴾

ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے۔[1] ہم حقیر پونجی لائے ہیں، پس آپ ہمیں پورے غلے کا ناپ دیجیے[2] اور ہم پر خیرات کیجیے،[3] اللہ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے ﴿88﴾ (یوسف نے) کہا: جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا؟ ﴿89﴾[4] انھوں نے کہا: (واقعی) تو ہی یوسف ہے۔[5] جواب دیا کہ ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿90﴾[6] انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے ﴿91﴾[7]

---

⑥ چنانچہ اسی یقین سے سرشار ہو کر انھوں نے اپنے بیٹوں کو یہ حکم دیا۔

⑦ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○﴾ (الحجر 56:15) ”گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو سخت سے سخت حالات میں بھی صبر و رضا کا اور اللہ کی رحمت واسعہ کی امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

⑧ یہ تیسری مرتبہ ان کا مصر جانا ہے۔

① یعنی غلہ لینے کے لیے ہم جو ثمن (قیمت) لے کر آئے ہیں، وہ نہایت قلیل اور حقیر ہے۔

② یعنی ہماری حقیر پونجی کو نہ دیکھیں ہمیں اس کے بدلے میں پورا ناپ دیں۔

③ یعنی ہماری حقیر پونجی قبول کر کے ہم پر احسان اور خیرات کریں۔ اور بعض مفسرین نے اس کے معنی کیے ہیں کہ ہمارے بھائی بنیامین کو آزاد کر کے ہم پر احسان فرمائیں۔

④ جب انھوں نے نہایت عاجزی کے انداز میں صدقہ و خیرات یا بھائی کی رہائی کی اپیل کی تو ساتھ ہی باپ کے بڑھاپے، ضعف اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا بھی ذکر کیا جس سے یوسف کا دل بھر آیا آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انکشاف حال پر مجبور ہو گئے، تاہم بھائیوں کی زیادتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اخلاق کریمانہ کا بھی اظہار فرما دیا کہ یہ کام تم نے ایسی حالت میں کیا جب تم جاہل اور نادان تھے۔

⑤ بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف کا تذکرہ سنا جسے انھوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام شخص یوسف ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انھوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف ہی تو نہیں؟

⑥ سوال کے جواب میں اقرار و اعتراف کے ساتھ اللہ کے احسان کا ذکر اور صبر و تقویٰ کے نتائج حسنہ بھی بیان کر کے بتلا دیا کہ تم نے تو میرے ساتھ جو کرنا چاہا کیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ

10 ع 14 4

جواب دیا: آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ [1] اللہ تمھیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے ﴿92﴾ میرا یہ کرتہ تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں [2] اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ ﴿93﴾ [3] جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو ﴿94﴾ [4] وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرانے خبط [5] میں مبتلا ہیں ﴿95﴾ جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتہ ڈالا، اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے، [6] کہا: کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿96﴾ [7] انھوں نے کہا: ابا جی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجیے۔ بے شک ہم قصور وار ہیں ﴿97﴾ کہا: اچھا میں جلد ہی تمھارے لیے اپنے

فرماں روائی بھی عطا فرما دی اور یہ نتیجہ ہے اس صبر اور تقویٰ کا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے دی۔

⑦ بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو اپنی غلطی اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔

① یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے فرما دیا کہ جو ہوا سو ہوا۔ آج تمھیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو، جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی تھیں، یہی الفاظ ارشاد فرما کر انھیں معاف فرما دیا تھا۔

② قمیص کے چہرے پر پڑنے سے آنکھوں کی بینائی کا بحال ہونا معجزے اور کرامت کے طور پر تھا۔

③ یہ یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو مصر آنے کی دعوت دی۔

④ ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اور ادھر یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعجاز کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگ گئی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، چاہے بیٹا اپنے شہر کے کسی کنویں ہی میں کیوں نہ ہو؟ اور جب اللہ انتظام فرما دے تو پھر مصر جیسے دور دراز کے علاقے سے بھی بیٹے کی خوشبو آ جاتی ہے۔

⑤ ضَلَالٌ سے مراد محبت و جنون کی وہ وارفتگی ہے جو یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے یوسف کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے: ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی، یعنی یوسف کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسف کی محبت دل سے نہیں گئی۔

⑥ یعنی جب وہ خوش خبری دینے والا آ گیا اور آ کر وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دی تو اس سے معجزانہ طور پر ان کی بینائی بحال ہو گئی۔

⑦ کیونکہ میرے پاس ایک ذریعہ علم وحی بھی ہے جو تم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو حالات سے حسب مشیت و مصلحت آگاہ کرتا رہتا ہے۔

لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿100﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ

پروردگار سے بخشش مانگوں گا،[1] وہ بہت بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے (98) جب یہ سارا گھرانہ یوسف کے پاس پہنچ گیا تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی[2] اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو آپ سب امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ (99) اور اپنے تخت پر اپنے ماں باپ[3] کو اونچا بٹھایا اور سب اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔[4] تب کہا کہ ابا جی! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔[5] میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا[6] اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا،[7] اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا۔[8] میرا رب جو چاہے اس کے لیے بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اور وہ بہت علم وحکمت والا ہے (100) اے میرے پروردگار! تو نے مجھے کچھ حکومت عطا فرمائی[9] اور مجھے

---

[1] فی الفور مغفرت کی دعا کرنے کی بجائے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا، مقصد یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر میں، جو اللہ کے خاص بندوں کا اللہ کی عبادت کرنے کا خاص وقت ہوتا ہے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا کروں گا۔

[2] یعنی عزت واحترام کے ساتھ انھیں اپنے پاس جگہ دی اوران کا خوب اکرام کیا۔

[3] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سوتیلی ماں اور سگی خالہ تھیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کی حقیقی ماں بنیامین کی ولادت کے بعد فوت ہوگئی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کرلیا تھا۔ یہی خالہ اب یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر گئی تھیں۔ (فتح القدیر) لیکن امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یوسف کی والدہ فوت نہیں ہوئی تھیں اور وہی حقیقی والدہ ساتھ تھیں۔ (ابن کثیر) اور یہی حق ہے۔

[4] بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ادب وتعظیم کے طور پر یوسف علیہ السلام کے سامنے جھک گئے لیکن ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ زمین پر یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے، یعنی یہ سجدہ، سجدہ ہی کے معنی میں ہے، تاہم یہ سجدہ، سجدۂ تعظیمی ہے سجدۂ عبادت نہیں اور سجدۂ تعظیمی یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔ اسلام میں شرک کے سدباب کے لیے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام کر دیا گیا ہے اور اب سجدۂ تعظیمی بھی کسی کے لیے جائز نہیں حتیٰ کہ سر جھکا کر ملنا بھی صحیح نہیں۔

[5] یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا۔ اتنی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور والدین سمیت تمام بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا۔

[6] اللہ کے احسانات میں کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ اخلاق نبوی ہے۔

[7] مصر جیسے متمدن علاقے کے مقابلے میں کنعان کی حیثیت ایک صحرا کی تھی، اس لیے اسے بَدْو سے تعبیر کیا۔

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔـلُهُمْ

خواب کی تعبیر سکھلائی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی اور کارساز ہے تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیکوں میں ملا دے ﴿۱۰۱﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ تو آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انھوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے ﴿۱۰۲﴾ گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایمان دار نہ ہوں گے ﴿۱۰۳﴾ آپ ان سے

یہ بھی اخلاق کریمانہ کا ایک نمونہ ہے کہ بھائیوں کو ذرا مورد الزام نہیں ٹھہرایا اور شیطان کو اس کارستانی کا باعث قرار دیا۔

یعنی ملک مصر کی فرماں روائی عطا فرمائی جیسا کہ تفصیل گزری۔

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے جن پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا اور خاص خاص باتوں کا علم انھیں عطا کیا جاتا تھا، چنانچہ اس علم نبوت کی روشنی میں پیغمبر خوابوں کی تعبیر بھی صحیح طور پر کر لیتے تھے، تاہم معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس فن تعبیر میں خصوصی ملکہ حاصل تھا جیسا کہ قید کے ساتھیوں کے خواب کی اور سات موٹی گائیوں کے خواب کی تعبیر پہلے گزری۔ خواب کی تعبیر کا یہ ملکہ اب بھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر جو احسانات کیے انھیں یاد کر کے اور اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کا تذکرہ کر کے دعا فرما رہے ہیں کہ جب مجھے موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس سے مراد یوسف علیہ السلام کے آباء و اجداد ابراہیم و اسحاق علیہما السلام وغیرہ مراد ہیں۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی، حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔

یعنی یوسف علیہ السلام کے ساتھ جبکہ انھیں کنویں میں پھینک آئے یا مراد یعقوب علیہ السلام ہیں، یعنی ان کو یہ کہہ کر کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہ اس کی قمیص ہے جو خون میں لت پت ہے۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اس بات کی نفی فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم تھا۔ لیکن یہ نفی مطلق علم کی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے وحی کے ذریعے سے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ یہ نفی مشاہدے کی ہے کہ اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ اسی طرح ایسے لوگوں سے بھی آپ کا رابطہ و تعلق نہیں رہا ہے جن سے آپ نے سنا ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آپ کو اس واقعۂ غیب کی خبر دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر اسی طرح علم غیب اور مشاہدے کی نفی فرمائی ہے۔ (مثلاً: ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران 3:44و7، سورۂ قصص 46,45:28، سورۂ صٓ 70,69:38)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو پچھلے واقعات سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں اور اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اختیار کر کے نجات ابدی کے مستحق بن جائیں لیکن اس کے باوجود لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے کیونکہ وہ گزشتہ قوموں کے واقعات تو سنتے ہیں لیکن عبرت پذیری کے لیے نہیں صرف دلچسپی اور لذت کے لیے، اس لیے وہ ایمان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿105﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿107﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿108﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ

اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کر رہے۔[1] یہ تو تمام دنیا کے لیے نری نصیحت ہی نصیحت ہے﴿104﴾[2] آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن سے یہ منہ موڑے گزر جاتے ہیں﴿105﴾[3] ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں﴿106﴾[4] کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں﴿107﴾ آپ کہہ دیجیے: میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے فرماں بردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔[5] اور اللہ پاک ہے[6] اور میں مشرکوں میں سے نہیں﴿108﴾ آپ سے پہلے ہم نے بستیوں والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے۔[7] کیا

① کہ جس سے ان کو یہ شبہ ہو کہ یہ دعوائے نبوت تو صرف پیسے جمع کرنے کا بہانہ ہے۔

② تا کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار لیں۔ اب دنیا کے لوگ اگر اس سے آنکھیں پھیرے رکھیں اور اس سے ہدایت حاصل نہ کریں تو لوگوں کا قصور اور ان کی بدقسمتی ہے قرآن تو فی الواقع اہل دنیا کی ہدایت اور نصیحت ہی کے لیے آیا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

③ آسمان و زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک خالق و صانع ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا ایسا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا ہے لیکن ان میں کبھی آپس میں ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوا ہے۔ لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گزر جاتے ہیں، ان پر غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

④ یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان و زمین کا خالق، مالک رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہرا لیتے ہیں اور یوں اکثر لوگ مشرک ہیں، یعنی ہر دور میں لوگ توحید ربوبیت کے تو قائل رہے ہیں لیکن توحید الوہیت ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آج کے قبر پرستوں کا شرک بھی یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انھیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں اور عبادت کے کئی مراسم بھی ان کے لیے بجالاتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

⑤ یعنی یہ توحید کی راہ ہی میری راہ ہے بلکہ ہر پیغمبر کی راہ رہی ہے اسی کی طرف میں اور میرے پیروکار پورے یقین اور دلائل شرعی کے ساتھ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ

زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کیسا کچھ انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے؟ (109) یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے (1) اور یہ خیال کرنے لگے کہ انھیں جھوٹ کہا گیا۔ (2) فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی (3) جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی۔ (4) بات یہ ہے کہ ہمارا عذاب گناہ گاروں سے واپس نہیں کیا جاتا (110) ان کے قصے میں

(6) یعنی میں اس کی تنزیہ وتقدیس بیان کرتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، مثیل یا وزیر ومشیر یا اولاد اور بیوی ہو۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

(7) یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام رسول مرد ہی ہوئے ہیں، عورتوں میں سے کسی کو رسالت ونبوت کا مقام نہیں ملا۔ اسی طرح ان انبیائے کرام کا تعلق قریہ سے تھا جو قصبہ اور شہر کو شامل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل بادیہ (صحرانشینوں) میں سے نہیں تھا کیونکہ اہل بادیہ نسبتاً طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں اور شہری ان کی نسبت نرم، دھیمے اور بااخلاق ہوتے ہیں اور یہ خوبیاں نبوت کے لیے ضروری ہیں۔

(1) یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان کے بارے میں ہوئی کہ اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(2) ظن بمعنی یقین، گمان غالب اور خیال و وسوسہ کے لیے آتا ہے، یہاں ﴿ظَنُّوْٓا﴾ کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہے اگر اس کا فاعل رسول یا مومن ہیں تو ﴿ظَنُّوْٓا﴾ بمعنی خیال و وسوسہ ہے اور ﴿كُذِبُوْا﴾ (مخفف) کا نائب فاعل بھی یہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان پیغمبروں یا ان کے ماننے والوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا کہ ان سے یوں ہی عذاب کا جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے عذاب شاید تاخیر سے آئے یا ہمارے بعد آئے۔ یاد رہے کہ محض ایسے وسوسے کا پیدا ہو جانا ایمان کے منافی نہیں ہے اور اگر کُذِّبوا مشدد ہے تو پھر ظَنُّوا بمعنی یقین یا گمان غالب ہے، فاعل رسول ہیں اور کُذِّبوا کا نائب فاعل بھی رسول ہیں اور معنی یہ ہے کہ رسولوں نے یقین کیا کہ قوم کی طرف سے ان کی تکذیب کی گئی ہے۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث: 4695 میں ہے۔ بعض نے ﴿ظَنُّوْٓا﴾ کا فاعل قوم، یعنی کفار کو قرار دیا ہے، یعنی کفار عذاب کی دھمکی پر پہلے تو ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں ہے۔ (جیسا کہ پیغمبر کی طرف سے دعویٰ ہو رہا ہے) اور نہ آتا نظر ہی آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب نبیٔ کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کی قوم پر عذاب میں جو تاخیر ہو رہی ہے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی قوموں پر بھی عذاب میں بڑی بڑی تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اللہ کی مشیت وحکمت کے مطابق انھیں خوب خوب مہلت دی گئی حتیٰ کہ رسول اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ شاید انھیں عذاب کی بس یوں ہی دھمکی دے دی گئی ہے۔

(3) جب ان کی مایوسی اس خطرناک اندیشے اور وسوسے تک پہنچ گئی تو فوراً ہماری مدد ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے دلوں سے شبہات کے کانٹے نکل گئے۔ اس میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قانون مہلت کا بیان ہے جو وہ نافرمانوں کو دیتا ہے حتیٰ کہ اس بارے میں وہ

عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿111﴾ ع 12/7/6

اٰيَاتُهَا: 43 (13) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ (96) رُكُوْعَاتُهَا: 6	سورۂ رعد مدنی ہے، اس میں 43 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿1﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿2﴾ وَهُوَ

عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے، یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ﴿111﴾ [4]

الٓمّٓرٰ! یہ قرآن کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے، سب حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿1﴾ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم انھیں دیکھ رہے ہو، پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے [2] اسی نے سورج اور چاند کو ماتحتی میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک میعادِ معین پر گشت کر رہا ہے، [3] وہی کام کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ اپنے نشانات کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو ﴿2﴾ اسی نے

اپنے پیغمبروں کی خواہش کے برعکس بھی زیادہ سے زیادہ مہلت عطا کرتا ہے جلدی نہیں کرتا یہاں تک کہ بعض دفعہ پیغمبر کے ماننے والے بھی عذاب سے مایوس ہو جاتے ہیں۔

﴿4﴾ یہ نجات پانے والے اہل ایمان ہی ہوتے تھے۔

﴿1﴾ یعنی یہ قرآن جس میں یہ قصۂ یوسف اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں کوئی گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضروری باتوں کی تفصیل ہے اور ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت۔

﴿2﴾ ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کا مفہوم اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا ہے۔ محدثین کا یہی مسلک ہے، وہ اس کی تاویل نہیں کرتے، جیسے بعض دوسرے گروہ اس میں اور دیگر صفات الٰہی میں تاویل کرتے ہیں، تاہم محدثین کہتے ہیں کہ اس کی کیفیت نہ بیان کی جا سکتی ہے اور نہ اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ 42:11) ''اس کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں۔'' امام مالک کا مشہور قول ہے: «اَلْإِسْتِوَاءُ مَعْلُومٌ وَالْكَيْفُ مَجْهُولٌ وَالْإِيمَانُ بِهِ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ» (شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: 441/3، ومجموع الفتاوى لابن تيمية: 365/5) یعنی ''اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب اور اس کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔''

﴿3﴾ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک وقت مقرر تک، یعنی قیامت تک اللہ کے حکم سے چلتے رہیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ

الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ

زمین پھیلا کر بچھا دی ہے اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کر دی ہیں۔[1] اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دوہرے دوہرے پیدا کر دیے ہیں،[2] وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں③ اور زمین میں مختلف ٹکڑے ایک دوسرے سے لگتے لگاتے ہیں[3] اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیت ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، شاخ دار اور بعض ایسے ہیں جو بے شاخ[4] ہیں، سب ایک ہی پانی پلائے جاتے ہیں،

﴿لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾ (یٰسٓ 38:36) ''اور سورج اپنے ٹھہرنے کے وقت تک چل رہا ہے یہ غالب جاننے والے کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔'' دوسرے معنی یہ ہیں کہ چاند اور سورج دونوں اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں مکمل کر لیتا ہے۔ جس طرح فرمایا: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ﴾ (یٰسٓ 39:36) ''ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں۔'' سات بڑے بڑے سیارے ہیں جن میں سے دو چاند اور سورج ہیں۔ یہاں صرف ان دو کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہی دو سب سے زیادہ بڑے اور اہم ہیں۔ جب یہ دونوں بھی اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو دوسرے سیارے تو بطریق اولیٰ اس کے تابع ہیں۔ اور جب یہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں تو یہ معبود نہیں ہو سکتے، معبود تو وہی ہے جس نے ان کو مسخر کیا ہوا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○﴾ (حٰمٓ السجدۃ 37:41) ''سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم صرف اس کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔'' ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾ (الأعراف 54:7) ''سورج، چاند اور تارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔''

① زمین کے طول وعرض کا اندازہ بھی عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اور بلند وبالا پہاڑوں کے ذریعے سے زمین میں میخیں گاڑ دی ہیں، نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا کہ جس سے انسان خود بھی سیراب ہوتے ہیں اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع واقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔

② اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان میں نر اور مادہ دونوں بنائے جیسا کہ موجودہ تحقیقات نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے۔ دوسرا مطلب (جوڑے جوڑے کا) یہ ہے کہ میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ اور سفید اور ذائقہ دار و بدذائقہ، اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

③ ﴿مُتَجٰوِرٰتٌ﴾ ایک دوسرے کے قریب اور متصل، یعنی زمین کا ایک حصہ شاداب اور زرخیز ہے۔ خوب پیداوار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زمین شور ہے جس میں کسی قسم کی بھی پیداوار نہیں ہوتی۔

④ ﴿صِنْوَانٌ﴾ کے ایک معنی: درخت ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے اور ﴿غَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ کے جدا جدا، متفرق کے کیے گئے ہیں۔ دوسرے معنی ﴿صِنْوَانٌ﴾ ایک درخت، جس کی جڑ ایک اور شاخیں کئی ہوں۔ اور ﴿غَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ جو اس طرح نہ ہو بلکہ ایک ہی جڑ اور ایک ہی تنے والا ہو کئی شاخیں نہ ہوں۔

وَنُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ④ وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ‌ۚ وَاُولٰٓٮِٕكَ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ‌ۚ وَاُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ⑤ وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَقَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ‌ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ‌ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ⑥ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ

پھر بھی ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں[1] اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں④ اگر تجھے تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے؟[2] یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی ہیں جو جہنم کے رہنے والے ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے⑤ اور وہ تجھ سے سزا کی طلبی میں جلدی کر رہے ہیں راحت سے پہلے ہی، یقیناً ان سے پہلے سزائیں بطور مثال گزر چکی ہیں[3] اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے لوگوں کے بے جا ظلم پر بھی۔[4] اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ تیرا رب بڑی سخت سزا دینے والا بھی ہے⑥[5] اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں

---

① یعنی زمین بھی ایک، پانی، ہوا بھی ایک لیکن پھل اور غلہ مختلف قسم کے اور ان کے ذائقے اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

② یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کے لیے دوبارہ اس چیز کا بنانا کوئی مشکل کام نہیں لیکن کفار یہ عجیب بات کہتے ہیں کہ دوبارہ ہم کیسے پیدا کیے جائیں گے؟

③ یعنی عذاب الٰہی سے قوموں اور بستیوں کی تباہی کی کئی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں، اس کے باوجود یہ عذاب جلدی مانگتے ہیں؟ یہ کفار کے جواب میں کہا گیا جو کہتے تھے کہ اے پیغمبر! اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔

④ یعنی لوگوں کے ظلم و معصیت کے باوجود وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور بعض دفعہ تو اتنی تاخیر کرتا ہے کہ معاملہ قیامت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کے حلم و کرم اور عفو و درگزر کا نتیجہ ہے ورنہ اگر وہ فوراً مؤاخذہ کرنے اور عذاب دینے پر آ جائے تو روئے زمین پر کوئی انسان ہی باقی نہ رہے۔ ﴿وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب مؤاخذہ (دارو گیر) فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک متنفس کو نہ چھوڑتا۔''

⑤ یہ اللہ کی دوسری صفت کا بیان ہے تا کہ انسان صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ رکھے، اس کے دوسرے پہلو کو بھی دیکھتا رہے کیونکہ ایک ہی رخ اور ایک ہی پہلو کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بہت سی چیزیں اوجھل رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں اللہ کی صفت رحیمی و غفوری کا بیان ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کی دوسری صفت انتقام و عذاب کا بیان بھی ملتا ہے جیسا کہ یہاں بھی ہے تا کہ رجا (امید) اور خوف دونوں پہلو سامنے رہیں کیونکہ اگر امید ہی امید سامنے رہے تو انسان معصیت الٰہی پر دلیر ہو جاتا ہے اور اگر خوف ہی خوف ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہے تو اللہ کی رحمت سے مایوسی ہو جاتی ہے اور دونوں ہی باتیں غلط اور انسان کے لیے تباہ کن ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: اَلۡإِيۡمَانُ بَيۡنَ الۡخَوۡفِ وَالرَّجَاءِ ''ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔'' یعنی دونوں باتوں کے درمیان

مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ

ع 1/7 7

اتاری گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں[1] اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے⑦[2] مادہ اپنے شکم میں جو کچھ رکھتی ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے[3] اور رحم جو کچھ کم کرتے ہیں اور زیادہ کرتے ہیں،[4] ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے⑧[5] ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے سب سے بڑا اور بلند بالا⑨ تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور اسے بآواز بلند کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر یکساں ہیں⑩ اس کے پہرے دار[6] انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں۔ کسی قوم کی حالت اللہ نہیں بدلتا

اعتدال وتوازن کا نام ایمان ہے۔ انسان اللہ کے عذاب کے خوف سے بے پروا ہو نہ اس کی رحمت سے مایوس۔ (اس مضمون کے لیے دیکھیے: سورۂ انعام 47:6، سورۂ اعراف 167:7، سورۂ حجر 50,49:15)

① ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے حالات وضروریات اور اپنی مشیت ومصلحت کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے لیکن کافر اپنے حسب منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں، جیسے کفار مکہ نبی ﷺ کو کہتے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔ جب ان کی خواہش کے مطابق معجزہ صادر کر کے نہ دکھایا جاتا تو کہتے کہ اس پر کوئی نشان (معجزہ) نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! تیرا کام صرف انذار و تبلیغ ہے، وہ تو کرتا رہ۔ کوئی مانے نہ مانے، اس سے تجھے کوئی غرض نہیں، اس لیے کہ ہدایت دینا یہ ہمارا کام ہے۔ تیرا کام راستہ دکھانا ہے۔ اس راستے پر چلا دینا یہ تیرا نہیں، ہمارا کام ہے۔

② یعنی ہر قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہادی ضرور بھیجا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قوموں نے ہدایت کا راستہ اپنایا یا نہیں اپنایا۔ لیکن سیدھے راستے کی نشاندہی کرنے کے لیے پیغمبر ہر قوم کے اندر ضرور آیا۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (فاطر 24:35) ”ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور آیا ہے۔“

③ رحم مادر میں کیا ہے نر ہے یا مادہ، خوب صورت ہے یا بدصورت، نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر؟ یہ سب باتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

④ اس سے مراد حمل کی مدت ہے جو عام طور پر تو 9 مہینے ہوتی ہے لیکن گھٹتی بڑھتی بھی ہے کسی وقت یہ مدت 10 مہینے اور کسی وقت 8,7 مہینے ہو جاتی ہے اس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

⑤ یعنی کسی کی زندگی کتنی ہے؟ اسے رزق سے کتنا حصہ ملے گا؟ اس کا پورا اندازہ اللہ کو ہے۔

⑥ ﴿مُعَقِّبٰتٌ﴾ مُعَقِّبَةٌ کی جمع ہے۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے، مراد فرشتے ہیں جو باری باری ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔ دن کے فرشتے جاتے ہیں تو شام کے آ جاتے ہیں شام کے جاتے ہیں تو دن کے آ جاتے ہیں۔

مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَيُسَبِّحُ
الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ
يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا
يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ

جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔ ① اللہ جب کسی قوم کے ساتھ سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کوئی بھی ان کا کارساز نہیں ⑪ وہ اللہ ہی ہے جو تمھیں بجلی کی چمک ڈرانے اور امید دلانے کے لیے دکھاتا ہے ② اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے ⑫ ③ گرج اس کی تسبیح و تعریف کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔ ④ وہی آسمان سے بجلیاں گراتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے۔ ⑤ کفار اللہ کی بابت لڑ جھگڑ رہے ہیں اور اللہ سخت قوت والا ہے ⑬ ⑥ اسی کو پکارنا حق ہے۔ ⑦ جو لوگ اوروں کو اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پڑ جائے، حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، ⑧ ان منکروں کی

---

① اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ انفال 53:8 کا حاشیہ۔

② جس سے راہ گیر مسافر ڈرتے ہیں اور گھروں میں مقیم کسان اور کاشت کار اس سے برکت و منفعت کی امید رکھتے ہیں۔

③ بھاری بادلوں سے مراد وہ بادل ہیں جن میں بارش کا پانی ہوتا ہے۔

④ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنیٓ إسراء یل 17: 44) ”ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔“ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:44 کا حاشیہ)

⑤ یعنی اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

⑥ ﴿الْمِحَالِ﴾ کے معنی قوت، مؤاخذہ اور تدبیر وغیرہ کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ بڑی قوت والا، نہایت مؤاخذہ کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔

⑦ یعنی خوف اور امید کے وقت اسی ایک اللہ کو پکارنا صحیح ہے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا اور قبول فرماتا ہے یا دعوت، عبادت کے معنی میں ہے، یعنی اسی کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ کائنات کا خالق مالک اور مدبر صرف وہی ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔

⑧ یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آ جا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور مائع چیز ہے، اسے پتہ ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟ اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے۔ اسی طرح یہ مشرک، اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں، انھیں نہ یہ پتہ

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ⑮ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ

36 السجدة 2

جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے⑭ [1] اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام⑮ [2] آپ پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ۔ [3] کہہ دیجیے: کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔ [4] کہہ دیجیے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ [5] کیا جنھیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں، انھوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے کہ ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی ہو، کہہ دیجیے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے، وہ اکیلا ہے [6] اور زبردست غالب ہے⑯ اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اپنے اپنے اندازے کے مطابق

ہے کہ کوئی انھیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

① اور بے فائدہ بھی ہے کیونکہ اس سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

② اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا بیان ہے کہ ہر چیز پر اس کا غلبہ ہے اور ہر چیز اس کے ماتحت اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہے، چاہے مومنوں کی طرح خوشی سے کرے یا مشرکوں کی طرح ناخوشی سے۔ اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○ ﴾ (النحل 48:16) ”کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ان کے سائے داہنے اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔“ اس سجدے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یا دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ کافر سمیت تمام مخلوق اللہ کے حکم کے تابع ہے، کسی میں اس سے سرتابی کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو صحت دے، بیمار کرے، غنی کر دے یا فقیر بنا دے، زندگی دے یا موت سے ہمکنار کرے۔ ان تکوینی احکام میں کسی کافر کو بھی مجال انکار نہیں۔

③ یہاں تو پیغمبر کی زبان سے اقرار ہے۔ لیکن قرآن کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ مشرکین کا جواب بھی یہی ہوتا تھا۔

④ یعنی جب تمھیں اقرار و اعتراف ہے کہ آسمان و زمین کا رب اللہ ہے جو تمام اختیارات کا بلاشرکت غیرے مالک ہے تو پھر تم اسے چھوڑ کر ایسوں کو کیوں اپنا دوست اور حمایتی سمجھتے ہو جو اپنی بابت بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

⑤ یعنی جس طرح اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح موحد اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ موحد کا دل توحید کی بصیرت سے معمور ہے جبکہ مشرک اس سے محروم ہے۔ موحد کی آنکھیں ہیں، وہ توحید کا نور دیکھتا ہے اور مشرک کو یہ نور توحید نظر نہیں آتا، اس

السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ
كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ
فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ ⑰ لِلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمُ الۡحُسۡنٰى ؕ وَالَّذِيۡنَ

نالے بہہ نکلے۔ ① پھر پانی کے ریلے نے اوپر چڑھے جھاگ کو اٹھالیا، ② اور اس چیز میں بھی جس کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا ساز وسامان کے لیے، اسی طرح کے جھاگ ہیں، ③ اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے، ④ اب جھاگ تو ناکارہ ہوکر چلا جاتا ہے ⑤ لیکن جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے، وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے، ⑥ اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے ⑰ ⑦ جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم کی بجا آوری کی، ان کے لیے بھلائی ہے اور جن لوگوں نے اس کی

لیے وہ اندھا ہے۔ اسی طرح، جیسے اندھیرے اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک اللہ کا پجاری جس کا دل نورانیت سے بھرا ہوا ہے اور ایک مشرک جو جہالت وتوہمات کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے، برابر نہیں ہو سکتے۔

⑥ یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ یہ کسی شبہے کا شکار ہو گئے ہوں بلکہ یہ مانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔

① ﴿بِقَدَرِهَا﴾ (اپنے اندازے کے مطابق) کا مطلب ہے: نالے، یعنی وادی (دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ) کے لیے جتنا پانی مقدر تھا اتنا اس نے لے لیا، یعنی نزول قرآن کو، جو ہدایت اور بیان کا جامع ہے، بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے، اس لیے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے۔ اور وادیوں کو تشبیہ دی ہے دلوں کے ساتھ، اس لیے کہ وادیوں (نالوں) میں پانی جا کر ٹھہرتا ہے جس طرح قرآن اور ایمان مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

② اس جھاگ سے جو پانی کے اوپر آ جاتا ہے اور جو مضمحل ہو جاتا ہے اور ہوائیں جسے اڑا لے جاتی ہیں، کفر مراد ہے جو جھاگ ہی کی طرح اڑ جانے والا اور ختم ہو جانے والا ہے۔

③ یہ دوسری مثال ہے کہ تانبے، پیتل، سیسے یا سونے چاندی کو زیور یا سامان وغیرہ بنانے کے لیے آگ میں تپایا جاتا ہے تو اس پر بھی جھاگ آ جاتا ہے۔ اس جھاگ سے مراد میل کچیل ہے جو ان دھاتوں کے اندر ہوتا ہے۔ آگ میں تپانے سے وہ جھاگ کی شکل میں اوپر آ جاتا ہے، پھر یہ جھاگ بھی دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتا ہے اور دھات اصلی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔

④ یعنی جب حق اور باطل کا آپس میں اجتماع اور ٹکراؤ ہوتا ہے تو باطل کو اسی طرح ثبات اور دوام نہیں ہوتا جس طرح سیلابی ریلے کا جھاگ پانی کے ساتھ دھاتوں کا جھاگ، جن کو آگ میں تپایا جاتا ہے، دھاتوں کے ساتھ باقی نہیں رہتا بلکہ مضمحل اور ختم ہو جاتا ہے۔

⑤ یعنی اس سے کوئی نفع نہیں ہوتا کیونکہ جھاگ پانی یا دھات کے ساتھ باقی رہتا ہی نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ بیٹھ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑا لے جاتی ہیں۔ باطل کی مثال بھی جھاگ ہی کی طرح ہے۔

⑥ یعنی پانی اور سونا چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ یہ باقی رہتی ہیں جن سے لوگ متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق باقی رہتا ہے جس کے وجود کو بھی زوال نہیں اور جس کا نفع بھی دائمی ہے۔

⑦ یعنی بات کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، جیسے یہاں دو مثالیں بیان فرمائیں اور اسی طرح سورۂ بقرہ کے آغاز میں منافقین کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔ اسی طرح سورۂ نور 24:39،40 میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اور

لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَّمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑱ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ⑲ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ⑳ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ㉑ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

حکم برداری نہ کی اگر ان کے لیے زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ ہو اور اسی کے ساتھ ویسا ہی اور بھی ہو تو وہ سب کچھ اپنے بدلے میں دے دیں۔[1] پھر بھی چھٹکارا کہاں؟ یہی ہیں جن کے لیے برا حساب ہے[2] اور جن کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے ⑱ کیا وہ ایک شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہو،[3] نصیحت تو وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں ⑲[4] جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں[5] اور قول وقرار کو توڑتے نہیں ⑳[6] اور اللہ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، وہ اسے جوڑتے ہیں[7] اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں ㉑ اور وہ اپنے رب کی رضا مندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں[8] اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں[9] اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں[10]

احادیث میں بھی نبی ﷺ نے مثالوں کے ذریعے سے لوگوں کو بہت سی باتیں سمجھائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

① یہ مضمون اس سے قبل بھی دو تین جگہ گزر چکا ہے۔

② کیونکہ ان سے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب لیا جائے گا اور ان کا معاملہ «مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ» (صحيح البخاري، حديث:6536) ''جس سے حساب میں جرح کی گئی (اس کا بچنا مشکل ہوگا)، وہ عذاب سے دوچار ہو کر ہی رہے گا۔'' کا آئینہ دار ہو گا۔ اسی لیے آگے فرمایا اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

③ یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت وصداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو، یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی یہ دونوں اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح جھاگ اور پانی یا سونا، تانبا اور اس کی میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔

④ یعنی جن کے پاس قلب سلیم اور عقل صحیح نہ ہو اور جنھوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کے زنگ سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو، وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

⑤ یہ ان اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد، اس کے احکام (اوامر ونواہی) ہیں جنھیں وہ بجالاتے ہیں۔ یا وہ عہد ہے جو عہدِ اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کی تفصیل سورۂ اعراف 7:172 کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

⑥ اس سے مراد وہ باہمی معاہدے اور وعدے ہیں جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں یا وہ جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہیں۔

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿22﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿23﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿24﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ

اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں،[1] ان ہی کے لیے عاقبت کا گھر ہے ﴿22﴾[2] ہمیشہ رہنے کے باغات[3] جہاں وہ خود جائیں گے اور ان کے باپ داداؤں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو صالح ہوں گے،[4] ان کے پاس فرشتے ہر ہر دروازے سے آئیں گے ﴿23﴾ (کہیں گے کہ) تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دارِ آخرت کا ﴿24﴾ اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں

---

⑦ یعنی رشتوں اور رحموں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔

⑧ اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ صبر کی ایک قسم ہے۔ تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے۔ اللہ کی اطاعت میں لذتوں اور مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ یہ صبر کی تیسری قسم ہے۔ اہل دانش تینوں قسم کا صبر کرتے ہیں۔

⑨ ان کی حدود و مواقیت، خشوع و خضوع اور اعتدال ارکان کے ساتھ، نہ کہ اپنے من مانے طریقے سے۔

⑩ یعنی جہاں جہاں اور جب جب بھی خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اپنوں اور بیگانوں میں خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔

① یعنی ان کے ساتھ کوئی برائی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں یا عفو و درگزر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34) ''برائی کا جواب ایسے طریقے سے دو جو اچھا ہو (اگر تم ایسا کرو گے) تو وہ شخص جو تمھارا دشمن ہے ایسا ہو جائے گا گویا وہ تمھارا گہرا دوست ہے۔''

② یعنی جو ان اعلیٰ اخلاق کے حامل اور مذکورہ خوبیوں سے متصف ہوں گے۔ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔

③ ﴿عَدْنٍ﴾ کے معنی ہیں اقامت، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات۔

④ یعنی اس طرح نیک قرابت داروں کو آپس میں جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتی کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرما دے گا تاکہ وہ اپنے قرابت دار کے ساتھ جمع ہو جائے۔ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (الطور 52:21) ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ان کے عملوں سے ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔'' اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ صالح رشتے داروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایمان کی پونجی نہیں ہوگی تو وہ جنت میں نہیں جائے گا، چاہے اس کے دوسرے نہایت قریبی رشتے دار جنت میں چلے گئے ہوں کیونکہ جنت میں داخلہ حسب و نسب کی بنیاد پر نہیں ایمان و عمل کی بنیاد پر ہوگا «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحيح مسلم،

الدَّارِ ﴿25﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿26﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿28﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ

ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے﴿25﴾ اللہ[1] جس کی روزی چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔[2] یہ تو دنیا کی زندگی میں مست ہوگئے،[3] حالانکہ دنیا آخرت کے مقابلے میں نہایت (حقیر) پونجی ہے﴿26﴾[4] کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی (معجزہ) کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جواب دے دیجیے کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے، کردیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکے، اسے راستہ دکھا دیتا ہے﴿27﴾ جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے﴿28﴾[5] جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام بھی کیے، ان کے لیے خوشحالی ہے[6]

حدیث: 38-(2699)) ”جسے اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھائے گا۔“

[1] یہ نیکوں کے بعد بروں کا حشر بیان فرما دیا تاکہ انسان اس حشر سے بچنے کی کوشش کرے۔

[2] جب کافروں اور مشرکوں کے لیے یہ کہا کہ ان کے لیے برا گھر ہے تو ذہن میں یہ اشکال آسکتا ہے کہ دنیا میں تو انھیں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں مہیا ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے فرمایا کہ دنیوی اسباب اور رزق کی کمی بیشی یہ اللہ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت و مشیت، جس کو صرف وہی جانتا ہے، کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہے کسی کو کم۔ رزق کی فراوانی، اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور کمی کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہے۔

[3] کسی کو اگر دنیا کا مال زیادہ مل رہا ہے، باوجود یہ کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے تو یہ مقام فرحت و مسرت نہیں کیونکہ یہ استدراج ہے، مہلت ہے، پتہ نہیں کب یہ مہلت ختم ہو جائے اور اللہ کی پکڑ کے شکنجے میں آجائے۔

[4] حدیث میں آتا ہے کہ ”دنیا کی حیثیت، آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکالے تو دیکھے سمندر کے پانی کے مقابلے میں اس کی انگلی میں کتنا پانی آیا ہے؟“ (صحیح مسلم، حدیث: 55-(2858)) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے کے پاس سے ہوا تو اسے کان سے پکڑ کر فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا یہ مردہ تمھارے نزدیک حقیر ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2-(2957))

[5] اللہ کے ذکر سے مراد اس کی توحید کا بیان ہے جس سے مشرکوں کے دلوں میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے یا اس کی عبادت، تلاوت قرآن، نوافل اور دعا و مناجات ہے جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے یا اس کے احکام و فرامین کی اطاعت و بجا آوری ہے جس کے بغیر اہل ایمان و تقویٰ بے قرار رہتے ہیں۔

[6] ﴿طُوْبٰى﴾ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: خیر، حسنیٰ، کرامت، رشک، جنت میں مخصوص درخت یا مخصوص مقام وغیرہ۔ مفہوم سب کا ایک ہی ہے، یعنی جنت میں اچھا مقام اور اس کی نعمتیں اور لذتیں۔

وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ

اور بہترین ٹھکانا ﴿29﴾ اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا ہے[1] جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں کہ آپ انھیں ہماری طرف سے جو وحی آپ پر اتری ہے پڑھ کر سنائیے، یہ اللہ رحمٰن کے منکر ہیں،[2] آپ کہہ دیجیے کہ میرا پالنے والا تو وہی ہے، اس کے سوا درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں،[3] اسی کے اوپر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا رجوع ہے ﴿30﴾ اگر (بالفرض) قرآن کے ساتھ پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین کی (بڑی، بڑی) مسافتیں قطع کی جاتیں یا مُردوں سے باتیں کروائی جاتیں (پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے)، بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے،[4] تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جمعی نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دے۔ کفار کو تو ان کے کفر کے بدلے ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی سخت سزا پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب نازل ہوتی رہے گی[5] تاوقتیکہ وعدۂ الٰہی آپہنچے۔[6]

---

① جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لیے بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی جس طرح آپ کی کی گئی اور جس طرح تکذیب کے نتیجے میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں، انھیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔

② مشرکین مکہ رحمٰن کے لفظ سے بڑا بدکتے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے الفاظ لکھے گئے تو انھوں نے کہا: یہ رَحْمٰن رَحِيم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ آپ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھیں جو ہم جانتے ہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: 93-(1784))

③ یعنی رحمٰن ہی میرا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

④ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہر آسمانی کتاب کو قرآن کہا جاتا ہے، جس طرح کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''حضرت داود علیہ السلام سواریوں پر زین ڈالنے اور تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواریوں پر زین ڈالے جانے سے قبل ہی ایک مرتبہ قرآن پڑھ لیتے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3417) یہاں ظاہر بات ہے قرآن سے مراد زبور ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر پہلے کوئی آسمانی کتاب ایسی نازل ہوئی ہوتی کہ جس سے پہاڑ چلا دیے جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا مُردے بلوا دیے جاتے تو قرآن کریم کے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ موجود ہوتی کیونکہ یہ اعجاز و بلاغت میں پچھلی تمام کتابوں سے فائق ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعے سے یہ معجزات ظاہر ہوتے، تب بھی یہ کفار ایمان نہ لاتے کیونکہ ایمان لانا نہ لانا یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معجزوں پر نہیں، اسی لیے فرمایا: سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿32﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ لَهُمْ عَذَابٌ

یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿31﴾ یقیناً آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا اور میں نے بھی کافروں کو ڈھیل دی تھی، پھر انھیں پکڑ لیا تھا، پس میرا عذاب کیسا رہا؟ ﴿32﴾ [1] آیا وہ اللہ جو کہ نگہبانی کرنے والا ہے ہر شخص کی، اس کے کیے ہوئے اعمال پر [2] (انھیں چھوڑ دے گا)، ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں، کہہ دیجیے: ذرا ان کے نام تو لو، [3] کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا صرف اوپری اوپری باتیں بنا رہے ہو، [4] بات اصل یہ ہے کہ کفر کرنے والوں کے لیے ان کے مکر سجا دیے گئے ہیں، [5] اور وہ صحیح راہ سے روک دیے گئے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں ﴿33﴾ [6]

---

⑤ جو ان کے مشاہدے یا علم میں ضرور آئے گی تا کہ وہ عبرت پکڑ سکیں۔

⑥ یعنی قیامت واقع ہو جائے یا اہل اسلام کو قطعی فتح و غلبہ حاصل ہو جائے۔

① حدیث میں بھی آتا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ» "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔" اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (ھود 11:102) "اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب بستیوں کو پکڑتا ہے، یقیناً اس کی پکڑ بہت ہی الم ناک اور سخت ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 4686، وصحيح مسلم، حديث: 61-(2583))

② یہاں اس کا جواب محذوف ہے، یعنی کیا وہ ان معبودان باطل کے برابر ہو سکتا ہے جن کی یہ عبادت کرتے ہیں جو کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر، نہ وہ دیکھتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں۔

③ یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تا کہ انھیں پہچان سکیں، اس لیے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے، اس لیے آگے فرمایا: کیا تم اللہ کو وہ باتیں بتاتے ہو جو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں، یعنی ان کا وجود ہی نہیں، اس لیے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا، اس پر تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

④ یہاں ظَاهِرٌ ظن (غیر حقیقی بات) کے معنی میں ہے، یعنی یا یہ صرف ان کی ظنی (خلافِ حقیقت) باتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان بتوں کی عبادت اس گمان پر کرتے ہو کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور تم نے ان کے نام بھی معبود رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ "یہ تمھارے اور تمھارے باپوں کے رکھے ہوئے نام ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ یہ صرف گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔" (النجم 53:23)

⑤ مکر سے مراد ان کے وہ غلط عقائد و اعمال ہیں جن میں شیطان نے ان کو پھنسا رکھا ہے، شیطان نے گمراہیوں پر بھی حسین غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

⑥ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (المآئدة 5:41) "جس کو اللہ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿34﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿36﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے،[1] اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی زیادہ سخت ہے[2] اور انھیں اللہ کے غضب سے بچانے والا کوئی بھی نہیں ﴿34﴾ اس جنت کی صفت جس کا وعدہ پرہیز گاروں کو دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کا میوہ ہمیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پرہیز گاروں کا،[3] اور کافروں کا انجام کار دوزخ ہے ﴿35﴾ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے[4] وہ تو جو کچھ آپ پر اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں[5] اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں۔[6] آپ اعلان کر دیجیے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں اور اسی کی جانب میرا لوٹنا ہے ﴿36﴾ اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان کا فرمان اتارا ہے۔[7] اگر آپ نے ان کی خواہشوں[8] کی پیروی کر لی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے[9] تو اللہ کے

گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے تو تُو اللہ سے اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔" اور فرمایا: ﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝﴾ (النحل 16:37) "اگر تم ان کی ہدایت کی خواہش رکھتے ہو تو (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔"

① اس سے مراد قتل اور اسیری ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں ان کافروں کے حصے میں آتی ہے۔

② جس طرح نبی ﷺ نے بھی لعان کرنے والے جوڑے سے فرمایا تھا: «أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ» (صحیح مسلم، حدیث:4-(1493)) "دنیا کا عذاب، عذاب آخرت سے بہت ہلکا ہے۔" علاوہ ازیں دنیا کا عذاب (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی ہو) عارضی اور فانی ہے اور آخرت کا عذاب دائمی ہے اسے زوال وفنا نہیں۔ مزید برآں جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کی نسبت 69 گنا تیز ہے۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، اس لیے عذاب کے سخت ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

③ اہل کفار کے انجام بد کے ساتھ اہل ایمان کا حسن انجام بیان فرما دیا تاکہ جنت کے حصول میں رغبت اور شوق پیدا ہو۔ اس مقام پر امام ابن کثیر ؒ نے جنت کی نعمتوں، لذتوں اور ان کی خصوصی کیفیات پر مشتمل احادیث بیان فرمائی ہیں، جنھیں وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

④ اس سے مراد مسلمان ہیں اور مطلب ہے جو قرآن کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں۔

⑤ یعنی قرآن کے صدق کے دلائل وشواہد دیکھ کر مزید خوش ہوتے ہیں۔

⑥ اس سے مراد یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین ہیں۔ بعض کے نزدیک کتاب سے مراد تورات وانجیل ہے، ان میں سے جو مسلمان ہوئے، وہ خوش ہوتے ہیں اور انکار کرنے والے وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو مسلمان نہیں ہوئے۔

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿38﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

سامنے آپ کو کوئی حمایتی ملے گا اور نہ بچانے والا ﴿37﴾ [1] ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا، [2] کسی رسول سے نہیں ہوسکتا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی اجازت کے لے آئے، [3] ہر مقررہ وعدے کی ایک لکھت ہے ﴿38﴾ [4] اللہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے، لوح محفوظ اسی کے پاس ہے ﴿39﴾ [5] ان سے کیے ہوئے وعدوں میں سے کوئی

---

⑦ یعنی جس طرح آپ سے پہلے رسولوں پر کتابیں مقامی زبانوں میں نازل کیں، اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں اتارا، اس لیے کہ آپ کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں جن کی زبان عربی ہے۔ اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو سمجھ میں نہ آنے کا بہانہ بنا کر قبول ہدایت کے لیے اسے عذر بنا لیتے۔ ہم نے قرآن کو عربی میں اتار کر یہ عذر ہی دور کر دیا۔

⑧ اس سے مراد اہل کتاب کی بعض وہ خواہشیں ہیں جو وہ چاہتے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان انھیں اختیار کریں، مثلاً: بیت المقدس کو ہمیشہ کے لیے قبلہ بنائے رکھنا اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کرنا وغیرہ۔

⑨ اس سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے سے آپ کو عطا کیا گیا جس میں اہل کتاب کے معتقدات کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دی گئی۔

① یہ دراصل امت کے اہل علم کو تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کے عارضی مفادات کی خاطر قرآن و حدیث کے واضح احکام کے مقابلے میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں اگر وہ ایسا کریں گے تو انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

② یعنی آپ سمیت جتنے بھی رسول اور نبی آئے، سب بشر ہی تھے، جن کا خاندان اور قبیلہ تھا اور بیوی بچے تھے، وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لیے ان سے مانوس ہونا اور ان کے قریب ہونا مشکل تھا جس سے ان کو بھیجنے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے بشری جامے میں آتے تو یہ لوگ پھر بھی اسی اشتباہ میں پڑ جاتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بہ حیثیت جنس کے بشر ہی تھے، بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے، مذکورہ آیت میں ﴿ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾ سے رہبانیت اور ضبط تولید کی تردید بھی ہوتی ہے۔

③ یعنی معجزات کا صدور رسولوں کے اختیار میں نہیں کہ جب ان سے مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے صادر کر کے دکھا دیں بلکہ یہ کلیتًا اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ معجزے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس طرح اور کب دکھایا جائے؟

④ یعنی اللہ نے جس چیز کا بھی وعدہ کیا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت موعود پر اس کا وقوع ہو کر رہے گا، اس لیے کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت: لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ ہے۔ اور مطلب ہے کہ ہر وہ امر جسے اللہ نے لکھ رکھا ہے، اس کا ایک وقت مقرر ہے، یعنی معاملہ کفار کے ارادے اور منشا پر نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

⑤ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ وہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے باقی رکھے۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس نے جو تقدیر لکھ رکھی ہے، اس میں وہ محو و اثبات کرتا رہتا ہے، اسی کے پاس لوح محفوظ ہے۔ اس کی تائید بعض احادیث و آثار سے ہوتی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”آدمی گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے، دعا ہی سے تقدیر بدل جاتی ہے اور صلہ رحمی سے عمر میں

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿43﴾ ع 6/6 12

اگر ہم آپ کو دکھا دیں یا آپ کو ہم فوت کر لیں تو آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ حساب تو ہمارے ذمے ہی ہے ﴿40﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟[1] اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں،[2] وہ جلد حساب لینے والا ہے۔﴿41﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنی مکاری میں کمی نہ کی تھی لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں،[3] جو شخص جو کچھ کر رہا ہے اللہ کے علم میں ہے۔[4] کافروں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لیے ہے ﴿42﴾ یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ آپ جواب دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے[5] اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے ﴿43﴾[6]

اضافہ ہوتا ہے۔'' (مسند أحمد: 277/5) بعض صحابہ سے یہ دعا منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا أَشْقِيَاءَ فَامْحُهُ وَاكْتُبْنَا سُعَدَاءَ، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَأَثْبِتْنَا فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ» حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دورانِ طواف روتے ہوئے یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَ عَلَيَّ شِقْوَةً أَوْ ذَنْبًا فَامْحُهُ، فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ، وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ فَاجْعَلْهُ سَعَادَةً وَمَغْفِرَةً» (ابن كثير) ''اے اللہ! اگر تو نے مجھ پر بدبختی اور گناہ لکھا ہے تو اسے مٹا دے، اس لیے کہ تو جو چاہے مٹائے اور جو چاہے باقی رکھے، تیرے پاس ہی لوح محفوظ ہے، پس تو بدبختی کو سعادت اور مغفرت سے بدل دے۔'' اس مفہوم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو آتا ہے: «جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ» (صحيح البخاري، حديث: 5076) ''اے ابو ہریرہ! جس سے تو دو چار ہونے والا ہے قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ محو و اثبات بھی منجملہ قضا و تقدیر ہی کے ہے۔ (فتح القدير)

[1] یعنی عرب کی سر زمین مشرکین پر بتدریج تنگ ہو رہی ہے اور اسلام کو غلبہ و عروج حاصل ہو رہا ہے۔

[2] یعنی کوئی اللہ کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا۔

[3] یعنی مشرکین مکہ سے قبل بھی لوگ رسولوں کے مقابلے میں مکر کرتے رہے ہیں لیکن اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہوا، اسی طرح آئندہ بھی ان کا کوئی مکر اللہ کی مشیئت کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔

[4] وہ اس کے مطابق جزا اور سزا دے گا، نیک کو اس کی نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

[5] پس وہ جانتا ہے کہ میں اس کا سچا رسول اور اس کے پیغام کا داعی ہوں اور تم جھوٹے ہو۔

[6] مراد جنس کتاب کا علم ہے، مثلاً: تورات اور انجیل، یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں، جیسے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری وغیرہم رضی اللہ عنہم، یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ عرب کے مشرکین اہم معاملات میں اہل کتاب

اٰيَاتُهَا 52 (14) سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ (72) رُكُوْعَاتُهَا 7

سورۂ ابراہیم مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ① اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ② الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ③ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

الٓرٰ! یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں،[1] ان کے پروردگار کے حکم سے،[2] زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف ① وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔ اور کافروں کے لیے تو سخت عذاب کی خرابی ہے ② جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔[3] یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں ③[4] ہم نے ہر ہر رسول کو اس کی قومی زبان ہی میں بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کردے۔[5] اب اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے راہ دکھادے، وہ بڑا زبردست، حکمت والا ہے ④[6] (یادرکھو جب کہ) ہم نے موسیٰ کو

کی طرف رجوع کرتے اور ان سے پوچھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ اہل کتاب جانتے ہیں، تم ان سے پوچھ لو۔ بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن ہے اور حاملین علم کتاب مسلمان ہیں۔ اور بعض نے کتاب سے مراد لوح محفوظ لی ہے، یعنی جس کے پاس لوح محفوظ کا علم ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ مگر پہلا مفہوم زیادہ درست ہے۔

① جس طرح دوسرے مقام پر بھی اللہ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (الحدید 57:9) ''وہی ذات ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل فرماتی ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔'' ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرۃ 2:257) ''اللہ ایمان داروں کا دوست ہے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔''

② یعنی پیغمبر کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا ہے لیکن اگر کوئی اس راستے کو اختیار کرلیتا ہے تو یہ صرف اللہ کے حکم اور مشیت سے ہوتا ہے کیونکہ اصل ہادی وہی ہے۔ اس کی مشیت اگر نہ ہو تو پیغمبر کتنا بھی وعظ ونصیحت کرلے، لوگ ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس کی متعدد مثالیں انبیائے سابقین میں موجود ہیں اور خود نبی ﷺ باوجود شدید خواہش کے اپنے مہربان چچا ابوطالب کو مسلمان نہ کرسکے۔

③ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے مین میکھ نکالتے اور انھیں مسخ کرکے پیش کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ

اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ تو اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال [1] اور انھیں اللہ کے احسانات یاد دلا۔ [2] اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے نشانیاں ہیں⑤ [3] جس وقت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کے وہ احسانات یاد کرو جو اس نے تم پر کیے ہیں جبکہ اس نے تمھیں فرعونیوں سے نجات دی جو تمھیں بڑے دکھ پہنچاتے تھے۔ تمھارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور تمھاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے، اس میں تمھارے رب کی طرف سے تم پر بہت بڑی آزمائش تھی⑥ [4] اور جب تمھارے پروردگار نے تمھیں آگاہ [5] کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمھیں زیادہ [6] دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب

④ اس لیے کہ ان میں مذکورہ متعدد خرابیاں جمع ہو گئی ہیں، مثلاً: آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں کجی تلاش کرنا۔

⑤ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتابیں نازل کیں اور رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو قومی زبان میں بھیجا تا کہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

⑥ لیکن اس بیان وتشریح کے باوجود ہدایت اسے ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔

① یعنی جس طرح اے محمد! ہم نے آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی تا کہ آپ اپنی قوم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں۔ اسی طرح ہم نے موسیٰ کو معجزات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ انھیں کفر وجہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا کریں۔ آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے یا وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں کیا گیا ہے۔

② أَيَّامُ اللّٰهِ سے مراد اللہ کے وہ احسانات ہیں جو بنی اسرائیل پر کیے گئے جن کی تفصیل پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ یا ایام وقائع کے معنی میں ہے، یعنی وہ واقعات ان کو یاد دلا جن سے وہ گزر چکے ہیں جن میں ان پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات ہوئے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں بھی آ رہا ہے۔

③ صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اور ایمان کی تکمیل کے لیے مدد ومعاون ہیں، اس لیے یہاں صرف ان دو کا تذکرہ کیا گیا ہے دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ﴿صَبَّارٍ﴾ "بہت صبر کرنے والا۔" ﴿شَكُوْرٍ﴾ "بہت شکر کرنے والا" اور صبر کو شکر پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ شکر، صبر کا نتیجہ ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ ہی اس کے لیے بہتر ہے اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر اسے کوئی خوشی پہنچے، وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔" (صحیح مسلم، حدیث: 64-(2999))

④ یعنی جس طرح یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی، اس سے نجات اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔ اسی لیے بعض مترجمین نے ﴿بَلَآءٌ﴾ کا

لَشَدِيْدٌ ⑦ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

بہت سخت ہے⑦ موسیٰ① نے کہا کہ اگر تم سب اور روئے زمین کے تمام انسان اللہ کی ناشکری کریں تو بھی اللہ بے نیاز اور تعریفوں② والا ہے⑧ کیا تمھارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد وثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنھیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے لیکن انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لیے③

ترجمہ آزمائش اور بعض نے احسان کیا ہے۔

⑤ ﴿تَاَذَّنَ﴾ کے معنی ہیں: أَعْلَمَكُمْ بِوَعْدِهِ لَكُمْ اس نے اپنے وعدے کے ساتھ تمھیں آگاہ اور خبردار کر دیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قسم کے معنی میں ہو، یعنی جب تمھارے رب نے اپنی عزت وجلال اور کبریائی کی قسم کھا کر کہا۔ (ابن کثیر)

⑥ نعمت پر شکر کرنے پر مزید انعامات سے نوازوں گا۔

① اس کا مطلب یہ ہوا کہ کفران نعمت (ناشکری) اللہ کو سخت ناپسند ہے جس پر اس نے سخت عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے بھی فرمایا کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (صحیح مسلم، حدیث:4-(885))

② مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے۔ ناشکری کرے گا تو اللہ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے۔ سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟ جس طرح حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّازَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ» (صحیح مسلم، حدیث: 55-(2577)) ”اے میرے بندو! اگر تمھارے اول اور آخر اور اسی طرح تمام انسان اور جن، اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو (کوئی بھی نافرمان نہ رہے) تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول وآخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اول وآخر اور انسان وجن، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کر دوں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔“ فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى شَانُهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

③ مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں، مثلاً: ① انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں رکھ لیے اور کہا کہ ہمارا تو صرف

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى

اور صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے⑨ (1) ان کے رسولوں نے انھیں کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمھیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمھیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمھارے تمام گناہ معاف فرما دے، (2) اور ایک مقرر وقت تک تمھیں مہلت عطا فرمائے، انھوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان (3) ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ (4) اچھا تو ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو⑩ (5) ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ (6) اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمھیں لا

ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمھاری رسالت کے منکر ہیں۔ ② انھوں نے اپنی انگلیوں کے ساتھ اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔ ③ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر استہزا اور تعجب کے طور پر رکھ لیے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ ④ انھوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔ ⑤ بطور غیظ و غضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لے لیے۔ جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے: ﴿عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ (آل عمران 3:119) "وہ تم پر اپنی انگلیاں غیظ و غضب سے کاٹتے ہیں۔" امام شوکانی اور امام طبری رحمہما اللہ نے اسی آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔

① ﴿مُرِيْبٍ﴾ یعنی ایسا شک کہ جس سے نفس سخت قلق اور اضطراب میں مبتلا ہے۔

② یعنی تمھیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایمان و توحید کی دعوت بھی صرف اس لیے دے رہا ہے کہ تمھیں گناہوں سے پاک کر دے۔ اس کے باوجود تم اس خالق ارض و سما کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور اس کی دعوت سے تمھیں انکار ہے؟

③ یہ وہی اشکال ہے جو کافروں کو پیش آتا رہا کہ انسان ہو کر کس طرح کوئی وحی الٰہی اور نبوت و رسالت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ اور یہی اشکال بہ انداز دگر آج کل کے بعض مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بشر نہیں نور تھے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى

④ یہ دوسری رکاوٹ ہے کہ ہم ان معبودوں کی عبادت کس طرح چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے رہے ہیں؟ جبکہ تمھارا مقصد ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا کر الہ واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔

⑤ دلائل و معجزات تو ہر نبی کے ساتھ ہوتے تھے، اس سے مراد ایسی دلیل یا معجزہ ہے جس کے دیکھنے کے وہ آرزومند ہوتے تھے، جیسے مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے مختلف قسم کے معجزات طلب کیے تھے جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل میں آئے گا۔

اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰىنَا سُبُلَنَاؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَاؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ⑫ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاؕ فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ⑬ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِھِمْؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ

دکھائیں [1] اور ایمان داروں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ⑪ [2] آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سجھائی ہیں۔ واللہ! جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے۔ توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں ⑫ [3] کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمھیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں ہی کو غارت کر دیں گے ⑬ [4] اور ان کے بعد ہم خود تمھیں اس زمین میں بسائیں گے، [5] یہ ہے ان کے لیے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھیں اور میری وعید سے خوفزدہ رہیں ⑭ [6] اور انھوں نے

---

⑥ رسولوں نے پہلے اشکال کا جواب دیا کہ یقیناً ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن تمھارا یہ سمجھنا غلط ہے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی بعض انسانوں کو وحی و رسالت کے لیے چن لیتا ہے اور تم سب میں سے یہ احسان اللہ نے ہم پر فرمایا ہے۔

① ان کے حسب منشا معجزے کے سلسلے میں رسولوں نے جواب دیا کہ معجزے کا صدور ہمارے اختیار میں نہیں یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

② یہاں مومنین سے مراد اولاً خود انبیاء ہیں، یعنی ہمیں سارا بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ آگے فرمایا: ''آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔''

③ کہ وہی کفار کی شرارتوں اور سفاہتوں سے بچانے والا ہے۔

④ جیسے اور بھی کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے ان بندوں کے حق میں جو رسول ہیں کہ بے شک وہ منصور اور کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔'' ﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ﴾ (المجادلة 21:58) ''اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔''

⑤ یہ مضمون بھی اللہ نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 105:21) ''ہم نے لکھ دیا زبور میں، نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین کے وارث ہوں گے میرے صالح بندے۔'' (مزید دیکھیے: سورۃ الأعراف 7:128-137) چنانچہ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کی مدد فرمائی، آپ کو بادل نخواستہ مکے سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے سزا کے منتظر تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمْ کہہ کر چند

جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿15﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿16﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿17﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿18﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

فیصلہ طلب کیا[1] اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا﴿15﴾ اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائے گا﴿16﴾[2] جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پیے گا، پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکے گا اور اسے ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں،[3] پھر اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہے﴿17﴾ ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔[4] جو بھی انھوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، یہی دور کی گمراہی ہے﴿18﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا

ایک کے سوا سب کو معاف فرما دیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

⑥ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○﴾ (النّٰزعٰت 41,40:79) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو اس نے خواہش سے روکے رکھا، یقیناً جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔“ ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○﴾ (الرحمٰن 46:55) ”جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔“

① اس کا فاعل ظالم مشرک بھی ہو سکتے ہیں کہ انھوں نے بالآخر اللہ سے فیصلہ طلب کیا، یعنی اگر یہ رسول سچے ہیں تو یا اللہ ہم کو اپنے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دے، جیسے مشرکین مکہ نے کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾ (الأنفال 32:8) ”اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا، ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔“ یا جس طرح جنگ بدر کے موقع پر بھی مشرکین مکہ نے اسی قسم کی آرزو کی تھی جس کا ذکر اللہ نے سورۂ انفال آیت: 19 میں کیا ہے۔ یا اس کا فاعل رسول اللہ ﷺ ہوں کہ انھوں نے اللہ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیں جنھیں اللہ نے قبول کیا۔

② ﴿ صَدِيْدٍ ﴾ پیپ اور خون جو جہنمیوں کے گوشت اور ان کی کھالوں سے بہا ہوگا۔ بعض احادیث میں اسے «عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ» (مسند أحمد: 171/5) ”جہنمیوں کے جسم سے نچوڑا ہوا۔“ کہا گیا ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ یہ صدید اتنا گرم اور کھولتا ہوا ہوگا کہ ان کے منہ کے قریب پہنچتے ہی ان کے چہرے کی کھال جھلس کر گر پڑے گی اور اس کا ایک گھونٹ پیتے ہی اس کے پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

③ یعنی انواع و اقسام کے عذاب چکھ چکھ کر وہ موت کی آرزو کرے گا لیکن موت وہاں کہاں؟ وہاں تو اسی طرح دائمی عذاب ہوگا۔

④ قیامت والے دن کافروں کے عملوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ اس کا کوئی اجر و ثواب انھیں نہیں ملے گا۔

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿19﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿20﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿21﴾ وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

37 — ع 3/9 15

کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو بہترین تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق لائے ⑲ اللہ پر یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں ⑳ [1] سب کے سب اللہ کے سامنے روبرو کھڑے ہوں گے۔[2] اس وقت کمزور لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمھارے تابعدار تھے تو کیا تم اللہ کے عذابوں میں سے کچھ عذاب ہم سے دور کرسکنے والے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی ضرور تمھاری رہنمائی کرتے، اب تو ہم پر بے قراری کرنا اور صبر کرنا دونوں ہی برابر ہے، ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ㉑ [3] اور جب کام کا فیصلہ کردیا جائے گا تو شیطان [4] کہے گا کہ اللہ نے تو تمھیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کا خلاف کیا،[5] میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں،[6] ہاں، میں نے تمھیں پکارا اور تم نے

---

① یعنی اگر تم نافرمانیوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمھیں ہلاک کرکے تمھاری جگہ نئی مخلوق پیدا کردے۔ (یہی مضمون اللہ نے سورۂ نساء 133:4، سورۂ مائدہ 54:5، سورۂ فاطر 35:15-17 اور سورۂ محمد 38:47 میں بھی بیان کیا ہے۔)

② یعنی سب میدان محشر میں اللہ کے روبرو ہوں گے کوئی کہیں چھپ نہ سکے گا۔

③ بعض کہتے ہیں کہ جہنمی آپس میں کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لیے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے، آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں، چنانچہ وہ روئیں گے اور خوب آہ وزاری کریں گے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کرنے کی وجہ سے ملی، چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں، پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پس اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع وفزع، اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ ان کی باہمی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کو اور بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ اعراف 39،38:7، سورۂ احزاب 33:66-68، سورۂ مؤمن 48،47:40) اس کے علاوہ وہ آپس میں جھگڑیں گے بھی اور ایک دوسرے پر گمراہ کرنے کا الزام دھریں گے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جھگڑا میدان حشر میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبا 34:31-33 میں بیان فرمائی ہے۔

④ یعنی اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر وشرک جہنم میں چلے جائیں گے تو شیطان جہنمیوں سے کہے گا۔

⑤ اللہ نے جو وعدے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے کیے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے، ان کے مقابلے میں میرے وعدے تو سراسر دھوکا اور فریب تھے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا: ﴿یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (النسآء 120:4) ''شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے اور آرزوئیں محض دھوکا ہیں۔''

⑥ دوسرا یہ کہ میری باتوں میں کوئی دلیل وحجت نہیں ہوتی تھی، نہ میرا کوئی دباؤ تم پر تھا۔

لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿22﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿24﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿25﴾

میری مان لی، [1] پس تم مجھے الزام نہ لگاؤ بلکہ خود اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، [2] نہ میں تمھارا فریاد رس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے، [3] میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے، [4] یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿22﴾ [5] جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وہ ان جنتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں انھیں ہمیشگی ہوگی اپنے رب کے حکم سے، [6] جہاں ان کا خیر مقدم سلام سے ہوگا ﴿23﴾ [7] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنیاں آسمان میں ہیں ﴿24﴾ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا [8] ہے اور اللہ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿25﴾

① ہاں میری صرف دعوت اور پکار تھی، تم نے میری بے دلیل پکار کو تو مان لیا اور پیغمبروں کی دلیل و حجت سے بھرپور باتوں کو رد کر دیا۔

② اس لیے کہ قصور سارا تمھارا اپنا ہی ہے، تم نے عقل و شعور سے ذرا کام نہ لیا، دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کر دیا اور مجرد دعوے کے پیچھے لگے رہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی۔

③ یعنی نہ میں تمھیں اس عذاب سے نکلوا سکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس قہر و غضب سے مجھے بچا سکتے ہو جو اللہ کی طرف سے مجھ پر ہے۔

④ مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک گردانتے رہے تو تمھاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی تھی اور اس کی تدبیر بھی وہی کرتا رہا بھلا اس کا کوئی شریک کیوں کر ہو سکتا تھا؟

⑤ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ بھی شیطان ہی کا ہے اور یہ اس کے مذکورہ بیان کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کا کلام مِنْ قَبْلُ پر ختم ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مستقلاً کلام ہے۔

⑥ یہ اہل شقاوت و اہل کفر کے مقابلے میں اہل سعادت اور اہل ایمان کا تذکرہ ہے۔ ان کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر اہل ایمان والا کردار اپنانے کا شوق و رغبت پیدا ہو۔

⑦ یعنی آپس میں ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں فرشتے بھی ہر ہر دروازے سے داخل ہو ہو کر انھیں سلام عرض کیا کریں گے۔

⑧ اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو گرمی ہو یا سردی ہر وقت پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لمحات میں ہر آن اور ہر گھڑی آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ سے اسلام یا لَآ اِلٰهَ

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿27﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿29﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ

اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت جیسی ہے جو زمین کے کچھ ہی اوپر سے اکھاڑ لیا گیا۔ اسے کچھ ثبات تو ہے نہیں﴿26﴾[1] ایمان والوں کو اللہ پکی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی،[2] ہاں، ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے اور اللہ جو چاہے کر گزرے﴿27﴾ کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا﴿28﴾[3] یعنی دوزخ میں جس میں یہ سب جائیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے﴿29﴾ انھوں نے اللہ کے ہمسر بنا لیے کہ لوگوں کو اللہ کی

إِلَّا اللّٰهُ اور ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 72، وصحيح مسلم، حديث: 63-(2811))

[1] ﴿كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے مراد کفر اور ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ﴾ سے حنظل (اندرائن) کا درخت مراد ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہی ہوتی ہے اور ذرا سے اشارے سے اکھڑ جاتی ہے، یعنی کافر کے اعمال بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں، نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔

[2] اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ ''موت کے بعد قبر میں جب مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس فرمان: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ کا (صحيح البخاري، حديث: 4699، وصحيح مسلم، حديث: 73-(2871)) ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے، وہ مومن ہوتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ فرشتے اسے جہنم کا ٹھکانہ دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی جگہ تیرے لیے جنت میں ٹھکانہ بنا دیا ہے، پس وہ دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے اور اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو قیامت تک سرسبز کر دیا جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث: 70-(2870)) ایک اثر میں ہے، اس سے پوچھا جاتا ہے: «مَنْ رَّبُّكَ؟ مَا دِينُكَ؟ مَنْ نَّبِيُّكَ؟» ''تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا پیغمبر کون ہے؟'' پس اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ جواب دیتا ہے: رَبِّيَ اللّٰهُ ''میرا رب اللہ ہے۔'' وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ ''میرا دین اسلام ہے۔'' وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ ''اور میرے پیغمبر محمد ﷺ ہیں۔'' (تفسير ابن كثير)

[3] اس کی تفسیر صحیح بخاری میں ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 4700) جنھوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کروایا، تاہم اپنے مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہے اور مطلب یہ ہوگا

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿31﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿32﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ

راہ سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ خیر مزے کرلو تمھاری بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے ﴿30﴾ [1] میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دیجیے کہ نمازوں کو قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی نہ دوستی اور محبت ﴿31﴾ [2] اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمھاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمھارے بس میں کردیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے ندیاں اور نہریں تمھارے اختیار میں کردی ہیں ﴿32﴾ [3] اسی نے تمھارے لیے سورج چاند کو مسخر کردیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں [4]

کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الٰہیہ بنا کر بھیجا، پس جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبول کیا، اس نے شکر ادا کیا، وہ جنتی ہوگیا اور جس نے اس نعمت کو رد کردیا اور کفر اختیار کیے رکھا، وہ جہنمی قرار پایا۔

① یہ تہدید وتوبیخ ہے کہ دنیا میں تم جو کچھ چاہو کرلو مگر کب تک؟ بالآخر تمھارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

② نماز کو قائم کرنے کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر اور تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے جس طرح کہ نبی ﷺ کی سنت ہے۔ انفاق کا مطلب ہے کہ زکاۃ ادا کی جائے، اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور دیگر ضرورت مندوں پر احسان کیا جائے۔ یہ نہیں کہ صرف اپنی ذات اور اپنی ضروریات پر تو بلا دریغ خوب خرچ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی جگہوں پر خرچ کرنے سے گریز کیا جائے۔ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید وفروخت ممکن ہوگی نہ کوئی دوستی ہی کسی کے کام آئے گی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرۃ 2:254) ”اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے قبل (اللہ کی راہ میں) خرچ کرلو جس میں کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور سفارش ہی کام آئے گی۔“

③ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پر جو انعامات کیے ان میں بعض کا تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے۔ فرمایا: آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا۔ آسمان سے بارش نازل فرما کر مختلف قسم کے درخت اور فصلیں اگائیں جن میں لذت وقوت کے لیے میوے اور فروٹ بھی ہیں اور انواع واقسام کے غلے بھی جن کے رنگ اور شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ذائقے، خوشبو اور فوائد بھی مختلف ہیں۔ کشتیوں اور جہازوں کو خدمت میں لگا دیا کہ وہ تلاطم خیز موجوں پر چلتے ہیں، انسانوں کو بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور سامان تجارت بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ زمینوں اور پہاڑوں سے چشمے اور نہریں جاری کردیں تاکہ تم بھی سیراب ہو اور اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرو۔

④ یعنی مسلسل چلتے رہتے ہیں، کبھی ٹھہرتے نہیں رات کو نہ دن کو۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں لیکن کبھی ان کا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿33﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿34﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿35﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

اور رات دن کو بھی تمھارے کام میں لگا رکھا ہے﴿33﴾ [1] اسی نے تمھیں تمھاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے۔ [2] اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انھیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔ [3] یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے﴿34﴾ [4] ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد ہے جب انھوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنا دے، [5] اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے﴿35﴾ اے میرے پالنے والے معبود! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، [6] پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے

باہمی تصادم اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

① رات اور دن، ان کا باہمی تفاوت جاری رہتا ہے۔ کبھی رات، دن کا کچھ حصے لے کر لمبی ہو جاتی ہے اور کبھی دن، رات کا کچھ حصہ لے کر لمبا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کائنات کے آغاز سے چل رہا ہے، اس میں یک سرمو فرق نہیں آیا۔

② یعنی اس نے تمھاری ضرورت کی تمام چیزیں مہیا کیں جو تم اس سے طلب کرتے ہو۔ اور بعض کہتے ہیں جسے تم طلب کرتے ہو، وہ بھی دیتا ہے اور جسے نہیں مانگتے لیکن اسے پتہ ہے کہ وہ تمھاری ضرورت ہے، وہ بھی دیتا ہے۔ غرض تمھیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

③ یعنی اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں انھیں کوئی حیطہ شمار میں ہی نہیں لا سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے۔ ایک اثر میں حضرت داود علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اے رب! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے داود! اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ یا اللہ! میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر)

④ اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے غفلت کی وجہ سے انسان اپنے نفس کے ساتھ ظلم اور بے انصافی کرتا ہے۔ بالخصوص کافر جو بالکل ہی اللہ سے غافل ہے۔

⑤ ''اس شہر'' سے مراد مکہ ہے۔ دیگر دعاؤں سے قبل یہ دعا کی کہ اسے امن والا بنا دے، اس لیے کہ امن ہو گا تو لوگ دوسری نعمتوں سے بھی صحیح معنوں میں متمتع ہو سکیں گے، ورنہ امن و سکون کے بغیر تمام آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود خوف اور دہشت کے سائے انسان کو مضطرب اور پریشان رکھتے ہیں، جیسے آج کل کے عام معاشروں کا حال ہے۔ سوائے سعودی عرب کے۔ وہاں اس دعا کی برکت سے اور اسلامی حدود کے نفاذ سے آج بھی ایک مثالی امن قائم ہے۔ صَانَهَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ یہاں انعامات الٰہیہ کے ضمن میں اسے بیان فرما کر اشارہ کر دیا کہ قریش جہاں اللہ کے دیگر انعامات سے غافل ہیں۔ اس خصوصی انعام سے بھی غافل ہیں کہ اس نے انھیں مکہ جیسے امن والے شہر کا باشندہ بنایا۔

⑥ صَنَم دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ① وہ جثہ جو چاندی، پیتل، لکڑی یا پتھر وغیرہ سے بنایا جائے، مشرکین اللہ تعالیٰ کے قرب

وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿36﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿37﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿38﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ

اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف اور کرم کرنے والا ہے﴿36﴾ اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد [1] اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، [2] پس تو کچھ لوگوں [3] کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ اور انھیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما [4] تاکہ یہ شکرگزاری کریں﴿37﴾ اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں﴿38﴾ [5] اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ کچھ شک نہیں

کے حصول کے لیے اس کی پوجا کرتے تھے۔② اللہ تعالیٰ کے سوا جس کی عبادت کی جائے، وہ بھی صنم ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں: ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں مراد یہی دوسرا معنٰی ہے۔ (مفردات ألفاظ القرآن: 493، مادہ صنم) گمراہ کرنے کی نسبت ان اصنام کی طرف کی اس لیے کہ یہ گمراہی کے اسباب و بواعث ہیں۔

① ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ میں مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے، یعنی بعض اولاد کو جو کہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صلبی بیٹے تھے جن میں سے صرف اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بسایا۔ (فتح القدیر)

② عبادات میں سے صرف نماز کا ذکر کیا، جس سے نماز کی اہمیت واضح ہے۔

③ یہاں بھی مِنْ تبعیض کے لیے ہے کہ کچھ لوگ، مراد اس سے مسلمان ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ کس طرح دنیا بھر کے مسلمان مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے علاوہ بھی سارا سال یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم ﴿اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ (لوگوں کے دلوں) کہتے تو عیسائی، یہودی، مجوسی اور دیگر تمام لوگوں کے دل بھی مکہ کی طرف مائل ہوتے اور اس کی طرف ازدحام کرتے۔ لیکن مِنَ النَّاسِ کہہ کر اس دعا کو مسلمانوں تک محدود کر دیا۔ (ابن کثیر)

④ اس دعا کی تاثیر بھی دیکھ لی جائے کہ مکہ جیسی بے آب و گیاہ سرزمین میں، جہاں کوئی پھل دار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ مہیا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جبکہ پچاس ساٹھ لاکھ افراد مزید وہاں پہنچ جاتے ہیں، پھلوں کی فراوانی میں کوئی کمی نہیں آتی وَهٰذَا مِنْ لُّطْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكَرَمِهِ وَرَحْمَتِهِ وَبَرَكَتِهِ اِسْتِجَابَةً لِدُعَاءِ خَلِيْلِهِ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دعاؤں کی مذکورہ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد مانگی، جبکہ پہلی دعا (امن والا بنا دے) اس وقت مانگی، جب اپنی اہلیہ اور شیر خوار بچے اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر وہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ (ابن کثیر)

⑤ مطلب یہ ہے کہ میری دعا کے مقصد کو تو بخوبی جانتا ہے اس شہر والوں کے لیے دعا سے اصل مقصد تیری رضا ہے تو تو ہر چیز کی حقیقت کو خوب جانتا ہے، آسمان و زمین کی کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں۔ (ابن کثیر)

رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿39﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿40﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿41﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿43﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

(6 ع 7 18)

کہ میرا پالنہار (اللہ) دعاؤں کا سننے والا ہے﴿39﴾ اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی،[1] اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما﴿40﴾ اے ہمارے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش[2] اور دیگر مومنوں کو بھی جس دن حساب ہونے لگے﴿41﴾ ناانصافوں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھ، وہ تو انھیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی﴿42﴾[3] وہ اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑ بھاگ کر رہے ہوں گے،[4] خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل اڑے اور گرے ہوئے خالی ہوں گے﴿43﴾[5] لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آجائے گا اور ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت کی ہی مہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے پیغمبروں کی تابعداری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے؟

---

① اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی دعا مانگی، جیسے اس سے قبل بھی اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لیے بھی یہ دعا مانگی کہ انھیں اصنام کو پوجنے سے بچا کر رکھنا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے دین کے داعیوں کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ تبلیغ و دعوت میں انھیں اولیت دینی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو بھی حکم دیا: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○﴾ (الشعرآء 26:214) ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔''

② ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جبکہ ابھی ان پر اپنے باپ کا عَدُوُّ اللّٰهِ (اللہ کا دشمن) ہونا واضح نہیں ہوا تھا، جب یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے اظہار براءت کر دیا، اس لیے کہ مشرکین کے لیے دعا کرنا جائز نہیں، چاہے وہ قرابت قریبہ ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔

③ یعنی قیامت کی ہولنا کیوں کی وجہ سے۔ اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مؤاخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مؤاخذہ الٰہی سے نہیں بچ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

④ ﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ (القمر 54:8) ''بلانے والے کی طرف دوڑیں گے۔'' ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ ''حیرت سے اپنے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

⑤ جو ہولنا کیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انھیں ہوگا ان کے پیش نظر ان کی آنکھیں ایک لحظہ کے لیے بھی پست نہیں ہوں گی اور کثرت خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ

کہ تمھارے لیے دنیا سے ٹلنا ہی نہیں (44)[1] اور کیا تم ان لوگوں کے گھروں میں رہتے سہتے نہ تھے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کیا تم پر وہ معاملہ کھلا نہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا کچھ کیا۔ ہم نے تو تمھارے سمجھانے کو بہت سی مثالیں بیان کر دی تھیں (45)[2] یہ اپنی اپنی چالیں چل رہے ہیں اور اللہ کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے[3] اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں (46)[4] آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے نبیوں سے وعدہ خلافی کرے گا،[5] اللہ بڑا ہی غالب اور بدلہ لینے والا ہے (47)[6] جس دن زمین اس زمین کے سوا اور ہی بدل دی جائے گی اور آسمان[7] بھی اور سب کے سب اللہ واحد، غلبے والے کے روبرو ہوں گے (48) آپ اس دن گناہ گاروں

---

① یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ کوئی حساب کتاب اور جنت و دوزخ نہیں اور دوبارہ کسے زندہ ہونا ہے۔

② یعنی عبرت کے لیے ہم نے تو ان پچھلی قوموں کے واقعات بیان کر دیے ہیں جن کے گھروں میں اب تم آباد ہو اور ان کے کھنڈرات بھی تمھیں دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں۔ اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے سے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمھاری مرضی، پھر تم بھی اسی انجام کے لیے تیار رہو۔

③ یہ جملہ حالیہ ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ جو کیا وہ کیا، درآں حالیکہ انھوں نے باطل کے اثبات اور حق کے رد کرنے کے لیے مقدور بھر حیلے اور مکر کیے اور اللہ کو ان تمام چالوں کا علم ہے، یعنی اس کے پاس درج ہے جس کی وہ ان کو جزا دے گا۔

④ کیونکہ اگر پہاڑ ٹل گئے ہوتے تو اپنی جگہ برقرار نہ ہوتے جبکہ سب پہاڑ اپنی اپنی جگہ ثابت اور برقرار ہیں۔ یہ إِنْ نافیہ کی صورت میں ہے۔ دوسرے معنی إِنْ مُخَفَّفَہ مِنَ الْمُثَقَّلَہ کے لیے گئے ہیں، یعنی یقیناً ان کے مکر تو اتنے بڑے تھے کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان کے مکروں کو کامیاب نہیں ہونے دیا، جیسے مشرکین کے اللہ کے لیے دعوائے ولد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝﴾ (مریم 91,90:19) ''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر کہ انھوں نے کہا: رحمٰن (اللہ) کی اولاد ہے۔''

⑤ یعنی اللہ نے اپنے رسولوں سے دنیا اور آخرت میں مدد کرنے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً سچا ہے، اس سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

⑥ یعنی اپنے دوستوں کے لیے اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے والا ہے۔

⑦ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ تبدیلی صفات کے لحاظ سے ہو یا ذات کے لحاظ سے، یعنی یہ آسمان و زمین ذاتاً موجود ہوتے ہوئے اپنے صفات کے اعتبار سے بدل جائیں گے یا ذات کے لحاظ سے تبدیلی آئے گی، نہ یہ زمین رہے گی نہ یہ آسمان۔ زمین بھی کوئی اور ہو گی اور آسمان بھی کوئی اور۔ حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُحْشَرُ النَّاسُ

مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿49﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿50﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾

ع 7/11 19

اٰيَاتُهَا: 99 (15) سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (54) رُكُوْعَاتُهَا: 6	سورۂ حجر مکی ہے، اس کی 99 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿1﴾

کو دیکھیں گے کہ زنجیروں میں ملے جلے ایک جگہ جکڑے ہوئے ہوں گے ﴿49﴾ ان کے لباس گندھک کے ہوں گے [1] اور آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی ﴿50﴾ یہ اس لیے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دے، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿51﴾ یہ (قرآن) [2] تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقلمند لوگ سوچ سمجھ لیں ﴿52﴾

الٓرٰ، یہ کتاب الٰہی اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں ﴿1﴾ [3]

يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيهَا عَلَمٌ لِّأَحَدٍ» (صحیح مسلم، حدیث: 2790) ''قیامت والے دن لوگ سفید بھوری زمین پر اکٹھے ہوں گے جو میدہ کی روٹی کی طرح ہوگی۔ اس میں کسی کا کوئی جھنڈا (یا علامتی نشان) نہیں ہوگا۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جب یہ آسمان و زمین بدل دیے جائیں گے تو پھر لوگ اس دن کہاں ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''صراط پر'' یعنی پل صراط پر۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2791) ایک یہودی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ''لوگ اس دن پل کے قریب اندھیرے میں ہوں گے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 34-(315))

① جو آگ سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ جہنمیوں کو یہ لباس بھی اسی لیے پہنایا جائے گا تا کہ وہ آگ کی پوری شدت کا مزہ چکھیں۔ علاوہ ازیں آگ نے ان کے چہروں کو بھی ڈھانپا ہوا ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جاہلیت کی چار خصلتیں میری امت نہیں چھوڑے گی: ① خاندانی شرف و فضل پر فخر ② نسبوں میں طعن ③ ستاروں کے ذریعے سے بارش کی طلب (ان کی نقل و حرکت کو بارش کا سبب سمجھنا) ④ اور نوحہ و ماتم کرنا۔ اور فرمایا: نوحہ (بین) کرنے والی عورت نے اگر وفات سے قبل توبہ نہ کی تو اس پر گندھک کی شلوار اور خارش والی قمیص ہوگی۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 934)

② یہ اشارہ قرآن کی طرف ہے یا پچھلی تفصیلات کی طرف جو ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا﴾ سے بیان کی گئی ہیں۔

③ کتاب اور قرآن مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ جس طرح ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (المآئدۃ 5:15) میں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت و شان والا ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

وہ بھی وقت ہوگا کہ کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے② [1] آپ انھیں کھاتا، نفع اٹھاتا اور (جھوٹی) امیدوں میں مشغول ہوتا چھوڑ دیجیے یہ خود ابھی جان لیں گے③ [2] کسی بستی کو ہم نے ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لیے مقررہ نوشتہ تھا④ کوئی گروہ اپنی موت سے نہ آگے بڑھتا ہے، نہ پیچھے رہتا ہے⑤ [3] انھوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر اُتارا گیا ہے! یقیناً تُو تو کوئی دیوانہ ہے⑥ اگر تو سچا ہی ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا؟⑦ [4] ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں اور اس وقت وہ مہلت دیے گئے نہیں ہوتے⑧ [5] ہم ہی نے اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں⑨ [6] ہم نے آپ سے پہلے اگلی

① یہ آرزو کب کریں گے؟ موت کے وقت، جب فرشتے انھیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں یا جب جہنم میں چلے جائیں گے یا اس وقت جب گناہ گار ایمانداروں کو کچھ عرصہ بطور سزا جہنم میں رکھنے کے بعد جہنم سے نکالا جائے گا یا میدان محشر میں جہاں حساب کتاب ہو رہا ہوگا اور کافر دیکھیں گے کہ مسلمان جنت میں جا رہے ہیں تو آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے۔ ﴿رُبَمَا﴾ رُبَّ/رُبَمَا اصل میں تو تقلیل کے لیے ہے لیکن کبھی تکثیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے یا سیاق کلام کے لحاظ سے کبھی تقلیل کے لیے اور کبھی تکثیر کے لیے استعمال ہوتا ہے، اگر بمعنی تقلیل ہے تو مطلب یہ ہے کہ بعض مواقع پر وہ مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے اور اگر تکثیر کے لیے ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف سے یہ آرزو ہر موقع پر ہوتی رہے گی لیکن وہ آرزو کثرت سے کریں یا قلت سے اس کا انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

② یہ کفار کے لیے تہدید و توبیخ ہے کہ یہ اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آ رہے ہیں تو انھیں چھوڑ دیجیے، یہ دنیاوی لذتوں سے محظوظ ہولیں اور اپنی امیدوں کی دنیا میں غافل رہیں۔ عنقریب انھیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

③ جس بستی کو بھی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں تو بے وقت نہیں ہلاک کرتے بلکہ ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوتا ہے، اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دے دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے تو انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے، پھر وہ اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہوتے۔

④ یہ کافروں کے کفر و عناد کا بیان ہے کہ وہ نبی ﷺ کو دیوانہ کہتے اور کہتے کہ (اے محمد!) اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے؟ مطلب یہ کہ وہ تیری رسالت کی تصدیق کریں یا ہمیں ہلاک کر دیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے ہم حق کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں، یعنی جب ہماری حکمت و مشیت عذاب بھیجنے کی مقتضی ہوتی ہے تو پھر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور پھر وہ مہلت نہیں دیے جاتے، فوراً ہلاک کر دیے جاتے ہیں۔

⑥ یعنی اس کو دست بُرد زمانہ سے اور تحریف و تغییر سے بچانا یہ ہمارا کام ہے: چنانچہ قرآن آج تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح یہ

فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰

امتوں میں بھی اپنے رسول بھیجے⑩ اور (لیکن) جو بھی رسول ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے⑪ [1] گناہ گاروں کے دلوں میں ہم اسی طرح یہی رچادیا کرتے ہیں⑫ [2] وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یقیناً اگلوں کا طریقہ گزرا ہوا ہے⑬ [3] اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور وہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں⑭ تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر دیا گیا ہے⑮ [4] یقیناً ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں [5] اور دیکھنے والوں کے لیے اسے سجا دیا ہے⑯ اور اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ

اترا تھا، گمراہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں لیکن پچھلی کتابوں کی طرح یہ لفظی تحریف اور تغییر سے محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں اہل حق کی ایک جماعت بھی تحریفات معنوی کا پردہ چاک کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہی ہے جو ان کے گمراہانہ عقائد اور غلط استدلالات کے تارو پود بکھیرتی رہی ہے اور آج بھی وہ اس محاذ پر سرگرم عمل ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مُنزّل وحی کو ''ذکر'' (نصیحت) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن کریم کو محفوظ کیا گیا ہے اسی طرح نبی ﷺ کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات کو بھی محفوظ کر کے قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا ہے۔ یعنی قرآن کریم اور سیرت نبوی کے حوالے سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور کسی اور پیغمبر کے فرامین کو حاصل نہیں ہوا۔

① نبی ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی، ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔

②۔ یعنی کفر اور رسولوں کا استہزا ہم مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں یا رچا دیتے ہیں، یہ نسبت اللہ نے اپنی طرف اس لیے کی کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے گو ان کا یہ فعل ان کی مسلسل معصیت کے نتیجے میں اللہ کی مشیت سے رونما ہوا۔

③ یعنی ان کے ہلاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو اللہ نے جاری کر رکھا ہے کہ تکذیب واستہزا کے بعد وہ قوموں کو ہلاک کرتا رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ اللہ کا قدیم لوگوں میں طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ مجرموں کے دلوں میں کفر وشرک داخل کرتا ہے۔

④ یعنی ان کا کفر وعناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو رہا ایک طرف، اگر خود ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور یہ ان دروازوں سے آسمان پر آئیں جائیں، تب بھی انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آئے اور رسولوں کی تصدیق نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہم آسمان پر آ جا رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

⑤ ﴿بُرُوْجًا﴾ بُرْجٌ کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں۔ اسی سے تَبَرُّجٌ ہے جو عورت کے اظہار زینت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آسمان کے ستاروں کو بُروج کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ بُروج سے مراد

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿18﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿19﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿20﴾

رکھا﴿17﴾ [1] ہاں! مگر جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگتا ہے﴿18﴾ [2] اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس پر مضبوط پہاڑ ڈال دیے ہیں اور اس میں ہم نے ہر چیز ایک معین مقدار سے اگا دی ہے﴿19﴾ [3] اور اسی میں ہم نے تمھاری روزیاں بنادی ہیں [4] اور ان کی بھی جنھیں تم روزی دینے والے نہیں ہو﴿20﴾ [5]

شمس وقمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لیے مقرر ہیں۔ اور یہ 12 ہیں: حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ عرب ان سیاروں کی منزلوں کے ذریعے سے موسم کا حال معلوم کرتے تھے۔ لیکن یاد رہے کہ ان سے انسانوں کے متعلق تغیر پذیر ہونے والے واقعات وحوادث جاننے کا دعویٰ کرنا باطل ہے، جیسے آج کل بھی جاہلوں میں اس کا خاصا چرچا ہے۔ اور لوگوں کی قسمتوں کو ان کے ذریعے سے دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ ان کا کوئی تعلق دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حوادث سے نہیں ہوتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے صرف مشیت الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برجوں یا ستاروں کا ذکر اپنی قدرت اور بے مثال صنعت کے طور پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ واضح کیا ہے کہ یہ آسمان کی زینت بھی ہیں۔

① ﴿رَجِيْمٍ﴾ مَرْجُوْمٌ کے معنی میں ہے۔ رجم کے معنی سنگسار کرنے، یعنی پتھر مارنے کے ہیں۔ شیطان کو رجیم اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ جب آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا تو آسمان سے شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ کر گرتے، پھر رجیم ہونے کے ساتھ **ملعون ومردود** ہونا بھی لازم آتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ہم نے آسمانوں کی حفاظت فرمائی ہر شیطان رجیم سے، یعنی ان **ستاروں کے** ذریعے سے کیونکہ شیطان کو یہ مار کر قتل کردیا جاتا ہے یا اسے بدحواس و پاگل کردیا جاتا ہے یا وہ بچ کر واپس زمین پر آجاتا ہے۔

② اس کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں پر چوری چھپے باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں جن پر شہاب ثاقب ٹوٹ کر گرتے ہیں جن سے کچھ تو جل مرجاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور بعض سن آتے ہیں۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آتی ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اسے سن کر اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، اللہ کے حکم کے سامنے عجز ومسکنت کے اظہار کے طور پر گویا وہ کسی چٹان پر زنجیر کی آواز ہے، پھر جب فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے تو وہ مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے جو کہا، حق کہا اور وہ بلند اور بڑا ہے (اس کے بعد اللہ کا وہ فیصلہ اوپر سے نیچے تک یکے بعد دیگرے سنایا جاتا ہے۔) اس موقع پر شیطان چوری چھپے بات سنتے ہیں۔ اور یہ چوری چھپے بات سننے والے ایک دوسرے کے اوپر آسمان دنیا تک چڑھے ہوتے ہیں اور وہ ایک آدھ کلمہ سن لیتے ہیں تو ان کو تو شہابِ ثاقب مارا جاتا ہے، اکثر دفعہ دوسرے کو بات منتقل کردینے سے پہلے ہلاک ہوجاتا ہے اور کبھی اپنے نیچے والے کو بات پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے دوست نجومی یا کاہن کے کان میں پھونک دیتا ہے، وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بیان کرتا ہے۔'' (مُلخصاً. صحيح البخاري، حديث: 4701)

③ ﴿مَوْزُوْنٍ﴾ بمعنی معلوم یا بہ اندازہ، یعنی حسب ضرورت۔

④ ﴿مَعَايِشَ﴾ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے، یعنی زمین میں تمھاری معیشت اور گزران کے لیے بے شمار اسباب ووسائل پیدا کردیے۔

⑤ اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں، یعنی جانوروں کو تمھارے تابع کردیا ہے، جن پر تم سواری بھی کرتے ہو، سامان بھی لاد

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿21﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿22﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿23﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿25﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿26﴾ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ

ع 2/10 2

اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں،[1] اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں﴿21﴾ اور ہم بوجھل ہوائیں[2] بھیجتے ہیں پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمھیں پلاتے ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو﴿22﴾[3] ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی بالآخر وارث ہیں﴿23﴾ اور تم میں سے آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے بھی ہمارے علم میں ہیں﴿24﴾ آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا، بڑے علم والا ہے﴿25﴾ یقیناً ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی (بدبودار) کھنکھناتی مٹی سے پیدا فرمایا ہے﴿26﴾[4] اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لو والی آگ[5] سے پیدا کیا﴿27﴾ اور جب تیرے پروردگار

کر لے جاتے ہو اور انھیں ذبح کر کے کھا بھی لیتے ہو۔ اور غلام اور لونڈیاں جن سے تم خدمت گزاری کا کام لیتے ہو۔ یہ اگرچہ سب تمھارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارے اور خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، تم نہیں ہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم ان کے رازق ہو، اگر تم انھیں کھانا نہیں دو گے تو بھوکے مر جائیں گے۔

① جمہور نے یہاں خزائن سے مراد بارش لی ہے کیونکہ بارش ہی پیداوار اور معیشت کا ذریعہ ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کائنات کے خزانے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ حسب مشیت وارادہ عدم سے وجود میں لاتا رہتا ہے۔

② ہواؤں کو بوجھل اس لیے کہا کہ یہ ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن میں پانی ہوتا ہے۔ جس طرح لِقْحَةٌ اُس حاملہ اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس نے پیٹ میں بچہ اٹھایا ہوتا ہے۔

③ یعنی یہ پانی جو ہم اتارتے ہیں، اسے تم ذخیرہ کر کے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہو۔ یہ ہماری ہی قدرت ورحمت ہے کہ ہم اس پانی کو چشموں، کنوؤں اور نہروں کے ذریعے سے محفوظ رکھتے ہیں، ورنہ اگر ہم چاہیں تو پانی کی سطح اتنی نیچی کر دیں کہ چشموں اور کنوؤں سے پانی لینا تمھارے لیے ممکن نہ رہے، جس طرح بعض علاقوں میں اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ! احْفَظْنَا مِنْهُ.

④ مٹی کی مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں۔ خشک مٹی ﴿ تُرَابٌ ﴾ بھیگی ہوئی ﴿ طِيْنٍ ﴾ گوندھی ہوئی بدبودار ﴿ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾، جب یہ ﴿ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ خشک ہو کر کھن کھن بولنے لگے تو ﴿ صَلْصَالٍ ﴾ اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو فَخَّار (ٹھیکری) کہلاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جس طرح تذکرہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خاکی کا پتلا ﴿ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ (گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار مٹی) سے بنایا گیا، جب وہ سوکھ کر کھن کھن کرنے لگا تو ﴿ صَلْصَالٍ ﴾ ہو گیا۔ تو اس میں روح پھونکی گئی، اسی ﴿ صَلْصَالٍ ﴾ کو قرآن میں دوسری جگہ ﴿ كَالْفَخَّارِ ﴾ (فَخّار کی مانند) کہا گیا ہے: ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 14:55) ”پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا۔“

بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿28﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿29﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿30﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿31﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿34﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿35﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿36﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿37﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿38﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں﴿28﴾ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا﴿29﴾[1] چنانچہ تمام فرشتوں نے، سب کے سب نے سجدہ کرلیا﴿30﴾ مگر ابلیس کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت کرنے سے (صاف) انکار کردیا﴿31﴾ (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟﴿32﴾ وہ بولا کہ میں ایسا نہیں کہ اس انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے﴿33﴾[2] فرمایا: اب تو بہشت سے نکل جا کیوں کہ تو راندۂ درگاہ ہے﴿34﴾ اور تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت کے دن تک﴿35﴾ کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک ڈھیل دے کہ لوگ دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں﴿36﴾ فرمایا کہ اچھا تو ان میں سے ہے جنھیں مہلت ملی ہے﴿37﴾ روزِ مقرر کے وقت تک کی﴿38﴾ (شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا﴿39﴾ سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کرلیے گئے ہیں﴿40﴾ ارشاد ہوا کہ ہاں! یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے﴿41﴾[3] میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ

﴿5﴾ جنّ کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ سورۂ رحمٰن میں جنات کی تخلیق ﴿مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ سے بتلائی گئی ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بھی یہی کہا گیا ہے: «خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ»(صحیح مسلم، حدیث: 2996) اس اعتبار سے لو والی آگ یا آگ کے شعلے کا ایک ہی مطلب ہوگا۔

﴿1﴾ سجدے کا یہ حکم بطور تعظیم تھا، عبادت کے طور پر نہیں۔ اور یہ چونکہ اللہ کا حکم تھا، اس لیے اس کے وجوب میں کوئی شک نہیں تھا، تاہم شریعت محمدیہ میں بطور تعظیم بھی کسی کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

﴿2﴾ شیطان نے انکار کی وجہ آدم علیہ السلام کا خاکی اور بشر ہونا بتلایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اور بشر کو اس کی بشریت کی بنا پر حقیر اور کم تر سمجھنا یہ شیطان کا فلسفہ ہے جو اہل حق کا عقیدہ نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے اہل حق انبیاء کی بشریت کے منکر نہیں، اس لیے کہ ان کی بشریت کو خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں بشریت سے ان کی عظمت اور شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿3﴾ یعنی تم سب کو بالآخر میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، جس نے میری اور میرے رسولوں کی اطاعت کی ہوگی، میں انھیں اچھی جزا دوں گا

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿42﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿43﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ۚ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾ إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿45﴾ أُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا

نہیں،[1] لیکن ہاں! جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں ﴿42﴾ یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے ﴿43﴾[2] جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان کا ایک حصہ بٹا ہوا ہے ﴿44﴾[3] پرہیز گار جنتی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿45﴾[4] (ان سے کہا جائے گا:) سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ ﴿46﴾[5] ان کے دلوں میں جو کچھ رنجش و کینہ تھا، ہم سب کچھ نکال دیں گے،[6] وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ﴿47﴾ نہ تو وہاں انھیں کوئی تکلیف

اور جو شیطان کے پیچھے لگ کر گمراہی کے راستے پر چلتا رہا ہوگا اسے سخت سزا دوں گا جو جہنم کی صورت میں تیار ہے۔

① یعنی میرے نیک بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ ہی سرزد نہیں ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے ایسا گناہ نہیں ہوگا کہ جس کے بعد وہ نادم اور تائب نہ ہوں کیونکہ وہی گناہ انسان کی ہلاکت کا باعث ہے کہ جس کے بعد انسان کے اندر ندامت کا احساس اور توبہ و انابت الی اللہ کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ ایسے گناہ کے بعد ہی انسان گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر دائمی تباہی و ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً توبہ کر کے آئندہ کے لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

② یعنی جتنے بھی تیرے پیروکار ہوں گے، سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

③ یعنی ہر دروازہ مخصوص قسم کے لوگوں کے لیے خاص ہوگا، مثلاً: ایک دروازہ یہودیوں کے لیے، ایک عیسائیوں کے لیے، اسی طرح ایک ایک دروازہ صابیوں، مجوسیوں، مشرکوں، منافقوں کے لیے اور ایک عاصی موحدین کے لیے ہوگا، موحدین کو بالآخر بخش دیا جائے گا جبکہ دوسرے لوگ کبھی بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر) یا سات دروازوں سے مراد سات طبقے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ سب سے اوپر والا طبقہ جہنم ہے، دوسرا لظی، پھر اسی طرح حطمة، سعير، سقر، جحيم اور هاوية ہے۔ اور سب سے اوپر والا درجہ موحدین کے لیے ہوگا جنھیں کچھ عرصہ سزا دینے کے بعد یا سفارش پر نکال لیا جائے گا۔ دوسرے میں یہودی، اسی طرح بالترتیب نصرانی، صابی، مجوسی، مشرکین اور منافقین ہوں گے۔ سب سے اوپر والے درجے کا نام جہنم ہے، اس کے بعد اسی ترتیب سے نام ہیں۔ (فتح القدیر)

④ جہنم اور اہل جہنم کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے تاکہ جنت میں جانے کی ترغیب ہو۔ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے موحدین ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان جو تمام معاصی سے بچتے رہے۔ ﴿جَنّٰتٍ﴾ سے باغات اور ﴿عُيُوْنٍ﴾ سے نہریں مراد ہیں۔ یہ باغات اور نہریں یا تو تمام متقین کے لیے ہوں گی یا ہر ایک کے لیے الگ الگ باغات اور نہریں یا ایک ایک باغ اور نہر ہوگی۔

⑤ سلامتی ہر قسم کی آفات سے اور امن ہر قسم کے خوف سے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا فرشتے اہل جنت کو سلامتی کی دعا دیں گے۔ یا اللہ کی طرف سے ان کی سلامتی اور امن کا اعلان ہوگا۔

⑥ دنیا میں ان کے درمیان جو حسد اور بغض و عداوت کے جذبات رہے ہوں گے، وہ ان کے سینوں سے نکال دیے جائیں

نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿48﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿49﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿50﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿51﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿53﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿54﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿56﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿57﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿58﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿59﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿60﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿61﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿62﴾ قَالُوْا بَلْ

چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے (48) میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں (49) اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے (50) انھیں ابراہیم کے مہمانوں کا (بھی) حال سنا دو (51) کہ جب انھوں نے ان کے پاس آ کر سلام کہا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو تو تم سے ڈر لگتا ہے (52)[1] انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم تجھے ایک صاحب فہم فرزند کی بشارت دیتے ہیں (53) کہا: کیا اس بڑھاپے کے آ جانے کے بعد تم مجھے خوشخبری دیتے ہو! یہ خوشخبری تم کیسے دے رہے ہو؟ (54) انھوں نے کہا: ہم آپ کو بالکل سچی خوشخبری سناتے ہیں آپ مایوس لوگوں میں شامل نہ ہوں (55)[2] کہا: اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بہکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں (56)[3] پوچھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمھارا ایسا کیا اہم کام ہے؟ (57)[4] انھوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (58) مگر خاندان لوط کہ ہم ان سب کو تو ضرور بچالیں گے (59) سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے اسے رکنے اور باقی رہ جانے والوں میں مقرر کر دیا ہے (60) جب بھیجے ہوئے فرشتے آل لوط کے پاس پہنچے (61) تو انھوں نے کہا: تم لوگ تو کچھ انجان سے معلوم ہو رہے ہو (62)[5] انھوں نے کہا:

گے اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کے دل آئینے کی طرح صاف اور شفاف ہوں گے۔

(1) ابراہیم علیہ السلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لیے محسوس ہوا کہ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کا تیار کردہ بھنا ہوا بچھڑا نہیں کھایا، جیسا کہ سورۂ ہود میں تفصیل گزری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا اگر پیغمبر عالم الغیب ہوتے تو ابراہیم سمجھ جاتے کہ آنے والے مہمان فرشتے ہیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فرشتے انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج نہیں ہیں۔

(2) کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو خلاف نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں وہ ہر بات پر قادر ہے، کوئی بات اس کے لیے ناممکن نہیں۔

(3) یعنی اولاد کے ہونے پر میں جو تعجب اور حیرت کا اظہار کر رہا ہوں تو صرف اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کر رہا ہوں، یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید ہوں۔ رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔

(4) غالباً ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے اندازہ لگا لیا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے ہیں بلکہ ان کی آمد کا مقصد کوئی اور

جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿63﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿64﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿65﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿66﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿67﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿71﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾

38

نہیں، بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک شبہ کر رہے تھے ﴿63﴾ [1] ہم تو تیرے پاس (صریح) حق لائے ہیں اور ہم ہیں بھی بالکل سچے ﴿64﴾ [2] اب تو اپنے خاندان سمیت اس رات کے کسی حصہ میں چل دے اور آپ ان کے پیچھے رہنا، [3] اور (خبردار!) تم میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمھیں حکم کیا جا رہا ہے وہاں چلے جانا ﴿65﴾ اور ہم نے اس کی طرف اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی ﴿66﴾ [4] اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے ﴿67﴾ [5] (لوط نے) کہا: یہ لوگ میرے مہمان ہیں، تم مجھے رسوا نہ کرو ﴿68﴾ [6] اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو ﴿69﴾ وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کی ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟ ﴿70﴾ [7] (لوط نے) کہا: اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں ﴿71﴾ [8] تیری عمر کی قسم! وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے ﴿72﴾ [9]

بھی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ پوچھا۔

⑤ یہ فرشتے حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام کے لیے بالکل انجان تھے، اس لیے انھوں نے ان کے اجنبی ہونے کی بات کی۔

① یعنی عذاب الٰہی جس کے آنے میں تیری قوم کو شک ہے۔

② اس صریح حق سے بھی عذاب مراد ہے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے، اس لیے انھوں نے کہا: ہم ہیں بھی بالکل سچے، یعنی عذاب کی جو بات ہم کر رہے ہیں، اس میں سچے ہیں۔ اب اس قوم کی تباہی کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے۔

③ تاکہ کوئی مومن پیچھے نہ رہے تو ان کو آگے کرتا رہے۔

④ یعنی لوط علیہ السلام کو وحی کے ذریعے سے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہونے تک ان لوگوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی یا ﴿دَابِرَ﴾ سے مراد وہ آخری آدمی ہے جو باقی رہ جائے گا، فرمایا: وہ بھی صبح ہونے تک ہلاک کر دیا جائے گا۔

⑤ ایک طرف تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا فیصلہ کر لیا تھا، دوسری طرف یہ حال تھا کہ جب قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ السلام کے گھر میں خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور خوشی خوشی لوط کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ ان نوجوانوں کو ان کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان سے بے حیائی کا ارتکاب کر کے اپنی تسکین کر سکیں۔

⑥ لوط علیہ السلام نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مہمان ہیں، انھیں میں کس طرح تمھارے سپرد کر سکتا ہوں، اس میں تو میری رسوائی ہے۔

⑦ انھوں نے ڈھٹائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! تو ان اجنبیوں کا کیا لگتا ہے؟ اور کیوں ان کی حمایت کرتا ہے؟ کیا ہم نے تجھے منع نہیں کیا ہے کہ اجنبیوں کی حمایت نہ کیا کر یا ان کو اپنا مہمان نہ بنایا کر؟ یہ ساری گفتگو اس وقت ہوئی جبکہ لوط علیہ السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ اجنبی مہمانِ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور وہ اسی نابکار قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو ان کے ساتھ

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ﴿73﴾ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿74﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿75﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿76﴾ اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿77﴾ وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿78﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ ۘ وَاِنَّهُمَا

پس سورج نکلتے نکلتے انھیں ایک بڑے زور کی آواز نے پکڑ لیا﴿73﴾[1] بالآخر ہم نے اس شہر کو اوپر تلے کر دیا[2] اور ان لوگوں پر کھنگر والے پتھر[3] برسائے﴿74﴾ بلاشبہ نصیحت حاصل کرنیوالوں کے لیے[4] اس میں بہت سی نشانیاں ہیں﴿75﴾ یہ بستی ایسی راہ پر ہے جو برابر چلتی رہتی (عام گزرگاہ) ہے﴿76﴾[5] اور اس میں ایمان داروں کے لیے بڑی نشانی ہے﴿77﴾ ایکہ بستی کے رہنے والے بھی بڑے ظالم تھے﴿78﴾[6] جن سے

بدفعلی کے لیے مصر تھی جیسا کہ سورۂ ہود میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں ان کے فرشتے ہونے کا ذکر پہلے آ گیا ہے۔

⑧ یعنی ان سے تم نکاح کر لو یا پھر اپنی قوم کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں کہا، یعنی تم ان عورتوں سے نکاح کر و یا جن کے حبالۂ عقد میں عورتیں ہیں، وہ ان سے اپنی خواہش پوری کریں۔

⑨ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرما کر ان کی زندگی کی قسم کھا رہا ہے جس سے آپ کا شرف وفضل واضح ہے، تاہم کسی اور کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو حاکم مطلق ہے، وہ جس کی چاہے قسم کھائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح شراب کے نشے میں دھت انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، اسی طرح یہ اپنی بدمستی اور گمراہی میں اتنے سرگرداں تھے کہ لوط علیہ السلام کی اتنی معقول بات کی طرف ذرا توجہ نہیں کی۔

① ایک چنگھاڑ نے، جبکہ سورج طلوع ہو رہا تھا، ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زوردار آواز حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی۔

② کہا جاتا ہے کہ ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوپر آسمان تک لے جایا گیا اور وہاں سے ان کو الٹا کر زمین پر پھینک دیا گیا۔ یوں اوپر والا حصہ نیچے اور نچلا حصہ اوپر کر کے تہ وبالا کر دیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد محض اس بستی کا چھتوں سمیت زمین بوس ہو جانا ہے۔

③ اس کے بعد ان پر کھنگر قسم کے مخصوص پتھر برسائے گئے۔ اس طرح تین قسم کے عذابوں سے انھیں دوچار کر کے نشان عبرت بنا دیا گیا۔

④ گہری نظر سے جائزہ لینے اور غور وفکر کرنے والوں کو مُتَوَسِّمِينَ کہا جاتا ہے۔ مُتَوَسِّمِينَ کے لیے اس واقعے میں عبرت کے پہلو اور نشانیاں ہیں۔

⑤ مراد شاہراہِ عام ہے، یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینے سے شام کو جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہیں۔ اس راستے پر آنے جانے والے کو انھی بستیوں سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔

⑥ ﴿الْأَيْكَةِ﴾ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ اس بستی میں گھنے درخت ہونے کی وجہ سے انھیں ﴿أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ﴾ (بن یا جنگل والے) کہا گیا ہے۔ مراد اس سے قوم شعیب ہے اور ان کا زمانہ لوط علیہ السلام کے بعد ہے اور ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔ اسے مدین کہا جاتا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے کا نام تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام پڑ گیا تھا۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، رہزنی ان کا شیوہ اور کم تولنا اور کم ناپنا ان کا وتیرہ تھا، ان پر جب عذاب آیا تو ایک تو بادل ان پر سایہ فگن ہو گیا، پھر چنگھاڑ اور بھونچال نے مل کر ان کو ہلاک کر دیا۔

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿80﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿81﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿85﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿87﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى

آخر ہم نے انتقام لے ہی لیا۔ یہ دونوں شہر کھلے (عام) راستے پر ہیں ﴿79﴾[1] اور حجر والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿80﴾[2] اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی عطا فرمائیں، تاہم وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے ﴿81﴾[3] یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے، بے خوف ہو کر ﴿82﴾[4] آخر انھیں بھی صبح ہوتے ہوتے چنگھاڑ نے آدبوچا ﴿83﴾[5] پس ان کی کسی تدبیر و عمل نے انھیں کوئی فائدہ نہ دیا ﴿84﴾ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے،[6] اور قیامت ضرور ضرور آنے والی ہے، پس تو حسن و خوبی (اور اچھائی) سے درگزر کر لے ﴿85﴾ یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے ﴿86﴾ یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں[7] کہ دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن بھی دے رکھا ہے ﴿87﴾ آپ ہرگز اپنی نظریں اس چیز کی طرف

---

① ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کے معنی بھی شاہراہِ عام کے ہیں، جہاں سے شب و روز لوگ گزرتے ہیں۔ دونوں شہروں سے قوم لوط کا شہر (سدوم) اور قوم شعیب کا مسکن (مدین) مراد ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہی تھے۔

② ﴿اَلْحِجْرِ﴾ صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) کی بستی کا نام تھا۔ انھیں ﴿اَصْحٰبُ الْحِجْرِ﴾ (حجر والے) کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ (آج کل اس بستی کے قریب اَلْعُلَا نام کا ایک بڑا شہر آباد ہے۔ اور حجر ''مدائن صالح'' کے نام سے معروف ہے) انھوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' یہ اس لیے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ایسے ہی ہے جیسے سارے پیغمبروں کی تکذیب۔

③ ان نشانیوں میں وہ اونٹنی بھی تھی جو ان کے کہنے پر ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی لیکن ظالموں نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔

④ یعنی بغیر کسی خوف یا احتیاج کے پہاڑ تراش لیا کرتے تھے۔ 9 ہجری میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اس بستی سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ ''روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گزرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4419، وصحيح مسلم، حديث: 39-(2980)) اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے اس بستی کے کنووں سے پانی لیا اور اس سے آٹا گوندھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ پانی پھینک دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2981)

⑤ صالح علیہ السلام نے انھیں کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، چنانچہ چوتھے روز ان پر یہ عذاب آ گیا۔

⑥ حق سے مراد وہ فوائد و مصالح ہیں جو آسمان و زمین میں موجود ہیں، یا حق سے مراد محسن (نیکوکار) کو اس کی نیکی کا اور بدکار کو اس کی برائی کا بدلہ دینا ہے۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ وہ بروں

مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿89﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿90﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿91﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ

نہ دوڑائیں جس سے ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے، نہ ان پر آپ افسوس کریں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں﴿88﴾[1] اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں﴿89﴾ جیسے کہ ہم نے ان قسمیں کھانے والوں پر اتارا﴿90﴾[2] جنھوں نے اس کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے﴿91﴾ قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے﴿92﴾ ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے﴿93﴾ پس آپ[3] اس حکم کو، جو آپ کو کیا جا رہا ہے، کھول کر سنا دیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر

کو ان کی برائیوں کا اور نیکوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دے۔'' (النجم 31:53)

⑦ ﴿سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور جو ہر نماز اور نماز کی ہر رکعت میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے کیے گئے ہیں) حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4703) ایک اور حدیث میں فرمایا: «أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ» (صحيح البخاري، حديث: 4704) سورۂ فاتحہ قرآن کا ایک جز ہے، اس لیے قرآن عظیم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

① یعنی ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن عظیم جیسی نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، اس لیے دنیا اور اس کی زینتیں اور ان مختلف قسم کے اہل دنیا کی طرف نظر نہ دوڑائیں جن کو دنیائے فانی کی عارضی چیزیں ہم نے دی ہیں۔ اور وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اس پر غم نہ کھائیں اور مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رہیں، یعنی ان کے لیے نرمی اور محبت کا رویہ اپنائیں۔ اس محاورہ کی اصل یہ ہے کہ جب پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پاس بلاتا ہے تو اپنے بازوؤں، یعنی پروں کو کھول لیتا ہے، بچے جب پروں کے نیچے آ جاتے ہیں تو پھر پرندہ اپنے پروں کو ان کے اوپر جھکا لیتا ہے۔ یوں یہ ترکیب نرمی، پیار و محبت کا رویہ اپنانے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔

② بعض مفسرین کے نزدیک ﴿اَنْزَلْنَا﴾ کا مفعول اَلْعَذَاب محذوف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تمھیں کھول کر ڈرانے والا ہوں عذاب سے، مثل اس عذاب کے جو ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ پر نازل ہوا۔ ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ کون ہیں؟ جنھوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کی قوم مراد ہے جنھوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، اس کے بعض حصے کو شعر، بعض کو سحر (جادو)، بعض کو کہانت اور بعض کو (اساطیر الاولین) (پہلوں کی کہانیاں) قرار دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ سے اہل کتاب اور قرآن سے مراد تورات و انجیل ہیں۔ انھوں نے ان آسمانی کتابوں کو متفرق اجزاء میں تحریف کر کے بانٹ دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنھوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ صالح اور ان کے گھر والوں کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیں گے۔ ﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ﴾ (النمل 49:27) ''انھوں نے اللہ کے نام پر آپس میں قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور اسے اور اس

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿94﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿95﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿97﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿98﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿99﴾

ع 6 20 6

اٰيَاتُهَا 128 (16) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (70) رُكُوْعَاتُهَا 16	سورۂ نحل مکی ہے، اس کی 128 آیات اور 16 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿1﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿2﴾

لیجیے ﴿94﴾ آپ سے جو لوگ مسخراپن کرتے ہیں، ان کی سزا کے لیے ہم کافی ہیں ﴿95﴾ جو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں، انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ﴿96﴾ ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ﴿97﴾ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں ﴿98﴾ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے ﴿99﴾ [1]

اللہ کا حکم آپہنچا، اب اس کی جلدی نہ مچاؤ،[2] تمام پاکی اس کے لیے ہے، وہ برتر ہے ان سب سے جنھیں یہ اللہ کے نزدیک شریک بتلاتے ہیں ﴿1﴾ وہی فرشتوں کو اپنی وحی[3] دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے[4] اتارتا ہے کہ تم لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میرے

کے گھر والوں کو رات میں قتل کریں گے۔'' اور آسمانی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ﴿عِضِيْنَ﴾ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کی بعض باتوں پر ایمان رکھنا اور بعض کے ساتھ کفر کرنا۔

③ ﴿فَاصْدَعْ﴾ کے معنی ہیں کھول کر بیان کرنا، اس آیت کے نزول سے قبل آپ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے، اس کے بعد آپ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ (فتح القدير)

① مشرکین آپ کو ساحر، مجنون اور کاہن وغیرہ کہتے جس سے بشری جبلت کی وجہ سے آپ کبیدہ خاطر ہوتے، اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ حمد و ثنا کریں، نماز پڑھیں اور اپنے رب کی عبادت کریں، اس سے آپ کو قلبی سکون بھی ملے گا اور اللہ کی مدد بھی حاصل ہوگی، سجدے سے یہاں نماز اور یقین سے مراد موت ہے۔

② اس سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ قیامت قریب آگئی ہے جسے تم دور سمجھتے تھے، پس جلدی نہ مچاؤ یا وہ عذاب مراد ہے جسے مشرکین طلب کرتے تھے۔ اسے مستقبل کی بجائے ماضی کے صیغے سے بیان کیا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے۔

③ روح سے مراد وحی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ (الشوریٰ 52:42) ''اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے وحی کی، اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے..... الخ۔''

④ مراد انبیاء ﷺ ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الأنعام 124:6)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑦ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

سوا اور کوئی معبود نہیں، پس تم مجھ سے ڈرو② اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا[1] وہ اس سے بری ہے جو مشرک کرتے ہیں③ اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا④[2] اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمھارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں[3] اور تمھارے کھانے کے کام آتے ہیں⑤ اور ان میں تمھاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی⑥[4] اور وہ تمھارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم جانوں کی مشقت کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ یقیناً تمھارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے⑦ گھوڑوں کو، خچروں کو اور گدھوں کو اس نے پیدا کیا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔[5]

"اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں اپنی رسالت رکھے۔" ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝﴾ (المؤمن 15:40) "وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے وحی ڈالتا (نازل فرماتا ہے) تاکہ وہ ملاقات والے (قیامت کے) دن سے لوگوں کو ڈرائے۔"

① یعنی محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے جزا و سزا جیسا کہ ابھی تفصیل گزری ہے۔

② یعنی ایک پانی سے جو ایک جاندار کے اندر سے نکلتا ہے جسے منی کہا جاتا ہے۔ اسے مختلف اطوار سے گزار کر ایک مکمل صورت دی جاتی ہے، پھر اس میں اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے اور ماں کے پیٹ سے نکال کر اس دنیا میں لاتا ہے جس میں وہ زندگی گزارتا ہے لیکن جب اسے شعور آتا ہے تو اسی رب کے معاملے میں جھگڑتا، اس کا انکار کرتا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔

③ اسی احسان کے ساتھ دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ چوپائے (اونٹ، گائے اور بکریاں) بھی اسی نے پیدا کیے، جن کے بالوں اور اون سے تم گرم کپڑے تیار کر کے گرمی حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہو، مثلاً: ان سے دودھ حاصل کرتے ہو، اونٹوں پر سواری کرتے اور سامان لادتے ہو، گائے بیل کے ذریعے سے ہل چلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔

④ ﴿تُرِيْحُوْنَ﴾ جب شام کو چراگاہوں سے گھر لاؤ، ﴿تَسْرَحُوْنَ﴾ جب صبح چرانے کے لیے لے جاؤ، ان دونوں وقتوں میں یہ لوگوں کی نظروں میں آتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں حسن و جمال کا ایک اچھا منظر ہوتا ہے۔ ان دونوں اوقات کے علاوہ وہ نظروں سے اوجھل رہتے یا باڑوں میں بند رہتے ہیں۔

⑤ یعنی ان کی پیدائش کا اصل مقصد اور فائدہ تو ان پر سواری کرنا ہے، تاہم یہ زینت کے اسباب بھی ہیں۔ گھوڑے کا خچر اور گدھوں کے ساتھ یکجا ذکر کرنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ گھوڑا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح گدھا اور خچر۔ علاوہ ازیں کھانے والے چوپایوں کا پہلے ذکر آ چکا ہے، اس لیے اس آیت میں جن تین جانوروں کا ذکر ہے، یہ صرف رکوب

وَزِيْنَةً ط وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ط وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط

اور بھی وہ ایسی بہت چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمھیں علم بھی نہیں⑧ [1] درمیانی راہ اللہ کی طرف پہنچنے والی ہے۔ [2] اور بعض ٹیڑھی راہیں ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا⑨ [3] وہی تمھارے فائدے کے لیے آسمان سے پانی برساتا ہے جسے تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اُگے ہوئے درختوں سے تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو⑩ اسی سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، بے شک ان لوگوں کے لیے تو اس میں نشانی [4] ہے جو غور وفکر کرتے ہیں⑪ اسی نے رات دن اور سورج چاند کو

(سواری) کے لیے ہیں لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ صحیح احادیث سے گھوڑے کی حلت ثابت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے: «أَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ» (صحيح البخاري، حديث:5520، وصحيح مسلم، حديث:36-(1941)) علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی موجودگی میں خیبر اور مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا اور کھایا۔ آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو: (صحيح مسلم، حديث:37-(1941)، ومسند أحمد: 356/3، وسنن أبي داود، حديث: 3789) اسی لیے جمہور علماء، ائمۂ ثلاثہ اور سلف وخلف کی اکثریت گھوڑے کی حلت کی قائل ہے۔ (تفسير ابن كثير) علاوہ ازیں خود حنفی فقہی کتابوں میں بھی گھوڑے کی حلّت کی صراحت موجود ہے۔ یہاں گھوڑے کا ذکر محض سواری کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا غالب ترین استعمال اسی مقصد کے لیے ہے، وہ ساری دنیا میں ہمیشہ اتنا گراں اور قیمتی ہوا کرتا ہے کہ خوراک کے طور پر اس کا استعمال بہت ہی نادر ہے۔ بھیڑ بکری کی طرح اس کو خوراک کے لیے ذبح نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو بلا دلیل حرام ٹھہرا دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے دو شاگرد ابو یوسف اور محمد بن حسن اس کی حلت کے قائل ہیں اور امام صاحب نے بھی آخر میں رجوع کر لیا تھا۔ (مظاہر حق، رد المختار) پھر معلوم نہیں بعض حنفی حضرات گھوڑے کی حلّت سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

① زمین کے زیریں حصے میں، اسی طرح سمندر میں اور بے آب وگیاہ صحراؤں اور جنگلوں میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا فرماتا رہتا ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، علاوہ ازیں اس میں انسان کی بنائی ہوئی وہ چیزیں بھی آجاتی ہیں جو اللہ کے دیے ہوئے دماغ اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسی کی پیدا کردہ چیزوں کو مختلف انداز میں جوڑ کر وہ تیار کرتا ہے، مثلاً: بس، کار، ریل گاڑی، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور اس طرح کی بے شمار چیزیں اور جو مستقبل میں متوقع ہیں۔

② اس کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں ''اور اللہ ہی پر ہے سیدھی راہ''۔ یعنی اس کا بیان کرنا، چنانچہ اس نے اسے بیان فرما دیا اور ہدایت اور ضلالت دونوں کو واضح کر دیا، اسی لیے آگے فرمایا کہ بعض راہیں ٹیڑھی ہیں، یعنی گمراہی کی ہیں۔

③ لیکن اس میں چونکہ جبر ہوتا اور انسان کی آزمائش نہ ہوتی، اس لیے اللہ نے اپنی مشیت سے سب کو مجبور نہیں کیا بلکہ دونوں راستوں کی نشاندہی کر کے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ

تمھارے تابع کردیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمند لوگوں کے لیے کئی ایک نشانیاں موجود ہیں⑫ [1] اور بھی بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ روپ کی اس نے تمھارے لیے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بے شک نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے اس میں بڑی بھاری نشانی ہے⑬ [2] اور دریا بھی اسی نے تمھارے بس میں کردیے ہیں کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے اپنے پہننے کے زیورات نکال سکو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس میں پانی چیرتی ہوئی (چلتی) ہیں اور اس لیے بھی کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور ہوسکتا ہے کہ تم شکر گزاری بھی کرو⑭ [3] اور اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیے ہیں تاکہ تمھیں ہلا نہ دے، [4] اور نہریں اور راہیں بنا دیں تاکہ تم منزل مقصود کو پہنچو⑮ [5] اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں⑯ تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا

④ اس میں بارش کے وہ فوائد بیان کیے گئے ہیں جو ہر شخص کے مشاہدے اور تجربے کا حصہ ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ نیز ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

① کہ کس طرح رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، چاند اور سورج کس طرح اپنی اپنی منزلوں کی طرف رواں دواں رہتے ہیں اور ان میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا، ستارے کس طرح آسمان کی زینت اور رات کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے مسافروں کے لیے دلیلِ راہ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور سلطنت عظیمہ پر دلالت کرتے ہیں۔

② یعنی زمین میں اللہ نے جو معدنیات، نباتات، جمادات اور حیوانات اور ان کے منافع اور خواص پیدا کیے ہیں، ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

③ اس میں سمندر کی تلاطم خیز موجوں کو انسان کے تابع کردینے کے بیان کے ساتھ، اس کے تین فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ تم اس سے مچھلی کی شکل میں تازہ گوشت کھاتے ہو (اور مچھلی مردہ بھی ہو تب بھی حلال ہے۔ علاوہ ازیں حالت احرام میں بھی اس کا شکار کرنا حلال ہے۔) دوسرے، اس سے تم موتی، سیپیاں اور جواہر نکالتے ہو جن سے تم زیور بناتے ہو۔ تیسرے، اس میں تم کشتیاں اور جہاز چلاتے ہو جن کے ذریعے سے تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاتے ہو، تجارتی سامان بھی لاتے، لے جاتے ہو، جس سے تمھیں اللہ کا فضل حاصل ہوتا ہے جس پر تمھیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

④ یہ پہاڑوں کا فائدہ بیان کیا جارہا ہے اور اللہ کا ایک احسان عظیم بھی کیونکہ اگر زمین ہلتی رہتی تو اس میں سکونت ممکن ہی نہ رہتی۔ اس کا اندازہ ان زلزلوں سے کیا جاسکتا ہے جو چند سیکنڈوں اور لمحوں کے لیے آتے ہیں لیکن کس طرح وہ بڑی بڑی مضبوط عمارتوں کو پیوند

لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ⑲ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ⑳ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۠㉑ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ㉒ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ

ہے جو پیدا نہیں کرسکتا؟ کیا تم بالکل نہیں سوچتے؟⑰ [1] اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کر سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، مہربان ہے⑱ اور جو کچھ تم چھپاؤ اور ظاہر کرو اللہ سب کچھ جانتا ہے⑲ [2] اور جن جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں⑳ [3] مردے ہیں زندہ نہیں، [4] انھیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے㉑ [5] تم سب کا معبود صرف اللہ اکیلا ہے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منکر ہیں اور وہ خود تکبر سے بھرے ہوئے ہیں㉒ [6] بے شک اللہ

زمین اور شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

⑤ نہروں کا سلسلہ بھی عجیب ہے، کہاں سے وہ شروع ہوتی ہیں اور کہاں کہاں، دائیں بائیں، شمال جنوب، مشرق مغرب ہر جہت کو سیراب کرتی ہیں۔ اسی طرح راستے بنائے جن کے ذریعے سے تم منزل مقصود پر پہنچتے ہو۔

① ان تمام نعمتوں سے توحید کی اہمیت کو اجاگر فرمایا کہ اللہ تو ان تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن اس کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو، انھوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ نہیں بلکہ وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں، پھر بھلا خالق اور مخلوق کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ جبکہ تم نے انھیں معبود بنا کر اللہ کے برابر ٹھہرا رکھا ہے۔ کیا تم ذرا بھی نہیں سوچتے؟

② اور اس کے مطابق وہ قیامت والے دن جزا اور سزا دے گا۔ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو اس کی بدی کی سزا۔

③ اس آیت میں مزید وضاحت ہے، یعنی صفت کمال (خالقیت) کی نفی کے ساتھ صفت نقصان، یعنی کمی (مخلوق ہونے) کا اثبات بخلاف آیت ﴿ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ﴾ کے کیونکہ اس میں صرف صفت کمال کی نفی کی گئی ہے۔ (فتح القدیر)

④ اس آیت میں مردہ سے مراد، فوت شدہ صالح وغیر صالح لوگ ہیں جن کی یہ مشرک لوگ عبادت کرتے تھے کیونکہ مرنے کے بعد اٹھایا جانا (جس کا انھیں شعور نہیں) جمادات کے بجائے ذی عقل جانداروں، انسانوں اور جنوں (خواہ صالح ہوں یا غیر صالح) ہی پر صادق آ سکتا ہے۔ ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ مزید وضاحت فرما دی کہ ''وہ زندہ نہیں ہیں۔'' اس سے قبر پرستوں کا بھی دو طرح سے واضح رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ قبروں میں مدفون مردہ نہیں، زندہ ہیں۔ اور ہم زندوں کو ہی پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ موت وارد ہونے کے بعد دنیوی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی، نہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق ہی باقی رہتا ہے۔

⑤ پھر ان سے نفع کی اور ثواب و جزا کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟

⑥ یعنی ایک الٰہ کا ماننا منکرین اور مشرکین کے لیے بہت مشکل ہے۔ وہ کہتے ہیں: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ (ص 5:38) ''اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے، یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 45:39) ''جب اکیلے

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿23﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿25﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں، بخوبی جانتا ہے۔ وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا﴿23﴾ [1] ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں﴿24﴾ [2] اسی کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ہی ان کے بوجھ کے بھی حصے دار ہوں گے جنھیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں﴿25﴾ [3] ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، (آخر) اللہ نے ان (کے منصوبوں) کی عمارتوں کو جڑوں سے اکھیڑ دیا اور ان (کے سروں) پر (ان کی) چھتیں اوپر سے گر پڑیں، [4] اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرینِ آخرت کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔"

① اِسْتِكْبَارٌ کا مطلب ہوتا ہے: اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر و کمتر سمجھنا۔ کبر کی یہی تعریف حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 147-(91)) یہ کبر و غرور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»(صحيح مسلم، حديث: 147-(91)) "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر ہوگا۔"

② یعنی اعراض اور استہزا کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مکذبین جواب دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نہیں اتارا اور یہ محمد (ﷺ) ہمیں جو پڑھ کر سناتا ہے، وہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو کہیں سے سن کر بیان کرتا ہے۔

③ یعنی ان کی زبانوں سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے نکلوائی تاکہ وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کا بوجھ بھی اٹھائیں۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بار بھی اٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے۔" (سنن أبي داود، حديث: 4609)

④ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے جس نے آسمان پر چڑھنے کے لیے ایک بلند عمارت تعمیر کی جس پر چڑھ کر مکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی عمارت کو گرا دیا۔ بعض مفسرین کے خیال میں یہ ایک تمثیل ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی کے مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت سمیت گر پڑے۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت عام ہے اور اس سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً: قوم عاد و قوم لوط وغیرہ۔

يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿27﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

جہاں کا انھیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔﴿26﴾ [1] پھر قیامت والے دن بھی اللہ انھیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے؟ [2] جنھیں علم دیا گیا تھا وہ پکار اٹھیں گے [3] کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چمٹ گئی ﴿27﴾ وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، فرشتے جب ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں اس وقت وہ جھک جاتے ہیں کہ ہم برائی نہیں کرتے تھے۔ [4] کیوں نہیں! اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے تھے ﴿28﴾ [5] پس اب تو ہمیشگی کے طور پر تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، [6] پس کیا ہی برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا! ﴿29﴾ اور پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے

[1] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾ (الحشر 2:59) ”پس اللہ (کا عذاب) ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں سے ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔“

[2] یعنی یہ تو وہ عذاب تھے جو دنیا میں ان پر آئے اور قیامت والے دن اللہ تعالیٰ انھیں اس طرح ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جو تم نے میرے لیے ٹھہرا رکھے تھے اور جن کی وجہ سے تم مومنوں سے لڑتے جھگڑتے تھے؟

[3] یعنی جن کو دین کا علم تھا اور دین کے پابند تھے وہ جواب دیں گے۔

[4] یہ مشرک ظالموں کی موت کے وقت کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات ڈالتے ہیں، یعنی سمع وطاعت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ جس طرح میدان محشر میں اللہ کے روبرو بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الأنعام 23:6) ”اللہ کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے۔“ دوسرے مقام پر فرمایا: ”جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کر (اپنے پاس جمع کرے گا) تو اللہ کے سامنے بھی یہ اسی طرح (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔“ (المجادلة 18:58)

[5] فرشتے جواب دیں گے: کیوں نہیں! یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمھاری تو ساری عمر ہی برائیوں میں گزری ہے اور اللہ کے پاس تمھارے سارے عملوں کا ریکارڈ محفوظ ہے، تمھارے اس انکار سے اب کیا بنے گا!

[6] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی موت کے فوراً بعد ان کی روحیں جہنم میں چلی جاتی ہیں اور ان کے جسم قبر میں رہتے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے جسم و روح میں بُعد کے باوجود ان میں ایک گونا تعلق پیدا کر کے ان کو عذاب دیتا ہے۔ (اور صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے۔) پھر جب قیامت برپا ہوگی تو ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹ آئیں گی اور ہمیشہ کے لیے یہ جہنم میں

حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع 4 10 وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور کیا ہی خوب پرہیزگاروں کا گھر ہے! (30) ہمیشگی والے باغات جہاں وہ جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جو کچھ یہ طلب کریں گے وہاں ان کے لیے موجود ہوگا۔ پرہیزگاروں کو اللہ اسی طرح بدلے عطا فرماتا ہے (31) وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں، کہتے ہیں کہ تمھارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے،[1] جاؤ جنت میں، اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے (32)[2] کیا یہ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے؟[3] ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔[4] ان پر اللہ نے کوئی ظلم نہیں کیا[5] بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (33)[6] پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انھیں مل گئے اور جس کی ہنسی اڑاتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا (34)[7] مشرک لوگوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت ہی نہ کرتے،

داخل کر دیے جائیں گے۔

(1) ان آیات میں ظالم مشرکوں کے مقابلے میں اہل ایمان وتقویٰ کا کردار اور ان کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے۔

(2) سورۂ اعراف کی آیت:43 کے تحت یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا جب تک اللہ کی رحمت نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ تو ان میں دراصل کوئی منافات نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمال صالحہ ضروری ہیں، یعنی عمل صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے، اس سے صَرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی، اس لیے حدیث مذکور کا مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور عمل کی اہمیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے: «إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحیح مسلم، حدیث:34-(2564)) ''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''

(3) یعنی کیا یہ بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے یا رب کا حکم (عذاب یا قیامت) آجائے۔

(4) یعنی اس طرح سرکشی اور معصیت ان سے پہلے لوگوں نے بھی اختیار کیے رکھی جس پر وہ غضب الٰہی کے مستحق بنے۔

(5) اس لیے کہ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی عذر ہی باقی نہیں چھوڑا۔ رسولوں کو بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی۔

(6) یعنی رسولوں کی مخالفت اور ان کی تکذیب کر کے خود ہی انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿35﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿36﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿37﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا

نہ اس کے فرمان کے بغیر کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہی فعل ان سے پہلے کے لوگوں کا رہا۔ تو رسولوں پر تو صرف کھلم کھلا پیغام کا پہنچا دینا ہے ﴿35﴾[1] ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی،[2] پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ﴿36﴾ گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے ﴿37﴾[3] وہ لوگ بڑی

---

⑦ یعنی جب رسول ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ کا عذاب آ جائے گا تو یہ استہزا کے طور پر کہتے کہ جا اپنے اللہ سے کہہ وہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کر دے، چنانچہ اس عذاب نے انھیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر اس سے بچاؤ کا کوئی راستہ ان کے پاس نہیں رہا۔

① اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطے کا ازالہ فرمایا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں ان چیزوں سے روک کیوں نہیں دیتا؟ وہ اگر چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ نہیں روکتا تو اس کا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی رضا کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہے کا ازالہ ''رسولوں کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔'' کہہ کر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تمھیں ان مشرکانہ امور سے بڑی سختی سے روکا ہے۔ اسی لیے وہ ہر قوم میں رسول بھیجتا اور کتابیں نازل کرتا رہا ہے اور ہر نبی نے آ کر سب سے پہلے اپنی قوم کو شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ شرک کریں کیونکہ اگر اسے یہ پسند ہوتا تو اس کی تردید کے لیے وہ رسول کیوں بھیجتا؟ لیکن اس کے باوجود اگر تم نے رسولوں کی تکذیب کر کے شرک کا راستہ اختیار کیا اور اللہ نے اپنی مشیت تکوینیہ کے تحت قہراً وجبراً تمھیں اس سے نہیں روکا تو یہ تو اس کی اس حکمت و مصلحت کا ایک حصہ ہے جس کے تحت اس نے انسانوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے کیونکہ اس سے ان کی آزمائش مقصود ہے۔ ہمارے رسول ہمارا پیغام تم تک پہنچا کر یہی سمجھاتے رہے کہ اس آزادی کا غلط استعمال نہ کرو بلکہ اللہ کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرو! ہمارے رسول یہی کچھ کر سکتے تھے جو انھوں نے کیا۔ اور تم نے شرک کر کے آزادی کا غلط استعمال کیا جس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

② مذکورہ شبہے کے ازالے کے لیے مزید فرمایا کہ ہم نے تو ہر امت میں رسول بھیجا اور یہ پیغام ان کے ذریعے سے پہنچایا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو لیکن جن پر گمراہی ثابت ہو چکی تھی، انھوں نے اس کی پروا ہی نہ کی۔

③ اس میں اللہ فرما رہا ہے: اے پیغمبر! تیری خواہش یقیناً یہی ہے کہ یہ سب ہدایت کا راستہ اپنا لیں لیکن قوانین الٰہیہ کے تحت جو گمراہ

يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿39﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿40﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ الَّذِيْنَ

سخت سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ مردوں کو اللہ زندہ نہیں کرے گا۔ ① کیوں نہیں! ضرور زندہ کرے گا، یہ تو اس کا برحق لازمی وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ﴿38﴾ ② اس لیے بھی کہ یہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے، اسے اللہ صاف کر دے اور اس لیے بھی کہ خود کافر اپنا جھوٹا ہونا جان لیں ﴿39﴾ ③ ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے ﴿40﴾ ④ جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہے، ⑤ ہم انھیں بہتر سے بہتر ٹھکانا دنیا میں عطا فرمائیں گے، ⑥ اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، ⑦ کاش! لوگ اس سے واقف ہوتے ﴿41﴾ وہ جنھوں نے

ہو گئے ہیں، ان کو تُو ہدایت کے راستے پر نہیں چلا سکتا، یہ تو اپنے آخری انجام کو پہنچ کر ہی رہیں گے، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

① کیونکہ مٹی میں مل جانے کے بعد ان کا دوبارہ جی اٹھنا انھیں مشکل اور ناممکن نظر آتا تھا۔ اسی لیے رسول جب انھیں بعث بعد الموت کی بابت کہتا ہے تو اسے جھٹلاتے ہیں، اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس، یعنی دوبارہ زندہ نہ ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں، قسمیں بھی بڑی تاکید اور یقین کے ساتھ۔

② اسی جہالت اور بے علمی کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب ومخالفت کرتے ہوئے دریائے کفر میں ڈوب جاتے ہیں۔

③ یہ وقوع قیامت کی حکمت وعلت بیان کی جا رہی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے اور اہل حق اور اہل تقویٰ کو اچھی جزا اور اہل کفر وفسق کو ان کے برے عملوں کی سزا دے گا۔ نیز اس دن اہل کفر پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ قیامت کے عدم وقوع پر جو قسمیں کھاتے تھے، ان میں وہ جھوٹے تھے۔

④ یعنی لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو مگر اللہ کے لیے تو کوئی مشکل نہیں، اسے زمین وآسمان ڈھانے کے لیے مزدوروں، انجینئروں اور مستریوں اور دیگر آلات ووسائل کی ضرورت نہیں۔ اسے تو صرف لفظ ﴿ كُنْ ﴾ کہنا ہے، اس کے لفظ ﴿ كُنْ ﴾ سے پلک جھپکنے میں قیامت برپا ہو جائے گی۔ ﴿ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ﴾ (النحل 16:77) ”قیامت کا معاملہ پلک جھپکنے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا۔“

⑤ ہجرت کا مطلب ہے: اللہ کے دین کے لیے، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن، اپنے رشتے دار اور دوست احباب چھوڑ کر ایسے علاقے میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے۔ اس آیت میں ان ہی مہاجرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے زیادہ تھی جن میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ (دختر رسول ﷺ) رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

⑥ اس سے رزق طیب اور بعض نے مدینہ مراد لیا ہے جو مسلمانوں کا مرکز بنا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قولوں میں

صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿42﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿43﴾ بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿44﴾ أَفَأَمِنَ ٱلَّذِينَ مَكَرُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن يَخْسِفَ ٱللَّهُ بِهِمُ ٱلْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ ٱلْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿45﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِى تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿46﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿47﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا۟ إِلَىٰ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ مِن

دامنِ صبر نہ چھوڑا اور اپنے پالنے والے ہی پر بھروسہ کرتے رہے ﴿42﴾ آپ سے پہلے بھی ہم انسانوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے، پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو ﴿43﴾ [1] دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں ﴿44﴾ بدترین داؤ پیچ کرنے والے کیا اس بات سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر (ایسی طرف سے) عذاب آجائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو ﴿45﴾ یا انھیں چلتے پھرتے پکڑ لے؟ [2] وہ کسی صورت میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ﴿46﴾ یا انھیں ڈرا دھمکا کر پکڑ لے؟ [3] پس یقیناً تمھارا پروردگار اعلیٰ شفقت اور انتہائی رحم والا ہے ﴿47﴾ [4] کیا انھوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا

منافات نہیں ہے، اس لیے کہ جن لوگوں نے اپنے کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انھیں ان کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ رزق طیب بھی دیا اور پورے عرب پر انھیں اقتدار و تمکن عطا فرمایا۔

⑦ کہا گیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب مہاجرین وانصار کے وظیفے مقرر کیے تو ہر مہاجر کو وظیفہ دیتے ہوئے فرماتے: «هٰذَا مَا وَعَدَكَ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا» ''یہ وہ ہے جس کا اللہ نے تجھ سے دنیا میں وعدہ کیا ہے۔'' «وَمَا ادَّخَرَ لَكَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلُ» ''اور آخرت میں تیرے لیے جو ذخیرہ ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔'' (ابن کثیر)

① ﴿ أَهْلَ الذِّكْرِ ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں جو پچھلے انبیاء اور ان کی تاریخ سے واقف تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ انسان ہی تھے، اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ بھی اگر انسان ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں کہ تم ان کی بشریت کی وجہ سے ان کی رسالت کا انکار کر دو۔ اگر تمھیں شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء بشر تھے یا ملائکہ؟ وہ بھی سب انسان ہی تھے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا محض بشریت کی وجہ سے انکار کیوں؟ (مزید دیکھیے: سورۂ انبیاء 21:7 کا حاشیہ)

② اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں، مثلاً: ① جب تم تجارت اور کاروبار کے لیے سفر پر جاؤ ② جب تم کاروبار کو فروغ دینے کے لیے مختلف حیلے اور طریقے اختیار کرو ③ یا رات کو آرام کرنے کے لیے اپنے بستروں پر جاؤ۔ یہ تَقَلُّبْ کے مختلف مفہوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے ان صورتوں میں بھی تمھارا مؤاخذہ کر سکتا ہے۔

③ ﴿ تَخَوُّفٍ ﴾ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ہی دل میں عذاب اور مؤاخذے کا ڈر ہو۔ جس طرح بعض دفعہ انسان کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں اللہ میری گرفت نہ کر لے، چنانچہ بعض دفعہ اس طرح بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔

④ کہ وہ گناہوں پر فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور اس مہلت سے بہت سے لوگوں کو توبہ واستغفار کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿50﴾ السجدة ع 10 / 12 وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿51﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿52﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔــرُوْنَ ﴿53﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا

کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ کے سامنے سربسجود ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں؟[1] ﴿48﴾ یقیناً آسمانوں اور زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے ﴿49﴾ اور اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، کپکپاتے رہتے ہیں[2] اور جو حکم مل جائے، اس کی تعمیل کرتے ہیں ﴿50﴾[3] اللہ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔ معبود تو صرف وہی اکیلا ہے،[4] پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو ﴿51﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے،[5] کیا پھر تم اس کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟ ﴿52﴾ تمھارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ کی دی ہوئی ہیں،[6] اب بھی جب تمھیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو ﴿53﴾[7] اور جب اس نے وہ مصیبت تم سے دفع کر دی،

---

① اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی جلالت شان کا بیان ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی اور مطیع ہے۔ جمادات ہوں یا حیوانات یا جن و انسان اور ملائکہ۔ ہر وہ چیز جس کا سایہ ہے جو دائیں بائیں جھکتا ہے تو وہ صبح و شام اپنے سائے کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سورج ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

② اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

③ اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ جس کا حکم دیا جاتا ہے، بجا لاتے ہیں جس سے منع کیا جاتا ہے، اس سے دور رہتے ہیں۔

④ کیونکہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود ہے ہی نہیں۔ اگر آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا، یہ فساد اور خرابی کا شکار ہو چکا ہوتا ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الأنبیآء 22:21)، اس لیے ثَنَوِيَّتْ (دو خداؤں) کا عقیدہ جس کے مجوسی حامل رہے ہیں یا تَعَدُّدِ اِلٰه (بہت سارے معبودوں) کا عقیدہ جس کے اکثر مشرکین قائل رہے ہیں، یہ سب باطل ہیں۔ جب کائنات کا خالق ایک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔ دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں۔

⑤ اسی کی عبادت و اطاعت دائمی اور لازم ہے۔ ﴿وَاصِبًا﴾ کے معنی ہمیشگی کے ہیں ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 9:37) ''اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کا۔'' اور اس کا وہی مطلب ہے جو دوسرے مقامات پر بیان کیا گیا ہے: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر 3,2:39) ''پس اللہ کی عبادت کرو اسی کے لیے بندگی کو خالص کرتے ہوئے، خبردار! اسی اللہ کے لیے خالص بندگی ہے۔''

⑥ جب سب نعمتوں کا دینے والا صرف ایک اللہ ہے تو پھر عبادت کسی اور کی کیوں؟

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ط فَتَمَتَّعُوْا ٭ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ط تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ لا وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى
ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ
عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں ﴿54﴾ تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔[1] اچھا کچھ فائدہ اٹھالو آخر کار تمھیں معلوم ہو ہی جائے گا ﴿55﴾[2] اور جسے جانتے بوجھتے بھی نہیں، اس کا حصہ ہماری دی ہوئی چیزوں سے مقرر کرتے ہیں،[3] واللہ! تمھارے اس بہتان کا سوال تم سے ضرور ہی کیا جائے گا ﴿56﴾[4] اور وہ اللہ سبحانہ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں اور اپنے لیے وہ جو اپنی خواہش کے مطابق ہو ﴿57﴾[5] ان میں سے جب کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹنے لگتا ہے ﴿58﴾ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کہ کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آہ! کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں! ﴿59﴾[6] آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کی ہی بری

---

⑦ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب و وجدان کی گہرائیوں میں راسخ ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آ جاتا ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گھرے ہو جاتے ہیں۔

① لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف (بیماری، تنگ دستی اور نقصان وغیرہ) کے دور ہوتے ہی وہ پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے یا اترانے اور اکڑنے لگتا ہے۔ (ھود 11:10) یا کہتا ہے: یہ تو میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔ (الزمر 39:49) یا کہتا ہے: میں تو نعمتوں کا ہی مستحق تھا۔ (حٰمٓ السجدة 41:50)

② یہ اسی طرح ہی ہے جیسے اس سے قبل فرمایا تھا: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾ (ابراھیم 14:30) ''کہہ دیجیے: چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھالو! بالآخر تمھارا ٹھکانا جہنم ہے۔'' یعنی یہ زجر و توبیخ اور تہدید ہے۔

③ یعنی جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا اور معبود سمجھتے ہیں، وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات و شیاطین ہیں جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں۔ اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی کوئی نہیں جانتا، لیکن ان ظالم لوگوں نے ان کی حقیقت سے ناآشنا ہونے کے باوجود انھیں اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کے لیے بھی (نذر و نیاز کے طور پر) حصہ مقرر کرتے ہیں بلکہ اللہ کا حصہ رہ جائے تو بے شک رہ جائے، ان کے حصے میں کمی نہیں کرتے جیسا کہ سورۂ انعام 6:136 میں بیان کیا گیا ہے۔

④ تم جو اللہ پر افترا کرتے ہو کہ اس کا شریک یا شرکاء ہیں، اس کی بابت قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا۔

⑤ عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کیا کہ اللہ کی اولاد قرار دی، جبکہ اس کی کوئی اولاد نہیں، پھر اولاد بھی مؤنث جسے وہ اپنے لیے پسند ہی نہیں کرتے، اللہ کے لیے اسے پسند کیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○﴾ (النجم 53:21،22) ''کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور

مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿60﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿61﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ

مثال ہے،[1] اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے، وہ بڑا ہی غالب اور باحکمت ہے﴿60﴾ اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا،[2] لیکن وہ تو انھیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے،[3] جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں﴿61﴾ اور وہ اپنے لیے جو ناپسند رکھتے ہیں، اللہ کے لیے ثابت کرتے ہیں[5]

اس کے لیے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بھونڈی تقسیم ہے۔'' یہاں فرمایا کہ تم تو یہ خواہش رکھتے ہو کہ بیٹے ہوں، بیٹی کوئی نہ ہو۔

⑥ یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہوا اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ کیسا برا یہ فیصلہ کرتے ہیں! یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے۔ نہیں، اللہ کے نزدیک لڑکے، لڑکی میں اس حوالے سے کوئی تمیز نہیں ہے، نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے۔ یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے جو انھوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا، درآں حالیکہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ قائل بھی تھے جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انھوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

① یعنی کافروں کے برے اعمال بیان کیے گئے ہیں، انھی کے لیے بری مثال یا صفت ہے، یعنی جہل اور کفر کی صفت۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی جو بیوی اور اولاد یہ ٹھہراتے ہیں، یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں۔

② یعنی اس کی ہر صفت مخلوق کے مقابلے میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً: اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جود و عطا بے نظیر ہے۔ وعلٰی هذا القياس. یا یہ مطلب ہے کہ وہ قادر ہے، خالق ہے، رازق اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ۔ (فتح القدير) یا بری مثال کا مطلب نقص، کوتاہی ہے اور مثل اعلیٰ کا مطلب کمال مطلق ہر لحاظ سے اللہ کے لیے ہے۔ (ابن كثير)

③ یہ اس کا حلم اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مؤاخذہ ہی کرتا ہے، حالانکہ اگر ارتکاب معصیت کے ساتھ ہی وہ مؤاخذہ کرنا شروع کر دے تو ظلم و معصیت اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے کیونکہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں نیک لوگ عنداللہ سرخرو رہیں گے، جیسا کہ حدیث میں وضاحت آتی ہے: «إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا، أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا عَلٰى أَعْمَالِهِمْ» (صحيح البخاري، حديث: 7108، وصحيح مسلم، حديث: 84-(2879))

④ اللہ تعالیٰ انھیں ایک خاص وقت تک مہلت دیتا ہے اور اس میں کئی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ دوسری یہ کہ ان کی اولاد جو اللہ کے علم کے مطابق پیدا ہونی ہے، وہ پیدا ہو جائے۔

⑤ یعنی بیٹیاں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَاجَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿62﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿64﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿65﴾ ع وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا

اور ان کی زبانیں جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے خوبی ہے۔[1] نہیں نہیں، دراصل ان کے لیے آگ ہے اور وہ دوزخیوں کے پیش رو ہیں﴿62﴾[2] واللہ! ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف بھی اپنے رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے بداعمال ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیے،[3] وہ شیطان آج بھی ان کا رفیق بنا ہوا ہے[4] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿63﴾ اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو کھول دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں[5] اور یہ ایمان داروں کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے﴿64﴾ اور اللہ آسمان سے پانی برسا کر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنیں﴿65﴾ تمھارے لیے تو چوپایوں[6] میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمھیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے

① یہ ان کی دوسری خرابی کا بیان ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں لیکن ان کی زبانیں یہ جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کا انجام اچھا ہے، ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور دنیا کی طرح ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں ہے، نہ یہ ممکن ہی ہے۔

② یعنی یقیناً ان کا انجام اچھا نہیں، برا ہے اور وہ ہے جہنم کی آگ، جس میں وہ دوزخیوں کے پیش رو، یعنی پہلے جانے والے ہوں گے۔ فَرَطٌ کے یہی معنی حدیث سے بھی ثابت ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: « أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ » (صحيح البخاري، حديث: 6575، وصحيح مسلم، حديث: 2290) ”میں حوض کوثر پر تمھارا پیش رو ہوں گا۔“ ﴿مُّفْرَطُوْنَ﴾ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں جہنم میں ڈالنے کے بعد چھوڑ کر فراموش کر دیا جائے گا۔

③ جس کی وجہ سے انھوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی جس طرح اے پیغمبر! قریش مکہ تیری تکذیب کر رہے ہیں۔

④ ﴿اَلْيَوْمَ﴾ سے یا تو زمانۂ دنیا مراد ہے، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے یا اس سے مراد یوم آخرت ہے کہ وہاں بھی یہ ان کا ساتھی ہو گا اور اس کا ساتھی ہونا فائدہ کی بجائے نقصان وحرمان کا باعث ہے۔ یا ﴿وَلِيُّهُمُ﴾ میں هُمْ کا مرجع کفار مکہ ہیں، یعنی یہی شیطان جس نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا، آج وہ ان کفارِ مکہ کا دوست ہے اور انھیں تکذیبِ رسالت پر مجبور کر رہا ہے۔

⑤ اس میں نبی ﷺ کے فرائض منصبیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ عقائد واحکام شرعیہ کے سلسلے میں یہود ونصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکین کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلاف ہے، اس کی اس طرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہو جائے تاکہ لوگ حق کو اختیار اور باطل سے اجتناب کریں۔

لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿66﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿68﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ

لیے سہتا پچتا ہے﴿66﴾ [1] اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو [2] اور عمدہ روزی بھی۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے﴿67﴾ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات [3] ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور ان میں جو لوگ چھپر بناتے ہیں، اپنے گھر بنا﴿68﴾ اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے [4] جس کے رنگ مختلف ہیں [5] اور جس میں لوگوں کے لیے شفا [6] ہے، غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے﴿69﴾ اللہ ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے، وہی پھر تمھیں فوت کرے گا، تم میں ایسے بھی ہیں جو بدترین

---

⑥ ﴿الْاَنْعَامِ﴾ (چوپائے) سے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری مراد ہوتے ہیں۔

① یہ چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے۔ خون، رگوں میں اور دودھ تھنوں میں، اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں منتقل ہو جاتے ہیں اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر، پیشاب کی بدبو۔ سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

② یہ آیت اس وقت اتری تھی جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس میں ﴿سَكَرًا﴾ کے بعد ﴿وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ﴾ ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شراب رزق حسن نہیں ہے، نیز یہ سورت مکی ہے، جس میں شراب کے بارے میں ناپسندیدگی کا اشارہ ہے، پھر مدنی سورتوں میں بتدریج اس کی حرمت نازل ہوگئی۔

③ وحی سے مراد الہام اور وہ سمجھ بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طبعی ضروریات کی تکمیل کے لیے حیوانات کو بھی عطا کی ہے۔

④ شہد کی مکھی پہلے پہاڑوں میں، درختوں میں اور انسانی عمارتوں کی بلندیوں پر اپنا مسدس خانہ اور چھتہ اس طرح بناتی ہے کہ درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہتا، پھر وہ باغوں، جنگلوں، وادیوں اور پہاڑوں میں گھومتی پھرتی ہے اور ہر قسم کے اچھے پھلوں کا جوس اپنے پیٹ میں جمع کرتی ہے اور پھر انھی راہوں سے، جہاں جہاں سے وہ گزرتی ہے، واپس لوٹتی ہے اور اپنے چھتے میں آ کر بیٹھ جاتی ہے، جہاں اس کے پیٹ سے وہ شہد نکلتا ہے جسے قرآن نے "شراب" سے تعبیر کیا ہے، یعنی مشروب روح افزا۔

⑤ کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی نیلا اور کوئی زرد رنگ کا۔ جس قسم کے پھلوں اور کھیتوں سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے، اسی حساب سے اس کا رنگ اور ذائقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔

⑥ ﴿شِفَآءٌ﴾ میں تنوین تعظیم کے لیے ہے تعمیم کے لیے نہیں، یعنی شہد میں بیماری یا بیماریوں کے لیے عظیم شفا ہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً ہر بیماری کا علاج ہے۔ علمائے طب نے بھی صراحت کی ہے کہ شہد یقیناً ایک شفا بخش قدرتی مشروب ہے۔ لیکن مخصوص بیماریوں کے

الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۧ ﴿70﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی نہ جانیں۔[1] بے شک اللہ سب کچھ جاننا، قدرت والا ہے ﴿70﴾ اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دے رکھی ہے، پس جنھیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے ماتحت غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ اور یہ اس میں برابر ہو جائیں،[2] تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں! ﴿71﴾[3] اللہ نے تمھارے لیے تم میں سے ہی تمھاری بیویاں پیدا کیں اور تمھاری بیویوں سے تمھارے لیے تمھارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تمھیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ کیا پھر بھی لوگ باطل پر ایمان لائیں گے؟[4]

لیے نہ کہ ہر بیماری کے لیے جبکہ بعض نے اسے عموم پر رکھا ہے، یعنی ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو حلوا (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 5614) ایک دوسری روایت میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزوں میں شفا ہے۔ فصد کھلوانے (پچھنے لگانے) میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 5683) حدیث میں ایک واقعہ بھی آتا ہے کہ ''اسہال (دست) کے مرض میں آپ ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا مشورہ دیا جس سے دستوں میں اضافہ ہو گیا، آ کر بتلایا گیا تو دوبارہ آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا جس سے مزید دست آنے لگے (اور گھر والے سمجھے کہ شاید مرض میں اضافہ ہو گیا ہے) پھر نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا اور اسے شہد پلا، چنانچہ تیسری مرتبہ شہد پلایا تو اسے شفائے کاملہ حاصل ہو گئی۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 5716، وصحیح مسلم، حدیث: 91-(2217))

① جب انسان طبعی عمر سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر اس کا حافظہ بھی کمزور ہو جاتا اور بعض دفعہ عقل بھی ماؤف اور وہ نادان بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہی ارذل العمر ہے جس سے نبی ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔

② یعنی جب تم اپنے غلاموں کو اتنا مال اور اسباب دنیا نہیں دیتے کہ وہ تمھارے برابر ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کب یہ پسند کرے گا کہ تم کچھ لوگوں کو جو اللہ ہی کے بندے اور غلام ہیں، اللہ کا شریک اور اس کے برابر قرار دے دو؟ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشی لحاظ سے انسانوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے فطری نظام کے مطابق ہے۔ اسے جبری قوانین کے ذریعے سے ختم نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے، یعنی معاشی مساوات کی غیر فطری کوشش کے بجائے ہر کسی کو معاشی میدان میں کسب معاش کے لیے مساوی طور پر دوڑ دھوپ کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

③ کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز نکالتے ہیں اور یوں کفران نعمت کرتے ہیں۔

④ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان انعامات کا تذکرہ کر کے جو آیت میں مذکور ہیں، سوال کر رہا ہے کہ سب کچھ دینے والا تو اللہ ہے لیکن یہ

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿73﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے؟ ﴿72﴾ اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے انھیں کچھ بھی تو روزی نہیں دے سکتے اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں ﴿73﴾ [1] پس اللہ کے لیے مثالیں مت بناؤ، [2] اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿74﴾ اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملکیت کا، جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک اور شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے معقول روزی دے رکھی ہے جس میں سے وہ چھپے کھلے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ سب برابر ہو سکتے ہیں؟ [3] اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ﴿75﴾ اللہ دو شخصوں کی ایک مثال بیان فرماتا ہے [4] جن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، کہیں بھی اسے بھیجے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، کیا یہ اور وہ جو عدل کا حکم دیتا

اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں کا ہی کہنا مانتے ہیں۔

[1] یعنی اللہ کو چھوڑ کر عبادت بھی ایسے لوگوں کی کرتے ہیں جن کے پاس کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔

[2] جس طرح مشرکین مثالیں دیتے ہیں کہ بادشاہ سے ملنا ہو یا اس سے کوئی کام ہو تو کوئی براہ راست بادشاہ سے نہیں مل سکتا، اسے پہلے بادشاہ کے مقربین سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر بادشاہ تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی ذات بھی بہت اعلیٰ اور اونچی ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ہم ان معبودوں کو ذریعہ بناتے ہیں یا بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اللہ کو اپنے پر قیاس مت کرو نہ اس قسم کی مثالیں دو، اس لیے کہ وہ تو واحد ہے، اس کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، پھر بادشاہ نہ تو عالم الغیب ہے، نہ حاضر و ناظر، نہ سمیع و بصیر کہ وہ بغیر کسی ذریعے کے رعایا کے حالات و ضروریات سے آگاہ ہو جائے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر چیز کا علم رکھتا ہے، رات کی تاریکیوں میں ہونے والے کاموں کو بھی دیکھتا ہے اور ہر ایک کی فریاد سننے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایک انسانی بادشاہ اور حاکم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تقابل اور موازنہ؟

[3] یہ غلام اور آزاد کی مثال ہے کہ پہلا شخص غلام اور دوسرا آزاد ہے۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو جب یہ دونوں مخلوق ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمھارے معبودان باطلہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور تمھارے معبودان باطلہ مخلوق۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے۔ پہلا کافر اور دوسرا مومن ہے۔ یہ برابر نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ أَصْنَام (معبودان باطلہ) اور عابد الصنم کی مثال ہے، پہلے سے مراد اصنام اور دوسرے سے عابد الصنم ہے۔ (فتح القدیر)

[4] یہ ایک اور مثال ہے جس میں مزید وضاحت ہے۔

بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ اَلَمْ

ہے [1] اور ہے بھی سیدھی راہ پر، برابر ہو سکتے ہیں؟﴿76﴾ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ [2] اور قیامت کا امر تو ایسا ہی ہے، جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے﴿77﴾ [3] اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، [4] اسی نے تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے [5] کہ تم شکر گزاری کرو﴿78﴾ [6] کیا

---

① اور کام کرنے پر قادر ہے کیونکہ ہر بات بولتا اور سمجھتا ہے اور ہے بھی سیدھی راہ پر، یعنی دین قویم اور سیرت صالحہ پر، یعنی افراط وتفریط سے پاک۔ جس طرح یہ دونوں اشخاص برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اور وہ چیزیں جن کو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، برابر نہیں ہو سکتے۔

② یعنی آسمان وزمین میں جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں اور وہ بے شمار ہیں، ان کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کوئی اور اس میں شریک نہیں، یا آسمان وزمین کے غیب سے مراد قیامت کا علم ہے کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف ایک اللہ ہے نہ کہ وہ اصنام یا زندہ وفوت شدہ اشخاص جن کو کسی چیز کا علم نہیں، نہ وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر ہی قادر ہیں۔

③ یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ یہ وسیع وعریض کائنات اس کے حکم سے پلک جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی کم لمحے میں تباہ وبرباد ہو جائے گی۔ یہ بات بطور مبالغہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت واقعہ ہے کیونکہ اس کی قدرت غیر متناہی ہے جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، اس کے ایک لفظ کُنْ سے وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تو یہ قیامت بھی اس کے کُنْ (ہو جا) کہنے سے برپا ہو جائے گی۔

④ ﴿شَيْـًٔا﴾ سیاقِ نفی میں واقع نکرہ ہے جس سے تعمیم مستفاد ہے، یعنی تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، نہ سعادت وشقاوت کو، نہ فائدے اور نقصان کو۔

⑤ تاکہ کانوں کے ذریعے سے تم آوازیں سنو، آنکھوں کے ذریعے سے چیزوں کو دیکھو اور دل، یعنی عقل (کیونکہ عقل کا مرکز دل ہے) دی جس سے چیزوں کے درمیان تمیز کر سکو اور نفع ونقصان پہچان سکو، جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے، ان قویٰ وحواس میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ جب انسان شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی یہ صلاحیتیں بھی قوی ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ پھر کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

⑥ یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا کی ہیں کہ انسان ان اعضاء وجوارح کو اس طرح استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ ان سے اللہ کی عبادت واطاعت کرے۔ یہی اللہ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل کے ذریعے سے بھی وہ میرا زیادہ قرب حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6502) اس حدیث کا بعض لوگ غلط مفہوم لے کر اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں یا حلول کا کفریہ عقیدہ اختیار کرتے ہیں، حالانکہ حدیث

يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿79﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿80﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں جنھیں بجز اللہ کے کوئی اور تھامے ہوئے نہیں؟ [1] بے شک اس میں ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں ﴿79﴾ اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنادی ہے اور اسی نے تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنادیے ہیں جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو، اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی [2] اور ان کی اون اور پشم اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدے کی چیزیں بنائیں ﴿80﴾ [3] اللہ ہی نے تمھارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں میں سے سائے بنائے ہیں [4] اور اسی نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے ہیں اور اسی نے تمھارے لیے کُرتے بنائے ہیں جو تمھیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کُرتے بھی جو تمھیں لڑائی کے وقت کام آئیں۔ [5] وہ اسی طرح اپنی

کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی اطاعت و عبادت اللہ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور اپنی آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے، جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے۔ وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر اطاعت الٰہی سے وہ خدائی اختیارات کا حامل ہو جاتا یا حلول ہوتا تو پھر اسے اللہ سے سوال کرنے کی اور اس سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ جبکہ اس حدیث میں کہا جارہا ہے کہ میں اس کا سوال سنتا اور اسے پناہ دیتا ہوں، یعنی وہ سوال بھی اللہ ہی سے کرتا ہے اور پناہ بھی اسی سے ہی مانگتا ہے، یعنی مانگنے والا محتاج اور الگ ہے اور جس سے مانگ رہا ہے وہ اللہ کی ذات اعلیٰ برتر و بالا اور الگ ہے۔

[1] یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پرندوں کو اس طرح اڑنے کی اور ہواؤں کو انھیں اپنے دوش پر اٹھائے رکھنے کی طاقت بخشی۔

[2] یعنی چمڑے کے خیمے جنھیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہو۔

[3] أَصْوَافٌ، صُوفٌ کی جمع۔ بھیڑ کی اون۔ أَوْبَارٌ، وَبَرٌ کی جمع، اونٹ کے بال أَشْعَارٌ، شَعْرٌ کی جمع۔ بکری کے بال۔ ان سے کئی قسم کی چیزیں تیار ہوتی ہیں جن سے انسان کو مال بھی حاصل ہوتا ہے اور ان سے ایک وقت تک فائدہ بھی اٹھاتا ہے۔

[4] یعنی درخت جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

[5] یعنی اون اور روئی کے کُرتے جو عام پہننے میں آتے ہیں اور لوہے کی زرہیں اور خَود جو جنگوں میں پہنی جاتی ہیں۔

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿82﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿83﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿84﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ

يُنْظَرُوْنَ ﴿85﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا

نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿86﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ

پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بردار بن جاؤ ﴿81﴾ پھر بھی اگر یہ منہ موڑے رہیں تو آپ پر صرف کھول کر تبلیغ کر دینا ہی ہے ﴿82﴾ یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں ﴿83﴾ [1] اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے، [2] پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کا کہا جائے گا ﴿84﴾ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے، پھر نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے ﴿85﴾ [3] اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی ہمارے وہ شریک ہیں جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر، پکارا کرتے تھے، پس وہ انھیں جواب دیں گے کہ تم بالکل ہی جھوٹے ہو ﴿86﴾ [4] اس دن وہ سب اللہ کے سامنے اطاعت کا

---

① یعنی اس بات کو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں پیدا کرنے والا اور ان کو استعمال میں لانے کی صلاحیتیں عطا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، پھر بھی اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ناشکری کرتے ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔

② یعنی ہر امت پر اس امت کا پیغمبر گواہی دے گا کہ انھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا گیا تھا لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی۔ اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے: (آیت:89 اور سورۂ نساء 41:4 کا حاشیہ) ان کافروں کو عذر پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ ان کے پاس حقیقت میں کوئی عذر یا حجت ہوگی ہی نہیں۔ نہ ان سے کفر سے رجوع کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ اس کی ضرورت بھی اس وقت پیش آتی ہے جب کسی کو گنجائش دینا مقصود ہو اور اب اس کا وقت نہیں یا معنی یہ ہے کہ ان سے عتاب دور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ کے ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ انھیں اپنے رب کو راضی کرنے کا نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ موقع تو ان کو دنیا میں دیا جا چکا ہے جو دار العمل ہے۔ آخرت تو دار العمل نہیں، وہ تو دار الجزا ہے، وہاں تو اس چیز کا بدلہ ملے گا جو انسان دنیا سے کر کے گیا ہوگا، وہاں کچھ کرنے کا موقع کسی کو نہیں ملے گا۔

③ ہلکا نہ کرنے کا مطلب، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوگا، عذاب اور مسلسل، بلا توقف عذاب ہوگا۔ اور نہ ڈھیل ہی دیے جائیں گے، یعنی ان کو فوراً لگاموں سے پکڑ کر اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا، توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا کیونکہ آخرت عمل کی جگہ نہیں، جزا کا مقام ہے۔

④ معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والے اپنے اس دعوے میں جھوٹے تو نہیں ہوں گے لیکن وہ شرکاء جن کو یہ اللہ کا شریک گردانتے تھے، کہیں گے: یہ جھوٹے ہیں۔ یہ یا تو شرکت کی نفی ہے، یعنی ہمیں اللہ کا شریک ٹھہرانے میں یہ جھوٹے ہیں، بھلا اللہ کا شریک کون ہو سکتا ہے؟ یا اس لیے انھیں جھوٹا قرار دیں گے کہ وہ ان کی عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ جس طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ اس بات کو بیان فرمایا

السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿87﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿88﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾ ع 12/6/18 اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿90﴾

اقرار پیش کریں گے اور جو بہتان بازی کیا کرتے تھے وہ سب ان سے گم ہو جائے گی﴿87﴾ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انھیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے،① یہ بدلہ ہوگا ان کی فتنہ پردازیوں کا﴿88﴾ اور جس دن ہم ہر امت میں انھی میں سے ان کے مقابلے پر گواہ کھڑا کریں گے اور تجھے ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے② اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے،③ اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے﴿89﴾ بے شک اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور قرابت داروں کو امداد دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے،④ وہ خود تمھیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو﴿90﴾

ہے، مثلاً: ﴿فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○﴾ (یونس 29:10) ”ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے کہ تم ہماری عبادت کرتے تھے۔“ (مزید دیکھیے: الأحقاف 46: 6,5، مریم 19: 82,81، العنكبوت 29:25، الكهف 18:52 وغيرها من الآيات.) ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تمھیں اپنی عبادت کرنے کے لیے کبھی نہیں کہا تھا، اس لیے تم ہی جھوٹے ہو۔ یہ شرکاء اگر حجر و شجر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں قوت گویائی عطا فرمائے گا، جنات و شیاطین ہوں گے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے اور اگر اللہ کے نیک بندے ہوں گے جس طرح کہ متعدد صلحاء و اتقیاء اور اولیاء اللہ کو لوگ مدد کے لیے پکارتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح کسی معبود کی خوف و رجا کے جذبات کے ساتھ کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو میدان محشر میں ہی بری فرما دے گا اور ان کی عبادت کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا سوال اور ان کا جواب سورۂ مائدہ کے آخر میں مذکور ہے۔

① جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا، جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہوگا۔

② یعنی ہر نبی اپنی امت پر گواہی دے گا اور نبی ﷺ اور آپ کی امت اجابت کے لوگ انبیاء کی بابت گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں، انھوں نے یقیناً تیرا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4487 و 4582)

③ ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی تشریحات (احادیث) ہیں۔ اپنی احادیث کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ”کتاب اللہ“ قرار دیا ہے جیسا کہ قصۂ عسیف وغیرہ میں ہے (ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، حديث: 6859) اور ہر چیز کے لیے تبیان، یعنی بیان ہے، کا مطلب ہے: ماضی اور مستقبل کی وہ خبریں جن کا علم ضروری اور مفید ہے۔ اسی طرح حرام و حلال کی تفصیلات اور وہ باتیں جن

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿91﴾ وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّتِىۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَهَا مِنۡۢ بَعۡدِ

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو،[1] تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے ﴿91﴾ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد

کے دین ودنیا اور معاش ومعاد کے معاملات میں انسان محتاج ہیں۔قرآن وحدیث دونوں میں، یہ سب چیزیں واضح کردی گئی ہیں۔

④ عَدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں، یعنی اپنوں اور بیگانوں، سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد اور محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں، یعنی کسی معاملے میں بھی افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔حتی کہ دین کے معاملے میں بھی کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط، دین میں کوتاہی ہے، یہ بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔اِحْسَان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو ودرگزر اور معاف کردینے کے ہیں۔دوسرے معنی تَفَضُّل کے ہیں، یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا، مثلاً: کسی کام کی مزدوری سوروپے طے ہے لیکن دیتے وقت 20,10 روپے زیادہ دے دینا، طے شدہ سوروپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے۔مزید 20,10 روپے یہ احسان ہے۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے، لیکن احسان سے مزید خوش گواری اور اپنائیت وفدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی حاصل ہوتا ہے۔احسان کے ایک تیسرے معنی اخلاص عمل اور حسنِ عبادت کے ہیں جس کو حدیث میں «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» ''اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔﴿ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى ﴾ رشتے داروں کا حق ادا کرنا، یعنی ان کی امداد کرنا، اسے حدیث میں صلہ رحمی کہا گیا ہے اور احادیث میں اس کی نہایت تاکید بیان کی گئی ہے۔عدل واحسان کے بعد، اس کا الگ سے ذکر، یہ بھی صلہ رحمی کی اہمیت کو واضح کررہا ہے۔﴿ الۡفَحۡشَآءِ ﴾ سے مراد بے حیائی کے کام ہیں۔آج کل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی اور آرٹ قرار پاگیا ہے یا ''تفریح'' کے نام پر اس کا جواز تسلیم کرلیا گیا ہے، تاہم محض خوشنما لیبل لگا لینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اسی طرح شریعت اسلامیہ نے زنا اور اس کے مقدمات کو، رقص وسرود، بے پردگی اور فیشن پرستی کو اور مردوزن کے بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت اور دیگر اس قسم کی خرافات کو بے حیائی ہی قرار دیا ہے، ان کا کتنا بھی اچھا نام رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ یہ خباثتیں جائز قرار نہیں پاسکتیں۔﴿ الۡمُنۡكَرِ ﴾ ہر وہ کام ہے جسے شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور ﴿ الۡبَغۡىِ ﴾ کا مطلب ہے: ظلم وزیادتی کا ارتکاب۔ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ قطع رحمی اور ﴿ الۡبَغۡىِ ﴾ یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔(سنن ابن ماجہ، حدیث: 4211)

① قسم، ایک تو وہ ہے جو کسی عہد وپیمان کے وقت اسے مزید پختہ کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے۔دوسری قسم وہ ہے جو انسان اپنے طور پر کسی وقت کھالیتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔یہاں آیت میں اول الذکر قسم مراد ہے کہ تم نے قسم کھا کر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے۔اب اسے نہیں توڑنا، بلکہ اس عہد وپیمان کو پورا کرنا ہے جس پر تم نے قسم کھائی ہے، کیونکہ ثانی الذکر قسم کی بابت تو حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ ''کوئی شخص کسی کام کی بابت قسم کھالے، پھر وہ دیکھے کہ زیادہ خیر دوسری چیز میں ہے (قسم کے خلاف کرنے میں ہے) تو وہ

قُوَّةٍ اَنۡكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرۡبٰى مِنۡ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبۡلُوۡكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿92﴾ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ يُّضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسۡـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿93﴾ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَتَذُوۡقُوا السُّوۡۤءَ بِمَا صَدَدۡتُّمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ۚ وَلَـكُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿94﴾ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اِنَّمَا عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿95﴾ مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿96﴾ مَنۡ عَمِلَ

ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ ڈالا،[1] کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ،[2] اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے۔[3] بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ تمھیں آزما رہا ہے۔ یقیناً اللہ تمھارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے ﴿92﴾ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اس کے بارے میں باز پرس کی جانے والی ہے ﴿93﴾ اور تم اپنی قسموں کو آپس کی دغابازی کا بہانہ نہ بناؤ۔ پھر تو تمھارے قدم اپنی مضبوطی کے بعد ڈگمگا جائیں گے اور تمھیں سخت سزا برداشت کرنا پڑے گی کیونکہ تم نے اللہ کی راہ سے روک دیا اور تمھیں بڑا سخت عذاب ہوگا ﴿94﴾[4] تم اللہ کے عہد کو تھوڑے مول کے بدلے نہ بیچ دیا کرو۔ یاد رکھو! اللہ کے پاس کی چیز ہی تمھارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم میں علم ہو ﴿95﴾ تمھارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے ﴿96﴾ جو شخص نیک عمل

بہتری والے کام کو اختیار کرے اور قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔‘‘ (صحيح مسلم، حديث: 1650) نبی ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6649، و صحيح مسلم، حديث: 7-(1649))

① یعنی مؤکد بہ حلف عہد کو توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی عورت سوت کاتنے کے بعد اسے خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ تمثیل ہے۔

② یعنی دھوکا اور فریب دینے کا ذریعہ بناؤ۔

③ ﴿اَرْبٰى﴾ کے معنی اکثر کے ہیں، یعنی جب تم دیکھو کہ اب تم زیادہ ہو گئے ہو تو اپنے زعم کثرت میں حلف توڑ دو، جبکہ قسم اور معاہدے کے وقت وہ گروہ کمزور تھا لیکن کمزوری کے باوجود وہ مطمئن تھا کہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ لیکن تم غدر اور نقضِ عہد کر کے نقصان پہنچاؤ۔ زمانۂ جاہلیت میں اخلاقی پستی کی وجہ سے اس قسم کی عہد شکنی عام تھی، مسلمانوں کو اس اخلاقی پستی سے روکا گیا ہے۔

④ مسلمانوں کو دوبارہ مذکورہ عہد شکنی سے روکا جا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری اس اخلاقی پستی سے کسی کے قدم ڈگمگا جائیں اور کافر تمھارا یہ رویہ دیکھ کر قبول اسلام سے رک جائیں اور یوں تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے مجرم اور سزا کے مستحق بن جاؤ۔ بعض مفسرین

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿97﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿98﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ع 13/11/19 وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

کرے، مرد ہو یا عورت لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔[1] اور ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں ضرور ضرور دیں گے ﴿97﴾ قرآن پڑھنے کے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو ﴿98﴾[2] ایمان والوں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھنے والوں پر اس کا زور مطلقاً نہیں چلتا ﴿99﴾ ہاں! اس کا غلبہ ان پر تو یقیناً ہے جو اسی سے رفاقت کریں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہرائیں ﴿100﴾ اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نازل فرماتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تُو تو بہتان باز ہے۔ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں ﴿101﴾[3] کہہ دیجیے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں،[4]

نے أَيْمَانٌ، يَمِينٌ (بمعنی قسم) کی جمع سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت مراد لی ہے، یعنی نبی ﷺ کی بیعت توڑ کر پھر مرتد نہ ہو جانا، تمھارے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی قبول اسلام سے رک جائیں گے اور یوں تم دگنے عذاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (فتح القدیر)

[1] ﴿حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک مومن جب عمل صالح اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں پاکیزہ زندگی عطا فرما دیتا ہے، پاک زندگی میں حلال روزی، قناعت، سچی عزت، سکون واطمینان، دل کی تونگری، اللہ کی محبت اور لذت سبھی چیزیں شامل ہیں، یعنی ایمان اور عمل صالح سے اخروی زندگی ہی نہیں بلکہ دنیوی زندگی بھی نہایت سکھ اور چین سے گزرے گی جو ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق واضطراب کا شکار رہتا ہے۔ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ (طٰہٰ 20:124) ”جس نے میری یاد سے اعراض کیا، اس کا گزران تنگی والا ہوگا۔“

[2] خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب ساری امت ہے، یعنی تلاوت کے آغاز میں أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيم پڑھا جائے۔

[3] یعنی ایک حکم منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتے ہیں جس کی حکمت و مصلحت اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کے مطابق وہ احکام میں ردوبدل فرماتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ اے محمد! یہ کلام تیرا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس طرح نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ بے علم ہیں، اس لیے یہ نسخ کی حکمتیں اور مصلحتیں کیا جانیں۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۂ بقرہ 2:106 کا حاشیہ)

[4] یعنی یہ قرآن محمد ﷺ کا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اسے جبریل علیہ السلام جیسے پاکیزہ شخص نے سچائی کے ساتھ رب کی طرف سے اتارا ہے،

لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿105﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ

تاکہ ایمان والوں کو اللہ استقامت عطا فرمائے [1] اور مسلمانوں کے لیے تو یہ ہدایت اور بشارت ہے ﴿102﴾ [2] ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ اسے تو ایک آدمی سکھاتا ہے، [3] اس کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کر رہے ہیں، عجمی ہے اور یہ قرآن تو صاف عربی زبان میں ہے ﴿103﴾ [4] جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، انھیں اللہ کی طرف سے بھی راہنمائی نہیں ہوتی اور ان کے لیے المناک عذاب ہیں ﴿104﴾ جھوٹ افترا تو وہی باندھتے ہیں جنھیں اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا۔ یہی لوگ جھوٹے ہیں ﴿105﴾ [5] جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو [6] مگر جو کوئی کھلے دل سے

جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ (الشعرآء 26:193,194) "اسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) تیرے دل پر لے کر اترا ہے۔"

① اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخ کے مصالح بھی جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثبات قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے۔

② اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے، کیونکہ قرآن بھی بارش کی طرح ہے جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خار وخس کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ مومن کا دل طاہر اور شفاف ہے جو قرآن کی برکت سے اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کا دل زمینِ شور کی طرح ہے جو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے، جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

③ بعض غلام تھے جو تورات وانجیل سے واقف تھے، پہلے وہ عیسائی یا یہودی تھے، پھر مسلمان ہو گئے ان کی زبان بھی غیر فصیح تھی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فلاں غلام، محمد (ﷺ) کو قرآن سکھاتا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ یہ جس آدمی یا آدمیوں کا نام لیتے ہیں وہ تو عربی زبان بھی فصاحت کے ساتھ نہیں بول سکتے جبکہ قرآن تو ایسی صاف عربی زبان میں ہے جو فصاحت وبلاغت اور اعجازِ بیان میں بے نظیر ہے اور چیلنج کے باوجود اس کی مثل ایک سورت بھی بنا کر پیش نہیں کی جا سکتی، دنیا بھر کے فصحاء وبلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ عرب اس شخص کو عجمی (گونگا) کہتے ہیں جو فصیح وبلیغ زبان بولنے سے قاصر ہو اور غیر عربی کو بھی عجمی کہا جاتا ہے کہ عجمی زبانیں بھی فصاحت وبلاغت میں عربی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

⑤ اور ہمارا پیغمبر تو ایمانداروں کا سردار اور ان کا قائد ہے، وہ کس طرح اللہ پر افترا باندھ سکتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اس پر نازل نہ ہوئی ہو اور وہ یوں ہی کہہ دے کہ یہ کتاب مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اس لیے جھوٹا ہمارا پیغمبر نہیں، یہ خود جھوٹے ہیں جو قرآن کے مُنَزَّل من اللہ ہونے کے منکر ہیں۔

بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انھی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿١٠٦﴾ یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا ﴿١٠٧﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور یہی لوگ غافل ہیں ﴿١٠٨﴾ کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ﴿١٠٩﴾ جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا، بے شک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد، انھیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے ﴿١١٠﴾ جس دن ہر شخص اپنی ذات کے لیے لڑتا جھگڑتا

---

⑥ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لیے قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرلے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکامِ کفر لاگو ہوں گے۔ قاله القرطبي. (فتح القدير)

① یہ ارتداد کی سزا ہے کہ وہ غضب الٰہی اور عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس کی دنیوی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ 2: 217و256 کا حاشیہ)

② یہ ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے (مرتد ہو جانے) کی علت ہے کہ انھیں ایک تو دنیا محبوب ہے۔ دوسرے، اللہ کے ہاں یہ ہدایت کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ بھی ان کا دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ کو فراموش کر دینا ہی ہے۔ انسان جب اللہ کو فراموش کر دیتا ہے تو پھر سر تا پا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بطور سزا ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے، جس کے بعد ہدایت کا راستہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ یہ دراصل انسان کے اپنے ہی عمل کا نتیجہ ہے۔

③ پس یہ وعظ و نصیحت کی باتیں سنتے ہیں، نہ انھیں سمجھتے ہیں اور نہ وہ نشانیاں ہی دیکھتے ہیں جو انھیں حق کی طرف لے جانے والی ہیں بلکہ یہ ایسی غفلت میں مبتلا ہیں جس نے ہدایت کے راستے ان کے لیے مسدود کر دیے ہیں۔

④ یہ مکے کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبولِ اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے۔ بالآخر انھیں ہجرت کا حکم دیا گیا تو اپنے خویش و اقارب، وطن مالوف اور مال و جائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور پھر اس کی راہ کی شدتوں اور الم ناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے، یعنی رب کی مغفرت و رحمت کے حصول کے لیے ایمان اور اعمال صالحہ کی ضرورت ہے جیسا کہ مذکورہ مہاجرین نے ایمان و عمل کا عمدہ نمونہ پیش کیا تو رب کی رحمت و مغفرت سے وہ شاد کام

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿112﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿113﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿114﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

آئے گا[1] اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا ﴿111﴾[2] اللہ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن و اطمینان سے تھی، اس کی روزی اس کے پاس بافراغت، ہر جگہ سے چلی آ رہی تھی۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا تو اللہ نے اسے بھوک اور ڈر کا مزہ چکھایا جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ تھا ﴿112﴾[3] ان کے پاس انھی میں سے رسول پہنچا، پھر بھی انھوں نے اسے جھٹلایا، پس انھیں عذاب نے آ دبوچا[4] اور وہ تھے ہی ظالم ﴿113﴾ جو کچھ حلال اور پاکیزہ روزی اللہ نے تمھیں دے رکھی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿114﴾[5] تم پر صرف مردار اور خون اور

ہوئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ.

① یعنی کوئی اور کسی کی حمایت میں آگے نہیں آئے گا نہ باپ، نہ بھائی، نہ بیٹا، نہ بیوی نہ کوئی اور بلکہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے۔ بھائی بھائی سے، بیٹے ماں باپ سے، خاوند بیوی سے بھاگے گا۔ ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہوگی جو اسے دوسرے سے بے پروا کر دے گی۔ ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ ﴾ (عبس 80:37) ”ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک ایسا مشغلہ ہوگا جو اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہوگا۔“

② یعنی نیکی کے ثواب میں کمی کر دی جائے اور برائی کے بدلے میں زیادتی کر دی جائے، ایسا نہیں ہوگا۔ کسی پر ادنیٰ سا ظلم بھی نہیں ہو گا۔ برائی کا اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا کسی برائی کا ہوگا، البتہ نیکی کی جزا اللہ تعالیٰ خوب بڑھا چڑھا کر دے گا اور یہ اس کے فضل و کرم کا مظاہرہ ہوگا جو قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے ہوگا۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

③ اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے، یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے بددعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ! سَبْعًا كَسَبْعِ يُوسُفَ» (صحيح البخاري، حديث: 1007، وصحيح مسلم، حديث: 2798) یعنی اے اللہ! ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے امن کو خوف سے اور خوش حالی کو بھوک سے بدل دیا حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انھیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہوگا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔ وَالْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ.

④ اس عذاب سے مراد وہی خوف اور بھوک کا عذاب ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہے، یا اس سے مراد کافروں کا وہ قتل ہے

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ

سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں، (1) پھر اگر کوئی شخص بے بس کر دیا جائے، نہ وہ خواہشمند ہو اور نہ

جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا۔

(5) اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال وطیب چیزوں سے تجاوز کر کے حرام اور خبیث چیزوں کا استعمال اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔ اسی طرح ناجائز کاروبار اور حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنا بھی کفران نعمت ہے۔ علاوہ ازیں اللہ پر عدم اعتماد اور عدم توکل کی علامت ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا.

(1) ان محرمات کا ذکر تین مرتبہ (البقرة 173:2، المآئدة 3:5، الأنعام 145:6 میں) پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہ چوتھا مقام ہے جہاں اللہ نے اسے پھر بیان فرمایا ہے۔ اس میں لفظ ﴿ اِنَّمَا ﴾ حصر کے لیے ہے لیکن یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے، یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کو سامنے رکھتے ہوئے حصر لایا گیا ہے۔ ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔ اس کی ضروری تشریح گزشتہ مقامات پر کی جا چکی ہے، تاہم اس میں ﴿ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ (جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے) جو چوتھی قسم ہے۔ اس کے مفہوم میں تاویلات رکیکہ اور توجیہات بعیدہ سے کام لے کر شرک کے لیے چور دروازہ تلاش کیا جاتا ہے، اس لیے اس کی مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا جائے، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لیے اسے ذبح کیا جائے اور ذبح کرتے وقت نام بھی اسی بت یا بزرگ کا لیا جائے، بزعم خویش جس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کا نام لے کر ہی کیا جائے جس طرح کہ قبر پرستوں میں یہ سلسلہ عام ہے۔ وہ جانوروں کو بزرگوں کے لیے نامزد تو کرتے ہیں، مثلاً: یہ بکرا فلاں پیر کا ہے، یہ گائے فلاں پیر کی ہے، یہ جانور گیارہویں کے لیے، یعنی شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کو وہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں بلکہ جائز ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہے اور یوں شرک کا راستہ کھول دیا گیا ہے، حالانکہ فقہاء نے اس دوسری صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بھی ﴿ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ میں داخل ہے، چنانچہ حاشیۂ بیضاوی میں ہے: ''ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حرام ہے، اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے، اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اگر غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔'' اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے: ''کسی حاکم اور اسی طرح کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لیے کہ وہ ﴿ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ میں داخل ہے اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے۔'' (كتاب الذبائح طبع قديم: 1277هـ، ص: 277 وفتاوىٰ شامي: 203/5 مطبع ميمنية مصر) البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو ﴿ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کا مدلول اور اس میں داخل نہیں سمجھتے، البتہ اشتراک علت (تقرب لغیر اللہ) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں۔ گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ صرف استدلال واحتجاج کے

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿115﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿117﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾ ع 15/9/21 اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ

حد سے گزرنے والا ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے ﴿115﴾ کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو،[1] سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں ﴿116﴾ انھیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے ﴿117﴾ اور یہودیوں پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا، اسے ہم پہلے ہی سے آپ کو سنا چکے ہیں،[2] ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ﴿118﴾ جو لوگ جہالت سے برے عمل کرلیں، پھر توبہ کرلیں اور اصلاح بھی کرلیں تو پھر آپ کا رب بلاشک وشبہ بڑی بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے ﴿119﴾ بے شک ابراہیم پیشوا[3] اور اللہ کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکوں

طریقے میں اختلاف ہے۔ علاوہ ازیں یہ دوسری صورت ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (جو بتوں کے پاس یا تھانوں پر ذبح کیے جائیں) میں بھی داخل ہے، جسے سورۃ المائدہ میں محرمات میں ذکر کیا گیا ہے اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آستانوں، درباروں اور تھانوں پر ذبح کیے گئے جانور حرام ہیں، اس لیے کہ وہاں ذبح کرنے کا یا وہاں لے جا کر تقسیم کرنے کا مقصد تقرب لغیر اللہ (اللہ کے سوا دوسروں کی رضا اور تقرب حاصل کرنا) ہی ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں ''بوانہ'' جگہ میں اونٹ ذبح کروں گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ لوگوں نے بتلایا: نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ وہاں ان کی عیدوں میں سے کوئی عید تو نہیں منائی جاتی تھی؟ لوگوں نے اس کی بھی نفی کی تو آپ نے سائل کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 3313) اس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے ہٹائے جانے کے بعد بھی غیر آباد آستانوں پر جا کر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ ان آستانوں اور درباروں پر جا کر ذبح کیے جائیں جو پرستش اور نذر و نیاز کے لیے مرجع عوام ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

[1] یہ اشارہ ہے ان جانوروں کی طرف جو وہ بتوں کے نام وقف کر کے ان کو اپنے لیے حرام کرلیتے تھے، جیسے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔ (دیکھیے: المآئدة 103:5 اور الأنعام 6:139-141 کے حواشی)

[2] دیکھیے: سورۂ انعام 146:6 کا حاشیہ، نیز سورۂ نساء 160:4 میں بھی اس کا ذکر ہے۔

[3] ﴿اُمَّةً﴾ کے معنی پیشوا اور قائد کے بھی ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے اور امت بمعنی امت بھی ہے، اس اعتبار سے ابراہیم علیہ السلام کا وجود ایک امت کے برابر تھا۔ (امت کے معانی کے لیے سورۂ ہود 8:11 کا حاشیہ دیکھیے)

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿120﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ط اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿121﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿122﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿123﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿124﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

میں سے نہ تھے ﴿120﴾ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انھیں اپنا برگزیدہ کر لیا تھا اور انھیں راہِ راست سجھا دی تھی ﴿121﴾ ہم نے اسے دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہیں ﴿122﴾ پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں[1] جو مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿123﴾ ہفتے کے دن کی عظمت تو صرف ان لوگوں کے ذمے ہی ضروری کی گئی تھی جنھوں نے اس میں اختلاف کیا تھا،[2] بات یہ ہے کہ آپ کا پروردگار خود ہی ان میں ان کے اختلاف کا، فیصلہ قیامت کے دن کرے گا ﴿124﴾ اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے،[3] یقیناً آپ

---

① ﴿ مِلَّةَ ﴾ کے معنی ہیں: ایسا دین جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کے ذریعے لوگوں کے لیے مشروع اور ضروری قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ باوجود اس بات کے کہ آپ تمام انبیاء سمیت اولادِ آدم کے سردار ہیں، آپ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جس سے ابراہیم کی امتیازی اور خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ویسے اصول میں تمام انبیاء کی شریعت اور ملت ایک ہی رہی ہے جس میں رسالت کے ساتھ توحید و معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

② اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے جمعہ کا دن مقرر فرمایا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتے کا دن تعظیم و عبادت کے لیے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! انھوں نے جو دن پسند کیا ہے، وہی دن ان کے لیے رہنے دو۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ تعظیم کے لیے ہفتے میں کوئی ایک دن متعین کر لو۔ جس کی تعیین میں ان کے درمیان اختلاف ہوا، پس یہود نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر ہفتے کا دن اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔ اور جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے اتوار کا دن یہودیوں کی مخالفت کے جذبے سے اپنے لیے مقرر کیا تھا، اسی طرح عبادت کے لیے انھوں نے اپنے کو یہودیوں سے الگ رکھنے کے لیے صخرہ بیت المقدس کی شرقی جانب کو بطور قبلہ اختیار کیا۔ جمعے کا دن اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیے جانے کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح البخاري، حدیث: 876، وصحیح مسلم، حدیث: 20-(855))

③ اس میں تبلیغ و دعوت کے اصول بیان کیے گئے ہیں جو حکمت، موعظۂ حسنہ اور رفق و ملائمت پر مبنی ہیں۔ حکمت سے مراد قرآن و حدیث ہیں کیونکہ یہ اللہ کی نازل کردہ باتیں ہیں، ان سے زیادہ پر حکمت بات اور کوئی نہیں ہو سکتی گویا دعوت کی اصل بنیاد صرف اور صرف قرآن و حدیث ہونی چاہیے نہ کہ اقوال الرجال یا فلسفیانہ اصول و استدلالات۔ موعظۂ حسنہ سے مراد وہ زجر و توبیخ اور تہدید و وعید ہے جو قرآن کریم میں اللہ کے نافرمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے اور وہ قصص و واقعات ہیں جو تکذیب کا راستہ اختیار کرنے والی

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿126﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿127﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿128﴾ ع

16 ع 9 22

کارب اپنی راہ سے بہکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے ﴿125﴾ [1] اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمھیں پہنچایا گیا ہو اور اگر صبر کر لو تو بیشک صابروں کے لیے یہی بہتر ہے ﴿126﴾ [2] آپ صبر کریں بغیر توفیقِ الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں اور جو مکر و فریب یہ کرتے رہتے ہیں، ان سے تنگ دل نہ ہوں ﴿127﴾ [3] یقین مانو کہ اللہ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے ﴿128﴾

قوموں سے متعلق ہیں تاکہ لوگ انھیں سن کر عبرت پکڑیں اور اس برے انجام سے بچنے کی سعی کریں جن سے پچھلی قومیں صرف اللہ کے دین سے اعراض کرنے کی وجہ سے، دو چار ہوئیں۔ جدال بالاحسن (اچھے طریقے سے جدال) کا مطلب ہے کہ بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو عام حالات میں یہ کام نرمی اور پیار محبت سے کیا جائے جس میں سب وشتم اور طعن و تشنیع نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (العنکبوت 46:29) ''اہل کتاب سے بحث و مناظرہ اچھے انداز سے کرو۔'' یعنی لہجے میں تلخی اور تندی ہو نہ بدتمیزی و ناشائستگی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے ہوئے بھی اللہ نے ان کو نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی تھی: ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 44:20) ''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔''

[1] اس لیے مذکورہ اصولوں کو چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ اختیار کرنے کی، اسی طرح تبلیغ و دعوت کے بعد زیادہ فکرمندی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہدایت کے راستے پر چلا دینے کا کام صرف اللہ کا ہے، یہ کسی داعی یا پیغمبر کے اختیار میں نہیں۔

[2] اس میں اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہو جائے گا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔

[3] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرا حامی و ناصر ہے، وہ تجھے ان کے شر کے مقابلے میں کافی ہے اور وہی تجھے ان پر غالب کرنے والا اور کامیابی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ ﴿ضَيْقٍ﴾ (بالفتح) اور ضِيق (بالکسر) دونوں طرح صحیح ہے۔ (أیسر التفاسیر)

اٰيَاتُهَا: 111 (17) سُوۡرَةُ بَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ مَكِّيَّةٌ (50) رُكُوۡعَاتُهَا: 12

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے، اس میں 111 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِيٓ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِيۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ① وَاٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ

پاک ہے[1] وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات کے کچھ ہی حصے[2] میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ[3] تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے[4] رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں،[5] یقیناً اللہ ہی خوب سننے والا دیکھنے والا ہے ① ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنادیا

■ یہ سورت مکی ہے۔ اسے سورۂ اسراء بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں نبی ﷺ کے اسرا (رات کو مسجد اقصیٰ لے جانے) کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ کہف، سورۂ مریم اور سورۂ بنی اسرائیل یہ عتاق اول میں سے ہیں اور میرے تلاد میں سے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4708) عِتَاق، عتیق (قدیم) کی جمع ہے اور تلاد تالد کی جمع ہے۔ تالد بھی قدیم مال کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سورتیں ان قدیم سورتوں میں سے ہیں جو مکے میں اول اول نازل ہوئیں اور میری قدیم حفظ کردہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند أحمد: 68/6 و122، وجامع الترمذي، حديث: 3405 وصححه الألباني في الصحيحة: 240/2، حديث: 641)

① ﴿سُبۡحٰنَ﴾ سَبَّحَ يُسَبِّحُ کا اسم مصدر ہے۔ معنی ہیں: أُنَزِّهُ اللّٰهَ تَنْزِيهًا یعنی ''میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت بیان کرتا ہوں۔'' عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ تو لفظ کُنْ سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کرسکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔

② ﴿اَسۡرٰى﴾ کے معنی ہوتے ہیں، رات کو لے جانا۔ آگے ﴿لَيۡلًا﴾ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ رات کی قلت واضح ہو جائے، اسی لیے وہ نکرہ ہے اور اس میں تنوین تقلیل کے لیے ہے، یعنی رات کے ایک حصے یا تھوڑے سے حصے میں، یعنی چالیس راتوں کا یہ دور دراز کا سفر پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔ یہ نبی ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

③ ﴿الۡاَقۡصَا﴾ دور تر کو کہتے ہیں، یعنی مسجد بیت المقدس جو القدس یا ایلیا (قدیم نام) شہر میں ہے اور فلسطین میں واقع ہے، مکے سے القدس تک کی مسافت 40 دن کی ہے، اس اعتبار سے مسجد حرام کے مقابلے میں بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ، یعنی دور تر مسجد کہا گیا ہے۔

④ یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔

⑤ یہ اس سیر کا مقصد ہے تاکہ ہم اپنے اس بندے کو عجائبات اور آیات کبریٰ دکھائیں۔ جن میں سے ایک آیت اور معجزہ یہ سفر بھی ہے کہ اتنا لمبا سفر رات کے ایک قلیل حصے میں ہو گیا۔ نبئ کریم ﷺ کو جو معراج ہوئی، یعنی آسمانوں پر لے جایا گیا، وہاں مختلف آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں اور سدرۃ المنتہیٰ پر، جو عرش سے نیچے ساتویں آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ② ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥

کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا ② اے ان لوگوں کی اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا ③[1] ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے ④ ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمھارے مقابلے پر اپنے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی لڑاکے تھے، پس وہ تمھارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا ⑤[2] پھر ہم نے ان پر تمھیں غلبہ دے کر تمھارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمھاری مدد کی اور تمھیں بڑے جتھے والا بنا دیا ⑥[3]

نماز اور دیگر چیزیں عطا کیں۔ جس کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں اور صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک امت کے تمام علماء وفقہاء اس بات کے قائل چلے آرہے ہیں کہ یہ معراج بجسده العنصري، حالت بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے بلکہ حالت بیداری کا مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسرا کہلاتا ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورۂ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس پورے سفر کو ''معراج'' سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ معراج، سیڑھی کو کہتے ہیں۔ یہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ «عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ» ''مجھے آسمان پر لے جایا یا چڑھایا گیا'' سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس سفر کا یہ دوسرا حصہ پہلے سے بھی زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اس لیے معراج کا لفظ ہی زیادہ مشہور ہو گیا۔ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے، تاہم اس میں اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں: ایک سال قبل اور بعض کہتے ہیں: کئی سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح مہینے اور اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کی 17 یا 27 کوئی رجب کی 27 اور بعض کوئی اور مہینہ اور اس کی تاریخ بتلاتے ہیں۔ (فتح القدير) لیکن معراج یقینی ہے اور قبل از ہجرت ہوئی ہے لیکن مہینے کی تعیین ثابت نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات، ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام، لاہور)

① طوفان نوح کے بعد نسل انسانی نوح کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو کشتی نوح میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے، اس لیے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا کہ تمھارا باپ، نوح اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا، تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفرانِ نعمت مت کرو!

② یہ اشارہ ہے اس ذلت وتباہی کی طرف جو بابل کے فرماں روا بخت نصر کے ہاتھوں، مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی۔ اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنا لیا اور یہ اس وقت ہوا جب انھوں

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ⑧ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ⑨ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ⑩ وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ ؕ وَكَانَ

وقف لازم — ع 1 ⑩ 1

اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اسی مسجد میں گھس جائیں۔ اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں⑦ [1] امید ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے۔ ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں [2] گے اور ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے⑧ [3] یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے⑨ اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے⑩ اور انسان برائی کی دعائیں مانگنے لگتا ہے بالکل اس

نے اللہ کے نبی شعیا علیہ السلام کو قتل یا ارمیا علیہ السلام کو قید کیا اور تورات کے احکام کی خلاف ورزی اور معاصی کا ارتکاب کر کے فساد في الأرض کے مجرم بنے۔ بعض کہتے ہیں کہ بخت نصر کی بجائے جالوت کو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور سزا مسلط کیا جس نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے حتیٰ کہ طالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ 251:2 میں اس کا ذکر ہے۔

③ یعنی بخت نصر یا جالوت کے قتل کے بعد ہم نے تمھیں پھر مال اور دولت، بیٹوں اور جاہ وحشمت سے نوازا جبکہ یہ ساری چیزیں تم سے چھن چکی تھیں۔ اور تمھیں پھر زیادہ جتھے والا اور طاقت ور بنا دیا۔

① یہ دوسری مرتبہ انھوں نے فساد برپا کیا کہ زکریا علیہ السلام کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کے درپے رہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا کر ان سے بچا لیا۔ اس کے نتیجے میں پھر رومی بادشاہ ٹیٹس کو اللہ نے ان پر مسلط کر دیا، اس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیے اور بہت سوں کو قیدی بنا لیا، ان کے اموال لوٹ لیے، مذہبی صحیفوں کو پاؤں تلے روندا اور بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو تاراج کیا اور انھیں ہمیشہ کے لیے بیت المقدس سے جلا وطن کر دیا۔ اور یوں ان کی ذلت و رسوائی کا خوب خوب سامان کیا۔ یہ تباہی 70ء میں ان پر آئی۔

② یہ انھیں تنبیہ کی کہ اگر تم نے اصلاح کر لی تو اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے۔ جس کا مطلب دنیا وآخرت کی سرخ روئی اور کامیابی ہے اور اگر دوبارہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے تم نے فساد فی الارض کا ارتکاب کیا تو ہم پھر تمھیں اسی طرح ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیں گے جیسے اس سے قبل دو مرتبہ ہم تمھارے ساتھ یہ معاملہ کر چکے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ یہود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور وہی کردار رسالت محمدیہ کے بارے میں دہرایا جو رسالت موسوی اور رسالت عیسوی میں ادا کر چکے تھے جس کے نتیجے میں یہ یہودی تیسری مرتبہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے اور بصد رسوائی انھیں مدینے اور خیبر سے نکلنا پڑا۔

الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿11﴾ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿12﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ﴿13﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿14﴾ؕ مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

کی اپنی بھلائی کی دعا کی طرح ، انسان ہے ہی بڑا جلد باز ﴿11﴾ [1] ہم نے رات اور دن کو(اپنی قدرت کی) نشانیاں بنایا ہے، رات کی نشانی کو تو ہم نے بے نور کردیا ہے اور دن کی نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو اور اس لیے بھی کہ تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کرسکو [2] اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرمادیا ہے ﴿12﴾ [3] ہم نے ہرانسان کی برائی بھلائی کو اس کے گلے لگادیا ہے [4] اور بروزِ قیامت ہم اس کے سامنے اس کا نامۂ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پالے گا ﴿13﴾ لے! خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لے۔ آج تو تُو آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہے ﴿14﴾ جو راہِ راست حاصل کرلے وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے راہ یافتہ ہوتا ہے اور جو بھٹک جائے

---

③ یعنی اس دنیا کی رسوائی کے بعد آخرت میں جہنم کی سزا اور اس کا عذاب الگ ہے جو وہاں انھیں بھگتنا ہوگا۔

① انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ ہے، اس لیے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لیے اسی طرح بددعا کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے۔ یہ تو رب کا فضل وکرم ہے کہ وہ اس کی بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔ یہی مضمون سورۂ یونس 11:10 میں گزر چکا ہے۔

② یعنی رات کو بے نور، یعنی تاریک کردیا تاکہ تم آرام کرسکو اور تمھاری دن بھر کی تھکاوٹ دور ہوجائے اور دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعے سے تم رب کا فضل تلاش کرو۔ علاوہ ازیں رات اور دن کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کرسکو، اس حساب کے بھی بے شمار فوائد ہیں۔ اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات یا دن ہی دن رہتا تو تمھیں آرام وسکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اسی طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ رہتا۔

③ یعنی انسان کے لیے دین اور دنیا کی ضروری باتیں سب کھول کر ہم نے بیان کردی ہیں تاکہ ان سے انسان فائدہ اٹھائیں، اپنی دنیا بھی سنواریں اور آخرت کی بھی فکر اور اس کے لیے تیاری کریں۔

④ ﴿طٰٓئِرَهٗ﴾ کے معنی پرندے کے ہیں اور ﴿عُنُقِهٖ﴾ کے معنی گردن کے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کے عمل لیے ہیں۔ ﴿طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ﴾ کا مطلب ہے: اس کے اچھے یا برے عمل، جس پر اس کو اچھی یا بری جزا دی جائے گی، گلے کے ہار کی طرح اس کے ساتھ ہوں گے، یعنی اس کا ہر عمل لکھا جارہا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پورا ریکارڈ محفوظ ہوگا۔ قیامت والے دن اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے طائر سے مراد انسان کی قسمت لی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق پہلے سے لکھ دی ہے جسے سعادت مند اور اللہ کا مطیع ہونا تھا وہ اللہ کو معلوم تھا اور جسے نافرمان ہونا تھا وہ بھی اس کے علم میں تھا، یہی قسمت (سعادت مندی یا بدبختی، عقل، عمر، عمل اور رزق) ہر انسان کے ساتھ گلے کے ہار کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق اس کے عمل

فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَاؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰیؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ⑯ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا

اس کا بوجھ اسی کے اوپر ہے، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا[1] اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں ⑮[2] اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو وہاں کے متکبر خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے، پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں ⑯[3] ہم نے نوح کے بعد بھی بہت سی قومیں ہلاک کیں[4] اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار اور

ہوں گے اور قیامت والے دن اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

① البتہ جو ضَالٌّ (گمراہ) مُضِلٌّ (گمراہ کرنے والے) بھی ہوں گے، انھیں اپنی گمراہی کے بوجھ کے ساتھ، ان کے گناہوں کا بار بھی (بغیر ان کے گناہوں میں کمی کیے) اٹھانا پڑے گا جو ان کی کوششوں سے گمراہ ہوئے ہوں گے جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات اور احادیث سے واضح ہے۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی گناہوں کا بار ہو گا جو دوسروں کو گمراہ کر کے انھوں نے کمایا ہو گا۔

② بعض مفسرین نے اس سے صرف دنیوی عذاب مراد لیا ہے، یعنی آخرت کے عذاب سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے لیکن قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے پوچھے گا کہ کیا تمھارے پاس میرے رسول نہیں آئے تھے؟ جس پر وہ اثبات میں جواب دیں گے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارسال رسل اور انزال کتب کے بغیر وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا، تاہم اس کا فیصلہ کہ کس قوم یا کس فرد تک اس کا پیغام نہیں پہنچا، قیامت والے دن وہ خود ہی فرمائے گا، وہاں یقیناً کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہو گا۔ اسی طرح بہرا، پاگل، فاتر العقل اور زمانۂ فترت میں فوت ہونے والے لوگوں کا مسئلہ ہے، ان کی بابت بعض روایات میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف فرشتے بھیجے گا اور وہ انھیں کہیں گے کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ اگر وہ اللہ کے اس حکم کو مان کر جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو جہنم ان کے لیے گل وگلزار بن جائے گی، بصورت دیگر انھیں گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسند أحمد: 24/4، وصحيح ابن حبان (ابن بلبان): 356/16 علامہ البانی نے صحيح الجامع الصغير، حدیث: 881 میں اسے ذکر کیا ہے۔) لیکن بہت سے محدثین کے نزدیک اس کے برعکس اہل فترت کے جہنم میں جانے کی روایت صریح بھی ہے اور اس کے مخالف بھی۔ چھوٹے بچوں کی بابت اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے بچے تو جنت میں ہی جائیں گے، البتہ کفار و مشرکین کے بچوں میں اختلاف ہے، کوئی توقف کا، کوئی جنت میں جانے کا اور کوئی جہنم میں جانے کا قائل ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میدان محشر میں ان کا امتحان لیا جائے گا جو اللہ کے حکم کی اطاعت اختیار کرے گا، وہ جنت میں اور جو نافرمانی کرے گا، جہنم میں جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اس سے متضاد روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کیجیے مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔ (ملاحظہ ہو صحيح البخاري مع فتح الباري: 312/3، حديث: 1385)

③ اس میں وہ اصول بتلایا گیا ہے جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوش حال متکبر طبقہ اللہ کے

بَصِيْرًا ⑰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ⑲ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ⑳ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ㉑ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ㉒ ع 2 12 2 وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا

خوب دیکھنے بھالنے والا ہے⑰ جس کا ارادہ صرف اس جلدی والی دنیا، یعنی فوری فائدہ ہی کا ہو تو اسے ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہیں سرِدست دیتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ برے حالوں دھتکارا ہوا داخل ہوگا⑱ [1] اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ مومن بھی ہو، پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر دانی کی جائے گی⑲ [2] ہر ایک کو ہم مسلسل نوازتے ہیں انھیں بھی اور انھیں بھی تیرے پروردگار کے انعامات میں سے۔ تیرے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی نہیں ہے⑳ [3] دیکھیے! ان میں سے ایک کو دوسرے پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے㉑ [4] اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا ورنہ بدحال اور بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا㉒ اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا وہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا،

حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور پھر دوسرے لوگ انھی کی تقلید کرتے ہیں، یوں اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پا جاتی ہے۔

[4] وہ بھی اسی اصول ہلاکت کے تحت ہی ہلاک ہوئیں۔

[1] یعنی دنیا کے ہر طالب کو دنیا نہیں ملتی، صرف اسی کو ملتی ہے جس کو ہم چاہیں، پھر اس کو بھی اتنی دنیا نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی ہم اس کے لیے فیصلہ کریں۔ لیکن اس دنیا طلبی کا نتیجہ جہنم کا دائمی عذاب اور اس کی رسوائی ہے۔ اس لیے انسان کو آخرت کا طالب بننا چاہیے نہ کہ طالب دنیا، جس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر دانی کے لیے تین چیزیں یہاں بیان کی گئی ہیں: ① ارادۂ آخرت، یعنی اخلاص اور اللہ کی رضا جوئی ② ایسی کوشش جو اس کے لائق ہو، یعنی سنت کے مطابق ③ ایمان کیونکہ اس کے بغیر تو کوئی عمل بھی قابل التفات نہیں، یعنی قبولیت عمل کے لیے ایمان کے ساتھ اخلاص اور سنت نبوی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

[3] یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلا تفریق مومن اور کافر، طالب دنیا اور طالب آخرت سب کو دیتے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں کسی سے بھی روکی نہیں جاتیں۔

[4] تاہم دنیا کی یہ چیزیں کسی کو کم، کسی کو زیادہ ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے، تاہم آخرت

قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿23﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿24﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿26﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿27﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ

نہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا﴿23﴾ [1] اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو جھکائے رکھنا [2] اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے﴿24﴾ جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اسے تمھارا رب بخوبی جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو تو بخشنے والا ہے﴿25﴾ اور رشتے داروں کا اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرتے رہو [3] اور اسراف اور بے جا خرچ، یعنی فضول خرچی سے بچو﴿26﴾ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے﴿27﴾ [4] اور اگر تجھے ان سے منہ پھیر لینا پڑے اپنے رب کی اس

میں درجات کا یہ تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔

[1] اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہے، یعنی ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے۔ احادیث میں بھی اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کر دیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے "ہوں" تک کہنے اور ان کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے منع کیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین تو کمزور، بے بس اور لاچار ہو جاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض و متصرف ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جوانی کے دیوانے جذبات اور بڑھاپے کے سرد و گرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے۔ ان حالات میں والدین کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی ضروری ہے، تاہم اللہ کے ہاں سرخ رو وہی ہوگا جو ان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا۔ اور ہر وقت اور ہر حال میں والدین کی خدمت و اطاعت کا فریضہ کما حقہ ادا کرے گا۔

[2] پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایۂ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لیے اپنے بازو پست کر دیتا ہے، یعنی تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح اچھا اور پرشفقت معاملہ کرنا اور ان کی اسی طرح کفالت کرنا جس طرح انھوں نے بچپن میں تیری کی۔ یا یہ معنی ہیں کہ جب پرندہ اڑنے اور بلند ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے بازو پھیلا لیتا اور جب نیچے اترتا ہے تو بازوؤں کو پست کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے بازوؤں کے پست کرنے کے معنی والدین کے سامنے تواضع اور عاجزی کا اظہار کرنے کے ہوں گے۔

[3] قرآن کریم کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ غریب رشتے داروں، مساکین اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہیے کیونکہ یہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ مال کا وہ حق ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصحاب مال کے مالوں میں مذکورہ ضرورت مندوں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہیں کرے گا تو عند اللہ مجرم ہوگا، یعنی یہ حق کی ادائیگی ہے، نہ کہ کسی پر احسان۔ علاوہ ازیں رشتے داروں کے پہلے ذکر سے ان کی اولویت اور احقیت بھی واضح ہوتی ہے۔ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے جس کی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔

لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿28﴾ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿29﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ بَصِيۡرًا ﴿30﴾ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿31﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى

رحمت کی جستجو میں جس کی تو امید رکھتا ہے تو بھی تجھے چاہیے کہ عمدگی اور نرمی سے انھیں سمجھا دے ﴿28﴾ [1] اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے ﴿29﴾ [2] یقیناً تیرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ۔ [3] یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے ﴿30﴾ اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے ﴿31﴾ [4] خبردار! زنا کے قریب

---

④ ﴿تَبۡذِيۡرًا﴾ کی اصل بذر (بیج) ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالتے ہوئے کسی خاص موقع وجگہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ جدھر پڑے سو پڑے۔ تبذیر (فضول خرچی) بھی یہی ہے کہ انسان اپنا مال بیج کی طرح اڑاتا پھرے اور خرچ کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کرے اور بعض کہتے ہیں کہ تبذیر کے معنی ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں چاہے تھوڑا ہی ہو۔ ہمارے خیال میں دونوں ہی صورتیں تبذیر میں آجاتی ہیں۔ اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان سے مماثلت تامہ ہے اور شیطان کی مماثلت سے بچنا، چاہے وہ کسی ایک ہی خصلت میں ہو، انسان کے لیے واجب ہے، پھر شیطان کو کَفُور (بہت ناشکرا) کہہ کر مزید بچنے کی تاکید کر دی ہے کہ اگر تم شیطان کی مماثلت اختیار کرو گے تو تم بھی اس کی طرح کَفُور (بہت ناشکرے) قرار دے دیے جاؤ گے۔ (فتح القدیر)

① یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے، جس کے دور ہونے کی اور کشائش رزق کی تو اپنے رب سے امید رکھتا ہے، اگر تجھے غریب رشتے داروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں سے اعراض کرنا، یعنی اظہار معذرت کرنا پڑے تو نرمی اور عمدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی جواب بھی دیا جائے تو نرمی اور پیار ومحبت کے لہجے میں نہ کہ ترشی اور بداخلاقی کے ساتھ جیسا کہ عام طور پر لوگ ضرورت مندوں اور غریبوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

② گزشتہ آیت میں انکار کرنے کا ادب بیان فرمایا۔ اب انفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم، یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ہارا اور پچھتانے والا) محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز ہو چکا ہو۔ فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ، یہ کنایہ ہے بخل سے اور ''نہ اسے بالکل ہی کھول دے'' یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔ ﴿مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا﴾ لَفّ و نَشر مُرَتَّب ہے، یعنی ملوم، بخل کا اور محسور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

③ اس میں اہل ایمان کے لیے تسلی ہے کہ ان کے پاس اگر وسائل رزق کی فراوانی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام نہیں ہے بلکہ یہ رزق کی وسعت یا کمی، اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مصلحت سے ہے جسے صرف وہی جانتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو قارون بنا دے اور اپنوں کو اتنا ہی دے کہ جس سے بہ مشکل وہ اپنا گزارہ کر سکیں۔ یہ اس کی مشیت ہے۔ جس کو وہ زیادہ دے، وہ اس کا

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿32﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿33﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

بھی نہ پھٹکنا کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی اور بہت ہی بری راہ ہے ﴿32﴾ [1] اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا [2] اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے، پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے ﴿33﴾ [3] اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو یتیم کے حق میں بہت بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے [4] اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس

محبوب نہیں اور قوتِ لَا یَمُوت کا مالک اس کا مبغوض نہیں۔

④ یہ حکم سورۂ انعام 151:6 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا وہ یہی ہے: «أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ» (صحيح البخاري، حديث: 4761، و صحيح مسلم، حديث: 141-(86)) ”کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔“ آج کل قتل اولاد کی ایک دوسری شکل کا گناہ نہایت منظم طریقے سے اور خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوان سے پوری دنیا میں ہو رہا ہے اور مرد حضرات ”بہتر تعلیم و تربیت“ کے نام پر اور خواتین اپنے ”حسن“ کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہی ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

① اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے، اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا ارتکاب کرلے، پھر شرعی طریقے سے جرم ثابت ہو جائے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ، یعنی اس کے دواعی اور اسباب سے بھی بچ کر رہو، مثلاً: غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط و کلام کی راہیں پیدا کرنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔

② حق کے ساتھ قتل کرنے کا مطلب قصاص میں قتل کرنا ہے جس کو انسانی معاشرے کی زندگی اور امن و سکون کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ زانی اور مرتد کو قتل کرنا بھی حق کے ساتھ قتل کرنا ہے۔

③ یعنی مقتول کے وارثوں کو یہ حق یا غلبہ یا طاقت دی گئی ہے کہ وہ قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں یا اس سے دیت لے لیں یا معاف کر دیں۔ اور اگر قصاص ہی لینا ہے تو اس میں زیادتی نہ کریں کہ ایک کے بدلے میں دو، تین یا چار کو مار دیں یا اس کا مثلہ کر کے یا عذاب دے دے کر ماریں، مقتول کا وارث منصور ہے، یعنی امراء و حکام کو اس کی مدد کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ زیادتی کا ارتکاب کر کے اللہ کی ناشکری کی جائے۔

④ کسی کی جان کو ناجائز طریقے سے ضائع کرنے کی ممانعت کے بعد اتلاف مال (مال کے ضائع کرنے) سے روکا جا رہا ہے اور اس میں یتیم کا مال سب سے زیادہ اہم ہے، اس لیے فرمایا کہ یتیم کے بالغ ہونے تک اس کے مال کو ایسے طریقے سے استعمال کرو جس میں اس کا فائدہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ سوچے سمجھے بغیر ایسے کاروبار میں لگا دو کہ وہ ضائع یا خسارے سے دوچار ہو جائے۔ یا اس کے عمر شعور کو پہنچ

مَسْـُٔوْلًا ﴿34﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿35﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿36﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿37﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿39﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

ہونے والی ہے﴿34﴾[1] اور جب ناپنے لگو تو بھر پور پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یہی بہتر ہے[2] اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے﴿35﴾ جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت[3] پڑ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے﴿36﴾[4] اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ نہ تو تُو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے﴿37﴾[5] ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک سخت ناپسند ہے﴿38﴾[6] یہ بھی منجملہ اس وحی کے ہے جو تیری جانب، تیرے رب نے حکمت سے اتاری ہے تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا کہ ملامت خوردہ اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے﴿39﴾ کیا بیٹوں کے لیے تو اللہ نے تمھیں چھانٹ لیا اور خود اپنے لیے فرشتوں کو لڑکیاں

سے پہلے ہی تم اسے اڑا ڈالو۔

1. عہد سے وہ میثاق بھی مراد ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اور وہ بھی جو انسان آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ دونوں قسم کے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے اور نقض عہد کی صورت میں باز پرس ہوگی۔

2. اجر و ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے۔ علاوہ ازیں لوگوں کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں بھی ناپ تول میں دیانت داری مفید ہے۔

3. قَفَا يَقْفُو کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، یعنی جس چیز کا علم نہیں، اس کے پیچھے مت لگو، یعنی بدگمانی مت کرو، کسی کی ٹوہ میں مت رہو، اسی طرح جس چیز کا علم نہیں، اس پر عمل مت کرو۔

4. یعنی جس چیز کے پیچھے تم پڑو گے اس کے متعلق کان سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے سنا تھا، آنکھ سے سوال ہوگا کہ کیا اس نے دیکھا تھا اور دل سے سوال ہوگا کیا اس نے جانا تھا؟ کیونکہ یہی تینوں اعضاء علم کا ذریعہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن قوت گویائی عطا فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا۔

5. اترا کر اور اکڑ کر چلنا، اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ قارون کو اسی بنا پر اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (القصص 28:81) حدیث میں آتا ہے: ”ایک شخص نہایت قیمتی جوڑا پہنے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 5789، وصحيح مسلم، حديث: 50-(2088)) اللہ تعالیٰ کو تواضع اور عاجزی پسند ہے۔ تواضع اختیار کرنے والے کو اللہ بلندی عطا فرماتا ہے۔

6. یعنی جو باتیں مذکور ہوئیں، ان میں جو بری ہیں، جن سے منع کیا گیا ہے، وہ ناپسندیدہ ہیں۔

اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ﴿40﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِيَذَّكَّرُوۡا ؕ وَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿41﴾ قُلۡ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ﴿42﴾ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿43﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿44﴾ وَاِذَا قَرَاۡتَ

بنالیا؟ بے شک تم بہت بڑا بول بول رہے ہو﴿40﴾ ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح سے بیان [1] فرمادیا کہ لوگ سمجھ جائیں لیکن اس سے انھیں تو نفرت ہی بڑھتی ہے﴿41﴾ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک مالک عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے﴿42﴾ [2] جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور بالا تر، بہت دور اور بہت بلند ہے﴿43﴾ [3] ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ [4] وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے﴿44﴾ تو جب قرآن پڑھتا

---

[1] ہر ہر طرح کا مطلب ہے: وعظ ونصیحت، دلائل وبینات، ترغیب وترہیب اور امثال وواقعات، ہر طریقے سے بار بار سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں لیکن وہ کفر وشرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کی بجائے اس سے اور زیادہ دور ہوگئے ہیں، اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن جادو، کہانت اور شاعری ہے، پھر وہ اس قرآن سے کس طرح راہ یاب ہوں؟

[2] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کر کے غلبہ وقوت حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبے کی کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا جبکہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، کوئی بااختیار ہستی ہی نہیں، کوئی نافع وضار ہی نہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ اب تک اللہ کا قرب حاصل کر چکے ہوتے اور یہ مشرکین جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انھیں بھی وہ اللہ کے قریب کر چکے ہوتے۔

[3] یعنی واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی بابت جو کہتے ہیں کہ اس کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور بہت بلند ہے۔

[4] یعنی سب اسی کے مطیع اور اپنے اپنے انداز میں اس کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہیں۔ گو ہم ان کی تسبیح وتحمید کو نہ سمجھ سکیں۔ یہی بات دیگر آیات قرآنی میں بھی بیان کی گئی ہے، مثلاً: داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: ﴿اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِشۡرَاقِ﴾ (ص 18:38) ''ہم نے پہاڑوں کو داود کے تابع کر دیا، بس وہ شام کو اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی تسبیح (پاکی) بیان کرتے ہیں۔'' بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ (البقرة 74:2) ''اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔'' صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (بعض دفعہ) کھانے سے تسبیح کی آواز سنتے جبکہ کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3579) ایک اور حدیث سے ثابت ہے کہ چیونٹیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 3019، و صحيح مسلم، حديث: 148-(2241)) اس طرح کھجور کے جس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جب لکڑی کا منبر بن گیا اور اسے آپ نے چھوڑ دیا تو بچے کی طرح اس سے رونے کی آواز آئی۔

الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿46﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿47﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿48﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿49﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ

ہے تو ہم تیرے اوران لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں﴿45﴾[1] اوران کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے سمجھیں اوران کے کانوں میں بوجھ ہے اور جب تو صرف ایک اللہ ہی کا ذکر اس قرآن میں کرتا ہے تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں﴿46﴾[2] جس غرض سے وہ لوگ اسے سنتے ہیں ان (کی نیتوں) سے ہم خوب آگاہ ہیں۔ جب یہ آپ کی طرف کان لگائے ہوئے ہوتے ہیں تب بھی اور جب یہ مشورہ کرتے ہیں تب بھی جب کہ ظالم کہتے ہیں کہ تم اس شخص کی تابع داری میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو[3] کردیا گیا ہے﴿47﴾ دیکھیں تو سہی، آپ کے لیے کیا کیا مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ بہک رہے ہیں۔ اب تو راہ پانا ان کے بس میں نہیں رہا﴿48﴾[4] انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہوکر) ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کرکے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کردے جائیں گے﴿49﴾ جواب دیجیے کہ تم

(صحيح البخاري، حديث: 3584) مکے میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2-(2277)) ان آیات وصحیح احادیث سے واضح ہے کہ جمادات ونباتات کے اندر بھی ایک مخصوص قسم کا شعور موجود ہے جسے گو ہم نہ سمجھ سکیں مگر وہ اس شعور کی بنا پر اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تسبیح دلالت ہے، یعنی یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اور ہر چیز پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہے ؎

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ وَاحِدٌ

''ہر چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔'' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے کہ تسبیح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔''

① ﴿مَّسْتُوْرًا﴾ بمعنی اسم فاعل سَاتِرٌ (مانع اور حائل) ہے یا اپنی اصل پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ حجاب ایسا ہے جو مَسْتُورٌ عَنِ الْأَبْصَارِ (آنکھوں سے اوجھل) ہے پس وہ اسے دیکھتے نہیں۔ اس کے ذریعے سے ان کے اور ہدایت کے درمیان حجاب ہے۔

② ﴿اَكِنَّةً﴾ کنان کی جمع ہے، پردہ۔ ﴿وَقْرًا﴾ کانوں میں ثقل یا ڈاٹ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سن کر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ اور اللہ کی توحید سے تو انھیں اتنی نفرت ہے کہ اسے سن کر تو بھاگ ہی کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے عناد، جمود اور تمرد کے نتیجے میں بطور سزا ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے۔

③ یعنی نبی ﷺ کو یہ سحر زدہ سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہوئے قرآن سنتے اور آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔

④ کبھی ساحر، کبھی مسحور، کبھی مجنون اور کبھی کاہن کہتے ہیں، پس اس طرح گمراہ ہورہے ہیں، ہدایت کا راستہ انھیں کس طرح ملے؟

حَدِیْدًا ﴿50﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِکُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْکَ رُءُوْسَهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ﴿51﴾ یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿52﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿53﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ

پتھر بن جاؤ یا لوہا ﴿50﴾ [1] یا کوئی اور ایسی مخلوق جو تمھارے دلوں میں بہت ہی سخت معلوم ہو، [2] پھر وہ یہ پوچھیں کہ کون ہے جو دوبارہ ہماری زندگی لوٹائے؟ آپ جواب دے دیں کہ وہی اللہ جس نے تمھیں اول بار پیدا کیا، اس پر وہ اپنے سر ہلا ہلا کر [3] آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ قریب ہی آن لگی ہو ﴿51﴾ [4] جس دن وہ تمھیں بلائے گا [5] تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیلِ ارشاد کرو گے اور گمان کرو گے کہ (دنیا میں) تمھارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے ﴿52﴾ [6] اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں [7] کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے۔ [8] بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ﴿53﴾ تمھارا رب تم سے بہ نسبت تمھارے

① جو مٹی اور ہڈیوں سے زیادہ سخت ہے اور جس میں زندگی کے آثار پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

② یعنی اس سے بھی زیادہ سخت چیز جو تمھارے علم میں ہو، وہ بن جاؤ، پھر بھی اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

③ أَنْغَضَ يُنْغِضُ کے معنی ہیں: سر ہلانا، یعنی استہزا کے طور پر سر ہلا کر وہ کہیں گے کہ یہ دوبارہ زندگی کب ہوگی؟

④ قریب کا مطلب ہے: واقع ہونے والی چیز کیونکہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ، فَهُوَ قَرِيبٌ "ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز، قریب ہے۔" اور ﴿ عَسٰٓی ﴾ اللہ کے کلام میں یقینی اور واجب الوقوع ہوتا ہے، یعنی قیامت کا وقوع یقینی اور ضروری ہے۔

⑤ "بلائے گا" کا مطلب ہے قبروں سے زندہ کر کے اپنی بارگاہ میں حاضر کرے گا، تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے یا اسے پہچانتے ہوئے اس کے پاس حاضر ہو جاؤ گے۔

⑥ وہاں یہ دنیا کی زندگی بالکل تھوڑی معلوم ہوگی، ﴿ کَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) یعنی جب قیامت کو دیکھ لیں گے تو دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی گویا اس میں ایک شام یا ایک صبح رہے ہیں۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: طٰہٰ 20:102-104، الروم 30:55، المؤمنون 23:112-114) بعض کہتے ہیں کہ پہلا نفخہ ہوگا تو سب مردے قبروں میں زندہ ہو جائیں گے، پھر دوسرے نفخے پر میدان محشر میں حساب کتاب کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا اور اس فاصلے میں انھیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، وہ سو جائیں گے۔ دوسرے نفخے پر اٹھیں گے تو کہیں گے: "افسوس! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھایا ہے؟" (یٰس 36:52) (دیکھیے: فتح القدیر) پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

⑦ یعنی آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، اچھے کلمات بولیں، اسی طرح کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر مخاطبت کی ضرورت پیش آجائے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں۔

⑧ زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان، جو تمھارا کھلا اور ازلی دشمن ہے، تمھارے درمیان آپس میں فساد ڈلوا سکتا ہے یا کفار و مشرکین

اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿54﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿55﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ

بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر وہ چاہے تو تمھیں عذاب دے۔ [1] ہم نے آپ کو ان کا ذمے دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا﴿54﴾ [2] آسمان وزمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے [3] اور داود کو زبور ہم نے عطا فرمائی ہے﴿55﴾ کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جنھیں تم معبود سمجھ رہے ہو انھیں پکارو لیکن نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں﴿56﴾ جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے اللہ کے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں، [4]

کے دلوں میں تمھارے لیے زیادہ بغض وعناد پیدا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان بھائی کی طرف) ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شیطان شاید اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چلوا دے (اور وہ اس مسلمان بھائی کو جا لگے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے) پس وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7072، وصحيح مسلم، حديث: 126-(2617))

[1] اگر خطاب مشرکین سے ہو تو رحم کے معنی قبول اسلام کی توفیق کے ہوں گے اور عذاب سے مراد شرک پر ہی موت ہے جس پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہو تو رحم کے معنی ہوں گے کہ وہ کفار سے تمھاری حفاظت فرمائے گا اور عذاب کا مطلب ہے کفار کا مسلمانوں پر غلبہ وتسلط۔

[2] کہ آپ انھیں ضرور کفر کی دلدل سے نکالیں یا ان کے کفر پر جمے رہنے پر آپ سے باز پرس ہو۔

[3] یہ مضمون ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرة 2:253) میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں یہ مضمون دہرایا گیا ہے جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لیے یہ محمد (ﷺ) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا، یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

[4] آیت میں ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ سے ان مشرکین کا رد ہے جو مجسموں کی اس خیال سے عبادت کرتے تھے کہ یہ فرشتوں کی تصویریں ہیں، اسی طرح ان اہل کتاب کا بھی رد ہے جو عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی الوہیت کے قائل تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے کہو کہ تم انھیں پکارو جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ سے مراد وہ جنات ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے: «كَانَ نَاسٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِّنَ الْجِنِّ فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ» (صحيح البخاري، حديث: 4714) ”کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، پس وہ جن مسلمان ہو گئے لیکن یہ لوگ جنوں کے (سابقہ) دین پر ہی قائم رہے۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿57﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے ﴿57﴾ جتنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یا تو انھیں

وضاحت میں لکھتے ہیں: ''وہ لوگ جو جنوں کی عبادت کرتے تھے، بدستور جنوں کی عبادت پر قائم رہے جبکہ جن یہ بات پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ اپنے رب کی بارگاہ میں وسیلہ (اعمال صالحہ کے ذریعے سے تقرب) تلاش کرنے والے ہو گئے تھے۔'' (فتح الباري: 505/8، تحت حديث: 4714) اس بات کی تائید اگلی آیت سے بھی ہو رہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ خود تو اپنے رب کا قرب تلاش کرنے کی جستجو میں رہتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ صفات جمادات (پتھروں) میں نہیں ہو سکتیں۔ ان دونوں آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ من دون اللّٰہ (اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے) وہ صرف پتھر کی مورتیاں ہی نہیں تھیں بلکہ وہ اللہ کے بندے بھی تھے جن میں سے کچھ فرشتے، کچھ صالحین، کچھ انبیاء اور کچھ جنات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی بابت فرمایا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے، نہ کسی سے تکلیف دور کر سکتے ہیں نہ کسی کی حالت بدل سکتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنات کی عبادت کرتے تھے، پس وہ جن تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کے پجاری اس بات سے بے خبر رہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4715، و صحيح مسلم، حديث: 3030) مطلب یہ ہے کہ جنوں کے پجاری تو جنوں سے پناہ طلب کرتے اور ان سے خوف اور امید وابستہ کرتے تھے لیکن خود ان جنوں کا (مسلمان ہونے کے بعد) یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے، اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے۔ اس میں گویا مشرکوں کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی عقل و فہم کی نارسائی کا یہ حال ہے کہ یہ ایسے جنوں کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں جو خود اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کے قرب کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ''وسیلہ'' سے مراد وہ اعمال صالحہ ہیں جن کے ذریعے سے اللہ کی رضامندی اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو وائل، حسن، عبداللہ بن کثیر، امام سدی، ابن زید اور دیگر ائمۂ تفسیر نے وسیلے کے معنی ہی قربت کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عملوں کے ذریعے سے اس کا قرب حاصل کرنا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَهٰذَا الَّذِي قَالَهُ هٰؤُلَاءِ الْأَئِمَّةُ لَاخِلَافَ بَيْنَ الْمُفَسِّرِينَ فِيهِ ------ وَالْوَسِيلَةُ هِيَ الَّتِي يُتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰى تَحْصِيلِ الْمَقْصُودِ» (تفسير ابن كثير: 74/2) ''ان ائمہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کی بابت مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں...... وسیلہ ایسی ہی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے مقصود تک پہنچا جا سکے۔'' ظاہر بات ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اعمال صالحہ ہی ہے، اس لیے اعمال صالحہ ہی اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ نہ کہ وہ جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر و نیاز دو، ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ اور میلے ٹھیلے جماؤ اور ان سے استمداد و استغاثہ کرو کیونکہ یہ وسیلہ نہیں، یہ تو ان کی عبادت ہے جو شرک ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح ایک وسیلہ یہ بھی ہے کہ کسی زندہ نیک شخص یا بزرگ سے دعا کروائی جائے، جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قحط سالی دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے بارش کی دعا کروائی اور یہ فرمایا: «اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ، فَيُسْقَوْنَ» (صحيح البخاري، حديث: 1010) ''اے اللہ! پہلے ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرواتے تھے (جب وہ زندہ تھے)

عَذَابًا شَدِیْدًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿58﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

الْاَوَّلُوْنَ ط وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ط وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿59﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ

ہلاک کر دینے والے ہیں یا سخت تر سزا دینے والے ہیں۔ یہ تو کتاب میں لکھا جا چکا ہے ﴿58﴾ [1] ہمیں نشانات (معجزات) کے نازل کرنے سے روک صرف اسی کی ہے کہ اگلے لوگ انھیں جھٹلا چکے ہیں۔ [2] ہم نے ثمودیوں کو واضح نشانی کے طور پر اونٹنی دی لیکن انھوں نے اس پر ظلم کیا، [3] ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانات بھیجتے ہیں ﴿59﴾ اور یاد کرو جب کہ

تو تُو ہم پر اپنی رحمت کی بارش نازل فرما دیتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں بطور وسیلہ (دعا کے لیے) پیش کر رہے ہیں، پس اے اللہ! (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کہتا ہے) کہ اس پر بارش ہو جاتی۔'' اگر فوت شدہ بزرگوں سے وسیلے کے طور پر دعا کروانی جائز ہوتی تو صحابۂ کرام قحط سالی میں نبی ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر آپ سے دعا کی درخواست کرتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ زندہ بزرگ رسول اللہ ﷺ کے عم محترم کو وسیلہ پکڑا، یعنی ان سے دعا کروائی، یہ وسیلہ جائز ہے، چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں: ''کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے، اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، بشرطیکہ جس سے درخواست کی جائے وہ زندہ ہو...... لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں۔ اور مردوں سے مدد مانگنا ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔'' (تفسير روح المعاني: 183/4) آیت میں ﴿يَدْعُوْنَ﴾ کا مفعول محذوف ہے۔ تقدیری عبارت ہے: «أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَهُمْ آلِهَةً يَبْتَغُونَ......» ''یہ لوگ جن کو معبود سمجھ کر (مدد کے لیے) پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں......'' (فتح الباري: 506/8، تحت حديث: 4715)

[1] کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے شدہ ہے، جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ ہم کافروں کی ہر بستی کو یا تو موت کے ذریعے سے ہلاک کر دیں گے اور بستی سے مراد بستی کے باشندگان ہیں اور ہلاکت کی وجہ ان کا کفر و شرک اور ظلم و طغیان ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہلاکت قیامت سے قبل وقوع پذیر ہوگی، ورنہ قیامت کے دن تو بلا تفریق ہر بستی ہی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔

[2] یہ آیت اس وقت اتری جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکے کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں تاکہ وہاں کاشت کاری ممکن ہو سکے جس پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے سے پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو پھر ان کی ہلاکت یقینی ہے، پھر انھیں مہلت نہیں دی جائے گی۔ نبی ﷺ نے بھی اسی بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند أحمد: 258/1 وقال أحمد شاكر في تعليقه على المسند: 258/1، حديث: 2333 إسناده صحيح) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں اتار دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ لیکن ہم اس سے گریز اس لیے کر رہے ہیں کہ پہلی قوموں نے بھی اپنی خواہش کے مطابق نشانیاں مانگیں جو انھیں دکھا دی گئیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائیں جس کے نتیجے میں وہ ہلاک کر دی گئیں۔

[3] قوم ثمود کا بطور مثال تذکرہ کیا کیونکہ ان کی خواہش پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی ظاہر کر کے دکھائی گئی تھی لیکن ان ظالموں نے ایمان

إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ

فِي الْقُرْاٰنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿60﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ

فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۚ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿61﴾ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ

عَلَيَّ ۫ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ إِلَّا قَلِيلًا ﴿62﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ

تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ﴿63﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ

بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا

ع 6/8/6

ہم نے آپ سے فرما دیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔[1] جو رؤیا (عینی رؤیت) ہم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھی اور اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔[2] ہم انھیں ڈرا رہے ہیں لیکن یہ ڈرانا انھیں اور بڑی سرکشی میں بڑھا رہا ہے﴿60﴾[3] اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے﴿61﴾ اچھا دیکھ لے اسے تو نے مجھ پر بزرگی تو دی ہے لیکن اگر مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کی سوائے بہت تھوڑے لوگوں کے،[4] جڑ کاٹ ڈالوں گا﴿62﴾ ارشاد ہوا کہ جا ان میں سے جو بھی تیرا تابعدار ہو جائے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے جو پورا پورا بدلہ ہے﴿63﴾ ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے بہکا[5] لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا[6] اور ان کے مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا[7] اور انھیں (جھوٹے) وعدے

لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا جس پر تین دن کے بعد ان پر عذاب آ گیا۔

① یعنی لوگ اللہ کے غلبہ وتصرف میں ہیں اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا نہ کہ وہ جو وہ چاہیں گے یا مراد اہل مکہ ہیں کہ وہ اللہ کے زیر اقتدار ہیں، آپ بے خوفی سے تبلیغ رسالت کیجیے، وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، ہم ان سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ یا جنگ بدر اور فتح مکہ کے موقع پر جس طرح اللہ نے کفار مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا، اس کو واضح کیا جا رہا ہے۔

② صحابہ وتابعین نے اس رؤیا کی تفسیر بیداری کی عینی رؤیت سے کی ہے اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گیا اور وہ مرتد ہو گئے۔ اور درخت سے مراد زَقُّوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے معراج کی رات جہنم میں کیا۔ ﴿الْمَلْعُوْنَةَ﴾ سے مراد کھانے والے، یعنی ملعون جہنمی اَلشَّجَرَةُ الْمَلْعُونُ آكِلُهَا (أيسر التفاسير) جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝﴾ (الدخان 44,43:44) ''زقوم کا درخت، سخت گناہ گاروں کا کھانا ہے۔''

③ یعنی کافروں کے دلوں میں جو خبث وعناد ہے، اس کی وجہ سے نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے ان کی سرکشی وطغیانی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

④ یعنی اس پر غلبہ حاصل کر لوں گا اور اسے جس طرح چاہوں گا، گمراہ کر لوں گا، البتہ تھوڑے سے لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ آدم علیہ السلام وابلیس کا یہ قصہ اس سے قبل (سورۂ بقرہ 2:34-36، سورۂ اعراف 7:11-18 اور سورۂ حجر 15:29-39 میں) گزر چکا ہے۔ یہاں چوتھی مرتبہ اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں سورۂ کہف 18:50، سورۂ طٰہٰ 20:116,117 اور سورۂ ص 38:73-85 میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿64﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿65﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿66﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿67﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿68﴾

دے لے۔ [1] ان سے جتنے بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب سراسر فریب ہیں ﴿64﴾ [2] بلاشبہ میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ [3] اور تیرا رب کارسازی کرنے والا کافی ہے ﴿65﴾ [4] تمھارا پروردگار وہ ہے جو تمھارے لیے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ وہ تم پر بہت ہی مہربان ہے ﴿66﴾ [5] اور سمندروں میں مصیبت پہنچتے ہی جنھیں تم پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے، پھر جب وہ تمھیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿67﴾ [6] تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تمھیں خشکی کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھروں کی آندھی بھیج دے، [7] پھر تم اپنے لیے کوئی نگہبان نہ پاسکو ﴿68﴾

---

⑤ آواز سے مراد پرفریب دعوت یا گانے، موسیقی اور لہو ولعب کے دیگر آلات ہیں جن کے ذریعے سے شیطان بکثرت لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اسی طرح قوالی ہے جس کے ذریعے سے دینی شعور سے بے بہرہ مذہبی عوام کو خوب گمراہ کیا جا رہا ہے۔

⑥ ان لشکروں سے مراد انسانوں اور جنوں کے وہ سوار اور پیادے لشکر ہیں جو شیطان کے چیلے اور اس کے پیروکار ہیں اور شیطان ہی کی طرح انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں یا مراد ہے ہر ممکن ذرائع جو شیطان گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

⑦ مال میں شیطان کی مشارکت کا مطلب حرام ذریعے سے مال کمانا اور حرام طریقے سے خرچ کرنا ہے اور اسی طرح مویشیوں کو بتوں کے ناموں پر وقف کر دینا، مثلاً: بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ اور اولاد میں شرکت کا مطلب زناکاری، عبداللات اور عبدالعزیٰ وغیرہ نام رکھنا، غیر اسلامی طریقے سے ان کی تربیت کرنا کہ وہ برے اخلاق و کردار کے حامل ہوں، ان کو تنگ دستی کے خوف سے ہلاک یا زندہ درگور کر دینا، اولاد کو مجوسی، یہودی اور نصرانی وغیرہ بنانا اور بغیر مسنون دعا پڑھے بیوی سے ہم بستری کرنا وغیرہ ہے۔ ان تمام صورتوں میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے۔

① کہ کوئی جنت دوزخ نہیں ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے وغیرہ۔

② ﴿غُرُوْرًا﴾ (فریب) کا مطلب ہوتا ہے غلط کام کو اس طرح مزین کر کے دکھانا کہ وہ اچھا اور درست لگے۔

③ بندوں کی نسبت اپنی طرف کی، یہ بطور شرف اور اعزاز کے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خاص بندوں کو شیطان بہکانے میں ناکام رہتا ہے۔

④ یعنی جو صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اسی پر اعتماد اور توکل کرتا ہے تو اللہ بھی اس کا دوست اور کارساز بن جاتا ہے۔

⑤ یہ اس کا فضل اور رحمت ہی ہے کہ اس نے سمندر کو انسانوں کے تابع کر دیا ہے اور وہ اس پر کشتیاں اور جہاز چلا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے جاتے اور کاروبار کرتے ہیں، نیز اس نے ان چیزوں کی طرف رہنمائی بھی فرمائی جن میں بندوں کے لیے منافع اور مصالح ہیں۔

⑥ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے، مثلاً: دیکھیے سورۂ یونس 23,22:10 اور ان کے حواشی۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ یُّعِیۡدَکُمۡ فِیۡهِ تَارَةً اُخۡرٰی فَیُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیۡحِ فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِهٖ تَبِیۡعًا ﴿69﴾ وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿70﴾ؑ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ ۚ فَمَنۡ اُوۡتِیَ

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ پھر تمھیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور تم پر تیز و تند، یعنی طوفانی ہواؤں کے جھونکے بھیج دے اور تمھارے کفر کی وجہ سے تمھیں غرق کر دے، پھر تم اپنے لیے اس کے بدلے کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا نہ پاؤ ﴿69﴾ (1) یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی (2) اور انھیں خشکی اور تری کی سواریاں (3) دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں (4) دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی ﴿70﴾ (5) جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے پیشوا سمیت (6) بلائیں گے، پھر جن کا

(7) یعنی سمندر سے نکلنے کے بعد تم جو اللہ کو بھول جاتے ہو تو کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ خشکی میں بھی تمھاری گرفت کر سکتا ہے، تمھیں وہ زمین میں دھنسا سکتا ہے یا پتھروں کی بارش کر کے تمھیں ہلاک کر سکتا ہے، جس طرح بعض گزشتہ قوموں کو اس نے اس طرح ہلاک کیا۔

(1) ﴿قَاصِفًا﴾ ایسی تند و تیز سمندری ہوا جو کشتیوں کو توڑ دے۔ ﴿تَبِیۡعًا﴾ انتقام لینے والا، پیچھا کرنے والا، یعنی تمھارے ڈوب جانے کے بعد ہم سے پوچھے کہ تو نے ہمارے بندوں کو کیوں ڈبویا؟ مطلب یہ ہے کہ کیا تمھیں ایک مرتبہ سمندر سے بخیریت نکلنے کے بعد دوبارہ سمندر میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ اور وہاں وہ تمھیں گرداب بلا میں نہیں پھنسا سکتا؟

(2) یہ شرف اور فضل، بحیثیت انسان کے، ہر انسان کو حاصل ہے، چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات و نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔ جس طرح کی شکل و صورت، قد و قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ جو عقل انسان کو دی گئی ہے، جس کے ذریعے سے اس نے اپنے آرام و راحت کے لیے بے شمار چیزیں ایجاد کیں، حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں۔ علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط و صحیح، مفید و مضر اور حسین و قبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔ اسی عقل کے ذریعے سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا اور انھیں اپنے تابع رکھتا ہے۔ اسی عقل و شعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا، ایسے لباس ایجاد کرتا اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ چاند، سورج، ہوا، پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔

(3) خشکی میں وہ گھوڑوں، خچروں، گدھوں، اونٹوں اور اپنی تیار کردہ سواریوں (ریلیں، گاڑیاں، بسیں، ہوائی جہاز، سائیکل اور موٹر سائیکل وغیرہ) پر سوار ہوتا ہے اور اسی طرح سمندر میں کشتیاں اور جہاز ہیں جن پر وہ سوار ہوتا ہے اور سامان لاتا، لے جاتا ہے۔

(4) انسان کی خوراک کے لیے جو غلہ جات، میوے اور پھل اس نے پیدا کیے ہیں اور ان میں جو لذتیں، ذائقے اور قوتیں رکھی ہیں۔ انواع و اقسام کے یہ کھانے، یہ لذیذ و مرغوب پھل اور یہ قوت بخش اور مفرح مرکبات و مشروبات اور خمیرے اور معجونات، انسان کے علاوہ کس اور مخلوق کو حاصل ہیں؟

(5) مذکورہ تفصیل سے انسان کی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور برتری واضح ہے۔

(6) إِمَامٌ کے معنی پیشوا، لیڈر اور قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿71﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿72﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿73﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿74﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿75﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿76﴾ سُنَّةَ مَنْ

بھی اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا وہ تو شوق سے اپنا نامۂ اعمال پڑھنے لگیں گے اور دھاگے کے برابر، یعنی ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے ﴿71﴾ [1] اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا رہے گا ﴿72﴾ [2] یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر اتاری ہے بہکانا چاہتے ہیں تاکہ آپ اس وحی کے سوا کچھ اور ہی ہمارے نام سے گھڑ لیں، تب تو آپ کو یہ لوگ اپنا دلی دوست بنا لیتے ﴿73﴾ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بہت ممکن تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل مائل ہو ہی جاتے ﴿74﴾ [3] (اگر ایسا ہوتا) تو پھر ہم زندگی میں بھی آپ کو دوہرے عذاب کا مزا چکھاتے اور موت کے بعد بھی دوہرے عذاب کا۔ [4] پھر آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار بھی نہ پاتے ﴿75﴾ یہ تو آپ کے قدم اس سرزمین مکہ سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو اس سے نکال دیں۔ [5] پھر یہ بھی آپ کے بعد بہت ہی کم ٹھہر پاتے ﴿76﴾ [6] ایسا ہی دستور

پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کو اس کے پیغمبر کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آسمانی کتاب مراد ہے جو انبیاء کے ساتھ نازل ہوتی، یعنی اے اہل تورات! اے اہل انجیل! اور اے اہل قرآن! وغیرہ کہہ کے پکارا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں: یہاں ''امام'' سے مراد نامۂ اعمال ہے، یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائے گا تو اس کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ ہوگا اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی رائے کو امام ابن کثیر اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

(1) فَتِيْلًا: اس جھلی یا تاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے، یعنی ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

(2) اَعْمٰى: (اندھا) سے مراد دل کا اندھا ہے، یعنی جو دنیا میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے محروم رہا، وہ آخرت میں اندھا، یعنی رب کے خصوصی فضل و کرم سے محروم رہے گا۔

(3) اس میں اس عصمت کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اگرچہ نبی ﷺ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ نے آپ کو ان سے بچایا اور آپ ذرا بھی ان کی طرف نہیں جھکے۔ یہ مقام عصمت و تحفظ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

(4) اس سے معلوم ہوا کہ سزا قدر و منزلت کے مطابق ہوتی ہے۔

(5) یہ اس سازش کی طرف اشارہ ہے جو نبی ﷺ کو مکے سے نکالنے کے لیے قریش مکہ نے تیار کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔

(6) یعنی اگر اپنے منصوبے کے مطابق یہ آپ کو مکے سے نکال دیتے تو یہ بھی اس کے بعد زیادہ دیر نہ رہتے، یعنی عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔

قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿77﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿78﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ

ان کا تھا جو آپ سے پہلے رسول ہم نے بھیجے [1] اور آپ ہمارے دستور میں کبھی ردوبدل نہ پائیں گے ﴿77﴾ [2] نماز قائم کریں آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک [3] اور فجر کے وقت قرآن پڑھنا بھی، یقیناً فجر کے وقت قرآن پڑھنا فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے ﴿78﴾ [4] رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں، [5] یہ آپ کے لیے نفل ہے [6] عنقریب آپ کا

① یعنی یہ دستور پرانا چلا آ رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں کے لیے بھی برتا جاتا رہا ہے کہ جب ان کی قوموں نے انھیں اپنے وطن سے نکال دیا یا انھیں نکلنے پر مجبور کر دیا تو پھر وہ قومیں بھی اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں۔

② چنانچہ اہل مکہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی میدان بدر میں وہ عبرت ناک ذلت و شکست سے دوچار ہوئے اور چھ سال بعد 8 ہجری میں مکہ ہی فتح ہو گیا اور اس ذلت و ہزیمت کے بعد وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

③ ﴿ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ﴾ کے معنی زوال (آفتاب ڈھلنے) کے اور ﴿ غَسَقِ ﴾ کے معنی تاریکی کے ہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ﴿ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ﴾ سے مراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن، نماز کے معنی میں ہے۔ اس کو قرآن سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آ جاتا ہے۔ جس کی تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں اور جوامت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہیں۔

④ یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ دن کے فرشتوں اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4717) ایک اور حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خود خوب جانتا ہے: ''تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟'' فرشتے کہتے ہیں کہ ''جب ہم ان کے پاس گئے تھے، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 555، و صحيح مسلم، حديث: 210-(632))

⑤ تہجد ہجود سے ہے اور بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ اضداد میں سے ہے جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور رات کو بیدار رہنے کے بھی۔ یہاں اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ھُجود کے اصل معنی تو رات کے سونے کے ہی ہیں لیکن تَفَعُّل میں جانے سے اس میں تَجَنُّب کے معنی پیدا ہو گئے، جیسے تَاَثُّم کے معنی ہیں: گناہ سے اجتناب کرنا یا بچنا۔ اسی طرح تَهَجُّدُ کے معنی ہوں گے: سونے سے بچنا اور مُتَهَجِّدُ وہ ہوگا جو رات کو سونے سے بچا اور قیام کیا۔ بہرحال تہجد کا مفہوم عشاء کے بعد رات کے کسی حصے میں نوافل پڑھنا ہے۔ عموماً ساری رات قیام اللیل کرنا خلاف سنت ہے۔ نبی ﷺ بالعموم رات کے پہلے حصے میں سوتے اور پچھلے حصے میں اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ یہی طریقہ زیادہ افضل ہے۔

⑥ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لیے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر تہجد بھی اسی طرح فرض تھی جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں، البتہ امت کے لیے تہجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿ نَافِلَةً ﴾ (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے رفع درجات کے لیے زائد چیز ہے کیونکہ آپ تو مغفور الذنب ہیں جبکہ امتیوں کے لیے یہ

يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿79﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿80﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا ﴿83﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ

رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا﴿79﴾[1] اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار! تو مجھے جہاں بھی لے جائے سچائی کے ساتھ اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکالے تو سچائی کے ساتھ اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرمادے﴿80﴾[2] اور آپ اعلان کردیں کہ حق آ گیا اور باطل نیست ونابود ہوگیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نیست ونابود ہونے والا﴿81﴾[3] یہ قرآن جو ہم نازل کررہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا﴿82﴾[4] اور انسان پر جب ہم اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہوجاتا ہے﴿83﴾[5] کہہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عامل ہے

اور دیگر اعمال خیر كَفَّارَةٌ سَیِّئَات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نَافِلَةً نافلہ ہی ہے، یعنی نہ آپ ﷺ پر فرض تھی نہ آپ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ آپ کی امت پر ہی فرض ہے۔

① یہ وہ مقام ہے جو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائے گا اور اس مقام پر ہی آپ وہ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔

② بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ آپ کو مدینے میں داخل ہونے اور مکے سے نکلنے کا مسئلہ درپیش تھا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: مجھے سچائی کے ساتھ موت دینا اور سچائی کے ساتھ قیامت والے دن اٹھانا۔ بعض کہتے ہیں کہ مجھے قبر میں سچا داخل کرنا اور قیامت کے دن جب قبر سے اٹھائے تو سچائی کے ساتھ قبر سے نکالنا وغیرہ۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ دعا ہے، اس لیے اس کے عموم میں یہ سب باتیں آ جاتی ہیں۔

③ حدیث میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت تھے، آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی، آپ چھڑی کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔'' اور ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝﴾ (سبا 49:34) ''حق آ گیا اور باطل پہلی بار ابھر سکا نہ دوبارہ ہی ابھرے گا۔'' پڑھتے جاتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4720، و صحيح مسلم، حديث: 87-(1781))

④ اس مفہوم کی آیت سورۂ یونس 57:10 میں گزر چکی ہے، اس کا حاشیہ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

⑤ اس میں انسان کی اس حالت وکیفیت کا ذکر ہے جس میں وہ عام طور پر خوش حالی کے وقت اور تکلیف کے وقت مبتلا ہوتا ہے۔ خوش حالی میں وہ اللہ کو بھول جاتا ہے اور تکلیف میں مایوس ہوجاتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں اس سے مختلف

عَلٰی شَاکِلَتِہٖ ؕ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا ﴿84﴾ وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿85﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْھَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا ﴿86﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضْلَہٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ﴿87﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ﴿88﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ز فَاَبٰٓی

جو پوری ہدایت کے راستے پر ہیں انھیں تمھارا رب ہی بخوبی جاننے [1] والا ہے﴿84﴾ اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ جواب دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے﴿85﴾ [2] اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی آپ کی طرف ہم نے اتاری ہے سب لے جائیں [3] پھر آپ کو اس کے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی میسر نہ آ سکے﴿86﴾ [4] سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، [5] یقیناً آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے﴿87﴾ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور تمام جن مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں﴿88﴾ [6] ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگ

ہوتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ ہود 11:9-11 کے حواشی)

① اس میں مشرکین کے لیے تہدید و وعید ہے اور اس کا وہی مفہوم ہے جو سورۂ ہود 11:121,122 کا ہے ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ○﴾ شَاکِلَةٌ کے معنی نیت، دین، طریقے اور مزاج وطبیعت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں کافر کے لیے ذم اور مومن کے لیے مدح کا پہلو ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ ہر انسان ایسا عمل کرتا ہے جو اس کے اس اخلاق و کردار پر مبنی ہوتا ہے جو اس کی عادت وطبیعت ہوتی ہے۔

② ﴿ الرُّوْحِ﴾ وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت وتوانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت اتری۔ (صحیح البخاري، حدیث:4721، وصحیح مسلم، حدیث: 32-(2794)) آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا علم، اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے۔ یا میرے رب کی شان میں سے ہے، جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔

③ یعنی وحی کے ذریعے سے جو تھوڑا بہت علم دیا گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بھی سلب کر لے، یعنی دل سے محو کر دے یا کتاب سے ہی مٹا دے۔

④ جو دوبارہ اس وحی کو آپ کی طرف لوٹا دے۔

⑤ کہ اس نے نازل کردہ وحی کو سلب نہیں کیا یا وحیِ الٰہی سے آپ کو مشرف فرمایا۔

⑥ قرآن مجید سے متعلق یہ چیلنج اس سے قبل بھی کئی جگہ گزر چکا ہے۔ یہ چیلنج آج تک تشنۂ جواب ہے اور قیامت تک تشنۂ جواب ہی رہے گا۔

اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿89﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿90﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿91﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿92﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿93﴾ ع 10 وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا

انکار سے باز نہیں آتے﴿89﴾ [1] انھوں نے کہا [2] کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری کر دے﴿90﴾ یا آپ کے لیے کوئی باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اور اس کے درمیان آپ بہت سی نہریں جاری کر دکھائیں﴿91﴾ یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں جیسا کہ آپ کا گمان ہے یا آپ خود اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں﴿92﴾ [3] یا آپ کے اپنے لیے کوئی سونے [4] کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں، [5] آپ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں﴿93﴾ [6] لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکنے کے بعد ایمان سے روکنے والی صرف یہی چیز رہی کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر

---

[1] یہ مفہوم اس سورت کی آیت: 41 میں بھی گزر چکا ہے۔

[2] ایمان لانے کے لیے قریش مکہ نے یہ مطالبات پیش کیے۔

[3] یعنی ہمارے روبرو آکر کھڑے ہو جائیں اور ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

[4] زُخْرُفٍ کے اصل معنی زینت کے ہیں۔ مُزَخْرَفٌ مزین چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کے معنی سونے کے ہیں۔

[5] یعنی ہم میں سے ہر شخص اسے صاف صاف خود پڑھ سکتا ہو۔

[6] مطلب یہ ہے کہ میرا رب تو ہر طرح کی طاقت رکھتا ہے، وہ چاہے تو تمھارے مطالبے آن واحد میں لفظ کُنْ سے پورے فرما دے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمھاری طرح) ایک بشر ہی ہوں۔ کیا کوئی بشر ان چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے ان کا مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا رسول بھی ہوں لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، سو وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔ لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے، البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیے جائیں تو یہ سلسلہ تو کہیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا، ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزومند ہو گا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا، تبلیغ و دعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا، اس لیے معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور اس کی مشیت اس حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کر ہی نہیں سکتا۔

رَّسُوْلًا ﴿94﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿95﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿96﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿97﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿98﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ

بھیجا ہے؟﴿94﴾[1] آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے﴿95﴾[2] کہہ دیجیے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔[3] وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ اور انھیں بخوبی دیکھنے والا ہے﴿96﴾ اللہ جس کی راہنمائی کرے تو وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے تو ناممکن ہے کہ تو ان کا رفیق اس کے سوا کسی اور کو پائے،[4] ایسے لوگوں کا ہم بروز قیامت اوندھے منہ حشر کریں گے،[5] درآں حالیکہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے،[6] ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب کبھی وہ بجھنے لگے گی ہم ان پر اسے اور بھڑکا دیں گے﴿97﴾ یہ سب ہماری آیتوں سے کفر کرنے اور یہ بات کہنے کا بدلہ ہے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزے ہوجائیں گے، پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟﴿98﴾[7] کیا انھوں

---

[1] یعنی کسی بشر کا رسول ہونا، کفار و مشرکین کے لیے سخت تعجب کی بات تھی، وہ یہ بات مانتے ہی نہیں تھے کہ ہمارے جیسا انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح انسانی رشتوں میں منسلک ہے، وہ رسول بن جائے۔ یہی استعجاب ان کے ایمان میں مانع رہا۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب زمین میں انسان بستے ہیں تو ان کی ہدایت کے لیے رسول بھی انسان ہی ہوں گے۔ غیر انسان رسول، انسانوں کی ہدایت کا فریضہ کیسے سرانجام دے۔ ہاں! اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ان کے لیے رسول بھی یقیناً فرشتے ہی ہوتے۔

[3] یعنی میرے ذمے جو تبلیغ و دعوت تھی، وہ میں نے پہنچا دی، اس بارے میں میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔

[4] میری تبلیغ و دعوت سے کون ایمان لاتا ہے، کون نہیں، یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہی ہے۔

[5] حدیث میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب کا اظہار کیا کہ اوندھے منہ کس طرح حشر ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’جس اللہ نے ان کو پیروں سے چلنے کی قوت عطا کی ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انھیں منہ کے بل چلا دے۔‘‘ (صحيح البخاري، حديث: 4760، و صحيح مسلم، حديث: 2806)

[6] یعنی جس طرح وہ دنیا میں حق کے معاملے میں اندھے، بہرے اور گونگے بنے رہے، قیامت والے دن بطور جزا اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے۔

[7] یعنی جہنم کی یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ انھوں نے ہماری نازل کردہ آیات کی تصدیق نہیں کی اور کائنات میں پھیلی ہوئی تکوینی آیات پر غور و فکر نہیں کیا جس کی وجہ سے انھوں نے وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کو محال خیال کیا اور کہا کہ ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ

اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ وَ جَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَۃِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَۃَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾ ع وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَہُمۡ فَقَالَ لَہٗ فِرۡعَوۡنُ

نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسوں کی پیدائش پر پورا قادر ہے،[1] اسی نے ان کے لیے ایک ایسا وقت مقرر کر رکھا ہے جو شک وشبہ سے یکسر خالی ہے،[2] لیکن ظالم لوگ انکار کیے بغیر رہتے ہی نہیں ﴿۹۹﴾ کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک بن جاؤ تو تم اس وقت بھی ان کے خرچ ہو جانے[3] کے خوف سے ان کو روکے رکھتے اور انسان ہے ہی تنگ دل ﴿۱۰۰﴾ ہم نے موسیٰ کو نو معجزے[4] بالکل صاف صاف عطا فرمائے، تُو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ

ہو جانے کے بعد ہمیں ایک نئی پیدائش کس طرح مل سکتی ہے؟

① اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہ ان جیسوں کی پیدائش یا دوبارہ انھیں زندگی دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ یہ تو آسمان و زمین کی تخلیق سے زیادہ آسان ہے، ﴿لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اَکۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمان اور زمین کی پیدائش انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑا اور مشکل کام ہے۔'' اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے (سورۂ احقاف 33:46 میں اور سورۂ یٰسٓ 82,81:36) میں بھی بیان فرمایا ہے۔

② اس ﴿اَجَلًا﴾ (وقت مقرر) سے مراد موت یا قیامت ہے۔ یہاں سیاق کلام کے اعتبار سے قیامت مراد لینا زیادہ صحیح ہے، یعنی ہم نے انھیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ﴿وَ مَا نُؤَخِّرُہٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ۝﴾ (ھود 104:11) ''ہم ان کے معاملے کو ایک وقت مقرر تک کے لیے مؤخر کر رہے ہیں۔''

③ ﴿خَشۡیَۃَ الۡاِنۡفَاقِ﴾ کا مطلب ہے: خَشْيَةَ أَنْ يُّنْفِقُوا فَيَفْتَقِرُوا ''اس خوف سے کہ خرچ کر کے فقیر ہو جائیں گے۔'' حالانکہ یہ خزانۂ الٰہی ہے جو ختم ہونے والا نہیں۔ لیکن چونکہ انسان تنگ دل واقع ہوا ہے، اس لیے بخل سے کام لیتا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡکِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ۝﴾ (النسآء 53:4) یعنی ان کو اگر بادشاہی میں سے کچھ حصہ مل جائے تو یہ لوگوں کو کچھ نہ دیں۔ نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت میں جو نکتہ یا داغ سا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں، تل برابر بھی کسی کو نہ دیں۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے خزانوں کے منہ لوگوں کے لیے کھولے ہوئے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: ''اللہ کے ہاتھ بھرے ہوئے ہیں۔ وہ رات دن خرچ کرتا ہے لیکن اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو تو سہی، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں، کس قدر خرچ کیا ہو گا۔ لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں (وہ بھرے کے بھرے ہیں۔)'' (صحيح البخاري، حديث: 7419، و صحيح مسلم، حديث: 37-(993))

④ وہ نو معجزے یہ ہیں: ہاتھ کا سفید ہونا، لاٹھی کا سانپ بن جانا، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، جَرَادٌ (ٹڈی دل) قُمَّلٌ (کھٹمل، جوئیں) ضَفَادِعُ (مینڈک) اور خون۔ امام حسن بصری کہتے ہیں، کہ قحط سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ لاٹھی کا جادوگروں کی شعبدہ بازی کو نگل جانا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ بھی معجزات دیے گئے تھے، مثلاً: لاٹھی کا پتھر پر مار کر اس سے بارہ چشمے ظاہر ہونا، بادلوں کا سایہ ہونا، من و سلویٰ وغیرہ۔ لیکن یہاں آیاتِ تسعہ سے صرف وہی نو معجزات مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿١٠٤﴾ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿١٠٥﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿١٠٨﴾

وقف لازم

ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تو تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿١٠١﴾ موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے علم ہو چکا ہے کہ آسمان وزمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے دکھانے، سمجھانے کو نازل فرمائے ہیں، اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاکت زدہ ہے ﴿١٠٢﴾ آخر فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انھیں زمین سے ہی اکھیڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا ﴿١٠٣﴾ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرما دیا کہ اس سرزمین[1] پر تم رہو سہو۔ ہاں جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے ﴿١٠٤﴾ اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ بھی حق کے ساتھ اترا۔[2] ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا[3] بنا کر بھیجا ہے ﴿١٠٥﴾ اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا[4] ہے کہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا ﴿١٠٦﴾ کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ﴿١٠٧﴾[5] اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ بلاشک وشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہی ہے ﴿١٠٨﴾[6]

اور اس کی قوم نے کیا، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انفلاق بحر (سمندر کا پھٹ کر راستہ بن جانا) کو بھی ان نو معجزات میں شمار کیا ہے، قحط سالی اور نقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت (3144) میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن سنداً وہ روایت ضعیف ہے، اس لیے آیات تسعہ سے مراد یہی مذکورہ معجزات ہیں۔

[1] اس سرزمین سے مراد شام ومصر ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال میدان تیہ میں گزار کر فلسطین میں داخل ہوئے۔ اس کی شہادت سورۂ اعراف 137:7 وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے اور پھر داود اور سلیمان علیہما السلام کے زمانے میں مصر کے وارث بھی بن گئے۔

[2] یعنی بحفاظت آپ تک پہنچ گیا، اس میں راستے میں کوئی کمی بیشی اور کوئی تبدیلی اور آمیزش نہیں کی گئی، اس لیے کہ اس کو لانے والا فرشتہ شَدِيْدُ الْقُوٰى، الْاَمِيْنُ، مَكِيْنٌ اور مُطَاعٌ ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔

[3] ﴿مُبَشِّرًا﴾ اطاعت گزاروں کے لیے اور ﴿نَذِيْرًا﴾ نافرمانوں کے لیے۔

[4] ﴿فَرَقْنٰهُ﴾ کے ایک دوسرے معنی بَيَّنَّاهُ وَ أَوْضَحْنَاهُ ''ہم نے اسے کھول کر اور وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔'' بھی کیے گئے ہیں۔

[5] یعنی وہ علماء جنھوں نے نزول قرآن سے قبل کی کتب پڑھی ہیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف ہیں، وہ

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿109﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿110﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿111﴾ ع

اور وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع بڑھا دیتا ہے ﴿109﴾ [1] کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں، [2] نہ تو تُو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کرلے ﴿110﴾ [3] اور یہ کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے نہ وہ کمزور ہے کہ کوئی اس کا حمایتی ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ ﴿111﴾

سجدہ ریز ہوتے ہیں، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انھیں آخری رسول کی پہچان کی توفیق دی اور قرآن ورسالت پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی۔

⑥ مطلب یہ ہے کہ یہ کفار مکہ جو ہر چیز سے ناواقف ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ پروا نہ کریں، اس لیے کہ جو اہل علم ہیں اور وحی ورسالت کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ قرآن سن کر وہ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگئے ہیں۔ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے اور رب کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

① ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑنے کا دوبارہ ذکر کیا کیونکہ پہلا سجدہ اللہ کی تعظیم وتنزیہ کے لیے اور بطور شکر تھا اور قرآن سن کر جو خشیت ورقت ان پر طاری ہوئی اور اس کی تاثیر واعجاز سے جس درجہ وہ متاثر ہوئے، اس نے دوبارہ انھیں سجدہ ریز کر دیا۔

② جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ کے لیے اللہ کا صفاتی نام ''رحمٰن'' یا ''رحیم'' نامانوس تھا اور بعض آثار میں آتا ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یا رحمٰن یا رحیم کے الفاظ سنے تو کہا کہ ہمیں تو یہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ کو پکارو اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن كثیر)

③ اس کی شان نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ چھپ کر رہتے تھے، جب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو آواز قدرے بلند فرما لیتے، مشرکین قرآن سن کر قرآن کو اور اللہ کو سب وشتم کرتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی آواز کو اتنا اونچا نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ آواز اتنی پست کرو کہ صحابہ بھی نہ سن سکیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 7490، و صحيح مسلم، حديث: 446) خود نبی ﷺ کا واقعہ ہے کہ ایک رات نبی ﷺ کا گزر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے قراءت کر رہے ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس سے مصروف مناجات تھا، وہ میری آواز سن رہا تھا، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا مقصد سوتوں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اپنی آواز قدرے بلند کرو۔'' اور

اٰیَاتُهَا: 110 (18) سُوْرَةُ الْکَهْفِ مَکِّیَّةٌ (69) رُکُوْعَاتُهَا: 12

سورۂ کہف مکی ہے، اس میں 110 آیات اور 12 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② مَّاکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ③ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ کَبُرَتْ

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے لائق ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن اتارا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں رکھی ① [1] بلکہ تمام ٹھیک ٹھاک رکھا تا کہ اپنے پاس [2] کی سخت سزا سے ہوشیار کردے اور ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبریاں سنادے کہ ان کے لیے بہترین بدلہ ہیں ② جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ③ اور ان لوگوں کو بھی ڈرا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے ④ [3] درحقیقت نہ تو خود انھیں اس کا علم ہے نہ ان کے باپ دادوں کو۔ یہ

عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اپنی آواز کچھ پست رکھو۔'' (سنن أبي داود، حديث: 1329) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ بنی اسرائیل) یعنی صلاۃ سے مراد دعا ہے جو درمیانی آواز سے مانگی جائے، آواز زیادہ اونچی ہو نہ بالکل پست۔ صلاۃ کے لغوی معنی دعا بھی ہیں۔ یا کل بول کر جز مراد لیا ہے۔

کہف کے معنی غار کے ہیں۔ اس میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورۂ کہف کہا جاتا ہے۔ اس کی ابتدائی دس آیات اور آخری دس آیات کی فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ جو ان کو یاد کرے اور پڑھے گا، وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 809) صحیح مسلم میں اول وآخر کی دونوں روایتیں ہیں۔ لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے پہلی دس آیات والی روایت کو محفوظ اور راجح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 123/2، حديث: 582، و رياض الصالحين، تحقيق شيخ ألباني، ص: 393) اور جو اس کی تلاوت جمعے کے دن کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔ (المستدرك للحاكم: 368/2، وصححه الألباني في صحيح الجامع الصغير: 1104/2، حديث: 6470) اس کے پڑھنے سے گھر میں سکینت و برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سورۂ کہف پڑھی، گھر میں گھوڑا بھی تھا، وہ بدکنا شروع ہو گیا، انھوں نے غور سے اوپر کی طرف دیکھا کہ کیا بات ہے؟ تو انھیں ایک بادل نظر آیا جس نے انھیں ڈھانپ رکھا تھا، صحابی نے اس واقعے کا ذکر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''(قرآن) پڑھا کرو۔ قرآن پڑھتے وقت سکینت نازل ہوتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5011، وصحيح مسلم، حديث: 241-(795))

[1] یا کوئی کجی اور راہ اعتدال سے انحراف اس میں نہیں رکھا بلکہ اسے قیم، یعنی سیدھا رکھا۔ یا قیم کے معنی، بندوں کے دینی و دنیوی مصالح کی رعایت وحفاظت کرنے والی کتاب۔

[2] مِّنْ لَّدُنْهُ جو اس اللہ کی طرف سے صادر اور نازل ہونے والا ہے۔

[3] جیسے یہودیوں، عیسائیوں اور بعض مشرکین (کے خیال میں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) کا عقیدہ ہے۔

كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓي اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝

تہمت [1] بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے، وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں⑤ پس اگر یہ لوگ اس بات [2] پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے؟⑥ روئے زمین پر جو کچھ ہے [3] ہم نے اسے زمین کی رونق کا باعث بنایا ہے تاکہ ہم انھیں آزما لیں کہ ان میں سے کون نیک اعمال والا ہے⑦ اس پر جو کچھ ہے ہم اسے ضرور ایک ہموار صاف میدان کر ڈالنے والے ہیں⑧ [4] کیا تو اپنے خیال میں غار اور کتبے والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کوئی بہت عجیب نشانی سمجھ رہا ہے؟⑨ [5] ان چند نوجوانوں نے جب غار میں پناہ لی تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو آسان کر دے⑩ [6] پس ہم نے ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال تک اسی غار میں پردے ڈال دیے⑪ [7]

① اس کلمہ (تہمت) سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اولاد ہے جو نرا جھوٹ ہے۔

② ﴿ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ﴾ (اس بات) سے مراد قرآن کریم ہے۔ کفار کے ایمان لانے کی جتنی شدید خواہش نبی ﷺ رکھتے تھے اور ان کے اعراض و گریز سے آپ کو جو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس میں آپ کی اسی کیفیت اور جذبے کا اظہار ہے۔

③ روئے زمین پر جو کچھ ہے، حیوانات، جمادات، نباتات، معدنیات اور دیگر مدفون خزانے یہ سب دنیا کی زینت اور اس کی رونق ہیں۔

④ ﴿ صَعِيْدًا ﴾ سطح زمین ﴿ جُرُزًا ﴾ بالکل ہموار، جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو، یعنی ایک وقت آئے گا کہ یہ دنیا اپنی تمام تر رونقوں سمیت فنا ہو جائے گی اور روئے زمین ایک چٹیل اور ہموار میدان کی طرح ہو جائے گی، اس کے بعد ہم نیک و بد کو ان کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

⑤ یعنی یہ واحد بڑی اور عجیب نشانی نہیں ہے بلکہ ہماری ہر نشانی ہی عجیب ہے۔ یہ آسمان و زمین کی پیدائش اور اس کا نظام، شمس و قمر اور کواکب کی تسخیر، رات اور دن کا آنا جانا اور دیگر بے شمار نشانیاں کیا کم تعجب انگیز ہیں۔ ﴿ الْكَهْفِ ﴾ اس غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتا ہے۔ ﴿ الرَّقِيْمِ ۙ ﴾ بعض کے نزدیک اس بستی کا نام ہے جہاں سے یہ نوجوان گئے تھے، بعض کہتے ہیں: اس پہاڑ کا نام ہے جس میں غار واقع تھا۔ بعض کہتے ہیں: رقیم بمعنی مرقوم ہے اور یہ ایک تختی ہے لوہے یا سیسے کی، جس میں اصحاب کہف کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اسے رقیم اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس پر نام تحریر ہیں۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے اس کے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے اب (الرقیب) کہا جاتا ہے جو مرور زمانہ کے سبب (الرقیم) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

⑥ یہ وہی نوجوان ہیں جنھیں اصحاب کہف کہا گیا، (تفصیل آگے آ رہی ہے) انھوں نے جب اپنے دین کو بچاتے ہوئے غار میں پناہ لی تو یہ دعا مانگی۔ اصحاب کہف کے اس قصے میں نوجوانوں کے لیے بڑا سبق ہے، آج کل کے نوجوانوں کا بیشتر وقت فضولیات میں برباد

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا

پھر ہم نے انھیں اٹھا کھڑا کیا تا کہ ہم یہ معلوم کرلیں کہ دونوں گروہوں میں سے اس انتہائی مدت کو جو انھوں نے گزاری کس نے خوب[1] یاد رکھا ہے ⑫ ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ چند نوجوان[2] اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی ⑬ ہم نے ان کے دل مضبوط کردیے[3] تھے جب وہ راہ حق میں اٹھ کھڑے ہوئے[4]

ہوتا ہے اور اللہ کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ کاش! آج کے مسلمان نوجوان ''در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری'' کے مصداق اپنی جوانیوں کو اللہ کی عبادت میں صرف کریں۔

⑦ یعنی کانوں پر پردے ڈال کر ان کے کانوں کو بند کردیا تا کہ باہر کی آوازوں سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں گہری نیند سلا دیا۔

① ان دو گروہوں سے مراد کون ہیں؟ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ اصحاب کہف ہی میں سے دو گروہ ہیں جن کو اپنی نیند کی مقدار کا صحیح علم نہ ہوسکا، یہی قول راجح ہے اور آیت :19 سے اس کی تائید ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ عالم الغیب نہیں ہوتے۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ ایک حزب سے مراد اصحاب کہف اور دوسرے حزب سے شہر والے جن کے زمانے میں اصحاب کہف جگائے گئے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں جماعتیں کافرتھیں اور بعض کہتے ہیں کہ مومنوں کی جماعتیں تھیں۔ (روح المعاني، تفسير اللباب، تفسير القرطبي)

② اب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ یہ نوجوان، بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا، دقیانوس، جو لوگوں کو بتوں کی عبادت کرنے اور ان کے نام کی نذرو نیاز دینے کی ترغیب دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو آسمان وزمین کا خالق اور کائنات کا رب ہے۔ ﴿فِتْيَةٌ﴾ جمع قلت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد 9 یا اس سے بھی کم تھی۔ یہ الگ ہو کر کسی ایک جگہ اللہ واحد کی عبادت کرتے، آہستہ آہستہ لوگوں میں ان کے عقیدۂ توحید کا چرچا ہوا تو بادشاہ تک بات پہنچ گئی اور اس نے انھیں اپنے دربار میں طلب کرکے ان سے پوچھا تو وہاں انھوں نے برملا اللہ کی توحید بیان کی۔ بالآخر پھر بادشاہ اور اپنی مشرک قوم کے ڈر سے اپنے دین کو بچانے کے لیے آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہوگئے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کردی اور وہ تین سو نو (309) سال وہاں سوئے رہے۔

③ یعنی ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے خویش واقارب کی جدائی اور عیش وراحت کی زندگی سے محرومی کا جو صدمہ انھیں اٹھانا پڑا، ہم نے ان کے دل کو مضبوط کردیا تا کہ وہ ان شدائد کو برداشت کرلیں۔ نیز حق گوئی کا فریضہ بھی جرأت اور حوصلے سے ادا کرسکیں۔

④ اس قیام سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک وہ طلبی ہے جو بادشاہ کے دربار میں ان کی ہوئی اور بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوکر انھوں نے توحید کا یہ وعظ بیان کیا، بعض کہتے ہیں کہ شہر سے باہر آپس میں ہی کھڑے ایک دوسرے کو توحید کی وہ بات سنائی جو فرداً فرداً اللہ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالی گئی اور یوں اہل توحید باہم اکٹھے ہوگئے۔

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ⑭ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑮ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ⑰ ع 2/5 14 وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ڰ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ

اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی[1] ⑭ یہ ہے ہماری قوم جس نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ ان کی عبادت پر یہ کوئی صاف دلیل کیوں پیش نہیں کرتے، اللہ پر جھوٹ افترا باندھنے والے سے زیادہ ظالم کون ہے؟ ⑮ جبکہ تم ان سے اور اللہ کے سوا ان کے اور معبودوں سے کنارہ کش ہوگئے تو اب تم کسی غار میں[2] جا بیٹھو، تمھارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمھارے لیے تمھارے کام میں سہولت مہیا کردے گا ⑯ آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقتِ طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک (ہٹ) جاتا ہے اور بوقت غروب ان کی بائیں جانب سے کترا کر نکل جاتا ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔[3] یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔[4] اللہ جس کی رہبری فرمائے وہ راہ راست پر ہے اور جسے وہ گمراہ کردے ناممکن ہے کہ آپ اس کا کوئی کارساز اور راہنما پاسکیں ⑰[5] آپ خیال کریں گے کہ وہ بیدار ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں،[6] ہم خود ہی دائیں بائیں ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں،[7] ان کا کتا

[1] شَطَطًا کے معنی جھوٹ، ظلم، حد سے تجاوز کرنے اور حق سے دور ہونے کے ہیں۔

[2] یعنی جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کرلو۔ یہ اصحاب کہف نے آپس میں کہا، چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو تلاش کیا گیا لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے جس طرح نبی ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔

[3] یعنی سورج طلوع کے وقت دائیں جانب کو اور غروب کے وقت بائیں جانب کو کترا کے نکل جاتا اور یوں دونوں وقتوں میں ان پر دھوپ نہ پڑتی، حالانکہ وہ غار میں کشادہ جگہ پر محو استراحت تھے۔ ﴿فَجْوَةٍ﴾ کے معنی ہیں: کشادہ جگہ۔

[4] یعنی سورج کا اس طرح نکل جانا کہ باوجود کھلی جگہ ہونے کے وہاں دھوپ نہ پڑے، اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

[5] جیسے دقیانوس بادشاہ اور اس کے پیروکار ہدایت سے محروم رہے تو کوئی انھیں راہ یاب نہیں کر سکا۔

[6] اَيْقَاظًا يَقِظٌ (ق کے کسرے اور ضمے کے ساتھ) کی جمع اور ﴿رُقُوْدٌ﴾ رَاقِدٌ کی جمع ہے۔ وہ بیدار اس لیے محسوس ہوتے

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِاطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿18﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿19﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿20﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

بھی چوکھٹ پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر آپ ان پر جھانکیں تو ضرور بھاگتے ہوئے ان سے پیٹھ پھیر لیں اور ضرور ان کے خوف سے بھر دیے جائیں ﴿18﴾ [1] اسی طرح ہم نے انھیں جگا کر اٹھا دیا [2] کہ آپس میں پوچھ گچھ کر لیں۔ ایک کہنے والے نے کہا کہ کیوں بھئی تم کتنی دیر ٹھہرے رہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ [3] کہنے لگے کہ تمھارے ٹھہرے رہنے کا بخوبی علم اللہ ہی کو ہے۔ [4] اب تو تم اپنے میں سے کسی کو اپنے یہ چاندی کے سکے دے کر شہر بھیجو۔ وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے، [5] پھر اسی میں سے تمھارے کھانے کے لیے لے آئے اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمھاری خبر نہ ہونے دے ﴿19﴾ [6] اگر یہ کافر تم پر غلبہ پالیں گے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے یا تمھیں پھر اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر اس وقت تم کبھی بھی ہرگز فلاح نہیں پاؤ گے ﴿20﴾ [7] ہم نے اس طرح لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ

تھے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوتی تھیں، جس طرح جاگنے والے شخص کی ہوتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ زیادہ کروٹیں بدلنے کی وجہ سے وہ بیدار بیدار نظر آتے تھے۔

⑦ تاکہ ان کے جسموں کو مٹی نہ کھا جائے۔

① یہ ان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جا سکے۔

② یعنی جس طرح ہم نے انھیں اپنی قدرت سے سلا دیا تھا، اسی طرح تین سو نو سال کے بعد ہم نے انھیں اٹھا دیا اور اس حال میں اٹھایا کہ ان کے جسم اسی طرح صحیح تھے جس طرح تین سو سال قبل سوتے وقت تھے، اسی لیے آپس میں ایک دوسرے سے انھوں نے سوال کیا۔

③ گویا جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے، صبح کا پہلا پہر تھا اور جب بیدار ہوئے تو دن کا آخری پہر تھا، یوں وہ سمجھے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے بھی کم، دن کا کچھ حصہ سوئے رہے۔

④ تاہم کثرت نوم کی وجہ سے وہ سخت تردد میں رہے اور بالآخر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا کہ وہی صحیح مدت جانتا ہے۔

⑤ بیدار ہونے کے بعد خوراک، جو انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے، کا سروسامان کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

⑥ احتیاط اور نرمی کی تاکید اسی اندیشے کے پیش نظر کی، جس کی وجہ سے وہ شہر سے نکل کر ایک ویرانے میں آئے تھے۔ اسے تاکید کی کہ کہیں اس کے رویے سے شہر والوں کو ہمارا علم نہ ہو جائے اور کوئی نئی افتاد ہم پر نہ آ پڑے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

⑦ یعنی آخرت کی جس کامیابی کے لیے ہم نے یہ صعوبت، مشقت برداشت کی، ظاہر بات ہے کہ اگر اہل شہر نے ہمیں مجبور کر کے پھر آبائی دین کی طرف لوٹا دیا تو ہمارا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا، ہماری محنت بھی برباد جائے گی اور ہم نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿21﴾

کر دیا[1] کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔[2] جبکہ وہ اپنے امر میں آپس میں اختلاف کررہے تھے۔[3] کہنے لگے: ان کے غار پر ایک عمارت بنالو۔[4] ان کا رب ہی ان کے حال کا زیادہ عالم ہے۔[5] جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کے غار پر مسجد بنالیں گے ﴿21﴾[6]

① یعنی جس طرح ہم نے انھیں سلایا اور جگایا، اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے آگاہ کردیا۔ یہ آگاہی اس طرح ہوئی کہ جب اصحاب کہف کا ایک ساتھی چاندی کا وہ سکہ لے کر شہر گیا، جو تین سو سال قبل کے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا تھا اور وہ سکہ اس نے ایک دکاندار کو دیا تو وہ حیران ہوا، اس نے ساتھ کی دکان والے کو دکھایا، وہ بھی دیکھ کر حیران ہوا، جبکہ اصحاب کہف کا ساتھی یہ کہتا رہا کہ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں اور کل ہی یہاں سے گیا ہوں لیکن اس ''کل'' کو تین صدیاں گزر چکی تھیں، لوگ کس طرح اس کی بات مان لیتے؟ لوگوں کو شبہ گزرا کہ کہیں اس شخص کو مدفون خزانہ نہ ملا ہو۔ شدہ شدہ بات بادشاہ یا حاکم مجاز تک پہنچی اور اس ساتھی کی مدد سے وہ غار تک پہنچا اور اصحاب کہف سے ملاقات کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دے دی۔ (ابن کثیر)

② یعنی اصحاب کہف کے اس واقعے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کا وعدۂ الٰہی سچا ہے۔ منکرین کے لیے اس واقعے میں اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

③ ﴿اِذْ﴾ یا تو ظرف ہے ﴿اَعْثَرْنَا﴾ کا، یعنی ہم نے انھیں اس وقت ان کے حال سے آگاہ کیا، جب وہ بعث بعد الموت یا وقوع قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے یا ﴿لِيَعْلَمُوْٓا﴾ کا، یعنی تاکہ وہ جان لیں جب وہ اس معاملے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

④ یہ کہنے والے کون تھے، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کے اہل ایمان تھے، بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی تھے، جب جاکر انھوں نے ملاقات کی اور اس کے بعد اللہ نے انھیں پھر وفات دے دی تو بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک عمارت بنادی جائے۔

⑤ جھگڑا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بابت صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

⑥ یہ غلبہ حاصل کرنے والے اہل ایمان تھے یا اہل کفر وشرک؟ امام شوکانی نے پہلی رائے کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن کثیر نے اس کے بارے میں واللّٰہ أعلم (اللہ ہی خوب جانتا ہے) کہنے کے بعد فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ بات کہنے والے فرماں روا اور ارباب اختیار تھے اور کیا ان کا یہ فعل محمود ہے؟ یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَاءِهِمْ مَّسَاجِدَ» (صحيح البخاري، حديث: 1330، وصحيح مسلم، حديث: 529) ''اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے، جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔'' صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ''پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تمھیں اس سے روکتا ہوں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 532) عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عراق میں دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڛ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ㉒ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ㉓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓي اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ

ع 3/5/15

کچھ لوگ تو کہیں گے کہ اصحابِ کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ کہیں گے کہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا،[1] غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیر تکے) چلاتے ہیں،[2] (نشانہ دیکھے بغیر پتھر چلا دینے کی طرح) کچھ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔[3] آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ان کی تعداد کو بخوبی جاننے والا ہے، انھیں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں،[4] پس آپ ان کے مقدمے میں صرف سرسری گفتگو ہی کریں[5] اور ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کریں㉒[6] اور ہرگز ہرگز کسی کام پر یوں نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا㉓ مگر ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لینا۔[7] اور جب بھی بھولے اپنے پروردگار کی یاد کرلیا کرنا[8] اور کہتے رہنا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کے قریب

تو آپ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھا جائے (چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔) (تفسیر ابن کثیر)

① یہ کہنے والے اور ان کی مختلف تعداد بتلانے والے عہدِ رسالت کے مومن اور کافر تھے اور بعض نے کہا کہ اہل کتاب تھے جو کتب سماویہ سے آگاہی اور علم کا دعویٰ رکھتے تھے۔

② یعنی علم ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے، جس طرح بغیر دیکھے کوئی پتھر مارے، یہ بھی اسی طرح اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ نے صرف تین قول بیان فرمائے، پہلے دو قولوں کو ﴿رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ﴾ (ظن وتخمین) کہہ کر ان کو کمزور رائے قرار دیا اور اس تیسرے قول کا ذکر اس کے بعد کیا جس سے بعض اہل تفسیر نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ انداز اس قول کی صحت کی دلیل ہے اور فی الواقع ان کی تعداد اتنی ہی تھی۔ (ابن کثیر)

④ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: میں بھی ان کم لوگوں میں سے ہوں جو یہ جانتے ہیں کہ اصحابِ کہف کی تعداد کتنی تھی؟ وہ صرف سات تھے جیسا کہ تیسرے قول میں بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

⑤ یعنی صرف ان ہی باتوں پر اکتفا کریں جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے کر دی گئی ہے۔ یا تعیینِ عدد میں بحث وتکرار نہ کریں، صرف یہ کہہ دیں کہ اس تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

⑥ یعنی بحث کرنے والوں سے ان کی بابت کچھ نہ پوچھیں، اس لیے کہ جس سے پوچھا جائے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم ہونا چاہیے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ کے پاس تو پھر بھی یقینی علم کا ایک ذریعہ (وحی) موجود ہے، جبکہ دوسروں کے پاس ظنون واوہام کے سوا کچھ نہیں۔

⑦ مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی ﷺ سے تین باتیں پوچھی تھیں، روح کی حقیقت کیا ہے اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کون

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿27﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

کی بات کی راہنمائی کرے گا﴿24﴾ [1] وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو سال اور زیادہ گزارے﴿25﴾ [2] آپ کہہ دیں: اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے کی مدت کا بخوبی علم ہے، آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اسی کو حاصل ہے، کیا ہی خوب دیکھنے والا ہے وہ اور کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ [3] سوائے اللہ کے ان کا کوئی مددگار نہیں، اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا﴿26﴾ تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ، [4] اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، تو اس کے سوا ہرگز ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا﴿27﴾ [5] اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں۔

تھے؟ کہتے ہیں کہ یہی سوالات اس سورت کے نزول کا سبب بنے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں کل جواب دوں گا لیکن اس کے بعد 15 دن تک جبریل وحی لے کر نہیں آئے، پھر جب آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان شاء اللہ کہنے کا یہ حکم دیا۔ آیت میں کل (غد) سے مراد مستقبل ہے، یعنی جب بھی مستقبل قریب یا بعید میں کوئی کام کرنے کا عزم کرو تو ان شاء اللہ ضرور کہا کرو کیونکہ انسان کو تو پتا نہیں کہ وہ جس بات کا عزم ظاہر کر رہا ہے، اس کی توفیق بھی اسے اللہ کی مشیت سے ملنی ہے یا نہیں؟

(8) یعنی اگر کلام یا وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آ جائے ان شاء اللہ کہہ لو یا پھر رب کو یاد کرنے کا مطلب اس کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار ہے، اس لیے کہ نسیان بوجہ شیطان ہے اور اللہ کے ذکر سے بات یاد آ جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

(1) یعنی میں جس کا عزم ظاہر کر رہا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید کام کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔

(2) جمہور مفسرین نے اسے اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ شمسی حساب سے 300 اور قمری حساب سے 309 سال بنتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ انھی لوگوں کا قول ہے جو ان کی مختلف تعداد بتلاتے تھے، جس کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے: ''اللہ ہی کو ان کے ٹھہرے رہنے مدت کا بخوبی علم ہے۔'' جس کا مطلب وہ مذکورہ مدت کی نفی لیتے ہیں۔ لیکن جمہور کی تفسیر کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب یا کوئی اور، اس بتلائی ہوئی مدت سے اختلاف کرے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ جب اس نے تین سو نو سال مدت بتلائی ہے تو یہی صحیح ہے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے؟

(3) یہ اللہ کی صفت بصارت و سماعت کی وضاحت ہے۔

(4) ویسے تو یہ حکم عام ہے کہ جس چیز کی بھی وحی آپ کی طرف کی جائے، اس کی تلاوت فرمائیں اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ لیکن اصحاب کہف کے قصے کے خاتمے پر اس حکم سے مراد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے بارے میں لوگ جو چاہیں، کہتے پھریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں اپنی کتاب میں جو کچھ اور جتنا کچھ بیان فرما دیا ہے، وہی صحیح ہے، وہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیجیے، اس سے زیادہ دیگر باتوں کی طرف دھیان نہ دیجیے۔

(5) یعنی اگر اسے بیان کرنے سے گریز و انحراف کیا یا اس کے کلمات میں تغیر و تبدیلی کی کوشش کی تو اللہ سے آپ کو بچانے والا کوئی نہیں

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿28﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿29﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ

اس کی رضامندی اور خوشنودی چاہتے ہیں۔ خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں[1] کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا۔[2] دیکھ اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے ﴿28﴾[3] اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمھارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ظالموں کے لیے ہم نے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انھیں گھیر لیں گی۔ اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا جو چہرے بھون دے گا، بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ، یعنی دوزخ ہے ﴿29﴾ یقیناً جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو ہم کسی نیک عمل کرنے والے کا ثواب ضائع نہیں کرتے ﴿30﴾[4] ان کے لیے ہیشگی والی جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے[5] اور وہ سبز رنگ کے نرم و باریک اور موٹے ریشم کے لباس پہنیں گے،[6]

ہوگا۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن اصل مخاطب امت ہے۔

[1] یہ وہی حکم ہے جو اس سے قبل (الأنعام 6:52) میں گزر چکا ہے۔ مراد ان سے وہ صحابۂ کرام ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشراف قریش کو گوارا نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہذیل قبیلے کا صحابی اور دو صحابہ اور تھے رضی اللہ عنہم۔ قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی بات سنیں، نبی ﷺ کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 46-(2413))

[2] یعنی ان کو دور کر کے آپ اصحاب شرف واہل ثروت کو اپنے قریب کرنا چاہتے ہیں؟

[3] ﴿فُرُطًا﴾ بمعنی افراط ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا معاملہ اسراف وحد سے تجاوز والا ہے اور اگر بمعنی تفریط ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ ان کا کام تفریط اور تضییع پر مبنی ہے، جس کا نتیجہ ضیاع اور ہلاکت ہے۔

[4] قرآن کے انداز بیان کے مطابق جہنمیوں کے ذکر کے بعد اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگوں کے اندر جنت حاصل کرنے کا شوق ورغبت پیدا ہو۔

[5] زمانۂ نزول قرآن اور اس سے ماقبل رواج تھا کہ بادشاہ، رؤساء اور سرداران قبائل اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنتے تھے،

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿32﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿33﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿34﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿35﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ

وہاں تختوں کے اوپر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کس قدر عمدہ آرام گاہ ہے ﴿31﴾ اور انھیں ان دو شخصوں کا حال بھی سنا دے[1] جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگوروں کے دے رکھے تھے اور جنھیں کھجوروں کے درختوں سے ہم نے گھیر رکھا[2] تھا اور دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی ﴿32﴾[3] دونوں باغ اپنا پھل خوب لائے اور اس میں کسی طرح کی کمی نہ کی[4] اور ہم نے ان باغوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی ﴿33﴾[5] الغرض اس کے پاس میوے تھے، ایک دن اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے ساتھی[6] سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے[7] کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں ﴿34﴾ اور وہ اپنے باغ میں گیا اور تھا بھی اپنی جان پر ظلم کرنے والا۔ کہنے لگا کہ میں خیال نہیں کر سکتا کہ کسی وقت بھی یہ برباد ہو جائے ﴿35﴾ اور نہ میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال کرتا ہوں اور

جس سے ان کی امتیازی حیثیت نمایاں ہوتی تھی۔ اہل جنت کو بھی جنت میں کڑے پہنائے جائیں گے۔

⑥ ﴿سُنْدُسٍ﴾ باریک ریشم اور ﴿اِسْتَبْرَقٍ﴾ موٹا ریشم۔ دنیا میں مردوں کے لیے سونا اور ریشمی لباس ممنوع ہیں، جو لوگ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دنیا میں ان محرمات سے اجتناب کریں گے، انھیں جنت میں یہ ساری چیزیں میسر ہوں گی۔ وہاں کوئی چیز ممنوع نہیں ہوگی بلکہ اہل جنت جس چیز کی خواہش کریں گے، وہ موجود ہوگی۔ ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؀﴾ (حٰمٓ السجدة 31:41) ''جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب جنت میں موجود ہے۔''

① مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دو شخص کون تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے لیے بطور مثال ان کا تذکرہ کیا ہے یا واقعی دو شخص ایسے تھے؟ اگر تھے تو یہ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں یا اہل مکہ میں سے تھے، ان میں ایک مومن اور دوسرا کافر تھا۔

② جس طرح چار دیواری کے ذریعے سے حفاظت کی جاتی ہے، اس طرح ان باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے، جو باڑ اور چار دیواری کا کام دیتے تھے۔

③ یعنی دونوں باغوں کے درمیان کھیتی تھی جس سے غلہ جات کی فصلیں حاصل کی جاتی تھیں۔ یوں دونوں باغ غلے اور میووں کے جامع تھے۔

④ یعنی اپنی پیداوار میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے بلکہ بھرپور پیداوار دیتے تھے۔

⑤ تاکہ باغوں کو سیراب کرنے میں کوئی انقطاع واقع نہ ہو۔ یا بارانی علاقوں کی طرح بارش کے محتاج نہ رہیں۔

⑥ یعنی باغوں کے مالک نے، جو کافر تھا، اپنے ساتھی سے کہا جو مومن تھا۔

⑦ ﴿نَفَرًا﴾ (جتھے) سے مراد اولاد پیروکار اور نوکر چاکر ہیں۔

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿36﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿37﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿38﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ

اگر (بالفرض) میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں اس لوٹنے کی جگہ اس سے بھی زیادہ[1] بہتر پاؤں گا﴿36﴾ اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ کیا تو اس ہستی کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر تجھے پورا آدمی بنادیا﴿37﴾[2] لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا﴿38﴾[3] جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ: لاقوۃ الا باللہ۔[4] اگر تو مجھے

① یعنی وہ کافر عجب اور غرور میں ہی مبتلا نہیں ہوا بلکہ اس کی مدہوشی اور مستقبل کی حسین اور لمبی امیدوں نے اسے اللہ کی گرفت اور مکافات عمل سے بالکل غافل کر دیا۔ علاوہ ازیں اس نے قیامت کا ہی انکار کر دیا، پھر ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر قیامت برپا ہوئی بھی تو وہاں بھی حسن انجام میرا مقدر ہوگا۔ جن کا کفر وطغیان حد سے تجاوز کر جاتا ہے، وہ مست مئے پندار ہو کر ایسے ہی متکبرانہ دعوے کرتے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ (حم السجدة 50:41) ''اگر مجھے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی میرے لیے اچھائیاں ہی ہیں۔'' ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۝﴾ (مریم 77:19) ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور دعویٰ کیا کہ آخرت میں بھی مجھے مال واولاد سے نوازا جائے گا۔''

② اس کی یہ باتیں سن کر اس کے مومن ساتھی نے اس کو وعظ وتبلیغ کے انداز میں سمجھایا کہ تو اپنے خالق کے ساتھ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، جس نے تجھے مٹی اور قطرۂ پانی (منی) سے پیدا کیا۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام چونکہ مٹی سے بنائے گئے تھے، اس لیے انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی، پھر قریبی سبب وہ نطفہ بنا جو باپ کی صلب سے نکل کر رحم مادر میں گیا، وہاں نو مہینے اس کی پرورش کی، پھر اسے پورا انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالا۔ بعض کے نزدیک مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے، وہ سب زمین سے، یعنی مٹی سے ہی حاصل ہوتی ہے، اسی خوراک سے وہ نطفہ بنتا ہے جو عورت کے رحم میں جا کر انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ یوں بھی ہر انسان کی اصل مٹی ہی قرار پاتی ہے۔ ناشکرے انسان کو اس کی اصل یاد دلا کر اسے اس کے خالق اور رب کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ تو اپنی حقیقت اور اصل پر غور کر اور پھر رب کے ان احسانات کو دیکھ کہ تجھے اس نے کیا کچھ بنا دیا اور اس عمل تخلیق میں کوئی اس کا شریک اور مددگار نہیں ہے، یہ سب کچھ کرنے والا صرف اور صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں ہے۔ آہ، کس قدر یہ انسان ناشکرا ہے؟ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۝﴾ (بنیٓ إسرآء یل 67:17)

③ یعنی میں تیری طرح کی بات نہیں کروں گا بلکہ میں تو اللہ کی ربوبیت اور اس کی وحدانیت کا اقرار واعتراف کرتا ہوں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ساتھی مشرک ہی تھا۔

④ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے کہا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت سرکشی اور غرور کا مظاہرہ کرنے کی بجائے یہ کہا ہوتا: مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے، وہ چاہے تو اسے باقی رکھے اور چاہے تو فنا کر

اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿39﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿40﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿42﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿43﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے ﴿39﴾ تو بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے تیرے اس باغ سے بھی بہتر دے[1] اور اس پر آسمانی عذاب بھیج دے تو یہ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے ﴿40﴾[2] یا اس کا پانی نیچے اتر جائے اور تیرے بس میں نہ رہے کہ تو اسے ڈھونڈ لائے ﴿41﴾[3] اور اس کے (سارے) پھل گھیر لیے گئے،[4] پس وہ اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس میں کیا تھا اپنے ہاتھ ملنے لگا[5] اور وہ باغ تو اوندھا الٹا پڑا تھا،[6] اور وہ (شخص) یہ کہہ رہا تھا کہ کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا ﴿42﴾[7] اس کی حمایت میں کوئی جماعت نہ اٹھی[8] کہ اللہ سے اس کا کوئی بچاؤ کرتی اور نہ وہ خود ہی بدلہ لینے والا بن سکا ﴿43﴾ یہیں سے ثابت ہے کہ اختیارات[9] صرف اللہ برحق ہی کے لیے ہیں وہ ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے

دے، اسی لیے بعض سلف نے کہا کہ جس کو اپنا مال، اولاد یا حال اچھا لگے تو وہ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔(تفسیر ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی میں خوش کن چیز دیکھے تو اسے برکت کی دعا دے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔(سنن ابن ماجہ، حدیث: 3509، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث: 4020)

1 دنیا میں یا آخرت میں۔ یا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں۔

2 ﴿حُسْبَانًا﴾ غفران اور بُطلان کی طرح مصدر ہے حساب کے معنی میں ہے، یعنی وہ مقدار جس کا حساب اللہ نے کیا ہے اور اسے مقدر کیا ہے اور وہ ہے اس باغ کی تخریب کا فیصلہ۔ زجاج نے کہا: یہ حساب سے ہے، یعنی حساب کا عذاب اور وہ تیرے کرتوتوں کا حساب ہے، یعنی آسمانی عذاب کے ذریعے سے وہ محاسبہ کر لے۔ اور یہ جگہ جہاں اس وقت سرسبز وشاداب باغ ہے، چٹیل اور چکنا میدان بن جائے۔

3 اس پانی کو اتنی گہرائی میں کر دے کہ پانی کا حصول ہی ناممکن ہو جائے۔ اور جہاں پانی زیادہ گہرائی میں چلا جائے تو پھر وہاں بڑے بڑے ہارس پاور کی موٹریں اور مشینیں بھی پانی کو اوپر کھینچ لانے میں ناکام رہتی ہیں۔

4 یہ عبارت ہے ہلاکت وفنا سے، یعنی اس کا سارا باغ ہلاک کر ڈالا گیا۔

5 یعنی باغ کی تعمیر واصلاح اور کاشت کاری کے اخراجات پر کف افسوس ملنے لگا۔ ہاتھ ملنا کنایہ ہے ندامت سے۔

6 یعنی جن چھتوں، چھپروں پر انگوروں کی بیلیں تھیں، وہ سب زمین پر آ رہیں اور انگوروں کی ساری فصل تباہ ہو گئی۔

7 اب اسے احساس ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اس کے احکام کا انکار کرنا اور اس کے مقابلے میں سرکشی کسی طرح بھی ایک انسان کے لیے زیبا نہیں لیکن اب حسرت وافسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اب پچھتائے کیا

عُقْبًا ﴿44﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿45﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿46﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ

بہت [1] ہی بہتر ہے﴿44﴾ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ ملاجلا (نکلا) ہے، پھر آخر کار وہ چورا چورا ہوجاتا ہے جسے ہوائیں اڑائے لیے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے﴿45﴾ [2] مال واولاد تو دنیا ہی کی زینت ہے، [3] اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں [4] تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور آئندہ کی اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں﴿46﴾اور جس دن ہم پہاڑوں

ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

8 جس جتھے پر اس کو ناز تھا، وہ بھی اس کے کام نہیں آیا نہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی انتظام کر سکا۔

9 ﴿ الْوَلَايَةُ ﴾ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں، یعنی اس مقام پر مومن و کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بابت نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا: ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (یونس 90:10) ''میں اس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' دوسرے کفار کی بابت فرمایا گیا: ''جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا: ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان کا انکار کرتے ہیں۔'' (المؤمن 84:40) اگر ولایت، واؤ کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں جیسا کہ ترجمے میں یہی معنی اختیار کیے گئے ہیں۔ (ابن کثیر)

1 یعنی وہی اپنے دوستوں کو بہتر بدلہ دینے والا اور حسن عاقبت سے مشرف کرنے والا ہے۔

2 اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو کھیتی کی ایک مثال کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے کہ کھیتی میں لگے ہوئے پودوں اور درختوں پر جب آسمان سے بارش برستی ہے تو پانی سے مل کر کھیتی لہلہا اٹھتی ہے، پودے اور درخت حیات نو سے شاداب ہو جاتے ہیں لیکن پھر ایک وقت آتا ہے کہ کھیتی سوکھ جاتی ہے۔ پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے یا فصل پک جانے کے سبب۔ تو پھر ہوائیں اس کو اڑائے پھرتی ہیں۔ ہوا کا ایک جھونکا کبھی اسے دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب جھکا دیتا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ہوا کے ایک جھونکے یا پانی کے بلبلے یا کھیتی ہی کی طرح ہے جو اپنی چند روزہ بہار دکھا کر فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اور یہ سارے تصرفات اس ہستی کے ہاتھ میں ہیں جو ایک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی یہ مثال قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہے (مثلاً: سورۂ یونس 24:10، سورۂ زمر 21:39، سورۂ حدید 20:57 وغیرھا من الآیات)

3 اس میں ان اہل دنیا کا رد ہے جو دنیا کے مال و اسباب، قبیلہ و خاندان اور آل اولاد پر فخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ چیزیں تو دنیائے فانی کی عارضی زینت ہیں۔ آخرت میں یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ اسی لیے اس سے آگے فرمایا کہ آخرت میں کام آنے والے عمل تو وہ ہیں جو باقی رہنے والے ہیں۔

الۡجِبَالَ وَتَرَى الۡاَرۡضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿47﴾ وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَـقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ لَكُمۡ مَّوۡعِدًا ﴿48﴾ وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿49﴾ ع وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ

ع 5/18

کو چلائیں گے [1] اور زمین کو تو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا اور تمام لوگوں کو ہم اکٹھا کریں گے، پھر ہم ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے ﴿47﴾ [2] اور سب کے سب تیرے رب کے سامنے صف بستہ [3] حاضر کیے جائیں گے، انھیں کہا جائے گا: یقیناً تم ہمارے پاس اسی طرح آئے جس طرح ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا لیکن تم تو اسی خیال میں رہے کہ ہم ہرگز تمھارے لیے کوئی وعدے کا وقت مقرر نہیں کریں گے ﴿48﴾ اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیے جائیں گے، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ اس کی تحریر سے خوفزدہ ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹا بڑا عمل شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا اور جو کچھ انھوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہیں کرے گا ﴿49﴾ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے

---

④ ﴿اَلۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ (باقی رہنے والی نیکیاں) کون سی یا کون کون سی ہیں؟ کسی نے نماز کو، کسی نے تحمید وتسبیح اور تکبیر وتہلیل کو اور کسی نے بعض اور اعمال خیر کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ عام ہے اور تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ تمام فرائض و واجبات اور سنن ونوافل سب باقیات صالحات ہیں بلکہ مَنۡہِیَّات (منع کردہ چیزوں) سے اجتناب بھی ایک عمل صالح ہے، جس پر عنداللہ اجر وثواب کی امید ہے۔

① یہ قیامت کی ہولناکیوں اور بڑے بڑے واقعات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کو چلائیں گے کا مطلب ہے: پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝﴾ (القارعة 5:101) ''اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔'' (مزید دیکھیے: سورۂ طور 10,9:52، سورۂ نمل 88:27 اور سورۂ طٰہٰ 20:105-107) زمین سے جب پہاڑ جیسی مضبوط چیزیں ختم ہو جائیں گی تو مکانات، درخت اور اسی طرح کی دیگر چیزیں کس طرح اپنا وجود برقرار رکھ سکیں گی؟ اسی لیے آگے فرمایا: ''تو زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھے گا۔''

② یعنی اولین وآخرین، چھوٹے بڑے، کافر ومومن سب کو جمع کریں گے، کوئی زمین کی تہ میں پڑا نہ رہ جائے گا اور نہ قبر سے نکل کر کسی جگہ چھپ سکے گا۔

③ ﴿صَفًّا﴾ عُرِضُوا کی ضمیر مرفوع سے حال ہے اور صف اگرچہ مفرد ہے لیکن اس سے مراد جمع ہی ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے: «أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ» ''اہل جنت کی 120 صفیں ہوں گی جن میں سے اسی (80) صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں سے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2546) یہ بھی کہا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿51﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿52﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

تھا،① اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی،② کیا پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کے دشمن ہیں۔③ ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدلہ ہے ﴿50﴾④ میں نے انھیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش میں،⑤ اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا زور بازو بنانے والا بھی نہیں ﴿51﴾⑥ اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمھارے خیال میں جو میرے شریک تھے انھیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا، ہم ان کے درمیان ہلاکت کا سامان کردیں گے ﴿52﴾⑦ اور مجرم لوگ جہنم کو دیکھ کر سمجھ لیں گے کہ وہ اسی میں جھونکے جانے والے ہیں

گیا ہے کہ مفرد ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایک ہی صف میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

① قرآن کی اس صراحت نے واضح کردیا کہ شیطان فرشتہ نہیں تھا، فرشتہ اگر ہوتا تو حکم الٰہی سے سرتابی کی اسے مجال ہی نہ ہوتی کیونکہ فرشتوں کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحريم 6:66) ''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔'' اس صورت میں یہ اشکال رہتا ہے، اگر وہ فرشتہ نہیں تھا تو پھر اللہ کے حکم کا وہ مخاطب ہی نہیں تھا کیونکہ اس کے مخاطب تو فرشتے تھے، انھی کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے علاوہ شیطان کو بھی مستقلاً حکم تھا اور سجدۂ آدم کے حکم کے ساتھ اس کا مخاطب کیا جانا قطعی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (الأعراف 12:7) ''جب میں نے تجھے حکم دے دیا تو پھر تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا؟''

② ﴿فَفَسَقَ﴾ کے معنی ہوتے ہیں نکلنا، چوہا جب اپنے بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں: فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا (چوہا اپنے بل سے نکل آیا) شیطان بھی سجدۂ تعظیم وتحیہ کا انکار کرکے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

③ یعنی کیا تمھارے لیے یہ صحیح ہے کہ تم ایسے شخص کو اور اس کی ذریت کو دوست بناؤ جو تمھارے باپ آدم کا دشمن، تمھارا دشمن اور تمھارے رب کا نافرمان ہے اور اللہ کو چھوڑ کر اس شیطان کی اطاعت کرو؟

④ یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کی دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت اور اس کی دوستی جو اختیار کی ہے تو یہ بہت ہی برا بدل ہے، جسے ان ظالموں نے اپنایا ہے۔

⑤ یعنی آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کی تدبیر میں بلکہ خود ان شیاطین کی پیدائش میں، میں نے ان سے یا ان میں سے کسی ایک سے کوئی مدد حاصل نہیں کی، یہ تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے، پھر تم اس شیطان اور اس کی ذریت کی پوجا یا ان کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ اور میری عبادت واطاعت سے تمھیں گریز کیوں ہے؟ جبکہ یہ مخلوق ہیں اور میں ان سب کا خالق ہوں۔

⑥ اور میں ان کو مددگار بھی کیسے بناؤں، جبکہ یہ میرے بندوں کو گمراہ کرکے میری جنت اور میری رضا سے روکتے ہیں۔

وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿53﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿54﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿56﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

لیکن اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے ﴿53﴾ [1] ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کے لیے بیان کردی ہیں لیکن انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے ﴿54﴾ [2] لوگوں کے پاس ہدایت آچکنے کے بعد انھیں ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اسی چیز نے روکا کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ انھیں بھی پیش آئے [3] یا ان کے سامنے کھلم کھلا عذاب آموجود ہو ﴿55﴾ [4] ہم تو اپنے رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ خوشخبریاں سنادیں اور ڈرادیں۔ کافر لوگ باطل کے سہارے جھگڑتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس سے حق کو لڑکھڑادیں۔ انھوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے مذاق بناڈالا ﴿56﴾ [5] اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے وہ پھر بھی منہ موڑے رہے

---

(7) ﴿مَّوْبِقًا﴾ کے ایک معنی حجاب (پردے اور آڑ) کے ہیں، یعنی ان کے درمیان پردہ اور فاصلہ کردیا جائے گا کیونکہ ان کے مابین آپس میں عداوت ہوگی، نیز اس لیے کہ عرصۂ محشر میں یہ ایک دوسرے کو نہ مل سکیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں پیپ اور خون کی مخصوص وادی ہے جس کے ذریعے سے ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ مَهْلك (جائے ہلاکت یا ہلاکت) کیا ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے، یعنی یہ مشرک اور ان کے مزعومہ معبود، یہ ایک دوسرے کو مل ہی نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے درمیان ہلاکت کا سامان اور ہولناک چیزیں ہوں گی۔

(1) جس طرح بعض روایات میں ہے کہ کافر ابھی چالیس سال کی مسافت پر ہوگا تو جب جہنم کو دیکھ لے گا تو یقین کرلے گا کہ جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ (مسند أحمد: 75/3)

(2) یعنی ہم نے انسانوں کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے، وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و براہین، علاوہ ازیں انھیں بار بار اور مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے، اس لیے وعظ و نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہے اور نہ دلائل و براہین اس کے لیے کارگر۔

(3) یعنی تکذیب کی صورت میں ان پر بھی اسی طرح عذاب آئے، جیسے پہلے لوگوں پر آیا۔

(4) یعنی یہ اہل مکہ ایمان لانے کے لیے ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہیں۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو یہ پتا نہیں کہ اس کے بعد ایمان کی کوئی حیثیت ہی نہیں یا اس کے بعد ایمان لانے کا ان کو موقع ہی کب ملے گا؟

(5) اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا تکذیب کی بدترین قسم ہے۔ اسی طرح باطل کے ذریعے سے جدال، یعنی باطل طریقے اختیار کرکے حق کو باطل ثابت کرنے کی سعی کرنا بھی نہایت مذموم حرکت ہے۔ اسی مجادلہ بالباطل کی ایک صورت یہ ہے جو کافر رسولوں کو یہ کہہ کر ان کی

وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿58﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾ ع وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ

43

اور جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اسے بھول جائے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے، گو تو انھیں ہدایت کی طرف بلاتا رہے لیکن وہ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے ﴿57﴾ [1] تیرا پروردگار بہت ہی بخشش والا اور مہربانی والا ہے، وہ اگر ان کے اعمال کی سزا میں پکڑے تو بے شک انھیں جلد ہی عذاب کر دے بلکہ ان کے لیے ایک وعدے کی گھڑی مقرر ہے جس سے وہ سرکنے کی ہرگز جگہ نہیں پائیں گے ﴿58﴾ [2] یہ ہیں وہ بستیاں جنھیں ہم نے ان کے مظالم کی بنا پر غارت کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی ﴿59﴾ [3] اور جب موسیٰ نے اپنے

رسالت کا انکار کر دیتے رہے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو ﴿قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (یٰسٓ 15:36) ہم تمھیں رسول کس طرح تسلیم کر لیں؟ ﴿لِیُدْحِضُوْا﴾ کے اصل معنی پھسلنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: دَحَضَتْ رِجْلُهُ (اس کا پیر پھسل گیا) یہاں سے یہ کسی چیز کے زوال (ٹلنے) اور بطلان کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں: دَحَضَتْ حُجَّتُهُ دُحُوضًا أَيْ بَطَلَتْ (اس کی حجت باطل ہوگئی) اس لحاظ سے أَدْحَضَ يُدْحِضُ کے معنی ہوں گے: باطل کرنا۔ (فتح القدیر)

[1] یعنی ان کے اس ظلم عظیم کی وجہ سے کہ انھوں نے رب کی آیات سے اعراض کیا اور اپنے کرتوتوں کو بھولے رہے، ان کے دلوں پر ایسے پردے اور ان کے کانوں پر ایسے بوجھ ڈال دیے گئے ہیں، جس سے قرآن کا سمجھنا، سننا اور اس سے ہدایت قبول کرنا ان کے لیے ناممکن ہوگیا۔ ان کو کتنا بھی ہدایت کی طرف بلالو، یہ کبھی بھی ہدایت کا راستہ اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

[2] یعنی یہ تو رب غفور کی رحمت ہے کہ وہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پاداش عمل میں ہر شخص ہی عذاب الٰہی کے شکنجے میں کسا ہوتا، البتہ یہ ضرور ہے کہ جب مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور ہلاکت کا وہ وقت آ جاتا ہے، جو اللہ نے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے تو پھر فرار کا کوئی راستہ اور بچاؤ کی کوئی سبیل ان کے لیے نہیں رہتی۔ ﴿مَوْىِٕلًا﴾ کے معنی ہیں: جائے پناہ، راہ فرار۔

[3] اس سے مراد عاد، ثمود اور شعیب علیہ السلام اور لوط علیہ السلام وغیرہ کی قومیں ہیں جو اہل حجاز کے قریب اور ان کے راستوں میں ہی تھیں۔ انھیں بھی اگرچہ ان کے ظلم کے سبب ہی ہلاک کیا گیا لیکن ہلاکت سے پہلے انھیں پورا موقع دیا گیا اور جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا ظلم و طغیان اس حد کو پہنچ گیا ہے، جہاں سے ہدایت کے راستے بالکل مسدود ہو جاتے ہیں اور ان سے خیر اور بھلائی کی امید باقی نہیں رہی تو پھر ان کی مہلت عمل ختم اور تباہی کا وقت شروع ہوگیا، پھر انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ یا اہل دنیا کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیا گیا۔ یہ دراصل اہل مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے آخری پیغمبر اور اشرف الرسل محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر رہے ہو، تم یہ نہ سمجھنا کہ تمھیں جو مہلت مل رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ بلکہ یہ مہلت تو سنت اللہ ہے جو ایک وقت موعود تک ہر فرد، گروہ اور قوم کو وہ عطا کرتا ہے۔ جب یہ مدت ختم ہو جائے گی اور تم اپنے کفر و عناد سے باز نہیں آؤ گے تو پھر تمھارا حشر بھی

لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿60﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿61﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿62﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿63﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا

نوجوان[1] سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں[2] کے سنگم پر پہنچوں۔ یا پھر میں عرصۂ دراز تک چلتا رہوں گا[3] ﴿60﴾ جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے، تو وہاں اپنی مچھلی بھول گئے، جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا ﴿61﴾ جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا ناشتہ دے ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی ﴿62﴾ اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا جبکہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا[4] میں اپنا راستہ کرلیا ﴿63﴾ موسیٰ نے کہا: یہی تھا

اس سے مختلف نہیں ہوگا جو تم سے پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

① نوجوان سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔

② اس مقام کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی ہے، تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے مقامات جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے ان پر سرے سے مجمع البحرین کی تعبیر ہی صادق نہیں آتی۔

③ ﴿حُقُبًا﴾ کے ایک معنی 70 یا 80 سال اور دوسرے معنی غیر معین مدت کے ہیں۔ یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں، یعنی جب تک میں مجمع البحرین (جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں) نہیں پہنچ جاؤں گا، چلتا رہوں گا اور سفر جاری رکھوں گا، چاہے کتنا بھی عرصہ لگ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ایک موقع پر ان سے ایک آدمی نے پوچھا: لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ جملہ پسند نہیں آیا، اس لیے کہ انھوں نے اس کا علم اللہ کی طرف سپرد نہیں کیا۔ اور وحی کے ذریعے سے انھیں مطلع کیا کہ ہمارا ایک بندہ (خضر) ہے جو تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ! اس سے ملاقات کس طرح ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جہاں دونوں سمندر ملتے ہیں، وہیں ہمارا وہ بندہ بھی ہوگا۔ نیز فرمایا کہ مچھلی ساتھ لے جاؤ، جہاں مچھلی تمھاری ٹوکری (زنبیل) سے نکل کر غائب ہو جائے تو سمجھ لینا کہ یہی مقام ہے (صحيح البخاري، حديث: 4725) چنانچہ اس حکم کے مطابق انھوں نے ایک مچھلی لی اور سفر شروع کر دیا۔

④ یعنی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنا دیا۔ یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بنتے ہوئے دیکھا لیکن موسیٰ علیہ السلام کو بتلانا بھول گئے۔ حتیٰ کہ آرام کر کے وہاں سے پھر سفر شروع کر دیا، اس دن اور اس کے بعد رات سفر کر کے جب دوسرے دن موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوئی تو اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ بھئی ناشتہ، ناشتہ کرلیں۔ اس نے کہا: مچھلی تو جہاں ہم نے پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا، وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اور

نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿64﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿65﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿66﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿67﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿68﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿69﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ

وہ مقام جس کی تلاش میں ہم تھے، چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے دیکھتے واپس [1] لوٹے ﴿64﴾ سو وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے [2] کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے خاص رحمت [3] عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم [4] سکھا رکھا تھا ﴿65﴾ اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے ﴿66﴾ اس نے کہا: آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے ﴿67﴾ اور جس چیز کی حقیقت کا آپ کو علم ہی [5] نہ ہو اس پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں ﴿68﴾ موسیٰ نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا ﴿69﴾ اس نے کہا: اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلنے پر ہی اصرار کرتے ہیں

وہاں عجب طریقے سے اس نے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا۔ اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔

① موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کے بندے! جہاں مچھلی نے زندہ ہو کر غائب ہونا تھا، وہی تو ہمارا مطلوبہ مقام تھا جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے ہیں، چنانچہ اپنے نشانات قدم دیکھتے ہوئے پیچھے لوٹے اور اسی مجمع البحرین پر واپس آ گئے۔ ﴿قَصَصًا﴾ کے معنی ہیں: پیچھے لگنا، پیچھے پیچھے چلنا، یعنی نشانات قدم کو دیکھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

② اس بندے سے مراد خضر ہیں جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحت ہے۔ خضر کے معنی سرسبز اور شاداب کے ہیں، یہ ایک مرتبہ سفید زمین پر بیٹھے تو وہ حصہ زمین ان کے نیچے سے سرسبز ہو کر لہلہانے لگا، اسی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا۔ (صحیح البخاري، حدیث:3402)

③ رحمت سے بعض مفسرین نے وہ خصوصی انعامات مراد لیے ہیں جو اللہ نے اپنے اس خاص بندے پر فرمائے اور اکثر مفسرین نے اس سے مراد نبوت لی ہے۔

④ اس سے علم نبوت کے علاوہ جس سے موسیٰ علیہ السلام بھی بہرہ ور تھے، بعض تکوینی امور کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے صرف خضر علیہ السلام کو نوازا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی وہ علم نہیں تھا۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض صوفیاء دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو، جو نبی نہیں ہوتے، علم لدنی سے نوازتا ہے، جو بغیر استاذ کے محض مبدأ فیض کی کرم گستری کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ باطنی علم، شریعت کے ظاہری علم سے، جو قرآن و حدیث کی صورت میں موجود ہے، مختلف بلکہ بعض دفعہ اس کے مخالف اور معارض ہوتا ہے لیکن یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ خضر علیہ السلام کی بابت تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو علم خاص دیے جانے کی صراحت کر دی ہے، جبکہ کسی اور کے لیے ایسی صراحت کہیں نہیں اگر اس کو عام کر دیا جائے تو پھر ہر شعبدہ باز اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، چنانچہ اس طبقے میں یہ دعوے عام ہی ہیں، اس لیے ایسے دعوؤں کی کوئی حیثیت نہیں۔

⑤ یعنی جس کا پورا علم نہ ہو۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿70﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿71﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿72﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿73﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿74﴾

تو یاد رہے کہ کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں ﴿70﴾ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، خضر نے اس کے تختے توڑ دیے، موسیٰ نے کہا: کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں، یہ تو آپ نے (بڑی) خطرناک بات کر دی ﴿71﴾ [1] خضر نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا ﴿72﴾ موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیے اور مجھے میرے کام میں تنگی میں نہ ڈالیے ﴿73﴾ [2] پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ وہ ایک لڑکے [3] کو ملے، خضر نے اسے مار ڈالا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک بے گناہ کی جان لی اور وہ بھی کسی کے خون کے بدلے میں نہیں، یہ تو آپ نے بڑی ہی بے جا اور ناپسندیدہ حرکت کی ﴿74﴾ [4]

---

① موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ اس علم خاص کی خبر نہیں تھی جس کی بنا پر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے توڑ دیے تھے، اس لیے صبر نہ کر سکے اور اپنے علم و فہم کے مطابق اسے نہایت ہولناک کام قرار دیا۔ ﴿ اِمْرًا ﴾ کے معنی ہیں: الداهية العظيمة ''بڑا ہیبت ناک کام۔''

② یعنی میرے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں، سختی کا نہیں۔

③ ﴿ غُلٰمًا ﴾ سے مراد بالغ جوان بھی ہو سکتا ہے اور نابالغ بچہ بھی۔

④ ﴿ نُّكْرًا ﴾ فَظِيعًا مُّنْكَرًا لَّا يُعْرَفُ فِي الشَّرْعِ ایسا بڑا برا کام جس کی شریعت میں گنجائش نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: اَنْكَرُ مِنَ الْاَمْرِ الْاَوَّلِ، پہلے کام (کشتی کے تختے توڑنے) سے زیادہ قابل انکار، اس لیے کہ قتل ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ ممکن نہیں۔ جبکہ کشتی کے تختے اکھیڑ دینا، ایسا کام ہے جس کا تدارک اور ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی کیے ہیں، پہلے کام سے کم تر اَقَلُّ مِنَ الْاَمْرِ الْاَوَّلِ اس لیے کہ ایک جان کو قتل کرنا سارے کشتی والوں کو ڈبو دینے سے کم تر ہے۔ (فتح القدير) لیکن پہلا مفہوم ہی انسب ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو جو علم شریعت حاصل تھا، اس کی رو سے خضر علیہ السلام کا یہ کام بہرحال خلاف شرع تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے اعتراض کیا اور اسے نہایت برا کام قرار دیا، تاہم خضر علیہ السلام امر الٰہی کی وجہ سے اس کے کرنے کے پابند تھے اور موسیٰ علیہ السلام اس سے بے خبر تھے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿77﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ

وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے ﴿75﴾ موسیٰ نے جواب دیا: اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر[1] کو پہنچ چکے ﴿76﴾ پھر دونوں چلے، ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی مہمان نوازی سے صاف انکار کر دیا،[2] پس دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ اس نے اسے ٹھیک اور درست[3] کر دیا، موسیٰ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے ﴿77﴾[4] اس نے کہا: بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان،[5] اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا ﴿78﴾[6] کشتی تو چند

[1] یعنی اب اگر سوال کروں تو مجھے اپنی مصاحبت کے شرف سے محروم کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اس لیے کہ آپ کے پاس معقول عذر ہوگا۔

[2] یعنی یہ بخیلوں اور لئیموں کی بستی تھی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی سے ہی انکار کر دیا، درآں حالیکہ مسافروں کو کھانا کھلانا اور مہمان نوازی کرنا ہر شریعت وقوم کی اخلاقی تعلیمات کا اہم حصہ رہا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے۔ فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ» (صحیح البخاري، حدیث: 6476، و صحیح مسلم، حدیث: 14-(48)، قبل حدیث: 1727) ''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت وتکریم کرے۔''

[3] خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ لگایا اور اللہ کے حکم سے وہ معجزانہ طور پر سیدھی ہوگئی جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث: 4726 سے واضح ہے۔

[4] موسیٰ علیہ السلام جو اہل بستی کے رویے سے پہلے ہی کبیدہ خاطر تھے، خضر علیہ السلام کے اس بلا معاوضہ احسان پر خاموش نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ جب ان بستی والوں نے ہماری مسافرت اور ضرورت مندی کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا تو یہ لوگ کب اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ احسان کیا جائے؟

[5] خضر علیہ السلام نے کہا کہ موسیٰ! یہ تیسرا موقع ہے کہ تو صبر نہیں کر سکا اور اب خود تیرے کہنے کے مطابق میں تجھے ساتھ رکھنے سے معذور ہوں۔

[6] لیکن جدائی سے قبل خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت سے انھیں آگاہ اور باخبر کرنا ضروری خیال کیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کسی مغالطے کا شکار نہ رہیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ علم نبوت اور ہے جس سے انھیں نوازا گیا ہے اور بعض تکوینی امور کا علم اور ہے جو اللہ کی حکمت ومشیت کے تحت، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، خضر علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق انھوں نے جو کام کیے، ان میں بعض شریعت موسوی کی رو سے جائز نہیں تھے اور اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام بجا طور پر ان پر خاموش نہیں رہ سکے تھے۔ انھی تکوینی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بعض اہل علم کی رائے ہے کہ خضر علیہ السلام انسانوں میں سے نہیں تھے اور اسی لیے وہ ان کی نبوت ورسالت یا ولایت کی بحث میں

فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿80﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿81﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿82﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ

مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کرلیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً ضبط کرلیتا تھا﴿79﴾ اور اس لڑکے کے ماں باپ ایمان دار تھے۔ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انھیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کردے ﴿80﴾ اس لیے ہم نے چاہا کہ انھیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت و پیار والا بچہ عنایت فرمائے ﴿81﴾ دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا،[1] یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ﴿82﴾ آپ سے ذوالقرنین کا واقعہ یہ لوگ

نہیں پڑتے کیونکہ یہ سارے مناصب تو انسانوں کے ساتھ ہی خاص رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو بعض تکوینی امور سے مطلع کر کے ان کے ذریعے سے وہ کام کروالے تو اس میں بھی کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ جب وہ صاحبِ وحی خود اس امر کی وضاحت کردے کہ میں نے یہ کام اللہ کے حکم ہی سے کیے ہیں تو گو بظاہر وہ خلاف شریعت ہی نظر آتے ہوں لیکن جب ان کا تعلق ہی تکوینی امور سے ہے تو وہاں جواز اور عدم جواز کی بحث ہی غیر ضروری ہے، جیسے تکوینی احکامات کے تحت کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی مرتا ہے، کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا ہے، قوموں پر عذاب آتا ہے، ان میں سے بعض کام بعض دفعہ باذن الٰہی فرشتے ہی کرتے ہیں تو جس طرح یہ امور آج تک کسی کو خلاف شریعت نظر نہیں آئے۔ اسی طرح خضر علیہ السلام کے ذریعے سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا تعلق بھی چونکہ امور تکوینیہ سے ہے، اس لیے انھیں شریعت کی ترازو میں تولنا ہی غیر صحیح ہے، البتہ چونکہ جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام نبی تھے اور یہی راجح ہے اور اب وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کسی شخص کا اس قسم کا دعویٰ ہرگز صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہوگا جیسا کہ خضر علیہ السلام سے منقول ہے کیونکہ خضر علیہ السلام کا معاملہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے، اس لیے مجال انکار نہیں لیکن اب جو بھی اس قسم کا دعویٰ یا عمل کرے گا، اس کا انکار لازمی اور ضروری ہے کیونکہ اب وہ یقینی ذریعۂ علم موجود نہیں ہے جس سے اس کے دعوے اور عمل کی حقیقت واضح ہو سکے۔

[1] خضر کی نبوت کے قائلین کی یہ دوسری دلیل ہے جس سے وہ نبوت خضر کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ کسی بھی غیر نبی کے پاس اس قسم کی وحی نہیں آتی کہ وہ اتنے اتنے اہم کام کسی اشارۂ غیبی پر کردے، نہ کسی غیر نبی کا ایسا اشارۂ غیبی قابل عمل ہی ہے۔ نبوت خضر کی طرح حیات خضر بھی ایک حلقے میں مختلف فیہ ہے اور حیات خضر کے قائلین بہت سے لوگوں کی ملاقاتیں خضر سے ثابت کرتے ہیں اور پھر ان

ذِی الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ

دریافت کررہے ہیں،[1] آپ کہہ دیجیے کہ میں ان کا تھوڑا سا حال تمھیں پڑھ کر سناتا ہوں ﴿83﴾ ہم نے اسے زمین میں قوت عطا فرمائی تھی اور اسے ہر چیز کے[2] سامان بھی عنایت کر دیے تھے ﴿84﴾ وہ ایک راہ کے پیچھے لگا ﴿85﴾[3] یہاں تک کہ سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا اور اسے ایک دلدل کے چشمے میں غروب ہوتا ہوا پایا[4] اور اس چشمے کے پاس ایک قوم کو بھی پایا،

سے ان کے اب تک زندہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن جس طرح خضر کی زندگی پر کوئی نص شرعی نہیں ہے، اسی طریقے سے لوگوں کے مکاشفات یا حالت بیداری یا نوم میں خضر سے ملنے کے دعوے بھی قابل تسلیم نہیں۔ جب ان کا حلیہ ہی مستند ذریعے سے منقول نہیں ہے تو ان کی شناخت کس طرح ممکن ہے؟ اور کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ جن بزرگوں نے ملنے کے دعوے کیے ہیں، واقعی ان کی ملاقات خضر علیہ السلام ہی سے ہوئی ہے، خضر کے نام سے انھیں کسی نے دھوکے اور فریب میں مبتلا نہیں کیا۔ علاوہ ازیں صحیح مسلم کی حدیث کی رُو سے خضر علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 2537 اور یہی حق ہے کہ خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اس کے بارے میں اچھی تفصیل روح المعانی میں مذکورہ آیات کے تحت ہے۔

[1] یہ مشرکین کے اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو یہودیوں کے کہنے پر انھوں نے نبی ﷺ سے کیے تھے۔ ذوالقرنین کے لفظی معنی دو سینگوں والے کے ہیں۔ یہ نام اس لیے پڑا کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے یا اس لیے کہ اس نے مشرق میں جا کر طلوع شمس کی جگہ پر قرنِ شمس کو دیکھا اور پھر مغرب میں جا کر غروب شمس کی جگہ میں قرنِ شمس کا مشاہدہ کیا، بعض کہتے ہیں کہ اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں، قرن بالوں کی لٹ کو بھی کہتے ہیں، یعنی دو لٹوں یا دو مینڈھیوں، دو زلفوں والا۔ قدیم مفسرین نے بالعموم اس کا مصداق سکندر رومی کو قرار دیا ہے جس کی فتوحات کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا تھا، لیکن جدید مفسرین جدید تاریخی معلومات کی روشنی میں اس سے اتفاق نہیں کرتے بالخصوص مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس پر جو داد تحقیق دی ہے اور اس شخص کی دریافت میں جو محنت و کاوش کی ہے، وہ نہایت قابل قدر ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے: ① اس ذوالقرنین کی بابت قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ ایسا حکمران تھا، جس کو اللہ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ ② وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے۔ ③ اس نے وہاں یاجوج ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک نہایت محکم بند تعمیر کیا۔ ④ وہ عادل، اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر ایمان رکھنے والا تھا۔ ⑤ وہ نفس پرست اور مال و دولت کا حریص نہیں تھا۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ان خصوصیات کا حامل صرف فارس کا وہ عظیم حکمران ہے جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کَیخُسرو کے نام سے پکارتے ہیں، اس کا دور حکمرانی 539 قبل مسیح ہے، نیز فرماتے ہیں کہ 1838ء میں سائرس کے ایک مجسمے کا بھی انکشاف ہوا جس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ترجمان القرآن: 1/399-430 طبع قدیم) واللہ أعلم بالصواب.

[2] ﴿سَبَبًا﴾ کے اصلی معنی رسی کے ہیں، اس کا اطلاق ایسے ذریعے اور وسیلے پر ہوتا ہے جو حصول مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس اعتبار سے ﴿سَبَبًا﴾ کے معنی ہیں، ہم نے اسے ایسے ساز و سامان اور وسائل مہیا کیے جن سے کام لے کر اس نے فتوحات

عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿87﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿88﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿90﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾

ہم نے فرما دیا[1] کہ اے ذوالقرنین! یا تو تُو انھیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے ﴿86﴾ [2] اس نے کہا کہ جو ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی اب سزا دیں گے،[3] پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے سخت تر عذاب دے گا ﴿87﴾ ہاں! جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اس کے لیے تو بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اسے اپنے کام میں بھی آسانی ہی کا حکم دیں گے ﴿88﴾ پھر وہ اور راہ کے پیچھے لگا ﴿89﴾ [4] یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لیے ہم نے اس سے اور کوئی اوٹ نہیں بنائی ﴿90﴾ [5] واقعہ ایسا ہی ہے اور ہم نے اس کے پاس کی کل خبروں کا احاطہ[6] کر رکھا ہے ﴿91﴾ وہ پھر ایک سفر کے سامان میں لگا ﴿92﴾ [7]

حاصل کیں، دشمنوں کا غرور خاک میں ملایا اور ظالم حکمرانوں کو نیست و نابود کیا۔

③ دوسرے سبب کے معنی راستے کے کیے گئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے وسائل سے مزید وسائل تیار اور مہیا کیے، جس طرح اللہ کے پیدا کردہ لوہے سے مختلف قسم کے ہتھیار اور اسی طرح دیگر خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔

④ ﴿ عَيْنٍ ﴾ سے مراد ''چشمہ یا سمندر'' ہے۔ ﴿ حَمِئَةٍ ﴾ ''کیچڑ، دلدل یا گرم'' ﴿ وَجَدَ ﴾ (پایا) یعنی دیکھا یا محسوس کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین جب مغربی جہت میں ملک پر ملک فتح کرتا ہوا اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں آخری آبادی تھی وہاں گدلے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو نیچے سے سیاہ معلوم ہوتا تھا، اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ ساحل سمندر سے یا دور سے جس کے آگے حد نظر تک کچھ نہ ہو، غروب شمس کا نظارہ کرنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں یا زمین میں ڈوب رہا ہے، حالانکہ وہ اپنے مقام آسمان پر ہی ہوتا ہے۔

① ﴿ قُلْنَا ﴾ ''ہم نے کہا'' بذریعۂ وحی، اسی سے بعض علماء نے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور جو ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت کے پیغمبر کے ذریعے سے ہم نے اس سے کہا۔

② یعنی ہم نے اس قوم پر غلبہ دے کر اختیار دے دیا کہ چاہے تو اسے قتل کرے یا قیدی بنالے یا فدیہ لے کر یا بطور احسان چھوڑ دے۔

③ یعنی جو کفر و شرک پر جما رہے گا، اسے ہم سزا دیں گے، یعنی پچھلی غلطیوں پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

④ یعنی اب مغرب سے مشرق کی طرف سفر اختیار کیا۔

⑤ یعنی ایسی جگہ پہنچ گیا جو مشرقی جانب کی آخری آبادی تھی، اسی کو مطلع الشمس کہا گیا ہے۔ جہاں اس نے ایسی قوم دیکھی جن کے مکانات نہیں تھے اور وہ میدانوں اور صحراؤں میں بسیرا کیے ہوئے تھی۔ ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ اور اوٹ نہیں تھی، یعنی وہاں پر کوئی درخت، پہاڑ اور عمارتیں نہیں تھیں جو ان پر سورج کی شعاعوں کے پڑنے سے مانع ہوتیں۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿93﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿94﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿96﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿97﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ

یہاں تک کہ جب دو دیواروں [1] کے درمیان پہنچا ان دونوں کے اس طرف اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی ﴿93﴾ [2] اُنھوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین! [3] یاجوج ماجوج اس ملک میں (بڑے بھاری) فسادی ہیں، [4] تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں ﴿94﴾ اس نے جواب دیا کہ میرے اختیار میں میرے پروردگار نے جو دے رکھا ہے وہی بہتر ہے، تم صرف قوت طاقت [5] سے میری مدد کرو۔ میں تم میں اور ان میں مضبوط حجاب بنا دیتا ہوں ﴿95﴾ مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار برابر کر دی [6] تو حکم دیا کہ آگ تیز جلاؤ تاوقتیکہ لوہے کی ان چادروں کو بالکل آگ کر دیا تو فرمایا: میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں ﴿96﴾ [7] پس نہ تو ان میں اس دیوار کے اوپر چڑھنے کی طاقت تھی اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے ﴿97﴾ کہا: یہ صرف میرے رب کی مہربانی ہے ہاں، جب میرے رب کا وعدہ

⑥ یعنی ذوالقرنین کی بابت ہم نے جو بیان کیا ہے وہ اسی طرح ہے کہ پہلے وہ منتہائے مغرب اور پھر منتہائے مشرق میں پہنچا اور ہمیں اس کی تمام صلاحیتوں، اسباب و وسائل اور دیگر تمام باتوں کا پورا علم ہے۔

⑦ یعنی اب اس کا رخ کسی اور طرف کو ہو گیا۔

① اس سے مراد دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تھے، ان کے درمیان کھائی تھی جس سے یاجوج و ماجوج اس طرف کی آبادی میں آ جاتے اور اودھم مچاتے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے۔

② یعنی اپنی زبان کے سوا کسی اور کی زبان نہیں سمجھتی تھی۔

③ ذوالقرنین سے یہ خطاب یا تو کسی ترجمان کے ذریعے ہوا ہو گا یا اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی اسباب و وسائل مہیا فرمائے تھے، انھی میں مختلف زبانوں کا علم بھی تھا اور یوں یہ خطاب براہ راست تھا۔

④ یاجوج و ماجوج نہایت فسادی قومیں ہیں اور حدیث صحیح کے مطابق نسل انسانی میں سے ہیں اور ان کی تعداد، دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہو گی اور انھی سے زیادہ جہنم بھرے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 6530، وصحيح مسلم، حديث: 379-(222))

⑤ قوت سے مراد، یعنی تم مجھے تعمیراتی سامان اور رجالِ کار مہیا کرو۔

⑥ ﴿ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ ﴾، یعنی دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان جو خلا تھا، اسے لوہے کی چھوٹی چھوٹی چادروں سے پُر کر دیا۔

⑦ ﴿ قِطْرًا ﴾ پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ یا لوہا، یعنی لوہے کی چادروں کو خوب گرم کر کے ان پر پگھلا ہوا لوہا، تانبا یا سیسہ ڈالنے سے وہ پہاڑی درہ یا راستہ ایسا مضبوط ہو گیا کہ اسے عبور کر کے یا توڑ کر یاجوج و ماجوج کا ادھر دوسری انسانی آبادیوں میں آنا ناممکن ہو گیا۔

جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿98﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿100﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿102﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿103﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

آئے گا تو اسے زمین دوز کر دے گا، [1] بے شک میرے رب کا وعدہ سچا اور حق ہے ﴿98﴾ اس دن ہم انھیں آپس میں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور صور پھونک دیا جائے گا، پس سب کو اکٹھا کر کے ہم جمع کر لیں گے ﴿99﴾ اس دن ہم جہنم کو (بھی) کافروں کے سامنے لا کھڑا کر دیں گے ﴿100﴾ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور (امر حق) سن بھی نہیں سکتے تھے ﴿101﴾ کیا کافر یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنا لیں گے؟ (سنو) ہم نے تو ان کفار کی مہمانی کے لیے جہنم کو تیار کر رکھا ہے [2] کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمھیں بتا دوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ ﴿103﴾ وہ ہیں کہ جن کی

[1] یعنی یہ دیوار اگرچہ بڑی مضبوط بنا دی گئی جس کے اوپر چڑھ کر یا اس میں سوراخ کر کے یاجوج و ماجوج کا ادھر آنا ممکن نہیں ہے لیکن جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دے گا، اس وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج کا ظہور ہے جیسا کہ احادیث میں ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے اس دیوار میں تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3346، وصحيح مسلم، حديث: 2-(2880)) **ایک اور حدیث میں** آتا ہے کہ "وہ ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں جب کھلنے کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کا بڑا کہہ دیتا ہے کہ کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ اسے پہلے کی طرح کر دیتا ہے لیکن جب اللہ کی مشیت ان کے خروج کی ہوگی تو پھر وہ کہیں گے: کل ان شاء اللہ اس کو کھودیں گے اور پھر دوسرے دن وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ زمین میں فساد پھیلائیں گے حتیٰ کہ لوگ قلعہ بند ہو جائیں گے، یہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے جو خون آلودہ لوٹیں گے، بالآخر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں ایسا کیڑا پیدا فرما دے گا جس سے ان کی ہلاکت واقع ہو جائے گی۔" (مسند أحمد: 511/2، وجامع الترمذي، حديث: 3153، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 313/4) **صحیح مسلم** میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ظہور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث: 110-(2937)) جس سے ان حضرات کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ تاتاریوں کا مسلمانوں پر حملہ یا منگول ترک جن میں سے چنگیز بھی تھا یا روسی یا چینی قومیں یہی یاجوج و ماجوج ہیں جن کا ظہور ہو چکا۔ یا مغربی قومیں ان کا مصداق ہیں کہ پوری دنیا میں ان کا غلبہ و تسلط ہے۔ یہ سب باتیں غلط ہیں کیونکہ ان کے غلبے سے سیاسی غلبہ مراد نہیں ہے بلکہ قتل و غارت گری اور شر و فساد کا وہ عارضی غلبہ ہے جس کا مقابلہ کرنے کی طاقت مسلمانوں میں نہیں ہوگی، تاہم پھر وبائی مرض سے سب کے سب آن واحد میں لقمۂ اجل بن جائیں گے۔

[2] ﴿اَفَحَسِبَ﴾ بمعنی ظَنَّ (گمان کیا) ہے اور ﴿عِبَادِيْ﴾ "میرے بندوں" سے مراد ملائکہ، مسیح علیہ السلام اور دیگر صالحین ہیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح شیاطین و جنات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور استفہام زجر و توبیخ کے لیے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿104﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿105﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿106﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار ہوگئیں اور وہ اسی گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں ﴿104﴾ [1] یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کی ملاقات سے کفر کیا،[2] اس لیے ان کے اعمال غارت ہو گئے، پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے ﴿105﴾ [3] حال یہ ہے کہ ان کا بدلہ جہنم ہے کیونکہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنایا ﴿106﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے الفردوس [4] کے باغات کی مہمانی ہے ﴿107﴾ جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ ہی نہ ہوگا ﴿108﴾ [5] کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے [6] لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے

ہے، یعنی غیر اللہ کے یہ پجاری کیا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر اور میرے بندوں کی عبادت کر کے ان کی حمایت سے میرے عذاب سے بچ جائیں گے؟ یہ ناممکن ہے، ہم نے تو ان کافروں کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں جانے سے ان کو وہ بندے نہیں روک سکیں گے جن کی یہ عبادت کرتے اور ان کو اپنا حمایتی سمجھتے ہیں۔

[1] یعنی اعمال ان کے ایسے ہیں جو اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں لیکن بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ اس سے مراد کون ہیں؟ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ صحیح بخاری (حدیث: 4728) میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں، یہ قول راجح ہے، اس کی تائید مابعد والی آیت سے بھی ہو رہی ہے، یعنی مصداق اول تو کفار ہی ہیں، پھر اس کے عموم میں خوارج، اہل بدعت اور ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ صفات ہوں گی۔ آگے ایسے ہی لوگوں کی بابت مزید وعیدیں بیان کی جا رہی ہیں۔

[2] رب کی آیات سے مراد توحید کے وہ دلائل ہیں جو کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ آیات تشریعی ہیں جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کیں اور پیغمبروں نے ان کی تبلیغ و توضیح کی۔ اور رب کی ملاقات سے کفر کا مطلب آخرت کی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے سے انکار ہے۔

[3] یعنی ہمارے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کریں گے کہ جس میں ان کے اعمال تولے جائیں، اس لیے کہ اعمال تو ان موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی جبکہ ان کے نامۂ اعمال حسنات سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''قیامت والے دن موٹا تازہ آدمی آئے گا، اللہ کے ہاں اس کا اتنا وزن بھی نہیں ہوگا جتنا مچھر کے پر کا ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4729)

[4] ﴿الْفِرْدَوْسِ﴾ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جب بھی تم اللہ سے جنت کا سوال کرو تو الفردوس

كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿110﴾ ع 12/9/3

اٰيَاتُهَا: 98 (19) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (44) رُكُوْعَاتُهَا: 6	سورۂ مریم مکی ہے، اس میں 98 آیات اور 6 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿1﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿2﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿3﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں ﴿109﴾ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔[1] (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے[2] تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت[3] میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ﴿110﴾

کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿1﴾ یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا[4] پر کی تھی ﴿2﴾ جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی ﴿3﴾[5] کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں

کا سوال کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا اعلیٰ اور اوسط حصہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7423)

[5] یعنی اہل جنت، جنت اور اس کی نعمتوں سے کبھی نہ اکتائیں گے کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کریں۔

[6] کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے کلمات، اس کی حکمتیں اور وہ دلائل و براہین ہیں جو اس کی وحدانیت پر دال ہیں۔ انسانی عقلیں ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور دنیا بھر کے درختوں کے قلم بن جائیں اور سارے سمندر بلکہ ان کی مثل اور بھی سمندر ہوں، وہ سب سیاہی میں بدل جائیں، قلم گھس جائیں گے اور سیاہی ختم ہو جائے گی لیکن رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں ضبط تحریر میں نہیں آ سکیں گی۔

[1] اس لیے میں بھی رب کی باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

[2] البتہ مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحیٔ الٰہی آتی ہے۔ اسی وحی کی بدولت میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق اللہ کی طرف سے نازل کردہ وہ باتیں بیان کی ہیں جن پر مرور ایام کی دبیز تہیں پڑی ہوئی تھیں یا ان کی حقیقت افسانوں میں گم ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس وحی میں سب سے اہم حکم یہ دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہے۔

[3] عمل صالح وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو، یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ ہر عمل سنت نبوی کے مطابق کرے۔ اور دوسرا یہ کہ اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس لیے کہ بدعت اور شرک دونوں ہی حَبْطِ اعمال (عملوں کے ضائع ہونے) کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

ہجرت حبشہ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور اس کے مُصاحبین اور امراء کے سامنے جب سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا تو ان سب کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور نجاشی نے کہا کہ یہ قرآن اور عیسیٰ علیہ السلام جو لے کر آئے ہیں، یہ سب ایک ہی مشعل کی کرنیں ہیں۔ (فتح القدير)

[4] زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ بڑھئی تھے اور یہی پیشہ ان کا ذریعۂ آمدنی تھا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2379)

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے[1] لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا④[2] مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔[3] میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے[4] وارث عطا فرما⑤ جو میرا بھی وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین اور میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنا لے⑥ اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا⑦[5] زکریا کہنے لگے: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، میری بیوی بانجھ اور میں خود بڑھاپے کے انتہائی ضعف کو پہنچ چکا ہوں⑧[6] ارشاد ہوا کہ وعدہ اسی طرح ہو چکا، تیرے رب نے

⑤ خفیہ خفیہ دعا اس لیے کی کہ ایک تو یہ اللہ کو زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں تضرع وانابت اور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ انھیں بیوقوف نہ قرار دیں کہ یہ بڈھا اب بڑھاپے میں اولاد مانگ رہا ہے جبکہ اولاد کے تمام ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔

① یعنی جس طرح لکڑی آگ سے بھڑک اٹھتی ہے اسی طرح میرا سر بالوں کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے مراد ضعف وکبر (بڑھاپے) کا اظہار ہے۔

② اور اسی لیے ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود تجھ سے اولاد مانگ رہا ہوں۔

③ اس ڈر سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا کوئی وارث میری مسند وعظ وارشاد نہیں سنبھالے گا تو میرے قرابت داروں میں اور تو کوئی اس مسند کا اہل نہیں ہے۔ نتیجتاً میرے قرابت دار بھی تیرے راستے سے گریز وانحراف نہ اختیار کرلیں۔

④ ''اپنے پاس سے'' کا مطلب یہی ہے کہ گو ظاہری اسباب اس کے ختم ہو چکے ہیں لیکن تو اپنے فضل خاص سے مجھے اولاد سے نواز دے۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرما دیا۔

⑥ ﴿عَاقِرًا﴾ اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو شروع ہی سے بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی ہی میں ہے کیونکہ کَانَتْ سے دوام مستفاد ہے۔ جس کے جوڑوں اور ہڈیوں میں خشکی آجائے اور سوکھ جائے، اسے ﴿عِتِيًّا﴾ کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا کی اہلیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے اور یہ حنہ (والدۂ مریم) کی بہن ہیں۔ اس قول کے اعتبار سے یحییٰ مریم کے خالہ زاد ہوئے۔ اور قُتَیبِی کہتے ہیں کہ اشاع بھی عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی ہوئے۔ ایک صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر) لیکن بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تاریخی اعتبار سے پہلی بات صحیح ہے کیونکہ عمران کی مریم کے سوا کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ اور حدیث معراج میں جو یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو خالہ زاد کہا گیا ہے تو وہ

وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

فرما دیا ہے کہ مجھ پر تو یہ بالکل آسان ہے اور تو خود جبکہ کچھ نہ تھا میں تجھے پیدا کر چکا ہوں⑨ [1] کہنے لگے: میرے پروردگار! میرے لیے کوئی علامت مقرر فرما دے، ارشاد ہوا کہ تیرے لیے علامت یہ ہے کہ باوجود صحیح سالم ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا⑩ [2] اب زکریا اپنے حجرے [3] سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آ کر انھیں اشارہ کرتے ہیں کہ تم صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو⑪ [4] اے یحییٰ! میری کتاب کو مضبوطی سے تھام لے [5] اور ہم نے اسے لڑکپن ہی سے دانائی عطا فرما دی⑫ [6] اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی بھی، [7] وہ پرہیز گار شخص تھا⑬ اور اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والا تھا، وہ سرکش اور گناہ گار نہ تھا⑭ [8] اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا⑮ [9] اس کتاب میں مریم کا

مجاز متعارف کی شکل میں ہے، یعنی نبی ﷺ نے بطریق توسع مریم کی خالہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ قرار دیا ہے اور اس قسم کا توسع عام بول چال میں شائع ہے۔(قصص القرآن: 26/4) و اللہ أعلم.

① فرشتوں نے زکریا علیہ السلام کا تعجب دور کرنے کے لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے جس کے مطابق یقیناً تجھے بیٹا ملے گا اور یہ اللہ کے لیے قطعاً مشکل کام نہیں ہے کیونکہ جب وہ تجھے نیست سے ہست کر سکتا ہے تو تجھے ظاہری اسباب سے ہٹ کر بیٹا بھی دے سکتا ہے۔

② ﴿لَيَالٍ﴾ سے دنوں سمیت راتیں مراد ہیں کیونکہ سورۂ آل عمران، آیت:41 میں ﴿اَيَّامٍ﴾ (دن) کے لفظ ہیں۔ اور ﴿سَوِيًّا﴾ کا مطلب ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک، تندرست ہوں گے، یعنی ایسی کوئی بیماری نہیں ہوگی جو تجھے بولنے سے روک دے۔ لیکن اس کے باوجود تیری زبان سے گفتگو نہ ہو سکے تو سمجھ لینا کہ خوش خبری کے دن قریب آ گئے ہیں۔

③ ﴿الْمِحْرَابِ﴾ سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ حَرْبٌ سے ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ گویا عبادت گاہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنا ایسے ہے گویا وہ شیطان سے لڑ رہا ہے۔

④ صبح وشام اللہ کی تسبیح سے مراد عصر اور فجر کی نماز ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان دو وقتوں میں اللہ کی تسبیح وتحمید اور تنزیہ کا خصوصی اہتمام کرو۔

⑤ یعنی اللہ نے زکریا علیہ السلام کو یحییٰ علیہ السلام عطا فرمایا اور جب وہ کچھ بڑا ہوا، گو ابھی بچہ ہی تھا، اسے اللہ نے کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے، یعنی اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ کتاب سے مراد بالاتفاق تورات ہے۔

⑥ ﴿الْحُكْمَ﴾ سے مراد دانائی، عقل، شعور، کتاب میں درج احکام دینیہ کی سمجھ، علم وعمل کی جامعیت یا نبوت مراد ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ حکم میں یہ ساری ہی چیزیں داخل ہوں۔

⑦ ﴿حَنَانًا﴾ شفقت، مہربانی، یعنی ہم نے اس کو والدین اور اقرباء پر شفقت و مہربانی کرنے کا جذبہ اور اسے نفس کی آلائشوں اور

مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿16﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿17﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿18﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا

بھی واقعہ بیان کیجیے جبکہ وہ اپنے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر ایک مشرقی مکان میں آئیں ﴿16﴾ اور ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا،[1] پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح (فرشتے) کو بھیجا، پس وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا ﴿17﴾[2] یہ کہنے لگیں: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو کچھ بھی اللہ سے ڈرنے والا ہے ﴿18﴾ اس نے جواب دیا کہ میں تو

گناہوں سے پاکیزگی وطہارت بھی عطا کی۔

⑧ یعنی اپنے ماں باپ کی یا اپنے رب کی نافرمانی کرنے والا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں والدین کے لیے شفقت ومحبت کا اور ان کی اطاعت وخدمت اور حسن سلوک کا جذبہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے تو یہ اس کا خاص فضل وکرم ہے اور اس کے برعکس جذبہ یا رویہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

⑨ تین مواقع انسان کے لیے خطرناک ہوتے ہیں! ① جب انسان رحم مادر سے باہر آتا ہے کہ شیطان اسے چوکا لگاتا ہے۔ ② جب موت کا شکنجہ اسے اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ اور ③ جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے کو میدان حشر کی ہولناکیوں میں گھرا ہوا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان تینوں جگہوں میں اس کے لیے ہماری طرف سے سلامتی اور امان ہے۔ بعض اہل بدعت اس آیت سے یوم ولادت پر ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرتے ہیں لیکن کوئی ان سے پوچھے تو پھر یوم وفات پر ''عید وفات'' یا ''عید ممات'' بھی منانی ضروری ہوئی کیونکہ جس طرح یوم ولادت کے لیے ''سلام'' ہے یوم وفات کے لیے بھی سلام ہے۔ اگر محض لفظ ''سلام'' سے ''عید میلاد'' کا اثبات ممکن ہے تو پھر اسی لفظ سے ''عید وفات'' کا بھی اثبات ہوتا ہے لیکن یہاں وفات کی عید تو کجا، سرے سے وفات وممات ہی کا انکار ہے، یعنی وفات نبوی ﷺ کا انکار کر کے نص قرآنی کا تو انکار کرتے ہی ہیں، خود اپنے استدلال کی رو سے بھی آیت کے ایک جز کو تو مانتے ہیں اور اسی آیت کے دوسرے جز سے ان ہی کے استدلال کی روشنی میں جو ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار ہے۔ ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرۃ 2:85) ''کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟''

① یہ علیحدگی اور حجاب (پردہ) اللہ کی عبادت کی غرض سے تھا تاکہ انھیں کوئی نہ دیکھے اور یکسوئی حاصل رہے یا طہارت حیض کے لیے۔ اور مشرقی مکان سے مراد بیت المقدس کی شرقی جانب ہے۔

② ﴿ رُوْحَنَا ﴾ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، جنھیں کامل انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا گیا، حضرت مریم نے جب دیکھا کہ ایک شخص بے دھڑک اندر آ گیا ہے تو ڈر گئیں کہ یہ بری نیت سے نہ آیا ہو۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں تیرے رب کا قاصد ہوں اور یہ خوش خبری دینے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا فرمائے گا۔ نافع اور ابوعمرو کی قراءت میں لِيَهَبَ صیغۂ غائب ہے۔ متکلم کا صیغہ جو موجودہ قراءت میں ہے، اس لیے بولا کہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے باذن اللہ ان کو حمل ٹھہر گیا تھا، اس لیے ہبہ کا انتساب اپنی طرف کر لیا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو اور یہاں حکایتاً نقل ہوا ہو۔ اس اعتبار سے کلام کا یہ معنی ہوگا: أَرْسَلَنِي، يَقُولُ لَكِ: أَرْسَلْتُ رَسُولِي

رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿19﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿20﴾
قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿21﴾
فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿22﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ
هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿24﴾ وَهُزِّيْۤ
اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دینے آیا ہوں ﴿19﴾ کہنے لگیں: بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں ﴿20﴾ اس نے کہا: بات تو یہی ہے [1] لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے،ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں [2] گے اور اپنی خاص رحمت، [3] یہ تو ایک طے شدہ بات ہے ﴿21﴾ [4] پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے وہ یکسو ہوکر ایک دور کی جگہ چلی گئیں ﴿22﴾ پھر دردِ زہ اسے ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا اور کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی ﴿23﴾ [5] اتنے میں اسے نیچے سے ہی آواز دی کہ آزردہ خاطر نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے ﴿24﴾ اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا ﴿25﴾ [6] اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ، [7] اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے

إِلَيْكِ لِأَهَبَ لَكِ (أيسر التفاسير) ''یعنی اللہ نے مجھے تیرے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میں نے تیری طرف اپنا قاصد یہ بتلانے کے لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں گا۔'' اس طرح حذف اور تقدیر کلام قرآن میں کئی جگہ ہے۔

[1] یعنی یہ بات تو صحیح ہے کہ تجھے جائز طریقے سے یا ناجائز طریقے سے کسی بشر نے نہیں چھوا۔

[2] یعنی میں اسباب عادیہ کا محتاج نہیں ہوں، میرے لیے یہ بالکل آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرت تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل ہم نے تمھارے باپ آدم کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمھاری ماں حواء کو صرف مرد سے، عورت کے بغیر اور تمام مخلوقات کو مرد وعورت سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے صرف عورت کے بطن سے بغیر مرد کے پیدا کر دینا۔ ہم تخلیق کی چاروں صورتوں پر قادر ہیں۔

[3] اس سے مراد نبوت ہے جو اللہ کی رحمت خاص ہے اور ان کے لیے بھی جو اس نبوت پر ایمان لائیں گے۔

[4] یہ اسی کلام کا تتمہ ہے جو جبریل علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے نقل کیا ہے، یعنی یہ اعجازی تخلیق تو اللہ کے ہاں طے شدہ اور مقدر شدہ ہے۔

[5] موت کی آرزو اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکوں گی جبکہ میری بات کی کوئی تصدیق کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ کہاں میری شہرت ایک عابدہ وزاہدہ کے طور پر ہے اور اس کے بعد لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی۔

[6] ﴿ سَرِيًّا ﴾ چھوٹی نہر یا پانی کا چشمہ، یعنی بطور کرامت اور خرق عادت اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاؤں تلے پینے کے لیے پانی کا اور کھانے کے لیے ایک سوکھے ہوئے درخت میں پکی ہوئی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا۔ ندا دینے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام

اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿26﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿27﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿28﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿29﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿30﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿31﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿32﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿33﴾

44

تو کہہ [1] دینا کہ میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے۔ میں آج کسی شخص سے بات نہ کروں گی ﴿26﴾ اب عیسٰی کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے: مریم تو نے بڑی بری حرکت کی ﴿27﴾ اے ہارون کی بہن! [2] نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ﴿28﴾ مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کہنے لگے کہ لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟ ﴿29﴾ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے ﴿30﴾ [3] اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے [4] جہاں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکاۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں ﴿31﴾ اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے [5] اور مجھے سرکش اور بد بخت نہیں کیا ﴿32﴾ [6] اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن کہ میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے ﴿33﴾

تھے جنھوں نے وادی کے نیچے سے آواز دی اور کہا جاتا ہے کہ سَرِيّ بمعنی سردار ہے اور اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور انھوں نے یا جبریل نے حضرت مریم کو نیچے سے آواز دی تھی۔

⑦ یعنی کھجوریں کھا، چشمے کا پانی پی اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

① یہ کہنا بھی اشارے سے تھا، زبان سے نہیں۔

② ہارون سے مراد ان کا کوئی عینی یا علاتی بھائی ہے یا مریم علیہا السلام کی برادری میں کوئی شخص ہے، جس کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے۔ بعض اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون لیتے ہیں اور ان کی طرف نسبت کی وجہ نیکی میں مشابہت بتاتے ہیں لیکن یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس ہارون سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے بھائی نہیں اور اس سے مراد مریم کے (عینی یا علاتی یا برادری کے) بھائی ہیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 2135، وجامع الترمذي مع التحفة: 477/8، وتفسير الطبري)

③ یعنی ازل میں اللہ نے میرے لیے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ مجھے کتاب اور نبوت سے نوازے گا۔

④ اللہ کے دین میں ثابت قدم یا ہر چیز میں زیادتی، علو اور کامیابی میرا مقدر ہے یا لوگوں کے لیے نافع، معلم خیر یا معروف کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا۔ (فتح القدير)

⑤ صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ایک اعجازی شان کی حامل ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح ﴿بَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ "ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا"

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿34﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿35﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿36﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿37﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ

یہ ہے صحیح واقعہ عیسیٰ ابنِ مریم کا، یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں ﴿34﴾[1] اللہ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں، وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ تو جب کسی کام کے سرانجام دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے ﴿35﴾[2] میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ ہی ہے۔ تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿36﴾ پھر یہ فرقے[3] آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے (سخت) دن کی حاضری سے ﴿37﴾[4] کیا خوب دیکھنے

کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

⑥ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور قسمت میں بدبختی لکھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو اٰتنِي ، جَعَلَنِي ماضی کے صیغوں میں کی ہے، حالانکہ ان تمام باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا کیونکہ ابھی تو وہ شیر خوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لیے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے ایسے اٹل فیصلے تھے کہ گو ابھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اسی طرح یقینی تھا جس طرح ماضی کے گزرے ہوئے واقعات شک وشبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

① یعنی یہ ہیں وہ صفات جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام متصف تھے نہ کہ ان صفات کے حامل جو نصاریٰ نے غلو کر کے ان کے بارے میں باور کرائیں اور نہ ایسے جو یہودیوں نے تفریط وتنقیص سے کام لیتے ہوئے ان کی بابت کہا۔ اور یہی حق بات ہے، جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں۔

② جس اللہ کی یہ شان اور قدرت ہو اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح اس کے لیے بغیر باپ کے پیدا کر دینا کون سا مشکل امر ہے۔ گویا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی ولادت سے انکار کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ کی قدرت وطاقت کے منکر ہیں۔

③ یہاں الاحزاب سے مراد اہل کتاب کے فرقے اور خود عیسائیوں کے فرقے ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ یہود نے کہا کہ وہ جادوگر اور ولد الزنا، یا یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ نصاریٰ کے مختلف فرقے ہوئے، ایک فرقے نے کہا کہ وہ اللہ ہے، دوسرے نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا ہے، تیسرے فرقے نے کہا: وہ تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں۔ اور یہ فرقے، ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ ہیں، پھر ان میں مزید فرقے بنتے گئے۔ آج کے زمانے میں ان کے مشہور ترین فرقے ملکیہ، یعنی کیتھولک، یعقوبیہ، یعنی ارتھوڈکس اور اعتراضیہ، یعنی پروٹسٹنٹ ہیں۔ پس یہودیوں نے تفریط اور تقصیر کی اور عیسائیوں نے افراط وغلو۔ (أيسر التفاسير، فتح القدير)

④ ان کافروں کے لیے جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس طرح اختلاف اور افراط وتفریط کا ارتکاب کیا، قیامت والے دن جب وہاں حاضر ہوں گے، ہلاکت ہے۔

وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿40﴾ ع

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿41﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿42﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ

سننے والے ہوں گے اس دن جبکہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے![1] لیکن آج تو یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں (38) تو انھیں اس رنج و افسوس کے دن[2] کا ڈر سنا دے جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا،[3] اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی ہی میں رہ جائیں گے (39) خود زمین کے اور تمام زمین والوں کے وارث ہم ہی ہوں گے اور سب لوگ ہماری طرف لوٹا کر لائے جائیں گے (40) اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے بے شک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے[4] (41) جبکہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں (42) میرے مہربان باپ! آپ دیکھیے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں،[5] تو آپ میری ہی مانیں میں بالکل سیدھی راہ

(1) یہ تعجب کے صیغے ہیں، یعنی دنیا میں تو یہ حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے رہے لیکن آخرت میں یہ کیا خوب دیکھنے اور سننے والے ہوں گے؟ لیکن وہاں یہ دیکھنا سننا کس کام کا؟

(2) روز قیامت کو یوم حسرت کہا، اس لیے کہ اس روز سب ہی حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کہ کاش! انھوں نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکوکار اس بات پر حسرت کریں گے کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کمائیں؟

(3) یعنی حساب کتاب کر کے صحیفے لپیٹ دیے جائیں گے اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''اس کے بعد موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا جائے گا، جنتیوں اور دوزخیوں دونوں سے پوچھا جائے گا، اسے پہچانتے ہو، یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں، یہ موت ہے، پھر ان کے سامنے اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے اہل جنت! تمھارے لیے جنت کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہے، اب موت نہیں آئے گی۔ دوزخیوں سے کہا جائے گا: اے دوزخیو! تمھارے لیے یہ دوزخ کا عذاب دائمی ہے، اب موت نہیں آئے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4730، و صحيح مسلم، حديث: 43-(2850))

(4) ﴿صِدِّيْقًا﴾ صِدْقٌ ''سچائی'' سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت راست باز، یعنی جس کے قول و عمل میں مطابقت اور راست بازی اس کا شعار ہو۔ صدیقیت کا یہ مقام، نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ہے، ہر نبی اور رسول بھی اپنے وقت کا سب سے بڑا راست باز اور صداقت شعار ہوتا ہے، اس لیے وہ صدیق بھی ہوتا ہے، تاہم ہر صدیق، نبی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں حضرت مریم کو صدیقہ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور راست بازی میں بہت اونچے مقام پر فائز تھیں، تاہم نبیہ نہیں تھیں۔ امت محمدیہ میں بھی صدیقین ہیں۔ اور ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء کے بعد امت میں خیر البشر ہیں۔

(5) جس سے مجھے اللہ کی معرفت اور اس کا یقین حاصل ہوا، بعث بعد الموت اور غیر اللہ کے پجاریوں کے لیے دائمی عذاب کا علم ہوا۔

صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿43﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا ﴿44﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اَنۡ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَكُوۡنَ لِلشَّيۡطٰنِ وَلِيًّا ﴿45﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ﴿46﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ﴿47﴾ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا ﴿48﴾

کی طرف آپ کی رہبری کروں گا﴿43﴾[1] میرے اباجان! آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ کا بڑا ہی نافرمان ہے﴿44﴾[2] اباجی! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذابِ الٰہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں﴿45﴾[3] اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کررہا ہے؟ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک مدتِ دراز تک مجھ سے الگ رہ﴿46﴾[4] کہا: اچھا تم پر سلام ہو،[5] میں تو اپنے پروردگار سے تمھاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا،[6] وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے﴿47﴾ میں تو تمھیں بھی اور جن جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انھیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں محروم نہ رہوں گا﴿48﴾

---

① جو آپ کو سعادت ابدی اور نجات سے ہمکنار کردے گی۔

② یعنی شیطان کے وسوسے اور اس کے بہکاوے سے آپ جو ایسے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو سننے دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع نقصان پہنچانے کی قدرت تو یہ دراصل شیطان ہی کی پرستش ہے جو اللہ کا نافرمان ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بنا کر ان کو اپنے جیسا ہی بنانے پر تلا رہتا ہے۔

③ اگر آپ اپنے شرک وکفر پر باقی رہے اور اسی حال میں آپ کو موت آگئی تو عذاب الٰہی سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ یا دنیا میں ہی آپ عذاب کا شکار نہ ہوجائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر ہمیشہ کے لیے راندۂ بارگاہ الٰہی ہوجائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے، نہایت شفقت اور پیار کے لہجے میں باپ کو توحید کا وعظ سنایا لیکن توحید کا یہ سبق کتنے ہی شیریں اور نرم لہجے میں بیان کیا جائے، مشرک کے لیے ناقابل برداشت ہی ہوتا ہے، چنانچہ مشرک باپ نے اس نرمی اور پیار کے جواب میں نہایت درشتی اور تلخی کے ساتھ موحد بیٹے کو کہا کہ اگر تو میرے معبودوں سے روگردانی کرنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔

④ ﴿مَلِيًّا﴾، دراز مدت، ایک عرصہ۔ دوسرے معنی اس کے صحیح وسالم کے کیے گئے ہیں، یعنی مجھے میرے حال پر چھوڑ دے، کہیں مجھ سے اپنے ہاتھ پیر نہ تڑوا لینا۔

⑤ یہ سلام تحیہ نہیں ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرتا ہے بلکہ ترک مخاطبت کا اظہار ہے، جیسے ﴿اِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا﴾ (الفرقان 25:63) "جب بےعلم لوگ ان سے باتیں کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔" میں اہل ایمان اور بندگان الٰہی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

⑥ یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت ابراہیم کو اپنے باپ کے بارے میں پوری طرح واضح نہیں ہوسکا تھا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے، جب ان

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿49﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿50﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿53﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿54﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿55﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ

جب ابراہیم ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے،[1] اور دونوں کو نبی بنا دیا﴿49﴾ اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں[2] عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا﴿50﴾[3] اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کیجیے جو چنا ہوا[4] اور رسول اور نبی تھا﴿51﴾ ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور رازگوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا﴿52﴾ اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا﴿53﴾ اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بھی بیان کیجیے، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی﴿54﴾ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکاۃ کا حکم دیتا تھا اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول﴿55﴾ اور اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجیے، وہ بھی

پر یہ بات خوب واضح ہوگئی تو آپ نے دعا کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ (التوبۃ 9:114)

① یعقوب علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے، یعنی ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بھی بیٹے کے ساتھ اور بیٹے ہی کی طرح کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام توحید الٰہی کی خاطر باپ کو، گھر کو اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر دیار قدس کی طرف ہجرت کر گئے تو ہم نے انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام سے نوازا تاکہ ان کی انس و محبت، باپ کی جدائی کا صدمہ بھلا دے۔

② یعنی نبوت کے علاوہ اور بھی بہت سی رحمتیں ہم نے انھیں عطا کیں، مثلاً: مال، مزید اولاد اور پھر اسی سلسلۂ نسب میں عرصہ دراز تک نبوت کے سلسلے کو جاری رکھنا، یہ سب سے بڑی رحمت تھی جو ان پر ہوئی۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء یا جَدُّ الانبیاء کہلاتے ہیں۔

③ ﴿لِسَانَ صِدْقٍ﴾ سے مراد ثنائے حسن اور ذکر جمیل ہے۔ لسان کی اضافت، صدق کی طرف کی اور پھر اس کا وصف علو بیان کیا جس سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ بندوں کی زبانوں پر جو ان کا ذکر جمیل رہتا ہے تو وہ واقعی اس کے مستحق ہیں، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ تمام ادیان سماویہ کو ماننے والے بلکہ مشرکین بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تذکرہ بڑے اچھے الفاظ میں اور نہایت ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ یہ نبوت و اولاد کے بعد ایک اور انعام ہے جو ہجرت فی سبیل اللہ کی وجہ سے انھیں حاصل ہوا۔

④ مُخْلَصٌ، مُصْطَفٰی اور مُجْتَبٰی تینوں الفاظ کا مفہوم ایک ہے، یعنی رسالت و پیامبری کے لیے چنا ہوا، پسندیدہ شخص، رسول، بمعنی مرسل ہے (بھیجا ہوا) اور نبی کے معنی، اللہ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا یا وحی الٰہی کی خبر دینے والا، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ اللہ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے اور اسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اسے رسول اور نبی کہا جاتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے اہل علم میں ایک بحث یہ چلی آ رہی ہے کہ آیا ان دونوں میں فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ فرق کرنے والے بالعموم کہتے ہیں کہ صاحب شریعت یا صاحب کتاب کو رسول اور نبی کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبر کی کتاب یا شریعت کے

كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿56﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿57﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ

اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿58﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿59﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿60﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ

السجدة 5

نیک کردار پیغمبر تھا ﴿56﴾ ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھا لیا ﴿57﴾ [1] یہی وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ نے فضل و کرم کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں چڑھا لیا تھا اور اولادِ ابراہیم اور یعقوب سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔ ان کے سامنے جب اللہ رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی تھی یہ سجدہ کرتے اور روتے گڑگڑاتے گر پڑتے تھے ﴿58﴾ [2] پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا ﴿59﴾ [3] سوائے ان کے جو توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہ کی جائے گی ﴿60﴾ [4] ہمیشگی والی جنتوں میں جن کا غائبانہ وعدہ [5] اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ

مطابق ہی لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا رہا، وہ صرف نبی ہے، رسول نہیں، تاہم قرآن کریم میں ان کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوا ہے اور بعض جگہ معطوفاً بھی آئے ہیں، مثلاً: سورۂ حج 52:22 میں۔

① کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے اور نوح علیہ السلام کے یا ان کے والد کے دادا تھے، انھوں نے ہی سب سے پہلے کپڑے سیئے۔ رفعت مکان سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین نے اس کا مفہوم رُفِعَ إِلَى السَّمَاءِ سمجھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح انھیں بھی آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ لیکن قرآن کے الفاظ اس مفہوم کے لیے صریح نہیں ہیں اور کسی صحیح حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا، البتہ اسرائیلی روایات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ملتا ہے جو اس مفہوم کے اثبات کے لیے کافی نہیں، اس لیے زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد مرتبت کی وہ بلندی ہے جو نبوت سے سرفراز کر کے انھیں عطا کی گئی۔ واللّٰہ أعلم.

② گویا اللہ کی آیات کو سن کر رقت اور بکا کی کیفیت کا طاری ہو جانا اور عظمت الٰہی کے آگے سجدہ ریز ہو جانا، بندگان الٰہی کی خاص علامت ہے۔ سجدۂ تلاوت کی مسنون دعا یہ ہے: «سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» (سنن أبي داود، حديث: 1414، وجامع الترمذي، حديث: 580، وسنن النسائي، حديث: 1130) بعض روایات میں اضافہ ہے: «فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ» (عون المعبود: 203/2، تحت حديث: 1411)

③ انعام یافتہ بندگان الٰہی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ان کے برعکس اللہ کے احکام سے غفلت و اعراض کرنے والے ہیں۔ نماز کے ضائع کرنے سے مراد یا تو بالکلیہ نماز کا ترک ہے جو کفر ہے یا ان کے اوقات کو ضائع کرنا ہے، یعنی وقت پر نماز نہ پڑھنا، جب جی چاہا، نماز پڑھ لی یا بلا عذر دائماً ایک پڑھ لینا اور اکٹھی کر کے پڑھنا یا کبھی دو پڑھ لینا اور تین چھوڑ دینا، کبھی چار

مَأْتِيًّا ﴿61﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿64﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿66﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ

پورا ہونے والا ہی ہے ﴿61﴾ وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے صرف سلام ہی سلام سنیں گے،[1] ان کے لیے وہاں صبح وشام ان کا رزق ہوگا ﴿62﴾[2] یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں ﴿63﴾ ہم بغیر تیرے رب کے حکم کے اتر نہیں سکتے،[3] ہمارے آگے پیچھے اور ان کے درمیان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں، تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ﴿64﴾ آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے۔ تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا۔ کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ اور بھی ہے؟ ﴿65﴾[4] انسان کہتا[5] ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ ﴿66﴾[6] کیا یہ

چھوڑ دینا اور کبھی پانچوں نمازیں چھوڑ دینا۔ یہ بھی تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں جس کا مرتکب سخت گناہ گار اور آیت میں بیان کردہ وعید کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ ﴿غَيًّا﴾ کے معنی ہلاکت، انجام بد کے ہیں یا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

④ یعنی جو توبہ کر کے ترک صلاۃ اور اتباع شہوات سے باز آ جائیں اور ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کا اہتمام کر لیں تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

⑤ یعنی یہ ان کے ایمان و یقین کی پختگی ہے کہ انھوں نے جنت کو دیکھا بھی نہیں، صرف اللہ کے غائبانہ وعدے پر ہی اس کے حصول کے لیے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔

① یعنی فرشتے بھی انھیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کریں گے۔

② صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انھیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور نہ بول و براز، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے مِجمروں (عودانوں) کا ایندھن عود، یعنی خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کا پسینہ کستوری (کی طرح) ہوگا۔ ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی، ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا، ان کے حسن و جمال کی وجہ سے، ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہوگا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3245، وصحيح مسلم، حديث: 17-(2834))

③ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام سے زیادہ اور جلدی جلدی ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی، جس پر یہ آیت اتری۔ (صحيح البخاري، حديث: 4731)

④ یعنی نہیں ہے، جب اس کی مثل کوئی اور نہیں تو پھر عبادت بھی کسی اور کی جائز نہیں۔

⑤ انسان سے مراد یہاں کافر ہے کیونکہ مابعد استفہام انکار و استہزا کے لیے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿الْاِنْسَانُ﴾ میں اَلْ جنس

الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿67﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿70﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿71﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا، حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ ﴿67﴾ [1] تیرے پروردگار کی قسم! ہم انھیں اور شیطانوں کو جمع کر کے ضرور ضرور جہنم کے اردگرد گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے حاضر کر دیں گے ﴿68﴾ [2] پھر ہم ہر ہر گروہ سے انھیں الگ نکال کھڑا کریں گے جو ان میں سے رحمٰن کے مقابلے میں بہت اکڑے اکڑے پھرتے تھے ﴿69﴾ [3] پھر ہم انھیں بھی خوب جانتے ہیں جو جہنم کے داخلے کے زیادہ سزاوار ہیں ﴿70﴾ [4] تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے، یہ تیرے پروردگار کے ذمے قطعی فیصل شدہ امر ہے ﴿71﴾ پھر ہم پرہیزگاروں کو

کے لیے ہے۔ اگرچہ یہ بات جنس میں سے بعض نے کہی ہے، یعنی کافروں نے جو قیامت کے وقوع اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں لیکن کبھی جنس کے بعض کا عمل سب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (فتح القدير)

﴿6﴾ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی جب میں بوسیدہ اور مٹی میں رل مل جاؤں گا تو مجھے دوبارہ کس طرح نیا وجود عطا کر دیا جائے گا؟ یعنی ایسا ممکن نہیں۔

﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جب پہلی مرتبہ بغیر نمونے کے ہم نے انسان کو پیدا کر دیا تو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے کیوں کر مشکل ہو گا؟ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مشکل ہے یا دوبارہ اسے پیدا کرنا؟ انسان کتنا نادان اور خود فراموش ہے؟ اسی خود فراموشی نے اسے خدا فراموش بنا دیا ہے۔

﴿2﴾ ﴿جِثِيًّا﴾ جاثٍ کی جمع ہے جَثَا يَجْثُو سے۔ جاثٍ گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے، یعنی ہم دوبارہ انھی کو نہیں بلکہ ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے، پھر ہم ان سب کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ یہ اس کے لائق نہیں۔ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا میری تکذیب کرنا تو یہ ہے کہ وہ میری بابت یہ کہتا ہے کہ اللہ ہرگز مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جس طرح اس نے مجھے پہلی مرتبہ پیدا کیا، حالانکہ میرے لیے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے اور اس کا مجھے ایذا پہنچانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 4974)

﴿3﴾ ﴿عِتِيًّا﴾ بھی عَتَا، يَعْتُو سے عاتٍ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: بہت سرکش اور متمرد۔ مطلب یہ ہے کہ ہر گمراہ فرقے کے بڑے بڑے سرکشوں اور لیڈروں کو ہم الگ کر لیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیں گے کیونکہ یہ قائدین دوسرے جہنمیوں کے مقابلے میں سزا و عقوبت کے زیادہ سزاوار ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

﴿4﴾ ﴿صِلِيًّا﴾ مصدر سماعی ہے صَلِيَ يَصْلٰى کے معنی ہیں: آگ میں داخل ہونا، جلنا، یعنی جہنم میں داخل ہونے اور اس میں جلنے

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿72﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿74﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿75﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا

تو بچا لیں گے اور نافرمانوں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے ﴿72﴾ [1] جب ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں: بتاؤ ہم تم دونوں جماعتوں میں سے کس کا مرتبہ زیادہ ہے اور کس کی مجلس شاندار ہے؟ ﴿73﴾ [2] ہم تو ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ساز و سامان اور نام و نمود میں [3] ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں ﴿74﴾ کہہ دیجیے: جو گمراہی میں ہوتا ہے اللہ رحمٰن اس کو خوب لمبی مدت دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لیں جن کا وعدہ کیے جاتے ہیں، یعنی عذاب یا قیامت کو، اس وقت ان کو صحیح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کون برے مرتبے والا اور کس کا جتھا کمزور ہے ﴿75﴾ [4] اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ ہدایت میں

کے کون زیادہ مستحق ہیں، ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔

[1] اس کی تفسیر صحیح احادیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا، جس میں سے ہر مومن و کافر کو گزرنا ہوگا۔ مومن تو اپنے اعمال کے مطابق جلد یا بدیر گزر جائیں گے، کچھ تو پلک جھپکتے میں، کچھ بجلی اور ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح اور کچھ عمدہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کی طرح گزر جائیں گے یوں کچھ بالکل صحیح سالم، کچھ زخمی، تاہم پل عبور کر لیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنھیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا لیکن کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ ''جس کے تین بچے بلوغت سے پہلے وفات پا گئے، اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم حلال کرنے کے لیے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 1251، و صحیح مسلم، حدیث:150-(2632)) یہ قسم وہی ہے جسے اس آیت میں ﴿حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ''قطعی فیصل شدہ امر'' کہا گیا ہے، یعنی اس کا ورود جہنم میں صرف پل پر سے گزرنے کی حد تک ہی ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن کثیر و أیسر التفاسیر)

[2] یعنی قرآنی دعوت کا مقابلہ یہ کفار مکہ فقراء مسلمین اور اغنیائے قریش اور ان کی مجلسوں اور مکانوں کے باہمی موازنے سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں عمار، بلال، صہیب رضی اللہ عنہم جیسے فقیر لوگ ہیں، ان کا دارالشوریٰ دار ارقم ہے جبکہ کافروں میں ابوجہل، نضر بن حارث، عتبہ اور شیبہ وغیرہ جیسے رئیس اور مالدار لوگ ہیں، ان کی اجتماع گاہ (دارالندوہ) بہت عمدہ ہے۔

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دنیا کی یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر فخر و ناز کیا جائے یا ان کو دیکھ کر حق و باطل کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ چیزیں تو تم سے پہلی امتوں کے پاس تھیں لیکن تکذیب حق کی پاداش میں انھیں ہلاک کر دیا گیا، دنیا کا یہ مال و اسباب انھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکا۔

[4] علاوہ ازیں یہ چیزیں گمراہوں اور کافروں کو مہلت کے طور پر بھی ملتی ہیں، اس لیے یہ کوئی معیار نہیں۔ اصل اچھے برے کا پتہ تو اس

هُدًى ط وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ط سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿81﴾ كَلَّا ط سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا

بڑھاتا ہے،[1] اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں ﴿76﴾[2] کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دی جائے گی ﴿77﴾ کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا اللہ کا کوئی وعدہ لے چکا ہے؟ ﴿78﴾ ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے اور اس کے لیے عذاب بڑھائے چلے جائیں گے ﴿79﴾ یہ جن چیزوں کو کہہ رہا ہے، اسے ہم اس کے بعد لے لیں گے۔ اور یہ (تو بالکل) اکیلا ہی ہمارے سامنے حاضر ہوگا ﴿80﴾[3] انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کے لیے باعثِ عزت ہوں ﴿81﴾ لیکن ایسا ہرگز ہونا نہیں، وہ تو ان کی پوجا سے منکر ہو جائیں گے اور الٹے ان کے دشمن[4] بن جائیں گے ﴿82﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں کے پاس

وقت چلے گا، جب مہلت عمل ختم ہو جائے گی اور اللہ کا عذاب انھیں آ گھیرے گا یا قیامت برپا ہو جائے گی لیکن اس وقت کا علم کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ وہاں ازالے اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

① اس میں ایک دوسرے اصول کا ذکر ہے کہ جس طرح قرآن سے، جن کے دلوں میں کفر و شرک اور ضلالت کا روگ ہے، ان کی شقاوت و ضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اہل ایمان کے دل ایمان و ہدایت میں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔

② اس میں فقراء مسلمین کو تسلی ہے کہ کفار و مشرکین جن مال و اسباب پر فخر کرتے ہیں، وہ سب فنا کے گھاٹ اتر جانے والے ہیں اور تم جو نیک اعمال کرتے ہو، یہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جن کا اجر و ثواب تمھیں اپنے رب کے ہاں ملے گا اور ان کا بہترین صلہ اور نفع تمھاری طرف لوٹے گا۔

③ ان آیات کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل جو اسلام کے شدید دشمنوں میں سے تھا۔ اس کے ذمے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا قرضہ تھا جو آہن گری کا کام کرتے تھے۔ خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ جب تک تو محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر نہیں کرے گا، میں تجھے تیری رقم نہیں دوں گا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کام تو تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: کیا میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ اس نے کہا: ہاں، تجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس نے کہا: اچھا پھر ایسے ہی سہی، جب مجھے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہاں بھی مجھے مال و اولاد سے نوازا جائے گا تو وہاں میں یہ رقم ادا کر دوں گا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4732، و صحیح مسلم، حدیث: 35-(2795)) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو دعویٰ کر رہا ہے کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے پاس مال اور اولاد ہوگی؟ یا اللہ سے اس کا کوئی عہد ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف تعلیاں اور آیات الٰہی کا استہزا و تمسخر ہے، یہ جس مال و اولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں، یعنی مرنے کے ساتھ ہی ان سے اس کا تعلق ختم ہو جائے گا اور ہماری بارگاہ میں یہ اکیلا آئے گا نہ مال ساتھ ہوگا نہ اولاد اور نہ کوئی جتھہ، البتہ

الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿88﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿89﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾ وَكُلُّهُمْ

وقف لازم

شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انھیں خوب اُکساتے ہیں ﴿83﴾ [1] تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر ہم تو خود ہی ان کے لیے مدت شماری کر رہے ہیں ﴿84﴾ [2] جس دن ہم پرہیز گاروں کو اللہ رحمٰن کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے ﴿85﴾ اور گناہ گاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے ﴿86﴾ [3] کسی کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے ان کے جنھوں نے اللہ رحمٰن کی طرف سے کوئی قول قرار لے لیا ہے ﴿87﴾ [4] ان کا قول تو یہ ہے کہ اللہ رحمٰن نے بھی اولاد اختیار کی ہے ﴿88﴾ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو ﴿89﴾ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ﴿90﴾ کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ﴿91﴾ [5] شانِ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے ﴿92﴾ آسمانوں اور زمین جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں ﴿93﴾ [6] ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے ﴿94﴾ [7] یہ سارے

عذاب ہوگا جو اس کے لیے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے لیے ہم بڑھاتے رہیں گے۔

④ ﴿عِزًّا﴾ کا مطلب ہے: عزت کا باعث اور مددگار اور ﴿ضِدًّا﴾ کے معنی ہیں: دشمن، جھٹلانے والے اور ان کے مخالف، یعنی یہ معبود ان کے گمان کے برعکس ان کے حمایتی ہونے کی بجائے ان کے دشمن، ان کو جھٹلانے والے اور ان کے خلاف ہوں گے۔

① یعنی گمراہ کرتے، بہکاتے اور معصیت کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

② اور جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو یہ لوگ عذاب الٰہی کے مورد بن جائیں گے۔ آپ کو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

③ ﴿وَفْدًا﴾ بعض کے نزدیک وَافِدٌ کی جمع ہے، جیسے رَكْبٌ رَاكِبٌ کی جمع ہے، مطلب یہ ہے کہ انھیں اونٹوں، گھوڑوں پر سوار کرا کے نہایت عزت و احترام سے جنت کی طرف لے جایا جائے گا ﴿وَفْدًا﴾ کی تفسیر اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار کرانے کی مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے لیکن ان روایات میں سے کوئی روایت ثابت نہیں، دیکھیے: (الاستیعاب في بیان الأسباب) ﴿وِرْدًا﴾ کے معنی ہیں: پیدل یا پیاسے۔ اس کے برعکس مجرمین کو بھوکا پیاسا جہنم میں ہانک دیا جائے گا۔

④ قول وقرار (عہد) کا مطلب ایمان وتقویٰ ہے، یعنی اہل ایمان وتقویٰ میں سے جن کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، وہی شفاعت کریں گے، ان کے سوا کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔

⑤ ﴿اِدًّا﴾ کے معنی بہت بھیانک معاملہ اور دَاهِيَةٌ ''بھاری چیز اور بڑی مصیبت'' کے ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کی اولاد قرار دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس سے آسمان وزمین پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔

⑥ جب سب اللہ کے غلام اور اس کے عاجز بندے ہیں تو پھر اسے اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور یہ اس کے لائق بھی نہیں ہے۔

اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿96﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿97﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿98﴾ (الربع 16)

اٰيَاتُهَا 98 (19) سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (44) رُكُوْعَاتُهَا 6	سورۂ مریم مکی ہے، اس میں 98 آیات اور 6 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں ﴿95﴾ [1] بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا ﴿96﴾ [2] ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا ہے [3] کہ تو اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو [4] لوگوں کو ڈرا دے ﴿97﴾ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتیں تباہ کر دی ہیں، کیا ان میں سے ایک کی بھی آہٹ تو پاتا ہے یا ان کی آواز کی بھنک بھی تیرے کان میں پڑتی ہے ﴿98﴾ [5]

---

⑦ یعنی آدم سے لے کر صبح قیامت تک جتنے بھی انسان اور جن ہیں، سب کو اس نے گن رکھا ہے، سب اس کے قابو اور گرفت میں ہیں، کوئی اس سے مخفی ہے نہ مخفی رہ ہی سکتا ہے۔

① یعنی کوئی کسی کا مددگار نہیں ہوگا، نہ مال ہی وہاں کچھ کام آئے گا۔ ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 88:26) ''اس دن نہ مال نفع دے گا، نہ بیٹے۔'' ہر شخص کو تنہا اپنا اپنا حساب دینا پڑے گا اور جن کی بابت انسان دنیا میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے وہاں حمایتی اور مددگار ہوں گے، وہاں سب غائب ہو جائیں گے۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے حاضر نہیں ہوگا۔

② یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کر دے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ جبریل علیہ السلام کو کہتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ، پس جبریل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6040)

③ قرآن کو آسان کرنے کا مطلب اس زبان میں اتارنا ہے جس کو پیغمبر جانتا تھا، یعنی عربی زبان میں، پھر اس کے مضمون کا کھلا ہوا، واضح اور صاف ہونا ہے۔

④ ﴿ لُدًّا ﴾ اَلَدّ کی جمع ہے جس کے معنی شدید جھگڑالو کے ہیں، مراد کفار و مشرکین ہیں۔

⑤ ﴿ تُحِسُّ ﴾ کے معنی ہیں: اَلْإِدْرَاكُ بِالْحِسِّ حس کے ذریعے سے ادراک حاصل کرنا، یعنی کیا تو ان کو آنکھوں سے دیکھ سکتا یا ہاتھوں سے چھو سکتا ہے، یعنی استفہام انکاری ہے، یعنی ان کا وجود ہی دنیا میں نہیں ہے کہ تو انھیں دیکھ یا چھو سکے۔ ﴿ رِكْزًا ﴾ صوت خفی کو کہتے ہیں، یعنی ان کی ہلکی سی آواز ہی تجھے کہیں سے سنائی دے سکے۔

▩ عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے صحیح وہ ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ''اے اللہ! ان دو آدمیوں میں سے جو تجھے

طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ⑦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

طٰهٰ ① ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے ② [1] بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے ③ اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے ④ جو رحمٰن ہے، عرش پر قائم ہے ⑤ [2] جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان اور (نمناک زمین) کے نیچے کی ہر ایک چیز ہے ⑥ [3] اگر تو اونچی بات کہے تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے ⑦ [4] وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں ⑧ [5]

زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما، ابوجہل یا عمر بن الخطاب کے ذریعے سے۔'' دوسری روایت میں ہے: «فَغَدَا عُمَرُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ» ''تو صبح ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام لے آئے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3681 و 3683، وهداية الرواية، حديث: 5990) بعض تاریخ و سیر کی روایات میں اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر میں سورۂ طٰہٰ کا سننا اور اس سے متاثر ہونا بھی مذکور ہے۔ (فتح القدير) لیکن سنداً یہ ثابت نہیں، یہ واقعہ سنن الدارقطني کے علاوہ امام احمد کی فضائل الصحابة: 279/1، 371 میں مذکور ہے۔

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لیے نہیں اتارا کہ تو ان کے کفر پر فرط تاسف اور ان کے عدم ایمان پر حسرت سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لے اور غم میں پڑ جائے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الكهف 6:18) ''پس اگر یہ لوگ اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو کیا تو ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالے گا؟'' بلکہ ہم نے تو قرآن کو نصیحت اور یاد دہانی کے لیے اتارا ہے تاکہ ہر انسان کے تحت الشعور میں ہماری توحید کا جو جذبہ چھپا ہوا ہے، واضح اور نمایاں ہو جائے۔ گویا یہاں شَقَآءٌ، عَنَآءٌ اور تَعَبٌ کے معنی میں ہے، یعنی تکلیف اور تھکاوٹ۔

[2] بغیر کسی حد بندی اور کیفیت بیان کرنے کے جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے لیکن کس طرح اور کیسے؟ یہ کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ (مزید دیکھیے، سورۂ بقرہ 2:29، سورۂ اعراف 7:54، سورۂ رعد 13:2 اور سورۂ زمر 39:67 کے حواشی)

[3] ﴿الثَّرٰى﴾ کے معنی ہیں: زمین کی گیلی تہ۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں جو کچھ ہے وہ بھی اسی کے لیے ہے۔

[4] یعنی اللہ کا ذکر یا اس سے دعا اونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تو پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ ﴿اَخْفٰى﴾ یا تو ماضی کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کے معنی ہیں کہ اللہ تو ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو اس نے تقدیر میں لکھ دیا اور ابھی تک لوگوں سے اس کو مخفی رکھا ہے، یعنی قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اسے علم ہے اور یا اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

[5] یعنی معبود بھی وہی ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہے اور بہترین نام بھی اسی کے ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ نہ معبود اس کے سوا کوئی اور ہے اور نہ اس جیسے اسمائے حسنیٰ ہی کسی کے ہیں۔ پس اسی کی صحیح معرفت حاصل کر کے، اسی سے ڈرا جائے، اسی سے محبت رکھی جائے، اسی پر ایمان لایا اور اسی کی اطاعت کی جائے تاکہ انسان جب اس کی بارگاہ میں واپس جائے تو وہاں شرمسار نہ ہو بلکہ

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

اور کیا تجھے موسیٰ کا قصہ بھی معلوم ہے؟⑨ جبکہ اس نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ذرا سی دیر ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ میں اس کا کوئی انگارا تمھارے پاس لاؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی اطلاع پاؤں⑩ [1] جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی [2] اے موسیٰ!⑪ یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے [3] کیونکہ تو پاک میدان طُوٰی میں ہے⑫ [4] اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے [5] اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن⑬ بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں، پس تو میری ہی عبادت کر، [6] اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ⑭ [7] قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو⑮ پس اب اس کے یقین سے

اس کی رحمت ومغفرت سے شادکام اور اس کی رضا سے سعادت مند ہو۔

① یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی بیوی کے ہمراہ (جو ایک قول کے مطابق شعیب علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں) اپنی والدہ کی طرف واپس مصر جا رہے تھے، اندھیری رات تھی اور راستہ بھی نامعلوم۔ اور بعض مفسرین کے بقول بیوی کی زچگی کا وقت بالکل قریب تھا اور انھیں حرارت کی ضرورت تھی۔ یا سردی کی وجہ سے گرمی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اتنے میں دور سے انھیں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آئے۔ گھر والوں سے، یعنی بیوی سے (یا بعض کہتے ہیں: خادم اور بچہ بھی تھا اسی لیے جمع کا لفظ استعمال فرمایا) کہا: تم یہاں ٹھہرو! شاید میں آگ کا کوئی شعلہ وہاں سے لے آؤں یا کم از کم وہاں سے راستے کی نشان دہی ہی ہو جائے۔

② موسیٰ علیہ السلام جب آگ والی جگہ پر پہنچے تو وہاں ایک درخت سے (جیسا کہ سورۂ قصص 30:28 میں صراحت ہے) آواز آئی۔

③ جوتیاں اتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آپ وادیٔ مقدس طویٰ میں پہنچے اور اس میں تواضع کا اظہار اور شرف وتکریم کا پہلو زیادہ ہے، تاہم اس کے دو پہلو ہیں۔ یہ حکم وادی کی تعظیم کے لیے تھا یا اس لیے کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پیر ہونے کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کے اندر زیادہ جذب ہو سکیں۔ واللّٰہ أعلم. بعض کہتے ہیں کہ وہ ایسے گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے جو غیر مدبوغ تھی کیونکہ جانور کی کھال دباغت (رنگنے) کے بعد ہی پاک ہوتی ہے مگر یہ قول محل نظر ہے۔ شاید اسی وجہ سے یہود جوتیوں سمیت نماز نہیں پڑھتے لیکن ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ «خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِم وَلَا فِي خِفَافِهِمْ» "یہود کی مخالفت کرو (جوتوں سمیت نماز پڑھا کرو)، اس لیے کہ وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔" لہٰذا اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز پڑھنا مشروع ہے۔

④ ﴿طُوًى﴾ وادی کا نام ہے، اسے بعض قراء نے طاء کے ضمے اور تنوین سے پڑھا ہے اور بعض نے طاء کے ضمے کے ساتھ بغیر تنوین کے پڑھا ہے۔ (تفسیر اللباب)

⑤ یعنی نبوت ورسالت اور ہم کلامی کے لیے۔ اور یہ دونوں شرف، اس وقت تیرے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

عَنۡهَا مَنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرۡدٰى ﴿16﴾ وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿17﴾ قَالَ هِىَ عَصَاىَۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ﴿18﴾ قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ﴿19﴾ فَاَلۡقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ﴿20﴾ قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿21﴾ وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰىۙ ﴿22﴾ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰىۚ ﴿23﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿24﴾ قَالَ رَبِّ

ع 1 24 10

تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا﴿16﴾[1] اے موسیٰ! تیرے اس دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟﴿17﴾ جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور بھی اس میں مجھے بہت سے فائدے ہیں﴿18﴾ فرمایا: اے موسیٰ! اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے﴿19﴾ ڈالتے ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگی﴿20﴾ فرمایا: بے خوف ہو کر اسے پکڑ لے، ہم اسے اسی پہلی سی صورت میں دوبارہ لا دیں گے﴿21﴾[2] اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال لے تو وہ سفید چمکتا ہوا ہو کر نکلے گا لیکن بغیر کسی عیب (اور روگ) کے[3] یہ دوسرا معجزہ ہے﴿22﴾ یہ اس لیے کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتے ہیں﴿23﴾ اب تو فرعون کی طرف جا اس نے بڑی سرکشی مچا رکھی ہے﴿24﴾[4] موسیٰ نے کہا:

---

⑥ یعنی تکلیفات شرعیہ میں یہ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم ہے جس کا ہر انسان مکلف ہے۔ اور وہ یہ کہ عبادت صرف اسی کا حق ہے۔

⑦ عبادت کے بعد نماز کا خصوصی حکم دیا، حالانکہ عبادت میں نماز بھی شامل تھی، یہ اس لیے کہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے۔ ﴿لِذِكۡرِىۡ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ تاکہ تو مجھے یاد کرے، اس لیے کہ یاد کرنے کا طریقہ عبادت ہے اور عبادات میں نماز کو خصوصی اہمیت وفضیلت حاصل ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب بھی تجھے یاد آ جائے کہ تیرے ذمے نماز ہے تو نماز پڑھ، یعنی اگر کسی وقت نماز کے بارے میں نسیان، ذہول یا نیند کا غلبہ ہو تو اس کیفیت سے نکلتے ہی اور میری یاد آتے ہی نماز پڑھ۔ جس طرح کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب بھی اسے یاد آئے پڑھ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 597، و صحيح مسلم، حديث: 315-(684))

① اس لیے کہ آخرت پر یقین کرنے سے یا اس کے ذکر و مراقبے سے گریز، دونوں ہی باتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

② یہ موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کیا گیا جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

③ ''بغیر عیب اور روگ کے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کا اس طرح سفید اور چمک دار ہو کر نکلنا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ برص کے مریض کی چمڑی سفید ہو جاتی ہے بلکہ یہ دوسرا معجزہ ہے، جو ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر ان دونوں معجزوں کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿فَذٰنِكَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ﴾ (القصص 32:28) ''پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے، فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔''

④ فرعون کا ذکر اس لیے کیا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی سرکشی و طغیانی بھی بہت بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ وہ دعویٰ کرنے لگا تھا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۝﴾ (النّٰزعٰت 24:79) ''میں تمھارا بلند تر رب ہوں۔''

اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿25﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿26﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿27﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿28﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿29﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿30﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿31﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿32﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿33﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿34﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿35﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿36﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿37﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿38﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ

اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لیے کھول دے ﴿25﴾ اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے ﴿26﴾ اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے ﴿27﴾ تا کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں ﴿28﴾ اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے کر دے ﴿29﴾ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو ﴿30﴾ تو اس سے میری کمر کس دے ﴿31﴾ اور اسے میرا شریک کار کر دے ﴿32﴾[1] تا کہ ہم دونوں بکثرت تیری تسبیح بیان کریں ﴿33﴾ اور بکثرت تیری یاد کریں ﴿34﴾[2] بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے ﴿35﴾[3] اللہ نے فرمایا: موسیٰ! تیرے تمام سوالات پورے کر دیے گئے ﴿36﴾[4] ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے ﴿37﴾[5] جبکہ ہم نے تیری ماں کو وہ الہام کیا جس کا ذکر اب کیا جا رہا ہے ﴿38﴾ کہ تو اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے، پس دریا اسے کنارے لا ڈالے گا

---

① کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے شاہی محل میں زیر پرورش تھے تو کھجور یا موتی کی بجائے آگ کا انگارہ لے کر منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں کچھ لکنت پیدا ہو گئی۔ (ابن کثیر) جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر میرا پیغام پہنچاؤ تو موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دو باتیں آئیں، ایک تو یہ کہ وہ بڑا جابر اور متکبر بادشاہ ہے بلکہ رب ہونے تک کا دعویدار ہے۔ دوسرا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی قوم کا ایک آدمی مارا گیا تھا جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے نکلنا پڑا تھا، یعنی ایک فرعون کی بڑائی اور سرکشی کا خوف اور دوسرا، اپنے ہاتھوں ہونے والے واقعہ کا اندیشہ۔ اور ان دونوں پر زائد تیسری بات، زبان میں لکنت۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! ''میرا سینہ کھول دے تا کہ میں رسالت کا بوجھ اٹھا سکوں، میرے کام کو آسان فرما دے، یعنی جو مہم مجھے درپیش ہے اس میں میری مدد فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ فرعون کے سامنے میں پوری وضاحت سے تیرا پیغام پہنچا سکوں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اپنا دفاع بھی کر سکوں۔ اس کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ میرے بھائی ہارون کو (کہتے ہیں کہ یہ عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے) بطور معین اور مددگار میرا وزیر اور شریک کار بنا دے۔'' ﴿وَزِيْرًا﴾ مُوَازِرٌ کے معنی میں ہے، یعنی بوجھ اٹھانے والا۔ جس طرح ایک وزیر بادشاہ کا بوجھ اٹھاتا ہے اور امور مملکت میں اس کا مشیر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہارون علیہ السلام میرا مشیر اور بوجھ اٹھانے والا ساتھی ہو۔

② یہ دعاؤں کی علت بیان کی کہ اس طرح ہم تبلیغ رسالت کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح اور تیرا ذکر بھی زیادہ کر سکیں۔

③ یعنی تجھے سارے حالات کا علم ہے اور بچپن میں جس طرح تو نے ہم پر احسان کیے، اب بھی اپنے احسانات سے ہمیں محروم نہ رکھ۔

④ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کی لکنت کو بھی دور فرما دیا تھا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ پوری لکنت دور کرنے کی دعا نہیں کی تھی، اس لیے کچھ باقی رہ گئی تھی۔ باقی رہا فرعون کا یہ کہنا: ﴿وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝﴾ (الزخرف 52:43) ''یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔'' یہ فرعون کی طرف سے ان کی تنقیص کے طور پر کہی اور گزشتہ کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ (أیسر التفاسیر)

⑤ قبولیت دعا کی خوشخبری کے ساتھ مزید تسلی اور حوصلے کے لیے اللہ تعالیٰ بچپن کے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کی

بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿39﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ

اور میرا اور خود اس کا دشمن اسے لے لے گا،[1] اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔[2] تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے[3] کی جائے﴿39﴾ (یاد کر) جبکہ تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو میں اسے بتا دوں جو اس کی نگہبانی کرے،[4] اس تدبیر سے ہم نے تجھے پھر تیری ماں کے پاس پہنچایا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا[5] اس پر بھی ہم نے تجھے غم سے بچا لیا، غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزما لیا۔[6] پھر تو کئی سال تک مدین کے لوگوں میں ٹھہرا رہا،[7] پھر تقدیر الٰہی کے مطابق

ماں نے قتل کے اندیشے سے اللہ کے حکم (القائے الٰہی) سے انھیں، جب وہ شیر خوار بچے تھے، تابوت میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا۔

① مراد فرعون ہے جو اللہ کا بھی دشمن اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی دشمن تھا، یعنی لکڑی کا وہ تابوت تیرتا ہوا جب شاہی محل کے کنارے پہنچا تو اسے باہر نکال کر دیکھا گیا تو اس میں ایک معصوم بچہ تھا جسے فرعون نے اپنی بیوی کی خواہش پر پرورش کے لیے شاہی محل میں رکھ لیا۔

② یعنی فرعون کے دل میں ڈال دی یا عام لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی۔

③ چنانچہ اللہ کی قدرت کا اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا کمال اور کرشمہ دیکھیے کہ جس بچے کی خاطر فرعون بے شمار بچوں کو قتل کروا چکا ہے تا کہ وہ زندہ نہ رہے، اسی بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی گود میں پلوا رہا ہے اور ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے لیکن اس کی اجرت بھی اسی دشمن موسیٰ علیہ السلام سے وصول کر رہی ہے۔ فَسُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ.

④ یہ اس وقت ہوا جب ماں نے تابوت سمندر میں پھینک دیا تو بیٹی سے کہا: ذرا دیکھتی رہو، یہ کہاں کنارے لگتا ہے اور کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ جب اللہ کی مشیت سے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پہنچ گئے، شیر خوارگی کا عالم تھا، چنانچہ دودھ پلانے والی عورتوں اور آیاؤں کو بلایا گیا لیکن موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ پیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہی تھی، بالآخر اس نے کہا: میں تمھیں ایسی عورت بتلاتی ہوں جو تمھاری یہ مشکل دور کر دے گی، انھوں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ وہ اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، بلا لائی۔ جب ماں نے بیٹے کو چھاتی سے لگایا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی تدبیر و مشیت سے غٹا غٹ دودھ پینا شروع کر دیا۔

⑤ یہ ایک دوسرے احسان کا ذکر ہے، جب موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ایک فرعونی صرف گھونسا مارنے سے مر گیا، جس کا ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔

⑥ ﴿فُتُوْنًا﴾ دُخول اور خُروج کی طرح مصدر ہے، یعنی ابتلَيْنَاكَ ابْتِلَاءً ''ہم نے تجھے خوب آزمایا۔'' یا یہ جمع ہے فتنہ کی، جیسے حجرۃ کی حجور اور بدرۃ کی بدور جمع ہے، یعنی ہم نے تجھے کئی مرتبہ یا بار بار آزمایا یا آزمائشوں سے نکالا، مثلاً: جو سال بچوں کے قتل کا تھا، اس میں تجھے پیدا کیا، تیری ماں نے تجھے سمندر کی موجوں کے سپرد کر دیا، تمام دایاؤں کا دودھ تجھ پر حرام کر دیا، تو نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی جس پر اس نے تیرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تیرے ہاتھوں قبطی کا قتل ہو گیا وغیرہ۔ ان تمام مواقع آزمائش میں ہم ہی تیری مدد اور چارہ سازی کرتے رہے۔

يٰمُوۡسٰى ﴿40﴾ وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِىۡ ﴿41﴾ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ ﴿42﴾ اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿43﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ﴿44﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى ﴿45﴾ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىۡ مَعَكُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾ فَاۡتِيٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ ‌ؕ قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ‌ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى ﴿47﴾ اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿48﴾ قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى ﴿49﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى

اے موسیٰ! تو آیا﴿40﴾ [1] اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند فرما لیا﴿41﴾ اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیاں ہمراہ لیے ہوئے جا اور (خبردار) میرے ذکر میں سستی نہ کرنا﴿42﴾ [2] تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے بڑی سرکشی کی ہے﴿43﴾ اسے نرمی [3] سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے﴿44﴾ دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں فرعون ہم پر کوئی زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ نہ جائے﴿45﴾ جواب ملا کہ تم مطلقاً خوف نہ کرو میں اب تمھارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا﴿46﴾ [4] تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، ان کی سزائیں موقوف کر۔ ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند [5] ہو جائے﴿47﴾ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اس کے لیے عذاب ہے﴿48﴾ فرعون نے پوچھا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟﴿49﴾ جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو

⑦ یعنی فرعونی کے غیرارادی قتل کے بعد تو یہاں سے نکل کر مدین چلا گیا اور وہاں کئی سال رہا۔

① یعنی ایسے وقت میں تو آیا جو وقت میں نے اپنے فیصلے اور تقدیر میں تجھ سے ہم کلامی اور نبوت کے لیے لکھا ہوا تھا۔ یا ﴿قَدَرٍ﴾ سے مراد عمر کی مقدار ہے، یعنی عمر کے اس مرحلے میں آیا جو نبوت کے لیے موزوں ہے، یعنی چالیس سال کی عمر میں۔

② اس میں داعیان الی اللہ کے لیے بڑا سبق ہے کہ انھیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

③ یہ وصف بھی داعیان کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ سختی سے لوگ بدکتے اور دور بھاگتے ہیں اور نرمی سے قریب آتے اور متاثر ہوتے ہیں اگر وہ ہدایت قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔

④ تم فرعون کو جا کر جو کہو گے اور اس کے جواب میں جو وہ کہے گا، میں وہ سنتا اور تمھارے اور اس کے طرز عمل کو دیکھتا رہوں گا اور میں تمھاری مدد اور اس کی چالوں کو ناکام کروں گا، اس لیے اس کے پاس جاؤ، تردد کی کوئی ضرورت نہیں۔

⑤ یہ سلام تحیہ نہیں ہے جسے مسلمان ایک دوسرے کو کہتے ہیں بلکہ امن و سلامتی کی طرف دعوت ہے، جیسے نبی ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام مکتوب میں لکھا تھا: «أَسْلِمْ تَسْلَمْ» ''اسلام قبول کر لے، سلامتی میں رہے گا۔'' اسی طرح مکتوب کے شروع میں آپ نے «وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى» بھی تحریر فرمایا، (ابن کثیر) اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مکتوب یا مجلس میں مخاطب کرنا ہو تو اسے انھی الفاظ سے خطاب کیا جائے، اس لیے کہ اس میں دعوت ہے۔

كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿50﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿51﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿52﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿53﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿54﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿55﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

اس کی خاص شکل وصورت عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی ﴿50﴾ [1] اس نے کہا: اچھا یہ تو بتاؤ اگلے زمانے والوں کا حال کیا ہونا ہے ﴿51﴾ [2] جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے ﴿52﴾ [3] اسی نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے اور اس میں تمھارے چلنے کے لیے راستے بنائے ہیں اور آسمان سے پانی بھی وہی برساتا ہے، پھر اس (برسات) کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں ﴿53﴾ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ [4] کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے [5] بہت سی نشانیاں ہیں ﴿54﴾ اسی زمین میں سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں پھر واپس لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تم سب [6] کو نکال کھڑا کریں گے ﴿55﴾ ہم نے اسے اپنی سب نشانیاں دکھا دیں

① مثلاً: جو شکل وصورت انسان کے مناسب حال تھی، وہ اسے جو جانوروں کے مطابق تھی، وہ جانوروں کو عطا فرمائی۔ ”راہ سجھائی“ کا مطلب ہر مخلوق کو اس کی طبعی ضروریات کے مطابق رہن سہن، کھانے پینے اور بود وباش کا طریقہ سمجھا دیا، اس کے مطابق ہر مخلوق سامان زندگی فراہم کرتی اور حیات مستعار کے دن گزارتی ہے۔

② فرعون نے بات کا رخ دوسری طرف پھیرنے کے لیے یہ سوال کیا، یعنی پہلے لوگ جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے، ان کا حال کیا ہوگا؟

③ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: (ان کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے، البتہ) ان کا علم میرے رب کو ہے جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے، وہ اس کے مطابق ان کو جزا وسزا دے گا، پھر اس کا علم اس طرح ہر چیز کو محیط ہے کہ اس کی نظر سے کوئی چھوٹی بڑی چیز اوجھل نہیں ہو سکتی، نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے جبکہ مخلوق کے علم میں دونوں نقص موجود ہیں۔ ایک تو ان کا علم محیط کل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ دوسرے، علم کے بعد وہ بھول بھی سکتے ہیں، میرا رب ان دونوں نقصوں سے پاک ہے۔ آگے رب کی مزید صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

④ یعنی ان انواع واقسام کی پیداوار میں کچھ چیزیں تمھاری خوراک اور لذت وفرحت کا سامان ہیں اور کچھ تمھارے چوپایوں اور جانوروں کے لیے ہیں۔

⑤ ﴿النُّهٰى﴾ نُهيَةٌ کی جمع ہے، بمعنی عقل، ﴿لِّاُولِي النُّهٰى﴾ عقل والے۔ عقل کو نُهيَه اور عقل مند کو ذُو نُهيَه، اس لیے کہا جاتا ہے کہ بالآخر انھی کی رائے پر معاملہ انتہا پذیر ہوتا ہے یا اس لیے کہ یہ نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں، يَنْهَوْنَ النَّفْسَ عَنِ الْقَبَائِحِ (فتح القدیر)

⑥ بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین لپیں (یا بکے) مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی ﷺ سے منقول ہے لیکن سنداً یہ روایات ضعیف ہیں، تاہم آیت کے بغیر تین لپیں ڈالنے والی روایت، جو ابن ماجہ میں ہے، صحیح ہے، اس لیے دفنانے کے بعد دونوں

كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿56﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿57﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿58﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿59﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿60﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿61﴾ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿62﴾ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ

لیکن پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا﴿56﴾ کہنے لگا: اے موسیٰ! کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے زور سے ہمارے ملک سے باہر نکال دے﴿57﴾ [1] اچھا ہم بھی تیرے مقابلے میں اسی جیسا جادو ضرور لائیں گے، پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کر لے [2] کہ نہ ہم اس کا خلاف کریں اور نہ تو، صاف میدان میں مقابلہ ہو﴿58﴾ [3] موسیٰ نے جواب دیا کہ زینت اور جشن کے دن [4] کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے ہی جمع ہو جائیں﴿59﴾ پس فرعون لوٹ گیا اور اس نے اپنے ہتھکنڈے جمع کیے، پھر آ گیا﴿60﴾ [5] موسیٰ نے ان سے کہا: تمھاری شامت آ چکی، اللہ پر جھوٹ اور افترا نہ باندھو کہ وہ تمھیں عذاب سے ملیامیٹ کر دے، یاد رکھو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا جس نے جھوٹی بات گھڑی﴿61﴾ [6] پس یہ لوگ آپس کے مشوروں میں مختلف رائے ہو گئے اور (چھپ کر) چپکے چپکے مشورہ کرنے لگے﴿62﴾ [7] کہنے لگے: یہ دونوں محض جادوگر ہیں اور ان کا پختہ ارادہ ہے کہ اپنے جادو کے

ہاتھوں سے تین تین مرتبہ مٹی ڈالنے کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سنن ابن ماجه، حديث: 1565، وإرواء الغليل: 200/3، حديث: 751)

① جب فرعون کو دلائل واضحہ کے ساتھ وہ معجزات بھی دکھلائے گئے جو عصا اور ید بیضا کی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے تھے تو فرعون نے اسے جادو کا کرتب سمجھا اور کہنے لگا: اچھا تو ہمیں اس جادو کے زور سے ہماری زمین سے نکالنا چاہتا ہے؟

② ﴿مَوْعِدًا﴾ مصدر ہے یا اگر ظرف ہے تو زمان اور مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں کہ کوئی جگہ اور دن مقرر کر لے۔

③ ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فَرِيقَيْن سہولت سے پہنچ سکیں۔

④ اس سے مراد ''نوروز'' یا کوئی اور سالانہ میلے یا جشن کا دن ہے جسے وہ عید کے طور پر مناتے تھے۔

⑤ یعنی مختلف شہروں سے ماہر جادوگروں کو جمع کر کے اجتماع گاہ میں آ گیا۔

⑥ جب فرعون اجتماع گاہ میں جادوگروں کو مقابلے کی ترغیب دے رہا اور ان کو انعامات اور قرب خصوصی سے نوازنے کا اظہار کر رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلے سے پہلے انھیں وعظ کیا اور ان کے موجودہ رویے پر انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔

⑦ موسیٰ علیہ السلام کے وعظ سے ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اور بعض چپکے چپکے کہنے لگے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی ہی نہ ہو، اس کی گفتگو تو جادوگروں والی نہیں، پیغمبرانہ لگتی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس رائے کا اظہار کیا۔

مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿63﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿64﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿65﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿66﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿67﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿68﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ

زور سے تمھیں تمھارے ملک سے نکال باہر کریں اور تمھارے بہترین مذہب کو برباد کریں ﴿63﴾[1] تو تم بھی اپنا کوئی داؤ اٹھا نہ رکھو، پھر صف بندی کر کے آؤ۔ جو آج غالب آ گیا وہی بازی لے گیا ﴿64﴾ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! یا تو تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈالنے والے بن جائیں ﴿65﴾ جواب دیا کہ نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔[2] اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں ﴿66﴾[3] پس موسیٰ نے اپنے دل ہی دل میں ڈر محسوس کیا ﴿67﴾ ہم نے فرمایا: کچھ خوف نہ کر یقیناً تو ہی غالب اور برتر رہے گا ﴿68﴾[4] اور تیرے دائیں ہاتھ میں جو ہے اسے ڈال دے

---

① [مُثْلٰی] طَرِيْقَةٌ کی صفت ہے۔ یہ أَمْثَلُ کی تانیث ہے، افضل کے معنی میں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دونوں بھائی اپنے ''جادو'' کے زور سے غالب آ گئے تو سادات واشراف اس کی طرف مائل ہو جائیں گے جس سے ہمارے اقتدار کے خاتمے اور ان کے اقتدار کا امکان بڑھ جائے گا۔ علاوہ ازیں ہمارا بہترین طریقہ یا مذہب، اسے بھی یہ ختم کر دیں گے، یعنی اپنے مشرکانہ مذہب کو بھی انھوں نے ''بہترین'' قرار دیا جیسا کہ آج بھی ہر باطل مذہب اور فرقے کے پیروکار اسی زعم فاسد میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے سچ فرمایا: ﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○﴾ (الروم 32:30) ''ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے، اس پر ریجھ رہا ہے۔''

② موسیٰ علیہ السلام نے انھیں پہلے اپنا کرتب دکھانے کے لیے کہا تا کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ جادوگروں کی اتنی بڑی تعداد سے جو فرعون جمع کر کے لے آیا ہے اور اسی طرح ان کے ساحرانہ کمال اور کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ دوسرے، ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیاں، جب معجزۂ الٰہی سے چشم زدن میں هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا اور جادوگر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ جادو نہیں ہے، واقعی اسے اللہ کی تائید حاصل ہے کہ آن واحد میں اس کی ایک لاٹھی ہمارے سارے کرتبوں کو نگل گئی۔

③ قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسیاں اور لاٹھیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ جادو کے زور سے ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے مسمریزم کے ذریعے سے نظر بندی کر دی جاتی ہے، تاہم اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ عارضی اور وقتی طور پر دیکھنے والوں پر ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے، گو شے کی حقیقت تبدیل نہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جادو کتنا بھی اونچے درجے کا ہو، وہ شے کی حقیقت تبدیل نہیں کر سکتا۔

④ اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اگر موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا تو یہ ایک طبعی چیز تھی جو کمال نبوت کے منافی ہے نہ عصمت کے کیونکہ نبی بھی بشر ہی ہوتا ہے اور بشریت کے طبعی تقاضوں سے نہ وہ بالا ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح انبیاء کو دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اسی طرح وہ جادو سے بھی متاثر ہو سکتے ہیں جس طرح نبی ﷺ پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا جس کے کچھ اثرات آپ محسوس کرتے تھے، اس سے بھی منصب نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ اس سے کارِ نبوت

مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿69﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿70﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿71﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿72﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ

کہ ان کی تمام کاریگری کو وہ نگل جائے، انھوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا ﴿69﴾ اب تو تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ﴿70﴾ فرعون کہنے لگا کہ کیا میری اجازت سے پہلے ہی تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمھارا وہ بڑا بزرگ ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، (سن لو) میں تمھارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے[1] کٹوا کر تم سب کو کھجور کے تنوں میں سولی پر لٹکوا دوں گا اور تمھیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے ﴿71﴾ انھوں نے جواب دیا کہ ناممکن ہے کہ ہم تجھے ترجیح دیں ان دلیلوں پر جو ہمارے سامنے آ چکیں اور اس اللہ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے[2] اب تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر، تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے وہ اسی دنیوی[3] زندگی ہی میں ہے ﴿72﴾ ہم (اس امید سے) اپنے پروردگار پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے

متاثر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نبی کی حفاظت فرماتا ہے اور جادو سے وحی یا فریضۂ رسالت کی ادائیگی کو متاثر نہیں ہونے دیتا۔ اور ممکن ہے کہ یہ خوف اس لیے ہو کہ میری لاٹھی ڈالنے سے قبل ہی کہیں لوگ ان کرتبوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر نہ ہو جائیں لیکن اغلب ہے کہ یہ خوف اس لیے ہوا کہ ان جادوگروں نے بھی جو کرتب دکھایا، وہ لاٹھیوں کے ذریعے سے ہی دکھایا، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی لاٹھی ہی تھی جسے انھوں نے زمین پر پھینکنا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنے والے اس سے شبہے اور مغالطے میں نہ پڑ جائیں اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ دونوں نے ایک ہی قسم کا جادو پیش کیا، اس لیے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا جادو ہے کون سا معجزہ؟ کون غالب ہے کون مغلوب؟ گویا جادو اور معجزے کا جو فرق واضح کرنا مقصود ہے، وہ مذکورہ مغالطے کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکے گا، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بسا اوقات یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ان کے ہاتھ پر کس نوعیت کا معجزہ ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ خود معجزہ کو ظاہر کرنے پر قدرت تو دور کی بات ہے، یہ تو محض اللہ کا کام ہے کہ وہ انبیاء کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے، بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس اندیشے اور خوف کو دور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ کسی بھی لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ہی غالب رہے گا، اس جملے سے طبعی خوف اور دیگر اندیشوں، سب کا ہی ازالہ فرما دیا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

[1] ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ (الٹے سیدھے) کا مطلب ہے سیدھا ہاتھ تو بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ تو سیدھا پاؤں۔

[2] یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ کا عطف ﴿مَا جَآءَنَا﴾ پر ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ تاہم بعض مفسرین نے اسے قسم قرار دیا ہے، یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا! ہم تجھے ان دلیلوں پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے سامنے آ چکیں۔

[3] یعنی تیرے بس میں جو کچھ ہے، وہ کر لے، ہمیں معلوم ہے کہ تیرا بس صرف اس دنیا میں ہی چل سکتا ہے جبکہ ہم جس پروردگار پر

اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿73﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿74﴾ وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿75﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿76﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا

اور (خاص کر) جادوگری (کا گناہ) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے،[1] اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے ﴿73﴾[2] بات یہی ہے کہ جو بھی گناہ گار بن کر اللہ کے ہاں حاضر ہوگا، اس کے لیے دوزخ ہے، جہاں نہ موت ہوگی اور نہ زندگی ﴿74﴾[3] اور جو بھی اس کے پاس ایماندار ہو کر حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے۔ اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں ﴿75﴾ ہمیشگی والی جنتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاک ہے ﴿76﴾[4] ہم نے موسیٰ کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تو راتوں رات میرے بندوں کو لے چل،[5] اور ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لے،[6] پھر نہ تجھے کسی کے

ایمان لائے ہیں اس کی حکمرانی تو دنیا و آخرت دونوں جگہوں پر ہے۔ مرنے کے بعد ہم تیری حکمرانی اور تیرے ظلم و ستم سے تو بچ جائیں گے کیونکہ جسموں سے روح کے نکل جانے کے بعد تیرا اختیار ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم اپنے رب کے نافرمان رہے تو ہم مرنے کے بعد بھی رب کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے، وہ ہمیں سخت عذاب دینے پر قادر ہے۔ رب پر ایمان لانے کے بعد ایک مومن کی زندگی میں جو عظیم انقلاب آنا اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی پر جس طرح یقین ہونا چاہیے اور پھر اس عقیدہ و ایمان پر جو تکلیفیں آئیں، انھیں جس حوصلہ و صبر اور عزم و استقامت سے برداشت کرنا چاہیے، جادوگروں نے اس کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا کہ ایمان لانے سے قبل کس طرح وہ فرعون سے انعامات اور دنیاوی جاہ و منصب کے طالب تھے لیکن ایمان لانے کے بعد کوئی ترغیب و تحریص انھیں متزلزل کر سکی نہ تشدید و تعذیب کی دھمکیاں انھیں ایمان سے منحرف کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

① دوسرا ترجمہ اس کا یہ ہے کہ "ہماری وہ غلطیاں بھی معاف فرما دے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں تیرے مجبور کرنے پر ہم نے عمل جادو کی صورت میں کیں۔" اس صورت میں ﴿وَمَآ اَكْرَهْتَنَا﴾ کا عطف ﴿خَطٰيٰنَا﴾ پر ہوگا۔

② یہ فرعون کے الفاظ ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ○﴾ کا جواب ہے کہ اے فرعون! تو جو سخت ترین عذاب کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں جو ہمیں اجر و ثواب ملے گا، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔

③ یعنی عذاب سے تنگ آ کر موت کی آرزو کریں گے تو موت نہیں آئے گی اور رات دن عذاب میں مبتلا رہنا، کھانے پینے کو زقوم جیسا تلخ درخت اور جہنمیوں کے جسموں سے نچڑا ہوا خون اور پیپ ملنا، یہ کوئی زندگی ہوگی؟ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ.

④ جہنمیوں کے مقابلے میں اہل ایمان کو جو جنت کی پر آسائش زندگی ملے گی، اس کا ذکر فرمایا اور واضح کر دیا کہ اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کریں گے، یعنی اعمال صالحہ اختیار اور اپنے نفس کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کریں گے، اس لیے کہ ایمان زبان سے صرف چند کلمات ادا کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ عقیدہ و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔

⑤ جب فرعون ایمان بھی نہیں لایا اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

⑥ اس کی تفصیل سورۂ شعراء میں آئے گی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا میں لاٹھی ماری، جس سے دریا میں گزرنے کے لیے

وَّ لَا تَخْشٰى ﴿77﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿78﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿79﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿80﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿81﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

آ پکڑنے کا خطرہ ہوگا نہ ڈر﴿77﴾ [1] فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا تعاقب کیا پھر تو دریا ان سب پر چھا گیا جیسا کچھ چھا جانے والا تھا﴿78﴾ [2] فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور سیدھا راستہ نہ دکھایا﴿79﴾ [3] اے بنی اسرائیل! دیکھو ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی اور تم سے کوہ طور کی دائیں طرف کا وعدہ [4] کیا اور تم پر من و سلوٰی اتارا﴿80﴾ [5] تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ روزی کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو [6] ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوجائے وہ یقیناً تباہ ہوا﴿81﴾ [7] ہاں، بے شک میں انھیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں

خشک راستہ بن گیا۔

① خطرہ فرعون اور اس کے لشکر کا اور ڈر پانی میں ڈوبنے کا۔

② یعنی اس خشک راستے پر جب فرعون اور اس کا لشکر چلنے لگا تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ حسب سابق رواں دواں ہو جا، چنانچہ وہ خشک راستہ چشم زدن میں پانی کی موجوں میں تبدیل ہوگیا اور فرعون سمیت سارا لشکر غرق ہوگیا، ﴿فَغَشِيَهُمْ﴾ کے معنی ہیں: عَلَاهُمْ وَأَصَابَهُمْ سمندر کا پانی ان پر غالب آ گیا۔ ﴿مَا غَشِيَهُمْ﴾ یہ تکرار تعظیم و تہویل، یعنی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے۔ یا اس کے معنی ہیں: ''سمندر کے پانی نے ان کو ڈھانپ لیا'' جیسا کہ آپ نے اس کا قصہ سن لیا۔

③ اس لیے کہ سمندر میں غرق ہونا ان کا مقدر تھا۔

④ ﴿وَوٰعَدْنٰكُمْ﴾ میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تمھیں، یعنی تمھارے نمائندے بھی ساتھ لے کر آئیں تاکہ تمھارے سامنے ہی ہم موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوں یا ضمیر جمع اس لیے لائی گئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو بلانا بنی اسرائیل ہی کی خاطر اور انھی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تھا۔

⑤ ﴿الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ کے نزول کا واقعہ، سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ ﴿الْمَنَّ﴾ کوئی سفید سی میٹھی چیز تھی جو آسمان سے نازل ہوتی تھی اور ﴿السَّلْوٰى﴾ سے مراد بٹیر پرندے ہیں جو کثرت سے ان کے پاس آتے اور وہ حسب ضرورت انھیں پکڑ کر پکاتے اور کھا لیتے۔ (ابن کثیر)

⑥ طُغْيَانٌ کے معنی ہیں: تجاوز کرنا، یعنی حلال اور جائز چیزوں کو چھوڑ کر حرام اور ناجائز چیزوں کی طرف تجاوز مت کرو یا اللہ کی نعمتوں کا انکار کر کے یا کفران نعمت کا ارتکاب کر کے یا منعم کی نافرمانی کر کے حد سے تجاوز نہ کرو، ان تمام مفہومات پر طغیان کا لفظ صادق آتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طغیان کا مفہوم ہے، ضرورت و حاجت سے زیادہ پرندے پکڑنا، یعنی حاجت کے مطابق پرندے پکڑو اور اس سے تجاوز مت کرو۔

⑦ دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ ''ہاویہ'' یعنی جہنم میں گرا۔ ''ہاویہ'' جہنم کا نچلا حصہ ہے، یعنی جہنم کی گہرائی والے حصے کا مستحق ہوگیا۔

صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿82﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿83﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿84﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿85﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿86﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اور راہ راست پر بھی رہیں ﴿82﴾ [1] اے موسیٰ! تجھے اپنی قوم سے (غافل کر کے) کون سی چیز جلدی لے آئی؟ ﴿83﴾ کہا کہ وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی پیچھے ہیں اور میں نے اے رب! تیری طرف جلدی اس لیے کی کہ تو خوش ہو جائے ﴿84﴾ [2] فرمایا: ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انھیں سامری نے بہکا دیا ہے ﴿85﴾ [3] پس موسیٰ سخت غضبناک ہو کر رنج کے ساتھ واپس لوٹے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم والو! کیا تم سے تمھارے پروردگار نے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟ [4] کیا اس کی مدت تمھیں لمبی معلوم ہوئی؟ [5] بلکہ تمھارا ارادہ ہی یہ ہے کہ تم پر تمھارے پروردگار کا غضب نازل ہو کہ تم نے میرے وعدے کا خلاف کیا ﴿86﴾ [6] انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدے کا خلاف نہیں کیا [7] بلکہ ہم پر زیورات قوم کے جو بوجھ لاد دیے گئے تھے انھیں ہم نے ڈال دیا اور اسی طرح

① یعنی مغفرت الٰہی کا مستحق بننے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں۔ کفر و شرک اور معاصی سے توبہ، ایمان، عمل صالح اور راہ راست پر چلتے رہنا، یعنی استقامت حتیٰ کہ ایمان ہی پر اسے موت آئے ورنہ ظاہر بات ہے کہ توبہ وایمان کے بعد اگر اس نے پھر شرک وکفر کا راستہ اختیار کر لیا حتیٰ کہ موت بھی اسے کفر وشرک پر ہی آئے تو مغفرت الٰہی کے بجائے عذاب کا مستحق ہوگا۔

② سمندر پار کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کے سر برآوردہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف چلے لیکن حصول رضا کی خاطر ساتھیوں سے آگے نکل کر طور پر پہنچ گئے، سوال کرنے پر جواب دیا: مجھے تو تیری رضا کی طلب اور اس کی جلدی تھی۔ وہ لوگ میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پیچھے آ رہے ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور میری واپسی کے منتظر ہیں۔

③ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سامری نامی شخص نے بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو دی کہ سامری نے تو تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ فتنے میں ڈالنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے اور اس گمراہی کا سبب سامری ہی تھا جیسا کہ ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ سے واضح ہے۔

④ اس سے مراد جنت کا یا فتح وظفر کا وعدہ ہے اگر وہ دین پر قائم رہے یا تورات عطا کرنے کا وعدہ ہے، جس کے لیے طور پر انھیں بلایا گیا تھا۔

⑤ کیا اس عہد کو مدت دراز گزر گئی تھی کہ تم بھول گئے اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

⑥ قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی طور سے واپسی تک وہ اللہ کی اطاعت وعبادت پر قائم رہیں گے۔

⑦ یعنی ہم نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں کیا بلکہ یہ غلطی ہم سے اضطراری طور پر ہو گئی، آگے اس کی وجہ بیان کی۔

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿87﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ڬ فَنَسِيَ ﴿88﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ڬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿89﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿90﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿91﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿92﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿93﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

سامری نے بھی ڈال دیے ﴿87﴾ پھر اس نے لوگوں کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا، یعنی بچھڑے کا بت، جس کی گائے کی سی آواز بھی تھی پھر کہنے لگے کہ یہی تمھارا بھی معبود ہے[1] اور موسیٰ کا بھی لیکن موسیٰ بھول گیا ہے ﴿88﴾ کیا یہ (گمراہ) لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے کسی برے بھلے کا اختیار رکھتا ہے ﴿89﴾[2] اور ہارون نے اس سے پہلے ہی ان سے کہہ دیا تھا: اے میری قوم والو! اس بچھڑے سے تو صرف تمھاری آزمائش کی گئی ہے، تمھارا حقیقی پروردگار تو اللہ رحمٰن ہی ہے، پس تم سب میری تابعداری کرو۔ اور میری بات مانتے چلے جاؤ ﴿90﴾[3] انھوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کی واپسی تک تو ہم اسی کے مجاور بنے بیٹھے رہیں گے ﴿91﴾[4] موسیٰ کہنے لگے: اے ہارون! انھیں گمراہ ہوتا ہوا دیکھتے ہوئے تجھے کس چیز نے روکا تھا ﴿92﴾ کہ تو میرے پیچھے نہ آیا، کیا تو بھی میرے حکم کا نافرمان بن بیٹھا ﴿93﴾[5] ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ اور سر کے بال نہ کھینچ، مجھے تو صرف یہ خیال دامن گیر ہوا کہ کہیں آپ یہ

---

① ﴿زِيْنَةِ﴾ سے زیورات اور ﴿الْقَوْمِ﴾ سے قوم فرعون مراد ہے۔ کہتے ہیں یہ زیورات انھوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لیے تھے، اسی لیے انھیں ﴿اَوْزَارًا﴾ ''وِزْرٌ کی جمع بوجھ'' کہا گیا ہے کیونکہ یہ ان کے لیے جائز نہیں تھے، چنانچہ انھیں جمع کر کے ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا، سامری نے بھی جو (مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں کی طرح) گمراہ تھا، کچھ ڈالا، (اور وہ مٹی تھی جیسا کہ آگے صراحت ہے) پھر اس نے تمام زیورات کو تپا کر اس طرح کا بچھڑا بنا دیا کہ جس میں ہوا کے اندر، باہر آنے جانے سے ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ اس آواز سے اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) تو گمراہ ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ سے ملنے کے لیے طور پر گئے ہیں جبکہ تمھارا اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود تو یہ ہے۔

② اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت و نادانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو اتنا بھی نہیں پتہ چلا کہ یہ بچھڑا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے جبکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سننے پر، نفع و نقصان پہنچانے پر اور حاجت برآری پر قادر ہو۔

③ ہارون علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا جب یہ قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی۔

④ اسرائیلیوں کو یہ گوسالہ اتنا اچھا لگا کہ ہارون علیہ السلام کی بات کی بھی پروا نہیں کی اور اس کی تعظیم و عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

⑤ یعنی اگر انھوں نے تیری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا تو تجھ کو فوراً میرے پیچھے کوہ طور پر آ کر مجھے بتلانا چاہیے تھا۔ تو نے بھی میرے حکم کی پروا نہیں کی، یعنی جانشینی کا صحیح حق ادا نہیں کیا۔

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ ﴿94﴾ قَالَ فَمَا خَطۡبُكَ یٰسَامِرِیُّ ﴿95﴾ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَکَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ ﴿96﴾ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَیٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰـهِكَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ

(نہ) فرمائیں[1] کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا ﴿94﴾ [2] موسیٰ نے پوچھا: سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ ﴿95﴾ اس نے جواب دیا کہ مجھے وہ چیز دکھائی دی جو انھیں دکھائی نہیں دی، تو میں نے فرستادۂ الٰہی کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اسے اس میں ڈال دیا۔[3] اسی طرح میرے دل نے یہ بات میرے لیے بھلی بنا دی ﴿96﴾ کہا: اچھا جا دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہی ہے کہ تو کہتا رہے کہ (مجھے) نہ چھونا،[4] اور ایک اور بھی وعدہ تیرے ساتھ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا،[5] اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ

---

① موسیٰ علیہ السلام قوم کو شرک کی گمراہی میں دیکھ کر سخت غضب ناک تھے اور سمجھتے تھے کہ شاید اس میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی، جن کو وہ اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے، مداہنت کا بھی دخل ہو، اس لیے سخت غصے میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر انھیں جھنجھوڑنا اور پوچھنا شروع کیا، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے انھیں اتنا سخت رویہ نہ اپنانے کی درخواست کی۔

② سورۂ اعراف 150:7 میں ہارون علیہ السلام کا جواب یہ نقل ہوا ہے کہ ''قوم نے مجھے کمزور خیال کیا اور میرے قتل کے درپے ہوگئی۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمے داری پوری طرح نبھائی اور انھیں سمجھانے اور گوسالہ پرستی سے روکنے میں مداہنت اور کوتاہی نہیں کی لیکن معاملے کو اس حد تک نہیں جانے دیا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے کیونکہ ہارون علیہ السلام کے قتل کا مطلب پھر ان کے حامیوں اور مخالفوں میں آپس میں خونی تصادم ہوتا اور بنی اسرائیل واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ جاتے جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ خود وہاں موجود نہ تھے، اس لیے اس صورت حال کی نزاکت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر ہارون علیہ السلام کو انھوں نے سخت سست کہا لیکن پھر وضاحت پر وہ اصل مجرم کی طرف متوجہ ہوئے، اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں (جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں) کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی خاطر شرکیہ امور اور باطل چیزوں کو بھی برداشت کر لینا چاہیے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے نہ ایسا کیا ہی ہے اور نہ ان کے قول کا یہ مطلب ہی ہے۔

③ جمہور مفسرین نے ﴿الرَّسُوۡلِ﴾ سے مراد جبریل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبریل کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہوگئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

④ یعنی عمر بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھ سے دور رہو، مجھے نہ چھونا، اس لیے کہ اسے چھوتے ہی چھونے والا بھی اور یہ سامری بھی دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے، اس لیے جب یہ کسی انسان کو دیکھتا تو فوراً چیخ اٹھتا کہ ﴿لَا مِسَاسَ﴾ کہا جاتا ہے کہ پھر یہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ اس کی زندگی گزری اور یوں عبرت کا نمونہ بنا رہا۔ گویا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو شخص جتنا زیادہ حیلہ وفن اور مکر و فریب اختیار کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی اسی حساب سے شدید تر اور نہایت عبرت ناک ہوگی۔

⑤ یعنی آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو ہر صورت بھگتنا پڑے گا۔

عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿97﴾ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿98﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ﴿99﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا ۙ ﴿100﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿101﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۖۚ ﴿102﴾ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ

لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے ﴿97﴾[1] اصل بات یہی ہے کہ تم سب کا معبود برحق صرف اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے ﴿98﴾ اسی طرح ہم تیرے[2] سامنے پہلے کے گزرے ہوئے حالات بیان فرما رہے ہیں اور یقیناً ہم تجھے اپنے پاس سے نصیحت عطا فرما چکے ہیں ﴿99﴾[3] اس سے جو منہ پھیر لے گا،[4] وہ یقیناً قیامت کے دن اپنا بھاری بوجھ لادے ہوئے ہوگا ﴿100﴾[5] جس میں ہمیشہ ہی رہے گا،[6] اور ان کے لیے قیامت کے دن (بڑا) برا بوجھ ہے ﴿101﴾ جس دن صور[7] پھونکا جائے گا اور گناہ گاروں کو ہم اس دن (دہشت کی وجہ سے) نیلی آنکھوں کے ساتھ گھیر لائیں گے ﴿102﴾ وہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے[8] ہوں گے کہ ہم تو (دنیا میں)

---

① اس سے معلوم ہوا کہ شرک کے آثار ختم کرنا بلکہ ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالنا، چاہے ان کی نسبت کتنی ہی مقدس ہستیوں کی طرف ہو، توہین نہیں جیسا کہ اہل بدعت، قبر پرست اور تعزیہ پرست باور کراتے ہیں بلکہ یہ توحید کا منشا اور دینی غیرت کا تقاضا ہے، جیسے اس واقعے میں اس ﴿اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ کو نہیں دیکھا گیا جس سے ظاہری طور پر روحانی برکات کا مشاہدہ بھی کیا گیا، اس کے باوجود اس کی پروا نہیں کی گئی، اس لیے کہ وہ شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔

② یعنی جس طرح ہم نے فرعون وموسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے، اسی طرح انبیائے ماسبق کے حالات ہم آپ پر بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے باخبر ہوں اور ان میں جو عبرت کے پہلو ہوں، انھیں لوگوں کے سامنے نمایاں کریں تاکہ لوگ اس کی روشنی میں صحیح رویہ اختیار کریں۔

③ نصیحت (ذکر) سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس سے بندہ اپنے رب کو یاد کرتا، ہدایت اختیار کرتا اور نجات وسعادت کا راستہ اپناتا ہے۔

④ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس میں جو کچھ درج ہے، اس پر عمل نہیں کرے گا۔

⑤ یعنی گناہ عظیم اس لیے کہ اس کا نامۂ اعمال، نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پر ہوگا۔

⑥ جس سے وہ بچ سکے گا نہ بھاگ ہی سکے گا۔

⑦ ﴿الصُّوْرِ﴾ سے مراد وہ قرن (نرسنگا) ہے، جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: 192/2) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسرافیل نے قرن کا لقمہ بنایا ہوا ہے، (اسے منہ لگائے کھڑا ہے) پیشانی جھکائی یا موڑی ہوئی ہے، رب کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب اسے حکم دیا جائے اور وہ اس میں پھونک مار دے۔'' (جامع الترمذي، حدیث: 2431) اسرافیل علیہ السلام کے پہلے نفخے سے سب پر موت طاری ہو جائے گی اور دوسرے نفخے سے بحکم الٰہی سب زندہ اور میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے۔ آیت میں یہی دوسرا نفخہ مراد ہے۔

⑧ شدت ہول اور دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے باتیں کریں گے۔

اِلَّا عَشْرًا ﴿103﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿104﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿105﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿106﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿107﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿108﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿109﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿110﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ

صرف دس ہی دن رہے ﴿103﴾ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کی حقیقت سے ہم باخبر ہیں، ان میں سب سے زیادہ اچھی راہ [1] والا کہہ رہا ہوگا کہ تم تو صرف ایک ہی دن رہے ﴿104﴾ وہ آپ سے پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ انھیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ﴿105﴾ اور زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر کے چھوڑے گا ﴿106﴾ جس میں تو نہ کہیں موڑ توڑ دیکھے گا نہ اونچ نیچ ﴿107﴾ جس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلیں [2] گے جس میں کوئی کجی نہ ہوگی [3] اور اللہ رحمٰن کے سامنے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے کھسر پھسر کے تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا ﴿108﴾ [4] اس دن سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جسے رحمٰن حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے ﴿109﴾ [5] جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا ﴿110﴾ [6] تمام چہرے اس زندہ اور قائم

① یعنی سب سے زیادہ عاقل اور سمجھ دار، یعنی دنیا کی زندگی انھیں چند دن بلکہ گھڑی دو گھڑی کی محسوس ہوگی۔ جس طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ (الروم 55:30) "جس دن قیامت برپا ہوگی، کافر قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔" یہی مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ فاطر 37:35، سورۂ مؤمنون 23:112-114 اور سورۂ نازعات 79:46 وغیرہ۔ مطلب یہی ہے کہ فانی زندگی کو باقی رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دی جائے۔

② یعنی جس دن اونچے نیچے پہاڑ، وادیاں، فلک بوس عمارتیں، سب صاف ہو جائیں گی، سمندر اور دریا خشک ہو جائیں گے اور ساری زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی، پھر ایک آواز آئے گی جس کے پیچھے سارے لوگ لگ جائیں گے، یعنی جس طرف وہ داعی بلائے گا، جائیں گے۔

③ یعنی اس داعی سے ادھر ادھر نہیں ہوں گے۔

④ یعنی مکمل سناٹا ہوگا سوائے قدموں کی آہٹ اور کھسر پھسر کے کچھ سنائی نہیں دے گا۔

⑤ یعنی اس دن کسی کی سفارش کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، سوائے ان کے جن کو رحمٰن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور وہ بھی ہر کسی کی سفارش نہیں کریں گے بلکہ صرف ان کی سفارش کریں گے جن کی بابت سفارش کو اللہ پسند فرمائے گا۔ اور یہ کون لوگ ہوں گے؟ صرف اہل توحید، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے، مثلاً: سورۂ نجم 53:26، سورۂ انبیاء 21:28، سورۂ سبا 34:23، سورۂ نبا 78:38 اور آیت الکرسی۔

⑥ گزشتہ آیت میں شفاعت کے لیے جو اصول بیان فرمایا گیا ہے، اس میں اس کی وجہ اور علت بیان کر دی گئی ہے کہ چونکہ اللہ کے سوا

حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ

لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ز

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا

ذات کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لاد لیا ﴿۱۱۱﴾[1] اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان دار بھی ہو تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا نہ حق تلفی کا ﴿۱۱۲﴾[2] اسی طرح ہم نے تجھ پر عربی قرآن نازل فرمایا ہے اور طرح طرح سے اس میں ڈر کا بیان سنایا ہے تا کہ لوگ پرہیز گار بن جائیں[3] یا ان کے لیے سوچ سمجھ تو پیدا کرے ﴿۱۱۳﴾[4] پس اللہ عالی شان والا سچا اور حقیقی بادشاہ ہے۔[5] تو قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر اس سے پہلے کہ تیری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے،[6] اور یہ دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا ﴿۱۱۴﴾[7] ہم نے آدم کو پہلے ہی تاکیدی حکم دے دیا تھا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں کوئی عزم نہیں پایا ﴿۱۱۵﴾[8] اور جب ہم نے

کسی کو بھی کسی کی بابت پورا علم نہیں ہے کہ کون کتنا بڑا مجرم ہے؟ اور وہ اس بات کا مستحق ہے بھی یا نہیں کہ اس کی سفارش کی جا سکے، اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا کہ کون کون لوگ انبیاء وصلحاء کی سفارش کے مستحق ہیں؟ کیونکہ ہر شخص کے جرائم کی نوعیت وکیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔

① اس لیے کہ اس روز اللہ تعالیٰ مکمل انصاف فرمائے گا اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دلائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلایا جائے گا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے: «لَتُؤَدَّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ''ہر صاحب حق کو اس کا حق قیامت کو دینا پڑے گا۔'' ایک دوسری حدیث میں فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ» ''ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2578 و 2582، و مسند أحمد: 235/2 و 323/3) سب سے نامراد وہ شخص ہوگا جس نے شرک کا بوجھ اپنے اوپر لاد رکھا ہوگا، اس لیے کہ شرک ظلم عظیم بھی ہے اور ناقابل معافی بھی۔

② بے انصافی یہ ہے کہ اس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے اور حق تلفی یہ ہے کہ نیکیوں کا اجر کم دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں وہاں نہیں ہوں گی۔

③ یعنی گناہ، محرمات اور فواحش کے ارتکاب سے باز آ جائیں۔

④ یعنی اطاعت اور قرب حاصل کرنے کا شوق یا پچھلی امتوں کے حالات وواقعات سے عبرت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے اندر پیدا کر دے۔

⑤ جس کا وعدہ اور وعید حق ہے، جنت دوزخ حق ہے اور اس کی ہر بات حق ہے۔

⑥ جبریل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور سناتے تو نبی ﷺ بھی جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کہیں کچھ حصہ بھول نہ

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ

فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے کیا، اس نے صاف انکار کر دیا﴿۱۱۶﴾ تو ہم نے کہا: اے آدم! یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے (خیال رکھنا) ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے ﴿۱۱۷﴾ یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا﴿۱۱۸﴾ اور نہ تو یہاں [1]

جائیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ پہلے غور سے وحی کو سنیں، اس کو یاد کرانا اور دل میں بٹھا دینا یہ ہمارا کام ہے جیسا کہ سورۂ قیامہ میں اس کی وضاحت ہے۔

⑦ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادتیٔ علم کی دعا فرماتے رہیں۔ اس میں علماء کے لیے بھی نصیحت ہے کہ وہ فتویٰ میں پوری تحقیق اور غور سے کام لیں، جلد بازی سے بچیں اور علم میں اضافے کی صورتیں اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ علاوہ ازیں علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے۔ قرآن میں اسی کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے حاملین کو علماء۔ دیگر چیزوں کا علم، جو انسان کسب معاش کے لیے حاصل کرتا ہے، وہ سب فن ہیں، ہنر ہیں اور صنعت وحرفت ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ جس علم کے لیے دعا فرماتے تھے، وہ وحی و رسالت ہی کا علم ہے جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے جس سے انسان کا ربط و تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا، اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و عدم رضا کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جو آپ پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَايَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ»(سنن ابن ماجہ، حدیث: 251) ”اے اللہ! مجھے میرے علم سے نفع عطا فرما اور مجھے نفع بخش علم عطا کر اور میرے علم میں اضافہ فرما اور ہر حال میں تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

⑧ نسیان، (بھول جانا) ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور ارادے کی کمزوری، یعنی فقدان عزم۔ یہ بھی انسانی طبائع میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں کمزوریاں ہی شیطان کے وسوسوں میں پھنس جانے کا باعث بنتی ہیں۔ اگر ان کمزوریوں میں اللہ کے حکم سے بغاوت و سرکشی کا جذبہ اور اللہ کی نافرمانی کا عزم مصمم شامل نہ ہو تو بھول اور ضعفِ ارادہ سے ہونے والی غلطی عصمت و کمالِ نبوت کے منافی نہیں کیونکہ اس کے بعد انسان فوراً نادم ہو کر اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو جاتا ہے (جیسا کہ آدم علیہ السلام نے بھی کیا) آدم علیہ السلام کو اللہ نے سمجھایا تھا کہ شیطان تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، یہ تمھیں جنت سے نہ نکلوا دے، یہی وہ بات ہے جسے یہاں عہد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے قریب جانے، یعنی اس سے کچھ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ اس درخت کے قریب نہیں جائیں گے لیکن جب شیطان نے اللہ کی قسمیں کھا کر انھیں یہ باور کرایا کہ اس کا پھل تو یہ تاثیر رکھتا ہے کہ جو کھا لیتا ہے، اسے حیات جاودانی اور دائمی بادشاہت مل جاتی ہے تو ارادے پر قائم نہ رہ سکے اور اس فقدان عزم کی وجہ سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو گئے۔

[1] یہ شقاء محنت و مشقت کے معنی میں ہے، یعنی جنت میں کھانے پینے، لباس اور مسکن کی جو سہولتیں بغیر کسی محنت کے حاصل ہیں، جنت سے نکل جانے کی صورت میں ان چاروں چیزوں کے لیے محنت و مشقت کرنی پڑے گی۔ جس طرح کہ ہر انسان کو دنیا میں ان بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ علاوہ ازیں صرف آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ تو محنت و مشقت میں پڑ جائے گا۔

لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿119﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿120﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿121﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿122﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿123﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿124﴾

پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے ﴿119﴾ لیکن شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو ﴿120﴾ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا، پس ان کے ستر کھل گئے اور بہشت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، پس بہک گیا ﴿121﴾[1] پھر اس کے رب نے نوازا اس کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی راہنمائی کی ﴿122﴾[2] فرمایا: تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب تمھارے پاس جب کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا ﴿123﴾ اور ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی،[3] اور ہم اسے بروزِ قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے ﴿124﴾[4]

دونوں کو نہیں کہا گیا، حالانکہ درخت کا پھل کھانے والے آدم اور حوا علیہما السلام دونوں ہی تھے، اس لیے کہ اصل مخاطب آدم ہی تھے۔ نیز بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے، عورت کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس محنت و مشقت سے بچا کر گھر کی ملکہ کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔ لیکن آج کی مغرب زدہ عورت کو یہ ''اعزاز الٰہی'' ''طوق غلامی'' نظر آتا ہے جس سے آزاد ہونے کے لیے وہ بے قرار اور مصروف جہد ہے، آہ! اغوائے شیطانی بھی کتنا مؤثر اور اس کا جال بھی کتنا حسین اور دلفریب ہے۔

① یعنی درخت کا پھل کھا کر نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مطلوب یا راہ راست سے بہک گیا۔

② اس سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے مذکورہ عصیان کا صدور نبوت سے قبل ہوا اور نبوت سے اس کے بعد آپ کو نوازا گیا۔ لیکن ہم نے گزشتہ صفحے میں اس ''معصیت'' کی جو حقیقت بیان کی ہے، وہ عصمت کے منافی نہیں رہتی کیونکہ ایسا سہو و نسیان، جس کا تعلق تبلیغ رسالت اور تشریع سے نہ ہو بلکہ ذاتی افعال سے ہو اور اس میں بھی اس کا سبب ضعف ارادہ ہو تو یہ دراصل وہ معصیت ہی نہیں ہے جس کی بنا پر انسان غضب الٰہی کا مستحق بنتا ہے۔ اس پر جو معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے تو محض ان کی عظمت شان اور مقام بلند کی وجہ سے کہ بڑوں کی معمولی غلطی کو بھی بڑا سمجھ لیا جاتا ہے، جس طرح مشہور ہے کہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ ''نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے حق میں برائیاں متصور ہوتی ہیں۔'' اس لیے آیت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے اس کے بعد اسے نبوت کے لیے چن لیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ندامت اور توبہ کے بعد ہم نے اسے پھر مقام اجتبا پر فائز کر دیا جو پہلے انھیں حاصل تھا۔ ان کو زمین پر اتارنے کا فیصلہ ہماری مشیت اور حکمت و مصلحت پر مبنی تھا، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا عتاب ہے جو آدم پر نازل ہوا ہے۔

③ اس تنگی سے بعض نے عذاب قبر اور بعض نے وہ قلق و اضطراب، بے چینی اور بے کلی مراد لی ہے جس میں اللہ کی یاد سے غافل

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿125﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿126﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿127﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿128﴾ۧ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿129﴾ۭ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

46 — ع 7/13/16

وہ کہے گا کہ الٰہی! مجھے تو نے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا(125) (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جائے گا(126) ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور بے شک آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور (بہت) دیرپا ہے(127) کیا ان کی رہبری اس بات نے بھی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک کر دی ہیں جن کے رہنے سہنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں(128) اگر تیرے رب کی بات پہلے ہی سے مقرر شدہ اور وقت معین کردہ نہ ہوتا تو اسی وقت عذاب آ چمٹتا[1](129) پس ان کی باتوں پر صبر کر اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے، رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ،[2]

بڑے بڑے دولت مند مبتلا رہتے ہیں۔

④ اس سے مراد فی الواقع آنکھوں سے اندھا ہونا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بصیرت سے محرومی مراد ہے، یعنی وہاں اس کو کوئی ایسی دلیل نہیں سوجھے گی جسے پیش کر کے وہ عذاب سے چھوٹ سکے لیکن پہلی بات راجح ہے۔

① یعنی یہ مکذبین اور مشرکین مکہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، جن کے یہ جانشین ہیں اور ان کی رہائش گاہوں سے گزر کر آتے جاتے ہیں انھیں ہم اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، جن کے عبرت ناک انجام میں اہل عقل و دانش کے لیے بڑی نشانیاں ہیں لیکن یہ اہل مکہ ان سے آنکھیں بند کیے ہوئے انھی کی روش اپنائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ وہ اتمام حجت کے بغیر اور اس مدت کے آنے سے پہلے جو وہ مہلت کے لیے کسی قوم کو عطا فرماتا ہے، کسی کو ہلاک نہیں کرتا تو فوراً انھیں عذاب الٰہی آ چمٹتا اور یہ ہلاکت سے دوچار ہو چکے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ تکذیب رسالت کے باوجود اگر ان پر اب تک عذاب نہیں آیا تو یہ نہ سمجھیں کہ آئندہ بھی نہیں آئے گا بلکہ ابھی ان کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے جیسا کہ وہ ہر قوم کو دیتا ہے۔ مہلت عمل ختم ہو جانے کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

② بعض مفسرین کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اس سے پانچ نمازیں مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر، غروب سے قبل عصر، رات کی گھڑیوں سے مغرب وعشاء اور ﴿ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ ﴾ سے ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ ظہر کا وقت نہار اول کا طرف آخر اور نہار آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ویسے ہی اللہ کی تسبیح وتحمید مراد ہے جس میں نماز، تلاوت، ذکر اذکار، دعا و مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی تکذیب سے بددل نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا

بہت ممکن ہے کہ تو راضی ہو جائے ﴿۱۳۰﴾ [1] اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائشِ دنیا کی دے رکھی ہیں تا کہ انھیں اس میں آزمالیں [2] تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے ﴿۱۳۱﴾ [3] اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کر اور خود بھی اس پر جما رہ، [4] ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے ﴿۱۳۲﴾ انھوں نے کہا کہ یہ نبی ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لایا؟ [5] کیا ان کے پاس اگلی کتابوں کی واضح دلیل نہیں پہنچی؟ ﴿۱۳۳﴾ [6] اور اگر ہم اس سے [7] پہلے ہی انھیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً وہ کہہ اٹھتے

اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرمالے گا۔

① یہ متعلق ہے ﴿فَسَبِّحْ﴾ سے، یعنی ان اوقات میں تسبیح کریں، یہ امید رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں آپ کو وہ مقام و درجہ حاصل ہو جائے گا جس سے آپ راضی ہو جائیں۔

② یہ وہی مضمون ہے جو اس سے قبل سورۂ آل عمران 3:196، 197، سورۂ حجر 15:87، 88 اور سورۂ کہف 18:7 وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔

③ اس سے مراد آخرت کا اجر و ثواب ہے جو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے والا بھی۔ حدیث ایلا میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: ''عمر کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟'' عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس طرح آرام و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کا، باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں، یہ حال ہے؟ فرمایا: ''عمر! کیا تم اب تک شک میں ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔'' یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4913، و صحیح مسلم، حدیث: 30-(1479))

④ اس خطاب میں ساری امت نبی ﷺ کے تابع ہے، یعنی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کی تاکید کرتا رہے۔

⑤ یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانی، جیسے ثمود کے لیے اونٹنی ظاہر کی گئی تھی۔

⑥ ان سے مراد تورات، انجیل اور زبور وغیرہ ہیں، یعنی کیا ان میں نبی ﷺ کی صفات موجود نہیں ہیں جن سے ان کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ کیا ان کے پاس پچھلی قوموں کے یہ حالات نہیں پہنچے کہ انھوں نے جب اپنی حسب خواہش معجزے کا مطالبہ کیا اور وہ انھیں دکھا دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تو انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

⑦ مراد آخر الزماں پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿134﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿135﴾

کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے ﴿134﴾ کہہ دیجیے: ہر ایک (انجام کا) منتظر ہے،[1] پس تم بھی انتظار میں رہو۔ ابھی ابھی قطعاً جان لو گے کہ راہ راست والے کون ہیں اور کون راہ یافتہ ہیں ﴿135﴾[2]

[1] یعنی مسلمان اور کافر دونوں اس انتظار میں ہیں کہ دیکھو کفر غالب رہتا ہے یا اسلام غالب آتا ہے؟

[2] اس کا علم تمھیں اس سے ہو جائے گا کہ اللہ کی مدد سے کامیاب اور سرخرو کون ہوتا ہے؟ چنانچہ یہ کامیابی مسلمانوں کے حصے میں آئی جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام ہی سیدھا راستہ اور اس کے حاملین ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اٰيَاتُهَا 112 (21) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ (73) رُكُوْعَاتُهَا 7

سورۂ انبیاء مکی ہے، اس میں 112 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا[1] پھر بھی وہ بے خبری میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ①[2] ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نئی نصیحت آتی ہے، اسے وہ کھیل کود میں ہی سنتے ہیں ②[3] ان کے دل بالکل غافل ہیں اور ان ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ وہ تم ہی جیسا انسان ہے، پھر کیا وجہ ہے جو تم آنکھوں دیکھے جادو میں آ جاتے ہو ③[4] پیغمبر نے کہا: میرا پروردگار ہر اس بات کو جو زمین و آسمان میں ہے بخوبی جانتا ہے، وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ④[5] (اتنا ہی نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعر[6] ہے ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لائے جیسے کہ پہلے پیغمبر بھیجے گئے تھے ⑤[7] ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے اجاڑی سب ایمان سے خالی تھیں۔ تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے ⑥[8]

① وقت حساب سے مراد قیامت ہے جو ہر گھڑی قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے، قریب ہے۔ اور ہر انسان کی موت بجائے خود اس کے لیے قیامت ہے۔ علاوہ ازیں گزرے ہوئے زمانے کے لحاظ سے بھی قیامت قریب ہے کیونکہ جتنا زمانہ گزر چکا ہے۔ باقی رہ جانے والا زمانہ اس سے کم ہے۔

② یعنی اس کی تیاری سے غافل، دنیا کی زینتوں میں گم اور ایمان کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

③ یعنی قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات وضروریات نیا نیا اترتا رہتا ہے، وہ اگرچہ انھی کی نصیحت کے لیے اترتا ہے لیکن وہ اس سے کھیل اور استہزا کرتے ہوئے سنتے ہیں، یعنی اس میں تدبر، غور وفکر نہیں کرتے۔

④ یعنی نبی کا بشر ہونا ان کے لیے ناقابل قبول ہے، پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ تو جادوگر ہے، تم اس کے جادو میں دیکھتے بھالتے کیوں پھنستے ہو؟

⑤ وہ تمام بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کے اعمال سے واقف ہے، تم جو جھوٹ بکتے ہو، اسے سن رہا ہے اور میری سچائی کو اور جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں، اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

⑥ ان سرگوشی کرنے والے ظالموں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کہا کہ یہ قرآن تو پریشان خواب کی طرح پراگندہ افکار کا مجموعہ بلکہ اس کا اپنا گھڑا ہوا ہے بلکہ یہ شاعر ہے اور یہ قرآن کتاب ہدایت نہیں، شاعری ہے، یعنی کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں ہے۔ ہر روز ایک نیا

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ⑧ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ ع

تجھ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر ہم نے بھیجے سبھی مرد[1] تھے جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمھیں علم نہ ہو⑦ [2]ہم نے انھیں ایسے جسّے نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے⑧ [3]پھر ہم نے ان سے کیے ہوئے سب وعدے سچے کیے، انھیں اور جن جن کو ہم نے چاہا نجات عطا فرمائی اور حد سے نکل جانے والوں کو غارت کر دیا⑨ [4]یقیناً ہم نے تمھاری جانب ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمھارا تذکرہ ہے، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟⑩

پینترا بدلتے اور نئی سے نئی الزام تراشی کرتے ہیں۔

⑦ یعنی جس طرح ثمود کے لیے اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور ید بیضا وغیرہ۔

⑧ یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر وہ ایمان لے آئی ہوں بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب وعناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔ آیت میں ﴿قَرْيَةٍ﴾ بستی سے مراد (أهل القرية) بستی کے باشندے ہیں۔

① یہ ان کا رد ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو تمھاری طرح بشر ہے۔ فرمایا: آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے گئے ہیں وہ مرد ہی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ رسالت مَردوں کے ساتھ ہی خاص رہا ہے۔

② ﴿اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ ''اہل علم'' سے مراد اہل کتاب ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے، ان سے پوچھ لو کہ پچھلے انبیاء جو ہو گزرے ہیں، وہ انسان تھے یا غیر انسان؟ وہ تمھیں بتلائیں گے کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے۔ اس سے بعض حضرات ''تقلید'' کا اثبات کرتے ہیں۔ جو غلط ہے۔ تقلید یہ ہے کہ ایک معین شخص اور اس کی طرف منسوب ایک معین فقہ کو مرجع بنایا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ بغیر دلیل کے اس کی بات کو تسلیم کیا جائے۔ جبکہ آیت میں اہل الذکر سے مراد کوئی متعین شخص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ عالم ہے جو تورات و انجیل کا علم رکھتا تھا۔ اس سے تقلید شخصی یا تقلید مطلق کا اثبات ہوتا ہے یا ان کی نفی؟ اس میں تو علماء کی طرف رجوع کرنے کی تاکید ہے جو عوام کے لیے ناگزیر ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔ نہ کہ کسی ایک ہی شخصیت کا دامن پکڑ لینے کا حکم۔ علاوہ ازیں تورات و انجیل منصوص کتابیں تھیں یا انسانوں کی خود ساختہ فقہیں؟ اگر وہ آسمانی کتابیں تھیں تو مطلب یہ ہوا کہ علماء کے ذریعے سے نصوص شریعت معلوم کریں جو آیت کا صحیح مفہوم ہے۔ اور اگر وہ کسی ایک شخص یا ایک استاذ اور اس کے شاگردوں کے اقوال کا مجموعہ تھیں تو پھر یقیناً فقہی تقلید کا جواز اس آیت سے نکل آتا ہے لیکن کیا وہ آسمانی کتابیں واقعی آراء الرجال کا مجموعہ ہی تھیں؟

③ یہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت ہی کی دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور وہ وفات بھی پاتے تھے، اگر وہ بشر نہ ہوتے تو ان چیزوں میں ان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا۔ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 95 اور سورۂ کہف، آیت: 110۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں ① جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا⑪ جب انھوں نے ہمارے عذاب کا احساس کر لیا تو اس سے بھاگنے لگے ⑫ ② بھاگ دوڑ نہ کرو ③ اور جہاں تمھیں آسودگی دی گئی تھی وہیں واپس لوٹو اور اپنے مکانات کی طرف ④ جاؤ تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے ⑬ ⑤ کہنے لگے: ہائے ہماری خرابی! بے شک ہم ظالم تھے ⑭ پھر تو ان کا یہی قول رہا ⑥ یہاں تک کہ ہم نے انھیں جڑ سے کٹے ہوئے (کھیت) اور بجھی پڑی آگ (کی طرح) کر دیا⑮ ⑦ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو طنز اور مذاق کھیلتے ہوئے نہیں بنایا⑯ ⑧ اگر ہم یوں ہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اسے اپنے پاس ہی سے بنا لیتے ⑨ اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے ⑰ ⑩ بلکہ ہم باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں، پس وہ اسے کچل دیتا ہے

④ یعنی وعدے کے مطابق نبیوں کو اور اہل ایمان کو نجات عطا کی اور حد سے تجاوز کرنے والے، یعنی کفار و مشرکین کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

① ﴿قَصَمْنَا﴾ کے معنی ہیں: توڑ پھوڑ کر رکھ دینا اور کَمْ صیغۂ تکثیر ہے، یعنی کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ''قوم نوح کے بعد ہم نے کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں۔'' (بنیٓ إسرآء یل 17:17)

② احساس کے معنی ہیں: حواس کے ذریعے سے ادراک کر لینا، یعنی جب انھوں نے عذاب یا اس کے آثار کو آتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ لیا یا کڑک گرج کی آواز سن کر معلوم کر لیا تو اس سے بچنے کے لیے بھاگنے لگے۔ رَکْضٌ کے معنی ہوتے ہیں کہ آدمی گھوڑے وغیرہ پر بیٹھ کر اس کو دوڑانے کے لیے ایڑ لگائے۔ یہیں سے یہ بھاگنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔

③ یہ فرشتوں نے یا مومنوں نے استہزا کے طور پر کہا۔

④ یعنی جو نعمتیں اور آسائشیں تمھیں حاصل تھیں جو تمھارے کفر اور سرکشی کا باعث تھیں اور وہ مکانات جن میں تم رہتے تھے اور جن کی خوبصورتی اور پائیداری پر فخر کرتے تھے ان کی طرف پلٹو۔

⑤ اور عذاب کے بعد تمھارا حال احوال تو پوچھ لیا جائے کہ تم پر یہ کیا بیتی، کس طرح بیتی اور کیوں بیتی؟ یہ سوال بطور طنز اور استہزا کے ہے ورنہ ہلاکت کے شکنجے میں کسے جانے کے بعد وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی کب رہتے تھے؟

⑥ یعنی جب تک زندگی کے آثار ان کے اندر رہے، وہ اعتراف ظلم کرتے رہے۔

⑦ ﴿حَصِيْدًا﴾ کٹی ہوئی کھیتی کو اور خمود آگ کے بجھ جانے کو کہتے ہیں، یعنی بالآخر وہ کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی طرح راکھ کا ڈھیر ہو گئے، کوئی تاب و توانائی اور حس و حرکت ان کے اندر نہ رہی۔

⑧ بلکہ اس کے کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، مثلاً: بندے میرا ذکر و شکر کریں، نیکوں کو نیکیوں کی جزا اور بدوں کو بدیوں کی سزا دی جائے وغیرہ۔

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿19﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿20﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿21﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے [1] اور تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمھارے لیے باعثِ خرابی ہیں (18) [2] آسمانوں اور زمین میں جو ہے اسی اللہ کا ہے [3] اور جو اس کے پاس ہے [4] وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں (19) وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے (20) کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے جنھیں معبود بنا رکھا ہے، وہ زندہ کر دیتے ہیں (21) [5] اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہو جاتے، [6]

⑨ یعنی اپنے پاس ہی سے کچھ چیزیں کھیل کے لیے بنا لیتے اور اپنا شوق پورا کر لیتے۔ اتنی لمبی چوڑی کائنات بنانے کی اور پھر اس میں ذی روح اور ذی شعور مخلوق بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

⑩ ''اگر ہم کرنے والے ہی ہوتے۔'' عربی اسلوب کے اعتبار سے یہ زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس ترجمہ کے کہ ''ہم کرنے والے ہی نہیں۔'' (فتح القدیر)

① یعنی تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے، اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں، چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو جھوٹ پر یا خیر کو شر پر مارتے ہیں، جس سے شر، باطل اور جھوٹ کا کچومر نکل جاتا ہے اور وہ چشم زدن میں نابود ہو جاتا ہے۔ دَمْغٌ، سر کی ایسی چوٹ کو کہتے ہیں جو دماغ تک پہنچ جائے۔ زَھَقَ کے معنی: ختم یا ہلاک و تلف ہو جانے کے ہیں۔

② یعنی رب کی طرف تم جو بے سروپا باتیں منسوب کرتے یا اس کی بابت باور کراتے ہو، (مثلاً: یہ کائنات ایک کھیل ہے، ایک کھلنڈرے کا شوق فضول ہے وغیرہ) یہ تمھاری ہلاکت کا باعث ہے کیونکہ اسے کھیل تماشہ سمجھنے کی وجہ سے تم حق سے گریز اور باطل کو اختیار کرنے میں کوئی تامل اور خوف محسوس نہیں کرتے جس کا نتیجہ بالآخر تمھاری بربادی اور ہلاکت ہی ہے۔

③ سب اسی کی ملک اور اسی کے غلام ہیں، پھر جب تم کسی غلام کو اپنا بیٹا اور کسی لونڈی کو بیوی بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے مملوکین اور غلاموں میں سے بعض کو بیٹا اور بعض کو بیوی کس طرح بنا سکتا ہے؟

④ اس سے مراد فرشتے ہیں، وہ بھی اس کے غلام اور بندے ہیں، ان الفاظ سے ان کا شرف و اکرام بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اس کی بارگاہ کے مقربین ہیں۔ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔

⑤ استفہام انکاری ہے، یعنی نہیں کر سکتے، پھر وہ ان کو جو کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے اور ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

⑥ یعنی اگر واقعی آسمان و زمین میں دو معبود ہوتے تو کائنات میں تصرف کرنے والی دو ہستیاں ہوتیں، دو کا ارادہ و شعور اور مرضی کارفرما ہوتی اور جب دو ہستیوں کا ارادہ اور فیصلہ کائنات میں چلتا تو یہ نظم کائنات اس طرح قائم رہ ہی نہیں سکتا تھا جو ابتدائے آفرینش سے بغیر کسی ادنیٰ توقف کے قائم چلا آ رہا ہے کیونکہ دونوں کا ارادہ ایک دوسرے سے ٹکراتا، دونوں کی مرضی کا آپس میں تصادم ہوتا، دونوں کے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿22﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿23﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿24﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿25﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿26﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿28﴾ وَمَنْ يَّقُلْ

پس اللہ عرش کا رب (ہر) اس وصف سے پاک ہے جو یہ مشرک بیان کرتے ہیں ﴿22﴾ وہ اپنے کاموں کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں ﴿23﴾ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، ان سے کہہ دو: لاؤ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ ہے میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے اگلوں کی دلیل۔ [1] بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے، پس اسی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں ﴿24﴾ تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو ﴿25﴾ [2] (مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد ہے (غلط ہے) اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ سب اس کے باعزت بندے ہیں ﴿26﴾ کسی بات میں اللہ پر پیش دستی نہیں کرتے بلکہ اس کے فرمان پر کاربند ہیں ﴿27﴾ [3] وہ ان کے آگے پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو، [4] وہ تو خود ہیبتِ الٰہی سے لرزاں و ترساں ہیں ﴿28﴾ اور ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ

اختیارات ایک دوسرے کی مخالف سمت میں استعمال ہوتے۔ جس کا نتیجہ ابتری اور فساد کی صورت میں رونما ہوتا۔ اور اب تک ایسا نہیں ہوا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جس کا ارادہ و مشیت کارفرما ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے، صرف اور صرف اسی کے حکم پر ہوتا ہے، اس کے دیے ہوئے کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ اپنی رحمت روک لے، اس کو دینے والا کوئی نہیں۔

[1] ﴿ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ﴾ سے قرآن اور دوسرے ذکر سے سابقہ کتبِ آسمانی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اور اس سے قبل کی دیگر کتابوں میں، سب میں صرف ایک ہی معبود کی الوہیت و ربوبیت کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ مشرکین اس حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور بدستور اس توحید سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

[2] یعنی تمام پیغمبر بھی یہی توحید کا پیغام لے کر آئے۔

[3] اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ بیٹیاں نہیں، اس کے ذی عزت بندے اور اس کے فرماں بردار ہیں۔ علاوہ ازیں بیٹے، بیٹیوں کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب عالم پیری میں ضعف و اضمحلال کا آغاز ہو جاتا ہے تو اس وقت اولاد سہارا بن جاتی ہے، اسی لیے اولاد کو عصائے پیری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بڑھاپا، ضعف و اضمحلال، ایسے عوارض ہیں جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے، اس لیے اسے اولاد کی یا کسی بھی سہارے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿29﴾ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿30﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿31﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا

دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں،[1] ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿29﴾ کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا[2] کہ آسمان و زمین باہم ملے جلے تھے، پھر ہم نے انھیں جدا کیا[3] اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا[4] کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے؟ ﴿30﴾ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا (نہ) سکے[5] اور ہم نے اس میں[6] کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں ﴿31﴾ آسمان کو محفوظ چھت[7] بھی ہم ہی نے بنایا ہے۔ لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان

---

④ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین کے علاوہ فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن یہ سفارش انھی کے حق میں ہوگی جن کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سفارش اپنے نافرمان بندوں کے لیے نہیں، صرف گناہ گار مگر فرماں بردار بندوں، یعنی اہل ایمان و توحید ہی کے لیے پسند فرمائے گا۔

① یعنی ان فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی الٰہ ہونے کا دعویٰ کر دے تو ہم اسے بھی جہنم میں پھینک دیں گے۔ یہ شرطیہ کلام ہے جس کا وقوع ضروری نہیں۔ مقصد، شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے، جیسے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیجیے کہ اگر رحمٰن کی اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں سے ہوں گا۔'' ﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر 65:39) ''(اے پیغمبر!) اگر تو بھی شرک کرے تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے۔'' یہ سب مشروط ہیں جن کا وقوع غیر ضروری ہے۔

② اس سے رؤیت عینی نہیں رؤیت قلبی مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے غور و فکر نہیں کیا؟ یا انھوں نے جانا نہیں؟

③ ﴿رَتْقًا﴾ کے معنی: بند کے اور فَتْقٌ کے معنی: پھاڑنے، کھولنے اور الگ الگ کرنے کے ہیں، یعنی آسمان و زمین، ابتدائے امر میں باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ہم نے ان کو ایک دوسرے سے الگ کیا، آسمانوں کو اوپر کر دیا اور زمین کو اپنی جگہ پر رہنے دیا۔

④ اس سے مراد اگر بارش اور چشموں کا پانی ہے، تب بھی واضح ہے کہ اس سے روئیدگی ہوتی اور ہر ذی روح کو حیاتِ نو ملتی ہے اور اگر مراد نطفہ ہے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں کہ ہر زندہ چیز کے وجود کا باعث وہ قطرۂ آب ہے جو نر کی صلب سے نکلتا اور مادہ کے رحم میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔

⑤ یعنی اگر زمین پر یہ بڑے بڑے پہاڑ نہ ہوتے تو زمین میں جنبش اور لرزش ہوتی رہتی جس کی وجہ سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے زمین مسکن اور مستقر بننے کی صلاحیت سے محروم رہتی۔ ہم نے پہاڑوں کا بوجھ اس پر ڈال کر اسے ڈانوا ڈول ہونے سے محفوظ کر دیا۔

⑥ اس سے مراد زمین یا پہاڑ ہیں، یعنی زمین میں کشادہ راستے بنا دیے یا پہاڑوں میں درے رکھ دیے جس سے ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں آنا جانا آسان ہو گیا۔ ﴿یَهْتَدُوْنَ﴾ کا ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے: تاکہ وہ ان کے ذریعے سے اپنی

مُعْرِضُوْنَ ﴿32﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿33﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿34﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿35﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿36﴾

ہی نہیں دھرتے ﴿32﴾ وہ اللہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔[1] ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتا پھرتا ہے ﴿33﴾[2] آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے ﴿34﴾[3] ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں[4] اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿35﴾[5] یہ منکرین تجھے جب بھی دیکھتے ہیں تو تمھارا مذاق ہی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی وہ ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کرتا ہے؟ اور وہ خود رحمٰن کی یاد کے بالکل ہی منکر ہیں ﴿36﴾[6]

معاش کے مصالح و مفادات حاصل کر سکیں۔

⑦ ﴿سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ محفوظ چھت، جس طرح خیمے اور قبے کی چھت ہوتی ہے۔ یا اس معنی میں محفوظ کہ ان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے ورنہ آسمان زمین پر گر پڑیں تو زمین کا سارا نظام تہ و بالا ہو سکتا ہے۔ یا شیاطین سے محفوظ، جیسے فرمایا: ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾ (الحجر 17:15) ''ہم نے ان (آسمانوں) کی ہر شیطان مردود سے حفاظت کی۔''

① یعنی رات کو آرام اور دن کو معاش کے لیے بنایا، سورج کو دن کی نشانی چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینوں اور سالوں کا حساب کیا جا سکے جو انسان کی اہم ضروریات میں سے ہے۔

② جس طرح پیراک سطح آب پر تیرتا ہے، اسی طرح چاند اور سورج اپنے اپنے مدار پر تیرتے، یعنی رواں دواں رہتے ہیں۔

③ یہ کفار کے جواب میں ہے جو نبی ﷺ کی بابت کہتے تھے کہ ایک دن اسے مر ہی جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موت تو ہر انسان کو آنی ہے اور اس اصول سے یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ بھی مستثنیٰ نہیں کیونکہ وہ بھی انسان ہی ہیں اور ہم نے کسی انسان کے لیے بھی دوام اور ہمیشگی نہیں رکھی ہے۔ لیکن کیا یہ بات کہنے والے خود نہیں مریں گے؟ اس سے صنم پرستوں کی بھی تردید ہو گئی جو دیوتاؤں کی اور انبیاء و اولیاء کی زندگی کے قائل ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيدَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِي تُعَارِضُ الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ.

④ یعنی کبھی مصائب و آلام سے دوچار کر کے اور کبھی دنیا کے وسائل فراواں سے بہرہ ور کر کے۔ کبھی صحت و فراخی کے ذریعے سے اور کبھی تنگی و بیماری کے ذریعے سے، کبھی تونگری دے کر اور کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے ہم آزماتے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کہ شکر گزاری کون کرتا ہے اور ناشکری کون؟ صبر کون کرتا ہے اور ناصبری کون؟ شکر اور صبر رضائے الٰہی کا اور کفران نعمت اور ناصبری غضب الٰہی کا موجب ہے۔

⑤ وہاں تمھارے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دیں گے۔ اول الذکر لوگوں کے لیے بھلائی اور دوسروں کے لیے برائی ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾ (الزلزال 8،7:99)

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿37﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿39﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿40﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿41﴾ ع قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ

انسان جلد باز مخلوق ہے میں تمھیں اپنی نشانیاں ابھی ابھی دکھاؤں گا تم مجھ سے جلدی نہ کرو[1]﴿37﴾ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتادو کہ یہ وعدہ کب ہے﴿38﴾ کاش! یہ کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ کافر آگ کو اپنے چہروں سے ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی﴿39﴾[2] (ہاں ہاں!) وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آجائے گی اور انھیں ہکا بکا کر دے گی،[3] پھر نہ تو یہ لوگ اسے ٹال سکیں گے اور نہ ذرا سی بھی مہلت دیے[4] جائیں گے﴿40﴾ اور تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی مذاق کیا گیا پس ہنسی کرنے والوں ہی کو اس چیز نے گھیر لیا جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے﴿41﴾[5] ان سے پوچھیے کہ رحمٰن (کے عذاب) سے، دن اور رات تمھاری حفاظت کون کرتا

⑥ اس کے باوجود یہ رسول اللہ ﷺ کا استہزا و مذاق اڑاتے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴾ (الفرقان 41:25) ''جب (اے پیغمبر!) یہ کفار مکہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟''

① یہ کفار کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں ہے کہ چونکہ انسان کی فطرت میں عجلت اور جلد بازی ہے، اس لیے وہ پیغمبر سے بھی جلدی مطالبہ کرنے لگ جاتا ہے کہ اپنے اللہ سے کہہ کر ہم پر فوراً عذاب نازل کروا دے۔ اللہ نے فرمایا: جلدی مت کرو، میں عنقریب اپنی نشانیاں تمھیں دکھاؤں گا۔ ان نشانیوں سے مراد عذاب بھی ہو سکتا ہے اور صداقت رسول ﷺ کے دلائل و براہین بھی۔

② اس کا جواب محذوف ہے، یعنی اگر یہ جان لیتے تو پھر عذاب کا جلدی مطالبہ نہ کرتے یا یقیناً جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے یا کفر پر قائم نہ رہتے بلکہ ایمان لے آتے۔

③ یعنی انھیں کچھ سجھائی نہیں دے گا کہ وہ کیا کریں؟

④ کہ وہ توبہ و اعتذار کا اہتمام کرلیں۔

⑤ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مشرکین کے استہزا اور تکذیب سے بددل نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تجھ سے پہلے آنے والے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، بالآخر وہی عذاب ان پر الٹ پڑا، یعنی اس نے انھیں گھیر لیا، جس کا وہ استہزا اڑایا کرتے تھے اور جس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد تھا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ﴾ (الأنعام 34:6) ''تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے گئے، پس انھوں نے تکذیب پر اور ان تکلیفوں پر جو انھیں دی گئیں، صبر کیا، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی۔'' رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے ساتھ کفار و مشرکین کے لیے اس میں تہدید و وعید بھی ہے۔

هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿42﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿43﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿45﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿46﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ

ہے؟[1] بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے پھرے ہوئے ہیں﴿42﴾ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں جو انھیں مصیبتوں سے بچالیں۔ وہ تو خود اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی انھیں ہماری رفاقت ہی نصیب ہے﴿43﴾[2] بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو زندگی کے سروسامان دیے یہاں تک کہ ان پر طویل مدت گزر گئی۔[3] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں،[4] اب کیا وہی غالب ہیں؟﴿44﴾[5] کہہ دیجیے: میں تو تمھیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انھیں آگاہ کیا جائے﴿45﴾[6] اگر انھیں تیرے رب کے کسی عذاب کا جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھیں کہ ہائے ہماری بدبختی! یقیناً ہم گناہ گار تھے﴿46﴾[7] اور قیامت کے دن ہم (لوگوں کے اعمال تولنے کے لیے) میزان عدل قائم کریں گے۔

---

① یعنی تمھارے جو کرتوت ہیں، وہ تو ایسے ہیں کہ دن یا رات کی کسی بھی گھڑی میں تم پر عذاب آسکتا ہے؟ اس عذاب سے دن اور رات میں تمھاری کون حفاظت کرتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے جو عذاب الٰہی سے تمھاری حفاظت کر سکے؟

② اس کے معنی ہیں: وَلَا هُمْ يُجَارُوْنَ مِنْ عَذَابِنَا "نہ وہ ہمارے عذاب ہی سے محفوظ ہیں۔" یعنی وہ خود اپنی مدد پر اور اللہ کے عذاب سے بچنے پر قادر نہیں ہیں، پھر ان کی طرف سے ان کی مدد کیا ہونی ہے اور وہ انھیں عذاب سے کس طرح بچا سکتے ہیں؟

③ یعنی ان کی یا ان کے آباء واجداد کی زندگیاں اگر عیش و راحت میں گزر گئیں تو کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں؟ اور آئندہ بھی انھیں کچھ نہیں ہوگا؟ نہیں بلکہ یہ چند روزہ زندگی کا آرام تو ہمارے اصول مہلت کا ایک حصہ ہے، اس سے کسی کو دھوکا اور فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

④ یعنی ارض کفر بتدریج گھٹ رہی ہے اور دولت اسلام وسعت پذیر ہے۔ کفر کے پیروں تلے سے زمین کھسک رہی ہے اور اسلام کا غلبہ بڑھ رہا ہے اور مسلمان علاقے پر علاقہ فتح کرتے چلے جارہے ہیں۔

⑤ یعنی کیا وہ کافر کفر کو سمٹتا اور اسلام کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب ہیں؟ استفہام انکاری ہے، یعنی وہ غالب نہیں، مغلوب ہیں۔ فاتح نہیں، مفتوح ہیں۔ معزز و سرفراز نہیں، ذلت و خواری ان کا مقدر ہے۔

⑥ یعنی وحی (قرآن وسنت) سنا کر انھیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور یہی میری ذمہ داری اور منصب ہے۔ لیکن جن لوگوں کے کانوں کو اللہ نے حق کے سننے سے بہرا کر دیا، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور دلوں پر مہر لگا دی، ان پر اس قرآن کا اور وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

⑦ یعنی عذاب کا ایک ہلکا سا چھینٹا اور تھوڑا حصہ بھی پہنچے گا تو پکار اٹھیں گے اور اعتراف ظلم کرنے لگ جائیں گے۔

شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿49﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے ﴿47﴾ [1] یہ بالکل سچ ہے کہ ہم نے موسیٰ و ہارون کو فیصلے کرنے والی اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ ونصیحت والی نورانی کتاب عطا فرمائی ہے ﴿48﴾ [2] وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں ﴿49﴾ [3] اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو؟ ﴿50﴾ [4] یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ بخشی تھی [5] اور ہم اس کے احوال سے بخوبی [6] واقف تھے ﴿51﴾ جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم

① ﴿الْمَوَازِيْنَ﴾ مِيزَانٌ (ترازو) کی جمع ہے۔وزن اعمال کے لیے قیامت والے دن یا تو کئی ترازوئیں ہوں گی یا ترازو تو ایک ہی ہو گی محض تَفْخِيم شان کے لیے یا تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔انسان کے اعمال تو اعراض ہیں، یعنی ان کا کوئی ظاہری وجود یا جسم تو ہے نہیں، پھر وزن کس طرح ہوگا؟ یہ سوال آج سے قبل تک تو شاید کوئی اہمیت رکھتا ہو۔لیکن آج سائنسی ایجادات نے اسے سمجھنا ممکن بنا دیا ہے،اب ان ایجادات کے ذریعے سے اعراض کا اور بے وزن چیزوں کا وزن بھی تولا جانے لگا ہے۔ جب انسان اس بات پر قادر ہوگیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ان اعمال کا جو اعراض ہیں وزن کرنا کون سا مشکل امر ہے،اس کی تو شان ہی ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (الملك 1:67) ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ ان اعراض کو وہ اجسام میں بدل دے اور پھر وزن کرے جیسا کہ احادیث میں بعض اعمال کے مجسم ہونے کا ثبوت ملتا ہے،مثلاً: صاحب قرآن کے لیے قرآن ایک خوش شکل نوجوان کی شکل میں آئے گا، وہ پوچھے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کہ میں قرآن ہوں جسے تو راتوں کو بیدار رہ کر اور دن کو پیاسا رہ کر پڑھا کرتا تھا۔(مسند أحمد: 348/5 و 352، وسنن ابن ماجه، حديث: 3781) اسی طرح مومن کی قبر میں عمل صالح ایک خوش رنگ اور معطر نوجوان کی شکل میں آئے گا اور کافر و منافق کے پاس اس کے برعکس شکل میں۔(مسند أحمد: 287/4) اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 7:7 کا حاشیہ۔﴿الْقِسْطَ﴾ مصدر اور ﴿الْمَوَازِيْنَ﴾ کی صفت ہے۔معنی ہیں: ذَوَاتُ قِسطِ الانصاف والی ترازو یا ترازوئیں۔

② یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (البقرة 2:2) کہا گیا ہے کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور وفکر کیا جائے۔

③ یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔

④ یہ قرآن جو یاد دہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے،اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔تم اس

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿53﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿54﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ

سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟﴿52﴾ [1] سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرتے ہوئے پایا﴿53﴾ [2] آپ نے فرمایا: پھر تو تم اور تمھارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے﴿54﴾ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں﴿55﴾ [3] آپ نے فرمایا: نہیں در حقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان و زمین کا مالک ہے جس نے انھیں پیدا کیا ہے، میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں﴿56﴾ [4] اور اللہ کی قسم! میں تمھارے معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیٹھ پھیر کر چل دو گے ایک چال چلوں گا﴿57﴾ [5] پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے

کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو جبکہ تمھیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

(5) ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو عطائے تورات سے پہلے کا ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی۔

(6) یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے۔

(1) ﴿التَّمَاثِيْلُ﴾ تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں، جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ﴿عٰكِفُوْنَ﴾ عُكُوْفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تمثالیں (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھ عطا فرمائے۔

(2) جس طرح آج بھی جہالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انھیں کس طرح چھوڑیں جبکہ ہمارے آباء و اجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کر کے اپنے امام اور ان کی طرف منسوب فقہ سے چمٹے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

(3) یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انھوں نے سوچا، پتہ نہیں، ابراہیم (علیہ السلام) ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

(4) یعنی میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم و یقین (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمھارا معبود یہ مورتیاں نہیں بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

(5) یہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا اور بعض کو مخاطب کر کے کہا۔ بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا، جسے بعض لوگوں نے سن لیا۔

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿58﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿59﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿60﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿61﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿62﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿63﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿64﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى

ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا، یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں ﴿58﴾ [1] کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے ﴿59﴾ [2] بولے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ﴿60﴾ [3] سب نے کہا: اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں ﴿61﴾ [4] کہنے لگے: اے ابراہیم! کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ﴿62﴾ آپ نے جواب دیا: بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے، تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں ﴿63﴾ [5] پس یہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے اور کہنے لگے: واقعی ظالم تو تم ہی ہو ﴿64﴾ [6] پھر اپنے سروں کے

والله أعلم. کَیْدَ (خفیہ تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تَغْییرِ منکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے، یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔

① چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن منا رہے تھے، ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جان کر انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا، مفسرین کہتے ہیں کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی تا کہ وہ اس سے پوچھیں۔

② یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو ٹوٹے پڑے ہیں تو کہنے لگے: یہ کوئی ظالم شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔

③ ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا، وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

④ یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تا کہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔

⑤ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہوگا، اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو سہی۔ یہ بطور تعریض اور تَبْکِیت کے انھوں نے کہا تا کہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا، نہ اس پر الٰہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ ﴾ کو لفظ کذب سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے، دو اللہ کے لیے، ایک ﴿ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴾ اور دوسرا یہی۔ اور تیسرا حضرت سارہ (اپنی بیوی) کو بہن کہنا۔ (صحیح البخاري، حديث: 3358) زمانۂ حال کے بعض مفسرین نے اس صحیح حدیث کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انھیں جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گو یہ کذب اللہ کے ہاں قابل مؤاخذہ نہیں ہے کیونکہ

رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿66﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿68﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾

بل اوندھے ہو گئے (اور کہنے لگے کہ) یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں ﴿65﴾[1] (اللہ کے خلیل نے) اسی وقت فرمایا: افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان؟ ﴿66﴾ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمھیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟ ﴿67﴾[2] کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے ﴿68﴾[3] ہم نے فرما دیا: اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم کے لیے سلامتی اور آرام کی چیز بن جا ﴿69﴾

وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ درآں حالیکہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقتاً کذب نہ ہو، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عَصٰی اور غَوٰی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعلِ اکلِ شجر کو نسیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتلایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مِن وَجہٍ اس میں استحسان اور من وجہ ظاہری قباحت کا پہلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا، بتوں کو انھوں نے خود توڑا تھا لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا، اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کی بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات و اظہار کا ایک انداز کہیں گے۔ علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے، وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ درآں حالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں، یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن، خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہو گی۔

⑥ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو لاجواب ہو کر کہنے لگے: واقعی ظالم تو تم ہی ہو، جو اپنی جان سے دفع مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں، وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ معبودوں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔

① پھر اے ابراہیم! تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو: اگر یہ بول سکتے ہیں جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔

② یعنی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

③ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی حجت تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر واضح کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفر و شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا تھا، اس لیے بجائے اس کے کہ وہ

وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ۚ﴿70﴾ وَنَجَّيۡنٰهُ وَلُوۡطًا اِلَى الۡاَرۡضِ الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿71﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِيۡنَ ﴿72﴾ وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ۙۚ﴿73﴾ وَلُوۡطًا اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا وَّنَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِيۡنَ ۙ﴿74﴾ وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿75﴾ ع وَنُوۡحًا اِذۡ نَادٰى مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ

گو انھوں نے ابراہیم کا برا چاہا لیکن ہم نے انھیں ناکام بنا دیا﴿70﴾ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی﴿71﴾[1] اور ہم نے اسے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید[2] اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا﴿72﴾ اور ہم نے انھیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکاۃ دینے کی وحی کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے﴿73﴾ اور ہم نے لوط کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گناہ گار﴿74﴾ اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا﴿75﴾[3] نوح کے اس وقت کو یاد کیجیے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی، ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے

شرک سے تائب ہوتے، الٹا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انھیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی، چنانچہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ منجنیق کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ٹھنڈی کے ساتھ ''سلامتی'' نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہر حال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچا لیا۔

[1] اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیاء کا مسکن ہونے کے لحاظ سے بابرکت کہا گیا ہے۔

[2] ﴿نَافِلَةً﴾ زائد کو کہتے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

[3] حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت، یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرۂ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرۂ مردار کا جز ہے۔ ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گزرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا، انھیں تنگ کرنا اور

الْعَظِيْمِ ﴿76﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿77﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿78﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿79﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ

نجات دی﴿76﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی ، یقیناً وہ برے لوگ تھے، پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا﴿77﴾ اور داود اور سلیمان کو یاد کیجیے جبکہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چگ گئی تھیں اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے ﴿78﴾ ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا۔[1] ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور داود کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیے تھے جو تسبیح کرتے[2] تھے اور پرند بھی۔[3] اور ہم ہی کرنے والے تھے ﴿79﴾[4] اور ہم نے اسے تمھارے لیے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے

ریزے پھینکنا وغیرہ میں بدنام تھی جسے اللہ نے یہاں خبائث (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے، یعنی انھیں بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

① مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے، جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حکمران بھی تھے، فیصلہ دیا کہ بکریاں کھیت والا لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں، وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکریوں والے کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کر کے اسے صحیح کرے، جب وہ اس حالت میں آ جائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی، کھیتی والے کو اور بکریاں، بکریوں والے کو واپس کر دی جائیں۔ پہلے فیصلے کے مقابلے میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا جبکہ پہلے فیصلے میں بکریوں والا اپنی بکریوں سے محروم کر دیا گیا تھا، تاہم اللہ نے حضرت داود علیہ السلام کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (داود اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد بیک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے، ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہوگا اور دوسرا مخطی (غلط فیصلہ کرنے والا)، البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد مخطی عنداللہ گناہ گار نہیں ہوگا بلکہ اسے ایک اجر ملے گا۔ کما في الحديث (فتح القدير)

② اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ ومہ کی اونچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے بلکہ مطلب حضرت داود علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے۔ نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا۔

③ یعنی پرندے بھی داود علیہ السلام کی پرسوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے۔ ﴿وَالطَّيْرَ﴾ یا تو مفتوح ہے اور اس کا عطف ﴿الْجِبَالَ﴾ پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے، یعنی وَالطَّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر

بِاَسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿80﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿81﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿82﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿83﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ

تمھارا بچاؤ ہو۔[1] کیا تم شکر گزار بنو گے؟﴿80﴾ ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا[2] جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور ہم ہر چیز سے باخبر ہیں﴿81﴾ اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے،[3] ان کے نگہبان ہم ہی تھے﴿82﴾[4] ایوب کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے﴿83﴾ تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ اسے تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ اپنی خاص مہربانی[5]

دیے گئے تھے۔ (فتح القدیر)

④ یعنی یہ تفہیم، حکم اور تسخیر، ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے، اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

① یعنی لوہے کو ہم نے داود علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا، وہ اس سے جنگی لباس، لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے جو جنگ میں تمھاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنھوں نے کنڈے دار اور حلقے والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر)

② یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے، اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے، ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

③ جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے، اسی طرح دیگر عمارتی کام، جو آپ چاہتے، کرتے تھے۔

④ یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے، اس سے ہم نے سلیمان کی حفاظت کی اور وہ ان کے آگے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

⑤ قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے۔ (صٓ 38:44) اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انھوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں، اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی، تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مال و دولت اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا، بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ 18 سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الٰہی میں دعا کی، اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد پہلے سے دوگنا عطا فرمائے۔ اس کی

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿84﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿85﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿86﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿87﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿89﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ

سے ان کے ساتھ ویسے ہی اور تاکہ (سچے) بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو﴿84﴾ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل،[1] یہ سب صابر لوگ تھے﴿85﴾ ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یہ سب لوگ نیک تھے﴿86﴾ مچھلی والے[2] کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں[3] کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہو گیا﴿87﴾ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیا کرتے ہیں﴿88﴾[4] اور زکریا کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے﴿89﴾ تو ہم نے

کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ (صحيح ابن حبان: 244/4، ومجمع الزوائد: 381/8) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے، جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا، البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ''ہم نے قبول کر لی'' کے الفاظ استعمال فرمائے۔

① ذُوالْکِفْل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان کی بابت توقف اختیار کیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ والله أعلم.

② مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انھیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے کر اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیے تھے جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انھیں مچھلی کا لقمہ بنا دیا، اس کی کچھ تفصیل سورۂ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورۂ صافات میں آئے گی۔

③ ﴿الظُّلُمٰتِ﴾ ظُلْمَةٌ کی جمع ہے، بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا، سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔

④ ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شدائد اور مصیبتوں میں پکارے گا، ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے بھی ان الفاظ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3505 وصححه الألباني)

وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿90﴾ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿91﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿92﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿93﴾ ع فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿94﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿95﴾ حَتّٰٓى

اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا[1] اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔[2] یہ (بزرگ) لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے﴿90﴾[3] اور وہ پاک دامن عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پس ہم نے اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اور خود اسے اور اس کے لڑکے کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا﴿91﴾[4] یہ تمھاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے،[5] اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس تم میری ہی عبادت کرو﴿92﴾ مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کر لیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں﴿93﴾[6] پھر جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن (بھی) ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ ہم تو اس کے لکھنے والے ہیں﴿94﴾ اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر لازم ہے کہ وہاں کے لوگ پلٹ کر نہیں آئیں گے﴿95﴾[7] یہاں تک کہ

[1] حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا، اس کی ضروری تفصیل سورۂ آل عمران 3:38-41 اور سورۂ مریم 19:1-15 میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

[2] یعنی وہ بانجھ اور ناقابل اولاد تھی، ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔

[3] گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: الحاح وزاری کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دعا و مناجات، نیکی کے کاموں میں سبقت، خوف و طمع کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا اور اس کے سامنے عاجزی اور خشوع و خضوع کا اظہار۔

[4] یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

[5] ﴿اُمَّةً﴾ سے مراد یہاں دین یا ملت ہے، یعنی تمھارا دین یا ملت ایک ہی ہے اور وہ دین ہے دین توحید جس کی دعوت تمام انبیاء نے دی اور ملت، ملت اسلام ہے جو تمام انبیاء کی ملت رہی ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم انبیاء کی جماعت اولاد علات ہیں، (جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں) ہمارا دین ایک ہی ہے۔'' (ابن کثیر)

[6] یعنی دین توحید اور عبادت رب کو چھوڑ کر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو مشرکین اور کفار کا ہو گیا اور انبیاء و رسل کے ماننے والے بھی احزاب بن گئے، کوئی یہودی ہو گیا، کوئی عیسائی، کوئی کچھ اور۔ اور بدقسمتی سے یہ فرقہ بندیاں خود مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئیں اور یہ بھی بیسیوں فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان سب کا فیصلہ، جب یہ بارگاہ الٰہی میں لوٹ کر جائیں گے تو وہیں ہوگا۔

[7] ﴿حَرٰمٌ﴾ واجب کے معنی میں ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ یا پھر ﴿لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ میں (لا) زائد ہے، یعنی جس بستی کو

اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿96﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿97﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿98﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿99﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾ اِنَّ

یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ﴿96﴾ [1] اور سچا وعدہ قریب آ لگے گا اس وقت کافروں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی [2] کہ ہائے افسوس! ہم اس حال سے غافل تھے بلکہ فی الواقع ہم قصوروار تھے ﴿97﴾ تم اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن بنو گے۔ تم سب دوزخ میں جانے والے ہو ﴿98﴾ [3] اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ﴿99﴾ [4] یہ وہاں چلّا رہے ہونگے اور وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے ﴿100﴾ [5] بے شک

ہم نے ہلاک کر دیا، اس کا دنیا میں پلٹ کر آنا حرام ہے۔

[1] یاجوج وماجوج کی ضروری تفصیل سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا اور اتنی تیزی اور کثرت سے یہ ہر طرف پھیل جائیں گے کہ ہر اونچی جگہ سے یہ دوڑتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ ان کی فسادانگیزیوں اور شرارتوں سے اہل ایمان سخت پریشان ہوں گے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ساتھ لے کر کوہ طور پر پناہ گزیں ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی لاشوں کی سڑاند اور بدبو ہر طرف پھیلی ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے، پھر ایک زوردار بارش نازل فرمائے گا جس سے ساری زمین صاف ہو جائے گی۔ (یہ ساری تفصیلات صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

[2] یعنی یاجوج وماجوج کے خروج کے بعد قیامت کا وعدہ، جو برحق ہے، بالکل قریب آ جائے گا اور جب یہ قیامت برپا ہوگی تو شدت ہولناکی کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

[3] یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لات ومنات اور عزیٰ وہبل کی پوجا کرتے تھے۔ یہ سب پتھر کی مورتیاں تھیں۔ جو جمادات، یعنی غیر عاقل تھیں، اسی لیے آیت میں ﴿وَمَا تَعْبُدُوْنَ﴾ کے الفاظ ہیں اور عربی میں "ما" غیر عاقل کے لیے آتا ہے، یعنی کہا جا رہا ہے کہ تم بھی اور تمھارے یہ معبود بھی جن کی مورتیاں بنا کر تم نے عبادت کے لیے رکھی ہوئی ہیں، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کا اگرچہ کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ وہ تو غیر عاقل اور بے شعور ہیں۔ لیکن انھیں پجاریوں کے ساتھ جہنم میں صرف مشرکوں کو مزید ذلیل ورسوا کرنے کے لیے ڈالا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اپنا سہارا سمجھتے تھے، وہ بھی تمھارے ساتھ ہی جہنم میں اس کا ایندھن ہیں۔

[4] یعنی اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو بااختیار ہوتے اور تمھیں جہنم میں جانے سے روک لیتے۔ لیکن وہ تو خود بھی جہنم میں بطور عبرت کے جا رہے ہیں۔ تمھیں جانے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔ نتیجتاً عابد ومعبود دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

[5] یعنی سارے کے سارے شدت غم والم سے چیخ اور چلّا رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی آواز بھی نہیں سن سکیں گے۔

الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿101﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿102﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿103﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿104﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿105﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿106﴾ وَمَآ

جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے۔ وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے [1] ﴿101﴾ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے۔ اور اپنی من بھاتی چیزوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿102﴾ وہ بڑی گھبراہٹ [2] (بھی) انھیں غمگین نہ کر سکے گی اور فرشتے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہی تمھارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ دیے جاتے رہے ﴿103﴾ جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ لیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں [3] جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے ﴿104﴾ یقیناً ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے [4] (ہی) ہوں گے ﴿105﴾ عبادت گزار بندوں کے لیے تو اس میں یقیناً ایک بڑا پیغام ہے [5] ﴿106﴾ اور ہم

① بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا تھا یا مشرکین کی طرف سے پیدا کیا جا سکتا تھا جیسا کہ فی الواقع کیا جاتا ہے کہ عبادت تو حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام فرشتوں اور بہت سے صالحین کی بھی کی جاتی ہے تو کیا یہ بھی اپنے عابدین کے ساتھ جہنم میں ڈالے جائیں گے؟ اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو اللہ کے نیک بندے تھے جن کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ کی طرف سے ان کے لیے نیکی، یعنی سعادت ابدی یا بشارت جنت ٹھہرائی جا چکی ہے۔ یہ جہنم سے دور ہی رہیں گے۔ انھی الفاظ سے یہ مفہوم بھی واضح طور پر نکلتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں یہ خواہش رکھتے ہوں گے کہ ان کی قبروں پر بھی قبے بنیں اور لوگ انھیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان کے نام کی نذر و نیاز دیں اور ان کی پرستش کریں، یہ بھی پتھر کی مورتیوں کی طرح جہنم کا ایندھن ہوں گے کیونکہ غیر اللہ کی پرستش کے داعی ﴿سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى﴾ میں یقیناً نہیں آتے۔

② بڑی گھبراہٹ سے موت یا صور اسرافیل مراد ہے یا وہ لمحہ جب دوزخ اور جنت کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ دوسری بات، یعنی صور اسرافیل اور قیام قیامت سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

③ یعنی جس طرح کاتب لکھنے کے بعد اوراق یا رجسٹر لپیٹ کر رکھ دیتا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ (الزمر 67:39) "آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔" سجل کے معنی صحیفے اور رجسٹر کے ہیں۔ ﴿لِلْكُتُبِ﴾ میں لام بمعنی علٰی ہے اور کتب بمعنی مکتوب (تحریر) ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کاتب کے لیے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ لینا جس طرح آسان ہے، اسی طرح اللہ کے لیے آسمان کی وسعتوں کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

④ ﴿الزَّبُوْرِ﴾ سے مراد یا تو زبور ہی ہے اور ﴿الذِّكْرِ﴾ سے مراد پند و نصیحت، جیسا کہ ترجمہ میں درج ہے یا پھر زبور سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے، یعنی پہلے تو لوح محفوظ میں یہ بات درج ہے اور اس کے بعد آسمانی کتابوں میں

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿107﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿108﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ

نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے ﴿107﴾ [1] کہہ دیجیے: میرے پاس تو بس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے تو کیا تم بھی اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو؟ ﴿108﴾ [2] پھر اگر یہ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تمھیں یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔ [3] مجھے علم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے

بھی یہ بات لکھی جاتی رہی ہے کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ زمین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک جنت ہے اور بعض کے نزدیک ارض کفار، یعنی اللہ کے نیک بندے زمین میں اقتدار کے مالک ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان جب تک اللہ کے نیک بندے رہے، وہ دنیا میں با اقتدار اور سرخرو رہے اور آئندہ بھی جب کبھی وہ اس صفت کے حامل ہوں گے، اسُ وعدۂ الٰہی کے مطابق زمین کا اقتدار انھی کے پاس ہوگا، اس لیے مسلمانوں کی محرومیٔ اقتدار کی موجودہ صورت کسی اشکال کا باعث نہیں بنی چاہیے۔ یہ وعدہ مشروط ہے صالحیت عباد کے ساتھ۔ اور إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ، فَاتَ الْمَشْرُوطُ کے مطابق جب مسلمان اس خوبی سے محروم ہو گئے تو اقتدار سے بھی محروم کر دیے گئے۔ اس میں گویا حصول اقتدار کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہ ہے صالحیت، یعنی اللہ رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کے حدود وضابطوں پر کار بند رہنا۔

(5) ﴿فِيْ هٰذَا﴾ سے مراد وہ وعظ و تنبیہ ہے جو اس سورت میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔ بلاغ سے مراد کفایت و منفعت ہے، یعنی وہ کافی اور مفید ہے۔ یا اس سے مراد قرآن مجید ہے جس میں مسلمانوں کے لیے منفعت اور کفایت ہے۔ عابدین سے مراد خشوع و خضوع سے اللہ کی عبادت کرنے والے اور شیطان اور خواہشات نفس پر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینے والے ہیں۔

(1) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا، اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا، نتیجتاً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہوگا اور چونکہ آپ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے، اس لیے آپ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر، یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ کی وجہ سے یہ امت بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی، جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں، امت محمدیہ (جو امت اجابت اور امت دعوت دونوں کے اعتبار سے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) پر اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا۔ «إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَّإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً» (صحيح مسلم، حديث: 2599) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعن طعن کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینے کی اللہ سے دعا کرنا بھی آپ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 4659، ومسند أحمد: 437/5، وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 1758) اسی لیے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ» (صحيح الجامع الصغير: 463/1، حديث: 2345) ''میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔''

(2) اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اصل رحمت توحید کو اپنا لینا اور شرک سے بچ جانا ہے۔

(3) یعنی جس طرح میں جانتا ہوں کہ تم میری دعوت توحید و اسلام سے منہ موڑ کر میرے دشمن ہو، اسی طرح تمھیں بھی معلوم ہونا چاہیے

مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿109﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿110﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿111﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿112﴾ ع

7 ع 19 7

اٰيَاتُهَا 78 (22) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (103) رُكُوْعَاتُهَا 10

سورۂ حج مدنی ہے، اس میں 78 آیات اور 10 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿1﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿2﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ

یا دور ﴿109﴾ [1] البتہ اللہ تو کھلی اور ظاہر بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے ﴿110﴾ مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے ﴿111﴾ خود نبی نے کہا: [2] اے رب! انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو ﴿112﴾ [3]

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے ﴿1﴾ جس دن تم اسے دیکھ لو گے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلاتے بچے کو بھول جائے گی اور تمام حمل والیاں اپنے حمل گرا دیں گی اور تو دیکھے گا کہ لوگ مدہوش دکھائی دیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے ﴿2﴾ [4] بعض لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور وہ بھی بے علمی کے

کہ میں بھی تمھارا دشمن ہوں اور ہماری تمھاری آپس میں کھلی جنگ ہے۔

[1] اس وعدے سے مراد قیامت ہے یا غلبۂ اسلام و مسلمین کا وعدہ یا وہ وعدہ جب اللہ کی طرف سے تمھارے خلاف جنگ کرنے کی مجھے اجازت دی جائے گی۔

[2] یعنی اس وعدۂ الٰہی میں تاخیر، میں نہیں جانتا کہ تمھاری آزمائش کے لیے ہے یا ایک خاص وقت تک فائدہ اٹھانے کے لیے مہلت دینا ہے۔

[3] یعنی میری بابت جو تم مختلف باتیں کرتے رہتے ہو یا اللہ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو، ان سب باتوں کے مقابلے میں وہ رب ہی مہربانی کرنے والا اور وہی مدد کرنے والا ہے۔

۞ اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس کا کچھ حصہ مکی اور کچھ مدنی ہے۔ (فتح القدیر) یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں دو سجدے ہیں۔

[4] آیت مذکور میں جس زلزلے کا ذکر ہے، جس کے نتائج دوسری آیت میں بتلائے گئے ہیں۔ جس کا مطلب لوگوں پر سخت خوف، دہشت اور گھبراہٹ کا طاری ہونا ہے، یہ قیامت سے قبل ہوگا اور اس کے ساتھ ہی دنیا فنا ہو جائے گی۔ یا یہ قیامت کے بعد اس وقت ہو

كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ

ساتھ اور سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں ③ جس پر[1] (قضائے الٰہی) لکھ دی گئی[2] ہے کہ جو کوئی اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب کی طرف لے جائے گا ④ لوگو! اگر تمھیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہے تو سوچو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ تھا۔[3] یہ ہم تم پر ظاہر کر دیتے ہیں،[4] اور ہم جسے چاہیں

گا جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدان محشر میں جمع ہوں گے۔ بہت سے مفسرین پہلی رائے کے قائل ہیں جبکہ بعض مفسرین دوسری رائے کے۔ اوراس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت سے ہزار میں سے 999 جہنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔ یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ”(گھبراؤ نہیں) یہ 999 یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمھاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی، جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں، کالے بال یا کالے رنگ کے بیل کے پہلو میں سفید بال ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو گے۔“ جسے سن کر صحابہ نے بطور مسرت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4741) پہلی رائے بھی بے وزن نہیں ہے۔ بعض ضعیف احادیث سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے، اس لیے زلزلہ اوراس کی کیفیات سے مراد اگر فزع اور ہولناکی کی شدت ہے (اور بظاہر یہی ہے) تو سخت گھبراہٹ اور ہولناکی کی یہ کیفیت دونوں موقعوں پر ہی ہوگی، اس لیے دونوں ہی رائیں صحیح ہوسکتی ہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر لوگوں کی کیفیت ایسی ہوگی، جیسی اس آیت میں اور صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے۔

① مثلاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے یا اس کی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

② یعنی شیطان کی بابت تقدیر الٰہی میں یہ بات ثبت ہے۔

③ یعنی نطفے (قطرۂ منی) سے چالیس روز کے بعد ﴿عَلَقَةٍ﴾ گاڑھا خون اوراس سے ﴿مُّضْغَةٍ﴾ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے ﴿مُّخَلَّقَةٍ﴾ سے وہ بچہ مراد ہے جس کی پیدائش واضح اور شکل وصورت نمایاں ہو جائے ایسے بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اور تکمیل کے بعد اس کی ولادت ہوتی ہے اور ﴿وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ اس کے برعکس جس کی شکل وصورت واضح ہو نہ اس میں روح پھونکی جائے اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہو جائے۔ صحیح احادیث میں بھی رحم مادر کی ان کیفیات کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ نطفہ چالیس دن کے بعد عَلَقَة (گاڑھا خون) بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد یہ مضغہ (لوتھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی چار مہینے کے بعد نفخ روح ہوتا ہے اور بچہ

فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحمِ مادر میں رکھتے ہیں،[1] پھر تمھیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں، پھر تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو، تم میں سے بعض تو وہ ہیں جو فوت کر لیے جاتے ہیں[2] اور بعض بے غرض عمر کی طرف پھر سے لوٹا دیے جاتے ہیں کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔[3] تو دیکھتا ہے کہ زمین (بنجر اور) خشک ہے، پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے ⑤[4] یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ⑥

ایک واضح شکل میں ڈھل جاتا ہے۔(صحيح البخاري، حديث: 6594، وصحيح مسلم، حديث: 1-(2643))

④ یعنی اس طرح ہم اپنا کمال قدرت تخلیق تمھارے لیے بیان کرتے ہیں۔

① یعنی جس کو ساقط کرنا نہیں ہوتا۔

② یعنی عمر أَشُد سے پہلے ہی۔ عمر اَشُدّ سے مراد بلوغت یا کمال عقل و کمال قوت و تمیز کی عمر ہے جو 30 سے 40 سال کے درمیان کی عمر ہے۔

③ اس سے مراد بڑھاپے میں قوائے انسانی میں ضعف و انحطاط کے ساتھ عقل و حافظہ کا کمزور ہو جانا اور یادداشت اور عقل و فہم میں بچے کی طرح ہو جانا ہے جسے سورۂ یٰسٓ 36:68 میں ﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ اور سورۂ تین 95:5 میں ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

④ یہ احیائے موتی (مردوں کے زندہ کرنے) پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ پہلی دلیل، جو مذکور ہوئی، یہ تھی کہ جو ذات ایک حقیر قطرۂ پانی سے اس طرح ایک انسانی پیکر تراش سکتی اور ایک حسین وجود عطا کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسے مختلف مراحل سے گزارتی ہوئی بڑھاپے کے ایسے اسٹیج پر پہنچا سکتی ہے جہاں اس کے جسم سے لے کر اس کی ذہنی و دماغی صلاحیتیں تک، سب ضعف و انحطاط کا شکار ہو جائیں۔ کیا اس کے لیے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دینا مشکل ہے؟ یقیناً جو ذات انسان کو ان مراحل سے گزار سکتی ہے، وہی ذات مرنے کے بعد بھی اسے دوبارہ زندہ کر کے ایک نیا قالب اور نیا وجود بخش سکتی ہے۔ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین بنجر اور مردہ ہوتی ہے لیکن بارش کے بعد یہ کس طرح زندہ اور شاداب اور انواع و اقسام کے غلے، میوہ جات اور رنگ برنگ کے پھولوں سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انسانوں کو بھی ان کی قبروں سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: اللہ تعالیٰ انسانوں کو جس طرح پیدا فرمائے گا، اس کی کوئی نشانی مخلوقات میں سے بیان فرمائیے! نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھارا گزر ایسی وادی سے ہوا ہے جو خشک اور بنجر ہو، پھر دوبارہ اسے لہلہاتا ہوا دیکھا ہو؟'' اس نے کہا: ہاں، نبی ﷺ

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ⑦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ⑧ ثَانِىَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ⑨ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫

اور یہ کہ قیامت قطعاً آنے والی ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یقیناً اللہ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا⑦ بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں⑧ اپنی کروٹ موڑنے والا بن کر[1] اس لیے کہ اللہ کی راہ سے بہکا دے، اسے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے⑨ یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھے تھے۔ یقین مانو کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں⑩ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں،[2] انھوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھا لیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے⑪ اللہ کے سوا انھیں پکارا کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکیں نہ نفع۔ یہی تو دور دراز کی گمراہی ہے⑫

نے فرمایا: ''بس اسی طرح انسانوں کا جی اٹھنا ہوگا۔'' (مسند أحمد: 11/4، و سنن ابن ماجه، حديث: 180)

① ﴿ثَانِيَ﴾ اسم فاعل ہے۔ موڑنے والا۔ عِطْفٌ کے معنی پہلو کے ہیں۔ یہ ﴿يُّجَادِلُ﴾ سے حال ہے۔ اس میں اس شخص کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو بغیر کسی عقلی اور نقلی دلیل کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے کہ وہ تکبر اور اعراض کرتے ہوئے اپنی گردن موڑتے ہوئے پھرتا ہے، جیسے دوسرے مقامات پر اس کیفیت کو ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا﴾ (لقمٰن 7:31) ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ (المنٰفقون 5:63) ﴿اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ (بنی إسرآء يل 83:17)

② ﴿حَرْفٍ﴾ کے معنی ہیں: کنارہ۔ ان کناروں پر کھڑا ہونے والا، غیر مستقر ہوتا ہے، یعنی اسے قرار وثبات نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو شخص دین کے بارے میں شک وریب اور تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس کا حال بھی یہی ہے، اسے دین پر استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات پر رہتی ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک ہے بصورت دیگر وہ پھر دین آبائی، یعنی کفر وشرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے اور ایمان ویقین سے سرشار ہوتے ہیں۔ وہ عُسر ویُسر کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں، نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے اور تکلیفوں سے دوچار ہوتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں ایک مذبذب شخص کا واقعہ بھی اسی طرح کا بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4742) کہ ایک شخص مدینے آتا، اگر اس کے گھر بچے ہوتے، اسی طرح جانوروں میں برکت ہوتی تو کہتا، یہ دین اچھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا، یہ دین برا ہے۔ بعض روایات میں یہ وصف نومسلم اعرابیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ (فتح الباري)

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ⑮ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اسے پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، یقیناً برے والی ہیں اور برے ساتھی⑬[1] جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے تو اللہ ضرور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، یقیناً اللہ جو ارادہ کرے اسے کر کے رہتا ہے⑭ جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا، وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر کاٹ لے (اپنے حلق میں پھندا پھانس لے) پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا[2] رہی ہے؟⑮ ہم نے اسی طرح اس قرآن کو واضح آیتوں میں اتارا ہے جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب

---

[1] بعض مفسرین کے نزدیک ﴿ يَدْعُوْا ﴾ يقول کے معنی میں ہے، یعنی غیر اللہ کا پجاری قیامت والے دن کہے گا کہ جس کا نقصان، اس کے نفع سے قریب تر ہے، وہ والی اور ساتھی یقیناً برا ہے، یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہاں اس کی امیدوں کے محل گر جائیں گے اور یہ معبود، جن کی بابت اس کا خیال تھا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسے بچائیں گے، اس کی شفاعت کریں گے، وہاں خود وہ معبود بھی، اس کے ساتھ ہی جہنم کا ایندھن بنے ہوں گے۔ مولیٰ کے معنی ولی اور مددگار کے اور عشیر کے معنی ہم نشین، ساتھی اور قرابت دار کے ہیں۔ مددگار اور ساتھی تو وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے لیکن یہ معبود خود گرفتار عذاب ہوں گے، یہ کسی کے کیا کام آئیں گے؟ اس لیے انھیں برا والی اور برا ساتھی کہا گیا۔ ان کی عبادت ضرر ہی ضرر ہے، نفع کا تو اس میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے، پھر یہ جو کہا گیا ہے کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (سبا 23:34) ''بے شک ہم (اللہ کے ماننے والے) یا تم (اس کا انکار کرنے والے) ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔'' ظاہر بات ہے کہ ہدایت پر وہی ہیں جو اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن اسے واضح الفاظ میں کہنے کی بجائے کنائے اور استفہام کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جو سامع کے لیے زیادہ مؤثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ یا اس کا تعلق دنیا سے ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ غیر اللہ کو پکارنے سے فوری نقصان تو اس کا یہ ہوا کہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، یہ اقرب نقصان ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا نقصان متحقق (ثابت) ہی ہے۔

[2] اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ ایسا شخص جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی مدد نہ کرے کیونکہ اس کے غلبہ و فتح سے اسے تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے گھر کی چھت پر رسی لٹکا کر اور اپنے گلے میں اس کا پھندا لے کر رسی کو کاٹ ڈالے، یعنی اپنا گلا گھونٹ لے، شاید یہ خودکشی اسے غیظ و غضب سے بچالے جو وہ محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو دیکھ کر اپنے دل میں پاتا ہے۔ اس صورت میں ﴿ السَّمَاۗءِ ﴾ سے مراد گھر کی چھت ہوگی۔ دوسرے معنی ہیں کہ وہ ایک رسہ لے کر آسمان پر چڑھ جائے اور آسمان سے جو وحی یا مدد آتی ہے، اس کا سلسلہ ختم کردے، (اگر وہ کر سکتا ہے) اور دیکھے کہ کیا اس کے بعد اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہوگیا ہے؟ امام ابن کثیر ؒ

مَنْ يُّرِيْدُ ⑯ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

فرماتا ہے⑯ ایمان دار اور یہودی اور صابی اور نصرانی اور مجوسی [1] اور مشرکین [2] ان سب کے درمیان قیامت کے دن خود اللہ فیصلے کر دے گا، [3] اللہ ہر ہر چیز پر گواہ ہے⑰ [4] کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ اللہ کے سامنے سجدے میں ہیں سب آسمانوں والے اور سب زمینوں والے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور [5] اور بہت سے انسان بھی۔ [6] ہاں بہت سے وہ بھی ہیں جن پر عذاب کا مقولہ ثابت ہو چکا ہے، [7] اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت

نے پہلے مفہوم کو اور امام شوکانی ؒ نے دوسرے مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے اور سیاق سے یہی دوسرا مفہوم زیادہ قریب لگتا ہے۔

① ﴿اَلْمَجُوْسَ﴾ سے مراد آتش پرست ہیں جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک ظلمت کا خالق ہے جسے وہ اہرمن کہتے ہیں، دوسرا نور کا جسے وہ یزداں کہتے ہیں۔

② ان میں مذکورہ گمراہ فرقوں کے علاوہ جتنے بھی اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں، سب آ گئے۔

③ ان میں سے حق پر کون ہے، باطل پر کون؟ یہ تو ان دلائل سے واضح ہو جاتا ہے جو اللہ نے اپنے قرآن میں نازل فرمائے ہیں اور اپنے آخری پیغمبر کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الفتح 48: 28) یہاں فیصلے سے مراد وہ جزا ہے جو اللہ تعالیٰ باطل پرستوں کو قیامت والے دن دے گا، اس جزا سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟

④ یہ فیصلہ محض حاکمانہ اختیارات کے زور پر نہیں ہوگا بلکہ عدل وانصاف کے مطابق ہوگا کیونکہ وہ باخبر ہستی ہے، اسے ہر چیز کا علم ہے۔

⑤ بعض مفسرین نے اس سجدے سے ان تمام چیزوں کا احکام الٰہی کے تابع ہونا مراد لیا ہے، کسی میں مجال نہیں کہ وہ حکم الٰہی سے سرتابی کر سکے۔ ان کے نزدیک وہ سجدۂ اطاعت و عبادت مراد نہیں جو صرف عقلاء کے ساتھ خاص ہے جبکہ بعض مفسرین نے اسے مجاز کی بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے کہ ہر مخلوق اپنے اپنے انداز سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے، مثلاً: ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، ﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ سے ہر قسم کے حیوانات، انسان، جنات، چوپائے اور پرندے اور دیگر اشیاء ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے انداز سے سجدہ اور تسبیح الٰہی کرتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17: 44) سورج، چاند اور ستاروں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین ان کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا: تم ان کو سجدہ کرتے ہو، یہ تو اللہ کو سجدہ کرنے والے اور اس کے ماتحت ہیں، اس لیے تم انھیں سجدہ مت کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔ (حٰمٓ السجدة 41: 37) صحیح حدیث میں ہے، حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''جانتے ہو، سورج کہاں جاتا ہے؟'' میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، پھر اسے (طلوع ہونے کا) حکم دیا جاتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ اسے کہا جائے گا: واپس لوٹ جا، یعنی جہاں سے آیا وہیں چلا جا تو یہ مغرب سے طلوع

مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۞ ⑱ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۚ ⑲ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ؕ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ㉑ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۧ ㉒ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ

دینے والا نہیں،[1] اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے⑱ یہ دونوں[2] اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں، پس کافروں کے لیے تو آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا⑲ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں پگھل جائیں گی⑳ اور (ان کی) سزا کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں㉑ یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو!㉒[3] ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے

ہو جائے گا۔" (صحيح البخاري، حديث: 3199، وصحيح مسلم، حديث: 250-(159)) اسی طرح ایک صحابی کا واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے خواب میں اپنے ساتھ درخت کو سجدہ کرتے دیکھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 579، وتحفة الأحوذي: 159/3، حديث: 579، وسنن ابن ماجه، حديث: 1053) اور پہاڑوں اور درختوں کے سجدے میں ان کے سایوں کا دائیں بائیں پھرنا یا جھکنا بھی شامل ہے جس کی طرف اشارہ سورۂ رعد 15:13 اور سورۂ نحل 49,48:16 میں بھی کیا گیا ہے۔

⑥ یہ سجدۂ اطاعت و عبادت ہی ہے جس کو انسانوں کی ایک بڑی تعداد کرتی ہے اور اللہ کی رضا کی مستحق قرار پاتی ہے۔

⑦ یہ وہ ہیں جو سجدۂ اطاعت سے انکار کر کے کفر اختیار کرتے ہیں ورنہ تکوینی احکام، یعنی سجدۂ انقیاد میں تو انھیں بھی مجال انکار نہیں۔ (تکوینی احکام سے مراد مرض، موت اور مصائب و آلام وغیرہ ہیں جن میں انسان بے بس ہیں)

① کفر اختیار کرنے کا نتیجہ ذلت و رسوائی اور آخرت کا دائمی عذاب ہے جس سے بچا کر کافروں کو عزت دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

② ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ﴾ یہ دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد مذکورہ گمراہ فرقے اور اس کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان لیا ہے۔ یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں، مسلمان تو اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت علی البعث کے قائل ہیں جبکہ دوسرے اللہ کے بارے میں مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں جنگ بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آ جاتے ہیں جس کے آغاز میں مسلمانوں میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4744) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔

③ اس میں جہنمیوں کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے جو انھیں وہاں بھگتنا ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿23﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿24﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿25﴾ ع وَاِذْ بَوَّاْنَا

موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا ﴿23﴾ ان کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کردی گئی[1] اور قابل (صد) تعریف راہ کی ہدایت کردی گئی[2] ﴿24﴾ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے[3] اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے مساوی کردیا ہے وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں،[4] جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے،[5] ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے ﴿25﴾[6] اور جبکہ ہم نے[7]

① جہنمیوں کے مقابلے میں یہ اہل جنت کا اوران نعمتوں کا تذکرہ ہے جو اہل ایمان کو مہیا کی جائیں گی۔

② یعنی جنت ایسی جگہ ہے جہاں پاکیزہ باتیں ہی ہوں گی، وہاں بے ہودہ اور گناہ کی بات نہیں ہوگی۔

③ یعنی ایسی جگہ کی طرف جہاں ہر طرف اللہ کی حمد اور اس کی تسبیح کی صدائے دل نواز گونج رہی ہوگی۔ اگر اس کا تعلق دنیا سے ہو تو مطلب قرآن اور اسلام کی طرف رہنمائی ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آتی ہے۔

④ روکنے والوں سے مراد کفار مکہ ہیں جنھوں نے 6 ہجری میں مسلمانوں کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور مسلمانوں کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا تھا۔

⑤ اس میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام سے مراد خاص مسجد (خانہ کعبہ) ہی ہے یا پورا حرم مکہ کیونکہ قرآن میں بعض جگہ پورے حرم مکی کے لیے بھی مسجد حرام کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔ جہاں تک خاص مسجد حرام کا تعلق ہے، اس کی بابت تو یہ بات متفقہ ہے کہ اس میں مقیم وغیر مقیم، مکی اور آفاقی سب کا حصہ مساوی ہے، یعنی بلا تخصیص وتفریق ہر شخص رات اور دن کے کسی بھی حصے میں عبادت کرسکتا ہے۔ کسی کے لیے بھی کسی مسلمان کو عبادت سے روکنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جن علماء نے مسجد حرام سے مراد پورا حرم لیا ہے، ان کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ پورا حرم مکی سب مسلمانوں کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے اور اس کے مکانوں اور زمینوں کا کوئی مالک نہیں۔ اسی لیے ان کی خرید وفروخت اور ان کو کرائے پر دینا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ جو شخص بھی کسی جگہ سے حج یا عمرے کے لیے مکہ جائے تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے ٹھہر جائے، وہاں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ٹھہرنے سے کسی کو نہ روکیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مکانات اور زمینیں ملک خاص ہوسکتی ہیں اور ان میں مالکانہ تصرفات، یعنی بیچنا، کرائے پر دینا جائز ہے، البتہ وہ مقامات جن کا تعلق مناسک حج سے ہے، مثلاً: منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے میدان یہ وقف عام ہیں، ان میں کسی کی ملکیت جائز نہیں۔ یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان خاصا مختلف فیہ رہا ہے، تاہم آج کل تقریباً تمام کے تمام علماء ہی ملکیت خاص کے قائل ہوگئے ہیں۔ اور یہ مسئلہ سرے سے اختلافی ہی نہیں رہا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم نے بھی امام ابوحنیفہ اور فقہاء کا مسلک مختار اسی کو قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: معارف القرآن: 253/6)

⑥ اِلْحَادٌ کے لفظی معنی تو کج روی کے ہیں۔ یہاں یہ عام ہے، کفر وشرک سے لے کر ہر قسم کے گناہ کے لیے حتیٰ کہ بعض علماء الفاظ قرآنی کے پیش نظر اس بات تک کے قائل ہیں کہ حرم میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کرلے گا، (چاہے اس پر عمل نہ کرسکے) تو وہ بھی اس

لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿26﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ
مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿27﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿28﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا

ابراہیم کو کعبہ کی جگہ مقرر کردی [1] اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک [2] نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا﴿26﴾ [3] اور لوگوں میں حج کی منادی کردے، لوگ تیرے پاس پیادہ پا بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، [4] دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں [5] گے﴿27﴾ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں [6] اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں، یعنی جانوروں پر جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں، [7] پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ﴿28﴾ پھر وہ اپنا

وعید میں شامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محض ارادے پر مؤاخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ دیگر نصوص سے واضح ہے، تاہم ارادہ اگر عزم مصمم کی حد تک ہو تو پھر قابل گرفت ہوسکتا ہے۔ (فتح القدیر)

⑦ یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جو مذکورہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے۔

① یعنی بیت اللہ کی جگہ بتلا دی اور وہاں ہم نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو جا ٹھہرایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کی ویرانی کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلی مسجد جو زمین میں بنائی گئی، مسجد حرام ہے اور اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1-(520)، و مسند أحمد: 150/5 و 167,166)

② یہ خانہ کعبہ کی تعمیر کی غرض بیان کی کہ اس میں صرف میری ہی عبادت کی جائے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مشرکین نے اس میں جو بت سجا رکھے ہیں جن کی وہ یہاں آکر عبادت کرتے ہیں۔ یہ ظلم صریح ہے کہ جہاں صرف اللہ کی عبادت کرنی چاہیے تھی، وہاں بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔

③ کفر، بت پرستی اور دیگر گندگیوں اور نجاستوں سے۔ یہاں ذکر صرف نماز پڑھنے والوں اور طواف کرنے والوں کا کیا ہے کیونکہ یہ دونوں عبادات خانہ کعبہ کے ساتھ خاص ہیں۔ نماز میں رخ اسی کی طرف ہوتا ہے اور طواف صرف اسی کے گرد کیا جاتا ہے۔ لیکن اہل بدعت نے اب بہت سی قبروں کا طواف بھی ایجاد کرلیا ہے اور بعض نمازوں کے لیے ''قبلہ'' بھی کوئی اور۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

④ جو چارے کی قلت اور سفر کی دوری اور تھکاوٹ سے لاغر اور کمزور ہوجائیں گے۔

⑤ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مکہ کے پہاڑ کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ نحیف سی صدا دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی جس کا مشاہدہ حج اور عمرے میں ہر حاجی اور مُعْتَمِر کرتا ہے۔

⑥ یہ فائدے دینی بھی ہیں کہ نماز، طواف اور مناسک حج و عمرہ کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت و رضا حاصل کی جائے۔ اور دنیوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال و اسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

⑦ ﴿بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''پالتو چوپایوں'' سے مراد اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ دنبے) ہیں، ان پر اللہ کا نام لینے کا مطلب ان کو

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿29﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

میل کچیل دور کریں [1] اور اپنی نذریں پوری کریں [2] اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں ﴿29﴾ [3] یہ ہمارا حکم ہے اور جو کوئی اللہ کی

ذبح کرنا ہے جو اللہ کا نام لے کر ہی کیا جاتا ہے اور ایام معلومات سے مراد، ذبح کے ایام ''ایام تشریق'' ہیں جو یوم النحر (10 ذوالحجہ) اور تین دن اس کے بعد ہیں، یعنی 11،12 اور 13 ذوالحجہ تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر ایام معلومات سے عشرۂ ذوالحجہ اور ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں، تاہم یہاں معلومات جس سیاق میں آیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایام تشریق مراد ہیں۔ واللّٰہ أعلم۔ گویا سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ میں ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ اور یہاں آیت میں مذکور ﴿اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ﴾ دونوں سے مراد ایام تشریق ہوئے کیونکہ ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: «اَلْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ، وَهِيَ أَرْبَعَةُ أَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ وَ ثَلَاثَةٌ بَعْدَهُ» (تفسير ابن كثير) یعنی ایام معدودات (گنتی کے چند دن) سے مراد ایام تشریق، یعنی یوم النحر 10 ذوالحجہ، پھر تین دن اس کے بعد ہیں۔ 11،12،13 ذوالحجہ۔ اور فقہ حنفی کی مشہور اور متداول کتاب ''ہدایہ'' میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ایام تشریق تین دن ہیں 11،12،13 (ملاحظہ ہو، كتاب الأضحية، ص: 430، آخرين، طبع لکھنؤ) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایام معدودات کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ (ص: 570 مطبوعہ لاہور 1309ھ) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ يَوْمُ النَّحْر (قربانی کے دن، 10 ذوالحجہ) کے علاوہ ایام تشریق تین دن ہیں، یعنی 11،12،13 ذوالحجہ جن میں ذکر الٰہی بالخصوص فرض نمازوں کے بعد اور دیگر اوقات میں تکبیرات کہی جاتی ہیں: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایام تشریق قربانی کے دن بھی ہیں جن میں قربانی کی جا سکتی ہے، چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ» (مسند أحمد: 82/4، وصحيح ابن حبان: 368/8، وتفسير ابن كثير، تفسير سورة الحج، و نصب الراية: 504/4، وسنن الدارقطني: 284/4، طبع جديد، والسنن الكبرىٰ، للبيهقي: 29/8، طبع جديد) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں۔ سورۂ حج اور سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہے کہ ''امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مسلک راجح ہے کہ قربانی کا وقت 10 ذوالحجہ سے ایام تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ) تک ہے۔'' بعض حضرات نے حدیث مذکور کہ ''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' کو منقطع قرار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے بعض طرق موصول بھی ہیں۔ بنا بریں محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔ اسی لیے شیخ البانی نے اسے صحيح الجامع الصغير (834/2، حديث: 4537) میں درج کیا ہے، الجامع الصغير کے شارح علامہ مناوی نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فيض القدير: 4485/9) حافظ ہیثمی نے بھی اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: 251/3) صاحب الفتح الربانی نے اس کے انقطاع کی تردید اور اس کی صحت کی توثیق کی ہے۔ (الفتح الرباني: 94/13) شیخ البانی نے الصحيحة میں اس کے تمام طرق پر بحث کر کے اس کو دیگر شواہد کی بنا پر قابل حجت گردانا ہے۔ (الصحيحة: 617/5) زاد المعاد کے محقق نے اپنی تعلیق میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (زاد المعاد، بتحقيق شعيب الأرنؤوط: 318/2) (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (كتاب الأم للإمام الشافعي، 142/2، طبع مصر: 1973ء، ونيل الأوطار: 142/5، وموارد الظمآن في زوائد ابن حبان: 325/3)

[1] یعنی 10 ذوالحجہ کو جمرۂ کبریٰ (یا عقبہ) کو کنکریاں مارنے کے بعد حاجی کو تحلل اول (یا اصغر) حاصل ہو جاتا ہے، جس کے بعد وہ

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿30﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

حرمتوں ① کی تعظیم کرے اس کے اپنے لیے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔ اور تمھارے لیے چوپائے، یعنی جانور حلال کر دیے گئے بجز ان کے جو تمھارے سامنے بیان کیے گئے ہیں، ② پس تمھیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے ③ اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے ﴿30﴾ ④ اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے ⑤ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے اور سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے

احرام کھول دیتا ہے اور بیوی سے مباشرت کے سوا دیگر وہ تمام کام اس کے لیے جائز ہو جاتے ہیں، جو حالت احرام میں ممنوع ہوتے ہیں۔ میل کچیل دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ پھر وہ بالوں، ناخنوں وغیرہ کو صاف کر لے، تیل، خوشبو استعمال کر لے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لے وغیرہ۔

② اگر کوئی مانی ہوئی ہو، جیسے لوگ مان لیتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے مقدس گھر کی زیارت نصیب فرمائی تو ہم فلاں نیکی کا کام کریں گے۔

③ ﴿الْعَتِيْقِ﴾ کے معنی قدیم کے ہیں، مراد خانہ کعبہ ہے کہ حلق یا تقصیر کے بعد طواف افاضہ کر لے جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں اور یہ حج کا رکن ہے جو وقوف عرفہ اور جمرۂ عقبہ (یا کبریٰ) کو کنکریاں مارنے کے بعد کیا جاتا ہے جبکہ طواف قدوم بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع سنت مؤکدہ (یا واجب) ہے۔ جو اکثر اہل علم کے نزدیک عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسے حائضہ عورت سے بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے۔ (أیسر التفاسیر)

① ان حرمتوں سے مراد وہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل ابھی گزری۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کی اس طرح ادائیگی ہے جس طرح بتلایا گیا ہے، یعنی ان کی خلاف ورزی کر کے ان حرمتوں کو پامال نہ کرے۔

② ''جو بیان کیے گئے ہیں'' کا مطلب ہے جن کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ہے، جیسے آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ الآیة (المآئدة 3:5) میں تفصیل ہے۔

③ ﴿الرِّجْسَ﴾ کے معنی گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد لکڑی، لوہے یا کسی اور چیز کے بنے ہوئے بت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا، یہ نجاست ہے اور اللہ کے غضب اور عدم رضا کا باعث، اس سے بچو!

④ جھوٹی بات میں، جھوٹی بات کے علاوہ جھوٹی قسم بھی ہے، (جس کو حدیث میں شرک اور عقوق والدین، ماں باپ کی نافرمانی کے بعد تیسرے نمبر پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے) اور سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اللہ جن چیزوں سے پاک ہے، وہ اس کی طرف منسوب کی جائیں، مثلاً: اللہ کی اولاد ہے، فلاں بزرگ اللہ کے اختیارات میں شریک ہے یا فلاں کام پر اللہ کس طرح قادر ہوگا، جیسے کفار بعث بعد الموت پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر لینا، جیسے مشرکین بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے، یہ سب جھوٹ ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ (مذکورہ جانوروں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: المآئدة 103:5 کا حاشیہ)

⑤ ﴿حُنَفَآءَ﴾ حنیف کی جمع ہے۔ جس کے مصدری معنی ہیں: مائل ہونا، ایک طرف ہونا، یک رخا ہونا، یعنی شرک سے توحید کی

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿31﴾ ذٰلِكَ ۗ
وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿32﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿33﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا ع 8 11
رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿34﴾

والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اُچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی ﴿31﴾ [1] یہ سن لیا، اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت وحرمت کرے تو فی الحقیقت یہ دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے ﴿32﴾ [2] ان (چوپایوں) میں تمھارے لیے ایک مقرر وقت تک کا فائدہ ہے، [3] پھر ان کے حلال ہونے کی جگہ خانہ کعبہ ہے ﴿33﴾ [4] اور ہرامت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپاؤں، یعنی جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں۔ [5] سمجھ لو کہ تم سب کا معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ، اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے! ﴿34﴾

طرف اور کفر وباطل سے اسلام اور دینِ حق کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ یا ایک طرفہ ہو کر خالص اللہ کی عبادت کرتے ہوئے۔

① یعنی جس طرح بڑے پرندے، چھوٹے جانوروں کو نہایت تیزی سے جھپٹا مار کر انھیں نوچ کھاتے ہیں یا ہوائیں کسی کو دور دراز جگہوں پر پھینک دیں اور کسی کو اس کا سراغ نہ ملے۔ دونوں صورتوں میں تباہی اس کا مقدر ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، وہ سلامت فطرت اور طہارت نفس کے اعتبار سے طہر وصفا کی بلندی پر فائز ہوتا ہے اور جوں ہی وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو بلندی سے پستی میں اور صفائی سے گندگی اور کیچڑ میں پھینک لیتا ہے۔

② ﴿شَعَآئِرَ﴾ شَعِيرَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں، جیسے جنگ میں ایک شعار (مخصوص لفظ بطور علامت) اختیار کر لیا جاتا ہے جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اس اعتبار سے شعائر اللہ وہ ہیں، جو اعلام دین، یعنی اسلام کے نمایاں امتیازی احکام ہیں، جن سے ایک مسلمان کا امتیاز اور تشخص قائم ہوتا ہے اور دوسرے اہل مذاہب سے الگ پہچان لیا جاتا ہے۔ صفا، مروہ پہاڑیوں کو بھی اسی لیے شعائر اللہ کہا گیا ہے کہ مسلمان حج وعمرے میں ان کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ یہاں حج کے دیگر مناسک، خصوصاً قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ان کی تعظیم کا مطلب ان کا استحسان اور استسمان ہے، یعنی عمدہ اور موٹا تازہ جانور قربان کرنا۔ اس تعظیم کو دل کا تقویٰ قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ دل کے ان افعال سے ہیں جن کی بنیاد تقویٰ ہے۔

③ وہ فائدہ، سواری، دودھ، مزید نسل اور اون وغیرہ کا حصول ہے۔ وقت مقرر سے مراد نحر (ذبح کرنا) ہے، یعنی ذبح ہونے تک تمھیں ان سے مذکورہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور سے، جب تک وہ ذبح نہ ہو جائے، فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ صحیح حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک آدمی ایک ہدی (قربانی) کا جانور اپنے ساتھ ہانکے لے جا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے کہا: یہ حج کی قربانی ہے، آپ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1690)

④ حلال ہونے سے مراد جہاں ان کا ذبح کرنا حلال ہوتا ہے، یعنی یہ جانور، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ اور حرم مکی میں پہنچتے ہیں اور وہاں اللہ کے نام پر ذبح کر دیے جاتے ہیں، پس مذکورہ فوائد کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ایسے ہی حرم کے لیے

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿35﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ

انھیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل تھرا جاتے ہیں، انھیں جو برائی پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے بھی دیتے رہتے ہیں ﴿35﴾ اور قربانی کے اونٹ [1] ہم نے تمھارے لیے اللہ کے نشانات مقرر کر دیے ہیں ان میں تمھارے لیے نفع ہے، پس انھیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، [2] پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو [3] اسے (خود بھی) کھاؤ [4] اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو

هَدي ہوتے ہیں تو حرم میں پہنچتے ہی ذبح کر دیے جاتے ہیں اور فقراء مکہ میں ان کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

⑤ ﴿مَنْسَكًا﴾ نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے، معنی ہیں: اللہ کے تقرب کے لیے قربانی کرنا، ذبیحة (ذبح شدہ جانور) کو بھی نسيكة کہا جاتا ہے، جس کی جمع نُسُك ہے۔ اس کے معنی اطاعت وعبادت کے بھی ہیں کیونکہ رضائے الٰہی کے لیے جانور کی قربانی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسی لیے غیر اللہ کے نام پر یا ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے۔ یا مَنْسِك (سین کی فتح یا کسرے کے ساتھ) اسم ظرف ہے۔ موضِعُ نحر (ذبح کرنے کی جگہ) یا موضع عبادت. اسی سے مناسک حج ہے، یعنی وہ جگہیں، جہاں حج کے اعمال وارکان ادا کیے جاتے ہیں، جیسے عرفات، مزدلفہ، منٰی اور مکہ۔ مطلق ارکان واعمال حج کو بھی مناسک کہہ لیا جاتا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم پہلے بھی ہر مذہب والوں کے لیے ذبح کا یا عبادت کا طریقہ مقرر کرتے آئے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ ہمارا نام لیں، یعنی بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کریں یا ہمیں یاد رکھیں۔

① ﴿الْبُدْنَ﴾ بَدَنَةٌ کی جمع ہے چونکہ عام طور پر اس مقصد کے لیے اس کی تسمین کی جاتی ہے اور وہ موٹا تازہ ہوتا ہے، اس لیے بَدَنَةٌ کہا جاتا ہے۔ فربہ جانور۔ بعض اہل لغت کے نزدیک اس کا اطلاق اونٹ گائے دونوں پر ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر اہل لغت نے اسے صرف اونٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ جو شخص جمعہ کو پہلی ساعت میں آیا۔ اسے ایک بَدَنَة (اونٹ) کا ثواب ملے گا اور جو دوسری ساعت میں آیا اسے بَقَرة (گائے) کا ثواب ملے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 881، وصحيح مسلم، حديث: 850) اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: «اَلْبَدَنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَّ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ» ''اونٹ سات افراد کی طرف سے کافی ہے اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔'' (صحيح مسلم، حديث:350(1318)) البتہ مناسکِ حج کے حوالے سے کافی ہونے میں گائے اونٹ کے حکم میں ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 353-(1318))، وتفسير القرطبي، روح المعاني، المصباح المنير للفيومي) مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے لیے جائیں، یہ بھی شعائر اللہ، یعنی اللہ کے ان احکام میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے خاص اور ان کی علامت ہیں۔

② ﴿صَوَآفَّ﴾ مَصْفُوفَةً (صف بستہ، یعنی کھڑے ہوئے) کے معنی میں ہے۔ اونٹ کو اسی طرح کھڑے کھڑے نحر کیا جاتا ہے کہ اگلا بایاں پاؤں اس کا بندھا ہوا اور تین پاؤں پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔

وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿36﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا

بھی کھلاؤ،[1] اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمھارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر گزاری کرو﴿36﴾ اللہ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ

③ یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائے۔ تب اسے کاٹنا شروع کرو کیونکہ زندہ جانور کا گوشت کاٹ کر کھانا ممنوع ہے: «مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ» (سنن أبي داود، حديث: 2858، وجامع الترمذي، حديث: 1480، وسنن ابن ماجه، حديث: 3216) ''جس جانور سے اس حال میں گوشت کاٹا جائے کہ وہ زندہ ہو تو وہ (کاٹا ہوا گوشت) مردہ ہے۔''

④ بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے ہے، یعنی قربانی کا گوشت کھانا، قربانی کرنے والے کے لیے واجب، یعنی ضروری ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے، یعنی اگر کھا لیا جائے تو مستحب (پسندیدہ) ہے اور اگر کوئی نہ کھائے بلکہ سب کا سب تقسیم کر دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

① ﴿اَلْقَانِعَ﴾ کے ایک معنی سائل کے اور دوسرے معنی قناعت کرنے والے کے کیے گئے ہیں، یعنی وہ جو سوال نہ کرے اور ﴿اَلْمُعْتَرَّ﴾ کے معنی بعض نے بغیر سوال کے قصداً سامنے آنے والے کے کیے ہیں۔ اور بعض نے قانع کے معنی سائل اور معتر کے معنی زائر، یعنی ملاقاتی کے کیے ہیں۔ بہرحال اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا ملاقاتیوں اور رشتے داروں کے لیے اور تیسرا سائلین اور معاشرے کے ضرورت مند افراد کے لیے۔ جس کی تائید میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں (پہلے) تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت ذخیرہ کر کے رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تمھیں اجازت ہے کہ کھاؤ اور جو مناسب سمجھو، ذخیرہ کرو۔'' دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ''پس کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔'' ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''پس کھاؤ، کھلاؤ اور صدقہ کرو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5569، وصحيح مسلم، حديث: 1971، وسنن أبي داود، حديث: 2812، وجامع الترمذي، حديث: 1510، وسنن ابن ماجه، حديث: 3160، وسنن النسائي، حديث: 4436) بعض علماء دو حصے کرنے کے قائل ہیں۔ نصف اپنے لیے اور نصف صدقے کے لیے، وہ اس سے ماقبل گزرنے والی آیت: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت کسی بھی آیت یا حدیث سے اس طرح کے دو یا تین برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ ان میں مطلقاً کھانے کھلانے کا حکم ہے، اس لیے اس اطلاق کو اپنی جگہ برقرار رہنا چاہیے اور کسی برابر تقسیم کا پابند نہیں بنانا چاہیے، البتہ قربانی کی کھالوں کی بابت اتفاق ہے کہ اسے یا تو اپنے استعمال میں لاؤ یا صدقہ کر دو، اسے بیچنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مسند أحمد: 15/4) تاہم بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے کھال خود بیچ کر اس کی قیمت فقراء پر تقسیم کرنے کی رخصت دی ہے۔ (ابن کثیر)

ایک ضروری وضاحت: قرآن کریم میں یہاں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں آیا ہے، جس سے منکرین حدیث یہ استدلال کرتے ہیں کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہی ہے۔ یہ دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ قربانی کرنے کا مطلق حکم بھی دوسرے مقام پر موجود ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (الکوثر 2:108) ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔'' اس کی

دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿37﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿38﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿39﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا

ع 5/5/12

ان کے خون بلکہ اسے تو تمھارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمھارا مطیع کر دیا ہے کہ تم اس کی راہنمائی کے شکریے میں اس کی بڑائیاں بیان کرو اور نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے!﴿37﴾ سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ ہٹا دیتا ہے۔[1] کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں ﴿38﴾ جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔[2] بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے ﴿39﴾ وہ لوگ جنھیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا رب فقط اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو راہبوں کے عبادت خانے[3] اور گرجے اور یہود کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام

تبیین وتشریح (عملی) نبی ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ آپ خود مدینے میں 10 ذوالحجہ کو قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی قربانی کرنے کی تاکید کرتے رہے، چنانچہ صحابہ بھی کرتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قربانی کی بابت جہاں دیگر بہت سی ہدایات دیں، وہاں یہ بھی فرمایا: ''10 ذوالحجہ کو ہم سب سے پہلے (عید کی) نماز پڑھیں اور اس کے بعد جا کر جانور ذبح کریں گے۔'' فرمایا: ''جس نے نماز (عید) سے قبل اپنی قربانی کر لی، اس نے گوشت کھانے میں جلدی کی، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 968، و صحيح مسلم، حديث: 7-(1961)) اس سے بھی واضح ہے کہ قربانی کا حکم ہر مسلمان کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو کیونکہ حاجی تو عیدالاضحیٰ کی نماز ہی نہیں پڑھتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم غیر حاجیوں کے لیے ہی ہے، تاہم دکھلاوے کی نیت سے کئی کئی قربانیاں کرنے کا رواج بھی خلاف سنت ہے۔ حدیث کے مطابق پورے گھر کے افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔ صحابہ کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 1505، وسنن ابن ماجه، حديث: 3147)

① جس طرح 6 ہجری میں کافروں نے اپنے غلبے کی وجہ سے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا، اللہ تعالیٰ نے دو سال کے بعد ہی کافروں کے اس غلبے کو ختم فرما کر مسلمانوں کو ان پر غالب کر دیا۔

② اکثر سلف کا قول ہے کہ اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے دو مقصد یہاں بیان کیے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ، اس لیے کہ مظلومین کی مدد اور ان کی دادرسی نہ کی جائے تو پھر دنیا میں زورآور کمزوروں کو اور باوسائل بے وسیلہ لوگوں کو جینے ہی نہ دیں جس سے زمین فساد سے بھر جائے۔ اسی طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش نہ کی جائے اور باطل کی سرکوبی نہ کی جائے تو باطل کے غلبے سے بھی دنیا کا امن وسکون اور اللہ کا نام لینے والوں کے لیے کوئی عبادت خانہ باقی نہ رہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ، آیت: 251 کا حاشیہ)

اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿40﴾ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿41﴾ وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوۡدُ ۙ ﴿42﴾ وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ۙ ﴿43﴾ وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوۡسٰى فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿44﴾ فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ

بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بڑی قوتوں والا، بڑے غلبے والا ہے ﴿40﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکاۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ [1] تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے ﴿41﴾ [2] اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں (تو کوئی تعجب کی بات نہیں) تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود بھی جھٹلا چکے ہیں ﴿42﴾ اور قوم ابراہیم اور قوم لوط ﴿43﴾ اور مدین والے بھی (اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلا چکے ہیں)۔ موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، پس میں نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ [3] لیا، پس میرا عذاب کیسا ہوا؟ ﴿44﴾ [4] بہت سی

③ ﴿صَوَامِعُ﴾ (صَوْمَعَةٌ کی جمع) سے چھوٹے گرجے اور ﴿بِيَعٌ﴾ (بِيعَةٌ کی جمع) سے بڑے گرجے، ﴿صَلَوٰتٌ﴾ سے یہودیوں کے عبادت خانے اور ﴿مَسٰجِدُ﴾ سے مسلمانوں کی عبادت گاہیں مراد ہیں۔

① اس آیت میں اسلامی حکومت کے بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کیے گئے ہیں، جنھیں خلافت راشدہ اور قرن اول کی دیگر اسلامی حکومتوں میں بروئے کار لایا گیا اور انھوں نے اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست رکھا تو ان کی بدولت ان حکومتوں میں امن و سکون بھی رہا، رفاہیت و خوش حالی بھی رہی اور مسلمان سربلند اور سرفراز بھی رہے۔ آج بھی سعودی عرب کی حکومت میں ان چیزوں کا کچھ اہتمام ہے تو اس کی برکت سے وہ اب بھی امن و خوشحالی کے اعتبار سے دنیا کی بہترین اور مثالی مملکت ہے، آج کل اسلامی ملکوں میں فلاحی مملکت کے قیام کا بڑا غلغلہ اور شور ہے اور ہر آنے جانے والا حکمران اس کے دعوے کرتا ہے۔ لیکن ہر اسلامی ملک میں بدامنی، فساد، قتل و غارت اور ادبار و پستی اور زبوں حالی روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کرنے کی بجائے مغرب کے جمہوری اور لادینی نظام کے ذریعے سے فلاح و کامرانی حاصل کرنا چاہتے ہیں، جو آسمان میں تھگلی لگانے اور ہوا کو مٹھی میں لینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان مملکتیں قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق اقامت صلاۃ و زکاۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام نہیں کریں گی اور اپنی ترجیحات میں ان کو سرفہرست نہیں رکھیں گی، وہ فلاحی مملکت کے قیام میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

② یعنی ہر بات کا مرجع اللہ کا حکم اور اس کی تدبیر ہی ہے اس کے حکم کے بغیر کائنات میں کوئی پتا بھی نہیں ہلتا، چہ جائیکہ کوئی اللہ کے احکام اور ضابطوں سے انحراف کر کے حقیقی فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

③ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کفار مکہ اگر آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کچھ کرتی رہی ہیں اور میں بھی انھیں مہلت دیتا رہا، پھر جب ان کا وقت مہلت ختم ہو گیا تو انھیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس میں تعریض و کنایہ ہے مشرکین مکہ کے لیے کہ تکذیب کے باوجود تم ابھی تک مؤاخذۂ الٰہی سے بچے ہوئے ہو تو یہ نہ سمجھ لینا

اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ﴿45﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿46﴾ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿47﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿48﴾ ع 6/10 13 قُلْ یٰۤاَیُّهَا

بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تہ وبالا کر دیا اس لیے کہ وہ ظالم تھیں، پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں اور بہت سے آباد کنویں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں ﴿45﴾ کیا انھوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی جو ان کے دل ان باتوں کے سمجھنے والے ہوتے یا کانوں سے ہی ان (واقعات) کو سن لیتے، بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ﴿46﴾[1] اور عذاب کو آپ سے جلدی طلب کر رہے ہیں اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہیں ٹالے گا۔ ہاں، البتہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمھاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کا ہے ﴿47﴾[2] بہت سی ظلم کرنے والی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی پھر آخر انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿48﴾[3] اعلان کر دو کہ

کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے جو وہ ہر قوم کو دیا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار نہیں کرتی تو پھر اسے ہلاک یا مسلمانوں کے ذریعے سے مغلوب اور ذلت و رسوائی سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

④ یعنی کس طرح میں نے انھیں اپنی نعمتوں سے محروم کر کے عذاب و ہلاکت سے دوچار کر دیا۔

① اور جب کوئی قوم ضلالت کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ عبرت پذیری کی صلاحیت بھی کھو بیٹھے تو ہدایت کی بجائے گزشتہ قوموں کی طرح تباہی اس کا بھی مقدر بن کر رہتی ہے۔ آیت میں فعل تعقل کا انتساب دل کی طرف کیا گیا ہے جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محل عقل دماغ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں، اس لیے کہ فہم و ادراک کے حصول میں قلب اور دماغ دونوں کا آپس میں بڑا گہرا ربط و تعلق ہے۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير)

② اس لیے یہ لوگ تو اپنے حساب سے جلدی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حساب میں ایک دن بھی ہزار سال کا ہے۔ اس اعتبار سے وہ اگر کسی کو ایک دن (24 گھنٹے) کی مہلت دے تو ہزار سال، نصف یوم کی مہلت دے تو پانچ سو سال، 6 گھنٹے (جو 24 گھنٹے کا چوتھائی ہے) مہلت دے تو ڈھائی سو سال کا عرصہ عذاب کے لیے درکار ہے۔ وَهَلُمَّ جَرًّا. اس طرح اللہ کی طرف سے کسی کو ایک گھنٹے کی مہلت مل جانے کا مطلب کم و بیش چالیس سال کی مہلت ہے، (أيسر التفاسير) ایک دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ہزار سال برابر ہیں، اس لیے تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ جلدی مانگتے ہیں، وہ دیر کرتا ہے، تاہم یہ بات تو یقینی ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کر کے رہے گا۔ اور بعض نے اسے آخرت پر محمول کیا ہے کہ شدت ہولناکی کی وجہ سے قیامت کا ایک دن ہزار سال بلکہ بعض کو پچاس ہزار سال کا لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ آخرت کا دن واقعی ہزار سال کا ہوگا۔ (مزید دیکھیے: السجدة 5:32 اور المعارج 70: 4 کا حاشیہ)

③ اسی لیے یہاں قانون مہلت کو پھر بیان کیا ہے کہ میری طرف سے عذاب میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے، تاہم میری گرفت

النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿49﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿50﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿51﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿52﴾ لِّيَجْعَلَ

لوگو! میں تمھیں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہی ہوں ﴿49﴾[1] پس جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں ان ہی کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی ﴿50﴾ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں،[2] وہی دوزخی ہیں ﴿51﴾ ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھی بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی ملاوٹ اللہ دور کر دیتا ہے، پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے۔ اور[3] اللہ علیم وحکیم ہے ﴿52﴾ یہ اس لیے کہ

سے کوئی بچ نہیں سکتا نہ کہیں فرار ہو سکتا ہے۔ اسے لوٹ کر بالآخر میرے ہی پاس آنا ہے۔

[1] یہ کفار ومشرکین کے مطالبۂ عذاب پر کہا جا رہا ہے کہ میرا کام تو اِنذار و تَبْشِير ہے۔ عذاب بھیجنا، یہ اللہ کا کام ہے، وہ جلدی گرفت فرمالے یا اس میں تاخیر کرے، وہ اپنی حسب مشیت ومصلحت یہ کام کرتا ہے۔ جس کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس خطاب کے اصل مخاطب اگرچہ اہل مکہ ہیں لیکن چونکہ آپ پوری نوع انسانی کے لیے رہبر اور رسول بن کر آئے تھے، اس لیے خطاب ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس میں قیامت تک ہونے والے وہ کفار ومشرکین آ گئے جو اہل مکہ کا سا رویہ اختیار کریں گے۔

[2] ﴿ مُعٰجِزِيْنَ ﴾ کا مطلب ہے یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے، تھکا دیں گے اور ہم ان کی گرفت کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے، اس لیے کہ وہ بعث بعد الموت اور حساب کتاب کے منکر تھے۔

[3] ﴿ تَمَنّٰٓى ﴾ کے ایک معنی ہیں: آرزو کی یا دل میں خیال کیا۔ دوسرے معنی ہیں: پڑھا یا تلاوت کی اسی اعتبار سے اُمْنِيَّةٌ کا ترجمہ آرزو، خیال یا تلاوت ہوگا۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوگا، اس کی آرزو میں شیطان نے رکاوٹیں ڈالیں تاکہ وہ پوری نہ ہوں۔ اور رسول و نبی کی آرزو یہی ہوتی ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایمان لے آئیں، شیطان رکاوٹیں ڈال کر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مفہوم ہوگا کہ جب بھی اللہ کا رسول یا نبی وحی شدہ کلام پڑھتا اور اس کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان اس کی قراءت وتلاوت میں اپنی باتیں ملانے کی کوشش کرتا ہے یا اس کی بابت لوگوں کے دلوں میں شبہے ڈالتا اور مین میکھ نکالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو دور فرما کر یا تلاوت میں ملاوٹ کی کوشش کو ناکام فرما کر یا شیطان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ فرما کر اپنی بات کو یا اپنی آیات کو محکم (پکا) فرما دیتا ہے۔ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ شیطان کی یہ کارستانیاں صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہیں، آپ سے پہلے جو رسول اور نبی آئے، سب کے ساتھ ہی یہی کچھ کرتا آیا ہے۔ تاہم آپ گھبرائیں نہیں، شیطان کی ان شرارتوں اور سازشوں سے جس طرح ہم پچھلے انبیاء کو بچاتے رہے ہیں، یقیناً آپ بھی محفوظ رہیں گے اور شیطان کے عَلَى الرَّغْمِ اللہ تعالیٰ اپنی بات کو پکا کر کے رہے گا۔ یہاں بعض مفسرین نے الغرانیق العُلٰی (جھوٹے معبودوں کی

مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿54﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿55﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

شیطانی ملاوٹ کو اللہ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنادے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔[1] بے شک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں ﴿53﴾ اور اس لیے بھی کہ جنھیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے، پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں۔[2] یقیناً اللہ ایمان داروں کی راہِ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے ﴿54﴾[3] کافر اس وحیِ الٰہی میں ہمیشہ شک شبہ ہی کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اچانک ان کے سروں پر قیامت آجائے یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آجائے جو منحوس ہے ﴿55﴾[4] اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہوگی[5] وہی ان میں فیصلے فرمائے گا۔ ایمان

تعریف) کا قصہ بیان کیا ہے جو محققین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھی گئی ہے۔

① یعنی شیطان یہ حرکتیں اس لیے کرتا ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرے اور اس کے جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ونفاق کا روگ ہوتا ہے یا گناہ کرکے ان کے دل سخت ہوچکے ہوتے ہیں۔

② یعنی یہ القائے شیطانی، جو دراصل اغوائے شیطانی ہے، اگر اہل نفاق و شک اور اہل کفر وشرک کے حق میں فتنے کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف جو علم ومعرفت کے حامل ہیں، ان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ بات، یعنی قرآن حق ہے جس سے ان کے دل بارگاہِ الٰہی میں جھک جاتے ہیں۔

③ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ان کی رہنمائی حق کی طرف کردیتا ہے اور اس کے قبول اور اتباع کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔ باطل کی سمجھ بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس سے انھیں بچا بھی لیتا ہے اور آخرت میں سیدھے راستے کی رہنمائی یہ ہے کہ انھیں جہنم کے عذاب الیم وعظیم سے بچا کر جنت میں داخل فرمائے گا اور وہاں اپنی نعمتوں اور دیدار سے انھیں نوازے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

④ ﴿يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ ''بانجھ دن'' سے مراد بھی قیامت کا دن ہے۔ اسے عقیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں ہوگا جس طرح عقیم اس کو کہا جاتا ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ یا اس لیے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی رحمت نہیں ہوگی، گویا ان کے لیے خیر سے خالی ہوگا۔ جس طرح بادِ تند کو جو بطور عذاب کے آتی رہی ہے ﴿الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ کہا گیا ہے، ﴿اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝﴾ (الذّٰریٰت 41:51) ''جب ہم نے ان پر بانجھ ہوا بھیجی۔'' یعنی ایسی ہوا جس میں کوئی خیر تھی نہ بارش کی نوید۔

⑤ یعنی دنیا میں تو عارضی طور پر بطور انعام یا بطور امتحان لوگوں کو بھی بادشاہتیں اور اختیار واقتدار مل جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں کسی

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿56﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿58﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿59﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿60﴾

اور نیک عمل والے تو نعمتوں سے بھرے باغوں میں ہوں گے ﴿56﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ﴿57﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا پھر وہ شہید کردیے گئے یا اپنی موت مر[1] گئے اللہ انھیں بہترین رزق عطا فرمائے گا۔[2] اور بے شک اللہ روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے ﴿58﴾[3] انھیں اللہ ایسی جگہ پہنچائے گا کہ وہ اس سے راضی ہو جائیں گے،[4] بے شک اللہ علم اور بردباری[5] والا ہے ﴿59﴾ بات یہی ہے،[6] اور جس نے بدلہ لیا اسی کے برابر جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا، پھر اگر اس سے زیادتی کی جائے تو یقیناً اللہ خود اس کی مدد فرمائے گا۔[7] بے شک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے ﴿60﴾[8]

کے پاس بھی کوئی بادشاہت اور اختیار نہیں ہوگا۔ صرف ایک اللہ کی بادشاہی اور اس کی فرماں روائی ہوگی، اسی کا مکمل اختیار اور غلبہ ہوگا، ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ (الفرقان 26:25) ''بادشاہی اس دن ثابت ہے واسطے رحمٰن کے اور یہ دن کافروں پر سخت بھاری ہوگا۔'' ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 16:40) اللہ تعالیٰ پوچھے گا: ''آج کس کی بادشاہی ہے؟'' پھر خود ہی جواب دے گا: ''ایک اللہ غالب کی۔''

① یعنی اسی ہجرت کی حالت میں موت آ گئی یا شہید ہو گئے۔

② یعنی جنت کی نعمتیں جو ختم ہوں گی نہ فنا۔

③ کیونکہ وہ بغیر حساب کے، بغیر استحقاق کے اور بغیر سوال کے دیتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان بھی جو ایک دوسرے کو دیتے ہیں تو اسی کے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق وہی ہے۔

④ کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی: ''جنھیں آج تک کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور دیکھنا سننا تو کجا، کسی انسان کے دل میں ان کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4779) بھلا ایسی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو کر کون خوش نہیں ہوگا؟

⑤ ﴿لَعَلِيْمٌ﴾ وہ نیک عمل کرنے والوں کے درجات اور ان کے مراتب استحقاق کو جانتا ہے۔ ﴿حَلِيْمٌ﴾ (بردبار ہے) کفر و شرک کرنے والوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کو دیکھتا ہے لیکن ان کا فوری مؤاخذہ نہیں کرتا۔

⑥ یعنی یہ کہ مہاجرین سے بطور خاص شہادت یا طبعی موت پر ہم نے جو وعدہ کیا ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔

⑦ عقوبت اس سزا یا بدلے کو کہتے ہیں جو کسی فعل کی جزا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو جس سے زیادتی کی گئی ہے، اسے بقدر زیادتی بدلہ لینے کا حق ہے لیکن اگر بدلہ لینے کے بعد جبکہ ظالم اور مظلوم دونوں برابر سرابر ہو چکے ہوں، ظالم، مظلوم پر پھر زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد فرماتا ہے، یعنی یہ شبہ نہ ہو کہ مظلوم نے معاف کردینے کی بجائے بدلہ لے کر غلط کام کیا ہے، نہیں بلکہ اس کی بھی اجازت اللہ ہی نے دی ہے، اس لیے آئندہ بھی وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہے گا۔

⑧ اس میں پھر معاف کردینے کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ درگزر کرنے والا ہے، تم بھی درگزر سے کام لو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿61﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿62﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿63﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿64﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿65﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ

ع 8 / 7 / 15

یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے [1] اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ﴿61﴾ یہ سب اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے [2] اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں، وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا، کبریائی والا ہے ﴿62﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ مہربان اور باخبر ہے ﴿63﴾ [3] آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے [4] اور یقیناً اللہ، وہی ہے بے نیاز تعریفوں والا ﴿64﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزیں تمھارے بس میں کر دی ہیں [5] اور اس کے فرمان سے پانی میں چلتی ہوئی کشتیاں بھی، وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گر (نہ) پڑے، [6] بے شک اللہ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے ﴿65﴾ [7] اسی نے تمھیں

ہیں کہ بدلہ لینے میں۔ جو بقدر ظلم ظالم ہوگا۔ جتنا ظلم کیا جائے گا، اس کی اجازت چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ وہ معاف ہے، بلکہ اسے ظلم اور سَيِّئَه بطور مشاکلت کے کہا جاتا ہے ورنہ انتقام یا بدلہ سرے سے ظلم یا سیئہ ہی نہیں ہے۔

① یعنی جو اللہ اس طرح کام کرنے پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے جن بندوں پر ظلم کیا جائے ان کا بدلہ وہ ظالموں سے لے۔

② اس لیے اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے، اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

③ ﴿لَطِيْفٌ﴾ ''باریک بین'' ہے، اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے یا لطف کرنے والا ہے، یعنی اپنے بندوں کو روزی پہنچانے میں لطف و کرم سے کام لیتا ہے۔ ﴿خَبِيْرٌ﴾ ''وہ ان باتوں سے باخبر ہے۔'' جن میں اس کے بندوں کے معاملات کی تدبیر اور اصلاح ہے۔ یا ان کی ضروریات و حاجات سے آگاہ ہے۔

④ پیدائش کے لحاظ سے بھی، ملکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف کرنے کے اعتبار سے بھی، اس لیے سب مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں کیونکہ وہ غنی، یعنی بے نیاز ہے۔ اور جو ذات سارے کمالات اور اختیارات کا منبع ہے، ہر حال میں تعریف کی مستحق بھی وہی ہے۔

⑤ مثلاً: جانور، نہریں، درخت اور دیگر بے شمار چیزیں جن کے منافع سے انسان بہرہ ور اور لذت یاب ہوتا ہے۔

⑥ یعنی اگر وہ چاہے تو آسمان زمین پر گر پڑے جس سے زمین پر موجود ہر چیز تباہ ہو جائے۔ ہاں، قیامت والے دن اس کی مشیت سے آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔

⑦ اسی لیے اس نے مذکورہ چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور آسمان کو بھی ان پر گرنے نہیں دیتا۔ تابع (مسخر) کرنے کا مطلب

اَحْيَاكُمْ ز ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿66﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿67﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿68﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿69﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ

زندگی بخشی، پھر وہی تمھیں مار ڈالے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، بے شک انسان البتہ ناشکرا ہے ﴿66﴾[1] ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، جسے وہ بجالانے والے ہیں،[2] پس انھیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کرنا چاہیے[3] اور آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلائیے۔ یقیناً آپ ٹھیک ہدایت ہی پر ہیں ﴿67﴾[4] پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ تمھارے اعمال سے اللہ بخوبی واقف ہے ﴿68﴾ تمھارے سب کے اختلاف کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ آپ کرے گا ﴿69﴾[5] کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب (لکھی ہوئی) کتاب میں (محفوظ) ہے۔ اللہ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے ﴿70﴾[6] اور یہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں جس کی نہ تو کوئی اس نے دلیل نازل فرمائی نہ یہ خود

ہے کہ ان تمام چیزوں سے انتفاع اس کے لیے ممکن یا آسان کر دیا گیا ہے۔

① یہ بحیثیت جنس کے ہے۔ بعض افراد کا اس ناشکری سے نکل جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ انسانوں کی اکثریت میں یہ کفرو جحود پایا جاتا ہے۔

② یعنی ہر زمانے میں ہم نے لوگوں کے لیے ایک شریعت مقرر کی، جو بعض چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتی، جس طرح تورات، امت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، انجیل، امت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعت تھی اور اب قرآن، امت محمدیہ کے لیے شریعت اور ضابطۂ حیات ہے۔

③ یعنی اللہ نے آپ کو جو دین اور شریعت عطا کی ہے، یہ بھی مذکورہ اصول کے مطابق ہی ہے، ان سابقہ شریعت والوں کو چاہیے کہ اب آپ کی شریعت پر ایمان لے آئیں نہ کہ اس معاملے میں آپ سے جھگڑیں۔

④ یعنی آپ ان کے جھگڑے کی پروا نہ کریں بلکہ ان کو اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیں کیونکہ اب صراط مستقیم پر صرف آپ ہی گامزن ہیں، یعنی پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔

⑤ یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جدال ومنازعت سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمھارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

⑥ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور مخلوقات کے احاطے کا ذکر فرمایا ہے، یعنی اس کی مخلوقات کو جو جو کچھ کرنا تھا، اس کو اس کا علم پہلے ہی سے تھا۔ جن بندوں کو اپنے اختیار وارادے سے نیکی کا راستہ اور جنھیں اپنے اختیار سے برائی کا راستہ اپنانا تھا، وہ ان کو جانتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے علم سے یہ باتیں پہلے ہی لکھ دیں۔ اور لوگوں کو یہ بات چاہے کتنی ہی مشکل معلوم ہو، اللہ کے لیے بالکل آسان

لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿71﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿72﴾ ع 8/16 يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ

ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں۔ [1] اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿71﴾ جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں، [2] کہہ دیجیے کہ کیا میں تمھیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے، [3] اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ﴿72﴾ لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں [4] بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں

ہے۔ یہ وہی تقدیر کا مسئلہ ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے جسے حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔'' (صحيح مسلم، حديث: 16-(2653)) اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اس کو کہا: ''لکھ'' اس نے کہا: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے، چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4700، وجامع الترمذي، حديث: 3319، ومسند أحمد: 317/5)

[1] یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھا سکیں نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

[2] اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بدزبانی کے ذریعے سے، یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے جس کا اظہار ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدير)

[3] یعنی ابھی تو آیات الٰہی سن کر صرف تمھارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس رویے سے توبہ نہیں کی تو اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمھیں دوچار ہونا پڑے گا اور وہ ہے جہنم کی آگ میں جلنا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

[4] یعنی یہ معبودان باطل، جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انھی کو اپنا حاجت روا سمجھو تو تمھاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا

وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿73﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿74﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿75﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿76﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

سکتے، ① بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جارہا ہے ﴿73﴾ ② انھوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں، ③ اللہ بڑا ہی زوروقوت والا اور غالب وزبردست ہے ﴿74﴾ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے رسولوں کو اللہ ہی چن لیتا ہے، ④ بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے ﴿75﴾ ⑤ وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ﴿76﴾ ⑥ اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو ⑦ اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور

ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل وشعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں، یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا۔

① یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی واپس نہیں لے سکتے جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

② ﴿اَلطَّالِبُ﴾ سے مراد، خودساختہ معبود اور ﴿اَلْمَطْلُوْبُ﴾ سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مطلوب سے اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جو ہی پیدا کر کے دکھا دے۔''
(صحيح البخاري، حديث: 5953)

③ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا ہمسر اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت، اس کی قدرت وطاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

④ ﴿رُسُلًا﴾ رَسُولٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا، یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائے۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائے اور لوگوں میں سے بھی جنھیں چاہا، رسالت کے لیے چن لیا اور انھیں لوگوں کی ہدایت ورہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انھیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

⑤ وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے، یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (الأنعام 6:124) ''اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔''

⑥ جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا اور اس کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے؟

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿77﴾ۚ۩ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ

نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿77﴾ [1] اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔ [2] اسی نے تمھیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، [3] اپنے باپ ابراہیم [4] کے دین پر (قائم رہو۔) اسی (اللہ) [5] نے تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی

کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

⑦ یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آ رہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی لیکن اس کی اہمیت وافضلیت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

① یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت، یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے نہ کہ اللہ کی عبادت واطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر اسلامی مملکتیں امن وسکون اور رفاہیت وخوش حالی کی منزل سے کوسوں دور ہیں کیونکہ وہ اسلام کو بطور نظام اپنانے کے لیے تیار نہیں۔

② اس جہاد سے مراد بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار ومشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض نے اوامر الٰہی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد لی ہے جو حق وصداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے، تاہم سب سے افضل اور اصل جہاد، جہاد اکبر ہی ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ مسلمانوں کا تحفظ ممکن ہے اور نہ اسلام کی سربلندی ہی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے قیامت تک کے لیے جاری وساری رکھا گیا ہے کیونکہ ہر دور میں اس کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی۔ بعض اردو کے مفسرین نے اس مقام پر ایک موضوع (من گھڑت) روایت سے استدلال کر کے خواہش نفسانی سے جہاد کرنے کو ''جہاد اکبر'' قرار دیا ہے جس میں نبی ﷺ کی طرف یہ فرمان منسوب کیا گیا ہے کہ ''تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے ہو۔'' دریافت کیا گیا: وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا: ''آدمی کی خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جدوجہد۔'' امام ابن تیمیہ اور دیگر علمائے محققین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔

③ یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو (ورنہ تھوڑی بہت محنت ومشقت تو ہر کام ہی میں اٹھانی پڑتی ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں، چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «اَلدِّيْنُ يُسْرٌ» (صحیح البخاري، حدیث: 39) ''دین آسان ہے۔'' یعنی ہر دور میں دین کے احکام پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انسان عمل کرنے کی خواہش رکھے۔

④ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے جس طرح بیٹے باپ کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے،

هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿78﴾

ع 10 6 17

تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ، [1] پس تمھیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکاۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمھارا ولی اور مالک ہے، پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے ﴿78﴾

اس لیے کہا گیا: یہ دین اسلام جسے اللہ نے تمھارے لیے پسند کیا ہے، تمھارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔

(5) ﴿هُوَ﴾ کا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، یعنی نزول قرآن سے پہلے تمھارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک مرجع اللہ تعالیٰ ہے، یعنی اس نے تمھارا نام مسلم رکھا ہے۔

(1) یہ گواہی قیامت والے دن ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ 2:143 کا حاشیہ)

اٰیَاتُھَا: 118 (23) سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (74) رُکُوْعَاتُھَا: 6

سورۂ مومنون مکی ہے، اس میں 118 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ④ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ⑤ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ⑥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ⑦ وَالَّذِيْنَ هُمْ

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی ①[1] جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں ②[2] جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں ③[3] جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں ④[4] جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ⑤ بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتیوں میں سے نہیں ہیں ⑥ اس کے سوا جو اور ڈھونڈیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں ⑦[5] جو اپنی امانتوں

---

[1] فَلَاح کے لغوی معنی ہیں: چیرنا، کاٹنا، کاشت کار کو بھی فَلَّاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُفْلِح (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کرلے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آ جائے تو سبحان اللہ! ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی، مثلاً: اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

[2] خشوع سے مراد قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں قصداً خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

[3] ﴿اللَّغْوِ﴾ ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے، چہ جائیکہ انھیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

[4] اس سے مراد بعض کے نزدیک زکاۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات، یعنی اس کا نصاب اور زکاۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم مکے میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

[5] اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کرکے یا لونڈی سے ہم بستری کرکے لیکن شرعی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے، تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ⑨ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ⑭

اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں⑧ [1] جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں⑨ [2] یہی وارث ہیں⑩ جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے⑪ [3] یقیناً ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا⑫ [4] پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا⑬ [5] پھر نطفے کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا، پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، [6] پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ [7] برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا ہے پیدا کرنے والوں میں⑭ [8]

---

① أَمَانَاتٌ سے مراد مفوضہ ڈیوٹی کی ادائیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عہد و پیمان دونوں شامل ہیں۔

② آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا جس سے نماز کی اہمیت وفضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ حالانکہ عہد رسالت وعہد صحابہ میں کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہی تھی۔

③ ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث، یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:7423)

④ مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب أَبُو الْبَشَرْ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل جو خلقت انسانی کا باعث بنتی ہے، مٹی ہی ہے۔

⑤ محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں عموماً نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

⑥ اس کی کچھ تفصیل سورۂ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں ﴿مُّخَلَّقَةٍ﴾ کا جو ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت ﴿الْمُضْغَةَ﴾ کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پہنانے سے کر دی ہے۔ ﴿الْمُضْغَةَ﴾ گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے کیونکہ محض گوشت میں تو کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے نرا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا تو انسان میں وہ حسن ورعنائی نہ آتی جو ہر انسان کے اندر موجود ہے، اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں زیادہ تاکہ اس کے قد وقامت میں غیر موزونیت اور بھدا پن پیدا نہ ہو بلکہ وہ حسن وجمال کا ایک پیکر اور قدرت کی تخلیق کا ایک شاہکار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝﴾ (التين 95:4) ’’ہم نے انسان کو احسن تقویم، یعنی بہت اچھی ترکیب یا

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿15﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿16﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿17﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿18﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿19﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿20﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ

وقف لازم

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مرجانے والے ہو ﴿15﴾ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے ﴿16﴾ ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں [1] اور ہم مخلوقات سے غافل نہیں ہیں ﴿17﴾ [2] ہم ایک صحیح اندازے سے آسمان سے پانی برساتے ہیں، [3] پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں، [4] اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں ﴿18﴾ [5] اسی پانی کے ذریعے سے ہم تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں کہ تمھارے لیے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انھی میں سے تم کھاتے بھی ہو ﴿19﴾ [6] اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے ﴿20﴾ [7] تمھارے لیے چوپایوں میں بھی

بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔"

⑦ اس سے مراد بچہ ہے جب وہ مقررہ مدت کے بعد ایک خاص شکل وصورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور حرکت و اضطراب کے ساتھ سمع و بصر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

⑧ ﴿الْخٰلِقِيْنَ﴾ یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے جو خاص خاص مقداروں میں اشیاء کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے ہیں، یعنی ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے، پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے جو تمام صنعت کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت گر ہے۔

① ﴿طَرَآئِقَ﴾ طَرِيقَةٌ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب اوپر تلے چیز کو بھی طَرِيقَة کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں، اس لیے انھیں ﴿طَرَآئِقَ﴾ کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا سیاروں کی گزرگاہ ہے، اس لیے انھیں طرائق قرار دیا۔

② ﴿الْخَلْقِ﴾ سے مراد مخلوق ہے، یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں۔ (فتح القدیر) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا ہے، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

③ یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

④ یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے (کیونکہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿21﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿22﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿23﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿25﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿26﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ

بڑی بھاری عبرت ہے۔ان کے پیٹوں میں سے ہم تمھیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی بہت سے منافع تمھارے لیے ان میں ہیں، ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو﴿21﴾ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو﴿22﴾ [1] یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، کیا تم اس سے نہیں ڈرتے﴿23﴾ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔[2] اگر اللہ کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا،[3] ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں﴿24﴾ [4] یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو﴿25﴾ [5] نوح نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر﴿26﴾ [6] تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی

---

⑤ یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمھارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

⑥ یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

⑦ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن کو ﴿ صِبْغٍ ﴾ (رنگ) کہا ہے کیونکہ روٹی، سالن میں ڈوب کر، گویا رنگی جاتی ہے۔ طور سینا (پہاڑ) اور اس کا قرب و جوار خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

① یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

② یعنی یہ تو تمھارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

③ یعنی اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے تو وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں آ کر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔

④ یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

⑤ یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو، بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿27﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿28﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿29﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿30﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ

کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ جب ہمارا حکم آ جائے[1] اور تنور ابل پڑے[2] تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے[3] اور اپنے اہل کو بھی، سوائے ان کے جن کی بابت بات پہلے گزر چکی ہے۔[4] خبردار! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا، وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے[5] ﴿27﴾ جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر (باطمینان) بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی ﴿28﴾ اور کہنا کہ اے میرے رب![6] مجھے بابرکت جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے ﴿29﴾[7] یقیناً اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں[8] اور ہم بے شک آزمائش کرنے والے ہیں ﴿30﴾[9] ان کے

⑥ ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ و دعوت کے بعد بالآخر رب سے دعا کی: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ﴾ (القمر 10:54) ”نوح نے رب سے دعا کی، میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔“ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔

① یعنی ان کو ہلاکت کا حکم آ جائے۔

② ﴿التَّنُّوْرُ﴾ پر حاشیہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف تنور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشموں کی طرح ابل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے ابل پڑے......الخ

③ یعنی حیوانات، نباتات اور ثمرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (نر اور مادہ) کشتی میں رکھ لے تاکہ سب کی نسل باقی رہے۔

④ یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجۂ نوح اور ان کا پسر۔

⑤ یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان ظالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

⑥ کشتی میں بیٹھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا کہ اس نے ظالموں کو بالآخر غرق کر کے، ان سے نجات عطا فرمائی اور کشتی کے خیر و عافیت کے ساتھ کنارے پر لگنے کی دعا کرنا۔ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾

⑦ اس کے ساتھ وہ دعا بھی پڑھ لی جائے جو نبی ﷺ سواری پر بیٹھتے وقت پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ» ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (الزخرف 14,13:43)

⑧ یعنی اس سرگزشت نوح علیہ السلام میں کہ اہل ایمان کو نجات اور کافروں کو ہلاک کر دیا گیا، نشانیاں ہیں اس امر پر کہ انبیاء جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آتے ہیں، ان میں وہ سچے ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور کشمکش حق و باطل میں ہر بات سے آگاہ ہے اور

بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿31﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿33﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ

بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿34﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ

بعد ہم نے اور بھی امت پیدا کی ﴿31﴾ [1] پھر ان میں خود انھی میں سے رسول بھی بھیجا [2] کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، [3] تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿32﴾ اور سرداران قوم [4] نے جواب دیا، جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انھیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا، [5] کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور (پانی) جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے ﴿33﴾ [6] اگر تم نے اپنے جیسے ہی انسان کی تابعداری کر لی تو بے شک تم سخت خسارے والے ہو ﴿34﴾ [7] کیا یہ تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر صرف خاک اور ہڈیاں رہ جاؤ گے تو تم پھر

وقت آنے پر اس کا نوٹس لیتا ہے اور اہل باطل کی پھر اس طرح گرفت کرتا ہے کہ اس کے شکنجے سے کوئی نکل نہیں سکتا۔

[9] اور ہم انبیاء و رسل کے ذریعے سے یہ آزمائش کرتے رہے ہیں۔

[1] اکثر مفسرین کے نزدیک قوم نوح کے بعد جس قوم کو اللہ نے پیدا فرمایا اور ان میں رسول بھیجا، وہ قوم عاد ہے کیونکہ اکثر مقامات پر قوم نوح کے جانشین کے طور پر عاد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ قوم ثمود ہے کیونکہ آگے چل کر ان کی ہلاکت کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ صَیْحَة (زبردست چیخ) نے ان کو پکڑ لیا اور یہ عذاب قوم ثمود پر آیا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہیں کہ ان کی ہلاکت بھی چیخ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔

[2] یہ رسول بھی ہم نے انھی میں سے بھیجا جس کی نشو و نما ان کے درمیان ہی ہوئی تھی اور جسے وہ اچھی طرح پہچانتے تھے، اس کے خاندان، مکان اور مولد ہر چیز سے واقف تھے۔

[3] اس نے آ کر سب سے پہلے وہی توحید کی دعوت دی جو ہر نبی کی دعوت و تبلیغ کا سرنامہ رہی ہے۔

[4] یہ سرداران قوم ہی ہر دور میں انبیاء و رسل اور اہل حق کی تکذیب میں سرگرم رہے ہیں جس کی وجہ سے قوم کی اکثریت ایمان لانے سے محروم رہتی کیونکہ یہ نہایت بااثر لوگ ہوتے تھے، قوم انھی کے پیچھے چلنے والی ہوتی تھی۔

[5] یعنی عقیدۂ آخرت پر عدم ایمان اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی، یہ دو بنیادی سبب تھے، اپنے رسول پر ایمان نہ لانے کے۔ آج بھی اہل باطل انھی اسباب کی بنا پر اہل حق کی مخالفت اور دعوت حق سے گریز کرتے ہیں۔

[6] چنانچہ انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ یہ اللہ کا رسول کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسے آج بھی بہت سے مدعیان اسلام کے لیے رسول کی بشریت کا تسلیم کرنا نہایت گراں ہے۔

[7] وہ خسارہ یہی ہے کہ اپنے ہی جیسے انسان کو رسول مان کر تم اس کی فضیلت و برتری کو تسلیم کر لو گے جبکہ ایک بشر دوسرے بشر سے افضل کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مغالطہ ہے جو منکرین بشریت رسول کے دماغوں میں رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ جس بشر کو رسالت کے لیے

مُّخْرَجُوْنَ ﴿35﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿36﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿37﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿39﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿40﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿42﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿43﴾

زندہ کیے جاؤ گے ﴿35﴾ نہیں نہیں دور اور بہت دور ہے وہ جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو ﴿36﴾[1] یہ تو صرف زندگانی دنیا ہی ہے ہم مرتے جیتے رہتے ہیں اور یہ نہیں کہ ہم پھر اٹھائے جائیں گے ﴿37﴾ یہ تو بس ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے،[2] ہم تو اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿38﴾ نبی نے دعا کی کہ پروردگار! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر ﴿39﴾[3] جواب ملا کہ یہ تو بہت ہی جلد اپنے کیے پر پچھتانے لگیں گے ﴿40﴾[4] بالآخر عدل کے تقاضے کے مطابق چیخ[5] نے انھیں پکڑ لیا اور ہم نے انھیں کوڑا کرکٹ کر ڈالا،[6] پس ظالموں کے لیے دوری ہو ﴿41﴾ ان کے بعد ہم نے اور بھی بہت سی امتیں پیدا کیں ﴿42﴾[7] نہ تو کوئی امت اپنے وقتِ مقررہ سے آگے بڑھی اور نہ پیچھے رہی ﴿43﴾[8]

چن لیتا ہے تو وہ اس وحی/رسالت کی وجہ سے دوسرے تمام غیر نبی انسانوں سے شرف و فضل میں بہت بالا اور نہایت ارفع ہو جاتا ہے۔

① ﴿هَيْهَاتَ﴾ جس کے معنی دور کے ہیں، دو مرتبہ تاکید کے لیے ہے۔

② یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ، یہ ایک افترا ہے جو یہ شخص اللہ پر باندھ رہا ہے۔

③ بالآخر، حضرت نوح علیہ السلام کی طرح، اس پیغمبر نے بھی بارگاہ الٰہی میں مدد کے لیے دست دعا دراز کر دیے۔

④ ﴿عَمَّا﴾ میں ما زائد ہے جو جار مجرور کے درمیان قلت زمان کی تاکید کے لیے آیا ہے، جیسے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ (آل عمران 159:3) میں ما زائد ہے، یعنی بہت جلد عذاب آنے والا ہے جس پر یہ پچھتائیں گے۔ لیکن اس وقت یہ پچھتانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

⑤ کہتے ہیں کہ یہ حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ تھی، بعض کہتے ہیں کہ ویسے ہی سخت چیخ تھی جس کے ساتھ بادِ صرصر بھی تھی۔ دونوں نے مل کر ان کو چشم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

⑥ ﴿غُثَآءً﴾ اس کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے جس میں درختوں کے کھوکھلے، خشک تنے، تنکے، کانے اور اسی طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جب پانی کا زور ختم ہو جاتا ہے تو یہ بھی خشک ہو کر بیکار پڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان مکذبین اور متکبرین کا ہوا۔

⑦ اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں کیونکہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنی اسرائیل مراد ہیں۔ ﴿قُرُوْنًا﴾ قَرْنٌ کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

⑧ یعنی یہ سب امتیں بھی قوم نوح اور عاد کی طرح، جب ان کی ہلاکت کا وقت موعود آ گیا، تباہ و برباد ہو گئیں۔ ایک لمحہ آگے پیچھے نہ

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿44﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿45﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿46﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿47﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿48﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿49﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿50﴾ يٰٓاَيُّهَا

پھر ہم نے لگا تار[1] رسول بھیجے، جب کبھی جس امت کے پاس بھی اس کا رسول آیا اس نے جھٹلایا، پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے[2] لگا دیا اور انھیں افسانہ[3] بنا دیا، پس ان لوگوں کے لیے دوری ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ﴿44﴾ پھر ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیل[4] کے ساتھ بھیجا ﴿45﴾ فرعون اور اس کے لشکروں کی طرف، پس انھوں نے تکبر کیا اور تھے ہی وہ سرکش لوگ ﴿46﴾[5] کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں؟ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت[6] ہے ﴿47﴾ پس انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا آخر وہ بھی ہلاک شدہ لوگوں میں مل گئے ﴿48﴾ یقیناً ہم نے تو موسیٰ کو کتاب (بھی) دی کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں ﴿49﴾[7] اور ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی بنایا[8] اور ان دونوں کو بلند، صاف قرار والی اور جاری پانی[9] والی جگہ میں پناہ دی ﴿50﴾ اے

ہوئیں، جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○﴾ (الأعراف 7:34)

① ﴿تَتْرَا﴾ کے معنی ہیں: یکے بعد دیگرے، متواتر، لگا تار۔

② ہلاکت و بربادی میں، یعنی جس طرح یکے بعد دیگرے رسول آئے، اسی طرح تکذیب رسالت پر یہ قومیں یکے بعد دیگرے عذاب سے دوچار ہو کر ہست سے نیست ہوتی رہیں۔

③ جس طرح اَعَاجِیب، اُعْجُوبَةٌ کی جمع ہے (تعجب انگیز چیز یا بات) اسی طرح اَحَادِیث، اُحْدُوثَةٌ کی جمع ہے بمعنی زبان زد خلائق واقعات و قصص۔

④ آیات سے مراد وہ نو آیات ہیں جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے جن کی وضاحت گزر چکی ہے اور ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے مراد حجت واضحہ اور دلیل و برہان ہے جس کا کوئی جواب فرعون اور اس کے درباریوں سے نہ بن پڑا۔

⑤ استکبار اور اپنے کو بڑا سمجھنا، اس کی بنیادی وجہ بھی وہی عقیدۂ آخرت سے انکار اور اسباب دنیا کی فراوانی ہی تھی، جس کا ذکر پچھلی قوموں کے واقعات میں گزرا۔

⑥ یہاں بھی انھوں نے انکار کے لیے بطور دلیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ''بشریت'' ہی پیش کی اور اسی بشریت کی تاکید کے لیے انھوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہماری غلام ہے۔

⑦ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات، فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد دی گئی۔ اور نزول تورات کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب عام سے ہلاک نہیں کیا بلکہ مومنوں کو یہ حکم دیا جاتا رہا کہ وہ کافروں سے جہاد کریں۔

الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿51﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿52﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ فَذَرْهُمْ

رسولو ! حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو [1] تم جو کچھ کررہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں ﴿51﴾ یقیناً تمھارا یہ دین ایک ہی دین ہے [2] اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو ﴿52﴾ پھر انھوں نے خود ہی اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیے، ہرگروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے ﴿53﴾ پس آپ بھی انھیں

---

⑧ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی جو رب کی قدرت کی ایک نشانی ہے، جس طرح آدم کو بغیر ماں اور باپ کے اور حوا کو بغیر مادہ کے حضرت آدم سے اور دیگر تمام انسانوں کو ماں اور باپ سے پیدا کرنا اس کی نشانیوں میں سے ہے۔

⑨ ﴿رَبْوَةٍ﴾ ''بلند جگہ'' سے بیت المقدس اور ﴿مَعِیْنٍ﴾ ''چشمہ جاری'' سے وہ چشمہ مراد ہے جو ایک قول کے مطابق ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت اللہ نے بطور خرق عادت حضرت مریم علیہا السلام کے پیروں کے نیچے سے جاری فرمایا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں گزرا۔

① ﴿الطَّیِّبٰتِ﴾ سے مراد پاکیزہ اور لذت بخش چیزیں ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ حلال چیزیں کیا ہے۔ دونوں ہی اپنی جگہ صحیح ہیں کیونکہ ہر پاکیزہ چیز اللہ نے حلال قرار دی ہے اور ہر حلال چیز پاکیزہ اور لذت بخش ہے۔ خبائث کو اللہ نے اسی لیے حرام کیا ہے کہ وہ اثرات ونتائج کے لحاظ سے پاکیزہ نہیں ہیں۔ گو خبائث خور قوموں کو اپنے ماحول اور عادت کی وجہ سے ان میں ایک گونہ لذت ہی محسوس ہوتی ہو۔ عمل صالح وہ ہے جو شریعت، یعنی قرآن وحدیث کے موافق ہو نہ کہ وہ جسے لوگ اچھا سمجھیں کیونکہ لوگوں کو تو بدعات بھی بہت اچھی لگتی ہیں بلکہ اہل بدعت کے ہاں جتنا اہتمام بدعات کا ہے، اتنا فرائض اسلام اور سنن ومستحبات کا بھی نہیں ہے۔ اکل حلال کے ساتھ عمل صالح کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اکل حلال سے عمل صالح آسان ہوجاتا ہے اور عمل صالح انسان کو اکل حلال پر آمادہ اور اسی پر قناعت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے تمام پیغمبروں کو ان دونوں باتوں کا حکم دیا، چنانچہ تمام پیغمبر محنت کر کے حلال کی روزی کمانے اور کھانے کا اہتمام کرتے رہے، جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے: «كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ» (صحيح البخاري، حديث: 2072) ''وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔'' اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قراریط کے عوض چراتا رہا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2262) آج کل بلیک میلروں، سمگلروں، رشوت وسود خوروں اور دیگر حرام خوروں نے محنت کر کے حلال روزی کمانے والوں کو حقیر اور پست طبقہ بنا کر رکھ دیا ہے، درآں حالیکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں حرام خوروں کے لیے عزت وشرف کا کوئی مقام نہیں، چاہے وہ قارون کے خزانوں کے مالک ہوں، احترام وتکریم کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو محنت کر کے حلال کی روزی کھاتے ہیں، چاہے روکھی سوکھی ہی ہو۔ اس لیے نبی ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ حرام کمائی والے کا صدقہ قبول فرماتا ہے نہ اس کی دعا ہی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 1015) ہمیں بھی عزت اور ذلت کے ان معیاروں کو اپنانا چاہیے جو اللہ کے ہاں ہیں۔

② ﴿اُمَّةً﴾ سے مراد دین ہے اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ وعمل پر خوش ہے۔ چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔

فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿54﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿58﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿62﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿63﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ ﴿64﴾

ان کی غفلت ہی میں کچھ مدت پڑا رہنے دیں ﴿54﴾[1] کیا یہ (یوں) سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال واولاد بڑھا رہے ہیں ﴿55﴾ تو اس سے ان کے لیے بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں ﴿56﴾ یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں ﴿57﴾ اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ﴿58﴾ اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ﴿59﴾ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿60﴾[2] یہی ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں ﴿61﴾ ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے،[3] اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے اور ان کے اوپر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا ﴿62﴾ بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت میں ہیں اور ان کے لیے اس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں[4] جنھیں وہ کرنے والے ہیں ﴿63﴾ یہاں تک کہ جب ہم نے اُن کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیا[5] تو وہ بلبلانے لگے ﴿64﴾

① غَمْرٌ: ماءِ کثیر (زیادہ پانی) کو کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ گمراہی کی تاریکیاں بھی اتنی گھمبیر ہوتی ہیں کہ اس میں گھرے ہوئے انسان کی نظروں سے حق اوجھل ہی رہتا ہے۔ غَمْرَة سے مراد یہاں حیرت، غفلت اور ضلالت ہے۔ آیت میں بطور تہدید ان کو چھوڑنے کا حکم ہے، مقصود وعظ ونصیحت سے روکنا نہیں ہے۔

② یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کسی کوتاہی کی وجہ سے ہمارا عمل یا صدقہ نامقبول قرار نہ پائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا: ڈرنے والے کون ہیں؟ وہ جو شراب پیتے، بدکاری کرتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں لیکن ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ نامقبول نہ ٹھہریں۔" (جامع الترمذي، حديث: 3175، ومسند أحمد: 205/6)

③ یہی مضمون سورۂ بقرہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔

④ یعنی شرک کے علاوہ دیگر کبائر یا وہ اعمال مراد ہیں جو مومنوں کے اعمال (خشیت الٰہی، ایمان بالتوحید وغیرہ) کے برعکس ہیں، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

⑤ مُتْرَفِيْنَ سے مراد متکبر آسودہ حال (مُتَنَعِّمِيْنَ) ہیں۔ عذاب تو آسودہ اور غیر آسودہ حال دونوں کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن آسودہ حال

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿65﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿66﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿69﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ

آج مت بلبلاؤ یقیناً تم ہمارے مقابلے پر مدد نہ کیے جاؤ گے ﴿65﴾ [1] میری آیتیں تو تمھارے سامنے پڑھی جاتی تھیں، [2] پھر بھی تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے بھاگتے تھے ﴿66﴾ [3] اکڑتے اینٹھتے، افسانہ گوئی کرتے ہوئے اسے [4] چھوڑ دیتے تھے ﴿67﴾ [5] کیا انھوں نے اس بات میں غور وفکر ہی نہیں کیا؟ [6] بلکہ ان کے پاس وہ آیا جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آیا تھا ﴿68﴾ [7] یا انھوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو رہے ہیں ﴿69﴾ [8] یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے؟ [9] بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لایا ہے۔

لوگوں کا نام خصوصی طور پر شاید اس لیے لیا گیا ہے کہ قوم کی قیادت بالعموم انھی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، وہ جس طرف چاہیں، قوم کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کریں اور اس پر ڈٹے رہیں تو انھی کی دیکھا دیکھی قوم بھی ٹس سے مس نہیں ہوتی اور توبہ و ندامت کی طرف نہیں آتی۔ یہاں مُتْرَفِينَ سے مراد وہ کفار ہیں جنھیں مال و دولت کی فراوانی اور اولاد و احفاد سے نواز کر مہلت دی گئی۔ جس طرح کہ چند آیات قبل ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا مراد چودھری اور سردار قسم کے لوگ ہیں۔ اور عذاب سے مراد اگر دنیوی ہے تو جنگ بدر میں جو کفار مکہ مارے گئے بلکہ نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں بھوک اور قحط سالی کا جو عذاب مسلط ہوا تھا، وہ مراد ہے یا پھر مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مگر یہ سیاق سے بعید ہے۔

① یعنی دنیا میں عذاب الٰہی سے دوچار ہو جانے کے بعد کوئی چیخ وپکار اور جزع فزع انھیں اللہ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتی۔ اسی طرح عذاب آخرت سے بھی انھیں چھڑانے والا یا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

② یعنی قرآن مجید یا احکام الٰہی جن میں پیغمبر کے فرمودات بھی شامل ہیں۔

③ نُکُوص کے معنی ہیں: رَجْعَتِ قَهْقَرٰی ''الٹے پاؤں لوٹنا'' لیکن بطور استعارہ اعراض اور روگردانی کے معنی ومفہوم میں استعمال ہوتا ہے، یعنی آیات واحکام الٰہی سن کر تم منہ پھیر لیتے تھے اور ان سے بھاگتے تھے۔

④ ﴿بِهٖ﴾ کا مرجع جمہور مفسرین نے البَيْتُ العَتِيقُ ''خانہ کعبہ'' یا حرم لیا ہے، یعنی انھیں اپنی تولیت خانہ کعبہ اور اس کا خادم و نگران ہونے کا جو غرہ تھا، اس کی بنا پر آیات الٰہی کا انکار کیا اور بعض نے اس کا مرجع قرآن کو بنایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل میں کبر ونخوت پیدا ہو جاتی جو انھیں قرآن پر ایمان لانے سے روک دیتی۔

⑤ سَمَرٌ کے اصل معنی ہیں: چاندنی، عام طور پر چاند راتوں میں کعبے کے اردگرد بیٹھ کر کفار مکہ باتیں کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ راتوں کی گفتگو کے لیے استعمال ہونے لگ گیا۔ یہاں اس کے معنی خاص طور پر ان باتوں کے ہیں جو قرآن کریم اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں وہ کرتے تھے اور اس کی بنا پر وہ حق کی بات سننے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے، یعنی چھوڑ دیتے۔ اور بعض نے ہجر کے معنی ہذیان گوئی اور بعض نے فحش گوئی کے کیے ہیں، یعنی راتوں کی گفتگو میں تم قرآن کی شان میں ہذیان بکتے ہو یا بے ہودہ اور فحش باتیں کرتے ہو جن میں کوئی بھلائی نہیں۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير)

⑥ بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس میں غور کر لیتے تو انھیں اس پر ایمان لانے کی توفیق نصیب ہو جاتی۔

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿70﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط بَلْ
اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿71﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ﴿72﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿73﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ
الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿74﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿75﴾ وَلَقَدْ
اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿76﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ

ہاں، ان میں اکثر حق سے چڑنے والے ہیں (70) ① اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔ ② حق تو یہ ہے کہ ہم نے انھیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں (71) کیا آپ ان سے کوئی اجرت چاہتے ہیں؟ یاد رکھیے کہ آپ کے رب کی اجرت بہت ہی بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی رساں ہے (72) یقیناً آپ تو انھیں راہِ راست کی طرف بلا رہے ہیں (73) بے شک جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں (74) ③ اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کی تکلیفیں دور کر دیں تو وہ تو اپنی اپنی سرکشی میں جم کر اور بہکنے لگیں (75) ④ اور ہم نے انھیں عذاب میں بھی پکڑا، تاہم وہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی (76) ⑤ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ

⑦ یہ ﴿ اَمْ ﴾ منقطعہ ہے جو اِضراب وانتقال کے لیے آتا ہے، یعنی بَل کے معنی میں ہے، یعنی ان کے پاس وہ دین اور شریعت آئی ہے جس سے ان کے آباء واجداد زمانہ جاہلیت میں محروم رہے۔ جس پر انھیں اللہ کا شکر ادا کرنا اور دین اسلام کو قبول کر لینا چاہیے تھا۔

⑧ یہ بطور توبیخ کے ہے کیونکہ وہ پیغمبر کے نسب، خاندان اور اسی طرح اس کی صداقت وامانت، راست بازی اور اخلاق وکردار کی بلندی کو جانتے تھے اور اس کا اعتراف کرتے تھے۔

⑨ یہ بھی زجر وتوبیخ کے طور پر ہی ہے، یعنی اس پیغمبر نے ایسا قرآن پیش کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اسی طرح اس کی تعلیمات نوعِ انسانی کے لیے رحمت اور امن وسکون کا باعث ہیں۔ کیا ایسا قرآن اور ایسی تعلیمات ایسا شخص بھی پیش کر سکتا ہے جو دیوانہ اور مجنون ہو؟

① یعنی ان کے اعراض اور استکبار کی اصل وجہ حق سے ان کی کراہت (ناپسندیدگی) ہے جو عرصہ دراز سے باطل کو اختیار کیے رکھنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

② حق سے مراد دین اور شریعت ہے، یعنی اگر دین ان کی خواہشات کے مطابق اترے تو ظاہر بات ہے کہ زمین وآسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے، مثلاً: وہ چاہتے ہیں کہ ایک معبود کی بجائے متعدد معبود ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو تو کیا نظام کائنات ٹھیک رہ سکتا ہے؟ وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ دیگر ان کی خواہشات ہیں۔

③ یعنی صراط مستقیم سے ان کے انحراف کی وجہ آخرت پر عدم ایمان ہے۔

④ اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں جو بغض وعناد تھا اور کفر وشرک کی دلدل میں جس طرح وہ پھنسے ہوئے تھے، اس میں ان کا بیان ہے۔

شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿77﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿79﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿80﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿81﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿82﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿83﴾

کھول دیا تو اسی وقت فوراً مایوس ہوگئے ﴿77﴾ [1] وہ اللہ ہے جس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے، مگر تم بہت (ہی) کم شکر کرتے ہو ﴿78﴾ [2] اور وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے ﴿79﴾ [3] اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات دن کے ردوبدل [4] کا مختار بھی وہی ہے۔ کیا تم کو سمجھ بوجھ نہیں؟ ﴿80﴾ [5] بلکہ ان لوگوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو پہلے لوگ کہتے چلے آئے ﴿81﴾ انھوں نے کہا: کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا پھر بھی ہم ضرور اٹھائے جائیں گے؟ ﴿82﴾ ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے پہلے ہی سے یہ وعدہ ہوتا چلا آیا ہے کچھ نہیں یہ تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ﴿83﴾ [6]

⑤ عذاب سے مراد یہاں وہ شکست ہے جو جنگ بدر میں کفار مکہ کو ہوئی جس میں ان کے ستر آدمی بھی مارے گئے تھے یا وہ قحط سالی کا عذاب ہے جو نبی ﷺ کی بددعا کے نتیجے میں ان پر آیا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ» (صحيح البخاري، حديث: 4824، وصحيح مسلم، حديث: 295-(675)) ''اے اللہ! جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں سات سال قحط رہا، اسی طرح قحط سالی میں انھیں مبتلا کر کے ان کے مقابلے میں میری مدد فرما۔'' چنانچہ کفار مکہ اس قحط سالی میں مبتلا کیے گئے جس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھیں اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ اب تو ہم جانوروں کی کھالیں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

① اس سے دنیا کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور آخرت کا بھی، جہاں وہ تمام راحت اور خیر سے مایوس اور محروم ہوں گے اور تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔

② یعنی عقل و فہم اور سننے کی یہ صلاحیتیں عطا کیں تا کہ ان کے ذریعے سے وہ حق کو پہچانیں، سنیں اور اسے قبول کریں۔ یہی ان نعمتوں کا شکر ہے مگر یہ شکر کرنے والے، یعنی حق کو اپنانے والے کم ہی ہیں۔

③ اس میں اللہ کی قدرت عظیمہ کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے تمھیں پیدا کر کے مختلف اطراف میں پھیلا دیا ہے، تمھارے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، زبانیں بھی مختلف اور عادات و رسومات بھی مختلف، پھر ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو زندہ کر کے وہ اپنی بارگاہ میں جمع فرمائے گا۔

④ یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا آنا، پھر رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔

⑤ جس سے تم یہ سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ اس ایک اللہ کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے سامنے ہر چیز جھکی ہوئی ہے۔

⑥ ﴿ اَسَاطِيْرُ ﴾ أُسْطُورَةٌ کی جمع ہے، یعنی مُسَطَّرَةٌ مَكْتُوبَةٌ لکھی ہوئی حکایتیں، کہانیاں، یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ کب سے ہوتا چلا آرہا ہے، ہمارے آباء و اجداد سے! لیکن ابھی تک روبہ عمل تو نہیں ہوا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کہانیاں ہیں جو پہلے

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿84﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿85﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿86﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿87﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿88﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿89﴾ بَلْ

پوچھیے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو؟ ﴿84﴾ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی۔ کہہ دیجیے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے ﴿85﴾ دریافت کیجیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعظمت عرش کا رب کون ہے؟ ﴿86﴾ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿87﴾[1] پوچھیے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے[2] اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا،[3] اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ ﴿88﴾ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر تم کدھر سے جادو کر دیے جاتے ہو؟ ﴿89﴾[4] حق یہ ہے

لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہیں جو نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

[1] یعنی جب تمھیں تسلیم ہے کہ زمین کا اور اس میں موجود تمام اشیاء کا خالق بھی ایک اللہ ہی ہے اور آسمان اور عرش عظیم کا مالک بھی وہی ہے تو پھر تمھیں یہ تسلیم کرنے میں تامل کیوں ہے کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ایک اللہ ہے، پھر تم اس کی وحدانیت کو تسلیم کر کے اس کے عذاب سے بچنے کا اہتمام کیوں نہیں کرتے؟

[2] یعنی جس کی وہ حفاظت کرنا چاہے اور اسے اپنی پناہ میں لے لے، کیا اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

[3] یعنی جس کو وہ نقصان پہنچانا چاہے، کیا کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی ہے کہ وہ اسے نقصان سے بچا لے اور اللہ کے مقابلے میں اپنی پناہ میں لے لے؟

[4] یعنی پھر تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اعتراف اور علم کے باوجود تم دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو؟ قرآن کریم کی اس صراحت سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی خالقیت و مالکیت اور رزاقیت کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ یہ سب باتیں تسلیم کرتے تھے، انھیں صرف توحید الوہیت سے انکار تھا، یعنی عبادت صرف ایک اللہ کی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ آسمان و زمین کی تخلیق یا اس کی تدبیر میں کوئی اور بھی شریک ہے بلکہ صرف اور صرف اس مغالطے کی بنا پر کہ یہ بھی اللہ کے نیک بندے تھے، ان کو بھی اللہ نے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور ہم ان کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہی مغالطہ آج کل کے قبر پرست اہل بدعت کو ہے، جس کی بنیاد پر وہ فوت شدگان کو مدد کے لیے پکارتے، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور ان کو اللہ کی عبادت میں شریک گردانتے ہیں، حالانکہ اللہ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں نے کسی فوت شدہ بزرگ، ولی یا نبی کو اختیارات دے رکھے ہیں، تم ان کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرو یا انھیں مدد کے لیے پکارو یا ان کے نام کی نذر و نیاز دو۔ اسی لیے اللہ نے آگے فرمایا کہ ہم نے انھیں حق پہنچا دیا، یعنی یہ اچھی طرح واضح کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اگر اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے، نہیں بلکہ محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور آباء پرستی کی وجہ سے اس شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ نہ ان کی کوئی اولاد ہے نہ اس کا کوئی شریک اگر ایسا ہوتا تو ہر شریک اپنے حصے کی مخلوق کا انتظام اپنی مرضی سے کرتا اور ہر ایک شریک دوسرے پر غالب آنے کی

50

أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿90﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ
كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾ ع ﴿5/15/5﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿93﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿94﴾ وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ
نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿95﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿96﴾ وَقُلْ رَّبِّ
اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿97﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿98﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

کہ ہم نے انھیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جھوٹے ہیں﴿90﴾ نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔ جو اوصاف یہ بتلاتے ہیں ان سے اللہ پاک ہے﴿91﴾ وہ غائب حاضر کا جاننے والا ہے اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے﴿92﴾ آپ دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا وعدہ انھیں دیا جا رہا ہے﴿93﴾ تو اے رب! تو مجھے ان ظالموں کے گروہ میں نہ کرنا﴿94﴾[1] ہم جو کچھ وعدے انھیں دے رہے ہیں سب آپ کو دکھا دینے پر یقیناً قادر ہیں﴿95﴾ برائی کو اس طریقے سے دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہو،[2] جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہم بخوبی واقف ہیں﴿96﴾ اور دعا کریں کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں﴿97﴾[3] اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ جائیں﴿98﴾[4] یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت

کوشش کرتا۔ اور جب ایسا نہیں ہے اور نظام کائنات میں ایسی کشاکشی نہیں ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور برتر ہے جو مشرکین اس کی بابت باور کراتے ہیں۔

[1] چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ دعا فرماتے تھے: «وَإِذَا أَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُونٍ» (جامع الترمذي، حديث: 3235، ومسند أحمد: 243/5) ''اے اللہ! جب تو کسی قوم پر آزمائش یا عذاب بھیجنے کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے۔''

[2] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ''برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو اچھا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن بھی تمھارا گہرا دوست بن جائے گا۔'' (حٰمٓ السجدة 34:41)

[3] چنانچہ نبی ﷺ شیطان سے اس طرح استعاذہ کرتے: «أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ» (سنن أبي داود، حديث: 775، وجامع الترمذي، حديث: 242)

[4] اسی لیے نبی ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرو، یعنی بسم اللہ پڑھ کر کیونکہ اللہ کی یاد شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اسی لیے آپ یہ دعا بھی مانگتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَمِنَ الْغَرَقِ وَأَعُوذُبِكَ أَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ» (سنن أبي داود، حديث: 1552) ''اے اللہ! میں از حد بوڑھا ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس سے کہ کوئی مکان یا دیوار مجھ پر آ گرے اور غرق ہو جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے موت کے وقت بدحواس کر دے۔'' رات کو گھبراہٹ میں آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے: «بِاسْمِ اللّٰهِ، أَعُوذُ

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿99﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿101﴾

آنے لگتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے ﴿99﴾ کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں،[1] ہرگز ایسا نہیں ہوتا،[2] یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے،[3] ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے، ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ﴿100﴾[4] پس جب کہ صور پھونک دیا جائے گا اس دن نہ تو آپس کے رشتے ہی رہیں گے نہ آپس کی پوچھ گچھ ﴿101﴾[5]

بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَّحْضُرُونِ»(مسند أحمد: 181/2، وسنن أبي داود، حديث: 3893، وجامع الترمذي، حديث: 3528) ’’اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعے سے پناہ مانگتا ہوں، اس کی ناراضی اور اس کی سزا اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسہ ڈالنے (گناہوں پر ابھارنے اور اکسانے) سے اور اس بات سے کہ وہ (شیطان) میرے پاس آئیں۔‘‘

① یہ آرزو ہر کافر موت کے وقت، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت، بارگاہ الٰہی میں قیام کے وقت اور جہنم میں دھکیل دیے جانے کے وقت کرتا ہے اور کرے گا لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں اس مضمون کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (سورۂ انعام 28,27:6، سورۂ اعراف 53:7، سورۂ ابراہیم 44:41، سورۂ سجدہ 12:32، سورۂ فاطر 37:35، سورۂ مؤمن 12,11:40، سورۂ شوریٰ 24:32، سورۂ منافقون 11,10:63 وغیرها من الآیات)

② ﴿ كَلَّا ﴾ ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے، یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔

③ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ جو ہر کافر نزع (جانکنی) کے وقت کہتا ہے۔ دوسرے معنی ہیں کہ یہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائیں تو ان کا یہ قول، قول ہی رہے گا، عمل صالح کی توفیق انھیں پھر بھی نصیب نہیں ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ (الأنعام 28:6) ’’اگر انھیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ پھر وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔‘‘ حضرت قتادہ فرماتے ہیں: کافر کی اس آرزو میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، کافر دنیا میں اپنے خاندان اور قبیلے کے پاس جانے کی آرزو نہیں کرے گا بلکہ عمل صالح کے لیے دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا، اس لیے زندگی کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے زیادہ سے زیادہ عمل صالح کر لیے جائیں تاکہ کل قیامت کو یہ آرزو کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ (ابن کثیر)

④ دو چیزوں کے درمیان حجاب اور آڑ کو برزخ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان جو وقفہ ہے، اسے یہاں برزخ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی کا آغاز اس وقت ہوگا جب تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ درمیان کی زندگی، جو قبر میں یا پرندے کے پیٹ میں یا جلا ڈالنے کی صورت میں مٹی کے ذرات میں گزرتی ہے، برزخ کی زندگی ہے۔ انسان کا یہ وجود جہاں بھی اور جس شکل میں بھی ہوگا۔ بظاہر وہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہوگا یا راکھ بنا کر ہواؤں میں اڑا دیا یا دریاؤں میں بہا دیا گیا ہوگا۔ یا کسی جانور کی خوراک بن گیا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ سب کو ایک نیا وجود عطا فرما کر میدان محشر میں جمع فرمائے گا۔

⑤ محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ابتداءً ایسا ہوگا۔ بعد میں وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی کریں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿104﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿105﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿106﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿107﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿108﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿109﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿110﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿111﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا

جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہوگیا وہ تو نجات والے ہوگئے ﴿102﴾ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہوگیا یہ ہیں وہ جنھوں نے اپنا نقصان آپ کرلیا جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے ﴿103﴾ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی [1] اور وہ وہاں بدشکل بنے ہوئے ہوں گے ﴿104﴾ [2] کیا میری آیتیں تمھارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ پھر بھی تم انھیں جھٹلاتے تھے ﴿105﴾ کہیں گے کہ اے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب [3] آگئی (واقعی) ہم تھے ہی گمراہ ﴿106﴾ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نجات دے اگر اب بھی ہم ایسا ہی کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں ﴿107﴾ اللہ فرمائے گا: پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو ﴿108﴾ میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ﴿109﴾ (لیکن) تم انھیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد (بھی) بھلا دی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے ﴿110﴾ میں نے آج انھیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں ﴿111﴾ [4] اللہ دریافت فرمائے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ ﴿112﴾ وہ کہیں گے:

[1] چہرے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ انسانی وجود کا سب سے اہم اور اشرف حصہ ہے، ورنہ جہنم کی آگ تو پورے جسم کو ہی محیط ہوگی۔

[2] اَلْکَالِحُ کے معنی ہوتے ہیں: ہونٹ سکڑ کر دانت ظاہر ہو جائیں۔ ہونٹ گویا دانتوں کا لباس ہیں، جب یہ جہنم کی آگ سے سمٹ اور سکڑ جائیں گے تو دانت ظاہر ہو جائیں گے جس سے انسان کی صورت بدشکل اور ڈراؤنی ہو جائے گی۔

[3] لذات اور شہوات کو، جو انسان پر غالب رہتی ہیں، یہاں بدبختی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کا نتیجہ دائمی بدبختی ہے۔

[4] دنیا میں اہل ایمان کے لیے ایک صبر آزما مرحلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جب دین و ایمان کے مقتضیات پر عمل کرتے ہیں تو دین سے ناآشنا اور ایمان سے بے خبر لوگ انھیں استہزا و ملامت کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ کتنے ہی کمزور ایمان والے ہیں کہ وہ ان ملامتوں سے ڈر کر بہت سے احکام الٰہیہ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں، جیسے داڑھی ہے، پردے کا مسئلہ ہے، شادی بیاہ کی ہندوانہ رسومات سے اجتناب ہے وغیرہ وغیرہ۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو کسی بھی ملامت کی پروا نہیں کرتے اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے کسی بھی موقع پر انحراف نہیں کرتے۔ ﴿وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن انھیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور انھیں

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿114﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿115﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿116﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿117﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿118﴾ ع 6 26 6

اٰيَاتُهَا 64 (24) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ (102) رُكُوْعَاتُهَا 9

سورۂ نور مدنی ہے، اس میں 64 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

ایک دن یا ایک دن سے بھی کم، گنتی گننے والوں سے بھی پوچھ لیجیے ﴿113﴾ [1] اللہ فرمائے گا فی الواقع تم وہاں بہت ہی کم رہے ہو اے کاش! تم اسے پہلے ہی سے جان لیتے؟ ﴿114﴾ [2] کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ ہم نے تمھیں یونہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے ﴿115﴾ اللہ سچا بادشاہ ہے، وہ بڑی بلندی والا ہے، [3] اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے ﴿116﴾ [4] جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں ﴿117﴾ [5] اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے ﴿118﴾

کامیابی سے سرفراز کرے گا جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ.

① اس سے مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال اور عمریں لکھنے پر مامور ہیں یا وہ انسان مراد ہیں جو حساب کتاب میں مہارت رکھتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکیاں، ان کے ذہنوں سے دنیا کی عیش و عشرت کو محو کر دیں گی اور دنیا کی زندگی انھیں ایسے لگے گی جیسے دن یا آدھا دن، اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم تو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت دنیا میں رہے۔ بے شک تو فرشتوں سے یا حساب جاننے والوں سے پوچھ لے۔

② اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں یقیناً دنیا کی زندگی بہت ہی قلیل ہے۔ لیکن اس نکتے کو دنیا میں تم نے نہیں جانا۔ کاش! تم دنیا میں اس حقیقت سے (دنیا کی بے ثباتی سے) آگاہ ہو جاتے تو آج تم بھی اہل ایمان کی طرح کامیاب و کامران ہوتے۔

③ یعنی وہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ تمھیں بغیر کسی مقصد کے یوں ہی ایک کھیل کے طور پر بے کار پیدا کرے۔ اور تم جو چاہو کرو، تم سے اس کی کوئی باز پرس ہی نہ ہو بلکہ اس نے تمھیں ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ ہے اس کی عبادت کرنا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

④ عرش کی صفت کریم بیان فرمائی کہ وہاں سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

⑤ اس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت میں عذاب الٰہی سے بچ جانا ہے، محض دنیا کی دولت اور آسائشوں کی فراوانی، کامیابی نہیں، یہ تو دنیا میں کافروں کو بھی حاصل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فلاح کی نفی فرما رہا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اصل فلاح آخرت کی فلاح ہے جو اہل ایمان کے حصے میں آئے گی نہ کہ دنیوی مال و اسباب کی کثرت جو کہ بلا تفریق مومن و کافر سب کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

▩ سورۂ نور، احزاب اور نساء یہ تینوں سورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کے خصوصی مسائل اور معاشرتی زندگی کی بابت اہم تفصیلات

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ② اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ز

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے [1] اور مقرر کر دی ہے اور جس میں ہم نے کھلی آیتیں (احکام) اتاری ہیں تاکہ تم یاد رکھو① زنا کار عورت و مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ [2] ان پر اللہ کی شریعت کی حد جاری کرتے ہوئے تمھیں ہرگز ترس نہ کھانا چاہیے، اگر تمھیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔ [3] ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے② [4] زانی مرد، بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور سے نکاح نہیں کرتا

بیان کی گئی ہیں۔

① قرآن کریم کی ساری ہی سورتیں اللہ کی نازل کردہ ہیں لیکن اس سورت کی بابت جو یہ کہا تو اس سے اس سورت میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔

② بدکاری کی ابتدائی سزا جو اسلام میں عبوری طور پر بتلائی گئی تھی، وہ سورۂ نساء، آیت:15 میں گزر چکی ہے، اس میں کہا گیا تھا کہ اس کے لیے جب تک مستقل سزا مقرر نہ کی جائے، ان بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو! پھر جب سورۂ نور کی یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق بدکار مرد و عورت کی مستقل سزا مقرر کر دی گئی ہے، وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ ہے کنوارے (غیر شادی شدہ) مرد اور عورت کے لیے سو سو کوڑے اور شادی شدہ مرد و عورت کو سو سو کوڑے اور سنگساری کے ذریعے سے مار دینا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 12-(1690)، وسنن أبي داود، حدیث: 4415، وجامع الترمذي، حدیث: 1434، وسنن ابن ماجه، حدیث: 2550) پھر آپ نے شادی شدہ زانیوں کو عملاً سزائے رجم دی اور سو کوڑے (جو چھوٹی سزا ہے) بڑی سزا میں مدغم ہو گئے اور اب شادی شدہ زانیوں کے لیے سزا صرف رجم (سنگساری) ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور عہد صحابہ میں بھی یہی سزا دی گئی اور بعد میں تمام امت کے فقہاء و علماء بھی اسی کے قائل رہے اور آج تک قائل ہیں۔ صرف خوارج نے اس سزا کا انکار کیا اور خوارج کے بعد اب فراہی فرقے کی ذیلی شاخ اصلاحی و غامدی فرقے کے ''امام ثانی و ثالث'' نے اس سزا کا انکار کیا ہے۔ اور منکرین حدیث بھی اس کے منکر ہیں۔ اس انکار کی اصل بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے کیونکہ رجم کی سزا صحیح اور نہایت قوی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے روایت کرنے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ علماء نے اسے متواتر روایات میں شمار کیا ہے اس لیے ایک مسلمان شخص رجم کا انکار نہیں کر سکتا۔

③ اس کا مطلب یہ ہے کہ ترس کھا کر سزا دینے سے گریز مت کرو، ورنہ طبعی طور پر ترس کا آنا، ایمان کے منافی نہیں، یہ منجملہ خواص طبائع انسانی میں سے ہے۔

④ تاکہ سزا کا اصل مقصد کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں، زیادہ وسیع پیمانے پر حاصل ہو سکے۔ بدقسمتی سے آج کل برسرعام سزا کو انسانی حقوق کے خلاف باور کرایا جا رہا ہے۔ یہ سراسر جہالت، احکام الٰہی سے بغاوت اور بزعم خویش اللہ سے بھی زیادہ انسانوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بننا ہے۔ درآں حالیکہ اللہ سے زیادہ رؤف رحیم کوئی نہیں۔

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ

اور زنا کار عورت بھی بجز زانی یا مشرک مرد کے اور سے نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں پر یہ حرام کر دیا گیا③ [1] جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انھیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ فاسق لوگ ہیں④ [2] ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں [3] تو اللہ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے⑤ جو لوگ اپنی

[1] اس کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ ① بعض کہتے ہیں کہ یہ غالب احوال کے اعتبار سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ عام طور پر بدکار قسم کے لوگ نکاح کے لیے اپنے ہی جیسے لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، چنانچہ زانیوں کی اکثریت زانیوں کے ساتھ ہی نکاح کرنا پسند کرتی ہے اور مقصود اس سے اہل ایمان کو متنبہ کرنا ہے کہ جس طرح زنا ایک نہایت قبیح اور بڑا گناہ ہے، اسی طرح زنا کاروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنا بھی منع اور حرام ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس مفہوم کو راجح قرار دیا ہے اور احادیث میں اس کا جو سبب نزول بیان کیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک شخص نے بدکار عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی انھیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ ایک شخص نے جس عورت سے یا عورت نے جس مرد سے بدکاری کی ہو۔ ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خالص توبہ کر لیں تو پھر ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) ② بعض کہتے ہیں کہ یہاں نکاح سے مراد معروف نکاح نہیں ہے بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے اور مقصد زنا کی شناعت و قباحت بیان کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدکار مرد اپنی جنسی خواہش کی ناجائز طریقے سے تسکین کے لیے بدکار عورت کی طرف اور اسی طرح بدکار عورت بدکار مرد کی طرف رجوع کرتی ہے، مومنوں کے لیے ایسا کرنا، یعنی زنا کاری حرام ہے۔ اور مشرک مرد و عورت کا ذکر اس لیے کر دیا کہ شرک بھی زنا سے ملتا جلتا گناہ ہے جس طرح مشرک اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پر جھکتا ہے اسی طرح ایک زنا کار اپنی بیوی کو چھوڑ کر یا بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ کر غیروں سے اپنا منہ کالا کرتی ہے۔ یوں مشرک اور زانی کے درمیان ایک عجیب معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔

[2] اس میں قذف (بہتان تراشی) کی سزا بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی پاک دامن عورت یا مرد پر زنا کی تہمت لگائے (اسی طرح جو عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت عائد کرے) اور وہ بطور ثبوت چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے لیے تین حکم بیان کیے گئے ہیں: ① انھیں اسی (80) کوڑے لگائے جائیں ② ان کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے (3) وہ عنداللہ وعندالناس فاسق ہیں۔

[3] توبہ سے کوڑوں کی سزا تو معاف نہیں ہوگی، وہ تائب ہو جائے یا اصرار کرے، یہ سزا تو بہر حال ملے گی، البتہ دوسری دو باتیں جو ہیں، مردود الشہادۃ اور فاسق ہونا، اس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء اس استثنا کو فسق تک محدود رکھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد وہ فاسق نہیں رہے گا۔ اور بعض مفسرین دونوں جملوں کو اس میں شامل سمجھتے ہیں، یعنی توبہ کے بعد مقبول الشہادۃ بھی ہو جائے گا۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے اور ﴿ اَبَدًا ﴾ کا مطلب بیان کیا ہے: مَادَامَ قَاذِفًا یعنی جب تک وہ بہتان تراشی پر قائم رہے گا۔ جس طرح کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہیں تو یہاں ”کبھی“ کا مطلب یہی ہوگا کہ جب تک وہ کافر ہے۔

يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع 1/10/7 اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا

بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اوران کا کوئی گواہ بجز خودان کی ذات کے نہ ہوتو ایسے لوگوں میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ سچوں میں سے ہے ⑥ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو ⑦ [1] اور اس عورت سے سزا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً اس کا مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے ⑧ اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو ⑨ [2] اگر اللہ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا [3] (تو تم پر مشقت اترتی) اور اللہ توبہ قبول کرنے والا باحکمت ہے ⑩ جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں [4] یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے۔ [5] تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔ [6] ہاں، ان میں سے ہر ایک شخص پر اتنا گناہ ہے جتنا

---

① اس میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی لیکن چونکہ زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی عینی گواہی ضروری ہے، اس لیے جب تک چار گواہ نہ ہوں، اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد شریعت نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ یہ شخص عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے یا یہ بچہ یا حمل اس کا نہیں ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔

② یعنی اگر خاوند کے جواب میں بیوی چار مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے (اور یہ جھوٹی ہے) تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی۔ اسے لعان اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں ہی اپنے آپ کو جھوٹا ہونے کی صورت میں مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں ایسے بعض واقعات پیش آئے جن کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وہی واقعات ان آیات کے نزول کا سبب بنے۔

③ اس کا جواب محذوف ہے تو تم میں سے جھوٹے پر فوراً اللہ کا عذاب نازل ہو جاتا لیکن چونکہ وہ ﴿تَوَّابٌ﴾ ہے اور حکیم بھی، اس لیے ایک تو اس نے ستر پوشی کر دی تاکہ اس کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کر لے تو وہ اسے اپنے دامان رحمت میں ڈھانپ لے گا اور حکیم بھی ہے کہ اس نے لعان جیسا مسئلہ بیان کر کے مرد اور عورت دونوں کے لیے ایک نہایت معقول اور آسان تجویز مہیا کر دی ہے۔

④ اِفْكٌ سے مراد وہ واقعۂ افک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت وعزت کو داغ دار کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔ مختصراً یہ واقعہ یوں

اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ⑫ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ

اس نے کمایا ہے اوران میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا ہے اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے ⑪ [1] اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے ⑫ [2] وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟

ہے کہ حکم حجاب کے بعد غزوۂ بنی مصطلق (مریسیع) سے واپسی پر نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کے قریب ایک جگہ قیام فرمایا، صبح کو جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی، جو خالی تھا، اہل قافلہ نے یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس کے اندر ہی ہوں گی۔ اور وہاں سے روانہ ہو گئے، درآں حالیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے باہر گئی ہوئی تھیں اور وہاں پر اسے اپنے ہار کی تلاش میں، جو وہیں گر گیا تھا، دیر ہوگئی جب واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ چلا گیا۔ تو یہ سوچ کر وہیں لیٹ رہیں کہ جب ان کو میری غیر موجودگی کا علم ہوگا تو تلاش کے لیے واپس آئیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ آ گئے، جن کی ذمہ داری یہی تھی کہ قافلے کی رہ جانے والی چیزیں سنبھال لیں۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انھیں دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ ......الخ پڑھا اور سمجھ گئے کہ قافلہ غلطی سے یا لاعلمی میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو یہیں چھوڑ کر آگے چلا گیا ہے، چنانچہ انھوں نے انھیں اپنے اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل تھامے پیدل چلتے قافلے کو جا ملے۔ منافقین نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح بعد میں اکیلے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آتے دیکھا تو اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یہ تنہائی اور علیحدگی بے سبب نہیں اور یوں انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مطعون کر دیا، درآں حالیکہ دونوں ان باتوں سے یکسر بے خبر تھے۔ بعض مخلص مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، مثلاً: حضرت حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم (اس واقعہ کی پوری تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے) نبی ﷺ پورے ایک مہینے تک، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل نہیں ہوئی، سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لاعلمی میں اپنی جگہ بے قرار و مضطرب۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اِفْكٌ کے معنی ہیں: کسی چیز کو الٹا دینا۔ اس واقعے میں بھی چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا تھا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ثنا و تعریف کی مستحق تھیں، عالی نسب اور رفعت کردار کی مالک تھیں نہ کہ قذف کی۔ لیکن ظالموں نے اس پیکر عفت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی کا ہدف بنا لیا۔

⑤ ایک گروہ اور جماعت کو ﴿عُصْبَةٌ﴾ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تقویت اور عصبیت کا باعث ہوتے ہیں۔

⑥ کیونکہ اس سے ایک تو تمھیں کرب اور صدمے کے سبب ثواب عظیم ملے گا، دوسرے آسمانوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت سے ان کی عظمت شان اور ان کے خاندان کا شرف و فضل نمایاں تر ہو گیا۔ علاوہ ازیں اہل ایمان کے لیے اس میں عبرت و موعظت کے اور کئی پہلو ہیں۔

① اس سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے جو اس سازش کا سرغنہ تھا۔

② یہاں سے تربیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جو اس واقعے میں مضمر ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان ایک جان کی طرح ہیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی

فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑭ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ⑮ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ

اور جب گواہ نہیں لائے تو یہ بہتان باز لوگ یقیناً اللہ کے نزدیک محض جھوٹے ہیں⑬ اگر اللہ کا فضل وکرم تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتا تو یقیناً تم نے جس بات کے چرچے شروع کر رکھے تھے اس بارے میں تمھیں بہت بڑا عذاب پہنچتا⑭ جبکہ تم اسے اپنی زبانوں سے نقل درنقل کرنے لگے اور اپنے منہ سے وہ بات نکالنے لگے جس کی تمھیں مطلق خبر نہ تھی، گو تم اسے ہلکی بات سمجھتے رہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی⑮ تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات مونہوں سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اور تہمت ہے⑯ [1] اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو⑰ اللہ تمھارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے⑱ جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے

اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا؟

[1] دوسری بات اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بتلائی کہ اس بہتان پر انھوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا جبکہ اس کے لیے چار گواہ ضروری تھے، اس کے باوجود تم نے ان بہتان تراشوں کو جھوٹا نہیں کہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کو حد قذف لگائی گئی۔ (مسند أحمد: 35/6، وجامع الترمذي، حديث: 3181، وسنن أبي داود، حديث: 4475، وسنن ابن ماجه، حديث: 2567) عبداللہ بن ابی کو سزا اس لیے نہیں دی گئی کہ اس کے لیے آخرت کے عذاب عظیم کو ہی کافی سمجھ لیا گیا اور مومنوں کو سزا دے کر دنیا میں ہی پاک کر دیا گیا۔ دوسرے، اس کے پیچھے ایک پورا جتھہ تھا، اس کو سزا دینے کی صورت میں کچھ ایسے خطرات تھے کہ جن سے نمٹنا اس وقت مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے مصلحتاً اسے سزا دینے سے گریز کیا گیا۔ (فتح القدير) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کا فضل واحسان تم پر نہ ہوتا تو تمھارا یہ رویہ کہ تم نے بلا تحقیق اس افواہ کو آگے پھیلانا شروع کر دیا، عذاب عظیم کا باعث تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افواہ سازی اور اس کی نشر واشاعت بھی جرم عظیم ہے جس پر انسان عذاب عظیم کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔ چوتھی بات کہ یہ معاملہ براہ راست حرم رسول اور ان کی عزت وآبرو کا تھا لیکن تم نے اسے قرار واقعی اہمیت نہیں دی اور اسے ہلکا سمجھا۔ اس سے بھی یہ سمجھانا مقصود ہے کہ محض آبروریزی ہی بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی حد سو کوڑے یا رجم ہے بلکہ کسی کی عزت وآبرو پر اس طرح حملہ کرنا اور کسی عفت مآب خاندان کی تذلیل واہانت کا سروسامان کرنا بھی اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے، اسے ہلکا مت سمجھو۔ اسی لیے آگے پھر مزید تاکید کرتے ہوئے کہا کہ تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں ایسی بات منہ سے نکالنی بھی لائق نہیں۔ یہ یقیناً بہتان عظیم ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو نام نہاد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حیائی کا الزام عائد کرتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ کی اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔ (أيسر التفاسير)

الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿19﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿20﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿21﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ

آرزومند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، (1) اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے (19) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بڑی شفقت رکھنے والا مہربان ہے (2) (تو تم پر عذاب اتر پڑتا) (20) ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے، وہ تو بے حیائی اور برے کاموں ہی کا حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ (3) اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے (21) تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انھیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو اللہ کی راہ میں دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیے بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔

(1) ﴿اَلْفَاحِشَةُ﴾ کے معنی بے حیائی کے ہیں اور قرآن نے بدکاری کو بھی فاحشہ قرار دیا ہے۔ (بنیٓ إسرآء یل: 32:17) اور یہاں بدکاری کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے حیائی سے تعبیر فرمایا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا باعث قرار دیا ہے، جس سے بے حیائی کے بارے میں اسلام کے مزاج کا اور اللہ تعالیٰ کے منشا کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض بے حیائی کی ایک جھوٹی خبر کی اشاعت عنداللہ اتنا بڑا جرم ہے تو جو لوگ رات دن ایک مسلمان معاشرے میں اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، فلموں اور ڈراموں کے ذریعے سے بے حیائی پھیلا رہے ہیں اور گھر گھر اسے پہنچا رہے ہیں، اللہ کے ہاں یہ لوگ کتنے بڑے مجرم ہوں گے؟ اور ان اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کیونکر اشاعت فاحشہ کے جرم سے بری الذمہ قرار پائیں گے؟ اسی طرح اپنے گھروں میں ٹی وی لا کر رکھنے والے، جس سے ان کی آئندہ نسلوں میں بے حیائی پھیل رہی ہے، وہ بھی اشاعت فاحشہ کے مجرم کیوں نہیں ہوں گے؟ اور یہی معاملہ روزنامہ اخبارات کا ہے کہ ان کا بھی گھروں کے اندر آنا اشاعت فاحشہ کا ہی سبب ہے، یہ بھی عنداللہ جرم ہو سکتا ہے۔ کاش! مسلمان اپنی ان ذمے داریوں کا احساس کریں اور اس بے حیائی کے طوفان کو روکنے کے لیے اپنی مقدور بھر سعی کریں۔

(2) جواب محذوف ہے اور وہ یہ کہ پھر اللہ کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لیتا۔ یہ محض اس کا فضل اور اس کی شفقت و رحمت ہے کہ اس نے تمھارے اس جرم عظیم کو معاف فرما دیا۔

(3) اس مقام پر شیطان کی پیروی سے ممانعت کے بعد یہ فرمانا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا، اس سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ واقعۂ افک میں ملوث ہونے سے بچ گئے، یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے جو ان پر ہوا، ورنہ وہ بھی اسی رو میں بہہ جاتے جس میں بعض مسلمان بہہ گئے تھے، اس لیے شیطان کے داؤ اور فریب سے بچنے کے لیے ایک تو ہر وقت اللہ سے مدد طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے رہو اور دوسرے جو لوگ اپنے نفس کی کمزوری سے شیطان کے

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿22﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿23﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿25﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھارے قصور معاف فرما دے؟[1] اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے ﴿22﴾ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی باایمان عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے ﴿23﴾[2] جس دن ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ﴿24﴾[3] اس دن اللہ انھیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے (اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے ﴿25﴾ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں

فریب کا شکار ہو گئے ہیں، ان کو زیادہ ہدف ملامت مت بناؤ بلکہ خیر خواہانہ طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

① حضرت مسطح رضی اللہ عنہ جو واقعۂ افک میں مبتلاء ہو گئے تھے، فقرائے مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی کفالت اور ان سے مالی تعاون کرتے تھے، جب یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف مہم میں شریک ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک فطری امر تھا، چنانچہ نزول براءت کے بعد غصے میں انھوں نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم (جو اگرچہ انسانی فطرت کے مطابق ہی تھی، تاہم مقام صِدِیقِیّتُ اس سے بلند تر کردار کا متقاضی تھا) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی اور یہ آیت نازل فرمائی جس میں بڑے پیار سے ان کے اس عاجلانہ بشری اقدام پر انھیں متنبہ فرمایا کہ تم سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرماتا رہے تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری غلطیاں معاف فرما دے؟ یہ انداز بیان اتنا مؤثر تھا کہ اسے سنتے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے: ''کیوں نہیں اے ہمارے رب! ہم ضرور یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے۔'' اس کے بعد انھوں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے حسب سابق مسطح کی مالی سرپرستی شروع فرما دی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر)

② بعض مفسرین نے اس آیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دیا ہے کہ اس آیت میں بطور خاص ان پر تہمت لگانے کی سزا بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے لیے توبہ نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے اور اس میں وہی حد قذف بیان کی گئی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اگر تہمت لگانے والا مسلمان ہے تو لعنت کا مطلب ہوگا کہ وہ قابل حد ہے اور مسلمانوں کے لیے نفرت اور بُعد کا مستحق۔ اور اگر کافر ہے تو مفہوم واضح ہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ملعون، یعنی رحمت الٰہی سے محروم ہے۔

③ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی اور احادیث میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔[1] ایسے پاک لوگوں کے متعلق جو کچھ بکواس یہ (بہتان باز) کر رہے ہیں، وہ ان سے بالکل بری ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والی روزی﴿26﴾[2] اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو،[3] یہی تمھارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو﴿27﴾[4] اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے

[1] اس کا ایک مفہوم تو یہی بیان کیا گیا ہے جو ترجمے سے واضح ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً﴾ کے ہم معنی آیت ہوگی اور ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ﴾ اور ﴿اَلْخَبِيْثُوْنَ﴾ سے زانی مرد و عورت اور ﴿اَلطَّيِّبٰتُ﴾ اور ﴿اَلطَّيِّبُوْنَ﴾ سے مراد پاک دامن عورت اور مرد ہوں گے۔ دوسرے معنی اس کے ہیں کہ ناپاک باتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک باتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ ناپاک باتیں وہی مرد و عورت کرتے ہیں جو ناپاک ہیں اور پاکیزہ باتیں کرنا پاکیزہ مردوں اور عورتوں کا شیوہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ناپاکی کا الزام عائد کرنے والے ناپاک اور ان سے اس کی براءت کرنے والے پاک ہیں۔

[2] اس سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوگی۔

[3] گزشتہ آیات میں زنا اور قذف اور ان کی حدوں کا بیان گزرا، اب اللہ تعالیٰ گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرما رہا ہے تاکہ مرد و عورت کے درمیان اختلاط نہ ہو جو عام طور پر زنا یا قذف کا سبب بنتا ہے۔ استیناس کے معنی ہیں: معلوم کرنا، یعنی جب تک تمھیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اندر کون ہے اور اس نے تمھیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے، اس وقت تک داخل نہ ہو۔ بعض نے ﴿تَسْتَاْنِسُوْا﴾ کے معنی تَسْتَأْذِنُوا کے کیے ہیں جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ آیت میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا ذکر پہلے اور سلام کرنے کا ذکر بعد میں ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سلام کرتے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے۔ اسی طرح آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ آپ تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے اگر کوئی جواب نہ آتا تو آپ واپس لوٹ آتے۔ اور یہ بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اجازت طلبی کے وقت آپ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تاکہ ایک دم سامنا نہ ہو جس میں بے پردگی کا امکان رہتا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح البخاري، حدیث: 6245، ومسند أحمد: 422/3، وسنن أبي داود، حدیث: 5186,5185) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکنے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (صحیح البخاري، حدیث: 6902، وصحیح مسلم، حدیث: 2158) آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ جب اندر سے صاحب بیت پوچھے: کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ''میں میں'' کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نام لے کر اپنا تعارف کرائے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 6250، وصحیح مسلم، حدیث: 38-(2155)، وسنن أبي داود، حدیث: 5187)

فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿28﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿29﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿30﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

تو تم لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب جانتا ہے﴿28﴾ ہاں، غیر آباد گھروں میں، جہاں تمھارا کوئی فائدہ یا اسباب ہو، جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔[1] تم جو کچھ بھی ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، اللہ سب کچھ جانتا ہے﴿29﴾[2] مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں،[3] اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔[4] یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے، لوگ جو کچھ کریں اللہ سب سے خبردار ہے﴿30﴾ مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں[5] اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں،[6] سوائے اس کے جو ظاہر ہے[7]

﴿4﴾ یعنی عمل کرو، مطلب یہ ہے کہ اجازت طلبی اور سلام کرنے کے بعد گھر کے اندر داخل ہونا، دونوں کے لیے اچانک داخل ہونے سے بہتر ہے۔

﴿1﴾ اس سے مراد کون سے گھر ہیں جن میں بغیر اجازت لیے داخل ہونے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو بطور خاص مہمانوں کے لیے الگ تیار یا مخصوص کر دیے گئے ہوں۔ ان میں صاحب خانہ کی پہلی مرتبہ اجازت کافی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرائے ہیں جو مسافروں کے لیے ہی ہوتی ہیں یا تجارتی گھر ہیں، ﴿مَتَاعٌ﴾ کے معنی منفعت کے ہیں، یعنی جن میں تمھارا فائدہ ہو۔

﴿2﴾ اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو دوسروں کے گھروں میں داخل ہوتے وقت مذکورہ آداب کا خیال نہیں رکھتے۔

﴿3﴾ جب کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا تو اس کے ساتھ ہی غَضِّ بَصر (آنکھوں کو پست رکھنے یا بند رکھنے) کا حکم دے دیا تاکہ اجازت طلب کرنے والا بھی بالخصوص اپنی نگاہوں پر کنٹرول رکھے۔

﴿4﴾ یعنی ناجائز استعمال سے اس کو بچائیں یا انھیں اس طرح چھپا کر رکھیں کہ ان پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ اس کے یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں کیونکہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔ علاوہ ازیں نظروں کی حفاظت کا پہلے ذکر کیا کیونکہ اس میں بے احتیاطی ہی حفظ فروج سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

﴿5﴾ عورتیں بھی اگرچہ غض بصر اور حفظ فروج کے پہلے حکم میں داخل تھیں جو تمام مومنین کو دیا گیا ہے اور مومنین میں مومن عورتیں بھی بالعموم شامل ہی ہوتی ہیں لیکن ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عورتوں کو بھی بطور خاص دوبارہ وہی حکم دیا جا رہا ہے جس سے مقصود تاکید ہے بعض علماء نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ اور بعض نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کا کھیل دیکھنے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 454) بغیر شہوت کے مردوں کی طرف دیکھنے کی عورتوں کو اجازت دی ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں،① اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں،② سوائے اپنے خاوندوں کے③ یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے لڑکوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے④

ان کو حضرت ابن ام مکتوم (نابینا، صحابی) کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''تم وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکو گی۔'' (صحیح مسلم، حدیث:36-(1480)) اور جس حدیث میں بعض ازواج مطہرات کو حضرت ابن ام مکتوم سے پردہ کرنے کا حکم ہے، وہ سنداً ضعیف ہے، اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔

⑥ زِيْنَتَ سے مراد وہ لباس اور زیور ہے جو عورتیں اپنے حسن و جمال میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے پہنتی ہیں جس کی تاکید انھیں اپنے خاوندوں کے لیے کی گئی ہے۔ جب لباس اور زیور کا اظہار غیر مردوں کے سامنے عورت کے لیے ممنوع ہے تو جسم کو عریاں اور نمایاں کرنے کی اجازت اسلام میں کب ہو سکتی ہے؟ یہ تو بطریق اولیٰ حرام اور ممنوع ہوگا۔

⑦ اس سے مراد وہ زینت اور حصۂ جسم ہے جس کا چھپانا اور پردہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے کسی کو کوئی چیز پکڑاتے یا اس سے لیتے ہوئے ہتھیلیوں کا یا دیکھتے ہوئے آنکھوں کا ظاہر ہو جانا۔ اس ضمن میں ہاتھ میں جو انگوٹھی پہنی ہو یا مہندی لگی ہو، آنکھوں میں سرمہ، کاجل ہو یا لباس اور زینت کو چھپانے کے لیے جو برقع یا چادر لی جاتی ہے، وہ بھی ایک زینت ہی ہے، تاہم یہ ساری زینتیں ایسی ہیں جن کا اظہار بوقت ضرورت یا بوجہ ضرورت مباح ہے۔

① تاکہ سر، گردن، سینے اور چھاتی کا پردہ ہو جائے کیونکہ انھیں بھی بے پردہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

② یہ وہی زینت (سنگھار) یا آرائش ہے جسے ظاہر کرنے کی ممانعت اس سے پہلے کی گئی تھی، یعنی لباس اور زیور وغیرہ کی جو چادر یا برقع کے نیچے ہوتی ہے۔ یہاں اس کا ذکر اب استثنا کے ضمن میں آیا ہے، یعنی ان ان لوگوں کے سامنے اس زینت کا اظہار جائز ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

③ ان میں سرفہرست خاوند ہے۔ اسی لیے خاوند کو سب پر مقدم بھی کیا گیا ہے کیونکہ عورت کی ساری زینت خاوند ہی کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے لیے تو عورت کا سارا بدن ہی حلال ہے۔ اس کے علاوہ محارم اور مذکورہ افراد کا ہر وقت گھر میں آنا جانا رہتا ہے اور قربت اور رشتہ داری کی وجہ سے یا دیگر وجوہ سے فطری و طبعی طور پر ایک دوسرے کی طرف جنسی میلان بھی نہیں ہوتا جس سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو شریعت نے ایسے لوگوں کے سامنے جن سے کوئی خطرہ نہ ہو اور تمام محارم کے سامنے زینت ظاہر کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس مقام پر ماموں اور چچا کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ان محارم میں سے ہیں جن کے سامنے اظہار زینت کی اجازت دی گئی ہے اور بعض کے نزدیک یہ محارم میں سے نہیں ہیں۔ (فتح القدير)

④ باپ میں دادا، پردادا، نانا، پرنانا اور اس سے اوپر سب شامل ہیں۔ اسی طرح خسر میں خسر کا باپ، دادا، پردادا، اوپر تک۔ بیٹوں میں پوتا، پرپوتا، نواسہ، پرنواسہ نیچے تک۔ خاوندوں کے بیٹوں میں پوتے، پرپوتے، نیچے تک، بھائیوں میں تینوں قسم کے بھائی (عینی، اخیافی اور علاتی) اور ان کے بیٹے، پوتے، پرپوتے، نواسے، نیچے تک۔ بھتیجوں میں ان کے بیٹے، نیچے تک اور بھانجوں میں تینوں قسم کی

اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿31﴾ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ

یا اپنے میل جول کی عورتوں کے (1) یا غلاموں کے (2) یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں (3) یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے مطلع نہیں۔ (4) اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے، (5) اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ ﴿31﴾ (6) تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو (7) اور اپنے نیک بخت غلام لونڈیوں

بہنوں کی اولاد شامل ہے بلکہ رضاعی بہن کی اولاد بھی شامل ہے۔

(1) ان سے مراد مسلمان عورتیں ہیں جن کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ کسی عورت کی زینت، اس کا حسن و جمال اور جسمانی خد و خال اپنے خاوند کے سامنے بیان کریں۔ بعض نے اس سے وہ مخصوص عورتیں مراد لی ہیں جو خدمت وغیرہ کے لیے ہر وقت ساتھ رہتی ہیں جن میں باندیاں (لونڈیاں) بھی شامل ہیں۔

(2) بعض نے اس سے مراد صرف لونڈیاں اور بعض نے صرف غلام لیے ہیں اور بعض نے دونوں ہی۔ حدیث میں بھی صراحت ہے کہ غلام سے پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 4106) اسی طرح بعض نے اسے عام رکھا ہے جس میں مومن اور کافر دونوں غلام شامل ہیں۔

(3) بعض نے ان سے صرف وہ افراد مراد لیے ہیں جن کا گھر میں رہنے سے کھانے پینے کے سوا کوئی اور مقصد نہیں۔ بعض نے بے وقوف، بعض نے نامرد اور خصی اور بعض نے بالکل بوڑھے مراد لیے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کے اندر بھی قرآن کی بیان کردہ صفت پائی جائے گی، وہ سب اس میں شامل اور دوسرے خارج ہوں گے۔

(4) ان سے ایسے بچے خارج ہوں گے جو بالغ ہوں یا بلوغت کے قریب ہوں کیونکہ وہ عورتوں کے پردوں کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔

(5) تاکہ پازیبوں کی جھنکار سے مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اسی میں اونچی ایڑی کے وہ سینڈل بھی آ جاتے ہیں جنھیں عورت پہن کر چلتی ہے تو ٹک ٹک کی آواز زیور کی جھنکار سے کم نہیں ہوتی۔ اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں جو عورت ایسا کرتی ہے، وہ بدکار ہے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2786، وسنن أبي داود، حديث: 4173)

(6) یہاں پردے کے احکام میں توبہ کا حکم دینے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان احکام کی جو خلاف ورزی بھی تم کرتے رہے ہو، وہ چونکہ اسلام سے قبل کی باتیں ہیں، اس لیے اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی اور ان احکام مذکورہ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کر لیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت تمھارا مقدر ہے۔

(7) ﴿ الْاَيَامٰى ﴾ أَيِّمٌ کی جمع ہے۔ أَيِّمٌ ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو، جس میں کنواری، بیوہ اور مطلقہ تینوں آ جاتی ہیں۔ اور ایسے مرد کو بھی أَيِّمٌ کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو۔ آیت میں خطاب اولیاء سے ہے کہ نکاح کر دو، یہ نہیں فرمایا کہ نکاح کر لو، کہ مخاطب نکاح کرنے والے مرد و عورت ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر از خود اپنا نکاح نہیں

وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۲﴾ وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ

کا بھی۔① اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے امیر بنا دے گا۔② اللہ کشادگی والا اور علم والا ہے ﴿32﴾ اور ان لوگوں کو پاک دامن رہنا چاہیے جو اپنا نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے③ یہاں تک کہ اللہ انھیں اپنے فضل سے مالدار بنا دے، تمھارے غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمھیں دے کر آزادی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انھیں کر دیا کرو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو④ اور اللہ نے جو مال تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے انھیں بھی دو،⑤ تمھاری جو لونڈیاں پاک دامن

کر سکتی۔ جس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے «لَا نِکَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» (سنن أبي داود، حديث: 2085) ''ولی کے بغیر نکاح نہیں۔'' اور حدیث: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَکَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ» (سنن أبي داود، حديث: 2083، وإرواء الغليل: 243/6) ''جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔'' یہ احادیث صحیح ہیں جس کی پوری تفصیل شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتاب إرواء الغليل: 6/235-243 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی ان کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ (فيض الباري، النكاح ،باب لا نكاح إلا بولي) ﴿ اَنۡکِحُوا ﴾ امر کا صیغہ ہے جس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نکاح کرنا واجب ہے جبکہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے، تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت مؤکدہ ضرور ہے اور اس سے اعراض سخت وعید کا باعث ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحيح البخاري، حديث: 5063، وصحيح مسلم، حديث: 1401) ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔''

① یہاں صالحیت سے مراد ایمان ہے، اس میں اختلاف ہے کہ مالک اپنے غلام اور لونڈیوں کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض اکراہ کے قائل ہیں، بعض نہیں، تاہم اندیشۂ ضرر کی صورت میں شرعاً مجبور کرنا جائز ہے۔ بصورت دیگر غیر مشروع۔ (أيسر التفاسير)

② یعنی محض غربت اور تنگ دستی نکاح میں مانع نہیں ہونی چاہیے۔ ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ ان کی تنگ دستی کو اپنے فضل سے وسعت و فراخی میں بدل دے۔ حدیث میں آتا ہے: تین شخص ہیں جن کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے: نکاح کرنے والا جو پاک دامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے، مکاتب غلام جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (جامع الترمذي، حديث: 1655)

③ حدیث میں پاک دامنی کے لیے، جب تک شادی کی استطاعت حاصل نہ ہو جائے، نفلی روزے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا: ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے، اسے (اپنے وقت پر) شادی کر لینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے آنکھوں اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا، اسے چاہیے کہ وہ (کثرت سے نفلی) روزے رکھے، روزے اس کی جنسی خواہش کو قابو میں رکھیں گے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1905، وصحيح مسلم، حديث: 1-(1400))

④ مُکَاتَب اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی رقم جمع کر کے ادا کر دوں گا تو آزادی کا مستحق ہو جاؤں گا۔ ''بھلائی نظر آنے'' کا مطلب ہے، اس کے صدق و امانت پر تمھیں یقین ہو یا کسی صنعت و حرفت سے وہ آگاہی رکھتا ہو تا کہ

عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿33﴾ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿34﴾ اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ

رہنا چاہتی ہیں انھیں دنیا کی زندگی کے فائدے کی غرض سے بدکاری پر مجبور نہ کرو[1] اور جو انھیں مجبور کردے تو اللہ ان پر جبر کے بعد بخش دینے والا اور مہربانی کرنے والا ہے﴿33﴾ ہم نے تمھاری طرف کھلی اور روشن آیتیں اتاردی ہیں اور ان لوگوں کی کہاوتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت﴿34﴾ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا،[3] اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشے کی قندیل میں ہو

وہ محنت کر کے کمائے اور رقم ادا کردے۔ اسلام نے چونکہ زیادہ سے زیادہ غلامی کی حوصلہ شکنی کی پالیسی اپنائی ہے، اس لیے یہاں بھی مالکوں کو تاکید کی گئی کہ مکاتبت کے خواہش مند غلاموں سے معاہدہ کرنے میں تامل نہ کرو بشرطیکہ تمھیں ان کے اندر ایسی بات معلوم ہو کہ جس سے تمھاری رقم کی ادائیگی بھی ممکن ہو۔ بعض علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے ہے۔

⑤ اس کا مطلب ہے کہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے اس نے جو معاہدہ کیا ہے اور اب وہ رقم کا ضرورت مند ہے تاکہ معاہدے کے مطابق وہ رقم ادا کردے تو تم بھی اس کے ساتھ مالی تعاون کرو اگر اللہ نے تمھیں صاحب حیثیت بنایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کے جو آٹھ مصارف (التوبة 9:60 میں) بیان فرمائے ہیں، ان میں ایک ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ بھی ہے جس کے معنی ہیں: گردنیں آزاد کرانے میں، یعنی غلاموں کی آزادی پر بھی زکاۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

① زمانۂ جاہلیت میں لوگ محض دنیوی مال کے لیے اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، چنانچہ خواہی نخواہی انھیں یہ داغ ذلت برداشت کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ ﴿اِنْ اَرَدْنَ﴾ غالب احوال کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مقصد یہ نہیں ہے کہ اگر وہ بدکاری کو پسند کریں تو پھر تم ان سے یہ کام کروالیا کرو۔ بلکہ حکم دینے کا یہ مقصود ہے کہ لونڈیوں سے دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے یہ کام مت کرواؤ، اس لیے کہ اس طرح کی کمائی ہی حرام ہے۔ جس طرح کہ حدیث میں ہے: «نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ» (صحيح مسلم ، حديث: 1567) ''رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔''

② یعنی جن لونڈیوں سے جبراً یہ بے حیائی کا کام کروایا جائے گا تو گناہ گار مالک ہوگا، یعنی جبر کرنے والا، نہ کہ لونڈی جو مجبور ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''میری امت سے خطا، نسیان اور ایسے کام جو جبر سے کرائے گئے ہوں، معاف ہیں۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 2043)

③ یعنی اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ آسمان میں نور ہوتا نہ زمین میں، نہ آسمان و زمین میں کسی کو ہدایت ہی نصیب ہوتی، پس وہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کو روشن کرنے والا ہے اس کی کتاب نور ہے جس کے ذریعے سے زندگی کی تاریکیوں میں رہنمائی اور روشنی حاصل کی جاتی ہے، جس طرح چراغ اور بلب سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے، حدیث سے بھی اللہ کا نور ہونا ثابت ہے: «وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ» (صحيح البخاري، حديث: 1120، وصحيح مسلم، حديث: 199-(769)) پس اللہ، اس کی ذات نور ہے، اس کا حجاب نور ہے اور ہر ظاہری اور معنوی نور کا خالق، اس کا عطا کرنے والا اور اس کی طرف ہدایت کرنے والا

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿35﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ

اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، قریب ہے کہ خود وہ تیل آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، [1] اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہے راہنمائی کرتا ہے [2] لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے یہ مثالیں اللہ بیان فرما رہا ہے، [3] اور اللہ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے﴿35﴾ ان گھروں میں جن کے ادب و احترام کا اور اللہ کا نام وہاں لیے جانے کا حکم ہے، [4] وہاں صبح و شام اللہ کی

صرف ایک اللہ ہے۔ (أیسر التفاسیر)

① یعنی جس طرح ایک طاق میں ایسا چراغ ہو، جو شیشے کی قندیل میں ہو، اس میں ایک بابرکت درخت کا ایسا خاص تیل ڈالا گیا ہو کہ وہ آگ (دیا سلائی) دکھائے بغیر ہی بذات خود روشن ہو جانے کے قریب ہو۔ یوں یہ ساری روشنیاں ایک طاق میں مجتمع ہو گئیں اور وہ بقعۂ نور بن گیا۔ اسی طرح اللہ کے نازل کردہ دلائل و براہین کی حیثیت ہے کہ وہ واضح بھی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر بھی، یعنی نُورٌ علیٰ نُورٍ ''جو مشرقی ہے، نہ مغربی'' کا مطلب ہے، وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحرا میں ہے کہ اس پر دھوپ صرف سورج کے چڑھنے کے وقت یا غروب کے وقت ہی نہیں پڑتی بلکہ سارا دن وہ دھوپ میں رہتا ہے اور ایسے درخت کا پھل بہت عمدہ ہوتا ہے اور مراد اس سے زیتون کا درخت ہے جس کا پھل اور تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور چراغ میں تیل کے طور پر بھی۔

② نور سے مراد ایمان و اسلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جن کے اندر ایمان کی رغبت اور اس کی طلب دیکھتا ہے، ان کی اس نور کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے جس سے دین و دنیا کی سعادتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔

③ جس طرح اللہ نے یہ مثال بیان فرمائی جس میں اس نے ایمان کو اپنے مومن بندے کے دل میں اس کے راسخ ہونے اور بندوں کے احوال قلوب کا علم رکھنے کو واضح فرمایا کہ کون ہدایت کا اہل ہے اور کون نہیں۔

④ جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان و ہدایت اور علم ہے، اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔ تو اب اس کا محل بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ قندیلیں ایسے گھروں میں ہیں جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انھیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ مراد مسجدیں ہیں جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ بلندی سے مراد محض سنگ و خشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال و افعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے۔ ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالی شان اور فلک بوس بنا دینا، مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زرنگار اور زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 449) علاوہ ازیں جس طرح مسجدوں میں تجارت و کاروبار اور شور و شغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد، عبادت کے منافی ہیں۔ اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے، اسی کی عبادت کی جائے

فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿36﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿37﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ

تسبیح بیان کرتے ہیں﴿36﴾[1] ایسے لوگ[2] جنھیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی﴿37﴾[3] اس ارادے سے کہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادتی عطا فرمائے۔ اللہ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے﴿38﴾[4] اور کافروں کے اعمال مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا، ہاں اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے جو اس کا حساب پورا پورا چکا دیتا ہے۔[5]

اور صرف اسی کو مدد کے لیے پکارا جائے۔ ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝﴾ (الجن 18:72) ''مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔''

① تسبیح سے مراد نماز ہے۔ ﴿الْاٰصَالِ﴾ أَصِيلٌ کی جمع ہے بمعنی شام، یعنی اہل ایمان جن کے دل ایمان وہدایت کے نور سے روشن ہوتے ہیں، صبح وشام مسجدوں میں اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

② اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگرچہ عورتوں کا مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ نہایت سادہ لباس میں، بغیر خوشبو لگائے اور باپردہ جائیں، جس طرح کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے حاضر ہوتی تھیں، تاہم ان کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ حدیث میں بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 570، ومسند أحمد: 297/6 و 301)

③ یعنی شدت فزع اور ہولناکی کی وجہ سے۔ جس طرح دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ﴾ (المؤمن 18:40) ''ان کو قیامت والے دن سے ڈراؤ، جس دن دل گلوں کے پاس آ جائیں گے، غم سے بھرے ہوئے۔'' ابتداءً دلوں کی یہ کیفیت سب کی ہی ہوگی، مومن کی بھی اور کافر کی بھی۔

④ قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ اَضْعَافًا مُّضْعَفَةً ''کئی کئی گنا'' کی صورت میں دیا جائے گا اور بہت سوں کو بے حساب ہی جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور وہاں رزق کی فراوانی اور اس میں جو تنوع وتلذذ ہوگا، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جنھیں کافر ومشرک نیکیاں سمجھ کر کرتے ہیں، جیسے صدقہ وخیرات، صلہ رحمی، بیت اللہ کی تعمیر اور حاجیوں کی خدمت وغیرہ۔ سراب اس چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے سورج کی شعاعوں کی وجہ سے پانی نظر آتی ہے۔ سَرَابٌ کے معنی ہی چلنے کے ہیں۔ وہ ریت، چلتے ہوئے پانی کی طرح نظر آتی ہے۔ قِيعَةٌ قاعٍ کی جمع ہے، زمین کا نشیبی حصہ، جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یا چٹیل میدان۔ یہ کافروں کے عملوں کی مثال ہے کہ جس طرح سراب دور سے پانی نظر آتا ہے، حالانکہ وہ ریت ہی ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿39﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿40﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿41﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ

اللہ بہت جلد حساب کر دینے والا ہے ﴿39﴾ یا مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو، پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں، الغرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو قریب ہے کہ اسے بھی نہ دیکھ سکے، [1] اور بات یہ ہے کہ جسے اللہ ہی نور نہ دے اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہوتی ﴿40﴾ [2] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین کی کل مخلوق اور پر پھیلائے [3] اڑنے والے کل پرند اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہر ایک کی نماز اور تسبیح اسے معلوم ہے، [4] لوگ جو کچھ کریں اس سے اللہ بخوبی واقف ہے ﴿41﴾ [5] زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف

اسی طرح کافر کے عمل عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے، ان کا کوئی صلہ انھیں نہیں ملے گا۔ ہاں، جب وہ اللہ کے پاس جائے گا تو اللہ کو گھات میں اپنا منتظر پائے گا، جہاں وہ اس کے عملوں کا پورا پورا حساب چکا لے گا۔

[1] یہ دوسری مثال ہے کہ ان کے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں، یعنی انھیں سراب سے تشبیہ دے لو یا اندھیروں سے۔ یا گزشتہ مثال کافر کے اعمال کی تھی اور یہ اس کے کفر کی مثال ہے جس میں کافر ساری زندگی گھرا رہتا ہے، کفر و ضلالت کی اندھیری، اعمالِ سَیِّئَة وعقائد مشرکانہ کی اندھیری اور رب سے اور اس کے عذاب اخروی سے عدم واقفیت کی اندھیری۔ یہ اندھیریاں اسے راہ ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتیں۔ جس طرح اندھیرے میں انسان کو اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔

[2] یعنی دنیا میں ایمان و اسلام کی روشنی نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں بھی اہل ایمان کو ملنے والے نور سے وہ محروم رہیں گے۔

[3] ﴿صٰٓفّٰتٍ﴾ کے معنی ہیں: بَاسِطَاتٍ اور اس کا مفعول اَجْنِحَتَهَا محذوف ہے۔ اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں پرندے بھی شامل تھے۔ لیکن یہاں ان کا ذکر الگ سے کیا، اس لیے کہ پرندے تمام حیوانات میں ایک نہایت ممتاز مخلوق ہے جو اللہ کی قدرت کاملہ سے آسمان و زمین کے درمیان فضا میں اڑتے ہوئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ یہ مخلوق اڑنے پر بھی قدرت رکھتی ہے جس سے دیگر تمام حیوانات محروم ہیں اور زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت بھی رکھتی ہے۔

[4] یعنی اللہ نے ہر مخلوق کو یہ علم الہام والقا کیا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کس طرح کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخت و اتفاق کی بات نہیں بلکہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا تسبیح کرنا اور نماز ادا کرنا یہ بھی اللہ ہی کی قدرت کا ایک مظہر ہے، جس طرح ان کی تخلیق اللہ کی ایک صنعت بدیع ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں۔

[5] یعنی اہل زمین و اہل آسمان جس طرح اللہ کی اطاعت اور اس کی تسبیح کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے، یہ گویا انسانوں اور جنوں کو تنبیہ ہے کہ تمھیں اللہ نے شعور اور ارادے کی آزادی دی ہے تو تمھیں تو دوسری مخلوقات سے زیادہ اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس کی اطاعت کرنی چاہیے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ دیگر مخلوقات تو تسبیح الٰہی میں مصروف ہیں لیکن شعور اور ارادہ سے بہرہ ور مخلوق

الْمَصِيْرُ ﴿42﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿43﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

لوٹنا ہے ﴿42﴾ [1] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر انھیں ملاتا ہے، پھر انھیں تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان میں سے مینہ برستا ہے۔ وہی آسمان کی جانب سے اولوں کے پہاڑ میں سے اولے برساتا ہے، [2] پھر جنھیں چاہے ان کے پاس انھیں برسائے اور جن سے چاہے ان سے انھیں ہٹا دے۔ [3] بادل ہی سے نکلنے والی بجلی کی چمک ایسی ہوتی ہے کہ گویا اب آنکھوں کی روشنی لے چلی ﴿43﴾ [4] اللہ ہی دن اور رات کو ردو بدل کرتا رہتا ہے، [5] آنکھوں والوں کے لیے تو اس میں یقیناً بڑی بڑی عبرتیں ہیں ﴿44﴾ تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، [6] بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ [7] بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، [8] اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ [9] بے شک اللہ ہر چیز پر

اس میں کوتاہی کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس پر یقیناً وہ اللہ کی گرفت کی مستحق ہوگی۔

① پس وہی اصل حاکم ہے جس کے حکم کا کوئی تعاقب کرنے والا نہیں اور وہی معبود برحق ہے جس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، جہاں وہ ہر ایک کے بارے میں عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔

② اس کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ترجمے میں اختیار کیا گیا ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے وہ اولے برساتا ہے۔ (ابن کثیر) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ﴿السَّمَآءِ﴾ بلندی کے معنی میں ہے اور ﴿جِبَالٍ﴾ کے معنی ہیں بڑے بڑے ٹکڑے، پہاڑوں جیسے، یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں سے بارش ہی نہیں برساتا بلکہ بلندیوں سے جب چاہتا ہے برف کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی نازل فرماتا ہے۔ (فتح القدیر) یا پہاڑ جیسے بڑے بڑے بادلوں سے اولے برساتا ہے۔

③ یعنی وہ اولے اور بارش بطور رحمت جنھیں چاہتا ہے، پہنچاتا ہے اور جنھیں چاہتا ہے ان سے محروم رکھتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ژالہ باری (اولے) کے عذاب سے جسے چاہتا ہے دوچار کر دیتا ہے جس سے ان کی فصلیں تباہ اور کھیتیاں برباد ہو جاتی ہیں اور جن پر اپنی رحمت کرنا چاہتا ہے ان کو اس سے بچا لیتا ہے۔

④ یعنی بادلوں میں چمکنے والی بجلی جو عام طور پر بارش کی نوید جاں فزا ہوتی ہے اس میں اتنی شدت کی چمک ہوتی ہے کہ وہ آنکھوں کی بصارت لے جانے کے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اس کی صناعی کا ایک نمونہ ہے۔

⑤ یعنی کبھی دن بڑے، راتیں چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس۔ یا کبھی دن کی روشنی کو بادلوں کی تاریکیوں سے اور رات کے اندھیروں کو چاند کی روشنی سے بدل دیتا ہے۔

⑥ جس طرح سانپ، مچھلی اور دیگر حشرات الارض کیڑے مکوڑے ہیں۔

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿45﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿46﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا دُعُوْۤا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿49﴾ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

قادر ہے ﴿45﴾ بے شک ہم نے روشن اور واضح آیتیں اتار دی ہیں اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے ﴿46﴾ [1] اور کہتے ہیں: ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور فرماں بردار ہوئے، پھر ان میں سے ایک فرقہ اس کے بعد بھی پھر جاتا ہے۔ یہ ایمان والے ہیں (ہی) نہیں ﴿47﴾ [2] جب یہ اس بات کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے جھگڑے چکا دے تو بھی ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی بن جاتی ہے ﴿48﴾ ہاں، اگر انھی کا حق ہو تو مطیع و فرماں بردار ہو کر اس کی طرف چلے آتے ہیں ﴿49﴾ [3] کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا انھیں اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کریں گے؟ بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود ہی بڑے ظالم ہیں ﴿50﴾ [4] ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انھیں اس لیے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول

---

⑦ جیسے انسان اور پرند ہیں۔

⑧ جیسے تمام چوپائے اور دیگر حیوانات ہیں۔

⑨ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے بھی زیادہ پاؤں رکھتے ہیں، جیسے کیکڑا، مکڑی اور بہت سے زمینی کیڑے۔

① ﴿اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے جس میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کا تعلق انسان کے دین و اخلاق سے ہے جس پر اس کی فلاح و سعادت کا انحصار ہے۔ ﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾ (الأنعام 6:38) ''ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوتاہی نہیں کی۔'' جسے ہدایت نصیب ہونی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نظر صحیح اور قلب صادق عطا فرما دیتا ہے جس سے اس کے لیے ہدایت کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صراط مستقیم سے مراد یہی ہدایت کا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اسے اختیار کر کے انسان اپنی منزل مقصود (جنت) تک پہنچ جاتا ہے۔

② یہ منافقین کا بیان ہے جو زبان سے اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن دلوں میں کفر و عناد تھا، یعنی اعتقاد صحیح سے محروم تھے، اس لیے زبان سے اظہار ایمان کے باوجود ان کے ایمان کی نفی کی گئی۔

③ کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ عدالت نبوی سے جو فیصلہ صادر ہوگا، اس میں کسی کی رو رعایت نہیں ہوگی، اس لیے وہاں اپنا مقدمہ لے جانے سے ہی گریز کرتے ہیں۔ ہاں، اگر وہ جانتے ہیں کہ مقدمے میں وہ حق پر ہیں اور ان ہی کے حق میں فیصلہ ہونے کا غالب امکان ہے تو پھر خوشی خوشی وہاں آتے ہیں۔ إِذْعَانٌ کے معنی ہوتے ہیں: اقرار اور انقیاد و اطاعت کرنا۔

④ جب فیصلہ ان کے خلاف ہونے کا امکان ہوتا ہے تو اس سے اعراض و گریز کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ یا تو ان کے دلوں میں

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿51﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿52﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿53﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى

ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ [1] یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ﴿51﴾ جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، خوفِ الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں ﴿52﴾ [2] بڑی پختگی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں [3] کہ آپ کا حکم ہوتے ہی نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دیجیے کہ بس قسمیں نہ کھاؤ (تمھاری) اطاعت (کی حقیقت) معلوم ہے۔ [4] جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے ﴿53﴾ [5] کہہ دیجیے کہ اللہ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے [6] اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے، [7] ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو، [8] سنو رسول کے

کفر و نفاق کا روگ ہے یا انھیں نبوت محمدی میں شک ہے یا انھیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کرے گا، حالانکہ ان کی طرف سے ظلم کا کوئی امکان ہی نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود ہی ظالم ہیں۔ امام شوکانی ؒ فرماتے ہیں کہ جب قضا و فیصلے کے لیے ایسے حاکم و قاضی کی طرف بلایا جائے جو عادل اور قرآن و سنت کا عالم ہو تو اس کے پاس جانا ضروری ہے، البتہ اگر وہ قاضی کتاب و سنت کے علم اور ان کے دلائل سے بے بہرہ ہو اور یہ جہل بسیط ہو، یعنی کچھ بھی علم نہ ہو یا جہل مرکب ہو، یعنی مجتہدین کے اجتہادات سے اسے کچھ آگاہی ہو لیکن براہ راست قرآن و حدیث کے علم سے ناآشنا ہو تو یہ بھی جاہل ہی ہے جس کے پاس فیصلے کے لیے جانا ضروری نہیں۔

[1] یہ اہل کفر و نفاق کے مقابلے میں اہل ایمان کے کردار و عمل کا بیان ہے۔

[2] یعنی فلاح و کامیابی کے مستحق صرف وہ لوگ ہوں گے جو اپنے تمام معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرتے اور انھی کی اطاعت کرتے ہیں اور خشیت الٰہی اور تقویٰ سے متصف ہیں نہ کہ دوسرے لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں۔

[3] ﴿ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ میں جَهْدَ فعل محذوف کا مصدر ہے جو بطور تاکید کے ہے، يَجْهَدُونَ أَيْمَانَهُمْ جَهْدًا یا یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی مُجْتَهِدِينَ فِي أَيْمَانِهِمْ مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت بھر قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

[4] اور وہ یہ ہے کہ جس طرح تم قسمیں جھوٹی کھاتے ہو، تمھاری اطاعت بھی نفاق پر مبنی ہے۔ بعض نے یہ معنی کیے ہیں کہ تمھارا معاملہ طاعت معروفہ ہونا چاہیے، یعنی معروف میں بغیر کسی قسم کے حلف کے اطاعت جس طرح مسلمان کرتے ہیں، پس تم بھی ان کی مثل ہو جاؤ۔ (ابن کثیر)

[5] یعنی وہ تمھارے سب کے حالات سے باخبر ہے۔ کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان؟ پس حلف اٹھا کر اطاعت کے اظہار کرنے سے، جبکہ تمھارے دل میں اس کے خلاف عزم ہو، تم اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے، اس لیے کہ وہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے اور وہ تمھارے سینوں میں پلنے والے رازوں سے بھی آگاہ ہے اگرچہ تم زبان سے اس کے خلاف اظہار کرو!

[6] یعنی تبلیغ و دعوت جو وہ ادا کر رہا ہے۔

الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿54﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿55﴾

ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے﴿54﴾[1] تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور ملک کا خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا،[2] وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔[3] اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں﴿55﴾[4]

---

⑦ یعنی اس کی دعوت کو قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

⑧ اس لیے کہ وہ صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔

① کوئی اس کی دعوت کو مانے یا نہ مانے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾ (الرعد 40:13) ''اے پیغمبر! تیرا کام صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے (کوئی مانتا ہے یا نہیں) یہ حساب ہماری ذمہ داری ہے۔''

② بعض نے اس وعدۂ الٰہی کو صحابۂ کرام کے ساتھ یا خلفائے راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ عہد خلافت راشدہ اور عہد خیر القرون میں، اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین میں غلبہ عطا فرمایا، اپنے پسندیدہ دین ''اسلام'' کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ پہلے مسلمان کفار عرب سے ڈرتے تھے، پھر اس کے برعکس معاملہ ہو گیا۔ نبی ﷺ نے بھی جو پیش گوئیاں فرمائی تھیں، وہ بھی اس عہد میں پوری ہوئیں، مثلاً: آپ نے فرمایا تھا کہ حیرہ سے ایک عورت تن تنہا اکیلی چلے گی اور بیت اللہ کا آ کر طواف کرے گی، اسے کوئی خوف اور خطرہ نہیں ہوگا۔ کسریٰ کے خزانے تمھارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3595) نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: «إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» (صحيح مسلم، حديث: 19-(2889)) ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا، پس میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصے دیکھے، عنقریب میری امت کا دائرۂ اقتدار وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک میرے لیے زمین سکیڑ دی گئی۔'' حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور فارس و شام اور مصر و افریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر و شرک کی جگہ توحید و سنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہو گئیں۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن کا پھریرا چار دانگ عالم میں لہرا گیا۔ لیکن یہ وعدہ چونکہ مشروط تھا، جب مسلمان ایمان میں کمزور اور عمل صالح میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے تو اللہ نے ان کی عزت کو ذلت میں، ان کے اقتدار اور غلبے کو غلامی میں اور ان کے امن و استحکام کو خوف اور دہشت میں بدل دیا۔

③ یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ایک اور بنیادی شرط ہے جس کی وجہ سے مسلمان اللہ کی مدد کے مستحق اور اس وصف توحید سے عاری ہونے کے بعد وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔

④ اس کفر سے مراد وہی ایمان، عمل صالح اور توحید سے محرومی ہے جس کے بعد ایک انسان اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا اور کفر و فسق

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿56﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿57﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ

ع 7 7 13

نماز کی پابندی کرو، زکاۃ ادا کرو اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری میں لگے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿56﴾ [1] یہ خیال آپ کبھی بھی نہ کرنا کہ منکر لوگ زمین میں (ادھر ادھر بھاگ کر) ہمیں ہرا دینے والے ہیں۔ [2] ان کا اصلی ٹھکانا تو جہنم ہے جو یقیناً بہت ہی برا ٹھکانا ہے ﴿57﴾ ایمان والو! تم سے تمھاری ملکیت کے غلاموں کو اور انھیں بھی جو تم میں سے بلوغت کو نہ پہنچے ہوں (اپنے آنے کی) تین وقتوں میں اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، [3] یہ تینوں وقت تمھارے پردے (اور خلوت) کے ہیں۔ [4] ان وقتوں کے ماسوا نہ تو تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ [5] تم سب آپس میں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آنے جانے والے ہو، [6] اللہ اس طرح کھول کھول کر اپنے احکام تم سے بیان فرما رہا ہے۔ اللہ پورے علم

کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

① یہ مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ اللہ کی رحمت اور مدد حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے جس پر چل کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ رحمت اور مدد حاصل ہوئی۔

② یعنی آپ کے مخالفین اور مکذبین اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرنے پر ہر طرح قادر ہے۔

③ غلاموں سے مراد باندیاں اور غلام دونوں ہیں، ﴿ثَلٰثَ مَرّٰتٍ﴾ کا مطلب ثلاث اوقات تین وقت ہیں۔ یہ تینوں اوقات ایسے ہیں کہ انسان گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ ایسے لباس میں ہوسکتا ہے کہ جس میں کسی کا ان کو دیکھنا جائز اور مناسب نہیں، اس لیے ان اوقات ثلاثہ میں گھر کے ان غلام لونڈیوں اور نابالغ بچوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت طلب کیے گھر کے اندر داخل ہوں۔

④ ﴿عَوْرٰتٍ﴾ عَوْرَةٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنی خلل اور نقص کے ہیں، پھر اس کا اطلاق ایسی چیز پر کیا جانے لگا جس کا ظاہر کرنا اور اس کو دیکھنا پسندیدہ نہ ہو۔ خاتون کو بھی اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر اور عریاں ہونا اور دیکھنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ یہاں مذکورہ تین اوقات کو عورات کہا گیا ہے، یعنی یہ تمھارے پردے اور خلوت کے اوقات ہیں جن میں تم اپنے مخصوص لباس اور ہیئت کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے۔

⑤ یعنی ان اوقات ثلاثہ کے علاوہ گھر کے مذکورہ خدمت گزاروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اجازت طلب کیے بغیر گھر کے اندر آ جا سکتے ہیں۔

⑥ یہ وہی وجہ ہے جو حدیث میں بلی کے پاک ہونے کی بیان کی گئی ہے: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ» ”بلی ناپاک نہیں ہے اس لیے کہ وہ بکثرت تمھارے پاس (گھر کے اندر) آنے جانے والی ہے۔“ (سنن أبي داود،

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿58﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿59﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿60﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اور کامل حکمت والا ہے ﴿58﴾ اور تمھارے بچے (بھی) جب بلوغت کو پہنچ جائیں تو جس طرح ان سے پہلے لوگ اجازت مانگتے ہیں انھیں بھی اجازت مانگ کر آنا چاہیے،[1] اللہ تم سے اسی طرح اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے۔ اللہ ہی علم وحکمت والا ہے ﴿59﴾ اور بڑی بوڑھی عورتیں جنھیں نکاح کی امید اور خواہش ہی نہ رہی ہو وہ اگر اپنے کپڑے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں،[2] تاہم اگر ان سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لیے بہت افضل ہے،[3] اور اللہ سنتا جانتا ہے ﴿60﴾ اندھے پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے[4] یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے

حدیث: 75، وجامع الترمذي، حدیث: 92) خادم اور مالک ان کو بھی آپس میں ہر وقت ایک دوسرے سے ملنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی ضرورت عامہ کے پیش نظر اللہ نے یہ اجازت مرحمت فرمادی کیونکہ وہ علیم ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور حکیم ہے، اس کے ہر حکم میں بندوں کے مفادات اور حکمتیں ہیں۔

① ان بچوں سے مراد احرار بچے ہیں، بلوغت کے بعد ان کا حکم عام مردوں کا سا ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی کسی کے گھر آئیں تو پہلے اجازت طلب کریں۔

② ان سے مراد وہ بوڑھی اور از کار رفتہ عورتیں ہیں جن کو حیض آنا بند ہوگیا ہو اور ولادت کے قابل نہ رہی ہوں۔ اس عمر میں بالعموم عورت کے اندر مرد کے لیے فطری طور پر جو جنسی کشش ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، نہ وہ کسی مرد سے نکاح کی خواہش مند ہوتی ہیں، نہ مرد ہی ان کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں۔ ایسی عورتوں کو پردے میں تخفیف کی اجازت دے دی گئی ہے ''کپڑے اتار دیں'' سے وہ کپڑا مراد ہے جو شلوار قمیص کے اوپر عورت پردے کے لیے بڑی چادر یا برقع وغیرہ کی شکل میں لیتی ہے بشرطیکہ مقصد اپنی زینت اور بناؤ سنگھار کا اظہار نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنی جنسی کشش کھو جانے کے باوجود اگر بناؤ سنگھار کے ذریعے سے اپنی ''جنسیت'' کو نمایاں کرنے کے مرض میں مبتلا ہو تو اس تخفیف پردہ کے حکم سے وہ مستثنیٰ ہوگی اور اس کے لیے مکمل پردہ کرنا ضروری ہوگا۔

③ یعنی مذکورہ بوڑھی عورتیں بھی پردے میں تخفیف نہ کریں بلکہ بدستور بڑی چادر یا برقع بھی استعمال کرتی رہیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿61﴾ ع اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ

ع 8/4 14

جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں [4] کے گھروں سے، تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ [2] پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو [3] دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ، یوں ہی اللہ کھول کھول کر تم سے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھ لو ﴿61﴾ باایمان لوگ تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب ایسے معاملے میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے نبی کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں کہیں نہیں جاتے۔ جو لوگ ایسے موقع پر آپ سے اجازت لے لیتے ہیں حقیقت میں

[4] اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں جاتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آیت میں مذکور معذورین کو اپنے گھروں کی چابیاں دے جاتے اور انھیں گھر کی چیزیں بھی کھانے پینے کی اجازت دے دیتے۔ لیکن یہ معذور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے باوجود، مالکوں کی غیر موجودگی میں، وہاں سے کھانا پینا جائز نہ سمجھتے، اللہ نے فرمایا کہ مذکورہ افراد کے لیے اپنے اقارب کے گھروں سے یا جن گھروں کی چابیاں ان کے پاس ہیں، ان سے کھانے پینے میں کوئی حرج (گناہ) نہیں ہے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تندرست صحابہ معذور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا اس لیے ناپسند کرتے کہ وہ معذوری کی وجہ سے کم کھائیں گے اور یہ زیادہ کھا جائیں گے، اس طرح ان کے ساتھ کھانے میں ظلم کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ اسی طرح خود معذور صحابہ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ کھانا اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کے ساتھ کھانے میں کراہت محسوس نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے لیے وضاحت فرما دی کہ اس میں کوئی گناہ والی بات نہیں ہے۔

[1] تاہم بعض علماء نے صراحت کی ہے کہ اس سے وہ عام قسم کا کھانا مراد ہے جس کے کھا جانے سے کسی کو گرانی محسوس نہیں ہوتی، البتہ ایسی عمدہ چیزیں جو مالکوں نے خصوصی طور پر الگ چھپا کر رکھی ہوں تاکہ کسی کی نظر ان پر نہ پڑے، اسی طرح ذخیرہ شدہ چیزیں، ان کا کھانا اور ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (أیسر التفاسیر) اسی طرح یہاں بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹوں کے گھر انسان کے اپنے ہی گھر ہیں، جس طرح حدیث میں ہے: «أَنْتَ وَ مَالُكَ لِأَبِيكَ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2291، ومسند أحمد: 214،204،179/2) ”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔“ دوسری حدیث ہے: «وَلَدُ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ» (سنن أبي داود، حديث: 3529، وسنن ابن ماجه، حديث: 2137 وصححه الألباني) ”آدمی کی اولاد، اس کی کمائی سے ہے۔“ اس لیے بیٹوں کے گھروں سے بھی کھانا جائز ہے۔

[2] اس میں ایک اور تنگی کا ازالہ فرما دیا گیا ہے۔ بعض لوگ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے اور کسی کو ساتھ بٹھا کر کھانا ضروری خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اکٹھے کھا لو یا الگ الگ، دونوں طرح جائز ہے، گناہ کسی میں نہیں، البتہ اکٹھے ہو کر کھانا زیادہ باعث

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿62﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿63﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

یہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں،[1] پس جب ایسے لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا مانگیں، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿62﴾ تم اللہ کے نبی کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرلو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے۔[2] تم میں سے انھیں اللہ خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر چپکے سے سرک جاتے ہیں۔[3] سنو جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے[4] یا انھیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے ﴿63﴾ آگاہ ہو جاؤ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا

برکت ہے جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔(ابن کثیر)

③ اس میں اپنے گھروں میں داخل ہونے کا ادب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام عرض کرو، آدمی کو اپنی بیوی یا اپنے بچوں کو سلام کرنا بالعموم گراں گزرتا ہے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ایسا کریں۔ آخر اپنے بیوی بچوں کو سلامتی کی دعا سے کیوں محروم رکھا جائے۔

① یعنی جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں یا داخلی و بیرونی مسئلے پر مشاورت کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اہل ایمان تو حاضر ہوتے ہیں، اسی طرح اگر وہ شرکت سے معذور ہوتے ہیں تو اجازت طلب کرتے ہیں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ منافقین ایسے اجتماعات میں شرکت سے اور آپ ﷺ سے اجازت مانگنے پر گریز کرتے ہیں۔

② اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ جس طرح تم ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت پکارو، مثلاً: یا محمد! بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہو۔ (یہ آپ کی زندگی کے لیے تھا جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت پیش آتی تھی کہ آپ سے مخاطب ہوں) دوسرے معنی یہ ہیں کہ رسول کی بددعا کو دوسروں کی بددعا کی طرح مت سمجھو، اس لیے کہ آپ کی دعا تو قبول ہوتی ہے، اس لیے نبی کی بددعا مت لو، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

③ یہ منافقین کا رویہ ہوتا تھا کہ اجتماع مشاورت سے چپکے سے کھسک جاتے۔

④ اس آفت سے مراد دلوں کی وہ کجی ہے جو انسان کو ایمان سے محروم کر دیتی ہے۔ یہ نبی ﷺ کے احکام سے سرتابی اور ان کی مخالفت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور ایمان سے محرومی اور کفر پر خاتمہ، جہنم کے دائمی عذاب کا باعث ہے جیسا کہ آیت کے اگلے جملے میں فرمایا: پس نبی ﷺ کے منہاج، طریقے اور سنت کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہیے، اس لیے کہ جو اقوال و اعمال اس کے مطابق ہوں گے، وہی بارگاہ الٰہی میں مقبول اور دوسرے سب مردود ہوں گے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 18-(1718)) ''جس نے ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں

قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ط وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ط وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿64﴾ ع 9/3/15

اٰيَاتُهَا: 77 (25) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ (42) رُكُوْعَاتُهَا: 6	سورۂ فرقان مکی ہے،اس میں 77 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿1﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿2﴾

ہے۔ [1] جس روش پر تم ہو وہ اسے بخوبی جانتا ہے، [2] اور جس دن یہ سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، اس دن ان کو ان کے کیے سے وہ خبردار کر دے گا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے ﴿64﴾

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان [3] اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے [4] لیے آگاہ کرنے والا بن جائے ﴿1﴾ اسی اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی [5] سلطنت ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں [6] نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے [7] اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے ﴿2﴾ [8]

ہے، وہ مردود ہے۔''

[1] خلق کے اعتبار سے بھی، ملک کے اعتبار سے بھی اور ماتحتی کے اعتبار سے بھی۔ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس چیز کا چاہے، حکم دے، پس اس کے رسول کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے کسی حکم کی مخالفت نہ کی جائے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے، اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، اس لیے کہ رسول کے بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

[2] یہ مخالفین رسول کو تنبیہ ہے کہ جو کچھ حرکات تم کر رہے ہو، یہ نہ سمجھو کہ وہ اللہ سے مخفی رہ سکتی ہیں۔ اس کے علم میں سب کچھ ہے اور وہ اس کے مطابق قیامت والے دن جزا و سزا دے گا۔

[3] فرقان کے معنی ہیں: حق و باطل، توحید و شرک اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا، اس قرآن نے کھول کر ان امور کی وضاحت کر دی ہے، اس لیے اسے فرقان سے تعبیر کیا۔

[4] اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی نبوت عالم گیر ہے اور آپ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف 7:158) اور حدیث میں بھی فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (صحيح مسلم، حديث:3-(521) ومسند أحمد: 116/4 و 145/5) ''مجھے سرخ و سیاہ سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' «وكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً» (صحيح البخاري، حديث: 335، و صحيح مسلم، حديث:5-(523)) ''پہلے نبی کسی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' رسالت و نبوت کے بعد توحید کا بیان کیا جا رہا ہے۔ یہاں اللہ کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

[5] یہ پہلی صفت ہے، یعنی کائنات میں متصرف صرف وہی ہے، کوئی اور نہیں۔

[6] اس میں نصاریٰ، یہود اور بعض ان عرب قبائل کا رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ وَلَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا يَمۡلِكُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا ③ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكُ اۨفۡتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۛۚ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّزُوۡرًا ④ ۛۚ وَقَالُوۡۤا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ اكۡتَتَبَهَا فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ⑤ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ⑥ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ

ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنھیں اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے یہ مالک ہیں③[1] اور کافروں نے کہا: یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے،[2] دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں④ اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھ رکھے ہیں بس وہی صبح وشام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں⑤ کہہ دیجیے کہ اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔[3] بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے⑥[4] اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟

---

⑦ اس میں صنم پرست مشرکین اور ثَنَوِیَّت (دو خداؤں شر اور خیر، ظلمت اور نور کے خالق اہرمن ویزداں) کے قائلین کا رد ہے۔

⑧ ہر چیز کا خالق صرف وہی ہے اور اپنی حکمت ومشیت کے مطابق اس نے اپنی مخلوقات کو ہر وہ چیز بھی مہیا کی ہے جو اس کے مناسب حال ہے یا ہر چیز کی موت اور روزی اس نے پہلے سے ہی مقرر کر دی ہے۔

① لیکن ظالموں نے ایسے ہمہ صفات موصوف رب کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو رب بنا لیا ہے جو اپنے بارے میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ وہ کسی اور کے لیے کچھ کر سکنے کے اختیارات سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے بعد منکرین نبوت کے شبہات کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔

② مشرکین کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے یہ کتاب گھڑنے میں یہود سے یا ان کے بعض موالی (مثلاً: ابو فکیھه یسار، عداس اور جبر وغیرہم) سے مدد لی ہے، جیسا کہ سورۂ نحل 103:16 میں اس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ یہاں قرآن نے اس الزام کو ظلم اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے، بھلا ایک اُمّی شخص دوسروں کی مدد سے ایسی کتاب پیش کر سکتا ہے جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں بے مثال ہو، حقائق و معارف بیانی میں بھی معجز نگار ہو، انسانی زندگی کے لیے احکام وقوانین کی تفصیلات میں بھی لاجواب ہو اور اخبار ماضیہ اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نشاندہی اور وضاحت میں بھی اس کی صداقت مسلمہ ہو۔

③ یہ ان کے جھوٹ اور افترا کے جواب میں کہا کہ قرآن کو تو دیکھو، اس میں کیا ہے؟ کیا اس کی کوئی بات غلط اور خلاف واقعہ ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ بلکہ ہر بات بالکل صحیح اور سچی ہے، اس لیے کہ اس کو اتارنے والی ذات وہ ہے جو آسمان و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتی ہے۔

④ اس لیے وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ورنہ ان کا قرآن سازی کا الزام بڑا سخت ہے جس پر وہ فوری طور پر عذاب الٰہی کی گرفت میں آ سکتے ہیں۔

يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۟ ⑦ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ⑨ ع تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لا وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ قف وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪

کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے،[1] اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا⑦[2] یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا[3] یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا جس میں سے یہ کھاتا۔[4] اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے⑧[5] خیال تو کیجیے کہ یہ لوگ آپ کی نسبت کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں، پس یہ خود ہی بہک رہے ہیں اور کسی طرح راہ پر نہیں آسکتے⑨[6] اللہ تو ایسا بابرکت ہے کہ اگر چاہے تو آپ کو بہت سے ایسے باغات عنایت فرما دے جو ان کے کہے ہوئے باغ سے بہت ہی بہتر ہوں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور آپ کو بہت سے (پختہ) محل بھی دے دے⑩[7] بات یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں[8] اور قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے⑪

---

① قرآن پر طعن کرنے کے بعد رسول پر طعن کیا جا رہا ہے اور یہ طعن رسول کی بشریت پر ہے کیونکہ ان کے خیال میں بشریت، عظمت رسالت کی متحمل نہیں، اس لیے انھوں نے کہا کہ یہ تو کھاتا پیتا اور بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اور ہمارے ہی جیسا بشر ہے، حالانکہ رسول کو تو بشر نہیں ہونا چاہیے۔

② مذکورہ اعتراض سے نیچے اتر کر کہا جا رہا ہے کہ چلو کچھ اور نہیں تو ایک فرشتہ ہی اس کے ساتھ ہو جو اس کا معاون اور مصدق ہو۔

③ تاکہ طلب رزق سے وہ بے نیاز ہوتا۔

④ تاکہ اس کی حیثیت تو ہم سے کچھ ممتاز ہو جاتی۔

⑤ یعنی جس کی عقل و فہم سحر زدہ اور مختل ہے۔

⑥ یعنی اے پیغمبر! آپ کی نسبت یہ اس قسم کی باتیں اور بہتان تراشی کرتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی مسحور و مجنون اور کبھی کذاب و شاعر، حالانکہ یہ ساری باتیں باطل ہیں اور جن کے پاس ذرہ برابر بھی عقل و فہم ہے، وہ ان کا جھوٹا ہونا جانتے ہیں، پس یہ ایسی باتیں کر کے خود ہی راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، انھیں راہ راست کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

⑦ یعنی یہ آپ کے لیے مطالبے کرتے ہیں، اللہ کے لیے ان کا کر دینا مشکل نہیں ہے، وہ چاہے تو ان سے بہتر باغات اور محلات دنیا میں آپ کو عطا کر سکتا ہے جو ان کے دماغوں میں ہیں۔ لیکن ان کے مطالبے تو تکذیب و عناد کے طور پر ہیں نہ کہ طلب ہدایت اور تلاش نجات کے لیے۔

⑧ قیامت کا یہ جھٹلانا تکذیب رسالت کا باعث ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ⑫ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ⑬ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ⑭ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ⑮ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ⑯ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ

جب وہ انھیں دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا غصے سے بپھرنا اور دھاڑنا سنیں گے ⑫ [1] اور جب یہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے پھینک دیے جائیں گے تو وہاں اپنے لیے موت ہی موت پکاریں گے ⑬ (ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی اموات کو پکارو ⑭ [2] آپ کہہ دیجیے کہ کیا یہ بہتر ہے [3] یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ ہے اور ان کے لوٹنے کی اصلی جگہ ہے ⑮ وہ جو چاہیں گے ان کے لیے وہاں موجود ہوگا، ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تو آپ کے رب کے ذمے وعدہ ہے جو قابل درخواست ہے ⑯ [4] اور جس دن اللہ انھیں اور سوائے اللہ کے جنھیں وہ پوجتے رہے، انھیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا

① یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدان محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن غضب میں لینے کے لیے چلائے گی اور جھنجھلائے گی جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ﴾ (الملك 8,7:67) ”جب جہنمی، جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ (جوش غضب سے) اچھلتی ہوگی، ایسے لگے گا کہ وہ غصے سے پھٹ پڑے گی۔“ جہنم کا دیکھنا اور چلانا، ایک حقیقت ہے، استعارہ نہیں۔ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک کی قوت پیدا کر دینا، مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ آخر قوت گویائی بھی تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے گا اور وہ ﴿ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ ﴾ (قٓ 30:50) کی صدا بلند کرے گی۔

② یعنی جہنمی جب جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر آرزو کریں گے کہ کاش! انھیں موت آ جائے، وہ فنا کے گھاٹ اتر جائیں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت نہیں کئی موتوں کو پکارو۔ مطلب یہ ہے کہ اب تمھاری قسمت میں ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کے عذاب ہیں، یعنی موتیں ہی موتیں ہیں، تم کہاں تک موت کا مطالبہ کرو گے!

③ ”یہ“ اشارہ ہے جہنم کے مذکورہ عذابوں کی طرف جن میں جہنمی جکڑ بند ہو کر مبتلا ہوں گے کہ یہ بہتر ہے جو کفر و شرک کا بدلہ ہے یا وہ جنت جس کا وعدہ متقین سے ان کے تقویٰ و اطاعت الٰہی پر کیا گیا ہے۔ یہ سوال جہنم میں کیا جائے گا لیکن اسے یہاں اس لیے نقل کیا گیا ہے کہ شاید جہنمیوں کے اس انجام سے عبرت پکڑ کر لوگ تقویٰ و اطاعت کا راستہ اختیار کر لیں اور اس انجام بد سے بچ جائیں جس کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے۔

④ یعنی ایسا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا، جیسے قرض کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنے ذمے یہ وعدہ واجب کر لیا ہے، جس کا اہل ایمان اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اہل ایمان کے لیے اس حسن جزا کو اپنے لیے ضروری

هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ⑰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ
مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ⑱ فَقَدْ
كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ
عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳ ع 2/11/17

یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے ⑰ [1] وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں ہی یہ زیبا نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے [2] بات یہ ہے کہ تو نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودگیاں عطا فرمائیں یہاں تک کہ یہ نصیحت بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی [3] ہلاک ہونے والے ⑱ تو انھوں نے تمھیں تمھاری تمام باتوں میں جھٹلایا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی، [4] تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے [5] اسے بڑا عذاب چکھائیں گے ⑲ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے [6] اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے [7] اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ [8] کیا تم صبر کرو گے؟ تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے ⑳ [9]

قرار دے لیا ہے۔

① دنیا میں اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔ ان میں جمادات (پتھر، لکڑی اور دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی مورتیاں) بھی ہیں جو غیر عاقل ہیں اور اللہ کے نیک بندے بھی ہیں جو عاقل ہیں، مثلاً: حضرت عزیر، حضرت مسیح علیہما السلام اور دیگر بہت سے نیک بندے۔ اسی طرح فرشتوں اور جنات کے پجاری بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ غیر عاقل جمادات کو بھی شعور وادراک اور گویائی کی قوت عطا فرمائے گا۔ اور ان سب معبودین سے پوچھے گا کہ بتلاؤ! تم نے میرے بندوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا یا یہ اپنی مرضی سے تمھاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے تھے؟

② یعنی جب ہم خود تیرے سوا کسی کو کارساز نہیں سمجھتے تھے تو پھر ہم اپنی بابت کس طرح لوگوں کو کہہ سکتے تھے کہ تم اللہ کی بجائے ہمیں اپنا ولی اور کارساز سمجھو۔

③ یہ شرک کی علت ہے کہ دنیا کے مال واسباب کی فراوانی نے انھیں تیری یاد سے غافل کر دیا اور ہلاکت وتباہی ان کا مقدر بن گئی۔

④ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو مشرکین سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تم جن کو اپنا معبود گمان کرتے تھے، انھوں نے تو تمھیں تمھاری باتوں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ انھوں نے تم سے براءت کا اعلان کر دیا ہے۔ گویا جن کو تم اپنا مددگار سمجھتے تھے، وہ مددگار ثابت نہیں ہوئے۔ اب کیا تمھارے اندر یہ طاقت ہے کہ تم میرے عذاب کو اپنے سے پھیر سکو اور اپنی مدد کر سکو؟

⑤ ظلم سے مراد وہی شرک ہے جیسا کہ سیاق سے بھی واضح ہے اور قرآن میں دوسرے مقام پر شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔
﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمٰن 13:31)

⑥ یعنی وہ انسان تھے اور غذا کے محتاج۔

⑦ یعنی رزق حلال کی فراہمی کے لیے کسب وتجارت بھی کرتے تھے۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ چیزیں منصب نبوت کے منافی نہیں جس طرح کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔

⑧ یعنی ہم نے ان انبیاء کی اور ان کے ذریعے سے ان پر ایمان لانے والوں کی بھی آزمائش کی تا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے۔ جنھوں نے آزمائش میں صبر کا دامن پکڑے رکھا، وہ کامیاب اور دوسرے ناکام رہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''کیا تم صبر کرو گے؟''

⑨ یعنی وہ جانتا ہے کہ وحی ٔرسالت کا مستحق کون ہے اور کون نہیں؟ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الأنعام 124:6) حدیث میں بھی آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ بادشاہ نبی بنوں یا بندہ رسول؟ میں نے بندہ رسول بننا پسند کیا۔'' (ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿22﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿23﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ

(الحزب التاسع عشر (١٩))

اور جنھیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں، انھوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے ؟[1] یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے ؟[2] یقیناً ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہی بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے ﴿21﴾ [3] جس دن وہ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن گناہ گاروں کو کوئی خوشی نہ ہوگی[4] اور کہیں گے: یہ محروم ہی محروم کیے گئے ﴿22﴾ [5] اور انھوں نے جو جو اعمال کیے تھے، ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا ﴿23﴾ [6] البتہ اس دن جنتیوں کا ٹھکانا

---

① یعنی کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی بجائے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتے بھی نازل ہوتے جنھیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ اس بشر رسول کی تصدیق کرتے۔

② یعنی رب آ کر ہمیں کہتا کہ محمد (ﷺ) میرا رسول ہے اور اس پر ایمان لانا تمھارے لیے ضروری ہے۔

③ اسی استکبار اور سرکشی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس قسم کے مطالبے کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ایمان بالغیب کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا ہے۔ اگر وہ فرشتوں کو ان کی آنکھوں کے سامنے اتار دے یا آپ خود زمین پر نزول فرمالے تو اس کے بعد ان کی آزمائش کا پہلو ہی ختم ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسا کام کیوں کرے جو اس کی حکمت تخلیق اور مشیت کے خلاف ہے؟

④ اس دن سے مراد موت کا دن ہے، یعنی یہ کافر فرشتوں کو دیکھنے کی آرزو تو کرتے ہیں لیکن موت کے وقت جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لیے کوئی خوشی اور مسرت نہیں ہوگی، اس لیے کہ فرشتے انھیں اس موقع پر عذاب جہنم کی وعید سناتے ہیں اور کہتے ہیں: اے خبیث روح! خبیث جسم سے نکل، جس سے روح دوڑتی اور بھاگتی ہے جس پر فرشتے اسے مارتے اور کوٹتے ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 93:6، سورۂ انفال 50:8 میں ہے۔ اس کے برعکس مومن کا حال وقت احتضار (جان کنی کے وقت) یہ ہوتا ہے کہ فرشتے اسے جنت اور اس کی نعمتوں کی نوید جاں فزا سناتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ حم السجدہ 41:30-32 میں ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ ”فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں کہ اے پاک روح! جو پاک جسم میں تھی نکل اور ایسی جگہ چل جہاں اللہ کی نعمتیں ہیں اور وہ رب ہے جو تجھ سے راضی ہے۔“ (تفصیل کے لیے دیکھیے مسند أحمد: 364/2، 365، وسنن ابن ماجه، حديث: 4262) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں ہی قول صحیح ہیں، اس لیے کہ دونوں ہی دن ایسے ہیں کہ فرشتے مومن اور کافر دونوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ مومنوں کو رحمت و رضوان الٰہی کی خوش خبری اور کافروں کو ہلاکت و خسران کی خبر دیتے ہیں۔

⑤ ﴿حِجْرًا﴾ کے اصل معنی ہیں: منع کرنا، روک دینا۔ جس طرح قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا صغرسنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں: حَجَرَ الْقَاضِي عَلٰى فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اسی مفہوم میں خانہ کعبہ کے اس حصے (حطیم) کو حجر کہا جاتا ہے جسے قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا، اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔ طواف کرتے وقت، اس کے بیرونی حصے سے گزرنا چاہیے جسے دیوار سے ممتاز کر

خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿25﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿26﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿27﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿28﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿29﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی﴿24﴾[1] اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ جائے گا[2] اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے﴿25﴾اس دن صحیح طور پر ملک صرف رحمٰن کا ہی ہوگا اور وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا﴿26﴾اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: ہائے! کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی﴿27﴾ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوا ہوتا﴿28﴾[3] اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کردیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو دغا دینے والا ہے﴿29﴾اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ

دیا گیا ہے۔ اور عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عقل بھی انسان کو ایسے کاموں سے روکتی ہے جو انسان کے لائق نہیں ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ فرشتے کافروں کو کہتے ہیں کہ تم ان چیزوں سے محروم ہو جن کی خوش خبری متقین کو دی جاتی ہے، یعنی یہ حَرَامًا مُّحَرَّمًا عَلَيْكُمْ کے معنی میں ہے۔ آج جنت الفردوس اور اس کی نعمتیں تم پر حرام ہیں، اس کے مستحق صرف اہل ایمان و تقویٰ ہوں گے۔

⑥ ﴿هَبَآءً﴾ ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انھیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت والے دن ان ہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے کیونکہ وہ ایمان و اخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقت شریعت سے بھی عاری۔ جبکہ عنداللہ قبولیت کے لیے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ ایمان و اخلاص بھی اور شریعت اسلامیہ کی مطابقت بھی۔ یہاں کافروں کے اعمال کو جس طرح بے حیثیت ذروں کی مثل کہا گیا ہے، اسی طرح دوسرے مقامات پر کہیں راکھ سے، کہیں سراب سے اور کہیں صاف چکنے پتھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ساری تمثیلات پہلے گزر چکی ہیں ملاحظہ ہو: (سورۂ بقرہ: 2:264، سورۂ ابراہیم 18:14 اور سورۂ نور 29:24)

① بعض نے اس سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے قیامت کا یہ ہولناک دن اتنا مختصر اور ان کا حساب اتنا آسان ہوگا کہ قیلولے کے وقت تک یہ فارغ ہو جائیں گے اور جنت میں یہ اپنے اہل خاندان اور حورعین کے ساتھ دوپہر کو استراحت فرما ہوں گے، جس طرح حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے یہ دن اتنا ہلکا ہوگا کہ جتنا دنیا میں ایک فرض نماز ادا کرلینا۔ (مسند أحمد: 75/3)

② اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سایہ فگن ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے جلو میں، میدان محشر میں، جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، حساب کتاب کے لیے جلوہ فرما ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ 2:210 سے بھی واضح ہے۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، اس لیے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالح سے انسان برا بنتا ہے۔ اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے۔ اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور بری صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم، حدیث: 2628)

مَهْجُوْرًا ﴿30﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿31﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿32﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿33﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿34﴾ ۧ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ

رکھا تھا﴿30﴾[1] اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہ گاروں کو بنا دیا ہے۔[2] اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے﴿31﴾[3] اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک ساتھ ہی کیوں نہ اتارا گیا،[4] اسی طرح ہم نے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا تا کہ اس سے ہم آپ کا دل قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر ہی پڑھ سنایا ہے﴿32﴾[5] یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتا دیں گے﴿33﴾[6] جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے۔ وہی بدتر مکان والے اور گمراہ تر راستے والے ہیں﴿34﴾ اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ہمراہ ان کے بھائی

---

① مشرکین قرآن پڑھے جانے کے وقت خوب شور کرتے تا کہ قرآن نہ سنا جا سکے، یہ بھی ہجران ہے، اس پر ایمان نہ لانا اور عمل نہ کرنا بھی ہجران ہے، اس پر غور وفکر نہ کرنا اور اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی ہجران ہے۔ اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا، یہ بھی ہجران ہے، یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے، جس کے خلاف قیامت والے دن اللہ کے پیغمبر اللہ کی بارگاہ میں استغاثہ دائر فرمائیں گے۔

② یعنی جس طرح اے محمد! تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو مجرم تھے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے تھے، سورۂ انعام 6:12 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

③ یعنی یہ کافر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں لیکن تیرا رب جس کو ہدایت دے، اس کو ہدایت سے کون روک سکتا ہے؟ اصل ہادی اور مددگار تو تیرا رب ہی ہے۔

④ جس طرح تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کتابیں بیک مرتبہ نازل ہوئیں۔

⑤ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ہم نے حالات وضروریات کے مطابق اس قرآن کو 23 سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تا کہ اے پیغمبر! تیرا اور اہل ایمان کا دل مضبوط ہو اور ان کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:106) ''اور قرآن، اس کو ہم نے جدا جدا کیا تا کہ تو اسے لوگوں پر رک رک کر پڑھے اور ہم نے اس کو وقفے وقفے سے اتارا۔'' اس قرآن کی مثال بارش کی طرح ہے۔ بارش جب بھی نازل ہوتی ہے، مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ فائدہ بالعموم اسی وقت ہوتا ہے جب بارش وقتاً فوقتاً نازل ہو نہ کہ ایک ہی مرتبہ ساری بارش کے نزول سے۔

⑥ یہ قرآن کے وقفے وقفے سے اتارے جانے کی حکمت وعلت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مشرکین جب بھی کوئی مثال یا اعتراض اور شبہ پیش کریں گے تو قرآن کے ذریعے سے ہم اس کا جواب یا وضاحت پیش کر دیں گے اور یوں انھیں لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚۖ ﴿35﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿36﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ ﴿37﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿38﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿39﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿40﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿41﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا﴿35﴾ اور کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں، پھر ہم نے انھیں بالکل ہی پامال کر دیا﴿36﴾ اور قوم نوح نے بھی جب رسولوں کو جھوٹا کہا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور لوگوں کے لیے انھیں نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے﴿37﴾ اور عادیوں اور ثمودیوں اور کنویں والوں کو[1] اور ان کے درمیان کی بہت سی امتوں کو[2] (ہلاک کر دیا)﴿38﴾ اور ہم نے ان کے سامنے مثالیں بیان کیں،[3] پھر ہر ایک کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا﴿39﴾[4] یہ لوگ اس بستی کے پاس سے بھی آتے جاتے ہیں جس پر بری طرح کی بارش برسائی گئی۔[5] کیا یہ پھر بھی اسے دیکھتے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انھیں مر کر جی اٹھنے کی امید ہی نہیں﴿40﴾[6] اور تمھیں جب بھی دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کرنے لگتے ہیں۔ کہ کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے﴿41﴾[7] (وہ تو کہتے ہیں) کہ ہم اس پر جمے رہے

① رَسٌّ کے معنی کنویں کے ہیں: ﴿اَصْحٰبَ الرَّسِّ﴾ کنویں والے۔ اس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں جن کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (ابن کثیر)

② قَرْنٌ کے صحیح معنی ہیں: ہم عصر لوگوں کا ایک گروہ۔ جب ایک نسل کے لوگ ختم ہو جائیں تو دوسری نسل دوسرا قرن کہلائے گی۔ (ابن کثیر) اس معنی میں ہر نبی کی امت بھی ایک قرن ہو سکتی ہے۔

③ یعنی دلائل کے ذریعے سے ہم نے حجت قائم کر دی۔

④ یعنی اتمام حجت کے بعد۔

⑤ بستی سے قوم لوط کی بستیاں سدوم اور عاموراء وغیرہما مراد ہیں اور بری بارش سے پتھروں کی بارش مراد ہے۔ ان بستیوں کو الٹ دیا گیا تھا اور اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش کی گئی تھی جیسا کہ سورۂ ہود 11:82 میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بستیاں شام و فلسطین کے راستے میں پڑتی ہیں جن سے گزر کر ہی اہل مکہ آتے جاتے تھے۔

⑥ اس لیے ان تباہ شدہ بستیوں اور ان کے کھنڈرات دیکھنے کے باوجود عبرت نہیں پکڑتے۔ اور آیات الٰہی اور اللہ کے رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے۔

⑦ دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا: ﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ (الأنبياء 21:36) ''کیا یہی وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟'' یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی، جیسے آج بھی قبر پرستوں کو کہا جائے کہ قبروں میں مدفون بزرگ کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تو

لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿42﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿43﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿44﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ

ورنہ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔[1] اور یہ جب عذابوں کو دیکھیں گے تو انھیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پوری طرح راہ سے بھٹکا ہوا کون تھا؟﴿42﴾[2] کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمے دار ہو سکتے ہیں؟﴿43﴾[3] کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے﴿44﴾[4] کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے سائے کو کس طرح پھیلا دیا ہے؟[5] اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا ہی کر دیتا،[6] پھر

کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔

[1] یعنی ہم ہی اپنے آباء واجداد کی تقلید اور روایتی مذہب سے وابستگی کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت سے باز نہیں آئے ورنہ اس پیغمبر نے تو ہمیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا یہ قول نقل فرمایا کہ کس طرح وہ شرک پر جمے ہوئے ہیں کہ اس پر فخر کر رہے ہیں۔

[2] یعنی اس دنیا میں تو ان مشرکین اور غیر اللہ کے پجاریوں کو اہل توحید گمراہ نظر آتے ہیں لیکن جب یہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے اور وہاں انھیں شرک کی وجہ سے عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا تو پتہ لگے گا کہ گمراہ کون تھا؟ ایک اللہ کی عبادت کرنے والے یا در در پر اپنی جبینیں جھکانے والے؟

[3] یعنی جو چیز اس کے نفس کو اچھی لگی، اسی کو اپنا دین و مذہب بنا لیا، کیا ایسے شخص کو تو راہ یاب کر سکتا ہے یا اللہ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ''کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا، پس وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ یاب، پس تو ان پر حسرت و افسوس نہ کر۔'' (فاطر 8:35) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: زمانۂ جاہلیت میں آدمی ایک عرصے تک سفید پتھر کی عبادت کرتا رہتا، جب اسے اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا۔ (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو عقل و فہم سے اس طرح عاری اور محض خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں، اے پیغمبر! کیا تو ان کو ہدایت کے راستے پر لگا سکتا ہے؟ یعنی نہیں لگا سکتا۔

[4] یعنی یہ چوپائے جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اسے وہ سمجھتے ہیں لیکن انسان جسے صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا تھا، وہ رسولوں کی یاد دہانی کے باوجود اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتا اور در در پر اپنا ماتھا ٹیکتا پھرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یقیناً چوپائے سے بھی زیادہ بدتر اور گمراہ ہے۔

[5] یہاں سے پھر توحید کے دلائل کا آغاز ہو رہا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کس طرح سایہ پھیلایا ہے جو صبح صادق کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، یعنی اس وقت دھوپ نہیں ہوتی، دھوپ کے ساتھ یہ سمٹنا اور سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔

[6] یعنی ہمیشہ سایہ ہی رہتا، سورج کی دھوپ سائے کو ختم ہی نہ کرتی۔

جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿45﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيرًا ﴿46﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿47﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿48﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿49﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿50﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿51﴾

ہم نے آفتاب کو اس کا راہنما بنایا﴿45﴾ [1] پھر ہم نے اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیا﴿46﴾ [2] اور وہی ہے جس نے رات کو تمھارے لیے پردہ بنایا [3] اور نیند راحت بنائی [4] اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت﴿47﴾ [5] اور وہی ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں﴿48﴾ [6] تاکہ اس کے ذریعے سے مردہ شہر کو زندہ کر دیں اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں﴿49﴾ اور بے شک ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا [7] تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں﴿50﴾ [8] اگر ہم چاہتے تو ہر ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج [9] دیتے﴿51﴾

---

(1) یعنی دھوپ سے ہی سائے کا پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو سائے سے بھی لوگ متعارف نہ ہوتے۔

(2) یعنی وہ سایہ آہستہ آہستہ ہم اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس کی جگہ رات کا گھمبیر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

(3) یعنی لباس، جس طرح لباس انسانی ڈھانچے کو چھپا لیتا ہے، اسی طرح رات تمھیں اپنی تاریکی میں چھپا لیتی ہے۔

(4) ﴿سُبَاتًا﴾ کے معنی کاٹنے کے ہوتے ہیں۔ نیند انسان کے جسم کو عمل سے کاٹ دیتی ہے جس سے اس کو راحت میسر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک سبات کے معنی تمدد (پھیلنے) کے ہیں۔ نیند میں بھی انسان دراز ہو جاتا ہے، اس لیے اسے سبات کہا۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير)

(5) یعنی نیند جو موت کی نظیر ہے، دن کو انسان اس نیند سے بیدار ہو کر کاروبار اور تجارت کے لیے پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ صبح بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ» (صحيح البخاري، حديث: 6324) "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔"

(6) ﴿طَهُوْرًا﴾ (بفتح الطاء) فعول کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے بمعنی طاهر، مُطهر، جو پاک ہو اور پاک کرنے والا ہو، کے معنی میں ہے، یعنی ایسی چیز جو پاک کرنے والی ہوتی ہے جیسے وضو کے پانی کو وَضُو اور ایندھن کو وَقُود کہا جاتا ہے، اس معنی میں پانی طاہر (خود بھی پاک) اور مطہر (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» (سنن أبي داود، حديث: 67، وجامع الترمذي، حديث: 66، وسنن النسائي، حديث: 327، وسنن ابن ماجه، حديث: 520 وصححه الألباني في السنن) "پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔" ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔

(7) یعنی قرآن کریم کو۔ اور بعض نے ﴿صَرَّفْنٰهُ﴾ میں "ہ" کا مرجع بارش کو قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہو گا کہ بارش کو ہم پھیر پھیر کر برساتے ہیں، یعنی کبھی ایک علاقے میں، کبھی دوسرے علاقے میں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی ایک ہی شہر کے ایک حصے

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿52﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿53﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط

پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں ﴿52﴾ [1] اور وہی ہے جس نے دو سمندر آپس میں ملا رکھے ہیں، یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا، [2] اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور مضبوط اوٹ کر دی ﴿53﴾ [3] وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔ [4]

میں بارش ہوتی ہے، دوسروں میں نہیں ہوتی اور کبھی دوسرے حصوں میں ہوتی ہے، پہلے حصے میں نہیں ہوتی، یہ اللہ کی حکمت و مشیت ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، کہیں بارش برساتا ہے اور کہیں نہیں اور کبھی کسی علاقے میں اور کبھی کسی اور علاقے میں۔

⑧ ایک کفر اور ناشکری یہ بھی ہے کہ بارش کو مشیت الٰہی کی بجائے ستاروں کی گردش کا نتیجہ قرار دیا جائے جیسا کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے۔ كما في الحديث حدیث میں اس عقیدے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

⑨ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

① ﴿جَاهِدْهُمْ بِهٖ﴾ میں ''ہ'' کا مرجع قرآن ہے، یعنی اس قرآن کے ذریعے سے جہاد کریں، یہ آیت مکی ہے، ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا تھا، اس لیے مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے اوامر و نواہی کھول کھول کر بیان کریں اور اہل کفر کے لیے جو زجر و توبیخ اور وعیدیں ہیں، وہ واضح کریں۔

② آب شیریں کو ﴿فُرَاتٌ﴾ کہتے ہیں، فُرَاتٌ کے معنی ہیں: کاٹ دینا، توڑ دینا، میٹھا پانی پیاس کو کاٹ دیتا ہے، یعنی ختم کر دیتا ہے۔ ﴿اُجَاجٌ﴾ سخت کھارا یا کڑوا۔

③ جو ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتی۔ بعض نے ﴿حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ کے معنی کیے ہیں: حَرَامًا مُّحَرَّمًا ان پر حرام کر دیا گیا ہے کہ میٹھا پانی کھارا یا کھارا پانی میٹھا ہو جائے۔ اور بعض مفسرین نے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ کا ترجمہ کیا ہے، خَلَقَ الْمَائَيْنِ ''دو پانی پیدا کیے'' ایک میٹھا اور دوسرا کھارا۔ میٹھا پانی تو وہ ہے جو نہروں، چشموں اور کنووں کی شکل میں آبادیوں کے درمیان پایا جاتا ہے جس کو انسان اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور کھارا پانی وہ ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے بڑے بڑے سمندروں میں ہے جو کہتے ہیں کہ زمین کا تین چوتھائی حصہ ہیں اور ایک چوتھائی حصہ خشکی کا ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کا بسیرا ہے۔ یہ سمندر ساکن ہیں، البتہ ان میں مدوجزر ہوتا رہتا اور موجوں کا تلاطم جاری رہتا ہے۔ سمندری پانی کے کھارا رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے۔ میٹھا پانی زیادہ دیر تک کہیں ٹھہرا رہے تو وہ خراب ہو جاتا ہے، اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ کھارا پانی خراب نہیں ہوتا، نہ اس کا ذائقہ بدلتا ہے نہ رنگ اور بو۔ اگر ان ساکن سمندروں کا پانی بھی میٹھا ہوتا تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، جس سے انسانوں اور حیوانوں کا زمین میں رہنا مشکل ہو جاتا۔ اس میں مرنے والے جانوروں کی سڑاند اس پر مستزاد۔ اللہ کی حکمت تو یہ ہے کہ ہزاروں برس سے یہ سمندر موجود ہیں اور ان میں ہزاروں جانور مرتے ہیں اور انھی میں گل سڑ جاتے ہیں لیکن اللہ نے ان میں ملاحت (نمکیات) کی اتنی مقدار رکھ دی ہے کہ وہ اس کے پانی میں ذرا بھی بدبو پیدا نہیں ہونے دیتی۔ ان سے اٹھنے والی ہوائیں بھی صحیح ہیں اور ان کا پانی بھی پاک ہے حتیٰ کہ ان کا مردار بھی حلال ہے۔ (موطأ إمام مالك: 47/1، وسنن ابن ماجه، حديث: 387، وسنن أبي داود،

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿54﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿55﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿56﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿57﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿58﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿59﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿60﴾ ۩ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿61﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

(السجدة 7، ع 5/16/3)

بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے ﴿54﴾ یہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو انھیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں اور کافر تو ہے ہی اپنے رب کے خلاف (شیطان کی) مدد کرنے والا ﴿55﴾ ہم نے تو آپ کو خوشخبری اور ڈرسنانے والا (نبی) بنا کر بھیجا ہے ﴿56﴾ کہہ دیجیے کہ میں قرآن کے پہنچانے پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے ﴿57﴾[1] اس ہمیشہ زندہ اللہ پر توکل کریں جسے کبھی موت نہیں اور اس کی تعریف کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتے رہیں، وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے ﴿58﴾ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن ہی میں پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھ لیں ﴿59﴾ ان سے جب بھی کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جواب دیتے ہیں رحمٰن ہے کیا؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تُو ہمیں حکم دے رہا ہے اور اس (تبلیغ) نے ان کی نفرت میں اور اضافہ کر دیا ﴿60﴾[2] بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے[3] اور اس میں آفتاب بنایا اور منور مہتاب بھی ﴿61﴾ اور اسی نے رات اور دن کو

حديث: 83، وجامع الترمذي، حديث: 69، وسنن النسائي، حديث: 333)

④ ﴿نَسَبًا﴾ سے مراد وہ رشتے داریاں ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے ہوں اور ﴿صِهْرًا﴾ سے مراد وہ قرابت داری ہے جو شادی کے بعد میاں بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہماری زبان میں سسرالی رشتے کہا جاتا ہے۔ ان دونوں رشتے داریوں کی تفصیل آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ﴾ (النسآء 23:4) اور ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ﴾ (النسآء 22:4) میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور رضاعی رشتے داریاں حدیث کی رو سے نسبی رشتوں میں شامل ہیں جیسا کہ فرمایا: «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح البخاري، حديث: 2645، وصحيح مسلم، حديث: 1444)

① یعنی یہی میرا اجر ہے کہ رب کا راستہ اختیار کر لو۔

② اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کی صفات اور اسمائے حسنٰی میں سے ہیں لیکن اہل جاہلیت اللہ کو ان ناموں سے نہیں پہچانتے تھے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی ﷺ نے معاہدے کے آغاز پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھوایا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے، بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ (صحيح مسلم، حديث: 1784، وسيرت ابن هشام: 332/3) مزید دیکھیے: (سورۂ رعد 30:13، سورۂ بنی اسرائیل 110:17) یہاں بھی ان کا رحمٰن کے نام سے بدکنے اور سجدہ کرنے سے گریز کرنے کا ذکر ہے۔

③ ﴿بُرُوْجًا﴾ بُرج کی جمع ہے، سلف کی تفسیر میں بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے لیے گئے ہیں۔ اور اسی مراد پر کلام کا نظم

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿62﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿63﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿64﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿65﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿66﴾ وَالَّذِيْنَ

ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا،[1] اس شخص کی نصیحت کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہو﴿62﴾ رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے﴿63﴾[2] اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں﴿64﴾ اور جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے﴿65﴾[3] بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے﴿66﴾ اور جو خرچ

واضح ہے کہ بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور سورج اور چاند بنائے۔ بعد کے مفسرین نے اس سے اصطلاحی بروج مراد لیے ہیں۔ اور یہ بارہ برج ہیں۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اور یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں۔ جن کے نام ہیں۔ مریخ، زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ یہ کواکب (سیارے) ان برجوں میں اس طرح اترتے ہیں، جیسے یہ ان کے لیے عالی شان محل ہیں۔ (أیسر التفاسیر)

[1] یعنی رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے۔ دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوتے، اس کے فوائد و مصالح محتاج وضاحت نہیں۔ بعض نے ﴿خِلْفَةً﴾ کے معنی ایک دوسرے کے مخالف کے کیے ہیں، یعنی رات تاریک ہے تو دن روشن۔

[2] ﴿سَلٰمًا﴾ سے مراد یہاں اعراض اور ترک بحث و مجادلہ ہے، یعنی اہل ایمان، اہل جہالت و اہل سفاہت سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ ایسے موقعوں پر اعراض و گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور بے فائدہ بحث نہیں کرتے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ایک طرف راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں کسی غلطی یا کوتاہی پر اللہ کی گرفت میں نہ آ جائیں، اس لیے وہ عذاب جہنم سے بھی پناہ طلب کرتے ہیں۔ گویا اللہ کی عبادت و اطاعت کے باوجود اللہ کے عذاب اور اس کے مؤاخذے سے انسان کو بے خوف اور اپنی عبادات و طاعات الٰہی پر کسی غرور اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:60) ”اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ ڈر صرف اسی بات کا نہیں کہ انھیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کا بھی کہ ان کا صدقہ و خیرات قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی بابت پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، اے ابوبکر کی بیٹی! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔“ (جامع الترمذي، حديث:3175)

اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿67﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿68﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿69﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿70﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى

کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں ﴿67﴾ [1] اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے [2] نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں [3] اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا ﴿68﴾ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب کیا جائے گا اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا ﴿69﴾ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، [4] ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، [5] اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے ﴿70﴾ اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو

[1] اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف اور اللہ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا اقتار (بخیلی) اور اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا ﴿قَوَامًا﴾ ہے۔(فتح القدیر) اسی طرح نَفَقَات واجبہ اور مباحات میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے، اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔

[2] اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: اسلام کے بعد کوئی دوبارہ کفر اختیار کرے جسے ارتداد کہتے ہیں یا شادی شدہ شخص بدکاری کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کر دے۔ ان تینوں صورتوں میں قتل کیا جائے گا، البتہ شادی شدہ زانی کے قتل کے لیے طریقۂ رجم اختیار کیا جائے گا۔

[3] حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے درآں حالیکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: ''اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے، پھر آپ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4477، وصحیح مسلم، حدیث: 86)

[4] اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہوسکتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ اور سورۂ نساء کی آیت: 93 میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتلائی گئی ہے تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کیے ہی فوت ہوگیا ہو۔ ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمی کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 46-(2766))

[5] اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرما دیتا ہے، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا، اب نیکیاں کرتا ہے، پہلے شرک کرتا تھا، اب صرف اللہ واحد کی عبادت کرتا ہے، پہلے کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑتا تھا، اب مسلمانوں کی طرف سے کافروں سے لڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی ہیں کہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید

اللّٰهِ مَتَابًا ﴿71﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿72﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿73﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿74﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿75﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿76﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ

حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے ﴿71﴾ (1) اور جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے (2) اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں ﴿72﴾ (3) اور جب انھیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہوکر ان پر نہیں گرتے ﴿73﴾ (4) اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما (5) اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا ﴿74﴾ (6) یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے جہاں انھیں دعا سلام پہنچایا جائے گا ﴿75﴾ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے ﴿76﴾ کہہ دیجیے: اگر تمھاری دعا و التجا نہ ہوتی تو میرا رب تمھاری مطلق پروا نہ کرتا، (7) تم تو جھٹلا چکے

حدیث سے بھی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوگا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے، بڑے گناہ ایک طرف رکھ دیے جائیں گے۔ اس کو کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہوگا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے کہ اتنے میں اس سے کہا جائے گا کہ جا، تیرے لیے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ میں انھیں یہاں نہیں دیکھ رہا۔'' یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 190)

(1) پہلی توبہ کا تعلق کفر و شرک سے ہے۔ اس توبہ کا تعلق دیگر معاصی اور کوتاہیوں سے ہے۔

(2) ﴿الزُّوْرَ﴾ کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ہر باطل چیز بھی جھوٹ ہے، اس لیے جھوٹی گواہی سے لے کر کفر و شرک اور ہر طرح کی غلط چیزیں، مثلاً: لہو و لعب، گانا اور دیگر بیہودہ جاہلانہ رسوم و افعال، سب اس میں شامل ہیں اور عِبَادُ الرَّحْمٰن کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ کسی بھی جھوٹ میں اور جھوٹ کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔

(3) لَغْوٌ ہر وہ بات اور کام ہے جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں، یعنی ایسے کاموں اور باتوں میں بھی وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔

(4) یعنی وہ ان سے اعراض و غفلت نہیں برتتے، جیسے وہ بہرے ہوں کہ سنیں ہی نہیں یا اندھے ہوں کہ دیکھیں ہی نہیں۔ بلکہ وہ غور اور توجہ سے سنتے اور انھیں آویزۂ گوش اور حرز جان بناتے ہیں۔

(5) یعنی انھیں اپنا بھی فرماں بردار بنا اور ہمارا بھی اطاعت گزار جس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿77﴾

اٰيَاتُهَا 227 (26) سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ (47) رُكُوْعَاتُهَا 11

سورۂ شعراء مکی ہے، اس میں 227 آیات اور ۱۱ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمٓ ﴿1﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿2﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿3﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿4﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿5﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿6﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿7﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿8﴾

اب عنقریب اس کی سزا تمھیں چمٹ جانے والی ہوگی ﴿77﴾ [1]

طٰسٓمٓ ﴿1﴾ یہ آیتیں روشن کتاب کی ہیں ﴿2﴾ ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے ﴿3﴾ [2] اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسا نشان اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جاتیں ﴿4﴾ [3] اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی وہ اس سے روگردانی کرنے والے بن جاتے ﴿5﴾ یقیناً ان لوگوں نے جھٹلایا ہے، اب ان کے پاس جلدی سے اس کی خبریں آ جائیں گی جس کے ساتھ وہ مسخرا پن کر رہے ہیں ﴿6﴾ [4] کیا انھوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالیں کہ ہم نے اس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں؟ ﴿7﴾ [5] بے شک اس میں یقیناً نشانی ہے [6] اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں ہیں ﴿8﴾ [7]

---

⑥ یعنی ایسا اچھا نمونہ کہ خیر میں وہ ہماری اقتدا کریں۔

⑦ دعا و التجا کا مطلب اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمھارا مقصد تخلیق اللہ کی عبادت ہے اگر یہ نہ ہو تو اللہ کو تمھاری کوئی پروا نہ ہو، یعنی اللہ کے ہاں انسان کی قدر و قیمت، اس کے اللہ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی وجہ سے ہے۔

① اس میں کافروں سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کو جھٹلا دیا ہے، سو اب اس کی سزا بھی لازماً تمھیں چکھنی ہے، چنانچہ دنیا میں یہ سزا بدر میں شکست کی صورت میں انھیں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انھیں دوچار ہونا پڑے گا۔

② نبی ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدردی اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی، اس میں اس کا اظہار ہے۔

③ یعنی جسے ماننے اور جس پر ایمان لائے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ لیکن اس طرح جبر کا پہلو شامل ہو جاتا جبکہ ہم نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اس کی آزمائش کی جائے، اس لیے ہم نے ایسی نشانی بھی اتارنے سے گریز کیا جس سے ہمارا یہ قانون متاثر ہو۔ اور صرف انبیاء و رسل بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

④ یعنی تکذیب کے نتیجے میں ہمارا عذاب عنقریب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا جسے وہ ناممکن سمجھ کر استہزا و مذاق کرتے ہیں۔ یہ عذاب دنیا میں بھی ممکن ہے جیسا کہ کئی قومیں تباہ ہوئیں، بصورت دیگر آخرت میں تو اس سے کسی صورت چھٹکارا نہیں ہوگا۔ مَا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ نہیں کہا بلکہ ﴿مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ کہا کیونکہ استہزا ایک تو اعراض و تکذیب کو بھی مستلزم ہے۔ دوسرے، یہ

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ⑫ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ⑭ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا

اور تیرا رب یقیناً وہی غالب اور مہربان ہے⑨ [1] اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ظالم قوم کے پاس جا⑩ [2] قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیز گاری نہ کریں گے؟⑪ موسیٰ نے کہا: میرے پروردگار! مجھے تو خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا (نہ) دیں⑫ اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے [3] میری زبان چل نہیں رہی، [4] پس تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج⑬ [5] اور ان کا میرے ذمے ایک گناہ بھی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار نہ ڈالیں⑭ [6] اللہ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہ ہوگا! تم

اعراض وتکذیب سے زیادہ بڑا جرم ہے۔(فتح القدیر)

⑤ ﴿زَوْجٍ﴾ کے دوسرے معنی یہاں صنف اور نوع کے کیے گئے ہیں، یعنی ہر قسم کی چیزیں ہم نے پیدا کیں جو کریم ہیں، یعنی انسان کے لیے فائدے مند یا بکثرت۔ جس طرح غلہ جات ہیں، پھل میوے ہیں اور حیوانات وغیرہ ہیں۔

⑥ یعنی جب اللہ تعالیٰ مردہ زمین سے یہ چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو کیا وہ انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

⑦ یعنی اس کی یہ عظیم قدرت دیکھنے کے باوجود اکثر لوگ اللہ اور رسول کی تکذیب ہی کرتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

① یعنی ہر چیز پر اس کا غلبہ اور انتقام لینے پر وہ ہر طرح قادر ہے لیکن چونکہ وہ رحیم بھی ہے، اس لیے فوراً گرفت نہیں فرماتا بلکہ پوری مہلت دیتا ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ کرتا ہے۔

② یہ رب کی اس وقت کی ندا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کے ہمراہ واپس آ رہے تھے، راستے میں انھیں حرارت حاصل کرنے کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو آگ کی تلاش میں کوہ طور پہنچ گئے، جہاں ندائے غیبی نے ان کا استقبال کیا اور انھیں نبوت سے سرفراز کر کے ظالموں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ سونپ دیا گیا۔

③ اس خوف سے کہ وہ نہایت سرکش ہے، میری تکذیب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف انبیاء کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور بشری عوارض نبوت کے منافی نہیں۔

④ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ فصیح اللسان نہیں تھے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زبان پر انگارہ رکھنے کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں لیکن بعد میں یہ عارضہ ختم ہو گیا تھا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ 36:20 میں ہے۔

⑤ یعنی ان کی طرف جبریل کو وحی دے کر بھیج اور انھیں بھی وحی و نبوت سے سرفراز فرما کر میرا معاون بنا۔

⑥ یہ اشارہ ہے اس قتل کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غیر ارادی طور پر ہو گیا تھا اور مقتول قبطی یعنی فرعون کی قوم سے تھا، اس لیے فرعون اس کے بدلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا تھا جس کی اطلاع پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین چلے گئے تھے۔ اس واقعے پر اگرچہ کافی سال گزر چکے تھے لیکن فرعون کے پاس جانے میں واقعی یہ امکان موجود تھا کہ فرعون ان کو اس جرم قتل پر پکڑ کر قتل کی سزا دینے کی کوشش کرے، اس لیے یہ خوف بھی بلا جواز نہیں تھا۔

بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿15﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿16﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿17﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿18﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿20﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿21﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ

دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ[1] ہم خود سننے والے تمھارے ساتھ ہیں ﴿15﴾[2] تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں ﴿16﴾ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کردے ﴿17﴾[3] فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے تیرے بچپن کے زمانے میں اپنے ہاں نہیں پالا تھا؟[4] اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں نہیں گزارے؟ ﴿18﴾[5] پھر تو اپنا وہ کام کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے ﴿19﴾[6] موسیٰ نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا ﴿20﴾[7] پھر تم سے خوف کھا کر میں تم سے بھاگ گیا، پھر مجھے میرے رب نے حکم وعلم عطا فرمایا اور مجھے اپنے پیغمبروں میں سے کر دیا ﴿21﴾[8] مجھ پر تیرا کیا یہی وہ احسان ہے؟ جسے تو جتا رہا ہے کہ تو نے

---

① اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ تم دونوں جاؤ، میرا پیغام اس کو پہنچاؤ، تمھیں جو اندیشے لاحق ہیں ان سے ہم تمھاری حفاظت کریں گے۔ آیات سے مراد وہ دلائل و براہین ہیں جن سے ہر پیغمبر کو آگاہ کیا جاتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، جیسے ید بیضا اور عصا۔

② یعنی تم جو کچھ کہو گے اور اس کے جواب میں وہ جو کچھ کہے گا، ہم سن رہے ہوں گے، اس لیے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمھیں فریضۂ رسالت سونپ کر تمھاری حفاظت سے بے پروا نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ وہ ساتھ ہوتا ہے جس طرح اس کے شان کے لائق ہے یا نصرت و معاونت کی معیت مراد ہے۔

③ یعنی ایک بات یہ کہو کہ ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں آئے ہیں بلکہ رب العالمین کے نمائندے اور اس کے رسول کی حیثیت سے آئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ تو نے (چار سو سال سے) بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے تاکہ میں انھیں شام کی سرزمین پر لے جاؤں جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔

④ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور مطالبے پر غور کرنے کی بجائے ان کی تحقیر و تنقیص کرنی شروع کر دی اور کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو ہماری گود میں اور ہمارے گھر میں پلا بڑھا ہے؟

⑤ بعض کہتے ہیں کہ 18 سال فرعون کے محل میں بسر کیے، بعض کے نزدیک 30 اور بعض کے نزدیک چالیس سال، یعنی اتنی عمر ہمارے پاس گزارنے کے بعد چند سال ادھر ادھر رہ کر اب تو نبوت کا دعویٰ کرنے لگا ہے؟

⑥ پھر ہمارا ہی کھا کر ہماری ہی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر کے ہماری ناشکری بھی کی۔

⑦ یعنی یہ قتل ارادتاً نہیں تھا بلکہ ایک گھونسہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا جس سے اس کی موت ہی واقع ہو گئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جبکہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی۔

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿22﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿23﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿24﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿26﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿27﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿29﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿32﴾ وَّنَزَعَ

بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ﴿22﴾[1] فرعون نے کہا: رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ ﴿23﴾[2] موسیٰ نے فرمایا: وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو ﴿24﴾ فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے؟ ﴿25﴾[3] موسیٰ نے فرمایا: وہ تمھارا اور تمھارے پہلے باپ دادوں کا پروردگار ہے ﴿26﴾ فرعون نے کہا: تمھارا یہ رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو یقیناً دیوانہ ہے ﴿27﴾ موسیٰ نے فرمایا: وہی مشرق و مغرب کا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو[4] ﴿28﴾ فرعون کہنے لگا: سن لے! اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈال دوں گا ﴿29﴾[5] موسیٰ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی کھلی چیز لے آؤں؟ ﴿30﴾[6] فرعون نے کہا: اگر تو سچوں میں سے ہے تو اسے پیش کر ﴿31﴾ آپ نے (اسی وقت) اپنی لاٹھی ڈال دی جو اچانک کھلم کھلا اژدہا بن گئی ﴿32﴾[7] اور اپنا

---

⑧ یعنی پہلے جو کچھ ہوا، اپنی جگہ لیکن اب میں اللہ کا رسول ہوں اگر میری اطاعت کرے گا تو بچ جائے گا، بصورت دیگر ہلاکت تیرا مقدر ہوگی۔

① یعنی یہ اچھا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ اپنے گھر میں رکھ کر میری پرورش کی، حالانکہ اس کا سبب خود تیرا ظلم وستم تھا اگر تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر ان کے بیٹوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع نہ کر رکھا ہوتا تو میں اپنے گھر میں پرورش پاتا۔

② یہ اس نے بطور استفہام کے نہیں بلکہ استکبار اور استنکار کے طور پر کہا کیونکہ اس کا دعویٰ تو یہ تھا: ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ (القصص 38:28) ”میں اپنے سوا تمھارے لیے کوئی اور معبود جانتا ہی نہیں۔“

③ یعنی کیا تم اس کی بات پر تعجب نہیں کرتے کہ میرے سوا بھی کوئی اور معبود ہے؟

④ یعنی جس نے مشرق بنایا جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اور مغرب بنایا جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے درمیان جو کچھ ہے، ان سب کا رب اور ان کا انتظام کرنے والا بھی وہی ہے۔

⑤ فرعون نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام مختلف انداز سے رب العالمین کی ربوبیت کاملہ کی وضاحت کر رہے ہیں جس کا کوئی معقول جواب اس سے نہیں بن پا رہا تو اس نے دلائل سے صرف نظر کر کے دھمکی دینی شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو حوالۂ زنداں کرنے سے ڈرایا۔

⑥ یعنی ایسی کوئی چیز یا معجزہ جس سے واضح ہو جائے کہ میں سچا اور واقعی اللہ کا رسول ہوں، تب بھی تو میری صداقت کو تسلیم نہیں کرے گا؟

⑦ بعض جگہ ﴿ثُعْبَانٌ﴾ کی بجائے حَيَّةٌ اور بعض جگہ جَانٌّ کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔ ثُعْبَان وہ سانپ ہوتا ہے جو بڑا ہو اور جَانٌّ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور حَيَّةٌ چھوٹے بڑے دونوں قسم کے سانپوں پر بولا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) تطبیق یہ ہے کہ موٹا اور بڑا

يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿33﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿35﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿36﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿37﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿38﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿39﴾

ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ بھی اسی وقت ہر دیکھنے والے کو سفید چمکیلا نظر آنے لگا﴿33﴾ [1] فرعون اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا: بھئی یہ تو کوئی بڑا دانا جادوگر ہے﴿34﴾ [2] یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھیں تمھاری سرزمین ہی سے نکال دے، بتاؤ اب تم کیا حکم دیتے ہو؟﴿35﴾ [3] ان سب نے کہا: آپ اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور تمام شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دیجیے﴿36﴾ جو آپ کے پاس ذی علم جادوگروں کو لے آئیں﴿37﴾ [4] پھر ایک مقرر دن کے وعدے پر تمام جادوگر جمع کیے گئے﴿38﴾ [5] اور عام لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم بھی مجمع میں حاضر ہو جاؤ گے﴿39﴾ [6]

ہونے کے لحاظ سے اسے اژدہا کہا گیا ہے جبکہ ہلکے ہونے اور تیز دوڑنے میں چھوٹے پتلے سانپ کی طرح ہونے کی وجہ سے اسے جانٌّ کہا گیا ہے۔(تفسير اللباب) والله أعلم.

① یعنی گریبان سے ہاتھ نکالا تو وہ سورج کی طرح چمکتا تھا۔(تفسير اللباب) یہ دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا۔

② فرعون بجائے اس کے کہ ان معجزات کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتا اور ایمان لاتا، اس نے تکذیب وعناد کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت کہا کہ یہ تو کوئی بڑا فن کار جادوگر ہے۔

③ پھر اپنی قوم کو مزید بھڑکانے کے لیے کہا کہ وہ ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے سے تمھیں یہاں سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔اب بتلاؤ! تمھاری کیا رائے ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

④ یعنی ان دونوں کو فی الحال اپنے حال پر چھوڑ دو اور تمام شہروں سے جادوگروں کو جمع کر کے ان کا باہمی مقابلہ کیا جائے تا کہ ان کے کرتب کا جواب اور تیری تائید ونصرت ہو جائے۔اور یہ اللہ ہی کی طرف سے تکوینی انتظام تھا تا کہ لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں اور ان دلائل و براہین کا بچشم سر خود مشاہدہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔

⑤ چنانچہ جادوگروں کی ایک بہت بڑی تعداد مصر کے اطراف و جوانب سے جمع کر لی گئی، ان کی تعداد 12 ہزار، 17 ہزار، 19 ہزار، 30 ہزار اور 80 ہزار (مختلف اقوال کے مطابق) بتلائی جاتی ہے۔اصل تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ کسی مستند ماخذ میں تعداد کا ذکر نہیں ہے۔اس کی تفصیلات اس سے قبل سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں بھی گزر چکی ہیں۔گویا فرعون اور آل فرعون نے اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنا چاہتا تھا، چنانچہ کفر و ایمان کے معرکے میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کفر خم ٹھونک کر ایمان کے مقابلے میں آتا ہے تو ایمان کو اللہ تعالیٰ سرخروئی اور غلبہ عطا فرماتا ہے۔جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الأنبيآء 18:21) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں، پس وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔''

⑥ یعنی عوام کو بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ تمھیں بھی یہ معرکہ دیکھنے کے لیے ضرور حاضر ہونا ہے۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿40﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿41﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿43﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿44﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿45﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿46﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿48﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ

تاکہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم ان ہی کی پیروی کریں ﴿40﴾ جادوگر آ کر فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ ﴿41﴾ فرعون نے کہا: ہاں، بڑی خوشی سے بلکہ ایسی صورت میں تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے ﴿42﴾ موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تمھیں ڈالنا ہے ڈال دو ﴿43﴾ [1] انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے: عزتِ فرعون کی قسم! ہم یقیناً غالب ہی رہیں گے ﴿44﴾ [2] اب موسیٰ نے بھی اپنی لاٹھی میدان میں ڈال دی جس نے اسی وقت ان کے بنے بنائے کھلونوں کو نگلنا شروع کر دیا ﴿45﴾ یہ دیکھتے ہی جادوگر سجدے میں گر گئے ﴿46﴾ اور انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تو اللہ رب العالمین پر ایمان لائے ﴿47﴾ یعنی موسیٰ اور ہارون کے رب پر ﴿48﴾ فرعون نے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟ یقیناً یہی تمھارا وہ بڑا ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، [3] سو تمھیں

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادوگروں کو پہلے اپنے کرتب دکھانے کے لیے کہنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کا پیغمبر اتنی بڑی تعداد میں نامی گرامی جادوگروں کے اجتماع اور ان کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں سے خوف زدہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جب بعد میں اللہ کے حکم سے یہ ساری شعبدہ بازیاں آن واحد میں ختم ہو جائیں گی تو دیکھنے والوں پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور شاید اس طرح زیادہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا بلکہ جادوگر ہی سب سے پہلے ایمان لے آئے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باطل نے ہی ہمیشہ اپنے اسباب و وسائل پر بھروسا کیا، حق کو بے سروسامانی کی حالت میں دیکھ کر چیلنج کیا، غرور و تکبر میں آ کر حملہ میں پہل کی جبکہ حق دفاع کر کے باطل کا غرور خاک میں ملاتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کے مزاج کے مطابق باطل کو پہل کرنے کا موقع دے کر تاریخ میں حق و باطل کی طبیعتوں کا فرق بتایا۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق ہمیشہ دفاع کرتا آیا ہے چیلنج اور غرور و تکبر اور حملہ آور ہونا یا اپنے اسباب و وسائل پر بھروسا کرنا، یہ سب باطل کا شیوہ رہا ہے۔

[2] جیسا کہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں گزرا کہ ان جادوگروں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔ ﴿سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (الأعراف 116:7) حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝﴾ (طٰہٰ 67:20) چنانچہ ان جادوگروں کو اپنی کامیابی اور برتری کا بڑا یقین تھا جیسا کہ یہاں ان الفاظ سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذرا اپنی لاٹھی زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو، چنانچہ لاٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ اس نے ایک خوفناک اژدہے کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایک کر کے ان کے سارے کرتبوں کو وہ نگل گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

تَعْلَمُوْنَ ۵ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿49﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿51﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿52﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿53﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿54﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿55﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ

ع 18 / 7

ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا، قسم ہے! میں ضرور تمھارے ہاتھ پاؤں الٹے طور پر کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا ﴿49﴾[1] انھوں نے کہا: کوئی حرج نہیں،[2] ہم تو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿50﴾ اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان والے بنے ہیں[3] ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہماری سب خطائیں معاف فرما دے گا ﴿51﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل، تم سب پیچھا کیے جاؤ گے ﴿52﴾[4] تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کیے ﴿53﴾ یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے ﴿54﴾[5] اور اس پر یہ ہمیں سخت غضب ناک کر رہے ہیں ﴿55﴾[6] اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں ان سے چوکنا رہنے والے ﴿56﴾[7] بالآخر ہم نے

③ فرعون کے لیے یہ واقعہ بڑا عجیب اور نہایت حیرت ناک تھا کہ جن جادوگروں کے ذریعے سے وہ فتح و غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہی نہ صرف مغلوب ہو گئے بلکہ موقع پر ہی وہ اس رب پر ایمان لے آئے جس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دلائل و معجزات دے کر بھیجا تھا لیکن بجائے اس کے کہ فرعون بھی غور و فکر سے کام لیتا اور ایمان لاتا، اس نے مکابرہ اور عناد کا راستہ اختیار کیا اور جادوگروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور کہا کہ تم سب اسی کے شاگرد ہو اور تمھارا مقصد یہ ہے کہ اس سازش کے ذریعے سے تم ہمیں یہاں سے بے دخل کر دو، ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ (الأعراف 123:7) حق و باطل کی تاریخ اور معرکہ آرائی کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ہر دور میں اہل باطل نے اہل حق پر بے جا الزام تراشی اور بہتان بازی کی، جیسے اس موقع پر فرعون نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بابت باتیں کیں۔ جس سے ان کا ایک مقصد عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہوتا ہے اور دوسرا، اہل حق کے حوصلوں اور عزائم کو پست کرنا، تاہم اہل حق ان اوچھے ہتھکنڈوں سے بے حوصلہ نہیں ہوتے اور اپنے مشن میں مصروف رہتے ہیں۔

① الٹے طور پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا مطلب: دایاں ہاتھ اور بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور دایاں پیر ہے۔ اس پر سولی مستزاد، یعنی ہاتھ پیر کاٹنے سے بھی اس کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی، مزید اس نے سولی پر لٹکانے کا اعلان کیا۔

② ﴿لَا ضَيْرَ﴾ کوئی حرج نہیں یا ہمیں کوئی پروا نہیں، یعنی اب جو سزا چاہے دے لے، ایمان سے نہیں پھر سکتے۔

③ ﴿اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس اعتبار سے کہا کہ فرعون کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور انھوں نے قبول ایمان میں سبقت کی۔

④ جب بلاد مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قیام لمبا ہو گیا اور ہر طرح سے انھوں نے فرعون اور اس کے درباریوں پر حجت قائم کر دی لیکن اس کے باوجود وہ ایمان لانے پر تیار نہیں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انھیں عذاب و نکال سے دوچار کر کے سامان عبرت بنا دیا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جائیں اور فرمایا کہ فرعون تمھارے پیچھے آئے گا، گھبرانا نہیں۔

⑤ یہ بطور تحقیر کے کہا ورنہ ان کی تعداد چھ لاکھ بتلائی جاتی ہے۔

⑥ یعنی میری اجازت کے بغیر ان کا یہاں سے فرار ہونا ہمارے لیے غیظ و غضب کا باعث ہے۔

⑦ اس لیے ان کی اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔

مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿57﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿58﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿59﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿60﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿61﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿62﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿63﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿64﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿65﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿66﴾

انھیں باغات سے اور چشموں سے نکال باہر کیا﴿57﴾ اور خزانوں سے اور اچھے اچھے مقامات سے بھی (نکال باہر کیا)﴿58﴾ [1] اسی طرح ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا﴿59﴾ [2] پس فرعونی سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکلے ﴿60﴾ [3] پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا: ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے ﴿61﴾ [4] موسیٰ نے کہا: ہرگز نہیں۔ یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا﴿62﴾ [5] ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنا عصا مارو، [6] پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور ہر ایک حصہ پانی کا مثل بڑے سارے پہاڑ کے ہو گیا﴿63﴾ [7] اور ہم نے اسی جگہ دوسروں کو نزدیک لا کھڑا کر دیا﴿64﴾ [8] اور موسیٰ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی﴿65﴾ پھر اور سب دوسروں کو ڈبو دیا﴿66﴾ [9]

﴿1﴾ یعنی فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں کیا نکلا کہ پھر پلٹ کر اپنے گھروں اور باغات میں آنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مشیت سے انھیں تمام نعمتوں سے محروم کر کے ان کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔

﴿2﴾ یعنی جس علاقے پر جو اقتدار اور بادشاہت فرعون کو حاصل تھی، وہ اس سے چھین کر ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مصر جیسا اقتدار اور دنیوی جاہ و جلال ہم نے بنی اسرائیل کو بھی عطا کیا کیونکہ بنی اسرائیل مصر سے نکل جانے کے بعد مصر واپس نہیں آئے، نیز سورۂ دخان 44:28 میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝﴾ ”ہم نے اس کا وارث کسی دوسری قوم کو بنایا۔“ (أيسر التفاسير) اول الذکر اہل علم کہتے ہیں کہ ﴿ قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ دوسری قوم سے مراد بنی اسرائیل ہی ہیں کیونکہ یہاں سورۂ شعراء میں بنی اسرائیل کو وارث بنانے کی صراحت آ گئی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہی بنی اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ تھے مراد ہوں، داود علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر پر غالب آ گئے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ زمانۂ موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی ہو۔ واللہ أعلم.

﴿3﴾ یعنی جب صبح ہوئی اور فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل راتوں رات یہاں سے نکل گئے ہیں تو اس کے پندار اقتدار کو بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور سورج نکلتے ہی ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔

﴿4﴾ یعنی فرعون کے لشکر کو دیکھتے ہی وہ گھبرا اٹھے کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر، اب بچاؤ کس طرح ممکن ہے؟ اب پھر دوبارہ وہی فرعون اور اس کی غلامی ہو گی۔

﴿5﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ تمھارا اندیشہ صحیح نہیں، اب دوبارہ تم فرعون کی گرفت میں نہیں جاؤ گے۔ میرا رب یقیناً نجات کے راستے کی نشاندہی فرمائے گا۔

﴿6﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی اور نشاندہی فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو جس سے دائیں طرف کا پانی دائیں اور بائیں طرف کا بائیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿67﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿68﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿69﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿70﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿71﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿72﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿75﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿76﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا

یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان والے نہیں ﴿67﴾ [1] اور بے شک آپ کا رب بڑا ہی غالب و مہربان ہے ﴿68﴾ انھیں ابراہیم کا واقعہ بھی سنادو ﴿69﴾ جبکہ انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿70﴾ انھوں نے جواب دیا کہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ہم تو برابر ان کے مجاور بنے بیٹھے ہیں ﴿71﴾ [2] آپ نے فرمایا کہ جب تم انھیں پکارتے ہوتو کیا وہ سنتے بھی ہیں؟ ﴿72﴾ یا تمھیں نفع نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں ﴿73﴾ [3] انھوں نے کہا (یہ ہم کچھ نہیں جانتے) ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے پایا ﴿74﴾ [4] آپ نے فرمایا: کچھ خبر بھی ہے [5] جنھیں تم پوج رہے ہو؟ ﴿75﴾ تم اور تمھارے پہلے باپ دادا ﴿76﴾ [6] وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے

طرف رک گیا اور دونوں کے بیچ میں راستہ بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ قبیلوں کے حساب سے بارہ راستے بن گئے تھے۔ واللہ أعلم.

⑦ ﴿ فِرْقٍ ﴾ قطعۂ سمندر کا بلند چپہ۔ طَوْد پہاڑ، یعنی پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزے کا صدور ہوا تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم فرعون سے نجات پالے، تائید الٰہی کے بغیر فرعون سے نجات ممکن نہیں تھی۔

⑧ اس سے مراد فرعون اور اس کا لشکر ہے، یعنی ہم نے دوسروں کو سمندر کے قریب کر دیا۔

⑨ موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہم نے نجات دی اور فرعون اور اس کا لشکر جب انھی راستوں سے گزرنے لگا تو ہم نے سمندر کو دوبارہ حسب دستور رواں کر دیا جس سے فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔

① یعنی اگرچہ اس واقعے میں جو اللہ کی نصرت و معونت کا واضح مظہر ہے، بڑی نشانی ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔

② یعنی رات دن ان کی عبادت کرتے ہیں۔

③ یعنی اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا وہ تمھیں نقصان پہنچاتے ہیں؟

④ جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے تو یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کر لیا جیسے آج بھی لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتلائی جائے تو یہی عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارے خاندان میں تو ہمارے آباء واجداد سے یہی کچھ ہوتا آ رہا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

⑤ ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ ﴾ کے معنی ہیں: فَهَلْ أَبْصَرْتُمْ وَتَفَكَّرْتُمْ کیا تم نے غور و فکر کیا؟

⑥ اس لیے کہ تم سب اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جن کی تم اور تمھارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں، وہ سب معبود میرے دشمن ہیں، یعنی میں ان سے بیزار ہوں۔

رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿77﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿78﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿79﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿80﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿81﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿82﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿83﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿84﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿85﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿86﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿87﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

اللہ کے جو تمام جہان کا پالنہار ہے ﴿77﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے[1] اور وہی میری رہبری فرماتا ہے ﴿78﴾[2] وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے ﴿79﴾[3] اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے ﴿80﴾[4] اور وہی مجھے مار ڈالے گا، پھر زندہ کردے گا ﴿81﴾[5] اور جس سے امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روزِ جزا میرے گناہوں کو بخش دے گا ﴿82﴾[6] اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ[7] عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے ﴿83﴾ اور میرا ذکرِ خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ ﴿84﴾[8] مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا دے ﴿85﴾ اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا ﴿86﴾[9] اور جس دن کہ لوگ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا ﴿87﴾[10] جس دن کہ

---

① یعنی وہ دشمن نہیں بلکہ وہ تو دنیا و آخرت میں میرا ولی اور دوست ہے۔

② یعنی دین و دنیا کے مصالح اور منافع کی طرف۔

③ یعنی انواع و اقسام کے رزق پیدا کرنے والا اور جو پانی ہم پیتے ہیں، اسے مہیا کرنے والا بھی وہی اللہ ہے۔

④ بیماری کو دور کر کے شفا عطا کرنے والا بھی وہی ہے، یعنی دواؤں میں شفا کی تاثیر بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ورنہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوتی ہیں۔ بیماری بھی اگرچہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ہی آتی ہے لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی۔ یہ گویا اللہ کے ذکر میں اس کے ادب و احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھا۔

⑤ یعنی قیامت والے دن، جب وہ سارے لوگوں کو زندہ فرمائے گا، مجھے بھی زندہ کرے گا۔

⑥ یہاں امید، یقین کے معنی میں ہے کیونکہ کسی بڑی شخصیت سے امید، یقین کے مترادف ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے، اس سے وابستہ امید یقینی کیوں نہیں ہوگی۔ اسی لیے مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کے لیے ﴿عَسٰى﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ یقین ہی کے مفہوم میں ہے۔ ﴿خَطِيْٓئَتِيْ﴾ اگرچہ واحد کا صیغہ ہے لیکن خَطَايَا (جمع) کے معنی میں ہے۔ انبیاء ﷺ اگرچہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، اس لیے ان سے کسی بڑے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اپنے بعض افعال کو کوتاہی پر محمول کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عفو کے طلب گار رہیں گے۔

⑦ حکم یا حکمت سے مراد علم و فہم، قوت فیصلہ یا نبوت و رسالت یا اللہ کے حدود و احکام کی معرفت ہے۔

⑧ یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکرِ جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

⑨ یہ دعا اس وقت کی تھی، جب ان پر یہ واضح نہیں تھا کہ میرا باپ اللہ کا دشمن ہے جب اس پر یہ واضح ہو گیا تو انھوں نے اپنے باپ

مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿88﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿89﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿90﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿91﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿92﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿93﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿94﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿95﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿96﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿97﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿98﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿99﴾ فَمَا لَنَا مِنْ

مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی ﴿88﴾ لیکن (فائدے والا وہی ہوگا) جو اللہ کے سامنے بے عیب دل لے کر آئے گا ﴿89﴾ [1] اور پرہیز گاروں کے لیے جنت بالکل نزدیک لا دی جائے گی ﴿90﴾ اور گمراہ لوگوں کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی ﴿91﴾ [2] اور ان سے پوچھا جائے گا کہ جن کی تم پوجا کرتے رہے وہ کہاں ہیں؟ ﴿92﴾ جو اللہ کے سوا تھے، کیا وہ تمھاری مدد کرتے ہیں یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟ ﴿93﴾ [3] پس وہ سب اور کل گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے ﴿94﴾ [4] اور ابلیس کے تمام کے تمام لشکر بھی ﴿95﴾ [5] وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے ﴿96﴾ کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے ﴿97﴾ جبکہ تمھیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے ﴿98﴾ [6] اور ہمیں تو سوا ان بدکاروں کے کسی اور نے گمراہ نہیں کیا تھا ﴿99﴾ [7] اب تو ہمارا کوئی

سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔(دیکھیے: التوبة 9:114)

﴿10﴾ یعنی تمام مخلوق کے سامنے میرا مؤاخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو برے حال میں دیکھیں گے تو اللہ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے اور فرمائیں گے: یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لیے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر ان کے باپ کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(صحيح البخاري، حديث: 3350)

﴿1﴾ قلب سلیم یا بے عیب دل سے مراد وہ دل ہے جو شرک سے پاک ہو، یعنی قلب مومن، اس لیے کہ کافر اور منافق کا دل مریض ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن دل، بعض کے نزدیک دنیا کے مال و متاع کی محبت سے پاک دل اور بعض کے نزدیک، جہالت کی تاریکیوں اور اخلاقی رذالتوں سے پاک دل۔ یہ سارے مفہوم بھی صحیح ہو سکتے ہیں، اس لیے کہ قلب مومن مذکورہ تمام ہی برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

﴿2﴾ مطلب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول سے پہلے ان کو سامنے کر دیا جائے گا۔ جس سے کافروں کے غم میں اور اہل ایمان کے سرور میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

﴿3﴾ یعنی تم سے عذاب ٹال دیں یا خود اپنے نفس کو اس سے بچا لیں۔

﴿4﴾ یعنی معبودین اور عابدین سب کو مال ڈنگر کی طرح ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا جائے گا۔

﴿5﴾ اس سے مراد وہ لشکر ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

﴿6﴾ دنیا میں تو ہر تراشا ہوا پتھر اور قبر پر بنا ہوا خوش نما قبہ، مشرکوں کو خدائی اختیارات کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن قیامت کو پتہ چلے گا کہ یہ تو کھلی گمراہی تھی کہ وہ انھیں رب کے برابر سمجھتے رہے۔

﴿7﴾ یعنی وہاں جا کر احساس ہوگا کہ ہمیں دوسرے مجرموں نے گمراہ کیا۔ دنیا میں انھیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام گمراہی ہے،

شَافِعِيْنَ ﴿100﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿101﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿102﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿105﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿106﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿107﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿108﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿109﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿110﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ

سفارشی بھی نہیں ﴿100﴾ اور نہ کوئی (سچا) غم خوار دوست ﴿101﴾ [1] اگر کاش کہ ہمیں ایک مرتبہ پھر جانا ملتا تو ہم پکے سچے مومن بن جاتے ﴿102﴾ [2] یہ ماجرا یقیناً ایک زبردست نشانی ہے [3] ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ﴿103﴾ [4] یقیناً آپ کا پروردگار ہی غالب مہربان ہے ﴿104﴾ قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ﴿105﴾ [5] جبکہ ان کے بھائی [6] نوح نے کہا کہ کیا تمھیں اللہ کا خوف نہیں! ﴿106﴾ سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں ﴿107﴾ [7] پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے ﴿108﴾ [8] میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو صرف رب العالمین کے ہاں ہے ﴿109﴾ [9] پس تم اللہ کا خوف رکھو اور میری فرمانبرداری کرو ﴿110﴾ [10] قوم نے جواب دیا کہ کیا ہم

بدعت ہے، شرک ہے تو نہیں مانتے، نہ غور وفکر سے کام لیتے ہیں کہ حق وباطل ان پر واضح ہو سکے۔

(1) گناہ گار اہل ایمان کی سفارش تو اللہ کی اجازت کے بعد انبیاء وصلحاء بالخصوص حضرت نبی کریم ﷺ فرمائیں گے لیکن کافروں اور مشرکوں کے لیے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت ہوگی نہ حوصلہ اور نہ وہاں کوئی دوستی ہی کام آئے گی۔

(2) اہل کفر وشرک قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کر لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انھیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

(3) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں اپنی قوم سے مناظرہ ومحاجۃ اور اللہ کی توحید کے دلائل، یہ اس بات کی واضح نشانی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(4) بعض نے اس کا مرجع مشرکین مکہ، یعنی قریش کو قرار دیا ہے، یعنی ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔

(5) قوم نوح نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام نبیوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے، اس لیے فرمایا کہ قوم نوح نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

(6) بھائی اس لیے کہا کہ حضرت نوح ان ہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔

(7) یعنی اللہ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے، وہ بلا کم وکاست تم تک پہنچانے والا ہوں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔

(8) یعنی میں تمھیں جو ایمان باللہ اور شرک نہ کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، اس میں میری اطاعت کرو۔

(9) میں تمھیں جو تبلیغ کر رہا ہوں، اس کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا بلکہ اس کا اجر رب العالمین ہی کے ذمے ہے جو قیامت کو وہ عطا فرمائے گا۔

(10) یہ تاکید کے طور پر بھی ہے اور الگ الگ سبب کی بنا پر بھی، پہلے اطاعت کی دعوت امانت داری کی بنیاد پر تھی اور اب یہ دعوت اطاعت عدم طمع کی وجہ سے ہے۔

وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿111﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿112﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿113﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿114﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿115﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿116﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿117﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿119﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿120﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿121﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿122﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿125﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

تجھ پر ایمان لائیں! تیری تابعداری تو رذیل لوگوں نے کی ہے ﴿111﴾ [1] آپ نے فرمایا: مجھے کیا خبر کہ وہ پہلے کیا کرتے رہے؟ ﴿112﴾ [2] ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے [3] اگر تمھیں شعور ہو تو ﴿113﴾ میں ایمان داروں کو دھکے دینے والا نہیں ﴿114﴾ [4] میں تو صاف طور پر ڈرا دینے والا ہوں ﴿115﴾ [5] انھوں نے کہا کہ اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کر دیا جائے گا ﴿116﴾ آپ نے کہا: اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ﴿117﴾ پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے ﴿118﴾ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں (سوار کرا کر) نجات دے دی ﴿119﴾ بعد ازاں باقی کے تمام لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا ﴿120﴾ [6] یقیناً اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں ﴿121﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ وہی ہے زبردست رحم کرنے والا ﴿122﴾ عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿123﴾ [7] جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود [8] نے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿124﴾ میں تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿125﴾ پس اللہ سے ڈرو اور

① ﴿اَلْاَرْذَلُوْنَ﴾ اَرْذَلُ کی جمع ہے۔ جاہ و مال نہ رکھنے والے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں کمتر سمجھے جانے والے۔ اور ان ہی میں وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو حقیر سمجھے جانے والے پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

② یعنی مجھے اس بات کا مُکلَّف نہیں ٹھہرایا گیا ہے کہ میں لوگوں کے حسب و نسب، امارت و غربت اور ان کے پیشوں کی تفتیش کروں بلکہ میری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ ایمان کی دعوت دوں اور جو اسے قبول کر لے، چاہے وہ کسی حیثیت کا حامل ہو، اسے اپنی جماعت میں شامل کر لوں۔

③ یعنی ان کے ضمائر اور اعمال کی تفتیش یہ اللہ کا کام ہے۔

④ یہ ان کی اس خواہش کا جواب ہے کہ کمتر حیثیت کے لوگوں کو اپنے سے دور کر دے، پھر ہم تیری جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔

⑤ پس جو اللہ سے ڈر کر میری اطاعت کرے گا، وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں، چاہے دنیا کی نظر میں وہ شریف ہو یا رذیل، جلیل ہو یا حقیر۔

⑥ یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ نافرمانی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو تو بچا لیا گیا اور باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

اَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ

میرا کہا مانو ﴿١٢٦﴾ میں اس پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا ثواب تو تمام جہان کے پروردگار کے پاس ہی ہے ﴿١٢٧﴾ کیا تم ایک ایک ٹیلے پر بطور کھیل تماشا یادگار (عمارت) بنا رہے ہو ﴿١٢٨﴾[1] اور بڑی صنعت کاری کے مضبوط محل تعمیر کر رہے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے ﴿١٢٩﴾[2] اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سختی اور ظلم سے پکڑتے ہو ﴿١٣٠﴾[3] اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو ﴿١٣١﴾[4] اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمھاری امداد کی جنھیں تم جانتے ہو ﴿١٣٢﴾ اس نے تمھاری مدد کی مال سے اور اولاد سے ﴿١٣٣﴾ باغات سے اور چشموں سے ﴿١٣٤﴾ مجھے تو تمھاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ﴿١٣٥﴾[5] انھوں نے کہا کہ آپ وعظ کریں یا وعظ کرنے

⑦ عاد، ان کے جدِّ اعلیٰ کا نام تھا جس کے نام پر قبیلے کا نام پڑ گیا۔ یہاں اسی کی طرف اسناد کی وجہ سے ﴿ كَذَّبَتْ ﴾ (صیغہ مؤنث) لایا گیا ہے۔

⑧ ہود علیہ السلام کو بھی عاد کا بھائی اسی لیے کہا گیا ہے کہ نسلاً یہ ان ہی میں سے تھے اور بالعموم ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس کی طرف اسے مبعوث کیا جاتا تھا جیسا کہ آگے بھی آئے گا اور انبیاء ورسل کی یہ ''بشریت'' بھی ان کی قوموں کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنی رہی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کو بشر نہیں، مافوق البشر ہونا چاہیے۔ آج بھی اس مسلمہ حقیقت سے آنکھیں بند رکھنے والے لوگ پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق البشر باور کرانے پر تلے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی خاندان قریش کے ایک فرد تھے جن کی طرف آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

① ﴿ رِيْعٍ ﴾ اس کا واحد رِيعَة ہے۔ ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو ارتفاع اور علو میں ایک نشانی، یعنی ممتاز ہوتی لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ اس کے بیکار محض اور عبث ہونے میں کوئی شک نہیں۔

② اسی طرح وہ بڑی مضبوط اور عالی شان رہائشی عمارتیں تعمیر کرتے تھے جیسے وہ ہمیشہ انھی محلات میں رہیں گے۔

③ یہ ان کے ظلم وتشدد اور قوت وطاقت کی طرف اشارہ ہے۔

④ جب ان کے اوصافِ قبیحہ بیان کیے جو ان کے دنیا میں انہماک اور ظلم وسرکشی پر دلالت کرتے ہیں تو پھر انھیں دوبارہ تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

⑤ یعنی اگر تم نے اپنے کفر پر اصرار جاری رکھا اور اللہ نے تمھیں جو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا شکر ادا نہیں کیا تو تم عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا جاؤ گے۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت تو ہے ہی عذاب وثواب کے لیے۔ وہاں تو عذاب سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں ہوگا۔

مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿136﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿137﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿138﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿140﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿141﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿142﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿143﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿144﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿145﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿146﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿147﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿148﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿149﴾

والوں میں نہ ہوں ہم پر یکساں ہے ﴿136﴾ یہ تو بس پرانے لوگوں کی عادت ہے ﴿137﴾ [1] اور ہم ہرگز عذاب نہیں دیے جائیں گے ﴿138﴾ [2] چونکہ انھوں (عادیوں) نے اس (ہود) کو جھٹلایا، اس لیے ہم نے انھیں تباہ کر دیا، [3] یقیناً اس میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر بے ایمان تھے ﴿139﴾ بے شک آپ کا رب وہی ہے غالب مہربان ﴿140﴾ ثمودیوں [4] نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿141﴾ ان کے بھائی صالح نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ ﴿142﴾ میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿143﴾ تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿144﴾ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے ﴿145﴾ کیا ان چیزوں میں جو یہاں ہیں تم امن کے ساتھ چھوڑ دیے جاؤ گے ﴿146﴾ [5] یعنی باغوں اور چشموں میں ﴿147﴾ اور ان کھیتوں اور ان کھجوروں میں جن کے شگوفے نرم و نازک ہیں ﴿148﴾ [6] اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر پرتکلف مکانات بنا رہے ہو ﴿149﴾ [7]

[1] یعنی وہی باتیں ہیں جو پہلے بھی لوگ کرتے آئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم جس دین اور عادات و روایات پر قائم ہیں، وہ وہی ہیں جن پر ہمارے آباء و اجداد کاربند رہے، مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ ہم آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

[2] جب انھوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے تو اس میں عقیدۂ آخرت کا انکار بھی تھا، اس لیے انھوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا کیونکہ عذاب الٰہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو ماننا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔

[3] قوم عاد دنیا کی مضبوط ترین اور قوی ترین قوم تھی جس کی بابت اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝﴾ (الفجر 8:89) ''اس جیسی قوم ملکوں میں پیدا ہی نہیں کی گئی۔'' یعنی جو قوت اور شدت و جبروت میں اس جیسی ہو۔ اسی لیے یہ کہا کرتی تھی: ﴿ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ﴾ (حٰمٓ السجدة 15:41) ''کون قوت میں ہم سے زیادہ ہے؟'' لیکن جب اس قوم نے بھی کفر کا راستہ چھوڑ کر ایمان و تقویٰ اختیار نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمایا جو مکمل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رہا۔ باد تند آتی اور آدمی کو اٹھا کر فضا میں بلند کرتی اور پھر زور سے سر کے بل زمین پر پٹخ دیتی۔ جس سے اس کا دماغ پھٹ اور ٹوٹ جاتا اور بغیر سر کے ان کے لاشے اس طرح زمین پر پڑے ہوتے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ انھوں نے پہاڑوں، کھوؤں اور غاروں میں بڑی بڑی مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں، پینے کے لیے گہرے کنویں کھود رکھے تھے، باغات کی کثرت تھی لیکن جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا گیا۔

[4] ثمود کا مسکن حجر تھا جو حجاز کے شمال میں ہے، آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ (أیسر التفاسیر) یہ قدیم عرب تھے۔ نبی ﷺ تبوک جاتے ہوئے ان بستیوں سے گزر کر گئے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿150﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿151﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿152﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿153﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿154﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿155﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿156﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿157﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿150﴾ بے باک حد سے گزر جانے والوں [1] کی اطاعت سے باز آجاؤ﴿151﴾ جو ملک میں فساد پھیلا رہے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے﴿152﴾ وہ بولے کہ بس تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے﴿153﴾ تو تو ہم جیسا ہی انسان ہے۔ اگر تو سچوں میں سے ہے تو کوئی معجزہ لے آ﴿154﴾ آپ نے فرمایا: یہ ہے اونٹنی، پانی پینے کی ایک باری اس کی اور ایک مقررہ دن کی باری پانی پینے کی تمھاری﴿155﴾ [2] خبردار! اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے بھاری دن کا عذاب تمھاری گرفت کر لے گا﴿156﴾ [3] پھر بھی انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، [4] پس وہ پشیمان ہو گئے﴿157﴾ [5] اور عذاب نے انھیں آدبوچا۔ [6] بے شک اس میں عبرت ہے۔ اور ان میں سے

⑤ یعنی یہ نعمتیں کیا تمھیں ہمیشہ حاصل رہیں گی، نہ تمھیں موت آئے گی نہ عذاب؟ استفہام انکاری اور توبیخی ہے، یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ عذاب یا موت کے ذریعے سے، جب اللہ چاہے گا، تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ اس میں ترغیب ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور ترہیب ہے کہ اگر ایمان و شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا تو پھر تباہی و بربادی تمھارا مقدر ہے۔

⑥ یہ ان نعمتوں کی تفصیل ہے جن سے وہ بہرہ ور تھے، ﴿طَلْعُهَا﴾ کھجور کے اس شگوفے کو کہتے ہیں جو پہلے پہل نکلتا، یعنی طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد کھجور کا یہ پھل بلح، پھر بسر، پھر رطب اور اس کے بعد تمر کہلاتا ہے۔ (أیسر التفاسیر) باغات میں دیگر پھلوں کے ساتھ کھجور کا پھل بھی آجاتا ہے لیکن عربوں میں چونکہ کھجور کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اس کا خصوصی طور پر بھی ذکر کیا۔ ﴿هَضِيْمٌ﴾ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: لطیف اور نرم و نازک، تہ بہ تہ وغیرہ۔

⑦ ﴿فٰرِهِيْنَ﴾ یعنی ضرورت سے زیادہ تصنع، تکلف اور فن کارانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا اتراتے اور فخر و غرور کرتے ہوئے، جیسے آج کل لوگوں کا حال ہے۔ آج بھی عمارتوں پر غیر ضروری آرائشوں اور فن کارانہ مہارتوں کا خوب خوب مظاہرہ ہو رہا ہے اور اس کے ذریعے سے ایک دوسرے پر برتری اور فخر و غرور کا اظہار بھی۔

① ﴿الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ''حد سے گزر جانے والوں'' سے مراد وہ رؤسا اور سردار ہیں جو کفر و شرک کے داعی اور مخالفتِ حق میں پیش پیش تھے۔

② یہ وہی اونٹنی تھی جو ان کے مطالبے پر پتھر کی ایک چٹان سے بطور معجزہ ظاہر ہوئی تھی۔ ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن ان کے لیے پانی مقرر کر دیا گیا تھا اور ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جو دن تمھارا پانی لینے کا ہوگا، اونٹنی گھاٹ پر نہیں آئے گی اور جو دن اونٹنی کے پانی پینے کا ہوگا، تمھیں گھاٹ پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

③ دوسری بات انھیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے، چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ اور کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انھوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿158﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿159﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿160﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿161﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿162﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿163﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿164﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿165﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿166﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿167﴾ قَالَ

اکثر لوگ مومن نہ تھے ﴿158﴾ اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست اور مہربان ہے ﴿159﴾ قوم لوط ⁽¹⁾ نے بھی نبیوں کو جھٹلایا ﴿160﴾ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: کیا تم اللہ کا خوف نہیں رکھتے؟ ﴿161﴾ میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں ﴿162﴾ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ﴿163﴾ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے ﴿164﴾ کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو ﴿165﴾ اور تمھاری جن عورتوں کو اللہ نے تمھارا جوڑ بنایا ہے ان کو چھوڑ دیتے ہو ⁽²⁾ بلکہ تم ہو ہی حد سے گزر جانے والے ﴿166﴾ ⁽³⁾ انھوں نے جواب دیا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکال دیا جائے گا ﴿167﴾ ⁽⁴⁾ آپ نے فرمایا:

⁽¹⁾ یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ اونٹنی اللہ کی قدرت کا ایک نشان اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی، قوم ثمود ایمان نہیں لائی اور کفر وشرک کے راستے پر گامزن رہی اور اس کی سرکشی یہاں تک بڑھی کہ بالآخر قدرت کے زندہ نشان ''اونٹنی'' کی کوچیں کاٹ ڈالیں، یعنی اس کے ہاتھوں اور پیروں کو زخمی کر دیا جس سے وہ بیٹھ گئی اور پھر اسے قتل کر دیا۔

⁽²⁾ یہ اس وقت ہوا جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمھیں صرف تین دن کی مہلت ہے، چوتھے دن تمھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب واقعی عذاب کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہو گئیں تو پھر ان کی طرف سے بھی اظہار ندامت ہونے لگا لیکن علامات عذاب دیکھ لینے کے بعد ندامت اور توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

⁽³⁾ یہ عذاب زمین سے بھونچال (زلزلے) اور اوپر سے سخت چنگھاڑ کی صورت میں آیا جس سے سب کی موت واقع ہو گئی۔

⁽⁴⁾ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران بن آزر کے بیٹے تھے۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم ''سدوم'' اور ''عاموراء'' میں رہتی تھی۔ یہ بستیاں شام کے علاقے میں تھیں۔

⁽⁵⁾ یہ قوم لوط کی سب سے بری عادت تھی جس کی ابتدا اسی قوم سے ہوئی تھی، اسی لیے اس فعل بد کو لواطت سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی وہ بدفعلی جس کا آغاز قوم لوط سے ہوا لیکن اب یہ بدفعلی دنیائے کفر میں عام ہے بلکہ یورپ میں تو اسے قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے، یعنی ان کے ہاں اب یہ سرے سے گناہ ہی نہیں ہے۔ جس قوم کا مزاج اتنا بگڑ گیا ہو کہ مرد وعورت کا ناجائز جنسی ملاپ (بشرطیکہ باہمی رضامندی سے ہو ان کے نزدیک جرم نہ ہو) تو وہاں دو مردوں کا آپس میں بدفعلی کرنا کیونکر گناہ اور ناجائز ہو سکتا ہے؟ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

⁽⁶⁾ ﴿عٰدُوْنَ﴾ عادی کی جمع ہے۔ عربی میں عادی کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کو اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح شرعی کے ذریعے سے عورت کی فرج سے اپنی جنسی خواہش کی تسکین کو حلال قرار دیا ہے اور اس کام کے لیے مرد اور عورت کی دبر کو حرام۔ قوم لوط علیہ السلام نے عورتوں کی شرم گاہوں کو چھوڑ کر مردوں کی دبر اس کام کے لیے استعمال کی اور یوں اس نے حد سے تجاوز کیا۔

اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿168﴾ رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿169﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿170﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿171﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿172﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿173﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿174﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿175﴾ ع 16/13 كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿176﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿177﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿178﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿179﴾

میں تمھارے کام سے سخت ناخوش ہوں ﴿168﴾[1] میرے پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (وبال) سے بچالے جو یہ کرتے ہیں ﴿169﴾ پس ہم نے اسے اور اس کے متعلقین کو سب کو بچالیا ﴿170﴾ بجز ایک بڑھیا کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگئی ﴿171﴾[2] پھر ہم نے باقی سب کو ہلاک کر دیا ﴿172﴾ اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا، پس بہت ہی برا مینہ تھا جو ڈرائے ہوئے لوگوں پر برسا ﴿173﴾[3] یہ ماجرا بھی سراسر عبرت ہے۔ ان میں سے بھی اکثر مسلمان نہ تھے ﴿174﴾ بے شک تیرا پروردگار وہی ہے غلبے والا مہربانی والا ﴿175﴾ ایکہ[4] والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا ﴿176﴾ جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تمھیں ڈر خوف نہیں؟ ﴿177﴾ میں تمھاری طرف امانت دار رسول ہوں ﴿178﴾ اللہ کا خوف کھاؤ اور میری فرمانبرداری کرو ﴿179﴾

---

(4) یعنی حضرت لوط علیہ السلام کے وعظ ونصیحت کے جواب میں اس نے کہا کہ تو بڑا پاک باز بنا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا اگر تو باز نہ آیا تو ہم اپنی بستی میں تجھے رہنے ہی نہیں دیں گے۔ آج بھی بدیوں کا اتنا غلبہ اور بدوں کا اتنا زور ہے کہ نیکی منہ چھپائے پھرتی ہے۔ اور نیکوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔

(1) یعنی میں اسے پسند نہیں کرتا اور اس سے سخت بیزار ہوں۔

(2) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی ہے جو مسلمان نہیں ہوئی تھی، چنانچہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی۔

(3) یعنی نشان زدہ کھنگر پتھروں کی بارش سے ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا جیسا کہ سورۂ ہود 83,82:11 میں بیان ہوا۔

(4) أَيكة جنگل کو کہتے ہیں۔ اس سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور بستی ''مدین'' کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایکہ کے معنی ہیں: گھنا درخت اور ایسا ایک درخت مدین کی نواحی آبادی میں تھا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دائرۂ نبوت اور حدود دعوت وتبلیغ، مدین سے لے کر اس نواحی آبادی تک تھا، جہاں ایکہ درخت کی پوجا ہوتی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اصحاب الایکہ اور اہل مدین کے پیغمبر ایک ہی، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یہ ایک ہی پیغمبر کی امت تھی۔ ایکہ چونکہ قوم نہیں بلکہ درخت تھا، اس لیے اخوت نسبی کا یہاں ذکر نہیں کیا جس طرح کہ دوسرے انبیاء کے ذکر میں ہے، البتہ جہاں مدین کے ضمن میں حضرت شعیب علیہ السلام [illegible] ا ہے، وہاں ان کی اخوت نسبی کا ذکر بھی ملتا ہے کیونکہ مدین، قوم کا نام ہے۔ ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ (الأعراف 7:85) بعض مفسرین نے اصحاب الایکہ اور مدین کو الگ الگ بستیاں قرار دے کر کہا ہے کہ یہ مختلف دو امتیں ہیں جن کی طرف باری باری حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ مدین کی طرف اور دوسری مرتبہ اصحاب الایکہ کی طرف لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿180﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿181﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿182﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿183﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿184﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿185﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿186﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿187﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿188﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا، میرا اجر تمام جہانوں کے پالنے والے کے پاس ہے (180) ناپ پورا بھرا کرو کم دینے والوں میں شمولیت نہ کرو (181) [1] اور سیدھی صحیح ترازو سے تولا کرو (182) [2] لوگوں کو ان کی چیزیں کمی سے نہ دو، [3] بے باکی کے ساتھ زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو (183) [4] اس اللہ کا خوف رکھو جس نے خود تمھیں اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے (184) [5] انھوں نے کہا: تُو تو ان میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہے (185) اور تو تو ہم ہی جیسا ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹ بولنے والوں میں سے ہی سمجھتے ہیں (186) [6] اگر تو سچے لوگوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے (187) [7] کہا کہ میرا رب خوب جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو (188) [8] چونکہ انھوں نے اسے جھٹلایا تو انھیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔ [9] وہ بڑے بھاری دن کا

کا جو وعظ اہل مدین کو کیا گیا، یہی وعظ یہاں اصحاب الایکہ کو کیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی امت ہے، دو نہیں۔

① یعنی جب تم لوگوں کو ناپ کر دو تو اسی طرح پورا دو جس طرح لیتے وقت تم پورا ناپ کر لیتے ہو۔ لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ مت رکھو کہ دیتے وقت کم دو اور لیتے وقت پورا لو!

② اسی طرح تول میں ڈنڈی مت مارو بلکہ پورا صحیح تول کر دو!

③ یعنی لوگوں کو دیتے وقت ناپ یا تول میں کمی مت کرو۔

④ یعنی اللہ کی نافرمانی مت کرو، اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ بعض نے اس سے مراد وہ رہزنی لی ہے جس کا ارتکاب بھی یہ قوم کرتی تھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ (الأعراف 7:86) ''راستوں میں لوگوں کو ڈرانے کے لیے مت بیٹھو۔'' (ابن کثیر)

⑤ ﴿الْجِبِلَّةَ﴾ اور جِبِلّ مخلوق کے معنی میں ہے جس طرح دوسرے مقام پر شیطان کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا﴾ (یٰسٓ 36: 62) ''اس نے تم میں سے بہت ساری مخلوق کو گمراہ کیا۔'' اس کا استعمال بڑی جماعت کے لیے ہوتا ہے۔ وَهُوَ الْجَمْعُ ذُو الْعَدَدِ الْكَثِيْرِ مِنَ النَّاسِ. (فتح القدیر)

⑥ یعنی تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا ہے، ہم تجھے اس دعوے میں جھوٹا سمجھتے ہیں کیونکہ تو بھی ہم جیسا ہی انسان ہے، پھر تو اس شرف سے مشرف کیونکر ہو سکتا ہے؟

⑦ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی تہدید کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جا ہم تجھے نہیں مانتے، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر دکھا!

⑧ یعنی تم جو کفر و شرک کر رہے ہو، سب اللہ کے علم میں ہے اور وہی اس کی جزا تمھیں دے گا اگر چاہے گا تو دنیا میں بھی دے دے گا،

عَظِيْمٍ ﴿189﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿190﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿191﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿192﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿193﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿194﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿195﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿196﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿197﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿198﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿199﴾ كَذٰلِكَ

عذاب تھا﴿189﴾ یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر مسلمان نہ تھے﴿190﴾ اور یقیناً تیرا پروردگار البتہ وہی ہے غلبے والا مہربانی والا﴿191﴾ اور بے شک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے﴿192﴾ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا[1] ہے﴿193﴾ آپ کے دل پر اترا[2] ہے کہ آپ آگاہ کر دینے والوں میں سے ہو جائیں﴿194﴾[3] صاف عربی زبان میں ہے﴿195﴾ اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے﴿196﴾[4] کیا انھیں یہ نشانی کافی نہیں کہ حقانیت قرآن کو تو بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں﴿197﴾[5] اور اگر ہم اسے کسی عجمی شخص پر نازل فرماتے﴿198﴾ پس وہ ان کے سامنے اس کی تلاوت کرتا تو وہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے﴿199﴾[6] اسی طرح

یہ عذاب اور سزا اس کے اختیار میں ہے۔

⑨ انھوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما دیا اور وہ اس طرح کہ بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کر دی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انھیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔ یوں تین قسم کا عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ فگن ہوا، اس لیے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انھیں پکڑ لیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقامات پر قوم شعیب علیہ السلام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور تینوں جگہ موقع کی مناسبت سے الگ الگ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ سورۂ اعراف 88:7 میں زلزلہ کا ذکر ہے، سورۂ ہود 94:11 میں صَیْحَة (چیخ) کا اور یہاں سورۂ شعراء میں آسمان سے ٹکڑے گرانے کا، یعنی تین قسم کا عذاب اس قوم پر آیا۔

① کفار مکہ نے قرآن کے وحی الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا اور اسی بنا پر رسالت محمدیہ اور دعوت محمدیہ کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کر کے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن یقیناً وحی الٰہی ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ پیغمبر جو پڑھ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے گزشتہ انبیاء اور قوموں کے واقعات کس طرح بیان کر سکتا تھا؟ اس لیے یہ قرآن یقیناً اللہ رب العالمین ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ، یعنی جبریل لے کر آیا۔

② دل کا بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ حواس بَاطِنَه میں دل ہی سب سے زیادہ ادراک اور حفظ کی قوت رکھتا ہے۔

③ یہ نزول قرآن کی علت ہے۔

④ یعنی جس طرح پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کا اور آپ کی صفات جمیلہ کا تذکرہ پچھلی کتابوں میں ہے، اسی طرح اس قرآن کے نزول کی خوشخبری بھی صحف سابقہ میں دی گئی تھی۔ ایک دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ قرآن مجید، باعتبار ان احکام کے

سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿200﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿201﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿202﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿203﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿204﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿205﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿206﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿207﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿208﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿209﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿210﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿211﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿212﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ

ہم نے گناہ گاروں کے دلوں میں اس (انکار) کو داخل کر دیا ہے ﴿200﴾[1] وہ جب تک دردناک عذابوں کا ملاحظہ نہ کر لیں ایمان نہ لائیں گے ﴿201﴾ پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے گا، انھیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا ﴿202﴾ اس وقت کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی؟ ﴿203﴾[2] پس کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ﴿204﴾[3] اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر ہم نے انھیں کئی سال بھی فائدہ اٹھانے دیا ﴿205﴾ پھر انھیں وہ عذاب آ لگا جن سے یہ دھمکائے جاتے تھے ﴿206﴾ تو جو کچھ بھی یہ برتتے رہے اس میں سے کچھ بھی انھیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا ﴿207﴾[4] ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر اسی حال میں کہ اس کے لیے ڈرانے والے تھے ﴿208﴾ نصیحت کے طور پر اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں ﴿209﴾[5] اس قرآن کو شیطان نہیں لائے ﴿210﴾ نہ وہ اس کے قابل ہیں نہ انھیں اس کی طاقت ہے ﴿211﴾ بلکہ وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیے گئے ہیں ﴿212﴾[6] پس تو اللہ کے ساتھ کسی اور

جن پر تمام شریعتوں کا اتفاق رہا ہے، پچھلی کتابوں میں بھی موجود رہا ہے۔

(5) کیونکہ ان کتابوں میں آپ کا اور قرآن کا ذکر موجود ہے۔ یہ کفار مکہ مذہبی معاملات میں یہود کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس اعتبار سے فرمایا کہ کیا ان کا یہ جاننا اور بتلانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، پھر یہ یہود کی اس بات کو مانتے ہوئے پیغمبر پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

(6) یعنی کسی عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ کہتے کہ یہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ جیسے حمٓ السجدة 44:41 میں ہے۔

(1) یعنی ﴿سَلَكْنٰهُ﴾ میں ضمیر کا مرجع کفر و تکذیب اور جحود و عناد ہے۔

(2) لیکن مشاہدۂ عذاب کے بعد مہلت نہیں دی جاتی نہ اس وقت کی توبہ ہی مقبول ہے: ﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ (المؤمن 85:40) ''ہمارا عذاب دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا نفع بخش ثابت نہ ہوا۔''

(3) یہ اشارہ ہے ان کے مطالبے کی طرف جو اپنے پیغمبر سے کرتے رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔

(4) یعنی اگر ہم انھیں مہلت دے دیں اور پھر انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیں تو کیا دنیا کا مال و متاع ان کے کچھ کام آئے گا؟ یعنی انھیں عذاب سے بچا سکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ ﴿وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ﴾ (البقرة 96:2) ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾ (اللیل 11:92) ''اور اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا جب وہ (گڑھے میں) گرے گا۔''

(5) یعنی ارسال رسل اور انذار کے بغیر اگر ہم کسی بستی کو ہلاک کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا، ہم نے ایسا ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کے تقاضوں کے مطابق ہم نے پہلے ہر بستی میں رسول بھیجے جنھوں نے اہل قریہ کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور اس کے بعد جب انھوں نے پیغمبر کی بات

اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿213﴾ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿214﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿215﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿216﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿217﴾ الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿218﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿219﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿220﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ﴿221﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿222﴾ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿223﴾ وَالشُّعَرَآءُ

معبود کو نہ پکار کہ تو بھی سزا کے قابل بن جائے﴿213﴾ اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرا دے﴿214﴾ [1] اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آ جو بھی ایمان لانے والا ہو کر تیری تابعداری کرے ﴿215﴾ اگر یہ لوگ تیری نافرمانی کریں تو تو اعلان کر دے کہ میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کر رہے ہو﴿216﴾ اپنا پورا بھروسا غالب مہربان اللہ پر رکھ﴿217﴾ جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے﴿218﴾ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی وہ دیکھتا ہے﴿219﴾ [2] وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے﴿220﴾ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟﴿221﴾ وہ ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں﴿222﴾ [3] جو سنی سنائی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں﴿223﴾ [4] شاعروں کی

نہیں مانی تو ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل 17: 15 اور سورۂ قصص 28: 59 وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

[*] ان آیات میں قرآن کی، شیطانی دخل اندازیوں سے، محفوظیت کا بیان ہے۔ ایک تو اس لیے کہ شیاطین کا قرآن لے کر نازل ہونا، ان کے لائق نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد شر و فساد اور منکرات کی اشاعت ہے جبکہ قرآن کا مقصد نیکی کا حکم اور فروغ اور منکرات کا سد باب ہے۔ گویا دونوں ایک دوسرے کی ضد اور باہم منافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ شیاطین اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے، تیسرے یہ کہ نزول قرآن کے وقت شیاطین اس کے سننے سے دور اور محروم رکھے گئے، آسمانوں پر ستاروں کو چوکیدار بنا دیا گیا تھا اور جو بھی شیطان اوپر جاتا یہ ستارے اس پر برق خاطف بن کر گرتے اور بھسم کر دیتے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شیاطین سے بچانے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

[1] پیغمبر کی دعوت صرف رشتے داروں کے لیے نہیں بلکہ پوری قوم کے لیے ہوتی ہے اور نبی ﷺ تو پوری نسل انسانی کے لیے ہادی اور رہبر بن کر آئے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو دعوت ایمان، دعوت عام کے منافی نہیں بلکہ اسی کا ایک حصہ یا اس کا ایک ترجیحی پہلو ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اس حکم کے بعد نبی ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور یَاصَبَاحَاہ! کہہ کر آواز دی۔ یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا تھا جب دشمن اچانک حملہ کر دے، اس کے ذریعے سے قوم کو خبردار کیا جاتا تھا۔ یہ کلمہ سن کر لوگ جمع ہو گئے، آپ نے قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے لے کر فرمایا، بتلاؤ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر دشمن کا لشکر موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو کیا تم مانو گے؟ سب نے کہا: ہاں، یقیناً ہم تصدیق کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟ اس کے جواب میں سورۂ ﴿تَبَّتْ یَدَآ﴾ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4973) آپ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی فرمایا: ”تم اللہ کے ہاں بچاؤ کا بندوبست کر لو، میں وہاں تمھارے کام نہیں آ سکوں گا۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 206)

[2] یعنی جب تو تنہا ہوتا ہے، تب بھی اللہ دیکھتا ہے اور جب لوگوں میں ہوتا ہے تب بھی۔

[3] یعنی اس قرآن کے نزول میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ شیطان تو جھوٹوں اور گناہ گاروں (یعنی کاہنوں، نجومیوں وغیرہ)

يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿224﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿225﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿226﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿227﴾

ع 11/36/15

پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں﴿224﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سرٹکراتے پھرتے ہیں؟﴿225﴾ اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں﴿226﴾ [1] سوائے ان کے جو ایمان لائے [2] اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا، [3] جنھوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں﴿227﴾ [4]

پر اترتے ہیں نہ کہ انبیاء وصالحین پر۔

④ یعنی ایک آدھ بات جو کسی طرح وہ سننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کاہنوں کو آ کر بتلا دیتے ہیں جن کے ساتھ وہ جھوٹی باتیں اور ملا لیتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ (ملاحظہ ہو صحیح البخاري، حديث: 7561، وصحیح مسلم، حديث: 122-(2228)) ﴿يُلْقُوْنَ السَّمْعَ﴾ شیاطین آسمان سے سنی ہوئی بعض باتیں کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں، اس صورت میں سمع کے معنی مسموع کے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کا مطلب حاسۂ سماعت (کان) ہے تو مطلب ہوگا کہ شیاطین آسمانوں پر جا کر کان لگا کر چوری چھپے بعض باتیں سن آتے ہیں اور پھر انھیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

① شاعروں کی اکثریت چونکہ ایسی ہوتی ہے کہ وہ مدح وذم میں اصول وضابطے کی بجائے ذاتی پسند وناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور شاعرانہ تخیلات میں کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھٹکتے ہیں، اس لیے فرمایا کہ ان کے پیچھے لگنے والے بھی گمراہ ہیں۔ اسی قسم کے اشعار کے لیے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ''پیٹ کو لہو اور پیپ سے بھر لینا، جو اسے خراب کر دے، شعر سے بھر لینے سے بہتر ہے۔'' (صحیح مسلم، حديث: 2257، وجامع الترمذي، حديث: 2851) یہاں اس کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر کاہن ہے نہ شاعر، اس لیے کہ کاہن جھوٹا ہوتا ہے اور شاعر ہر بیابان میں سرٹکراتا پھرتا ہے، چنانچہ دوسرے مقامات پر بھی آپ کے شاعر ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ (مثلاً: سورۂ یٰسٓ 69:36، سورۂ حاقہ 69:40-43)

② اس سے ان شاعروں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثنا ایسے الفاظ سے فرمایا جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایماندار، عمل صالح پر کاربند اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا شاعر غلط شاعری، جس میں جھوٹ، غلو اور افراط وتفریط ہو، کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ان ہی لوگوں کا کام ہے جو مومنانہ صفات سے عاری ہوں۔

③ یعنی ایسے مومن شاعر، ان کافر شعراء کا جواب دیتے ہیں، جس میں انھوں نے مسلمانوں کی ہجو (مذمت) کی ہو۔ جس طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کافروں کی ہجو یہ شاعری کا جواب دیا کرتے تھے اور خود نبی ﷺ ان کو فرماتے: ''ان (کافروں) کی ہجو بیان کرو، جبریل بھی تمھارے ساتھ ہیں۔'' (صحیح البخاري، حديث: 3213، وصحیح مسلم، حديث: 2486) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی شاعری جائز ہے جس میں کذب ومبالغہ نہ ہو اور جس کے ذریعے سے مشرکین وکفار اور مبتدعین واہل باطل کو جواب دیا جائے اور مسلک حقہ اور توحید وسنت کا اثبات کیا جائے۔

④ یعنی أَيَّ مَرْجِعٍ يَرْجِعُونَ یعنی کون سی جگہ وہ لوٹتے ہیں؟ اور وہ جہنم ہے۔ اس میں ظالموں کے لیے سخت وعید ہے۔ جس طرح حدیث

سورۂ نمل ■ مکی ہے، اس کی 93 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

اٰیَاتُهَا 93 (27) سُوْرَةُ النَّمْلِ مَکِّیَّةٌ (48) رُکُوْعَاتُهَا 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

طٰسٓ یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں ① ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے لیے ② جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ③ [1] جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے انھیں ان کے کرتوت مزین کر دکھائے ہیں، [2] پس وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ④ [3] یہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ سخت نقصان یافتہ ہیں ⑤ بے شک آپ کو اللہ حکیم و علیم کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے ⑥ (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے یا تو کوئی خبر لے کر یا آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ لے کر ابھی تمھارے پاس آجاؤں گا تاکہ تم سینک تاپ کرلو ⑦ [4] جب وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور برکت دیا گیا ہے وہ جو اس کے آس پاس

میں بھی فرمایا گیا ہے: ''تم ظلم سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2578)

■ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ اس سورت میں چیونٹیوں کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کو سورۂ نمل کہا جاتا ہے۔

① یہ مضمون متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ قرآن کریم ویسے تو پوری نسل انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے لیکن اس سے حقیقتاً راہ یاب وہی ہوں گے جو ہدایت کے طالب ہوں گے جو لوگ اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو حق کے دیکھنے اور سننے سے بند یا اپنے دلوں کو گناہوں کی تاریکیوں سے مسخ کرلیں گے قرآن انھیں کس طرح سیدھی راہ پر لگا سکتا ہے؟ ان کی مثال اندھوں کی طرح ہے جو سورج کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہوسکتے، درآں حالیکہ سورج کی روشنی پورے عالم کی درخشانی کا سبب ہے۔

② یہ گناہوں کا وبال اور بدلہ ہے کہ برائیاں ان کو اچھی لگتی ہیں اور آخرت پر عدم ایمان اس کا بنیادی سبب ہے۔ اس کی نسبت اللہ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ہر کام اس کی مشیت سے ہی ہوتا ہے، تاہم اس میں بھی اللہ کا وہی اصول کارفرما ہے کہ نیکوں کے لیے نیکی کا راستہ اور بدوں کے لیے بدی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا اختیار کرنا انسان کے اپنے ارادے پر منحصر ہے۔

③ یعنی گمراہی کے جس راستے پر وہ چل رہے ہوتے ہیں، اس کی حقیقت سے وہ آشنا نہیں ہوتے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی نہیں پاتے۔

④ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر واپس آ رہے تھے، رات کو اندھیرے میں راستے کا علم نہیں تھا اور سردی سے بچاؤ کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ⑨ وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۟ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۖۗ⑩ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑪ وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۟ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑫ فَلَمَّا

ہے[1] اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے⑧[2] موسیٰ! سن بات یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں غالب[3] باحکمت⑨ تو اپنی لاٹھی ڈال دے، موسیٰ نے جب اسے ہلتا جلتا دیکھا اس طرح کہ گویا وہ ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا، اے موسیٰ! خوف نہ کھا،[4] میرے حضور میں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے⑩ لیکن جو لوگ ظلم کریں[5] پھر اس کے عوض نیکی کریں اس برائی کے پیچھے تو میں بھی بخشنے والا مہربان ہوں⑪[6] اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ سفید چمکیلا ہو کر نکلے گا بغیر کسی عیب کے،[7] تُو نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جا،[8] یقیناً وہ بدکاروں کا گروہ ہے⑫ پس جب

---

[1] دور سے جہاں آگ کے شعلے لپکتے نظر آئے، وہاں پہنچے، یعنی کوہ طور پر تو دیکھا کہ ایک سرسبز درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں آگ نہیں تھی، اللہ کا نور تھا جس کی تجلی آگ کی طرح محسوس ہوتی تھی۔ ﴿مَنْ فِي النَّارِ﴾ میں مَنْ سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ، یعنی اس کا نور ہے اور ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ (اس کے اردگرد) سے مراد فرشتے، حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب (پردے) کو نور (روشنی) اور ایک روایت میں نار (آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ''اگر اپنی ذات کو بے نقاب کر دے تو اس کا جلال تمام مخلوقات کو جلا کر رکھ دے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 293-(179))

[2] یہاں اللہ کی تنزیہ وتقدیس کا مطلب یہ ہے کہ اس ندائے غیبی سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس آگ یا درخت میں اللہ نے حلول کیا ہوا ہے جس طرح کہ بہت سے مشرک سمجھتے ہیں بلکہ یہ مشاہدۂ حق کی ایک صورت ہے جس سے نبوت کے آغاز میں انبیاء کو بالعموم سرفراز کیا جاتا ہے۔ کبھی فرشتے کے ذریعے سے اور کبھی خود اللہ تعالیٰ اپنی تجلی اور ہم کلامی سے جیسے یہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔

[3] درخت سے ندا کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث تعجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تعجب نہ کر میں اللہ ہی ہوں۔

[4] اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتے، ورنہ موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی لاٹھی سے نہ ڈرتے۔ دوسرا، طبعی خوف پیغمبر کو بھی لاحق ہوسکتا ہے کیونکہ وہ بھی بالآخر انسان ہی ہوتے ہیں۔

[5] یعنی ظالم کو تو خوف ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہ فرما لے۔

[6] یعنی ظالم کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہوں۔

[7] یعنی بغیر برص وغیرہ کی بیماری کے۔ یہ لاٹھی کے ساتھ دوسرا معجزہ انھیں دیا گیا۔

[8] ﴿فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ﴾ آیات، یعنی یہ دو معجزے ان 9 نشانیوں میں سے ہیں جن کے ذریعے سے میں نے تیری مدد کی ہے۔ انھیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا، ان 9 نشانیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ بنی اسرائیل: 101:17 کا حاشیہ۔

جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑰ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ

ان کے پاس آنکھیں کھول دینے والے [1] ہمارے معجزے پہنچے تو وہ کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے⑬ صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر انھوں نے انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، [2] پس دیکھ لیجیے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا⑭ اور ہم نے یقیناً داود اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا [3] اور دونوں نے کہا: تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے⑮ اور داود کے وارث سلیمان ہوئے [4] اور کہنے لگے: لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے [5] اور ہم سب کچھ دیے گئے ہیں۔ [6] بے شک یہ بالکل صریح فضل الٰہی ہے⑯ سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر، جنات اور انسان اور پرند میں سے جمع کیے گئے [7] اور (ہر ہر قسم کی) الگ الگ درجہ بندی کر دی گئی⑰ [8] جب وہ چیونٹیوں کے میدان

① مُبْصِرَةً واضح اور روشن یا یہ اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے۔

② یعنی علم کے باوجود جو انھوں نے انکار کیا تو اس کی وجہ ان کا ظلم اور استکبار تھا۔

③ سورت کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے سکھلایا جاتا ہے، اس کی دلیل کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصراً بیان فرمایا اور اب دوسری دلیل حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کا یہ قصہ ہے۔ انبیاء کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ علم سے مراد نبوت کے علم کے علاوہ وہ علم ہے جن سے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کا علم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیوں کا علم عطا کیا گیا تھا۔ ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

④ اس سے مراد مال و جائداد کی وراثت نہیں نبوت اور علم و فضل کی وراثت ہے جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے۔ اگر مال و جائداد کی وراثت ہوتی تو وارث کے طور پر صرف سلیمان علیہ السلام کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس میں تو داود علیہ السلام کی دوسری اولاد بھی شریک ہوتی، حالانکہ وہ اس وراثت سے محروم رہے۔ ویسے بھی انبیاء کی متروکہ مال و جائیداد بطور ورثہ تقسیم نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 6727، وصحيح مسلم، حديث: 1758)

⑤ بولیاں تو تمام جانوروں کی سکھلائی گئی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ پرندے سائے کے لیے ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صرف پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئی تھیں اور چیونٹیاں بھی منجملہ پرندوں کے ہیں کیونکہ ان کے بھی پر نکلتے ہیں۔ (فتح القدير)

⑥ جس کی ان کو ضرورت تھی، جیسے علم، نبوت، حکمت، مال، جن و انس اور طیور و حیوانات کی تسخیر وغیرہ۔

النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿18﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿19﴾

میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمھیں روند ڈالے ﴿18﴾[1] اس کی اس بات سے سلیمان مسکرا کر ہنس دیے اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں[2] اور میرے ماں باپ پر۔ اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے ﴿19﴾[3]

---

⑦ اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انفرادی خصوصیت وفضیلت کا ذکر ہے جس میں وہ پوری تاریخ انسانیت میں ممتاز ہیں کہ ان کی حکمرانی صرف انسانوں پر ہی نہیں تھی بلکہ جنات، حیوانات اور چرند و پرند حتیٰ کہ ہوا تک ان کے ماتحت تھی، اس میں کہا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے تمام لشکر، یعنی جنوں، انسانوں اور پرندوں سب کو جمع کیا گیا، یعنی کہیں جانے کے لیے یہ لاؤ لشکر جمع کیا گیا۔

⑧ یہ ترجمہ توزیع بمعنی تفریق کے اعتبار سے ہے، یعنی سب کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم (قسم وار) کر دیا جاتا تھا، مثلاً: انسانوں، جنوں کا گروہ، پرندوں اور حیوانات کے گروہ وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے معنی اس کے ''پس وہ روکے جایا کرتے تھے۔'' یعنی یہ لشکر اتنی بڑی تعداد میں ہوتا تھا کہ راستے میں روک روک کر ان کو درست کیا جاتا تھا کہ شاہی لشکر بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو۔ یہ وَزَعَ يَزَعُ سے ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی مادے میں ہمزۂ سلب کا اضافہ کر کے ﴿اَوْزِعْنِيْٓ﴾ بنایا گیا ہے جو (آگے آیت:19 میں آرہا ہے)، یعنی ایسی چیزیں مجھ سے دور فرما دے جو مجھے تیری نعمتوں پر تیرا شکر کرنے سے روکتی ہیں۔ اس کو اردو میں ہم الہام و توفیق سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير، ابن كثير)

① اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ایک خاص قسم کا شعور موجود ہے۔ گو وہ انسانوں سے بہت کم اور مختلف ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت وفضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے، اسی لیے چیونٹیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں بے خبری میں ہم روند نہ دی جائیں۔ تیسرا یہ کہ حیوانات بھی اسی عقیدہ صحیحہ سے بہرہ ور تھے اور ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں جیسا کہ آگے آنے والے ہدہد کے واقعے سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ چوتھا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا تھا جس طرح تسخیر جنات وغیرہ اعجازی شان تھی۔

② چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا ہے۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ جنت، مومنوں ہی کا گھر ہے، اس میں کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''سیدھے سیدھے اور حق کے قریب رہو اور یہ بات جان لو کہ کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے نہ ڈھانپ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث:6463، وصحيح مسلم، حديث:71-(2816))

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿20﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿21﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿22﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿23﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿24﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

آپ نے پرندوں کی دیکھ بھال کی اور فرمانے لگے: یہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا؟ کیا واقعی وہ غیر حاضر ہے؟[1] ﴿20﴾ یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی صریح دلیل بیان کرے ﴿21﴾ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آ کر اس نے کہا: میں ایک ایسی چیز کی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں،[2] میں سبا[3] کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں ﴿22﴾ میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے[4] جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے[5] ﴿23﴾ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا، شیطان نے ان کے کام انھیں بھلے کر کے دکھلا کر صحیح راہ سے روک دیا ہے،[6] پس وہ ہدایت پر نہیں آتے ﴿24﴾ کہ اسی اللہ کے لیے سجدے کریں[7] جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو باہر نکالتا[8] ہے اور جو کچھ

① یعنی موجود تو ہے، مجھے نظر نہیں آ رہا یا یہاں موجود ہی نہیں ہے۔

② احاطہ کے معنی ہیں: کسی چیز کی بابت مکمل علم اور معرفت حاصل کرنا۔

③ سَبَا ایک شخص کے نام پر ایک قوم کا نام بھی تھا اور ایک شہر کا بھی۔ یہاں شہر مراد ہے۔ یہ صنعاء (یمن) سے تین دن کے فاصلے پر ہے اور مآرب یمن کے نام سے معروف ہے۔ (فتح القدير)

④ یعنی ہُدہُد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ بعض لوگ ملکہ سبا (بلقیس) کے اس ذکر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کی سربراہی جائز ہے، حالانکہ قرآن نے ایک واقعے کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اس سے اس کے جواز یا عدم جواز کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن وحدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

⑤ کہا جاتا ہے کہ اس کا طول 80 ہاتھ عرض 40 ہاتھ اور اونچائی 30 ہاتھ تھی اور اس میں موتی، سرخ یاقوت اور سبز زمرد جڑے ہوئے تھے۔ واللہ أعلم. (فتح القدير) ویسے یہ قول مبالغے سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ یمن میں بلقیس کا جو محل ٹوٹی پھوٹی شکل میں موجود ہے اس میں اتنے بڑے تخت کی گنجائش نہیں۔

⑥ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پرندوں کو یہ شعور ہے کہ غیب کا علم انبیاء بھی نہیں جانتے جیسا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ میں ایک ایسی اہم خبر لایا ہوں جس سے آپ بھی بے خبر ہیں، اسی طرح وہ اللہ کی وحدانیت کا احساس وشعور بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے یہاں ہدہد نے حیرت واستعجاب کے انداز میں کہا کہ یہ ملکہ اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کی پجاری ہے اور شیطان کے پیچھے

مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿25﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿26﴾ ۩ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿27﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿29﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿30﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿31﴾ ع قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى

تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے﴿25﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے﴿26﴾ سلیمان نے (3) کہا: اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے﴿27﴾ میرے اس خط کو لے جا کر انھیں دے دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں﴿28﴾ (4) وہ کہنے لگی: اے سردارو! میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے﴿29﴾ جو سلیمان کی طرف سے ہے اور جو بخشش کرنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے﴿30﴾ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ﴿31﴾ (5) اس نے کہا: اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمھاری موجودگی اور رائے نہ ہو

لگی ہوئی ہے۔ جس نے ان کے لیے سورج کی عبادت کو خوبصورت کر کے دکھلایا ہوا ہے۔

(1) ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ ﴾ اس کا تعلق بھی ﴿ زَيَّنَ ﴾ کے ساتھ ہے، یعنی شیطان نے یہ بھی ان کے لیے مزین کر دیا ہے کہ وہ **اللہ کو سجدہ نہ کریں**۔ یا اس میں ﴿ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ عامل ہے اور (لَآ) زائد ہے، یعنی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ **سجدہ صرف اللہ کو** کریں۔ (فتح القدیر)

(2) یعنی آسمان سے بارش برساتا اور زمین سے اس کی مخفی چیزیں نباتات، معدنیات اور دیگر زمینی خزانے ظاہر فرماتا اور نکالتا ہے۔ ﴿ اَلْخَبْءَ ﴾ مصدر ہے مفعول مَخْبُوءٌ (چھپی ہوئی چیز) کے معنی میں۔

(3) مالک تو اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا ہے لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا، ایک تو اس لیے کہ عرش الٰہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا، یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تخت شاہی بھی، گو بہت بڑا ہے لیکن اسے اس عرش عظیم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ ہدہد نے چونکہ توحید کا وعظ اور شرک کا رد کیا ہے اور اللہ کی عظمت وشان کو بیان کیا ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے: ”چار جانوروں کو قتل مت کرو۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد، یعنی لٹورا۔“ (سنن أبي داود، حديث: 5267، وسنن ابن ماجه، حديث: 3223، ومسند أحمد: 332/1) صرد (لٹورا) اس کا سر بڑا، پیٹ سفید اور پیٹھ سبز ہوتی ہے، یہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ (حاشیہ ابن کثیر)

(4) یعنی ایک جانب ہٹ کر چھپ جا اور دیکھ کہ وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں۔

(5) جس طرح نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کو خطوط لکھے تھے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بھی اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بذریعہ خط دی۔ آج کل مکتوب الیہ کا نام خط میں پہلے لکھا جاتا ہے لیکن سلف کا طریقہ یہی تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اختیار کیا کہ پہلے اپنا نام تحریر کیا۔

تَشْهَدُوْنِ ﴿32﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿33﴾

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿34﴾

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿35﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ

بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿36﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ

بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿37﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا

نہیں کیا کرتی ﴿32﴾ ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔[1] آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ ہمیں آپ کیا کچھ حکم فرماتی ہیں ﴿33﴾[2] اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں[3] تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔[4] اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے ﴿34﴾[5] میں انھیں ایک ہدیہ بھیجنے والی ہوں، پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں ﴿35﴾[6] پس جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا: کیا تم مال سے مجھے مدد دینا چاہتے ہو؟[7] مجھے تو میرے رب نے اس سے بہت بہتر دے رکھا ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، پس تم ہی اپنے تحفے سے خوش رہو ﴿36﴾[8] جا ان کی طرف واپس لوٹ جا،[9] ہم ان کے مقابلے پر وہ لشکر لائیں گے جن کا سامنا کرنے کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انھیں ذلیل و پست کر کے وہاں سے نکال باہر کریں گے ﴿37﴾[10] آپ نے فرمایا: اے سردارو!

[1] یعنی ہمارے پاس قوت اور اسلحہ بھی ہے اور لڑائی کے وقت نہایت پامردی سے لڑنے والے بھی ہیں، اس لیے جھکنے اور دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[2] اس لیے کہ ہم تو آپ کے تابع ہیں، جو حکم ہو گا بجا لائیں گے۔

[3] یعنی طاقت کے ذریعے سے فتح کرتے ہوئے۔

[4] یعنی قتل و غارت گری کر کے اور قیدی بنا کر۔

[5] بعض مفسرین کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے جو ملکہ سبا کی تائید میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ بلقیس ہی کا کلام اور اس کا تتمہ ہے اور یہی سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

[6] اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان کوئی دنیادار بادشاہ ہے یا نبی مرسل جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اگر ہدیہ قبول نہیں کیا تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سربلندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

[7] یعنی تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہوا ہے، پھر تم اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں کیا اضافہ کر سکتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔

[8] یہ بطور توبیخ کے کہا کہ تم ہی اس ہدیے پر فخر کرو اور خوش رہو، میں تو اس سے خوش ہونے سے رہا، اس لیے کہ ایک تو دنیا میرا مقصود ہی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ نے مجھے وہ کچھ دیا ہے جو پورے جہان میں کسی کو نہیں دیا۔ تیسرا یہ کہ مجھے نبوت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے۔

[9] یہاں صیغہ واحد سے مخاطب کیا جبکہ اس سے قبل صیغہ جمع سے خطاب کیا تھا کیونکہ خطاب میں کبھی پوری جماعت کو ملحوظ رکھا گیا

اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿38﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿39﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ٭

تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے؟ ﴿38﴾ [1] ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا: آپ اپنی اس مجلس [2] سے اٹھیں اس سے پہلے ہی پہلے میں اسے آپ کے پاس لا دیتا [3] ہوں، یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار ﴿39﴾ [4] جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔ [5] جب آپ نے اسے اپنے پاس موجود پایا تو فرمانے لگے: یہی میرے رب کا فضل ہے تا کہ

ہے، بھی امیر کو۔

﴿10﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام نرے بادشاہ ہی نہیں تھے، اللہ کے پیغمبر بھی تھے، اس لیے ان کی طرف سے تو لوگوں کو ذلیل و خوار کیا جانا ممکن نہیں تھا لیکن جنگ و قتال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جنگ نام ہی کشت و خون اور اسیری کا ہے اور ذلت و خواری سے یہی مراد ہے، ورنہ اللہ کے پیغمبر لوگوں کو خواہ مخواہ ذلیل و خوار نہیں کرتے۔ جس طرح نبی ﷺ کا طرز عمل اور اسوۂ حسنہ جنگوں کے موقع پر رہا۔

﴿1﴾ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس جواب سے ملکہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، چنانچہ انھوں نے مطیع و منقاد ہو کر آنے کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی تو آپ نے انھیں اللہ کے حکم سے ایک عجیب امر دکھانے کا پروگرام بنایا اور ان کے پہنچنے سے قبل ہی اس کا تخت شاہی اپنے پاس منگوانے کا بندوبست کیا۔

﴿2﴾ اس سے وہ مجلس مراد ہے جو مقدمات کی سماعت کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے نصف النہار تک منعقد فرماتے تھے۔

﴿3﴾ اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً ایک جن ہی تھا جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ہو، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن (سبا) جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھا لائے۔ اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ، جسے دو طرفہ شمار کیا جائے تو تین ہزار میل بنتا ہے، 4,3 گھنٹے میں طے کر لے۔ ایک طاقت ور سے طاقت ور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا ہی نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سہارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔

﴿4﴾ یعنی میں اسے اٹھا کر لا بھی سکتا ہوں اور اس کی کسی چیز میں ہیرا پھیری بھی نہیں کروں گا۔

﴿5﴾ یہ کون شخص تھا جس نے یہ کہا؟ یہ کتاب کون سی تھی؟ اور یہ علم کیا تھا، جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان تینوں کی پوری حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں قرآن کریم کے الفاظ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ وہ کوئی انسان ہی تھا جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا، اللہ تعالیٰ نے کرامت کے طور پر اسے یہ قدرت دے دی کہ پلک جھپکنے میں وہ تخت لے آیا۔ کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہری اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں، اس لیے نہ شخصی قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس علم کے سراغ لگانے کی ضرورت جس کا ذکر یہاں ہے کیونکہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے سے یہ کام ظاہری طور پر انجام پایا، ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الٰہی ہی کی

لِيَبْلُوَنِيٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿40﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿41﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿42﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿43﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے پروا اور کرم کرنے والا ہے ﴿40﴾ حکم دیا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو[1] تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے ﴿41﴾[2] پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کہ ایسا ہی تیرا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ گویا وہی ہے،[3] ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے ﴿42﴾[4] اسے انھوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی، یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی ﴿43﴾[5] اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں،[6] سلیمان نے کہا: یہ ایسا محل ہے جس میں نیچے بھی شیشے جڑے ہوئے ہیں، کہنے لگی: میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

کارفرمائی ہے جو چشم زدن میں، جو چاہے، کر سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے، اس لیے جب انھوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا۔

(1) یعنی اس کے رنگ روپ یا وضع وہیئت میں تبدیلی کر دو۔

(2) یعنی وہ اس بات سے آگاہ ہوتی ہے کہ یہ تخت اسی کا ہے یا اس کو سمجھ نہیں پاتی؟ دوسرا مطلب ہے کہ وہ راہ ہدایت پاتی ہے یا نہیں؟ یعنی اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی اس پر راہ ہدایت واضح ہوتی ہے یا نہیں؟

(3) ردوبدل سے چونکہ اس کی وضع وہیئت میں تبدیلی آ گئی تھی، اس لیے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور ردوبدل کے باوجود انسان پھر بھی اپنی چیز کو پہچان ہی لیتا ہے، اس لیے اپنے ہونے کی نفی بھی نہیں کی۔ اور یہ کہا ''یہ گویا وہی ہے۔'' اس میں اقرار ہے نہ نفی۔ بلکہ نہایت محتاط جواب ہے۔

(4) یعنی یہاں آنے سے قبل ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے مطیع ومنقاد ہو گئے تھے۔ لیکن امام ابن کثیر وشوکانی وغیرہ نے اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا تھا کہ ملکۂ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہو گی۔

(5) یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ﴿صَدَّهَا﴾ کا فاعل ﴿مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ﴾ ہے، یعنی اسے اللہ کی عبادت سے جس چیز نے روک رکھا تھا، وہ غیر اللہ کی عبادت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تعلق ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے توحید کی حقیقت سے بے خبر رہی، بعض نے ﴿صَدَّهَا﴾ کا فاعل اللہ کو اور بعض نے سلیمان علیہ السلام کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے یا اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام نے اسے غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (فتح القدیر)

(6) یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا۔ ﴿لُجَّةً﴾ گہرے پانی یا حوض کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی

وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَٰنَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿44﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿45﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿46﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿47﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں (44) یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو، پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے (45) آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو؟ تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے (46) وہ کہنے لگے: ہم تو تیری اور تیرے ساتھیوں کی بدشگونی لے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمھاری بدشگونی اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو (47) اس شہر میں نو سردار تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے رہتے تھے

نبوت کے اعجازی مظاہر دکھانے کے بعد مناسب سمجھا کہ اسے اپنی اس دنیوی شان وشوکت کی بھی ایک جھلک دکھلا دی جائے جس میں اللہ نے انھیں تاریخ انسانیت میں ممتاز کیا تھا، چنانچہ اس محل میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا، جب وہ داخل ہونے لگی تو اس نے اپنے پائنچے چڑھا لیے۔ شیشے کا فرش اسے پانی معلوم ہوا جس سے اپنے کپڑوں کو بچانے کے لیے اس نے کپڑے سمیٹ لیے۔

یعنی جب اس پر فرش کی حقیقت واضح ہوئی تو اپنی کوتاہی اور غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور اعتراف قصور کرتے ہوئے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ صاف چکنے گھڑے ہوئے پتھروں کو ﴿مُمَرَّدٌ﴾ کہا جاتا ہے۔ جس درخت پر پتے نہ ہوں اسے شجرة مرداء کہا جاتا ہے۔ (فتح القدير) لیکن یہاں یہ تعمیر یا جڑاؤ کے معنی میں ہے، یعنی شیشوں کا بنا ہوا یا جڑا ہوا محل۔

ملحوظہ: ملکۂ سبا (بلقیس) کے مسلمان ہونے کے بعد کیا ہوا؟ قرآن میں یا کسی صحیح حدیث میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تفسیری روایات میں یہ ضرور ملتا ہے کہ ان کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہو گیا تھا۔ لیکن جب قرآن وحدیث اس صراحت سے خاموش ہیں تو اس کی بابت خاموشی ہی بہتر ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

ان سے مراد کافر اور مومن ہیں، جھگڑنے کا مطلب ہر فریق کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے۔

یعنی ایمان قبول کرنے کی بجائے، تم کفر ہی پر کیوں اصرار کر رہے ہو جو عذاب کا باعث ہے۔ علاوہ ازیں اپنے عناد وسرکشی کی وجہ سے کہتے بھی تھے کہ ہم پر عذاب لے آ۔ جس کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام نے یہ کہا۔

﴿اطَّيَّرْنَا﴾ اصل میں تَطَيَّرْنَا ہے۔ اس کی اصل طَيْر (اڑنا) ہے۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے۔ اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو اسے بدشگونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے۔ (فتح القدير) اسلام میں بدشگونی جائز نہیں ہے، البتہ نیک تفاؤل جائز ہے۔

یعنی اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے کیونکہ قضا وقدر اسی کے اختیار میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھیں جو نحوست (قحط وغیرہ) پہنچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمھارا کفر ہے۔ (فتح القدير)

یا گمراہی میں ڈھیل دے کر تمھیں آزمایا جا رہا ہے۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿48﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿49﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿54﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

اور اصلاح نہیں کرتے تھے ﴿48﴾ انھوں نے آپس میں بڑی قسمیں کھا کھا کر عہد کیا کہ رات ہی کو صالح اور اس کے گھر والوں پر ہم چھاپہ ماریں گے،[1] اور اس کے وارثوں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں ﴿49﴾[2] اور وہ ایک چال چلے[3] اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر[4] کی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے ﴿50﴾[5] اب دیکھ لے ان کے مکر کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ کہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو غارت کر دیا ﴿51﴾[6] یہ ہیں ان کے مکانات جو ان کے ظلم کی وجہ سے اجڑے پڑے ہیں، جو لوگ علم رکھتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑا نشانِ عبرت ہے ﴿52﴾ ہم نے ان کو جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگار تھے بال بال بچا لیا ﴿53﴾ اور لوط کا ذکر کر جبکہ[7] اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا باوجود دیکھنے بھالنے کے پھر بھی تم بدکاری کر رہے ہو؟ ﴿54﴾[8] یہ کیا بات ہے کہ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو؟[9] حق یہ ہے کہ تم بڑی

[1] یعنی صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ قسمیں انھوں نے اس وقت کھائیں، جب اونٹنی کے قتل کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے کہا کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آ جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ عذاب کے آنے سے قبل ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کا صفایا کر دیں۔

[2] یعنی ہم قتل کے وقت وہاں موجود نہ تھے نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کون انھیں قتل کر گیا ہے۔

[3] ان کا مکر یہی تھا کہ انھوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبۂ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

[4] یعنی ہم نے تدبیر کی (جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے) ان کی اس سازش کا بدلہ دیا اور انھیں ہلاک کر دیا۔

[5] اللہ کی اس تدبیر (مکر) کو سمجھتے ہی نہ تھے۔

[6] یعنی ہم نے مذکورہ 9 سرداروں کو ہی نہیں بلکہ ان کی قوم کو بھی مکمل طور پر ہلاک کر دیا کیونکہ وہ قوم ہلاکت کے اصل سبب کفر و جحود میں مکمل طور پر ان کے ساتھ شریک تھی اور گو بالفعل ان کے منصوبۂ قتل میں شریک نہ ہو سکی تھی کیونکہ یہ منصوبہ خفیہ تھا لیکن ان کے منشا اور دلی آرزو کے عین مطابق تھا، اس لیے وہ بھی گویا اس مکر میں شریک تھی جو 9 افراد نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کے خلاف تیار کیا تھا، اس لیے پوری قوم ہی ہلاکت کی مستحق قرار پائی۔

[7] یعنی لوط علیہ السلام کا قصہ یاد کرو، جب لوط علیہ السلام نے مذکورہ بات کہی۔ قوم لوط عاموراء اور سدوم بستیوں میں رہائش پذیر تھی۔

[8] یعنی یہ جاننے کے باوجود کہ یہ بے حیائی کا کام ہے۔ یہ بصارت قلب ہے۔ اور اگر بصارت ظاہری، یعنی آنکھوں سے دیکھنا مراد

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿55﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿56﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿57﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿58﴾ ع قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾

ہی نادانی کررہے ہو ﴿55﴾ قوم کا جواب بجز اس کہنے کے اور کچھ نہ تھا کہ آلِ لوط کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ تو بڑے پاکباز بن رہے ہیں ﴿56﴾ [1] پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو بجز اس کی بیوی کے سب کو بچا لیا، اس کا اندازہ تو باقی رہ جانے والوں میں ہم لگا ہی چکے تھے ﴿57﴾ [2] اور ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسادی، [3] پس ان دھمکائے ہوئے لوگوں پر بری بارش ہوئی ﴿58﴾ [4] تُو کہہ دے کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ [5] کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنھیں یہ لوگ شریک ٹھہرا رہے ہیں ﴿59﴾ [6]

ہو تو معنی ہوں گے کہ نظروں کے سامنے یہ کام کرتے ہو، یعنی تمھاری سرکشی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ چھپنے کا تکلف بھی نہیں کرتے ہو۔

⑨ یہ تکرار توبیخ کے لیے ہے کہ یہ بے حیائی وہی لواطت ہے جو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے غیر طبعی شہوت رانی کے طور پر کرتے ہو۔

① یہ بطور طنز اور استہزا کے کہا۔

② یعنی پہلے ہی اس کی بابت یہ اندازہ، یعنی تقدیر الٰہی میں تھا کہ وہ انھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی جو عذاب سے دوچار ہوں گے۔

③ ان پر جو عذاب آیا، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ ان کی بستیوں کو ان پر الٹ دیا گیا اور اس کے بعد ان پر تہ بہ تہ کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی۔

④ یعنی جنھیں پیغمبروں کے ذریعے سے ڈرایا گیا اور ان پر حجت قائم کر دی گئی لیکن وہ تکذیب و انکار سے باز نہیں آئے۔

⑤ جن کو اللہ نے رسالت اور بندوں کی رہنمائی کے لیے چنا تا کہ لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

⑥ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ ہی کی عبادت بہتر ہے کیونکہ جب خالق، رازق اور مالک وہی ہے تو عبادت کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہوسکتا ہے؟ جو نہ کسی چیز کا خالق ہے نہ رازق اور مالک۔ ﴿خَيْرٌ﴾ اگرچہ تفضیل کا صیغہ ہے لیکن یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے، مطلق بہتر کے معنی میں ہے، اس لیے کہ معبودانِ باطلہ میں تو سرے سے کوئی خیر ہے ہی نہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿60﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

بھلا بتاؤ تو کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگا دیے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہیں اگا سکتے،[1] کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟[2] بلکہ یہ لوگ حق سے انحراف کرتے ہیں ﴿60﴾[3] بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا[4] اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی،[5] کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں ﴿61﴾ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟[6] اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے،[7]

---

① یہاں سے پچھلے جملے کی تشریح اور اس کے دلائل دیے جا رہے ہیں کہ وہی اللہ تخلیق، رزق اور تدبیر وغیرہ میں متفرد ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ فرمایا آسمانوں کو اتنی بلندی اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا، ان میں درخشاں کواکب، روشن ستارے اور گردش کرنے والے افلاک بنانے والا۔ اسی طرح زمین اور اس میں پہاڑ، نہریں، چشمے، سمندر، اشجار، کھیتیاں اور انواع واقسام کے طیور وحیوانات وغیرہ پیدا کرنے والا اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے بارونق باغات اگانے والا کون ہے؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو زمین سے درخت ہی اگا کر دکھا دے؟ ان سب کے جواب میں مشرکین بھی کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر ہے۔ (مثلاً: العنکبوت 63:29)

② یعنی ان سب حقیقتوں کے باوجود کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہستی ایسی ہے جو عبادت کے لائق ہو؟ یا جس نے ان میں سے کسی چیز کو پیدا کیا ہو؟ یعنی کوئی ایسا نہیں جس نے کچھ بنایا ہو یا عبادت کے لائق ہو۔ ﴿ اَمَّنْ ﴾ کا ان آیات میں مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ ذات جو ان تمام چیزوں کا فاعل ہے، اس کی طرح ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں؟ (ابن کثیر)

③ اس کا دوسرا ترجمہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کا ہمسر اور نظیر ٹھہراتے ہیں۔

④ یعنی جس میں قرار وسکون ہے۔ نہ ہلتی ہے، نہ ڈولتی ہے اگر ایسا ہوتا تو زمین پر رہنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بنانے کا مقصد بھی زمین کو حرکت کرنے سے اور ڈولنے سے روکنا ہی ہے۔

⑤ اس کی تشریح کے لیے دیکھیں سورۂ فرقان 53:25 کا حاشیہ۔

⑥ یعنی وہی اللہ ہے جسے شدائد کے وقت پکارا جاتا اور مصیبتوں کے وقت جس سے امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔ مضطر (لاچار) اس کی طرف رجوع کرتا اور تکلیف کو وہی دور کرتا ہے۔ (مزید ملاحظہ ہو: سورۂ نحل 53:16، سورۂ بنی اسرائیل 67:17)

⑦ یعنی ایک امت کے بعد دوسری امت، ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل پیدا کرتا ہے ورنہ اگر وہ سب کو ایک ہی وقت میں وجود بخش دیتا تو زمین بھی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی، اکتساب معیشت میں بھی دشواریاں پیدا ہوتیں جن سے تم

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿63﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿64﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿65﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي

کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو ﴿62﴾ بھلا کون ہے جو تمھیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے [1] اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ [2] کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنھیں یہ شریک کرتے ہیں، ان سب سے اللہ بلند و بالا تر ہے ﴿63﴾ بھلا کون ہے جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا [3] اور کون ہے جو تمھیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے، [4] کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ ﴿64﴾ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، [5] انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ ﴿65﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم

نقصان اٹھاتے۔ (ابن کثیر) گویا یکے بعد دیگرے انسانوں کو پیدا کرنا اور ایک کو دوسرے کا جانشین بنانا، یہ بھی اس کی کمال مہربانی ہے۔

[1] یعنی آسمانوں پر ستاروں کو درخشانی عطا کرنے والا کون ہے؟ جن سے تم تاریکیوں میں راہ پاتے ہو۔ پہاڑوں اور وادیوں کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جو ایک دوسرے کے لیے سرحدوں کا کام بھی دیتے ہیں اور راستوں کی نشاندہی کا بھی۔

[2] یعنی بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں جو بارش کی پیامبر ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان سے خشک سالی کے مارے ہوئے لوگوں میں خوشی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے۔

[3] یعنی قیامت والے دن تمھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔

[4] یعنی آسمان سے بارش نازل فرما کر زمین سے اس کے مخفی خزانے (غلہ جات اور میوے) پیدا فرماتا ہے اور یوں آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

[5] یعنی جس طرح مذکورہ معاملات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح غیب کے علم میں بھی وہ متفرد ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ وحی و الہام کے ذریعے سے انھیں بتلا دیتا ہے اور جو علم کسی کے بتلانے سے حاصل ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا۔ عالم الغیب تو وہ ہے جو بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھے، ہر حقیقت سے باخبر ہو اور مخفی سے مخفی چیز بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو۔ یہ صفت صرف اور صرف اللہ کی ہے، اس لیے صرف وہی عالم الغیب ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی عالم الغیب نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ نبی ﷺ آئندہ کل کو پیش آنے والے حالات کا علم رکھتے ہیں، اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا، اس لیے کہ وہ تو فرما رہا ہے کہ ”آسمان و زمین میں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 4855، و صحیح مسلم، حدیث: 287-(177)، و جامع الترمذي، حدیث: 3068) حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقصد کے لیے بنائے

الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿66﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿67﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿69﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿70﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿71﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿72﴾

ختم ہو چکا ہے[1] بلکہ یہ اس سے شک میں ہیں بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں﴿66﴾[2] کافروں نے کہا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی، کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟﴿67﴾ ہم اور ہمارے باپ دادوں کو بہت پہلے سے یہ وعدے دیے جاتے رہے۔ کچھ نہیں یہ تو صرف اگلوں کے افسانے ہیں﴿68﴾[3] کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ گناہ گاروں کا کیسا انجام ہوا؟﴿69﴾[4] آپ ان کے بارے میں غم نہ کریں اور ان کے داؤ گھات سے تنگ دل نہ ہوں﴿70﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر سچے ہو تو بتلا دو﴿71﴾ جواب دیجیے کہ شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی مچا رہے ہو تم سے بہت ہی قریب ہو گئی ہوں﴿72﴾[5]

ہیں۔ آسمان کی زینت، رہنمائی کا ذریعہ اور شیطان کو سنگسار کرنا۔ لیکن اللہ کے احکام سے بے خبر لوگوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کہانت) کا ڈھونگ رچا لیا ہے، مثلاً: کہتے ہیں: جو فلاں فلاں ستارے کے وقت نکاح کرے گا تو یہ یہ ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت سفر کرے گا تو ایسا ایسا ہوگا، فلاں فلاں ستارے کے وقت پیدا ہوگا تو ایسا ایسا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں، پرندوں اور جانوروں سے غیب کا علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جبکہ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (ابن کثیر)

[1] یعنی ان کا علم آخرت کے وقوع کا وقت جاننے سے عاجز ہے۔ یا ان کا علم آخرت کے بارے میں برابر ہے، جیسے نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے استفسار پر فرمایا تھا کہ ''قیامت کے بارے میں مسئول عنھا (نبی اکرم ﷺ) بھی سائل (حضرت جبریل) سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔'' یا یہ معنی ہیں کہ ان کا علم مکمل ہو گیا، اس لیے کہ انھوں نے قیامت کے بارے میں کیے گئے وعدوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، گو یہ علم اب ان کے لیے نافع نہیں ہے کیونکہ دنیا میں وہ اسے جھٹلاتے رہے تھے، جیسے فرمایا: ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (مریم 19:38) ''وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے، کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے! مگر ظالم آج صریح گمراہی میں ہیں۔''

[2] یعنی دنیا میں آخرت کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ اندھے ہیں کہ اختلال عقل و بصیرت کی وجہ سے آخرت پر یقین سے محروم ہیں۔

[3] یعنی اس میں حقیقت کوئی نہیں، بس ایک دوسرے سے سن کر یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔

[4] یہ ان کافروں کے قول کا جواب ہے کہ پچھلی قوموں کو دیکھو کہ کیا ان پر اللہ کا عذاب نہیں آیا؟ جو پیغمبروں کی صداقت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیامت اور اس کی زندگی کے بارے میں بھی ہمارے رسول جو کہتے ہیں، یقیناً سچ ہے۔

[5] اس سے مراد جنگ بدر کا وہ عذاب ہے جو قتل اور اسیری کی شکل میں کافروں کو پہنچا یا عذاب قبر ہے۔ ﴿رَدِفَ﴾ قرب کے معنی میں ہے، جیسے سواری کی عقبی نشست پر بیٹھنے والے کو ردیف کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿74﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿75﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿76﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿78﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿79﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿80﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ

یقیناً آپ کا پروردگار تمام لوگوں پر بڑے ہی فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ﴿73﴾ [1] بے شک آپ کا رب ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جنھیں ان کے دل چھپا رہے ہیں اور جنھیں ظاہر کر رہے ہیں ﴿74﴾ آسمان و زمین کی کوئی پوشیدہ چیز بھی ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب [2] میں نہ ہو ﴿75﴾ یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے ان اکثر چیزوں کا بیان کر رہا ہے جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں ﴿76﴾ [3] اور یہ قرآن ایمان والوں کے لیے یقیناً ہدایت اور رحمت ہے ﴿77﴾ [4] آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے سب فیصلے کر دے گا، [5] وہ بڑا ہی غالب اور سب کچھ جانتا ہے ﴿78﴾ پس آپ اللہ ہی پر بھروسا رکھیے، یقیناً آپ سچے اور کھلے دین پر ہیں ﴿79﴾ [6] بے شک آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو [7] جبکہ وہ پیٹھ پھیرے روگرداں جا رہے ہوں ﴿80﴾ [8] اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہنمائی کر سکتے ہیں [9] آپ تو صرف انھیں سنا سکتے ہیں جو

[1] یعنی عذاب میں تاخیر، یہ بھی اللہ کے فضل و کرم کا ایک حصہ ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے اعراض کر کے ناشکری کرتے ہیں۔

[2] اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ ان ہی غائب چیزوں میں اس عذاب کا علم بھی ہے جس کے لیے یہ کفار جلدی مچاتے ہیں۔ لیکن اس کا وقت بھی اللہ نے لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے جسے صرف وہی جانتا ہے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے جو اس نے کسی قوم کی تباہی کے لیے لکھ رکھا ہوتا ہے تو پھر اسے تباہ کر دیتا ہے۔ یہ مقررہ وقت آنے سے پہلے جلدی کیوں کرتے ہیں؟

[3] اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص اور توہین کرتے تھے اور عیسائی ان کی شان میں غلو، حتیٰ کہ انھیں اللہ یا اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ قرآن کریم نے ان کے حوالے سے ایسی باتیں بیان فرمائیں جن سے حق واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ قرآن کے بیان کردہ حقائق کو مان لیں تو ان کے اعتقادی اختلافات ختم اور ان کا تفرق و انتشار کم ہو سکتا ہے۔

[4] مومنوں کا اختصاص اس لیے کہ وہی قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انھی میں وہ بنی اسرائیل بھی ہیں جو ایمان لے آئے تھے۔

[5] یعنی قیامت کو ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا کا اہتمام فرمائے گا یا انھوں نے اپنی کتابوں میں جو تحریفات کی ہیں، دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

[6] یعنی اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر دیں اور اسی پر اعتماد کریں، وہی آپ کا مددگار ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ دین حق پر ہیں، دوسری وجہ آگے آ رہی ہے۔

[7] یہ ان کافروں کی پروا نہ کرنے اور صرف اللہ پر بھروسا رکھنے کی دوسری وجہ ہے کہ یہ لوگ مردہ ہیں جو کسی کی بات سن کر فائدہ نہیں

يُؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿81﴾ وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوۡقِنُوۡنَ ﴿82﴾ ع وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿83﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿84﴾ وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ

ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں، پھر وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں ﴿81﴾ جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا،[1] ہم زمین سے ان کے لیے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا[2] کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے ﴿82﴾[3] اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے گروہ کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، گھیر لائیں گے، پھر وہ سب کے سب الگ کر دیے جائیں گے ﴿83﴾[4] جب سب کے سب آ پہنچیں گے تو اللہ فرمائے گا کہ تم نے میری آیتوں کو باوجود یکہ تمھیں ان کا پورا علم نہ تھا کیوں جھٹلایا؟[5] اور یہ بھی بتلاؤ کہ تم کیا کچھ کرتے رہے؟ ﴿84﴾[6] اور ان کے ظلم کے

اٹھا سکتے یا بہرے ہیں جو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور نہ راہ یاب ہونے والے ہیں۔ گویا کافروں کو مردوں سے تشبیہ دی جن میں حس ہوتی ہے نہ عقل۔ اور بہروں سے جو وعظ و نصیحت سنتے ہیں نہ دعوت الی اللہ قبول کرتے ہیں۔

[8] یعنی وہ حق سے مکمل طور پر گریزاں اور متنفر ہیں کیونکہ بہرہ آدمی رُو در رُو بھی کوئی بات نہیں سن پاتا، چہ جائیکہ اس وقت سن سکے جب وہ منہ موڑ لے اور پیٹھ پھیرے ہوئے ہو۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سماعِ موتیٰ کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ مردے کسی کی بات نہیں سن سکتے، البتہ اس سے صرف وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی جہاں سماعت کی صراحت کسی نص سے ثابت ہوگی، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ لوگ مردے کو جب دفنا کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1338، وصحيح مسلم، حديث: 70-(2870)) یا جنگ بدر میں کافر مقتولین کو جو قلیب بدر میں پھینک دیے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خطاب فرمایا، جس پر صحابہ نے کہا: آپ ﷺ بے روح جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تم سے زیادہ میری بات سن رہے ہیں۔'' یعنی معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات مردہ کافروں کو سنوا دی۔ (صحيح البخاري، حديث: 3976)

[9] یعنی جن کو اللہ تعالیٰ حق سے اندھا کر دے، آپ ان کی اس طرح رہنمائی نہیں فرما سکتے جو انھیں مطلوب، یعنی ایمان تک پہنچا دے۔

[1] یعنی جب نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں رہ جائے گا۔

[2] یہ ﴿دَآبَّةً﴾ وہی ہے جو قرب قیامت کی علامات میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو (ان میں ایک جانور کا نکلنا ہے۔)'' (صحيح مسلم، حديث: 39-(2901)، وسنن أبي داود، حديث: 4311، وجامع الترمذي، حديث: 2183، وسنن ابن ماجه، حديث: 4055) دوسری روایت میں ہے: ''سب سے پہلی نشانی جو ظاہر ہوگی، وہ ہے سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت جانور کا نکلنا۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ظاہر ہوگی، دوسری اس کے فوراً بعد ہی ظاہر ہو جائے گی۔'' (صحيح مسلم، حديث: 118-(2941))

[3] یہ جانور کے نکلنے کی علت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی اس لیے دکھلائے گا کہ لوگ اللہ کی نشانیوں یا آیتوں (احکام) پر یقین نہیں رکھتے۔ قرآن کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کا ہے جبکہ بعض نے اسے جانور کا کلام قرار دیا ہے لیکن یہ

عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿85﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿86﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿87﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿88﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

سبب ان کے حق میں وعدہ (عذاب) پورا ہو کر رہے گا اور وہ کچھ بول نہ سکیں گے ﴿85﴾ کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ اس میں آرام حاصل کرلیں اور دن کو ہم نے دکھلانے والا بنایا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان و یقین رکھتے ہیں ﴿86﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے، اور سارے کے سارے عاجز و پست ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے ﴿87﴾ اور آپ پہاڑوں کو اپنی جگہ جمے ہوئے خیال کریں گے لیکن وہ بھی بادل کی طرح اڑتے پھریں گے، یہ ہے کاریگری اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اس سے وہ باخبر ہے ﴿88﴾ جو شخص نیک عمل لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا

مرجوح قول ہے (ابن کثیر، تفسیر اللباب)

۞ یا قسم قسم کر دیے جائیں گے، یعنی بت پرستوں کا ٹولہ، آتش پرستوں کا ٹولہ وغیرہ۔ یا یہ معنی ہیں کہ ان کو روکا جائے گا، یعنی ان کو ادھر ادھر اور آگے پیچھے ہونے سے روکا جائے گا اور سب کو ترتیب وار لا کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۞ یعنی تم نے میری توحید اور دعوت کے دلائل سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلاتے رہے۔

۞ کہ جس کی وجہ سے تمھیں میری باتوں پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

۞ یعنی ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا کہ جسے وہ پیش کر سکیں۔ یا قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے بولنے کی قدرت سے ہی محروم ہوں گے اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت کی کیفیت کا بیان ہے جب ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی۔

۞ تاکہ وہ اس میں کسب معاش کے لیے دوڑ دھوپ کر سکیں۔

۞ صور سے مراد وہی قرن ہے جس میں اسرافیل اللہ کے حکم سے پھونک ماریں گے۔ یہ نفخے دو یا دو سے زیادہ ہوں گے۔ پہلے نفخے (پھونک) میں ساری دنیا گھبرا کر بے ہوش اور دوسرے نفخے میں موت سے ہم کنار ہو جائے گی۔ تیسرے نفخے میں سب لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک اور چوتھا نفخہ ہوگا جس سے سب لوگ میدان حشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ یہاں کون سا نفخہ مراد ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین کے نزدیک یہ پہلا نفخہ ہے۔

۞ یہ مستثنیٰ لوگ کون ہوں گے؟ بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء، بعض کے نزدیک فرشتے اور بعض کے نزدیک سب اہل ایمان ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ تمام مذکورین ہی اس میں شامل ہوں کیونکہ اہل ایمان حقیقی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے (جیسا کہ آگے آ رہا ہے)۔

۞ یہ قیامت والے دن ہوگا کہ پہاڑ اپنی جگہوں پر نہیں رہیں گے بلکہ بادلوں کی طرح چلیں گے اور اڑیں گے۔

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿89﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿91﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿92﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾

اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بےخوف ہوں گے ﴿89﴾[1] اور جو برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم کرتے رہے ﴿90﴾ مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں جس نے اسے حرمت والا بنایا ہے،[2] جس کی ملکیت ہر چیز ہے اور مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں ہو جاؤں ﴿91﴾ اور میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، جو راہ راست پر آ جائے وہ اپنے نفع کے لیے راہ راست پر آئے گا۔ اور جو بہک جائے تو کہہ دیجیے کہ میں تو صرف ہوشیار کرنے والوں میں سے ہوں ﴿92﴾[3] کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں،[4] وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا جنھیں تم (خود) پہچان لو گے۔[5] اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے آپ کا رب غافل نہیں ﴿93﴾[6]

[6] یعنی یہ اللہ کی عظیم قدرت سے ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ لیکن وہ ان مضبوط چیزوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح کر دینے پر قادر ہے۔

[1] یعنی حقیقی اور بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہوں گے۔ ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ (الأنبياء 21:103)

[2] اس سے مراد مکہ شہر ہے اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ اسی میں خانہ کعبہ ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھا۔ ''حرمت والا'' کا مطلب ہے: اس میں خون ریزی کرنا، ظلم کرنا، شکار کرنا، درخت کاٹنا حتیٰ کہ کانٹا توڑنا بھی منع ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1832، و صحيح مسلم، حديث: 1354، وجامع الترمذي، حديث: 1406، و سنن أبي داود، حديث: 2017، و سنن ابن ماجه، حديث: 3109، وسنن النسائي، حديث: 2879)

[3] یعنی میرا کام صرف تبلیغ ہے۔ میری دعوت و تبلیغ سے جو مسلمان ہو جائے گا، اس میں اسی کا فائدہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا اور جو میری دعوت کو نہیں مانے گا تو میرا کیا؟ اللہ تعالیٰ خود ہی اس سے حساب لے لے گا اور اسے جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائے گا۔

[4] کہ جو کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک حجت قائم نہیں کر دیتا۔ اسی لیے آگے فرمایا: فَتَعْرِفُوْنَهَا ''تو تم انھیں (نشانیوں کو) پہچان لو گے۔''

[5] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:53) ''ہم انھیں آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر حق واضح ہو جائے۔'' اگر زندگی میں یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے تو موت کے وقت تو ان نشانیوں کو دیکھ کر وہ ضرور پہچان لیتے ہیں لیکن اس وقت کی معرفت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اس لیے کہ اس وقت کا ایمان مقبول نہیں۔

[6] بلکہ ہر چیز کو وہ دیکھ رہا ہے۔ اس میں کافروں کے لیے ترہیب شدید اور تہدید عظیم ہے۔

ایاتہا: 88 (28) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (49) رکوعاتہا: 9

سورۂ قصص مکی ہے، اس میں 88 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا

طٰسٓمّٓ ① یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں ② ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح واقعہ بیان فرماتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ③ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی [1] اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا [2] اور ان میں سے ایک فرقے کو کمزور کر رکھا تھا [3] اور ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر ڈالتا تھا [4] اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بے شک وہ تھا ہی مفسدوں میں سے ④ پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنھیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انھی کو پیشوا اور (زمین کا) وارث بنائیں ⑤ [5] اور یہ بھی کہ ہم انھیں زمین میں قدرت و اختیار دیں [6] اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو [7]

---

① یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحیٔ الٰہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس طریقے سے بیان کر دینا جس طرح وہ پیش آئے، ناممکن ہے، تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہوگا کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

② یعنی ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنے کو بڑا معبود کہلاتا تھا۔

③ جن کے ذمے الگ الگ کام اور ڈیوٹیاں تھیں۔

④ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو اس وقت کی افضل ترین قوم تھی لیکن ابتلا و آزمائش کے طور پر فرعون کی غلام اور اس کی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔

⑤ جس کی وجہ فرعون کا ایک خواب دیکھنا تھا جس کی تعبیر معبرین نے یہ کی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں فرعون کی ہلاکت اور اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ (تفسیر اللباب) جس کا حل اس نے یہ نکالا کہ ہر پیدا ہونے والا اسرائیلی بچہ قتل کر دیا جائے، حالانکہ اس احمق نے یہ نہیں سوچا کہ اگر خواب کی یہی تعبیر ہے تو ایسا یقیناً ہو کر رہے گا، چاہے وہ بچے قتل کرواتا رہے۔ اور اگر خواب کی یہ تعبیر نہیں ہے تو قتل کروانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ خوشخبری منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی کہ ان کی نسل سے ایک بچہ ہوگا جس کے ہاتھوں سلطنت مصر کی تباہی ہوگی۔ قبطیوں نے یہ بشارت بنی اسرائیل سے سنی اور فرعون کو اس سے آگاہ کر دیا جس پر اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ (ابن کثیر)

⑥ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کمزور اور غلام قوم کو مشرق و مغرب کا وارث (مالک و حکمران) بنا دیا۔ (الأعراف 137:7) نیز انھیں دین کا پیشوا اور امام بھی بنا دیا۔

كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝٦ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝٨ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ

وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں⑥۔[1] ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی[2] کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہادینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج وغم نہ کرنا،[3] ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں[4] اور اسے اپنے پیغمبروں میں بنانے والے ہیں⑦ آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا،[5] اس لیے کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لیے موجب غم ہو[6] کچھ شک نہیں کہ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے ہی خطا کار⑧[7] اور فرعون کی بیوی نے کہا: یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی

---

⑦ یہاں زمین سے مراد ارض شام ہے جہاں وہ کنعانیوں کی زمین کے وارث بنے۔ واللہ أعلم.

① یعنی انھیں جو اندیشہ تھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں فرعون کی اور اس کے ملک ولشکر کی تباہی ہوگی، ان کے اس اندیشے کو ہم نے حقیقت کر دکھایا۔

② وحی سے مراد یہاں دل میں بات ڈالنا ہے، وہ وحی نہیں ہے جو انبیاء پر فرشتے کے ذریعے سے نازل کی جاتی تھی اور اگر فرشتے کے ذریعے سے بھی آئی ہو، تب بھی اس ایک وحی سے ام موسیٰ علیہا السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ فرشتے بعض دفعہ عام انسانوں کے پاس بھی آجاتے ہیں، جیسے حدیث میں کوڑھی، پھلبہری والے اور اندھے کے پاس فرشتوں کا آنا ثابت ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3464، وصحیح مسلم، حدیث: 2964)

③ یعنی دریا میں ڈوب جانے یا ضائع ہوجانے کا خوف نہ رکھنا اور اس کی جدائی کا غم نہ کرنا۔

④ یعنی ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کی نجات یقینی ہو، کہتے ہیں کہ جب قتل اولاد کا یہ سلسلہ زیادہ ہوا تو فرعون کی قوم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں بنی اسرائیل کی نسل ہی ختم نہ ہوجائے اور پھر مشقت والے کام ہمیں نہ کرنے پڑیں۔ اس اندیشے کا ذکر انھوں نے فرعون سے کیا جس پر نیا حکم جاری کر دیا گیا کہ ایک سال بچے قتل کیے اور ایک سال چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جس میں بچے قتل نہیں کیے جاتے تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام قتل والے سال میں پیدا ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا سروسامان اس طرح پیدا فرمایا کہ ایک تو ان کی والدہ پر حمل کے آثار اس طرح ظاہر نہیں فرمائے جس سے وہ فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نگاہ میں آجائیں، اس لیے ولادت کا مرحلہ تو خاموشی کے ساتھ ہوگیا اور یہ واقعہ حکومت کے منصوبہ بندوں کے علم میں نہیں آیا لیکن ولادت کے بعد قتل کا اندیشہ موجود تھا جس کا حل خود اللہ تعالیٰ نے وحی والقا کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو سمجھا دیا، چنانچہ انھوں نے اسے تابوت میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر)

⑤ یہ تابوت بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا جو لب دریا ہی تھا اور وہاں فرعون کے نوکروں چاکروں نے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

⑥ یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی انھوں نے تو اسے اپنا بچہ اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا کر لیا تھا نہ کہ دشمن سمجھ کر لیکن انجام ان کے اس فعل کا یہ ہوا کہ وہ ان کا دشمن اور رنج وغم کا باعث ثابت ہوا۔

⑦ یہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے لیے دشمن کیوں ثابت ہوئے؟ اس لیے کہ وہ سب اللہ کے نافرمان اور خطا کار تھے،

وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو،[1] بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنالیں[2] اور یہ لوگ شعور ہی نہ رکھتے تھے⑨[3] موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہوگیا،[4] قریب تھیں کہ اس واقعہ کو بالکل ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو ڈھارس نہ دے دیتے یہ اس لیے کہ وہ یقین کرنے والوں میں رہے⑩[5] اس (موسیٰ کی والدہ) نے اس کی بہن[6] سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی[7] اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہ ہوا⑪ ان (کے پہنچنے) سے پہلے ہم نے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔[8] یہ کہنے لگیں کہ کیا میں تمھیں[9] ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچے کی تمھارے لیے پرورش کرے اور ہوں بھی وہ اس بچے کے خیر خواہ⑫ پس ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس پہنچایا[10] تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں

اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے پروردہ کو ہی ان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیا۔

[1] یہ اس وقت کہا جب تابوت میں ایک حسین و جمیل بچہ انھوں نے دیکھا۔ بعض کے نزدیک یہ اس وقت کا قول ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی کے بال نوچ لیے تھے تو فرعون نے ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ (أيسر التفاسير) جمع کا صیغہ یا تو اکیلے فرعون کے لیے بطور تعظیم کے کہا یا ممکن ہے وہاں اس کے کچھ درباری موجود رہے ہوں۔

[2] کیونکہ فرعون اولاد سے محروم تھا۔

[3] کہ یہ بچہ جسے وہ اپنا بچہ بنا رہے ہیں، یہ تو وہی بچہ ہے جس کو مارنے کے لیے سینکڑوں بچوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔

[4] یعنی ان کا دل ہر چیز اور فکر سے فارغ (خالی) ہوگیا اور ایک ہی فکر، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا غم دل میں سما گیا جس کو اردو میں بے قراری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

[5] یعنی شدت غم سے یہ ظاہر کر دیتیں کہ یہ ان کا بچہ ہے لیکن اللہ نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا جس پر انھوں نے صبر کیا اور یقین کر لیا کہ اللہ نے اس موسیٰ علیہ السلام کو بخیریت واپس لوٹانے کا جو وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہوگا۔

[6] خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام مریم بنت عمران تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بنت عمران تھیں۔ ناموں میں اتحاد تھا۔

[7] چنانچہ وہ دریا کے کنارے کنارے دیکھتی رہی تھی حتیٰ کہ اس نے دیکھ لیا کہ اس کا بھائی فرعون کے محل میں چلا گیا ہے۔

[8] یعنی ہم نے اپنی قدرت اور تکوینی حکم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کے علاوہ کسی اور انّا کا دودھ پینے سے منع کر دیا، چنانچہ بسیار کوشش کے باوجود کوئی انّا انھیں دودھ پلانے اور چپ کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

[9] یہ سب منظر ان کی ہمشیرہ خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں کہ "میں تمھیں ایسا گھرانا بتاؤں جو اس بچے کی تمھارے لیے پرورش کرے۔"

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮

اور آزردہ خاطر نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ① لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے⑬ ② اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے ہم نے انھیں حکمت و علم عطا فرمایا، ③ نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں⑭ اور موسیٰ ایک ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ شہر کے لوگ غفلت میں تھے۔ ④ یہاں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا، یہ ایک تو اس کے رفیقوں میں سے تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے، ⑤ اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا، اس سے فریاد کی، جس پر موسیٰ نے اس کو مکا مارا جس سے وہ مر گیا موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے، ⑥ یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے⑮ ⑦

⑫ چنانچہ انھوں نے ہمشیرۂ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جا اس عورت کو لے آ، چنانچہ وہ دوڑی دوڑی گئی اور اپنی ماں کو، جو موسیٰ علیہ السلام کی بھی ماں تھی، ساتھ لے آئی۔

① جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا تو فرعون نے والدۂ موسیٰ سے محل میں رہنے کی استدعا کی تاکہ بچے کی صحیح پرورش اور نگہداشت ہو سکے لیکن انھوں نے کہا کہ میں اپنے خاوند اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی اپنے گھر لے جائیں اور وہیں اس کی پرورش کریں اور اس کی اجرت انھیں شاہی خزانے سے دی جائے گی، سبحان اللہ! اللہ کی قدرت کے کیا کہنے! دودھ اپنے بچے کو پلائیں اور تنخواہ فرعون سے وصول کریں، رب نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹانے کا وعدہ کس احسن طریقے سے پورا فرمایا۔ ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ﴾ (یٰس 83:36) ایک مرسل روایت میں ہے۔ ”اس کاریگر کی مثال، جو اپنی بنائی ہوئی چیز میں ثواب اور خیر کی نیت بھی رکھتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح ہے جو اپنے ہی بچے کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی اجرت بھی وصول کرتی ہے۔“ (مراسيل أبي داود، حديث: 332)

② یعنی بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے انجام کی حقیقت سے اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں لیکن اللہ کو اس کے حسن انجام کا علم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ”ہو سکتا ہے جس چیز کو تم برا سمجھو، اس میں تمھارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو تم پسند کرو، اس میں تمھارے لیے شر کا پہلو ہو۔“ (البقرۃ 216:2) دوسرے مقام پر فرمایا: ”ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور اللہ اس میں تمھارے لیے خیر کثیر پیدا فرما دے۔“ (النسآء 19:4) اس لیے انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے قطع نظر ہر معاملے میں اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کرے کہ اسی میں اس کے لیے خیر اور حسن انجام ہے۔

③ حکم اور علم سے مراد اگر نبوت ہے تو اس مقام تک کس طرح پہنچے، اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نبوت نہیں بلکہ عقل و دانش اور وہ علوم ہیں جو انھوں نے اپنے آبائی اور خاندانی ماحول میں رہ کر سیکھے۔

④ اس سے بعض نے مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت اور بعض نے نصف النہار مراد لیا ہے۔ جب لوگ آرام کر رہے ہوتے ہیں۔

⑤ یعنی فرعون کی قوم قبط میں سے تھا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿16﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ ﴿17﴾ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿18﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿19﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ

پھر کہنے لگے کہ اے پروردگار! میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف فرما دے،[1] اللہ نے اسے بخش دیا، وہ بخشش اور بہت مہربانی کرنے والا ہے﴿16﴾ کہنے لگا: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا میں بھی اب ہرگز کسی گناہ گار کا مددگار نہ بنوں گا﴿17﴾[2] صبح ہی صبح ڈرتے[3] اندیشے کی حالت میں خبریں لینے کو شہر میں گئے کہ اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی ان سے فریاد کر رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں تُو تو صریح گمراہ ہے﴿18﴾[4] پھر جب اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑنا چاہا،[5] وہ فریادی کہنے لگا کہ[6] موسیٰ کیا جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتا ہے تُو تو ملک میں ظالم و سرکش ہونا ہی چاہتا ہے اور تیرا یہ ارادہ ہی نہیں کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو﴿19﴾ شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا[7]

⑤ اسے شیطانی فعل اس لیے قرار دیا کہ قتل ایک نہایت سنگین جرم ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اسے ہرگز قتل کرنا نہیں تھا۔

⑦ جس کی انسان سے دشمنی بھی واضح ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ جو جو جتن کرتا ہے، وہ بھی مخفی نہیں۔

① یہ اتفاقیہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ نہیں تھا کیونکہ کبائر سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت فرماتا ہے، تاہم یہ بھی ایسا گناہ نظر آتا تھا جس کے لیے بھی بخشش انھوں نے ضروری سمجھی۔

② یعنی جو کافر اور تیرے حکموں کا مخالف ہوگا تُو نے مجھ پر جو انعام کیا ہے، اس کے سبب میں اس کا مددگار نہیں ہوں گا۔ بعض نے اس انعام سے مراد اس گناہ کی معافی لی ہے جو غیر ارادی طور پر قبطی کے قتل کی صورت میں ان سے صادر ہوا۔

③ ﴿خَآىِٕفًا﴾ کے معنی ڈرتے ہوئے ﴿یَتَرَقَّبُ﴾ ادھر ادھر جھانکتے اور اپنے بارے میں اندیشوں میں مبتلا۔

④ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ تو کل بھی لڑتا ہوا پایا گیا تھا اور آج پھر تو کسی سے دست بہ گریبان ہے تو تو صریح بے راہ، یعنی جھگڑالو ہے۔

⑤ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ قبطی کو پکڑلیں کیونکہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا تاکہ لڑائی زیادہ نہ بڑھے۔

⑥ فریادی (اسرائیلی) سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام شاید اسے پکڑنے لگے ہیں تو وہ بول اٹھا کہ اے موسیٰ! ﴿اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ﴾ جس سے قبطی کے علم میں یہ بات آگئی کہ کل جو قتل ہوا تھا، اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے، اس نے جا کر فرعون کو بتلا دیا جس پر فرعون نے اس کے بدلے میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا عزم کر لیا۔

⑦ یہ آدمی کون تھا؟ بعض کے نزدیک یہ فرعون کی قوم سے تھا جو درپردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ تھا۔ اور ظاہر ہے سرداروں کے مشورے کی خبر ایسے ہی آدمی کے ذریعے آنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض کے نزدیک یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتے دار اور اسرائیلی تھا۔

يَسْعٰى ۚ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿20﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿21﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿22﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿23﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿24﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا

اور کہنے لگا موسیٰ! یہاں کے سردار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، پس تو بہت جلد چلا جا مجھے اپنا خیر خواہ مان ﴿20﴾ پس موسیٰ وہاں سے خوفزدہ ہو کر دیکھتے بھالتے نکل کھڑے ہوئے،[1] کہنے لگے: اے پروردگار! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا لے ﴿21﴾[2] اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہنے لگے: مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا ﴿22﴾[3] مدین کے پانی پر جب آپ پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے[4] اور دو عورتیں الگ کھڑی (اپنے جانوروں کو) روکتی ہوئی دیکھیں، پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟[5] وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں[6] اور ہمارے والد بہت بڑی عمر کے بوڑھے ہیں ﴿23﴾[7] پس آپ نے خود ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سائے کی طرف ہٹ آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے، میں اس کا محتاج ہوں ﴿24﴾[8] اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک

اور اقصائے شہر سے مراد منف ہے جہاں فرعون کا محل اور دارالحکومت تھا اور یہ شہر کے آخری کنارے پر تھا۔

① جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں یہ بات آئی تو وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت میں نہ آ سکیں۔

② یعنی فرعون اور اس کے درباریوں سے جنھوں نے باہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیونکہ مصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا، پہلے سے کوئی خیال یا منصوبہ نہیں تھا، چنانچہ اللہ نے گھوڑے پر ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے انھیں راستے کی نشاندہی کی۔ واللہ أعلم. (ابن کثیر)

③ چنانچہ اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ایسے سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی فرما دی جس سے ان کی دنیا بھی سنور گئی اور آخرت بھی، یعنی وہ ہادی بھی بن گئے اور مہدی بھی، خود بھی ہدایت یافتہ اور دوسروں کو بھی ہدایت کا راستہ بتلانے والے۔

④ یعنی جب مدین پہنچے تو اس کے گھاٹ پر دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا ہے۔ مدین یہ قبیلے کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے (حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے) تھے۔ یوں اہل مدین اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نسبی تعلق بھی تھا۔ (أیسر التفاسیر) اور یہی حضرت شعیب علیہ السلام کا مسکن و مبعث بھی تھا۔

⑤ دو عورتوں کو اپنے جانور روکے کھڑے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رحم آیا اور ان سے پوچھا: کیا بات ہے تم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتیں؟

⑥ تاکہ مردوں سے ہمارا اختلاط نہ ہو۔ ﴿الرِّعَآءُ﴾ راع (چرواہا) کی جمع ہے۔

تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿25﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿26﴾ قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤی اَنْ

ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، [1] کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے (جانوروں) کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت دیں، [2] جب موسیٰ ان کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے: اب نہ ڈر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی ﴿25﴾ [3] ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جی! آپ انھیں مزدوری پر رکھ لیجیے کیونکہ جنھیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو ﴿26﴾ [4] اس بزرگ نے کہا: میں اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کو آپ کے نکاح

[7] اس لیے وہ خود گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے نہیں آ سکتے۔

[8] حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنا لمبا سفر کر کے مصر سے مدین پہنچے تھے، کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا جبکہ سفر کی تکان اور بھوک سے نڈھال تھے، چنانچہ جانوروں کو پانی پلا کر ایک درخت کے سائے تلے آ کر مصروف دعا ہو گئے۔ خیر کئی چیزوں پر بولا جاتا ہے، کھانے پر، امور خیر اور عبادات پر، قوت وطاقت پر اور مال پر۔ (أیسر التفاسیر) یہاں اس کا اطلاق کھانے پر ہوا ہے، یعنی میں اس وقت کھانے کا ضرورت مند ہوں۔

[1] اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی اور دونوں میں سے ایک لڑکی انھیں بلانے آ گئی۔ لڑکی کی شرم وحیا کا قرآن نے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ یہ عورت کا اصل زیور ہے۔ اور حیا وحجاب سے بے نیازی اور بے باکی عورت کے لیے شرعاً بھی ناپسندیدہ ہے عرفاً بھی۔

[2] لڑکیوں کا باپ کون تھا؟ قرآن کریم نے صراحت سے کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مفسرین کی اکثریت نے اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کو لیا ہے جو اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانۂ نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا ہے، اس لیے یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا کوئی اور قوم شعیب علیہ السلام کا شخص مراد ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لڑکیوں کے ساتھ جو ہمدردی اور احسان کیا، وہ انھوں نے جا کر بوڑھے باپ کو بتلایا جس سے باپ کے دل میں بھی داعیہ پیدا ہوا کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دیا جائے یا اس کی محنت کی اجرت ہی ادا کر دی جائے۔

[3] یعنی اپنے مصر کی سرگزشت اور فرعون کے ظلم وستم کی تفصیل سنائی جس پر انھوں نے کہا کہ یہ علاقہ فرعون کی حدود حکمرانی سے باہر ہے، اس لیے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے ظالموں سے نجات عطا فرما دی ہے۔

[4] بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ باپ نے لڑکیوں سے پوچھا تمھیں کس طرح معلوم ہے کہ یہ طاقت ور بھی ہے اور امانت دار بھی۔ جس پر لڑکیوں نے بتلایا کہ جس کنویں سے پانی پلایا، اس پر اتنا بھاری پتھر رکھا ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے دس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ اس شخص نے وہ پتھر اکیلے ہی اٹھالیا اور پھر بعد میں رکھ دیا۔ اسی طرح جب میں اس کو بلا کر اپنے ساتھ لا رہی تھی تو چونکہ راستے کا علم مجھے ہی تھا، میں آگے آگے چل رہی تھی اور یہ پیچھے پیچھے لیکن ہوا سے میری چادر اڑ جاتی تھی تو اس شخص نے کہا کہ تو پیچھے چل میں آگے آگے چلتا ہوں تا کہ میری نگاہ تیرے جسم کے کسی حصے پر نہ پڑے۔ راستے کی نشاندہی کے لیے

تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿27﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿28﴾ ع فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿29﴾

میں دینا چاہتا ہوں [1] اس پر کہ آپ آٹھ سال تک میرا کام کاج کریں۔ [2] ہاں اگر آپ دس سال پورے کریں تو یہ آپ کی طرف سے بطورِ احسان کے ہے میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کسی مشقت میں ڈالوں، [3] اللہ کو منظور ہے تو آگے چل کر آپ مجھے بھلا آدمی پائیں گے ﴿27﴾ [4] موسیٰ نے کہا: خیر تو یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پختہ ہوگئی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جسے پورا کروں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو، [5] ہم یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کارساز ہے ﴿28﴾ [6] جب موسیٰ نے مدت [7] پوری کرلی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے [8] تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو ﴿29﴾

پیچھے سے پتھر، کنکری ماردیا کر۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَالِ صِحَّتِهِ. (ابن كثير)

[1] ہمارے علاقوں میں کسی لڑکی والے کی طرف سے نکاح کی خواہش کا اظہار معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شریعت الٰہیہ میں یہ مذموم نہیں ہے۔ صفات محمودہ کا حامل لڑکا اگر مل جائے تو اس سے یا اس کے گھر والوں سے اپنی لڑکی کے لیے رشتے کی بابت بات چیت کرنا برا نہیں ہے بلکہ محمود اور پسندیدہ ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی یہی طریقہ تھا۔

[2] اس سے علماء نے اجارے کے جواز پر استدلال کیا ہے، یعنی کرائے اور اجرت پر مرد کی خدمات حاصل کرنا جائز ہے۔

[3] یعنی مزید دو سال کی خدمت میں مشقت اور ایذا محسوس کریں تو آٹھ سال کے بعد جانے کی اجازت ہوگی۔

[4] نہ جھگڑا کروں گا نہ اذیت پہنچاؤں گا نہ سختی سے کام لوں گا۔

[5] یعنی آٹھ سال کے بعد یا دس سال کے بعد جانا چاہوں تو مجھ سے مزید رہنے کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

[6] یہ بعض کے نزدیک شعیب یا برادر زادۂ شعیب علیہ السلام کا قول ہے اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ممکن ہے دونوں ہی کی طرف سے ہو کیونکہ جمع کا صیغہ ہے گویا دونوں نے اس معاملے پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان کی لڑکی اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہوگیا۔ باقی تفصیلات اللہ نے ذکر نہیں کی ہیں۔ ویسے اسلام میں طرفین کی رضامندی کے ساتھ صحت نکاح کے لیے دو عادل گواہ بھی ضروری ہیں۔

[7] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس مدت سے دس سالہ مدت مراد لی ہے کیونکہ یہی اکمل اور اطیب (خسر موسیٰ علیہ السلام کے لیے خوشگوار اور مرغوب) تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کریمانہ اخلاق نے اپنے بوڑھے خسر کی دلی خواہش کے خلاف کرنا پسند نہیں کیا۔ (فتح الباري: 358/5، حدیث: 2684)

[8] اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿30﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿31﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿33﴾ وَاَخِيْ

پس جب وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیے گئے [1] کہ اے موسیٰ! یقیناً میں اللہ ہی ہوں، سارے جہانوں کا پروردگار ﴿30﴾ [2] اور یہ آواز بھی آئی کہ اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح پھن پھنا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہوگئے اور مڑ کر رخ بھی نہ کیا، (ہم نے کہا:) اے موسیٰ! آگے آ، ڈر مت، یقیناً تو ہر طرح امن والا ہے ﴿31﴾ [3] اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال وہ بغیر کسی قسم کے روگ کے چمکتا ہوا نکلے گا، بالکل سفید [4] اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنے بازو اپنی طرف ملا لے، [5] پس یہ دونوں معجزے تیرے لیے تیرے رب کی طرف سے ہیں فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، یقیناً وہ سب کے سب بے حکم اور نافرمان لوگ ہیں ﴿32﴾ [6] موسیٰ نے کہا: اے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں ﴿33﴾ [7] اور میرا بھائی

---

[1] یعنی آواز وادی کے کنارے سے آرہی تھی جو مغربی جانب سے پہاڑ کے دائیں طرف تھی، یہاں درخت سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے جو دراصل رب کی تجلی کا نور تھا۔

[2] یعنی اے موسیٰ! تجھ سے جو اس وقت مخاطب اور ہم کلام ہے، وہ میں اللہ ہوں رب العالمین۔

[3] یہ موسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ ہے جو کوہ طور پر نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد ان کو ملا۔ چونکہ معجزہ خرق عادت معاملے کو کہا جاتا ہے، یعنی جو عام عادات اور اسباب کے خلاف ہو۔ ایسا معاملہ چونکہ اللہ کے حکم اور مشیت سے ظاہر ہوتا ہے کسی بھی انسان کے اختیار سے نہیں۔ چاہے وہ جلیل القدر پیغمبر اور نبی مقرب ہی کیوں نہ ہو، اس لیے جب موسیٰ علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی لاٹھی زمین پر پھینکنے سے حرکت کرتی اور دوڑتی پھنکارتی سانپ بن گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ڈر گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بتلایا اور تسلی دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف دور ہوا اور یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کے لیے بطور دلیل یہ معجزہ انھیں عطا فرمایا ہے۔

[4] یہ یَدِ بَیْضَاءَ دوسرا معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا (جیسا کہ پہلے بھی گزرا)۔

[5] لاٹھی کے اژدہا بن جانے کی صورت میں جو خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاحق ہوتا تھا، اس کا حل بتلا دیا گیا کہ اپنا بازو اپنی طرف ملا لیا کر، یعنی بغل میں دبا لیا کر، جس سے خوف جاتا رہا کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عام ہے کہ جب بھی کسی سے کوئی خوف محسوس ہو تو اس طرح کرنے سے خوف دور ہو جائے گا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں جو شخص بھی گھبراہٹ کے موقع پر اپنے دل پر ہاتھ رکھے گا تو اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا یا کم از کم ہلکا ہو جائے گا۔ إن شاء اللّٰه.

[6] یعنی فرعون اور اس کی جماعت کے سامنے یہ دونوں معجزے اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرو۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے

هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿34﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿35﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿36﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

56

ہارون مجھ سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے تو اسے بھی میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج [1] کہ میری تصدیق کرے، مجھے تو خوف ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے ﴿34﴾ اللہ نے فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے [2] اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے۔ [3] بسبب ہماری نشانیوں کے تم دونوں اور تمھاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے ﴿35﴾ [4] پس جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے دیے ہوئے کھلے معجزے لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے: یہ تو صرف گھڑا گھڑایا جادو ہے ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں کبھی یہ نہیں سنا ﴿36﴾ [5] موسیٰ کہنے لگے: میرا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آتا ہے [6] اور جس کے لیے آخرت کا (اچھا)

نکل چکے ہیں اور اللہ کے دین کے مخالف ہیں۔

﴿7﴾ یہ وہ خطرہ تھا جو واقعی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان کو لاحق تھا کیونکہ ان کے ہاتھوں ایک قبطی کا قتل ہو چکا تھا۔

﴿1﴾ اسرائیلی روایات کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا انگارہ اور کھجور یا موتی رکھے گئے تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس سے آپ کی زبان جل گئی۔ یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں، تاہم قرآن کریم کی اس نص سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی۔ جس کے کھولنے کی دعا انھوں نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کی۔ ﴿رِدْاً﴾ کے معنی ہیں: معین، مددگار، تقویت پہنچانے والا، یعنی ہارون علیہ السلام اپنی فصاحت لسانی سے مجھے مدد اور تقویت پہنچائیں گے۔

﴿2﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی گئی اور ان کی سفارش پر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر ان کا ساتھی اور مددگار بنا دیا گیا۔

﴿3﴾ یعنی ہم تمھاری حفاظت فرمائیں گے، فرعون اور اس کے حوالی موالی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

﴿4﴾ یہ وہی مضمون ہے جو قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان کیا گیا۔ (مثلاً: المآئدة 5:67، الأحزاب 33:39، المجادلة 58:21 اور المؤمن 40:51,52)

﴿5﴾ یعنی یہ دعوت کہ کائنات میں صرف ایک ہی اللہ اس بات کے لائق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ ہمارے لیے بالکل نئی ہے۔ یہ ہم نے سنی ہے نہ ہمارے باپ دادا اس توحید سے واقف تھے۔ مشرکین مکہ نے بھی نبی ﷺ کی بابت کہا تھا: ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (صٓ 38:5) ”اس نے تو تمام معبودوں کو (ختم کر کے) ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔“

﴿6﴾ یعنی مجھ سے اور تم سے زیادہ ہدایت کا جاننے والا اللہ ہے، اس لیے جو بات اللہ کی طرف سے آئے گی، وہ صحیح ہو گی یا تمھارے اور

عَاقِبَةُ الدَّارِؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

انجام ہوتا ہے۔ [1] یقیناً بے انصافوں کا بھلا نہ ہوگا(37) [2] فرعون کہنے لگا: اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔ سن اے ہامان! تو میرے لیے مٹی کو آگ سے پکوا، [3] پھر میرے لیے ایک محل تعمیر کر تو میں موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں، [4] اسے میں تو جھوٹوں میں سے ہی گمان کر رہا ہوں(38) [5] اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا [6] اور سمجھ لیا کہ وہ ہماری جانب لوٹائے ہی نہ جائیں گے(39) بالآخر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں پھینک ڈالا، [7] اب دیکھ لے کہ ان گناہ گاروں کا انجام کیسا ہوا؟(40)

تمھارے باپ دادوں کی؟

① اچھے انجام سے مراد آخرت میں اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جانا ہے اور یہ استحقاق صرف اہل توحید کے حصے میں آئے گا۔

② ظالم سے مراد مشرک اور کافر ہیں کیونکہ ظلم کے معنیٰ ہیں: وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا۔ مشرک بھی چونکہ الوہیت کے مقام پر ایسے لوگوں کو بٹھا دیتے ہیں جو اس کے مستحق نہیں ہوتے۔ اسی طرح کافر بھی رب کے اصل مقام سے نا آشنا ہی رہتے ہیں، اس لیے یہ لوگ سب سے بڑے ظالم ہیں اور یہ کامیابی سے، یعنی آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت سے محروم رہیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ دنیا میں خوش حالی اور مال و اسباب کی فراوانی حقیقی کامیابی نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عارضی کامیابی اہل کفر و شرک کو بھی دنیا میں مل جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے کامیابی کی نفی فرما رہا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے نہ کہ دنیا کی چند روزہ عارضی خوشحالی و فراوانی۔

③ یعنی مٹی کو آگ میں تپا کر اینٹیں تیار کر۔ ہامان فرعون کا وزیر، مشیر اور اس کے معاملات کا انتظام کرنے والا تھا۔

④ یعنی ایک اونچا اور مضبوط محل تیار کر جس پر چڑھ کر میں آسمان پر یہ دیکھ سکوں کہ وہاں میرے سوا کوئی اور رب ہے؟

⑤ یعنی موسیٰ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمانوں پر رب ہے جو ساری کائنات کا پالنہار ہے، میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

⑥ زمین سے مراد ارض مصر ہے جہاں فرعون حکمران تھا اور استکبار کا مطلب، بغیر استحقاق کے اپنے کو بڑا سمجھنا ہے، یعنی ان کے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے دلائل و معجزات کا رد کر سکتی لیکن استکبار بلکہ عدوان کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے ہٹ دھرمی اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔

⑦ یعنی جب ان کا کفر و طغیان حد سے بڑھ گیا اور کسی طرح بھی وہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے تو بالآخر ایک صبح ہم نے انھیں دریا میں غرق کر دیا۔ (جس کی تفصیل سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿42﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۤىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿43﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿44﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ

اور ہم نے انھیں ایسے امام بنادیا کہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلائیں [1] اور روزِ قیامت مطلق مدد نہ کیے جائیں ﴿41﴾ اور ہم نے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے اپنی لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ﴿42﴾ [2] اور ان اگلے زمانے والوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت فرمائی [3] جو لوگوں کے لیے دلیل اور ہدایت و رحمت بن کر آئی تھی [4] تاکہ وہ نصیحت حاصل کرلیں ﴿43﴾ [5] اور طور کے مغربی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی نہ تو تو موجود تھا اور نہ تو دیکھنے والوں میں سے تھا ﴿44﴾ [6] لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں [7] جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں، [8]

① یعنی جو بھی ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کی توحید یا اس کے وجود کے منکر ہوں گے تو ان کا امام و پیشوا یہی فرعونی سمجھے جائیں گے جو جہنم کے داعی ہیں۔

② یعنی دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اور آخرت میں بھی وہ بدحال ہوں گے، یعنی چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلگوں جیسا کہ جہنمیوں کے تذکرے میں آتا ہے۔

③ یعنی فرعون اور اس کی قوم یا قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ کی ہلاکت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) دی۔

④ جس سے وہ حق کو پہچان لیں اور اسے اختیار کریں اور اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں۔

⑤ یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت کریں جو انھیں خیر و رشد اور فلاح حقیقی کی طرف بلاتے ہیں۔

⑥ یعنی کوہ طور پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسے وحی و رسالت سے نوازا، اے محمد! تو نہ وہاں موجود تھا اور نہ یہ منظر دیکھنے والوں میں سے تھا۔ بلکہ یہ غیب کی وہ باتیں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے سے تجھے بتلا رہے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ تو اللہ کا سچا پیغمبر ہے کیونکہ نہ تو نے یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں نہ خود ہی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ آل عمران 44:3، سورۂ ہود 100,49:11، سورۂ یوسف 102:12 اور سورۂ طٰہٰ 99:20 وغیرھا من الآیات۔

⑦ ﴿قُرُوْنًا﴾ قَرْن کی جمع ہے، زمانہ۔ لیکن یہاں امتوں کے معنی میں ہے، یعنی اے محمد! آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جو زمانہ ہے اس میں ہم نے کئی امتیں پیدا کیں۔

⑧ یعنی مرورِ ایام سے شرائع و احکام بھی متغیر ہو گئے اور لوگ بھی دین کو بھول گئے جس کی وجہ سے انھوں نے اللہ کے حکموں کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عہد کو فراموش کر دیا اور یوں اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ایک نئے نبی کو مبعوث کیا جائے یا یہ مطلب ہے کہ طول زمان کی وجہ سے عرب کے لوگ نبوت و رسالت کو بالکل ہی بھلا بیٹھے، اس لیے آپ کی نبوت پر انھیں تعجب ہو رہا ہے اور اسے

الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿45﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿46﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۗ وَقَالُوْٓا

اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا[1] کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے رہے ﴿45﴾[2] اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے آواز دی[3] بلکہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے،[4] اس لیے کہ تو ان لوگوں کو ہوشیار کردے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا،[5] کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں ﴿46﴾ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انھیں ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم تیری آیتوں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں سے ہوجاتے ﴿47﴾[6] پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آپہنچا تو کہتے ہیں کہ یہ وہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے موسیٰ دیے گئے تھے،[7] اچھا تو کیا موسیٰ کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کے ساتھ لوگوں نے کفر نہیں کیا تھا،[8] صاف کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم

ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

① جس سے آپ خود اس واقعے کی تفصیلات سے آگاہ ہوجاتے۔

② اور اسی اصول سے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور پچھلے حالات وواقعات سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں۔

③ یعنی اگر آپ رسول برحق نہ ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے کا علم بھی آپ کو نہ ہوتا۔

④ یعنی آپ کا یہ علم، مشاہدہ ورؤیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے آپ کو نبی بنایا اور وحی سے نوازا۔

⑤ اس سے مراد اہل مکہ اور عرب ہیں۔ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور دونوں اللہ کے پیغمبر ہیں، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب ہیں اور اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں ان کا نام اسرائیل بھی ہے اور آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے معروف ہے۔ اولاد ابراہیم میں سے انبیاء انھی میں سے آتے رہے۔ بنو اسماعیل میں سے اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ سے پہلے اہل مکہ کو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔

⑥ یعنی ان کے اسی عذر کو ختم کرنے کے لیے ہم نے آپ کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے کیونکہ طول زمانی کی وجہ سے گزشتہ انبیاء کی تعلیمات مسخ اور ان کی دعوت فراموش ہوچکی ہے اور ایسے ہی حالات کسی نئے نبی کی ضرورت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن وحدیث) کو مسخ ہونے اور تغییر وتحریف سے محفوظ رکھا ہے اور ایسا تکوینی انتظام فرمادیا ہے جس سے آپ کی دعوت دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی ہے اور مسلسل پہنچ رہی ہے تاکہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ اور جو شخص اس ''ضرورت'' کا دعویٰ کرکے نبوت کا ڈھونگ رچاتا ہے، وہ جھوٹا اور دجال ہے۔

اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿49﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿50﴾ ۧ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿51﴾ ع 5/8/8

تو ان سب کے منکر ہیں ﴿48﴾ [1] کہہ دے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اسی کی پیروی کروں گا ﴿49﴾ [2] پھر اگر یہ تیری نہ مانیں [3] تو تُو یقین کر لے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہو [4] بغیر اللہ کی راہنمائی کے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿50﴾ [5] اور ہم برابر پے در پے لوگوں کے لیے اپنا کلام لاتے رہے [6] تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ﴿51﴾ [7]

---

⑦ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات، جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا چمکنا وغیرہ۔

⑧ یعنی مطلوبہ معجزات اگر دکھا بھی دیے جائیں تو کیا فائدہ؟ جنھوں نے ایمان نہیں لانا، وہ ہر طرح کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ معجزات دیکھ کر فرعونی مسلمان ہو گئے تھے، انھوں نے کفر نہیں کیا؟ یا ﴿يَكْفُرُوْا﴾ کی ضمیر قریش مکہ کی طرف ہے، یعنی کیا انھوں نے نبوت محمد یہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر نہیں کیا؟

① پہلے مفہوم کے اعتبار سے دونوں سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہوں گے اور ﴿سِحْرٰنِ﴾ بمعنی سَاحِران ہوگا۔ اور دوسرے مفہوم میں اس سے قرآن اور تورات مراد ہوں گے، یعنی دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور ہم سب کے، یعنی موسیٰ علیہ السلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر ہیں۔ (فتح القدیر)

② یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ قرآن مجید اور تورات دونوں جادو ہیں تو تم کوئی اور کتاب الٰہی پیش کر دو جو ان سے زیادہ ہدایت والی ہو، میں اس کی پیروی کر لوں گا کیونکہ میں تو ہدایت کا طالب اور اس کا پیروکار ہوں۔

③ یعنی قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت والی کتاب پیش نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

④ یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کی پیروی کرنا یہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور اس لحاظ سے یہ قریش مکہ سب سے بڑے گمراہ ہیں جو اسی حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

⑤ اس میں اللہ کی اسی سنت (طریقے) کا بیان ہے جو ظالموں کے لیے اس کے ہاں مقرر ہے کہ وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں، اس لیے کہ انبیاء کی تکذیب، آیات الٰہی سے اعراض اور مسلسل کفر وعناد ایسا جرم ہے کہ جس سے قبول حق کی استعداد اور اثر پذیری کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان ظلم و عصیان اور کفر و شرک کی تاریکیوں میں ہی بھٹکتا پھرتا ہے، اسے ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوتی۔

⑥ یعنی ایک رسول کے بعد دوسرا رسول، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب ہم بھیجتے رہے اور اس طرح مسلسل ہم اپنی بات لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

⑦ مقصد اس سے یہ تھا کہ لوگ پچھلے لوگوں کے انجام سے ڈر کر اور ہماری باتوں سے نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿53﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿54﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿55﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ

جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عنایت فرمائی وہ تو اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں[1] ﴿52﴾ اور جب اس کی آیتیں ان کے پاس پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کے ہمارے رب کی طرف سے حق ہونے پر ہمارا ایمان ہے ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان ہیں ﴿53﴾[2] یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیے جائیں گے۔[3] یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں[4] اور ہم نے جو انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ﴿54﴾ اور جب بے ہودہ بات[5] کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے، تم پر سلام ہو،[6] ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے ﴿55﴾ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے ﴿56﴾[7] کہنے لگے: اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابع دار بن جائیں تو ہم تو اپنے ملک سے اچک

① اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یا وہ عیسائی ہیں جو حبش سے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (ابن کثیر)

② یہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے جس دین کی دعوت دی، وہ اسلام ہی تھا اور ان نبیوں کی دعوت پر ایمان لانے والے مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ یہودی یا نصاریٰ وغیرہ کی اصطلاحیں لوگوں کی اپنی خود ساختہ ہیں جو بعد میں ایجاد ہوئیں۔ اسی اعتبار سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والے اہل کتاب (یہود یا عیسائیوں) نے کہا کہ ہم تو پہلے سے ہی مسلمان چلے آ رہے ہیں، یعنی سابقہ انبیاء کے پیروکار اور ان پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

③ صبر سے مراد ہر قسم کے حالات میں انبیاء اور کتاب الٰہی پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی سے قائم رہنا ہے۔ پہلی کتاب آئی تو اس پر، اس کے بعد دوسری پر ایمان رکھا۔ پہلے نبی پر ایمان لائے، اس کے بعد دوسرا نبی آ گیا تو اس پر ایمان لائے۔ ان کے لیے دوہرا اجر ہے، حدیث میں بھی ان کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمیوں کے لیے دوہرا اجر ہے، ان میں ایک وہ اہل کتاب ہے جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر مجھ پر ایمان لے آیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 97، وصحيح مسلم، حديث: 154)

④ یعنی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔

⑤ یہاں لغو سے مراد وہ سب وشتم اور دین کے ساتھ استہزا ہے جو مشرکین کرتے تھے۔

⑥ یہ سَلَام سلام تحیہ نہیں بلکہ سلام متارکہ ہے، یعنی ہم تم جیسے جاہلوں سے بحث اور گفتگو کے روادار ہی نہیں، جیسے اردو میں بھی کہتے ہیں: جاہلوں کو دور ہی سے سلام، ظاہر ہے سلام سے مراد ترک مخاطبت ہی ہے۔

اَرۡضِنَا ؕ اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿57﴾ وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍۭ بَطِرَتۡ مَعِیۡشَتَهَا ۚ فَتِلۡكَ مَسٰكِنُهُمۡ لَمۡ تُسۡكَنۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهِمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ؕ وَ كُنَّا نَحۡنُ الۡوٰرِثِیۡنَ ﴿58﴾ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰی حَتّٰی یَبۡعَثَ فِیۡۤ اُمِّهَا رَسُوۡلًا یَّتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهۡلِكِی الۡقُرٰۤی اِلَّا وَ اَهۡلُهَا ظٰلِمُوۡنَ ﴿59﴾ وَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ

لیے جائیں،[1] کیا ہم نے انھیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟[2] جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس بطور رزق ہیں[3] لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے﴿57﴾اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش و عشرت میں اترانے لگی تھیں، یہ ہیں ان کی رہائش کی جگہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں[4] اور آخر ہم ہی سب کچھ کے وارث ہیں﴿58﴾[5] تیرا رب بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی پیغمبر نہ بھیج دے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنا دے[6] اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں والے ظلم وستم پر کمر کس لیں﴿59﴾[7] اور تمھیں جو کچھ دیا

---

⑦ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایت ہے اور اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابوطالب نے نبی ﷺ کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کی لیکن ایمان نہ لایا جب اس کا آخری وقت آیا تو نبی ﷺ نے اپنی حد تک پوری کوشش فرمائی کہ وہ توحید ورسالت کا اقرار کرلے تاکہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو لیکن اس نے ملت عبدالمطلب پر مرنے کو ترجیح دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر نبی ﷺ پر واضح کیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت اور رہنمائی ہے لیکن ہدایت کے راستے پر چلا دینا، یہ ہمارا کام ہے، ہدایت اسے ہی ملے گی جسے ہم ہدایت سے نوازنا چاہیں نہ کہ اسے جسے آپ ہدایت پر دیکھنا پسند کریں۔

(صحیح البخاري، حدیث: 4772، وصحیح مسلم، حدیث: 24)

① یعنی ہم جہاں ہیں، وہاں ہمیں رہنے نہ دیا جائے گا اور ہمیں اذیتوں سے یا مخالفین سے جنگ و پیکار سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ بعض کفار نے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کیا۔ اللہ نے جواب دیا......

② یعنی ان کا یہ عذر غیر معقول ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو، جس میں یہ رہتے ہیں، امن والا بنایا ہے۔ جب یہ شہر ان کے کفر وشرک کی حالت میں ان کے لیے امن کی جگہ ہے تو کیا اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ان کے لیے امن کی جگہ نہیں رہے گا؟

③ یہ مکے کی وہ خصوصیت ہے جس کا مشاہدہ لاکھوں حاجی اور عمرہ کرنے والے ہر سال کرتے ہیں کہ مکے میں پیداوار نہ ہونے کے باوجود نہایت فراوانی سے ہر قسم کا پھل بلکہ دنیا بھر کا سامان ملتا ہے۔

④ یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر اللہ کی ناشکری کرنے اور سرکشی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ آج ان کی بیشتر آبادیاں کھنڈر بنی ہوئی ہیں یا صرف صفحات تاریخ پر ان کا نام رہ گیا ہے۔ اور اب آتے جاتے مسافر ہی ان میں کچھ دیر کے لیے ستا لیں تو ستا لیں، ان کی نحوست کی وجہ سے کوئی بھی ان میں مستقل رہنا پسند نہیں کرتا۔

⑤ یعنی ان میں سے تو کوئی بھی باقی نہ رہا جو ان کے مکانوں اور مال و دولت کا وارث ہوتا۔

⑥ یعنی اتمام حجت کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ ﴿اُمِّهَا﴾ (بڑی بستی) کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے علاقوں میں نبی

شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿60﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿61﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿62﴾ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ ۡ مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿63﴾ وَقِیْلَ

گیا ہے وہ صرف زندگیِ دنیا کا سامان اور اسی کی رونق ہے، ہاں اللہ کے پاس جو ہے وہ بہت ہی بہتر اور دیرپا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟﴿60﴾[1] کیا وہ شخص جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے جسے وہ قطعاً پانے والا ہے مثل اس شخص کے ہوسکتا ہے؟ جسے ہم نے زندگانیِ دنیا کی کچھ یونہی سی منفعت دے دی، پھر بالآخر وہ قیامت کے روز (پکڑا باندھا) حاضر کیا جائے گا﴿61﴾[2] اور جس دن اللہ انھیں پکار کر فرمائے گا کہ تم جنھیں اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے کہاں ہیں؟﴿62﴾[3] جن پر بات آچکی وہ جواب دیں گے[4] کہ اے ہمارے پروردگار! یہی وہ ہیں جنھیں ہم نے بہکا رکھا تھا،[5] ہم نے انھیں اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے،[6] ہم تیری سرکار میں اپنی دست برداری کرتے ہیں،[7] یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے﴿63﴾[8] کہا جائے گا کہ

نہیں آئے بلکہ مرکزی مقامات پر نبی آتے رہے اور چھوٹے علاقے اس کے ذیل میں آجاتے رہے ہیں۔

⑦ یعنی نبی بھیجنے کے بعد وہ بستی والے ایمان نہ لاتے اور کفر و شرک پر اپنا اصرار جاری رکھتے تو پھر انھیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہی مضمون سورۂ ہود 117,116:11 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

① یعنی کیا اس حقیقت سے بھی تم بے خبر ہو کہ یہ دنیا اور اس کی رونقیں عارضی بھی ہیں اور حقیر بھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے اپنے پاس جو نعمتیں، آسائشیں اور سہولتیں تیار کر رکھی ہیں، وہ دائمی بھی ہیں اور عظیم بھی۔ حدیث میں ہے: ''اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھے کہ سمندر کے مقابلے میں انگلی میں کتنا پانی ہوگا؟'' (صحیح مسلم، حدیث: 2858)

② یعنی سزا اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ مطلب ہے کہ اہل ایمان وعدۂ الٰہی کے مطابق نعمتوں سے بہرہ ور اور نافرمان عذاب سے دوچار۔ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

③ یعنی وہ اَصنام یا اشخاص ہیں جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے، انھیں مدد کے لیے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمھاری مدد کرسکتے اور تمھیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تقریع و توبیخ کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کو مجال دم زدنی ہوگی؟ یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام 94:6 اور دیگر بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔

④ یعنی جو عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پاچکے ہوں گے، مثلاً: سرکش شیاطین اور داعیانِ کفر و شرک وغیرہ، وہ کہیں گے۔

⑤ یہ ان جاہل عوام کی طرف اشارہ ہے جن کو دعاۃِ کفر و ضلال نے اور شیاطین نے گمراہ کیا تھا۔

⑥ یعنی ہم تو تھے ہی گمراہ لیکن ان کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیے رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، بس ہمارے ادنیٰ

ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿64﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿65﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿66﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿67﴾ وَرَبُّكَ

اپنے شریکوں کو بلاؤ ، [1] وہ بلائیں گے لیکن انھیں وہ جواب تک نہ دیں گے اور سب عذاب دیکھ لیں گے، [2] کاش! یہ لوگ ہدایت پالیتے ﴿64﴾ [3] اس دن انھیں بلا کر (اللہ) پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟ ﴿65﴾ [4] پھر تو اس دن ان پر تمام خبریں اندھی ہوجائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہ کریں گے ﴿66﴾ [5] ہاں! جو شخص توبہ کرلے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہوجائے گا ﴿67﴾ اور آپ کا رب

سے اشارے پر ہماری طرح ہی انھوں نے بھی گمراہی اختیار کرلی۔

⑦ یعنی ہم ان سے بیزار اور الگ ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں یہ تابع اور متبوع، چیلے اور گرو ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

⑧ بلکہ درحقیقت اپنی ہی خواہشات کی پیروی کرتے تھے، یعنی وہ معبودین جن کی لوگ دنیا میں عبادت کرتے تھے، اس بات سے ہی انکار کردیں گے کہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ بقرہ 2:166,167، سورۂ انعام 6:49، سورۂ مریم 19:81,82، سورۂ عنکبوت 29:25 اور سورۂ احقاف 46:5,6 وغیرھا من الآیات۔

① یعنی ان سے مدد طلب کرو جس طرح دنیا میں کرتے تھے۔ کیا وہ تمھاری مدد کرتے ہیں؟ پس وہ پکاریں گے۔ لیکن وہاں کس کو یہ جرأت ہوگی کہ جو یہ کہے کہ ہاں ہم تمھاری مدد کرتے ہیں؟

② یعنی یقین کرلیں گے کہ ہم سب جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں۔

③ یعنی عذاب دیکھ لینے کے بعد آرزو کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہدایت کا راستہ اپنا لیتے تو آج وہ اس حشر سے بچ جاتے۔ سورۂ کہف 18:52,53 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

④ اس سے پہلے کی آیات میں توحید سے متعلق سوال تھا، یہ ندائے ثانی رسالت کے بارے میں ہے، یعنی تمھاری طرف ہم نے رسول بھیجے تھے، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ان کی دعوت قبول کی تھی؟ جس طرح قبر میں سوال ہوتا ہے، تیرا پیغمبر کون ہے؟ اور تیرا دین کون سا ہے؟ مومن تو صحیح جواب دے دیتا ہے۔ لیکن کافر کہتا ہے کہ «هَاهَ هَاهَ لَا أَدْرِي» ''مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔'' اسی طرح قیامت والے دن انھیں اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ''ان پر تمام خبریں اندھی ہوجائیں گی۔'' یعنی کوئی دلیل ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جسے وہ پیش کرسکیں۔ یہاں دلائل کو اخبار سے تعبیر کرکے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان کے باطل عقائد کے لیے حقیقت میں ان کے پاس کوئی دلیل ہے ہی نہیں، صرف قصص و حکایات ہیں، جیسے آج بھی قبر پرستوں کے پاس من گھڑت کراماتی قصوں کے سوا کچھ نہیں۔

⑤ کیونکہ انھیں یقین ہوچکا ہوگا کہ سب جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔

يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخۡتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿68﴾ وَرَبُّكَ يَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿69﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡحَمۡدُ فِى الۡاُوۡلٰى وَالۡاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿70﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ الَّيۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿71﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمُ النَّهَارَ سَرۡمَدًا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِلَيۡلٍ تَسۡكُنُوۡنَ فِيۡهِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿72﴾ وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ

جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور چن کر مختار کر لیتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں،[1] اللہ ہی کے لیے پاکی ہے وہ بلند تر ہے ہر اس چیز سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں (68) ان کے سینے جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں آپ کا رب سب کچھ جانتا ہے (69) وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے (70) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تم پر رات ہی رات قیامت تک برابر کر دے تو سوائے اللہ کے کون معبود ہے جو تمھارے پاس دن کی روشنی لائے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (71) پوچھیے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ کے کوئی معبود ہے جو تمھارے پاس رات لے آئے؟ جس میں تم آرام حاصل کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ (72) اسی نے تو تمھارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو،[2]

---

(1) یعنی اللہ تعالیٰ مختار کل ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، چہ جائیکہ کوئی مختار کل ہو۔

(2) دن اور رات، یہ دونوں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ رات کو تاریک بنایا تا کہ سب لوگ آرام کر سکیں۔ اس اندھیرے کی وجہ سے ہر مخلوق سونے اور آرام کرنے پر مجبور ہے ورنہ اگر آرام کرنے اور سونے کے اپنے اپنے اوقات ہوتے تو کوئی بھی مکمل طریقے سے سونے کا موقع نہ پاتا جبکہ معاشی تگ و دو اور کاروبار جہاں کے لیے نیند کا پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر توانائی بحال نہیں ہوتی۔ اگر کچھ لوگ سو رہے ہوتے اور کچھ جاگ کر مصروف تگ و تاز ہوتے تو سونے والوں کے آرام و راحت میں خلل پڑتا، نیز لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے بھی محروم رہتے جبکہ دنیا کا نظام ایک دوسرے کے تعاون و تناصر کا محتاج ہے، اس لیے اللہ نے رات کو تاریک کر دیا تا کہ ساری مخلوق بیک وقت آرام کرے اور کوئی کسی کی نیند اور آرام میں مخل نہ ہو سکے۔ اسی طرح دن کو روشن بنایا تا کہ روشنی میں انسان اپنا کاروبار بہتر طریقے سے کر سکے۔ دن کی یہ روشنی نہ ہوتی تو انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، اسے ہر شخص بآسانی سمجھتا اور اس کا ادراک رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کے حوالے سے اپنی توحید کا اثبات فرمایا ہے کہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کا یہ نظام ختم کر کے ہمیشہ کے لیے تم پر رات ہی مسلط کر دے۔ تو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ایسا ہے جو تمھیں دن کی روشنی عطا کر دے؟ یا اگر وہ ہمیشہ کے لیے دن ہی دن رکھے تو کیا کوئی تمھیں رات کی تاریکی سے بہرہ ور کر سکتا ہے، جس میں تم آرام کر سکو؟ نہیں۔ یقیناً نہیں۔ یہ صرف اللہ کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے دن اور رات کا ایسا نظام قائم کر دیا ہے کہ رات آتی ہے تو دن کی روشنی ختم

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿73﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿74﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿75﴾ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿76﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ

یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو ﴿73﴾ [1] اور جس دن انھیں پکار کر اللہ فرمائے گا کہ جنھیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ﴿74﴾ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے [2] اور کہیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو، [3] پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ کی طرف ہے، [4] اور جو کچھ افترا وہ جوڑتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا ﴿75﴾ [5] قارون تھا تو قوم موسیٰ سے لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا، [6] ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ بمشکل اس کی کنجیاں اٹھا سکتے تھے، [7] ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت! [8] اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿76﴾ [9] اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ [10] اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول [11] اور جیسے کہ

ہو جاتی ہے اور تمام مخلوق آرام کر لیتی ہے اور رات جاتی ہے تو دن کی روشنی سے کائنات کی ہر چیز نمایاں اور واضح تر ہو جاتی ہے اور انسان کسب و محنت کے ذریعے سے اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتا ہے۔

[1] یعنی اللہ کی حمد و ثنا بھی بیان کرو (یہ زبانی شکر ہے) اور اللہ کی دی ہوئی دولت، صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس کے احکام و ہدایات کے مطابق استعمال کرو۔ (یہ عملی شکر ہے)

[2] اس گواہ سے مراد پیغمبر ہے، یعنی ہر امت کے پیغمبر کو اس امت سے الگ کھڑا کر دیں گے۔

[3] یعنی دنیا میں میرے پیغمبروں کی دعوت توحید کے باوجود تم جو میرے شریک ٹھہراتے تھے اور میرے ساتھ ان کی بھی عبادت کرتے تھے، اس کی دلیل پیش کرو۔

[4] یعنی وہ حیران اور ساکت کھڑے ہوں گے، کوئی جواب اور دلیل انھیں نہیں سوجھے گی۔

[5] یعنی ان کے کام نہیں آئے گا۔

[6] اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس کا ظلم یہ تھا کہ اپنے مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان کا استخفاف کرتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرعون کی طرف سے یہ اپنی قوم بنی اسرائیل پر عامل مقرر تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا۔

[7] تَنُوْءُ کے معنی ہیں: تَمِیلُ (جھکنا)، یعنی جس طرح کوئی شخص بھاری چیز اٹھاتا ہے تو بوجھ کی وجہ سے ادھر ادھر لڑکھڑاتا ہے، اس کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ ایک طاقت ور جماعت بھی اسے اٹھاتے ہوئے دقت اور گرانی محسوس کرتی تھی۔

[8] یعنی مال و دولت پر فخر اور غرور مت کرو، بعض نے بخل معنی کیے ہیں، بخل مت کرو۔

[9] یعنی تکبر اور غرور کرنے والوں کو یا بخل کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿77﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿78﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ

اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اچھا سلوک کر [1] اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، [2] یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے ﴿77﴾ قارون نے کہا: یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے، [3] کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سے بستی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے۔ [4] اور گناہ گاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی ﴿78﴾ [5] پس قارون پوری آرائش کے ساتھ

(۞) یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں اور راہوں پر خرچ کر جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری آخرت سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر وثواب ملے گا۔

(۞) یعنی دنیا کے مباحات پر بھی اعتدال کے ساتھ خرچ کر۔ مباحات دنیا کیا ہیں؟ کھانا پینا، لباس، گھر اور نکاح وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا، بیوی بچوں کا اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے، ہر حق والے کو اس کا حق دے۔

(1) اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔

(2) یعنی تیرا مقصد زمین میں فساد پھیلانا نہ ہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کی بجائے بدسلوکی مت کر نہ معصیتوں کا ارتکاب کر کہ ان تمام باتوں سے فساد پھیلتا ہے۔

(3) ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے یہ کہا: اس کا مطلب ہے کہ مجھے کسب وتجارت کا جو فن آتا ہے، یہ دولت تو اس کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل وکرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اللہ نے مجھے یہ مال دیا ہے تو اس نے اپنے علم کی وجہ سے دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور میرے لیے اس نے یہ پسند کیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر انسانوں کا ایک اور قول اللہ نے نقل فرمایا ہے: "جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی نعمت سے نواز دیتے ہیں تو کہتا ہے ﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ (الزمر 49:39) أَيْ عَلٰى عِلْمٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی "مجھے یہ نعمت اس لیے ملی ہے کہ اللہ کے علم میں، میں اس کا مستحق تھا۔" ایک مقام پر ہے: "جب ہم انسان پر تکلیف کے بعد اپنی رحمت کرتے ہیں تو کہتا ہے ﴿ هٰذَا لِيْ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 50:41) أَيْ هٰذَا أَسْتَحِقُّهٗ "یہ تو میرا استحقاق ہے۔" (ابن کثیر) بعض کہتے ہیں کہ قارون کو کیمیا (سونا بنانے) کا علم آتا تھا، یہاں یہی مراد ہے اسی کیمیا گری سے اس نے اتنی دولت کمائی تھی۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ علم سراسر جھوٹ، فریب اور دھوکا ہے۔ کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کی ماہیت تبدیل کر دے، اس لیے قارون کے لیے بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ دوسری دھاتوں کو تبدیل کر کے سونا بنا لیا کرتا اور اس طرح دولت کے انبار جمع کر لیتا۔

(4) یعنی قوت اور مال کی فراوانی، یہ فضیلت کا باعث نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی قومیں تباہ وبرباد نہ ہوتیں، اس لیے قارون کا اپنی دولت پر گھمنڈ کرنے اور اسے باعث فضیلت گرداننے کا کوئی جواز نہیں۔

زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿79﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿80﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿81﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَاۤ اَنْ

اپنی قوم کے مجمع میں نکلا،[1] تو زندگانیِ دنیا کے متوالے کہنے لگے:[2] کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے ﴿79﴾ ذی علم لوگ انھیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انھیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابقِ سنت عمل کریں،[3] یہ بات انھی کے[4] دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوں ﴿80﴾ (آخرکار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا[5] اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا ﴿81﴾ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے[6] کہ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر

﴿5﴾ یعنی جب گناہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوں کہ ان کی وجہ سے وہ مستحق عذاب قرار دے دیے گئے ہوں تو پھر ان سے باز پرس نہیں ہوتی بلکہ اچانک ان کا مؤاخذہ کر لیا جاتا ہے۔

﴿1﴾ یعنی زینت و آرائش اور خدم و حشم کے ساتھ۔

﴿2﴾ یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض کے نزدیک ایمان دار ہی تھے جو اس کی امارت و شوکت کے مظاہر سے متاثر ہو گئے تھے اور بعض کے نزدیک کافر تھے۔

﴿3﴾ یعنی جن کے پاس دین کا علم تھا اور دنیا اور اس کے مظاہر کی اصل حقیقت سے باخبر تھے، انھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اللہ نے اہل ایمان اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کے لیے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جیسے حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 7498، وصحيح مسلم، حديث: 189)

﴿4﴾ یعنی ﴿ يُلَقّٰهَآ ﴾ میں ھا ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور یہ قول اللہ کا ہے۔ اور اگر اسے اہل علم ہی کے قول کا تتمہ قرار دیا جائے تو ھَا کا مرجع جنت ہوگی، یعنی جنت کے مستحق وہ صابر ہی ہوں گے جو دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش اور آخرت کی زندگی میں رغبت رکھنے والے ہوں گے۔

﴿5﴾ یعنی قارون کو اس کے تکبر کی وجہ سے اس کے محل اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی اپنی ازار زمین پر لٹکائے جا رہا تھا (اللہ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا) اور اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 5790)

﴿6﴾ مکان سے مراد وہ دنیاوی مرتبہ و منزلت ہے جو دنیا میں کسی کو عارضی طور پر ملتا ہے، جیسے قارون کو ملا تھا، اَمْس، گزشتہ کل کو کہتے

مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿82﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿83﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿84﴾ اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّىْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ

اللہ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا،[1] کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ (82)[2] آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے (83)[3] جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا[4] اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے بداعمالی کرنے والوں کو ان کے انھی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے (84)[5] جس اللہ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے[6] وہ آپ کو دوبارہ پہلی جگہ لانے والا ہے۔[7] کہہ دیجیے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لایا

ہیں۔ مطلب زمانہ قریب ہے۔ ﴿ وَيْكَاَنَّ ﴾ اصل میں "وَيْلَكَ اِعْلَمْ اَنَّ" ہے اس کو مخفف کر کے ﴿ وَيْكَاَنَّ ﴾ بنا دیا گیا ہے، یعنی وَيْكَ اَنَّ یعنی افسوس یا تعجب ہے، تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ...... الخ بعض کے نزدیک یہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر) جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قارون کی سی دولت وحشمت کی آرزو کرنے والوں نے جب قارون کا عبرت ناک حشر دیکھا تو کہا کہ مال و دولت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صاحب مال سے راضی بھی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مال زیادہ دے دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اس کا تعلق اس کی مشیت اور حکمت بالغہ سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور مال کی کمی اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے نہ یہ معیار فضیلت ہی ہے۔

[1] یعنی ہم بھی اسی حشر سے دوچار ہوتے جس سے قارون دوچار ہوا۔

[2] یعنی قارون نے دولت پا کر شکر گزاری کی بجائے ناشکری اور معصیت کا راستہ اختیار کیا تو دیکھ لو اس کا انجام بھی کیسا ہوا؟ دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔

[3] ﴿ عُلُوًّا ﴾ کا مطلب ہے: ظلم و زیادتی، لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا، تکبر اور فخر و غرور کرنا اور فساد کے معنی ہیں: ناحق لوگوں کا مال ہتھیانا یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ فرمایا کہ متقین کا عمل و اخلاق ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کی بجائے ان کے اندر تواضع، فروتنی اور معصیت کیشی کی بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر، یعنی جنت اور حسن انجام انھی کے حصے میں آئے گا۔

[4] یعنی کم از کم ہر نیکی کا بدلہ دس گنا تو ضرور ہی ملے گا اور جس کے لیے اللہ چاہے گا، اس سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائے گا۔

[5] یعنی نیکی کا بدلہ تو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا لیکن برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہی ملے گا، یعنی نیکی کی جزا میں اللہ کے فضل و کرم کا اور بدی کی جزا میں اس کے عدل کا مظاہرہ ہوگا۔

[6] یا اس کی تلاوت اور اس کی تبلیغ و دعوت آپ پر فرض کی ہے۔

[7] یعنی آپ کے مولد مکہ جہاں سے آپ نکلنے پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحيح البخاري، حديث: 4773

بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿85﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ یُّلْقٰٓی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿86﴾ وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿87﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿88﴾

ہے اور اسے بھی جو کھلی گمراہی میں ہے ﴿85﴾ آپ کو تو کبھی اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی جائے گی[2] لیکن یہ آپ کے رب کی مہربانی سے اترا۔[3] اب آپ کو ہرگز کافروں کا مددگار نہ ہونا چاہیے ﴿86﴾[4] خیال رکھیے کہ یہ کفار آپ کو اللہ کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں[5] اس کے بعد کہ یہ آپ کی جانب اتاری گئیں تو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿87﴾ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا[6] بجز اس کے کوئی اور معبود نہیں ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا اس کے چہرے کے[7] اسی کے لیے فرمانروائی ہے[8] اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿88﴾[9]

میں اس کی یہی تفسیر نقل ہوئی ہے، چنانچہ ہجرت کے آٹھ سال بعد اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا اور آپ 8 ہجری میں فاتحانہ طور پر مکے میں دوبارہ تشریف لے گئے۔ بعض نے معاد سے مراد قیامت لی ہے، یعنی قیامت والے دن آپ کو اپنی طرف لوٹائے گا اور تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔

① یہ مشرکین کے اس جواب میں ہے جو وہ نبی ﷺ کو ان کے آبائی اور روایتی مذہب سے انحراف کی بنا پر گمراہ سمجھتے تھے۔ فرمایا: ''میرا رب خوب جانتا ہے کہ گمراہ میں ہوں جو اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں یا تم ہو جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے؟''

② یعنی نبوت سے قبل آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کو رسالت کے لیے چنا جائے گا اور آپ پر کتاب الٰہی کا نزول ہوگا۔

③ یعنی یہ نبوت و کتاب سے سرفرازی اللہ کی خاص رحمت کا نتیجہ ہے جو آپ پر ہوئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے جسے محنت اور سعی و کاوش سے حاصل کیا جا سکتا رہا ہو۔ بلکہ یہ سراسر ایک وہبی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا اسے، نبوت و رسالت سے مشرف فرماتا رہا حتیٰ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس سِلْسِلَةُ الذَّھَبِ کی آخری کڑی قرار دے کر آپ پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔

④ اب اس نعمت اور فضل الٰہی کا شکر آپ اس طرح ادا کریں کہ کافروں کی مدد اور ہمنوائی نہ کریں۔

⑤ یعنی ان کافروں کی باتیں، ان کی ایذا رسانی اور ان کی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں، آپ کو قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں بلکہ آپ پوری تن دہی اور یکسوئی سے رب کی طرف بلانے کا کام کرتے رہیں۔

⑥ یعنی کسی اور کی عبادت نہ کرنا، نہ دعا کے ذریعے سے، نہ نذر و نیاز کے ذریعے سے، نہ قربانی ہی کے ذریعے سے کہ یہ سب عبادات ہیں جو صرف ایک اللہ کے لیے خاص ہیں۔ قرآن میں ہر جگہ غیر اللہ کی عبادت کو پکارنے سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مقصود اسی نکتے کی وضاحت ہے کہ غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے پکارنا، ان سے استمداد و استغاثہ کرنا، ان سے دعائیں اور التجائیں کرنا یہ ان کی

اٰيَاتُهَا: 69 (29) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (85) رُكُوْعَاتُهَا: 7

سورۂ عنکبوت مکی ہے، اس میں 69 آیات اور 7 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ

الٓمّٓ ① کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟ ② [1] ان سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے خوب جانچا۔ [2] یقیناً اللہ انھیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں ③ کیا جو لوگ برائیاں کر رہے ہیں، انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے، [3] یہ لوگ کیسی بری تجویزیں کر رہے ہیں ④ [4] جسے اللہ کی ملاقات کی امید ہو، پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے، [5] وہ سب کی

عبادت ہی ہے جس سے انسان مشرک بن جاتا ہے۔

⑦ ﴿وَجْهَهٗ﴾ (اس کا چہرہ) سے مراد اللہ کی ذات ہے جو وَجْهٌ (چہرہ) سے متصف ہے، یعنی اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک اور فنا ہو جانے والی ہے۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ (الرحمن 55:26,27)

⑧ یعنی اسی کا فیصلہ، جو وہ چاہے، نافذ ہوتا ہے اور اسی کا حکم، جس کا وہ ارادہ کرے، چلتا ہے۔

⑨ تاکہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دے۔

① یعنی یہ گمان کہ صرف زبان سے ایمان لانے کے بعد بغیر امتحان لیے، انھیں چھوڑ دیا جائے گا، صحیح نہیں بلکہ انھیں جان و مال کی تکالیف اور دیگر آزمائشوں کے ذریعے سے جانچا پرکھا جائے گا تاکہ کھرے کھوٹے کا، سچے جھوٹے کا اور مومن و منافق کا پتہ چل جائے۔

② یعنی یہ سنت اللہ ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اس لیے وہ اس امت کے مومنوں کی بھی آزمائش کرے گا، جس طرح پہلی امتوں کی آزمائش کی گئی۔ ان آیات کی شان نزول کی روایات میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ظلم و ستم کی شکایت کی جس کا نشانہ وہ کفار مکہ کی طرف سے بنے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ "یہ تشدد و ایذا تو اہل ایمان کی تاریخ کا حصہ ہے۔ تم سے پہلے بعض مومنوں کا یہ حال کیا گیا کہ انھیں ایک گڑھا کھود کر اس میں کھڑا کر دیا گیا اور پھر ان کے سروں پر آرا چلا دیا گیا جس سے ان کے جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت پر ہڈیوں تک پھیری گئیں۔ لیکن یہ ایذائیں انھیں دین حق سے پھیرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔" (صحيح البخاري، حديث: 3612) حضرت عمار، ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب، بلال و مقداد وغیرہ رضی اللہ عنہم پر اسلام کے ابتدائی دور میں جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، وہ صفحات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ واقعات ہی ان آیات کے نزول کا سبب بنے، تاہم عموم الفاظ کے اعتبار سے قیامت تک کے اہل ایمان اس میں داخل ہیں۔

③ یعنی ہم سے بھاگ جائیں گے اور ہماری گرفت میں نہ آ سکیں گے۔

الْعَلِيْمُ ⑤ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑦ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے⑤[1] اور ہر ایک کوشش کرنے والا اپنے ہی بھلے کی کوشش کرتا ہے۔ ویسے تو اللہ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے⑥[2] اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ہم ان کے تمام گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انھیں ان کے نیک اعمال کے بہترین بدلے دیں گے⑦[3] ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے[4] ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ آپ میرے ساتھ اسے شریک کرلیں جس کا آپ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانیے،[5] تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے، پھر میں ہر اس چیز سے جو تم کرتے تھے تمھیں خبر دوں گا⑧ اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام

④ یعنی اللہ کے بارے میں کس ظن فاسد میں یہ مبتلا ہیں جبکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات سے باخبر بھی، پھر اس کی نافرمانی کر کے اس کے مؤاخذہ وعذاب سے بچنا کیونکر ممکن ہے؟

⑤ یعنی جسے آخرت پر یقین ہے اور وہ اجر وثواب کی امید پر اعمال صالحہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی امیدیں برلائے گا اور اسے اس کے عملوں کی مکمل جزا عطا فرمائے گا کیونکہ قیامت یقیناً برپا ہو کر رہے گی اور اللہ کی عدالت ضرور قائم ہوگی۔

① وہ بندوں کی باتوں اور دعاؤں کا سننے والا اور ان کے چھپے اور ظاہر سب عملوں کو جاننے والا ہے۔ اس کے مطابق وہ جزا وسزا بھی یقیناً دے گا۔

② اس کا مطلب وہی ہے جو ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ (الجاثیة 45:15) کا ہے، یعنی جو نیک عمل کرے گا، اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے۔ اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت واضافہ نہیں ہوگا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی۔ الفاظ کی مناسبت سے اس میں کفار کے مقابلے میں جہاد بھی شامل ہے کہ وہ بھی من جملہ عمل صالح ہی ہے۔

③ یعنی باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، وہ محض اپنے فضل وکرم سے اہل ایمان کو ان کے عملوں کی بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ اور ایک ایک نیکی پر کئی کئی گنا اجر وثواب دے گا۔

④ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید وعبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے وہی سمجھ سکتا اور انھیں ادا کر سکتا ہے جو والدین کی اطاعت وخدمت کے تقاضوں کو سمجھتا اور ادا کرتا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ دنیا میں اس کا وجود والدین کی باہمی قربت کا نتیجہ اور اس کی ربوبیت و پرداخت، ان کی غایت مہربانی اور شفقت کا ثمرہ ہے، اس لیے مجھے ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی اور ان کی اطاعت سے سرتابی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یقیناً خالق کائنات کو سمجھنے اور اس کی توحید وعبادت کے تقاضوں کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ اسی لیے احادیث میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں والدین کی

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ

کیے انھیں ہم اپنے نیک بندوں میں شمار کرلیں گے ⑨ [1] اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو لوگوں کی ایذا دہی کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا لیتے ہیں، [2] ہاں اگر اللہ کی مدد آجائے [3] تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھی ہی ہیں [4] کیا دنیا جہان کے دلوں میں جو کچھ ہے اس سے اللہ خوب واقف نہیں ہے؟ ⑩ [5] جو لوگ ایمان لائے اللہ انھیں بھی جان کر رہے گا اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا ⑪ [6] کافروں نے ایمانداروں

رضا مندی کو اللہ کی رضا مندی اور ان کی ناراضی کو رب کی ناراضی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔(الأدب المفرد، حديث: 2)

⑤ یعنی والدین اگر شرک کا حکم دیں (اور اسی میں دیگر معاصیات کا حکم بھی شامل ہے) اور اس کے لیے خاص کوشش بھی کریں۔ (جیسا کہ مجاہدہ کے لفظ سے واضح ہے) تو ان کی اطاعت نہیں کرنی کیونکہ «لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى» (مسند أحمد: 66/5، والصحيحة للألباني: 348/1، حديث: 179) ''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔'' اس آیت کی شان نزول میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آتا ہے کہ ان کے مسلمان ہونے پر ان کی والدہ نے کہا کہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مجھے موت آجائے یا پھر تو محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کر دے، بالآخر یہ اپنی والدہ کو زبردستی منہ کھول کر کھلاتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح مسلم، حديث: 43-(1748) بعد حديث: 2412 و جامع الترمذي، حديث: 3189)

① یعنی اگر کسی کے والدین مشرک ہوں گے تو مومن بیٹا نیکوں کے ساتھ ہوگا، والدین کے ساتھ نہیں، اس لیے کہ گو والدین دنیا میں اس کے بہت قریب رہے ہوں گے لیکن اس کی محبت دینی اہل ایمان ہی کے ساتھ تھی بنا بریں (اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ) کے تحت وہ زمرۂ صالحین میں ہوگا۔

② اس میں اہل نفاق یا کمزور ایمان والوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایمان کی وجہ سے انھیں ایذا پہنچتی ہے تو عذاب الٰہی کی طرح وہ ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ نتیجتاً وہ ایمان سے پھر جاتے اور دین عوام کو اختیار کر لیتے ہیں۔

③ یعنی مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب ہو جائے۔

④ یعنی تمھارے دینی بھائی ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ ''وہ لوگ تمھیں دیکھتے رہتے ہیں اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح ملتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر حالات کافروں کے لیے کچھ سازگار ہوتے ہیں تو (کافروں سے جا کر) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم کو گھیر نہیں لیا تھا اور مسلمانوں سے تم کو نہیں بچایا تھا۔'' (النسآء 4:141)

⑤ یعنی کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو تمھارے دلوں میں ہیں اور جو تمھارے ضمیروں میں پوشیدہ ہے۔ گو تم زبان سے مسلمانوں کا ساتھی ہونا ظاہر کرتے ہو۔

⑥ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تاکہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا، وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

ع 13 1 13

سے کہا کہ تم ہماری راہ کی تابعداری کرو تمھارے گناہ ہم اٹھالیں گے، ① حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھانے والے، وہ تو محض جھوٹے ہیں⑫ ② البتہ وہ اپنے بوجھ ڈھولیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ہی اور بوجھ بھی۔ ③ اور جو کچھ افترا پردازیاں کر رہے ہیں ان سب کی بابت ان سے باز پرس کی جائے گی⑬ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں ساڑھے نوسوسال تک رہے، ④ پھر تو انھیں

ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ لا وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ۝﴾ (محمد 31:47) ”ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں؟ اور تمھارے (دیگر) حالات بھی جانچیں گے۔“ جنگ احد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار وامتحان کی بھٹی سے گزارے گئے تھے، فرمایا: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (آل عمران 179:3) ”نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔“

① یعنی تم اسی آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ جس پر ہم ابھی تک قائم ہیں، اس لیے کہ وہی دین صحیح ہے۔ اگر اس روایتی مذہب پر عمل کرنے سے تم گناہ گار ہو گے تو اس کے ذمے دار ہم ہیں، وہ بوجھ ہم اپنی گردنوں پر اٹھائیں گے۔

② اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جھوٹے ہیں۔ قیامت کا دن تو ایسا ہوگا کہ وہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 15:17) وہاں تو ایک دوست دوسرے دوست کو نہیں پوچھے گا، چاہے ان کے درمیان نہایت گہری دوستی ہو۔ ﴿وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝﴾ (المعارج 10:70) حتیٰ کہ رشتے دار ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ ﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ (فاطر 18:35) اور یہاں بھی اس بوجھ کے اٹھانے کی نفی فرمائی۔

③ یعنی یہ ائمۂ کفر اور دعاۃِ ضلال اپنا ہی بوجھ نہیں اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ان پر ہوگا جو ان کی سعی و کاوش سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہ مضمون سورۂ نحل 25:16 میں بھی گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے: ”جو ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اپنی نیکیوں کے اجر کے ساتھ ان لوگوں کی نیکیوں کا اجر بھی ہوگا جو اس کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کی پیروی کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو۔ اور جو گمراہی کا داعی ہوگا، اس کے لیے اپنے گناہوں کے علاوہ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو قیامت تک اس کی وجہ سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔“ (سنن أبي داود، حديث: 4609، وسنن ابن ماجه، حديث: 203) اسی اصول سے قیامت تک ظلم سے قتل کیے جانے والوں کے خون کا گناہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوگا، اس لیے کہ سب سے پہلے اسی نے ناحق قتل کیا تھا۔ (مسند أحمد: 383/1 وقد أخرجه الجماعة سوى أبي داود من طرق)

④ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ہے۔ ان کی پوری عمر کتنی تھی؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ بعض کہتے

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

طوفان نے دھر پکڑا اور وہ تھے بھی ظالم ⑭ پھر ہم نے انھیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اس واقعے کو ہم نے تمام جہان کے لیے عبرت کا نشان بنادیا ⑮ اور ابراہیم نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اگر تم میں دانائی ہے تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے ⑯ تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو۔[1] سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمھاری روزی کے مالک نہیں، پس تمھیں چاہیے کہ تم اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو[2] اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ⑰[3] اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے،[4] رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہی ہے ⑱[5] کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ مخلوق کی ابتدا کس طرح اللہ نے کی، پھر اللہ اس کا اعادہ کرے گا،[6]

ہیں: چالیس سال نبوت سے قبل اور ساٹھ سال طوفان کے بعد اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اور بھی کئی اقوال ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

① ﴿اَوْثَانًا﴾ وَثَنٌ کی جمع ہے۔ جس طرح اَصْنَامٌ، صَنَم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی بت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: صنم، سونے، چاندی، پیتل اور پتھر کی مورت کو اور وَثَنٌ مورت کو بھی اور چونے پتھر وغیرہ کے بنے ہوئے آستانوں کو بھی کہتے ہیں۔ ﴿تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ کے معنی ہیں: تَكْذِبُونَ كِذْبًا جیسا کہ متن کے ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرے معنی ہیں: تَعْمَلُونَهَا وَتَنْحِتُونَهَا لِلإِفْكِ ''جھوٹے مقصد کے لیے انھیں تم بناتے اور گھڑتے ہو۔'' مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی معنی صحیح ہیں، یعنی اللہ کو چھوڑ کر تم جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ تو پتھر کے بنے ہوئے ہیں جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اپنے دل سے ہی تم نے انھیں گھڑ لیا ہے کوئی دلیل تو ان کی صداقت کی تمھارے پاس نہیں ہے۔ یا یہ بت تو وہ ہیں جنھیں تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے اور گھڑتے ہو اور جب ان کی ایک خاص شکل وصورت بن جاتی ہے تو تم سمجھتے ہو کہ اب ان میں خدائی اختیارات آگئے ہیں اور ان سے تم امیدیں وابستہ کر کے انھیں حاجت روا اور مشکل کشا باور کر لیتے ہو۔

② یعنی جب یہ بت تمھاری روزی کے اسباب و وسائل میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ بارش برسا سکتے ہیں، نہ زمین میں درخت اگا سکتے ہیں اور نہ سورج کی حرارت پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمھیں وہ صلاحیتیں دے سکتے ہیں جنھیں بروئے کار لا کر تم قدرت کی ان چیزوں سے فیض یاب ہوتے ہو تو پھر تم روزی اللہ ہی سے طلب کرو، اسی کی عبادت اور اسی کی شکر گزاری کرو۔

③ یعنی مر کر اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر جب اسی کی طرف لوٹنا ہے، اسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے تو پھر اس کا در چھوڑ کر دوسروں کے در پر اپنی جبین نیاز کیوں جھکاتے ہو؟ اس کی بجائے دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟

④ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہوسکتا ہے جو انھوں نے اپنی قوم سے کہا یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿19﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿20﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿21﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿22﴾ ع 2/9/14 وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿23﴾

یہ تو اللہ پر بہت ہی آسان ہے ﴿19﴾[1] کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی[2] کہ کس طرح اللہ نے ابتداءً پیدائش کی، پھر اللہ ہی دوسری نئی پیدائش کرے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿20﴾ جسے چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿21﴾[3] تم نہ تو زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں، اللہ کے سوا تمھارا کوئی والی ہے نہ مددگار ﴿22﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کو بھلاتے ہیں، وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے ہیں[4] اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿23﴾

اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار مکہ اگر آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبروں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے۔ پہلی امتیں بھی رسولوں کو جھٹلاتی اور اس کا نتیجہ بھی وہ ہلاکت و تباہی کی صورت میں بھگتتی رہی ہیں۔

⑤ اس لیے آپ بھی تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔ اس سے کوئی راہ یاب ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے ذمے دار آپ نہیں ہیں نہ آپ سے اس کی بابت پوچھا ہی جائے گا کیونکہ ہدایت دینا نہ دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے جو اپنی سنت کے مطابق جس میں ہدایت کی طلب صادق دیکھتا ہے، اس کو ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ دوسروں کو ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

⑥ توحید و رسالت کے اثبات کے بعد، یہاں سے معاد (آخرت) کا اثبات کیا جا رہا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ فرمایا: پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جب تمھارا سرے سے وجود ہی نہیں تھا، پھر تم دیکھنے سننے اور سمجھنے والے بن گئے اور پھر جب مر کر تم مٹی میں مل جاؤ گے، بظاہر تمھارا نام و نشان تک نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ تمھیں دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

① یعنی یہ بات چاہے تمھیں کتنی ہی مشکل لگے، اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

② یعنی آفاق میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں دیکھو اور زمین پر غور کرو، کس طرح اسے بچھایا، اس میں پہاڑ، وادیاں، نہریں اور سمندر بنائے، اسی سے انواع و اقسام کی روزیاں اور پھل پیدا کیے۔ کیا یہ سب اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ انھیں بنایا گیا ہے اور ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

③ یعنی وہی اصل حاکم اور متصرف ہے، اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، تاہم اس کا عذاب یا رحمت، یوں ہی الل ٹپ نہیں ہوگی بلکہ ان اصولوں کے مطابق ہوگی جو اس نے اس کے لیے طے کر رکھے ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے جس سے کافر اور مومن، منافق اور مخلص اور نیک اور بد سب یکساں طور پر مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائشیں اور مال و دولت عطا کر رہا ہے یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (الأعراف 156:7) ''میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔'' لیکن آخرت چونکہ دارالجزا ہے، انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہوگا، اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنی ہوگی جیسے عمل کیے ہوں گے، اس کی جزا بھی ویسے ہی ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿24﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿25﴾ ۖ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿26﴾

وقف لازم

ان کی قوم کا جواب بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے مار ڈالو یا اسے جلا دو۔ [1] آخر اللہ نے انھیں آگ سے بچالیا، [2] اس میں ایمان دار لوگوں کے لیے تو بہت سی نشانیاں ہیں ﴿24﴾ (ابراہیم نے) کہا کہ تم نے جن بتوں کی پرستش اللہ کے سوا کی ہے انھیں تم نے اپنی آپس کی دنیوی دوستی کی بنا پر ٹھہرا لیا ہے، [3] تم سب قیامت کے دن ایک دوسرے سے کفر کرنے لگو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔ [4] اور تمھارا سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمھارا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿25﴾ پس ابراہیم پر لوط ایمان لائے [5] اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ [6] وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے ﴿26﴾

مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے، دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزا میں جہنم دی جائے، اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوگی جسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور معاد کے ہی منکر ہوں گے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے، یعنی ان کے حصے میں رحمت الٰہی نہیں آئے گی۔ سورۂ اعراف میں اس کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 156:7) ''میں یہ رحمت (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو متقی، زکاۃ ادا کرنے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہوں گے۔''

① ان آیات سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا تھا، اب پھر اس کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں جملۂ معترضہ کے طور پر اللہ کی توحید اور اس کی قدرت و طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے وعظ کا حصہ ہے جس میں انھوں نے توحید و معاد کے اثبات میں دلائل دیے ہیں جن کا کوئی جواب جب ان کی قوم سے نہیں بنا تو انھوں نے اس کا جواب ظلم و تشدد کی اس کارروائی سے دیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اسے قتل کر دو یا جلا ڈالو، چنانچہ انھوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے سے اس میں پھینک دیا۔

② یعنی اللہ نے اس آگ کو گلزار کی صورت میں بدل کر اپنے بندے کو بچالیا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گزرا۔

③ یعنی یہ تمھارے قومی بت ہیں جو تمھاری اجتماعیت اور آپس کی دوستی کی بنیاد ہیں۔ اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تمھاری قومیت اور دوستی کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

④ یعنی قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار اور دوستی کی بجائے ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تابع، متبوع کو ملامت اور متبوع، تابع سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

⑤ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے، اس کے بعد ان کو بھی ''سدوم'' کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا گیا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿27﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمایا اور ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں ہی کر دی [1] اور ہم نے دنیا میں بھی اسے ثواب دیا [2] اور آخرت میں تو وہ صالح لوگوں میں سے ہے ﴿27﴾ [3] اور لوط کا بھی ذکر کرو جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم تو اس بدکاری پر اتر آئے ہو [4] جسے تم سے پہلے دنیا بھر میں سے کسی نے نہیں کیا ﴿28﴾ کیا تم مردوں کے پاس بدفعلی کے لیے آتے ہو [5] اور راستے بند کرتے ہو [6] اور اپنی عام مجلسوں

---

⑥ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور بعض کے نزدیک حضرت لوط علیہ السلام نے۔ اور بعض کہتے ہیں: دونوں نے ہی ہجرت کی، یعنی جب ابراہیم علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوط علیہ السلام کے لیے اپنے علاقے ''کوثی'' میں، جو حران کی طرف جاتے ہوئے کوفے کی ایک بستی تھی، اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہوگئی تو وہاں سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں چلے گئے۔ تیسری ان کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ سارہ تھیں۔

① یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور انھی میں سارے انبیاء ہوئے اور کتابیں آئیں۔ آخر میں نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی ہوئے اور آپ پر قرآن نازل ہوا۔

② اس اجر سے مراد رزق دنیا بھی ہے اور ذکر خیر بھی، یعنی دنیا میں ہر مذہب کے لوگ (عیسائی، یہودی وغیرہ حتیٰ کہ مشرکین بھی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت و تکریم کرتے ہیں اور مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی کے پیرو، ان کے ہاں وہ محترم کیوں نہ ہوں گے؟

③ یعنی آخرت میں بھی وہ بلند درجات کے حامل اور زمرۂ صالحین میں ہوں گے۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (النحل 122:16)

④ اس بدکاری سے مراد وہی لواطت ہے جس کا ارتکاب قوم لوط علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے کیا جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

⑤ یعنی تمھاری شہوت پرستی اس انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے طبعی طریقہ تمھارے لیے ناکافی ہو گیا ہے اور غیر طبعی طریقہ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ جنسی شہوت کی تسکین کے لیے طبعی طریقہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں سے مباشرت کی صورت میں رکھا ہے۔ اسے چھوڑ کر اس کام کے لیے مردوں کی دبر استعمال کرنا غیر فطری اور غیر طبعی طریقہ ہے۔

⑥ اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ آنے جانے والے مسافروں، نو واردوں اور گزرنے والوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر تم ان سے بے حیائی کا کام کرتے ہو جس سے لوگوں کے لیے راستوں سے گزرنا مشکل ہو گیا اور لوگ گھروں میں بیٹھے رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے معنی ہیں کہ تم آنے جانے والوں کو لوٹ لیتے اور قتل کر دیتے ہو یا از راہ شرارت انھیں کنکریاں مارتے ہو۔ تیسرے معنی کیے گئے ہیں کہ سر راہ ہی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس سے وہاں سے گزرتے ہوئے لوگ شرم محسوس کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں سے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک خاص سبب کی تعیین تو مشکل ہے، تاہم وہ ایسا کام ضرور کرتے تھے، جس سے عملاً راستہ بند ہو جاتا تھا۔ قطع طریق کے ایک معنی قطع نسل کے بھی کیے گئے ہیں، یعنی عورتوں کی شرم گاہوں کو

فِىۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ‌ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰى ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مُهۡلِكُوۡۤا اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ‌ ۚ اِنَّ اَهۡلَهَا كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيۡهَا لُوۡطًا‌ ؕ قَالُوۡا نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِيۡهَا‌ لَـنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِىۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ

میں بے حیائیوں کا کام کرتے ہو؟ [1] اس کے جواب میں اس کی قوم نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ بس [2] جا اگر سچا ہے تو ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ﴿۲۹﴾ لوط نے دعا کی کہ [3] پروردگار! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما﴿۳۰﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر پہنچے، کہنے لگے کہ اس بستی والوں کو ہم ہلاک کرنے والے ہیں، [4] یقیناً یہاں کے رہنے والے گناہ گار ہیں﴿۳۱﴾ ابراہیم نے کہا: اس میں تو لوط ہیں، فرشتوں نے کہا: یہاں جو ہیں ہم انھیں بخوبی جانتے ہیں۔ [5] لوط کو اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بیوی کے ہم بچالیں گے، البتہ وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے﴿۳۲﴾ [6] پھر جب ہمارے قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں رنج کرنے لگے۔ [7] قاصدوں نے کہا: آپ نہ خوف کھائیں نہ آزردہ ہوں

استعمال کرنے کی بجائے مردوں کی دبر استعمال کرکے تم اپنی نسل بھی منقطع کرنے میں لگے ہوئے ہو۔ (فتح القدیر)

[1] یہ بے حیائی کیا تھی؟ اس میں بھی مختلف اقوال ہیں، مثلاً: لوگوں کو کنکریاں مارنا، اجنبی مسافر کا استہزا و استخفاف، مجلسوں میں پاد مارنا، ایک دوسرے کے سامنے اغلام بازی، شطرنج وغیرہ قسم کی قمار بازی، رنگے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کوئی بعید نہیں کہ وہ یہ تمام ہی منکرات کرتے ہوں۔''

[2] حضرت لوط علیہ السلام نے جب انھیں ان منکرات سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا......

[3] یعنی جب حضرت لوط علیہ السلام قوم کی اصلاح سے ناامید ہو گئے تو اللہ سے مدد کی دعا فرمائی......

[4] یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ہلاک کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور انھیں اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوش خبری دی اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم لوط علیہ السلام کی بستی ہلاک کرنے آئے ہیں۔

[5] یعنی ہمیں علم ہے کہ اخیار اور مومن کون ہیں اور اشرار کون؟

[6] یعنی ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے جن کو عذاب کے ذریعے سے ہلاک کیا جانا ہے وہ چونکہ مومنہ نہیں تھی بلکہ اپنی قوم کی طرف دار تھی، اس لیے اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

[7] ﴿سِيۡٓءَ بِهِمۡ﴾ کے معنی ہیں: ان کے پاس ایسی چیز آئی جو انھیں بری لگی اور اس سے ڈر گئے، اس لیے کہ لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو، جو انسانی شکل میں آئے تھے، انسان ہی سمجھا اور اپنی قوم کی عادت بد اور سرکشی کی وجہ سے ڈرے کہ ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا علم اگر اسے ہو گیا تو وہ ان سے زبردستی بے حیائی کا ارتکاب کریں گے، جس سے میری رسوائی ہوگی۔ ﴿ضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا﴾ یہ کنایہ ہے عاجزی سے، جیسے ضَاقَتۡ يَدُهٗ (ہاتھ کا تنگ ہونا) کنایہ ہے فقر سے، یعنی ان خوش شکل مہمانوں کو بدخصلت قوم سے

اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿33﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿34﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿35﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿36﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿37﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ

ہم آپ کو مع آپ کے متعلقین کے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی [1] کہ وہ عذاب کے لیے باقی رہ جانے والوں میں سے ہوگی﴿33﴾ ہم اس بستی والوں پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں [2] اس وجہ سے کہ یہ بے حکم ہو رہے ہیں﴿34﴾ البتہ ہم نے اس بستی کو صریح عبرت کی نشانی بنا دیا [3] ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں﴿35﴾ [4] اور مدین کی طرف [5] ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انھوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو قیامت کے دن کی توقع رکھو [6] اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو﴿36﴾ [7] پھر بھی انھوں نے انھیں جھٹلایا آخر کار انھیں زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے مردہ ہو کر رہ گئے﴿37﴾ [8] اور ہم نے عادیوں اور ثمودیوں کو

بچانے کی کوئی تدبیر انھیں نہیں سوجھی جس کی وجہ سے وہ غمگین اور دل ہی دل میں پریشان تھے۔

[1] فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی اور غم وحزن کی کیفیت کو دیکھا تو انھیں تسلی دی اور کہا کہ آپ کوئی خوف اور حزن نہ کریں، ہم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہمارا مقصد آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو، سوائے آپ کی بیوی کے، نجات دلانا ہے۔

[2] اس آسمانی عذاب سے وہی عذاب مراد ہے جس کے ذریعے سے قوم لوط کو ہلاک کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جبریل نے ان کی بستیوں کو زمین سے اکھیڑا آسمان کی بلندیوں تک لے گئے، پھر ان کو ان ہی پر الٹا دیا گیا، اس کے بعد کھنگر پتھروں کی بارش ان پر ہوئی اور اس جگہ کو سخت بدبودار بحیرہ (جھیل) میں تبدیل کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

[3] یعنی پتھروں کے وہ آثار جن کی بارش ان پر ہوئی، سیاہ بدبودار پانی اور الٹی ہوئی بستیاں، یہ سب عبرت کی نشانیاں ہیں۔ مگر کن کے لیے؟ دانش مندوں کے لیے۔

[4] اس لیے کہ وہی معاملات پر غور کرتے، اسباب وعوامل کا تجزیہ کرتے اور نتائج و آثار کو دیکھتے ہیں لیکن جو لوگ عقل و شعور سے بے بہرہ ہوتے ہیں، انھیں ان چیزوں سے کیا تعلق؟ وہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں جنھیں ذبح کے لیے بوچڑ خانے لے جایا جاتا ہے لیکن انھیں اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس میں مشرکین مکہ کے لیے بھی تعریض ہے کہ وہ بھی تکذیب کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ لوگوں کا وتیرہ ہے۔

[5] مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا، بعض کے نزدیک یہ ان کے پوتے کا نام ہے، بیٹے کا نام مدیان تھا۔ ان ہی کے نام پر اس قبیلے کا نام پڑ گیا جو ان ہی کی نسل پر مشتمل تھا۔ اسی قبیلہ مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدین شہر کا نام تھا، یہ قبیلہ یا شہر لوط علیہ السلام کی بستی کے قریب ہی تھا۔

[6] اللہ کی عبادت کے بعد انھیں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی یا تو اس لیے کہ وہ آخرت کے منکر تھے یا اس لیے کہ وہ اسے فراموش کیے ہوئے تھے اور معصیتوں میں مبتلا تھے اور جو قوم آخرت کو فراموش کر دے، وہ گناہوں میں دلیر ہو جاتی ہے، جیسے آج مسلمانوں کی

وَ قَدۡ تَّبَيَّنَ لَكُمۡ مِّنۡ مَّسٰكِنِهِمۡ ۟ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَ كَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِيۡنَ ﴿38﴾ وَ قَارُوۡنَ وَ فِرۡعَوۡنَ وَ هَامٰنَ ۟ وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَ مَا كَانُوۡا سٰبِقِيۡنَ ﴿39﴾ فَكُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ اَخَذَتۡهُ الصَّيۡحَةُ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا ۚ وَ مَا

بھی غارت کیا جن کے بعض مکانات تمھارے سامنے ظاہر ہیں [1] اور شیطان نے انھیں ان کی بد اعمالیاں آراستہ کر دکھائی تھیں اور انھیں راہ سے روک دیا تھا باوجودیکہ وہ آنکھوں والے اور ہوشیار تھے ﴿38﴾ [2] اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی، ان کے پاس موسیٰ کھلے کھلے معجزے لے کر آئے تھے [3] پھر بھی انھوں نے زمین میں تکبر کیا لیکن ہم سے آگے بڑھنے والے نہ ہو سکے ﴿39﴾ [4] پھر تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے وبال میں گرفتار کر لیا، [5] ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا [6] اور ان میں سے بعض کو زور آور سخت آواز نے دبوچ لیا [7] اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا [8] اور ان میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا، [9]

اکثریت کا حال ہے۔

⑦ ناپ تول میں کمی اور لوگوں کو کم دینا، یہ بیماری ان میں عام تھی اور ارتکاب معاصی میں بھی انھیں باک نہیں تھا جس سے زمین فساد سے بھر گئی تھی۔

⑧ حضرت شعیب علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، بالآخر بادلوں کے سائے والے دن جبریل کی ایک سخت **چیخ سے زمین** زلزلے سے لرز اٹھی جس سے ان کے دل ان کی ہنسلیوں تک آ گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے کے **بیٹھے** رہ گئے۔

① قوم عاد کی بستی۔ احقاف، حضر موت (یمن) کے قریب اور ثمود کی بستی حجر، جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں، حجاز کے شمال میں ہے۔ ان علاقوں سے عربوں کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے، اس لیے یہ بستیاں ان کے لیے انجان نہیں بلکہ ظاہر تھیں۔

② یعنی تھے وہ عقل مند اور ہوشیار لیکن دین کے معاملے میں انھوں نے اپنی عقل و بصیرت سے کچھ کام نہیں لیا، اس لیے یہ عقل اور سمجھ ان کے کام نہ آئی۔

③ یعنی دلائل و معجزات کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوا اور بدستور متکبر بنے رہے، یعنی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے سے گریز کیا۔

④ یعنی ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جا سکے اور ہمارے عذاب کے شکنجے میں آ کر رہے۔ ایک دوسرا ترجمہ ہے کہ ”یہ کفر میں سبقت کرنے والے نہیں تھے۔“ بلکہ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اسی طرح کفر و عناد کا راستہ اختیار کیے رکھا تھا۔

⑤ یعنی ان مذکورین میں سے ہر ایک کی، ان کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے گرفت کی۔

⑥ یہ قوم عاد تھی جس پر نہایت تند و تیز ہوا کا عذاب آیا۔ یہ ہوا زمین سے کنکریاں اڑا اڑا کر ان پر برساتی، بالآخر اس کی شدت اتنی بڑھی کہ انھیں اچک کر آسمان تک لے جاتی اور انھیں سر کے بل زمین پر دے مارتی جس سے ان کا سر الگ اور دھڑ الگ ہو جاتا گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ (ابن کثیر) بعض مفسرین نے ﴿حَاصِبًا﴾ کا مصداق قوم لوط کو ٹھہرایا ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے غیر صحیح اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب قول کو منقطع قرار دیا ہے۔

كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿40﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿42﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿43﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

نصف الحزب

اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿40﴾ [1] جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے، حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے [2] کاش! وہ جان لیتے ﴿41﴾ اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جنھیں وہ اس کے سوا پکار رہے ہیں، وہ زبردست اور ذی حکمت ہے ﴿42﴾ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں، [3] انھیں صرف علم والے ہی جانتے ہیں ﴿43﴾ [4] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت

---

(7) یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود ہے جنھیں ان کے کہنے پر ایک چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے ایمان لانے کی بجائے اس اونٹنی کو ہی مار ڈالا۔ جس کے تین دن بعد ان پر سخت چنگھاڑ کا عذاب آیا جس نے ان کی آوازوں اور حرکتوں کو خاموش کر دیا۔

(8) یہ قارون ہے جسے مال و دولت کے خزانے عطا کیے گئے تھے لیکن یہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو گیا کہ یہ مال و دولت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کے ہاں معزز و محترم ہوں۔ مجھے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اسے اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

(9) یہ فرعون ہے جو ملک مصر کا حکمران تھا لیکن حد سے تجاوز کر کے اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو، جس کو اس نے غلام بنا رکھا تھا، آزاد کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک صبح اس کو اس کے پورے لشکر سمیت دریائے قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

(1) یعنی اللہ کی شان نہیں کہ وہ ظلم کرے، اس لیے پچھلی قومیں جن پر عذاب آیا، محض اس لیے ہلاک ہوئیں کہ کفر و شرک اور تکذیب و معاصی کا ارتکاب کر کے انھوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

(2) یعنی جس طرح مکڑی کا جالا (گھر) نہایت بودا، کمزور اور ناپائیدار ہوتا ہے، ہاتھ کے ادنیٰ سے اشارے سے وہ نابود ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی بالکل ایسا ہی، یعنی بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ وہ بھی کسی کے کام نہیں آ سکتے، اس لیے غیر اللہ کے سہارے بھی مکڑی کے جالے کی طرح یکسر ناپائیدار ہیں۔ اگر یہ پائیدار یا نفع بخش ہوتے تو یہ معبود گزشتہ اقوام کو تباہی سے بچا لیتے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ انھیں نہیں بچا سکے۔

(3) یعنی انھیں خواب غفلت سے بیدار کرنے، شرک کی حقیقت سے آگاہ کرنے اور ہدایت کا راستہ سجھانے کے لیے۔

(4) اس علم سے مراد اللہ کا، اس کی شریعت کا اور ان آیات و دلائل کا علم ہے جن پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی اور ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔

بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿44﴾

ع 4 14 16

اورحق کے ساتھ پیدا کیا ہے،[1] ایمان والوں کے لیے تو اس میں بڑی بھاری دلیل ہے ﴿44﴾[2]

① یعنی عبث اور بے مقصد نہیں۔

② یعنی اللہ کے وجود کی، اس کی قدرت اور علم وحکمت کی۔ اور پھر اسی دلیل سے وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿45﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ

جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھیں [1] اور نماز قائم کریں، [2] یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، [3] بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے، [4] تم جو کچھ کر رہے ہو اسے اللہ جانتا ہے﴿45﴾ اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقے پر جو عمدہ

① قرآن کریم کی تلاوت متعدد مقاصد کے لیے مطلوب ہے۔ محض اجر وثواب کے لیے، اس کے معانی ومطالب پر تدبر وتفکر کے لیے، تعلیم وتدریس کے لیے اور وعظ ونصیحت کے لیے، اس حکم تلاوت میں ساری ہی صورتیں شامل ہیں۔

② کیونکہ نماز سے (بشرطیکہ نماز ہو) انسان کا تعلق خصوصی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم وثبات کا باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔'' (البقرۃ 2:153) نماز اور صبر کوئی مادی (مرئی) چیز تو ہے نہیں کہ انسان ان کا سہارا پکڑ کر ان سے مدد حاصل کر لے۔ یہ تو معنوی (غیر مرئی) چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط وتعلق پیدا ہوتا ہے وہ قدم قدم پر اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتا ہے اسی لیے نبی ﷺ کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز بھی پڑھنے کی تاکید کی گئی کیونکہ آپ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ کو اللہ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے: «كَانَ النَّبِيُّ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى»

(مسند أحمد: 388/5، وصحيح أبي داود، حديث: 1319، وصحيح الجامع الصغير: 858/2، حديث: 4703)

③ یعنی بے حیائی اور برائی کے روکنے کا سبب اور ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے اور واقعتاً ایسا ہوتا ہے لیکن کب۔ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے: ایک، دوائی کو پابندی کے ساتھ اس طریقے اور شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے جو حکیم اور ڈاکٹر بتلائے۔ دوسرا، پرہیز، یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اس دوائی کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوں۔ اسی طرح نماز کے اندر بھی یقیناً اللہ نے ایسی روحانی تاثیر رکھی ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے لیکن اسی وقت، جب نماز کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ان آداب وشرائط کے ساتھ پڑھا جائے جو اس کی صحت وقبولیت کے لیے ضروری ہیں، قبولیت عمل کے لیے تین شرطیں ہیں: ① ایمان ② اخلاص ③ مطابق شریعت ہونا۔ علاوہ ازیں نماز کے لیے بالخصوص یہ بھی ضروری ہے کہ نمازی پاک ہو، وقتِ مقررہ کی پابندی کرے، الا یہ کہ کوئی عذرِ شرعی ہو، ارکانِ صلاۃ (قیام، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ) میں اعتدال واطمینان کا اہتمام کرے، اسی طرح خشوع خضوع اور مواظبت (ہمیشگی) کا بھی، نیز رزقِ حرام سے اجتناب اور حتی الامکان جماعت کے ساتھ پڑھنے کا التزام کرے۔ ہماری نمازیں ان آداب وشرائط سے عاری ہیں، اس لیے اس کے وہ اثرات بھی ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو قرآن کریم میں بتلائے گئے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امر کے کیے ہیں، یعنی نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ بے حیائی کے کاموں سے اور برائی سے رک جائے۔

④ یعنی بے حیائی اور برائی سے روکنے میں اللہ کا ذکر اقامت صلاۃ سے بھی زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ آدمی جب تک نماز میں ہوتا ہے، برائی سے رکا رہتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ہر وقت اللہ کا ذکر اس کے لیے ہر وقت برائی

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿46﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿47﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿48﴾ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ

ہو،[1] مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں[2] اور صاف اعلان کر دو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی،[3] ہمارا تمھارا معبود ایک ہی ہے۔ ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں ﴿46﴾ اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، پس جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں[4] اور ان (مشرکین) میں سے بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں[5] اور ہماری آیتوں کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں ﴿47﴾ اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے[6] اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے[7] تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شک و شبہ میں پڑتے ﴿48﴾[8] بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں[9] اور ہماری آیتوں

میں مانع رہتا ہے۔

① اس لیے کہ وہ اہل علم و فہم ہیں، بات کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ بنابریں ان سے بحث و گفتگو میں تلخی اور تندی مناسب نہیں۔

② یعنی جو بحث و مجادلہ میں افراط سے کام لیں تو تمھیں بھی سخت لب و لہجہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ بعض نے پہلے گروہ سے مراد وہ اہل کتاب لیے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے اور دوسرے گروہ سے وہ اشخاص جو مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہودیت و نصرانیت پر قائم رہے اور بعض نے ﴿ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ کا مصداق ان اہل کتاب کو لیا ہے جو مسلمانوں کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے اور جدال و قتال کے بھی مرتکب ہوتے تھے۔ ان سے تم بھی قتال کرو تا آنکہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ دیں۔

③ یعنی تورات و انجیل پر، یعنی یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور یہ کہ یہ شریعت اسلامیہ کے قیام اور بعثت محمدیہ تک شریعت الٰہیہ تھیں۔

③ اس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہیں۔ ایتائے کتاب سے مراد اس پر عمل ہے۔ گویا اس پر جو عمل نہیں کرتے، انھیں یہ کتاب دی ہی نہیں گئی۔

⑤ ان سے مراد اہل مکہ ہیں جن میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔

⑥ اس لیے کہ ان پڑھ تھے۔

⑦ اس لیے کہ لکھنے کے لیے بھی علم ضروری ہے جو آپ نے کسی سے حاصل ہی نہیں کیا تھا۔

⑧ یعنی اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے یا کسی استاذ سے کچھ سیکھا ہوتا تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید فلاں کی مدد سے یا اس سے تعلیم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

⑨ یعنی قرآن مجید کے حافظوں کے سینوں میں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ قرآن مجید لفظ بہ لفظ سینے میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿49﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿51﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿52﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿53﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ

کا منکر بجز ظالموں کے اور کوئی نہیں﴿49﴾ اور انھوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانات، یعنی معجزے اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتارے گئے۔ آپ کہہ دیجیے کہ نشانات تو سب اللہ کے پاس ہیں[1] میں تو صرف کھلم کھلا آگاہ کر دینے والا ہوں﴿50﴾ کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمادی جو ان پر پڑھی جارہی ہے،[2] اس میں رحمت (بھی) ہے اور نصیحت بھی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان دار ہیں﴿51﴾[3] کہہ دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے[4] وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو لوگ باطل کے ماننے والے اور اللہ سے کفر کرنے والے ہیں،[5] وہ زبردست نقصان اور گھاٹے میں ہیں﴿52﴾[6] یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔[7] اگر میری طرف سے مقرر کیا ہوا وقت نہ ہوتا تو اب تک ان کے پاس عذاب آچکا ہوتا،[8] یہ یقینی بات ہے کہ اچانک ان کی بے خبری میں ان کے پاس عذاب آپہنچے گا﴿53﴾[9] یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور تسلی رکھیں

---

① یعنی یہ نشانات اس کی حکمت و مشیت، جن بندوں پر اتارنے کی مقتضی ہوتی ہے، وہاں وہ اتارتا ہے، اس میں اللہ کے سوا کسی کا اختیار نہیں ہے۔

② یعنی وہ نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ کیا ان کے لیے بطور نشانی یہ قرآن کافی نہیں ہے جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور جس کی بابت انھیں چیلنج دیا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لاکر دکھائیں یا کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کر دیں۔ جب قرآن کی اس معجزہ نمائی کے باوجود یہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی طرح انھیں معجزے دکھا بھی دیے جائیں تو اس پر یہ کون سا ایمان لے آئیں گے؟

③ یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہے کیونکہ وہی اس سے متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

④ اس بات پر کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور جو کتاب مجھ پر نازل ہوئی ہے، یقیناً منجانب اللہ ہے۔

⑤ یعنی غیر اللہ کو عبادت کا مستحق ٹھہراتے ہیں اور جو فی الواقع مستحق عبادت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کا انکار کرتے ہیں۔

⑥ کیونکہ یہی لوگ فساد عقلی اور سوء فہم میں مبتلا ہیں، اسی لیے انھوں نے جو سودا کیا ہے کہ ایمان کے بدلے کفر اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، اس میں یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

⑦ یعنی پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے کہتے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر عذاب نازل کروا دے۔

⑧ یعنی ان کے اعمال و اقوال تو یقیناً اس لائق ہیں کہ انھیں فوراً صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا جائے لیکن ہماری سنت ہے کہ ہر قوم کو ایک وقت خاص تک مہلت دیتے ہیں، جب وہ مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے تو ہمارا عذاب آ جاتا ہے۔

جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿54﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿55﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿58﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿59﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿60﴾

جہنم کافروں کو گھیر لینے والی ہے ﴿54﴾ اس دن ان کے اوپر تلے سے انھیں عذاب ڈھانپ رہا ہوگا[1] اور اللہ فرمائے گا[2] کہ اب اپنے بداعمال کا مزہ چکھو ﴿55﴾ اے میرے ایماندار بندو! میری زمین بہت کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو ﴿56﴾[3] ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿57﴾[4] اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے انھیں ہم یقیناً جنت کے ان بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں[5] جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے،[6] کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ﴿58﴾ وہ جنھوں نے صبر کیا[7] اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿59﴾[8] اور بہت سے[9] جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے،[10] ان سب کو اور تمھیں بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے،[11] وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے ﴿60﴾[12]

---

(9) یعنی جب عذاب کا وقت مقرر آجائے گا تو اس طرح اچانک آئے گا کہ انھیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ وقت مقرر وہ ہے جو اس نے اہل مکہ کے لیے لکھ رکھا تھا، یعنی جنگ بدر میں اسارت وقتل یا پھر قیامت کا وقوع ہے جس کے بعد کافروں کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

(1) پہلا ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ﴾ بطور خبر کے تھا اور یہ دوسرا بطور تعجب کے ہے، یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عذاب کی جگہ (جہنم) نے ان کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے، پھر بھی یہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟ حالانکہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے، اسے دور کیوں سمجھتے ہیں؟ یا پھر یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

(2) ﴿يَقُوْلُ﴾ کا فاعل اللہ ہے یا فرشتے، یعنی جب چاروں طرف سے ان پر عذاب ہو رہا ہوگا تو کہا جائے گا۔

(3) اس میں ایسی جگہ سے، جہاں اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو اور دین پر قائم رہنا دوبھر ہو رہا ہو، ہجرت کرنے کا حکم ہے۔ جس طرح بعض مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسروں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

(4) یعنی موت کا تلخ گھونٹ تو لامحالہ ہر ایک کو پینا ہے، ہجرت کرو گے تب بھی اور نہ کرو گے تب بھی، اس لیے تمھارے لیے وطن کا، رشتے داروں کا اور دوست احباب کا چھوڑنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ موت تو تم جہاں بھی ہو گے آجائے گی، البتہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے مرو گے تو تم اخروی نعمتوں سے شاد کام ہو گے، اس لیے کہ مر کر تو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔

(5) یعنی اہل جنت کے مکانات بلند ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ نہریں پانی، شراب، شہد اور دودھ کی ہوں گی۔ علاوہ ازیں انھیں جس طرف پھیرنا چاہیں گے، ان کا رخ اسی طرف ہو جائے گا۔

(6) ان کے زوال کا خطرہ ہوگا نہ انھیں موت کا اندیشہ نہ کسی اور جگہ پھر جانے کا خوف۔

(7) یعنی دین پر مضبوطی سے قائم رہے، ہجرت کی تکلیفیں برداشت کیں، اہل وعیال اور عزیز واقرباء سے دوری کو محض اللہ کی رضا کے

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿61﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿62﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

58

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ،[1] پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں (61)[2] اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔[3] یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے (62)[4] اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا اللہ نے۔ آپ کہہ دیں کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے

لیے گوارا کیا۔

(8) دین اور دنیا کے ہر معاملے اور حالات میں۔

(9) ﴿كَاَيِّنْ﴾ میں کاف تشبیہ کا ہے اور معنی ہیں: کتنے ہی یا بہت سے۔

(10) کیونکہ اٹھا کر لے جانے کی ان میں ہمت ہی نہیں ہوتی، اسی طرح وہ ذخیرہ بھی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کسی خاص جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اللہ کا رزق اپنی مخلوق کے لیے عام ہے وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کر جانے والے صحابہ کو پہلے سے کہیں زیادہ وسیع اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا، نیز تھوڑے ہی عرصے کے بعد انھیں عرب کے متعدد علاقوں کا حکمران بنا دیا۔

(11) یعنی کوئی کمزور ہے یا طاقت ور، اسباب و وسائل سے بہرہ ور ہے یا بے بہرہ، اپنے وطن میں ہے یا مہاجر اور بے وطن، سب کا روزی رساں وہی اللہ ہے جو چیونٹی کو زمین کے کونوں کھدروں میں، پرندوں کو ہواؤں میں اور مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کو سمندر کی گہرائیوں میں روزی پہنچاتا ہے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ فقر و فاقہ کا ڈر ہجرت میں رکاوٹ نہ بنے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمام مخلوقات کی روزی کا ذمے دار ہے۔

(12) وہ جاننے والا ہے تمھارے اعمال و افعال کو اور تمھارے ظاہر و باطن کو، اس لیے صرف اسی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے مت ڈرو! اسی کی اطاعت میں سعادت و کمال ہے اور اس کی معصیت میں شقاوت و نقصان۔

(1) یعنی یہ مشرکین جو مسلمانوں کو محض توحید کی وجہ سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں، ان سے اگر پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سورج اور چاند کو اپنے اپنے مدار پر چلانے والا کون ہے؟ تو وہاں یہ اعتراف کیے بغیر انھیں چارہ نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔

(2) یعنی دلائل و اعتراف کے باوجود حق سے یہ اعراض اور گریز باعث تعجب ہے۔

(3) یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ اگر تم حق پر ہو تو پھر غریب اور کمزور کیوں ہو؟ اللہ نے فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور کمی اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے کم یا زیادہ دیتا ہے، اس کا تعلق اس کی رضامندی یا غضب سے نہیں ہے۔

(4) اس کو بھی وہی جانتا ہے کہ زیادہ رزق کس کے لیے بہتر ہے اور کس کے لیے نہیں؟

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿63﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿64﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿65﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ

بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ﴿63﴾ [1] اور دنیا کی یہ زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے [2] البتہ سچی زندگی تو آخرت کا گھر ہے، [3] کاش! یہ جانتے ہوتے ﴿64﴾ [4] پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں ﴿65﴾ [5] تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے مکرتے رہیں اور مزے اڑاتے رہیں۔ [6] ابھی ابھی پتا چل جائے گا ﴿66﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو باامن بنا دیا ہے، حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں، [7] کیا یہ باطل پر تو یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر

[1] کیونکہ عقل ہوتی تو اپنے رب کے ساتھ پتھروں کو اور مُردوں کو رب نہ بناتے۔ نہ ان کے اندر یہ تناقض ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت وربوبیت کے اعتراف کے باوجود بتوں کو حاجت روا اور لائق عبادت سمجھ رہے ہیں۔

[2] یعنی جس دنیا نے انھیں آخرت سے اندھا اور اس کے لیے توشہ جمع کرنے سے غافل رکھا ہے، وہ ایک کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، اس کے لیے شب وروز محنت کرتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، سوائے تھکاوٹ کے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

[3] اس لیے ایسے عمل صالح کرنے چاہئیں جن سے آخرت کا یہ گھر سنور جائے۔

[4] کیونکہ اگر وہ یہ بات جان لیتے تو آخرت سے بے پروا ہو کر دنیا میں مگن نہ ہوتے، اس لیے ان کا علاج علم ہے، علم شریعت۔

[5] مشرکین کے اس تناقض کو بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس تناقض کو حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے جس کی وجہ سے انھیں قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوگئی۔ ان کے متعلق آتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ مکہ سے فرار ہو گئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے بچ جائیں۔ یہ حبشہ جانے کے لیے ایک کشتی میں بیٹھے، کشتی گرداب میں پھنس گئی تو کشتی میں سوار لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ پورے خلوص سے رب سے دعائیں کرو، اس لیے کہ یہاں اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اگر یہاں سمندر میں اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا اور اسی وقت اللہ سے عہد کر لیا کہ اگر میں یہاں سے بخیریت ساحل پر پہنچ گیا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا، یعنی مسلمان ہو جاؤں گا، چنانچہ یہاں سے نجات پا کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (ابن کثیر بحوالہ سیرت محمد بن اسحاق)

[6] یہ لام کَیْ ہے جو علت کے لیے ہے، یعنی نجات کے بعد ان کا شرک کرنا، اس لیے ہے کہ وہ کفران نعمت کریں اور دنیا کی لذتوں سے متمتع ہوتے رہیں کیونکہ اگر وہ یہ ناشکری نہ کرتے تو اخلاص پر قائم رہتے اور صرف اللہ واحد کو ہی ہمیشہ پکارتے۔ بعض کے نزدیک یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی گو ان کا مقصد کفر کرنا نہیں ہے لیکن دوبارہ شرک کے ارتکاب کا نتیجہ بہر حال کفر ہی ہے۔

اللّٰہِ یَکْفُرُوْنَ ﴿67﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَہَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿68﴾ وَالَّذِیْنَ جَاہَدُوْا فِیْنَا لَنَہْدِیَنَّہُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿69﴾ ع 7/6/3

سورۂ روم مکی ہے، اس میں 60 آیات اور 6 رکوع ہیں۔	اٰیَاتُہَا: 60 (30) سُوْرَۃُ الرُّوْمِ مَکِّیَّۃٌ (84) رُکُوْعَاتُہَا: 6

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿2﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَہُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ﴿3﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿4﴾ بِنَصْرِ اللّٰہِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَہُوَ

ناشکری کرتے ہیں ﴿67﴾ [1] اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ باندھے [2] یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے جھٹلائے [3]، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہوگا؟ ﴿68﴾ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں [4] ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔ [5] یقیناً اللہ نیکوکاروں کا ساتھی ہے ﴿69﴾ [6]

الٓمّٓ ﴿1﴾ رومی مغلوب ہوگئے ہیں ﴿2﴾ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے ﴿3﴾ چند سال ہی میں اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے۔ اس روز مسلمان شادمان ہوں گے ﴿4﴾ اللہ کی مدد سے، [7] وہ جس کی چاہتا ہے مدد

[7] اللہ تعالیٰ اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے جو اہل مکہ پر اس نے کیا کہ ہم نے ان کے حرم کو امن والا بنایا جس میں اس کے باشندے قتل و غارت، اسیری، لوٹ مار وغیرہ سے محفوظ ہیں جبکہ عرب کے دوسرے علاقے اس امن و سکون سے محروم ہیں، قتل و غارت گری ان کے ہاں معمول اور آئے دن کا مشغلہ ہے۔

[1] یعنی کیا اس نعمت کا شکر یہی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں اور جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستش کرتے رہیں۔ اس احسان کا اقتضا تو یہ تھا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبر کی تصدیق کرتے۔

[2] یعنی دعویٰ کرے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، درآں حالیکہ ایسا نہ ہو یا کوئی یہ کہے کہ میں بھی وہ چیز اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ یہ افترا ہے اور مدعی مفتری۔

[3] یہ تکذیب ہے اور اس کا مرتکب مکذب۔ افترا اور تکذیب دونوں کفر ہیں جس کی سزا جہنم ہے۔

[4] یعنی دین پر عمل کرنے میں جو دشواریاں، آزمائشیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔

[5] اس سے مراد دنیا و آخرت کے وہ راستے ہیں جن پر چل کر انسان کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

[6] احسان کا مطلب ہے، اللہ کے لیے ہر نیکی کے کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا، سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرنا، برائی کے بدلے میں برائی کی بجائے حسن سلوک کرنا، اپنا حق چھوڑ دینا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا۔ یہ سب احسان کے مفہوم میں شامل ہیں۔

[7] عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں۔ ایک فارس (ایران) کی، دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی، یعنی اہل کتاب تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیونکہ دونوں مشرک تھے جبکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی

الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑤ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑥ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦ اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

کرتا ہے۔ اصل غالب اور مہربان وہی ہے⑤ اللہ کا وعدہ ہے،[1] اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے⑥ وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر (ہی) کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں⑦[2] کیا ان لوگوں نے اپنی جانوں میں یہ غور نہیں کیا؟ کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کو بہترین قرینے[3] سے مقرر وقت تک کے لیے (ہی) پیدا کیا ہے، ہاں، اکثر لوگ یقیناً اپنے رب کی ملاقات کے

عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں، اس لیے کہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر یقین رکھتے تھے۔ ان کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ نبی ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آ گئی جس پر مشرکوں کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا، اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ ﴿ بِضْعِ سِنِیْنَ ﴾ ''چند سال'' کے اندر رومی پھر غالب آ جائیں گے اور غالب (ایرانی) مغلوب ہو جائیں گے۔ بظاہر اسباب یہ پیش گوئی ناممکن العمل نظر آتی تھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے یہ شرط باندھ لی کہ رومی پانچ سال کے اندر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ ﴿ بِضْعِ ﴾ کا لفظ تین سے لے کر 9 تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے تم نے 5 سال کی مدت کم رکھی ہے، اس میں اضافہ کر لو، چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مدت میں اضافہ کروا لیا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ رومی 9 سال کی مدت کے اندر اندر، یعنی ساتویں سال دوبارہ فارس پر غالب آ گئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ (جامع الترمذي، حديث: 3194) بعض کہتے ہیں کہ رومیوں کو یہ فتح اس وقت ہوئی جب بدر میں مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہوا اور مسلمان اپنی فتح پر خوش ہوئے۔ رومیوں کی یہ فتح قرآن کریم کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ نزدیک کی زمین سے مراد عرب کی زمین کے قریب کے علاقے ہیں، یعنی شام و فلسطین وغیرہ، جہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔

① یعنی اے محمد! ہم آپ کو جو خبر دے رہے ہیں کہ عنقریب رومی فارس پر دوبارہ غالب آ جائیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو مدت موعود کے اندر یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

② یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے، چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارت فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جن کا نفع مستقل اور پائیدار ہے، یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

③ یا ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے، یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح اسے نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے اس کی تخلیق کی، پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع و عریض سلسلہ قائم کیا، نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت

لَكٰفِرُوْنَ ⑧ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪ وَيَوْمَ

منکر ہیں⑧ [1] کیا انھوں نے زمین میں چل پھر کر یہ نہیں دیکھا [2] کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟ [3] وہ ان سے بہت زیادہ توانا (اور طاقتور) تھے [4] اور انھوں نے بھی زمین بوئی جوتی تھی [5] اور ان سے زیادہ آباد کی تھی [6] اور ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ [7] یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا [8] لیکن (دراصل) وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے⑨ [9] پھر آخر کار برا کام کرنے والوں کا انجام بہت ہی برا ہوا، [10] اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے⑩ اللہ ہی مخلوق کی ابتدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، [11] پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے⑪ [12] اور جس دن

مقرر کیا، یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انھیں ادراک واحساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

[1] اور اس کی وجہ وہی کائنات میں غور وفکر کا فقدان ہے ورنہ قیامت کے انکار کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔

[2] یہ آثار وکھنڈرات اور نشانات عبرت پر غور وفکر نہ کرنے پر توبیخ کی جا رہی ہے۔ مطلب ہے کہ چل پھر کر وہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔

[3] یعنی ان کافروں کا جن کو اللہ نے ان کے کفر باللہ، حق کے انکار اور رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا۔

[4] یعنی قریش اور اہل مکہ سے زیادہ۔

[5] یعنی اہل مکہ تو کھیتی باڑی سے ناآشنا ہیں لیکن پچھلی قومیں اس وصف میں بھی ان سے بڑھ کر تھیں۔

[6] اس لیے کہ ان کی عمریں بھی زیادہ تھیں، جسمانی قوت میں بھی زیادہ تھے، اسباب معاش بھی ان کو زیادہ حاصل تھے، پس انھوں نے عمارتیں بھی زیادہ بنائیں، زراعت وکاشتکاری بھی کی اور وسائل رزق بھی زیادہ مہیا کیے۔

[7] لیکن وہ ان پر ایمان نہیں لائے۔ نتیجتاً تمام تر قوتوں، ترقیوں اور فراغت وخوش حالی کے باوجود ہلاکت ان کا مقدر بن کر رہی۔

[8] کہ انھیں بغیر گناہ کے عذاب میں مبتلا کر دیتا۔

[9] یعنی اللہ کا انکار اور رسولوں کی تکذیب کر کے۔

[10] ﴿السُّوْٓاٰى﴾ بروزن فُعْلٰی، سُوْءٌ سے أَسْوَأُ کی تانیث ہے، جیسے حُسْنٰی، أَحْسَنُ کی تانیث ہے، یعنی ان کا جو انجام ہوا، بدترین انجام تھا۔

[11] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ انھیں زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، اس لیے کہ دوبارہ پیدا کرنا، پہلی مرتبہ سے آسان تر ہوتا ہے۔

[12] یعنی میدان محشر اور موقف حساب میں، جہاں وہ عدل وانصاف کا اہتمام فرمائے گا۔

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآىِٕهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ⑬

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ

يُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ

تُظْهِرُوْنَ ⑱ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ

قیامت قائم ہوگی تو گناہ گار حیرت زدہ رہ جائیں گے ⑫ [1] اور ان کے تمام تر شریکوں میں سے ایک بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا [2] اور خود یہ بھی اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے ⑬ [3] اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن جماعتیں الگ الگ ہو جائیں گی ⑭ [4] جو ایمان لا کر نیک اعمال کرتے رہے وہ تو جنت میں خوش وخرم کر دیے جائیں گے ⑮ [5] اور جنھوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھوٹا ٹھہرایا تھا وہ سب عذاب میں پکڑ دادیے جائیں گے ⑯ [6] پس اللہ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو ⑰ تمام تعریفوں کے لائق آسمان وزمین میں صرف وہی ہے، تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی اس کی پاکیزگی بیان کرو ⑱ [7] (وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ [8] اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے، اسی طرح تم

① إِبْلَاس کے معنی ہیں: اپنے موقف کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکنا اور حیران وساکت کھڑے رہنا۔ اسی کو ناامیدی کے مفہوم سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مُبْلِسٌ وہ ہوگا جو ناامید ہو کر خاموش کھڑا ہوا اور اسے کوئی دلیل نہ سوجھ رہی ہو، قیامت والے دن کافروں اور مشرکوں کا یہی حال ہوگا، یعنی معاینۂ عذاب کے بعد وہ ہر خیر سے مایوس اور دلیل وحجت پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ ﴿ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ سے مراد کافر ومشرک ہیں جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہے۔

② شریکوں سے مراد وہ معبودانِ باطلہ ہیں جن کی مشرکین یہ سمجھ کر عبادت کرتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوں گے اور انھیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ لیکن اللہ نے یہاں وضاحت فرما دی کہ اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔

③ یعنی وہاں ان کی الوہیت کے منکر ہو جائیں گے کیونکہ وہ دیکھ لیں گے کہ یہ تو کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ (فتح القدیر) دوسرے معنی ہیں کہ یہ معبود اس بات سے انکار کر دیں گے کہ یہ لوگ انھیں اللہ کا شریک گردان کر ان کی عبادت کرتے تھے کیونکہ وہ تو ان کی عبادت سے ہی بے خبر ہیں۔

④ اس سے مراد ہر فرد کا دوسرے فرد سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب مومنوں کا اور کافروں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر وشرک جہنم میں چلے جائیں گے اور ان کے درمیان دائمی جدائی ہو جائے گی، یہ دونوں پھر کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے یہ حساب کے بعد ہوگا، چنانچہ اسی علیحدگی کی وضاحت اگلی آیات میں کی جا رہی ہے۔

⑤ یعنی انھیں جنت میں اکرام وانعام سے نوازا جائے گا جس سے وہ مزید خوش ہوں گے۔

⑥ یعنی ہمیشہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں رہیں گے۔

تُخْرَجُوْنَ ﴿19﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿20﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ

بھی نکالے جاؤ گے ﴿19﴾ [1] اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اب انسان بن کر (چلتے پھرتے) پھیل رہے ہو۔ ﴿20﴾ [2] اوراس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں [3] تاکہ تم ان سے آرام پاؤ، [4] اس نے تمھارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کر دی، [5]

---

⑦ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات مقدسہ کے لیے تسبیح وتحمید ہے، جس سے مقصد اپنے بندوں کی رہنمائی ہے کہ ان اوقات میں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور جو اس کے کمال قدرت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں، اس کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ شام کا وقت، رات کی تاریکی کا پیش خیمہ اور سپیدۂ سحر دن کی روشنی کا پیامبر ہوتا ہے۔ عشاء: شدت تاریکی کا اور ظہر خوب روشن ہو جانے کا وقت ہے، پس وہ ذات پاک ہے جو ان سب کی خالق ہے اور جس نے ان تمام اوقات میں الگ الگ فوائد رکھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تسبیح سے مراد نماز ہے اور دونوں آیات میں مذکور اوقات پانچ نمازوں کے اوقات ہیں۔ ﴿تُمْسُوْنَ﴾ میں مغرب وعشاء، ﴿تُصْبِحُوْنَ﴾ میں نماز فجر، ﴿عَشِيًّا﴾ (سہ پہر) میں عصر اور ﴿تُظْهِرُوْنَ﴾ میں نماز ظہر آجاتی ہے۔ (فتح القدیر) جس حدیث میں ان دونوں آیات کو صبح وشام پڑھنے کی جو یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے شب وروز کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، وہ ضعیف ہے، لہٰذا یہ فضیلت ثابت نہیں۔ (سنن أبي داود، حديث: 5076)

⑧ جیسے انڈے کو مرغی سے، مرغی کو انڈے سے۔ انسان کو نطفے سے، نطفے کو انسان سے اور مومن کو کافر سے، کافر کو مومن سے پیدا فرماتا ہے۔

① یعنی قبروں سے زندہ کر کے۔

② ﴿اِذَآ﴾ فجائیہ ہے۔ مقصود اس سے ان اطوار کی طرف اشارہ ہے جن سے گزر کر بچہ پورا انسان بنتا ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ ﴿تَنْتَشِرُوْنَ﴾ سے مراد انسان کا کسب معاش اور دیگر حاجات وضروریات بشریہ کے لیے چلنا پھرنا ہے۔

③ یعنی تمھاری ہی جنس سے عورتیں پیدا کیں تاکہ وہ تمھاری بیویاں بنیں اور تم جوڑا جوڑا ہو جاؤ۔ ﴿اَزْوَاجًا﴾ عربی میں جوڑے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے مرد عورت کے لیے اور عورت مرد کے لیے زوج ہے۔ عورتوں کے جنس بشر ہونے کا مطلب ہے کہ دنیا کی پہلی عورت، حضرت حوا، کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا، پھر ان دونوں سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

④ مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی، مثلاً: عورتیں جنات یا حیوانات میں سے ہوتیں تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو اس وقت دونوں کے ایک ہی جنس سے ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ ایک دوسرے سے نفرت ووحشت ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی بیویاں، انسان ہی بنائیں۔

⑤ ﴿مَّوَدَّةً﴾ یہ ہے کہ مرد بیوی سے بے پناہ پیار کرتا ہے اور ایسے ہی بیوی شوہر سے جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔ ایسی محبت جو میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے، دنیا میں کسی بھی دو شخصوں کے درمیان نہیں ہوتی۔ اور رحمت یہ ہے کہ مرد بیوی کو ہر طرح کی سہولت اور آسائشیں بہم پہنچاتا ہے جس کا مکلف اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور ایسے ہی عورت بھی اپنی قدرت واختیار کے دائرے میں ایسا کرتی

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿22﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿23﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ

یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں﴿21﴾ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بھی ہے،[1] دانش مندوں کے لیے اس میں یقیناً بڑی نشانیاں ہیں ﴿22﴾اور بھی اس کی قدرت کی نشانی تمھاری راتوں اوردن کی نیند میں ہے اوراس کے فضل، یعنی روزی کو تمھارا تلاش کرنا بھی ہے۔[2] جولوگ کان لگا کر سننے کے عادی ہیں، ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں﴿23﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ (بھی) ہے کہ وہ تمھیں ڈرانے اور امیدوار بنانے کے لیے بجلیاں دکھاتا ہے[3]

ہے، تاہم انسان کو یہ سکون اور باہمی پیار انھی جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے قائم ہوتے ہیں اور اسلام انھی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو وہ جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انھیں زانی اور بدکار قرار دیتا اوران کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین ان مذموم کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشروں کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی نکاح کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے بدکار مرد وعورت کو ''جوڑا'' (COUPLE) تسلیم کروایا جائے اوران کے لیے سزا کی بجائے وہ حقوق منوائے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○﴾ (المنفقون 4:63) ''اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔''

① دنیا میں اتنی زبانوں کا پیدا کر دینا بھی اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، عربی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اردو، ہندی، پشتو، فارسی، سندھی، بلوچی وغیرہ بے شمار بین الاقوامی اور علاقائی زبانیں ہیں، پھر ہر زبان کے مختلف لہجے اور اسلوب ہیں۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص فلاں ملک اور فلاں علاقے کا ہے۔ صرف زبان ہی اس کا تعارف کرا دیتی ہے۔ اسی طرح ایک ہی ماں باپ (آدم وحواء) سے ہونے کے باوجود رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی نیلگوں ہے تو کوئی گندمی رنگ کا، پھر کالے اور سفید رنگ میں بھی اتنے درجات رکھ دیے ہیں کہ بیشتر انسانی آبادی دو رنگوں میں تقسیم ہونے کے باوجود ان کی بیسیوں قسمیں ہیں اور ایک دوسرے سے یکسر الگ اور ممتاز، پھر ان کے چہروں کے خد وخال، جسمانی ساخت اور قد وقامت میں ایسا فرق رکھ دیا گیا ہے کہ ایک ایک ملک کا انسان الگ سے پہچان لیا جاتا ہے، یعنی باوجود اس بات کے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے نہیں ملتا حتی کہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے مختلف ہے لیکن اللہ کی قدرت کا کمال ہے کہ پھر بھی کسی ایک ہی ملک کے باشندے، دوسرے ملک کے باشندوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

② نیند کا باعث سکون وراحت ہونا، چاہے وہ رات کو ہو یا بہ وقت قیلولہ اور دن کو تجارت وکاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا، یہ مضمون کئی جگہ گزر چکا ہے۔

③ یعنی آسمان میں بجلی چمکتی اور بادل کڑکتے ہیں تو تم ڈرتے بھی ہو کہ کہیں بجلی گرنے یا زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے کھیتیاں برباد نہ

السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿24﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿25﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿26﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾ ع ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿28﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ

اور آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اس میں (بھی) عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ﴿24﴾ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمھیں آواز دے گا صرف ایک بار کی آواز کے ساتھ ہی تم سب زمین سے نکل آؤ گے ﴿25﴾[1] اور زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر ایک اس کے فرمان کے ماتحت ہے ﴿26﴾[2] اور وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔ اسی کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے،[3] آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی غلبے والا حکمت والا ہے ﴿27﴾ اللہ نے تمھارے لیے ایک مثال خود تمھاری ہی بیان فرمائی، جو کچھ ہم نے تمھیں دے رکھا ہے، کیا اس میں تمھارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمھارا شریک ہے؟ کہ تم اور وہ اس میں برابر درجے کے ہو؟[4] اور تم ان کا ایسا خطرہ رکھتے ہو جیسا خود اپنوں کا،[5] ہم عقل رکھنے والوں کے لیے اسی طرح کھول کھول کر آیتیں بیان کر دیتے ہیں ﴿28﴾[6] بلکہ بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے[7] خواہش پرستی کر رہے ہیں،

ہو جائیں اور امیدیں بھی وابستہ کرتے ہو کہ بارشیں ہوں گی تو فصل اچھی ہوگی۔

① یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو آسمان و زمین کا یہ سارا نظام جو اس وقت اس کے حکم سے قائم ہے، درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسان قبروں سے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔

② یعنی اس کے تکوینی حکم کے آگے سب بے بس اور لاچار ہیں، جیسے موت و حیات، صحت و مرض، ذلت و عزت وغیرہ میں کوئی اللہ کے حکم کے آگے دم نہیں مار سکتا۔

③ یعنی اتنے کمالات اور عظیم قدرتوں کا مالک، تمام مثالوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ 42:11) ''کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔''

④ یعنی جب تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمھارے غلام اور نوکر چاکر جو تمھارے ہی جیسے انسان ہیں، وہ تمھارے مال و دولت میں شریک اور تمھارے برابر ہو جائیں تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کے بندے، چاہے وہ فرشتے ہوں، پیغمبر ہوں، اولیاء و صلحاء ہوں یا شجر و حجر کے بنائے ہوئے معبود، وہ اللہ کے ساتھ شریک ہو جائیں جبکہ وہ بھی اللہ کے غلام اور اس کی مخلوق ہیں، یعنی جس طرح پہلی بات نہیں ہو سکتی، دوسری بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرنا اور انھیں بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یکسر غلط ہے۔

⑤ یعنی کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم (آزاد لوگ) آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو، یعنی جس طرح

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿29﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿31﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا

اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ راہ سے ہٹا دے،[1] اور ان کا ایک بھی مدد گار نہیں ﴿29﴾[2] پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں۔[3] اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے،[4] اللہ کے بنائے کو بدلنا ممکن نہیں،[5] یہی سیدھا دین ہے،[6] لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ﴿30﴾[7] (لوگو!) اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ ﴿31﴾[8] ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے

مشترکہ کاروبار یا جائیداد میں سے خرچ کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے شریک باز پرس کریں گے۔ کیا تم اپنے غلاموں سے اس طرح ڈرتے ہو؟ یعنی نہیں ڈرتے کیونکہ تم انھیں مال و دولت میں شریک قرار دے کر اپنا ہم مرتبہ بنا ہی نہیں سکتے تو ان سے ڈر بھی کیسا؟

⑥ کیونکہ وہ اپنی عقلوں کو استعمال میں لا کر اور غور و فکر کا اہتمام کر کے آیات تنزیلیہ اور تکوینیہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے، ان کی سمجھ میں توحید کا مسئلہ بھی نہیں آتا جو بالکل صاف اور نہایت واضح ہے۔

⑦ یعنی اس حقیقت کا انھیں ادراک ہی نہیں ہے کہ وہ علم سے بے بہرہ اور ضلالت کا شکار ہیں اور اسی بے علمی اور گمراہی کی وجہ سے وہ اپنی عقل کو کام میں لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات اور آرائے فاسدہ کے پیروکار ہیں۔

① کیونکہ اللہ کی طرف سے ہدایت اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے اندر ہدایت کی طلب اور آرزو ہوتی ہے جو اس **طلب صادق** سے محروم ہوتے ہیں، انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

② یعنی ان گمراہوں کا کوئی مددگار نہیں جو انھیں ہدایت سے بہرہ ور کر دے یا ان سے عذاب کو پھیر دے۔

③ یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت پر قائم رہیں اور ادیان باطلہ کی طرف التفات ہی نہ کریں۔

④ فطرت کے اصل معنی خلقت (پیدائش) کے ہیں۔ یہاں مراد ملت اسلام (وتوحید) ہے مطلب یہ ہے کہ سب کی پیدائش، بغیر مسلم و کافر کی تفریق کے، اسلام اور توحید پر ہوئی ہے، اس لیے توحید ان کی فطرت، یعنی جبلت میں شامل ہے جس طرح کہ عہدِ اَلَسْتُ سے واضح ہے۔ بعد میں بہت سوں کو ماحول یا دیگر عوارض، فطرت کی اس آواز کی طرف نہیں آنے دیتے جس کی وجہ سے وہ کفر پر ہی باقی رہتے ہیں۔ جس طرح نبی ﷺ کی حدیث ہے: ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4775، وصحيح مسلم، حديث: 22-(2658))

⑤ یعنی اللہ کی اس خلقت (فطرت) کو تبدیل نہ کرو بلکہ صحیح تربیت کے ذریعے سے اس کی نشو و نما کرو تاکہ ایمان و توحید بچوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے۔ یہ خبر بمعنی انشا ہے، یعنی نفی، نہی کے معنی میں ہے۔

⑥ یعنی وہ دین جس کی طرف یکسو اور متوجہ ہونے کا حکم ہے یا جو فطرت کا تقاضا ہے وہ یہی دین قیم ہے۔

⑦ اسی لیے وہ اسلام اور توحید سے نا آشنا رہتے ہیں۔

⑧ یعنی ایمان و تقویٰ اور اقامت صلاۃ سے گریز کر کے مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۥ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ

کردیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے [1] ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے (32) [2] لوگوں کو جب کبھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف (پوری طرح) رجوع ہو کر دعائیں کرتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے تو اُن میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے (33) تاکہ وہ اس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دی [3] اچھا تم فائدہ اٹھا لو ابھی تمھیں معلوم ہو جائے گا (34) کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو اسے بیان کرے جسے یہ اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہیں (35) [4] اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوب خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انھیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں (36) [5] کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ جسے چاہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ، [6] اس میں بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں نشانیاں ہیں (37) پس

(1) یعنی اصل دین کو چھوڑ کر یا اس میں من مانی تبدیلیاں کر کے الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، جیسے کوئی یہودی، کوئی نصرانی اور کوئی مجوسی وغیرہ ہو گیا۔

(2) یعنی ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر اور جو سہارے انھوں نے تلاش کر رکھے ہیں، جن کو وہ دلائل سے تعبیر کرتے ہیں، ان پر خوش اور مطمئن ہیں، بدقسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا بھی ہر فرقہ اسی زعم باطل میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے، حالانکہ حق پر صرف ایک ہی گروہ ہے جس کی پہچان نبی ﷺ نے بتلا دی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر چلنے والا ہو گا (اور یہ شرف اہل سنت کہلانے والوں میں سے صرف اہل حدیث کو حاصل ہے۔ كَثَّرَ اللّٰهُ سَوَادَهُمْ.

(3) یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ عنکبوت 39:29 کے آخر میں گزرا۔

(4) یہ استفہام انکاری ہے، یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے۔ اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لیے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا جبکہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں، چنانچہ ہر پیغمبر نے آ کر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔ اور آج اہل توحید مسلمانوں کو بھی نام نہاد مسلمانوں میں توحید و سنت کا وعظ کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ مسلمان عوام کی اکثریت شرک و بدعت میں مبتلا ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

(5) یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ ہود 11:11 میں گزرا اور جو انسانوں کی اکثریت کا شیوہ ہے کہ راحت میں وہ اترانے لگتے ہیں اور مصیبت میں ناامید ہو جاتے ہیں، البتہ اہل ایمان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ تکلیف میں صبر اور راحت میں اللہ کا شکر، یعنی عمل صالح کرتے

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿38﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿39﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو اور ہر ایک کو اس کا حق دیجیے،① یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں،② ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں ﴿38﴾ تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔③ اور جو کچھ صدقہ زکاۃ تم اللہ کے چہرے کی طلب، (خوشنودی) کے لیے دو تو ایسے لوگ ہی ہیں اپنا مال دو چند کرنے والے ﴿39﴾④ اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر روزی دی، پھر مار ڈالے گا، پھر

ہیں۔ یوں دونوں حالتیں ان کے لیے خیر اور اجر وثواب کا باعث بنتی ہیں۔

⑥ یعنی اپنی حکمت و مصلحت سے وہ کسی کو مال و دولت زیادہ اور کسی کو کم دیتا ہے حتی کہ بعض دفعہ عقل و شعور میں اور ظاہری اسباب و وسائل میں دو انسان ایک جیسے ہی محسوس ہوتے ہیں، ایک جیسا ہی کاروبار بھی شروع کرتے ہیں لیکن ایک کے کاروبار کو خوب فروغ ملتا ہے اور اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں جبکہ دوسرے شخص کا کاروبار محدود ہی رہتا ہے اور اسے وسعت نصیب نہیں ہوتی۔ آخر یہ کون ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہیں اور وہ اس قسم کے تصرفات فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کبھی دولت فراواں کے مالک کو محتاج اور محتاج کو مال و دولت سے نواز دیتا ہے۔ یہ سب اسی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

① جب وسائل رزق تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس پر چاہے اس کے دروازے کھول دیتا ہے تو اصحاب ثروت کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کا وہ حق ادا کرتے رہیں جو ان کے مال میں ان کے مستحق رشتے داروں، مساکین اور مسافروں کا رکھا گیا ہے۔ رشتے دار کا حق اس لیے مقدم کیا کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ غریب رشتے دار کے ساتھ احسان کرنا دوہرے اجر کا باعث ہے۔ ایک صدقے کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ علاوہ ازیں اسے حق سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ امداد کر کے ان پر تم احسان نہیں کرو گے بلکہ ایک حق ہی کی ادائیگی کرو گے۔

② یعنی جنت میں اس کے دیدار سے مشرف ہونا۔

③ یعنی سود سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی نحوست بالآخر دنیا و آخرت میں تباہی کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد صحابہ و تابعین نے اس آیت میں ﴿رِّبًا﴾ سے مراد سود (بیاج) نہیں بلکہ وہ ہدیہ اور تحفہ لیا ہے جو کوئی غریب آدمی کسی مال دار کو یا رعایا کا کوئی فرد بادشاہ یا حکمران کو اور ایک خادم اپنے مخدوم کو اس نیت سے دیتا ہے کہ وہ اس کے بدلے میں مجھے اس سے زیادہ دے گا۔ اسے ﴿رِّبًا﴾ سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ دیتے وقت اس میں زیادتی کی نیت ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ مباح ہے، تاہم اللہ کے ہاں اس پر اجر نہیں ملے گا۔ ﴿فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ سے اسی اخروی اجر کی نفی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا: ”جو تم عطیہ دو، اس نیت سے کہ واپسی کی صورت میں زیادہ ملے، پس اللہ کے ہاں اس کا ثواب نہیں۔ (ابن کثیر، أیسر التفاسیر) اس سے نیوتا کی رقم اور سلامی کا عدم جواز بھی ثابت ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر رشتے دار ایک دوسرے کو دیتے ہیں، اس کی ابتدا

يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿40﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿41﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ

زندہ کردے گا بتاؤ تمھارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان میں سے کچھ بھی کرسکتا ہو؟ اللہ کے لیے پاکی اور برتری ہے ہر اس شریک سے جو یہ لوگ مقرر کرتے ہیں ﴿40﴾ خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ چکھا دے بہت ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں ﴿41﴾[1] کہہ دیجیے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا جن میں اکثر لوگ

شاید تعاون کے جذبے سے ہی ہوئی لیکن اب یہ قرض کی صورت اختیار کرگئی ہے جس کی ادائیگی ضروری سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اسے اضافے کے ساتھ ہی لوٹایا جاتا ہے، یوں اس میں سُود کی آمیزش بھی ہو جاتی ہے، اس لیے اس رواج اور طریقے کو بھی شرعاً ختم کرنا ضروری ہے۔

④ زکاۃ و صدقات سے ایک تو روحانی و معنوی اضافہ ہوتا ہے، یعنی بقیہ مال میں اللہ کی طرف سے برکت ڈال دی جاتی ہے۔ دوسرے: قیامت والے دن اس کا اجر وثواب کئی کئی گنا ملے گا، جس طرح حدیث میں ہے کہ حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ بڑھ بڑھ کر پہاڑ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم، حدیث:63-(1014))

① خشکی سے مراد انسانی آبادیاں اور تری سے مراد سمندر، سمندری راستے اور ساحلی آبادیاں ہیں۔ فساد سے مراد ہر وہ بگاڑ ہے جس سے انسانوں کے معاشرے اور آبادیوں میں امن وسکون تہ و بالا اور ان کے عیش وآرام میں خلل واقع ہو، اس لیے اس کا اطلاق معاصی وسیئات پر بھی صحیح ہے کہ انسان ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں، اللہ کی حدوں کو پامال اور اخلاقی ضابطوں کو توڑ رہے ہیں اور قتل و خونریزی عام ہوگئی ہے اور ان ارضی و سماوی آفات پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے۔ جو اللہ کی طرف سے بطور سزا و تنبیہ نازل ہوتی ہیں، جیسے قحط، کثرت موت، خوف اور سیلاب وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی نافرمانیوں کو اپنا وتیرہ بنالیں تو پھر مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے اعمال وکردار کا رخ برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے، امن و سکون ختم اور اس کی جگہ خوف و دہشت، سلب ونہب اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ آفات ارضی و سماوی کا بھی نزول ہوتا ہے۔ مقصد اس سے یہی ہوتا ہے کہ اس عام بگاڑ یا آفات الٰہیہ کو دیکھ کر شاید لوگ گناہوں سے باز آجائیں تو بہ تلا کرلیں اور ان کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا نظام اطاعت الٰہی پر قائم ہو اور اللہ کی حدیں نافذ ہوں، ظلم کی جگہ عدل کا دور دورہ ہو۔ وہاں امن وسکون اور اللہ کی طرف سے خیر وبرکت کا نزول ہوتا ہے۔ جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے: ''زمین میں اللہ کی ایک حد کا قائم کرنا، وہاں کے انسانوں کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔'' (سنن النسائي، حديث:4909، وسنن ابن ماجه، حديث: 2538) اسی طرح یہ حدیث ہے کہ ''جب ایک بدکار (فاجر) آدمی فوت ہو جاتا ہے تو بندے ہی اس سے راحت محسوس نہیں کرتے شہر بھی اور درخت اور جانور بھی آرام پاتے ہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6512، وصحيح مسلم، حديث: 950)

مُشْرِكِيْنَ ﴿42﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿44﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿45﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿46﴾

مشرک تھے ﴿42﴾ [1] پس آپ اپنا رخ اس سچے اور سیدھے دین کی طرف ہی رکھیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس کا ٹل جانا اللہ کی طرف سے ہے ہی نہیں، [2] اس دن سب متفرق [3] ہو جائیں گے ﴿43﴾ کفر کرنے والوں پر ان کے کفر کا وبال ہوگا اور نیک کام کرنے والے اپنی ہی آرام گاہ سنوار رہے ہیں ﴿44﴾ [4] تاکہ اللہ انھیں اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک [5] اعمال کیے وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ہے ﴿45﴾ اس کی نشانیوں میں سے خوشخبریاں دینے والی ہواؤں [6] کا چلانا بھی ہے، اس لیے کہ تمھیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے [7] اور اس لیے کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں [8] اور اس لیے کہ اس کے فضل کو تم ڈھونڈو [9] اور اس لیے کہ تم شکر گزاری کرو ﴿46﴾ [10]

---

① شرک کا خاص طور پر ذکر کیا کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دیگر سیئات و معاصی بھی آجاتی ہیں کیونکہ ان کا ارتکاب بھی انسان اپنے نفس کی بندگی ہی اختیار کر کے کرتا ہے، اسی لیے اسے بعض لوگ عملی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

② یعنی اس دن کے آنے کو کوئی روک نہیں سکتا، اس لیے اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے پہلے اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کرلیں اور نیکیوں سے اپنا دامن بھرلیں۔

③ یعنی دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک مومنوں کا، دوسرا کافروں کا۔

④ مَهْدٌ کے معنی ہیں: راستہ ہموار کرنا، فرش بچھانا، یعنی یہ عمل صالح کے ذریعے سے جنت میں جانے اور وہاں اعلیٰ منازل حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

⑤ یعنی محض نیکیاں دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہوں گی، جب تک ان کے ساتھ اللہ کا فضل بھی شامل حال نہ ہوگا، پس وہ اپنے فضل سے ایک ایک نیکی کا اجر دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے زیادہ بھی دے گا۔

⑥ یعنی یہ ہوائیں بارش کی پیامبر ہوتی ہیں۔

⑦ یعنی بارش سے انسان بھی لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور فصلیں بھی لہلہا اٹھتی ہیں۔

⑧ یعنی ان ہواؤں کے ذریعے سے کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ مراد بادبانی کشتیاں ہیں۔ اب انسان نے اللہ کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے دوسری کشتیاں اور جہاز ایجاد کرلیے ہیں جو مشینوں کے ذریعے سے چلتے ہیں، تاہم ان کے لیے بھی موافق اور مناسب ہوائیں ضروری ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں بھی طوفانی موجوں کے ذریعے سے غرق آب کردینے پر قادر ہے۔

⑨ یعنی ان کے ذریعے سے مختلف ممالک میں آجا کر تجارت و کاروبار کر کے۔

⑩ ان ظاہری و باطنی نعمتوں پر جن کا کوئی شمار ہی نہیں، یعنی یہ ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ تمھیں اس لیے بہم پہنچاتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ کی بندگی و اطاعت بھی کرو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿47﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿48﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿49﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، وہ ان کے پاس دلیلیں لائے، پھر ہم نے گناہ گاروں سے انتقام لیا۔ اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے﴿47﴾ [1] اللہ ہوائیں چلاتا ہے وہ ابر کو اٹھاتی ہیں [2] پھر اللہ اپنی منشا کے مطابق اسے آسمان میں پھیلا دیتا ہے [3] اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، [4] پھر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر سے قطرے نکلتے ہیں، [5] اور جنھیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش خوش ہو جاتے ہیں﴿48﴾ یقین مانا کہ بارش ان پر برسنے سے پہلے پہلے تو وہ ناامید ہو رہے تھے﴿49﴾ پس آپ رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھیں کہ زمین کی موت کے بعد کس طرح اللہ اسے زندہ کر دیتا ہے؟ کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، [6] اور وہ ہر ہر چیز پر

[1] یعنی اے محمد (ﷺ)! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا ہے، اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے۔ بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انھیں اپنی سزا و تعزیر کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی نصرت و تائید کی جو ہم پر لازم ہے۔ یہ نبی ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روش تکذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے کیونکہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہوگی جس میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ ﴿حَقًّا﴾ کَانَ کی خبر ہے جو مقدم ہے۔ ﴿نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس کا اسم ہے۔

[2] یعنی وہ بادل جہاں بھی ہوتے ہیں، وہاں سے ہوائیں ان کو اٹھا کر لے جاتی ہیں۔

[3] کبھی چلا کر، کبھی ٹھہرا کر، کبھی تہ بہ تہ کر کے، کبھی دور دراز تک۔ یہ آسمان پر بادلوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

[4] یعنی ان کو آسمان پر پھیلانے کے بعد کبھی ان کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

[5] ﴿الْوَدْقَ﴾ کے معنی بارش کے ہیں، یعنی ان بادلوں سے اللہ اگر چاہتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے جس سے بارش کے ضرورت مند خوش ہو جاتے ہیں۔

[6] آثار رحمت سے مراد وہ غلہ جات اور میوے ہیں جو بارش سے پیدا ہوتے اور خوش حالی و فراغت کا باعث ہوتے ہیں۔ دیکھنے سے مراد نظر عبرت سے دیکھنا ہے تاکہ انسان اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا قائل ہو جائے کہ وہ قیامت والے دن اسی طرح مردوں کو زندہ فرما دے گا۔

قَدِيْرٌ ﴿50﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿51﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿52﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿53﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿54﴾ وَيَوْمَ

قادر ہے﴿50﴾اور اگر ہم بادتند چلادیں اور یہ لوگ انھی کھیتیوں کو (مرجھائی ہوئی) زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں﴿51﴾ [1] بے شک آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے [2] اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں [3] جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر مڑ گئے ہوں﴿52﴾ [4] اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت کرنے والے [5] ہیں آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، [6] پس وہی اطاعت کرنے والے ہیں﴿53﴾ [7] اللہ وہ ہے جس نے تمھیں کمزوری کی حالت [8] میں پیدا کیا، پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی، [9] پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا [10] جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، [11] وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے﴿54﴾اور

① یعنی ان ہی کھیتوں کو جن کو ہم نے بارش کے ذریعے سے شاداب کیا تھا اگر سخت (گرم یا ٹھنڈی) ہوائیں چلا کر ان کی ہریالی کو زردی میں بدل دیں، یعنی تیار فصل کو تباہ کر دیں تو یہی بارش سے خوش ہونے والے اللہ کی ناشکری پر اتر آئیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نہ ماننے والے صبر اور حوصلے سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے اور ذرا سے ابتلا پر فوراً ناامید اور گریہ کناں ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا معاملہ دونوں حالتوں میں ان سے مختلف ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

② یعنی جس طرح مردے فہم و شعور سے عاری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے سے قاصر ہیں۔

③ یعنی آپ کا وعظ و نصیحت ان کے لیے بے اثر ہے جس طرح کوئی بہرا ہو، اسے تم اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

④ یہ ان کے اعراض و انحراف کی مزید وضاحت ہے کہ مردہ اور بہرہ ہونے کے ساتھ وہ پیٹھ پھیر کر جانے والے ہیں، حق کی بات ان کے کانوں میں کس طرح پڑ سکتی اور کیونکر ان کے دل و دماغ میں سما سکتی ہے؟

⑤ اس لیے کہ یہ آنکھوں سے کماحقہ فائدہ اٹھانے سے یا بصیرت (دل کی بینائی) سے محروم ہیں۔ یہ گمراہی کی جس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، اس سے کس طرح نکلیں؟

⑥ یعنی یہی سن کر ایمان لانے والے ہیں، اس لیے کہ یہ اہل تفکر و تدبر ہیں اور آثار قدرت سے موثر حقیقی کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔

⑦ یعنی حق کے آگے سر تسلیم خم کر دینے والے اور اس کے پیروکار۔

⑧ یہاں سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایک اور کمال بیان فرما رہا ہے اور وہ ہے مختلف اطوار سے انسان کی تخلیق۔ ضعف (کمزوری کی حالت) سے مراد نطفہ، یعنی قطرۂ آب ہے یا عالم طفولیت۔

⑨ یعنی جوانی جس میں قوائے عقلی و جسمانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

⑩ کمزوری سے مراد کہولت کی عمر ہے جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں نقصان کا آغاز ہو جاتا ہے اور بڑھاپے سے مراد شیخوخت کا وہ دور ہے جس میں ضعف بڑھ جاتا ہے۔ ہمت پست، ہاتھ پاؤں کی حرکت اور گرفت کمزور، بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی صفات متغیر

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿55﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿56﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿57﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

جس دن قیامت[1] برپا ہو جائے گی گناہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے،[2] اسی طرح یہ بہکے ہوئے ہی رہے ﴿55﴾[3] اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ جواب دیں گے[4] کہ تم تو جیسا کہ کتاب اللہ میں ہے[5] یوم قیامت تک ٹھہرے رہے۔[6] آج کا یہ دن قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم تو یقین ہی نہیں کرتے تھے ﴿56﴾[7] پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر معذرت کرنا کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی ﴿57﴾[8] بے شک ہم نے اس

ہو جاتی ہیں۔ قرآن نے انسان کے یہ چار بڑے اطوار بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے دیگر چھوٹے چھوٹے اطوار بھی شمار کر کے انھیں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو قرآن کے اجمال کی توضیح اور اس کے اعجاز بیان کی شرح ہے، مثلاً: امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ انسان یکے بعد دیگرے ان حالات و اطوار سے گزرتا ہے۔ اس کی اصل مٹی ہے، یعنی اس کے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ یا انسان جو کچھ کھاتا ہے جس سے وہ منی پیدا ہوتی ہے جو رحم مادر میں جا کر اس کے وجود و تخلیق کا باعث بنتی ہے، وہ سب مٹی ہی کی پیداوار ہے پھر وہ نطفہ، نطفہ سے علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں جنھیں گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے، پھر ماں کے پیٹ سے اس حال میں نکلتا ہے، پھر بتدریج نشوونما پاتا، بچپن، بلوغت اور جوانی کو پہنچتا ہے اور پھر بتدریج رجعت قہقری کا عمل شروع ہو جاتا ہے، کہولت، شیخوخت اور پھر کبرسنی (بڑھاپا) تا آنکہ موت اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

⑪ انھی اشیاء میں ضعف و قوت بھی ہے۔ جس سے انسان گزرتا ہے جیسا کہ ابھی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

① ساعت کے معنی ہیں: گھڑی، لمحہ، مراد قیامت ہے، اس کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کا وقوع جب اللہ چاہے گا، ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔ یا اس لیے کہ یہ اس گھڑی میں ہوگی جو دنیا کی آخری گھڑی ہوگی۔

② دنیا میں یا قبروں میں۔ یہ اپنی عادت کے مطابق جھوٹی قسم کھائیں گے، اس لیے کہ دنیا میں وہ جتنا عرصہ رہے ہوں گے، ان کے علم میں ہی ہوگا اور اگر مراد قبر کی زندگی ہے تو ان کا حلف جہالت پر ہوگا کیونکہ وہ قبر کی مدت نہیں جانتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت کے شدائد اور ہولناک احوال کے مقابلے میں دنیا کی زندگی انھیں گھڑی کی طرح ہی لگے گی۔

③ إِفْكُ الرَّجُلِ کے معنی ہیں: سچ سے پھر گیا مطلب ہوگا کہ اسی پھرنے کے مثل وہ دنیا میں پھرتے رہے یا بہکے رہے۔

④ جس طرح یہ علماء دنیا میں بھی سمجھاتے رہے تھے۔

⑤ ﴿كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ سے مراد اللہ کا علم اور اس کا فیصلہ ہے، یعنی لوح محفوظ۔

⑥ یعنی پیدائش کے دن سے قیامت کے دن تک۔

⑦ کہ وہ آئے گی بلکہ استہزا اور تکذیب کے طور پر اس کا تم مطالبہ کرتے تھے۔

⑧ یعنی انھیں دنیا میں بھیج کر یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہاں توبہ و اطاعت کے ذریعے سے عتاب الٰہی کا ازالہ کر لو۔

لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿58﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿59﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿60﴾

اٰیَاتُهَا: 34 (31) سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّیَّةٌ (57) رُكُوْعَاتُهَا: 4	سورۂ لقمان مکی ہے، اس میں 34 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ﴿2﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴿3﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں۔[1] آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں،[2] یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو ﴿58﴾[3] اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے ﴿59﴾ پس آپ صبر کریں[4] یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ کو وہ لوگ ہلکا (بے صبرا) نہ کریں[5] جو یقین نہیں رکھتے ﴿60﴾

الٓمّٓ ﴿1﴾[6] یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ﴿2﴾ جو نیکوکاروں کے لیے[7] رہبر اور سراسر رحمت ہے ﴿3﴾ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں

---

(1) جن سے اللہ کی توحید کا اثبات اور رسولوں کی صداقت واضح ہوتی ہے اور اسی طرح شرک کی تردید اور اس کا بطلان نمایاں ہوتا ہے۔

(2) وہ قرآن کریم کی پیش کردہ کوئی دلیل ہو یا ان کی خواہش کے مطابق کوئی معجزہ وغیرہ۔

(3) یعنی جادو وغیرہ کے پیروکار۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی سے بڑی نشانی اور واضح سے واضح دلیل بھی اگر وہ دیکھ لیں، تب بھی ایمان بہرحال نہیں لائیں گے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کر دی گئی ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کا کفر وطغیان اس آخری حد کو پہنچ گیا ہے جس کے بعد حق کی طرف واپسی کے تمام راستے ان کے لیے مسدود ہیں۔

(4) یعنی ان کی مخالفت وعناد پر اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے آپ سے مدد کا جو وعدہ کیا ہے، وہ یقیناً حق ہے جو بہرصورت پورا ہوگا۔

(5) یعنی آپ کو غضب ناک کر کے صبر وحلم ترک کرنے یا مداہنت پر مجبور نہ کر دیں بلکہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور اس سے سرمو انحراف نہ کریں۔

(6) اس کے آغاز میں بھی یہ حروف مُقَطَّعَات ہیں جن کے معنی ومراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تاہم بعض مفسرین نے اس کے دو بڑے اہم فوائد بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قرآن اسی قسم کے حروف مقطعات سے ترتیب وتالیف پایا ہے جس کی مثل تالیف پیش کرنے سے عرب عاجز آ گئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن اللہ ہی کا نازل کردہ ہے اور جس پیغمبر پر یہ نازل ہوا ہے وہ سچا رسول ہے، جو شریعت وہ لے کر آیا ہے، انسان اس کا محتاج ہے اور اس کی اصلاح اور سعادت کی تکمیل اسی شریعت سے ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ مشرکین اپنے ساتھیوں کو اس قرآن کے سننے سے روکتے تھے کہ مبادا وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں کا آغاز ان حروف مقطعات سے فرمایا تاکہ وہ اس کے سننے پر مجبور ہو جائیں کیونکہ یہ انداز بیان نیا اور اچھوتا تھا۔ (أیسر التفاسیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

(7) ﴿لِلْمُحْسِنِیْنَ﴾ مُحْسِنٌ کی جمع ہے۔ اس کے ایک معنی تو ہیں: احسان کرنے والا، والدین کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ،

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں④[1] یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں⑤[2] اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فضول باتوں کو مول لیتے ہیں[3] کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں،[4] یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے⑥[5] جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں،[6] آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے⑦ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کام بھی نیک کیے

مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ۔ دوسرے معنی ہیں: نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکوکار۔ تیسرے معنی: ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ» ’’تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔‘‘ قرآن ویسے تو سارے جہاں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لیے یہاں اس طرح فرمایا۔

① نماز، زکاۃ اور آخرت پر یقین۔ یہ تینوں نہایت اہم ہیں، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا ورنہ محسنین و متقین تمام فرائض وسنن بلکہ مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں۔

② فلاح (کامیابی) کے مفہوم کے لیے دیکھیے: سورۂ بقرہ:2 اور سورۂ مومنون:23 کا آغاز۔

③ اہل سعادت جو کتاب الٰہی سے راہ یاب اور اس کے سماع سے فیض یاب ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد ان اہل شقاوت کا بیان ہو رہا ہے جو کلام الٰہی کے سننے سے تو اعراض کرتے ہیں، البتہ ساز و موسیقی، نغمہ و سرود اور گانے وغیرہ خوب شوق سے سنتے اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ خریدنے سے مراد یہی ہے کہ آلات طرب شوق سے اپنے گھروں میں لاتے اور پھر ان سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد گانا بجانا، اس کا ساز و سامان، آلات ساز و موسیقی اور ہر وہ چیز ہے جو انسانوں کو خیر اور معروف سے غافل کر دے۔ اس میں قصے، کہانیاں، افسانے، ڈرامے، ناول اور جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر، رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی لونڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں تا کہ قرآن و اسلام سے وہ دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو آج کل فن کار، فلمی ستارہ اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب، خوش نما اور دل فریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔

④ ان تمام چیزوں سے یقیناً انسان اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور دین کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ

ان کے لیے نعمتوں والی جنتیں ہیں⑧ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہے،[1] وہ بہت بڑی عزت و غلبے والا اور کامل حکمت والا ہے⑨ اسی نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا ہے تم انھیں دیکھ رہے ہو[2] اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمھیں جنبش نہ دے[3] سکے اور ہر طرح کے جاندار زمین میں پھیلا دیے۔[4] اور ہم نے آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے اگا دیے⑩[5] یہ ہے اللہ کی مخلوق[6] اب تم مجھے اس کے سوا دوسرے کسی کی کوئی مخلوق تو دکھاؤ[7]

---

⑤ ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت، ادارے، اخبارات کے مالکان، اہل قلم اور فیچر نگار بھی اسی رسوا کن عذاب کے مستحق ہوں گے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ

⑥ یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ لہو و لعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ، اللہ اور رسول کی باتیں سن کر بہرا بن جاتا ہے، حالانکہ وہ بہرا نہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں کیونکہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے، اس لیے اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ﴿ وَقْرًا ﴾ کے معنی ہیں: کانوں میں ایسا بوجھ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔

① یعنی یہ یقیناً پورا ہوگا، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ (الرعد 31:13) ”بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔“

② ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ اگر ﴿ عَمَدٍ ﴾ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے ایسے ستونوں کے بغیر جنھیں تم دیکھ سکو، یعنی آسمان کے ستون ہیں لیکن ایسے کہ تم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔

③ ﴿ رَوَاسِيَ ﴾ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ثَابِتَة کے ہیں، یعنی پہاڑوں کو زمین پر اس طرح بھاری بوجھ بنا کر رکھ دیا ہے کہ جن سے زمین ثابت رہے، یعنی حرکت نہ کرے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ﴿ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ﴾ يَعْنِي كَرَاهَةَ أَنْ تَمِيدَ (تَمِيلَ) بِكُمْ أَوْ لِئَلَّا تَمِيدَ یعنی اس بات کی ناپسندیدگی سے کہ زمین تمھارے ساتھ ادھر اُدھر ڈولے یا اس لیے کہ زمین اِدھر اُدھر نہ ڈولے۔ جس طرح ساحل پر کھڑے بحری جہازوں میں بڑے بڑے لنگر ڈال دیے جاتے ہیں تاکہ جہاز نہ ڈولے۔ زمین کے لیے پہاڑوں کی بھی یہی حیثیت ہے۔

④ یعنی انواع و اقسام کے جانور زمین میں ہر طرف پھیلا دیے جنھیں انسان کھاتا بھی ہے، سواری اور بار برداری کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور بطور زینت اور آرائش کے بھی اپنے پاس رکھتا ہے۔

⑤ ﴿ زَوْجٍ ﴾ یہاں صِنْفٌ کے معنی میں ہے، یعنی ہر قسم کے غلے اور میوے پیدا کیے۔ ان کی صفت کریم، ان کے حسن لون اور کثرت منافع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

⑥ ﴿ هٰذَا ﴾ (یہ) اشارہ ہے اللہ کی ان پیدا کردہ چیزوں کی طرف جن کا گزشتہ آیات میں ذکر ہوا۔

⑦ یعنی جن کی تم عبادت کرتے اور انھیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انھوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے۔ کوئی ایک

دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا

کچھ نہیں بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ⑪ اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی [1] کہ تو اللہ کا شکر کر [2] ہر شکر کرنے والا اپنے نفع کے لیے شکر کرتا ہے اور جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ⑫ اور جب کہ لقمان نے وعظ کرتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا [3] بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے ⑬ [4] ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی [5] ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر [6] اسے

چیز تو بتلاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

① حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حکمت، یعنی عقل و فہم اور دینی بصیرت میں ممتاز مقام عطا فرمایا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا: تمھیں یہ فہم و شعور کس طرح حاصل ہوا؟ انھوں نے فرمایا: راست بازی، امانت کے اختیار کرنے اور بے فائدہ باتوں سے اجتناب اور خاموشی کی وجہ سے۔ ان کا حکمت و دانش پر مبنی ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ یہ غلام تھے، ان کے آقا نے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بہترین دو حصے لاؤ، چنانچہ وہ زبان اور دل نکال کر لے گئے۔ ایک دوسرے موقع پر آقا نے ان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے سب سے بدترین دو حصے لاؤ۔ وہ پھر وہی زبان اور دل لے کر چلے گئے۔ پوچھنے پر انھوں نے بتلایا کہ زبان اور دل اگر صحیح ہوں تو یہ سب سے بہتر ہیں اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ (ابن کثیر)

② شکر کا مطلب ہے، اللہ کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا اور اس کے احکام کی فرماں برداری۔

③ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، جس سے یہ واضح ہوا کہ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سب سے زیادہ کوشش کریں۔

④ یہ حضرت لقمان کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تائید فرما کر اسے بصورت قرآن نازل فرما دیا اور اس کی دلیل وہ ہے جو ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الأنعام 6:86) کے نزول کے تعلق سے وارد ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں (بلکہ شرک ہے) کیا تم نے لقمان کی بات نہیں سنی جو اس نے اپنے بیٹے سے کہی: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (صحيح البخاري، حديث: 4776)

⑤ توحید و عبادت الٰہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے اس نصیحت کی اہمیت واضح ہے۔

⑥ اس کا مطلب ہے کہ رحم مادر میں بچہ جس حساب سے بڑھتا جاتا ہے، ماں پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے جس سے عورت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ماں کی اس مشقت کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان کرتے وقت ماں کو مقدم رکھا جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔

عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿14﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿15﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ

حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے [1] کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿14﴾ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں، دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو [2] تمہارا سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کر دوں گا ﴿15﴾ [3] پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو، [4] پھر وہ بھی خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں ہو اسے اللہ ضرور لائے گا۔ اللہ بڑا باریک بین اور

① اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

② یعنی مومنین کی راہ۔

③ یعنی میری طرف رجوع کرنے والوں (اہل ایمان) کی پیروی اس لیے کرو کہ بالآخر تم سب کو میری ہی بارگاہ میں آنا ہے اور میری ہی طرف سے ہر ایک کو اس کے (اچھے یا برے) عمل کی جزا ملنی ہے۔ اگر تم میرے راستے کی پیروی کرو گے اور مجھے یاد رکھتے ہوئے زندگی گزارو گے تو امید ہے کہ قیامت والے روز میری عدالت میں سرخ رو ہو گے بصورت دیگر میرے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ سلسلۂ کلام حضرت لقمان کی وصیتوں سے متعلق تھا۔ اب آگے پھر وہی وصیتیں بیان کی جا رہی ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ درمیان کی دو آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جملہ معترضہ کے طور پر ماں باپ کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی جس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ لقمان نے یہ وصیت اپنے بیٹے کو نہیں کی تھی کیونکہ اس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد بھی تھا۔ دوسرا: یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کی توحید وعبادت کے بعد والدین کی خدمت واطاعت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کا حکم والدین بھی دیں تو ان کی بات نہیں ماننی۔

④ ﴿اِنْ تَكُ﴾ کا مرجع خَطِيئَة ہو تو مطلب گناہ اور اللہ کی نافرمانی والا کام ہے اور اگر اس کا مرجع خَصْلَةٌ ہو تو مطلب اچھائی یا برائی کی خصلت ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اچھا یا برا کام کتنا بھی چھپ کر کرے، اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے حاضر کر لے گا، یعنی اس کی جزا دے گا، اچھے عمل کی اچھی جزا، برے عمل کی بری جزا۔ رائی کے دانے کی مثال اس لیے دی کہ وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ جس کا وزن محسوس ہوتا ہے نہ تول میں وہ ترازو کے پلڑے کو جھکا سکتا ہے۔ اسی طرح چٹان (آبادی سے دور جنگل، پہاڑ میں) مخفی ترین اور محفوظ ترین جگہ ہے۔ یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: "اگر تم میں سے کوئی شخص بے سوراخ کے پتھر میں بھی عمل کرے گا جس کا کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر فرما دے گا، چاہے وہ کیسا ہی عمل ہو۔" (مسند أحمد: 28/3) اس لیے کہ وہ لطیف (باریک بین) ہے، اس کا علم مخفی ترین چیز تک محیط ہے اور خبیر ہے، اندھیری رات میں چلنے والی

خَبِيْرٌ ⑯ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ ⑰ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ ⑱ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ

خبردار ہے⑯ اے میرے پیارے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا[1] یقین مان کہ یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے⑰[2] لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا[3] اور زمین پر اترا کر نہ چل۔[4] کسی تکبر والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا⑱ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر،[5] اور اپنی آواز پست کر[6] یقیناً آوازوں میں

چیونٹی کی حرکات وسکنات سے بھی وہ باخبر ہے۔

① اقامت صلاۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور مصائب پر صبر کا اس لیے ذکر کیا کہ یہ اہم ترین عبادات اور امور خیر کی بنیاد ہیں۔

② یعنی مذکورہ باتیں ان کاموں میں سے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اور بندوں پر انھیں فرض قرار دیا ہے۔ یا یہ ترغیب ہے عزم وہمت پیدا کرنے کی کیونکہ عزم وہمت کے بغیر طاعات مذکورہ پر عمل ممکن نہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک ﴿ذٰلِكَ﴾ کا مرجع صبر ہے۔ اس سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وصیت ہے اور اس راہ میں شدائد ومصائب اور طعن وملامت ناگزیر ہے، اس لیے اس کے فوراً بعد صبر کی تلقین کر کے واضح کر دیا کہ صبر کا دامن تھامے رکھنا کہ یہ عزم وہمت کے کاموں میں سے ہے اور اہل عزم و ہمت کا ایک بڑا ہتھیار، اس کے بغیر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی ممکن نہیں۔

③ یعنی تکبر نہ کر کہ لوگوں کو حقیر سمجھے اور جب وہ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تُو ان سے منہ پھیر لے۔ یا گفتگو کے وقت اپنا منہ پھیرے رکھے۔ صَعَر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے سر یا گردن میں ہوتی ہے۔ جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر منہ پھیر لینے کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ (ابن کثیر)

④ یعنی ایسی چال یا رویہ جس سے مال ودولت یا جاہ ومنصب یا قوت وطاقت کی وجہ سے فخر وغرور کا اظہار ہوتا ہو، یہ اللہ کو ناپسند ہے، اس لیے کہ انسان ایک بندۂ عاجز وحقیر ہے، اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق عاجزی وانکساری ہی اختیار کیے رکھے اس سے تجاوز کر کے بڑائی کا اظہار نہ کرے کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے زیبا ہے جو تمام اختیارات کا مالک اور تمام خوبیوں کا منبع ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا۔“ (جامع الترمذي، حديث: 1998، ومسند أحمد: 412/1) جو تکبر کے طور پر اپنے کپڑے کو کھینچتے (گھسیٹتے) ہوئے چلے گا، اللہ اس کی طرف (قیامت والے دن) نہیں دیکھے گا۔ (مسند أحمد: 386/2 اور دیکھیے صحیح البخاري، حديث: 5788) تاہم تکبر کا اظہار کیے بغیر اللہ کے انعامات کا ذکر یا اچھا لباس اور خوراک وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

⑤ یعنی چال اتنی سست نہ ہو جیسے کوئی بیمار ہو اور نہ اتنی تیز ہو کہ شرف ووقار کے خلاف ہو۔ اسی کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا:
﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان 63:25) ”اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔“

⑥ یعنی چیخ یا چلا کر بات نہ کر، اس لیے کہ زیادہ اونچی آواز سے بات کرنا پسندیدہ ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی سمجھی جاتی

الْحَمِيْرِ ﴿19﴾ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿20﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿21﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿22﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا

سب سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے ﴿19﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے[1] اور تمھیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں،[2] بعض لوگ اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ﴿20﴾[3] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر[4] اپنے باپ داداکو پایا ہے اسی کی تابعداری کریں گے، بھلا اگرچہ شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو ﴿21﴾ اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ کی طرف متوجہ کر دے[5] اور ہو بھی وہ نیکوکار[6] یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا،[7] تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے ﴿22﴾ کافروں کے کفر سے آپ رنجیدہ نہ ہوں،[8] آخران

لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ گدھے کی آواز سب سے بدتر اور کریہہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ ''گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3303، وصحیح مسلم، حدیث: 2729)

① تسخیر کا مطلب ہے انتفاع (فائدہ اٹھانا) جس کو یہاں ''کام میں لگا دیا'' سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آسمانی مخلوق، چاند، سورج، ستارے وغیرہ ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطوں کا پابند بنا دیا ہے کہ یہ انسانوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور انسان ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ تسخیر کا دوسرا مطلب تابع بنا دینا ہے، چنانچہ بہت سی زمینی مخلوق کو انسان کے تابع بنا دیا گیا ہے جنھیں انسان اپنی حسب منشا استعمال کرتا ہے، جیسے زمین اور حیوانات وغیرہ ہیں۔ گویا تسخیر کا مفہوم یہ ہوا کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں انسانوں کے فائدے کے لیے کام میں لگی ہوئی ہیں، چاہے وہ انسان کے تابع اور اس کے زیر تصرف ہوں یا اس کے تصرف اور تابعیت سے بالا ہوں۔ (فتح القدير)

② ظاہری سے مراد وہ نعمتیں ہیں جن کا ادراک عقل وحواس وغیرہ سے ممکن ہو اور باطنی نعمتیں وہ جن کا ادراک واحساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔

③ یعنی اس کے باوجود لوگ اللہ کی بابت جھگڑتے ہیں، کوئی اس کے وجود کے بارے میں، کوئی اس کے ساتھ شریک گردانئے میں اور کوئی اس کے احکام وشرائع کے بارے میں۔

④ یعنی طرفگی یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے نہ کسی ہادی کی ہدایت اور نہ کسی صحیفۂ آسمانی سے کوئی ثبوت، گویا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

⑤ یعنی صرف اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے، اس کے حکم کی اطاعت اور اس کی شریعت کی پیروی کرے۔

⑥ یعنی مامور بہ چیزوں کا اتباع اور منہیات کو ترک کرنے والا۔

مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿23﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿24﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿25﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿26﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

سب کا لوٹنا تو ہماری جانب ہی ہے پھر ہم ان کو بتائیں گے جو انھوں نے کیا ہے،[1] بے شک اللہ دلوں کے بھیدوں[2] تک سے واقف ہے ﴿23﴾ ہم انھیں گو کچھ یونہی سا فائدہ دے دیں لیکن بالآخر ہم انھیں نہایت بیچارگی کی حالت میں سخت عذاب کی طرف ہنکا لے جائیں گے ﴿24﴾[3] اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ،[4] تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے،[5] لیکن ان میں سے اکثر بے علم ہیں ﴿25﴾ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے[6] یقیناً اللہ بہت بڑا بے نیاز[7] اور لائق حمد وثنا ہے ﴿26﴾[8] روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے،[9] بے شک

⑦ یعنی اللہ سے اس نے مضبوط عہد لے لیا کہ وہ اس کو عذاب نہیں کرے گا۔

⑧ اس لیے کہ ایمان کی سعادت ان کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔ آپ کی کوششیں اپنی جگہ بجا اور آپ کی خواہش بھی قابل قدر لیکن اللہ کی تقدیر اور مشیت سب پر غالب ہے۔

① یعنی ان کے عملوں کی جزا دے گا۔

② پس اس پر کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔

③ یعنی دنیا میں آخر کب تک رہیں گے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں سے کہاں تک شادکام ہوں گے؟ یہ دنیا اور اس کی لذتیں تو چند روزہ ہیں، اس کے بعد ان کے لیے سخت عذاب ہی عذاب ہے۔

④ یعنی ان کو اعتراف ہے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ وہ معبود جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

⑤ اس لیے کہ ان کے اعتراف سے ان پر حجت قائم ہوگئی۔

⑥ یعنی ان کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی اور مدبر ومتصرف کائنات بھی وہی۔

⑦ بے نیاز ہے اپنے ماسوا سے، یعنی ہر چیز اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

⑧ اپنی تمام پیدا کردہ چیزوں میں، پس اس نے جو کچھ پیدا کیا اور جو احکام نازل فرمائے، اس پر آسمان وزمین میں لائق حمد وثنا صرف اسی کی ذات ہے۔

⑨ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی، جلالت شان، اس کے اسمائے حسنیٰ، صفات علیا اور اس کے وہ کلمات جو اس کی عظمتوں پر دلالت کناں ہیں، کا بیان ہے کہ وہ اتنے ہیں کہ کسی کے لیے ان کا احاطہ یا ان سے آگاہی یا ان کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی ان کو شمار کرنا اور حیطۂ تحریر میں لانا چاہے تو دنیا بھر کے درختوں کے قلم گھس جائیں، سمندروں کے پانی کی بنائی ہوئی سیاہی

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿27﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿28﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿29﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿30﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ

اللہ غالب اور باحکمت ہے ﴿27﴾ تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا، [1] بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ﴿28﴾ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، [2] سورج چاند کو اسی نے فرماں بردار کر رکھا ہے کہ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے، [3] اللہ ہر اس چیز سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ﴿29﴾ یہ سب انتظامات اس وجہ سے ہیں کہ اللہ حق ہے اور اس کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں سب باطل ہیں [4] اور یقیناً اللہ بہت بلندیوں والا اور بڑی شان والا ہے ﴿30﴾ [5] کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ دریا میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں اس لیے کہ وہ تمھیں

ختم ہو جائے لیکن اللہ کی معلومات، اس کی تخلیق وصنعت کے عجائبات اور اس کی عظمت وجلالت کے مظاہر کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سات سمندر بطور مبالغہ ہے، حصر مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ کی آیات وکلمات کا حصر واحصا ممکن ہی نہیں ہے۔ (ابن کثیر) اسی مفہوم کی آیت سورۂ کہف کے آخر میں گزر چکی ہے۔

① یعنی اس کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ تم سب کا پیدا کرنا یا قیامت والے دن زندہ کرنا، ایک نفس کے زندہ کرنے یا پیدا کرنے کی طرح ہے، اس لیے کہ وہ جو چاہتا ہے لفظ ﴿كُنْ﴾ سے پلک جھپکنے میں معرض وجود میں آ جاتا ہے۔

② یعنی رات کا کچھ حصہ لے کر دن میں شامل کر دیتا ہے جس سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے، جیسے گرمیوں میں ہوتا ہے اور پھر دن کا کچھ حصہ لے کر رات میں شامل کر دیتا ہے جس سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے، جیسے سردیوں میں ہوتا ہے۔

③ ''مقررہ وقت تک'' سے مراد قیامت تک ہے، یعنی سورج اور چاند کے طلوع وغروب کا یہ نظام جس کا اللہ نے ان کو پابند کیا ہوا ہے، قیامت تک یوں ہی قائم رہے گا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ''ایک متعینہ منزل تک'' یعنی اللہ نے ان کی گردش کے لیے ایک منزل اور ایک دائرہ متعین کیا ہوا ہے جہاں ان کا سفر ختم ہوتا ہے اور دوسرے روز پھر وہاں سے شروع ہو کر پہلی منزل پر آ کر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک حدیث سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جانتے ہو، یہ سورج کہاں جاتا (غروب ہوتا) ہے؟'' ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اس کی آخری منزل عرش الٰہی ہے یہ وہاں جاتا ہے اور زیر عرش سجدہ ریز ہوتا ہے، پھر (وہاں سے نکلنے کی اپنے رب سے اجازت مانگتا ہے) ایک وقت آئے گا کہ اس کو کہا جائے گا: «اِرْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ» ''تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔'' تو وہ مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔'' جیسا کہ قرب قیامت کی علامات میں آتا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3199، وصحيح مسلم، حديث: 250-(159))
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''سورج رہٹ کی طرح ہے، دن کو آسمان پر اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے، جب غروب ہو جاتا ہے تو رات کو زمین کے نیچے اپنے مدار پر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ (ابن کثیر)

④ یعنی یہ انتظامات یا نشانیاں، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو کہ کائنات کا نظام چلانے والا صرف ایک اللہ ہے،

مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿31﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿32﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

اپنی نشانیاں دکھائے،[1] یقیناً اس میں ہر ایک صبر وشکر کرنے والے[2] کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں﴿31﴾اور جب ان پر موجیں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو وہ نہایت خلوص کے ساتھ اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارتے ہیں،[3] پھر جب وہ انھیں نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچاتا ہے تو کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں،[4] اور ہماری آیتوں کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہوں﴿32﴾[5] لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا[6] یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے دیکھو تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمھیں

جس کے حکم اور مشیت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے، یعنی کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں کیونکہ سب اس کی مخلوق اور اس کے ماتحت ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایک ذرے کو بھی ہلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

⑤ اس سے برتر شان والا کوئی ہے نہ اس سے بڑا کوئی۔ اس کی عظمت شان، علو مرتبت اور بڑائی کے سامنے ہر چیز حقیر اور پست ہے۔

① یعنی سمندر میں کشتیوں کا چلنا، یہ بھی اس کے لطف وکرم کا ایک مظہر اور اس کی قدرت تسخیر کا ایک نمونہ ہے۔ اس نے ہوا اور پانی دونوں کو ایسے مناسب انداز سے رکھا کہ سمندر کی سطح پر کشتیاں چل سکیں، ورنہ وہ چاہے تو ہوا کی تندی اور موجوں کی طغیانی سے کشتیوں کا چلنا ناممکن ہو جائے۔

② تکلیفوں میں صبر کرنے والے، راحت اور خوشی میں اللہ کا شکر کرنے والے۔

③ یعنی جب ان کی کشتیاں ایسی طوفانی موجوں میں گھر جاتی ہیں جو بادلوں اور پہاڑوں کی طرح ہوتی ہیں اور موت کا آہنی پنجہ انھیں اپنی گرفت میں لیتا نظر آتا ہے تو پھر سارے زمینی معبود ان کے ذہنوں سے نکل جاتے ہیں اور صرف ایک آسمانی الٰہ کو پکارتے ہیں جو واقعی اور حقیقی معبود ہے۔

④ بعض نے ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ کے معنی بیان کیے ہیں: عہد کو پورا کرنے والا، یعنی بعض ایمان، توحید اور اطاعت کے اس عہد پر قائم رہتے ہیں جو موج گرداب میں انھوں نے کیا تھا۔ ان کے نزدیک کلام میں حذف ہے، تقدیر کلام یوں ہوگا۔ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّمِنْهُمْ كَافِرٌ ''پس بعض ان میں سے مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں۔'' (فتح القدیر) دوسرے مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں: اعتدال پر رہنے والا اور یہ باب انکار سے ہوگا، یعنی اتنے ہولناک حالات اور پھر وہاں رب کی اتنی عظیم آیات کا مشاہدہ کرنے اور اللہ کے اس احسان کے باوجود کہ اس نے وہاں سے نجات دی، انسان اب بھی اللہ کی مکمل عبادت و اطاعت نہیں کرتا۔ اور متوسط راستہ اختیار کرتا ہے جبکہ وہ حالات جن سے گزر کر آیا ہے، مکمل بندگی کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اعتدال کا۔ (ابن کثیر) مگر پہلا مفہوم سیاق کے زیادہ قریب ہے۔

⑤ ﴿خَتَّارٍ﴾ غدار کے معنی میں ہے۔ بدعہدی کرنے والا ﴿كَفُوْرٍ﴾ ناشکری کرنے والا۔

الْغَرُوْرُ ﴿33﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿34﴾

اٰيَاتُهَا 30 (32) سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (75) رُكُوْعَاتُهَا 3	سورۂ سجدہ مکی ہے، اس میں 30 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿2﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ

دھوکے میں ڈال دے ﴿33﴾ بے شک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔[1] یاد رکھو اللہ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے ﴿34﴾

الٓمّٓ ﴿1﴾ بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ﴿2﴾[2] کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے۔[3]

---

[6] جَازٍ اسم فاعل ہے جَزٰی یَجْزِي سے، بدلہ دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی جان کا بدلہ یا بیٹا باپ کے لیے اپنی جان بطور معاوضہ پیش کر دے تو وہاں یہ ممکن نہیں ہوگا۔ ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ جب باپ بیٹا ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے تو دیگر رشتے داروں کی کیا حیثیت ہوگی؟ اور وہ کیونکر ایک دوسرے کو نفع پہنچا سکیں گے؟

[1] حدیث میں بھی آتا ہے کہ پانچ چیزیں مَفَاتِیحُ الْغَیْب ہیں، جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4777): ① قرب قیامت کی علامات تو نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، کسی فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو۔ ② بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ آثار و علامات سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہر شخص کے تجربہ و مشاہدے کا حصہ ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ بارش کا بھی یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ③ رحم مادر میں مشینی ذرائع سے جنسیت کا ناقص اندازہ (جو یقینی قطعاً نہیں ہوتا اور اسی بنا پر اسے علم نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم کسی شے کو یقینی طور پر جاننے کا نام ہے) یہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی۔ لیکن ماں کے پیٹ، میں نشو و نما پانے والا یہ بچہ نیک بخت ہے یا بد بخت، ناقص ہوگا یا کامل، خوب رو ہوگا کہ بدشکل، کالا ہوگا یا گورا، وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ ④ انسان کل کیا کرے گا؟ وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا۔ کسی کو آنے والے کل کے بارے میں علم نہیں ہے کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں۔ اور اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ ⑤ موت کہاں آئے گی؟ گھر میں یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی آرزوؤں اور خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا اس سے پہلے؟ کسی کو معلوم نہیں۔

[2] حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 891، وصحیح مسلم، حدیث: 879) اسی طرح یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (جامع الترمذي، حدیث: 2892، ومسند أحمد: 340/3)

مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿3﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿4﴾ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿5﴾ ذٰلِکَ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿6﴾

نہیں نہیں بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ انھیں ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا[1] تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں ③ اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا، پھر عرش پر قائم ہوا،[2] تمھارے لیے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔[3] کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ④[4] وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے[5] پھر وہ کام ایک دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمھاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ⑤[6] یہی ہے چھپے کھلے کا جاننے والا، زبردست غالب بہت ہی مہربان ⑥

② مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹ، جادو، کہانت اور من گھڑت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی طرف سے صحیفۂ ہدایت ہے۔

③ یہ بطور توبیخ کے ہے کہ کیا رب العالمین کے نازل کردہ اس کلام بلاغت نظام کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اسے خود (محمد ﷺ نے) گھڑ لیا ہے؟

① یہ نزول قرآن کی علت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا (جیسا کہ پہلے بھی وضاحت گزر چکی ہے) کہ عربوں کی طرف نبی ﷺ پہلے نبی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی عربوں میں مبعوث نبی قرار دیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ اس اعتبار سے قوم سے مراد پھر خاص قریش ہوں گے جن کی طرف کوئی نبی آپ ﷺ سے پہلے نہیں آیا۔

② اس کے لیے دیکھیے سورۂ اعراف 54:7 کا حاشیہ۔ یہاں اس مضمون کو دہرانے سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور عجائب صنعت کے ذکر سے شاید وہ قرآن کو سنیں اور اس پر غور کریں۔

③ یعنی وہاں کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو تمھاری مدد کر سکے اور تم سے اللہ کے عذاب کو ٹال دے، نہ وہاں کوئی سفارشی ہی ایسا ہوگا جو تمھاری سفارش کر سکے۔

④ یعنی اے غیر اللہ کے پجاریو اور دوسروں پر بھروسہ رکھنے والو! کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

⑤ آسمان سے، جہاں اللہ کا عرش اور لوح محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ زمین پر احکام نازل فرماتا، یعنی تدبیر کرتا اور زمین پر ان کا نفاذ ہوتا ہے، جیسے موت اور زندگی، صحت اور مرض، عطا اور منع، غنا اور فقر، جنگ اور صلح، عزت اور ذلت وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر سے اپنی تقدیر کے مطابق یہ تدبیریں اور تصرفات کرتا ہے۔

⑥ یعنی پھر اس کی یہ تدبیر یا امر اس کی طرف واپس [illegible] ہے ایک ہی دن میں، جسے فرشتے لے کر جاتے ہیں۔ اور صعود (چڑھنے) کا یا آنے جانے کا فاصلہ اتنا ہے کہ غیر فرشتہ ہزار سال میں طے کرے۔ یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اس دن انسانوں کے سارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ اس ''یوم'' کی تعیین و تفسیر میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی نے 16,15 اقوال اس ضمن میں ذکر کیے ہیں، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں توقف کو پسند فرمایا اور اس کی حقیقت کو اللہ

الَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ط بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع وَلَوْ تَرٰٓى

جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی [1] اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی ⑦ [2] پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی ⑧ [3] جسے ٹھیک ٹھاک کرکے اس میں اپنی روح پھونکی، [4] اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے [5] (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا احسان مانتے ہو ⑨ [6] اور انھوں نے کہا: کیا جب ہم زمین میں رل مل جائیں [7] گے کیا پھر نئی پیدائش میں آجائیں گے؟ بلکہ (بات یہ ہے) کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ⑩ کہہ دیجیے کہ تمھیں موت کا فرشتہ فوت کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، [8] پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ⑪ کاش کہ آپ

کے سپرد کر دیا ہے۔ صاحب ایسر التفاسیر کہتے ہیں کہ قرآن میں یہ تین مقامات پر آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ دن مراد ہے۔ سورۂ حج 47:22 میں ''یوم'' کا لفظ عبارت ہے اس زمانہ اور مدت سے جو اللہ کے ہاں ہے اور سورۂ معارج 70 : 4 میں، جہاں یوم کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے، یوم حساب مراد ہے اور اس مقام (زیر بحث) میں یوم سے مراد دنیا کا آخری دن ہے، جب دنیا کے تمام معاملات فنا ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَاب

① یعنی جو چیز بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ چونکہ اس کی حکمت و مصلحت کا اقتضا ہے، اس لیے اس میں اپنا ایک حسن اور انفرادیت ہے۔ یوں اس کی بنائی ہوئی ہر چیز حسین ہے اور بعض نے ﴿ اَحْسَنَ ﴾ کے معنی أَتْقَنَ وَأَحْكَمَ کے کیے ہیں، یعنی ہر چیز مضبوط اور پختہ بنائی۔ بعض نے اسے۔ أَلْهَمَ کے مفہوم میں لیا ہے، یعنی ہر مخلوق کو ان چیزوں کا الہام کر دیا جس کی وہ محتاج ہے۔

② یعنی انسان اول آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جن سے انسانوں کا آغاز ہوا۔ اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

③ یعنی منی کے قطرے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسانی جوڑا بنانے کے بعد اس کی نسل کے لیے ہم نے یہ طریقہ مقرر کر دیا کہ مرد اور عورت آپس میں نکاح کریں، ان کے جنسی ملاپ سے جو قطرۂ آب عورت کے رحم میں جائے گا، اس سے ہم ایک انسانی پیکر تراش کر باہر بھیجتے رہیں گے۔ (جس کو ہم اولاد سے نوازنا چاہیں گے)

④ یعنی اس بچے کی ماں کے پیٹ میں نشو و نما کرتے، اس کے اعضاء بناتے، سنوارتے ہیں اور پھر اس میں روح پھونکتے ہیں۔

⑤ یعنی یہ ساری چیزیں پیدا کیں تاکہ وہ اپنی تخلیق کی تکمیل کر دے، پس تم ہر سننے والی بات کو سن سکو، دیکھنے والی چیز کو دیکھ سکو اور ہر عقل و فہم میں آنے والی بات کو سمجھ سکو۔

⑥ یعنی اتنے احسانات کے باوجود انسان اتنا ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کا شکر بہت ہی کم ادا کرتا ہے یا شکر کرنے والے آدمی بہت تھوڑے ہیں۔

⑦ جب کسی چیز پر کوئی دوسری چیز غالب آجائے اور پہلی کے تمام اثرات مٹ جائیں تو اس کو ضلالت (گم ہو جانے) سے تعبیر کرتے۔

اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ⑮ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

السجدة ٩

دیکھتے جب کہ گناہ گار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے،[1] کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب[2] تو ہمیں واپس لوٹا دے ہم نیک اعمال کریں گے ہم یقین کرنے والے ہیں⑫[3] اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت[4] نصیب فرما دیتے لیکن میری یہ بات بالکل حق ہو چکی ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو انسانوں اور جنوں سب سے پر کر دوں گا⑬[5] اب تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو، ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا[6] اور اپنے کیے ہوئے اعمال کی شامت سے ابدی عذاب کا مزہ چکھو⑭ ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں[7] جنھیں جب کبھی ان سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں[8] اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں[9] اور تکبر نہیں کرتے⑮[10] ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں[11] اپنے رب کو خوف

ہیں۔ ﴿ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ﴾ کے معنی ہوں گے کہ جب مٹی میں مل کر ہمارا وجود زمین میں غائب ہو جائے گا۔

⑧ یعنی اس کی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ جب تمھاری موت کا وقت آ جائے تو وہ آ کر روح قبض کر لے۔

① یعنی اپنے کفر و شرک اور معصیت کی وجہ سے مارے ندامت کے۔

② یعنی جس کی تکذیب کرتے تھے، اسے دیکھ لیا، جس کا انکار کرتے تھے، اسے سن لیا۔ یا تیری وعیدوں کی سچائی کو دیکھ لیا اور پیغمبروں کی تصدیق کو سن لیا لیکن اس وقت کا دیکھنا، سننا ان کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

③ لیکن اب یقین کیا تو کس کام کا؟ اب تو اللہ کا عذاب ان پر ثابت ہو چکا جسے بھگتنا ہو گا۔

④ یعنی دنیا میں لیکن یہ ہدایت جبری ہوتی جس میں امتحان کی گنجائش نہ ہوتی۔

⑤ یعنی انسانوں کی دو قسموں میں سے جو جہنم میں جانے والے ہیں، ان سے جہنم کو بھرنے والی میری بات سچ ثابت ہو گئی۔

⑥ یعنی جس طرح تم ہمیں دنیا میں بھلائے رہے، آج ہم بھی تم سے ایسا ہی معاملہ کریں گے ورنہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تو بھولنے والا نہیں ہے۔

⑦ یعنی تصدیق کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

⑧ یعنی اللہ کی آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت و عذاب سے ڈرتے ہوئے۔

⑨ یعنی رب کو ان چیزوں سے پاک قرار دیتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کے ساتھ اس کی نعمتوں پر اس کی حمد کرتے ہیں جن میں سب سے بڑی اور کامل نعمت ایمان کی ہدایت ہے، یعنی وہ اپنے سجدوں میں «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ» یا «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهِ» وغیرہ کلمات پڑھتے ہیں۔

⑩ یعنی اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں اور کافروں کی طرح تکبر نہیں کرتے، اس لیے کہ اللہ کی عبادت سے تکبر کرنا

خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؗ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑰ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ؗ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ

اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں[1] اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں[2] ⑯ کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے،[3] جو کچھ وہ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے ⑰[4] کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟[5] یہ برابر نہیں ہو سکتے ⑱ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک اعمال بھی کیے ان کے لیے ہیشگی والی جنتیں ہیں، مہمانداری ہے ان کے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے ⑲ لیکن جن لوگوں نے حکم عدولی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کبھی اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔[6] اور کہہ دیا جائے گا کہ[7] اپنے جھٹلانے کے بدلے

جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○﴾ (المؤمن 60:40) ''یقیناً جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔'' اس لیے اہل ایمان کا معاملہ ان کے برعکس ہوتا ہے، وہ اللہ کے سامنے ہر وقت عاجزی، ذلت و مسکینی اور خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہیں۔

⑪ یعنی راتوں کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھتے، توبہ و استغفار، تسبیح و تحمید اور دعا و الحاح وزاری کرتے ہیں۔

① یعنی اس کی رحمت اور فضل و کرم کی امید بھی رکھتے ہیں اور اس کے عتاب و غضب اور مؤاخذہ و عذاب سے ڈرتے بھی ہیں۔ محض امید ہی امید نہیں رکھتے کہ عمل سے بے پروا ہو جائیں (جیسے بے عمل اور بدعمل لوگوں کا شیوہ ہے) اور نہ عذاب کا اتنا خوف طاری کر لیتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں کہ یہ مایوسی بھی کفر و ضلالت ہے۔

② انفاق میں صدقات واجبہ (زکاۃ) اور عام صدقہ و خیرات دونوں شامل ہیں۔ اہل ایمان دونوں کا حسب استطاعت اہتمام کرتے ہیں۔

③ ﴿ نَفْسٌ ﴾ وہ نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہو کر عموم کا فائدہ دیتا ہے، یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان نعمتوں کو جو اس نے مذکورہ اہل ایمان کے لیے چھپا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے یہ حدیث قدسی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں، کسی کان نے نہیں سنیں، نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4779)

④ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اعمال صالحہ کا اہتمام ضروری ہے۔

⑤ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ کے ہاں مومن اور کافر برابر نہیں ہیں بلکہ ان کے درمیان بڑا فرق و تفاوت ہوگا۔ مومن اللہ کے مہمان ہوں گے اور اعزاز و اکرام کے مستحق اور فاسق و کافر تعزیر و عقوبت کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جہنم کی آگ میں جھلسیں گے۔ اس مضمون کو دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ ص: 28:38، سورۂ جاثیہ 21:45، سورۂ حشر 20:59 وغیرھا)

⑥ یعنی جہنم کے عذاب کی شدت اور ہولناکی سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہیں گے تو فرشتے انھیں پھر جہنم کی گہرائیوں میں دھکیل دیں گے۔

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿20﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿21﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿22﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿23﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿24﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿25﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

آگ کا عذاب چکھو﴿20﴾ بالیقین ہم انھیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب[1] اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں﴿21﴾[2] اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اللہ کی آیتوں سے وعظ کیا گیا پھر بھی اس نے ان سے منہ پھیر[3] لیا، یقین مانو کہ ہم بھی گناہ گاروں سے انتقام لینے والے ہیں﴿22﴾ بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس آپ کو ہرگز اس کی ملاقات میں شک[4] نہ کرنا چاہیے اور ہم نے اسے[5] بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا﴿23﴾ اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے﴿24﴾[6] آپ کا رب ان (سب) کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں﴿25﴾[7] کیا اس بات نے بھی انھیں ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت

⑦ یہ فرشتے کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئے گی، بہر حال اس میں ان مکذبین کی ذلت و رسوائی کا جو سامان ہے، وہ مخفی نہیں۔

① عذاب ادنیٰ (چھوٹے سے قریب کے بعض عذاب) سے دنیا کا عذاب یا دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ مراد ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ قتل ہے جس سے جنگ بدر میں کافر دوچار ہوئے یا وہ قحط سالی ہے جو اہل مکہ پر مسلط کی گئی تھی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: تمام صورتیں ہی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔

② یہ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجنے کی علت ہے کہ شاید وہ کفر و شرک اور معصیت سے باز آ جائیں۔

③ یعنی اللہ کی آیتیں سن کر جو ایمان و اطاعت کی موجب ہیں، جو شخص اس کی جگہ اعراض کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم کون ہے، یعنی یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔

④ کہا جاتا ہے کہ یہ اشارہ ہے اس ملاقات کی طرف جو معراج کی رات نبی ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تھا۔

⑤ ''اسے'' سے مراد کتاب (تورات) ہے یا خود حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

⑥ اس آیت سے صبر کی فضیلت واضح ہے۔ صبر کا مطلب ہے: اللہ کے اوامر کے بجا لانے اور ترک زواجر میں اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق اور ان کے اتباع میں جو تکلیفیں آئیں، انھیں خندہ پیشانی سے جھیلنا۔ اللہ نے فرمایا: ان کے صبر کرنے اور آیات الٰہی پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہم نے ان کو دینی امامت اور پیشوائی کے منصب پر فائز کیا۔ لیکن جب انھوں نے اس کے برعکس تبدیل و تحریف کا ارتکاب شروع کر دیا تو ان سے یہ مقام سلب کر لیا گیا، چنانچہ اس کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے، پھر ان کا عمل صالح رہا اور نہ اعتقاد صحیح۔

⑦ اس سے وہ اختلاف مراد ہے جو اہل کتاب میں باہم برپا تھا، ضمناً وہ اختلافات بھی آ جاتے ہیں جو اہل ایمان اور اہل کفر، اہل حق

الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿26﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿27﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿28﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿29﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿30﴾

سی امتوں کو ہلاک کردیا جن کے مکانوں میں یہ چل پھر رہے ہیں۔[1] اس میں تو بڑی (بڑی) نشانیاں ہیں۔ کیا پھر بھی یہ نہیں سنتے؟﴿26﴾ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں، پھر اس سے ہم کھیتیاں نکالتے ہیں جسے ان کے چوپائے اور یہ خود کھاتے ہیں،[2] کیا پھر بھی یہ نہیں دیکھتے؟﴿27﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ﴿28﴾[3] جواب دے دو کہ فیصلے والے دن ایمان لانا بے ایمانوں کو کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انھیں ڈھیل دی جائے گی﴿29﴾[4] اب آپ ان کا خیال چھوڑ دیں[5] اور منتظر رہیں۔[6] یہ بھی منتظر ہیں﴿30﴾[7]

اور اہل باطل اور اہل توحید و اہل شرک کے درمیان دنیا میں رہے اور ہیں چونکہ دنیا میں تو ہر گروہ اپنے دلائل پر مطمئن اور اپنی ڈگر پر قائم رہتا ہے، اس لیے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہل حق کو جنت میں اور اہل کفر و باطل کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

① یعنی پچھلی امتیں جو تکذیب اور عدم ایمان کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، کیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج ان کا وجود دنیا میں نہیں ہے، البتہ ان کے مکانات ہیں جن کے یہ وارث بنے ہوئے ہیں۔ مطلب اس سے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا حشر بھی یہی ہوسکتا ہے اگر ایمان نہ لائے۔

② پانی سے مراد آسمانی بارش، چشموں، نالوں اور وادیوں کا پانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اَرض جُرز (بنجر اور بے آباد علاقوں) کی طرف بہا کر لے جاتا ہے اور جو بھوسی یا چارا ہوتا ہے، وہ جانور کھا لیتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی خاص زمین یا علاقہ نہیں ہے بلکہ عام ہے جو ہر بے آباد، بنجر اور چٹیل زمین کو شامل ہے۔

③ اس فیصلے (فتح) سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہے جو کفار مکہ نبی ﷺ سے طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے محمد! تیرے اللہ کی مدد تیرے لیے کب آئے گی؟ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ تجھ پر ایمان لانے والے چھپے پھرتے ہیں۔

④ اس یوم الفتح سے مراد آخرت کے فیصلے کا دن ہے، جہاں ایمان مقبول ہوگا اور نہ مہلت دی جائے گی۔ فتح مکہ کا دن مراد نہیں ہے کیونکہ اس دن تو طُلَقَاء کا اسلام قبول کرلیا گیا تھا جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ (ابن کثیر) طُلَقَاء سے مراد، وہ اہل مکہ ہیں جن کو نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن سزا و تعزیر کی بجائے معاف فرما دیا تھا اور یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا کہ آج تم سے تمھاری پچھلی ظالمانہ کارروائیوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، چنانچہ ان کی اکثریت مسلمان ہوگئی تھی۔

⑤ یعنی ان مشرکین سے اعراض کرلیں اور تبلیغ و دعوت کا کام اپنے انداز سے جاری رکھیں، جو وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس کی پیروی کریں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (الأنعام 106:6) ''آپ خود اس طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے، اللہ کے

سورۂ احزاب مدنی ہے، اس میں 73 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

اٰيَاتُهَا 73 (33) سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (90) رُكُوْعَاتُهَا 9

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ① وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ② وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ

اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہنا [1] اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آجانا، اللہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے ① [2] جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے [3] اس کی تابعداری کریں یقین مانو کہ اللہ تمھارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے ② [4] آپ اللہ ہی پر توکل رکھیں [5] وہ کارسازی کے لیے کافی ہے ③ [6] کسی آدمی کے سینے میں اللہ نے دو دل نہیں رکھے [7] اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو انھیں اللہ نے تمھاری (سچ مچ کی) مائیں نہیں بنایا، [8]

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔"

⑥ یعنی اللہ کے وعدے کا کہ کب وہ پورا ہوتا ہے اور تیرے مخالفوں پر تجھے غلبہ عطا فرماتا ہے؟ وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

⑦ یعنی یہ کافر منتظر ہیں کہ شاید یہ پیغمبر ہی گردشوں کا شکار ہو جائے اور اس کی دعوت ختم ہو جائے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا فرمایا اور آپ پر گردشوں کے منتظر مخالفوں کو ذلیل وخوار کیا یا ان کو آپ کا غلام بنا دیا۔

① آیت میں تقویٰ پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ طلق بن حبیب کہتے ہیں: تقویٰ کا مطلب ہے کہ تو اللہ کی اطاعت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق ترک کر دے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ (ابن کثیر)

② پس وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس لیے کہ عواقب کو وہی جانتا ہے اور اپنے اقوال وافعال میں وہ حکیم ہے۔

③ یعنی قرآن کی اور احادیث کی بھی، اس لیے کہ احادیث کے الفاظ گو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں لیکن ان کے معانی ومفاہیم من جانب اللہ ہی ہیں۔ اسی لیے ان کو وحئ خفی یا وحئ غیر متلو کہا جاتا ہے۔

④ پس اس سے تمھاری کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

⑤ اپنے تمام معاملات اور احوال میں۔

⑥ ان لوگوں کے لیے جو اس پر بھروسہ رکھتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

⑦ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک منافق یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ ایک دل مسلمانوں کے ساتھ ہے اور دوسرا دل کفر اور کافروں کے ساتھ ہے۔ (مسند أحمد: 268,267/1) یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک دل میں اللہ کی محبت اور اس کے دشمنوں کی اطاعت جمع ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص جمیل بن معمر فہری تھا جو بڑا ہشیار، مکار اور نہایت تیز طرار تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ میرے تو دو دل ہیں جن سے میں سوچتا سمجھتا ہوں۔

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ④ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ⑤

اور نہ تمھارے لے پالک لڑکوں کو (واقعی) تمھارے بیٹے بنایا ہے،[1] یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں،[2] اللہ حق بات فرماتا ہے[3] اور وہ (سیدھی) راہ سجھاتا ہے ④ لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے۔[4] پھر اگر تمھیں ان کے (حقیقی) باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں،[5] تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں،[6] البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو۔[7] اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے ⑤

جبکہ محمد (ﷺ) کا ایک ہی دل ہے۔ یہ آیت اس کے رد میں نازل ہوئی۔ (أیسر التفاسیر) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آگے جو دو مسئلے بیان کیے جا رہے ہیں، یہ ان کی تمہید ہے، یعنی جس طرح ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لے، یعنی یہ کہہ دے کہ تو میرے لیے ایسے ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ تو اس طرح کہنے سے اس کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جائے گی۔ یوں اس کی دو مائیں نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا (لے پالک) بنا لے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جائے گا بلکہ وہ بیٹا تو اپنے باپ ہی کا رہے گا، اس کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ (ابن کثیر)

⑧ یہ مسئلہ ظہار کہلاتا ہے، اس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں آئے گی۔

① اس کی تفصیل اسی سورت میں آگے چل کر آئے گی۔ أَدْعِيَآءَ، دَعِيٌّ کی جمع ہے۔ منہ بولا بیٹا۔

② یعنی کسی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جائے گی، نہ بیٹا کہنے سے وہ بیٹا بن جائے گا، یعنی ان پر اُمومت (ماں ہونے) اور بُنوت (بیٹا ہونے) کے شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

③ اس لیے اس کا اتباع کرو اور ظہار والی عورت کو ماں اور لے پالک کو بیٹا مت کہو، خیال رہے کہ کسی کو پیار اور محبت میں بیٹا کہنا اور بات ہے اور لے پالک کو حقیقی بیٹا تصور کر کے بیٹا کہنا اور بات ہے۔ پہلی بات جائز ہے، یہاں مقصود دوسری بات کی ممانعت ہے۔

④ اس حکم سے اس رواج کی ممانعت کر دی گئی جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا کہ لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ صحابۂ کرام بیان فرماتے ہیں کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو (جنھیں رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا) زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے حتی کہ قرآن کریم کی آیت: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ ......﴾ الآیۃ نازل ہو گئی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4782) اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا جنھوں نے سالم کو بیٹا بنایا ہوا تھا جب منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھنے سے روک دیا گیا تو اس سے پردہ کرنا ضروری ہو گیا۔ نبی ﷺ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کہا: ”اسے دودھ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنا لو کیونکہ اس طرح تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔“ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 26-(1453)، و سنن أبي داود، حدیث: 2061)

⑤ یعنی جن کے حقیقی باپوں کا علم ہے۔ اب دوسری نسبتیں ختم کر کے انھی کی طرف انھیں منسوب کرو، البتہ جن کے باپوں کا علم نہ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿6﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں[1] اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں،[2] اور رشتے دار کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے آپس میں زیادہ حق دار ہیں[3] (ہاں) مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہو۔[4] یہ حکم کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے ﴿6﴾[5] جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے

ہو سکے تو تم انھیں اپنا بھائی اور دوست سمجھو، بیٹا مت سمجھو۔

⑥ اس لیے کہ خطا ونسیان معاف ہے جیسا کہ حدیث میں بھی صراحت ہے۔

⑦ یعنی جو جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا، وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے: ''جس نے جانتے بوجھتے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3508)

① نبی ﷺ اپنی امت کے لیے جتنے شفیق اور خیر خواہ تھے محتاج وضاحت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس شفقت اور خیر خواہی کو دیکھتے ہوئے اس آیت میں آپ کو مومنوں کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار، آپ ﷺ کی محبت کو دیگر تمام محبتوں سے فائق تر اور آپ کے حکم کو اپنی تمام خواہشات سے اہم تر قرار دیا ہے، اس لیے مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ ان کے جن مالوں کا مطالبہ اللہ کے لیے کریں، وہ آپ پر نچھاور کر دیں، چاہے انھیں خود کتنی ہی ضرورت ہو، آپ ﷺ سے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ محبت کریں۔ (جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے) آپ ﷺ کے حکم کو سب پر مقدم اور آپ ﷺ کی اطاعت کو سب سے اہم سمجھیں۔ جب تک یہ خود سپردگی نہیں ہوگی۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ......﴾ الآية (النسآء 65:4) کے مطابق آدمی مومن نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک آپ کی محبت، تمام محبتوں پر غالب نہیں ہوگی «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 15) ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جب تک میں اُس کے (ماں) باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔'' کی رو سے مومن نہیں، ٹھیک اسی طرح اطاعت رسول میں کوتاہی بھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝﴾ (محمد 33:47) کا مصداق بنا دے گی۔

② یعنی احترام وتکریم میں اور ان سے نکاح نہ کرنے میں۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی مائیں بھی ہیں۔

③ یعنی اب مہاجرت، اخوت اور موالات کی وجہ سے وراثت نہیں ہوگی۔ اب وراثت صرف قریبی رشتے کی بنیاد پر ہی ہوگی۔

④ ہاں، تم غیر رشتے داروں کے لیے احسان اور برّ وصلہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز ان کے لیے ایک تہائی مال میں سے وصیت بھی کر سکتے ہو۔

⑤ یعنی لوح محفوظ میں اصل حکم یہی ہے، گو عارضی طور پر مصلحتاً دوسروں کو بھی وارث قرار دے دیا گیا تھا لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ یہ منسوخ کر دیا جائے گا، چنانچہ اسے منسوخ کر کے پہلا حکم بحال کر دیا گیا ہے۔

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۟ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟ؑ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۟ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ

اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا⑦[1] تاکہ اللہ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں دریافت فرمائے،[2] اور کافروں کے لیے اس نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں⑧ اے ایمان والو! اللہ نے جو احسان تم پر کیا اسے یاد کرو جبکہ تمھارے مقابلے کو فوجوں کی فوجیں آئیں، پھر ہم نے ان پر تیز و تند آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں،[3] اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب کو دیکھتا ہے⑨ جب کہ دشمن تمھارے پاس

① اس عہد سے کیا مراد ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جو ایک دوسرے کی مدد اور تصدیق کا انبیاء سے لیا گیا تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران 3:81 میں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ وہ عہد ہے جس کا ذکر سورۂ شوریٰ 42:13 میں ہے کہ دین قائم کرنا اور اس میں تفرقہ مت ڈالنا۔ یہ عہد اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا لیکن یہاں بطور خاص پانچ انبیاء کا نام لیا گیا ہے جن سے ان کی اہمیت و عظمت واضح ہے اور ان میں بھی نبی ﷺ کا ذکر سب سے پہلے ہے، درآں حالیکہ نبوت کے لحاظ سے آپ سب سے متأخر ہیں، اس سے آپ کی عظمت اور شرف کا جس طرح اظہار ہو رہا ہے محتاج وضاحت نہیں۔

② یہ لامِ کَیْ ہے، یعنی یہ عہد اس لیے لیا تا کہ اللہ سچے نبیوں سے پوچھے کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اپنی قوموں تک ٹھیک طریقے سے پہنچا دیا تھا؟ یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء سے پوچھے کہ تمھاری قوموں نے تمھاری دعوت کا جواب کس طرح دیا؟ مثبت انداز میں یا منفی طریقے سے؟ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ہے کہ ''ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔'' (الأعراف 7:6) اس میں داعیانِ حق کے لیے بھی تنبیہ ہے کہ وہ دعوتِ حق کا فریضہ پوری تن دہی اور اخلاص سے ادا کریں تا کہ بارگاہِ الٰہی میں سرخ رو ہو سکیں اور ان لوگوں کے لیے بھی وعید ہے جن کو حق کی دعوت پہنچائی جائے کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے تو عند اللہ مجرم اور مستوجبِ سزا ہوں گے۔

③ ان آیات میں غزوۂ احزاب کی کچھ تفصیل ہے جو 5 ہجری میں پیش آیا۔ اسے احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اسلام دشمن گروہ جمع ہو کر مسلمانوں کے مرکز ''مدینہ'' پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ﴿الْاَحْزَابَ﴾ حِزْبٌ (گروہ) کی جمع ہے۔ اسے جنگ خندق بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لیے مدینے کے اطراف میں خندق کھودی تھی تا کہ دشمن مدینے کے اندر نہ آ سکیں۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنونضیر، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس کی مسلسل بدعہدی کی وجہ سے مدینے سے جلاوطن کر دیا تھا، یہ قبیلہ خیبر میں جا آباد ہوا، اس نے کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار کیا، اسی طرح غطفان وغیرہ قبائل نجد کو بھی امداد کا یقین دلا کر آمادۂ قتال کیا اور یوں یہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کر کے مدینے پر حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرکین مکہ کی قیادت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے احد کے آس پاس پڑاؤ ڈال کر تقریباً مدینے کا محاصرہ کر لیا، ان کی مجموعی تعداد 10 ہزار تھی جبکہ مسلمان تین ہزار تھے۔ علاوہ ازیں جنوبی رخ پر یہودیوں کا تیسرا قبیلہ بنوقریظہ آباد تھا جس سے ابھی تک مسلمانوں کا معاہدہ قائم اور وہ مسلمانوں کی مدد کرنے کا پابند تھا۔ لیکن اسے بھی

فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫ وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ

اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے[1] اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے ⑩[2] یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح وہ جھنجھوڑ دیے گئے ⑪[3] اور اس وقت منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکا فریب ہی کا وعدہ کیا تھا ⑫[4] ان ہی کی ایک جماعت نے ہانک لگائی کہ اے مدینے والو![5] تمھارے لیے ٹھکانا نہیں چلو لوٹ چلو،[6] اور ان کی ایک اور جماعت یہ کہہ کر نبی سے اجازت مانگنے لگی کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں،[7] حالانکہ وہ کھلے ہوئے اور غیر محفوظ نہ تھے

بنو نضیر کے یہودی سردار حُیَیّ بن اخطب نے ورغلا کر مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کے حوالے سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ یوں مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھر گئے۔ ان لشکروں کے آنے سے پہلے ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے خندق کھودی گئی جس کی وجہ سے دشمن کا لشکر مدینے کے اندر نہیں آ سکا اور مدینے کے باہر قیام پذیر رہا، تاہم مسلمان اس محاصرے اور دشمن کی متحدہ یلغار سے سخت خوفزدہ تھے۔ کم وبیش ایک مہینے تک یہ محاصرہ قائم رہا اور مسلمان سخت خوف اور اضطراب کے عالم میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ان آیات میں ان ہی سراسیمہ حالات اور امداد غیبی کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ پہلے ﴿جُنُوْدٌ﴾ سے مراد کفار کی فوجیں ہیں جو جمع ہو کر آئی تھیں۔ تیز وتند ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو سخت طوفان اور آندھی کی شکل میں آئی جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ پھینکا، جانور رسیاں تڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ہانڈیاں الٹ گئیں اور سب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ وہی ہوا تھی جس کی بابت حدیث میں آتا ہے: « نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ » (صحيح البخاري، حديث: 3205، وصحيح مسلم، حديث: 900) ''میری مدد صبا (مشرقی ہوا) سے کی گئی اور عاد دبور (پچھمی) ہوا سے ہلاک کیے گئے۔'' ﴿جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے۔ انھوں نے دشمن کے دلوں پر ایسا خوف اور دہشت طاری کر دی کہ انھوں نے وہاں سے جلد بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

① اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے دشمن آ گئے یا اوپر سے مراد غطفان، ہوازن اور دیگر نجد کے مشرکین ہیں اور نیچے کی سمت سے قریش اور ان کے اعوان وانصار۔

② یہ مسلمانوں کی اس کیفیت کا اظہار ہے جس سے اس وقت وہ دوچار تھے۔

③ یعنی مسلمانوں کو خوف، قتال، بھوک اور محاصرے میں مبتلا کر کے ان کو جانچا پرکھا گیا تا کہ منافق الگ ہو جائیں۔

④ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ ایک فریب تھا۔ یہ تقریباً ستر منافقین تھے جن کی زبانوں پر وہ بات آ گئی جو دلوں میں تھی۔

⑤ یثرب اس پورے علاقے کا نام تھا، مدینۃ النبی ﷺ اسی کا ایک حصہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام یثرب اس لیے پڑا کہ کسی

يُرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

(لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا⑬ [1] اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے، پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے اور نہ لڑتے مگر تھوڑی مدت⑭ [2] اس سے پہلے تو انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، [3] اور اللہ سے کیے ہوئے وعدے کی باز پرس ضرور [4] ہوگی⑮ کہہ دیجیے کہ گو تم موت سے یا خوف قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمھیں کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے⑯ [5] پوچھیے تو کہ اگر اللہ تمھیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمھیں بچا سکے، (یا تم سے روک سکے؟) [6] اپنے لیے

زمانے میں عمالقہ میں سے کسی نے یہاں پڑاؤ کیا تھا جس کا نام یثرب بن عمیل تھا۔ (فتح القدیر)

⑥ یعنی مسلمانوں کے لشکر میں رہنا تو سخت خطرناک ہے، اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ۔

⑦ یعنی بنو قریظہ کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے یوں اہل خانہ کی جان و مال اور آبرو خطرے میں ہے۔

① یعنی جو خطرہ وہ ظاہر کر رہے ہیں، نہیں ہے وہ اس بہانے سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ ﴿عَوْرَةٌ﴾ کے لغوی اور معروف معنی کے لیے دیکھیے، سورۂ نور 58:24 کا حاشیہ۔

② یعنی مدینے یا ان کے گھروں میں چاروں طرف سے دشمن داخل ہو جائیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ تم کفر و شرک کی طرف دوبارہ واپس آ جاؤ تو یہ ذرا توقف نہ کریں گے اور اس وقت گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا عذر بھی نہیں کریں گے بلکہ فوراً مطالبۂ شرک کے سامنے جھک جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک ان کو مرغوب ہے اور اسی کی طرف یہ لپکتے ہیں۔

③ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منافقین جنگ بدر تک مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن جب مسلمان فاتح ہو کر اور مال غنیمت لے کر واپس آئے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام کا اظہار کیا بلکہ یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ جب بھی کفار سے معرکہ پیش آیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ضرور لڑیں گے، یہاں ان کو وہی عہد یاد کرایا گیا ہے۔

④ یعنی اسے پورا کرنے کا ان سے مطالبہ کیا جائے گا اور عدم وفا پر سزا کے وہ مستحق ہوں گے۔

⑤ یعنی موت سے تو کسی صورت مفر نہیں ہے۔ اگر میدان جنگ سے بھاگ کر آ بھی جاؤ گے تو کیا فائدہ؟ کچھ عرصے بعد موت کا پیالہ تو پھر بھی پینا ہی پڑے گا۔

⑥ یعنی تمھیں ہلاک کرنا، بیمار کرنا یا مال و جائیداد میں نقصان پہنچانا یا قحط سالی میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو تمھیں اس سے بچا سکے؟ یا اپنا فضل و کرم کرنا چاہے تو وہ روک سکے؟

دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ⑰ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا‌ ۚ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ⑱ اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ‌ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ‌ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ‌ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ‌ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ⑲ يَحۡسَبُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ لَمۡ يَذۡهَبُوۡا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِ الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِى الۡاَعۡرَابِ يَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ

بجز اللہ کے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار ⑰ اللہ تم میں سے انھیں بخوبی جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس[1] چلے آؤ۔ اور کبھی کبھی ہی لڑائی میں آجاتے ہیں ⑱[2] تمھاری مدد میں (پورے) بخیل ہیں،[3] پھر جب خوف و دہشت کا موقع آجائے تو آپ انھیں دیکھیں گے کہ آپ کی طرف نظریں جما دیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو،[4] پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی تیز زبانوں سے بڑی باتیں بناتے ہیں[5] مال کے بڑے ہی حریص ہیں،[6] یہ ایمان لائے ہی نہیں ہیں[7] اللہ نے ان کے تمام اعمال نابود کر دیے ہیں۔[8] اور اللہ پر یہ بہت ہی آسان ہے ⑲[9] سمجھتے ہیں کہ اب تک لشکر چلے نہیں گئے،[10] اور اگر فوجیں آجائیں تو تمنائیں کرتے ہیں کہ کاش! وہ صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوتے کہ تمھاری خبریں دریافت کیا

① یہ کہنے والے منافقین تھے جو اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے روکتے تھے۔

② کیونکہ وہ موت کے خوف سے پیچھے ہی رہتے تھے۔

③ یعنی تمھارے ساتھ خندق کھود کر تم سے تعاون کرنے میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں یا تمھارے ساتھ مل کر لڑنے میں بخیل ہیں۔

④ یہ ان کی بزدلی اور پست ہمتی کی کیفیت کا بیان ہے۔

⑤ یعنی اپنی شجاعت و مردانگی کی بابت ڈینگیں مارتے ہیں جو سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں یا غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنی زبان کی تیزی و طراری سے لوگوں کو متاثر کر کے زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ سب سے زیادہ بخیل اور سب سے زیادہ بڑا حصہ لینے والے اور لڑائی کے وقت سب سے زیادہ بزدل اور ساتھیوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں۔

⑥ یا دوسرا مفہوم ہے کہ خیر کا جذبہ بھی ان کے اندر نہیں ہے، یعنی مذکورہ خرابیوں اور کوتاہیوں کے ساتھ خیر اور بھلائی سے بھی وہ محروم ہیں۔

⑦ یعنی دل سے بلکہ یہ منافق ہیں کیونکہ ان کے دل کفر و عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔

⑧ اس لیے کہ وہ مشرک اور کافر ہی ہیں اور کافر و مشرک کے اعمال باطل ہیں جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔ یا ﴿فَاَحۡبَطَ﴾ أَظْهَرَ بُطْلَانَ عَمَلِهِمْ کے معنی میں ہے، یعنی ان کے عملوں کے بطلان کو ظاہر کر دیا، اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے ہیں ہی نہیں کہ وہ ثواب کے مقتضی ہوں اور اللہ ان کو باطل کر دے۔ (فتح القدير)

⑨ ان کے اعمال کا برباد کر دینا یا ان کا نفاق اللہ پر آسان ہے، یعنی ان کا نفاق اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اَنْۢبَآىِٕكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ۠ ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ؗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

کرتے[1] اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو نہ لڑتے مگر برائے نام ﴿20﴾ [2] یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، [3] ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کی یاد کرتا ہے ﴿21﴾ [4] اور ایمان داروں نے جب (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (بے ساختہ) کہہ اٹھے کہ انھی کا وعدہ ہمیں اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، [5] اور اس چیز نے ان کے ایمان میں اور شیوۂ فرماں برداری میں اور اضافہ کر دیا ﴿22﴾ [6] مومنوں میں سے ایسے لوگ

---

⑩ یعنی ان منافقین کی بزدلی، دوں ہمتی اور خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ کافروں کے گروہ اگرچہ ناکام و نامراد واپس جا چکے ہیں۔ لیکن یہ اب تک یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ابھی تک اپنے مورچوں اور خیموں میں موجود ہیں۔

① یعنی بالفرض اگر وہ گروہ کفار دوبارہ لڑائی کی نیت سے واپس آ جائیں تو منافقین کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ مدینہ شہر کے اندر رہنے کی بجائے باہر صحرا میں بادیہ نشینوں کے ساتھ ہوں اور وہاں لوگوں سے تمھاری بابت پوچھتے رہیں کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہلاک ہوئے یا نہیں۔ یا لشکر کفار کامیاب رہا یا ناکام۔

② محض عار کے ڈر سے یا ہم وطنی کی حمیت کی وجہ سے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جو جہاد سے گریز کرتے یا اس سے پیچھے رہتے ہیں۔

③ یعنی اے مسلمانو! تم سب کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے اندر بہترین نمونہ ہے، پس تم جہاد میں اور صبر و ثبات میں اسی کی پیروی کرو۔ ہمارا یہ پیغمبر جہاد میں بھوکا رہا حتی کہ اسے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے، اس کا چہرہ زخمی ہو گیا، اس کا رباعی دانت ٹوٹ گیا، خندق اپنے ہاتھوں سے کھودی اور تقریباً ایک مہینہ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہا۔ یہ آیت اگرچہ جنگ احزاب کے ضمن میں نازل ہوئی ہے جس میں جنگ کے موقع پر بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام ہے، یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں مسلمانوں کے لیے آپ کی اقتدا ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے۔ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔ ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ......﴾ الآیۃ (الحشر 7:59) ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ......﴾ الآیۃ (آل عمران 31:3) کا مفاد بھی یہی ہے۔

④ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اسوۂ رسول ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ آج لوگ ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوۂ رسول (ﷺ) کی بھی کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ان میں جو اہل مذہب ہیں، ان کے پیشوا، امام، پیر اور مشائخ ہیں اور جو اہل دنیا و اہل سیاست ہیں، ان کے مرشد و رہنما آقایان مغرب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت کے زبانی دعوے بڑے بڑے ہیں لیکن آپ کو مرشد اور پیشوا ماننے کے لیے ان میں سے کوئی بھی آمادہ نہیں ہے۔ فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى

⑤ یعنی منافقین نے تو دشمن کی کثرت تعداد اور حالات کی سنگینی دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ رسول کے وعدے فریب تھے، ان کے برعکس اہل ایمان

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿23﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿24﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿25﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

بھی ہیں جنھوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا انھیں سچا کر دکھایا،[1] بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا[2] اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی ﴿23﴾ [3] تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے،[4] اللہ بڑا ہی بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے ﴿24﴾ اور اللہ نے کافروں کو غصے میں بھرے ہوئے ہی (نامراد) لوٹا دیا، انھوں نے کوئی فائدہ نہیں پایا،[5] اور اس جنگ میں اللہ خود ہی مومنوں کو کافی ہو گیا،[6] اللہ بڑی قوتوں والا اور غالب ہے ﴿25﴾ اور جن اہل کتاب نے ان سے ساز باز کر لی تھی، انھیں (بھی) اللہ نے ان کے قلعوں سے نکال دیا

نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا ہے کہ ابتلا و امتحان سے گزارنے کے بعد تمھیں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا، وہ سچا ہے۔

⑥ یعنی حالات کی شدت اور ہولناکی نے ان کے ایمان کو متزلزل نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان میں جذبۂ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں اور ان کے مختلف احوال کے اعتبار سے ایمان اور اس کی قوت میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ محدثین کا مسلک ہے۔

① یہ آیت ان بعض صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جنھوں نے اس موقع پر جاں نثاری کے عجیب و غریب جوہر دکھائے تھے اور انھی میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے لیکن انھوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آئندہ کوئی معرکہ پیش آیا تو جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے، جیسے نضر بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے 80 سے اوپر زخم تھے، شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے انھیں ان کی انگلی کے پورے سے پہچانا۔ (صحيح البخاري، حديث: 2805، وجامع الترمذي، حديث: 3201)

② ﴿نَحْبَهٗ﴾ کے معنی: عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

③ اور دوسرے وہ ہیں جو ابھی تک عروس شہادت سے ہمکنار نہیں ہوئے ہیں، تاہم اس کے شوق میں شریک جہاد ہوتے ہیں اور شہادت کی سعادت کے آرزومند ہیں، اپنی اس نذر یا عہد میں انھوں نے تبدیلی نہیں کی۔

④ یعنی انھیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

⑤ یعنی مشرک جو مختلف جہات سے جمع ہو کر آئے تھے تاکہ مسلمانوں کا نشان مٹا دیں۔ اللہ نے انھیں اپنے غیظ و غضب سمیت واپس لوٹا دیا۔ نہ دنیا کا مال و متاع ان کے ہاتھ لگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، کسی بھی قسم کی خیر انھیں حاصل نہیں ہوئی۔

⑥ یعنی مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے مومن بندوں کی مدد کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿26﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿27﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿28﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

اوران کے دلوں میں (بھی) رعب بھر دیا کہ تم ان کے ایک گروہ کو قتل کررہے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بنارہے ہو ﴿26﴾ اور اس نے تمھیں ان کی زمینوں کا اور ان کے گھر بار کا اور ان کے مال کا وارث کر دیا[1] اور اس زمین کا بھی جس کو تمھارے قدموں نے روندا نہیں،[2] اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿27﴾ اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا دوں اور تمھیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ﴿28﴾ اور اگر تمھاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں ﴿29﴾[3] اے نبی کی بیویو!

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»(صحيح البخاري، حديث: 1797، وصحيح مسلم ، حديث: 1344)''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور تعریفیں ہیں، ہم لوٹنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اس اکیلے نے ہی شکست دے دی۔'' نبی ﷺ جہاد سے، سفر سے یا حج وعمرہ سے واپسی پر یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے تین مرتبہ اللہ اکبر بھی کہتے۔

[1] اس میں غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ہے جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس قبیلے نے نقض عہد کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں اور دوسرے یہودیوں کا ساتھ دیا تھا، چنانچہ جنگ احزاب سے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ ابھی غسل ہی فرما سکے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے؟ ہم فرشتوں نے تو نہیں رکھے ہیں۔ چلیے، اب بنوقریظہ کے ساتھ نمٹنا ہے، مجھے اللہ نے اسی لیے آپ کی طرف بھیجا ہے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں میں اعلان فرما دیا بلکہ ان کو تاکید کر دی کہ عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھنی ہے۔ ان کی آبادی مدینے سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ یہ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، باہر سے مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جو کم وبیش پچیس روز جاری رہا۔ بالآخر انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے، ہمیں منظور ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں، عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر فرمایا کہ یہی فیصلہ آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ اس کے مطابق ان کے جنگجو افراد کی گردنیں اڑا دی گئیں۔ اور مدینے کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا گیا۔ (دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 4121) ﴿ اَنْزَلَ ﴾ قلعوں سے نیچے اتار دیا ﴿ ظَاهَرُوْهُمْ ﴾ کافروں کی انھوں نے مدد کی۔

[2] بعض نے اس سے خیبر کی زمین مراد لی ہے کیونکہ اس کے بعد ہی 6 ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر فتح کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ مکہ ہے اور بعض نے ارض فارس وروم کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور بعض کے نزدیک تمام وہ زمینیں ہیں جو قیامت

مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿30﴾

تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا،[1] اور اللہ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے﴿30﴾

تک مسلمان فتح کریں گے۔(فتح القدیر)

③ فتوحات کے نتیجے میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے کی نسبت کچھ بہتر ہوگئی تو انصار و مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس مطالبے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی جو ایک مہینے تک جاری رہی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر انھیں اختیار دیا، تاہم انھیں کہا کہ اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے والدین سے مشورے کے بعد کوئی اقدام کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں؟ بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ یہی بات دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی کہی اور کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح نہیں دی۔(صحیح البخاري، حدیث: 4786) اس وقت آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں 9 بیویاں تھیں، پانچ قریش میں سے تھیں۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ۔ اور چار ان کے علاوہ، یعنی حضرت صفیہ، میمونہ، زینب اور جویریہ تھیں...... رضی اللہ عنہن...... بعض لوگ مرد کی طرف سے اختیار علیحدگی کو طلاق قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کی طرف سے علیحدگی کو پسند کر لینے کے بعد خاوند اسے طلاق دے گا، تاہم اگر عورت علیحدگی کو اختیار نہیں کرتی تو پھر طلاق نہیں ہوگی، جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے علیحدگی کی بجائے حرم رسول ہی میں رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔(صحیح البخاري، حدیث: 5262، وصحیح مسلم، حدیث: 27-(1477))

① قرآن میں اَلْفَاحِشَةُ (مُعرَّف باللّام) کو زنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن فَاحِشَةٌ (نکرہ) کو برائی کے لیے، جیسے یہاں ہے۔ یہاں اس کے معنی بداخلاقی اور نامناسب رویے کے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ کے ساتھ بداخلاقی اور نامناسب رویہ، آپ ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے جس کا ارتکاب کفر ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خود بھی مقام بلند کی حامل تھیں اور بلند مرتبت لوگوں کی معمولی غلطیاں بھی بڑی شمار ہوتی ہیں، اس لیے انھیں دوگنے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿31﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿32﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اُسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے [1] اور اُس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے ﴿31﴾ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو [2] اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی غلط توقع لگا بیٹھے [3] اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو ﴿32﴾ [4] اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو [5] اور (قدیم) جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو [6]

① یعنی جس طرح گناہ کا وبال دگنا ہوگا، نیکیوں کا اجر بھی دوہرا ہوگا۔ جس طرح نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بالفرض آپ کفر کی طرف مائل ہو جاتے تو: ﴿اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ (بنی إسرآء یل 75:17) ”پھر تو ہم آپ کو دوہرا عذاب دنیا کا کرتے اور دوہرا ہی موت کا۔“

② یعنی تمھاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمھیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کر کے انھیں کچھ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں جنھیں امہات المؤمنین قرار دیا گیا ہے لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے، اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

③ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے بنا بریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

④ یعنی بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے، تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں، انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں۔

⑤ یعنی ٹک کر رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ داری سرانجام دینا ہے۔

⑥ اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو، جیسے بے پردہ ہو کر جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے بلکہ

الْأُولٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿33﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿34﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ ع 7

اور نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔ [1] اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! [2] تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دُور کردے اور تمھیں خوب پاک کر دے ﴿33﴾ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں۔ اُن کا ذکر کرتی رہو، [3] یقیناً اللہ باریک بین اور خبردار ہے ﴿34﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، [4] مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں برداری کرنے والے مرد

بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔ ﴿تَبَرُّج﴾ بے پردگی اور زیب وزینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما، دل فریب رکھ لیا جائے۔

① پچھلی ہدایات برائی سے اجتناب سے متعلق تھیں، یہ ہدایات نیکی اختیار کرنے سے متعلق ہیں۔

② اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے۔بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔قرآن نے یہاں ازواج مطہرات کو ﴿اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ کہا ہے۔قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے، مثلاً: سورۂ ہود 11:73 میں، اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔بعض لوگ، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں جبکہ اول الذکر، ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، تاہم اعتدال کی راہ اور نقطۂ متوسط یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور سیدنا علی، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان دونوں کی اولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی ﷺ نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر)

③ یعنی ان پر عمل کرو۔حکمت سے مراد احادیث ہیں۔اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی متلو ہے۔علاوہ ازیں یہ آیت بھی ازواج مطہرات کے اہل بیت ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ وحی کا نزول، جس کا ذکر اس آیت میں ہے، ازواج مطہرات کے گھروں میں ہی ہوتا تھا، بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جیسا کہ احادیث میں ہے۔

④ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کہ کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(جامع الترمذي، حديث: 3211، ومسند أحمد: 301/6) اس میں عورتوں کی دل داری کا اہتمام کر دیا گیا ہے ورنہ تمام احکام میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان مخصوص احکام کے جو صرف عورتوں کے لیے ہیں۔اس آیت اور دیگر آیات سے واضح ہے کہ عبادت واطاعت الٰہی اور اخروی درجات وفضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے۔دونوں کے لیے یکساں طور پر یہ میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر وثواب کما سکتے ہیں۔جنس کی

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿35﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿36﴾ؕ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ

اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب) کے لیے اللہ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے ﴿35﴾ اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، [1] (یاد رکھو) اللہ اور اُس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا ﴿36﴾ (یاد کرو) جب کہ تو اُس شخص سے کہہ رہا تھا جس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے بھی کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تُو لوگوں سے خوف کھاتا تھا، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ تو اُس سے ڈرے، [2] پس جب کہ زید نے اُس عورت سے

بنیاد پر اس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمان اور مومن کا الگ الگ ذکر کرنے سے واضح ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایمان کا درجہ اسلام سے بڑھ کر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، تاہم بعض لوگوں کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ (مزید دیکھیے سورۂ ذاریات 36:51 کا حاشیہ)

[1] یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اگرچہ اصلاً عرب تھے لیکن کسی نے انھیں بچپن میں زبردستی پکڑ کر بطور غلام بیچ دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا جس پر انھیں اور ان کے بھائی کو خاندانی وجاہت کی بنا پر تامل ہوا کہ زید رضی اللہ عنہ ایک آزاد کردہ غلام ہیں اور ہمارا تعلق ایک اونچے خاندان سے ہے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنا اختیار بروئے کار لائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر دے، چنانچہ یہ آیت سننے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور ان کا باہم نکاح ہو گیا۔

[2] لیکن مزاجوں میں فرق ہونے کی وجہ سے میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار نہ بن سکے اور اسی بنا پر ان کی آپس میں ان بن رہتی تھی

مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ

اپنی غرض پوری کرلی[1] ہم نے اُسے تیرے نکاح میں دے دیا[2] تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض اُن سے پوری کر

61

جس کا تذکرہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کرتے رہتے تھے اور طلاق کا عندیہ بھی ظاہر کرتے لیکن نبی ﷺ ان کو طلاق دینے سے روکتے اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرما دیا تھا کہ زید کی طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا تاکہ جاہلیت کی اس رسم تبنیت پر ایک کاری ضرب لگا کر واضح کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا، احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں انھی باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اللہ کا انعام یہ تھا کہ انھیں قبول اسلام کی توفیق دی اور غلامی سے نجات دلائی، نبی ﷺ کا احسان ان پر یہ تھا کہ ان کی دینی تربیت کی۔ ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا قرار دیا اور اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی سے ان کا نکاح کرا دیا۔ دل میں چھپانے والی بات یہی تھی جو آپ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بابت بذریعہ وحی بتلائی گئی تھی، آپ ﷺ ڈرتے اس بات سے تھے کہ لوگ کہیں گے: اپنی بہو سے نکاح کر لیا، حالانکہ جب اللہ نے آپ کے ذریعے سے اس رسم کا خاتمہ کرانا تھا تو پھر لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کا یہ خوف اگرچہ طبعی تھا، اس کے باوجود آپ کو تنبیہ فرمائی گئی۔ ظاہر کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ نکاح ہوگا جس سے یہ بات سب کے ہی علم میں آجائے گی۔

[1] یعنی نکاح کے بعد طلاق دی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا عدت سے فارغ ہو گئیں۔

[2] یعنی یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے نکاح قرار پا گیا، نکاح خوانی، ولایت، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی۔ اس کو علماء نے نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، یعنی آپ کا نکاح ولی، حق مہر اور گواہوں کے بغیر بھی صحیح تھا جیسا کہ قرآن کے لفظ ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ سے بھی ظاہر ہے۔ جبکہ امت کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر کا تقرر اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ان کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ صاحب ''تدبر قرآن'' نے نبی ﷺ کی اس خصوصیت کا انکار کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں نے لفظ زَوَّجْنَا سے یہ سمجھا ہے کہ یہ نکاح آسمان ہی پر ہو گیا تھا، زمین پر اس کی رسم ادا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن ابن ہشام میں وہ ساری تفصیل موجود ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اس وجہ سے صحیح بات یہ ہے کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل اسی معروف طریقے کے مطابق ہوا جو اللہ اور رسول نے نکاح کے لیے پسند فرمایا ہے۔'' (تفسیر تدبر قرآن: 236/6) لیکن صاحب ''تدبر قرآن'' کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ جن مفسرین نے اسے آسمانی نکاح قرار دیا ہے، ان کے استدلال کی بنیاد صرف لفظ زَوَّجْنَا ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وہ تفسیر بھی ہے جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس کی رو سے یہی بات صحیح ہے کہ جب حضرت زینب کی عدّت پوری ہو گئی تو نبی ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا، جس پر انھوں نے کہا کہ میں اپنے رب سے جب تک مشورہ نہیں کر لیتی، میں کچھ نہیں کروں گی، یہ کہہ کر وہ اِدھر مصروف عبادت ہو گئیں، اُدھر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کا نکاح اس زینب سے کر دیا ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾، چنانچہ حضور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے یا ان کے گھر والوں سے اجازت طلبی کی ضرورت بھی محسوس نہیں فرمائی (کیونکہ اللہ کے حکم کے بعد اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی)۔ (ملاحظہ ہو، صحیح مسلم، حدیث:

وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿37﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿38﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿39﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ

لیں، [1] اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا﴿37﴾ [2] جو چیزیں اللہ نے اپنے نبی کے لیے مقرر کی ہیں اُن میں نبی پر کوئی حرج نہیں [3] (یہی) اللہ کا دستور اُن میں بھی رہا جو پہلے ہوئے [4] اور اللہ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں﴿38﴾ [5] (یہ سب ایسے تھے) کہ جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے [6] اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے﴿39﴾ [7] (لوگو!) محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں [8]

1428) اسی لیے حضرت زینب بھی دیگر ازواج مطہرات سے فخریہ طور پر یہ کہا کرتی تھیں: «زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ» (صحيح البخاري، حديث: 7420) ''تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کرائے ہیں اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کرایا ہے۔''

(1) یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے نکاح کی علت ہے کہ آئندہ کوئی مسلمان اس بارے میں تنگی محسوس نہ کرے اور حسب ضرورت واقتضا لے پالک بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا جا سکے۔

(2) یعنی پہلے سے ہی تقدیر الٰہی میں تھا جو بہر صورت ہو کر رہنا تھا۔

(3) یہ اسی واقعۂ نکاح زینب رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ ہے چونکہ یہ نکاح آپ کے لیے حلال تھا، اس لیے اس میں کوئی گناہ اور تنگی والی بات نہیں ہے۔

(4) یعنی گزشتہ انبیاء بھی ایسے کاموں کے کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض قرار دیے جاتے تھے، چاہے قومی اور عوامی رسم ورواج ان کے خلاف ہی ہوتے۔

(5) یعنی خاص حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، دنیوی حکمرانوں کی طرح وقتی اور فوری ضرورت پر مشتمل نہیں ہوتے، اسی طرح ان کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے جس کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

(6) اس لیے کسی کا ڈر یا سطوت انھیں اللہ کا پیغام پہنچانے میں مانع بنتا تھا نہ طعن و ملامت کی انھیں پروا ہوتی تھی۔

(7) یعنی ہر جگہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے موجود ہے، اس لیے وہ اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی ہے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت میں انھیں جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان میں وہ ان کی چارہ سازی فرماتا اور دشمنوں کے مذموم ارادوں اور سازشوں سے انھیں بچاتا ہے۔

(8) اس لیے وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھی باپ نہیں ہیں جس پر انھیں مورد طعن بنایا جا سکے کہ انھوں نے اپنی بہو سے نکاح کیوں کر لیا بلکہ ایک زید رضی اللہ عنہ ہی کیا، وہ تو کسی بھی مرد کے باپ نہیں ہیں کیونکہ زید رضی اللہ عنہ تو حارثہ کے بیٹے تھے، آپ نے تو انھیں منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور جاہلی دستور کے مطابق انھیں زید بن محمد ﷺ کہا جاتا تھا۔ حقیقتاً وہ آپ کے صلبی بیٹے نہیں تھے۔ اسی لیے ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ کے نزول کے بعد انھیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے تین بیٹے، قاسم، طاہر، طیب ہوئے اور ایک ابراہیم بچہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوا لیکن یہ سب کے سب بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ان میں سے کوئی بھی عمر

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿40﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿43﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ

لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے،[1] اور اللہ ہر چیز کا (بخوبی) جاننے والا ہے﴿40﴾ مسلمانو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو﴿41﴾ اور صبح و شام اُس کی پاکیزگی بیان کرو﴿42﴾ وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے (تمھارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے اُجالے کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے﴿43﴾ جس دن یہ (اللہ سے) ملاقات کریں گے ان کا تحفہ سلام ہوگا،[2]

رجولیت کو نہیں پہنچا۔ بنابریں آپ ﷺ کی صلبی اولاد میں سے بھی کوئی مرد نہیں بنا کہ جس کے آپ باپ ہوں۔ (ابن کثیر)

① ﴿خَاتَمَ﴾ مُہر کو کہتے ہیں اور مہر آخری عمل ہی کو کہا جاتا ہے، یعنی آپ پر نبوت و رسالت کا خاتمہ کر دیا گیا، آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ نبی نہیں کذاب و دجال ہوگا۔ احادیث میں اس مضمون کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جو صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے تو وہ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ نبی ﷺ کے امتی بن کر آئیں گے، اس لیے ان کا نزول عقیدۂ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ متنبّی قادیان کے پیروکار، اسی آیت سے جو ختم نبوت کے مفہوم میں واضح ہے، اجرائے نبوت کا مفہوم کشید کر کے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ڈاک خانے سے مہر لگ کر خطوط جاری ہوتے ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کی مہر سے نبوت عطا ہوتی ہے، آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ اول تو یہ معنی عربی زبان ولغت کے خلاف ہے۔ عربی لغت میں ختم یا خاتم کا لفظ آخری عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ختم الشیٔ کا مطلب چیز پر مہر لگانا نہیں بلکہ شیٔ کا بالکل خاتمہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کی مہر کا کیا مطلب۔ وہ آخر کس طرح لگے گی۔ اور جس شخص پر لگے گی، اس کا پتہ کس طرح چلے گا۔ جب تک ان دو باتوں کی وضاحت نہیں ہوتی، یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے۔ اس طرح ہر شخص نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور کر سکے گا، اس کے دعوے کو جانچنے پرکھنے کے لیے کوئی معیار اور کسوٹی نہیں ہوگی۔ ایک بات وہ یہ کہتے ہیں کہ خاتم النبیین، ختم نبوت کے لیے نص نہیں ہے، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کسی بڑے محدث کو خاتم المحدثین، بڑے شاعر کو خاتم الشعراء وغیرہ کہا جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی محدثین اور شعراء پیدا ہو رہے ہیں لیکن وہ مثال دیتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ ایک قول اللہ کا ہے جو عَالِم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ہے، اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کہا ہے اور ایک انسانوں کا قول ہے جنھیں مستقبل کا کوئی علم نہیں۔ وہ اپنے بالکل ناقص اور نہایت محدود علم کے مطابق ایک بڑے محدث یا ایک بڑے شاعر کی بابت اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اس جیسا محدث یا شاعر آئندہ پیدا نہیں ہوگا۔ تو کیا واقعی ایسا ہوتا ہے یا ایسا ہی ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ انسانوں کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، خاص طور پر مشیت الٰہی کے بارے میں رائے زنی کے تو وہ قطعاً مجاز ہی نہیں ہیں، اس لیے انسانوں کے کلام کو محض خوش گمانی یا خوش فہمی یا زیادہ سے زیادہ عقیدت و محبت یا غلو عقیدت یا مجاز ہی قرار دیا جائے گا۔ اسے اللہ کے فرمان سے کسی طرح بھی مشابہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

② یعنی جنت میں فرشتے اہل ایمان کو یا مومن آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔

وَاَعَدَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَرِيۡمًا ﴿44﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿45﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا ﴿46﴾ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلًا كَبِيۡرًا ﴿47﴾ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَدَعۡ اَذٰٮهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿48﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَكَحۡتُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ

ان کے لیے اللہ نے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے (44) اے نبی! یقیناً ہم ہی نے آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا،[1] خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے (45) اور اللہ کے حکم سے اُس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ (46)[2] آپ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے کہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے (47) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے! اور اُن کی (طرف سے پہنچے اُس) ایذا کا خیال بھی نہ کیجیے، اللہ پر بھروسا کیے رہیں اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا (48) اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر ہاتھ لگانے سے پہلے (ہی) طلاق دے دو تو اُن پر تمھارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو،[3]

(1) بعض لوگ شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے کرتے ہیں جو قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ نبی ﷺ اپنی امت کی گواہی دیں گے، ان کی بھی جو آپ پر ایمان لائے اور ان کی بھی جنھوں نے تکذیب کی۔ آپ قیامت والے دن اہل ایمان کو ان کے اعضائے وضو سے پہچان لیں گے جو چمکتے ہوں گے، اسی طرح آپ دیگر انبیاء کی گواہی دیں گے کہ انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ گواہی اللہ کے دیے ہوئے یقینی علم کی بنیاد پر ہوگی، اس لیے نہیں کہ آپ تمام انبیاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں، یہ عقیدہ تو نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے ہوتے ہیں، پھر تو امت محمدیہ بھی حاضر و ناظر قرار پائے گی کیونکہ ان کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ”تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔“ (البقرۃ 143:2)

(2) جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہو جاتے ہیں، اسی طرح آپ کے ذریعے سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔ علاوہ ازیں اس چراغ سے کسب ضیاء کر کے جو کمال و سعادت حاصل کرنا چاہے، کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ چراغ قیامت تک روشن ہے۔

(3) نکاح کے بعد جن عورتوں سے ہم بستری کی جا چکی ہو اور وہ ابھی جوان ہوں، یعنی نہ تو نابالغ ہو اور نہ ایسی بوڑھی ہو جس کو حیض آنا بند ہو گیا ہو، ایسی عورتوں کو طلاق مل جائے تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ (دیکھیے: البقرۃ 228:2) یہاں ان عورتوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جن سے نکاح ہوا ہے لیکن میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی۔ ان کو اگر طلاق ہو جائے تو کوئی عدت نہیں ہے، یعنی ایسی غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت گزارے فوری طور پر کہیں نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، البتہ اگر ہم بستری سے قبل خاوند فوت ہو جائے تو پھر اسے 4 مہینے 10 دن ہی عدت گزارنی پڑے گی۔ (فتح القدیر، ابن کثیر) چھونا یا ہاتھ لگانا، یہ کنایہ ہے جماع (ہم بستری) سے۔ نکاح کا لفظ خاص جماع اور عقد زواج دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں عقد کے معنی میں ہے۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں نکاح کے بعد طلاق کا ذکر ہے، اس لیے جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں عورت سے میں نے نکاح کیا تو اسے طلاق تو ان کے نزدیک اس عورت سے نکاح ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح بعض جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی بھی عورت سے نکاح کیا تو جس عورت

تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿49﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ

پس تم کچھ نہ کچھ اُنھیں دے دو [1] اور بھلے طریق پر اُنھیں رخصت کر دو﴿49﴾ [2] اے نبی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جنھیں تو اُن کے مہر دے چکا ہے [3] اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے غنیمت میں تجھے دی ہیں [4] اور تیرے چچا کی لڑکیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں بھی جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی ہے، [5] اور وہ مومن عورت جو اپنا نفس نبی کو ہبہ کر دے یہ اُس صورت میں کہ خود نبی بھی اُس سے نکاح کرنا چاہے، [6] یہ خاص طور پر صرف تیرے لیے ہی ہے اور مومنوں کے لیے نہیں، [7] ہم اُسے بخوبی جانتے ہیں جو ہم نے اُن پر اُن کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں (احکام) مقرر کر

سے بھی نکاح کرے گا، طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں بھی وضاحت ہے: «لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ» (سنن ابن ماجه، حديث: 2048) «لَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ» (سنن أبي داود، حديث: 2190، و جامع الترمذي، حديث: 1181، وسنن ابن ماجه، حديث: 2047، و مسند أحمد: 189/2) اس سے واضح ہے کہ نکاح سے قبل طلاق، ایک فعل عبث ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

① یہ متاع (فائدہ) دینے کا حکم اس مطلقہ غیر مدخولہ کے بارے میں ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو، یعنی ایسی عورت کو حسب توفیق لباس وغیرہ کچھ دے دیا جائے اور اگر مہر مقرر کیا گیا ہو تو اسے مقررہ مہر کا نصف دینا لازم ہے۔ (مزید دیکھیے: البقرة 2:241 کا حاشیہ)

② یعنی انھیں عزت و احترام سے، بغیر کوئی ایذا پہنچائے علیحدہ کر دیا جائے۔

③ یعنی احکام شرعیہ میں نبی ﷺ کو امتیاز حاصل تھا، جنھیں آپ ﷺ کی خصوصیات کہا جاتا ہے، مثلاً: صدقہ آپ پر حرام تھا، اسی طرح کی بعض خصوصیات کا ذکر قرآن کریم کے اس مقام پر کیا گیا ہے جن کا تعلق نکاح سے ہے۔ مثلاً: جن عورتوں کو آپ نے مہر دیا ہے، وہ حلال ہیں چاہے تعداد میں وہ کتنی ہی ہوں اور آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا کا مہر ان کی آزادی کو قرار دیا تھا، ان کے علاوہ بصورت نقد سب کو مہر ادا کیا تھا۔ صرف ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی نے اپنی طرف سے دیا تھا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح بغیر مہر کے ہی ہوا تھا کیونکہ آپ کا ان سے نکاح اللہ کے حکم سے قرار پایا تھا۔

④ چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور جویریہ رضی اللہ عنہا ملکیت میں آئیں جنھیں آپ نے آزاد کر کے نکاح کر لیا اور ریحانہ اور ماریہ قبطیہ یہ بطور لونڈی آپ کے پاس رہیں۔

⑤ اس کا مطلب ہے جس طرح آپ نے ہجرت کی، اسی طرح انھوں نے بھی مکے سے مدینہ ہجرت کی کیونکہ آپ کے ساتھ مل کر تو کسی عورت نے بھی ہجرت نہیں کی تھی۔

⑥ یعنی اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی عورت اگر آپ اس سے نکاح کرنا پسند فرمائیں تو بغیر مہر کے آپ کے لیے اسے اپنے نکاح میں

اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿50﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

رکھے ہیں، [1] یہ اس لیے کہ تجھ پر حرج واقع نہ ہو، [2] اللہ بہت بخشنے والا اور بڑے رحم والا ہے ﴿50﴾ اُن میں سے جسے تو چاہے دُور رکھ دے اور جسے چاہے اپنے پاس رکھ لے، [3] اور اگر تو اُن میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لے جنھیں تُو نے الگ کر رکھا تھا تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں، [4] اس میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ اُن عورتوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تو اُنھیں دے دے اُس پر سب کی سب راضی رہیں، [5] تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے اُسے اللہ (خوب) جانتا ہے۔ [6] اللہ علم اور

رکھنا جائز ہے۔

⑦ یہ اجازت صرف آپ کے لیے ہے۔ دیگر مومنوں کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ حق مہر ادا کریں۔

① یعنی عقد کے جو شرائط اور حقوق ہیں جو ہم نے فرض کیے ہیں کہ مثلاً: چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت کوئی شخص اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، نکاح کے لیے ولی، گواہ اور حق مہر ضروری ہے، البتہ لونڈیاں جتنی کوئی چاہے، رکھ سکتا ہے لیکن آج کل لونڈیوں کا سلسلہ تو ختم ہے، تاہم جب بھی ایسے حالات پیدا ہوئے، یہ احکام ان پر لاگو ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمام امتیوں کے لیے ولی کی اجازت، حق مہر اور گواہ بھی ضروری ہیں۔ ان کے بغیر نکاح، صرف نبی ﷺ کی امتیازی خصوصیت تھی۔ اسی طرح امتی بیک وقت چار سے زیادہ عورتیں اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے۔

② اس کا تعلق ﴿ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا ﴾ سے ہے، یعنی مذکورہ تمام عورتوں کی آپ کے لیے حلت اس لیے ہے تاکہ آپ کو تنگی محسوس نہ ہو اور آپ ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح میں گناہ نہ سمجھیں۔

③ اس میں آپ ﷺ کی ایک اور خصوصیت کا بیان ہے، وہ یہ کہ بیویوں کے درمیان باریاں مقرر کرنے میں آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا آپ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں، یعنی اسے نکاح میں رکھتے ہوئے اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

④ یعنی جن بیویوں کی باریاں موقوف کر رکھی تھیں اگر آپ چاہیں کہ ان سے بھی مباشرت کا تعلق قائم کیا جائے تو یہ اجازت بھی آپ کو حاصل ہے۔

⑤ یعنی باری موقوف ہونے اور ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کے باوجود وہ خوش ہوں گی، غمگین نہیں ہوں گی اور جتنا کچھ آپ کی طرف سے انھیں مل جائے گا، اس پر مطمئن رہیں گی۔ کیوں، اس لیے کہ انھیں معلوم ہے کہ پیغمبر یہ سب کچھ اللہ کے حکم اور اجازت سے کر رہے ہیں اور یہ ازواج مطہرات اللہ کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو یہ اختیار ملنے کے باوجود آپ نے اسے استعمال نہیں کیا اور سوائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے (کہ انھوں نے اپنی باری خود ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کر دی تھی) آپ نے تمام ازواج مطہرات کی باریاں برابر برابر مقرر کر رکھی تھیں، اسی لیے آپ نے مرض الموت میں ازواج مطہرات سے اجازت لے کر بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارے۔ ﴿ اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ ﴾ کا تعلق آپ ﷺ کے اسی طرز عمل سے ہے کہ آپ ﷺ پر تقسیم اگرچہ (دوسرے لوگوں کی طرح) واجب نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے تقسیم کو اختیار فرمایا، اس لیے تاکہ آپ کی بیویوں کی

حَلِيْمًا ﴿51﴾ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿52﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

ع 6 12 3

حلم والا ہے﴿51﴾اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں اور نہ یہ (درست ہے) کہ اُن کے بدلے اور عورتوں سے (نکاح کرے) اگرچہ اُن کی صورت اچھی بھی لگتی ہو[1] مگر جو تیری مملوکہ ہوں۔[2] اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے﴿52﴾اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تم کو کھانے کے لیے (آنے کی) اجازت دی جائے۔ (یہ نہیں کہ پہلے سے جا کر بیٹھ گئے) اور کھانے کے پکنے کا انتظار کرتے رہے بلکہ جب بُلایا جائے، جاؤ اور جب کھا چکو تو نکل کھڑے ہو، وہیں باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔ نبی کو تمھاری اس بات سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ لحاظ کر جاتے ہیں اور اللہ (بیان) حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا،[3] جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو،[4] تمھارے اور اُن کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی

آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اور آپ کے اس حسن سلوک اور عدل و انصاف سے خوش ہو جائیں کہ آپ نے خصوصی اختیار استعمال کرنے کی بجائے ان کی دلجوئی اور دلداری کا اہتمام فرمایا۔

﴿6﴾ یعنی تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، ان میں یہ بات بھی یقیناً ہے کہ سب بیویوں کی محبت دل میں یکساں نہیں ہے کیونکہ دل پر انسان کا اختیار ہی نہیں ہے، اس لیے بیویوں کے درمیان مساوات باری میں، نان و نفقہ اور دیگر ضروریات زندگی اور آسائشوں میں ضروری ہے جس کا اہتمام انسان کر سکتا ہے۔ دلوں کے میلان میں مساوات چونکہ اختیار ہی میں نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس پر گرفت بھی نہیں فرمائے گا بشرطیکہ دلی محبت کسی ایک بیوی سے امتیازی سلوک کا باعث نہ ہو۔ اسی لیے نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لیکن جس چیز پر تیرا اختیار ہے، میں اس پر اختیار نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔'' (سنن أبي داود، حديث: 2134، و جامع الترمذي، حديث: 1140، و سنن النسائي، حديث: 3395، و سنن ابن ماجه، حديث: 1971، و مسند أحمد: 144/6)

﴿1﴾ آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش و راحت کے مقابلے میں عسرت کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا، اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ کو ان ازواج کے علاوہ (جن کی تعداد اس وقت 9 تھی) دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور سے نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں آپ کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا لیکن آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ (ابن کثیر)

﴿2﴾ یعنی لونڈیاں رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض نے اس کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر لونڈی بھی رکھنے کی آپ کو اجازت تھی اور بعض نے ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنة 10:60) ''کافر عورتوں کی ناموس (عصمت) اپنے قبضے

وَقُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡكِحُوۡۤا اَزۡوَاجَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمۡ كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمًا ﴿53﴾ اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـئًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿54﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيۡهِنَّ فِىۡۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيۡنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ﴿55﴾

یہی ہے۔ [1] نہ تمھیں یہ جائز ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو [2] اور نہ تمھیں یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔ (یاد رکھو) اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا (گناہ) ہے (53) [3] تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو، اللہ تو ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے (54) اُن عورتوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (میل جول کی) عورتوں اور ملکیت کے ماتحتوں (لونڈی، غلام) کے سامنے ہوں۔ [4] (عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو۔ اللہ یقیناً ہر چیز پر شاہد ہے (55) [5]

میں نہ رکھو'' کے پیش نظر اسے آپ کے لیے حلال نہیں سمجھا۔ (فتح القدیر)

③ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن میں سے بعض کھانے کے بعد بھی بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے آپ کو خاص تکلیف ہوئی، تاہم حیا و اخلاق کی وجہ سے آپ نے انھیں جانے کے لیے نہیں کہا (صحیح البخاري، حدیث: 4791)، چنانچہ اس آیت میں دعوت کے آداب بتلا دیے گئے کہ ایک تو اس وقت جاؤ، جب کھانا تیار ہو چکا ہو، پہلے سے ہی جا کر دھرنا مار کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دوسرا: کھاتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، وہاں بیٹھے ہوئے باتیں مت کرتے رہو۔ کھانے کا ذکر تو سبب نزول کی وجہ سے ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی تمھیں بلایا جائے چاہے کھانے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے، اجازت کے بغیر گھر کے اندر داخل مت ہو۔

④ یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر نازل ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس اچھے برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں تو کیا اچھا ہو۔ جس پر اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا۔
(صحیح البخاري، حدیث: 4790، و صحیح مسلم، حدیث: 2399)

① یہ پردے کی حکمت اور علت ہے کہ اس سے مرد اور عورت دونوں کے دل ریب و شک سے اور ایک دوسرے کے ساتھ فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

② چاہے وہ کسی بھی لحاظ سے ہو۔ آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا، آپ کی خواہش کے بغیر گھر میں بیٹھے رہنا اور بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے گفتگو کرنا، یہ امور بھی ایذا کا باعث ہیں، ان سے بھی اجتناب کرو۔

③ یہ حکم ان ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جو وفات کے وقت نبی ﷺ کے حبالۂ عقد میں تھیں، تاہم جن کو آپ نے ہم بستری کے بعد زندگی میں طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا ہو، وہ اس کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس میں دو رائے ہیں۔ بعض ان کو بھی شامل سمجھتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن آپ کی ایسی کوئی بیوی تھی ہی نہیں، اس لیے یہ محض ایک فرضی شکل ہے۔ علاوہ ازیں ایک تیسری قسم ان عورتوں کی ہے جن سے آپ کا نکاح ہوا لیکن ہم بستری سے قبل ہی ان کو آپ نے طلاق دے دی۔ ان سے دوسرے لوگوں کا نکاح

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿56﴾

اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو﴿56﴾ [1]

درست ہونے میں کوئی نزاع معلوم نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

④ جب عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا تو پھر گھر میں موجود اقارب یا ہر وقت آنے جانے والے رشتے داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں، چنانچہ اس آیت میں ان اقارب کا ذکر کر دیا گیا جن سے پردے کی ضرورت نہیں۔ اس کی تفصیل ﴿ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ ﴾ (النور 24:31) میں بھی گزر چکی ہے، اسے ملاحظہ فرما لیا جائے۔

⑤ اس مقام پر عورتوں کو تقویٰ کا حکم دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمھارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد، قلب و نظر کی طہارت اور عصمت کی حفاظت ہے، وہ یقیناً تمھیں حاصل ہوگا ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمھیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔

① اس آیت میں نبی ﷺ کے اس مرتبہ و منزلت کا بیان ہے جو مَلَأُ أَعْلٰى (آسمانوں) میں آپ کو حاصل ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں میں آپ کی ثنا و تعریف کرتا اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کی بلندیٔ درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عالم سفلی (اہل زمین) کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر صلاۃ و سلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف میں علوی اور سفلی دونوں عالم متحد ہو جائیں۔ حدیث میں آتا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں (التحیات میں «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ» پڑھتے ہیں) ہم درود کس طرح پڑھیں۔ اس پر آپ ﷺ نے وہ درود ابراہیمی بیان فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4797) علاوہ ازیں احادیث میں درود کے اور بھی صیغے آتے ہیں جو پڑھے جا سکتے ہیں، تاہم «اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ» پڑھنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں نبی ﷺ سے خطاب ہے اور اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ براہ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدۂ فاسدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ احادیث میں درود کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے یا سنت۔ جمہور علماء اسے سنت سمجھتے ہیں اور امام شافعی اور بہت سے علماء واجب۔ ان کے نزدیک پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنے کی وہی حیثیت ہے جو آخری تشہد میں پڑھنے کی ہے، تاہم اس سے یہ واضح ہے کہ پہلے تشہد میں درود پڑھنا یقیناً مستحب عمل ہے۔ اس کے لیے دلائل مختصراً حسب ذیل ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ مسند احمد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام کس طرح پڑھنا ہے، یہ تو ہم نے جان لیا (کہ ہم تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ پڑھتے ہیں) لیکن جب ہم نماز میں ہوں تو آپ پر درود کس طرح پڑھیں۔ تو آپ نے درود ابراہیمی کی تلقین فرمائی (الفتح الرباني: 20/4، 21) مسند احمد کے علاوہ یہ روایت صحیح ابن حبان، سنن کبریٰ بیہقی، مستدرک حاکم اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ جس طرح سلام نماز میں پڑھا جاتا ہے، یعنی تشہد میں، اسی طرح یہ سوال بھی نماز کے اندر درود پڑھنے سے متعلق تھا، نبی ﷺ نے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے ساتھ درود بھی پڑھنا چاہیے اور اس کا مقام تشہد ہے۔ اور حدیث میں یہ عام ہے، اسے پہلے یا دوسرے تشہد کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ (پہلے اور دوسرے) دونوں تشہد میں سلام اور درود پڑھا جائے۔ اور جن

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿58﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کی پھٹکار ہے اور اُن کے لیے نہایت رُسوا کُن عذاب ہیں﴿57﴾[1] اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیں بغیر کسی جرم کے جو اُن سے سرزد ہوا ہو، وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں﴿58﴾[2] اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں،[3] اس سے

روایات میں تشہد اول کا بغیر درود کے ذکر ہے، انھیں سورۂ احزاب کی آیت: ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا﴾ کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا لیکن اس آیت کے نزول، یعنی 5 ہجری کے بعد جب نبی ﷺ نے صحابہ کے استفسار پر درود کے الفاظ بھی بیان فرما دیے تو نماز میں سلام کے ساتھ صلاۃ (درود شریف) کا پڑھنا بھی مشروع ہو گیا، چاہے وہ پہلا تشہد ہو یا دوسرا۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ (بعض دفعہ) رات کو 9 رکعات ادا فرماتے، آٹھویں رکعت میں تشہد بیٹھتے تو اس میں اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پوری کر کے تشہد میں بیٹھتے تو اپنے رب سے دعا کرتے اور اس کے پیغمبر پر درود پڑھتے اور پھر دعا کرتے، پھر سلام پھیر دیتے۔ (السنن الکبرٰی للبیهقي: 125/4، وسنن النسائي مع التعليقات السلفية: 498/2 مزید ملاحظہ ہو صفة صلاة النبي ﷺ للألباني، ص: 145) اس میں بالکل صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی رات کی نماز میں پہلے اور آخری دونوں تشہد میں درود پڑھا ہے۔ یہ اگرچہ نفلی نماز کا واقعہ ہے لیکن مذکورہ عمومی دلائل کی آپ کے اس عمل سے تائید ہو جاتی ہے، اس لیے اسے صرف نفلی نماز تک محدود کر دینا صحیح نہیں ہو گا۔

[1] اللہ کو ایذا دینے کا مطلب ان افعال کا ارتکاب ہے جسے وہ ناپسند فرماتا ہے ورنہ اللہ کو ایذا پہنچانے پر کون قادر ہے، جیسے مشرکین، یہود اور نصارٰی وغیرہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ یا جس طرح حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے، زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں اس کی رات اور دن کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4826، وصحیح مسلم، حدیث: 2-(2246)) یعنی یہ کہنا کہ زمانے نے یا فلک کج رفتار نے ایسا کر دیا، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ افعال اللہ کے ہیں، زمانے یا فلک کے نہیں۔ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچانا، آپ کی تکذیب، آپ کو شاعر، کذاب، ساحر وغیرہ کہنا ہے۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں صحابۂ کرام کو ایذا پہنچانے اور ان کی تنقیص و اہانت کو بھی آپ نے ایذا قرار دیا ہے۔ لعنت کا مطلب، اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔

[2] یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا، ان کی ناجائز تنقیص و توہین کرنا، جیسے روافض صحابۂ کرام پر سب وشتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب انھوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ''رافضی منکوس القلوب ہیں، ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔''

[3] جَلَابِيْبُ، جِلْبَابٌ کی جمع ہے جو ایسی بڑی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد

اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿59﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿60﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ

بہت جلد اُن کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر نہ ستائی جائیں گی،[1] اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿59﴾ اگر (اب بھی) یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینے میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں[2] باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان (کی تباہی) پر مسلط کر دیں گے، پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس (شہر) میں رہ سکیں گے ﴿60﴾ ان پر پھٹکار برسائی گئی،

اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا جائے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقع کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہد رسالت میں یہ برقعے عام نہیں تھے کیونکہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین میں معاشرت (رہن سہن اور بود و باش) بالکل سادہ تھی، عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہو جاتے تھے لیکن بعد میں یہ سادگی نہیں رہی، اس کی جگہ تجمل اور زینت نے لے لی اور عورتوں کے اندر زرق برق لباس اور زیورات کی نمائش عام ہو گئی جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہو گیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقع عام ہو گئے۔ گو اس سے بعض دفعہ عورت کو، بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تاہم جو عورت برقع کی بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانکتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجا لاتی ہے کیونکہ برقع ایسی لازمی شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ پہلے وہ برقع کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہو جاتی ہے، صرف دوپٹہ رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقع کا استعمال ہی صحیح ہے کیونکہ جب سے برقع کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہو گئی ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ بہرحال اس آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علماء کا ایجاد کردہ نہیں ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ باور کراتے ہیں یا اس کو قرار واقعی اہمیت نہیں دیتے بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے بلکہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں جیسا کہ تاریخ و سیر اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

① یہ پردے کی حکمت اور اس کے فائدے کا بیان ہے کہ اس سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم اور بدکار عورت کے درمیان پہچان ہو گی۔ پردے سے معلوم ہو گا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہیں ہو گی، اس کے برعکس بے پردہ عورت اوباشوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کی بوالہوسی کا نشانہ بنے گی۔

② مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے منافقین افواہیں اڑاتے رہتے تھے کہ مسلمان فلاں علاقے میں مغلوب ہو گئے یا دشمن کا

اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا ﴿61﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿62﴾ يَسۡـئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ‌ ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ‌ ؕ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا ﴿63﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الۡكٰفِرِيۡنَ وَاَعَدَّ لَهُمۡ سَعِيۡرًا ۙ‏ ﴿64﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ۚ لَا يَجِدُوۡنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا‌ ۚ‏ ﴿65﴾ يَوۡمَ تُقَلَّبُ وُجُوۡهُهُمۡ فِى النَّارِ يَقُوۡلُوۡنَ يٰلَيۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَاَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ﴿66﴾ وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِيۡلَا ﴿67﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمۡ ضِعۡفَيۡنِ مِنَ الۡعَذَابِ وَالۡعَنۡهُمۡ لَعۡنًا كَبِيۡرًا ﴿68﴾ ع 8/10/5 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوۡا‌ ؕ وَكَانَ

جہاں بھی مل جائیں پکڑے جائیں اور خوب ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں ﴿61﴾ [1] ان سے اگلوں میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا اور تُو اللہ کے دستور میں ہرگز ردوبدل نہ پائے گا ﴿62﴾ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، آپ کو کیا خبر بہت ممکن ہے قیامت بالکل ہی قریب ہو ﴿63﴾ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ﴿64﴾ جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے ﴿65﴾ اُس دن اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے۔ (حسرت و افسوس سے) کہیں گے کہ کاش! ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ﴿66﴾ اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنھوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا ﴿67﴾ [2] پروردگار! تو اُنھیں دگنا عذاب دے اور اُن پر بہت بڑی لعنت نازل فرما ﴿68﴾ اے ایمان والو! اُن لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس جو بات اُنھوں نے کہی تھی اللہ نے اُنھیں اُس سے بری فرما دیا [3] اور وہ اللہ

لشکر جرار حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

[1] یہ حکم نہیں ہے کہ ان کو پکڑ کر مار ڈالا جائے بلکہ بددعا ہے کہ اگر وہ اپنے نفاق اور ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا نہایت عبرت ناک حشر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم ہے لیکن یہ منافقین نزول آیت کے بعد اپنی حرکتوں سے باز آ گئے تھے، اس لیے ان کے خلاف یہ کارروائی نہیں کی گئی جس کا حکم اس آیت میں دیا گیا تھا۔ (فتح القدیر)

[2] یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کی بجائے اپنے ان بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی لیکن آج ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکائے رکھا۔ آباء پرستی اور تقلید اکابر آج بھی لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے۔ کاش! مسلمان آیات الٰہی پر غور کر کے ان پگڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن و حدیث کی صراط مستقیم کو اختیار کر لیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی پیروی میں ہی ہے۔ نہ کہ مشائخ و اکابر کی تقلید میں یا آباء و اجداد کے فرسودہ طریقوں کے اختیار کرنے میں۔

[3] اس کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت باحیا تھے، چنانچہ اپنا جسم انھوں نے کبھی لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں برص کے داغ یا کوئی اس قسم کی آفت ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرنے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر (اللہ کے حکم

عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿69﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿70﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿71﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿72﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

کے نزدیک باعزت تھے ﴿69﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) باتیں کیا کرو ﴿70﴾ [1] تاکہ اللہ تمھارے کام سنوار دے اور تمھارے گناہ معاف فرما دے، [2] اور جو بھی اللہ اور اُس کے رسول کی تابعداری کرے گا۔ اُس نے بڑی مراد پالی ﴿71﴾ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اُس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اُس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اُسے اٹھا لیا، [3] وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے ﴿72﴾ [4] (یہ اس لیے) کہ اللہ منافق مردوں، عورتوں اور مُشرک مردوں،

سے) کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتی کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو ان کے سارے شبہات دور ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین و جمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب سے پاک تھے۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے ان کی اس الزام اور شبہے سے براءت کر دی جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر کیا جاتا تھا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 3404) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ اور آپ ﷺ کی بابت ایسی بات مت کرو جسے سن کر آپ قلق اور اضطراب محسوس کریں، جیسے ایک موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں ایک شخص نے کہا کہ اس میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ جب آپ ﷺ تک یہ الفاظ پہنچے تو غضب ناک ہوئے حتی کہ آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا، آپ نے فرمایا: ''موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو، انھیں اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی گئی لیکن انھوں نے صبر کیا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3150، وصحیح مسلم، حدیث: 1062)

[1] یعنی ایسی بات جس میں کجی اور انحراف ہو نہ دھوکا اور فریب۔ بلکہ سچ اور حق ہو۔ ﴿سَدِيْدًا﴾ تَسْدِيْدُ السَّهْم سے ہے، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اسی طرح تمھاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمھارا اخلاق و کردار راستی پر مبنی ہو، حق و صداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔

[2] یہ تقویٰ اور قول سدید کا نتیجہ ہے کہ تمھارے عملوں کی اصلاح ہو گی اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے جاؤ گے اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

[3] جب اللہ تعالیٰ نے اہل طاعت کا اجر و ثواب اور اہل معصیت کا وبال اور عذاب بیان کر دیا تو اب شرعی احکام اور اس کی صعوبت کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ امانت سے وہ احکام شرعیہ اور فرائض و واجبات مراد ہیں جن کی ادائیگی پر ثواب اور ان سے اعراض و انکار پر عذاب ہوگا۔ جب یہ تکالیف شرعیہ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئیں تو وہ ان کے اٹھانے سے ڈر گئے لیکن جب انسان پر یہ چیز پیش کی گئی تو وہ اطاعت الٰہی (امانت) کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کو دیکھ کر اس بارگراں کو اٹھانے پر آمادہ ہو گیا۔ احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ پیش

وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿73﴾

اٰيَاتُهَا: 54 (34) سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (58) رُكُوْعَاتُهَا: 6	سورۂ سبا مکی ہے، اس میں 54 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿1﴾

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ

عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں، عورتوں کی توبہ قبول فرمائے، [1] اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿73﴾
تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ [2]
آخرت میں بھی تعریف اُسی کے لیے ہے، [3] وہ (بڑی) حکمتوں والا اور (پورا) خبردار ہے ﴿1﴾ جو زمین میں جائے [4]
اور جو اُس سے نکلے جو آسمان سے اترے [5] اور جو چڑھ کر اُس میں جائے، [6] وہ سب سے باخبر ہے اور وہ مہربان نہایت

کرنے کا مطلب کیا ہے۔ اور آسمان و زمین اور پہاڑوں نے کس طرح اس کا جواب دیا۔ اور انسان نے اسے کس وقت قبول کیا۔ اس کی پوری کیفیت نہ ہم جان سکتے ہیں نہ اسے بیان کر سکتے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی ہر مخلوق میں ایک خاص قسم کا احساس و شعور رکھا ہے، گو ہم اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ان کی بات سمجھنے پر قادر ہے، اس نے ضرور اس امانت کو ان پر پیش کیا ہوگا جسے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کر دیا۔ اور یہ انکار انھوں نے سرکشی و بغاوت کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس میں یہ خوف کارفرما تھا کہ اگر ہم اس امانت کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو اس کی سخت سزا ہمیں بھگتنی ہوگی۔ انسان چونکہ جلد باز ہے، اس نے عقوبت و تعزیر کے پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا اور حصول فضیلت کے شوق میں اس ذمے داری کو قبول کر لیا۔

④ یعنی یہ بارگراں اٹھا کر اس نے اپنے نفس پر ظلم کا ارتکاب اور اس کے مقتضیات سے اعراض یا اس کی قدر و قیمت سے غفلت کر کے جہالت کا مظاہرہ کیا۔

① اس کا تعلق ﴿حَمَلَهَا﴾ سے ہے، یعنی انسان کو اس امانت کا ذمے دار بنانے سے مقصد یہ ہے کہ اہل نفاق و اہل شرک کا نفاق و شرک اور اہل ایمان کا ایمان ظاہر ہو جائے اور پھر اس کے مطابق انھیں جزا و سزا دی جائے۔

② یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہے، اسی کا ارادہ اور فیصلہ اس میں نافذ ہوتا ہے۔ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے، وہ اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کا احسان ہے، اسی لیے آسمان و زمین کی ہر چیز کی تعریف دراصل ان نعمتوں پر اللہ ہی کی حمد و تعریف ہے جن سے اس نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

③ یہ تعریف قیامت والے دن اہل ایمان کریں گے، مثلاً: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ﴾ (الزمر 74:39) ''اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا۔'' یا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الأعراف 43:7) ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔'' ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر 34:35) ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے غم کو ہم سے دور کیا۔'' وَغَيْرُهَا مِنَ الْاٰيَاتِ تاہم دنیا میں اللہ کی حمد و تعریف، عبادت ہے جس کا مُکَلَّف انسان کو بنایا گیا ہے اور آخرت میں

الۡغَفُوۡرُ ② وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ ۚ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ③ لِّيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰۤئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ④ وَالَّذِيۡنَ سَعَوۡ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰۤئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ⑤ وَيَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَـقَّ ۙ وَيَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰى

بخشش والا ہے ② اور کفار کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجیے! کیوں نہیں! مجھے میرے رب کی قسم! جو عالم الغیب ہے کہ وہ یقیناً تم پر آئے گی [1] اللہ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں [2] نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے ③ [3] تاکہ وہ ایمان والوں اور نیکوکاروں کو اچھا بدلہ عطا فرمائے، [4] یہی لوگ ہیں جن کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے ④ اور ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی جنھوں نے کوشش کی ہے۔ [5] یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت دردناک عذاب کی سزا ہے ⑤ اور جنھیں علم ہے وہ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ (سراسر) حق ہے [6] اور (اللہ) غالب خوبیوں والے کی راہ کی رہبری کرتا ہے ⑥ [7] اور کافروں نے کہا [8] (آؤ) ہم تمھیں ایک

یہ اہل ایمان کی روحانی خوراک ہوگی جس سے انھیں لذت وفرحت محسوس ہوا کرے گی۔ (فتح القدير)

④ مثلاً: بارش، خزانہ اور دفینہ وغیرہ۔

⑤ بارش، اولے، گرج، بجلی اور برکات الٰہی وغیرہ، نیز فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا نزول۔

⑥ یعنی فرشتے اور بندوں کے اعمال۔

① قسم بھی کھائی اور صیغہ بھی تاکید کا اور اس پر مزید لام تاکید، یعنی قیامت کیوں نہیں آئے گی۔ وہ تو بہرصورت یقیناً آئے گی۔

② ﴿لَا يَعۡزُبُ﴾ غائب اور پوشیدہ اور دور نہیں، یعنی جب آسمان و زمین کا کوئی ذرہ اس سے غائب اور پوشیدہ نہیں تو پھر تمھارے اجزائے منتشرہ کو، جو مٹی میں مل گئے ہوں گے، جمع کر کے دوبارہ تمھیں زندہ کر دینا کیوں ناممکن ہوگا۔

③ یعنی وہ لوح محفوظ میں موجود اور درج ہے۔

④ یہ وقوع قیامت کی علت ہے، یعنی قیامت اس لیے برپا ہوگی اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے دوبارہ زندہ فرمائے گا کہ وہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا عطا فرمائے کیونکہ جزا کے لیے ہی اس نے یہ دن رکھا ہے۔ اگر یہ یوم جزا نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک و بد دونوں یکساں ہیں۔ اور یہ بات عدل وانصاف کے قطعاً منافی اور بندوں بالخصوص نیکوں پر ظلم ہوگا۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ○﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ”اور تیرا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

⑤ یعنی ہماری ان آیتوں کا بطلان اور تکذیب کی جو ہم نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیں۔ ﴿مُعٰجِزِيۡنَ﴾ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم ان کی گرفت سے عاجز ہوں گے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل جائیں گے تو ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہو کر کسی کے سامنے اپنے کیے دھرے کی جواب دہی کریں گے۔ ان کا یہ سمجھنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مؤاخذہ کرنے پر قادر

رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا

ایسا شخص بتلائیں [1] جو تمھیں یہ خبر پہنچا رہا ہے [2] کہ جب تم بالکل ہی ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم پھر سے ایک نئی پیدائش میں آ ؤ گے ⑦ [3] (ہم نہیں کہہ سکتے) کہ خود اُس نے (ہی) اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اُسے دیوانگی ہے [4] بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ⑧ [5] کیا پس وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو دیکھ نہیں رہے؟ [6] اگر ہم چاہیں تو اُنھیں زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان کے ٹکڑے گرا

ہی نہیں ہوگا، اس لیے قیامت کا خوف ہمیں کیوں ہو۔

⑥ یہاں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی، یعنی علم یقینی ہے، محض رؤیت بصری (آنکھ کا دیکھنا) نہیں۔ اہل علم سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا مومنین اہل کتاب یا تمام ہی مومنین ہیں، یعنی اہل ایمان اس بات کو جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔

⑦ یہ عطف ہے حق پر، یعنی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کا راستہ ہے جو کائنات میں سب پر غالب ہے اور اپنی مخلوق میں محمود (قابل تعریف) ہے۔ اور وہ راستہ کیا ہے۔ توحید کا راستہ جس کی طرف تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے۔

⑧ یہ اہل ایمان کے مقابلے میں منکرین آخرت کا قول ہے جو آپس میں انھوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

① اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو ان کی طرف اللہ کے نبی بن کر آئے تھے۔

② یعنی عجیب وغریب خبر، نا قابل فہم خبر۔

③ یعنی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تمھارا ظاہری وجود ناپید ہو جائے گا، تمھیں قبروں سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور دوبارہ وہی شکل وصورت تمھیں عطا کر دی جائے گی جس میں تم پہلے تھے۔ یہ گفتگو انھوں نے آپس میں استہزا اور مذاق کے طور پر کی۔

④ یعنی دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اللہ کی طرف سے وحی ورسالت کا دعویٰ، یہ اس کا اللہ پر افترا ہے۔ یا پھر اس کا دماغ چل گیا ہے اور دیوانگی میں ایسی باتیں کر رہا ہے جو غیر معقول ہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ گمان کر رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عقل وفہم اور ادراک حقائق سے یہی لوگ قاصر ہیں جس کی وجہ سے یہ آخرت پر ایمان لانے کی بجائے اس کا انکار کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ آخرت کا دائمی عذاب ہے اور یہ آج ایسی گمراہی میں مبتلا ہیں جو حق سے غایت درجہ دور ہے۔

⑥ یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آخرت کا یہ انکار، آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ جو ذات آسمان جیسی چیز، جس کی بلندی اور وسعت نا قابل بیان ہے اور زمین جیسی چیز جس کا طول وعرض بھی نا قابل فہم ہے، پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اپنی ہی پیدا کردہ چیز کا دوبارہ پیدا کر دینا اور اسے دوبارہ اسی حالت میں لے آنا، جس میں وہ پہلے تھی، کیونکر ناممکن ہے؟

مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ

62

دیں،[1] یقیناً اس میں پوری دلیل ہے ہر اُس بندے کے لیے جو (دل سے) متوجہ ہو⑨ اور ہم نے داود پر اپنا فضل کیا،[2] اے پہاڑو! اُس کے ساتھ رغبت سے تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی[3] (یہی حکم ہے) اور ہم نے اُس کے لیے لوہا نرم کر دیا⑩[4] کہ تو پوری پوری زرہیں[5] بنا اور جوڑوں میں اندازہ رکھ[6] اور تم سب نیک کام کیا کرو۔[7]

① یعنی یہ آیت دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک: اللہ کے کمال قدرت کا بیان جو ابھی مذکور ہوا، دوسرا: کفار کے لیے تنبیہ وتہدید کہ جو اللہ آسمان وزمین کی تخلیق پر اس طرح قادر ہے کہ ان پر اور ان کے مابین ہر چیز پر اس کا تصرف اور غلبہ ہے، وہ جب چاہے ان پر اپنا عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر سکتا ہے۔ زمین میں دھنسا کر بھی جس طرح قاروں و دھنسایا یا آسمان کے ٹکڑے گرا کر جس طرح اصحاب الا یکہ کو ہلاک کیا گیا۔

② یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کئی امتیازی خوبیوں سے نوازا۔

③ ان میں سے ایک حسن صوت کی نعمت تھی، جب وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پتھر کے ٹھوس پہاڑ بھی تسبیح خوانی میں مصروف ہو جاتے، اڑتے پرندے ٹھہر جاتے اور زمزمہ خواں ہو جاتے، ﴿ اَوِّبِيْ ﴾ کے معنی ہیں: تسبیح دہراؤ، یعنی پہاڑوں اور پرندوں کو ہم نے کہا، چنانچہ یہ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے۔ ﴿ وَالطَّيْرَ ﴾ کا عطف یا ﴿ يٰجِبَالُ ﴾ کے محل پر ہے، اس لیے کہ ﴿ يٰجِبَالُ ﴾ تَقدیرًا منصوب ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے نَادَیْنَا الْجِبَالَ وَالطَّیْرَ "ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو پکارا۔" یا پھر اس کا عطف ﴿ فَضْلًا ﴾ پر ہے اور معنی ہوں گے۔ وَسَخَّرْنَا لَهُ الطَّیْرَ "اور ہم نے پرندے ان کے تابع کر دیے۔" (فتح القدیر)

④ یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح، جس طرح چاہتے موڑ لیتے، بٹ لیتے اور جو چاہتے بنا لیتے۔ یہ گویا ایک معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا تھا۔ صاحب "تدبر قرآن" نے اس معجزے کا انکار کیا ہے اور اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد لوہے کی صنعت کا علم اور اس کے استعمال کا اعلیٰ فن ہے، جس کو بروئے کار لا کر انھوں نے لوہے کو پگھلانے اور اس سے نہایت باریک کڑیوں کی زرہیں بنانے کے فن کو خوب ترقی دی لیکن اس تاویل سے اس کی ساری اعجازی حیثیت ختم ہو جاتی ہے جو قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے۔

⑤ ﴿ سٰبِغٰتٍ ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دُرُوعًا سَابِغَاتٍ یعنی پوری لمبی زرہیں جو لڑنے والے کے پورے جسم کو صحیح طریقے سے ڈھانک لیں اور اسے دشمن کے وار سے محفوظ رکھیں۔

⑥ تاکہ چھوٹی بڑی نہ ہوں یا سخت یا نرم نہ ہوں، یعنی کڑیوں کے جوڑنے میں کیل اتنے باریک نہ ہوں کہ جوڑ حرکت کرتے رہیں اور ان میں قرار وثبات نہ آئے اور نہ اتنے موٹے ہوں کہ اسے توڑ ہی ڈالیں یا جس سے حلقہ تنگ ہو جائے اور اسے پہنا نہ جا سکے۔ یہ زرہ بافی کی صنعت کے بارے میں حضرت داود علیہ السلام کو ہدایات دی گئیں۔

⑦ یعنی ان نعمتوں کے بدلے میں عمل صالح کا اہتمام کرو تاکہ میرا عملی شکر بھی ہوتا رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اسے اسی حساب سے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے اور شکر میں بنیادی چیز یہی ہے کہ منعم کو راضی رکھنے کی

اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ⑪ وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ ⑫ یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَتَمَاثِیۡلَ وَجِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ

یقیناً میں تمھارے اعمال دیکھ رہا ہوں⑪ اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ صبح کی منزل اُس کی مہینے بھر کی ہوتی تھی اور شام کی منزل بھی[1] اور ہم نے اُن کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا[2] اور اُس کے رب کے حکم سے بعض جنات اُس کی ماتحتی میں اُس کے سامنے کام کرتے تھے اور اُن میں سے جو بھی ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اُسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے⑫[3] جو کچھ سلیمان چاہتے وہ جنات تیار کر دیتے (مثلاً) قلعے اور مجسمے اور حوضوں کے برابر لگن اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں،[4]

بھرپور سعی کی جائے، یعنی اس کی اطاعت کی جائے۔اور نافرمانی سے بچا جائے۔

① یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام مع اعیان سلطنت اور لشکر، تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا ہوائیں اسے اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی اور پھر اسی طرح دوپہر سے رات تک ایک مہینے کے برابر مسافت طے ہو جاتی۔اس طرح ایک دن میں دومہینوں کی مسافت طے ہو جاتی۔صاحب ''تدبر قرآن'' نے اس معجزے کا بھی انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا کے کنٹرول کرنے کا فن عطا فرمایا گیا تھا جس سے انھوں نے اپنے بحری بیڑے کو اس قدر ترقی دی کہ ان کے جہازات مہینوں کا سفر بے روک ٹوک جاری رکھتے۔ہوا سے مقصود جہازوں کا جانا آنا ہے اور ﴿غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ﴾ سے طول سفر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی ایک ٹرپ مہینہ مہینہ بھر کی طویل مدت پر ممتد ہوتی۔(تدبر قرآن:301/6) ہمارے نزدیک مفسر مذکور کی یہ تفسیر دور از کار تاویل ہی نہیں بلکہ تحریف معنوی ہے۔فَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنھَا

② یعنی جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کا چشمہ ہم نے جاری کر دیا تاکہ تانبے کی دھات سے وہ جو چاہیں، بنائیں۔صاحب ''تدبر قرآن'' نے اسے بھی تانبے کی صنعت کے علم سے تعبیر کیا ہے، جیسے حضرت داود علیہ السلام کو لوہے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا تھا، حضرت سلیمان کو تانبے کی صنعت کے علم سے نوازا گیا اور ان کے زمانے میں تانبے کی بہت بڑی مقدار ظاہر ہوئی اور اس کو انھوں نے اپنی تمدنی وتعمیری ترقیوں میں نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔اس تاویل سے بھی اصل مقصود اس کی اعجازی حیثیت کا انکار کرنا ہے۔اسی طرح جنات کی تسخیر کا مطلب بھی یہ کہہ کر کہ جنات کی تسخیر کا علم حضرت سلیمان کو عطا کیا گیا تھا، معجزۂ تسخیر جنات کا بھی انکار کیا گیا ہے۔(دیکھیے تفسیر تدبر قرآن:302/6)

③ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ سزا قیامت والے دن دی جائے گی لیکن بعض کے نزدیک یہ دنیوی سزا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرما دیا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا سوٹا ہوتا تھا۔جو جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرتا، فرشتہ وہ سوٹا اسے مارتا، جس سے وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔(فتح القدیر)

④ ﴿مَّحَارِیۡبَ﴾ مِحۡرَاب کی جمع ہے، بلند جگہ یا اچھی عمارت، مطلب ہے: بلند محلات، عالی شان عمارتیں یا مساجد و معابد۔﴿تَمَاثِیۡلَ﴾ تِمثال کی جمع ہے، تصویر۔یہ تصویریں غیر حیوان چیزوں کی ہوتی تھیں، بعض کہتے ہیں کہ انبیاء وصلحاء کی تصاویر مسجدوں

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ⑬ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ⑭ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ⑮ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

اے آلِ داود، اس کے شکریے میں نیک عمل کرو، میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں⑬ پھر جب ہم نے اُن پر موت کا حکم بھیج دیا تو اُن کی خبر جنات کو کسی نے نہ دی سوائے گھن کے کیڑے کے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا، پس جب (سلیمان) گر پڑے اُس وقت جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ (جن) غیب دان ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے⑭ [1] قوم سبا کے لیے اپنی بستیوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی تھی [2] اُن کے دائیں بائیں دو باغ تھے [3] (ہم نے اُن کو حکم دیا تھا کہ) اپنے رب کی دی ہوئی روزی کھاؤ [4] اور اُس کا شکر ادا کرو، [5] عمدہ شہر ہے [6] اور بخشنے والا رب ہے⑮ [7] لیکن انھوں نے رُوگردانی کی تو ہم نے اُن پر زور کے سیلاب (کا پانی) بھیج دیا

میں بنائی جاتی تھیں تاکہ انھیں دیکھ کر لوگ بھی عبادت کریں۔ یہ معنی اس صورت میں صحیح ہے جب تسلیم کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویر سازی کی اجازت تھی۔ جو صحیح نہیں، تاہم اسلام میں تو نہایت سختی کے ساتھ اس کی ممانعت ہے۔ ﴿جِفَانٍ﴾ جَفْنَةٌ کی جمع ہے، لگن ﴿كَالْجَوَابِ﴾ جَابِيَةٌ کی جمع ہے، حوض جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے، یعنی حوض جتنے بڑے بڑے لگن، ﴿قُدُوْرٍ﴾ دیگیں، ﴿رّٰسِيٰتٍ﴾ جمی ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دیگیں پہاڑوں کو تراش کر بنائی جاتی تھیں۔ جنھیں ظاہر ہے اٹھا کر ادھر ادھر نہیں لے جایا جا سکتا تھا، اس میں بیک وقت ہزاروں افراد کا کھانا پک جاتا تھا۔ یہ سارے کام جنات کرتے تھے۔

① حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنات کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ یہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے ذریعے سے اس عقیدے کے فساد کو واضح کر دیا۔

② سَبَا وہی قوم تھی جس کی ملکۂ سبا مشہور ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مسلمان ہو گئی تھی۔ قوم ہی کے نام پر ملک کا نام بھی سبا تھا، آج کل یہ یمن میں واقع ہے۔ یہ بڑا خوش حال ملک تھا، یہ ملک بری و بحری تجارت میں بھی ممتاز تھا اور زراعت و باغبانی میں بھی نمایاں۔ اور یہ دونوں ہی چیزیں کسی ملک اور قوم کی خوش حالی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی مال و دولت کی فراوانی کو یہاں قدرت الٰہی کی نشانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

③ کہتے ہیں کہ شہر کے دونوں طرف پہاڑ تھے، جن سے چشموں اور نالوں کا پانی بہ بہ کر شہر میں آتا تھا، ان کے حکمرانوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے تعمیر کرا دیے اور ان کے ساتھ باغات لگا دیے گئے جس سے پانی کا رخ بھی متعین ہو گیا اور باغوں کو بھی سیرابی کا ایک قدرتی ذریعہ میسر آ گیا۔ انھی باغات کو دائیں بائیں دو باغوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ﴿جَنَّتَيْنِ﴾ سے دو باغ نہیں بلکہ دائیں بائیں کی دو جہتیں مراد ہیں اور مطلب باغوں کی کثرت ہے کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھیں، باغات، ہریالی اور شادابی ہی نظر آتی تھی۔ (فتح القدیر)

④ یہ ان کے پیغمبروں کے ذریعے سے کہلوایا گیا یا مطلب ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿16﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿17﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿18﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

اور ہم نے اُن کے (ہرے بھرے) باغوں کے بدلے دو (ایسے) باغ دیے جو بدمزہ میووں والے اور (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیری کے درختوں والے تھے ⑯ [1] ہم نے اُن کی ناشکری کا یہ بدلہ اُنھیں دیا۔ ہم (ایسی) سخت سزا بڑے بڑے ناشکروں کو ہی دیتے ہیں ⑰ اور ہم نے اُن کے اور اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی چند بستیاں اور (آباد) رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں، [2] اور اُن میں چلنے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں، [3] اُن میں راتوں اور دنوں کو باامن و امان چلتے پھرتے رہو ⑱ [4] لیکن اُنھوں نے پھر کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر دور دراز کر دے [5]

⑤ یعنی منعم و محسن کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے اجتناب۔

⑥ یعنی باغوں کی کثرت اور پھلوں کی فراوانی کی وجہ سے یہ شہر عمدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے یہ شہر مکھی، مچھر اور اس قسم کے دیگر موذی جانوروں سے بھی پاک تھا۔ وَ اللّٰهُ أَعْلَمُ.

⑦ یعنی اگر تم رب کا شکر کرتے رہو گے تو وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ انسان توبہ کرتے رہیں تو پھر گناہ ہلاکت عام اور سلب انعام کا سبب نہیں بنتے بلکہ اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔

① یعنی انھوں نے پہاڑوں کے درمیان پشتے اور بند تعمیر کر کے پانی کی جو رکاوٹ کی تھی اور اسے زراعت و باغبانی کے کام میں لاتے تھے، ہم نے تند و تیز سیلاب کے ذریعے سے ان بندوں اور پشتوں کو توڑ ڈالا اور شاداب اور پھل دار باغوں کو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں صرف قدرتی جھاڑ جھنکاڑ ہوتے ہیں جن میں اول تو کوئی پھل لگتا ہی نہیں اور کسی میں لگتا بھی ہے تو سخت کڑوا، کسیلا اور بدمزہ جنھیں کوئی کھا ہی نہیں سکتا، البتہ کچھ بیری کے درخت تھے جن میں بھی کانٹے زیادہ اور بیر کم تھے۔ ﴿الْعَرِمِ﴾ عَرِمَةٌ کی جمع ہے، پشتہ یا بند، یعنی ایسا زور کا پانی بھیجا جس نے اس بند میں شگاف ڈال دیا اور پانی شہر میں بھی آ گیا جس سے ان کے مکانات ڈوب گئے اور باغوں کو بھی اجاڑ کر ویران کر دیا۔ یہ بند سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔

② برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں، یعنی ہم نے ملک سبا (یمن) اور شام کے درمیان لب سڑک بستیاں آباد کی ہوئی تھیں، بعض نے ﴿ ظَاهِرَةً﴾ کے معنی: مُتَوَاصِلًا، ایک دوسرے سے پیوست اور مسلسل کے کیے ہیں۔ مفسرین نے ان بستیوں کی تعداد 4 ہزار سات سو بتلائی ہے۔ یہ ان کی تجارتی شاہراہ تھی جو مسلسل آباد تھی جس کی وجہ سے ایک تو ان کے کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے زادِ راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ دوسرے: ویرانی کی وجہ سے لوٹ مار اور قتل و غارت کا جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا تھا۔

③ یعنی ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ متعین اور معلوم تھا اور اس کے حساب سے وہ بہ آسانی اپنا سفر طے کر لیتے تھے، مثلاً: صبح سفر کا آغاز کرتے تو دوپہر تک کسی آبادی اور قریے تک پہنچ جاتے، وہاں کھا پی کر قیلولہ کرتے اور پھر سرگرم سفر ہو جاتے تو رات کو کسی آبادی میں جا پہنچتے۔

④ یہ ہر قسم کے خطرے سے محفوظ اور زادِ راہ کی مشقت سے بے نیاز ہونے کا بیان ہے کہ رات اور دن کی جس گھڑی میں تم سفر کرنا

وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِیۡثَ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡهِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا کَانَ لَهٗ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِیۡ شَکٍّ ؕ وَرَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِیۡهِمَا مِنۡ شِرۡکٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِیۡرٍ ﴿۲۲﴾ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ

ع 2 12 8

چونکہ خود اُنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا بُرا کیا اس لیے ہم نے اُنھیں (گزشتہ) افسانوں کی صورت میں کر دیا[1] اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے،[2] بلا شبہ ہر ایک صبر و شکر کرنے والے کے لیے اس میں بہت سی عبرتیں ہیں ﴿۱۹﴾ اور شیطان نے اُن کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا سو یہ لوگ سب کے سب اُس کے تابعدار بن گئے، سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے ﴿۲۰﴾ شیطان کا اُن پر کوئی زور (اور دباؤ) نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں معلوم کر لیں اُن لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں اور آپ کا رب (ہر) ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿۲۱﴾ کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا جن جن کا تمھیں مان ہے۔ (سب) کو پکار لو،[3] نہ اُن میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرے کا اختیار ہے[4] نہ اُن کا ان میں کوئی حصہ ہے[5] نہ اُن میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے ﴿۲۲﴾[6] شفاعت بھی اُس کے پاس کچھ نفع نہیں دیتی بجز اُن کے جن کے

چاہو، کرو، نہ جان و مال کا کوئی اندیشہ نہ راستے کے لیے سامانِ سفر ساتھ لینے کی ضرورت۔

⑤ یعنی جس طرح لوگ سفر کی صعوبتوں، خطرات اور موسم کی شدتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ہمارے سفر بھی اسی طرح دور دور کر دے، مسلسل آبادیوں کی بجائے درمیان میں سنسان و ویران جنگلات اور صحراؤں سے ہمیں گزرنا پڑے، گرمیوں میں دھوپ کی شدت اور سردیوں میں یخ بستہ ہوائیں ہمیں پریشان کریں اور راستے میں بھوک اور پیاس اور موسم کی سختیوں سے بچنے کے لیے ہمیں زادِ راہ کا بھی انتظام کرنا پڑے۔ ان کی یہ دعا اسی طرح کی ہے، جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی اور دیگر سہولتوں کے مقابلے میں دالوں اور سبزیوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔

① یعنی انھیں اس طرح ناپید کیا کہ ان کی ہلاکت کا قصہ زبان زدِ خلائق ہو گیا۔ اور مجلسوں اور محفلوں کا موضوعِ گفتگو بن گیا۔

② یعنی انھیں متفرق اور منتشر کر دیا، چنانچہ سبا میں آباد مشہور قبیلے مختلف جگہوں پر جا آباد ہوئے، کوئی یثرب و مکہ آ گیا، کوئی شام کے علاقے میں چلا گیا کوئی کہیں اور کوئی کہیں۔

③ یعنی معبود ہونے کا۔ یہاں ﴿زَعَمۡتُمۡ﴾ کے دو مفعول محذوف ہیں۔ زَعَمۡتُمُوۡهُمۡ آلِهَةً یعنی جن جن کو تم معبود گمان کرتے ہو۔

④ یعنی انھیں نہ خیر پر کوئی اختیار ہے نہ شر پر۔ کسی کو فائدہ پہنچانے کی قدرت ہے نہ نقصان سے بچانے کی۔ آسمان و زمین کا ذکر عموم کے لیے ہے کیونکہ تمام خارجی موجودات کے لیے یہی ظرف ہیں۔

⑤ نہ پیدائش میں، نہ ملکیت میں اور نہ تصرف میں۔

⑥ جو کسی معاملے میں بھی اللہ کی مدد کرتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بلا شرکت غیرے تمام اختیارات کا مالک ہے اور کسی کے تعاون کے بغیر ہی

اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿23﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿24﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿25﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿26﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿27﴾ وَمَاۤ

لیے اجازت ہو جائے۔[1] یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دُور کردی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں، تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا[2] اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے﴿23﴾ پوچھیے کہ تمھیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے؟ (خود) جواب دیجیے کہ اللہ، (سنو) ہم یا تم یا تو یقیناً ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں؟﴿24﴾[3] کہہ دیجیے کہ ہمارے کیے ہوئے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا نہ تمھارے اعمال کی باز پرس ہم سے کی جائے گی﴿25﴾ اُنھیں خبر دے دیجیے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کر کے پھر ہم میں سچے فیصلے کر دے گا۔[4] وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا﴿26﴾ کہہ دیجیے کہ اچھا مجھے بھی تو اُنھیں دکھا دو جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر اُس کے ساتھ ملا رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں[5] بلکہ وہی اللہ ہے غالب باحکمت﴿27﴾ ہم نے

سارے کام کرتا ہے۔

① ''جن کے لیے اجازت ہو جائے'' کا مطلب ہے انبیاء اور ملائکہ وغیرہ، یعنی یہی سفارش کر سکیں گے، کوئی اور نہیں، اس لیے کہ کسی اور کی سفارش فائدہ مند ہوگی نہ انھیں اجازت ہی ہوگی۔ دوسرا مطلب ہے، مستحقین شفاعت، یعنی انبیاء و ملائکہ اور صالحین صرف انھی کے حق میں سفارش کر سکیں گے جو مستحقین شفاعت ہوں گے کیونکہ اللہ کی طرف سے انھی کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی، کسی اور کے لیے نہیں۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہوا کہ انبیاء، ملائکہ اور صالحین کے علاوہ وہاں کوئی سفارش نہیں کر سکے گا اور یہ حضرات بھی اذن الٰہی کے بعد ہی گناہ گار اہل ایمان کے لیے سفارش کر سکیں گے، کافر و مشرک اور اللہ کے باغیوں کے لیے نہیں۔ قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان دونوں نکتوں کی وضاحت فرما دی ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرۃ 255:2) ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔'' ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الأنبیآء 28:21) ''وہ (فرشتے) کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ خوش ہو۔''

② اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے حدیث کی روشنی میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی بابت کلام (وحی) فرماتا ہے تو آسمان پر موجود فرشتے ہیبت اور خوف سے کانپ اٹھتے ہیں اور ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش بردار فرشتے دوسرے فرشتوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو بتلاتے ہیں اور اس طرح خبر پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (ابن کثیر) ﴿فُزِّعَ﴾ میں سَلْبِ ماخذ ہے، یعنی جب گھبراہٹ دور کردی جاتی ہے۔

③ ظاہر بات ہے گمراہی پر وہی ہوگا جو ایسی چیزوں کو معبود سمجھتا ہے جن کا آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے، وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کچھ اگا سکتے ہیں، اس لیے حق پر یقیناً اہل توحید ہی ہیں نہ کہ دونوں۔

④ یعنی اس کے مطابق جزا دے گا، نیکوں کو جنت میں اور بدوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿29﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿30﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ

آپ کو تمام لوگوں کے لیے صرف خوشخبریاں سنانے والا اور دھمکا دینے والا بنا کر بھیجا ہے ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے ﴿28﴾[1] پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ ہے کب؟ سچے ہو تو بتا دو ﴿29﴾[2] جواب دیجیے کہ وعدے کا دن ٹھیک معین ہے جس سے ایک ساعت نہ تم پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو ﴿30﴾[3] اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ تو اس قرآن کو مانیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو![4] اے دیکھنے والے کاش کہ تو ان ظالموں کو اُس وقت دیکھتا جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے

---

⑤ یعنی اس کا کوئی نظیر ہے نہ ہمسر بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام اور قول میں حکمت ہے۔

① اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو نبی کریم ﷺ کی رسالت عامہ کا بیان فرمایا ہے کہ آپ کو پوری نسل انسانیت کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسرا: یہ بیان فرمایا کہ اکثر لوگ آپ کی خواہش اور کوشش کے باوجود ایمان سے محروم رہیں گے۔ ان دونوں باتوں کی وضاحت دوسرے مقامات پر بھی فرمائی ہے، مثلاً: آپ کی رسالت کے ضمن میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف 158:7) ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (الفرقان 1:25) ''بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔'' ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ① ایک مہینے کی مسافت پر دشمن کے دل میں میری دھاک بٹھانے سے میری مدد فرمائی گئی ہے۔ ② تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاک ہے، جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، میری امت وہاں نماز ادا کرے۔ ③ مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا جو مجھ سے قبل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔ ⑤ پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 335، وصحيح مسلم، حديث: 521) ایک اور حدیث میں فرمایا: «بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ» (صحيح مسلم، حديث: 521، و سنن الدارمي: 183/2) ''مجھے احمر اور اسود کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' احمر و اسود سے مراد بعض نے جن و انس اور بعض نے عرب و عجم لیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ اسی طرح اکثریت کی بے علمی اور گمراہی کی وضاحت ہے، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (یوسف 103:12) ''آپ ﷺ کی خواہش کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔'' ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الأنعام 116:6) ''اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کے پیچھے چلیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔'' جس کا مطلب یہی ہوا کہ اکثریت گمراہوں کی ہے۔

② یہ بطور استہزا کے پوچھتے تھے کیونکہ اس کا وقوع ان کے نزدیک مستبعد اور ناممکن تھا۔

③ یعنی اللہ نے قیامت کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس کا علم صرف اسی کو ہے، تاہم جب وہ وقت موعود آ جائے گا تو ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔ ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ (نوح 4:71) ''یقیناً اللہ کا وعدہ جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا۔''

رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ٍۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿31﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿33﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ

کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے [1] کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے [2] اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے ﴿31﴾ [3] یہ بڑے لوگ اُن کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمھارے پاس ہدایت آ چکنے کے بعد ہم نے تمھیں اُس سے روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم (خود) ہی مجرم تھے ﴿32﴾ [4] (اس کے جواب میں) یہ کمزور لوگ اُن متکبروں سے کہیں گے: (نہیں نہیں) بلکہ تمھارا دن رات مکر و فریب سے ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اُس کے شریک مقرر کرنے کا حکم دینا ہماری بے ایمانی کا باعث ہوا، [5] اور عذاب کو دیکھتے ہی سب کے سب دل میں پشیمان ہو رہے ہوں گے، [6] اور کافروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے۔ [7] اُنھیں صرف اُن کے کیے کرائے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ﴿33﴾ [8] اور ہم نے تو جس بستی میں

④ جیسے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ، بعض نے ﴿ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ سے مراد دارِ آخرت لیا ہے۔ اس میں کافروں کے عناد و طغیان کا بیان ہے کہ وہ تمام تر دلائل کے باوجود قرآن کریم اور دارِ آخرت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

① یعنی دنیا میں یہ کفر و شرک میں ایک دوسرے کے ساتھی اور اس ناتے سے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے تھے لیکن آخرت میں یہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے کو موردِ الزام بنائیں گے۔

② یعنی دنیا میں یہ لوگ، جو سوچے سمجھے بغیر روشِ عام پر چلنے والے ہوتے ہیں، اپنے ان لیڈروں سے کہیں گے جن کے وہ دنیا میں پیروکار بنے رہے تھے۔

③ یعنی تم ہی نے ہمیں پیغمبروں اور داعیانِ حق کے پیچھے چلنے سے روکے رکھا تھا اگر تم اس طرح نہ کرتے تو ہم یقیناً ایمان والے ہوتے۔

④ یعنی ہمارے پاس کون سی طاقت تھی کہ ہم تمھیں ہدایت کے راستے سے روکتے، تم نے خود ہی اس پر غور نہیں کیا اور اپنی خواہشات کی وجہ سے ہی اسے قبول کرنے سے گریزاں رہے اور آج مجرم ہمیں بنا رہے ہو، حالانکہ سب کچھ تم نے خود ہی اپنی مرضی سے کیا، اس لیے مجرم بھی تم خود ہی ہو نہ کہ ہم۔

⑤ یعنی ہم مجرم تو تب ہوتے، جب ہم اپنی مرضی سے پیغمبروں کی تکذیب کرتے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ تم رات دن ہمیں گمراہ کرنے پر اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کا شریک ٹھہرانے پر آمادہ کرتے رہے جس سے بالآخر ہم تمھارے پیچھے لگ کر ایمان سے محروم رہے۔

⑥ یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی تو کریں گے لیکن دل میں دونوں ہی فریق اپنے اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے۔ لیکن شماتتِ اعداء کی وجہ سے ظاہر کرنے سے گریز کریں گے۔

⑦ یعنی ایسی زنجیریں جو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھیں گی۔

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿34﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿35﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ ع وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ

جو بھی آگاہ کرنے والا بھیجا وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اُس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں ﴿34﴾[1] اور کہا: ہم مال و اولاد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم عذاب کیے جائیں ﴿35﴾[2] کہہ دیجیے کہ میرا رب جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے[3] لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿36﴾ اور تمھارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ تمھیں ہمارے پاس (مرتبوں سے) قریب کر دیں[4] ہاں جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں[5] اُن کے لیے اُن کے

﴿8﴾ یعنی دونوں کو ان کے عملوں کی سزا ملے گی، لیڈروں کو ان کے مطابق اور ان کے پیچھے چلنے والوں کو ان کے مطابق، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الأعراف 38:7) ''ہر ایک کو دگنا عذاب ہوگا لیکن تم نہیں جانتے۔''

﴿1﴾ یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مکے کے رؤساء اور چودھری آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ کو ایذائیں پہنچا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر دور کے خوش حال لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب ہی کی ہے اور ہر پیغمبر پر ایمان لانے والے پہلے پہل معاشرے کے غریب اور نادار قسم کے لوگ ہی ہوتے تھے، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا: ﴿اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ (الشعراء 111:26) ''کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیرے پیروکار کمینے لوگ ہیں۔'' ﴿وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ﴾ (هود 27:11) ''اور تیرے تابعداروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے نیچ اور موٹی عقل والوں کے اور کوئی نہیں۔'' دوسرے پیغمبروں کو بھی ان کی قوموں نے یہی کہا، ملاحظہ ہو۔ (سورۂ انعام 133,53:6 وسورۂ اعراف 75:7، سورۂ بنی اسرائیل 16:17 وغیرہ۔) مُتْرَفُوْنَ کے معنی ہیں: اصحاب ثروت و ریاست۔ اور خوش حال لوگ جن میں بڑائی بھی ہو۔

﴿2﴾ یعنی جب اللہ نے ہمیں دنیا میں مال و اولاد کی کثرت سے نوازا ہے تو قیامت بھی اگر برپا ہوئی تو ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ گویا انھوں نے دار آخرت کو بھی دنیا پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیا میں کافر و مومن سب کو اللہ کی نعمتیں مل رہی ہیں، آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا، حالانکہ آخرت تو دار الجزا ہے، وہاں تو دنیا میں کیے گئے عملوں کی جزا ملنی ہے، اچھے عملوں کی جزا اچھی اور برے عملوں کی بری۔ جبکہ دنیا دار الامتحان ہے، یہاں اللہ تعالیٰ بطور آزمائش سب کو دنیاوی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ یا انھوں نے دنیاوی مال و اسباب کی فراوانی رضائے الٰہی کی دلیل سمجھی، حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کو سب سے زیادہ مال و اولاد سے نوازتا۔

﴿3﴾ اس میں کفار کے مذکورہ مغالطے اور شبہے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کی رضا یا عدم رضا کی مظہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ کی حکمت و مشیت سے ہے، اس لیے وہ مال اس کو بھی دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے اور اس کو بھی جس کو ناپسند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے غنی کرتا ہے جس کو چاہتا ہے فقیر رکھتا ہے۔

﴿4﴾ یعنی یہ مال اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہمیں تم سے محبت ہے اور ہماری بارگاہ میں تمھیں خاص مقام حاصل ہے۔

﴿5﴾ یعنی ہماری محبت اور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تو صرف ایمان اور عمل صالح ہے جس طرح حدیث میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھاری شکلیں اور تمھارے مال نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 34-(2564))

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿38﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿39﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿40﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

اعمال کا دوہرا اجر ہے [1] اور وہ بے خوف ہو کر (بہشت کے) بالا خانوں میں رہیں گے ﴿37﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے مقابلے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں یہی ہیں جو عذاب میں حاضر کیے جائیں گے ﴿38﴾ کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے تنگ کر دیتا ہے، [2] تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اُس کا (پورا پورا) بدلہ دے گا [3] اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ﴿39﴾ [4] اور جس دن وہ اُن سب کو جمع کر کے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمھاری عبادت کرتے تھے؟ ﴿40﴾ [5] وہ کہیں گے: تیری ذات پاک ہے اور ہمارا ولی تو تو ہے نہ کہ یہ [6] بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے

① بلکہ کئی کئی گنا، ایک نیکی کا اجر کم از کم دس گنا مزید سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک۔

② پس وہ کبھی کافر کو بھی خوب مال دیتا ہے لیکن کس لیے۔ استدراج کے طور پر اور کبھی مومن کو تنگ دست رکھتا ہے، کس لیے۔ اس کے اجر و ثواب میں اضافے کے لیے، اس لیے مجرد مال کی فراوانی اس کی رضا کی اور اس کی کمی، اس کی ناراضی کی دلیل نہیں ہے۔ یہ تکرار بطور تاکید کے ہے۔

③ اِخْلَاف کے معنی ہیں: عوض اور بدلہ دینا۔ یہ بدلہ دنیا میں بھی ممکن ہے اور آخرت میں تو یقینی ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ» (صحيح البخاري، حديث: 4684) ''تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔'' (یعنی بدلہ دوں گا) دو فرشتے ہر روز اعلان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» ''اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔'' دوسرا کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا» ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1442)

④ کیونکہ ایک بندہ اگر کسی کو کچھ دیتا ہے تو اس کا یہ دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق و تیسیر اور اس کی تقدیر سے ہی ہے، حقیقت میں دینے والا اس کا رازق نہیں ہے، جس طرح باپ بچوں کا یا بادشاہ اپنے لشکر کا کفیل کہلاتا ہے، حالانکہ امیر اور مامور بچے اور بڑے سب کا رازق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق بھی ہے، اس لیے جو شخص اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے کسی کو کچھ دیتا ہے تو وہ ایسے مال میں تصرف کرتا ہے جو اللہ ہی نے اسے دیا ہے، پس درحقیقت رازق بھی اللہ ہی ہوا، تاہم یہ اس کا مزید فضل و کرم ہے کہ اس کے دیے ہوئے مال میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف (خرچ کرنے) پر وہ اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔

⑤ یہ مشرکین کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی پوچھے گا: ''کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں (مریم) کو، اللہ کے سوا، معبود بنا لینا۔'' (المآئدة 5:116) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ''یا اللہ! تو پاک ہے، جس کا مجھے حق نہیں تھا، وہ بات میں کیوں کر کہہ سکتا تھا۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی پوچھے گا، جیسا کہ سورۂ فرقان 25:17 میں بھی گزرا کہ کیا یہ تمھارے کہنے پر تمھاری عبادت کرتے تھے؟

⑥ یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے

الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿42﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿43﴾ وَمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿44﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿45﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ

ع 5 / 9 / 11

تھے، [1] اُن میں سے اکثر کو انھی پر ایمان تھا﴿41﴾ پس آج تم میں سے کوئی (بھی) کسی کے لیے (بھی کسی قسم کے) نفع نقصان کا مالک نہ ہوگا۔ [2] اور ہم ظالموں [3] سے کہہ دیں گے کہ اُس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے رہے﴿42﴾ اور جب اُن کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایک شخص [4] تو تمھیں تمھارے باپ دادا کے معبودوں سے روک دینا چاہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ تو گھڑا ہوا جھوٹ ہے [5] اور حق اُن کے پاس آ چکا پھر بھی کافر یہی کہتے رہے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے﴿43﴾ [6] اور ان (مکے والوں) کو نہ تو ہم نے کتابیں دے رکھی ہیں جنھیں یہ پڑھتے ہوں نہ ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا آیا﴿44﴾ [7] اور ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا اور انھیں ہم نے جو دے رکھا تھا یہ تو اُس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے، پس اُنھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، پھر (دیکھ کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا؟﴿45﴾ [8] کہہ دیجیے کہ میں تمھیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے ضد چھوڑ کر دو دو مل کر یا تنہا تنہا کھڑے ہو کر

بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے، ہمارا ان سے کیا تعلق؟

① ﴿الْجِنَّ﴾ سے مراد شیاطین ہیں، یعنی یہ اصل میں شیطانوں کے پجاری ہیں کیونکہ وہی ان کو بتوں کی عبادت پر لگاتے اور انھیں گمراہ کرتے تھے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝﴾ (النسآء 117:4) ''یہ اللہ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو اور سرکش شیطان کو پکارتے (پوجتے) ہیں۔''

② یعنی دنیا میں تم یہ سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے کہ یہ تمھیں فائدہ پہنچائیں گے، تمھاری سفارش کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تمھیں نجات دلوائیں گے، جیسے آج بھی پیر پرستوں اور قبر پرستوں کا حال ہے لیکن آج دیکھ لو کہ یہ لوگ کسی بات پر قادر نہیں۔

③ ظالموں سے مراد غیر اللہ کے پجاری ہیں کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور مشرکین سب سے بڑے ظالم۔

④ شخص سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ باپ دادا کا دین ان کے نزدیک صحیح تھا، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کا ''جرم'' یہ بیان کیا کہ یہ تمھیں ان معبودوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمھارے آباء واجداد عبادت کرتے رہے۔

⑤ اس دوسرے ﴿هٰذَاۤ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے، اسے انھوں نے تراشا ہوا بہتان یا گھڑا ہوا جھوٹ قرار دیا۔

⑥ قرآن کو پہلے گھڑا ہوا جھوٹ کہا اور یہاں کھلا جادو۔ پہلے کا تعلق قرآن کے مفہوم ومطالب سے ہے اور دوسرے کا تعلق قرآن کے معجزانہ نظم واسلوب اور اعجاز وبلاغت سے۔ (فتح القدیر)

تَتَفَكَّرُوْا ۟ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿46﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿47﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿48﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿49﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ

سوچو تو سہی، تمھارے اس رفیق کو کوئی جنون نہیں،[1] وہ تو تمھیں ایک بڑے (سخت) عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہے﴿46﴾[2] کہہ دیجیے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمھارے لیے ہے[3] میرا بدلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے﴿47﴾ کہہ دیجیے کہ میرا رب حق (سچی وحی) نازل فرماتا ہے،[4] وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے﴿48﴾ کہہ دیجیے کہ حق آچکا باطل نہ تو پہلی بار اُبھرا نہ دوبارہ ابھر سکے گا﴿49﴾[5] کہہ دیجیے کہ اگر میں بہک جاؤں

---

⑦ اس لیے وہ آرزو کرتے تھے کہ ان کے پاس بھی کوئی پیغمبر آئے اور کوئی صحیفۂ آسمانی نازل ہو لیکن جب یہ چیزیں آئیں تو انکار کر دیا۔

⑧ یہ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے تکذیب و انکار کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے۔ تم سے پچھلی امتیں بھی، اس راستے پر چل کر تباہ و برباد ہو چکی ہیں، حالانکہ یہ امتیں مال و دولت، قوت و طاقت اور عمروں کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھیں، تم تو ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں۔ اسی مضمون کو سورۂ احقاف 26:46 میں بیان فرمایا گیا ہے۔

① یعنی میں تمھیں تمھارے موجودہ طرز عمل سے ڈراتا اور ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ تم ضد اور انانیت چھوڑ کر صرف اللہ کے لیے ایک ایک دو دو ہو کر میری بابت سوچو کہ میری زندگی تمھارے اندر گزری ہے اور اب بھی جو دعوت میں تمھیں دے رہا ہوں کیا اس میں کوئی ایسی بات ہے کہ جس سے اس بات کی نشاندہی ہو کہ میرے اندر دیوانگی ہے۔ تم اگر عصبیت اور خواہش نفس سے بالا ہو کر سوچو گے تو یقیناً تم سمجھ جاؤ گے کہ تمھارے رفیق کے اندر کوئی دیوانگی نہیں ہے۔

② یعنی وہ تو صرف تمھاری ہدایت کے لیے آیا ہے تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمھیں بھگتنا پڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا: یَا صَبَاحَاهُ! (یہ الفاظ خطرے کی گھنٹی سمجھے جاتے تھے) جسے سن کر قریش جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بتلاؤ! اگر میں تمھیں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر سن لو کہ میں تمھیں سخت عذاب آنے سے پہلے ڈراتا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا ''تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4801)

③ اس میں اپنی بے غرضی اور دنیا کے مال و متاع سے بے رغبتی کا مزید اظہار فرما دیا تاکہ ان کے دلوں میں اگر یہ شک و شبہ پیدا ہو کہ اس دعوائے نبوت سے اس کا مقصد کہیں دنیا کمانا تو نہیں تو وہ دور ہو جائے۔

④ ﴿يَقْذِفُ﴾ کے معنی: تیر اندازی اور خشت باری کے بھی ہیں اور کلام کرنے کے بھی۔ یہاں اس کے دوسرے معنی ہی ہیں، یعنی وہ حق کے ساتھ گفتگو فرماتا، اپنے رسولوں پر وحی نازل فرماتا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کے لیے حق واضح فرماتا ہے، جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (المؤمن 15:40) ''اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی سے نوازتا ہے۔''

فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿50﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿51﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿53﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ

تو میرے بہکنے (کا وبال) مجھ ہی پر ہے اور اگر میں راہِ ہدایت پر ہوں تو بسبب اُس وحی کے جو میرا پروردگار مجھے کرتا ہے،[1] وہ بڑا ہی سننے والا اور بہت ہی قریب ہے ﴿50﴾ اور اگر آپ (وہ وقت) ملاحظہ کریں جب کہ یہ کفار گھبرائے پھریں گے، پھر نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہ ہوگی[3] اور قریب کی جگہ سے گرفتار کر لیے جائیں گے ﴿51﴾ اُس وقت کہیں گے کہ ہم اس قرآن پر ایمان لائے لیکن اس قدر دور جگہ سے کیسے[4] ہاتھ پہنچ سکتا ہے ﴿52﴾ اس سے پہلے تو اُنھوں نے اس سے کفر کیا تھا اور دور دراز سے بن دیکھے ہی پھینکتے رہے ﴿53﴾[5] اُن کی چاہتوں اور اُن کے درمیان پردہ حائل کر

⑤ حق سے مراد قرآن اور باطل سے مراد کفر و شرک ہے۔ مطلب ہے اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آ گیا ہے جس سے باطل مضمحل اور ختم ہو گیا ہے، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا، جس طرح فرمایا: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الأنبیآء 18:21) ”بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں، پس سچ جھوٹ کو توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔“ حدیث میں آتا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا، نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، چاروں طرف بت نصب تھے، آپ کمان کی نوک سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور یہ آیت اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ پڑھتے جاتے تھے۔ (صحیح البخاري، حدیث :4287)

① یعنی بھلائی سب اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو وحی اور حق مبین نازل فرمایا ہے، اس میں رشد و ہدایت ہے، صحیح راستہ لوگوں کو اسی سے ملتا ہے، پس جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں انسان کی اپنی ہی کوتاہی اور ہوائے نفس کا دخل ہوتا ہے، اس لیے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کسی سائل کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ بیان فرماتے تو ساتھ کہتے: «أَقُولُ فِيهَا بِرَأْيِي فَإِنْ يَكُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَ إِنْ يَكُنْ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ، وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ بَرِيئَانِ مِنْه» (ابن کثیر) ”میں اس میں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔“

② جس طرح کہ حدیث میں ہے: «إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا مُّجِيبًا» (صحیح البخاري، حدیث :6384، ومسند أحمد:403/4) ”تم بہری اور غائب ذات کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا، قریب اور قبول کرنے والا ہے۔“

③ ﴿فَلَا فَوْتَ﴾ کہیں بھاگ نہیں سکیں گے کیونکہ وہ اللہ کی گرفت میں ہوں گے، یہ میدان محشر کا بیان ہے۔

④ ﴿التَّنَاوُشُ﴾ کے معنی تناول، یعنی پکڑنے کے ہیں، یعنی اب آخرت میں انھیں ایمان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ دنیا میں اس سے گریز کرتے رہے گویا آخرت ایمان کے لیے دنیا کے مقابلے میں دور کی جگہ ہے، جس طرح دور سے کسی چیز کو پکڑنا ممکن نہیں، آخرت میں ایمان لانے کی گنجائش نہیں۔

⑤ یعنی اپنے گمان سے کہتے رہے کہ قیامت اور حساب کتاب نہیں۔ یا قرآن کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادو، گھڑا ہوا جھوٹ

مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿54﴾ ع

سورۂ فاطر مکی ہے، اس میں 45 آیات اور 5 رکوع ہیں۔	اٰیَاتُہَا: 45 (35) سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَّکِّیَّۃٌ (43) رُکُوْعَاتُہَا: 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿1﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿2﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

دیا گیا[1] جیسے کہ اس سے پہلے بھی اُن جیسوں کے ساتھ کیا گیا،[2] وہ بھی (انھی کی طرح) شک و تردد میں (پڑے ہوئے) تھے﴿54﴾[3]
اُس اللہ کے لیے تمام تعریفیں سزاوار ہیں جو (ابتداء) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا[4] اور دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنانے والا ہے،[5] مخلوق میں جو چاہے بڑھاتا ہے،[6] اللہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے﴿1﴾ اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اُس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اُس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں[7] اور وہی غالب حکمت والا ہے﴿2﴾ لوگو!

اور پہلوں کی کہانیاں ہیں یا محمد ﷺ کے بارے میں کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے یا مجنون ہے جبکہ کسی بات کی بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔

① یعنی آخرت میں وہ چاہیں گے کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے، عذاب سے ان کی نجات ہو جائے لیکن ان کے درمیان اور ان کی اس خواہش کے درمیان پردہ حائل کر دیا، یعنی اس خواہش کو رد کر دیا جائے گا۔

② یعنی پچھلی امتوں کا ایمان بھی اس وقت قبول نہیں کیا گیا جب وہ عذاب کے معائنے کے بعد ایمان لائیں۔

③ اس لیے اب معائنۂ عذاب کے بعد ان کا ایمان بھی کس طرح قبول ہو سکتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ''ریب و شک سے بچو، جو شک کی حالت میں فوت ہوگا، اسی حالت میں اٹھے گا اور جو یقین پر مرے گا، قیامت والے دن یقین پر ہی اٹھے گا۔'' (ابن کثیر)

④ ﴿فَاطِرِ﴾ کے معنی ہیں: مُخْتَرِعٌ پہلے پہل ایجاد کرنے والا، یہ اشارہ ہے اللہ کی قدرت کی طرف کہ اس نے آسمان و زمین پہلے پہل بغیر نمونے کے بنائے تو اس کے لیے دوبارہ انسانوں کو پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔

⑤ مراد جبریل، میکائیل، اسرافیل وغیرہ فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ انبیاء کی طرف یا مختلف مہمات پر قاصد بنا کر بھیجتا ہے۔ ان میں سے کسی کے دو، کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔

⑥ یعنی بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پر ہیں، جیسے حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا، اس کے چھ سو پر تھے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4856) بعض نے اس کو عام رکھا ہے، جس میں آنکھ، چہرہ، ناک اور منہ ہر چیز کا حسن داخل ہے۔

⑦ ان ہی نعمتوں میں سے ارسال رسل اور انزال کتب بھی ہے، یعنی ہر چیز کا دینے والا بھی وہی ہے اور واپس لینے یا روک لینے والا بھی وہی۔ اس کے سوا نہ کوئی معطی اور منعم ہے اور نہ مانع و قابض۔ جس طرح نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا

اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥ۭ
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ ع 1/7 13

تم پر جو انعام اللہ نے کیے ہیں اُنھیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمھیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے؟ اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم کہاں اُلٹے جاتے ہو؟③ [1] اور اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کے تمام رسول بھی جھٹلائے جاچکے ہیں۔ تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں④ [2] لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے [3] تمھیں زندگانیٔ دنیا دھوکے میں نہ ڈالے، [4] اور نہ دھوکے باز شیطان تمھیں غفلت میں ڈالے⑤ [5] یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے، تم اُسے دشمن جانو [6] وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں⑥ جو لوگ کافر ہوئے اُن کے لیے سخت سزا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اُن کے لیے بخشش ہے اور (بہت) بڑا اجر ہے⑦ [7]

مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ» (صحیح مسلم، حدیث:593) ”اے اللہ! جو تو دے، اسے روکنے والا اور جو تو روک لے، اسے دینے والا کوئی نہیں۔“

① یعنی اس بیان و وضاحت کے بعد بھی تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ ﴿تُؤْفَكُوْنَ﴾ اگر أَفْكٌ سے ہو (ہمزہ پر زبر) تو معنی ہوں گے: پھرنا، تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ اور اگر إِفْك سے ہو (ہمزہ کے نیچے زیر) تو معنی ہیں: جھوٹ، جو سچ سے پھرنے کا نام ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے اندر توحید اور آخرت کا انکار کہاں سے آگیا جبکہ تم مانتے ہو کہ تمھارا خالق اور رازق اللہ ہے۔ (فتح القدیر)

② اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کو جھٹلا کر یہ کہاں جائیں گے۔ بالآخر تمام معاملات کا فیصلہ تو ہمیں ہی کرنا ہے۔ جس طرح پچھلی امتوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا تو انھیں سوائے بربادی کے کیا ملا، اس لیے یہ بھی اگر باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

③ کہ قیامت برپا ہوگی اور نیک و بد کو ان کے عملوں کی جزا و سزا دی جائے گی۔

④ یعنی آخرت کی ان نعمتوں سے غافل نہ کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور رسولوں کے پیروکاروں کے لیے تیار کر رکھی ہیں، پس اس دنیا کی عارضی لذتوں میں کھو کر آخرت کی دائمی راحتوں کو نظر انداز نہ کرو۔

⑤ یعنی اس کے داؤ اور فریب سے بچ کر رہو، اس لیے کہ وہ بہت دھوکے باز ہے اور اس کا مقصد ہی تمھیں دھوکے میں مبتلا کر کے جنت سے محروم کرنا ہے۔ یہی الفاظ سورۂ لقمان 33:31 میں بھی گزر چکے ہیں۔

⑥ یعنی اس سے سخت عداوت رکھو، اس کے دجل و فریب اور ہتھکنڈوں سے بچو، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا گیا ہے۔ ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ (الکھف 50:18) ”کیا تم اس شیطان اور اس کی ذریت کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ٭ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ⑧ وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

کیا پس وہ شخص جس کے لیے اُس کے بُرے اعمال مزین کر دیے گئے ہیں پس وہ اُنھیں اچھا سمجھتا ہے،[1] (یقین مانو) کہ اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے۔[2] پس آپ کو اُن پر غم کھا کھا کر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالنی چاہیے،[3] یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے یقیناً اللہ بخوبی واقف ہے⑧[4] اور اللہ ہی ہوائیں چلاتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم بادلوں کو خشک زمین کی طرف لے جاتے ہیں اور اس سے اُس زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا (بھی) ہے⑨[5] جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ ہی کی ساری عزت ہے،[6] تمام تر سُتھرے کلمات اُسی کی طرف چڑھتے

تمھارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔''

[7] یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات کی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بیان کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے تاکہ اہل ایمان عمل صالح سے کسی وقت بھی غفلت نہ برتیں کہ مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ اس ایمان ہی پر ہے جس کے ساتھ عمل صالح ہوگا۔

[1] جس طرح کفار و فجار ہیں، وہ کفر و شرک اور فسق و فجور کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ کیا پس ایسا شخص جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو، اس کے بچاؤ کے لیے آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے۔ یا یہ اس شخص کے برابر ہے جسے اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے۔ جواب نفی میں ہی ہے، نہیں یقیناً نہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ اپنے عدل کی رو سے اپنی سنت کے مطابق اس کو گمراہ کرتا ہے جو مسلسل اپنے کرتوتوں سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ٹھہرا چکتا ہے اور ہدایت اپنے فضل و کرم سے اسے دیتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔

[3] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت اور علم تام پر مبنی ہے، اس لیے کسی کی گمراہی پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال لیں۔

[4] یعنی اس سے ان کا کوئی قول یا فعل مخفی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ان کے ساتھ معاملہ ایک علیم و خبیر اور ایک حکیم کی طرح کا ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح کا نہیں ہے جو اپنے اختیارات کا الل ٹپ استعمال کرتے ہیں، کبھی سلام کرنے سے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی دشنام پر ہی خلعتوں سے نواز دیتے ہیں۔

[5] یعنی جس طرح بادلوں سے بارش برسا کر خشک (مردہ) زمین کو ہم شاداب (زندہ) کر دیتے ہیں، اسی طریقے سے قیامت والے دن تمام مردہ انسانوں کو بھی ہم زندہ کر دیں گے۔ حدیث میں آتا ہے: «كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَبْلَى إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ، مِنْهُ خُلِقَ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ» (صحیح البخاري، حدیث: 4814، و صحیح مسلم، حدیث:142-(2955)) ''انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے، صرف دم کی ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ محفوظ رہتا ہے، اسی سے اس کو پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کی دوبارہ تخلیق و ترکیب ہوگی۔''

[6] یعنی جو چاہتا ہے کہ اسے دنیا اور آخرت میں عزت ملے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے، اس سے اسے یہ مقصود حاصل ہو جائے گا، اس

يَرْفَعُهٗ ط وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ط وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

ہیں[1] اور نیک عمل اُن کو بلند کرتا ہے،[2] اور جو لوگ برائیوں کے داؤ گھات میں لگے رہتے ہیں۔[3] اُن کے لیے سخت تر عذاب ہے اور اُن کا یہ مکر برباد ہو جائے گا⑩[4] (لوگو!) اللہ نے تمھیں مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا کیا ہے،[5] پھر تمھیں جوڑے جوڑے بنا دیا ہے، عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اُس کے علم ہی سے ہے،[6] اور جو بڑی عمر والا عمر دیا جائے اور جس کسی کی عمر گھٹے وہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے۔[7] اللہ پر یہ بات بالکل آسان ہے⑪

لیے کہ دنیا و آخرت کا مالک اللہ ہی ہے، ساری عزتیں اسی کے پاس ہیں وہ جس کو عزت دے، وہی معزز ہوگا، جس کو وہ ذلیل کر دے، اسے دنیا کی کوئی طاقت عزت نہیں دے سکتی۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (النسآء 139:4) ''وہ لوگ (منافق) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں۔ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔''

① ﴿اَلْكَلِمُ﴾ كَلِمَة کی جمع ہے، ستھرے کلمات سے مراد اللہ کی تسبیح و تحمید، تلاوت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ چڑھتے ہیں کا مطلب، قبول کرنا ہے۔ یا فرشتوں کا انھیں لے کر آسمانوں پر چڑھنا ہے تاکہ اللہ ان کی جزا دے۔

② ﴿يَرْفَعُهٗ﴾ میں ضمیر کا مرجع کون ہے۔ بعض کہتے ﴿اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ ہے، یعنی عمل صالح، کلمات طیبات کو اللہ کی طرف بلند کرتا ہے، یعنی محض زبان سے اللہ کا ذکر (تسبیح و تحمید) کچھ نہیں، جب تک اس کے ساتھ عمل صالح، یعنی احکام و فرائض کی ادائیگی بھی نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں: ﴿يَرْفَعُهٗ﴾ میں فاعل کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل صالح کو کلمات طیبات پر بلند فرماتا ہے، اس لیے کہ عمل صالح سے ہی اس بات کا تحقق ہوتا ہے کہ اس (کلام) کا عامل فی الواقع اللہ کی تسبیح و تحمید میں مخلص ہے۔ (فتح القدیر) گویا قول، عمل کے بغیر اللہ کے ہاں بے حیثیت ہے۔

③ خفیہ طریقے سے کسی کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، نبی ﷺ کے خلاف قتل وغیرہ کی جو سازشیں کفار مکہ کرتے رہے، وہ بھی مکر ہے، ریاکاری بھی مکر ہے۔ یہاں یہ لفظ عام ہے، مکر کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

④ یعنی ان کا مکر بھی برباد ہوگا اور اس کا وبال بھی انھی پر پڑے گا جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ (فاطر 43:35) ''اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔''

⑤ یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور پھر اس کے بعد تمھاری نسل کو قائم رکھنے کے لیے انسان کی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا جو مرد کی پشت سے نکل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے۔

⑥ یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں حتی کہ زمین پر گرنے والے پتے کو اور زمین کی گہرائیوں میں نشوونما پانے والے بیج کو بھی وہ جانتا ہے۔ (الأنعام 59:6)

⑦ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر کی طوالت اور اس کی تقصیر (کم ہونا) اللہ کی تقدیر و قضا سے ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اسباب بھی ہیں

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ ⑬ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ

اور دونوں دریا (مل کر) برابر نہیں ہو جاتے یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا، پینے میں خوشگوار اور یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا، تم ان دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالتے ہو جنھیں تم پہنتے ہو۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے پھاڑنے والی [1] ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اُس کا فضل ڈھونڈو اور تاکہ تم اُس کا شکر کرو⑫ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب و ماہتاب کو اُسی نے کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک میعادِ معین پر چل رہا ہے۔ یہی ہے اللہ [2] تم سب کا پالنے والا اُسی کی سلطنت ہے۔ جنھیں تم اُس کے سوا پکار رہے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں⑬ [3] اگر تم اُنھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں [4] اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے [5]

جس سے عمر لمبی یا چھوٹی ہوتی ہے، طوالت کے اسباب میں صلہ رحمی وغیرہ ہے جیسا کہ احادیث میں ہے اور تقصیر کے اسباب میں کثرت سے معاصی کا ارتکاب ہے، مثلاً: کسی آدمی کی عمر 70 سال ہے لیکن کبھی اسباب زیادت کی وجہ سے اللہ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کبھی اس میں کمی کر دیتا ہے جب وہ اسباب نقصان اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اس لیے عمر میں یہ کمی بیشی ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝﴾ (النحل 61:16) ''جب اُن کا وہ وقت آ جاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' کے منافی نہیں ہے۔ اس کی تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝﴾ (الرعد 39:13) ''اللہ جو چاہتا ہے، مٹاتا اور ثبت کرتا ہے اور اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔'' (فتح القدیر)

[1] ﴿مَوَاخِرَ﴾ وہ کشتیاں جو آتے جاتے پانی کو چیرتی ہوئی گزرتی ہیں، آیت میں بیان کردہ دوسری چیزوں کی وضاحت سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔

[2] یعنی مذکورہ تمام افعال کا فاعل ہے۔

[3] یعنی اتنی حقیر چیز کے بھی مالک نہیں، نہ اسے پیدا کرنے پر ہی قادر ہیں۔ ﴿قِطْمِيْرٍ﴾ اس جھلی کو کہتے ہیں جو کھجور اور اس کی گٹھلی کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ پتلا سا چھلکا گٹھلی پر لفافے کی طرح چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

[4] یعنی اگر تم انھیں مصائب میں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ جمادات ہیں یا منوں مٹی کے نیچے مدفون۔

[5] یعنی اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو بے فائدہ، اس لیے کہ وہ تمھاری التجاؤں کے مطابق تمھارا کام نہیں کر سکتے۔

وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُوۡنَ بِشِرۡكِكُمۡ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِيۡرٍ ⑭ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ⑮ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنۡ

بلکہ قیامت کے دن تمھارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ [1] آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا⑭ [2] اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو [3] اور اللہ بے نیاز [4] خوبیوں والا ہے⑮ [5] اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے⑯ [6] اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں⑰ کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، [7] اگر کوئی گراں بار دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اُس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا گو قرابت دار ہی ہو۔ [8] تو صرف اُنھی کو آگاہ کر سکتا ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرتے ہیں [9] اور جو بھی

---

① اور کہیں گے: ﴿مَا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ○﴾ (یونس 28:10) ''تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔'' ﴿اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ○﴾ (یونس 29:10) ''ہم تو تمھاری عبادت سے بے خبر تھے۔'' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، وہ سب پتھر کی مورتیاں ہی نہیں ہوں گی بلکہ ان میں عاقل (ملائکہ، جن، شیاطین اور صالحین) بھی ہوں گے۔ تب ہی تو یہ انکار کریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو حاجت براری کے لیے پکارنا شرک ہے۔

② اس لیے کہ اس جیسا کامل علم کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ وہی تمام امور کی کنہ اور حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے جس میں ان پکارے جانے والوں کی بے اختیاری، پکار کو نہ سننا اور قیامت کے دن اس کا انکار کرنا بھی شامل ہے۔

③ ﴿النَّاسُ﴾ کا لفظ عام ہے جس میں عوام وخواص حتیٰ کہ انبیاء وصلحاء سب آجاتے ہیں۔ اللہ کے در کے سب ہی محتاج ہیں لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں۔

④ وہ اتنا بے نیاز ہے کہ سب لوگ اگر اس کے نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں کوئی کمی اور سب اس کے اطاعت گزار بن جائیں تو اس سے اس کی قوت میں زیادتی نہیں ہوگی بلکہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت واطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ ابراہیم 8:14 کا حاشیہ)

⑤ یعنی محمود ہے اپنی نعمتوں کی وجہ سے، پس ہر نعمت جو اس نے بندوں پر کی ہے، اس پر وہ حمد وشکر کا مستحق ہے۔

⑥ یہ بھی اس کی شان بے نیازی ہی کی ایک مثال ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمھیں فنا کے گھاٹ اتار کے تمھاری جگہ ایک نئی مخلوق پیدا کر دے جو اس کی اطاعت گزار ہو، اس کی نافرمان نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک نئی مخلوق اور نیا عالم پیدا کر دے جس سے تم نا آشنا ہو۔

⑦ ہاں جس نے دوسروں کو گمراہ کیا ہوگا، وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے گا جیسا کہ آیت: ﴿وَلَيَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ﴾ (العنکبوت 13:29) ''وہ ضرور اپنا بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ان کا بوجھ بھی۔'' اور حدیث: «مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ» (صحیح مسلم،

تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿18﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿19﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿20﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿21﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿22﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿23﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿24﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

پاک ہو جائے، وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاک ہوگا۔ (1) لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے (18) اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں (19) اور نہ تاریکی اور روشنی (20) (2) اور نہ چھاؤں اور دھوپ (21) (3) اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے، (4) اللہ جس کو چاہتا ہے سُنوا دیتا ہے، (5) اور آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں (22) (6) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (23) (7) ہم ہی نے آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو (24) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اُنھوں نے بھی جھٹلایا تھا،

حدیث:69-(1017)) ''جس نے کوئی بُرا طریقہ اسلام میں جاری کیا اُس پر اس بُرے فعل کا بوجھ ہوگا اور اُن تمام لوگوں کا بوجھ بھی ہوگا جنھوں نے اُس کے بعد اُس پر عمل کیا۔'' سے واضح ہے لیکن یہ دوسروں کا بوجھ بھی درحقیقت ان کا اپنا ہی بوجھ ہے کہ ان ہی نے ان دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔

(8) ﴿مُثْقَلَةٌ﴾ أَيْ نَفْسٌ مُّثْقَلَةٌ ایسا شخص جو گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوگا، وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے رشتے دار کو بھی بلائے گا تو وہ آمادہ نہیں ہوگا۔

(9) یعنی تیرے انذار و تبلیغ کا فائدہ انھی لوگوں کو ہو سکتا ہے، گویا تو انھی کو ڈراتا ہے، ان کو نہیں جن کو انذار سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ۝﴾ (النّٰزعٰت 45:79) ''آپ تو صرف اس (قیامت) سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔'' اور ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝﴾ (یٰسٓ 11:36) ''بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے۔''

(1) تَطَهُّرٌ اور تَزَكِّي کے معنی ہیں: شرک اور فواحش کی آلودگیوں سے پاک ہونا۔

(2) اندھے سے مراد کافر اور آنکھوں والا سے مومن، اندھیروں سے باطل اور روشنی سے حق مراد ہے۔ باطل کی بے شمار انواع ہیں، اس وجہ سے اس کے لیے جمع کا اور حق چونکہ متعدد نہیں، ایک ہے، اس بنا پر اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

(3) یہ ثواب و عقاب یا جنت و دوزخ کی تمثیل ہے۔

(4) ﴿الْاَحْيَآءُ﴾ سے مومن اور ﴿الْاَمْوَاتُ﴾ سے کافر مراد ہیں یا علماء اور جاہل یا عقل مند اور غیر عقل مند مراد ہیں۔

(5) یعنی جسے اللہ ہدایت سے نوازنے والا ہوتا ہے اور جنت اس کے لیے مقدر ہوتی ہے، اسے حجت و دلیل سننے اور پھر اسے قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔

(6) یعنی جس طرح قبروں میں مردہ اشخاص کو کوئی بات نہیں سنائی جا سکتی، اسی طرح جن کے دلوں کو کفر نے موت سے ہمکنار کر دیا ہے، اے پیغمبر تو انھیں حق کی بات نہیں سنا سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مرنے اور قبر میں دفن ہونے کے بعد مردہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿25﴾ ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿26﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿27﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿28﴾ اِنَّ

ع 3 12/15

اُن کے پاس بھی اُن کے پیغمبر معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے ﴿25﴾ [1] پھر میں نے اُن کافروں کو پکڑ لیا سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ ﴿26﴾ [2] کیا آپ نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے [3] اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ اُن کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ ﴿27﴾ [4] اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ اُن کی رنگتیں مختلف ہیں، [5] اللہ سے اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں [6] واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے ﴿28﴾ [7] جو لوگ

سکتا، اسی طرح کافر و مشرک جن کی قسمت میں بدبختی لکھی ہے، دعوت و تبلیغ سے انھیں فائدہ نہیں ہوتا۔

⑦ یعنی آپ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ ہدایت اور ضلالت یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

① تاکہ کوئی قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو ایمان و کفر کا پتہ ہی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ بنابریں اللہ نے ہر امت میں نبی بھیجا، جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا: ﴿وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ﴾ (الرعد 7:13) ''ہر قوم کے لیے ہادی آیا۔'' ﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا﴾ (النحل 36:16) ''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔''

② یعنی کیسے سخت عذاب کے ساتھ میں نے ان کی گرفت کی اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

③ یعنی جس طرح مومن اور کافر، صالح اور فاسد دونوں قسم کے لوگ ہیں، اسی طرح دیگر مخلوقات میں بھی تفاوت اور اختلاف ہے، مثلاً: پھلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں اور ذائقے، لذت اور خوشبو میں بھی ایک دوسرے سے مختلف حتّٰی کہ ایک ایک پھل کے بھی کئی کئی رنگ اور ذائقے ہیں، جیسے کھجور ہے، انگور ہے، سیب ہے اور دیگر بعض پھل ہیں۔

④ اسی طرح پہاڑ اور اس کے حصے یا راستے اور خطوط مختلف رنگوں کے ہیں، سفید، سرخ اور بہت گہرے سیاہ، ﴿جُدَدٌ﴾ جُدَّة کی جمع ہے، راستہ یا لکیر ﴿غَرَابِيۡبُ﴾ غِرۡبِيب کی جمع اور ﴿سُوۡدٌ﴾ أَسۡوَدُ (سیاہ) کی جمع ہے۔ جب سیاہ رنگ کے گہرے پن کو ظاہر کرنا ہو تو اسود کے ساتھ غربیب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسود غربیب، جس کے معنی ہوتے ہیں: بہت گہرا سیاہ۔ (فتح القدير)

⑤ یعنی انسان اور جانور بھی سفید، سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔

⑥ یعنی اللہ کی ان قدرتوں اور اس کے کمال صناعی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، اس علم سے مراد کتاب و سنت اور أَسۡرَارِ إِلٰهِيّه کا علم ہے اور جتنی انھیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اتنا ہی وہ رب سے ڈرتے ہیں، گویا جن کے اندر خشیت الٰہی نہیں ہے، سمجھ لو کہ وہ علم صحیح سے بھی محروم ہیں۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کی تین قسمیں ہیں۔ ایک: عالم باللہ اور عالم بامر اللہ، یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا اور اس کے حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا: صرف عالم باللہ، یہ اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اس کے حدود و فرائض

الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿29﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿30﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿31﴾

کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں[1] اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں[2] اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اُس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں،[3] وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی ﴿29﴾[4] تاکہ اُن کو اُن کی اُجرتیں پوری دے اور اُن کو اپنے فضل سے اور زیادہ دے،[5] بے شک وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے ﴿30﴾[6] اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے طور پر بھیجی ہے یہ بالکل ٹھیک[7] ہے جو کہ اپنے سے پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔[8] اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿31﴾[9]

سے بے علم ہوتا ہے۔ تیسرا: صرف عالم بامر اللہ، یہ حدود وفرائض سے باخبر ہوتا ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(7) یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور توبہ کرنے والے کے گناہ معاف فرما دے۔

(1) کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ ''تلاوت کرتے ہیں'' یعنی پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

(2) اقامت صلاۃ کا مطلب ہوتا ہے، نماز کی اس طرح ادائیگی جو مطلوب ہے، یعنی وقت کی پابندی، اعتدال ارکان اور خشوع وخضوع کے اہتمام کے ساتھ پڑھنا۔

(3) یعنی رات دن، علانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے حسب ضرورت خرچ کرتے ہیں، بعض کے نزدیک پوشیدہ سے نفلی صدقہ اور علانیہ سے صدقہ واجبہ (زکاۃ) مراد ہے۔

(4) یعنی ایسے لوگوں کا اجر اللہ کے ہاں یقینی ہے جس میں مندے اور کمی کا امکان نہیں۔

(5) ﴿لِيُوَفِّيَهُمْ﴾ متعلق ہے۔ ﴿لَّنْ تَبُوْرَ﴾ کے، یعنی یہ تجارت مندے سے اس لیے محفوظ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ پر پورا اجر عطا فرمائے گا۔ یا پھر فعل محذوف کے متعلق ہے کہ وہ یہ نیک اعمال اس لیے کرتے ہیں یا اللہ نے انھیں ان کی طرف ہدایت کی تاکہ وہ انھیں اجر دے۔

(6) یہ تَوْفِيَة اور زیادت کی علت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے بشرطیکہ خلوص دل سے وہ توبہ کریں، ان کے جذبۂ اطاعت وعمل صالح کا قدر دان ہے، اسی لیے وہ صرف اجر ہی نہیں دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم سے مزید بھی دے گا۔

(7) یعنی جس پر تیرے لیے اور تیری امت کے لیے عمل کرنا ضروری ہے۔

(8) تورات اور انجیل وغیرہ کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم اس اللہ کا نازل کردہ ہے جس نے پچھلی کتابیں نازل کی تھیں، جب ہی تو دونوں ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کرتے ہیں۔

(9) یہ اس کے علم وخبر ہی کا نتیجہ ہے کہ اس نے نئی کتاب نازل فرما دی کیونکہ وہ جانتا ہے، پچھلی کتابیں تحریف وتغیر کا شکار ہوگئی ہیں اور اب وہ ہدایت کے قابل نہیں رہی ہیں۔

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ﴿32﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ﴿33﴾ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُۨ ﴿34﴾ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا

پھر ہم نے اُن لوگوں کو (اس) کتاب [1] کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں [2] اور بعضے اُن میں متوسط درجے کے ہیں [3] اور بعضے اُن میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔ [4] یہ بڑا فضل ہے ﴿32﴾ [5] وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے سونے [6] کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم کی ہوگی ﴿33﴾ [7] اور کہیں گے کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دُور کیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا، بڑا قدردان ہے ﴿34﴾ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف پہنچے

[1] کتاب سے قرآن اور چنے ہوئے بندوں سے مراد امت محمدیہ ہے، یعنی اس قرآن کا وارث ہم نے امت محمدیہ کو بنایا ہے جسے ہم نے دوسری امتوں کے مقابلے میں چن لیا اور اسے شرف و فضل سے نوازا۔ یہ تقریبًا وہی مفہوم ہے جو آیت: ﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ (البقرة 2:143) "ہم نے اسی طرح تمھیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ" کا ہے۔

[2] امت محمدیہ کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔ یہ پہلی قسم ہے جس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بعض فرائض میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انھیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس لیے کہا کہ وہ اپنی کچھ کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے کو اس اعلیٰ درجے سے محروم کر لیں گے جو باقی دو قسموں کو حاصل ہوں گے۔

[3] یہ دوسری قسم ہے، یعنی ملے جلے عمل کرتے ہیں یا بعض کے نزدیک وہ ہیں جو فرائض کے پابند، محرمات کے تارک تو ہیں لیکن کبھی مستحبات کا ترک اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی ان سے ہو جاتا ہے یا وہ ہیں جو نیک تو ہیں لیکن پیش پیش نہیں ہیں۔

[4] یہ وہ ہیں جو دین کے معاملے میں پچھلے دونوں سے سبقت کرنے والے ہیں۔

[5] یعنی کتاب کا وارث کرنا اور شرف و فضل میں ممتاز (مصطفیٰ) کرنا۔

[6] بعض کہتے ہیں کہ جنت میں صرف سابقون جائیں گے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا سیاق اس امر کا متقاضی ہے کہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سابقین بغیر حساب کتاب کے اور ﴿مُّقۡتَصِدٌ﴾ آسان حساب کے بعد اور ظالمین شفاعت سے یا سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: "یہ امت مرحومہ ہے، ظالم، یعنی گناہ گار کی مغفرت ہو جائے گی، مُقْتَصِد، اللہ کے ہاں جنت میں ہوگا اور سَابِقٌ بِالْخَیْرَات درجات عالیہ پر فائز ہوگا۔ (ابن کثیر) گناہ گار کی مغفرت کا مطلب، بالآخر معافی ہے، چاہے سزا بھگت کر یا اس کے بغیر ہی اللہ کے فضل و کرم سے۔

[7] حدیث میں آتا ہے کہ "ریشم اور دیباج دنیا میں مت پہنو، اس لیے کہ جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔"
(صحيح البخاري، حديث: 5832، وصحيح مسلم، حديث: 2073)

يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿35﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿36﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا ۚ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۗ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ﴿37﴾ إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿38﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ

ع 11 / 16

گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہنچے گی﴿35﴾ اور جو لوگ کافر ہیں اُن کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو اُن کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں﴿36﴾ اور وہ لوگ اُس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اُن کاموں کے جو کیا کرتے تھے،[1] (اللہ کہے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا[2] وہ سمجھ سکتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا،[3] سو مزہ چکھو کہ (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں﴿37﴾ بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،[4] بے شک وہی دل کی باتوں کا جاننے والا ہے﴿38﴾[5] وہی ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں آباد کیا، سو جو شخص کفر کرے گا اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑے گا اور کافروں کے لیے

---

① یعنی غیروں کی بجائے تیری عبادت اور معصیت کی بجائے اطاعت کریں گے۔

② اس سے مراد کتنی عمر ہے۔ مفسرین نے مختلف عمریں بیان کی ہیں۔ بعض نے بعض احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ 60 سال کی عمر مراد ہے۔ (ابن کثیر) لیکن ہمارے خیال میں عمر کی تعیین صحیح نہیں، اس لیے کہ عمریں مختلف ہوتی ہیں، کوئی جوانی میں، کوئی کہولت میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے، پھر یہ ادوار بھی لمحۂ گزراں کی طرح مختصر نہیں ہوتے بلکہ ہر دور خاصا ممتد (لمبا) ہوتا ہے، مثلاً: جوانی کا دور، بلوغت سے کہولت تک اور کہولت (ادھیڑ عمر) کا دور شیخوخت (بڑھاپے) تک اور بڑھاپے کا دور موت تک رہتا ہے۔ کسی کو سوچ بچار، نصیحت خیزی اور اثر پذیری کے لیے چند سال، کسی کو اس سے زیادہ اور کسی کو اس سے بھی زیادہ سال ملتے ہیں اور سب سے یہ سوال کرنا صحیح ہوگا کہ ہم نے تجھے اتنی عمر دی تھی کہ اگر تو حق کو سمجھنا چاہتا تو سمجھ سکتا تھا، پھر تو نے حق کو سمجھنے اور اسے اختیار کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

③ اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یاد دہانی اور نصیحت کے لیے پیغمبر اور اس کے منبر و محراب کے وارث علماء اور دعاۃ تیرے پاس آئے لیکن تو نے اپنی عقل و فہم سے کام لیا نہ داعیانِ حق کی باتوں کی طرف دھیان کیا۔

④ یہاں یہ بیان کرنے سے یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ تم دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو کر رہے ہو اور دعویٰ کر رہے ہو کہ اب نافرمانی کی جگہ اطاعت اور شرک کی جگہ توحید اختیار کرو گے لیکن ہمیں علم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمھیں اگر دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو تم وہی کچھ کرو گے جو پہلے کرتے رہے ہو، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾ (الأنعام 6:28) ”اگر انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کام کریں گے جن سے انھیں منع کیا گیا تھا۔“

⑤ یہ پچھلی بات کی تعلیل (سبب بیان کرنا) ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم کیوں نہ ہو جبکہ وہ سینوں کی

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿39﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿40﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے نزدیک ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لیے اُن کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے ﴿39﴾ [1] آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے شریکوں کا حال تو بتلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ (مجھ کو) یہ بتلاؤ کہ انھوں نے زمین میں سے کون سا (جز) بنایا ہے یا اُن کا آسمانوں میں کچھ حصہ ہے یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی دلیل پر قائم ہوں [2] بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے نرے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آتے ہیں ﴿40﴾ [3] یقینی بات ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل (نہ) جائیں [4] اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی اُن کو تھام بھی نہیں سکتا۔ [5] وہ

باتوں اور رازوں سے بھی واقف ہے جو سب سے زیادہ مخفی ہوتے ہیں۔

① یعنی اللہ کے ہاں کفر کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ کے غضب اور ناراضی میں بھی اضافہ ہوگا اور انسان کے اپنے نفس کا خسارہ بھی زیادہ۔

② یعنی ہم نے ان پر کوئی کتاب نازل کی ہو جس میں یہ درج ہو کہ میرے بھی کوئی شریک ہیں جو آسمان و زمین کی تخلیق میں حصے دار اور شریک ہیں۔

③ یعنی ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے بلکہ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو گمراہ کرتے آئے ہیں۔ ان کے لیڈر اور پیر کہتے تھے کہ یہ معبود انھیں نفع پہنچائیں گے، انھیں اللہ کے قریب کر دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے۔ یا یہ باتیں شیاطین مشرکین سے کہتے تھے۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جس کا اظہار وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے کہ وہ مسلمانوں پر غالب آئیں گے جس سے ان کو اپنے کفر پر جمے رہنے کا حوصلہ ملتا تھا۔

④ كَرَاهَةَ أَنْ تَزُولَا یا لِئَلَّا تَزُولَا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت وصنعت کا بیان ہے۔ بعض نے کہا: مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک کا اقتضا ہے کہ آسمان و زمین اپنی حالت پر برقرار نہ رہیں بلکہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں، جیسے آیت: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝﴾ (مریم 19:90,91) ”قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھیں۔“ کا مفہوم ہے۔

⑤ یعنی یہ اللہ کے کمال قدرت کے ساتھ اس کی کمال مہربانی بھی ہے کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے ہے اور انھیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ہے ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیونکہ اگر وہ انھیں تھامے نہ رکھے اور انھیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو ان کو تھام لے ﴿اِنْ اَمْسَكَهُمَا﴾ میں اِنْ نافیہ ہے۔ اللہ نے اپنے اس احسان اور نشانی کا تذکرہ دوسرے مقامات پر بھی فرمایا ہے، مثلاً: ﴿وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (الحج 22:65) ”اسی نے

حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿41﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ ﴿42﴾ اسۡتِكۡبَارًا فِى الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا ﴿43﴾ اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ

حلیم، غفور ہے ﴿41﴾ [1] اور اُن کفار نے بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں، [2] پھر جب اُن کے پاس ایک ڈرانے والا پہنچا [3] تو بس اُن کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا ﴿42﴾ دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، [4] اور اُن کی بُری تدبیروں کی وجہ سے، [5] اور بُری تدبیروں کا وبال اُن تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے، [6] سو کیا یہ اُسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ [7] سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے، [8] اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے ﴿43﴾ [9] اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے

آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے مگر جب اس کا حکم ہوگا۔'' اور ﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ﴾ (الروم 25:30)
''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان وزمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

[1] اتنی قدرتوں کے باوجود وہ حلیم ہے۔ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ وہ کفر وشرک اور نافرمانی کر رہے ہیں، پھر بھی وہ ان کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور غفور بھی ہے، کوئی تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے، توبہ واستغفار وندامت کا اظہار کرتا ہے تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

[2] اس میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ بعثت محمدی سے قبل یہ مشرکین عرب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری طرف کوئی رسول آیا تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر ایمان لانے میں ایک مثالی کردار ادا کریں گے۔ یہ مضمون دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۃ الأنعام 157,156:6، و سورۃ الصّٰفّٰت 170-167:37)

[3] یعنی حضرت محمد ﷺ ان کے پاس نبی بن کر آ گئے جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے۔

[4] یعنی آپ کی نبوت پر ایمان لانے کی بجائے انکار ومخالفت کا راستہ محض استکبار اور سرکشی کی وجہ سے اختیار کیا۔

[5] اور بری تدبیر، یعنی حیلہ، دھوکا اور عمل قبیح کی وجہ سے کیا۔

[6] یعنی لوگ مکر وحیلہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ بری تدبیر کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اس کا وبال بالآخر مکر وحیلہ کرنے والوں ہی پر پڑتا ہے۔

[7] یعنی کیا یہ اپنے کفر وشرک، رسول کی مخالفت اور مومنوں کو ایذائیں پہنچانے پر مصر رہ کر اس بات کے منتظر ہیں کہ انھیں بھی اس طرح ہلاک کیا جائے جس طرح پچھلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔

[8] بلکہ یہ اسی طرح جاری ہے اور ہر مکذب (جھٹلانے والے) کا مقدر ہلاکت ہے یا بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے عذاب کو رحمت سے بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿44﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿45﴾

ع 5 / 8 / 17

اٰيَاتُهَا 83 (36) سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ (41) رُكُوْعَاتُهَا 5

سورۂ یٰسٓ * مکی ہے، اس میں 83 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰسٓ ﴿1﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿2﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿3﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿4﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿5﴾

پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا انجام کیا ہوا؟ حالانکہ وہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اُس کو ہرا دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿44﴾ اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا،[1] لیکن اللہ اُن کو ایک میعادِ معین تک مہلت دے رہا ہے،[2] سو جب اُن کی وہ میعاد آ پہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا ﴿45﴾[3]

یٰسٓ ﴿1﴾[4] قسم ہے قرآن باحکمت کی ﴿2﴾[5] کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں ﴿3﴾[6] سیدھے راستے پر ہیں ﴿4﴾[7] یہ قرآن اللہ زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ﴿5﴾[8]

[9] یعنی کوئی اللہ کے عذاب کو دور کرنے والا یا اس کا رخ پھیرنے والا نہیں ہے، یعنی جس قوم کو اللہ عذاب سے دوچار کرنا چاہے، کوئی اس کا رخ کسی اور قوم کی طرف پھیر دے، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے۔ مطلب اس سنت اللہ کی وضاحت سے مشرکین عرب کو ڈرانا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، وہ کفر و شرک چھوڑ کر ایمان لے آئیں ورنہ وہ اس سنت الٰہی سے بچ نہیں سکتے، دیر سویر اس کی زد میں آ کر رہیں گے، کوئی اس قانون الٰہی کو بدلنے پر قادر ہے اور نہ عذاب الٰہی کو پھیرنے پر۔

[1] انسانوں کو تو ان کے گناہوں کی پاداش میں اور جانوروں کو انسانوں کی نحوست کی وجہ سے۔ یا مطلب ہے کہ تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیتا، انسانوں کو بھی اور جن جانوروں اور روزیوں کے وہ مالک ہیں، ان کو بھی۔ یا مطلب ہے کہ آسمان سے بارشوں کا سلسلہ منقطع فرما دیتا، جس سے زمین پر چلنے والے سب دَآبَّہ (انسان اور حیوان) مر جاتے۔

[2] یہ میعادِ معین دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور یوم قیامت تو ہے ہی۔

[3] یعنی اس دن ان کا محاسبہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و اطاعت کو اجر و ثواب اور اہل کفر و معصیت کو عتاب و عقاب۔ اس میں مومنوں کے لیے تسلی ہے اور کافروں کے لیے وعید۔

* سورۂ یٰسٓ کے فضائل میں بہت سی روایات مشہور ہیں، مثلاً: یہ کہ یہ قرآن کا دل ہے، اسے قریب المرگ شخص پر پڑھو، وغیرہ۔ لیکن سند کے لحاظ سے کوئی روایت بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ بعض بالکل موضوع ہیں یا پھر ضعیف ہیں۔ قلب قرآن والی روایت کو شیخ البانی نے موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفة: 312/1، حدیث: 169)

[4] بعض نے اس کے معنی یا رجل یا انسان کے کیے ہیں۔ بعض نے اسے نبی ﷺ کے نام اور بعض نے اسے اللہ کے اسمائے حسنٰی میں سے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے تھے، سو (اسی وجہ سے) یہ غافل ہیں ⑥ [1] ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ⑦ [2] ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں پھر وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، جس سے ان کے سر اوپر کو اُلٹ گئے ہیں ⑧ [3] اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی، [4] جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا، [5] سو وہ نہیں دیکھ سکتے ⑨ اور آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں دونوں برابر ہیں،

بتلایا ہے لیکن یہ سب اقوال بلا دلیل ہیں۔ یہ بھی ان حروف مُقَطَّعَات میں سے ہی ہے۔ جن کا معنی و مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

[5] یا قرآن محکم کی جو نظم و معنی کے لحاظ سے محکم، یعنی پختہ ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

[6] مشرکین نبی ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے، اس لیے آپ کی رسالت کا انکار کرتے اور کہتے تھے: ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ (الرعد 43:13) ''تو تو پیغمبر ہی نہیں ہے۔'' اللہ نے ان کے جواب میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر کہا کہ آپ یقیناً اس کے پیغمبروں میں سے ہیں۔ اس میں آپ کے شرف و فضل کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی رسالت کی قسم نہیں کھائی، یہ بھی آپ کے امتیازات اور خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے اثبات کے لیے قسم کھائی۔ ﷺ

[7] یہ ﴿اِنَّكَ﴾ کی دوسری خبر ہے، یعنی آپ ان پیغمبروں کے راستے پر ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ یا ایسے راستے پر ہیں جو سیدھا اور مطلوب منزل (جنت) تک پہنچانے والا ہے۔

[8] یعنی اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو عزیز ہے، یعنی اس کا انکار اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والے سے انتقام لینے پر قادر ہے ﴿الرَّحِيْمِ﴾ ہے، یعنی جو اس پر ایمان لائے گا اور اس کا بندہ بن کر رہے گا، اس کے لیے نہایت مہربان ہے۔

[1] یعنی آپ کو رسول اس لیے بنایا ہے اور یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن میں آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، اس لیے ایک مدت سے یہ لوگ دین حق سے بے خبر ہیں۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی جگہ گزر چکا ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد، نبی ﷺ سے پہلے، براہ راست کوئی نبی نہیں آیا۔ یہاں بھی اسی چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

[2] جیسے ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ۔ بات ثابت ہونے کا مطلب، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔'' (السجدة 13:32) شیطان سے بھی خطاب کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا تھا: ''میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔'' (صٓ 84:38)، یعنی ان لوگوں نے شیطان کے پیچھے لگ کر اپنے آپ کو جہنم کا مستحق قرار دے لیا کیونکہ اللہ نے تو ان کو اختیار و حریت ارادہ سے نوازا تھا لیکن انھوں نے اس کا استعمال غلط کیا اور یوں جہنم کا ایندھن بن گئے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے جبراً ان کو ایمان سے محروم رکھا کیونکہ جبر کی صورت میں تو وہ عذاب کے مستحق ہی قرار نہ پاتے۔

[3] جس کی وجہ سے وہ اِدھر اُدھر دیکھ سکتے ہیں نہ سر جھکا سکتے ہیں بلکہ وہ سر اوپر اٹھائے اور نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عدم قبول حق کی اور عدم انفاق کی تمثیل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی سزائے جہنم کی کیفیت کا بیان ہو۔ (أيسر التفاسير)

لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫ ع

یہ ایمان نہیں لائیں گے ⑩ ①بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں ② جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور باوقار اجر کی خوش خبریاں سنا دیجیے ⑪ بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے، ③ اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں ④ اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے ⑫ ⑤

④ یعنی دنیا کی زندگی ان کے لیے مزین کر دی گئی، یہ گویا ان کے سامنے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے اور یہی چیز ان کے ایمان کے درمیان مانع اور حجاب ہے اور آخرت کا تصور ان کے ذہنوں میں ناممکن الوقوع کر دیا گیا، یہ گویا ان کے پیچھے کی آڑ ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ آخرت کا کوئی خوف ہی ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

⑤ یا ان کی آنکھوں کو ڈھانک دیا، یعنی رسول سے عداوت اور اس کی دعوت حق سے نفرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی یا انھیں اندھا کر دیا ہے جس سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ ان کے حال کی دوسری تمثیل ہے۔

① یعنی جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہی کے اس مقام پر پہنچ جائیں، ان کے لیے انذار (اللہ کے عذاب سے ڈرانا) بے فائدہ رہتا ہے۔

② یعنی انذار سے صرف اس کو فائدہ پہنچتا ہے جو...... الخ

③ یعنی قیامت والے دن۔ یہاں اِحیائے ﴿الْمَوْتٰى﴾ کے ذکر سے یہ اشارہ کرنا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں میں سے جس کا دل چاہتا ہے، زندہ کر دیتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہوتے ہیں، پس وہ ہدایت اور ایمان کو اپنا لیتے ہیں۔

④ ﴿مَا قَدَّمُوْا﴾ سے وہ اعمال مراد ہیں جو انسان خود اپنی زندگی میں کرتا ہے اور ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ سے وہ اعمال جن کے عملی نمونے (اچھے یا برے) وہ دنیا میں چھوڑ جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی اقتدا میں لوگ وہ اعمال بجا لاتے ہیں۔ جس طرح حدیث میں ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر بھی ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا۔ بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی ہو اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا، اس پر اس کے اپنے گناہ کا بھی بوجھ ہوگا اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کے بوجھ میں کمی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1017) اسی طرح یہ حدیث ہے: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ① علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں ② نیک اولاد جو مرنے والے کے لیے دعا کرے ③ یا صدقہ جاریہ جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ فیض یاب ہوں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1631) ﴿اٰثَارَهُمْ﴾ کا دوسرا مطلب نشانات قدم ہے، یعنی انسان نیکی یا بدی کے لیے جو سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے یہ نشانات بھی لکھے جاتے ہیں، جیسے عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنوسلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا، جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے انھیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا: «دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ» (دو مرتبہ فرمایا) ''تمھارے گھر اگرچہ دور ہیں لیکن وہیں رہو، جتنے قدم تم چل کر آتے ہو، وہ لکھے جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 665) امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں مفہوم اپنی جگہ صحیح ہیں، ان کے درمیان منافات نہیں ہے بلکہ اس دوسرے مفہوم میں سخت تنبیہ ہے، اس لیے کہ جب قدموں کے نشانات تک لکھے جاتے ہیں تو

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى

اور ان کے لیے بستی والوں کو بطور مثال بیان کیجیے جب کہ اُس بستی میں (کئی) رسول آئے ﴿۱۳﴾ جب ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا سو اُن لوگوں نے (اول) دونوں کو جھٹلایا، پھر ہم نے تیسرے سے تائید کی، سو اُن تینوں نے کہا کہ ہم تمھارے پاس بھیجے گئے ہیں ﴿۱۴﴾ اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ تم نرا جھوٹ بولتے ہو ﴿۱۵﴾ ان (رسولوں) نے کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بے شک ہم تمھارے پاس بھیجے گئے ہیں ﴿۱۶﴾ اور ہمارے ذمے تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ﴿۱۷﴾ اُنھوں نے کہا کہ ہم تو تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم پتھروں سے تمھارا کام تمام کر دیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی ﴿۱۸﴾ ان رسولوں نے کہا کہ تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے، کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تم کو نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو ﴿۱۹﴾ اور ایک شخص (اُس) شہر کے آخری حصے سے دوڑتا

انسان جو اچھا یا برا نمونہ چھوڑ جائے جس کی لوگ بعد میں پیروی کریں تو وہ بطریق اولیٰ لکھا جائے گا۔

• اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں۔

• تا کہ اہل مکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے بھی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی طرح اپنی قوم کو توحید کا درس دیا، قیامت سے ڈرایا اور اہل ایمان کو جنت اور اس کی نعمتوں کی خوش خبری دی۔ یا اس کا مطلب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ آپ کوئی پہلے نبی نہیں ہیں، آپ سے پہلے بھی کئی رسول آئے بلکہ بعض جگہ ایک ہی وقت میں کئی کئی رسول آئے (جیسے انطاکیہ میں تین رسول آئے) لیکن ان کی قوم ان پر ایمان نہیں لائی بلکہ انھیں ایذا پہنچائی جس پر انھوں نے صبر کیا، اس لیے آپ کی قوم بھی آپ کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کر رہی ہے تو یہ تاریخ کا ایک تسلسل ہے جسے ہر رسول کے ساتھ دہرایا گیا ہے، اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

• یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بیان کیے ہیں لیکن یہ نام مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے جو انھوں نے اللہ کے حکم سے ایک بستی میں تبلیغ و دعوت کے لیے بھیجے تھے۔ بستی کا نام انطاکیہ تھا۔

• یعنی ان کا بھی خیال تھا کہ رسول اور نبی انسانوں میں سے نہیں، کسی اور مخلوق سے ہونے چاہئیں۔ انسانوں میں سے ہی کسی ایک

قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿20﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿21﴾

ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! ان رسولوں کی راہ پر چلو﴿20﴾ [1] ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ راہ راست پر ہیں﴿21﴾

انسان کا نبی بن جانا کوئی بات نہیں، نہ اس وجہ سے اسے دوسروں پر کوئی فضیلت یا امتیاز حاصل ہو سکتا ہے۔

④ یعنی وہ تو تمھارے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہے جو تمھارے ساتھ ہی ہے نہ کہ ہمارے ساتھ۔

① یہ شخص مسلمان تھا، جب اسے پتہ چلا کہ قوم پیغمبروں کی دعوت کو نہیں اپنا رہی ہے تو اس نے آ کر رسولوں کی حمایت اور ان کے اتباع کی ترغیب دی۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿22﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿23﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿24﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿25﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿27﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿28﴾

اور مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں اُس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿22﴾[1] کیا میں اُسے چھوڑ کر ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اُن کی سفارش مجھے کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں ﴿23﴾[2] پھر تو میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں ﴿24﴾[3] میری سنو! میں تو (سچے دل سے) تم سب کے رب پر ایمان لا چکا ﴿25﴾[4] (اُس سے) کہا گیا کہ جنت میں چلا جا، کہنے لگا: کاش! میری قوم کو بھی علم ہو جاتا ﴿26﴾ کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں سے کر دیا ﴿27﴾[5] اس کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا،[6] اور نہ اس طرح ہم اتارا کرتے ہیں ﴿28﴾[7]

① اپنے مسلک توحید کی وضاحت کی، جس سے مقصد اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان کی صحیح رہنمائی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قوم نے اس سے کہا ہو کہ کیا تو بھی اس معبود کی عبادت کرتا ہے جس کی طرف یہ مرسلین ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے معبودوں کو تو بھی چھوڑ بیٹھا ہے۔ جس کے جواب میں اس نے یہ کہا۔ مفسرین نے اس شخص کا نام حبیب نجار بتلایا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

② یہ ان معبودان باطلہ کی بے بسی کی وضاحت ہے جن کی عبادت اس کی قوم کرتی تھی اور شرک کی اس گمراہی سے نکالنے کے لیے رسول ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ ''نہ بچا سکیں'' کا مطلب ہے کہ اللہ اگر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو یہ بچا نہیں سکتے۔

③ یعنی اگر میں بھی تمھاری طرح اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے اختیار اور بے بس معبودوں کی عبادت شروع کر دوں تو میں بھی کھلی گمراہی میں جا گروں گا۔ یا ضلال، یہاں خسران کے معنی میں ہے، یعنی یہ تو نہایت واضح خسارے کا سودا ہے۔

④ اس کی دعوت توحید اور اقرار توحید کے جواب میں قوم نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے پیغمبروں سے خطاب کر کے یہ کہا، مقصد اپنے ایمان پر ان پیغمبروں کو گواہ بنانا تھا۔ یا اپنی قوم سے خطاب کر کے کہا جس سے مقصود دین حق پر اپنی صلابت اور استقامت کا اظہار تھا کہ تم جو چاہو کر لو لیکن اچھی طرح سن لو کہ میرا ایمان اسی رب پر ہے، جو تمھارا بھی رب ہے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے اس کو مار ڈالا اور کسی نے ان کو اس سے نہیں روکا۔

⑤ یعنی جس ایمان اور توحید کی وجہ سے مجھے رب نے بخش دیا، کاش! میری قوم اس بات کو جان لے تاکہ وہ بھی ایمان و توحید کو اپنا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق ہو جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی ہی کرے، بدخواہی نہ کرے۔ ان کی صحیح رہنمائی کرے، گمراہ نہ کرے، بے شک لوگ اسے جو چاہے کہیں اور جس قسم کا سلوک چاہے کریں حتیٰ کہ اسے مار ڈالیں۔

⑥ یعنی حبیب نجار کے قتل کے بعد ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا۔ یہ اس قوم کی تحقیر شان کی طرف اشارہ ہے۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿29﴾ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿30﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿31﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿32﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿33﴾ وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ ﴿34﴾ لِیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ ۭ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ﴿35﴾ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا

وہ تو صرف ایک زور کی چیخ تھی کہ یکا یک وہ سب کے سب بُجھ بُجھا گئے ﴿29﴾[1] (ایسے) بندوں پر افسوس![2] کبھی بھی کوئی رسول اُن کے پاس نہیں آیا جس کی ہنسی اُنھوں نے نہ اڑائی ہو ﴿30﴾ کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہم نے غارت کر دیا کہ وہ اُن[3] کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے ﴿31﴾ اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے ﴿32﴾[4] اور اُن کے لیے ایک نشانی[5] (خشک) زمین ہے جس کو ہم نے زندہ کر دیا اور اُس سے غلہ نکالا جس میں سے وہ کھاتے ہیں ﴿33﴾ اور ہم نے اُس میں کھجوروں کے اور انگور کے باغات پیدا کر دیے،[6] اور جن میں ہم نے چشمے بھی جاری کر دیے ہیں ﴿34﴾ تاکہ (لوگ) اُس کے پھل کھائیں،[7] اور اُس کو اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنایا،[8] پھر کیوں شکر گزاری نہیں کرتے ﴿35﴾ وہ پاک ذات ہے جس نے ہر چیز کے جوڑے

⑦ یعنی جس قوم کی ہلاکت کسی دوسرے طریقے سے لکھی جاتی ہے تو وہاں ہم فرشتے نازل بھی نہیں کرتے۔

① کہتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے جسموں سے روحیں نکل گئیں اور وہ بجھی آگ کی طرح ہو گئے۔ گویا زندگی شعلۂ فروزاں ہے اور موت اس کا بجھ کر راکھ کا ڈھیر ہو جانا۔

② حسرت و ندامت کا یہ اظہار خود اپنے نفسوں پر، قیامت والے دن، عذاب دیکھنے کے بعد کریں گے کہ کاش! انھوں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی نہ کی ہوتی یا حسرت بمعنی ویل و ہلاکت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے بندوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا انھوں نے اس کے ساتھ استہزا ہی کیا۔

③ اس میں اہل مکہ کے لیے تنبیہ ہے کہ تکذیب رسالت کی وجہ سے جس طرح پچھلی قومیں تباہ ہوئیں یہ بھی تباہ ہو سکتے ہیں۔

④ اس میں إِنْ نافیہ ہے اور ﴿لَمَّا﴾ إِلَّا کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ گزشتہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی، سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جہاں ان کا حساب کتاب ہوگا۔

⑤ یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت تامہ اور مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر نشانی۔

⑥ یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لیے صرف غلہ ہی نہیں اگاتے بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لیے انواع و اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے، پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿36﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿37﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿38﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ

پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی اُگائی ہوئی چیزیں ہوں، خواہ خود اُن کے نفوس ہوں، خواہ وہ (چیزیں) ہوں جنھیں وہ جانتے بھی نہیں﴿36﴾ [1] اور اُن کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو وہ یکا یک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں﴿37﴾ [2] اور سورج کے لیے جو مقررہ راہ ہے وہ اُسی پر چلتا رہتا ہے۔ [3] یہ ہے اندازہ (ٹھہرایا ہوا) غالب، باعلم (اللہ) کا﴿38﴾ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی

⑦ یعنی بعض جگہ چشمے بھی جاری کرتے ہیں جس کے پانی سے پیدا ہونے والے پھل لوگ کھائیں۔

⑧ امام ابن جریر کے نزدیک یہاں ﴿مَا﴾ نافیہ ہے، یعنی غلوں اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ اس میں ان کی سعی ومحنت، کدوکاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے، پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک ﴿مَا﴾ موصولہ ہے جو اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے، یعنی تاکہ وہ اس کا پھل کھائیں اور وہ جن کو ان کے ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً: انھیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا وغیرہ۔

① یعنی انسانوں کی طرح زمین کی ہر پیداوار میں بھی ہم نے نر اور مادہ دونوں پیدا کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آسمانوں میں اور زمین کی گہرائیوں میں بھی جو چیزیں تم سے غائب ہیں جن کا علم تم نہیں رکھتے، ان میں بھی زوجیت (نر اور مادہ) کا یہ نظام ہم نے رکھا ہے، پس تمام مخلوق جوڑا جوڑا ہے، نباتات میں بھی نر اور مادے کا یہی نظام ہے حتیٰ کہ آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی کے لیے بمنزلہ زوج ہے اور یہ حیات آخرت کے لیے ایک عقلی دلیل بھی ہے۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو مخلوق کی اس صفت سے اور دیگر تمام کوتاہیوں سے پاک ہے۔ وہ وتر (فرد) ہے، زوج نہیں۔

② یعنی اللہ کی قدرت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے جس سے فوراً اندھیرا چھا جاتا ہے۔ ﴿نَسْلَخُ﴾ کے معنی ہوتے ہیں: جانور کی کھال کا اس کے جسم سے علیحدہ کرنا جس سے اس کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ دن کو رات سے الگ کر دیتا ہے۔ ﴿اَظْلَمَ﴾ کے معنی ہیں: اندھیرے میں داخل ہونا، جیسے أَصْبَحَ اور اَمْسٰی اور أَظْهَرَ کے معنی ہیں: صبح، شام اور ظہر کے وقت میں داخل ہونا۔

③ یعنی اپنے اس مدار (فلک) میں چلتا رہتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے، اسی سے اپنی سیر کا آغاز کرتا ہے اور وہیں پر ختم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے ذرا اِدھر اُدھر نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا جائے۔ دوسرے معنی ہیں: ''اپنے ٹھہرنے کی جگہ تک'' اور اس کا یہ مقام قرار عرش کے نیچے ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جو سورۂ حج کی آیت: 18 کے حاشیے میں گزر چکی ہے کہ سورج روزانہ غروب کے بعد عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر وہاں سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4802) دونوں مفہوم کے اعتبار سے ﴿لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ میں لام، علت کے لیے ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ مُسْتَقَرٍّ لَهَا بعض کہتے ہیں کہ لام، الی کے معنی میں ہے، پھر مستقر یوم قیامت ہوگا، یعنی سورج کا یہ چلنا قیامت کے دن تک ہے، قیامت والے دن اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ یہ تینوں مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿39﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ
وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿40﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿41﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ
مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿42﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿43﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿44﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿45﴾ وَمَا
تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا

ہیں، [1] یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پُرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے ﴿39﴾ [2] نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے [3] اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے، [4] اور سب کے سب آسمان میں تیرتے پھرتے ہیں ﴿40﴾ [5] اور اُن کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا ﴿41﴾ [6] اور اُن کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں ﴿42﴾ [7] اور اگر ہم چاہتے تو اُنھیں ڈبو دیتے، پھر نہ تو کوئی اُن کا فریادرس ہوتا نہ وہ بچائے جاتے ﴿43﴾ لیکن ہم اپنی طرف سے رحمت کرتے ہیں اور ایک مدت تک کے لیے اُنھیں فائدے دے رہے ہیں ﴿44﴾ اور اُن سے جب (کبھی) کہا جاتا ہے کہ بچو اس سے جو تمہارے سامنے ہے اور تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿45﴾ اور اُن کے پاس تو اُن کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آتی جس سے وہ بے رُخی نہ برتتے ہوں ﴿46﴾ [8] اور اُن سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے

---

[1] چاند کی 28 منزلیں ہیں، روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے، پھر کبھی ایک رات کبھی دو راتیں غائب رہ کر دوسری یا تیسری رات کو نکل آتا ہے۔

[2] یعنی جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو بالکل باریک اور چھوٹا ہوجاتا ہے، جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی ہو جو سوکھ کر ٹیڑھی ہوجاتی ہے۔ چاند کی انھی گردشوں سے سُکّان اَرْض (زمین پر آباد لوگ) اپنے دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب اور اپنے اوقات عبادات کا تعین کرتے ہیں۔

[3] یعنی سورج کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے جس سے اس کی روشنی ختم ہوجائے بلکہ دونوں کا اپنا اپنا راستہ اور الگ الگ حد ہے۔ سورج دن ہی کو اور چاند رات ہی کو طلوع ہوتا ہے اس کے برعکس کبھی نہیں ہوا جو ایک مدبر کائنات کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

[4] بلکہ یہ بھی ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں۔

[5] ﴿ كُلٌّ ﴾ سے سورج، چاند یا اس کے ساتھ دوسرے کواکب و نجوم مراد ہیں، سب اپنے اپنے مدار میں گھومتے ہیں، ان کا باہمی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

[6] اس میں اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھارے لیے سمندر میں کشتیوں کا چلنا آسان فرما دیا حتیٰ کہ تم اپنے ساتھ بھری ہوئی کشتیوں میں اپنے بچوں کو بھی لے جاتے ہو۔ دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ذُرِّيَّة سے مقصود آبائے ذریت ہیں۔ اور کشتی سے مراد کشتی نوح ہے، یعنی سفینۂ نوح میں ان لوگوں کو بٹھایا جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ گویا نسل انسانی کے آباء اس میں سوار تھے۔

[7] اس سے مراد ایسی سواریاں ہیں جو کشتی کی طرح انسانوں اور سامان تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی چیزیں آگئیں، جیسے ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریلیں، بسیں، کاریں اور دیگر نقل و حمل کی اشیاء۔

[8] یعنی توحید اور صداقت رسول کی جو نشانی بھی ان کے سامنے آتی ہے، اس میں یہ غور ہی نہیں کرتے کہ جس سے ان کو فائدہ ہو، ہر نشانی سے اعراض ان کا شیوہ ہے۔

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿47﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿49﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿50﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿51﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿52﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿53﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿54﴾ اِنَّ اَصْحٰبَ

میں سے کچھ دو،[1] تو وہ کفار ایمان والوں کو جواب دیتے ہیں کہ ہم اُنھیں کیوں کھلائیں؟ جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا پلا دیتا،[2] تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں ﴿47﴾ [3] وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا، سچے ہو تو بتلاؤ ﴿48﴾ انھیں صرف ایک سخت چیخ کا انتظار ہے جو انھیں آ پکڑے گی اور یہ باہم لڑائی جھگڑے ہی میں ہوں گے ﴿49﴾ [4] اُس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے اہل کی طرف لوٹ سکیں گے ﴿50﴾ تو صُور کے پھونکے جاتے ہی سب[5] کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف (تیز تیز) چلنے لگیں گے ﴿51﴾ کہیں گے: ہائے ہائے! ہمیں ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا۔[6] یہی ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے دیا تھا اور رسولوں نے سچ سچ کہہ دیا تھا ﴿52﴾ یہ نہیں ہے مگر ایک تُند آواز کہ یکایک سارے کے سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ﴿53﴾ پس آج کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر صرف اُن ہی کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿54﴾ جنتی لوگ

① یعنی غرباء و مساکین اور ضرورت مندوں کو دو۔

② یعنی اللہ چاہتا تو ان کو غریب ہی نہ کرتا، ہم ان کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں؟

③ یعنی یہ کہہ کر کہ، غرباء کی مدد کرو، کھلی غلطی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ یہ بات تو ان کی صحیح تھی کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت ہی سے تھی لیکن اس کو اللہ کے حکم سے اعراض کا جواز بنا لینا غلط تھا، آخر ان کی امداد کرنے کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہی تھا، اس لیے اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ غرباء و مساکین کی امداد کی جائے، اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے جس کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت و مصلحت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے جن کو بجا لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تا کہ ہمیں اس کی رضا حاصل ہو۔

④ یعنی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت اور حسب عادت بحث و تکرار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک صور پھونک دیا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ یہ نفخۂ اولیٰ ہوگا جسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا۔ نَفْخَةُ الصَّعْق، جس سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ان چند فرشتوں کے علاوہ جن کو اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے گا، سب موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

⑤ پہلے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثانیہ اور دوسرے قول کی بنا پر یہ نفخۂ ثالثہ ہوگا، جسے نَفْخَةُ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ کہتے ہیں، اس سے لوگ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (ابن کثیر)

⑥ قبر کو خواب گاہ سے تعبیر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قبر میں ان کو عذاب نہیں ہوگا بلکہ بعد میں جو ہولناک مناظر اور عذاب کی

الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿55﴾ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿56﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿57﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿58﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿59﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿60﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿62﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿63﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿64﴾

آج کے دن اپنے (دلچسپ) مشغلوں میں ہشاش بشاش ہیں﴿55﴾[1] وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے﴿56﴾ ان کے لیے جنت میں ہر قسم کے میوے ہوں گے اور بھی جو کچھ وہ طلب کریں﴿57﴾ مہربان پروردگار کی طرف سے اُنھیں "سلام" کہا جائے گا﴿58﴾[2] اے گناہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ﴿59﴾[3] اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا،[4] وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے﴿60﴾[5] اور میری ہی عبادت کرنا۔[6] سیدھی راہ یہی ہے﴿61﴾[7] شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری خلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے﴿62﴾[8] یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا﴿63﴾ اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لیے آج اس

شدت دیکھیں گے، اس کے مقابلے میں انھیں قبر کی زندگی ایک خواب ہی محسوس ہوگی۔

① ﴿فٰكِهُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: فَرِحُون خوش اور مسرور۔

② اللہ کا یہ سلام فرشتے اہل جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود سلام سے نوازے گا۔

③ یعنی اہل ایمان سے الگ ہو کر کھڑے ہو، یعنی میدان محشر میں اہل ایمان وطاعت اور اہل کفر ومعصیت الگ الگ کر دیے جائیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ○﴾ (الروم 14:30) ﴿يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ○﴾ (الروم 43:30) أَيْ يَصِيرُونَ صِدْعَيْنِ فِرْقَتَيْنِ "اس دن لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔" دوسرا مطلب ہے کہ مجرمین ہی کو مختلف گروہوں میں الگ الگ کر دیا جائے گا، مثلاً: یہودیوں کا گروہ، عیسائیوں کا گروہ، صَابِئِین اور مجوسیوں کا گروہ وغیرہ وغیرہ۔

④ اس سے مراد عہد اَلَسْتُ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالنے کے وقت لیا گیا تھا یا وہ وصیت ہے جو پیغمبروں کی زبانی لوگوں کو کی جاتی رہی۔ اور بعض کے نزدیک وہ دلائل عقلیہ ہیں جو آسمان وزمین میں اللہ نے قائم کیے ہیں۔ (فتح القدير)

⑤ یہ اس کی علت ہے کہ تمھیں شیطان کی عبادت اور اس کے وسوسے قبول کرنے سے اس لیے روکا گیا تھا کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور اس نے تمھیں ہر طرح گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

⑥ یعنی یہ بھی عہد لیا تھا کہ تمھیں صرف میری ہی عبادت کرنی ہے، میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔

⑦ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیاء لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزل مقصود، یعنی جنت تک پہنچانے والا ہے۔

⑧ یعنی اتنی عقل بھی تمھارے اندر نہیں کہ شیطان تمھارا دشمن ہے، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ اور میں تمھارا رب ہوں، میں ہی تمھیں روزی دیتا ہوں اور میں ہی تمھاری رات دن حفاظت کرتا ہوں، لہٰذا تمھیں میری نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ تم شیطان کی

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿65﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى یُبْصِرُوْنَ ﴿66﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ ﴿67﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿68﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ﴿69﴾ لِّیُنْذِرَ

میں داخل ہو جاؤ﴿64﴾[1] ہم آج کے دن اُن کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہیاں دیں گے، اُن کاموں کی جو وہ کرتے تھے﴿65﴾[2] اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھیں بے نور کر دیتے، پھر یہ رستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن اُنھیں کیسے دکھائی دیتا؟﴿66﴾[3] اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی جگہ ہی پر اُن کی صورتیں مسخ کر دیتے، پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے﴿67﴾[4] اور جسے ہم بوڑھا کرتے ہیں اُسے پیدائشی حالت کی طرف پھر اُلٹا کر دیتے ہیں[5] کیا پھر بھی وہ نہیں سمجھتے؟﴿68﴾[6] نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اُس کے لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے﴿69﴾[7] تاکہ وہ

عداوت کو اور میرے حق عبادت کو نہ سمجھ کر نہایت بے عقلی اور نادانی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

① یعنی اب اس بے عقلی کا نتیجہ بھگتو اور اپنے کفر کے سبب سے جہنم کی سختیوں کا مزہ چکھو۔

② یہ مہر لگانے کی ضرورت اس لیے پیش آئے گی کہ ابتداءً مشرکین قیامت والے دن بھی جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ (الأنعام 23:6) ”اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم مشرک نہیں تھے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ خود تو بولنے کی طاقت سے محروم ہو جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ اعضائے انسانی کو قوت گویائی عطا فرما دے گا، ہاتھ بولیں گے کہ ہم سے اس نے فلاں فلاں کام کیا تھا اور پاؤں اس پر گواہی دیں گے۔ یوں گویا اقرار اور شہادت، دونوں مرحلے طے ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں ناطق کے مقابلے میں غیر ناطق چیزوں کا بول کر گواہی دینا، حجت و استدلال میں زیادہ بلیغ ہے کہ اس میں ایک اعجازی شان پائی جاتی ہے۔ (فتح القدیر) اس مضمون کو احادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، حدیث:2969،2968)

③ یعنی بینائی سے محرومی کے بعد انھیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا لیکن یہ تو ہمارا حلم و کرم ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔

④ یعنی آگے جا سکتے نہ پیچھے لوٹ سکتے بلکہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے۔ مسخ کے معنی پیدائش میں تبدیلی کے ہیں، یعنی انسان سے پتھر یا جانور کی شکل میں تبدیل کر دینا۔

⑤ یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، اس کی پیدائش کو بدل کر برعکس حالت میں کر دیتے ہیں، یعنی جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی نشوونما جاری رہتی ہے اور اس کی عقلی اور بدنی قوتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جوانی اور کہولت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے برعکس اس کے قوائے عقلیہ و بدنیہ میں ضعف و انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔

⑥ کہ جو اللہ اس طرح کر سکتا ہے، کیا وہ دوبارہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟

⑦ مشرکین مکہ نبی ﷺ کی تکذیب کے لیے مختلف قسم کی باتیں کہتے رہتے تھے، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ شاعر ہیں اور یہ

مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿70﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿71﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿72﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا

ہر اُس شخص کو آگاہ کردے جو زندہ ہے،[1] اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے﴿70﴾[2] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں[3] سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے اُن کے لیے چوپائے[4] جانور (بھی) پیدا کر دیے جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں﴿71﴾[5] اور ان مویشیوں کو ہم نے اُن کا تابع فرمان بنا دیا ہے[6] جن میں سے بعض تو اُن کی سواریاں ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں﴿72﴾ انھیں ان سے

قرآن پاک آپ کی شاعرانہ تک بندی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی کہ آپ شاعر ہیں اور نہ قرآن شعری کلام کا مجموعہ ہے بلکہ یہ تو صرف نصیحت اور موعظت ہے۔ شاعری میں بالعموم مبالغہ، افراط و تفریط اور محض تخیلات کی ندرت کاری ہوتی ہے، یوں گویا اس کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شاعر بالعموم محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں، کردار کے نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ اپنے پیغمبر کو شعر نہیں سکھلائے، نہ اشعار کی اس پر وحی کی بلکہ اس کے مزاج و طبیعت کو ایسا بنایا کہ شعر سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کبھی کسی کا شعر پڑھتے تو اکثر صحیح نہ پڑھ پاتے اور اس کا وزن ٹوٹ جاتا۔ جس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ یہ احتیاط اس لیے کی گئی کہ منکرین پر اتمام حجت اور ان کے شبہات کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ قرآن اس کی شاعرانہ تک بندی کا نتیجہ ہے جس طرح آپ کی أُمِّيَّتْ (ان پڑھ ہونے کی صفت) بھی قطع شبہات کے لیے تھی تاکہ لوگ قرآن کی بابت یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ تو اس نے فلاں سے سیکھ پڑھ کر اس کو مرتب کر لیا ہے، البتہ بعض مواقع پر آپ کی زبان مبارک سے ایسے الفاظ کا نکل جانا جو دو مصرعوں کی طرح ہوتے اور شعری اوزان و بحور کے بھی مطابق ہوتے، آپ کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بن سکتے کیونکہ ایسا آپ کے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا اور ان کا شعری قالب میں ڈھل جانا ایک اتفاق تھا، جس طرح حنین والے دن آپ کی زبان پر بے اختیار یہ رجز جاری ہو گیا «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ۔ أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ» ''اس میں کوئی جھوٹ نہیں کہ میں نبی ہوں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

ایک اور موقع پر آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ» (صحيح البخاري، حديث: 2802، وصحيح مسلم، حديث: 1796) ''تو تو ایک انگلی ہی ہے جو خون آلود ہوئی ہے (زخمی ہوئی) اور اللہ کے راستے ہی میں تجھے یہ تکلیف پہنچی ہے۔''

① یعنی جس کا دل صحیح ہے، حق کو قبول کرتا اور باطل سے انکار کرتا ہے۔

② یعنی جو کفر پر مصر ہو، اس پر عذاب والی بات ثابت ہو جائے۔ ﴿لِّيُنْذِرَ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔

③ اس سے مطلب غیروں کی شرکت کی نفی ہے، ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، کسی اور کا ان کے بنانے میں حصہ نہیں ہے۔

④ ﴿اَنْعَامًا﴾ نَعَمٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد چوپائے، یعنی اونٹ، گائے، بکری (اور بھیڑ، دنبہ) ہیں۔

⑤ یعنی جس طرح چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں، اگر ہم ان کے اندر وحشی پن رکھ دیتے (جیسا کہ بعض جانوروں میں ہے) تو یہ چوپائے ان سے دور بھاگتے اور وہ ان کی ملکیت اور قبضے میں ہی نہ آسکتے۔

⑥ یعنی ان جانوروں سے وہ جس طرح کا بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ انکار نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ انھیں ذبح بھی کر دیتے ہیں اور

مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ﴿73﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿74﴾ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿75﴾ فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿76﴾ اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿77﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ﴿78﴾ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ﴿79﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿80﴾

وقف لازم

اور بھی بہت سے فائدے ہیں،[1] اور مشروبات۔ کیا پھر (بھی) یہ شکر ادا نہیں کریں گے؟﴿73﴾ اور وہ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ مدد کیے جائیں﴿74﴾[2] (حالانکہ) اُن میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں، (لیکن) پھر بھی (مشرکین) اُن کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں﴿75﴾[3] پس آپ کو اُن کی بات غمناک نہ کرے۔ ہم اُن کی پوشیدہ اور علانیہ سب باتوں کو (بخوبی) جانتے ہیں﴿76﴾ کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا﴿77﴾ اور اُس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی (اصل) پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟﴿78﴾ آپ جواب دیجیے کہ اُنھیں وہ زندہ کرے گا جس نے اُنھیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے،[4] اور وہ سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے﴿79﴾ وہی جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکایک آگ سُلگاتے ہو﴿80﴾[5]

چھوٹے بچے بھی انھیں کھینچے پھرتے ہیں۔

① یعنی سواری اور کھانے کے علاوہ بھی ان سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں، مثلاً: ان کی اون اور بالوں سے کئی چیزیں بنتی ہیں، ان کی چربی سے تیل حاصل ہوتا ہے اور یہ بار برداری اور کھیتی باڑی کے بھی کام آتے ہیں۔

② یہ ان کے کفرانِ نعمت کا اظہار ہے کہ مذکورہ نعمتیں جن سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں، سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں لیکن یہ بجائے اس کے کہ یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں، یعنی ان کی عبادت و اطاعت کریں، یہ غیروں سے امیدیں وابستہ کرتے اور انھیں معبود بناتے ہیں۔

③ ﴿جُنْدٌ﴾ سے مراد بتوں کے حمایتی اور ان کی طرف سے مدافعت کرنے والے، ﴿مُّحْضَرُوْنَ﴾ دنیا میں ان کے پاس حاضر ہونے والے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جن بتوں کو معبود سمجھتے ہیں، وہ ان کی مدد کیا کریں گے۔ وہ تو خود اپنی مدد کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ انھیں کوئی برا کہے، ان کی مذمت کرے تو یہی ان کی حمایت و مدافعت میں سرگرم ہوتے ہیں نہ کہ خود ان کے وہ معبود۔

④ یعنی جو اللہ تعالیٰ انسان کو ایک حقیر نطفے سے پیدا کرتا ہے، وہ دوبارہ اس کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس کی قدرت احیائے موتی کا ایک واقعہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے جلا کر اس کی آدھی راکھ سمندر میں اور آدھی راکھ تیز ہوا والے دن خشکی میں اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری راکھ جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اور اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف سے، چنانچہ اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 6480)

⑤ کہتے ہیں: عرب میں دو درخت ہیں مرخ اور عفار۔ ان کی دو لکڑیاں آپس میں رگڑی جائیں تو آگ پیدا ہوتی ہے، سبز درخت

اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿81﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿82﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾

ع 5/16

اٰيَاتُهَا 182 (37) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (56) رُكُوْعَاتُهَا 5

سورۂ صافات مکی ہے، اس میں 182 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿1﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿2﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿3﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿4﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان جیسوں[1] کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بے شک قادر ہے اور وہی تو پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے (81) وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اُسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا، وہ اُسی وقت ہو جاتی ہے (82)[2] پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور[3] جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے (83)[4]

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی (1) پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی (2) پھر ذکر (قرآن) کی تلاوت کرنے والوں کی (3) یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے (4)[5] آسمانوں اور زمین

سے آگ پیدا کرنے کے حوالے سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

(1) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمان وزمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے۔'' سورۂ احقاف 33:46 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(2) یعنی اس کی شان تو یہ ہے، پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے۔

(3) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، بادشاہی، جیسے رَحْمَة اور رَحَمُوت، رَهْبَةٌ اور رَهَبُوت، جَبَر اور جَبَرُوت وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدیر) یعنی مَلَكُوتٌ مُلْكٌ کا مبالغہ ہے۔

(4) یعنی یہ نہیں ہوگا کہ مٹی میں رل مل کر تمھارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نہیں بلکہ اُسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہوگا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمھیں بہرحال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا، جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

(5) الصّٰٓفّٰتِ، فَالزّٰجِرٰتِ، فَالتّٰلِيٰتِ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے یا اللہ کے حکم کے انتظار میں صف بستہ، وعظ ونصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو، جہاں اللہ کا حکم ہو، وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾

اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے⑤ [1] ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا⑥ اور حفاظت کے لیے ہر سرکش شیطان سے⑦ [2] عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے، بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں⑧ بھگانے کے لیے اور اُن کے لیے دائمی عذاب ہیں⑨ مگر جو کوئی ایک آدھ بات اُچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اُس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے⑩ اُن کافروں سے پوچھو تو کہ آیا اُن کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (مذکورہ بالا چیزوں کا) جنھیں ہم نے پیدا کیا؟ [3] ہم نے ان (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے⑪ [4]

معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں جیسا کہ مشرکین نے بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے، اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے، اس کے لیے جائز ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ قسم میں، جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا کیونکہ عالم الغیب صرف وہی ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

[1] مطلب ہے: مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورۂ رحمٰن میں ﴿الْمَشْرِقَيْنِ﴾ اور ﴿الْمَغْرِبَيْنِ﴾ تثنیہ کے ساتھ ہیں، یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے، یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرے مختصر یا قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا اس میں غروب ہوتا ہے۔ (فتح القدير)

[2] یعنی آسمان دنیا پر، زینت کے علاوہ، ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو، چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد راتوں کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

[3] یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

[4] یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مُسْتَبْعَد

وَاِذَا رَاَوْا اٰیَۃً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿14﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿15﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿16﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿17﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿18﴾ فَاِنَّمَا ھِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ فَاِذَا ھُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿19﴾ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا ھٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿20﴾ ھٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ ﴿21﴾ ع 1/21/5 اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَھُمْ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿22﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ

بلکہ تُو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخرا پن کر رہے ہیں⑫[1] اور جب اُنھیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے⑬ اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں⑭ اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کُھلم کھلا جادو ہی ہے⑮[2] کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے، پھر کیا (سچ مچ) ہم اٹھائے جائیں گے؟⑯ کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟⑰ آپ جواب دیجیے کہ ہاں ہاں! اور تم ذلیل (بھی) ہو گے⑱[3] وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے[4] کہ یکا یک یہ دیکھنے لگیں گے⑲[5] اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی! یہی جزا (سزا) کا دن ہے⑳ یہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے㉑[6] اکٹھا کرو ظالموں کو[7] اور اُن کے ہمراہیوں کو[8] اور (جن) جن کی وہ پرستش کرتے تھے㉒[9] اللہ کے سوا، پھر اُنھیں دوزخ کی راہ

(ناممکن) کیوں سمجھتے ہیں درآں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جبکہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل واتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

① یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان نہیں رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔

② یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انھیں جادو باور کراتے ہیں۔

③ جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَکُلٌّ اَتَوْہُ دٰخِرِیْنَ﴾ (النمل 87:27) ''سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ﴾ (المؤمن 60:40) ''جو لوگ میری عبادت سے انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے۔''

④ یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل کی ایک ہی پھونک (نَفْخَۃ ثانیۃ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔

⑤ یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنھیں وہ دیکھیں گے۔ نعرے یا چیخ کو ﴿زَجْرَۃٌ﴾ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

⑥ وَیْلٌ کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معائنۂ عذاب کے بعد انھیں اپنی ہلاکت صاف نظر آ رہی ہوگی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

⑦ یعنی جنھوں نے کفر وشرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

⑧ اس سے مراد کفر وشرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات وشیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں

الْجَحِيْمِ ﴿23﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿24﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿25﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿26﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿27﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿28﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿29﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿30﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿31﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿32﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿33﴾ اِنَّا

دکھا دو ﴿23﴾ اور اُنھیں ٹھہرا لو،[1] (اس لیے) کہ اُن سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں ﴿24﴾ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے ﴿25﴾ بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے ﴿26﴾ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے ﴿27﴾ کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے ﴿28﴾[2] وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے ﴿29﴾[3] اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے ﴿30﴾[4] اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم (عذاب) چکھنے والے ہیں ﴿31﴾ پس ہم نے تمھیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے ﴿32﴾[5] سو اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں ﴿33﴾[6] ہم

جو کفر و شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

﴿9﴾ ﴿مَا﴾ عام ہے، تمام معبودین کو، چاہے وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی بے حیثیتی واضح کرنے کے لیے جمع کیا جائے گا، تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

﴿1﴾ یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

﴿2﴾ اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے، یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے، ہر طرف سے آتے تھے، وَالشِّمَال محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا: "البتہ میں ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرف سے اور ان کی بائیں طرف سے آؤں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔" (الأعراف 17:7)

﴿3﴾ لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

﴿4﴾ تابعین (مریدوں) اور متبوعین (پیروں) کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت عرصۂ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ (ملاحظہ ہو: سورۂ اعراف 39,38:7 و سورۂ احزاب 68,67:33 و سورۂ سبا 32,31:34 و سورۂ مومن 48,47:40 وغیرھا من الآیات)

﴿5﴾ یعنی جس بات کی پہلے، انھوں نے نفی کی کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمھیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمھیں گمراہ کیا تھا لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ، اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے، ہم نے تمھیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنا لی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کہے گا: ﴿وَمَا

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿34﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿35﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿36﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿37﴾ اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿38﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿41﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿42﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿43﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿44﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ

گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں﴿34﴾ [1] یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے﴿35﴾ [2] اور کہتے تھے کہ کیا اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟﴿36﴾ [3] (نہیں نہیں) بلکہ وہ (نبی) تو حق لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں﴿37﴾ [4] یقیناً تم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھنے والے ہو﴿38﴾ اور تمھیں اُسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے﴿39﴾ [5] مگر اللہ کے برگزیدہ بندے﴿40﴾ [6] انھیں کے لیے مقررہ روزی ہے﴿41﴾ (ہر طرح کے) میوے اور ان کی عزت افزائی کی جائے گی﴿42﴾ نعمتوں والی جنتوں میں﴿43﴾ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے﴿44﴾ جاری شراب

كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (ابراھیم 14:22) ''میرا تم پر کوئی اختیار نہیں تھا، ہاں میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میری بات مان لی، پس (اب) تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو۔''

[6] اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترکہ ہے، شرک، معصیت اور شروفساد ان سب کا وتیرہ تھا۔

[1] یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

[2] یعنی دنیا میں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو تا کہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر وغضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے تمھیں دوچار ہونا نہ پڑے تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ» (صحيح البخاري، حديث: 2946، وصحيح مسلم، حديث: 33-(21) ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی۔''

[3] یعنی انھوں نے نبی کریم ﷺ کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

[4] یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو جبکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

[5] یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کر دی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمھارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔

[6] یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے، ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انھیں کئی کئی

بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿45﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿46﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿47﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿48﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿49﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿50﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿51﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿52﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿53﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿54﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿55﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿56﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿57﴾

کے جام کا اُن پر دَور چل رہا ہوگا﴿45﴾[1] جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہوگی﴿46﴾[2] نہ اس سے دردِ سر ہو اور نہ اُس کے پینے سے بہکیں﴿47﴾[3] اور اُن کے پاس نیچی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی﴿48﴾[4] ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے﴿49﴾[5] (جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے﴿50﴾[6] اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا﴿51﴾ جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے؟﴿52﴾[7] کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اُس وقت ہم جزا دیے جانے والے ہیں؟﴿53﴾[8] کہے گا: تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟﴿54﴾[9] جھانکتے ہی اُسے بیچوں بیچ جہنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا﴿55﴾ کہے گا: واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے﴿56﴾ اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کیے جانے والوں میں ہوتا﴿57﴾[10]

گنا دیا جائے گا۔

[1] كَأْسٌ شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قَدَحٌ خالی جام کو کہتے ہیں۔ ﴿مَّعِيْنٍ﴾ کے معنی ہیں: جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔

[2] دنیا میں شراب عام طور پر بدرنگ ہوتی ہے، جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہوگی، خوش رنگ بھی ہوگی۔

[3] یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے، سر درد، بدمستی اور بہکنے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

[4] بڑی اور موٹی آنکھیں، حسن کی علامت ہے، یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

[5] جیسے انڈے شتر مرغ نے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں، جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شتر مرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں، جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں بھی ہے۔

[6] جنتی، جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

[7] یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے۔ کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

[8] یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی۔

[9] یعنی وہ جنتی اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جہنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آ جائے تو تمھیں بتلاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا؟

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿58﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿59﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿60﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿61﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿62﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿63﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿64﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿65﴾

کیا یہ (صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟﴿58﴾ [1] بجز پہلی ایک موت کے [2] اور نہ ہم عذاب کیے جانے والے ہیں﴿59﴾ پھر تو (ظاہر بات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے﴿60﴾ [3] ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے﴿61﴾ [4] کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟﴿62﴾ [5] جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا ہے﴿63﴾ [6] بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے﴿64﴾ [7] جس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں﴿65﴾ [8]

⑩ یعنی جھانکنے پر اسے جہنم کے وسط میں وہ شخص نظر آ جائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔

① جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انھیں موت آئے گی کہ جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ 'موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔' (صحيح البخاري، حديث:4730)

② جو دنیا میں آ چکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

③ اس لیے کہ جہنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو گی۔

④ یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے، اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے اور خسارے کا سودا ہے۔

⑤ ﴿الزَّقُّوْمِ﴾ تَزَقُّم سے مشتق ہے، جس کے معنی بدبودار اور کریہہ چیز کے نگلنے کے ہیں۔ اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے لیے سخت ناگوار ہو گا کیونکہ یہ سخت بدبودار، کڑوا اور نہایت کریہہ ہو گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے، یہ قطرب درخت ہے جو تہامہ میں پایا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے، اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے۔ (فتح القدير) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں۔

⑥ آزمائش، اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے۔ بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انھوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہو گی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہو گا۔

⑦ یعنی اس کی جڑ جہنم کی گہرائی میں ہو گی، البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی۔

⑧ اسے شناعت وقباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی، جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں: گویا کہ وہ فرشتہ ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿66﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿67﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿68﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿69﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿70﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿71﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿72﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿74﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿75﴾ وَنَجَّيْنٰهُ

(جہنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے ﴿66﴾[1] پھر اس پر گرم جلتے جلتے پانی کی ملونی ہوگی ﴿67﴾[2] پھر اُن سب کا لوٹنا جہنم کی طرف ہوگا ﴿68﴾[3] یقین مانو کہ اُنھوں نے اپنے باپ دادا کو بہکا ہوا پایا ﴿69﴾ اور یہ اُنھی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے ﴿70﴾[4] اُن میں سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں ﴿71﴾[5] جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے ﴿72﴾[6] اب تو دیکھ لے کہ جنھیں دھمکایا گیا تھا اُن کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ﴿73﴾ سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ﴿74﴾[7] اور ہمیں نوح نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دُعا قبول کرنے والے ہیں ﴿75﴾[8] ہم نے اُسے اور اُس کے گھر والوں کو[9]

---

① یہ انھیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہر بات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے۔

② یعنی کھانے کے بعد انھیں پانی کی طلب ہوگی تو کھولتا ہوا گرم پانی انھیں دیا جائے گا جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں کٹ جائیں گی۔(محمد 15:47)

③ یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انھیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

④ یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انھی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، اِهْرَاع اسراع کے معنی میں ہے، یعنی دوڑنا اور نہایت شوق سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

⑤ یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔

⑥ یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انھوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انھیں تباہ کر دیا گیا جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

⑦ یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔ ﴿الْمُخْلَصِيْنَ﴾ وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، ﴿الْمُنْذَرِيْنَ﴾ (ڈرائے جانے والے) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند ﴿مُنْذِرِيْنَ﴾ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

⑧ یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انھوں نے محسوس کر لیا کہ کسی کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝﴾ (القمر 10:54) ”یا اللہ! میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما۔“ چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا۔

⑨ ﴿اَهْلَهٗ﴾ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں جن میں ان کے گھر کے وہ افراد بھی ہیں جو مومن تھے۔ بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد 80 بتلائی ہے۔ اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو

وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝76 وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝77 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝78

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝79 اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝80 اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝81

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝82 وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝83 اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝84 اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝85 اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝86 فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝87

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝88 فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝89 فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝90 فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ

اُس زبردست مصیبت سے بچا لیا(76) اور اُس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنا دیا(77)[1] اور ہم نے اُس کا (ذکرِ خیر) پچھلوں میں باقی رکھا(78)[2] نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو(79) ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں(80)[3] وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا(81) پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا(82) اور اس (نوح) کی تابعداری کرنے والوں میں سے (ہی) ابراہیم (بھی) تھے(83)[4] جب کہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے(84) اُنھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟(85) کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟(86)[5] تو (یہ بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟(87)[6] اب ابراہیم نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی(88) اور کہا: میں تو بیمار ہوں(89)[7] اس پر وہ سب اُس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے(90) پس آپ چپکے سے اُن کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے:

گئے۔ کربِ عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلابِ عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی۔

① اکثر مفسرین کے قول کے مطابق طوفانِ نوح کے بعد نسلِ انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث سے چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے، یعنی آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے اَبُو الْبَشَر ہیں۔ سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک)، یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے صقالبہ، ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں۔ (فتح القدیر) واللّٰہ أعلم.

② یعنی قیامت تک آنے والے اہلِ ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔

③ یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی۔ اسی طرح جو اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہوگا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے۔

④ شِیعَةٌ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہلِ دین و اہلِ توحید کے اسی گروہ سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح إِنَابَتْ إِلَى اللّٰهِ کی توفیقِ خاص نصیب ہوئی۔

⑤ یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، درآں حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔

⑥ یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہوگا اور تمھیں سزا نہیں دے گا؟

⑦ آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا جو کہ

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿91﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿92﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿93﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿94﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿95﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿97﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿98﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿99﴾

تم کھاتے کیوں نہیں؟﴿91﴾ [1] تمھیں کیا ہوگیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو﴿92﴾ پھر تو دائیں ہاتھ سے (پوری قوت کے ساتھ) اُنھیں مارنے پر پل پڑے﴿93﴾ [2] پس وہ (بُت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے﴿94﴾ [3] تو آپ نے فرمایا: تم اُنھیں پوجتے ہو جنھیں (خود) تم تراشتے ہو﴿95﴾ حالانکہ تمھیں اور تمھاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے﴿96﴾ [4] وہ کہنے لگے: اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دہکتی ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو﴿97﴾ اُنھوں نے اُس کے ساتھ مکر کرنا چاہا مگر ہم نے اُنھی کو نیچا کر دیا﴿98﴾ [5] اور ابراہیم نے کہا: میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ [6] وہ ضرور میری راہنمائی کرے گا﴿99﴾

ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقع کی تلاش میں تھے تاکہ ان کے بتوں کا تیاپانچہ کیا جاسکے، چنانچہ انھوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ یہ بات چونکہ خلافِ واقع تھی، اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن یہ ایسی خلافِ حقیقت بات نہیں جس پر پکڑ ہو۔ اس کی ضروری تفصیل سورۂ انبیاء 21:63 میں گزر چکی ہے۔

① یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انھیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انھوں نے نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

② رَاغَ کے معنی ہیں: مَالَ، ذَهَبَ، أَقْبَلَ یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ضَرْبٌ بِالْيَمِينِ کا مطلب ہے: ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

③ ﴿يَزِفُّوْنَ﴾ يُسْرِعُونَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے، یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا کہ یہ کام اسی نے کیا ہوگا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے، چنانچہ انھیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

④ یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنھیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انھیں معبود سمجھتے ہو یا مطلق تمھارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

⑤ یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتی ہے اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتی ہے۔

⑥ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿100﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿101﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿102﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿103﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿104﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿105﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ﴿106﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿107﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿108﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿109﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿110﴾

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما﴿100﴾ تو ہم نے اُسے ایک بُردبار بچے کی بشارت دی﴿101﴾ [1] پھر جب وہ (بچہ) اُس کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا، [2] تو ابراہیم نے کہا: میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ [3] بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اُسے بجالایئے ان شاء اللہ، آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے﴿102﴾ غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اُس نے اُس (بیٹے) کو پیشانی [4] کے بل گرادیا﴿103﴾ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم!﴿104﴾ یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، [5] بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں﴿105﴾ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا﴿106﴾ [6] اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اُس کے فدیے میں دے دیا﴿107﴾ [7] اور ہم نے اُن کا ذکر پچھلوں میں باقی رکھا﴿108﴾ ابراہیم پر سلام ہو﴿109﴾ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں﴿110﴾

لیے دعا کی۔(فتح القدیر)

[1] ﴿حَلِيْمٍ﴾ کہہ کر اشارہ فرمادیا کہ بچہ بڑا ہوکر بردبار ہوگا۔

[2] یعنی دوڑ دھوپ کے لائق ہوگیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ 13 سال کا تھا۔

[3] پیغمبر کا خواب وحی اور حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا امتثال امرِ الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

[4] ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبْهَةٌ)، اس لیے ﴿لِلْجَبِيْنِ﴾ کا زیادہ صحیح ترجمہ "کروٹ پر" ہے، یعنی اس طرح کروٹ پر لٹالیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ "پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا" ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انھیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امرِ الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

[5] یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

[6] یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم، یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔

[7] یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسے بڑا ذبیحہ قدر و منزلت کے اعتبار سے اور درجۂ قبولیت پر فائز ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿111﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿112﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى إِسْحٰقَ ط وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿113﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿114﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿115﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿116﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿117﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿118﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿119﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿120﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿121﴾ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿122﴾ وَإِنَّ إِلْيَاسَ

ع 3 39 7

بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا﴿111﴾ اور ہم نے اُس کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہوگا﴿112﴾[1] اور ہم نے ابراہیم و اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں،[2] اور ان دونوں کی اولاد میں بعضے تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں﴿113﴾[3] یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بڑا احسان کیا﴿114﴾[4] اور انھیں اور اُن کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی﴿115﴾[5] اور اُن کی مدد کی تو وہی غالب رہے﴿116﴾ اور ہم نے اُنھیں (واضح اور) روشن کتاب دی﴿117﴾ اور اُنھیں سیدھے راستے پر قائم رکھا﴿118﴾ اور ہم نے اُن دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی﴿119﴾ کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو﴿120﴾ بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں﴿121﴾ یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے﴿122﴾ بے شک الیاس

اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

① حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ قرآن و حدیث کے اشارات و تصریحات اور محققین کی تحقیقات سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر، و ابن کثیر، وزاد المعاد: 71/1)

② یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء و رسل کی زیادہ تعداد انھی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے 12 قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہوئے۔

③ شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کر کے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آباء کی نسبت اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں، اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

④ یعنی انھیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

⑤ یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿123﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿124﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿125﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿126﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿127﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿128﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿129﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿130﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿131﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿133﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿134﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿135﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿136﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿137﴾ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا

بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿123﴾ [1] جب کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ﴿124﴾ [2] کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟ ﴿125﴾ اللہ جو تمھارا اور تمھارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے ﴿126﴾ [3] لیکن قوم نے اُنھیں جھٹلایا، پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر کیے [4] جائیں گے ﴿127﴾ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے ﴿128﴾ ہم نے اس (الیاس) کا ذکرِ خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا ﴿129﴾ کہ الیاس پر سلام ہو ﴿130﴾ [5] ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿131﴾ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے ﴿132﴾ [6] بے شک لوط (بھی) پیغمبروں میں سے تھے ﴿133﴾ ہم نے اُنھیں اور اُن کے گھر والوں کو سب کو نجات دی ﴿134﴾ بجز اُس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گئی ﴿135﴾ [7] پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا ﴿136﴾ اور تم تو صبح ہونے پر اُن کی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہو ﴿137﴾ اور رات کو بھی، کیا پھر بھی

① یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بَعْلَبَكّ تھا، بعض کہتے ہیں: اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بَعْل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا۔)

② یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

③ یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو، اس کے نام کی نذر و نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے، اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

④ یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

⑤ ﴿ اِلْ يَاسِيْنَ ﴾ الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے، جیسے طور سینا کو ﴿ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو دوسری کتابوں میں ''ایلیا'' بھی کہا گیا ہے۔

⑥ قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں: ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد، ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیاء کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الوہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں، یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہر حال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ الٰہ یا اس

تَعْقِلُوْنَ ﴿138﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿139﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿140﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿141﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿142﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿143﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿144﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿145﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ

نہیں سمجھتے ؟ ﴿138﴾ [1] اور بلاشبہ یونس نبیوں میں سے تھے ﴿139﴾ جب بھاگ کر بھری کشتی کی طرف پہنچے ﴿140﴾ پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہوگئے ﴿141﴾ تو پھر اُنھیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت [2] کرنے لگ گئے ﴿142﴾ پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ﴿143﴾ تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اُس کے پیٹ ہی میں رہتے ﴿144﴾ [3] پس اُسے ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اُس وقت بیمار تھے ﴿145﴾ [4] اور اُس پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت [5]

کے جزیاًاس کے شریک۔

ⓦ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کردی گئی۔

① یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب بحیرۂ مُردار ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انھیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بدانجام ہوا تو تمھاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیونکر ہوگا۔ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو جو انھوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیونکر محفوظ رہو گے۔

② حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینویٰ (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، یہ اشوریوں کا پایۂ تخت تھا، جنھوں نے ایک لاکھ بنی اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا۔ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ اور یہ کہہ کر بستی سے نکل گئے، واپسی پر دیکھا کہ قوم پر عذاب نازل نہیں ہوا ہے تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامان سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہوگئی، چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا، اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی۔ (أیسر التفاسیر) بعض کہتے ہیں کہ اس دور میں یہ بات مشہور تھی کہ کشتی گرداب میں اس لیے پھنستی ہے کہ کوئی غلام آقا سے بھاگ کر آ جاتا ہے، چنانچہ اس مفرور کے لیے انھیں قرعہ اندازی کرنی پڑی، جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے، یعنی طَوْعًا وَکَرْهًا اپنے آپ کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

③ یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے، (جیسا کہ انھوں نے کہا: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ

يَّقْطِيْنٍ (146) وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (147) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (148) فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (149) اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ (150) اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ (151) وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (152) اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ (153) مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (154) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (155) اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ (156) فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (157) وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (158) سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (159) اِلَّا عِبَادَ

ہم نے اُگا دیا(146) اور ہم نے اُسے ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا(147) پس وہ ایمان لائے،[1] اور ہم نے انھیں ایک زمانے تک عیش وعشرت دی(148) اُن سے دریافت کیجیے کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور اُن کے بیٹے ہیں؟(149) یا یہ اُس وقت موجود تھے جب کہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا(150)[2] آگاہ رہو کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں(151) کہ اللہ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں(152) کیا اللہ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی؟(153)[3] تمھیں کیا ہوگیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟(154) کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟(155) یا تمھارے پاس اُس کی کوئی صاف دلیل ہے(156) تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ(157)[4] اور اُن لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی ہے،[5] اور حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ (اس عقیدے کے) لوگ (عذاب کے سامنے) پیش کیے جائیں گے(158)[6] جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں۔ اُس سے اللہ بالکل پاک ہے(159) سوائے اللہ کے

الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 87:21) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے یقیناً میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔'') تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

(4) جیسے ولادت کے وقت بچہ یا چوزہ ہوتا ہے، مضمحل، کمزور اور ناتواں۔

(5) ﴿ يَّقْطِيْنٍ ﴾ ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل، یعنی اس چٹیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت۔ ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی۔

(1) ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورۂ یونس 98:10 کے حاشیے میں گزر چکا ہے۔

(2) یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انھوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا۔

(3) جبکہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں۔

(4) یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھا دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو۔

(5) یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کیا جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سسرالی رشتہ داری) قائم ہوگئی۔

(6) حالانکہ یہ بات کیونکر صحیح ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا۔ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ

اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿160﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿161﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿162﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿163﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿164﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿165﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿166﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿167﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿168﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿169﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿170﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿171﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿172﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿173﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿174﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿175﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿176﴾

مخلص بندوں کے ﴿160﴾ [1] یقین مانو کہ تم سب اور تمھارے معبودان (باطلہ) ﴿161﴾ کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے ﴿162﴾ بجز اُس کے جو جہنمی ہی ہے ﴿163﴾ [2] (فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ مقرر ہے ﴿164﴾ [3] اور ہم تو یقیناً (بندگیٔ الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں ﴿165﴾ اور اُس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں ﴿166﴾ [4] کفار تو کہا کرتے تھے ﴿167﴾ کہ اگر ہمارے سامنے پہلے لوگوں کا ذکر ہوتا ﴿168﴾ تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے ﴿169﴾ [5] لیکن پھر اس (قرآن) کے ساتھ کفر کر گئے، [6] پس اب عنقریب جان لیں گے ﴿170﴾ [7] اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے ﴿171﴾ کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے ﴿172﴾ اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا ﴿173﴾ [8] اب آپ کچھ دنوں تک اُن سے منہ پھیر لیجیے ﴿174﴾ [9] اور اُنھیں دیکھتے رہیے، [10] اور یہ بھی (آگے چل کر) دیکھ لیں گے ﴿175﴾ کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ ﴿176﴾

کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انھیں عقاب و عذاب الٰہی بھگتنے کے لیے ضرور جہنم میں جانا ہوگا تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

① یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ ﴿ لَمُحْضَرُوْنَ ﴾ سے استثنا ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

② یعنی تم اور تمھارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی جہنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

③ یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

④ مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

⑤ ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰہی یا پیغمبر ہے، یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی، جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

⑥ یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ ہادی بن کر آ گئے، قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کی

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿177﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿178﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿179﴾
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾

اٰيَاتُهَا: 88 (38) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ (38) رُكُوْعَاتُهَا: 5	سورۂ صٓ مکی ہے، اس میں 88 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سنو! جب ہمارا عذاب اُن کے میدان میں اتر آئے گا اُس وقت اُن کی، جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا،[1] بڑی بری صبح ہوگی ﴿177﴾ آپ کچھ وقت تک اُن کا خیال چھوڑ دیجیے ﴿178﴾ اور دیکھتے رہیے یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے ﴿179﴾[2] پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے۔ ہر اُس چیز سے جو (مشرک) بیان کرتے ہیں ﴿180﴾[3] پیغمبروں پر سلام ہے ﴿181﴾[4] اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے ﴿182﴾[5]

بجائے، ان کا انکار کر دیا۔

⑦ یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

⑧ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (المجادلة 21:58) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول یقیناً غالب رہیں گے۔''

⑨ یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجیے۔

⑩ کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

① مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے تو یہودی انھیں دیکھ کر گھبرا گئے جس پر نبی ﷺ نے بھی اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر فرمایا تھا: «خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ» (صحيح البخاري، حديث: 371، وصحيح مسلم، حديث: 84-(1365)) ''خیبر برباد ہوگیا، جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جن کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہوتا ہے۔''

② یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

③ اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں، مثلاً: اس کی اولاد ہے یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کوتاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں، اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

④ کہ انھوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔

⑤ یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچایا، اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا، اس پر شکر الٰہی کرو۔ حمد کے معنی

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۟ؕ ① بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚۖ ④ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚۖ ⑥ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ اِنْ

صٓ! اس نصیحت والے قرآن کی قسم ① [1] بلکہ کفار غرور و مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں ② [2] ہم نے اُن سے پہلے بھی بہت سی اُمتوں کو تباہ کر ڈالا [3] تو اُنھوں نے ہر چند چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ تھا ③ [4] اور کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ اُن ہی میں سے ایک اُنھیں ڈرانے والا آ گیا [5] اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے ④ کیا اُس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے ⑤ [6] اُن کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو جی اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، [7] یقیناً اس بات میں کوئی غرض ہے ⑥ [8] ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی، [9] کچھ نہیں

ہیں: بہ قصد تعظیم ثناء جمیل، ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔

[1] جس میں تمھارے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ایسی باتیں ہیں جن سے تمھاری دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ بعض نے ﴿ذِی الذِّكْرِ﴾ کے معنی ”شان اور مرتبت والا“ کیے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: دونوں معنی صحیح ہیں، اس لیے کہ قرآن عظمت شان کا حامل بھی ہے اور اہل ایمان وتقویٰ کے لیے نصیحت اور درس عبرت بھی۔ اس قسم کا جواب محذوف ہے کہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح کفار مکہ کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) ساحر، شاعر یا کاذب ہیں بلکہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جن پر یہ ذی شان قرآن نازل ہوا۔

[2] یعنی یہ قرآن تو یقیناً شک سے پاک اور ان کے لیے نصیحت ہے جو اس سے عبرت حاصل کریں، البتہ ان کافروں کو اس سے فائدہ اس لیے نہیں پہنچ رہا ہے کہ ان کے دماغوں میں استکبار اور غرور ہے اور دلوں میں مخالفت وعناد۔ عزت کے معنی ہوے ہیں: حق کے مقابلے میں اکڑنا۔

[3] جو ان سے زیادہ مضبوط اور قوت والے تھے لیکن کفر وتکذیب کی وجہ سے برے انجام سے دوچار ہوئے۔

[4] یعنی انھوں نے عذاب دیکھ کر مدد کے لیے پکارا اور توبہ پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن وہ وقت توبہ کا تھا نہ فرار کا، اس لیے نہ ان کا ایمان نافع ہوا اور نہ وہ بھاگ کر عذاب سے بچ سکے۔ ﴿لَاتَ﴾ لَا ہی ہے جس میں ت کا اضافہ ہے جیسے۔ ثَمَّ کو ثمة بھی بولتے ہیں۔ ﴿مَنَاصٍ﴾ نَاصَ یَنُوصُ کا مصدر ہے جس کے معنی بھاگنے اور پیچھے ہٹنے کے ہیں۔

[5] یعنی انھی کی طرح کا ایک انسان رسول کس طرح بن گیا؟

[6] یعنی ایک ہی اللہ ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح عبادت اور نذر و نیاز کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے۔ یہ ان کے لیے تعجب انگیز بات تھی۔

[7] یعنی اپنے دین پر جمے رہو اور بتوں کی عبادت کرتے رہو، محمد (ﷺ) کی بات پر کان مت دھرو!

[8] یعنی یہ ہمیں ہمارے معبودوں سے چھڑا کر دراصل ہمیں اپنے پیچھے لگانا اور اپنی قیادت وسیادت منوانا چاہتا ہے۔

[9] پچھلے دین سے مراد یا تو ان کا ہی دین قریش ہے یا پھر دین نصاریٰ، یعنی یہ جس توحید کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بابت تو ہم

هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝٧ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَاؕ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝١٠ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝١١ كَذَّبَتْ

یہ تو صرف من گھڑت ہے⑦ ①کیا ہم سب میں سے اُسی پر کلام الٰہی نازل کیا گیا ہے؟ ② دراصل یہ لوگ میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں، ③ بلکہ (صحیح یہ ہے کہ) انھوں نے اب تک میرا عذاب چکھا ہی نہیں⑧ ④ یا کیا ان کے پاس تیرے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں⑨ ⑤ یا کیا آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ان ہی کی ہے تو پھر یہ رسیاں تان کر چڑھ جائیں⑩ ⑥ یہ بھی لشکروں میں سے شکست پایا ہوا (چھوٹا سا) لشکر ہے⑪ ⑦ ان سے پہلے بھی

نے کسی بھی دین میں نہیں سنا۔

① یعنی یہ توحید صرف اس کی اپنی من گھڑت ہے ورنہ عیسائیت میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو الوہیت میں شریک تسلیم کیا گیا ہے۔

② یعنی مکے میں بڑے بڑے چودھری اور رئیس ہیں اگر اللہ کسی کو نبی بنانا ہی چاہتا تو ان میں سے کسی کو بناتا۔ ان سب کو چھوڑ کر وحی ورسالت کے لیے محمد (ﷺ) کا انتخاب بھی عجیب ہے۔ یہ گویا انھوں نے اللہ کے انتخاب میں کیڑے نکالے۔ سچ ہے: خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ دوسرے مقام پر بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً: (الزخرف 32,31:43)

③ یعنی ان کا انکار اس لیے نہیں ہے کہ انھیں محمد ﷺ کی صداقت کا علم نہیں ہے یا آپ کی سلامت عقل سے انھیں انکار ہے بلکہ یہ اس وحی کے بارے میں ہی ریب وشک میں مبتلا ہیں جو آپ پر نازل ہوئی، جس میں سب سے نمایاں توحید کی دعوت ہے۔

④ کیونکہ عذاب کا مزہ چکھ لیتے تو اتنی واضح چیز کی تکذیب نہ کرتے۔ اور جب یہ اس تکذیب کا واقعی مزہ چکھیں گے تو وہ وقت ایسا ہو گا کہ پھر تصدیق کام آئے گی نہ ایمان ہی فائدہ دے گا۔

⑤ کہ یہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، انھی خزانوں میں نبوت بھی ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ رب کے خزانوں کا مالک وہی وہاب ہے جو بہت دینے والا ہے تو پھر انھیں نبوت محمدی سے انکار کیوں ہے؟ جسے اس نوازنے والے رب نے اپنی رحمت خاص سے نوازا ہے۔

⑥ یعنی آسمان پر چڑھ کر اس وحی کا سلسلہ منقطع کر دیں جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوتی ہے۔ اسباب، سبب کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی ہر اس چیز کے ہیں جس کے ذریعے سے مطلوب تک پہنچا جائے، چاہے وہ کوئی سی بھی چیز ہو، اس لیے اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ رسیوں کے علاوہ ایک ترجمہ دروازے بھی کیا گیا ہے جن سے فرشتے زمین پر اترتے ہیں، یعنی سیڑھیوں کے ذریعے سے آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائیں اور وحی بند کر دیں۔ (فتح القدیر)

⑦ ﴿جُنْدٌ﴾ مبتدا محذوف هُم کی خبر ہے اور ﴿مَا﴾ بطور تاکید تعظیم یا تحقیر کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدد اور کفار کی شکست کا وعدہ ہے، یعنی کفار کا یہ لشکر جو باطل کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، بڑا ہے یا حقیر، اس کی قطعاً پروا نہ کریں نہ اس سے خوف کھائیں، شکست اس کا مقدر ہے۔ ﴿هُنَالِكَ﴾ مکان بعید کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنگ بدر اور یوم فتح مکہ کی طرف بھی

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ⑫ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَّأَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ⑬ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّهٗٓ أَوَّابٌ ⑰ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ⑱

قومِ نوح اور عاد اور میخوں والے فرعون [1] نے جھٹلایا تھا⑫ اور ثمودیوں نے اور قومِ لوط نے اور ایکہ کے رہنے والوں [2] نے بھی، یہی (بڑے) لشکر تھے⑬ اُن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو، پس میری سزا اُن پر ثابت ہوگئی⑭ انھیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے۔ [3] جس میں کوئی توقف (اور ڈھیل) نہیں ہے⑮ [4] اور انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہماری سرنوشت تو ہمیں روزِ حساب سے پہلے ہی دے دے⑯ [5] آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ہمارے بندے داود کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا، [6] یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا⑰ ہم نے پہاڑوں کو اُس کے تابع کر رکھا تھا کہ اُس کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح خوانی کریں⑱

ہوسکتا ہے، جہاں کا فر عبرت ناک شکست سے دوچار ہوئے۔

① فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا کہ وہ ظالم جب کسی پر غضب ناک ہوتا تو اس کے ہاتھوں، پیروں اور سر میں میخیں گاڑ دیتا یا اس سے مقصد بطور استعارہ اس کی قوت وشوکت اور مضبوط حکومت کا اظہار ہے، یعنی میخوں سے جس طرح کسی چیز کو مضبوط کر دیا جاتا ہے، اس کا لشکرِ جرار اور اس کے پیروکار بھی اس کی سلطنت کی قوت واستحکام کا باعث تھے۔

② أَصْحَابُ الْأَيْكَة کے لیے دیکھیے: سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ۔

③ یعنی صور پھونکنے کا جس سے قیامت برپا ہو جائے گی۔

④ دودھ دوہنے والا ایک مرتبہ کچھ دودھ دوہ کر بچے کو اونٹنی یا گائے بھینس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کے دودھ پینے سے تھنوں میں دودھ اتر آئے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد بچے کو زبردستی پیچھے ہٹا کر خود دودھ دوہنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان کا جو وقفہ ہے، یہ فَوَاق کہلاتا ہے، یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

⑤ ﴿قِطَّنَا﴾ کے معنی ہیں: حصہ، مراد یہاں نامۂ عمل یا سرنوشت ہے، یعنی ہمارے نامۂ اعمال کے مطابق ہمارے حصے میں اچھی یا بری سزا جو بھی ہے، یوم حساب کے آنے سے پہلے ہی ہمیں دنیا میں دے دے۔ یہ ﴿يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ والی بات ہی ہے۔ یہ وقوع قیامت کو ناممکن سمجھتے ہوئے انھوں نے استہزا اور تمسخر کے طور پر کہا۔

⑥ یہ ﴿الْأَيْدِ﴾ يَدٌ (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ آدَ يَئِيدُ کا مصدر أَيْدٌ ہے، قوت وشدت۔ اسی سے تائید بمعنی تقویت ہے۔ اس قوت سے مراد دینی قوت وصلابت ہے، جس طرح حدیث میں آتا ہے: ''اللہ کو سب سے زیادہ محبوب نماز، داود علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزے، داود علیہ السلام کے روزے ہیں، وہ نصف رات سوتے، پھر اٹھ کر رات کا تہائی حصہ قیام کرتے اور پھر اس کے چھٹے حصے میں سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے اور جنگ میں فرار نہ ہوتے۔'' (صحيح البخاري، حديث:

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿19﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿20﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿21﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿22﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿23﴾ قَالَ لَقَدْ

اور پرندے جمع ہو کر سب کے سب اُس کے زیر فرمان رہتے ﴿19﴾ [1] اور ہم نے اُس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا [2] اور اُسے حکمت دی تھی [3] اور بات کا فیصلہ کرنا ﴿20﴾ [4] اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی (بھی) خبر ملی؟ جب کہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آ گئے ﴿21﴾ [5] جب یہ داود کے پاس پہنچے، پس یہ اُن سے ڈر گئے، [6] اُنھوں نے کہا: خوف نہ کیجیے! ہم دو فریق مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجیے اور ناانصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے ﴿22﴾ [7] (سنیے) یہ میرا بھائی ہے [8] اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک بھی مجھ ہی کو دے دے [9] اور مجھ پر بات میں بڑی سختی برتتا ہے ﴿23﴾ [10] آپ نے فرمایا: اس کا

3420، وصحيح مسلم ، حديث: 189-(1159))

① یعنی اشراق کے وقت اور آخر دن کو پہاڑ بھی داود علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہوتے اور اڑتے جانور بھی زبور کی قراءت سن کر ہوا ہی میں جمع ہو جاتے اور ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے۔ ﴿مَحْشُورَةً﴾ کے معنی مجموعة ہیں۔

② ہر طرح کے مادی اور روحانی اسباب کے ذریعے سے۔

③ یعنی نبوت، اصابت رائے، قول سداد اور فعل صواب۔

④ یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی صلاحیت، بصیرت وتفقہ اور استدلال و بیان کی قوت۔

⑤ محراب سے مراد کمرہ ہے جس میں سب سے علیحدہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے۔ دروازے پر پہرے دار ہوتے تا کہ کوئی اندر آ کر عبادت میں مخل نہ ہو۔ جھگڑا کرنے والے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔

⑥ ڈرنے کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک تو وہ دروازے کی بجائے عقب سے دیوار چڑھ کر اندر آئے۔ دوسرے: انھوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔ ظاہری اسباب کے مطابق خوف والی چیز سے خوف کھانا انسان کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب وکمال نبوت کے خلاف ہے نہ توحید کے منافی۔ توحید کے منافی غیر اللہ کا وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔

⑦ آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کرانے آئے ہیں، آپ حق کے ساتھ فیصلہ بھی فرمائیں اور سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی بھی۔

⑧ بھائی سے مراد دینی بھائی یا شریک کاروبار یا دوست ہے۔ سب پر بھائی کا اطلاق صحیح ہے۔

⑨ یعنی یہ ایک دنبی بھی میری دنبیوں میں شامل کر دے تا کہ میں ہی اس کا بھی ضامن اور کفیل ہو جاؤں۔

⑩ دوسرا ترجمہ ہے: ''اور یہ گفتگو میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔'' یعنی جس طرح اس کے پاس مال زیادہ ہے، زبان کا بھی مجھ سے

ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿24﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿25﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿26﴾ ع 2/12 11 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اپنی دُنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک تیرے اوپر ایک ظلم ہے اور اکثر حصے دار اور شریک (ایسے ہی ہوتے ہیں کہ) ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، [1] سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں [2] اور داود سمجھ گئے کہ ہم نے اُنھیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے [3] اور (پوری طرح) رجوع کیا ﴿24﴾ پس ہم نے بھی اُنھیں وہ معاف کر دیا، [4] یقیناً وہ ہمارے نزدیک بڑے مرتبے والے اور بہت اچھے ٹھکانے والے ہیں ﴿25﴾ اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ اُنھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے ﴿26﴾ اور ہم نے آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو ناحق

زیادہ تیز ہے اور اس تیزی وطراری کی وجہ سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔

[1] یعنی انسانوں میں یہ کوتاہی عام ہے کہ ایک شریک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے کا حصہ بھی خود ہی ہڑپ کر جائے۔

[2] البتہ اس اخلاقی کوتاہی سے اہل ایمان محفوظ ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور عمل صالح کے وہ پابند ہوتے ہیں، اس لیے کسی پر زیادتی کرنا اور دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کی سعی کرنا، ان کے مزاج میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ تو دینے والے ہوتے ہیں، لینے والے نہیں، تاہم ایسے بلند کردار لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

[3] ﴿خَرَّ رَاكِعًا﴾ کا مطلب یہاں سجدے میں گر پڑنا ہے۔

[4] حضرت داود علیہ السلام کا یہ کام کیا تھا جس پر انھیں کوتاہی کا اور توبہ وندامت کے اظہار کا احساس ہوا اور اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ قرآن کریم میں اس اجمال کی تفصیل نہیں ہے اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی بابت کوئی وضاحت نہیں ہے، اس لیے بعض مفسرین نے تو اسرائیلی روایات کو بنیاد بنا کر ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ایک نبی کی شان ہی سے فروتر ہیں۔ اور محقق مفسرین، مثلاً: ابن کثیر وغیرہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جب قرآن وحدیث اس معاملے میں خاموش ہیں تو ہمیں بھی اس کی تفصیلات کی کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور واقعی جس چیز کو قرآن وسنت نے مجمل چھوڑا ہے اُس کی ہم اپنی آراء وقیاسات اور اسرائیلی روایات کی بنیاد پر کیسے تشریح ووضاحت کر سکتے ہیں؟ اس بارے میں ہم یہی کہیں گے کہ کوئی بات تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کا امتحان لیا، وہ فوراً سمجھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی۔ اس لیے بہت سے مفسرین نے جو بے بنیاد قیاس آرائیاں کی ہیں، انھیں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ㉗ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ㉘ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ㉙ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ㉚ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ㉛ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ㉜ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ㉝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ

پیدا نہیں کیا، [1] یہ گمان تو کافروں کا ہے سو کافروں کے لیے خرابی ہے آگ کی ㉗ کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُن کے برابر کر دیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے یا پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ ㉘ یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں ㉙ اور ہم نے داود کو سلیمان عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا اور بے حد رُجوع کرنے والا تھا ㉚ جب اُن کے سامنے پچھلے پہر اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے ㉛ [2] تو کہنے لگے: میں نے اپنے پروردگار کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا ㉜ ان (گھوڑوں) کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ! پھر تو پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا ㉝ [3] اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اُن کے تخت پر ایک جسم ڈال

① بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ یہ کہ میرے بندے میری عبادت کریں جو ایسا کرے گا، میں اسے بہترین جزا سے نوازوں گا اور جو میری عبادت واطاعت سے سرتابی کرے گا، اس کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

② ﴿اَلصّٰفِنٰتُ﴾ صَافِنٌ کی جمع ہے، وہ گھوڑے جو تین ٹانگوں پر کھڑے ہوں۔ ﴿اَلْجِيَادُ﴾ جواد کی جمع ہے جو تیز رو گھوڑے کو کہتے ہیں، یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بغرض جہاد جو گھوڑے پالے ہوئے تھے، وہ عمدہ اصیل تیز رو گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام پر معائنے کے لیے پیش کیے گئے۔ عَشِيّ ظہر یا عصر سے لے کر آخر دن تک کے وقت کو کہتے ہیں، جسے ہم شام سے تعبیر کرتے ہیں۔

③ اس ترجمے کی رو سے ﴿اَحْبَبْتُ﴾ بمعنی آثَرْتُ (ترجیح دینا) اور عَنْ بمعنی علٰی ہے۔ اور ﴿تَوَارَتْ﴾ کا مرجع شمس ہے جو آیت میں پہلے مذکور نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دال ہے۔ اس تفسیر کی رو سے اگلی آیت میں ﴿مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ کا ترجمہ بھی ذبح کرنا ہوگا، یعنی مَسْحًا بِالسَّيْفِ کا مفہوم۔ مطلب ہوگا کہ گھوڑوں کے معائنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصر کی نماز یا وظیفۂ خاص رہ گیا جو اس وقت وہ کرتے تھے۔ جس پر انھیں سخت صدمہ ہوا اور کہنے لگے کہ میں گھوڑوں کی محبت میں اتنا وارفتہ اور گم ہو گیا کہ سورج پردۂ مغرب میں چھپ گیا اور اللہ کی یاد، نماز یا وظیفے سے غافل رہا، چنانچہ اس کی تلافی اور ازالے کے لیے انھوں نے سارے گھوڑے اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالے۔ امام شوکانی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ دیگر بعض مفسرین نے اس کی دوسری تفسیر کی ہے۔ اس کی رو سے عن، اجل کے معنی میں ہے۔ أَيْ لِأَجْلِ ذِكْرِ رَبِّي، یعنی رب کی یاد کی وجہ سے میں ان گھوڑوں سے محبت رکھتا ہوں، یعنی ان کے ذریعے سے اللہ کی راہ میں جہاد ہوتا ہے، پھر ان گھوڑوں کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انھیں دوبارہ طلب کیا اور پیار ومحبت سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ ﴿اَلْخَيْرِ﴾ قرآن میں مال کے معنی میں

اَنَابَ ﴿34﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿35﴾ فَسَخَّرْنَا

دیا،[1] پھر اُس نے رُجوع کیا ﴿34﴾ کہا کہ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو،[2] تو بڑا ہی دینے والا ہے ﴿35﴾ پس ہم نے ہوا کو اُن کے ماتحت

استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ گھوڑوں کے لیے آیا ہے۔ ﴿تَوَارَتْ﴾ میں ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں۔ امام ابن جریر طبری نے اس دوسری تفسیر کو ترجیح دی ہے اور یہی تفسیر متعدد وجوہ سے صحیح لگتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

① یہ آزمائش کیا تھی؟ کرسی پر ڈالا گیا جسم کس چیز کا تھا؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی بھی کوئی تفصیل قرآن کریم یا حدیث میں نہیں ملتی، البتہ بعض مفسرین نے صحیح حدیث سے ثابت ایک واقعے کو اس پر چسپاں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ کہا کہ میں آج کی رات اپنی تمام بیویوں سے (جن کی تعداد 70 یا 90 تھی) ہم بستری کروں گا اور ان میں سے ہر ایک بیوی ایک شاہ سوار بچے کو جنم دے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا لیکن ہوا یہ کہ سوائے ایک بیوی کے کوئی بیوی حاملہ نہیں ہوئی۔ اور حاملہ بیوی نے بھی جو بچہ جنا، وہ ناقص تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب سے مجاہد پیدا ہوتے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3424، وصحیح مسلم، حدیث: 1654) ان مفسرین کے خیال میں شاید ان شاء اللہ نہ کہنا یہی فتنہ ہو جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام مبتلا ہوئے اور کرسی پر ڈالا جانے والا جسم یہی ناقص الخلقت بچہ ہو۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. بعض لوگوں نے اپنی فاسد عقل و درایت کی رُو سے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے ساتھ مباشرت کرنا ممکن ہی نہیں ہے لیکن ہم عرض کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ معجزات عطا فرماتا ہے۔ انھی معجزات میں ایک معجزہ قوت مردانگی بھی ہے۔ علاوہ ازیں اوقات میں برکت بھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت سلیمان کے واقعے کو عام انسانی معیار پر ناپنا اور پھر اسے عقل و درایت کے خلاف باور کرانا یکسر غلط ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس واقعے میں انبیاء علیہم السلام کی اس خصوصیت کا بیان بھی ہے جو قوت جماع کی صورت میں ان کو عطا کی جاتی ہے جو ان کی بنیادی صحت، قوت بارآوری اور کمال مردانگی پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ انھیں عبادت اور علوم کے ساتھ بھی خصوصی اشتغال ہوتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کو بھی یہ معجزہ اس سے زیادہ بلیغ انداز میں عطا کیا گیا تھا، آپ کا اپنے رب کی عبادت میں، علوم ربانی میں اور مخلوق کی فلاح و بہبود میں اشتغال بہت زیادہ تھا۔ علاوہ ازیں آپ نہایت کم خور تھے جو کثرت جماع والے شخص کے لیے جسمانی کمزوری کا باعث ہے، اس کے باوجود آپ (بعض دفعہ) ایک ہی رات میں غسل واحد کے ساتھ اپنی گیارہ بیویوں کے ساتھ مباشرت فرمالیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو جتنا زیادہ متقی ہوتا ہے، اس کی جنسی قوت بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔'' (فتح الباري: 563/6 طبع دار السلام، الریاض) یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت سلیمان کا یہ واقعۂ مباشرت حدیث میں آیت زیر بحث کی تفسیر کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی فہم کے مطابق اس آیت پر اس کا انطباق کیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر تاویلات و توجیہات کے مقابلے میں، جو بیشتر اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں، یہ انطباق زیادہ صحیح ہے اور اس سے اس آیت کی ایک معقول توجیہ سامنے آجاتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

② یعنی مجھے ایسی بااختیار بادشاہت عطا کر دے کہ ویسی بادشاہت میرے سوا یا میرے بعد کسی کے پاس نہ ہو۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کے غلبے کے لیے ہی تھی۔

لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿36﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿37﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿38﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿39﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿40﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿41﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿42﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿43﴾

کردیا وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے نرمی سے پہنچادیا کرتی تھی ﴿36﴾ [1] جنات کو بھی (اُن کا ماتحت کردیا) ہر عمارت بنانے والے کو اور غوطہ خور کو ﴿37﴾ اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے ﴿38﴾ [2] یہ ہے ہمارا عطیہ اب تو احسان کر یا روک رکھ کچھ حساب نہیں ﴿39﴾ [3] اُن کے لیے ہمارے پاس بڑا تقرب ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ہے ﴿40﴾ [4] اور ہمارے بندے ایوب کا (بھی) ذکر کر جب کہ اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے ﴿41﴾ [5] اپنا پاؤں مارو، یہ نہانے کا ٹھنڈا اور پینے کا پانی ہے ﴿42﴾ [6] اور ہم نے اُسے اُس کا پورا کنبہ عطا فرمایا بلکہ اُتنا ہی اور بھی اُسی کے ساتھ اپنی (خاص) رحمت سے، [7] اور عقل مندوں کی نصیحت کے لیے ﴿43﴾ [8]

---

① یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی اور ایسی بادشاہی عطا کی کہ جس میں ہوا بھی ان کے ماتحت تھی، یہاں ہوا کو نرمی سے چلنے والا بتایا ہے جبکہ دوسرے مقام پر اسے تند و تیز کہا ہے (الأنبیآء 21:81) جس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا پیدائشی قوت کے لحاظ سے تند ہے لیکن سلیمان علیہ السلام کے لیے اسے نرم کر دیا گیا یا حسب ضرورت وہ کبھی تند ہوتی کبھی نرم جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے۔ (فتح القدیر)

② جنات میں سے جو سرکش یا کافر ہوتے، انھیں بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا تا کہ وہ اپنے کفر یا سرکشی کی وجہ سے سرتابی نہ کر سکیں۔

③ یعنی تیری دعا کے مطابق ہم نے تجھے عظیم بادشاہی سے نواز دیا، اب انسانوں میں سے جس کو تو چاہے دے جسے چاہے نہ دے، تجھ سے ہم حساب بھی نہیں لیں گے۔

④ یعنی دنیوی جاہ و مرتبت عطا کرنے کے باوجود آخرت میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرب خاص اور مقام خاص حاصل ہوگا۔

⑤ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور اس میں ان کا صبر مشہور ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل و مال کی تباہی اور بیماری کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی، جس میں وہ کئی سال مبتلا رہے حتیٰ کہ صرف ایک بیوی ان کے ساتھ رہ گئی جو صبح و شام ان کی خدمت بھی کرتی اور ان کے لیے کہیں کام کاج کر کے بقدر کفاف رزق کا انتظام بھی کرتی۔ یہاں پر متعدد تفسیری روایات کا ذکر کیا جاتا ہے مگر اس میں سے کتنا کچھ صحیح ہے اور کتنا نہیں، اسے معلوم کرنے کا کوئی مستند ذریعہ نہیں۔ نُصْبٍ سے جسمانی تکالیف اور ﴿عَذَابٍ﴾ سے مالی ابتلا مراد ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ ممکن ہے شیطان کے وسوسے ہی کسی ایسے عمل کا سبب بنے ہوں جس پر یہ آزمائش آئی یا پھر بطور ادب کے ہے کہ خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی یا شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے کہا کہ زمین پر پیر مارو، جس سے ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ اس کے پانی پینے سے اندرونی بیماریاں اور غسل کرنے سے ظاہری بیماریاں دور ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو چشمے تھے، ایک سے غسل فرمایا اور دوسرے سے پانی پیا لیکن قرآن کے الفاظ سے پہلی بات کی تائید ہوتی ہے، یعنی ایک ہی چشمہ تھا۔

⑦ بعض کہتے ہیں کہ پہلا کنبہ جو بطور آزمائش ہلاک کر دیا گیا تھا، اسے زندہ کر دیا گیا اور اس کے مثل اور مزید کنبہ عطا کر دیا گیا لیکن

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿44﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿45﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿46﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿47﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿48﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿49﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿50﴾

اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مُٹھا لے کر مار دے اور قسم کا خلاف نہ کر،[1] سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اُسے بڑا صابر بندہ پایا، وہ بڑا نیک بندہ تھا اور بڑی ہی رغبت رکھنے والا﴿44﴾ ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو جو بڑی قوت اور بصیرت والے تھے﴿45﴾ [2] ہم نے اُنھیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا﴿46﴾ [3] یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے﴿47﴾ اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے﴿48﴾ [4] یہ نصیحت ہے اور یقین مانو کہ پرہیزگاروں کی بڑی اچھی جگہ ہے﴿49﴾ ہمیشگی والی جنتیں جن کے دروازے اُن کے لیے کھلے ہوئے ہیں﴿50﴾

یہ بات کسی مستند ذریعے سے ثابت نہیں ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ نے پہلے سے زیادہ مال واولاد سے انھیں نواز دیا جو پہلے سے دوگنا تھا۔

⑧ یعنی ایوب علیہ السلام کو یہ سب کچھ ہم نے جو دوبارہ عطا کیا تو اپنی رحمت خاص کے اظہار کے علاوہ اس کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اہل دانش اس سے نصیحت حاصل کریں اور وہ بھی ابتلا وشدائد پر اسی طرح صبر کریں جس طرح ایوب علیہ السلام نے کیا۔

① بیماری کے ایام میں خدمت گزار بیوی کو کسی بات سے ناراض ہو کر حضرت ایوب علیہ السلام نے اسے سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی تھی، صحت یاب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ اسے مار دے، تیری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ رعایت صرف حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یا دوسرا کوئی شخص بھی اس طرح سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر حانث ہونے سے بچ سکتا ہے۔ بعض پہلی رائے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اگر نیت ضرب شدید کی نہ کی ہو تو اس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ (فتح القدیر) ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بھی ایک معذور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں والی جھاڑو مار کر سزا دی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 2574، ومسند أحمد: 222/5 صححه الألباني) جس سے مخصوص صورتوں میں اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

② یعنی عبادت الٰہی اور نصرت دین میں بڑے قوی اور دینی وعلمی بصیرت میں ممتاز تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ أَيْدِي بمعنی نِعَمٌ ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام واحسان ہوا یا یہ لوگوں پر احسان کرنے والے تھے۔

③ یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کے لیے چن لیا تھا، چنانچہ آخرت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی (آخرت کا ہر وقت استحضار، یہ بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت اور زہد وتقویٰ کی بنیاد ہے) یا وہ لوگوں کو آخرت اور اللہ کی طرف بلانے میں کوشاں رہتے تھے۔

④ ﴿اَلْيَسَعَ﴾ کہتے ہیں: حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے، ال تعریف کے لیے ہے اور عجمی نام ہے، ذوالکفل کے لیے دیکھیے: سورۂ انبیاء 21:85 کا حاشیہ۔ ﴿الْاَخْيَارِ﴾ خَيْرٌ یا خَيِّرٌ کی جمع ہے، جیسے مَيِّتٌ کی جمع أَمْوَاتٌ ہے۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿51﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿52﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿53﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿54﴾ هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿55﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿56﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿57﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿58﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿59﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ

جن میں بافراغت تکیے لگائے بیٹھے ہوئے طرح طرح کے میوے اور قسم قسم کی شرابوں کی فرمائشیں کر رہے ہیں ﴿51﴾ اور اُن کے پاس نیچی نظروں والی ہم عمر حوریں ہوں گی ﴿52﴾[1] یہ ہے جس کا وعدہ تم سے حساب کے دن کے لیے کیا جاتا تھا ﴿53﴾ بے شک روزیاں (خاص) ہمارا عطیہ ہیں جن کا کبھی خاتمہ ہی نہیں ﴿54﴾[2] یہ تو ہوئی جزا،[3] (یاد رکھو کہ) سرکشوں کے لیے[4] بڑی بُری جگہ ہے ﴿55﴾ دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے (آہ!) کیا ہی برا بچھونا ہے ﴿56﴾ یہ ہے، پس اسے چکھیں، گرم پانی اور پیپ ﴿57﴾[5] اور کچھ اور اسی طرح کی طرح طرح کی چیزیں ﴿58﴾[6] یہ ایک قوم ہے جو تمھارے ساتھ (آگ میں) جانے والی ہے،[7] انھیں خوشی اور کشادگی نہ ہو،[8] یہی تو جہنم میں جانے والے ہیں ﴿59﴾[9] وہ کہیں گے: بلکہ تم ہی ہو کہ تمھیں خوشی نہ ہو تم ہی نے تو

---

① یعنی جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں سے متجاوز نہیں ہوں گی۔ ﴿اَتْرَابٌ﴾ تِرْبٌ کی جمع ہے بمعنی ہم عمر۔ (فتح القدیر)

② رِزْق بمعنی عطیہ ہے اور ﴿هٰذَا﴾ سے ہر قسم کی مذکور نعمتیں اور وہ اکرام و اعزاز مراد ہے جن سے اہل جنت بہرہ یاب ہوں گے۔ ﴿نَّفَادٍ﴾ کے معنی انقطاع اور خاتمے کے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی غیر فانی ہوں گی اور اعزاز و اکرام بھی دائمی۔

③ ﴿هٰذَا﴾ مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی اَلْأَمْرُ هٰذَا یا هٰذَا، مبتدا ہے، اس کی خبر محذوف ہے، یعنی هٰذَا كَمَا ذُكِرَ یعنی مذکور اہل خیر کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد اہل شر کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

④ طَاغِينَ جنھوں نے اللہ کے احکام سے سرکشی اور رسولوں کی تکذیب کی۔ یَصْلَوْنَ کے معنی ہیں: یَدْخُلُونَ داخل ہوں گے۔

⑤ ﴿حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ﴾ هٰذَا کی خبر ہے، یعنی هٰذَا حَمِيمٌ وَّغَسَّاقٌ فَلْيَذُوْقُوْهُ "یہ ہے گرم پانی اور پیپ، اسے چکھو۔" ﴿حَمِيْمٌ﴾ گرم کھولتا ہوا پانی جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔ ﴿غَسَّاقٌ﴾ جہنمیوں کی کھالوں سے جو پیپ اور گندا لہو نکلے گا۔ یا سخت ٹھنڈا پانی جس کا پینا نہایت مشکل ہوگا۔

⑥ ﴿شَكْلِهٖ﴾ اس جیسے، ﴿اَزْوَاجٌ﴾ انواع و اقسام، یعنی حمیم و غساق جیسے بہت سی قسم کے دوسرے عذاب ہوں گے۔

⑦ جہنم کے دروازوں پر کھڑے فرشتے، ائمۂ کفر اور پیشوایان ضلالت سے کہیں گے، جب پیروکار قسم کے کافر جہنم میں جائیں گے۔ یا ائمۂ کفر و ضلالت آپس میں یہ بات، پیروکاروں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے۔

⑧ یہ لیڈر، جہنم میں داخل ہونے والے کافروں کے لیے، فرشتوں کے جواب میں یا آپس میں کہیں گے: رَحْبَةٌ کے معنی وسعت و فراخی کے ہیں۔ مَرْحَبًا یہ کلمۂ ترحیب، یعنی خیر مقدمی الفاظ ہیں جو آنے والے مہمان کے استقبال کے وقت کہے جاتے ہیں۔ ﴿لَا مَرْحَبًا﴾ اس کے برعکس ہے۔

⑨ یہ ان کا خیر مقدم نہ کرنے کی علت ہے، یعنی ان کے اور ہمارے مابین کوئی وجۂ امتیاز نہیں ہے، یہ بھی ہماری طرح جہنم میں داخل

قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿60﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿61﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿62﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿63﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿64﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿65﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿66﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿67﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿68﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿69﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ

ع 24 13

اسے پہلے ہی سے ہمارے سامنے لا رکھا تھا،[1] پس رہنے کی بڑی بُری جگہ ہے (60) وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! جس نے (کفر کی رسم) ہمارے لیے پہلے سے نکالی ہو،[2] اُس کے حق میں جہنم کی دُگنی سزا کر دے (61)[3] اور جہنمی کہیں گے: کیا بات ہے کہ وہ لوگ ہمیں دکھائی نہیں دیتے جنھیں ہم بُرے لوگوں میں شمار کرتے تھے (62)[4] کیا ہم ہی نے اُن کا مذاق بنا رکھا تھا[5] یا ہماری نگاہیں اُن سے ہٹ گئی ہیں (63)[6] یقین جانو کہ دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور ہی ہوگا (64)[7] کہہ دیجیے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں[8] اور بجز اللہ واحد غالب کے اور کوئی لائق عبادت نہیں (65) جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے (66) آپ کہہ دیجیے کہ یہ بہت بڑی خبر ہے (67)[9] جس سے تم بے پروا ہو رہے ہو (68) مجھے اُن بلند قدر فرشتوں (کی بات چیت) کا کوئی علم ہی نہیں جب کہ وہ تکرار کر رہے تھے (69)[10] میری طرف فقط یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں تو

ہو رہے ہیں اور جس طرح ہم عذاب کے مستحق ٹھہرے ہیں، یہ بھی عذابِ جہنم کے مستحق قرار پائے ہیں۔

(1) یعنی تم ہی کفر و ضلالت کے راستے کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کرتے تھے، یوں گویا اس عذابِ جہنم کے پیش کار تو تم ہی ہو۔ یہ پیروکار، اپنے مقتداؤں کو کہیں گے۔

(2) یعنی جنھوں نے ہمیں کفر کی دعوت دی اور اسے حق و صواب باور کرایا۔ یا جنھوں نے ہمیں کفر کی طرف بلا کر ہمارے لیے یہ عذاب آگے بھیجا۔

(3) یہ وہی بات ہے جسے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ اعراف 38:7، سورۂ احزاب 68:33۔

(4) ﴿الْاَشْرَارِ﴾ سے جہنمی لوگ فقراء مومنین کو مراد لیتے، جیسے عمار، خباب، صہیب، بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ عنہم انھیں روسائے مکہ ازراہِ خبث ''برے لوگ'' کہتے تھے اور اب بھی اہل باطل حق پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں۔ اسی طرح اہل بدعت، خالص اہل سنت کو ''برا'' باور کراتے ہیں۔

(5) یعنی دنیا میں جہاں ہم غلطی پر تھے۔

(6) یا وہ بھی ہمارے ساتھ ہی یہیں کہیں ہیں، ہماری نظریں انھیں نہیں دیکھ پا رہی ہیں۔

(7) یعنی آپس میں ان کی تکرار اور ایک دوسرے کو مورد طعن بنانا، ایک ایسی حقیقت ہے جس میں تخلّف نہیں ہوگا۔

(8) یعنی جو تم گمان کرتے ہو، میں وہ نہیں ہوں بلکہ تمھیں اللہ کے عذاب اور اس کے عتاب سے ڈرانے والا ہوں۔

(9) یعنی میں تمھیں جس عذاب اخروی سے ڈرا رہا اور توحید کی دعوت دے رہا ہوں یہ بڑی خبر ہے جس سے اعراض و غفلت نہ برتو بلکہ

مُّبِيْنٌ ﴿70﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿71﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿72﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿73﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

صاف صاف آگاہ کر دینے والا ہوں﴿70﴾ [1] جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا [2] کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا [3] کرنے والا ہوں﴿71﴾ سو جب میں اُسے ٹھیک ٹھاک کر لوں [4] اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں، [5] تو تم سب اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا﴿72﴾ [6] چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا﴿73﴾ [7] مگر ابلیس نے (نہ کیا) اُس نے تکبر کیا [8] اور وہ ہو گیا

اس پر توجہ دینے اور سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

﴿10﴾ مَلَاءِ أَعْلٰى سے مراد فرشتے ہیں، یعنی وہ کس بات پر بحث کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا۔ ممکن ہے، اس اختصام (بحث و تکرار) سے مراد وہ گفتگو ہو جو تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت ہوئی جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

﴿1﴾ یعنی میری ذمے داری یہی ہے کہ میں وہ فرائض و سنن تمھیں بتا دوں جن کے اختیار کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے اور ان محرمات و معاصی کی وضاحت کر دوں جن کے اجتناب سے تم رضائے الٰہی کے اور بصورت دیگر اس کے غضب و عقاب کے مستحق قرار پاؤ گے۔ یہی وہ انذار (ڈرانا) ہے جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

﴿2﴾ یہ قصہ اس سے قبل سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف میں بیان ہو چکا ہے۔ اب اسے یہاں بھی اجمالاً بیان کیا جا رہا ہے۔

﴿3﴾ یعنی ایک انسان مٹی سے بنانے والا ہوں۔ انسان کو بشر، زمین کے ساتھ اس کے تعلق کی وجہ سے کہا، یعنی زمین سے ہی اس کی ساری وابستگی ہے اور وہ سب کچھ اسی زمین پر کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ وہ بَادِي الْبَشَرَة ہے، یعنی اس کا جسم اور جلد ظاہر ہے کہ دوسرے حیوانات کی طرح اس کے جلد پر بال، اون نہیں ہے۔

﴿4﴾ یعنی اسے انسانی پیکر میں ڈھال لوں اور اس کے تمام اجزاء درست اور برابر کر لوں۔

﴿5﴾ یعنی وہ روح، جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔ انسان کے شرف و عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس میں وہ روح پھونکی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی روح قرار دیا ہے۔

﴿6﴾ یہ سجدۂ تحیہ و تعظیم ہے، سجدۂ عبادت نہیں۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا، اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر سجدہ غیر اللہ کے لیے جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“ (جامع الترمذي، حديث: 1159 وقال الألباني وهو حديث صحيح لشواهده)

﴿7﴾ یہ انسان کا دوسرا شرف ہے کہ اسے مسجود ملائک بنایا، یعنی فرشتے جیسی مقدس مخلوق نے اسے تَعْظِيمًا سجدہ کیا۔ ﴿كُلُّهُمْ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بھی سجدہ کرنے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس کے بعد ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ سجدہ بھی سب نے بیک وقت ہی کیا۔ مختلف اوقات میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تاکید در تاکید تعمیم میں مبالغے کے لیے ہے اور یہی راجح ہے۔ (فتح القدير)

﴿8﴾ اگر ابلیس کو صفات ملائکہ سے متصف مانا جائے تو یہ استثنا متصل ہوگا، یعنی ابلیس اس حکم سجدہ میں داخل ہوگا، بصورت دیگر یہ استثنا

الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿75﴾
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿76﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿77﴾ ۚۖ
وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿78﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿79﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
الْمُنْظَرِيْنَ ﴿80﴾ ۙ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿81﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿82﴾ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿83﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿84﴾ ۚ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿85﴾
قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿86﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿87﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ

کافروں میں سے ﴿74﴾ [1] (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس! تجھے اُسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ [2] کیا تو کچھ گھمنڈ میں آ گیا ہے؟ یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے ﴿75﴾ اُس نے جواب دیا کہ میں اُس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا ہے ﴿76﴾ [3] ارشاد ہوا کہ تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا ﴿77﴾ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت و پھٹکار ہے ﴿78﴾ کہنے لگا: میرے رب مجھے لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے ﴿79﴾ (اللہ نے) فرمایا: تو مہلت والوں میں سے ہے ﴿80﴾ متعین وقت کے دن تک ﴿81﴾ کہنے لگا: پھر تو تیری عزت کی قسم! میں اُن سب کو یقیناً بہکادوں گا ﴿82﴾ بجز تیرے اُن بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں ﴿83﴾ فرمایا: سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں ﴿84﴾ کہ تجھ سے اور تیرے تمام ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا ﴿85﴾ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اُس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا [4] اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں ﴿86﴾ [5] یہ تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے ﴿87﴾ [6] یقیناً تم اُس کی

منقطع ہے، یعنی وہ اس حکم میں داخل نہیں تھا لیکن آسمان پر رہنے کی وجہ سے اسے بھی حکم دیا گیا۔ مگر اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا۔

[1] یہ ﴿كَانَ﴾ صَارَ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کی اطاعت سے استکبار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا۔ یا اللہ کے علم میں وہ کافر تھا۔

[2] یہ بھی انسان کے شرف و عظمت کے اظہار ہی کے لیے فرمایا ویسے تو ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے لیکن انسان کے شرف و عظمت کا اظہار اس میں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

[3] یعنی شیطان نے اپنے زعم فاسد میں یہ سمجھا کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے، حالانکہ یہ سب جواہر، متجانس (ہم جنس یا قریب قریب ایک درجے میں) ہیں۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر شرف کسی عارض (خارجی سبب) ہی کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ عارض، آگ کے مقابلے میں، مٹی کے حصے میں آیا، کہ اللہ نے اسی سے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس لحاظ سے مٹی ہی کو آگ کے مقابلے میں شرف و عظمت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آگ کا کام جلا کر خاکستر کر دینا ہے جبکہ مٹی اس کے برعکس انواع واقسام کی پیداوار کا ماخذ ہے۔

[4] یعنی اس دعوت و تبلیغ سے میرا مقصد صرف امتثالِ امر الٰہی ہے، دنیا کمانا نہیں۔

[5] یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کر دوں جو اس نے نہ کہی ہو یا میں تمھیں ایسی بات کی طرف دعوت دوں

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿88﴾

آیَاتُهَا 75 (39) سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ (59) رُكُوْعَاتُهَا 8

سورۂ زمر مکی ہے، اس میں 75 آیات اور 8 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿1﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا

حقیقت کو کچھ ہی وقت کے بعد (صحیح طور پر) جان لو گے ﴿88﴾ [1]

اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب باحکمت کی طرف سے ہے ﴿1﴾ یقیناً ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ [2] نازل فرمایا ہے، پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں، اُسی کے لیے دین کو

جس کا حکم اللہ نے مجھے نہ دیا ہو بلکہ کوئی کمی بیشی کیے بغیر میں اللہ کے احکام تم تک پہنچا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جس کو کسی بات کا علم نہ ہو، اس کی بابت اسے کہہ دینا چاہیے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. یہ کہنا بھی علم ہی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو کہا: فرما دیجیے: ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ابن کثیر) ”میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ علاوہ ازیں اس سے عام معاملات زندگی میں بھی تکلف وتصنع سے اجتناب کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: «نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ» (صحيح البخاري، حديث: 7293) ”ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔“ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ أَنْ نَتَكَلَّفَ لِلضَّيْفِ» (صحيح الجامع الصغير للألباني: 1159/2، والصحيحة: 512/5) ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔“ اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات میں تکلفات جو آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے عنوان سے، اصحاب حیثیت کا شعار اور وتیرہ بن چکا ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین وترغیب ہے۔ اسی طرح اگرچہ اکرام ضَیف کا بھی حکم ہے، یعنی مہمان کی عزت اور اس کی مہمان نوازی ضروری ہے لیکن اس کا مطلب بھی اپنی طاقت کے مطابق اس کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کی خوش دلی سے فراہمی ہے نہ کہ تکلفات اور اسراف بے جا کا اہتمام کرنے کی ضرورت۔

﴿6﴾ یعنی یہ قرآن یا وحی یا وہ دعوت جو میں پیش کر رہا ہوں، دنیا بھر کے انسانوں اور جنات کے لیے نصیحت ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنے کا قصد کرے۔

﴿1﴾ یعنی قرآن نے جن چیزوں کو بیان کیا ہے جو وعدے وعید ذکر کیے ہیں، ان کی حقیقت وصداقت بہت جلد تمھارے سامنے آ جائے گی، چنانچہ اس کی صداقت یوم بدر کو واضح ہوئی، فتح مکہ کے دن ہوئی یا پھر موت کے وقت تو سب پر ہی واضح ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرماتے تھے۔ (صححه الألباني في صحيح سنن الترمذي: 167/3)

﴿2﴾ یعنی اس میں توحید ورسالت، معاد اور احکام وفرائض کا جو اثبات کیا گیا ہے، وہ سب حق ہے اور انھی کے ماننے اور اختیار کرنے میں انسان کی نجات ہے۔

لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا

لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ

خالص کرتے ہوئے② [1] خبردار! اللہ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے [2] اور جن لوگوں نے اُس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں، اچھی طرح قریب کرنا، [3] یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ اُس کا فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔ [4] جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ راہ نہیں دکھاتا③ [5] اگر اللہ کا ارادہ اولاد ہی کا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا۔ (لیکن) وہ تو پاک ہے، [6] وہ وہی اللہ ہے یگانہ اور قوت والا④ نہایت اچھی تدبیر سے اُس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر

---

① ﴿الدِّيْنُ﴾ کے معنی یہاں عبادت اور اطاعت کے ہیں اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اللہ کی رضا کی نیت سے نیک عمل کرنا۔ آیت، نیت کے وجوب اور اس کے اخلاص پر دلیل ہے۔ حدیث میں بھی اخلاص نیت کی اہمیت یہ کہہ کر واضح کر دی گئی ہے کہ «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري، حديث: 1) ''عملوں کا اعتبار نیتوں پر ہے۔'' یعنی جو عمل خیر اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے گا، (بشرطیکہ وہ سنت کے مطابق ہو) وہ مقبول اور جس عمل میں کسی اور جذبے کی آمیزش ہوگی، وہ نامقبول ہوگا۔

② یہ اسی اخلاص عبادت کی تاکید ہے جس کا حکم اس سے پہلی آیت میں ہے کہ عبادت واطاعت صرف ایک اللہ ہی کا حق ہے، نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جائز ہے۔ نہ اطاعت ہی کا اس کے علاوہ کوئی حق دار ہے، البتہ رسول کی اطاعت کو چونکہ خود اللہ نے اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے، اس لیے رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کسی غیر کی نہیں، تاہم عبادت میں یہ بات بھی نہیں، اس لیے عبادت اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے رسول کی بھی جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ عام افراد واشخاص کی جنھیں لوگوں نے اپنے طور پر خدائی اختیارات کا حامل قرار دے رکھا ہے۔ ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ''اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اُتاری۔''

③ اس سے واضح ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق، رازق اور مدبر کائنات مانتے تھے، پھر وہ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے تھے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے تھے جو قرآن نے یہاں نقل کیا ہے کہ شاید ان کے ذریعے سے ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے یا اللہ کے ہاں یہ ہماری سفارش کر دیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس 18:10) ''یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔''

④ کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا اور اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

⑤ یہ جھوٹ ہی ہے کہ ان معبودان باطلہ کے ذریعے سے ان کی اللہ تک رسائی ہو جائے گی یا یہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر بے اختیار لوگوں کو معبود سمجھنا بھی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ایسے جھوٹوں اور ناشکروں کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟

⑥ یعنی پھر اس کی اولاد لڑکیاں ہی کیوں ہوتیں؟ جس طرح کہ مشرکین کا عقیدہ تھا بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو پسند کرتا، وہ اس

عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ

لپیٹ دیتا ہے[1] اور اُس نے سورج چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے یقین مانو کہ وہی زبردست اور گناہوں کا بخشنے والا ہے⑤ اُس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے،[2] پھر اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا[3] اور تمھارے لیے چوپایوں میں سے (آٹھ نر و مادہ) اتارے،[4] وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر بناتا[5] ہے تین تین اندھیروں میں،[6] یہی اللہ تمھارا رب ہے، اُسی کے لیے بادشاہت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہک رہے ہو؟⑥[7] اگر تم ناشکری کرو تو (یاد رکھو کہ) اللہ تم (سب) سے بے نیاز ہے،[8] اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے خوش نہیں اور اگر تم

کی اولاد ہوتی نہ کہ وہ جن کو وہ باور کراتے ہیں لیکن وہ تو اس نقص سے ہی پاک ہے۔(ابن کثیر)

① تَكْوِيرٌ کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز پر لپیٹ دینا، رات کو دن پر لپیٹ دینے کا مطلب، رات کا دن کو ڈھانپنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے اور دن کو رات پر لپیٹ دینے کا مطلب، دن کا رات کو ڈھانپنا ہے حتیٰ کہ اس کی تاریکی ختم ہو جائے۔ یہ وہی مطلب ہے جو ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ (الأعراف 54:7) ”وہ (اللہ) رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے۔“ کا ہے۔

② یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تھی۔

③ یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور یہ بھی اس کا کمال قدرت ہے کیونکہ حضرت حواء کے علاوہ کسی بھی عورت کی تخلیق کسی آدمی کی پسلی سے نہیں ہوئی۔ یوں یہ تخلیق امر عادی کے خلاف اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

④ یہ وہی چار قسم کے جانوروں کا بیان ہے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، جو نر اور مادہ مل کر آٹھ ہو جاتے ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام 6:143،144 میں گزر چکا ہے۔ ﴿اَنْزَلَ﴾ بمعنی خَلَقَ ہے یا ایک روایت کے مطابق، پہلے اللہ نے انھیں جنت میں پیدا فرمایا اور پھر انھیں نازل کیا، پس یہ انزال حقیقی ہوگا یا أَنْزَلَ کا اطلاق مجازاً ہے، اس لیے کہ یہ جانور چارے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور چارہ کی روئیدگی کے لیے پانی ناگزیر ہے۔ جو آسمان سے ہی بارش کے ذریعے سے اترتا ہے۔ یوں گویا یہ چوپائے آسمان سے اتارے ہوئے ہیں۔(فتح القدیر)

⑤ یعنی رحم مادر میں مختلف اطوار سے گزارتا ہے، پہلے نُطْفَه، پھر عَلَقَه، پھر مُضْغَه، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ جس کے اوپر گوشت کا لباس۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کامل تیار ہوتا ہے۔

⑥ ایک: ماں کے پیٹ کا اندھیرا، دوسرا: رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا: مشیمہ کا اندھیرا، وہ جھلی یا پردہ جس کے اندر بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

⑦ یا کیوں تم حق سے باطل کی طرف اور ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر رہے ہو؟

⑧ اس کی تشریح کے لیے دیکھیے سورۂ ابراہیم 14:8 کا حاشیہ۔

تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ

شکر کرو تو وہ اُسے تمھارے لیے پسند کرے گا[1] اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا، پھر تم سب کا لوٹنا تمھارے رب ہی کی طرف ہے۔ تمھیں وہ بتلا دے گا جو تم کرتے تھے۔ یقیناً وہ دلوں تک کی باتوں کا واقف ہے⑦ اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رُجوع کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتا ہے، پھر جب اللہ اُسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اُس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اُسے (بالکل) بھول جاتا ہے[2] اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے جس سے (اوروں کو بھی) اُس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لے، (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے⑧ بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو،[3] بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے

① یعنی کفر اگرچہ انسان اللہ کی مشیت ہی سے کرتا ہے کیونکہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا نہ ہو ہی سکتا ہے، تاہم کفر کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کا راستہ تو شکر ہی کا راستہ ہے نہ کہ کفر کا، یعنی اس کی مشیت اور چیز ہے اور اس کی رضا اور چیز ہے، جیسا کہ پہلے بھی اس نکتے کی وضاحت بعض مقامات پر کی جا چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ بقرہ 2:253 و سورۂ انعام 6:35 و سورۂ یٰسٓ 36:47 اور سورۂ زخرف 43:20 کے حواشی)

② یا اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے وہ دوسروں کو چھوڑ کر، اللہ سے دعا کرتا تھا یا اس رب کو بھول جاتا ہے، جسے وہ پکارتا تھا اور اس کے سامنے تضرع کرتا تھا اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

③ مطلب یہ ہے کہ ایک یہ کافر و مشرک ہے جس کا یہ حال ہے جو ابھی مذکور ہوا اور دوسرا وہ شخص ہے جو تنگی اور خوشی میں، رات کی گھڑیاں اللہ کے سامنے عاجزی اور فرماں برداری کا اظہار کرتے ہوئے، سجود و قیام میں گزارتا ہے۔ آخرت کا خوف بھی اس کے دل میں ہے اور رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہے، یعنی خوف و رجا دونوں کیفیتوں سے وہ سرشار ہے جو اصل ایمان ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ خوف و رجا کے بارے میں حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس گئے جبکہ اس پر سکرات الموت کی کیفیت طاری تھی، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے؟'' اس نے کہا: ''میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتا بھی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس موقع پر جس بندے کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس سے اسے بچا لیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 983 و سنن ابن ماجه، حديث: 4261)

لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ

ہیں؟ (1) یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں ﴿۹﴾ (2) کہہ دو کہ اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو، (3) جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں، اُن کے لیے نیک بدلہ ہے (4) اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے (5) صبر کرنے والوں ہی کو اُن کا پورا پورا بے شمار اَجر دیا جاتا ہے ﴿۱۰﴾ (6) آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اُسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں ﴿۱۱﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں

---

(1) یعنی وہ جو جانتے ہیں کہ اللہ نے ثواب وعقاب کا جو وعدہ کیا ہے، وہ حق ہے اور وہ جو اس بات کو نہیں جانتے۔ یہ دونوں برابر نہیں۔ ایک عالم ہے اور ایک جاہل۔ جس طرح علم و جہل میں فرق ہے، اسی طرح عالم و جاہل برابر نہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عالم وغیر عالم کی مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہو کہ جس طرح یہ دونوں برابر نہیں، اللہ کا فرماں بردار اور اس کا نافرمان، دونوں برابر نہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہے کیونکہ وہی علم سے فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور جو عمل نہیں کرتا وہ گویا ایسے ہی ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ عامل اور غیر عامل کی مثال ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں۔

(2) اور یہ اہل ایمان ہی ہیں نہ کہ کفار۔ گو وہ اپنے آپ کو صاحب دانش وبصیرت ہی سمجھتے ہوں لیکن جب وہ اپنی عقل و دانش کو استعمال کر کے غور وتدبر ہی نہیں کرتے اور عبرت ونصیحت ہی حاصل نہیں کرتے تو ایسے ہی ہے گویا وہ چوپاؤں کی طرح عقل و دانش سے محروم ہیں۔

(3) اس کی اطاعت کر کے، معاصی سے اجتناب کر کے اور عبادت واطاعت کو اس کے لیے خالص کر کے۔

(4) یہ تقویٰ کے فوائد ہیں۔ نیک بدلے سے مراد جنت اور اس کی ابدی نعمتیں ہیں۔ بعض فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا کو حَسَنَةٌ سے متعلق مان کر ترجمہ کرتے ہیں: ''جو نیکی کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا میں نیک بدلہ ہے۔'' یعنی اللہ انھیں دنیا میں صحت و عافیت، کامیابی اور غنیمت وغیرہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن پہلا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے۔

(5) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان وتقویٰ پر عمل مشکل ہو تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں بلکہ وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقے میں چلے جانا چاہیے جہاں انسان احکام الٰہی کے مطابق زندگی گزار سکے اور جہاں ایمان وتقویٰ کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو لیکن آج کل مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی ماحول اور اسلامی معاشروں سے نکل کر محض مادّی منفعت اور دنیوی آسائشوں کی فراوانی کے لیے دیار کفر میں رہائش پذیر ہے جہاں ان کی تہذیب اور دین وایمان کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ گویا قرآنی حکم کے برعکس دین کی حفاظت کی غرض سے ترک وطن کے بجائے دین واخلاق اسلامی کی بربادی کے لیے وطن مالوف، خویش واقارب اور اسلامی ماحول کو خیر باد کہنے کو معمول بنالیا گیا ہے۔

(6) اسی طرح ایمان وتقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات ولذات نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لیے صبر کی

أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ⑫ قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑬ قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُۥ دِينِي ⑭ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِۦ ۗ قُلْ إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ أَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ⑮ لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِۦ عِبَادَهُۥ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُونِ ⑯ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطّٰغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوٓا إِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ ۚ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ⑱

سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں⑫ [1] کہہ دیجیے کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے⑬ کہہ دیجیے کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں⑭ تم اُس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجیے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے⑮ اُنھیں نیچے اوپر سے آگ کے (شعلے مثل) سائبان (کے) ڈھانک رہے ہوں گے۔ [2] یہی (عذاب) ہیں جن سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے، [3] اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو⑯ اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے⑰ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر جو بہترین بات ہو [4] اُس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل مند بھی ہیں⑱ [5]

ضرورت ہے، اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہوگا، یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہوگا کیونکہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور انتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس لیے کہ جزع فزع اور بے صبری سے نازل شدہ مصیبت ٹل نہیں جاتی، جس خیر اور فائدے سے محرومی ہوگئی ہے، وہ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو ناگوار صورت حال پیش آ چکی ہوتی ہے، اس کا اندفاع ممکن نہیں۔ جب یہ بات ہے تو انسان صبر کر کے وہ اجر عظیم کیوں نہ حاصل کرے جو صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔

① پہلا اس معنی میں کہ آبائی دین کی مخالفت کر کے توحید کی دعوت سب سے پہلے آپ ہی نے پیش کی۔

② ﴿ظُلَلٌ﴾ ظُلَّةٌ کی جمع ہے، سایہ۔ یہاں أطباق النار مراد ہیں، یعنی ان کے اوپر نیچے آگ کے طبق ہوں گے، جو ان پر بھڑک رہے ہوں گے۔ (فتح القدیر)

③ یعنی یہی مذکور خسران مبین اور عذاب ظُلل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تا کہ وہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے اس انجام بد سے بچ جائیں۔

④ أَحْسَنُ سے مراد محکم اور پختہ بات یا مامورات میں سے سب سے اچھی بات یا عزیمت و رخصت میں سے عزیمت یا عقوبت

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿19﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿20﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿21﴾ ع 2/12/16

بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے،[1] تو کیا آپ اُسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں؟[2] ﴿19﴾ ہاں! وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بنے بنائے بالا خانے ہیں[3] (اور) اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ رب کا وعدہ ہے[4] اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ﴿20﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی اتارتا ہے، پھر اُس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا ہے،[5] پھر اُسی کے ذریعے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اُگاتا ہے،[6] پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں اور آپ اُنھیں زرد رنگ دیکھتے ہیں، پھر اُنھیں ریزہ ریزہ کر دیتا ہے،[7] اس میں عقل مندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے ﴿21﴾[8]

(بدلہ لینے) کے مقابلے میں عفو ودرگزر اختیار کرتے ہیں۔

⑤ کیونکہ انھوں نے اپنی عقل سے فائدہ اٹھایا ہے جبکہ دوسروں نے اپنی عقلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

① یعنی قضا وتقدیر کی رو سے اس کا استحقاق عذاب ثابت ہو چکا ہے، اس طرح کہ کفر وظلم اور جرم وعدوان میں وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا، جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی، جیسے ابوجہل اور عاص بن وائل وغیرہ۔ اور گناہوں نے اس کو پوری طرح گھیر لیا اور وہ جہنمی ہو گیا۔

② نبی ﷺ چونکہ اس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ آپ کی قوم کے سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دی اور آپ کو بتلایا کہ آپ کی خواہش اپنی جگہ بالکل صحیح اور بجا ہے لیکن جس پر اس کی تقدیر غالب آ گئی اور اللہ کا کلمہ اس کے حق میں ثابت ہو گیا، اسے آپ جہنم کی آگ سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

③ اس کا مطلب ہے کہ جنت میں درجات ہوں گے، ایک کے اوپر ایک۔ جس طرح یہاں کثیر المنازل عمارتیں ہیں، جنت میں بھی درجات کے حساب سے ایک دوسرے کے اوپر بالا خانے ہوں گے، جن کے درمیان سے اہل جنت کی خواہش کے مطابق دودھ، شہد، پانی اور شراب کی نہریں چل رہی ہوں گی۔

④ جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیا ہے اور جو یقیناً پورا ہو گا کہ اللہ سے وعدہ خلافی ممکن نہیں۔

⑤ ﴿يَنَابِيْعَ﴾ يَنْبُوعٌ کی جمع ہے، سوتے، چشمے، یعنی بارش کے ذریعے سے پانی آسمان سے اترتا ہے، پھر وہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں نکلتا ہے یا تالابوں اور نہروں میں جمع ہو جاتا ہے۔

⑥ یعنی اس پانی سے جو ایک ہوتا ہے، انواع واقسام کی چیزیں پیدا فرماتا ہے جن کا رنگ، ذائقہ، خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

⑦ یعنی شادابی اور تروتازگی کے بعد وہ کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں اور زرد ہو جاتی ہیں اور پھر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ جس طرح لکڑی کی ٹہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

⑧ یعنی اہل دانش اس سے سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا کی مثال بھی اسی طرح ہے، وہ بھی بہت جلد زوال وفنا سے ہم کنار ہو جاتی ہے۔ اس کی

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ط فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿22﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے[1] اور ہلاکت ہے اُن کے لیے جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں﴿22﴾ اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے،[2] جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں،[3] آخر میں اُن کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں،[4] یہ ہے اللہ کی

رونق و بہجت، اس کی شادابی و زینت اور اس کی لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں جن سے انسان کو دل نہیں لگانا چاہیے بلکہ اس موت کی تیاری میں مشغول رہنا چاہیے جس کے بعد کی زندگی دائمی ہے جسے زوال نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قرآن اور اہل ایمان کے سینوں کی مثال ہے اور مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قرآن اتارا جسے وہ مومنوں کے دلوں میں داخل فرماتا ہے، پھر اس کے ذریعے سے دین باہر نکالتا ہے جو ایک دوسرے سے بہتر ہوتا ہے، پس مومن تو ایمان و یقین میں زیادہ ہو جاتا ہے اور جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، وہ اس طرح خشک ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی خشک ہو جاتی ہے۔ (فتح القدیر)

① یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے، پس وہ اس شرح صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہو، کیا یہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور اس کا سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

② ﴿اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے، ملتی جلتی کا مطلب، اس کے سارے حصے حسن کلام، اعجاز و بلاغت، صحت معانی وغیرہ خوبیوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یا یہ بھی سابقہ کتب آسمانی سے ملتا ہے، یعنی ان کے مشابہ ہے۔ ﴿مَّثَانِيَ﴾ جس میں قصص و واقعات اور مواعظ و احکام کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

③ کیونکہ وہ ان وعیدوں کو اور تخویف و تہدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لیے اس میں ہے۔

④ یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں، جسے وہ ''وجد و حال یا سکر و مستی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجوہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی تلاوت ہے جبکہ کفار کا سماع، بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع مشرکانہ غلو پر مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرے یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے، رجا و محبت سے اور علم و فہم سے رو پڑتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں جبکہ کفار شور کرتے اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے: اہل ایمان سماع قرآن کے وقت آداب و تواضع

يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿23﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿24﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿25﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿26﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿27﴾ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿28﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

وقف لازم

ہدایت جسے چاہے یہ دکھا دیتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی راہ بھلا دے اُس کا ہادی کوئی نہیں﴿23﴾ بھلا جو شخص قیامت کے دن کے بدترین عذاب کی ڈھال اپنے منہ کو بنائے گا۔ (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ اپنے کیے کا وبال چکھو﴿24﴾[1] اُن سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا، پھر اُن پر وہاں سے عذاب آپڑا جہاں سے اُن کو خیال بھی نہ تھا﴿25﴾[2] اور اللہ نے انھیں زندگانی دنیا میں رُسوائی کا مزہ چکھایا[3] اور ابھی آخرت کا تو بڑا بھاری عذاب ہے کاش کہ یہ لوگ سمجھ لیں﴿26﴾ اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں﴿27﴾[4] قرآن ہے عربی میں جس میں کوئی کجی نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ پرہیز گاری اختیار کر لیں﴿28﴾[5] اللہ مثال بیان فرما رہا ہے، ایک وہ شخص جس میں بہت سے باہم ضد رکھنے والے ساجھی ہیں اور دوسرا وہ شخص جو صرف ایک ہی کا (غلام) ہے، کیا یہ دونوں صفت میں یکساں ہیں،[6] اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے۔[7] بات یہ ہے کہ اُن میں سے اکثر لوگ

اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابۂ کرام کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر)

① یعنی کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو قیامت والے دن بالکل بے خوف اور امن میں ہوگا، یعنی محذوف عبارت ملا کر اس کا یہ مفہوم ہوگا۔

② اور انھیں ان عذابوں سے کوئی نہیں بچا سکا۔

③ یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ گزشتہ قوموں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کا یہ حال ہوا اور تم اَشْرَفُ الرُّسُل اور اَفْضَلُ النَّاس کی تکذیب کر رہے ہو، تمھیں بھی اس تکذیب کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔

④ یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہر طرح کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں باتیں بیٹھ جائیں اور وہ نصیحت حاصل کریں۔

⑤ یعنی قرآن واضح عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی، انحراف اور التباس نہیں ہے تاکہ لوگ اس میں بیان کردہ وعیدوں سے ڈریں اور اس میں بیان کیے گئے وعدوں کا مصداق بننے کے لیے عمل کریں۔

⑥ اس میں مشرک (اللہ کا شریک ٹھہرانے والے) اور مخلص (صرف ایک اللہ کے لیے عبادت کرنے والے) کی مثال بیان کی گئی ہے، یعنی ایک غلام ہے جو کئی شخصوں کے درمیان مشترکہ ہے، چنانچہ وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک غلام ہے جس کا مالک

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿29﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿30﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿31﴾

سمجھتے نہیں ﴿29﴾ [1] یقیناً خود آپ کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہے اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں ﴿30﴾ پھر تم سب کے سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے، جھگڑو گے ﴿31﴾ [2]

صرف ایک ہی شخص ہے، اس کی ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں۔ نہیں، یقیناً نہیں۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اور وہ مخلص مومن جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ برابر نہیں ہو سکتے۔

﴿7﴾ اس بات پر کہ اس نے حجت قائم کر دی۔

﴿1﴾ اسی لیے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

﴿2﴾ یعنی اے پیغمبر! آپ بھی اور آپ کے مخالف بھی، سب موت سے ہم کنار ہو کر اس دنیا سے ہمارے پاس آخرت میں آئیں گے۔ دنیا میں تو توحید اور شرک کا فیصلہ تمھارے درمیان نہیں ہو سکا اور تم اس بارے میں جھگڑتے ہی رہے لیکن یہاں میں اس کا فیصلہ کروں گا اور مخلص موحدین کو جنت میں اور مشرکین و جاحدین اور مکذبین کو جہنم میں داخل کروں گا۔ ان آیات سے بھی وفات النبی ﷺ کا اثبات ہوتا ہے، جس طرح کہ سورۂ آل عمران 3:144 سے بھی ہوتا ہے اور جس سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں میں آپ ﷺ کی موت کا تحقق فرمایا تھا، اس لیے نبی ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو برزخ میں بالکل اسی طرح زندگی حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی، قرآن کی نصوص کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ پر بھی دیگر انسانوں ہی کی طرح موت طاری ہوئی، اسی لیے آپ کو دفن کیا گیا، قبر میں آپ کو برزخی زندگی تو یقیناً حاصل ہے جس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں لیکن دوبارہ قبر میں آپ کو دنیوی زندگی عطا نہیں کی گئی۔ ﷺ۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مسئلہ حیات النبی ﷺ" تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿33﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿34﴾ ۚۖ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿35﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿36﴾ ۚ وَمَنْ

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے؟[1] اور سچا دین جب اُس کے پاس آئے تو اُسے جھوٹا بتائے؟[2] کیا ایسے کفار کے لیے جہنم ٹھکانا نہیں ہے؟﴿32﴾ اور جو سچے دین کو لائے[3] اور جس نے اُس کی تصدیق کی[4] یہی لوگ پارسا ہیں ﴿33﴾ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس (ہر) وہ چیز ہے جو یہ چاہیں،[5] نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے ﴿34﴾[6] تاکہ اللہ اُن سے اُن کے بُرے عملوں کو دور کر دے اور جو نیک کام اُنھوں نے کیے ہیں اُن کا اچھا بدلہ عطا فرمائے ﴿35﴾ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟[7] یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُس کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ﴿36﴾[8] اور جسے

---

① یعنی دعویٰ کرے کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کا شریک ہے یا اس کی بیوی ہے درآں حالیکہ وہ ان سب چیزوں سے پاک ہے۔

② جس میں توحید ہے، احکام و فرائض ہیں، عقیدۂ بعث و نشور ہے، محرمات سے اجتناب ہے، مومنین کے لیے خوش خبری اور کافروں کے لیے وعیدیں ہیں۔ یہ دین و شریعت جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اسے وہ جھوٹا بتلائے۔

③ اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جو سچا دین لے کر آئے۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے اور اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو توحید کی دعوت دیتا اور اللہ کی شریعت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

④ بعض نے اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

⑤ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرما دے گا، ان کے درجے بھی بلند فرمائے گا کیونکہ ہر مسلمان کی اللہ سے یہی خواہش ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جنت میں جانے کے بعد ہر مطلوب چیز بھی ملے گی۔

⑥ ﴿اَلْمُحْسِنِيْنَ﴾ کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو نیکیاں کرنے والے ہیں۔ دوسرا: وہ جو اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے حدیث میں ''احسان'' کی تعریف کی گئی ہے: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» ''تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ تصور ممکن نہ ہو تو یہ ضرور ذہن میں رہے کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' تیسرا: جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔ چوتھا: ہر نیک عمل کو اچھے طریقے سے خشوع و خضوع سے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق کرتے ہیں۔ کثرت کے بجائے اس میں ''حسن'' کا خیال رکھتے ہیں۔

⑦ اس سے مراد نبیٔ کریم ﷺ ہیں۔ اور حکم اس کا عام ہے، تمام انبیاء اور مومنین اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب آپ کا حامی و ناصر ہو تو آپ کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، وہ ان سب کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔

⑧ جو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر لگا دے۔

يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿37﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿38﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿40﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں،[1] کیا اللہ غالب اور بدلہ لینے والا نہیں ہے؟ (37)[2] اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اُس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اُس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے،[3] توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں (38)[4] کہہ دیجیے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کیے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں،[5] ابھی ابھی تم جان لو گے (39) کہ کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے[6] اور کس پر دائمی مار اور ہمیشگی کی سزا ہوتی ہے (40)[7] آپ پر ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کے لیے نازل فرمائی ہے، پس جو شخص راہِ راست پر آ جائے اُس کے اپنے لیے نفع ہے اور جو گمراہ ہو جائے اُس کی گمراہی

---

(1) جو اس کو ہدایت سے نکال کر گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے، یعنی ہدایت اور گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز دے۔

(2) کیوں نہیں، یقیناً ہے، اس لیے کہ اگر یہ لوگ کفر و عناد سے باز نہ آئے تو یقیناً وہ اپنے دوستوں کی حمایت میں ان سے انتقام لے گا اور انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرے گا۔

(3) بعض کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے مذکورہ سوال ان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا کہ واقعی وہ اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، البتہ وہ سفارش کریں گے جس پر یہ ٹکڑا نازل ہوا کہ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو میرے معاملات میں اللہ ہی کافی ہے۔

(4) جب سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے تو پھر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا فائدہ، اس لیے اہل ایمان صرف اس پر توکل کرتے ہیں، اس کے سوا کسی پر ان کا اعتماد نہیں۔

(5) یعنی اگر تم میری اس دعوت توحید کو قبول نہیں کرتے جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے تو ٹھیک ہے، تمھاری مرضی، تم اپنی اس حالت پر قائم رہو جس پر تم ہو، میں اس حالت پر رہتا ہوں جس پر مجھے اللہ نے رکھا ہے۔

(6) جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تمکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا، جس کے بعد کافروں کے لیے سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔

(7) اس سے مراد عذاب جہنم ہے جس میں کافر ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿41﴾ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿43﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿44﴾ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ

کا (وبال) اُسی پر ہے، تُو اُن کا ذمے دار نہیں ﴿41﴾ [1] اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت [2] اور جن کی موت نہیں آئی اُنھیں اُن کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، [3] پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے۔ اُنھیں تو روک لیتا ہے [4] اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ [5] غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ﴿42﴾ [6] کیا اُن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں) کو سفارشی مقرر کر رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں ﴿43﴾ [7] کہہ دیجیے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے۔ [8] تمام آسمانوں اور زمین کا راج اُسی کے لیے ہے تم سب اُسی کی طرف پھیرے جاؤ گے ﴿44﴾ جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے

① نبی ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مُکَلَّف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنا لیں گے تو اس میں انھی کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مُکَلَّف اور ذمے دار کے ہیں، یعنی آپ ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک قدرت بالغہ اور صنعت عجیبہ کا تذکرہ فرما رہا ہے جس کا مشاہدہ ہر روز انسان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو اس کی روح اللہ کے حکم سے گویا نکل جاتی ہے کیونکہ اس کے احساس و ادراک کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو روح اس میں گویا دوبارہ بھیج دی جاتی ہے جس سے اس کے حواس بحال ہو جاتے ہیں، البتہ جس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوتے ہیں، اس کی روح واپس نہیں آتی اور وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس کو بعض مفسرین نے وفات صغریٰ اور وفات کبریٰ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

② یہ وفات کبریٰ ہے کہ روح قبض کر لی جاتی ہے، واپس نہیں آتی۔

③ یعنی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تو سونے کے وقت ان کی روح بھی قبض کر کے انھیں وفات صغریٰ سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔

④ یہ وہی وفات کبریٰ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں روح روک لی جاتی ہے۔

⑤ یعنی جب تک ان کا وقت موعود نہیں آتا، اس وقت تک کے لیے ان کی روحیں واپس ہوتی رہتی ہیں، یہ وفات صغریٰ ہے، یہی مضمون سورۂ انعام 61,60:6 میں بیان کیا گیا ہے، تاہم وہاں وفات صغریٰ کا ذکر پہلے اور وفات کبریٰ کا بعد میں ہے جبکہ یہاں اس کے برعکس ہے۔

⑥ یعنی یہ روح کا قبض اور اس کا إِرْسَال اور تَوَفِّي اور إِحْيَاء اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور قیامت والے دن وہ مردوں کو بھی یقیناً زندہ فرمائے گا۔

⑦ یعنی شفاعت کا اختیار تو کجا انھیں تو شفاعت کے معنی و مفہوم کا بھی پتہ نہیں کیونکہ وہ پتھر ہیں یا بے خبر۔

⑧ یعنی شفاعت کی تمام اقسام کا مالک صرف اللہ ہی ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش ہی نہیں کر سکے گا، پھر صرف ایک اللہ

قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿45﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿46﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿47﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا

تو اُن لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں[1] جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اُس کے سوا (اور کا) ذکر کیا جائے تو اُن کے دل کِھل کر خوش ہو جاتے ہیں﴿45﴾[2] آپ کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، چھپے کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں اُن امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے﴿46﴾[3] اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو رُوئے زمین پر ہے اور اُس کے ساتھ اُتنا ہی اور ہو تو بھی بدترین سزا کے بدلے میں قیامت کے دن یہ سب کچھ دے دیں،[4] اور اُن کے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا اُنھیں گمان بھی نہ تھا﴿47﴾[5] جو کچھ اُنھوں نے کیا تھا اُس کی برائیاں اُن پر

ہی کی عبادت کیوں نہ کی جائے تا کہ وہ راضی ہو جائے۔

① یا کفر اور اِستِکبَار یا اِنقِبَاض محسوس کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ مشرکین سے جب یہ کہا جائے کہ معبود صرف ایک ہی ہے تو ان کے دل یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

② ہاں جب یہ کہا جائے کہ فلاں فلاں بھی معبود ہیں یا وہ بھی آخر اللہ کے نیک بندے ہیں، وہ بھی کچھ اختیار رکھتے ہیں، وہ بھی مشکل کشائی اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو پھر مشرکین بڑے خوش ہوتے ہیں۔ منحرفین کا یہی حال آج بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ صرف ''یا اللہ مدد'' کہو کیونکہ اس کے سوا کوئی مدد کرنے پر قادر نہیں ہے تو سیخ پا ہو جاتے ہیں، یہ جملہ ان کے لیے سخت ناگوار ہوتا ہے۔ لیکن جب ''یا علی مدد'' یا ''یا رسول اللہ مدد'' کہا جائے، اسی طرح دیگر فوت شدگان سے استمداد و استغاثہ کیا جائے، مثلاً: یَا شَیْخُ عَبْدَالْقَادِرِ شَیْئًا لِلّٰہِ ''اے شیخ عبدالقادر! اللہ کے لیے کچھ دے دیجیے۔'' وغیرہ تو پھر ان کے دلوں کی کلیاں کِھل اٹھتی ہیں۔ ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''بعد والے مشرکوں کے دل (بھی) پیش رو مشرکوں کے مشابہ ہو گئے۔''

③ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے آغاز میں بطور دعائے استفتاح یہ پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَإِسرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ» (صحیح مسلم، حدیث: 770) ''اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار، آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، مجھے اپنے خصوصی اذن سے اُس حق کی طرف ہدایت دے جس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یقیناً تو جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔''

④ لیکن پھر بھی وہ قبول نہیں ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے: ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ (آل عمران 3:91) ''وہ زمین بھر سونا بھی بدلے میں دے دیں تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اس لیے کہ ﴿لَا يُؤْخَذُ

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿48﴾ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿49﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿50﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿51﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

ظاہر ہوجائیں گی[1] اور جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے وہ اُنھیں آ گھیرے گا﴿48﴾[2] انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے،[3] پھر جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے (میری) قابلیت کی وجہ سے ملی ہے[4] بلکہ یہ آزمائش ہے[5] لیکن اُن میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں﴿49﴾[6] ان سے اگلے بھی یہی بات کہہ چکے ہیں، پس اُن کی کارروائی اُن کے کچھ کام نہ آئی﴿50﴾[7] پھر اُن کی کی ہوئی تمام برائیاں[8] اُن پر آ پڑیں اُن میں سے بھی جو گناہ گار ہیں اُن کی کی ہوئی برائیاں بھی اب اُن پر آ پڑیں گی اور یہ (ہمیں) ہرا دینے والے نہیں﴿51﴾[9] کیا اُنھیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے

﴿مِنْهَا عَدْلٌ﴾ (البقرۃ 48:2) ''وہاں کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''

⑤ یعنی عذاب کی شدت اور اس کی ہولناکیاں اور اس کی انواع و اقسام ایسی ہوں گی کہ کبھی ان کے گمان میں نہ آئی ہوں گی۔

① یعنی دنیا میں جن محارم و مآثم کا وہ ارتکاب کرتے رہے تھے، اس کی سزا ان کے سامنے آ جائے گی۔

② وہ عذاب انھیں گھیر لے گا جسے وہ دنیا میں ناممکن سمجھتے تھے، اس لیے اس کا استہزا اڑایا کرتے تھے۔

③ یہ انسان کا باعتبار جنس ذکر ہے، یعنی انسانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ جب انھیں بیماری، فقر و فاقہ یا کوئی اور تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے نجات پانے کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔

④ یعنی نعمت ملتے ہی سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں اللہ کا کیا احسان، یہ تو میری اپنی دانائی کا نتیجہ ہے۔ یا جو علم و ہنر میرے پاس ہے، اس کی بدولت یہ نعمتیں حاصل ہوئی ہیں یا مجھے معلوم تھا کہ دنیا میں یہ چیزیں مجھے ملیں گی کیونکہ اللہ کے ہاں میرا بہت مقام ہے۔

⑤ یعنی بات وہ نہیں ہے جو تو سمجھ رہا یا بیان کر رہا ہے بلکہ یہ نعمتیں تیرے لیے امتحان اور آزمائش ہیں کہ تو شکر کرتا ہے یا کفر۔

⑥ اس بات سے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج اور امتحان ہے۔

⑦ جس طرح قارون نے بھی کہا تھا لیکن بالآخر وہ اپنے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ ﴿فَمَاۤ اَغْنٰى﴾ میں ما استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ بھی۔ دونوں طرح معنی صحیح ہے۔

⑧ برائیوں سے مراد ان کی برائیوں کی جزا ہے، ان کو مشاکلت کے اعتبار سے سیئات کہا گیا ہے ورنہ برائی کی جزا، برائی نہیں ہے، جیسے ﴿جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ 40:42) ''برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔'' (فتح القدیر)

⑨ یہ کفار مکہ کو تنبیہ ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ بھی گزشتہ قوموں کی طرح قحط، قتل و اسارت وغیرہ سے دوچار ہوئے، اللہ کی طرف سے آئے ہوئے ان عذابوں کو یہ روک نہیں سکے۔

وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿53﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿54﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اور تنگ (بھی)، ایمان لانے والوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں﴿52﴾[1] (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے﴿53﴾[2] تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اُس کی حکم برداری کیے جاؤ اس سے قبل کہ تمھارے پاس عذاب آ جائے اور پھر تمھاری مدد نہ کی جائے﴿54﴾ اور اُس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اس سے

① یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں، یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے، اسی کی تدبیر موثر اور کارگر ہے، اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے، رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے اس فیصلے میں، جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتا ہے، کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ اس میں رد و بدل کر سکتا ہے، تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیونکہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

② اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت کا بیان ہے۔ اسراف کے معنی ہیں: حد سے تجاوز۔ اور یہاں اس کا مطلب ہے گناہوں کی کثرت اور اس میں افراط۔ ''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ و استغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے کتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گناہ گار ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کیونکر معاف کرے گا۔ بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کر لے گا یا توبۃ النصوح کر لے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا۔ شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ کافر و مشرک تھے جنھوں نے کثرت سے قتل اور زناکاری کا ارتکاب کیا تھا، یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی دعوت صحیح ہے لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطاکار ہیں اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب معاف ہو جائیں گے، جس پر اس آیت کا نزول ہوا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4810) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام و فرائض کی مطلق پروا نہ کرو اور اس کی حدود اور ضابطوں کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت نادانش مندی اور بے عقلی و جہالت ہے۔ یہ تخم حنظل بو کر ثمرات و فواکہ کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفور رحیم ہے، وہاں اس کا عذاب نافرمانوں کے لیے عذاب الیم بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہ ان دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا، مثلاً: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○﴾ (الحجر 15: 50,49) ''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔'' غالباً یہی وجہ ہے کہ یہاں آیت کا آغاز ﴿يٰعِبَادِيَ﴾ (میرے بندوں) سے فرمایا، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایمان لا کر یا سچی توبہ کر کے صحیح معنوں میں اس کا بندہ بن جائے گا، اس کے گناہ اگر سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں گے تو وہ معاف فرما دے گا، وہ اپنے بندوں کے لیے یقیناً غفور رحیم ہے، جیسے حدیث میں سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ کا واقعہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3470، و صحيح مسلم، حديث: 2766)

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿55﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿56﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿57﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿59﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿60﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿61﴾

پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمھیں اطلاع بھی نہ ہو﴿55﴾ [1] (ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس بات پر کہ میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی [2] بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا﴿56﴾ یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پارسا لوگوں میں ہوتا﴿57﴾ [3] یا عذاب کو دیکھ کر کہے کہ کاش! کسی طرح میرا لوٹ جانا ہو جاتا تو میں بھی نیکوکاروں میں ہو جاتا﴿58﴾ ہاں (ہاں) بے شک تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں﴿59﴾ [4] اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ قیامت کے دن اُن کے چہرے سیاہ ہوگئے ہوں گے، [5] کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں؟﴿60﴾ [6] اور جن لوگوں نے پرہیز گاری کی اُنھیں اللہ اُن کی کامیابی کے باعث بچا لے گا، [7] اُنھیں کوئی بُرائی چھو بھی نہ سکے گی اور نہ وہ کسی طرح غمگین ہوں گے﴿61﴾ [8]

① یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح کا اہتمام کر لو کیونکہ جب عذاب آئے گا تو اس کا تمھیں علم و شعور بھی نہیں ہوگا، اس سے مراد دنیوی عذاب ہے۔

② ﴿فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ کا مطلب اللہ کی اطاعت، یعنی قرآن اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہے۔ یا جَنْب کے معنی قرب اور جوار کے ہیں، یعنی اللہ کا قرب اور اس کا جوار (جنت) طلب کرنے میں کوتاہی کی۔

③ یعنی اگر اللہ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں شرک اور معاصی سے بچ جاتا۔ یہ اس طرح ہی ہے جیسے دوسرے مقام پر مشرکین کا قول نقل کیا گیا ہے: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ (الأنعام 148:6) ''اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔'' ان کا یہ قول کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ کا مصداق ہے۔ (فتح القدير) یعنی ''بات بجائے خود صحیح ہے لیکن اس سے مقصود باطل کا اثبات ہے۔''

④ یہ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے جواب میں فرمائے گا۔

⑤ جس کی وجہ عذاب کی ہولناکیاں اور اللہ کے غضب کا مشاہدہ ہوگا۔

⑥ حدیث میں ہے: «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحيح مسلم، حديث: 91) ''حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔'' یہ استفہام تقریری ہے، یعنی اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

⑦ مَفَازَةٌ مصدر میمی ہے، یعنی فَوْزٌ (کامیابی) شر سے بچ جانا اور خیر اور سعادت سے ہمکنار ہو جانا، مطلب ہے اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو اس فوز و سعادت کی وجہ سے نجات عطا فرما دے گا جو اللہ کے ہاں ان کے لیے پہلے سے ثبت ہے۔

⑧ وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ آئے ہیں، اس پر انھیں کوئی غم نہیں ہوگا، وہ چونکہ قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے، اس لیے انھیں کسی بات کا غم نہ ہوگا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡوَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿62﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿63﴾ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿64﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿65﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿66﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ

ع 11/6/3

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے﴿62﴾[1] آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا مالک وہی ہے،[2] جن جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں﴿63﴾[3] آپ کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھ سے اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کا کہتے ہو؟﴿64﴾[4] یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا﴿65﴾[5] بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر[6] اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا﴿66﴾اور اُن لوگوں نے جیسی قدر اللہ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی،[7] ساری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے

① یعنی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی، وہ جس طرح چاہے، تصرف اور تدبیر کرے۔ ہر چیز اس کے ماتحت اور زیر تصرف ہے۔ کسی کو سرتابی یا انکار کی مجال نہیں۔ وکیل، بمعنی محافظ اور مدبر۔ ہر چیز اس کے سپرد ہے اور وہ بغیر کسی کی مشارکت کے ان کی حفاظت اور تدبیر کر رہا ہے۔

② ﴿مَقَالِيْدُ﴾ مِقْلِید اور مِقْلَاد کی جمع ہے۔ یا إِقْلِید کی خلاف قیاس جمع ہے۔(فتح القدیر) بعض نے اس کا ترجمہ ''چابیاں'' اور بعض نے ''خزانے'' کیا ہے، مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ تمام معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔

③ یعنی کامل خسارہ کیونکہ اس کفر کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلے گئے۔

④ یہ کفار کی اس دعوت کے جواب میں ہے جو وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے کہ اپنے آبائی دین کو اختیار کرلیں جس میں بتوں کی عبادت تھی۔

⑤ ''اگر تو نے شرک کیا'' کا مطلب ہے، اگر موت شرک پر آئی اور اس سے توبہ نہ کی۔ خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے جو شرک سے پاک بھی تھے اور آئندہ کے لیے محفوظ بھی کیونکہ پیغمبر اللہ کی حفاظت و عصمت میں ہوتا ہے، ان سے ارتکاب شرک کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن یہ دراصل امت کے لیے تعریض اور اس کو سمجھانا مقصود ہے۔

⑥ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی طرح یہاں بھی مفعول (لفظ اللہ) کو مقدم کر کے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا گیا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔

⑦ کیونکہ اس کی بات بھی نہیں مانی جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے سے ان تک پہنچائی تھی اور عبادت بھی اس کے لیے خالص نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ''ہم اللہ کی بابت (کتابوں میں) یہ بات پاتے ہیں کہ وہ (قیامت والے دن) آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور ثریٰ (تری) کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔'' آپ نے مسکرا کر اس کی تصدیق کی اور

بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿67﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿68﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿69﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

ہوں گے،[1] وہ پاک اور برتر ہے ہر اُس چیز سے جسے لوگ اُس کا شریک بنائیں﴿67﴾ اور صور پھونک دیا جائے گا، پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے[2] مگر جسے اللہ چاہے،[3] پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس وہ ایک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگ جائیں گے﴿68﴾[4] اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی،[5] نامۂ اعمال حاضر کیے جائیں گے، نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا[6] اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کر دیے جائیں گے اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہوگا﴿69﴾[7] اور جس شخص نے جو کچھ کیا ہے

آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4811) محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی جن صفات کا ذکر قرآن اور احادیث صحیحہ میں ہے، (جس طرح اس آیت میں ہاتھ کا اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے) ان پر بلا کیف وتشبیہ اور بغیر تاویل وتحریف کے ایمان رکھنا ضروری ہے، اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو مجرد غلبہ وقوت کے مفہوم میں لینا صحیح نہیں ہے۔

① اس کی بابت بھی حدیث میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: «أَ نَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ» ''میں بادشاہ ہوں۔ زمین کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟'' (صحيح البخاري، حديث:4812)

② بعض کے نزدیک (نفخۂ فزع کے بعد) یہ نفخۂ ثانیہ، یعنی نفخۂ صعق ہے، جس سے سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض کے نزدیک یہ نفخۂ اولیٰ ہی ہے، اسی سے اولاً سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور پھر سب کی موت واقع ہو جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ کل چار نفخے ہوں گے: نفخة الفنا، نفخة البعث، نفخة الصعق اور نفخة القيام لرب العالمين. (أيسر التفاسير) بعض نے تین بتائے ہیں جبکہ راجح یہ ہے کہ دو نفخے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (دیکھیے فتح الباري:446/6، تحت حديث: 3408 و 4813)

③ یعنی جن کو اللہ چاہے گا، ان کو موت نہیں آئے گی، جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ بعض کہتے ہیں: رضوان فرشتہ، حَمَلَةُ الْعَرْشِ (عرش اٹھانے والے فرشتے) اور جنت وجہنم پر مقرر داروغے۔ (فتح القدير)

④ چار نفخوں کے قائلین کے نزدیک یہ چوتھا، تین کے قائلین کے نزدیک تیسرا اور دو کے قائلین کے نزدیک یہ دوسرا نفخہ ہے۔ بہرحال اس نفخے سے سب زندہ ہوکر میدان محشر میں رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے، جہاں حساب کتاب ہوگا۔

⑤ اس نور سے بعض نے عدل اور بعض نے حکم مراد لیا ہے لیکن اسے حقیقی معنوں پر محمول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کیونکہ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (فتح القدير)

⑥ نبیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا؟ یا یہ پوچھا جائے گا کہ تمھاری امتوں نے تمھاری دعوت کا کیا جواب دیا، اسے قبول کیا یا اس کا انکار کیا؟ امت محمدیہ کو بطور گواہ لایا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گی کہ تیرے پیغمبروں نے تیرا پیغام اپنی اپنی قوم یا امت کو پہنچا دیا تھا جیسا کہ تو نے ہمیں اپنے قرآن کے ذریعے سے ان امور پر مطلع فرمایا تھا۔

⑦ یعنی کسی کے اجر وثواب میں کمی نہیں ہوگی اور کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿70﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿71﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿72﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿73﴾ وَقَالُوا

بھرپور دے دیا جائے گا اور لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بخوبی جاننے والا ہے ﴿70﴾[1] کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے،[2] جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے اُن کے لیے کھول دیے جائیں گے،[3] اور وہاں کے نگہبان اُن سے سوال کریں گے کہ کیا تمھارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمھارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمھیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں، درست ہے[4] لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا ﴿71﴾[5] کہا جائے گا کہ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ جہاں ہمیشہ رہو گے، پس سرکشوں کا ٹھکانا بہت ہی برا ہے ﴿72﴾ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے اُن کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے[6] یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آ جائیں گے اور اُس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے[7] اور وہاں کے نگہبان اُن سے کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ ہو، تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ ﴿73﴾ یہ کہیں گے کہ

① یعنی اس کو کسی کاتب، حاسب اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اعمال نامے اور گواہ صرف بطور حجت اور قطع معذرت کے ہوں گے۔

② ﴿زُمَرًا﴾ زُمَرٌ سے مشتق ہے بمعنی آواز، ہر گروہ یا جماعت میں شور اور آوازیں ضرور ہوتی ہیں، اس لیے یہ جماعت اور گروہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہے کہ کافروں کو جہنم کی طرف گروہوں کی شکل میں لے جایا جائے گا، ایک گروہ کے پیچھے ایک گروہ۔ علاوہ ازیں انھیں مار دھکیل کر جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہنکایا جائے گا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؀﴾ (الطور 13:52) ''انھیں جہنم کی طرف سختی سے دھکیلا جائے گا۔''

③ یعنی ان کے پہنچتے ہی فوراً جہنم کے ساتوں دروازے کھول دیے جائیں گے تاکہ سزا میں تاخیر نہ ہو۔

④ یعنی جس طرح دنیا میں بحث و تکرار اور جدل و مناظرہ کرتے تھے، وہاں سب کچھ آنکھوں کے سامنے آ جانے کے بعد بحث و جدال کی گنجائش ہی باقی نہ رہے گی، اس لیے اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہوگا۔

⑤ یعنی ہم نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی، اس شقاوت کی وجہ سے جس کے ہم مستحق تھے جبکہ ہم نے حق سے گریز کر کے باطل کو اختیار کیا، اس مضمون کو سورۂ ملک 67:8-10 میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

⑥ اہل ایمان و تقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، پہلے مقربین، پھر ابرار، اس طرح درجہ بدرجہ، ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا، مثلاً: انبیاء، انبیاء کے ساتھ، صدیقین اور شہداء اپنے ہم جنسوں کے ساتھ۔ علماء اپنے اقران کے ساتھ، یعنی ہر صنف اپنی ہی صنف یا اس کی مثل کے ساتھ ہوگی۔ (ابن کثیر)

⑦ حدیث میں آتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک ریان ہے جس سے صرف روزے دار داخل ہوں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿74﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿75﴾

اٰيَاتُهَا 85 (40) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (60) رُكُوْعَاتُهَا 9	سورۂ مومن مکی ہے، اس میں 85 آیات اور 9 رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے ﴿74﴾ اور تو فرشتوں کو اللہ کے عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھے گا [1] اور اُن میں انصاف کا فیصلہ کیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ ساری خوبی اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے ﴿75﴾ [2]

(صحيح البخاري، حديث: 3257، وصحيح مسلم، حديث: 1152) اسی طرح دوسرے دروازوں کے بھی نام ہوں گے، جیسے باب الصلاة ، باب الصدقة، باب الجهاد وغیرہ (صحيح البخاري، حديث: 1897، و صحيح مسلم، حديث: 1027) ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی، اِس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث: 2967) سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے والے نبی ﷺ ہوں گے۔ (صحيح مسلم، حديث: 331-(196)) جنت میں سب سے پہلے جانے والے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکنے والے ستاروں میں سے روشن ترین ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ جنت میں وہ بول و براز اور تھوک، بلغم سے پاک ہوں گے، ان کی کنگھیاں سونے کی اور پسینہ کستوری ہوگا، ان کی انگیٹھیوں میں خوشبودار لکڑی ہوگی، ان کی بیویاں اَلْحُوْرُ الْعِین ہوں گی، ان کا قد آدم کی طرح ساٹھ ہاتھ ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3327) صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کو دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 3245) اور یہ دو بیویاں دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ اور ﴿وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ○﴾ کے تحت ان کے علاوہ بھی بیویاں ہوں گی۔ (صحيح مسلم، حديث: 2838، و فتح الباري: 392/6، حديث: 3327)

① قضائے الٰہی کے بعد جب اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر و شرک جہنم میں چلے جائیں گے، آیت میں اس کے بعد کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے عرش الٰہی کو گھیرے ہوئے تسبیح و تحمید میں مصروف ہوں گے۔

② یہاں حمد کی نسبت کسی ایک مخلوق کی طرف نہیں کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز (ناطق و غیر ناطق) کی زبان پر حمد الٰہی کے ترانے ہوں گے۔

❁ اس سورت کو سُوْرَةُ الْغَافِرِ اور سورَة الطَّوْل بھی کہتے ہیں۔

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤

حٰمٓ!① اس کتاب کا نازل فرمانا[1] اُس اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور باعلم ہے② [2] گناہ کا بخشنے والا (اور) توبہ کا قبول فرمانے والا،[3] سخت عذاب والا،[4] انعام وقدرت والا،[5] جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کی طرف واپس لوٹنا ہے③ اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں،[6] پس اُن کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے④ [7] قوم نوح نے اور اُن کے بعد کے گروہوں نے بھی جھٹلایا تھا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا[8] اور باطل کے ذریعے کج بحثیاں کیں تا کہ اُن سے حق کو بگاڑ دیں،[9] پس میں نے اُن کو پکڑ لیا، سو میری طرف سے کیسی سزا ہوئی⑤ [10]

① یا ﴿تَنْزِيْلُ﴾ مُنَزَّلٌ کے معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں۔

② جو غالب ہے، اس کی قوت اور غلبے کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا۔ علیم ہے، اس سے کوئی ذرہ تک پوشیدہ نہیں، چاہے وہ کتنے بھی کثیف پردوں میں چھپا ہو۔

③ گزشتہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور مستقبل میں ہونے والی کوتاہیوں پر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یا اپنے دوستوں کے لیے غافر ہے اور کافر ومشرک اگر توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

④ ان کے لیے جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیں اور تمرد وطغیان کا راستہ اختیار کریں یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہی ہے۔ ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○﴾ (الحجر 50,49:15) ”میرے بندوں کو بتلا دو کہ میں غفور ورحیم ہوں اور میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔“ قرآن کریم میں اکثر جگہ یہ دونوں وصف ساتھ ساتھ بیان کیے گئے ہیں تا کہ انسان خوف اور رجا کے درمیان رہے کیونکہ محض خوف ہی خوف، انسان کو رحمت ومغفرت الٰہی سے مایوس کر سکتا ہے اور نری امید گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے۔

⑤ ﴿الطَّوْلِ﴾ کے معنی فراخی اور تونگری کے ہیں، یعنی وہی فراخی اور تونگری عطا کرنے والا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: انعام اور تفضّل، یعنی اپنے بندوں پر انعام اور فضل کرنے والا ہے۔

⑥ اس جھگڑے سے مراد ناجائز اور باطل جھگڑا (جدال) ہے جس کا مقصد حق کی تکذیب اور اس کی تردید وتغلیط ہے ورنہ جس جدال (بحث ومناظرہ) کا مقصد ایضاح حق، ابطال باطل اور منکرین ومعترضین کے شبہات کا ازالہ ہو، وہ مذموم نہیں نہایت محمود ومستحسن ہے بلکہ اہل علم کو تو اس کی تاکید کی گئی ہے، ﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ (آل عمران 187:3) ”تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرنا، اسے چھپانا نہیں۔“ بلکہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے دلائل وبراہین کو چھپانا اتنا سخت جرم ہے کہ اس پر کائنات کی ہر چیز لعنت کرتی ہے۔ (البقرۃ 159:2)

⑦ یعنی یہ کافر ومشرک جو تجارت کرتے ہیں، اس کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے اور کثیر منافع حاصل کرتے ہیں، یہ اپنے کفر

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑧ وَقِهِمُ

اور اسی طرح آپ کے رب کا حکم کافروں پر ثابت ہوگیا کہ وہ دوزخی ہیں⑥ [1] عرش کے اٹھانے والے اور اُس کے آس پاس کے (فرشتے) اپنے رب کی تسبیح، حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے، پس تو اُنھیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو اُنھیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچا لے⑦ [2] اے ہمارے رب! تو اُنھیں ہیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے (بھی) اُن کو جو نیک عمل ہیں۔ [3] یقیناً تو تو غالب و باحکمت ہے⑧ اور انھیں

کی وجہ سے جلد ہی مؤاخذۂ الٰہی میں آ جائیں گے، یہ مہلت ضرور دیے جا رہے ہیں لیکن انھیں مہمل نہیں چھوڑا جائے گا۔

⑧ تاکہ اسے قید یا قتل کر دیں یا سزا دیں۔

⑨ یعنی اپنے رسولوں سے انھوں نے جھگڑا کیا، جس سے مقصود حق بات میں کیڑے نکالنا اور اسے کمزور کرنا تھا۔

⑩ چنانچہ میں نے ان حامیان باطل کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا، پس تم دیکھ لو ان کے حق میں میرا عذاب کس طرح آیا اور کیسے انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا یا انھیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔

① مقصد اس سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں پر تیرے رب کا عذاب ثابت ہوا اور وہ تباہ کر دی گئیں اگر یہ اہل مکہ بھی تیری تکذیب اور مخالفت سے باز نہ آئے اور جدال بالباطل کو ترک نہ کیا تو یہ بھی اسی طرح عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جائیں گے، پھر کوئی انھیں بچانے والا نہیں ہوگا۔

② اس میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا تذکرہ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کی وضاحت ہے، یہ گروہ ہے ان فرشتوں کا جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں۔ ان کا ایک کام یہ ہے کہ یہ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، یعنی نقائص سے اس کی تنزیہ، کمالات اور خوبیوں کا اس کے لیے اثبات اور اس کے سامنے عجز وتذلل، (ایمان) کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرا کام ان کا یہ ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ایک ضعیف روایت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتے چار ہیں مگر قیامت والے دن ان کی تعداد آٹھ ہوگی۔ (ابن کثیر، ومسند أحمد (الموسوعة): 159/4، حديث: 2314) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

③ یعنی ان سب کو جنت میں جمع فرما دے تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الطور 52:21) ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھی کی پیروی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ کی۔ ملا دیا ہم نے ان کے ساتھ ان کی

عٌ 6/1 السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا

برائیوں سے بھی محفوظ رکھ،[1] حق تو یہ ہے کہ اُس دن تو نے جسے برائیوں سے بچا لیا اُس پر تو نے رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے⑨[2] بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اُنھیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم سے بیزار ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم اپنے سے بیزار ہوتے تھے جب کہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے تو تم کفر کرنے لگتے تھے⑩[3] وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دوبار مارا اور دوبار ہی زندہ کیا،[4] اب ہم اپنے گناہوں کے اقراری ہیں،[5] تو کیا اب کوئی نکلنے کی بھی راہ ہے؟ ⑪[6] یہ (عذاب) تمھیں اس لیے ہے کہ جب

اولاد کو اور ہم نے ان کے عملوں میں سے کچھ کم نہیں کیا۔'' یعنی سب کو جنت میں اس طرح یکساں مرتبہ دے دیا کہ ادنیٰ کو بھی اعلیٰ مقام عطا کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ اعلیٰ مقام میں کمی کر کے انھیں ادنیٰ مقام پر لے آئے بلکہ ادنیٰ کو اٹھا کر اعلیٰ کر دیا اور اس کے عمل کی کمی کو اپنے فضل و کرم سے پورا کر دیا۔

1 ﴿ ﴾ سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے، یعنی انھیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔

2 یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں۔ ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں۔ (جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے) دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنَ الَّذِينَ يُلْحِقُهُمُ اللّٰهُ بِآبَائِهِمُ الصَّالِحِينَ.

3 مَقْتٌ سخت ناراضی کو کہتے ہیں۔ اہل کفر جو اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں جھلتے دیکھیں گے تو اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں جب تمھیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ تم پر ناراض ہوتا تھا جتنا تم آج اپنے آپ پر ہو رہے ہو۔ یہ اللہ کی اس ناراضی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج تم جہنم میں ہو۔

4 جمہور مفسرین کی تفسیر کے مطابق دو موتوں میں سے پہلی موت تو وہ نطفہ ہے جو باپ کی پشت میں ہوتا ہے، یعنی اس کے وجود (ہست) سے پہلے اس کے عدم وجود (نیست) کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری موت وہ ہے جس سے انسان اپنی زندگی گزار کر ہمکنار ہوتا اور اس کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور دو زندگیوں میں سے پہلی زندگی، یہ دنیوی زندگی ہے جس کا آغاز ولادت سے اور اختتام، وفات پر ہوتا ہے۔ اور دوسری زندگی وہ ہے جو قیامت والے دن قبروں سے اٹھنے کے بعد حاصل ہو گی۔ انھی دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ، ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ (البقرۃ 28:2) میں بھی کیا گیا ہے۔

5 یعنی جہنم میں اعتراف کریں گے، جہاں اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں اور وہاں پشیمانی کی کوئی حیثیت نہیں۔

6 یہ وہی خواہش ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے کہ ہمیں دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے تا کہ ہم نیکیاں کما کر لائیں۔

دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿12﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿13﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿14﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿15﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ

صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اُس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے[1] پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے ﴿12﴾[2] وہی ہے جو تمھیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے روزی اُتارتا ہے،[3] اور نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو رجوع کرتے ہیں ﴿13﴾[4] پس تم اللہ کو اُس کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے رہو گو کافر بُرا ہی مانیں ﴿14﴾[5] بلند درجوں والا عرش کا مالک وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے[6] تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے ﴿15﴾ جس دن سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے،[7] اُن کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟[8]

① یہ ان کے جہنم سے نہ نکالے جانے کا سبب بیان فرمایا کہ تم دنیا میں اللہ کی توحید کے منکر تھے اور شرک تمھیں مرغوب تھا، اس لیے اب جہنم کے دائمی عذاب کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں۔

② اسی ایک اللہ کا حکم ہے کہ اب تمھارے لیے جہنم کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ جو ﴿الْعَلِيِّ﴾ یعنی ان باتوں سے بلند ہے کہ اس کی ذات یا صفات میں کوئی اس جیسا ہو اور ﴿الْكَبِيْرِ﴾، یعنی ان باتوں سے بہت بڑا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہو یا بیوی اور اولاد ہو یا شریک ہو۔

③ یعنی پانی جو تمھارے لیے تمھاری روزیوں کا سبب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے اظہار آیات کو انزال رزق کے ساتھ جمع فرمادیا ہے، اس لیے کہ آیات قدرت کا اظہار ادیان کی بنیاد ہے اور روزیاں ابدان کی بنیاد ہیں۔ یوں یہاں دونوں بنیادوں کو جمع فرمادیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

④ اللہ کی اطاعت کی طرف جس سے ان کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور احکام و فرائض الٰہی کی پابندی کرتے ہیں۔

⑤ یعنی جب سب کچھ اللہ ہی اکیلا کرنے والا ہے تو کافروں کو چاہے کتنا بھی ناگوار گزرے، صرف اسی ایک اللہ کو پکارو، اس کے لیے عبادت واطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔

⑥ ﴿الرُّوْحَ﴾ سے مراد وحی ہے جو وہ بندوں میں سے ہی کسی کو رسالت کے لیے چن کر اس پر نازل فرماتا ہے، وحی کو روح سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح روح میں انسانی زندگی کی بقا و سلامتی کا راز مضمر ہے۔ اسی طرح وحی سے بھی ان انسانی قلوب میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے جو پہلے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ ہوتے ہیں۔

⑦ یعنی زندہ ہو کر قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔

⑧ یہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جب سارے انسان اس کے سامنے میدان محشر میں جمع ہوں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور کہے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (صحيح البخاري، حديث: 4812)

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳ ع 2 11 7 اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي

فقط اللہ واحد وقہار کی ⑯ [1] آج ہر نفس کو اُس کی کمائی کا پھل دیا جائے گا۔ آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں، یقیناً اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے ⑰ [2] اور اُنھیں بہت ہی قریب آنے والی کے دن سے [3] (قیامت سے) آگاہ کر دیں جب کہ غم کے مارے دل حلق تک پہنچ جائیں گے، [4] ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے گی ⑱ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے ⑲ [5] اور اللہ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا، اُس کے سوا جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، [6] بے شک اللہ خوب سنتا خوب دیکھتا ہے ⑳ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ اُن سے پہلے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا؟ وہ قوت و طاقت کے اور زمین میں اپنی یادگاروں کے اعتبار سے ان سے

① جب کوئی نہیں بولے گا تو یہ جواب اللہ تعالیٰ خود ہی دے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ منادی کرے گا جس کے ساتھ ہی تمام کافر اور مسلمان بیک آواز یہی جواب دیں گے۔ (فتح القدیر)

② اس لیے کہ اسے بندوں کی طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

③ ﴿الْاٰزِفَةِ﴾ کے معنی ہیں: قریب آنے والی۔ یہ قیامت کا نام ہے، اس لیے کہ وہ بھی قریب آنے والی ہے۔

④ یعنی اس دن خوف کی وجہ سے دل اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ ﴿كٰظِمِيْنَ﴾ غم سے بھرے ہوئے یا روتے ہوئے یا خاموش، اس کے تینوں معنی کیے گئے ہیں۔

⑤ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے کہ اسے تمام اشیاء کا علم ہے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، باریک ہو یا موٹی، اعلیٰ مرتبے کی ہو یا چھوٹے مرتبے کی، اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب اس کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے تو اس کی نافرمانی سے اجتناب اور صحیح معنوں میں اس کا خوف اپنے اندر پیدا کرے۔ آنکھوں کی خیانت یہ ہے کہ دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے، جیسے کسی اجنبی عورت کو کن انکھیوں سے دیکھنا۔ سینوں کی باتوں میں وہ وسوسے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہ جب تک وسوسے ہی رہتے ہیں، یعنی ایک لمحۂ گزراں کی طرح آتے اور ختم ہو جاتے ہیں، تب تک تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوں گے لیکن جب وہ عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان کا مؤاخذہ ہو سکتا ہے، چاہے ان پر عمل کرنے کا انسان کو موقع نہ ملے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ بقرہ 2:284 کا حاشیہ)

⑥ اس لیے کہ انھیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت، وہ بے خبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی جبکہ فیصلے کے لیے علم و اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں، اس لیے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا کیونکہ اسے کسی کا خوف ہوگا نہ کسی سے حرص و طمع۔

الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿21﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿22﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿23﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿24﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ

بہت زیادہ تھے، پس اللہ نے انھیں اُن کے گناہوں پر پکڑ لیا اور کوئی نہ ہوا جو انھیں اللہ کے عذاب سے بچالیتا﴿21﴾ [1] یہ اس وجہ سے کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزے لے لے کر آتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے، [2] پس اللہ انھیں پکڑ لیتا تھا۔ یقیناً وہ طاقتور اور سخت عذاب والا ہے﴿22﴾ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور کھلی دلیلوں کے ساتھ بھیجا﴿23﴾ [3] فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انھوں نے کہا (یہ تو) جادوگر اور جھوٹا ہے﴿24﴾ [4] پس جب (موسیٰ) اُن کے پاس ہماری طرف سے (دین) حق لے کر آئے تو انھوں نے کہا کہ اُس کے ساتھ جو ایمان والے ہیں اُن کے لڑکوں کو تو مار ڈالو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رکھو [5] اور کافروں کی جو حیلہ سازی ہے وہ غلطی

① گزشتہ آیات میں احوال آخرت کا بیان تھا، اب دنیا کے احوال سے انھیں ڈرایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ذرا زمین میں چل پھر کر ان قوموں کا انجام دیکھیں جو ان سے پہلے اس جرم تکذیب میں ہلاک کی گئیں، جس کا ارتکاب یہ کر رہے ہیں۔ درآں حالیکہ گزشتہ قومیں قوت و آثار میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں لیکن جب ان پر اللہ کا عذاب آیا تو انھیں کوئی نہیں بچا سکا۔ اسی طرح تم پر بھی عذاب آسکتا ہے اور اگر یہ آ گیا تو پھر کوئی تمھارا پشت پناہ نہ ہوگا۔

② یہ ان کی ہلاکت کی وجہ بیان کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں کی تکذیب۔ اب سلسلۂ نبوت و رسالت تو بند ہے، تاہم آفاق و انفس میں بے شمار آیات الٰہی بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں وعظ و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے علماء اور داعیان حق ان کی وضاحت اور نشاندہی کے لیے موجود ہیں، اس لیے آج بھی جو آیات الٰہی سے اعراض اور دین و شریعت سے غفلت کرے گا، اس کا انجام مکذبین اور منکرین رسالت سے مختلف نہیں ہوگا۔

③ ﴿اٰيٰتِ﴾ سے مراد وہ نو نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یا عصا اور ید بیضا والے دو بڑے واضح معجزات بھی۔ ﴿سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ سے مراد قوی دلیل اور حجت واضحہ ہے جس کا کوئی جواب ان کی طرف سے ممکن نہیں تھا، بجز ڈھٹائی اور بے شرمی کے۔

④ فرعون، مصر میں آباد قبط کا بادشاہ تھا، بڑا ظالم و جابر اور رب اعلیٰ ہونے کا دعوے دار۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات پر اس کی تفصیل ہے۔ ہامان، فرعون کا وزیر اور مشیر خاص تھا۔ قارون اپنے وقت کا مالدار ترین آدمی تھا، ان سب نے پہلے لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور کذاب کہا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○﴾ (الذّٰریٰت 53,52:51) ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ان کے پاس جو بھی نبی آیا تو انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔''

⑤ فرعون یہ کام پہلے بھی کر رہا تھا تاکہ وہ بچہ پیدا نہ ہو جو خواب کی تعبیر بتلانے والوں کی تعبیر کے مطابق، اس کی بادشاہت کے لیے

ضَلٰلٍ ﴿25﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿26﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿27﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

ہی میں ہے﴿25﴾ [1] اور فرعون نے کہا: مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو مار ڈالوں [2] اُسے چاہیے کہ اپنے رب کو پکارے، [3] مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمھارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد برپا نہ کر دے﴿26﴾ [4] موسیٰ نے کہا: میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اُس تکبر کرنے والے شخص سے جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا﴿27﴾ [5] اور ایک مومن شخص نے جو فرعون کے خاندان میں سے تھا اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے اور تمھارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے، [6] اگر وہ جھوٹا ہو تو اُس کا جھوٹ اُسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہو تو

خطرے کا باعث تھا۔ یہ دوبارہ حکم اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تذلیل واہانت کے لیے دیا، نیز تاکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے وجود کو اپنے لیے مصیبت اور نحوست کا باعث سمجھیں، جیسا کہ فی الواقع انھوں نے کہا: ﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (الأعراف 129:7) ”(اے موسیٰ!) تیرے آنے سے قبل بھی ہم اذیتوں سے دوچار تھے اور تیرے آنے کے بعد بھی ہمارا یہی حال ہے۔“

[1] یعنی اس سے جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی قوت میں اضافہ اور فرعون کی عزت میں کمی نہ ہو، یہ اسے حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہی غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو بابرکت زمین کا وارث بنا دیا۔

[2] یہ غالباً فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے۔

[3] یہ فرعون کی دیدہ دلیری کا اظہار ہے کہ میں دیکھوں گا، اس کا رب اسے کیسے بچاتا ہے، اسے پکار کر دیکھ لے۔ یا رب ہی کا انکار ہے کہ اس کا کون سا رب ہے جو بچالے گا کیونکہ رب تو وہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔

[4] یعنی غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر ایک اللہ کی عبادت پر نہ لگا دے یا اس کی وجہ سے فساد نہ پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی دعوت اگر میری قوم کے کچھ لوگوں نے قبول کر لی تو وہ نہ قبول کرنے والوں سے بحث وتکرار کریں گے جس سے ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گا جو فساد کا ذریعہ بنے گا۔ یوں دعوت توحید کو اس نے فساد کا سبب اور اہل توحید کو فسادی قرار دیا۔ درآں حالیکہ فسادی وہ خود تھا اور غیر اللہ کی عبادت ہی فساد کی جڑ ہے۔

[5] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ فرعون مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو انھوں نے اللہ سے اس کے شر سے بچنے کے لیے دعا مانگی۔ نبی ﷺ کو جب دشمن کا خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شُرُورِهِمْ» (مسند أحمد: 415/4) ”اے اللہ! ہم تجھ کو ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔“ یہ بھی منقول ہے: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ» (صحیح مسلم، حدیث: 3005) ”اے اللہ! مجھے تو ان سے کفایت کر جس چیز سے تو چاہتا ہے۔“

[6] یعنی اللہ کی ربوبیت پر وہ ایمان یوں ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کے پاس اپنے اس موقف کی واضح دلیلیں ہیں۔

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿28﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ز فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿29﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ﴿30﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿31﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ﴿32﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے وہ کوئی نہ کوئی تو تم پر آ پڑے گا،[1] اللہ اس کی رہبری نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو ﴿28﴾[2] اے میری قوم کے لوگو! آج تو بادشاہت تمھاری ہے کہ اس زمین پر تم غالب ہو[3] لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہماری مدد کرے گا؟[4] فرعون بولا: میں تو تمھیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمھیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں ﴿29﴾[5] اُس مومن نے کہا: اے میری قوم (کے لوگو!) مجھے تو اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ویسا ہی روز (بد) نہ آئے جو اور اُمتوں پر آیا ﴿30﴾ جیسے اُمتِ نوح اور عاد و ثمود اور اُن کے بعد والوں کا (حال ہوا)،[6] اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿31﴾[7] اور اے میری قوم! مجھے تم پر ہانک پکار کے دن کا بھی ڈر ہے ﴿32﴾[8] جس دن تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے،[9] تمھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا

---

① یہ اس نے بطور تنزل کے کہا کہ اگر اس کے دلائل سے تم مطمئن نہیں اور اس کی صداقت اور اس کی دعوت کی صحت تم پر واضح نہیں ہوئی، تب بھی عقل و دانش اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے اس جھوٹ کی سزا دنیا و آخرت میں دے دے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے ایذائیں پہنچائیں تو پھر یقیناً وہ تمھیں جن عذابوں سے ڈراتا ہے، تم پر ان میں سے کوئی عذاب آ سکتا ہے۔

② اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہوتا (جیسا کہ تم باور کراتے ہو) تو اللہ تعالیٰ اسے دلائل و معجزات سے نہ نوازتا جبکہ اس کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں۔ دوسرا مطلب ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اسے ذلیل اور ہلاک کر دے گا، تمھیں اس کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

③ یعنی یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمھیں زمین پر غلبہ عطا فرمایا اس کا شکر ادا کرو! اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کی ناراضی مول نہ لو۔

④ یہ فوجی اور لشکر تمھارے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ اللہ کے عذاب ہی کو ٹال سکیں گے اگر وہ آ گیا۔ یہاں تک اس مومن کا کلام تھا جس نے ایمان چھپایا ہوا تھا۔

⑤ فرعون نے اپنے دنیوی جاہ و جلال کی بنیاد پر جھوٹ بولا اور کہا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں، وہی تمھیں بتلا رہا ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ ہی صحیح ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ ﴿ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴾ (ھود 11:97) ''اور فرعون کا کوئی حکم ٹھیک نہیں تھا۔''

⑥ یہ اس مومن آدمی نے دوبارہ اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر اللہ کے رسول کی تکذیب پر ہم اڑے رہے تو خطرہ ہے کہ گزشتہ قوموں کی طرح عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ جائیں گے۔

⑦ یعنی اللہ نے جن کو بھی ہلاک کیا، ان کے گناہوں کی پاداش میں اور رسولوں کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہی ہلاک کیا ورنہ وہ

عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ ﴿34﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا

اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُس کا ہادی کوئی نہیں ﴿33﴾ [1] اور یقیناً اس سے پہلے تمھارے پاس یوسف دلیلیں لے کر آئے، [2] پھر بھی تم اُن کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک وشبہ ہی کرتے رہے [3] یہاں تک کہ جب اُن کی وفات [4] ہوگئی تو کہنے لگے: اُن کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں، [5] اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اُس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک شبہ کرنے والا ہو ﴿34﴾ [6] جو بغیر کسی سند کے جو اُن کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں، [7] اللہ اور مومنوں کے نزدیک

شفیق ورحیم رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ گویا قوموں کی ہلاکت، یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں ہے بلکہ قانون مکافات کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس سے کوئی قوم اور فرد مستثنیٰ نہیں ؎

از مکافات عمل غافل مشو ۔ گندم از گندم بروید جو از جو

⑧ ﴿اَلتَّنَادِ﴾ کے معنی ہیں: ایک دوسرے کو پکارنا، قیامت کو ﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ اہل جنت اہل نار کو اور اہل نار اہل جنت کو ندائیں دیں گے۔ (الأعراف 49,48:7) بعض کہتے ہیں کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا، اس کی بدبختی کا یہ فرشتہ چیخ کر اعلان کرے گا، بعض کہتے ہیں کہ عملوں کے مطابق لوگوں کو پکارا جائے گا، جیسے اہل جنت کو اے جنتیو! اور اہل جہنم کو اے جہنمیو! امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام بغوی کا یہ قول بہت اچھا ہے کہ ان تمام باتوں ہی کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

⑨ یعنی موقف (میدان محشر) سے جہنم کی طرف جاؤ گے یا حساب کے بعد وہاں سے بھاگو گے۔

① جو اسے ہدایت کا راستہ بتا سکے، یعنی اس پر چلا سکے۔

② یعنی اے اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمھارے اسی علاقے میں، جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل وبراہین کے ساتھ آئے تھے۔ جس میں تمھارے آباء واجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی، یعنی ﴿جَآءَكُمْ﴾ سے مراد: جَاءَ اِلٰى آبَائِكُمْ ہے، یعنی تمھارے آباء واجداد کے پاس آئے۔

③ لیکن تم ان پر بھی ایمان نہیں لائے اور ان کی دعوت میں شک وشبہ ہی کرتے رہے۔

④ یعنی یوسف علیہ السلام پیغمبر کی وفات ہوگئی۔

⑤ یعنی تمھارا شیوہ چونکہ ہر چیز کی تکذیب اور مخالفت ہی رہا ہے، اس لیے سمجھتے تھے کہ اب کوئی رسول ہی نہیں آئے گا یا یہ مطلب ہے کہ رسول کا آنا یا نہ آنا، تمھارے لیے برابر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب ایسا باعظمت انسان کہاں پیدا ہو سکتا ہے جو رسالت سے سرفراز ہو۔ گویا بعد از مرگ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تھا۔ اور بہت سے لوگ ہر اہم ترین انسان کی وفات کے بعد یہی کہتے ہیں۔

⑥ یعنی اس واضح گمراہی کی طرح جس میں تم مبتلا ہو، اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو بھی گمراہ کرتا ہے جو نہایت کثرت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا اور اللہ کے دین، اس کی وحدانیت اور اس کے وعدوں وعیدوں میں شک کرتا ہے۔

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿35﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿36﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿37﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿38﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے، (1) اللہ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے (35) (2) اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنا (3) شاید کہ میں (اُن) دروازوں تک پہنچ جاؤں (36) جو آسمان کے دروازے ہیں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں (4) اور بے شک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے (5) اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اُسے بھلی دکھائی گئیں (6) اور راہ سے روک دیا گیا (7) اور فرعون کی (ہر) حیلہ سازی تباہی ہی میں رہی (37) (8) اور اُس ایمان دار شخص نے کہا کہ اے میری قوم! (کے لوگو) تم (سب) میری پیروی کرو میں نیک راہ کی طرف تمھاری رہبری کروں گا (38) (9) اے میری قوم! یہ حیاتِ دنیا متاعِ فانی

---

(7) یعنی اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ کی توحید اور اس کے احکام میں جھگڑتے ہیں جیسا کہ ہر دور کے اہل باطل کا وتیرہ رہا ہے، یعنی بقول غالب ؎

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

(1) یعنی ان کی اس حرکت شنیعہ سے اللہ تعالیٰ ہی ناراض نہیں ہوتا، اہل ایمان بھی اس کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

(2) یعنی جس طرح ان مجادلین کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، اسی طرح ہر اس شخص کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جو اللہ کی آیتوں کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کا اظہار کرتا ہے، جس کے بعد معروف، ان کو معروف اور منکر، منکر نظر نہیں آتا بلکہ بعض دفعہ منکر ان کے ہاں معروف اور معروف، منکر قرار پاتا ہے۔

(3) یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک بلند عمارت بنانے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ جائے۔ اسباب کے معنی دروازے یا راستے کے ہیں۔ (مزید دیکھیے: سورۂ قصص 38:28)

(4) یعنی دیکھوں کہ آسمانوں پر کیا واقعی کوئی الٰہ ہے۔

(5) اس بات میں کہ آسمان پر اللہ ہے جو آسمان وزمین کا خالق اور ان کا مدبر ہے۔ یا اس بات میں کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

(6) یعنی شیطان نے اس طرح اسے گمراہ کیے رکھا اور اس کے برے عمل اسے اچھے نظر آتے رہے۔

(7) یعنی حق اور صواب (درست) راستے سے اسے روک دیا گیا اور وہ گمراہیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا۔

(8) ﴿تَبَابٍ﴾ خسارہ، ہلاکت، یعنی فرعون نے جو تدبیر اختیار کی، اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہی نکلا۔ اور بالآخر اپنے لشکر سمیت پانی میں ڈبو دیا گیا۔

(9) فرعون کی قوم میں سے ایمان لانے والا پھر بولا۔ اور کہا کہ دعویٰ تو فرعون بھی کرتا ہے کہ میں تمھیں سیدھے راستے پر چلا رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرعون بھٹکا ہوا ہے، میں جس راستے کی نشاندہی کر رہا ہوں، وہ سیدھا راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے، جس کی

مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿39﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿40﴾ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَی النَّارِ ﴿41﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ز وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿42﴾ لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿43﴾

ہے،[1] (یقین مانو کہ قرار) اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے (39) [2] جس نے گناہ کیا ہے اُسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے [3] اور جس نے نیکی کی ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ [4] جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے (40) [5] اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں [6] اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو (41) [7] تم مجھے یہ دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اُس کے ساتھ شرک کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور میں تمھیں غالب بخشنے والے (معبود) کی طرف دعوت دے رہا ہوں (42) [8] یہ یقینی امر ہے [9] کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے [10] نہ آخرت میں، [11] اور یہ (بھی یقینی بات ہے) کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے [12] اور حد سے گزر جانے والے ہی (یقیناً) اہلِ دوزخ ہیں (43) [13]

طرف تمھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

(1) جس کی زندگی چند روزہ ہے۔ اور وہ بھی آخرت کے مقابلے میں صبح یا شام کی ایک گھڑی کے برابر۔

(2) جس کو زوال اور فنا نہیں، نہ وہاں سے انتقال اور کوچ ہوگا۔ کوئی جنت میں جائے یا جہنم میں، دونوں کی زندگیاں ابدی ہوں گی۔ ایک: راحت اور آرام کی زندگی۔ دوسری: شقاوت اور عذاب کی زندگی۔ موت اہل جنت کو آئے گی نہ اہل جہنم کو۔

(3) یعنی برائی کی مثل ہی جزا ہوگی، زیادہ نہیں۔ اور اس کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ جو عدل وانصاف کا آئینہ دار ہوگا۔

(4) یعنی وہ جو ایمان دار بھی ہوں گے اور اعمال صالحہ کے پابند بھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر محض ایمان یا ایمان کے بغیر اعمال صالحہ کی حیثیت اللہ کے ہاں کچھ نہیں ہوگی، عنداللہ کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور عمل صالح کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔

(5) یعنی بغیر اندازے اور حساب کے نعمتیں ملیں گی اور ان کے ختم ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

(6) اور وہ یہ کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے اس رسول کی تصدیق کرو جو اس نے تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔

(7) یعنی توحید کی بجائے شرک کی دعوت دے رہے ہو جو انسان کو جہنم میں لے جانے والا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں وضاحت ہے۔

(8) ﴿اَلْعَزِیْزِ﴾ (نہایت غالب) جو سب پر غالب ہے۔ ﴿اَلْغَفَّارِ﴾ اپنے ماننے والوں کی غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا اور ان کی پردہ پوشی کرنے والا جبکہ تم جن کی عبادت کرنے کی طرف مجھے بلا رہے ہو، وہ بالکل حقیر اور کم تر چیزیں ہیں۔ وہ سن سکتی ہیں نہ جواب دے سکتی ہیں، کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان پہنچانے پر۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿44﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿45﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ

پس آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے ① میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، ② یقیناً اللہ بندوں کا نگران ہے ﴿44﴾ ③ پس اُسے اللہ نے تمام بدیوں سے محفوظ رکھ لیا جو اُنھوں نے سوچ رکھی تھیں ④ اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا ﴿45﴾ ⑤ آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح و شام لائے جاتے ہیں ⑥

⑨ ﴿لَاجَرَمَ﴾ یہ بات یقینی ہے یا اس میں جھوٹ نہیں ہے۔

⑩ یعنی وہ کسی کی پکار سننے کی استعداد ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو نفع پہنچا سکیں یا الوہیت کا استحقاق انھیں حاصل ہو۔ اس کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو اس آیت اور ان جیسی دیگر متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے، ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○﴾ (الأحقاف 5:46) ''اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا۔ جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کر سکیں بلکہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں۔'' ﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ﴾ (فاطر 14:35) ''اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے۔''

⑪ یعنی آخرت میں ہی وہ پکار سن کر کسی کو عذاب سے چھڑانے پر یا شفاعت ہی کرنے پر قادر ہوں۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی چیزیں بھلا اس لائق ہو سکتی ہیں کہ وہ معبود بنیں اور ان کی عبادت کی جائے۔

⑫ جہاں ہر ایک کا حساب ہوگا اور عمل کے مطابق اچھی یا بری جزا دی جائے گی۔

⑬ یعنی کافر و مشرک جو اللہ کی نافرمانی میں ہر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس طرح جو بہت زیادہ گناہ گار مسلمان ہوں گے جن کی نافرمانیاں ''اسراف'' کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں گی، چاہے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دے یا پھر انھیں بھی کچھ عرصہ جہنم کی سزا بھگتنی ہو گی، تاہم بعد میں شفاعت رسول ﷺ یا اللہ کی مشیت سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

① عنقریب وہ وقت آئے گا جب میری باتوں کی صداقت اور جن باتوں سے روکتا تھا، ان کی شناعت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر تم ندامت کا اظہار کرو گے مگر وہ وقت ایسا ہوگا کہ ندامت بھی کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

② یعنی اسی پر بھروسا کرتا اور اسی سے ہر وقت استعانت کرتا ہوں اور تم سے بیزاری اور قطع تعلق کا اعلان کرتا ہوں۔

③ وہ انھیں دیکھ رہا ہے پس وہ مستحق ہدایت کو ہدایت سے نوازتا اور ضلالت کا استحقاق رکھنے والے کو ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ان امور میں جو حکمتیں ہیں، ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

④ یعنی اس کی قوم قِبط نے اس مومن کے اظہار حق کی وجہ سے اس کے خلاف جو تدبیریں اور سازشیں سوچ رکھی تھیں، ان سب کو ناکام بنا دیا اور اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دے دی۔ اور آخرت میں اس کا گھر جنت ہوگا۔

⑤ یعنی دنیا میں انھیں سمندر میں غرق کر دیا گیا اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا سخت ترین عذاب ہے۔

⑥ اس آگ پر برزخ میں، یعنی قبروں میں وہ لوگ روزانہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، جس سے عذاب قبر کا اثبات ہوتا ہے۔ جس

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿46﴾ وَاِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ فَيَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿47﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ﴿48﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿49﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿50﴾ ع اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں ڈالو﴿46﴾[1] اور جب کہ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمھارے پیرو تھے تو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو؟﴿47﴾ وہ بڑے لوگ جواب دیں گے: ہم تو سبھی اس آگ میں ہیں، اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کر چکا ہے﴿48﴾ اور (تمام) جہنمی مل کر جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے﴿49﴾ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمھارے پاس تمھارے رسول معجزے لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں، کیوں نہیں! وہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو[2] اور کافروں کی دعا محض بے اثر اور بے راہ ہے﴿50﴾[3] یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد

کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں۔ احادیث میں تو بڑی وضاحت سے عذاب قبر پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ» (صحيح البخاري، حديث:1372) ''ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔'' اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: ''جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر میں) اس پر صبح و شام اس کی جگہ پیش کی جاتی ہے، یعنی اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیری اصل جگہ ہے، جہاں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تجھے بھیجے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث:1379، وصحيح مسلم، حديث:2866) اس کا مطلب ہے کہ منکرین عذاب قبر قرآن و حدیث دونوں کی صراحتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔

① اس سے بالکل واضح ہے کہ عَرْضِ نار کا معاملہ، جو صبح و شام ہوتا ہے، قیامت سے پہلے کا ہے اور قیامت سے پہلے برزخ یا قبر ہی کی زندگی ہے۔ قیامت والے دن ان کو قبر سے نکال کر سخت ترین عذاب، یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آل فرعون سے مراد فرعون، اس کی قوم اور اس کے سارے پیروکار ہیں۔ یہ کہنا کہ ہمیں تو قبر میں مردہ آرام سے پڑا نظر آتا ہے، اسے اگر عذاب ہو تو اس طرح نظر نہ آئے۔ لغو ہے کیونکہ عذاب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمیں نظر بھی آئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ خواب میں ایک شخص نہایت المناک مناظر دیکھ کر سخت کرب و اذیت محسوس کرتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو ذرا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ خوابیدہ شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔ اس مشاہدے کے باوجود عذاب قبر کا انکار محض ہٹ دھرمی اور بے جا تحکم ہے۔ بلکہ بیداری میں بھی انسان کو جو تکالیف ہوتی ہیں وہ خود ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ صرف انسان کا تڑپنا اور تلملانا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ تڑپے اور تلملائے۔

② ہم ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے کیونکر کچھ کہہ سکتے ہیں جن کے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے لیکن انھوں نے پروا نہیں کی۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿51﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿52﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿53﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿54﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

زندگانیٔ دنیا میں بھی کریں گے[1] اور اُس دن بھی جب گواہی دینے والے[2] کھڑے ہوں گے ﴿51﴾ جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اُن کے لیے لعنت ہی ہوگی اور اُن کے لیے بُرا گھر ہوگا ﴿52﴾[3] ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ عطا فرمایا[4] اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ﴿53﴾[5] کہ وہ ہدایت و نصیحت تھی عقل مندوں کے لیے ﴿54﴾[6] پس اے نبی! تو صبر کر اللہ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہی ہے تو اپنے گناہ کی[7] معافی مانگتا رہ اور صبح و شام[8] اپنے پروردگار کی تسبیح

---

③ یعنی بالآخر وہ خود ہی اللہ سے فریاد کریں گے لیکن اس فریاد کی وہاں شنوائی نہیں ہوگی، اس لیے کہ دنیا میں ان پر حجت تمام کی جا چکی تھی۔ اب آخرت تو ایمان، توبہ اور عمل کی جگہ نہیں، وہ تو دارالجزا ہے، دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا نتیجہ وہاں بھگتنا ہوگا۔

① یعنی ان کے دشمن کو ذلیل اور ان کو غالب کریں گے۔ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ بعض نبی قتل کر دیے گئے، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام وغیرہما اور بعض ہجرت پر مجبور ہو گئے، جیسے ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، وعدۂ امداد کے باوجود ایسا کیوں ہوا۔ دراصل یہ وعدہ غالب حالات اور اکثریت کے اعتبار سے ہے، اس لیے بعض حالتوں میں اور بعض اشخاص پر کافروں کا غلبہ اس کے منافی نہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ عارضی طور پر بعض دفعہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت کافروں کو غلبہ عطا فرما دیا جاتا ہے لیکن بالآخر اہل ایمان ہی غالب اور سرخ رو ہوتے ہیں، جیسے حضرت یحییٰ و زکریا علیہما السلام کے قاتلین پر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیا جنھوں نے ان کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور انھیں ذلیل و خوار کیا، جن یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر مارنا چاہا، اللہ نے ان یہودیوں پر رومیوں کو ایسا غلبہ دیا کہ انھوں نے یہودیوں کو خوب ذلت کا عذاب چکھایا۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے رفقاء یقیناً ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن اس کے بعد جنگ بدر، احد، احزاب، غزوۂ خیبر اور پھر فتح مکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اپنے پیغمبر اور اہل ایمان کو جس طرح غلبہ عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ کی مدد کرنے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

② ﴿الْاَشْهَادُ﴾ شَهِيد (گواہ) کی جمع ہے، جیسے شَرِيفٌ کی جمع أَشْرَاف ہے۔ قیامت والے دن فرشتے اور انبیاء گواہی دیں گے۔ یا فرشتے اس بات کی گواہی دیں گے کہ یا اللہ! پیغمبروں نے تیرا پیغام پہنچا دیا تھا لیکن ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ علاوہ ازیں امت محمدیہ اور نبی کریم ﷺ بھی گواہی دیں گے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، اس لیے قیامت کو گواہوں کے کھڑا ہونے کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن اہل ایمان کی مدد کرنے کا مطلب ہے ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزا دی جائے گی اور انھیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

③ یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اور پھٹکار۔ اور معذرت کا فائدہ اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ معذرت کی جگہ نہیں، اس لیے یہ معذرت، معذرت باطلہ ہوگی۔

④ یعنی نبوت اور تورات عطا کی، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (المآئدۃ 5:44)

⑤ یعنی تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی باقی رہی، جس کے نَسْلًا بَعْدَ نَسْلٍ وہ وارث ہوتے رہے۔ یا کتاب سے مراد وہ تمام

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿55﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿56﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿57﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿59﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

اور حمد بیان کرتا رہ ﴿55﴾ جو لوگ باوجود اپنے پاس کسی سند کے نہ ہونے کے آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بجز نری بڑائی کے اور کچھ نہیں وہ اُس تک پہنچنے والے ہی نہیں،[1] سوتو اللہ کی پناہ مانگتا رہ بے شک وہ پورا سننے والا اور سب سے زیادہ دیکھنے والا ہے ﴿56﴾ آسمان وزمین کی پیدائش یقیناً انسان کی پیدائش سے بہت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں ﴿57﴾[2] اندھا اور بینا برابر نہیں نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور بھلے کام کیے بدکاروں کے (برابر ہیں)،[3] تم (بہت) کم نصیحت حاصل کر رہے ہو ﴿58﴾ قیامت بالیقین اور بلاشبہ آنے والی ہے لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿59﴾ اور تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا[4] یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے

کتابیں ہیں جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں، ان سب کتابوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔

⑥ ﴿هُدًى وَّذِكْرٰى﴾ مصدر ہیں اور مفعول لأجلہ ہیں یا حال کی جگہ واقع ہیں۔ بمعنیٰ هَادِی اور مُذَكِّر ہدایت کرنے والی اور نصیحت کرنے والی۔ عقل مندوں سے مراد عقل سلیم کے مالک ہیں کیونکہ وہی آسمانی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے اور ہدایت ونصیحت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابوں کا بوجھ تو لدا ہوتا ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔

⑦ گناہ سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی لغزشیں ہیں جو بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں، جن کی اصلاح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دی جاتی ہے۔ یا استغفار بھی ایک عبادت ہی ہے۔ اجر وثواب کی زیادتی کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے یا مقصد امت کی رہنمائی ہے کہ وہ استغفار سے بے نیاز نہ ہوں۔

⑧ العَشِيُّ سے دن کا آخری اور رات کا ابتدائی حصہ اور ﴿وَالْاِبْكَارِ﴾ سے رات کا آخری اور دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

① یعنی وہ لوگ جو بغیر آسمانی دلیل کے بحث وحجت کرتے ہیں، یہ محض تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، تاہم اس سے جو ان کا مقصد ہے کہ حق کمزور اور باطل مضبوط ہو، وہ ان کو حاصل نہیں ہوگا۔

② یعنی پھر یہ کیوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جبکہ یہ کام آسمان وزمین کی تخلیق سے بہت آسان ہے۔

③ مطلب ہے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں، اسی طرح مومن و کافر اور نیکوکار اور بدکار برابر نہیں بلکہ قیامت کے دن ان کے درمیان جو عظیم فرق ہوگا، وہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

④ گزشتہ آیت میں جب اللہ نے وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا تو اب اس آیت میں ایسی رہنمائی دی جا رہی ہے، جسے اختیار کر کے

عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿60﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿61﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿62﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿63﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے ﴿60﴾ [1] اللہ نے تمھارے لیے رات بنادی کہ تم اُس میں آرام حاصل کرو [2] اور دن کو دیکھنے والا بنا دیا، [3] بے شک اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے ﴿61﴾ [4] یہی اللہ ہے تم سب کا رب ہر چیز کا خالق اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟ ﴿62﴾ [5] اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی بہکتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿63﴾ اللہ ہی ہے [6] جس نے تمھارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ [7] اور آسمان کو چھت بنا دیا [8] اور تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں [9] اور تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو

انسان آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکے۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے عبادت مراد لی ہے، یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جیسا کہ حدیث میں بھی دعا کو عبادت بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔«اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»(مسند أحمد: 271/4، والمشكاة للألباني: 693/2) علاوہ ازیں اس کے بعد ﴿يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ﴾ کے الفاظ سے بھی واضح ہے کہ مراد عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دعا سے مراد دعا ہی ہے، یعنی اللہ سے جلب نفع اور دفع ضرر کا سوال کرنا کیونکہ دعا کے شرعی اور حقیقی معنی طلب کرنے کے ہیں، دوسرے مفہوم میں اس کا استعمال مجازی ہے۔ علاوہ ازیں دعا بھی اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اور حدیث مذکور کی رو سے عبادت ہی ہے کیونکہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی سے کوئی چیز مانگنا اور اس سے سوال کرنا، یہ اس کی عبادت ہی ہے۔ (فتح القدیر) مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو طلب حاجات اور مدد کے لیے پکارنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا اس کی عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔

[1] یہ اللہ کی عبادت سے انکار واعراض یا اس میں دوسروں کو بھی شریک کرنے والوں کا انجام ہے۔

[2] یعنی رات کو تاریک بنایا تا کہ کاروبار زندگی معطل ہو جائیں اور لوگ امن وسکون سے سو سکیں۔

[3] یعنی روشن بنایا تا کہ معاشی محنت اور تگ ودو میں تکلیف نہ ہو۔

[4] اللہ کی نعمتوں کا اور نہ ان کا اعتراف ہی کرتے ہیں۔ یا تو کفر وجحود کی وجہ سے جیسا کہ کافروں کا شیوہ ہے۔ یا منعم کے واجبات شکر سے اہمال وغفلت کی وجہ سے جیسا کہ جاہلوں کا شعار ہے۔

[5] یعنی پھر تم اس کی عبادت سے کیوں بدکتے ہو اور اس کی توحید سے کیوں پھرتے اور اینٹھتے ہو۔

[6] آگے نعمتوں کی کچھ قسمیں بیان کی جا رہی ہیں تا کہ اللہ کا کمال قدرت بھی واضح ہو جائے اور اس کا بلاشرکت غیرے معبود ہونا بھی۔

[7] جس میں تم رہتے، چلتے پھرتے، کاروبار کرتے اور زندگی گزارتے ہو، پھر بالآخر موت سے ہمکنار ہو کر قیامت تک کے لیے اسی میں آسودۂ خواب رہتے ہو۔

[8] یعنی قائم اور ثابت رہنے والی چھت۔ اگر اس کے گرنے کا اندیشہ رہتا تو کوئی شخص آرام کی نیند سو سکتا تھا نہ کسی کے لیے کاروبار

الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿64﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿65﴾ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ز وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّکُمْ ثُمَّ لِتَکُوْنُوْا

عطا فرمائیں، ① یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کی پرورش کرنے والا ﴿64﴾ وہ زندہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اُسی کی عبادت کرتے ہوئے اُسے پکارو، ② تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿65﴾ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے اُن کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جنھیں تم اللہ کے سوا پکار رہے ہو، ③ اس بنا پر کہ میرے پاس میرے رب کی دلیلیں پہنچ چکی ہیں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا تابع فرمان ہو جاؤں ﴿66﴾ ④ وہ وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے، پھر نطفے سے، ⑤ پھر خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پھر وہ تمھیں بچے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر بڑھاتا ہے (تاکہ) تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ، پھر بوڑھے

حیات کرنا ممکن ہوتا۔

⑨ جتنے بھی روئے زمین پر حیوانات ہیں، ان سب میں (تم) انسانوں کو سب سے زیادہ خوش شکل اور متناسب الاعضاء بنایا ہے۔

① یعنی اقسام وانواع کے کھانے تمھارے لیے مہیا کیے جو لذیذ بھی ہیں اور قوت بخش بھی۔

② یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور دینے والا وہی ہے۔ دوسرا کوئی، بنانے میں شریک ہے نہ اختیارات میں۔ تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف ایک اللہ ہی ہے، دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ استمداد و استغاثہ بھی اسی سے کرو کہ وہی سب کی فریادیں اور التجائیں سننے پر قادر ہے۔ دوسرا کوئی بھی مافوق الاسباب طریقے سے کسی کی بات سننے پر قادر ہی نہیں ہے، جب یہ بات ہے تو دوسرے مشکل کشائی اور حاجت روائی کس طرح کر سکتے ہیں؟

③ چاہے وہ پتھر کی مورتیاں ہوں، انبیاء اور صلحاء ہوں اور قبروں میں مدفون اشخاص ہوں۔ مدد کے لیے کسی کو مت پکارو، ان کے ناموں کی نذر و نیاز مت دو، ان کے ورد نہ کرو، ان سے خوف مت کھاؤ اور ان سے امیدیں وابستہ نہ کرو کیونکہ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں جو صرف ایک اللہ کا حق ہے۔

④ یہ وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اللہ کی توحید، یعنی اللہ کے واحد الٰہ اور رب ہونے کا اثبات ہوتا ہے جو قرآن میں جا بجا ذکر کیے گئے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں اطاعت و انقیاد کے لیے جھک جانا، سر اطاعت خم کر دینا، یعنی اللہ کے احکام کے سامنے میں جھک جاؤں، ان سے سرتابی نہ کروں۔ آگے پھر توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

⑤ یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا جو ان کی تمام اولاد کے مٹی سے پیدا ہونے کو مستلزم ہے، پھر اس کے بعد نسل انسانی کے تسلسل اور اس کے بقا و تحفظ کے لیے انسانی تخلیق کو نطفے سے وابستہ کر دیا۔ اب ہر انسان اس نطفے سے پیدا ہوتا ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں جا کر قرار پکڑتا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی جیسا کہ قرآن کریم کی

شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿67﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿68﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿69﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾ ثُمَّ قِيْلَ

ہو جاؤ۔[1] تم میں سے بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں[2] (وہ تمھیں چھوڑ دیتا ہے) تاکہ تم مدت معین تک پہنچ جاؤ[3] اور تاکہ تم سوچ سمجھ لو ﴿67﴾[4] وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے،[5] پھر جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو اُسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے ﴿68﴾[6] کیا تو نے اُنھیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں،[7] وہ کہاں پھیر دیے جاتے ہیں؟ ﴿69﴾[8] جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اُسے بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا پس انھیں ابھی ابھی حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی ﴿70﴾ جب کہ اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، گھسیٹے جائیں گے ﴿71﴾[9] کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے ﴿72﴾[10] پھر اُن سے پوچھا

بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

[1] یعنی ان تمام کیفیتوں اور اطوار سے گزارنے والا وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

[2] یعنی رحم مادر میں مختلف ادوار سے گزر کر باہر آنے سے پہلے ہی ماں کے پیٹ میں، بعض بچپن میں، بعض جوانی میں اور بعض بڑھاپے سے قبل کہولت میں فوت ہو جاتے ہیں۔

[3] یعنی اللہ تعالیٰ یہ اس لیے کرتا ہے تاکہ جس کی جتنی عمر اللہ نے لکھ دی ہے، وہ اس کو پہنچ جائے اور اتنی زندگی دنیا میں گزار لے۔

[4] یعنی جب تم ان اطوار اور مراحل پر غور کرو گے کہ نطفے سے عَلَقَه، پھر مُضْغَه، پھر بچہ، پھر جوانی، کہولت اور بڑھاپا تو تم جان لو گے کہ تمھارا رب بھی ایک ہی ہے اور تمھارا معبود بھی ایک، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لو گے کہ جو اللہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے، اس کے لیے قیامت والے دن انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے اور وہ یقیناً سب کو زندہ فرمائے گا۔

[5] زندہ کرنا اور مارنا اسی کے اختیار میں ہے وہ ایک بے جان نطفے کو مختلف اطوار سے گزار کر ایک زندہ انسان کے روپ میں ڈھال دیتا ہے اور پھر ایک وقت مقررہ کے بعد اس زندہ انسان کو مار کر موت کی وادیوں میں جا سلاتا ہے۔

[6] اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس کے لفظ ﴿ كُنْ ﴾ (ہو جا) سے وہ چیز معرض وجود میں آ جاتی ہے جس کا وہ ارادہ کرے۔

[7] انکار و تکذیب کے لیے یا اس کے رَدّ و اِبطال کے لیے۔

[8] یعنی ظہور دلائل اور وضوح حق کے باوجود وہ کس طرح حق کو نہیں مانتے۔ یہ تعجب کا اظہار ہے۔

[9] یہ وہ نقشہ ہے جو جہنم میں ان مکذبین کا ہو گا۔

[10] مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ ان کے ذریعے سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، یعنی یہ لوگ اس کا ایندھن بنے ہوں گے۔

لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٣﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٧٧﴾

جائے گا کہ جنھیں تم شریک کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟(73) جو اللہ کے سوا تھے[1] وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے بہک گئے[2] بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی کو بھی پکارتے ہی نہ تھے۔[3] اللہ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے(74)[4] یہ بدلہ ہے اُس چیز کا جو تم زمین میں ناحق پھولے نہ سماتے تھے اور (بے جا) اتراتے پھرتے تھے(75)[5] (اب آؤ) جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے (اُس کے) دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیا ہی بُری جگہ ہے تکبر کرنے والوں کی(76)[6] پس آپ صبر کریں اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے،[7] اُنھیں ہم نے جو وعدے دے رکھے ہیں۔ اُن میں سے کچھ ہم آپ کو دکھائیں[8] یا (یونہی) ہم آپ کو وفات دے دیں، ان کا لوٹایا جانا تو ہماری ہی طرف ہے(77)[9]

---

① کیا وہ آج تمھاری مدد کر سکتے ہیں؟

② یعنی پتہ نہیں، کہاں چلے گئے ہیں، وہ ہماری مدد کیا کریں گے؟

③ اقرار کرنے کے بعد، پھر ان کی عبادت کا ہی انکار کر دیں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○﴾ (الأنعام 23:6) ''اللہ کی قسم! ہم تو کسی کو شریک ٹھہراتے ہی نہیں تھے۔'' کہتے ہیں کہ یہ بتوں کے وجود اور ان کی عبادت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ان کی عبادت باطل تھی کیونکہ وہاں ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہے جو سن سکتی تھیں نہ دیکھ سکتی تھیں اور نقصان پہنچا سکتی تھیں نہ نفع۔ (فتح القدير)

④ یعنی ان مکذبین کی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل تکذیب اور کفر، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے انسانوں کے دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قبول حق کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

⑤ یعنی تمھاری یہ گمراہی اس بات کا نتیجہ ہے کہ تم کفر و تکذیب اور فسق و فجور میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ان پر تم خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ اترانے میں مزید خوشی کا اظہار ہے جو تکبر کو مستلزم ہے۔

⑥ یہ جہنم پر مقرر فرشتے، اہل جہنم کو کہیں گے۔

⑦ کہ ہم کافروں سے انتقام لیں گے۔ یہ وعدہ جلدی بھی پورا ہو سکتا ہے، یعنی دنیا میں ہی ہم ان کی گرفت کر لیں یا حسب مشیت الٰہی تاخیر بھی ہو سکتی ہے، یعنی قیامت والے دن ہم انھیں سزا دیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

⑧ یعنی آپ کی زندگی میں ان کو بتلائے عذاب کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ نے کافروں سے انتقام لے کر مسلمانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے، 8 ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور پھر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی پورا جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

⑨ یعنی اگر کافر دنیوی مؤاخذہ و عذاب سے بچ بھی گئے تو آخر جائیں گے کہاں؟ آخر میرے پاس ہی آئیں گے، جہاں ان کے لیے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿78﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿79﴾ وَلَكُمْ

یقیناً ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے (واقعات) ہم آپ کو بیان کر چکے ہیں اور اُن میں سے بعض کے (قصے) تو ہم نے آپ کو بیان ہی نہیں کیے[1] اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر لا سکے،[2] پھر جس وقت اللہ کا حکم آئے گا[3] تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا،[4] اور اُس جگہ اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے ﴿78﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے چوپائے پیدا کیے[5] جن میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو ﴿79﴾[6] اور بھی تمھارے

سخت عذاب تیار ہے۔

① اور یہ تعداد میں بہ نسبت ان کے، جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، بہت زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں تو صرف 25 انبیاء ورسل کا ذکر اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

② آیت سے مراد یہاں معجزہ اور خرق عادت واقعہ ہے جو پیغمبر کی صداقت پر دلالت کرے۔ کفار، پیغمبروں سے مطالبے کرتے رہے کہ ہمیں فلاں فلاں چیز دکھاؤ، جیسے خود نبی ٔکریم ﷺ سے کفار مکہ نے کئی چیزوں کا مطالبہ کیا، جس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل 93-90:17 میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی قوموں کے مطالبے پر ان کو کوئی معجزہ صادر کر کے دکھلا دے۔ یہ صرف ہمارے اختیار میں تھا، بعض نبیوں کو تو ابتدا ہی سے معجزے دے دیے گئے تھے۔ بعض قوموں کو ان کے مطالبے پر معجزہ دکھلایا گیا اور بعض کو مطالبے کے باوجود نہیں دکھلایا گیا۔ ہماری مشیت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ کسی نبی کے ہاتھ میں یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ جب چاہتا، معجزہ صادر کر کے دکھلا دیتا۔ اس سے ان لوگوں کی واضح تردید ہوتی ہے جو بعض اولیاء ؒ کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں کہ وہ جب چاہتے اور جس طرح کا چاہتے خرق عادت امور (کرامات) کا اظہار کر دیتے تھے، جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے بارے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ سب من گھڑت قصے کہانیاں ہیں، جب اللہ نے پیغمبروں کو یہ اختیار نہیں دیا جن کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے، اس کی ضرورت بھی تھی تو کسی ولی کو یہ اختیار کیونکر مل سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ ولی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ نبی کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے، اس لیے معجزہ ان کی ضرورت تھی لیکن اللہ کی حکمت ومشیت اس کی مقتضی نہ تھی، اس لیے یہ قوت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ولی کی ولایت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں ہے، اس لیے انھیں معجزے اور کرامات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ یہ اختیار بلا ضرورت کیوں عطا کر سکتا ہے۔

③ یعنی دنیا یا آخرت میں جب ان کے عذاب کا وقت معین آ جائے گا۔

④ یعنی ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو عذاب۔

⑤ اللہ تعالیٰ اپنی ان گنت نعمتوں میں سے بعض نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ چوپائے سے مراد اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ ہے۔ یہ نر، مادہ مل کر آٹھ ہیں جیسا کہ سورۂ انعام 144,143:6 میں ہے۔

⑥ یہ سواری کے کام میں بھی آتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے، (جیسے بکری، گائے اور اونٹنی کا دودھ) ان کا گوشت انسان کی

فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿80﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿81﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿82﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿83﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿84﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ

لیے اُن میں بہت سے نفع ہیں [1] اور تاکہ اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو اُنھی پر سواری کر کے تم حاصل کرلو اور اُن چوپایوں پر اور کشتیوں پر سوار کرائے جاتے ہو ﴿80﴾ اللہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے، [2] پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں سے انکار کرتے رہو گے ﴿81﴾ [3] کیا اُنھوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلوں کا انجام نہیں دیکھا؟ [4] جو اُن سے تعداد میں زیادہ تھے قوت میں سخت اور زمین میں بہت ساری یادگاریں چھوڑی تھیں، [5] اُن کے کیے کاموں نے اُنھیں کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا ﴿82﴾ [6] پس جب کبھی اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے [7] بالآخر جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی ان پر آ پڑا ﴿83﴾ پس ہمارا عذاب دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو ہم اُس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے اُن سب سے انکار کیا ﴿84﴾ لیکن ہمارے عذاب کے دیکھ لینے کے بعد کے ایمان نے اُنھیں نفع نہ دیا۔ یہ سنتِ الٰہی ہے جو اس کے

مرغوب ترین غذا ہے اور بار برداری کا کام بھی ان میں سے بعض سے لیا جاتا ہے۔

[1] جیسے ان سب کے اون اور بالوں سے اور ان کی کھالوں سے کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ ان کے دودھ سے گھی، مکھن، پنیر وغیرہ بھی بنتا ہے۔

[2] جو اس کی قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ نشانیاں آفاق میں ہی نہیں ہیں تمھارے نفسوں کے اندر بھی ہیں۔

[3] یعنی یہ اتنی واضح، عام اور کثیر ہیں جن کا کوئی منکر انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ استفہام انکار کے لیے ہے۔

[4] یعنی جن قوموں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، یہ ان کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات تو دیکھیں جو ان کے علاقوں میں ہی ہیں کہ ان کا کیا انجام ہوا؟

[5] یعنی عمارتوں، کارخانوں اور کھیتیوں کی شکل میں، ان کے کھنڈرات واضح کرتے ہیں کہ وہ کاریگری کے میدان میں بھی تم سے بڑھ کر تھے۔

[6] ﴿فَمَآ اَغْنٰى﴾ میں مَا استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور نافیہ بھی۔ نافیہ کا مفہوم تو ترجمے سے واضح ہے۔ استفہامیہ کی رو سے مطلب ہو گا: ان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ مطلب وہی ہے کہ ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہیں آئی۔

[7] علم سے مراد ان کے خود ساختہ مزعومات توہمات، شبہات اور باطل دعوے ہیں۔ انھیں علم سے بطور استہزا تعبیر فرمایا وہ چونکہ انھیں علمی دلائل سمجھتے تھے، ان کے خیال کے مطابق ایسا کہا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں کے مقابلے میں یہ اپنے مزعومات وتوہمات

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿85﴾

ع 9 / 7 / 14

اٰيَاتُهَا 54 (41) سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ (61) رُكُوْعَاتُهَا 6

سورۂ حم سجدہ مکی ہے، اس میں 54 آیات اور 6 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿2﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿3﴾

بندوں میں چلی آتی ہے [1] اور اُس جگہ کافر خراب وخستہ ہوئے ﴿85﴾ [2]

حٰمٓ ﴿1﴾ یہ اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے ﴿2﴾ (ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے، [3] (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے [4] اُس قوم کے لیے جو جانتی ہے ﴿3﴾ [5]

پر اِتراتے اور فخر کرتے رہے۔ یا علم سے مراد دنیوی باتوں کا علم ہے، یہ احکام وفرائض الٰہی کے مقابلے میں انھی کو ترجیح دیتے رہے۔

① یعنی اللہ کا یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ عذاب دیکھنے کے بعد توبہ اور ایمان مقبول نہیں۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے۔

② یعنی معائنۂ عذاب کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ اب سوائے خسارے اور ہلاکت کے ہمارے مقدر میں کچھ نہیں۔

■ اس سورت کا دوسرا نام ﴿فُصِّلَتْ﴾ ہے۔ اس کی شانِ نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلیغ وفصیح آدمی ''عتبہ بن ربیعہ'' کا انتخاب کیا تاکہ وہ آپ سے گفتگو کرے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں گیا اور آپ پر عربوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال ودولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں، قیادت وسیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں، کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعر وشاعری۔ مطلب اس کا آپ کی دعوت پر سرداران قریش کو غور وفکر کی دعوت دینا تھا لیکن وہ غور وفکر کیا کرتے۔ الٹا عتبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہو گیا ہے۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر وتفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی نے بھی انھیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں: ''یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا، انھوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی ﷺ نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔''

③ یعنی کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یا طاعات کیا ہیں اور معاصی کیا؟ یا ثواب والے کام کون سے ہیں اور عقاب والے کون سے؟

④ ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ یہ حال ہے، یعنی اس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے اس حال میں کہ یہ قرآن عربی ہے جس کے معانی مفصل اور واضح ہیں۔

⑤ یعنی جو عربی زبان، اس کے معانی ومفاہیم اور اس کے اسرار واسلوب کو جانتی ہے۔

بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ⑥ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ⑧ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ

خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے،[1] پھر بھی اُن میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں④[2] اور اُنھوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بُلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں[3] اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے[4] اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تُو اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں⑤[5] آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے[6] سو تم اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اُس سے گناہوں کی معافی چاہو اور اُن مشرکوں کے لیے (بڑی ہی) خرابی ہے⑥ جو زکاۃ نہیں دیتے[7] اور آخرت کے بھی منکر ہی رہتے ہیں⑦ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں اُن کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے⑧[8] آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اُس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اُس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی،[9]

① ایمان اور اعمال صالحہ کے حاملین کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنانے والا اور مشرکین و مکذبین کو عذاب نار سے ڈرانے والا۔

② یعنی غور و فکر اور تدبر و تعقل کی نیت سے نہیں سنتے کہ جس سے انھیں فائدہ ہو۔ اسی لیے ان کی اکثریت ہدایت سے محروم ہے۔

③ ﴿اَكِنَّةٍ﴾ کِنَان کی جمع ہے۔ پردہ، یعنی ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں کہ ہم تیری توحید و ایمان کی دعوت کو سمجھ سکیں۔

④ ﴿وَقْرٌ﴾ کے اصل معنی بوجھ کے ہیں، یہاں مراد بہرا پن ہے جو حق کے سننے میں مانع تھا۔

⑤ یعنی ہمارے اور تیرے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ تو جو کہتا ہے، وہ سن نہیں سکتے اور جو کرتا ہے، اسے دیکھ نہیں سکتے، اس لیے تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیں تو ہمارے دین پر عمل نہیں کرتا، ہم تیرے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔

⑥ یعنی میرے اور تمھارے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بجز وحیِ الٰہی کے، پھر یہ بعد و حجاب کیوں؟ علاوہ ازیں میں جو دعوت توحید پیش کر رہا ہوں، وہ بھی ایسی نہیں کہ عقل و فہم میں نہ آ سکے، پھر اس سے اعراض کیوں؟

⑦ یہ سورت مکی ہے۔ زکاۃ ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی، اس لیے اس سے مراد یا تو صدقات ہیں جس کا حکم مسلمانوں کو مکے میں بھی دیا جاتا رہا تھا، جس طرح پہلے صرف صبح و شام کی نماز کا حکم تھا، پھر ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل لیلۃ الاسراء کو پانچ فرض نمازوں کا حکم ہوا۔ یا پھر زکاۃ سے یہاں مراد کلمۂ شہادت ہے جس سے نفس انسانی شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

⑧ ﴿اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ کا وہی مطلب ہے جو ﴿عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ○﴾ (ھود 11:108) کا ہے، ''یعنی نہ ختم ہونے والا اجر۔''

⑨ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔'' یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا: زمین کو دو دن میں بنایا۔ اس سے مراد ہیں: یَوْمُ الْأَحَدِ (اتوار) اور یَوْمُ الاثْنَيْن (پیر) سورۂ نازعات

يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝

سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے⑨ اور اُس نے زمین میں اُس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے[1] اور اُس میں برکت رکھ دی[2] اور (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی[3] (صرف) چار دن میں،[4] ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر ⑩[5] پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا، پس اُسے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔[6] دونوں نے عرض کیا: ہم بخوشی حاضر ہیں ⑪

میں کہا گیا ہے: ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ (النّٰزعٰت 30:79) ''اور زمین کو اس کے بعد پھیلایا۔'' جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا گیا ہے جبکہ یہاں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تخلیق اور چیز ہے اور دَحٰی جو دَحْوٌ سے ہے (بچھانا یا پھیلانا) اور چیز۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی جیسا کہ یہاں بھی بیان کیا گیا ہے اور دَحٰی کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے اس میں پانی کے ذخائر رکھے گئے، اسے پیداواری ضروریات کا مخزن بنایا گیا۔ ﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا﴾ (النّٰزعٰت 31:79) اس میں پہاڑ، ٹیلے اور جمادات رکھے گئے۔ یہ عمل آسمان کی تخلیق کے بعد دوسرے دو دنوں میں کیا گیا۔ یوں زمین اور اس کے متعلقات کی تخلیق پورے چار دنوں میں مکمل ہوئی۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 4816)

① یعنی پہاڑوں کو زمین میں سے ہی پیدا کر کے ان کو اس کے اوپر گاڑ دیا تاکہ زمین ادھر یا ادھر نہ ڈولے۔

② یہ اشارہ ہے پانی کی کثرت، انواع واقسام کے رزق، معدنیات اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کی طرف یہ زمین کی برکت ہے، کثرت خیر کا نام ہی برکت ہے۔

③ أَقْوَاتٌ قُوتٌ (غذا، خوراک) کی جمع ہے، یعنی زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کی خوراک اس میں مقدر کر دی ہے یا بندوبست کر دیا ہے۔ اور رب کی اس تقدیر یا بندوبست کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، کوئی قلم اسے رقم نہیں کر سکتا اور کوئی کیلکو لیٹر (Calculator) اسے گن نہیں سکتا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہر زمین کے حصے میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کر دیں جو زمین کے دوسرے حصوں میں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ تاکہ ہر ہر علاقے کی یہ مخصوص پیداواریں ان ان علاقوں کی تجارت ومعیشت کی بنیادیں بن جائیں، چنانچہ یہ مفہوم بھی اپنی جگہ صحیح اور بالکل حقیقت ہے۔

④ یعنی تخلیق کے پہلے دو دن اور دَحٰی کے دو دن سارے دن ملا کے یہ کل چار دن ہوئے جن میں یہ سارا عمل تکمیل کو پہنچا۔

⑤ ﴿سَوَآءً﴾ کا مطلب ہے، ٹھیک چار دن میں۔ یعنی پوچھنے والوں کو بتلا دو کہ تخلیق اور دَحْوٌ کا یہ عمل ٹھیک چار دن میں ہوا۔ یا پورا پورا برابر جواب ہے سائلین کے لیے۔

⑥ یہ آنا کس طرح تھا؟ اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ یہ دونوں اللہ کے پاس آئے جس طرح اس نے چاہا۔ بعض نے اس کا مفہوم لیا ہے کہ میرے حکم کی اطاعت کرو، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم حاضر ہیں، چنانچہ اللہ نے آسمان کو حکم دیا: سورج، چاند اور

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿12﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿13﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿14﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿15﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

پس دو دن میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اُس کے مناسب وحی بھیج دی[1] اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی،[2] یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے﴿12﴾ اب بھی یہ رُوگرداں ہوں تو کہہ دیجیے کہ میں تمھیں اُس کڑک سے ڈراتا ہوں جو مثل عادیوں اور ثمودیوں کی کڑک کے ہوگی﴿13﴾ اُن کے پاس جب اُن کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم تو تمھاری رسالت کے بالکل منکر ہیں﴿14﴾[3] اب عاد نے تو بلاوجہ زمین میں سرکشی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم سے زورآور کون ہے؟[4] کیا اُنھیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے اُنھیں پیدا کیا ہے، وہ اُن سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے[5] اور وہ (آخر تک) ہماری آیتوں[6] کا انکار ہی کرتے رہے﴿15﴾ بالآخر ہم نے اُن پر ایک تیز و تند آندھی[7]

ستارے نکال اور زمین کو کہا: اپنی نہریں جاری کر دے اور اپنے پھل نکال دے۔ (ابن کثیر) یا مفہوم ہے کہ تم دونوں وجود میں آ جاؤ۔

[1] یعنی خود آسمانوں کو یا ان میں آباد فرشتوں کو مخصوص کاموں اور اوراد و وظائف کا پابند کر دیا۔

[2] یعنی شیطان سے نگہبانی جیسا کہ دوسرے مقام پر وضاحت ہے، ستاروں کا ایک تیسرا مقصد دوسری جگہ اِهْتِدَاء (راستہ معلوم کرنا) بھی بیان کیا گیا ہے۔ (النحل 16:16)

[3] یعنی چونکہ تم ہماری طرح ہی کے انسان ہو، اس لیے ہم تمھیں نبی نہیں مان سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا نہ کہ انسانوں کو۔

[4] اس فقرے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ عذاب روک لینے پر قادر ہیں کیونکہ وہ دراز قد اور نہایت زور آور تھے۔ یہ انھوں نے اس وقت کہا جب ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو انذار و تنبیہ کے لیے عذابِ الٰہی سے ڈرایا۔

[5] یعنی کیا وہ اللہ سے بھی زیادہ زور آور ہیں جس نے انھیں پیدا کیا اور انھیں قوت و طاقت سے نوازا۔ کیا ان کو بنانے کے بعد اس کی اپنی قوت و طاقت ختم ہو گئی ہے؟ یہ استفہام، استنکار اور توبیخ کے لیے ہے۔

[6] ان معجزات کا جو انبیاء کو ہم نے دیے تھے یا ان دلائل کا جو پیغمبروں کے ساتھ نازل کیے تھے یا ان آیات تکوینیہ کا جو کائنات میں پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں۔

[7] ﴿صَرْصَرًا﴾ صَرَّة (آواز) سے ہے، یعنی ایسی ہوا جس میں سخت آواز تھی، یعنی نہایت تند اور تیز ہوا جس میں آواز بھی ہوتی

صَرْصَرًا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑯ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑰ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ⑱ ع وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑳ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا

2 ع 10 16

منحوس دنوں میں [1] بھیج دی کہ اُنھیں دنیاوی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور (یقین مانو) کہ آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ رسوائی والا ہے اور وہ مدد نہیں کیے جائیں گے ⑯ رہے ثمود، سو ہم نے اُن کی بھی رہبری کی [2] پھر بھی اُنھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی [3] جس بنا پر اُنھیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے اُن کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا [4] ⑰ اور (ہاں)! ایمان دار اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچا لیا ⑱ اور جس دن [5] اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف لائے جائیں گے اور اُن (سب) کو جمع کر دیا جائے گا [6] ⑲ یہاں تک کہ جب بالکل جہنم کے پاس آجائیں گے اُن پر اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اُن کے اعمال کی گواہی دیں گی ⑳ [7] یہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی، [8] وہ جواب دیں گی کہ ہمیں اُس

ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ صَرٌّ سے ہے، جس کے معنی برد (ٹھنڈک) کے ہیں، یعنی ایسی پالے والی ہوا جو آگ کی طرح جلا ڈالتی ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: وَالْحَقُّ أَنَّهَا مُتَّصِفَةٌ بِجَمِيعِ ذٰلِكَ وہ ہوا ان تمام ہی باتوں سے متصف تھی۔

① ﴿نَّحِسَاتٍ﴾ کا ترجمہ، بعض نے متواتر پے در پے کا کیا ہے کیونکہ یہ ہوا سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ بعض نے سخت، بعض نے گرد و غبار والے اور بعض نے نحوست والے کیا ہے۔ آخری ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایام جن میں ان پر سخت ہوا کا طوفان جاری رہا، ان کے لیے منحوس ثابت ہوئے۔ یہ نہیں کہ ایام ہی مطلقاً منحوس ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایام دوسروں کے لیے بھی منحوس ہی ثابت ہوتے۔

② یعنی ان کو توحید کی دعوت دی، اس کے دلائل ان کے سامنے واضح کیے اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعے سے ان پر حجت تمام کی۔

③ یعنی انھوں نے مخالفت اور تکذیب کی حتیٰ کہ اس اونٹنی تک کو ذبح کر ڈالا جو بطور معجزہ ان کی خواہش پر چٹان سے ظاہر کی گئی تھی اور پیغمبر کی صداقت کی دلیل تھی۔

④ ﴿صٰعِقَةُ﴾ عذاب شدید کو کہتے ہیں، ان پر یہ سخت عذاب چنگھاڑ اور زلزلے کی صورت میں آیا جس نے انھیں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا۔

⑤ یہاں اُذْكُرْ محذوف ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کے فرشتے جمع کریں گے، یعنی اول سے آخر تک کے دشمنوں کا اجتماع ہوگا۔

⑥ أَيْ يُحْبَسُ أَوَّلُهُمْ عَلٰى آخِرِهِمْ لِيَلَاحِقُوا وَيَجْتَمِعُوا (فتح القدیر) یعنی ان کو روک روک کر اول و آخر کو باہم جمع کیا جائے گا۔ (اس لفظ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: سورۂ نمل 17:27 کا حاشیہ)

اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿21﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿22﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾ فَاِنْ

اللہ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت بخشی ہے، اُسی نے تمھیں اول مرتبہ پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ﴿21﴾ [1] اور تم (اپنی بداعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ رکھتے ہی نہ تھے کہ تم پر تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور تمھاری کھالیں گواہی دیں گی، [2] ہاں تم یہ سمجھتے رہے کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اُس میں سے بہت سے اعمال سے اللہ بے خبر ہے ﴿22﴾ [3] تمھاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمھیں ہلاک کر دیا [4] اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے ﴿23﴾ اب اگر

⑦ یعنی جب وہ اس بات سے انکار کریں گے کہ انھوں نے شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے اعضاء بول کر گواہی دیں گے کہ یہ فلاں فلاں کام کرتے رہے۔ ﴿اِذَا مَا جَآءُوْهَا﴾ میں مَا زائد ہے تاکید کے لیے۔ انسان کے اندر پانچ حواس ہیں۔ یہاں دو کا ذکر ہے۔ تیسری جلد (کھال) کا ذکر ہے جو مس یا لمس کا آلہ ہے۔ یوں حواس کی تین قسمیں ہوگئیں۔ باقی دو حواس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ ذوق (چکھنا) بوجہ لمس میں داخل ہے کیونکہ یہ چکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس شئ کو زبان کی جلد پر نہ رکھا جائے۔ اسی طرح سونگھنا (شم) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ شئ ناک کی جلد پر سے نہ گزرے۔ اس اعتبار سے جلود کے لفظ میں تین حواس آجاتے ہیں۔ (فتح القدير)

⑧ یعنی جب مشرکین اور کفار دیکھیں گے کہ خود ان کے اپنے اعضاء ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں تو از راہ تعجب یا بطور عتاب اور ناراضی کے، ان سے یہ کہیں گے۔

① بعض کے نزدیک ﴿وَّهُوَ﴾ سے اللہ کا کلام ہے۔ اس لحاظ سے یہ جملہ مُسْتَانِفَہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک جلود انسان ہی کا۔ اس اعتبار سے یہ انھی کے کلام کا تتمہ ہے۔ قیامت والے دن انسانی اعضاء کے گواہی دینے کا ذکر اس سے قبل (سورۂ نور 24:24، سورۂ یٰسٓ 36:65 میں) بھی گزر چکا ہے اور صحیح احادیث میں بھی اسے بیان کیا گیا ہے، مثلاً: جب اللہ کے حکم سے انسانی اعضاء بول کر بتلائیں گے تو بندہ کہے گا: «بُعْدًا لَّكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ» (صحيح مسلم، حديث: 2969) ''تمھارے لیے ہلاکت اور دوری ہو، میں تو تمھاری ہی خاطر جھگڑ رہا اور مدافعت کر رہا تھا۔'' اسی روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ بندہ کہے گا کہ میں اپنے نفس کے سوا کسی کی گواہی نہیں مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں اور میرے فرشتے کِرَامًا کَاتِبِیْنَ گواہی کے لیے کافی نہیں، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2969)

② اس کا مطلب ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے ہوئے لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا کوئی خوف تمھیں نہیں تھا کہ تمھارے خلاف خود تمھارے اپنے اعضاء بھی گواہی دیں گے کہ جن سے چھپنے کی تم ضرورت محسوس کرتے۔ اس کی وجہ ان کا بعث ونشور سے انکار اور اس پر عدم یقین تھا۔

③ اس لیے تم اللہ کی حدیں توڑنے اور اس کی نافرمانی کرنے میں بے باک تھے۔

④ یعنی تمھارے اس اعتقاد فاسد اور گمان باطل نے، کہ اللہ کو ہمارے بہت سے عملوں کا علم نہیں ہوتا، تمھیں ہلاکت میں ڈال دیا کیونکہ

يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿24﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿25﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

ع 3/7 17

یہ صبر کریں تو بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور اگر یہ معافی چاہیں تو وہ معافی (بھی) نہیں دیے جائیں گے ﴿24﴾[1] اور ہم نے ان کے کچھ ہم نشیں مقرر کر رکھے تھے جنھوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا رکھے تھے[2] اور ان کے حق میں بھی اللہ کا قول اُن امتوں کے ساتھ پورا ہوا جو ان سے پہلے جنوں انسانوں کی گزر چکی ہیں۔ یقیناً وہ زیاں کار ثابت ہوئے ﴿25﴾ اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو سنو ہی مت[3] اور بیہودہ گوئی کرو[4] کیا عجب کہ تم غالب آ جاؤ ﴿26﴾[5] پس یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انھیں ان کے بدترین اعمال کا بدلہ (ضرور) ضرور دیں گے ﴿27﴾[6] اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے جس میں اُن کا ہمیشگی کا گھر ہے۔ (یہ) بدلہ ہے ہماری

اس کی وجہ سے تم ہر قسم کا گناہ کرنے میں دلیر اور بے خوف ہو گئے تھے۔ اس کی شان نزول میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قرشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قرشی جمع ہوئے۔ فربہ بدن، قلیل الفہم۔ ان میں سے ایک نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو، ہماری باتیں اللہ سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: ہماری جہری باتیں سنتا ہے اور سری باتیں نہیں سنتا۔ ایک اور نے کہا: ''اگر وہ ہماری جہری (اونچی) باتیں سنتا ہے تو ہماری سری (پوشیدہ) باتیں بھی یقیناً سنتا ہے۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4816)

① ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ اگر وہ منانا چاہیں گے (عُتبیٰ، رضا طلب کریں گے) تاکہ وہ جنت میں چلے جائیں تو یہ چیز ان کو کبھی حاصل نہ ہوگی۔ (أيسر التفاسير و فتح القدير) بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ وہ دنیا میں دوبارہ بھیجے جانے کی آرزو کریں گے جو منظور نہیں ہوگی۔ (تفسير الطبري) مطلب یہ ہے کہ ان کا ابدی ٹھکانا جہنم ہے، اس پر صبر کریں (تب بھی رحم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ دنیا میں بعض دفعہ صبر کرنے والوں پر ترس آ جاتا ہے) یا کسی اور طریقے سے وہاں سے نکلنے کی سعی کریں مگر اس میں بھی انھیں ناکامی ہی ہوگی۔

② ان سے مراد وہ شیاطین انس وجن ہیں جو باطل پر اصرار کرنے والوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں جو انھیں کفر و معاصی کو خوبصورت کر کے دکھاتے ہیں، پس وہ اس گمراہی کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں حتیٰ کہ انھیں موت آ جاتی ہے اور وہ خسارہ ابدی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

③ یہ انھوں نے باہم ایک دوسرے کو کہا۔ بعض نے ﴿لَا تَسْمَعُوْا﴾ کے معنی کیے ہیں: اس کی اطاعت نہ کرو۔

④ یعنی شور کرو، تالیاں، سیٹیاں بجاؤ، چیخ چیخ کر باتیں کرو تاکہ حاضرین کے کانوں میں قرآن کی آواز نہ جائے اور ان کے دل قرآن کی بلاغت اور خوبیوں سے متاثر نہ ہوں۔

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿28﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿29﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿30﴾ نَحْنُ

آیتوں سے انکار کرنے کا﴿28﴾ [1] اور کافر لوگ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں جنوں انسانوں (کے وہ دونوں فریق) دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا [2] (تاکہ) ہم اُنھیں اپنے قدموں تلے ڈال دیں تاکہ وہ جہنم میں سب سے نیچے ہو جائیں﴿29﴾ [3] (واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، [4] پھر اُسی پر قائم رہے۔ [5] اُن کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں [6] کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو [7] (بلکہ) اُس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو﴿30﴾ [8] تمھاری

---

⑤- یعنی ممکن ہے اس طرح شور کرنے کی وجہ سے محمد (ﷺ) قرآن کی تلاوت ہی نہ کرے جسے سن کر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

⑥ یعنی آخرت میں ان کے بعض اچھے عملوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی، مثلاً: اکرام ضیف، صلہ رحمی وغیرہ کیونکہ ایمان کی دولت سے وہ محروم رہے تھے، البتہ برے عملوں کی جزا انھیں ملے گی جن میں قرآن کریم سے روکنے کا جرم بھی ہے۔

① آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے، وہ دلائل و براہین وَاضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انھیں عطا کیے جاتے ہیں یا وہ دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات، یعنی آفاق و انفس میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کافران سب ہی کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

② اس کا مفہوم واضح ہی ہے کہ گمراہ کرنے والے شیاطین ہی نہیں ہوتے، انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شیطان کے زیر اثر لوگوں کو گمراہ کرنے میں مصروف رہتی ہے، تاہم بعض نے جن سے ابلیس اور انسان سے آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا قابیل مراد لیا ہے، جس نے انسانوں میں سب سے پہلے اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کر کے ظلم اور کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کے مطابق قیامت تک ہونے والے ناجائز قتلوں کے گناہ کا ایک حصہ اسے بھی ملتا رہے گا۔ ہمارے خیال میں پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

③ یعنی اپنے قدموں سے انھیں روندیں اور اس طرح ہم انھیں خوب ذلیل و رسوا کریں۔ جہنمیوں کو اپنے لیڈروں پر جو غصہ ہوگا، اس کی تشفی کے لیے وہ یہ کہیں گے ورنہ دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں ہی یکساں جہنم کی سزا بھگتیں گے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 38:7) ”سب کے لیے دوگنا (عذاب) ہے لیکن تمھیں خبر نہیں ہے۔“ جہنمیوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہا ہے جیسا کہ عام طور پر قرآن کا انداز ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب اور ترغیب کے ساتھ ترہیب کا بھی اہتمام رہے۔ گویا انذار کے بعد اب تبشیر کا بیان ہے۔

④ یعنی ایک اللہ وحدہ لاشریک۔ رب بھی وہی اور معبود بھی وہی۔ یہ نہیں کہ ربوبیت کا اقرار لیکن الوہیت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔

⑤ یعنی سخت سے سخت حالات میں بھی ایمان و توحید پر قائم رہے، اس سے انحراف نہیں کیا۔ بعض نے استقامت کے معنی اخلاص کیے ہیں، یعنی صرف ایک اللہ ہی کی عبادت و اطاعت کی۔ جس طرح حدیث میں بھی آتا ہے، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد کسی سے مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ» (صحیح مسلم، حدیث: 38) ”کہہ میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر استقامت اختیار کر۔“

اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿31﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿32﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿33﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿34﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿35﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿36﴾

دنیوی زندگی میں بھی ہم تمھارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، [1] جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمھارے لیے (جنت میں موجود) ہے ﴿31﴾ غفور ورحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمانی کے ہے ﴿32﴾ اور اُس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں ﴿33﴾ [2] نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ [3] برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست ﴿34﴾ [4] اور یہ بات اُنھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں [5] اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا ﴿35﴾ [6] اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو۔ [7] یقیناً وہ بہت ہی سننے والا، جاننے والا ہے ﴿36﴾ [8]

⑥ یعنی موت کے وقت، بعض کہتے ہیں: فرشتے یہ خوش خبری تین جگہوں پر دیتے ہیں، موت کے وقت، قبر میں اور تیسری مرتبہ قبر سے دوبارہ اٹھنے کے وقت دیں گے۔

⑦ یعنی آخرت میں پیش آنے والے حالات کا اندیشہ اور دنیا میں مال واولاد جو چھوڑ آئے ہو، ان کا غم نہ کرو۔

⑧ یعنی دنیا میں جس کا وعدہ تمھیں دیا گیا تھا۔

① یہ مزید خوش خبری ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ بعض کے نزدیک یہ فرشتوں کا قول ہے، دونوں صورتوں میں مومن کے لیے یہ عظیم خوشخبری ہے۔

② یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ہدایت یافتہ، دین کا پابند اور اللہ کا مطیع ہے۔

③ بلکہ ان میں عظیم فرق ہے۔

④ یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو، یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسندیدہ باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمھارا دشمن، دوست بن جائے گا، دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا اور خون کا پیاسا، تمھارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

⑤ یعنی برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالنے کی خوبی اگرچہ نہایت مفید اور بڑی ثمر آور ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکیں گے جو صابر ہوں گے۔ غصے کو پی جانے والے اور ناپسندیدہ باتوں کو برداشت کرنے والے۔

⑥ ﴿ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ (بڑا نصیبہ) سے مراد جنت ہے، یعنی مذکورہ خوبیاں اس کو حاصل ہوتی ہیں جو بڑے نصیبے والا ہوتا ہے، یعنی جنتی جس کے لیے جنت میں جانا لکھ دیا گیا ہو۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿37﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ﴿38﴾ ۩ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾

اور دن رات اور سورج چاند بھی اُسی کی نشانیوں میں سے ہیں،[1] تم سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو[2] بلکہ سجدہ اُس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے[3] اگر تمھیں اُسی کی عبادت کرنی ہے تو (37) پھر بھی اگر یہ کفر و غرور کریں تو وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ تو رات دن اُس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں اور (کسی وقت بھی) نہیں اکتاتے (38) اُس اللہ کی نشانیوں میں سے (یہ بھی) ہے کہ تو زمین کو دبی دبائی دیکھتا ہے،[4] پھر جب ہم اُس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو کر اُبھرنے لگتی ہے۔[5] جس نے اُسے زندہ کیا وہی یقینی طور پر مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے،[6] بے شک وہ ہر (ہر) چیز پر قادر ہے (39)

(7) یعنی شیطان شریعت کے کام سے پھیرنا چاہے یا احسن طریقے سے برائی کے دفع کرنے میں رکاوٹ ڈالے تو اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کے ذریعے سے پناہ طلب کرو۔

(8) اور جو ایسا ہو، یعنی ہر ایک کی سننے والا اور ہر بات کو جاننے والا، وہی پناہ کے طلب گاروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ اس کے بعد اب پھر بعض ان نشانیوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو اللہ کی توحید، اس کے کمال قدرت اور اس کی قوت تصرف پر دلالت کرتی ہیں۔

(1) یعنی رات کو تاریک بنایا تاکہ لوگ اس میں آرام کرسکیں، دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش میں پریشانی نہ ہو، پھر یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کا آنا جانا اور کبھی رات کا لمبا اور دن کا چھوٹا ہونا اور کبھی اس کے برعکس دن کا لمبا اور رات کا چھوٹا ہونا۔ اسی طرح سورج اور چاند کا اپنے اپنے وقت پر طلوع و غروب ہونا اور اپنے اپنے مدار پر اپنی منزلیں طے کرتے رہنا اور آپس میں باہمی تصادم سے محفوظ رہنا، یہ سب اس بات کی دلیلیں ہیں کہ ان کا یقیناً کوئی خالق اور مالک ہے۔ نیز وہ ایک اور صرف ایک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ اگر تدبیر و امر کا اختیار رکھنے والے، ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام کائنات ایسے مستحکم اور لگے بندھے طریقے سے کبھی نہیں چل سکتا تھا۔

(2) اس لیے کہ یہ بھی تمھاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں، خدائی اختیارات سے بہرہ ور یا ان میں شریک نہیں ہیں۔

(3) ﴿خَلَقَهُنَّ﴾ میں جمع مؤنث کی ضمیر اس لیے آئی ہے کہ یہ یا تو خَلَقَ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةَ الْمَذْكُوْرَةَ کے مفہوم میں ہے کیونکہ غیر عاقل کی جمع کا حکم جمع مؤنث ہی کا ہے۔ یا اس کا مرجع صرف شمس و قمر ہی ہے اور بعض ائمۂ نحاۃ کے نزدیک تثنیہ بھی جمع ہے یا پھر مراد الآیات ہیں۔ (فتح القدیر)

(4) ﴿خَاشِعَةً﴾ کا مطلب خشک اور قحط زدہ، یعنی مردہ۔

(5) یعنی انواع و اقسام کے خوش ذائقہ پھل اور غلے پیدا کرتی ہے۔

(6) مردہ زمین کو بارش کے ذریعے سے اس طرح زندہ کر دینا اور اسے روئیدگی کے قابل بنا دینا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مردوں کو

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿40﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿41﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿42﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ

بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں[1] وہ (کچھ) ہم سے مخفی نہیں،[2] (بتاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن وامان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟[3] تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ،[4] تمھارا سب کیا کرایا وہ دیکھ رہا ہے ﴿40﴾ جن لوگوں نے اپنے پاس قرآن پہنچ جانے کے باوجود اُس سے کفر کیا، (وہ بھی ہم سے پوشیدہ نہیں)[5] بے شک یہ بڑی باوقعت کتاب ہے ﴿41﴾[6] جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اُس کے آگے سے نہ اُس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے ﴿42﴾[7] آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں سے بھی کہا گیا ہے،[8] یقیناً آپ کا رب معافی

بھی یقیناً زندہ کرے گا۔

① یعنی ان کو مانتے نہیں بلکہ ان سے اعراض، انحراف اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الحاد کے معنی کیے ہیں: وَضْعُ الْكَلَامِ عَلٰى غَيْرِ مَوَاضِعِهٖ، جس کی رو سے اس میں وہ باطل فرقے بھی آ جاتے ہیں جو اپنے غلط عقائد ونظریات کے اثبات کے لیے آیات الٰہی میں تحریف معنوی اور دجل وتلبیس سے کام لیتے ہیں۔

② ملحدین (چاہے وہ کسی قسم کے ہوں) کے لیے سخت وعید ہے۔

③ یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ علاوہ ازیں اس سے اشارہ کر دیا کہ ملحدین آگ میں ڈالے جائیں گے اور اہل ایمان قیامت والے دن بے خوف ہوں گے۔

④ یہ امر کا لفظ ہے لیکن یہاں اس سے مقصود وعید اور تہدید ہے۔ کفر وشرک اور معاصی کے لیے اذن اور اباحت نہیں ہے۔

⑤ بریکٹ کے الفاظ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ کی خبر محذوف کا ترجمہ ہیں بعض نے کچھ اور الفاظ محذوف مانے ہیں، مثلاً: يُجَازَوْنَ بِكُفْرِهِمْ ''انھیں ان کے کفر کی سزا دی جائے گی۔'' یا هَالِكُوْنَ ''وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔'' یا يُعَذَّبُوْنَ ''انھیں عذاب دیا جائے گا۔''

⑥ یعنی یہ کتاب، جس سے اعراض وانحراف کیا جاتا ہے معارضے اور طعن کرنے والوں سے بہت بلند اور ہر عیب سے پاک ہے۔

⑦ یعنی وہ ہر طرح سے محفوظ ہے، آگے سے، کا مطلب ہے: کمی اور پیچھے سے، کا مطلب ہے: زیادتی، یعنی باطل اس کے آگے سے آ کر اس میں کمی اور نہ اس کے پیچھے سے آ کر اس میں اضافہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی تغییر وتحریف ہی کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اپنے اقوال وافعال میں حکیم ہے اور حمید، یعنی محمود ہے۔ یا وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے اور جن سے منع فرماتا ہے، عواقب اور غایات کے اعتبار سے سب محمود ہیں، یعنی اچھی اور مفید ہیں۔ (ابن کثیر)

⑧ یعنی پچھلی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کے لیے جو کچھ کہا کہ یہ ساحر ہیں، مجنون ہیں، کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ، وہی کچھ کفار مکہ نے بھی آپ کو کہا ہے۔ یہ گویا آپ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ کی تکذیب اور آپ کی سحر، کذب اور جنون کی طرف نسبت نئی

عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿43﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿44﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿45﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ

ع 5/12/19

والا [1] اور دردناک عذاب والا ہے ﴿43﴾ [2] اور اگر ہم اُسے عجمی زبان کا قرآن بناتے تو کہتے [3] کہ اُس کی آیتیں صاف صاف بیان کیوں نہیں کی گئیں؟ [4] یہ کیا کہ عجمی کتاب اور آپ عربی رسول؟ [5] آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو (بہرا پن اور) بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جا رہے ہیں ﴿44﴾ [6] یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، سو اُس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر (وہ) بات نہ ہوتی (جو) آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے [7] تو اُن کے درمیان (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا، [8] یہ لوگ تو اُس سے شک (اور) بے چینی میں ہیں ﴿45﴾ [9] جو شخص نیک کام کرے گا تو اپنے نفع کے لیے اور جو بُرا کام کرے گا

بات نہیں ہے، ہر پیغمبر کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ ﴾ (الذّٰريٰت 53,52:51) ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں۔'' دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ کو توحید اور اخلاص کا جو حکم دیا گیا ہے، یہ وہی باتیں ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی کہی گئی تھیں، اس لیے کہ تمام شریعتیں ان باتوں پر متفق رہی ہیں بلکہ سب کی اولین دعوت ہی توحید و اخلاص تھی۔ (فتح القدير)

[1] یعنی ان اہل ایمان و توحید کے لیے جو مستحق مغفرت ہیں۔

[2] ان کے لیے جو کافر اور اللہ کے پیغمبروں کے دشمن ہیں۔ یہ آیت بھی سورۂ حجر کی آیت: 50,49 ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ ''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں اور ساتھ ہی میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے۔'' کی طرح ہے۔

[3] یعنی عربی کی بجائے کسی اور زبان میں قرآن نازل کرتے۔

[4] یعنی ہماری زبان میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا جسے ہم سمجھ سکتے کیونکہ ہم تو عرب ہیں، عجمی زبان نہیں سمجھتے۔

[5] کافر یہ کہہ کر تعجب کرتے کہ رسول تو عربی ہے اور قرآن اس پر عجمی زبان میں نازل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں نازل فرما کر اس کے اولین مخاطب عربوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا ہے۔

[6] یعنی جس طرح دور کا شخص دوری کی وجہ سے پکارنے والے کی آواز سننے سے قاصر رہتا ہے، اسی طرح ان لوگوں کی عقل و فہم میں قرآن نہیں آتا۔

فَعَلَیْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿46﴾

اس کا وبال بھی اُسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ﴿46﴾ ⑩

⑦ کہ ان کو عذاب دینے سے پہلے مہلت دی جائے گی۔ ﴿وَلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (فاطر 45:35) ”اور وہ انھیں وقتِ معین تک موٴخر کرتا ہے۔“

⑧ یعنی فوراً عذاب دے کر ان کو تباہ کر دیا گیا ہوتا۔

⑨ یعنی ان کا انکار عقل و بصیرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض شک کی وجہ سے ہے جو ان کو بے چین کیے رکھتا ہے۔

⑩ اس لیے کہ وہ عذاب صرف اسی کو دیتا ہے جو مجرم ہوتا ہے نہ کہ بے گناہ کو کہ یوں ہی اسے عذاب میں مبتلا کر دے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ ﴿47﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿48﴾ لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿49﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے[1] اور جو جو پھل اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو بچے وہ جنتی ہے سب کا علم اُسے ہے[2] اور جس دن اللہ ان (مشرکوں) کو بلا کر دریافت فرمائے گا میرے شریک کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تو تجھے کہہ سنایا کہ ہم میں سے تو کوئی اس کا گواہ نہیں ﴿47﴾[3] اور یہ جن (جن) کی پرستش اس سے پہلے کرتے تھے وہ ان کی نگاہ سے گم ہو گئے[4] اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کے لیے کوئی بچاؤ نہیں ﴿48﴾[5] بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں[6] اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے ﴿49﴾[7] اور جو مصیبت اُسے پہنچ چکی ہے اُس کے بعد اگر ہم اُسے کسی رحمت کا مزہ

① یعنی اللہ کے سوا اس کے وقوع کا کسی کو علم نہیں، اسی لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے واقع ہونے کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» ”اس کی بابت پوچھے جانے والے کو پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں، یعنی میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔“ دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ (النّٰزعٰت 79:44) ”اُس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔“ ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ﴾ (الأعراف 7:187) ”اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔“

② یہ اللہ کے علم کامل و محیط کا بیان ہے اور اس کی اس صفت علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انھیں وحی کے ذریعے سے بتلا دیتا ہے۔ اور اس علم وحی کا تعلق بھی منصب نبوت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی اور متعلقہ معاملات سے ہی ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ علمِ غیب اللہ کی شان اور اس کی صفت ہے۔ جس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک ہوگا۔

③ یعنی آج ہم میں سے کوئی شخص یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تیرا کوئی شریک ہے۔

④ یعنی وہ ادھر ادھر ہو گئے اور حسب گمان انھوں نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا۔

⑤ یہ گمان یقین کے معنی میں ہے، یعنی قیامت والے دن وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں گے کہ انھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ (الکهف 18:53) ”گناہ گار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں واقع ہونے والے ہیں اور وہ اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے۔“

⑥ یعنی دنیا کا مال و اسباب، صحت و قوت، عزت و رفعت اور دیگر دنیوی نعمتوں کے مانگنے سے انسان نہیں تھکتا بلکہ مانگتا ہی رہتا ہے۔ انسان سے مراد انسانوں کی غالب اکثریت ہے۔

⑦ یعنی تکلیف پہنچنے پر فوراً مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اللہ کے مخلص بندوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایک تو دنیا کے طالب

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿50﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿51﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿52﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى

چکھائیں تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس کا تو میں حق دار ہی تھا[1] اور میں تو خیال نہیں کر سکتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس واپس کیا گیا تو بھی یقیناً میرے لیے اُس کے پاس بھی بہتری ہے،[2] یقیناً ہم اُن کفار کو اُن کے اعمال سے خبردار کریں گے اور اُنھیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ﴿50﴾ اور جب ہم انسان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے[3] اور جب اُسے مصیبت پڑتی ہے تو بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے ﴿51﴾[4] آپ کہہ دیجیے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہو، پھر تم نے اُسے نہ مانا تو اُس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہوگا[5] جو مخالفت میں (حق سے) دور چلا جائے ﴿52﴾[6] عنقریب ہم اُنھیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں بھی دکھائیں گے اور خود اُن کی اپنی ذات میں بھی یہاں تک کہ اُن پر کھل جائے کہ حق یہی ہے،[7] کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے

نہیں ہوتے، ان کے سامنے ہر وقت آخرت ہی ہوتی ہے، دوسرے، تکلیف پہنچنے پر بھی وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ آزمائشوں کو بھی وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا باعث گردانتے ہیں۔ گویا مایوسی ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔

[1] یعنی اللہ کے ہاں میں محبوب ہوں، وہ مجھ سے خوش ہے، اسی لیے مجھے وہ اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے، حالانکہ دنیا کی کمی بیشی اس کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں ہے بلکہ صرف آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ نعمتوں میں اس کا شکر کون کر رہا ہے اور تکلیفوں میں صابر کون ہے؟

[2] یہ کہنے والا منافق یا کافر ہے، کوئی مومن ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کافر ہی یہ سمجھتا ہے کہ میری دنیا خیر کے ساتھ گزر رہی ہے تو آخرت بھی میرے لیے ایسی ہی ہوگی۔

[3] یعنی حق سے منہ پھیر لیتا اور حق کی اطاعت سے اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔

[4] یعنی بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری کرتا ہے تاکہ وہ مصیبت دور فرما دے، یعنی تنگی میں اللہ کو یاد کرتا ہے، خوش حالی میں بھول جاتا ہے، نزولِ نقمت (آزمائش) کے وقت اللہ سے فریادیں کرتا ہے، حصولِ نعمت کے وقت اسے وہ یاد نہیں رہتا۔

[5] یعنی ایسی حالت میں تم سے زیادہ گمراہ اور تم سے زیادہ دشمن کون ہوگا۔

[6] ﴿شِقَاقٍ﴾ کے معنی ہیں: ضد، عناد اور مخالفت۔ ﴿بَعِيْدٍ﴾ مل کر اس میں اور مبالغہ ہو جاتا ہے، یعنی جو بہت زیادہ مخالفت اور عناد سے کام لیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے نازل کردہ قرآن کی بھی تکذیب کر دیتا ہے، اس سے بڑھ کر گمراہ اور بدبخت کون ہو سکتا ہے؟

[7] جن سے قرآن کی صداقت اور اس کا من جانب اللہ ہونا واضح ہو جائے گا، یعنی ﴿اَنَّهُ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بعض نے

كُلِّ شَيۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿53﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِيۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿54﴾

آیاتہا: 53 (42) سُوۡرَةُ الشُّوۡرٰى مَكِّيَّةٌ (62) رکوعاتہا: 5

سورۂ شوریٰ مکی ہے، اس میں 53 آیات اور 5 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ عٓسٓقٓ ﴿2﴾ كَذٰلِكَ يُوۡحِيۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿3﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِيُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿4﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ

آگاہ ہونا کافی نہیں ﴿53﴾ [1] یقین جانو کہ یہ لوگ اپنے رب کے رُوبرو جانے سے شک میں ہیں، [2] یاد رکھو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿54﴾ [3]

حٰمٓ ﴿1﴾ عٓسٓقٓ ﴿2﴾ اللہ جو زبردست ہے اور حکمت والا ہے، اسی طرح تیری طرف اور تجھ سے اگلوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ﴿3﴾ [4] آسمانوں کی (تمام) چیزیں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے وہ برتر اور عظیم الشان ہے ﴿4﴾ قریب ہے آسمان اپنے اوپر سے پھٹ

اس کا مرجع اسلام یا رسول اللہ ﷺ کو بتلایا ہے۔ مآل سب کا ایک ہی ہے۔ ﴿الۡاٰفَاقِ﴾ اُفُق کی جمع ہے۔ کنارہ، مطلب ہے کہ ہم اپنی نشانیاں باہر کناروں میں بھی دکھائیں گے اور خود انسان کے اپنے نفسوں کے اندر بھی، چنانچہ آسمان و زمین کے کناروں میں بھی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، مثلاً: سورج، چاند، ستارے، رات، دن، ہوا، بارش، گرج، چمک، بجلی، کڑک، نباتات و جمادات، اشجار، پہاڑ اور انہار و بحار وغیرہ۔ اور آیات انفس سے انسان کا وجود، جن اخلاط و مواد اور ہیئتوں پر مرکب ہے، وہ مراد ہیں۔ جس کی تفصیلات طب و حکمت کا دلچسپ موضوع ہے۔ بعض کہتے ہیں: آفاق سے مراد شرق و غرب کے وہ دور دراز کے علاقے ہیں جن کی فتح کو اللہ نے مسلمانوں کے لیے آسان فرما دیا اور انفس سے مراد خود عرب کی سرزمین پر مسلمانوں کی پیش قدمی ہے، جیسے جنگ بدر اور فتح مکہ وغیرہ فتوحات میں مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی گئی۔

[1] استفہام اقراری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کے دیکھنے کے لیے کافی ہے اور وہی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

[2] اس لیے اس کی بابت غور و فکر نہیں کرتے، نہ اس کے لیے عمل کرتے ہیں اور نہ اس دن کا کوئی خوف ان کے دلوں میں ہے۔

[3] بنابریں اس کے لیے قیامت کا وقوع قطعاً مشکل امر نہیں کیونکہ تمام مخلوقات پر اس کا غلبہ و تصرف ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کرتا ہے، کر سکتا ہے اور کرے گا، کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔

[4] یعنی جس طرح یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح آپ سے پہلے انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں۔ وحی، اللہ کا وہ کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ کبھی تو یہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے سخت ہوتی ہے، جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور وہ جو کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سخت سردی میں مشاہدہ کیا کہ جب وحی کی کیفیت ختم ہوتی تو آپ پسینے میں شرابور ہوتے اور

70

فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا

پڑیں[1] اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی تعریف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور زمین والوں کے لیے استغفار کر رہے ہیں۔[2] خوب سمجھ رکھو کہ اللہ ہی معاف فرمانے والا رحمت والا ہے⑤[3] اور جن لوگوں نے اُس کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے اللہ اُن پر نگران ہے[4] اور آپ اُن کے ذمے دار نہیں ہیں⑥[5] اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے[6] تاکہ آپ مکے والوں کو اور اُس کے آس پاس کے لوگوں کو خبردار کر دیں[7] اور جمع ہونے کے دن سے[8] ڈرا دیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں ہوگا⑦[9] اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا[10] لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا حامی اور

آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے گر رہے ہوتے۔ (صحيح البخاري، حديث: 2)

① اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے۔

② یہ مضمون سورۂ مؤمن 40:7 میں بھی بیان ہوا ہے۔

③ اپنے دوستوں اور اہل طاعت کے لیے یا تمام ہی بندوں کے لیے کیونکہ کفار اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہ کرنا بلکہ انھیں ایک وقت معین تک مہلت دینا، یہ بھی اس کی رحمت ومغفرت ہی کی قسم سے ہے۔

④ یعنی ان کے عملوں کو محفوظ کر رہا ہے تاکہ اس پر ان کو جزا دے۔

⑤ یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ہدایت کے راستے پر لگا دیں یا ان کے گناہوں پر ان کا مؤاخذہ فرمائیں بلکہ یہ کام ہمارے ہیں، آپ کا کام صرف ابلاغ (پہنچا دینا) ہے۔

⑥ یعنی جس طرح ہم نے ہر رسول کی طرف وحی بھیجی اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن عربی واضح نازل کیا ہے۔

⑦ ﴿اُمَّ الْقُرٰى﴾ مکے کا نام ہے۔ اسے ''بستیوں کی ماں'' اظہار فضیلت کے لیے کہا یا اس لیے کہا کہ یہ عرب کی قدیم ترین بستی ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں۔ ﴿وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ میں اس کے شرق وغرب کے تمام علاقے شامل ہیں۔ اُن سب کو ڈرائیں کہ اگر وہ کفر وشرک سے تائب نہ ہوئے تو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے۔

⑧ قیامت والے دن کو جمع ہونے والا دن اس لیے کہا کہ اس میں اگلے پچھلے تمام انسان جمع ہوں گے۔ علاوہ ازیں ظالم ومظلوم اور مومن وکافر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا وسزا سے بہرہ ور ہوں گے۔

⑨ جو اللہ کے حکموں کو بجا لایا ہوگا اور اس کی منہیات ومحرمات سے دور رہا ہوگا وہ جنت میں اور اس کی نافرمانی اور محرمات کا ارتکاب

نَصِيْرٍ ⑧ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ز وَهُوَ عَلٰى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ⑩ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪ لَهٗ مَقَالِيْدُ

مددگار کوئی نہیں⑧ کیا اُن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کار ساز بنالیے ہیں؟ (حقیقتاً تو) اللہ ہی کارساز ہے وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے⑨ [1] اور جس جس چیز میں تمھارا اختلاف ہو اُس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے، [2] یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں⑩ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس نے تمھارے لیے تمھاری جنس کے جوڑے بنا دیے ہیں [3] اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں [4] تمھیں وہ اُس میں پھیلا رہا ہے، [5] اُس جیسی کوئی چیز نہیں [6] وہ سننے اور دیکھنے والا ہے⑪ آسمانوں اور

کرنے والا جہنم میں ہوگا۔ یہی دو گروہ ہوں گے۔ تیسرا گروہ نہیں ہوگا۔

⑩ اس صورت میں قیامت والے دن صرف ایک ہی گروہ ہوتا، یعنی اہل ایمان کا لیکن اللہ کی حکمت ومشیت نے اس جبر کو پسند نہیں کیا بلکہ انسانوں کو آزمانے کے لیے اس نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی، جس نے اس آزادی کا صحیح استعمال کیا، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہو گیا اور جس نے اس کا غلط استعمال کیا، اس نے ظلم کا ارتکاب کیا کہ اللہ کی دی ہوئی آزادی اور اختیار کو اللہ ہی کی نافرمانی میں استعمال کیا، چنانچہ ایسے ظالموں کا قیامت والے دن کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

① جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو ولی اور کارساز مانا جائے نہ کہ ان کو جن کے پاس کوئی اختیار ہی نہیں ہے اور جو سننے اور جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں نہ نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت۔

② اس اختلاف سے مراد دین کا اختلاف ہے جس طرح یہودیت، عیسائیت اور اسلام وغیرہ میں آپس میں اختلافات ہیں اور ہر مذہب کا پیروکار دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا دین سچا ہے، درآں حالیکہ سارے دین بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے۔ سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی ہوسکتا ہے۔ دنیا میں سچا دین اور حق کا راستہ پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرآن موجود ہے لیکن دنیا میں لوگ اس کلام الٰہی کو اپنا حَکَم اور ثالث ماننے کے لیے تیار نہیں۔ بالآخر پھر قیامت کا دن ہی رہ جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور سچوں کو جنت میں اور دوسروں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔

③ یعنی یہ اس کا احسان ہے کہ تمھاری جنس سے ہی اس نے تمھارے جوڑے بنائے ورنہ اگر تمھاری بیویاں انسانوں کی بجائے کسی اور مخلوق سے بنائی جاتیں تو تمھیں یہ سکون حاصل نہ ہوتا جو اپنی ہم جنس اور ہم شکل بیوی سے ملتا ہے۔

④ یعنی یہی جوڑے بنانے (مذکر ومؤنث) کا سلسلہ ہم نے چوپایوں میں بھی رکھا ہے، چوپایوں سے مراد وہی نر اور مادہ آٹھ جانور ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام میں کیا گیا ہے۔

⑤ ﴿يَذْرَؤُكُمْ﴾ کے معنی پھیلانے یا پیدا کرنے کے ہیں: یعنی وہ تمھیں کثرت سے پھیلا رہا ہے۔ یا نسلاً بعد نسلٍ پیدا کر رہا ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑫ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

زمین کی کنجیاں اُسی کی ہیں،[1] جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور تنگ کر دے، یقیناً وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ⑫ اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ) وحی ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا[2] کہ اس دین کو قائم رکھنا[3] اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا،[4] جس چیز کی طرف آپ اُنھیں بلا رہے ہیں وہ تو مشرکین پر گراں گزرتی ہے،[5]

انسانی نسل کو بھی اور چوپائے کی نسل کو بھی۔ ﴿فِيْهِ﴾ کا مطلب ہے: فِي ذٰلِكَ الْخَلْقِ عَلٰى هٰذِهِ الصِّفَةِ یعنی اس پیدائش میں اس طریقے پر وہ تمھیں ابتدا سے پیدا کرتا آ رہا ہے۔ یا ''رحم میں'' یا ''پیٹ میں'' مراد ہے۔ یا ﴿فِيْهِ﴾ بمعنی بِهٖ ہے، یعنی تمھارا جوڑا بنانے کے سبب سے تمھیں پیدا کرتا یا پھیلاتا ہے کیونکہ یہ زوجیت ہی نسل کا سبب ہے۔ (فتح القدير و ابن كثير)

⑥ نہ ذات میں نہ صفات میں، پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے، واحد اور بے نیاز۔

① ﴿مَقَالِيْدُ﴾ مِقْلِيد اور مِقْلَادٌ کی جمع ہے یا إِقْلِيدٌ کی خلاف قیاس جمع ہے۔ خزانے یا چابیاں۔

② ﴿شَرَعَ﴾ کے معنی ہیں: بیان کیا، واضح کیا اور مقرر کیا۔ ﴿لَكُمْ﴾ ''تمھارے لیے'' یہ امت محمدیہ سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تمھارے لیے وہی دین مقرر یا بیان کیا ہے جس کی وصیت اس سے قبل تمام انبیاء کو کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں چند جلیل القدر انبیاء کے نام ذکر فرمائے۔

③ ﴿الدِّيْنَ﴾ سے مراد اللہ پر ایمان، توحید، اطاعت رسول اور شریعت الٰہیہ کو ماننا ہے۔ تمام انبیاء کا یہی دین تھا جس کی وہ دعوت اپنی اپنی قوم کو دیتے رہے اگرچہ ہر نبی کی شریعت اور منہج میں بعض جزوی اختلافات ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المآئدة 48:5) ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔'' لیکن مذکورہ اصول سب کے درمیان مشترکہ تھے۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3443، وصحيح مسلم، حديث: 145-(2365)) اور یہ ایک دین وہی توحید و اطاعت رسول ہے، یعنی ان کا تعلق ان فروعی مسائل سے نہیں ہے جن میں دلائل باہم مختلف یا متعارض ہوتے ہیں یا جن میں کبھی فہم کا تباین اور تفاوت ہوتا ہے کیونکہ ان میں اجتہاد یا اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے، اس لیے یہ مختلف ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں، تاہم توحید و اطاعت، فروعی نہیں، اصولی مسئلہ ہے جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے۔

④ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت (یا اس کے رسول کی اطاعت جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے) وحدت و ائتلاف کی بنیاد ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے گریز یا ان میں دوسروں کو شریک کرنا، افتراق و انتشار انگیزی ہے، جس سے ''پھوٹ نہ ڈالنا'' کہہ کر منع کیا گیا ہے۔

⑤ اور وہ وہی توحید اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ﴿13﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿14﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا

اللہ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے[1] اور جو بھی اُس کی طرف رُجوع کرے وہ اُس کی صحیح راہنمائی کرتا ہے ﴿13﴾[2] اور اُن لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے[3] اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقتِ مقرر تک کے لیے پہلے ہی سے قرار نہ پا گئی ہوتی تو یقیناً اُن کا فیصلہ ہو چکا ہوتا[4] اور جن لوگوں کو اُن کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اُس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں ﴿14﴾[5] پس آپ لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہیں اور جیسا تمھیں حکم ہوا ہے، (اُس پر) مضبوطی[6] سے جم جائیں اور اُن کی خواہشوں پر نہ چلیں[7] اور کہہ دیں کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا اُن پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔[8] ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے اعمال تمھارے لیے ہیں، ہم تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں،[9]

---

① یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے، اسے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔

② یعنی اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کر دیتا ہے جو اس کی اطاعت وعبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

③ یعنی انھوں نے اختلاف اور تفرق کا راستہ علم، یعنی ہدایت آ جانے اور اتمام حجت کے بعد اختیار کیا جبکہ اختلاف کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن محض بغض وعناد، ضد اور حسد کی وجہ سے ایسا کیا۔ اس سے بعض نے یہود اور بعض نے قریش مکہ مراد لیے ہیں۔

④ یعنی اگر ان کی بابت عقوبت میں تاخیر کا فیصلہ پہلے سے نہ ہوتا تو فوراً عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔

⑤ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں جو اپنے سے ماقبل کے یہود ونصاریٰ کے بعد کتاب، یعنی تورات وانجیل کے وارث بنائے گئے۔ یا مراد عرب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن نازل فرمایا اور انھیں قرآن کا وارث بنایا۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے ''الکتاب'' سے تورات وانجیل اور دوسرے مفہوم کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

⑥ یعنی اس تفرق اور شک کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے ہوا، آپ ان کو توحید کی دعوت دیں اور اس پر جمے رہیں۔

⑦ یعنی انھوں نے اپنی خواہش سے جو چیزیں گھڑ لی ہیں، مثلاً: بتوں کی عبادت وغیرہ، اس میں ان کی خواہش کے پیچھے مت چلیں۔

⑧ یعنی جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

⑨ یعنی کوئی جھگڑا نہیں، اس لیے کہ حق ظاہر اور واضح ہو چکا ہے۔

وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑮ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ⑯
اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ⑰
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا
الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ⑱ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ

اللہ ہم (سب) کو جمع کرے گا اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے⑮ اور جو لوگ اللہ (کی باتوں) میں جھگڑا ڈالتے ہیں اس کے بعد کہ (مخلوق) اُسے مان چکی [1] ان کی کٹ حجتی اللہ کے نزدیک باطل ہے [2] اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لیے سخت عذاب ہے⑯ اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے) [3] اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت قریب [4] ہی ہو⑰ اُس کی جلدی اُنھیں پڑی ہے جو اُسے نہیں مانتے [5] اور جو اُس پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اُس سے ڈرر ہے ہیں، [6] اُنھیں اُس کے حق ہونے کا پورا علم ہے۔ یادرکھو! جو لوگ قیامت کے معاملہ میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، [7] وہ دُور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں⑱ [8] اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشادہ روزی

① یعنی یہ مشرکین مسلمانوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول کی بات مان لی ہے تاکہ انھیں پھر راہ ہدایت سے ہٹا دیں۔ یا مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین تمھارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی بھی تمھارے نبی سے پہلے ہوا ہے، اس لیے ہم تم سے بہتر ہیں۔

② ﴿دَاحِضَةٌ﴾ کے معنی ہیں: کمزور، باطل، جس کو ثبات نہیں۔

③ ﴿الْكِتٰبَ﴾ سے مراد جنس ہے، یعنی تمام پیغمبروں پر جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں، وہ سب حق اور سچی تھیں۔ یا بطور خاص قرآن مجید مراد ہے اور اس کی صداقت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ عدل کو ترازو سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ یہ برابری اور انصاف کا آلہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہی لوگوں کے درمیان برابری ممکن ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیات بھی ہیں: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید25:57) ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔“ ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○﴾ (الرحمٰن 55:7-9) ”اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی نہ کرو۔“

④ ﴿قَرِيْبٌ﴾ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آجاتا ہے۔ ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾ (الأعراف56:7) (فتح القدير)

⑤ یعنی استہزا کے طور پر یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کون سی آنی ہے، اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت جلدی آئے۔

⑥ اس لیے کہ ایک تو ان کو اس کے وقوع کا پورا یقین ہے۔ دوسرے: ان کو خوف ہے کہ اس روز بے لاگ حساب ہوگا، کہیں وہ بھی مؤاخذۂ الٰہی کی زد میں نہ آجائیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○﴾

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿19﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿20﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿21﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ

دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبے والا ہے ﴿19﴾ جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو ہم اُسے اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے [1] اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اُسے اُس میں سے ہی کچھ دے دیں گے، [2] ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ﴿20﴾ [3] کیا اُن لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنھوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔ [4] اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو (ابھی ہی) اُن میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ یقیناً (اُن) ظالموں کے لیے ہی دردناک عذاب ہیں ﴿21﴾ آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم اپنے اعمال سے ڈر رہے ہوں گے [5] جو (یقیناً) اُن پر واقع ہونے والے ہیں، [6] اور جو لوگ

(المؤمنون 60:23)، یعنی ''اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انھیں رب کی طرف لوٹنا ہے۔''

⑦ ﴿يُمَارُوْنَ﴾ مُمَارَاةٌ سے ہے جس کے معنی لڑنا جھگڑنا ہیں۔ یا مِرْيَةٌ سے ہے، بمعنی ریب و شک۔

⑧ اس لیے کہ وہ ان دلائل پر غور و فکر ہی نہیں کرتے جو ایمان لانے کے موجب بن سکتے ہیں، حالانکہ یہ دلائل روز و شب ان کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان کی نظروں سے گزرتے ہیں اور ان کی عقل و فہم میں آ سکتے ہیں، اس لیے وہ حق سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

① ﴿حَرْثَ﴾ کے لغوی معنی تخم ریزی کے ہیں۔ یہاں اس سے اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال و محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا کہ ایک ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک بھی عطا فرمائے گا۔

② یعنی طالب دنیا کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔

③ یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بنی اسرائیل 18:17 میں بھی بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے کیونکہ اس نے سب کی روزی کا ذمہ لیا ہوا ہے، طالب دنیا کو بھی اور طالب آخرت کو بھی، تاہم جو طالب آخرت ہوگا، یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ''کئی گنا بڑھا چڑھا کر'' اجر و ثواب عطا فرمائے گا جبکہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے کچھ نہیں ہوگا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالب دنیا بننے میں ہے یا طالب آخرت بننے میں۔

④ یعنی شرک و معاصی جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے، ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے انسانوں کو اس راہ پر لگایا ہے۔

⑤ یعنی قیامت والے دن۔

⑥ حالانکہ ڈرنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ اپنے کیے کی سزا تو انھیں بہر حال بھگتنی ہوگی۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿22﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿23﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ

ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک اعمال کیے وہ بہشتوں کے باغات میں ہوں گے۔ وہ جو خواہش کریں اپنے رب کے پاس موجود پائیں گے، یہی ہے بڑا فضل ﴿22﴾ یہی وہ ہے جس کی بشارت اللہ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو کہہ دیجیے کہ میں اُس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتے داری کی،[1] جو شخص کوئی نیکی کرے ہم اُس کے لیے اُس کی نیکی میں حُسن بڑھا دیں گے۔[2] بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت قدر دان ہے ﴿23﴾[3] کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مُہر لگا دے[4] اور اللہ اپنی باتوں سے

[1] تمام قبائل قریش اور نبی ﷺ کے درمیان رشتے داری کا تعلق تھا، آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ میں وعظ ونصیحت اور تبلیغ ودعوت کی کوئی اجرت تم سے نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتے داری ہے، اس کا لحاظ کرو، تم میری دعوت کو نہیں مانتے تو نہ مانو، تمھاری مرضی۔ لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے تو باز رہو، تم میرے دست وبازو نہیں بن سکتے تو رحم وقرابت کے ناتے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ اور میرے راستے کا روڑا تو نہ بنو تا کہ میں فریضۂ رسالت تو ادا کر سکوں۔ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت (رشتہ داری) ہے اس کو قائم رکھو۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4818) بعض نے ﴿الْقُرْبٰی﴾ سے طاعت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مراد لیا ہے جبکہ بعض مفسرین نے ﴿الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی﴾ کے یہ معنی کیے ہیں کہ "سوائے اس کے کہ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔" لیکن آیت کی یہ تفسیر مرجوح ہے، صحیح تفسیر وہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، تاہم اہل بیت کی محبت وتعظیم اپنی جگہ پر ہے اور نبی ﷺ نے اہل بیت سے محبت اور ان کا خیال اور لحاظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، فاطمہ، علی اور ان کی اولاد (رضی اللہ عنہم) سب شامل ہیں۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کا اس موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ شیعہ حضرات کھینچا تانی کر کے اس آیت کو آل محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور پھر آل کو بھی انھوں نے محدود کر دیا ہے، حضرت علی وحضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم تک۔ نیز محبت کا مفہوم بھی ان کے نزدیک یہ ہے کہ انھیں معصوم اور الوہی اختیارات سے متصف مانا جائے۔ علاوہ ازیں کفار مکہ سے اپنے گھرانے کی محبت کا سوال بطور اجرت تبلیغ نہایت عجیب بات ہے جو نبی ﷺ کی شان ارفع سے بہت ہی فروتر ہے، پھر یہ آیت اور سورت مکی ہے جبکہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ابھی عقد زواج بھی قائم نہیں ہوا تھا، یعنی ابھی وہ گھرانہ معرض وجود ہی میں نہیں آیا تھا جس کی محبت کا اثبات اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

[2] یعنی اجر وثواب میں اضافہ کریں گے۔ یا نیکی کے بعد اس کا بدلہ مزید نیکی کی توفیق کی صورت میں دیں گے جس طرح بدی کا بدلہ مزید بدیوں کا ارتکاب ہے۔

[3] اس لیے وہ پردہ پوشی فرماتا اور معاف کر دیتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اجر دیتا ہے۔

الۡبَاطِلَ وَیُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿24﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَیَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿25﴾ وَیَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَیَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَالۡکٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿26﴾ وَلَوۡ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزۡقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿27﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿28﴾ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ

جھوٹ کو مٹا دیتا ہے [1] اور سچ کو ثابت رکھتا ہے۔ یقیناً وہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے﴿24﴾ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے [2] اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے﴿25﴾ ایمان والوں اور نیکوکار لوگوں کی سنتا ہے [3] اور اُنھیں اپنے فضل سے اور بڑھ کر دیتا ہے اور کفار کے لیے سخت عذاب ہے﴿26﴾ اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کی روزی فراخ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے [4] لیکن وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے پورا خبردار ہے اور خوب دیکھنے والا ہے﴿27﴾ اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے [5] اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی ہے کارساز اور قابلِ حمد وثنا﴿28﴾ [6] اور اُس کی نشانیوں میں سے

﴿4﴾ یعنی اس الزام میں اگر صداقت ہوتی تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے جس سے وہ قرآن ہی محو ہو جاتا جس کے گھڑنے کا انتساب آپ کی طرف کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو اس کی سخت ترین سزا دیتے۔

﴿1﴾ یہ قرآن بھی اگر باطل ہوتا (جیسا کہ مکذبین کا دعویٰ ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو بھی مٹا ڈالتا جیسا کہ اس کی عادت ہے۔

﴿2﴾ توبہ کا مطلب ہے: معصیت اور گناہ چھوڑ کر، کردہ گناہ پر ندامت کا اظہار اور آئندہ اس کو نہ کرنے کا عزم۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا یا اس گناہ اور معصیت کے کام کو تو نہ چھوڑنا اور توبہ کا اظہار کیے جانا توبہ نہیں ہے۔ یہ استہزا اور مذاق ہے، تاہم خالص اور سچی توبہ اللہ تعالیٰ یقیناً قبول فرماتا ہے۔

﴿3﴾ یعنی ان کی دعائیں سنتا ہے اور ان کی خواہشیں اور آرزوئیں پوری فرماتا ہے بشرطیکہ دعا کے آداب و شرائط کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہو۔ اور حدیث میں آتا ہے: ''اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری مع کھانے پینے کے سامان کے، صحرا، بیابان میں گم ہو جائے اور وہ ناامید ہو کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جائے کہ اچانک اسے اپنی سواری مل جائے اور فرطِ مسرت میں اس کے منہ سے نکل جائے، اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی شدتِ فرح میں وہ غلطی کر جائے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2747)

﴿4﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو حاجت و ضرورت سے زیادہ یکساں طور پر وسائل رزق عطا فرما دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کوئی کسی کی ماتحتی قبول نہ کرتا، ہر شخص شر و فساد اور بَغی و عدوان میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتا، جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

﴿5﴾ جو انواعِ رزق کی پیداوار میں سب سے زیادہ مفید اور اہم ہے۔ یہ بارش جب ناامیدی کے بعد ہوتی ہے تو اس نعمت کا صحیح احساس بھی اسی وقت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کرنے میں حکمت بھی یہی ہے کہ بندے اللہ کی نعمتوں کی قدر کریں اور اس کا شکر بجا لائیں۔

﴿6﴾ کارساز ہے، اپنے نیک بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، انھیں منافع سے نوازتا اور شرور و مہلکات سے ان کی حفاظت فرماتا

خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ ﴿29﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ﴿30﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ۖۚ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿31﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ﴿32﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

آسمان و زمین کی پیدائش ہے اور اُن میں جانداروں کا پھیلانا ہے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے اُنھیں جمع کر دے ﴿29﴾ [1] تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے ﴿30﴾ [2] اور تم ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو، [3] تمھارے لیے سوائے اللہ کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار ﴿31﴾ اور دریا میں چلنے والی پہاڑوں جیسی کشتیاں اُس کی نشانیوں میں سے ہیں ﴿32﴾ [4] اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے اور یہ کشتیاں سمندروں پر رکی رہ جائیں۔ یقیناً اس میں ہر صبر کرنے والے

ہے۔ اپنے ان انعامات بے پایاں اور احسانات فراواں پر قابل حمد و ثنا ہے۔

① ﴿دَآبَّةٍ﴾ (زمین پر چلنے پھرنے والا) کا لفظ عام ہے، جس میں جن و انس کے علاوہ وہ تمام حیوانات شامل ہیں جن کی شکلیں، رنگ، زبانیں، طبائع اور انواع و اجناس ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور وہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایک ہی میدان میں جمع فرمائے گا۔

② اس کا خطاب اگر اہل ایمان سے ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھارے بعض گناہوں کا کفارہ تو وہ مصائب بن جاتے ہیں جو تمھیں گناہوں کی پاداش میں پہنچتے ہیں اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گی۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ''مومن کو جو بھی تکلیف اور ہم و حزن پہنچتا ہے حتیٰ کہ اس کے پیر میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5641، وصحيح مسلم، حديث: 2572) اگر خطاب عام ہو تو مطلب ہوگا کہ تمھیں جو مصائب دنیا پہنچتے ہیں، یہ تمھارے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے تو درگزر ہی فرما دیتا ہے، یعنی یا تو ہمیشہ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ یا ان پر فوری سزا نہیں دیتا۔ (اور عقوبت و تعزیر میں تاخیر، یہ بھی ایک گونہ معافی ہی ہے) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر 45:35) ''اگر اللہ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مؤاخذہ شروع فرما دے تو زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے۔'' یہی مفہوم سورۂ نحل 61:16 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

③ یعنی تم بھاگ کر کسی ایسی جگہ نہیں جا سکتے کہ جہاں تم ہماری گرفت میں نہ آ سکو یا جو مصیبت ہم تم پر نازل کرنا چاہیں، اس سے تم بچ جاؤ۔

④ ﴿الۡجَوَارِ﴾ جو اصل میں الجَوَارِي ہے، جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع ہے، بمعنی کشتیاں، جہاز، یعنی بر و بحر پر یہ اللہ کی قدرت تامہ کی دلیل ہے کہ سمندروں میں پہاڑوں جیسی کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں ورنہ اگر وہ حکم دے تو یہ سمندروں میں ہی کھڑے رہیں۔

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿33﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿34﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿35﴾ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿36﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى

شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں﴿33﴾ یا اُنھیں اُن کے کرتوتوں کے باعث تباہ کر دے،[1] وہ تو بہت سی خطاؤں سے درگزر فرمایا کرتا ہے﴿34﴾[2] اور تاکہ جو لوگ ہماری نشانیوں میں جھگڑتے ہیں[3] وہ معلوم کر لیں کہ اُن کے لیے کوئی چھٹکارا نہیں﴿35﴾[4] تو تمھیں جو کچھ دیا گیا ہے، پس وہ زندگانیٔ دنیا کا سامان ہے،[5] اور اللہ کے پاس جو ہے وہ اُس سے بدرجہ بہتر[6] اور پائیدار ہے، وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں﴿36﴾ اور کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت (بھی) معاف کر دیتے ہیں﴿37﴾[7] اور اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں[8] اور نماز کی پابندی کرتے ہیں[9] اور اُن کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے،[10]

---

① یعنی سمندر کو حکم دے اور اس کی موجوں میں طغیانی آ جائے اور یہ ان میں ڈوب جائیں۔

② ورنہ سمندر میں سفر کرنے والا کوئی بھی سلامتی کے ساتھ واپس نہ آ سکے۔

③ یعنی ان کا انکار کرتے ہیں۔

④ یعنی اللہ کے عذاب سے وہ کہیں بھاگ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

⑤ یعنی معمولی اور حقیر ہے، چاہے قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس سے دھوکے میں مبتلا نہ ہونا کیونکہ یہ عارضی اور فانی ہے۔

⑥ یعنی نیکیوں کا جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ملے گا وہ متاع دنیا سے کہیں زیادہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی کیونکہ اس کو زوال اور فنا نہیں، مطلب ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح مت دو، ایسا کرو گے تو پچھتاؤ گے۔

⑦ یعنی لوگوں سے عفو و درگزر کرنا ان کے مزاج و طبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا۔ جس طرح نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے: «مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» (صحيح البخاري، حديث: 3560، وصحيح مسلم، حديث: 2327) "نبی ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں، اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔"

⑧ یعنی اس کے حکم کی اطاعت، اس کے رسول کا اتباع اور اس کے زواجر سے اجتناب کرتے ہیں۔

⑨ نماز کی پابندی اور اقامت کا بطور خاص ذکر کیا کہ عبادات میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

⑩ ﴿شُوْرٰى﴾ ذکریٰ اور بشریٰ کی طرح باب مفاعلہ سے مصدر ہے، یعنی اہل ایمان ہر اہم کام باہمی مشاورت سے کرتے ہیں، اپنی ہی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ خود نبی ﷺ کو بھی اللہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے مشورہ کرو۔ (آل عمران 159:3) چنانچہ آپ جنگی معاملات اور دیگر اہم کاموں میں مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی بھی حوصلہ افزائی ہوتی اور معاملے کے مختلف

بَيۡنَهُمۡ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿39﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿40﴾ وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ مَا عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ﴿41﴾ اِنَّمَا السَّبِيۡلُ عَلَى الَّذِيۡنَ يَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَيَبۡغُوۡنَ فِى

اور جو ہم نے اُنھیں دے رکھا ہے، اُس میں سے (ہمارے نام پر) دیتے ہیں ﴿38﴾ اور جب اُن پر ظلم (وزیادتی) ہو تو وہ صرف بدلہ لے لیتے ہیں ﴿39﴾ [1] اور برائی کا بدلہ اُسی جیسی برائی ہے، [2] اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، (فی الواقع) اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ﴿40﴾ اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں ﴿41﴾ یہ راستہ صرف اُن لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں

گوشے واضح ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نیزے کے وار سے زخمی ہو گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تو امر خلافت میں مشاورت کے لیے چھ آدمی نامزد فرما دیے۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا اور لوگوں سے بھی مشاورت کی اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے مقرر فرما دیا۔ بعض لوگ ﴿وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ سے جمہوریت (Democracy) کا اثبات کرتے ہیں، حالانکہ جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھنا یکسر غلط ہے۔ اسلام میں طے شدہ شرعی و دینی امور، اصول و فروع کی ترمیم، تنسیخ اور تبدیلی کے بارے میں مشورہ تو ہو ہی نہیں سکتا، انتظامی و ریاستی معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں کوئی بھی چیز مشورے سے مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں طے شدہ مسلمات دینیہ کے اندر تبدیلی اور اسی طرح معلوم اور ظاہر کو اکثریت کی خواہش کے پیش نظر جائز قرار دینے کے قوانین بنتے ہیں۔ زنا، ہم جنس پرستی اور اس طرح کے بے شمار جرائم کو قانونی حیثیت دینا اسی مغربی جمہوریت کے ثمرات ہیں، بنابریں مشاورت کے لفظ سے جمہوریت کا اثبات، تحکم اور دھاندلی کے سوا کچھ نہیں اور جس طرح سوشلزم کے ساتھ ''اسلامی'' کا لفظ لگانے سے سوشلزم مشرف بہ اسلام نہیں ہو سکتا، اسی طرح ''جمہوریت'' میں ''اسلامی'' کی پیوندکاری سے مغربی جمہوریت پر خلافتِ کی قبا راست نہیں آ سکتی۔ مغرب کا یہ پودا اسلام کی سرزمین پر نہیں پنپ سکتا۔

[1] یعنی بدلہ لینے سے وہ عاجز نہیں ہیں، اگر بدلہ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، تاہم قدرت کے باوجود وہ معافی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لیے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں آپ نے ان 80 آدمیوں کو معاف کر دیا جنھوں نے آپ کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ پر جادو کیا تھا، اس یہودی عورت کو آپ نے کچھ نہیں کہا جس نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا جس کی تکلیف آپ دم واپسیں تک محسوس فرماتے رہے۔ (ابن کثیر) البتہ بعض روایات میں اس کے برعکس اس یہودی عورت کے قتل کرنے کی صراحت آئی ہے۔ اس میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ اوّلاً نبی ﷺ نے اس عورت کو کچھ نہیں کہا، تاہم جب اس زہر آلود کھانے سے ایک صحابی حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما کی وفات ہو گئی تو آپ نے قصاص کے طور پر اس یہودی عورت کو قتل کروا دیا۔ (زاد المعاد: 336/3 طبع جدید)

[2] یہ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے۔ برائی کا بدلہ اگرچہ برائی نہیں ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔

الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿42﴾ وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿43﴾ ع وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ وَّلِيٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ﴿44﴾ ۚ وَتَرٰٮهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ ﴿45﴾ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِيَآءَ يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍ ﴿46﴾ ؕ اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿47﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا

ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿42﴾ اور جو شخص صبر کرلے اور معاف کردے، یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے (ایک کام) ہے ﴿43﴾ اور جسے اللہ بہکا دے اُس کا اُس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں اور تُو دیکھے گا کہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے؟ ﴿44﴾ اور تُو اُنھیں دیکھے گا کہ وہ (جہنم کے) سامنے لا کھڑے کیے جائیں گے، مارے ذلت کے کُبڑے ہوئے جاتے ہوں گے اور کن اکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے، ایمان دار صاف کہیں گے کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جنھوں نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈال دیا۔ یاد رکھو کہ یقیناً ظالم لوگ دائمی عذاب میں ہیں ﴿45﴾ [1] اُن کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ سے الگ اُن کی امداد کرسکیں اور جسے اللہ گمراہ کردے اُس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں ﴿46﴾ اپنے رب کا حکم مان لو اس سے پہلے کہ اللہ کی جانب سے وہ دن آجائے جس کا ہٹ جانا ناممکن ہے، [2] تمھیں اُس روز نہ تو کوئی پناہ کی جگہ ملے گی نہ چُھپ کر انجان بن جانے کی ﴿47﴾ [3] اگر یہ منہ پھیر لیں

① یعنی دنیا میں یہ کافر ہمیں بیوقوف اور دنیوی خسارے کا حامل سمجھتے تھے جبکہ ہم دنیا میں صرف آخرت کو ترجیح دیتے تھے اور دنیا کے خساروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آج دیکھ لو حقیقی خسارے سے کون دوچار ہے۔ وہ جنھوں نے دنیا کے عارضی خسارے کو نظرانداز کیے رکھا اور آج وہ جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں یا وہ جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا تھا اور آج ایسے عذاب میں گرفتار ہیں جس سے اب چھٹکارا ممکن ہی نہیں۔

② یعنی جس کو رد کرنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔

③ یعنی تمھارے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہچانے نہ جاسکو یا نظر میں نہ آسکو جیسے فرمایا: ﴿يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ ۨالۡمُسۡتَقَرُّ ۝﴾ (القيمة 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا: کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہوگا۔'' یا نکیر بمعنی انکار ہے کہ تم اپنے گناہوں کا انکار نہ کرسکو گے کیونکہ ایک تو وہ سب لکھے ہوئے ہوں گے۔ دوسرے خود انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ یا جو عذاب تمھیں تمھارے گناہوں کی وجہ سے دیا جائے گا تم اس عذاب کا انکار نہیں کرسکو گے کیونکہ اعتراف گناہ کے بغیر تمھیں چارہ نہیں ہوگا۔

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿48﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿49﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿50﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ

تو ہم نے آپ کو اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے،[1] ہم جب کبھی انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں[2] تو وہ اُس پر اترا جاتا ہے[3] اور اگر اُنھیں اُن کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت[4] پہنچتی ہے تو بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے﴿48﴾[5] آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،[6] جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے﴿49﴾ یا اُنھیں جمع کر دیتا ہے[7] بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے﴿50﴾ ناممکن ہے کہ کسی بندے سے

---

① جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرة 272:2) اور ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (الرعد 40:13) اور ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشية 22,21:88) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذمے داری صرف اور صرف یہ ہے کہ اللہ کے پیغام لوگوں تک پہنچا دیں، مانیں نہ مانیں، آپ سے اس کی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ ہدایت دینا آپ کے اختیار میں ہی نہیں ہے، یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

② یعنی وسائل رزق کی فراوانی، صحت و عافیت، اولاد کی کثرت، جاہ و منصب وغیرہ۔

③ یعنی تکبر اور غرور کا اظہار کرتا ہے، ورنہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار ہونا، ناپسندیدہ امر نہیں لیکن وہ تحدیث نعمت اور شکر کے طور پر ہو نہ کہ فخر وریا اور تکبر کے طور پر۔

④ مال کی کمی، بیماری، اولاد سے محرومی وغیرہ۔

⑤ یعنی فوراً نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے اور مُنْعِمْ (نعمتیں دینے والے) کو بھی۔ یہ انسانوں کی غالب اکثریت کے اعتبار سے ہے جس میں ضعیف الایمان لوگ بھی شامل ہیں۔ لیکن اللہ کے نیک بندے اور کامل الایمان لوگوں کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ وہ تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شکر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ» (صحيح مسلم، حديث: 2999) ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، یقیناً اُس کا تمام معاملہ خیر ہی ہے اور یہ مومن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اُسے خوشی ملے تو اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہو جاتا ہے اور اگر اُسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔''

⑥ یعنی کائنات میں صرف اللہ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔

⑦ یعنی جس کو چاہتا ہے زوجین، مذکر اور مؤنث دونوں دیتا ہے۔ یا ذکور و اِناث دونوں کو ملا کر جوڑا بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے

اَنۡ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿51﴾ وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِیۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿52﴾

اللہ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے،[1] بے شک وہ برتر ہے، حکمت والا ہے ﴿51﴾ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا ہے،[2] آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟[3] لیکن ہم نے اُسے نور بنایا، اُس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت دیتے ہیں[4] اور بے شک آپ راہِ راست کی رہبری کر رہے ہیں ﴿52﴾

لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ایک: وہ جن کو صرف بیٹے دیے۔دوسرے: وہ جن کو صرف بیٹیاں، تیسرے: وہ جن کو بیٹے، بیٹیاں دونوں اور چوتھے: وہ جن کو بیٹا نہ بیٹی۔لوگوں کے درمیان یہ فرق اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الٰہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قادر نہیں ہے۔یہ تقسیم اولاد کے اعتبار سے ہے۔تخلیق کے اعتبار سے بھی انسانوں کی چار قسمیں ہیں: ① آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا (ان کا باپ ہے نہ ماں۔) ② حضرت حواء کو آدم علیہ السلام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں ہے۔ ③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں ہے ④ اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے۔ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔فَسُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَلِیۡمِ الۡقَدِیۡرِ. (ابن کثیر)

① اس آیت میں وحی الٰہی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ دل میں کسی بات کا ڈال دینا یا خواب میں بتلا دینا اس یقین کے ساتھ کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔دوسری: پردے کے پیچھے سے کلام کرنا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کیا گیا۔تیسری: فرشتے کے ذریعے سے اپنی وحی بھیجنا، جیسے جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر آتے اور پیغمبروں کو سناتے رہے۔

② ﴿رُوۡحًا﴾ سے مراد قرآن ہے، یعنی جس طرح آپ سے پہلے اور رسولوں پر ہم وحی کرتے رہے، اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن کی وحی کی ہے۔قرآن کو روح سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے جیسے روح میں انسانی زندگی کا راز مضمر ہے۔

③ کتاب سے مراد قرآن ہے، یعنی نبوت سے پہلے قرآن کا بھی کوئی علم آپ کو نہیں تھا اور اسی طرح ایمان کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر تھے جو بعد میں آپ پر نازل کی گئیں۔

④ یعنی قرآن کو نور بنایا، اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے ہم جسے چاہتے ہیں، ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ قرآن سے ہدایت و رہنمائی انھی کو ملتی ہے جن میں ایمان کی طلب اور تڑپ ہوتی ہے وہ اسے طلب ہدایت کی نیت سے پڑھتے، سنتے اور غور و فکر کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی مدد فرماتا ہے اور ہدایت کا راستہ ان کے لیے ہموار کر دیتا ہے جس پر وہ چل پڑتے ہیں ورنہ جو اپنی آنکھوں کو ہی بند کر لیں، کانوں میں ڈاٹ لگا لیں اور عقل و فہم کو ہی بروئے کار نہ لائیں تو انھیں ہدایت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے، جیسے فرمایا: ﴿قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَیۡهِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:44) ''کہہ دیجیے کہ یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنھیں دور جگہ سے آواز

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿53﴾

اٰیَاتُهَا: 89 (43) سُوۡرَةُ الزُّخۡرُفِ مَکِّیَّةٌ (63) رُکُوۡعَاتُهَا: 7

سورۂ زخرف مکی ہے، اس میں 89 آیات اور 7 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿1﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿2﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿3﴾ وَاِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿4﴾ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ ﴿5﴾ وَکَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِیٍّ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿6﴾ وَمَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿7﴾ فَاَهۡلَکۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا

اُس اللہ کی راہ کی[1] جس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ رہو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ﴿53﴾[2]

حٰمٓ ﴿1﴾ قسم ہے اس واضح کتاب کی ﴿2﴾ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے[3] کہ تم سمجھ لو ﴿3﴾ یقیناً یہ لوحِ محفوظ میں ہے اور ہمارے نزدیک بلند مرتبہ حکمت[4] والی ہے ﴿4﴾ کیا ہم اس نصیحت کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو ﴿5﴾[5] اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی کتنے ہی نبی بھیجے ﴿6﴾ جو نبی اُن کے پاس آیا اُنھوں نے اُس کا مذاق اڑایا ﴿7﴾ پس ہم نے اُن سے زیادہ

دی جاتی ہے۔"

[1] یہ صراطِ مستقیم اسلام ہے۔ اس کی اضافت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے جس سے اس راستے کی عظمت و فخامتِ شان واضح ہوتی ہے اور اس کے واحد راہ نجات ہونے کی طرف اشارہ بھی۔

[2] یعنی قیامت والے دن تمام معاملات کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا، اس میں سخت وعید ہے جو مجازات (جزا و سزا) کو مستلزم ہے۔

[3] جو دنیا کی فصیح ترین زبان ہے۔ دوسرے، اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے، انھی کی زبان میں قرآن اتارا تاکہ وہ سمجھنا چاہیں تو آسانی سے سمجھ سکیں۔

[4] اس میں قرآن کریم کی اس عظمت اور شرف کا بیان ہے جو ملأ اعلیٰ میں اسے حاصل ہے تاکہ اہل زمین بھی اس کے شرف و عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو قرار واقعی اہمیت دیں اور اس سے ہدایت کا وہ مقصد حاصل کریں جس کے لیے اسے دنیا میں اتارا گیا ہے۔ ﴿اُمِّ الۡکِتٰبِ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

[5] اس کے مختلف معنی کیے گئے ہیں، مثلاً: ① تم چونکہ گناہوں میں بہت منہمک اور ان پر مصر ہو، اس لیے کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم تمھیں وعظ و نصیحت کرنا چھوڑ دیں گے۔ ② یا تمھارے کفر اور اسراف پر ہم تمھیں کچھ نہ کہیں گے اور تم سے درگزر کر لیں گے۔ ③ یا ہم تمھیں ہلاک کر دیں اور کسی چیز کا تمھیں حکم دیں نہ منع کریں۔ ④ چونکہ تم قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو، اس لیے ہم انزال قرآن کا سلسلہ ہی بند کر دیں۔ پہلے مفہوم کو امام طبری نے اور آخری مفہوم کو امام ابن کثیر نے زیادہ پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے خیر اور ذکر حکیم (قرآن) کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ موقوف نہیں فرمایا، اگرچہ وہ اعراض و انکار میں حد سے تجاوز کر رہے تھے تاکہ جس کے لیے ہدایت مقدر ہے وہ اس کے ذریعے سے ہدایت اپنا لے اور جن کے لیے شقاوت لکھی جا چکی ہے ان پر

وَّمَضٰی مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ ⑧ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ⑨ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ فِیۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ⑩ وَالَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ⑪ وَالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡکِ وَالۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ⑫ لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ

زور آوروں [1] کو تباہ کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی ہے⑧ [2] اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً اُن کا جواب یہی ہوگا کہ اُنھیں غالب و دانا (اللہ) ہی [3] نے پیدا کیا ہے⑨ وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا [4] اور اُس میں تمھارے لیے راستے کر دیے تا کہ تم راہ پالیا کرو⑩ [5] اُسی نے آسمان سے ایک اندازے [6] کے مطابق پانی نازل فرمایا، پس ہم نے اُس سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے⑪ [7] جس نے تمام چیزوں کے جوڑے [8] بنائے اور تمھارے لیے کشتیاں بنائیں اور چوپائے جانور (پیدا کیے) جن پر تم سوار ہوتے ہو⑫ تا کہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو [9] پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

حجت قائم ہو جائے۔

① یعنی اہل مکہ سے زیادہ زور آور تھے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كَانُوٓا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً ﴾ (المؤمن 82:40) ''وہ ان سے تعداد اور قوت میں کہیں زیادہ تھے۔''

② یعنی قرآن مجید میں ان قوموں کا تذکرہ یا وصف متعدد مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس میں اہل مکہ کے لیے تہدید ہے کہ پچھلی قومیں رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ اگر یہ بھی تکذیب رسالت پر مصر رہے تو ان کی مثل یہ بھی ہلاک کر دیے جائیں گے۔

③ لیکن اس اعتراف کے باوجود انھی مخلوقات میں سے بہت سوں کو ان نادانوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے۔ اس میں ان کے جرم کی شناعت وقباحت کا بھی بیان ہے اور ان کی سفاہت و جہالت کا اظہار بھی۔

④ ایسا بچھونا، جس میں ثبات وقرار ہے، تم اس پر چلتے ہو، کھڑے ہوتے اور سوتے ہو اور جہاں چاہتے ہو، پھرتے ہو، اس نے اس کو پہاڑوں کے ذریعے سے جما دیا تا کہ اس میں حرکت وجنبش نہ ہو۔

⑤ یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لیے راستے بنا دیے تا کہ کاروباری، تجارتی اور دیگر مقاصد کے لیے تم آ جا سکو۔

⑥ جس سے تمھاری ضرورت پوری ہو سکے کیونکہ قدر حاجت سے کم بارش ہوتی تو وہ تمھارے لیے مفید ثابت نہ ہوتی اور زیادہ ہوتی تو وہ طوفان بن جاتی جس میں تمھارے ڈوبنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا۔

⑦ یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین شاداب ہو جاتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن تمھیں بھی زندہ کر کے قبروں سے نکال لیا جائے گا۔

⑧ یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ۔ نباتات، کھیتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے

رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ⑬ وَإِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ⑭ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّأَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑯ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ⑰ أَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑱ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ

71

جب اُس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اُس کی جس نے اُسے ہمارے بس میں کر دیا، حالانکہ ہمیں اُسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی⑬[1] اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں⑭[2] اور اُنھوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اُس کا جز ٹھہرا[3] دیا یقیناً انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے⑮ کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں تو خود رکھ لیں اور تمھیں بیٹوں سے نوازا⑯[4] (حالانکہ) اُن میں سے کسی کو جب اُس چیز کی خبر دی جائے جس کی مثال اُس نے رحمٰن کے لیے بیان کی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے⑰ کیا وہ جو زیورات میں پلے اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکے؟⑱[5] اور اُنھوں نے فرشتوں کو

ہیں: اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں، جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع واقسام کا خالق اللہ ہے۔

⑨ ﴿لِتَسْتَوٗا﴾ بمعنی لِتَسْتَقِرُّوا یا لِتَسْتَعْلُوا جم کر بیٹھ جاؤ یا چڑھ جاؤ۔ ﴿ظُهُوْرِهٖ﴾ میں ضمیر واحد ﴿مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ میں سے مَا موصولہ کی طرف راجع ہے، فرّاء کہتے ہیں کہ ظہور جمع کی اضافت ''ہ'' ضمیر واحد کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس سے مراد جنس ہے تو ضمیر واحد جمع کے معنی میں ہے، یعنی ''اس جنس کی پشتوں پر۔''

① یعنی اگر ان جانوروں کو ہمارے تابع اور ہمارے بس میں نہ کرتا تو ہم انھیں اپنے قابو میں رکھ کر ان کو سواری، بار برداری اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ﴿مُقْرِنِيْنَ﴾ بمعنی مُطِيقِينَ ہے (طاقت رکھنے والے)۔

② نبی اکرم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ [اَللّٰهُ أَكْبَرُ] کہتے اور ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ﴾ سے ﴿لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ تک آیت پڑھتے۔ اس کے بعد خیر وعافیت کی وہ ماثور دعا مانگتے جو حدیث کی کتابوں سے منقول ہے۔ دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ لی جائے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1342)

③ ﴿عِبَادِهٖ﴾ سے مراد فرشتے اور ﴿جُزْءًا﴾ سے مراد بیٹیاں، یعنی فرشتے جن کو مشرکین اللہ کی بیٹیاں قرار دے کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ یوں وہ مخلوق کو اللہ کا شریک اور اس کا جز مانتے تھے، حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے۔ بعض نے جز سے یہاں نذر و نیاز کے طور پر نکالے جانے والے وہ جانور مراد لیے ہیں جن کا ایک حصہ مشرکین اللہ کے نام پر اور ایک حصہ بتوں کے نام پر نکالا کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ انعام 136:6 میں ہے۔

④ اس میں ان کی جہالت اور سفاہت کا بیان ہے جو انھوں نے اللہ کے لیے اولاد بھی ٹھہرائی ہوئی ہے جسے یہ خود ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی اولاد ہوتی تو کیا ایسا ہی ہوتا کہ خود تو اس کی لڑکیاں ہوتیں اور تمھیں وہ لڑکوں سے نوازتا۔

⑤ ﴿يُنَشَّؤُا﴾ نُشُو سے ہے، بمعنی تربیت اور نشوونما۔ عورتوں کی دو صفات کا تذکرہ بطور خاص یہاں کیا گیا ہے۔ ① ان کی تربیت

هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿19﴾ وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿20﴾ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿21﴾ بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿22﴾ وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى

جو رحمٰن کے عبادت گزار ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا اُن کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ اُن کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور اُن سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی ⑲ [1] اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اُن کی عبادت نہ کرتے۔ اُنھیں اُس کی کچھ خبر نہیں، [2] یہ تو صرف اٹکل پچو، یعنی (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں ⑳ کیا ہم نے اُنھیں اس سے پہلے کوئی (اور) کتاب دی ہے جسے وہ مضبوط تھامے ہوئے ہیں ㉑ [3] (نہیں نہیں) بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم اُنھی کے قدموں پر راہ یافتہ ہیں ㉒ اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ

اور نشو ونما زیورات اور زینت میں ہوتی ہے اور ان کے ذریعے سے ان کی شخصیت کی کمی کو پورا کیا جاتا ہے۔ ② اگر کسی سے بحث و تکرار ہو تو وہ اپنی بات بھی صحیح طریقے سے واضح نہیں کر سکتیں نہ فریق مخالف کے دلائل کا توڑ ہی کر سکتی ہیں۔ یہ عورت کی وہ دو فطری کمزوریاں ہیں جن کی بنا پر مرد حضرات عورتوں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے ہیں۔ سیاق سے بھی مرد کی یہ برتری واضح ہے کیونکہ گفتگو اسی ضمن میں ہو رہی ہے کہ مرد و عورت کے درمیان فطری تفاوت ہے، جس کی بنا پر بچی کے مقابلے میں بچے کی ولادت کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ ''مسئلہ شہادت نسواں، عقل و نقل کی روشنی میں'' جس کی تلخیص ''عورتوں کے امتیازی مسائل'' میں شامل ہے۔

① یعنی جزا کے لیے کیونکہ فرشتوں کے بنات اللہ ہونے کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوگی۔

② یعنی اپنے طور پر اللہ کی مشیت کا سہارا، یہ ان کی ایک بڑی دلیل ہے کیونکہ ظاہرًا یہ بات صحیح ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ اس کی مشیت، اس کی رضا سے مختلف چیز ہے۔ ہر کام یقینًا اس کی مشیت ہی سے ہوتا ہے لیکن راضی وہ انھی کاموں سے ہوتا ہے جن کا اس نے حکم دیا ہے نہ کہ ہر اس کام سے جو انسان اللہ کی مشیت سے کرتا ہے، انسان چوری، بدکاری، ظلم اور بڑے بڑے گناہ کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی کو یہ گناہ کرنے کی قدرت ہی نہ دے فورًا اس کا ہاتھ پکڑ لے، اس کے قدموں کو روک دے اس کی نظر سلب کر لے۔ لیکن یہ جبر کی صورتیں ہیں جبکہ اس نے انسان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے تاکہ اسے آزمایا جائے، اسی لیے اس نے دونوں قسم کے کاموں کی وضاحت کر دی ہے جن سے وہ راضی ہوتا ہے ان کی بھی اور جن سے ناراض ہوتا ہے، ان کی بھی۔ انسان دونوں قسم کے کاموں میں سے جو کام بھی کرے گا، اللہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا لیکن اگر وہ کام جرم و معصیت کا ہوگا تو یقینًا وہ اس سے ناراض ہوگا کہ اس نے اللہ کے دیے ہوئے اختیار کا استعمال غلط کیا، تاہم یہ اختیار اللہ دنیا میں اس سے واپس نہیں لے گا، البتہ اس کی سزا قیامت والے دن دے گا۔

③ یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب جس میں ان کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جسے انھوں نے مضبوطی سے تھام رکھا

أُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿23﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿24﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿25﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿26﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿27﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿28﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿29﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿30﴾

دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم تو انھی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں ﴿23﴾ (نبی نے) کہا بھی کہ اگرچہ میں تمھارے پاس اس سے بہت بہتر (مقصود تک پہنچانے والا) طریقہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم اُس کے منکر ہیں جسے دے کر تمھیں بھیجا گیا ہے ﴿24﴾[1] پس ہم نے اُن سے انتقام لیا اور دیکھ لے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿25﴾ اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿26﴾ بجز اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا ﴿27﴾[2] اور (ابراہیم) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات[3] قائم کر گئے تاکہ لوگ آئندہ بھی توحید کی طرف رجوع کریں ﴿28﴾[4] بلکہ میں نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو متاع (دنیا) سے بہرہ مند کیا،[5] یہاں تک کہ اُن کے پاس حق اور صاف صاف سنانے والا رسول آ گیا ﴿29﴾[6] اور حق کے پہنچتے ہی یہ بول پڑے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں ﴿30﴾[7]

ہے، یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ تقلید آباء کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

① یعنی اپنے آباء کی تقلید میں اتنے پختہ تھے کہ پیغمبر کی وضاحت اور دلیل بھی انھیں اس سے نہیں پھیر سکی۔ یہ آیت تقلید کے بطلان اور اس کی قباحت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح القدیر)

② یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے اپنے دین کی سمجھ بھی دے گا اور اس پر ثابت قدم بھی رکھے گا، میں صرف اسی کی عبادت کروں گا۔

③ یعنی اس کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وصیت اپنی اولاد کو کر گئے، جیسے فرمایا: ﴿وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ﴾ (البقرۃ 132:2) ”اور اسی (کلمہ توحید) کی وصیت حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی۔“ بعض نے ﴿جَعَلَهَا﴾ میں فاعل اللہ کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے اس کلمے کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں باقی رکھا اور وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

④ یعنی اولاد ابراہیم میں یہ موحدین اس لیے پیدا کیے تاکہ ان کے توحید کے وعظ سے لوگ شرک سے باز آتے رہیں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ میں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں، یعنی شاید اہل مکہ اس دین کی طرف لوٹ آئیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا جو خالص توحید پر مبنی تھا نہ کہ شرک پر۔

⑤ یہاں سے پھر ان نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ نے انھیں عطا کی تھیں اور نعمتوں کے بعد عذاب میں جلدی نہیں کی بلکہ انھیں پوری مہلت دی جس سے وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے اور خواہشات کے بندے بن گئے۔

⑥ حق سے قرآن اور رسول سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ ﴿مُّبِيْنٌ﴾ رسول کی صفت ہے، کھول کر بیان کرنے والا یا جن کی رسالت واضح اور ظاہر ہے، اس میں کوئی اشتباہ اور خفا نہیں۔

⑦ قرآن کو جادو قرار دے کر اس کا انکار کر دیا اور اگلے الفاظ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی تحقیر و تنقیص کی۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿31﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿32﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿33﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا

اور کہنے لگے: یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل کیا گیا﴿31﴾ [1] کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ تقسیم کرتے ہیں؟ [2] ہم ہی نے اُن کی زندگانیٔ دنیا کی روزی اُن میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تا کہ ان میں سے ایک دوسرے کو ماتحت کر لے [3] جسے یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اُس سے آپ کے رب کی رحمت بہت ہی بہتر ہے﴿32﴾ [4] اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقے پر ہو جائیں [5] گے تو رحمٰن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنا دیتے اور زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے﴿33﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے

① دونوں بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور بڑے آدمی سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مکے کا ولید بن مغیرہ اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی ہے۔ بعض نے کچھ اور لوگوں کے نام ذکر کیے ہیں، تاہم مقصد اس سے ایسے آدمی کا انتخاب ہے جو پہلے سے ہی عظیم جاہ و منصب کا حامل، کثیر المال اور اپنی قوم میں مانا ہوا ہو، یعنی قرآن اگر نازل ہوتا تو دونوں بستیوں میں سے کسی ایسی ہی شخصیت پر نازل ہوتا نہ کہ محمد (ﷺ) پر جن کا دامن دولت دنیا سے بھی خالی ہے اور اپنی قوم میں قیادت و سیادت کے منصب پر بھی فائز نہیں ہیں۔

② رحمت سے یہاں سب سے بڑی نعمت ''نبوت'' مراد ہے۔ استفہام انکار کے لیے ہے، یعنی یہ کام ان کا نہیں ہے کہ رب کی نعمتیں بالخصوص نعمت نبوت یہ اپنی مرضی سے تقسیم کریں بلکہ یہ صرف رب کا کام ہے کیونکہ وہی ہر بات کا علم اور ہر شخص کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، وہی بہتر سمجھتا ہے کہ انسانوں میں سے نبوت کا تاج کس کے سر پر رکھنا ہے اور اپنی وحی و رسالت سے کس کو نوازنا ہے۔

③ یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے یہ فرق اس لیے رکھا ہے تا کہ زیادہ مال والا کم مال والے سے، اونچے منصب والا چھوٹے منصب داروں سے اور عقل و فہم میں حظ وافر رکھنے والا، اپنے سے کم تر عقل و شعور رکھنے والے سے کام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ سے کائنات کا نظام بحسن و خوبی چل رہا ہے۔ ورنہ اگر سب مال میں، منصب میں، علم و فہم میں، عقل و شعور میں اور دیگر اسباب دنیا میں برابر ہوتے تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی طرح کم تر اور حقیر سمجھے جانے والے کام بھی کوئی نہ کرتا۔ یہ احتیاج انسانی ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرق و تفاوت کے اندر رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان بلکہ انسانوں کا محتاج ہے، تمام حاجات و ضروریات انسانی کوئی ایک شخص، چاہے وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو، دیگر انسانوں کی مدد حاصل کیے بغیر خود فراہم کر ہی نہیں سکتا۔

④ اس رحمت سے مراد آخرت کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

⑤ یعنی دنیا کے مال و اسباب میں رغبت کرنے کی وجہ سے طالب دنیا ہی ہو جائیں گے اور رضائے الٰہی اور آخرت کی طلب سب فراموش کر دیں گے۔

وَسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿34﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿35﴾ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ﴿36﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿37﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿38﴾ وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ

اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا لگا کر بیٹھتے ﴿34﴾ اور سونے کے بھی،[1] اور یہ سب کچھ یونہی سا دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک (صرف) پرہیز گاروں کے لیے (ہی) ہے ﴿35﴾[2] اور جو شخص رحمٰن کی یاد سے غفلت کرے[3] ہم اُس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں وہی اُس کا ساتھی رہتا ہے ﴿36﴾[4] اور وہ انھیں راہ سے روکتے ہیں اور یہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ یہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿37﴾[5] یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا، کہے گا: کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی (تُو) بڑا بُرا ساتھی ہے ﴿38﴾[6] اور جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے تو تمھیں آج ہرگز تم سب کا عذاب میں شامل ہونا کوئی نفع

---

① یعنی بعض چیزیں چاندی کی اور بعض سونے کی کیونکہ تنوّع میں حسن زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا مال ہماری نظر میں اتنا بے وقعت ہے کہ اگر مذکورہ خطرہ نہ ہوتا تو اللہ کے سب منکروں کو خوب دولت دی جاتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر سب لوگ ہی دنیا کے پرستار نہ بن جائیں۔ دنیا کی حقارت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں فرمایا گیا ہے: «لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»(جامع الترمذي، حديث: 2320، وسنن ابن ماجه، حديث: 4110، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 299/2، حديث: 686) ''اگر دنیا کی اللہ کے ہاں اتنی حیثیت بھی ہوتی جتنی ایک مچھر کے پر کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی پینے کو نہ دیتا۔''

② جو شرک و معاصی سے اجتناب اور اللہ کی اطاعت کرتے رہے، ان کے لیے آخرت اور جنت کی نعمتیں ہیں جن کو زوال وفنا نہیں۔

③ عَشَا يَعْشُو کے معنی ہیں: رات کو نظر نہ آنا، رتوندھا ہونا اور جب اس کے صلے میں عَنْ آجائے تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے: اندھا بن جانا، اعراض کرنا، یعنی جو اللہ کے ذکر سے اندھا ہو جائے۔

④ وہ شیطان اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے کا ساتھی بن جاتا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا اور نیکیوں سے روکتا ہے۔ یا انسان خود اسی شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ تمام معاملات میں اسی کی پیروی اور اس کے تمام وسوسوں میں اس کی اطاعت کرتا ہے۔

⑤ یعنی وہ شیطان ان کے حق کے راستے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے انھیں روکتے ہیں اور انھیں برابر سمجھاتے رہتے ہیں کہ تم حق پر ہو، حتیٰ کہ وہ واقعی اپنے بارے میں یہی گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ یا کافر شیطانوں کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہیں اور ان کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ (فتح القدير)

⑥ ﴿الْمَشْرِقَيْنِ﴾ (تثنیہ ہے) مراد مشرق اور مغرب ہیں۔ ﴿فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ ہے: أَنْتَ أَيُّهَا الشَّيْطٰنُ ''اے شیطان! تو بہت برا ساتھی ہے۔'' یہ کافر قیامت والے دن کہے گا۔ لیکن اس دن اس اعتراف کا کیا فائدہ۔

مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿39﴾ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿40﴾ فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿41﴾ اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿42﴾ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿43﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿44﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿45﴾ وَلَقَدۡ

نہ دے گا ﴿39﴾ کیا پس تو بہرے کو سنا سکتا ہے یا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے اور اُسے جو کھلی گمراہی میں ہو ﴿40﴾ [1] پس اگر ہم تجھے یہاں سے [2] لے بھی جائیں تو بھی ہم اُن سے بدلہ لینے والے ہیں ﴿41﴾ [3] یا جو کچھ اُن سے وعدہ کیا ہے [4] وہ تجھے دکھا دیں ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں ﴿42﴾ [5] پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اُسے مضبوط تھامے رہیں [6] بے شک آپ راہِ راست پر ہیں ﴿43﴾ [7] اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم [8] کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے ﴿44﴾ اور ہمارے اُن نبیوں سے پوچھو! جنھیں ہم [9] نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے؟ ﴿45﴾ [10] اور

① یعنی جس کے لیے شقاوت ابدی لکھ دی گئی ہے، وہ وعظ و نصیحت کے اعتبار سے بہرہ اور اندھا ہے، تیری دعوت و تبلیغ سے وہ راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جس طرح بہرہ سننے سے، نابینا دیکھنے سے محروم ہے، اسی طرح کھلی گمراہی میں مبتلا حق کی طرف آنے سے محروم ہے۔ یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے تا کہ ایسے لوگوں کے کفر سے آپ زیادہ تشویش محسوس نہ کریں۔

② یعنی تجھے موت آجائے، قبل اس کے کہ ان پر عذاب آئے یا تجھے مکے سے نکال لے جائیں۔

③ دنیا میں ہی اگر ہماری مشیت متقاضی ہوئی، بصورت دیگر عذاب اخروی سے تو وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

④ یعنی تیری موت سے قبل ہی یا مکے میں ہی تیرے رہتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیں۔

⑤ یعنی ہم جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر سکتے ہیں کیونکہ ہم ان پر قادر ہیں، چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی بدر کی جنگ میں کافر عبرت ناک شکست اور ذلت سے دوچار ہوئے۔

⑥ یعنی قرآن کریم کو، چاہے کوئی بھی اسے جھٹلاتا رہے۔

⑦ یہ ﴿ فَاسۡتَمۡسِكۡ ﴾ کے لیے بطور تعلیل ہے۔

⑧ اس تخصیص کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کے لیے نصیحت نہیں بلکہ اولین مخاطب چونکہ قریش تھے، اس لیے ان کا ذکر فرمایا ورنہ قرآن تو پورے جہان کے لیے نصیحت ہے۔ ﴿ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ ﴾ (القلم 52:68) ''اور وہ (قرآن) تمام جہان والوں کے لیے نصیحت کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' جیسے آپ کو حکم دیا گیا کہ ﴿ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ○ ﴾ (الشعراء 214:26) ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کا پیغام صرف رشتے داروں کو ہی پہنچانا ہے بلکہ مطلب ہے تبلیغ کی ابتدا اپنے ہی خاندان سے کریں بعض نے یہاں ذِکۡر بمعنی شرف لیا ہے، یعنی یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے شرف و عزت کا باعث ہے کہ یہ ان کی زبان میں اترا، اس کو وہ سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں اور اس کے ذریعے سے وہ پوری دنیا پر فضل و برتری پا سکتے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ اس کو اپنائیں اور اس کے مقتضا پر سب سے زیادہ عمل کریں۔

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿46﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿48﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿49﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا

ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے اُمراء کے پاس بھیجا تو (موسیٰ نے جا کر) کہا کہ میں تمام جہانوں کے رب کا رسول ہوں ﴿46﴾ (1) پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر اُن کے پاس آئے تو وہ بے ساختہ اُن پر ہنسنے لگے ﴿47﴾ (2) اور ہم اُنھیں جو نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑھی چڑھی ہوتی تھی (3) اور ہم نے اُنھیں عذاب میں پکڑا تاکہ وہ باز آجائیں ﴿48﴾ (4) اور اُنھوں نے کہا: اے جادوگر! (5) ہمارے لیے اپنے رب سے اُس کی دعا کر جس کا اُس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، (6) یقین مان کہ ہم راہ پر لگ جائیں گے ﴿49﴾ (7) پھر جب ہم

(9) پیغمبروں سے یہ سوال یا تو اسرا و معراج کے موقع پر بیت المقدس یا آسمان پر کیا گیا، جہاں انبیاء علیہم السلام سے نبی کریم ﷺ کی ملاقاتیں ہوئیں۔ یا أَتْبَاعَ کا لفظ محذوف ہے، یعنی ان کے پیروکاروں (اہل کتاب، یہود و نصاریٰ) سے پوچھو کیونکہ وہ ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں اور ان پر نازل شدہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں۔

(10) جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اللہ نے کسی بھی نبی کو یہ حکم نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس ہر نبی کو دعوت توحید ہی کا حکم دیا گیا۔

(1) قریش مکہ نے کہا تھا کہ اگر اللہ کسی کو نبی بنا کر بھیجتا ہی تو مکے اور طائف کے کسی ایسے شخص کو بھیجتا جو صاحب مال و جاہ ہوتا، جیسے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ "میں موسیٰ سے بہتر ہوں اور یہ مجھ سے کمتر ہے، یہ تو صاف بول بھی نہیں سکتا۔" جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ غالباً اسی مشابہت احوال کی وجہ سے یہاں حضرت موسیٰ و فرعون کا قصہ دہرایا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کے لیے بھی تسلی کا پہلو ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، انھوں نے صبر اور عزم سے کام لیا، اسی طرح آپ بھی کفار مکہ کی ایذاؤں اور ناروا رویوں سے دل برداشتہ نہ ہوں، صبر اور حوصلے سے کام لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بالآخر فتح و کامرانی آپ ہی کی ہے اور یہ اہل مکہ فرعون کی طرح ناکام و نامراد ہوں گے۔

(2) یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت توحید دی تو انھوں نے ان کے رسول ہونے کی دلیل طلب کی جس پر انھوں نے وہ دلائل و معجزات پیش کیے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائے تھے۔ جنھیں دیکھ کر انھوں نے استہزا اور مذاق کیا اور کہا کہ یہ کون سی ایسی چیزیں ہیں۔ یہ تو جادو کے ذریعے ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔

(3) ان نشانیوں سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون وغیرہ کی شکل میں یکے بعد دیگرے انھیں دکھائی گئیں جن کا تذکرہ سورۂ اعراف 7:133-135 میں گزر چکا ہے۔ بعد میں آنے والی ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑھی چڑھی ہوتی، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح سے واضح تر ہو جاتی۔

(4) مقصد ان نشانیوں یا عذاب سے یہ ہوتا تھا کہ شاید وہ تکذیب سے باز آجائیں۔

(5) حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے ﴿ السّٰحِرُ ﴾ کی تفسیر العالم "صاحب علم" سے کی ہے۔ کہتے ہیں اس زمانے میں جادو مذموم چیز نہیں تھی اور عالم فاضل شخص کو جادوگر کے لفظ سے ہی بطور تعظیم خطاب کیا جاتا تھا، اس لیے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کے لفظ سے مخاطب

عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿50﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿51﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿52﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿53﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿54﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿55﴾

نے وہ عذاب اُن سے ہٹا لیا۔ اُنھوں نے اُسی وقت اپنا قول و قرار توڑ دیا﴿50﴾ اور فرعون نے اپنی قوم میں مُنادی کرائی اور کہا:[1] اے میری قوم! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں؟ اور میرے (محلوں کے) نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں،[2] کیا تم دیکھتے نہیں؟﴿51﴾ کیا میں بہتر نہیں ہوں بہ نسبت اُس کے جو بے توقیر ہے[3] اور صاف بول بھی نہیں سکتا﴿52﴾[4] اچھا اُس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں آ پڑے؟[5] یا اُس کے ساتھ پر باندھ کر فرشتے ہی آ جاتے﴿53﴾[6] پس اُس نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور اُنھوں نے اُس کی مان لی،[7] یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے﴿54﴾ پھر جب اُنھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور سب کو ڈبو دیا﴿55﴾

کیا۔ یہ الفاظ ان کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص و توہین کے طور پر نہیں کہے گئے، کیونکہ اس حالت میں یہ لوگ ضرورت مند و محتاج تھے اور اس حالت کے ہوتے ہوئے توہین نہیں کی جاتی۔ (ابن کثیر)

⑥ یعنی ہمارے ایمان لانے پر عذاب ٹالنے کا وعدہ۔

⑦ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے اللہ کا سچا رسول مان لیں گے اور تیرے ہی رب کی عبادت کریں گے۔ لیکن ہر دفعہ وہ اپنا یہ عہد توڑ دیتے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے اور سورۂ اعراف میں بھی گزرا۔

① جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی کئی نشانیاں پیش کر دیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں تو فرعون کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری قوم موسیٰ کی طرف مائل نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے اپنی ہزیمت کے داغ کو چھپانے اور قوم کو مسلسل دھوکے اور فریب میں مبتلا رکھنے کے لیے یہ نئی چال چلی کہ اپنے اختیار و اقتدار کے حوالے سے موسیٰ کی بے توقیری اور کمتری کو نمایاں کیا جائے تاکہ قوم میری سلطنت و سطوت سے ہی مرعوب رہے۔

② اس سے مراد دریائے نیل یا اس کی بعض شاخیں ہیں جو اس کے محل کے نیچے سے گزرتی تھیں۔

③ ﴿اَمْ﴾ اضراب کے لیے، یعنی بل (بلکہ) کے معنی میں ہے، بعض کے نزدیک استفہامیہ ہی ہے۔

④ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزرا۔

⑤ اس دور میں مصر اور فارس کے بادشاہ اپنی امتیازی شان اور خصوصی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے سونے کے کڑے پہنتے تھے، اسی طرح قبیلوں کے سرداروں کے ہاتھوں میں بھی سونے کے کڑے اور گلے میں سونے کے طوق اور زنجیریں ڈال دی جاتی تھیں جو ان کی سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی اعتبار سے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اگر اس کی کوئی حیثیت اور امتیازی شان ہوتی تو اس کے ہاتھ میں سونے کے کڑے ہونے چاہیے تھے۔

⑥ جو اس بات کی تصدیق کرتے کہ یہ اللہ کا رسول ہے یا بادشاہوں کی طرح اس کی شان کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہوتے۔

⑦ یعنی اِسْتَخَفَّ عُقُوْلَهُمْ (ابن کثیر) ''اس نے اپنی قوم کی عقل کو ہلکا کر دیا، یعنی انھیں بے وقوف بنایا۔'' اور انھیں اپنی

فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ﴿56﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿57﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿58﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿59﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ

پس ہم نے اُنھیں گیا گزرا کر دیا اور پچھلوں کے لیے مثال بنا دی﴿56﴾[1] اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو اُس سے تیری قوم (خوشی سے) چیخنے لگی ہے﴿57﴾ اور اُنھوں نے کہا کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ تجھ سے اُن کا یہ کہنا محض جھگڑے کی غرض سے ہے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو﴿58﴾[2] عیسیٰ بھی صرف بندہ ہی ہے جس پر ہم نے احسان کیا اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے نشانِ (قدرت) بنایا﴿59﴾[3] اور اگر ہم چاہتے تو تمھارے عوض فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں

جہالت وضلالت پر قائم رہنے کی تاکید کی اور قوم اس کے پیچھے لگ گئی۔

① ﴿اٰسَفُوۡنَا﴾ بمعنی أَسْخَطُونَا یا أَغْضَبُونَا۔ ﴿سَلَفًا﴾ سَالِفٌ کی جمع ہے، جیسے خَدَمٌ، خَادِمٌ (نوکر) کی اور حَرَسٌ، حَارِسٌ (چوکیدار) کی جمع ہے۔ معنی جو اپنے وجود میں دوسرے سے پہلے ہو، یعنی ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت اور مثال بنا دیا کہ وہ اس طرح کفر وظلم اور علو وفساد نہ کریں جس طرح فرعون نے کیا تا کہ وہ اس جیسے عبرت ناک حشر سے محفوظ رہیں۔

② شرک کی تردید اور جھوٹے معبودوں کی بے وقعتی کی وضاحت کے لیے جب مشرکین مکہ سے کہا جاتا کہ تمھارے ساتھ تمھارے معبود بھی جہنم میں جائیں گے تو اس سے مراد وہ پتھر کی مورتیاں ہوتی ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے، نہ کہ وہ نیک لوگ جو اپنی زندگیوں میں لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے انھیں بھی معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کی بابت تو قرآن کریم نے ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ جہنم سے دور رہیں گے: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ۝﴾ (الأنبيآء 21:101) ''بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی پہلے ہی ٹھہر چکی ہے وہ سب جہنم سے دور ہی رکھے جائیں گے۔'' کیونکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ اسی لیے قرآن نے اس کے لیے جو لفظ استعمال کیا ہے، وہ لفظ ''ما'' ہے جو غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے، ﴿اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (الأنبيآء 21:98) ''یقیناً تم اور جن جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔'' اس سے انبیاء علیہم السلام اور وہ صالحین نکل گئے جن کو لوگوں نے اپنے طور پر معبود بنائے رکھا ہوگا، یعنی یہ تو ممکن ہے کہ دیگر مورتیوں کے ساتھ ان کی شکلوں کی بنائی ہوئی مورتیاں بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈال دے لیکن یہ شخصیات تو بہر حال جہنم سے دور ہی رہیں گی۔ لیکن مشرکین نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضرت مسیح کا ذکر خیر سن کر یہ کٹ حجتی اور مجادلہ کرتے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قابل مدح ہیں، درآں حالیکہ عیسائیوں نے انھیں معبود بنایا ہوا ہے تو پھر ہمارے معبود کیوں برے؟ کیا وہ بھی بہتر نہیں؟ یا اگر ہمارے معبود جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی پھر جہنم میں جائیں گے۔ اللہ نے یہاں فرمایا: ان کا خوشی سے چلانا ان کا جدل محض ہے۔ جدل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جھگڑنے والا جانتا ہے کہ اس کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے لیکن محض اپنی بات کی پچ میں بحث وتکرار سے گریز نہیں کرتا۔

③ ایک: اس اعتبار سے کہ بغیر باپ کے ان کی ولادت ہوئی، دوسرے: خود انھیں جو معجزات دیے گئے، احیائے موتیٰ وغیرہ، اس لحاظ سے بھی۔

يَخْلُفُوْنَ ﴿60﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿61﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿62﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿63﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿64﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿65﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿66﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿67﴾ ۧ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿68﴾

ع 6 11/12

جانشینی کرتے ﴿60﴾[1] اور یقیناً (عیسیٰ) قیامت کی علامت ہے،[2] پس تم (قیامت) کے بارے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے ﴿61﴾ اور شیطان تمھیں روک نہ دے، یقیناً وہ تمھارا صریح دشمن ہے ﴿62﴾ اور جب عیسیٰ معجزے لائے تو کہا کہ میں تمھارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو، اُنھیں واضح کر دُوں،[3] پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿63﴾ میرا اور تمھارا رب فقط اللہ ہی ہے، پس تم سب اُس کی عبادت کرو۔ راہ راست یہی ہے ﴿64﴾ پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا،[4] پس ظالموں کے لیے خرابی ہے دُکھ والے دن کی آفت سے ﴿65﴾ یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک ان پر آ پڑے اور انھیں خبر بھی نہ ہو ﴿66﴾ اُس دن (گہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے ﴿67﴾[5] میرے بندو! آج تم پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ تم غمزدہ ہو گے ﴿68﴾[6]

---

① یعنی تمھیں ختم کر کے تمھاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے جو تمھاری ہی طرح ایک دوسرے کی جانشینی کرتے، مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان پر رہنا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے یہ تو ہماری مشیت اور قضا ہے کہ فرشتوں کو آسمان پر اور انسانوں کو زمین پر آباد کیا، ہم چاہیں تو فرشتوں کو زمین پر بھی آباد کر سکتے ہیں۔

② عِلْمٌ بمعنی شرط (علامت) ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب ان کا آسمان سے نزول ہوگا جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ یہ نزول اس بات کی علامت ہوگا کہ اب قیامت قریب ہے، اسی لیے بعض نے اسے عین اور لام کے زبر کے ساتھ عَلَمٌ پڑھا ہے، جس کے معنی ہی نشانی اور علامت کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک انھیں قیامت کی نشانی قرار دینا ان کی معجزانہ ولادت کی بنیاد پر ہے، یعنی جس طرح اللہ نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کی یہ پیدائش اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرما دے گا، اس لیے قدرت الٰہی کو دیکھتے ہوئے وقوع قیامت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ﴿اِنَّهٗ﴾ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

③ اس کے لیے دیکھیے آل عمران 50:3 کا حاشیہ۔

④ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کی اور انھیں نعوذ باللہ ولد الزنا قرار دیا، جبکہ عیسائیوں نے غلو سے کام لے کر انھیں معبود بنا لیا۔ یا مراد عیسائیوں ہی کے مختلف فرقے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک دوسرے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ کوئی انھیں ابن اللہ اور کوئی انھیں اللہ اور کوئی ثالث ثلاثہ (تین الٰہوں میں سے تیسرا) کہتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿69﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿70﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿71﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿72﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿73﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿74﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿75﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿76﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ

جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ مسلمان ﴿69﴾ تم اور تمھاری بیویاں ہشاش بشاش جنت میں چلے جاؤ ﴿70﴾[1] اُن کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا،[2] اُن کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے اُن کی آنکھیں لذت پائیں، سب وہاں ہوگا اور تم اُس میں ہمیشہ رہو گے ﴿71﴾[3] یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اُس کے وارث بنائے گئے ہو ﴿72﴾ یہاں تمھارے لیے بکثرت میوے ہیں جنھیں تم کھاتے رہو گے ﴿73﴾ بے شک گناہ گار لوگ عذابِ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ﴿74﴾ یہ عذاب کبھی بھی اُن سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اُسی میں مایوس پڑے رہیں گے ﴿75﴾[4] اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے ﴿76﴾ اور پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مالک![5] تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے،[6] وہ کہے گا کہ تمھیں تو

---

(5) کیونکہ کافروں کی دوستی کفر وفسق کی بنیاد پر ہی ہوتی ہے اور یہی کفر وفسق ان کے عذاب کا باعث ہوں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے اور ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان وتقویٰ کی باہمی محبت، چونکہ دین اور رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہی دین وایمان خیر وثواب کا باعث ہے۔ ان سے ان کی دوستی میں کوئی انقطاع نہیں ہوگا۔ وہ اسی طرح برقرار رہے گی جس طرح دنیا میں تھی۔

(6) یہ قیامت والے دن ان متقین کو کہا جائے گا جو دنیا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے جیسا کہ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وارد ہے۔ بلکہ اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کو کمال ایمان کی بنیاد بتلایا گیا ہے۔

(1) ﴿ اَزْوَاجُكُمْ ﴾ سے بعض نے مومن بیویاں، بعض نے مومن ساتھی اور بعض نے جنت میں ملنے والی حور عین بیویاں مراد لی ہیں۔ یہ سارے ہی مفہوم صحیح ہیں کیونکہ جنت میں یہ سب کچھ ہی ہوگا۔ ﴿ تُحْبَرُوْنَ ﴾ وہ فرحت ومسرت جو انھیں جنت کی نعمت وعزت کی وجہ سے ہوگی۔

(2) صِحَافٌ صَحْفَةٌ کی جمع ہے۔ رکابی۔ سب سے بڑے برتن کو جَفْنَةٌ کہا جاتا ہے، اس سے چھوٹا قَصْعَةٌ (جس سے دس آدمی شکم سیر ہو جاتے ہیں)، پھر صَحْفَةٌ (قَصْعَةٌ سے نصف)، پھر مَكِيلَةٌ ہے۔ مطلب ہے کہ اہل جنت کو جو کھانے ملیں گے، وہ سونے کی رکابیوں میں ہوں گے۔ (فتح القدير)

(3) یعنی جس طرح ایک وارث میراث کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح جنت بھی ایک میراث ہے جس کے وارث وہ ہوں گے جنھوں نے دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزاری ہوگی۔

(4) یعنی نجات سے مایوس۔

(5) مَالِكٌ داروغۂ جہنم کا نام ہے۔

مّٰكِثُوْنَ ﴿77﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿78﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿79﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿80﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿81﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿82﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿83﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي

(ہمیشہ) رہنا ہے﴿77﴾[1] ہم تو تمھارے پاس حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق[2] سے نفرت رکھنے والے تھے؟﴿78﴾ کیا اُنھوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی پختہ کام کرنے والے ہیں﴿79﴾[3] کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ ہم اُن کی پوشیدہ باتوں کو اور اُن کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، (یقیناً ہم برابر سن رہے ہیں)[4] بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے اُن کے پاس ہی لکھ رہے ہیں﴿80﴾[5] آپ کہہ دیجیے کہ اگر بالفرض رحمٰن کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا﴿81﴾[6] آسمان و زمین اور عرش کا رب جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں اُس سے (بہت) پاک ہے﴿82﴾[7] اب آپ اُنھیں اسی بحث مباحثے اور کھیل کود میں چھوڑ دیجیے،[8] یہاں تک کہ اُنھیں اُس دن سے سابقہ پڑ جائے جس کا یہ وعدہ دیے جاتے ہیں﴿83﴾[9] وہی آسمانوں میں معبود ہے اور

﴿6﴾ یعنی ہمیں موت ہی دے دے تاکہ عذاب سے جان چھوٹ جائے۔

﴿1﴾ یعنی وہاں موت کہاں؟ لیکن یہ عذاب کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگی، تاہم اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہوگا۔

﴿2﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا فرشتوں کا۔ پہلی بات زیادہ راجح ہے۔ اکثر سے مراد کل ہے، یعنی سارے ہی جہنمی یا پھر اکثر سے مراد رؤساء اور لیڈر ہیں۔ باقی جہنمی ان کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اس میں شامل ہوں گے۔ حق سے مراد اللہ کا وہ دین اور پیغام ہے جو وہ پیغمبروں کے ذریعے سے ارسال کرتا رہا۔ آخری حق قرآن اور دین اسلام ہے۔

﴿3﴾ اِبْرَامٌ کے معنی ہیں: اِتْقَان و اِحْکَام۔ پختہ اور مضبوط کرنا۔ ﴿اَمْ﴾ اِضْرَاب کے لیے ہے بَلْ کے معنی میں، یعنی ان جہنمیوں نے حق کو ناپسند ہی نہیں کیا بلکہ یہ اس کے خلاف منظم تدبیریں اور سازشیں کرتے رہے۔ جس کے مقابلے میں پھر ہم نے بھی اپنی تدبیر کی اور ہم سے زیادہ مضبوط تدبیر کس کی ہو سکتی ہے؟ اس کے ہم معنی یہ آیت ہے: ﴿اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝﴾ (الطور 52:42) ”کیا یہ لوگ فریب کرنا چاہتے ہیں۔ تو یقین کر لیں کہ فریب خوردہ خود کافر ہی ہیں۔“

﴿4﴾ یعنی جو پوشیدہ باتیں وہ اپنے نفسوں میں چھپائے پھرتے ہیں یا خلوت میں آہستگی سے کرتے ہیں یا آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم وہ نہیں سنتے؟ مطلب ہے ہم سب سنتے اور جانتے ہیں۔

﴿5﴾ یعنی یقیناً سنتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے الگ ان کی ساری باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

﴿6﴾ کیونکہ میں اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہوں۔ اگر واقعی اس کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ مطلب مشرکین کے عقیدے کا ابطال اور رد ہے جو اللہ کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔

﴿7﴾ یہ اللہ کا کلام ہے جس میں اس نے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان کی ہے یا رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور آپ نے بھی اللہ کے حکم سے اللہ کی ان چیزوں سے تنزیہ و تقدیس بیان کی جس کا انتساب مشرکین اللہ کی طرف کرتے تھے۔

﴿8﴾ یعنی اگر یہ ہدایت کا راستہ نہیں اپناتے تو اب انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیں اور دنیا کے کھیل کود میں لگا رہنے دیں۔ یہ تہدید و تنبیہ ہے۔

الْأَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿84﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿85﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿87﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾

زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے[1] اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے ﴿84﴾ اور وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی بادشاہت ہے،[2] اور قیامت کا علم بھی اُسی کے پاس ہے[3] اور اُسی کی جانب تم سب لوٹائے جاؤ گے ﴿85﴾[4] جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے،[5] ہاں (مستحق شفاعت وہ ہیں) جو حق بات کا اقرار کریں اور اُنھیں علم بھی ہو ﴿86﴾[6] اگر آپ اُن سے دریافت کریں کہ اُنھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں؟ ﴿87﴾ اور اس کا (پیغمبر کا اکثر) یہ کہنا کہ[7] اے میرے رب! یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿88﴾ پس آپ اُن سے منہ پھیر لیں اور (رخصتانہ) سلام کہہ دیں۔[8] اُنھیں عنقریب (خود ہی) معلوم ہو جائے گا ﴿89﴾

---

[8] ان کی آنکھیں اسی دن کھلیں گی جب ان کے اس رویے کا انجام ان کے سامنے آئے گا۔

[1] یہ نہیں ہے کہ آسمانوں کا معبود کوئی اور ہو اور زمین کا کوئی اور۔ بلکہ جس طرح ان دونوں کا خالق ایک ہے، معبود بھی ایک ہی ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 3:6) ”آسمان و زمین میں وہی اللہ ہے، وہ تمھاری پوشیدہ اور جہری باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، وہ بھی اس کے علم میں ہے۔“

[2] ایسی ذات کو جس کے پاس سارے اختیارات اور زمین و آسمان کی بادشاہت ہو، اسے بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

[3] جس کو وہ اپنے وقت پر ظاہر فرمائے گا۔

[4] جہاں وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

[5] یعنی دنیا میں جن بتوں، پیروں وغیرہ کی یہ عبادت کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔ ان معبودوں کو شفاعت کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

[6] حق بات سے مراد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ اقرار بھی علم و بصیرت کی بنیاد پر ہو، یعنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنے والے کو پتا ہو کہ اس میں صرف ایک اللہ کا اثبات اور دیگر تمام معبودوں کی نفی ہے، پھر دل سے اسے قبول کرے اور اسی کے مطابق اس کا عمل ہو۔ ایسے لوگوں کے حق میں اہل شفاعت کی شفاعت مفید ہوگی۔ یا مطلب ہے کہ شفاعت کرنے کا حق صرف ایسے لوگوں کو ملے گا جو حق کا اقرار کرنے والے ہوں گے، یعنی انبیاء و صالحین اور فرشتے نہ کہ معبودان باطل کو جنھیں مشرکین اپنا شفاعت کنندہ خیال کرتے ہیں۔

[7] ﴿ وَقِيْلِهٖ ﴾ میں واو قسمیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے اس قول: ”بے شک یہ قوم ایمان نہیں لاتی“ کی قسم کہ کافروں کے مقابلہ میں ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ بعض مفسرین نے واو عاطفہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا عطف ﴿ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ میں ﴿ السَّاعَةِ ﴾ پر ہے، یعنی وَعِلْمُ قِيْلِهٖ اللہ کے پاس ہی قیامت اور اپنے پیغمبر کے شکوے کا علم ہے۔

اٰيَاتُهَا 59 (44) سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ (64) رُكُوْعَاتُهَا 3

سورۂ دخان مکی ہے، اس میں 59 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

حٰمٓ ① قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی! ② یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات [1] میں اتارا ہے بے شک ہم ڈرانے والے ہیں ③ [2] اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ④ [3] ہمارے پاس سے حکم ہو کر، [4] ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے ⑤ آپ کے رب کی مہربانی سے۔ [5] وہ ہی ہے سننے والا

---

[8] یہ سَلَامِ مُتَارکہ ہے، جیسے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ﴾ (القصص 55:28) ”تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے۔“ اور ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان 63:25) میں ہے، یعنی دین کے معاملے میں میری اور تمھاری راہ الگ الگ ہے، تم اگر باز نہیں آتے تو اپنا عمل کیے جاؤ، میں اپنا کام کیے جا رہا ہوں، عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟

[1] لیلۃٌ مُبارکۃٌ بابرکت رات سے مراد شب قدر ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر 1:97) ”ہم نے یہ قرآن شب قدر میں نازل فرمایا۔“ یہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے ہی کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ دیکھیے: صحیح البخاري، حدیث: 2020 اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ 185:2) ”رمضان کے مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔“ یہاں اس سورت میں قدر کی اس رات کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک تو اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے: اس میں فرشتوں اور روح کا نزول ہوتا ہے۔ تیسرے: اس میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، (جیسا کہ آگے آ رہا ہے) چوتھے: اس رات کی عبادت ہزار مہینے (83 سال 4 ماہ) کی عبادت سے بہتر ہے۔ شب قدر یا لیلۂ مبارکہ میں قرآن کے نزول کا مطلب یہ ہے کہ اسی رات سے نبی ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہوا، یعنی پہلے پہل اسی رات آپ پر قرآن نازل ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے اسی رات قرآن بیت العزۃ میں اتارا گیا جو آسمان دنیا پر ہے، پھر وہاں سے حسب ضرورت و مصلحت 23 سالوں تک مختلف اوقات میں نبی ﷺ پر اترتا رہا۔ بعض لوگوں نے لیلۂ مبارکہ سے شعبان کی پندرھویں رات مراد لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، جب قرآن کی نص صریح سے قرآن کا نزول شب قدر میں ثابت ہے تو اس سے شعبان کی پندرھویں رات، جسے لوگوں نے شب براءت کا نام دیا ہے، مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں شعبان کی پندرھویں رات کی بابت جتنی بھی ایسی روایات آتی ہیں جن میں اسے فیصلے کی رات کہا گیا ہے تو یہ سب روایات ضعیف ہیں جن سے قرآن کی اس نص صریح کا مفہوم کس طرح تبدیل کیا جا سکتا ہے؟

[2] یعنی نزول قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے۔

[3] ﴿يُفْرَقُ﴾ يُفَصَّلُ وَ يُبَيَّنُ فیصلہ کر دیا جاتا اور ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ﴿حَكِيْمٍ﴾ بمعنی پُر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی مُحْكَمٌ (مضبوط، پختہ) جس میں تغیر و تبدیلی کا امکان نہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے

الۡعَلِيۡمُ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا م اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ⑦ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ ط رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ⑧ بَلۡ هُمۡ فِيۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ⑨ فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ ⑩ يَّغۡشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ⑪ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ

جاننے والا ⑥ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو ⑦ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، وہی تمھارا رب ہے اور تمھارے اگلے باپ دادا کا ⑧ [1] بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں ⑨ [2] آپ اُس دن کے منتظر رہیں جب کہ آسمان ظاہر دُھواں لائے گا ⑩ [3] جو لوگوں کو گھیر لے گا، یہ دردناک عذاب ہے ⑪ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہ آفت ہم سے دور کر

کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت وحیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوحِ محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔(ابن کثیر)

[4] یعنی سارے فیصلے ہمارے حکم واذن اور ہماری تقدیر ومشیت سے ہوتے ہیں۔

[5] یعنی اِنزال کتب کے ساتھ اِرْسَال رُسُل (رسولوں کا بھیجنا) یہ بھی ہماری رحمت ہی کا ایک حصہ ہے تاکہ وہ ہماری نازل کردہ کتابوں کو کھول کر بیان کریں اور ہمارے احکام لوگوں تک پہنچائیں۔اس طرح مادی ضرورتوں کی فراہمی کے ساتھ ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کے روحانی تقاضوں کی تکمیل کا بھی سامان مہیا کر دیا۔

[1] یہ آیات بھی سورۂ اعراف کی آیت کی طرح ہیں: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَاۨ الَّذِيۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ﴾ (الأعراف 158:7)

[2] یعنی حق اور اس کے دلائل ان کے سامنے آ گئے۔لیکن وہ اس پر ایمان لانے کی بجائے شک میں مبتلا ہیں اور اس شک کے ساتھ استہزا اور کھیل کود میں پڑے ہیں۔

[3] یہ ان کفار کے لیے تہدید ہے کہ اچھا آپ اس دن کا انتظار فرمائیں جبکہ آسمان پر دھویں کا ظہور ہوگا۔اس کے سبب نزول میں بتلایا گیا ہے کہ اہل مکہ کے معاندانہ رویے سے تنگ آ کر نبی ﷺ نے ان کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی، جس کے نتیجے میں ان پر قحط کا عذاب نازل کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ ہڈیاں، کھالیں اور مردار وغیرہ تک کھانے پر مجبور ہو گئے، آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک اور کمزوری کی شدت کی وجہ سے انھیں دھواں سا نظر آتا۔ بالآخر تنگ آ کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذاب ٹلنے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا لیکن یہ کیفیت دور ہوتے ہی ان کا کفر وعناد پھر اسی طرح عود کر آیا، چنانچہ پھر جنگ بدر میں ان کی سخت گرفت کی گئی۔(صحیح البخاري، حديث: 4822) بعض کہتے ہیں کہ قُربِ قیامت کی دس بڑی بڑی علامات میں سے ایک علامت دھواں بھی ہے جس سے کافر زیادہ متاثر ہوں گے اور مومن بہت کم۔ آیت میں اسی دھویں کا ذکر ہے۔اس تفسیر کی رو سے یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی جبکہ پہلی تفسیر کی رو سے یہ ظاہر ہو چکی۔امام شوکانی فرماتے ہیں: دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اس کی شان نزول کے اعتبار سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے، تاہم علامات قیامت میں بھی اس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے، اس لیے وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے، اس وقت بھی اس کا ظہور ہوگا۔

اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ⑰ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ⑱ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑲ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ⑳ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ㉑ فَدَعَا

ہم ایمان قبول کرتے ہیں⑫ [1] اُن کے لیے نصیحت کہاں ہے؟ حالانکہ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر اُن کے پاس آ چکے⑬ پھر بھی انھوں نے اُن سے منہ پھیرا اور کہہ دیا کہ سکھایا پڑھایا ہوا دیوانہ ہے⑭ ہم عذاب کو تھوڑا سا دُور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اُسی حالت پر آ جاؤ گے⑮ جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، [2] بالیقین ہم بدلہ لینے والے ہیں⑯ یقیناً اُن سے پہلے ہم قومِ فرعون کو (بھی) آزما چکے ہیں [3] جن کے پاس (اللہ کا) باعزت رسول آیا⑰ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، [4] یقین مانو کہ میں تمھارے لیے امانت دار رسول ہوں⑱ [5] اور تم اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو، [6] میں تمھارے پاس کھلی دلیل لانے والا ہوں⑲ [7] اور میں اپنے اور تمھارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو⑳ [8] اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو㉑ [9] پھر اُنھوں نے اپنے

---

[1] پہلی تفسیر کی رو سے یہ کفار مکہ نے کہا اور دوسری تفسیر کی رو سے قیامت کے قریب کافر کہیں گے۔

[2] اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی کیونکہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا، تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔

[3] آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انھیں دنیوی خوشی، خوشحالی و فراغت سے نوازا اور پھر اپنا جلیل القدر پیغمبر بھی ان کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کیا نہ پیغمبر پر ایمان لائے۔

[4] ﴿عِبَادَ اللّٰهِ﴾ سے مراد یہاں موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے جسے فرعون نے غلام بنا رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا۔

[5] اللہ کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہوں۔

[6] یعنی اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کر کے اللہ کے سامنے اپنی بڑائی اور سرکشی کا اظہار نہ کرو۔

[7] یہ ماقبل کے لیے تعلیل ہے کہ میں ایسی حجت واضحہ ساتھ لایا ہوں جس کے انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

[8] اس دعوت و تبلیغ کے جواب میں فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی، جس پر انھوں نے اپنے رب سے پناہ طلب کی۔

[9] یعنی اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو نہ لاؤ لیکن مجھے قتل کرنے کی یا اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کرو۔

رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿22﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿23﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿24﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿25﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿26﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿27﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿28﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿29﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿30﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿32﴾

رب سے دعا کی کہ یہ سب گناہ گار لوگ ہیں ﴿22﴾ [1] (ہم نے کہہ دیا) کہ راتوں رات تو میرے بندوں کو لے کر نکل، یقیناً تمہارا [2] پیچھا کیا جائے گا ﴿23﴾ تُو دریا کو ساکن چھوڑ کر چلا جا، [3] بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا ﴿24﴾ وہ کتنے ہی باغات [4] اور چشمے چھوڑ گئے ﴿25﴾ اور کھیتیاں اور راحت بخش ٹھکانے ﴿26﴾ اور وہ آرام کی چیزیں جن میں عیش کر رہے تھے ﴿27﴾ اسی طرح ہو گیا [5] اور ہم نے اُن سب کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا ﴿28﴾ [6] سو اُن پر نہ تو آسمان و زمین [7] روئے اور نہ اُنھیں مہلت ملی ﴿29﴾ اور بے شک ہم نے (ہی) بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی ﴿30﴾ یعنی فرعون کے (ظلم و ستم) سے فی الواقع وہ سرکش اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھا ﴿31﴾ اور ہم نے دانستہ طور پر انھیں (بنی اسرائیل کو) دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ﴿32﴾ [8]

---

① یعنی جب انھوں نے دیکھا کہ دعوت کا اثر قبول کرنے کی بجائے اس کا کفر و عناد اور بڑھ گیا تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔

② چنانچہ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور انھیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ اور دیکھو! گھبرانا نہیں، تمہارا پیچھا بھی ہوگا۔

③ ﴿ رَهْوًا ﴾ بمعنی ساکن یا خشک۔ مطلب یہ ہے کہ تیرے لاٹھی مارنے سے دریا معجزانہ طور پر ساکن یا خشک ہو جائے گا اور اس میں راستہ بن جائے گا، تم دریا پار کرنے کے بعد اسے اسی حالت میں چھوڑ دینا تا کہ فرعون اور اس کا لشکر بھی دریا کو پار کرنے کی غرض سے اس میں داخل ہو جائے اور ہم اسے وہیں غرق کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

④ ﴿ كَمْ ﴾ خبر یہ ہے جو تکثیر کا فائدہ دیتا ہے۔ دریائے نیل کے دونوں طرف باغات اور کھیتوں کی کثرت تھی، عالی شان مکانات اور خوش حالی کے آثار تھے۔ سب کچھ یہیں دنیا میں ہی رہ گیا اور عبرت کے لیے صرف فرعون اور اس کی قوم کا نام رہ گیا۔

⑤ یعنی یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح بیان کیا گیا ہے۔

⑥ بعض کے نزدیک اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ انھی بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت مصر آ گئی یا یہ کہ داود و سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل مصر آئے۔

⑦ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین میں سے کوئی بھی ان کی ہلاکت پر رونے والا نہیں تھا۔ (فتح القدیر)

⑧ اس جہان سے مراد بنی اسرائیل کے زمانے کا جہان ہے۔ علی الاطلاق کل جہان نہیں ہے کیونکہ قرآن میں امت محمدیہ کو ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ (آل عمران 110:3) ''تم بہترین امت ہو'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے، یعنی بنی اسرائیل اپنے زمانے میں دنیا جہاں والوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان کی یہ فضیلت اس استحقاق کی وجہ سے تھی جس کا علم اللہ کو ہے۔

وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِيۡنٌ ﴿33﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿34﴾ اِنۡ هِىَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِيۡنَ ﴿35﴾ فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿36﴾ اَهُمۡ خَيۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿37﴾ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ

اور ہم نے اُنھیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی ﴿33﴾ [1] یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں ﴿34﴾ [2] کہ (آخری چیز) یہی ہمارا پہلی بار (دنیا سے) مرجانا ہے اور ہم [3] دوبارہ اٹھائے نہیں جائیں گے ﴿35﴾ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ ﴿36﴾ [4] کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم کے لوگ اور جو اُن سے بھی پہلے تھے۔ ہم نے اُن سب کو ہلاک کر دیا یقیناً وہ گناہ گار تھے ﴿37﴾ [5] ہم نے زمین و آسمان

---

[1] آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، ان میں آزمائش کا پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں؟ یا پھر آیات سے مراد وہ احسانات ہیں جو اللہ نے ان پر فرمائے، مثلاً: فرعونیوں کو غرق کر کے ان کو نجات دینا، ان کے لیے دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، بادلوں کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول وغیرہ۔ اس میں آزمائش یہ ہے کہ ان احسانات کے بدلے میں یہ قوم اللہ کی فرماں برداری کا راستہ اختیار کرتی ہے یا اس کی ناشکری کرتے ہوئے اس کی بغاوت اور سرکشی کا راستہ اپناتی ہے۔

[2] یہ اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے، اس لیے کہ سلسلۂ کلام ان ہی سے متعلق ہے۔ درمیان میں فرعون کا قصہ ان کی تنبیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ فرعون نے بھی ان کی طرح کفر پر اصرار کیا تھا، دیکھ لو، اس کا کیا حشر ہوا۔ اگر یہ بھی اپنے کفر وشرک پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

[3] یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس آخری زندگی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب ہونا ممکن نہیں ہے۔

[4] یہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کافروں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمھارا یہ عقیدہ واقعی صحیح ہے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہے تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔ یہ ان کا جدل اور کٹ حجتی تھی کیونکہ دوبارہ زندہ کرنے کا عقیدہ قیامت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا میں زندہ ہو جانا یا کر دینا۔

[5] یعنی یہ کفار مکہ کیا تُبَّع اور ان سے پہلے کی قومیں، عاد وثمود وغیرہ سے زیادہ طاقت ور اور بہتر ہیں؟ جب ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں، ان سے زیادہ قوت وطاقت رکھنے کے باوجود ہلاک کر دیا تو یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تُبَّع سے مراد قوم سبا ہے۔ سبا میں حمیر قبیلہ تھا، یہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے، جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، مصر کے حکمران کو فرعون اور حبشہ کے فرماں روا کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبابعہ میں سے بعض تبع کو بڑا عروج حاصل ہوا حتیٰ کہ بعض مؤرخین نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ملکوں کو فتح کرتے ہوئے سمرقند تک پہنچ گیا، اس طرح اور بھی کئی عظیم بادشاہ اس قوم میں گزرے اور اپنے وقت کی یہ ایک عظیم ترین قوم تھی جو قوت وطاقت، شوکت وحشمت اور فراغت وخوشحالی میں ممتاز تھی۔ لیکن جب اس قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ سبا کی متعلقہ آیات) حدیث میں ایک تبع کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اسے سب وشتم نہ کرو۔ (مجمع الزوائد: 145/8، وصحيح الجامع للألباني: 1223/2) تاہم ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہی رہی ہے جس کی وجہ سے ہلاکت ان کا مقدر بنی۔

وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿38﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿40﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿41﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿42﴾ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿43﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿44﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿45﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿46﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿47﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿48﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿49﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿50﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿51﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿52﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿53﴾ كَذٰلِكَ ۗ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿54﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا

ع 2 13 15

اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا (38)[1] بلکہ ہم نے اُنھیں درست تدبیر کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے[2] لیکن اُن میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (39)[3] یقیناً فیصلے کا دن اُن سب کا طے شدہ وقت ہے (40)[4] اُس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی امداد کی جائے گی (41)[5] مگر جس پر اللہ کی مہربانی ہو جائے، وہ بڑا زبردست اور رحم کرنے والا ہے (42) بے شک تھوہر کا درخت (43) گناہ گار کا کھانا ہے (44) جو مثل تلچھٹ[6] کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے (45) جیسے سخت گرم پانی کھولتا ہے (46)[7] اسے پکڑلو پھر گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ (47)[8] پھر اس کے سر پر سخت گرم پانی کا عذاب بہاؤ (48) (اُس سے کہا جائے گا) چکھتا جا تُو تو بڑا ذی عزت اور بڑے اکرام والا تھا (49)[9] یہی وہ چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے (50) بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے، امن وچین کی جگہ میں ہوں گے (51) باغوں اور چشموں میں (52) باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (53)[10] یہ اسی طرح ہے[11] اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے اُن کا نکاح کر دیں گے (54)[12] دل جمعی کے ساتھ وہاں

---

1. یہی مضمون اس سے قبل سورۂ حجر 85:10، سورۂ مؤمنون 116,115:23، سورۂ ص 27:28 وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے۔
2. وہ مقصد یا درست تدبیر یہی ہے کہ لوگوں کی آزمائش کی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدیوں کی سزا دی جائے۔
3. یعنی وہ اس مقصد سے غافل اور بے خبر ہیں۔ اسی لیے آخرت کی تیاری سے لاپروا اور دنیا میں منہمک ہیں۔
4. یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا اور آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی ہے۔
5. جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ (المؤمنون 101:23) ”پس جب صور پھونک دیا جائے گا تو ان کے درمیان رشتے ہی نہ رہیں گے۔“ ﴿وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴾ (المعارج 10:70) ”اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔“
6. مُہل پگھلا ہوا تانبہ، آگ میں پگھلی ہوئی چیز یا تلچھٹ (دُردِیّہ جام) تیل وغیرہ کے آخر میں جو گدلی سی مٹی کی تہ رہ جاتی ہے۔
7. وہ زقوم کی خوراک کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گی۔
8. یہ جہنم پر مقرر فرشتوں سے کہا جائے گا۔ ﴿سَوَآءِ﴾ بمعنی وسط (درمیان)۔
9. یعنی دنیا میں اپنے طور پر تو بڑا ذی عزت اور صاحب اکرام بنا پھرتا تھا اور اہل ایمان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ﴿55﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿56﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿57﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿58﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿59﴾

ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے ﴿55﴾ [1] وہاں وہ موت (کا ذائقہ) نہیں چکھیں گے۔ [2] ہاں پہلی موت (جو وہ مر چکے) اور انھیں اللہ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا ﴿56﴾ یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے، [3] یہی ہے بڑی کامیابی ﴿57﴾ ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿58﴾ اب تو منتظر رہ یہ بھی منتظر ہیں ﴿59﴾ [4]

---

⑩ اہل کفر وفسق کے مقابلے میں اہل ایمان وتقویٰ کا مقام بیان کیا جا رہا ہے۔ جنھوں نے اپنا دامن کفر وفسق اور معاصی سے بچائے رکھا تھا۔ ﴿اَمِیْنٍ﴾ کا مطلب ایسی جگہ جہاں ہر قسم کے خوف اور اندیشوں سے وہ محفوظ ہوں گے۔

⑪ یعنی متقین کے ساتھ یقیناً ایسا ہی معاملہ ہوگا۔

⑫ حُورٌ حَوْرَاءُ کی جمع ہے۔ یہ حَوَرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ آنکھ کی سفیدی انتہائی سفید اور سیاہی انتہائی سیاہ ہو اور اس وجہ سے ان کو حُورٌ کہا جاتا ہے کہ آنکھیں اسی وصف سے متصف ہوں گی۔ یا انھیں حُور اس لیے کہا جاتا ہے کہ نظریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گی ﴿عِیْنٍ﴾ عَیْنَاءُ کی جمع ہے، کشادہ چشم، جیسے ہرن کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ ہر جنتی کو کم از کم دو بیویاں ضرور ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ جتنی چاہے اس کو حوریں دے گا جو حسن و جمال کے اعتبار سے چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہوں گی، البتہ ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، جسے صحیح کہا گیا ہے کہ شہید کو خصوصی طور پر 72 حوریں ملیں گی۔ (جامع الترمذي، حديث: 1663)

① ﴿اٰمِنِیْنَ﴾ (بے خوفی کے ساتھ) کا مطلب ان کے ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا نہ ان کے کھانے سے بیماری وغیرہ کا خوف۔ یا موت، تھکاوٹ اور شیطان کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔

② یعنی دنیا میں انھیں جو موت آئی تھی، اس موت کے بعد انھیں موت کا مزہ نہیں چکھنا پڑے گا، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ ''موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لا کر دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا، اے جنتیو! تمھارے لیے جنت کی زندگی دائمی ہے، اب تمھارے لیے موت نہیں۔ اور اے جہنمیو! تمھارے لیے جہنم کا عذاب دائمی ہے، موت نہیں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4730، و صحيح مسلم، حديث: 2849) دوسری حدیث میں فرمایا: ''اے جنتیو! تمھارا مقدر اب صحت وقوت ہے، تم کبھی بیمار نہیں ہوگے۔ تمھارے لیے اب زندگی ہی زندگی ہے، موت نہیں۔ تمھارے لیے نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، ان میں کمی نہیں ہوگی اور سدا جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا طاری نہیں ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6548، و صحيح مسلم، حديث: 2837 و اللفظ له)

③ جس طرح حدیث میں بھی ہے۔ فرمایا: ''یہ بات جان لو! تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی۔ فرمایا: ''ہاں، مجھے بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل میں ڈھانپ لے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6463، و صحيح مسلم، حديث: 2818)

④ تو عذاب الٰہی کا انتظار کر، اگر یہ ایمان نہ لائے۔ یہ منتظر ہیں اس بات کے کہ اسلام کے غلبہ ونفوذ سے قبل ہی شاید آپ موت سے

اٰیَاتُهَا 37 (45) سُوْرَةُ الْجَاثِیَةِ مَكِّیَّةٌ (65) رُكُوْعَاتُهَا 4

سورۂ جاثیہ کی ہے، اس میں 37 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ① تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ② اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ③ وَ فِیْ خَلْقِكُمْ وَ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ④ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑤ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ⑦ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ

حٰمٓ ① یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے ② آسمانوں اور زمین میں ایمان داروں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ③ اور خود تمھاری پیدائش میں اور جانوروں کے پھیلانے میں یقین رکھنے والی قوم کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں ④ اور رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ روزی اللہ آسمان سے نازل فرما کر زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے، [1] (اس میں) اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں ⑤ [2] یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنھیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، پس اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے ⑥ [3] ''ویل'' اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گناہ گار پر ⑦ [4] جو آیتیں اللہ کی اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئی سنے، پھر بھی

ہمکنار ہو جائیں۔

[1] آسمان و زمین، انسانی تخلیق، جانوروں کی پیدائش، رات دن کے آنے جانے اور آسمانی بارش کے ذریعے سے مردہ زمین میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا وغیرہ، آفاق و اَنفس میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت و ربوبیت پر دال ہیں۔

[2] یعنی کبھی ہوا کا رخ شمال و جنوب کو، کبھی پورب و پچھم (مشرق و مغرب) کو ہوتا ہے، کبھی بحری ہوائیں اور کبھی بری ہوائیں، کبھی رات کو، کبھی دن کو، بعض ہوائیں بارش خیز، بعض نتیجہ خیز، بعض ہوائیں روح کی غذا اور بعض سب کچھ جھلسا دینے والی اور محض گرد و غبار کا طوفان۔ ہواؤں کی اتنی قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس کائنات کا کوئی چلانے والا ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ دو یا دو سے زائد نہیں۔ تمام اختیارات کا مالک وہی ایک ہے، ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سارا اور ہر قسم کا تصرف صرف وہی کرتا ہے، کسی اور کے پاس ادنیٰ سا تصرف کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ اسی مفہوم کی آیت سورۂ بقرہ 164:2 بھی ہے۔

[3] یعنی اللہ کا نازل کردہ قرآن جس میں اس کی توحید کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر یہ اس پر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ کی بات کے بعد کس کی بات ہے اور اس کی نشانیوں کے بعد کون سی نشانیاں ہیں، جن پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿بَعْدَ اللّٰهِ﴾ کا مطلب ہے، بَعْدَ حَدِیْثِ اللّٰهِ وَ بَعْدَ اٰیَاتِهٖ ''اللہ کی بات اور اُس کی نشانیوں کے بعد'' یہاں قرآن پر حدیث کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ﴾ (الزمر 23:39) میں ہے۔ ''اللہ نے سب سے بہتر حدیث (بات) نازل فرمائی۔''

مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ⑨ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغۡنِيۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ⑩ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ⑪ ع اَللّٰهُ الَّذِيۡ سَخَّرَ لَكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِيَ الۡفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ⑫ وَسَخَّرَ لَكُمۡ

غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا سُنی ہی نہیں [1] تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجیے ⑧ وہ جب ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، [2] یہی لوگ ہیں جن کے لیے رُسوائی کی مار ہے ⑨ اُن کے پیچھے دوزخ ہے، [3] جو کچھ اُنھوں نے حاصل کیا تھا وہ اُنھیں کچھ بھی نفع نہ [4] دے گا اور نہ وہ (کچھ کام آئیں گے) جن کو اُنھوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا رکھا تھا، [5] اُن کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے ⑩ یہ ہدایت ہے [6] اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانا اُن کے لیے بہت سخت دردناک عذاب ہے ⑪ [7] اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے دریا [8] کو تابع بنا دیا تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں [9] چلیں اور تم اُس کا فضل [10] تلاش کرو اور تاکہ تم شکر بجالاؤ ⑫ [11] اور آسمان و زمین کی ہر ہر

✿ ﴿اَفَّاكٍ﴾ بمعنی کَذَّاب ﴿اَثِيۡمٍ﴾ بہت گناہ گار۔ ﴿وَيۡلٌ﴾ بمعنی ہلاکت یا جہنم کی ایک وادی کا نام۔

[1] یعنی کفر پر اڑا رہتا ہے اور حق کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اسی غرور میں سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

[2] یعنی اول تو وہ قرآن کو غور سے سنتا ہی نہیں ہے اور اگر کوئی بات اس کے کان میں پڑ جاتی ہے یا کوئی بات اس کے علم میں آ جاتی ہے تو اسے استہزا اور مذاق کا موضوع بنالیتا ہے۔ اپنی کم عقلی اور نافہمی کی وجہ سے یا کفر و معصیت پر اصرار و استکبار کی وجہ سے۔

[3] یعنی ایسے کردار کے لوگوں کے لیے قیامت میں جہنم ہے۔

[4] یعنی دنیا میں جو مال انھوں نے کمایا ہوگا، جس اولاد اور جتھے پر وہ فخر کرتے رہے ہوں گے، وہ قیامت والے دن انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

[5] جن کو دنیا میں اپنا دوست، مددگار اور معبود بنا رکھا تھا، وہ اس روز ان کو نظر ہی نہیں آئیں گے، مدد تو انھوں نے کیا کرنی ہوگی؟

[6] یعنی قرآن کیونکہ اس کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لایا جائے، اس لیے اس کے سراپا ہدایت ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن ہدایت ملے گی تو اسے ہی جو اس کے لیے اپنا سینہ وا کرے گا۔ بصورت دیگر تو ع...... راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں۔ والا معاملہ ہوگا۔

[7] ﴿اَلِيۡمٌ﴾ عَذَابٌ کی صفت ہے، بعض اسے ﴿رِّجۡزٍ﴾ کی صفت بناتے ہیں۔ رِجز بمعنی عَذَاب شَدِيۡد.

[8] یعنی اس کو ایسا بنا دیا کہ تم کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سے اس پر سفر کر سکو۔

[9] یعنی سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، یہ تمھارا کمال اور ہنر نہیں یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو سمندروں کی موجوں کو اتنا سرکش بنا دیتا کہ کوئی کشتی اور جہاز ان کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتا جیسا کہ کبھی کبھی وہ اپنی قدرت کے اظہار کے

مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿13﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰہِ لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿14﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡہَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿15﴾ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ وَالۡحُکۡمَ وَالنُّبُوَّۃَ وَرَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰہُمۡ عَلَی

چیز کو بھی اُس نے اپنی طرف سے تمھارے لیے تابع کر دیا ہے۔[1] جو غور کریں یقیناً وہ اس میں بہت سی نشانیاں پالیں گے ﴿13﴾ آپ ایمان والوں سے کہہ دیں کہ وہ اُن لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے[2] تاکہ اللہ ایک قوم کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ دے ﴿14﴾[3] جو نیکی کرے گا وہ اپنے ذاتی بھلے کے لیے اور جو برائی کرے گا اُس کا وبال اُسی پر ہے،[4] پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿15﴾[5] یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت[6] اور نبوت دی تھی اور ہم نے اُنھیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں دی تھیں[7] اور اُنھیں دنیا والوں پر

لیے ایسا کرتا ہے۔ اگر مستقل طور پر موجوں کی طغیانیوں کا یہی عالم رہتا تو تم کبھی بھی سمندر میں سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے۔

⑩ یعنی تجارت کے ذریعے سے اور اس میں غوطہ زنی کر کے موتی اور دیگر اشیاء نکال کر اور دریائی جانوروں (مچھلی وغیرہ) کا شکار کر کے۔

⑪ یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو جو اس تسخیر بحر کی وجہ سے تمھیں حاصل ہوتی ہیں۔

① مطیع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ ان کو تمھاری خدمت پر مامور کر دیا ہے، تمھارے مصالح ومنافع اور تمھاری معاش سب انھی سے وابستہ ہے، جیسے چاند، سورج، روشن ستارے، بارش، بادل اور ہوائیں وغیرہ ہیں۔ اور اپنی طرف سے کا مطلب، اپنی رحمت اور فضل خاص سے ہے۔

② یعنی جو اس بات کا خوف نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کی مدد کرنے اور دشمنوں کو نیست ونابود کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مراد کافر ہیں۔ اور ﴿اَیَّامَ اللّٰہِ﴾ سے مراد وقائع ہیں، جیسے ﴿وَذَکِّرۡہُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰہِ﴾ (ابراھیم 14:5) میں ہے۔ مطلب ہے کہ ان کافروں سے عفو ودرگزر سے کام لو جو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے بے خوف ہیں۔ یہ ابتدائی حکم تھا جو مسلمانوں کو پہلے دیا جاتا رہا تھا بعد میں جب مسلمان مقابلے کے قابل ہو گئے تو پھر سختی کا اور ان سے ٹکرا جانے (جہاد) کا حکم دے دیا گیا۔

③ یعنی جب تم ان کی ایذاؤں پر صبر اور ان کی زیادتیوں سے درگزر کرو گے تو یہ سارے گناہ ان کے ذمے ہی رہیں گے جن کی سزا ہم قیامت والے دن ان کو دیں گے۔

④ یعنی ہر گروہ اور فرد کا عمل، اچھا یا برا، اس کا فائدہ یا نقصان خود کرنے والے کو ہی پہنچے گا، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس میں نیکی کی ترغیب بھی ہے اور بدی سے ترہیب بھی۔

⑤ پس وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دے گا۔ نیکوں کو اچھی اور بروں کو بری۔

⑥ کتاب سے مراد تورات، حکم سے حکومت وبادشاہت یا فہم وقضا کی وہ صلاحیت ہے جو فصل خصومات اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے ضروری ہے۔

⑦ وہ روزیاں جو ان کے لیے حلال تھیں اور ان ہی میں من وسلویٰ کا نزول بھی تھا۔

الْعٰلَمِیْنَ ⑯ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ⑰ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ⑱ اِنَّهُمْ لَنْ یُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ⑲ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ⑳ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا

فضیلت دی تھی ⑯ [1] اور ہم نے اُنھیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں، [2] پھر اُنھوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا، [3] یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن اُن کے درمیان (خود) تیرا رب کرے گا ⑰ [4] پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا، [5] سو آپ اُسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں ⑱ [6] (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا رفیق اللہ ہے ⑲ یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں ہیں [7] اور ہدایت و رحمت ہے۔ [8] اُس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ⑳ کیا اُن لوگوں کا جو بُرے کام کرتے ہیں یہ گمان ہے کہ ہم اُنھیں اُن لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ اُن کا مرنا جینا یکساں ہو جائے، [9] بُرا ہے وہ فیصلہ جو

① یعنی ان کے زمانے کے اعتبار سے۔

② کہ یہ حلال ہیں اور یہ حرام، یا معجزات مراد ہیں، یا نبی ﷺ کی بعثت کا علم، آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی ہجرت گاہ کی تعیین مراد ہے۔

③ ﴿بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ﴾ کا مطلب ہے، آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض و عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا جاہ و منصب کی خاطر۔ انھوں نے اپنے دین میں علم آ جانے کے باوجود، اختلاف یا نبی ﷺ کی رسالت سے انکار کیا۔

④ یعنی اہل حق کو اچھی جزا اور اہل باطل کو بری جزا دے گا۔

⑤ شریعت کے لغوی معنی ہیں: راستہ، ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد و منزل تک پہنچاتی ہے، پس یہاں شریعت سے مراد وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے: ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

⑥ جو اللہ کی توحید اور اس کی شریعت سے ناواقف ہیں۔ مراد کفار مکہ اور ان کے ساتھی ہیں۔

⑦ یعنی ان دلائل کا مجموعہ ہے جو احکام دین سے متعلق ہیں اور جن سے انسانی ضروریات و حاجات وابستہ ہیں۔

⑧ یعنی دنیا میں ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے اور آخرت میں رحمت الٰہی کا موجب ہے۔

⑨ یعنی دنیا اور آخرت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ کریں۔ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یا مطلب ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ

يَحْكُمُوْنَ ﴿21﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿22﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا

وہ کر رہے ہیں ﴿21﴾ اور آسمان و زمین کو اللہ نے بہت ہی عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تا کہ ہر شخص کو اُس کے کیے ہوئے کام کا پورا بدلہ دیا جائے اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا[1] ﴿22﴾ کیا آپ نے اُسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے[2] اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے[3] اور اُس کے کان اور دل پر مُہر لگا دی ہے[4] اور اُس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے،[5] اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔[6] کیا اب بھی

برابر تھے، آخرت میں بھی وہ برابر ہی رہیں گے کہ مر کر یہ بھی ناپید اور وہ بھی ناپید۔ نہ بدکار کو سزا، نہ ایمان و عمل صالح کرنے والے کو انعام۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اسی لیے آگے فرمایا: ان کا یہ فیصلہ برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

① اور عدل یہی ہے کہ قیامت والے دن بے لاگ فیصلہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ نیک و بد دونوں کے ساتھ وہ یکساں سلوک کرے جیسا کہ کافروں کا زعم باطل ہے جس کی تردید گزشتہ آیت میں کی گئی ہے کیونکہ دونوں کو برابری کی سطح پر رکھنا ظلم، یعنی عدل کے خلاف بھی ہے اور مُسلّمات سے انحراف بھی، اس لیے جس طرح کانٹے بو کر انگور کی فصل حاصل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح بدی کا ارتکاب کر کے وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا جو اللہ نے اہل ایمان کے لیے رکھا ہے۔

② پس وہ اسی کو اچھا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس اچھا سمجھتا اور اسی کو برا سمجھتا ہے جس کو اس کا نفس برا قرار دیتا ہے، یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیتا یا اپنی عقل کو اہمیت دیتا ہے، حالانکہ عقل بھی ماحول سے متاثر یا مفادات کی اسیر ہو کر خواہش نفس کی طرح غلط فیصلہ کر سکتی ہے۔ ایک معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں: جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت اور برہان کے بغیر اپنی مرضی کے دین کو اختیار کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ایسا شخص مراد ہے جو پتھر کو پوجتا تھا جب اسے زیادہ خوب صورت پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو پھینک کر دوسرے کو معبود بنا لیتا۔ (فتح القدیر)

③ یعنی بلوغ علم اور قیام حجت کے باوجود وہ گمراہی کا ہی راستہ اختیار کرتا ہے، جیسے بہت سے پندار علم میں مبتلا گمراہ اہل علم کا حال ہے۔ ہوتے وہ گمراہ ہیں، موقف ان کا بے بنیاد ہوتا ہے۔ لیکن ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کے گھمنڈ میں وہ اپنے ''دلائل'' کو ایسا سمجھتے ہیں گویا آسمان سے تارے توڑ لائے ہیں۔ اور یوں ''علم و فہم'' رکھنے کے باوجود وہ گمراہ ہی نہیں ہوتے، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْعِلْمِ الضَّالِّ وَالْفَهْمِ السَّقِيمِ وَالْعَقْلِ الزَّائِغِ.

④ جس سے اس کے کان وعظ و نصیحت سننے سے اور اس کا دل ہدایت کے سمجھنے سے محروم ہو گیا۔

⑤ چنانچہ وہ حق کو دیکھ بھی نہیں پاتا۔

⑥ جیسے فرمایا: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 7:186) ''جس کو اللہ گمراہ کر دے اُس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا اور اللہ اُن کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔''

تَذَكَّرُوۡنَ ﴿23﴾ وَ قَالُوۡا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿24﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿26﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿27﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدۡعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿28﴾ هٰذَا

تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿23﴾ [1] اُنھوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے، [2] (دراصل) اُنھیں اُس کا کچھ علم ہی نہیں۔ یہ تو صرف (قیاس اور) اٹکل سے ہی کام لے رہے ہیں ﴿24﴾ اور جب اُن کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لاؤ ﴿25﴾ [3] آپ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر تمھیں مار ڈالتا ہے، پھر تمھیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ﴿26﴾ اور آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی اُس دن اہلِ باطل بڑے نقصان میں پڑیں گے ﴿27﴾ اور آپ دیکھیں گے کہ ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی۔ [4] ہر گروہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج تمھیں اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا ﴿28﴾ یہ ہے

---

[1] یعنی غور و فکر نہیں کرتے تاکہ حقیقت حال تم پر واضح اور آشکارا ہو جائے۔

[2] یہ دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا قول ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے، جیسے فلاسفہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد ہر چیز دوبارہ اپنی حالت پر لوٹ آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ، بغیر کسی صانع اور مدبر کے، از خود یوں ہی چل رہا ہے اور چلتا رہے گا، اس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ گروہ دوریہ کہلاتا ہے۔ (ابن کثیر) ظاہر بات ہے، یہ نظریہ، اسے عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے (اس کی طرف افعال کی نسبت کر کے اسے برا کہتا ہے) حالانکہ (زمانہ بجائے خود کوئی چیز نہیں) میں خود زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، رات دن بھی میں ہی پھیرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4826، و صحيح مسلم، حديث:2-(2246))

[3] یہ ان کی سب سے بڑی دلیل ہے جو ان کی کٹ حجتی کی مظہر ہے۔

[4] ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر گروہ ہی (چاہے وہ انبیاء کے پیروکار ہوں یا ان کے مخالفین) خوف و دہشت کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ (فتح القدير) تا آنکہ سب کو حساب کتاب کے لیے بلایا جائے گا جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے واضح ہے۔

كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿29﴾ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِيۡنُ ﴿30﴾ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ اَفَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ وَكُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿31﴾ وَاِذَا قِيۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِىۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ ﴿32﴾ وَبَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ

ہماری کتاب جو تمھارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے،[1] ہم تمھارے اعمال لکھواتے جاتے تھے﴿29﴾[2] پس لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے[3] تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت تلے لے لے گا،[4] یہی صریح کامیابی ہے﴿30﴾ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو (میں اُن سے کہوں گا) کیا میری آیتیں تمھیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟[5] پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تھے ہی گناہ گار لوگ﴿31﴾[6] اور جب کبھی کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہمیں کچھ یوں ہی سا خیال ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یقین نہیں﴿32﴾[7] اور اُن پر اپنے اعمال کی برائیاں کھل گئیں اور جسے وہ مذاق میں اڑا رہے تھے۔ اُس نے

① اس کتاب سے مراد وہ رجسٹر ہیں جن میں انسان کے تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ (الزمر 69:39) ”اعمال نامے سامنے لائے جائیں گے، نبیوں اور شہداء کو گواہی کے لیے پیش کیا جائے گا۔“ یہ اعمال نامے انسانی زندگی کے ایسے مکمل ریکارڈ ہوں گے کہ جن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو گی۔ انسان ان کو دیکھ کر پکار اٹھے گا: ﴿مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا﴾ (الکہف 49:18) ”یہ کیسا اعمال نامہ ہے جس نے چھوٹی بڑی چیز کسی کو بھی نہیں چھوڑا، سب کچھ ہی تو اس میں درج ہے۔“

② یعنی ہمارے علم کے علاوہ فرشتے بھی ہمارے حکم سے تمھاری ہر چیز نوٹ کرتے اور محفوظ رکھتے تھے۔

③ یہاں بھی ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کر کے اس کی اہمیت واضح کر دی اور عمل صالح وہ اعمال خیر ہیں جو سنت کے مطابق ادا کیے جائیں نہ کہ ہر وہ عمل جسے انسان اپنے طور پر اچھا سمجھ لے اور اسے نہایت اہتمام اور ذوق و شوق کے ساتھ کرے، جیسے بہت سی بدعات مذہبی حلقوں میں رائج ہیں اور جو ان حلقوں میں فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے فرائض و سنن کا ترک تو ان کے ہاں عام ہے لیکن بدعات کا ایسا التزام ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کا تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ نبی ﷺ نے بدعات کو شر الامور (بدترین کام) قرار دیا ہے۔

④ رحمت سے مراد جنت ہے، یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جیسے حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائے گا: «أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ» (صحيح البخاري، حديث: 4850) ”تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے سے (تیرے اندر داخل کر کے) میں جس پر چاہوں گا، رحم کروں گا۔“

⑤ یہ بطور توبیخ کے ان سے کہا جائے گا کیونکہ رسول ان کے پاس آئے تھے، انھوں نے اللہ کے احکام انھیں سنائے تھے لیکن انھوں

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿33﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿34﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿35﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿36﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿37﴾

ع 11 / 20

اُنھیں گھیر لیا﴿33﴾ [1] اور کہہ دیا گیا کہ آج ہم تمھیں بھلا دیں گے جیسے کہ تم نے اپنے اُس دن سے ملنے کو [2] بھلا دیا تھا تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمھارا مددگار کوئی نہیں﴿34﴾ یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمھیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت قبول کی جائے گی﴿35﴾ [3] پس اللہ کی تعریف ہے جو آسمانوں اور زمین اور تمام جہان کا پالنہار ہے﴿36﴾ اور تمام بڑائی آسمانوں اور زمین میں اُسی کی [4] ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے﴿37﴾

نے پرواہی نہیں کی تھی۔

① یعنی حق کے قبول کرنے سے تم نے تکبر کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ تم تھے ہی گناہ گار۔

② یعنی قیامت کا وقوع محض ظن و تخمین ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہوگی۔

① یعنی قیامت کا عذاب جسے وہ مذاق، یعنی انہونا سمجھتے تھے، اس میں وہ گرفتار ہوں گے۔

② جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا: ''کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔'' وہ کہے گا: ہاں، یہ تو ٹھیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: ''کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا۔'' وہ کہے گا: نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: «فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي» (صحيح مسلم، حديث: 2968) ''پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر) چھوڑ دوں گا جیسے تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔''

③ یعنی اللہ کی آیات و احکام کا استہزا اور دنیا کے فریب و غرور میں مبتلا رہنا، یہ دو جرم ایسے ہیں جنھوں نے تمھیں عذاب جہنم کا مستحق بنا دیا، اب اس سے نکلنے کا امکان ہے اور نہ اس بات ہی کی امید کہ کسی موقع پر تمھیں توبہ اور رجوع کا موقع دے دیا جائے اور تم توبہ و معذرت کرکے اللہ کو منا لو۔ لَا يُسْتَعْتَبُونَ- أَيْ لَا يُسْتَرْضَوْنَ وَيُطْلَبُ مِنْهُمُ الرُّجُوعُ إِلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ، لِأَنَّهُ يَوْمٌ لَا تُقْبَلُ فِيهِ تَوْبَةٌ وَلَا تَنْفَعُ فِيهِ مَعْذِرَةٌ. (فتح القدير)

④ جیسے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «اَلْعَظَمَةُ إِزَارِي وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِّنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي النَّارِ» (سنن ابن ماجه، حديث: 4175، وسنن أبي داود، حديث: 4090) ''عظمت میری ازار اور بڑائی میری چادر ہے، پس جو ان میں سے کسی ایک کو بھی مجھ سے کھینچے گا، میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا۔''

اٰيَاتُهَا 35 (46) سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (66) رُكُوْعَاتُهَا 4

سورۂ احقاف مکی ہے اس میں 35 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

حٰمٓ ! (1)[1] اس کتاب کا اتارنا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے (2) ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو برحق اور معین مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے[2] اور کافر لوگ جس چیز سے ڈرائے جاتے ہیں منہ موڑ لیتے ہیں (3)[3] آپ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے بھی تو دکھاؤ کہ اُنھوں نے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے یا آسمانوں میں اُن کا کون سا حصہ ہے؟[4] اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے ہی کی کوئی کتاب یا کوئی علم ہی جو نقل کیا جاتا ہو، میرے پاس لاؤ (4)[5] اور اُس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا؟ جو اللہ کے سوا ایسوں کو

[1] یہ فَوَاتِحِ سُوَر، یعنی حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں جن کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے ان کے معانی و مطالب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم ان کے دو فائدے بعض مفسرین نے بیان کیے ہیں جنھیں ہم سورۂ لقمان کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔

[2] یعنی آسمان و زمین کی پیدائش کا ایک خاص مقصد بھی ہے اور وہ ہے انسانوں کی آزمائش۔ دوسرا: اس کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہے۔ جب وہ وقت موعود آجائے گا تو آسمان و زمین کا یہ موجودہ نظام سارا بکھر جائے گا۔ نہ آسمان، یہ آسمان ہوگا، نہ زمین، یہ زمین ہوگی۔ ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراھیم 48:14) ''جس دن زمین اس زمین کے سوا بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔''

[3] یعنی عدم ایمان کی صورت میں بعث، حساب اور جزا سے جو انھیں ڈرایا جاتا ہے، وہ اس کی پروا ہی نہیں کرتے، اس پر ایمان لاتے ہیں نہ عذاب اخروی سے بچنے کی تیاری کرتے ہیں۔

[4] ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ بمعنی أَخْبِرُونِي یا أَرُونِي یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں یا شخصیات کی تم عبادت کرتے ہو، مجھے بتلاؤ یا دکھلاؤ کہ انھوں نے زمین و آسمان کی پیدائش میں کیا حصہ لیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جب آسمان و زمین کی پیدائش میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ مکمل طور پر ان سب کا خالق صرف ایک اللہ ہے تو پھر تم ان باطل معبودوں کو اللہ کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو؟

[5] یعنی کسی نبی پر نازل شدہ کتاب میں یا کسی منقول روایت میں یہ بات لکھی ہو تو وہ لاکر دکھاؤ تاکہ تمھاری صداقت واضح ہو سکے۔ بعض نے ﴿اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ کے معنی واضح علمی دلیل کے کیے ہیں۔ اس صورت میں کتاب سے نقلی دلیل اور ﴿اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ سے عقلی دلیل مراد ہوگی، یعنی کوئی عقلی اور نقلی دلیل پیش کرو۔ پہلے معنی اس کے ''اَثَر'' سے ماخوذ ہونے کی بنیاد پر روایت کے کیے گئے ہیں یا بَقِيَّةٌ مِّنْ عِلْمٍ پہلے انبیاء کی تعلیمات کا باقی ماندہ حصہ جو قابل اعتماد ذریعے سے نقل ہوتا آیا ہو، اس میں یہ بات ہو۔

اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿5﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿6﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿7﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ

پکارتا ہے جو قیامت تک اُس کی دعا قبول نہ کرسکیں بلکہ اُن کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں ⑤ [1] اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ اُن کے دشمن ہو جائیں گے اور اُن کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے ⑥ [2] اور اُنھیں جب ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منکر لوگ سچی بات کو جب کہ اُن کے پاس آ چکی، کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ⑦ کیا وہ کہتے ہیں کہ اُسے تو اُس نے خود گھڑ لیا ہے [3] آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں ہی اُسے بنا لایا ہوں تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے، [4] تم اس (قرآن) کے بارے میں جو کچھ کہہ سن رہے ہو اُسے اللہ خوب جانتا ہے، [5] میرے اور تمھارے درمیان گواہی کے لیے وہی کافی ہے، [6]

---

[1] یعنی یہی سب سے بڑے گمراہ ہیں جو پتھر کی مورتیوں کو یا فوت شدہ اشخاص کو مدد کے لیے پکارتے ہیں جو قیامت تک جواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور قاصر ہی نہیں بلکہ بالکل بے خبر ہیں۔

[2] یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ (مثلاً: سورۂ یونس 29:10، سورۂ مریم 82,81:19، سورۂ عنکبوت 25:29 وغیرھا من الآیات) دنیا میں ان معبودوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیر ذی روح جمادات و نباتات اور مظاہر قدرت (سورج، آگ وغیرہ) ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور قوت گویائی عطا فرمائے گا اور یہ چیزیں بول کر بتلائیں گی کہ ہمیں قطعاً اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ ہماری عبادت کرتے اور ہمیں تیری خدائی میں شریک گردانتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان قال سے نہیں، زبان حال سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کریں گی۔ واللہ أعلم. معبودوں کی دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء، ملائکہ اور صالحین میں سے ہیں، جیسے عیسیٰ، عزیر اور دیگر عباد اللہ الصالحین ہیں، یہ اللہ کی بارگاہ میں اسی طرح کا جواب دیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب قرآن کریم میں منقول ہے۔ علاوہ ازیں شیاطین بھی انکار کریں گے، جیسے قرآن میں ان کا قول نقل کیا گیا ہے: ﴿ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴾ (القصص 63:28) ''ہم تیرے سامنے (اپنے عابدین سے) اظہار براءت کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔''

[3] اس حق سے مراد، جو ان کے پاس آیا، قرآن کریم ہے، اس کے اعجاز اور قوت تاثیر کو دیکھ کر وہ اسے جادو سے تعبیر کرتے، پھر اس سے بھی انحراف کر کے یا اس سے بھی بات نہ بنتی تو کہتے کہ یہ تو محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

[4] یعنی اگر تمھاری یہ بات صحیح ہو کہ میں اللہ کا بنایا ہوا رسول نہیں ہوں اور یہ کلام بھی میرا اپنا گھڑا ہوا ہے، پھر تو یقیناً میں بڑا مجرم ہوں، اللہ تعالیٰ اتنے بڑے جھوٹ پر مجھے پکڑے بغیر تو نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر ایسی کوئی گرفت ہوئی تو پھر سمجھ لینا کہ میں جھوٹا ہوں اور میری کوئی مدد بھی مت کرنا بلکہ ایسی حالت میں مجھے مؤاخذۂ الٰہی سے بچانے کا تمھیں کوئی اختیار ہی نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿﴾ ﴾ (الحآقة 69:44-47) ''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے،

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿8﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿9﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿10﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ

اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ⑧ [1] آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں، [2] نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ [3] میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو صرف علی الاعلان آگاہ کر دینے والا ہوں ⑨ آپ کہہ دیجیے: بھلا تم بتاؤ تو اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اُسے نہ مانا ہو اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اُس جیسی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے سرکشی کی ہو [4] تو بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا ⑩ اور کافروں نے ایمان داروں کی نسبت کہا کہ اگر یہ (دین) بہتر ہوتا تو یہ لوگ اُس کی طرف ہم سے سبقت

پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

⑤ یعنی جس جس انداز سے بھی تم قرآن کی تکذیب کرتے ہو، کبھی اسے جادو، کبھی کہانت اور کبھی گھڑا ہوا کہتے ہو۔ اللہ اسے خوب جانتا ہے، یعنی وہی تمھاری ان مذموم حرکتوں کا تمھیں بدلہ دے گا۔

⑥ وہ اس بات کی گواہی کے لیے کافی ہے کہ یہ قرآن اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور وہی تمھاری تکذیب و مخالفت کا بھی گواہ ہے۔ اس میں بھی ان کے لیے سخت وعید ہے۔

① اس کے لیے جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کا سچا کلام مان لے۔ مطلب ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ توبہ کر کے اللہ کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جاؤ۔

② یعنی پہلا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی متعدد رسول آ چکے ہیں۔

③ یعنی دنیا میں۔ میں مکے میں ہی رہوں گا یا یہاں سے نکلنے پر مجھے مجبور ہونا پڑے گا۔ مجھے موت طبعی آئے گی یا تمھارے ہاتھوں میرا قتل ہوگا؟ تم جلد ہی سزا سے دوچار ہو گے یا لمبی مہلت تمھیں دی جائے گی؟ ان تمام باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ یا تمھارے ساتھ کل کیا ہوگا؟ تاہم آخرت کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اہل ایمان جنت میں اور کافر جہنم میں جائیں گے۔ اور حدیث میں جو آتا ہے کہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کی وفات پر، جب ان کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکرم بنا دیا تو فرمایا: «وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللّٰهِ مَايُفْعَلُ بِي وَلَابِكُمْ» (صحيح البخاري، حديث: 3929) ”اللہ کی قسم! مجھے اللہ کا رسول ہونے کے باوجود علم نہیں کہ قیامت کو میرے اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا؟“ اس سے کسی ایک معین شخص کے قطعی، یقینی انجام کے علم کی نفی ہے۔ اِلّا یہ کہ ان کی بابت بھی نص موجود ہو، جیسے عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر وغیرہ۔

④ اس شاہد بنی اسرائیل سے کون مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ بطور جنس کے ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ہر ایمان لانے والا اس کا مصداق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکے میں رہنے والا کوئی بنی اسرائیلی مراد ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد

اِلَيْهِ ط وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ط وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

کرنے نہ پاتے اور چونکہ اُنھوں نے اس قرآن سے ہدایت نہیں پائی، پس یہ کہہ دیں گے کہ قدیمی جھوٹ ہے⑪ [4] اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور جب کہ یہ کتاب تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت ہو⑫ بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُس پر جمے رہے تو اُن پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے⑬ یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اُسی میں رہیں گے، اُن اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے⑭ اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اُسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اُسے جنا۔ [2] اُس کے حمل کا اور اُس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔ [3] یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی اور

عبداللہ بن سلام ہیں اور وہ اس آیت کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3812، وصحيح مسلم، حديث: 2483) اسی لیے امام شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ ﴿عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ (اسی جیسی کتاب کی گواہی) کا مطلب ہے تورات کی گواہی جو قرآن کے مُنزَّل من اللہ ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ قرآن بھی توحید و معاد کے اثبات میں تورات ہی کی مثل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی گواہی اور ان کے ایمان لانے کے بعد اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے، اس لیے اس کے بعد تمھارے انکار و استکبار کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ تمھیں اپنے اس رویے کا انجام سوچ لینا چاہیے۔

[4] کفار مکہ حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم جیسے مسلمانوں کو جو غریب و نادار قسم کے لوگ تھے لیکن اسلام قبول کرنے میں انھیں سَابِقِيَّتْ کا شرف حاصل ہوا، دیکھ کر کہتے کہ اگر اس دین میں بہتری ہوتی تو ہم جیسے ذی عزت و ذی مرتبہ لوگ سب سے پہلے اسے قبول کرتے نہ کہ یہ لوگ پہلے ایمان لاتے، یعنی اپنے طور پر انھوں نے اپنی بابت یہ فرض کر لیا کہ اللہ کے ہاں ان کا بڑا مقام ہے، اس لیے اگر یہ دین بھی اللہ کی طرف سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے قبول کرنے میں پیچھے نہ چھوڑتا اور جب ہم نے اسے نہیں اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پرانا جھوٹ ہے، یعنی قرآن کو انھوں نے پرانا جھوٹ قرار دیا ہے، جیسے وہ اسے اساطیر الاولین بھی کہتے تھے، حالانکہ دنیوی مال و دولت میں ممتاز ہونا عنداللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔ (جیسے ان کو مغالطہ ہوا یا شیطان نے مغالطے میں ڈالا) عنداللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان و اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اس دولت ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے، جیسے وہ مال و دولت آزمائش کے طور پر جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔

[2] اس مشقت و تکلیف کا ذکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم میں مزید تاکید کے لیے ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ⑮ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ⑯ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ

7.

چالیس سال کی عمر کو پہنچا[1] تو کہنے لگا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے[2] کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد بھی صالح بنا۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں ⑮ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال تو ہم قبول فرما لیتے ہیں اور بداعمال سے درگزر کر لیتے ہیں، (یہ) جنتی لوگوں میں ہیں۔ اُس سچے وعدے کے مطابق جو اُن سے کیا جاتا تھا ⑯ اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم سے میں تنگ آ گیا،[3] تم مجھ سے یہی کہتے رہو گے کہ میں مرنے کے بعد

ماں، اس حکم احسان میں، باپ سے مقدم ہے کیونکہ نو ماہ تک مسلسل حمل کی تکلیف اور پھر زچگی (وضع حمل) کی تکلیف، صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، اسی طرح رضاعت کی تکلیف بھی اکیلی ماں ہی اٹھاتی ہے باپ کی اس میں شرکت نہیں۔ اسی لیے حدیث میں بھی ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اولیت دی گئی ہے اور باپ کا درجہ اس کے بعد بتلایا گیا ہے۔ ایک صحابی نے نبی ﷺ سے پوچھا: میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھاری ماں'' اس نے پھر یہی پوچھا: آپ نے یہی جواب دیا، تیسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ۔'' (صحیح مسلم، حدیث:1-(2548))

③ فِصَالُہٗ کے معنی: دودھ چھڑانا ہیں۔ اس سے بعض صحابہ نے استدلال کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے، یعنی چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حلال ہی کا ہوگا، حرام کا نہیں، اس لیے کہ قرآن نے مدت رضاعت دو سال (24 مہینے) بتلائی ہے۔ (سورۂ بقرہ 233:2، سورۂ لقمان 14:31) اس حساب سے مدت حمل صرف چھ مہینے ہی باقی رہ جاتی ہے۔

① ﴿ اَشُدَّهٗ ﴾ کے زمانے سے مراد جوانی ہے، بعض نے اسے 18 سال سے تعبیر کیا ہے حتیٰ کہ پھر بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا۔ یہ عمر قوائے عقلی کی مکمل پختگی کی عمر ہے۔ اسی لیے مفسرین کی رائے ہے کہ ہر نبی کو چالیس سال کے بعد ہی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (فتح القدیر)

② ﴿ اَوْزِعْنِيْٓ ﴾ بمعنی أَلْهِمْنِي ہے، مجھے توفیق دے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ اس عمر کے بعد انسان کو یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے، یعنی ﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ ﴾ سے ﴿ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ تک۔

③ سابقہ آیت میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔ اب اس کے مقابلے میں بدبخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے۔ ﴿ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ افسوس ہے تم پر، اُف کا کلمہ، ناگواری کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا ہے، یعنی نافرمان اولاد، باپ کی ناصحانہ باتوں پر یا دعوت ایمان وعمل صالح پر ناگواری اور شدت غیظ کا اظہار کرتی ہے جس کی اولاد کو قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ آیت عام ہے، ہر نافرمان اولاد اس کی مصداق ہے۔

وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿17﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿18﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿19﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي

پھر زندہ کیا جاؤں گا مجھ سے پہلے بھی اُمتیں گزر چکی ہیں،[1] وہ دونوں جنابِ باری میں فریادیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں: تجھے خرابی ہو تو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ یہ تو صرف پہلوں کے افسانے ہیں﴿17﴾[2] یہ وہ لوگ ہیں جن پر (اللہ کے عذاب کا) وعدہ صادق آ گیا،[3] اُن جنات اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں،[4] یقیناً یہ نقصان پانے والے تھے﴿18﴾ اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے[5] تاکہ وہ اُنھیں اُن کے اعمال کے پورے بدلے دے اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا﴿19﴾[6] اور جس دن کافر جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے[7] (کہا جائے گا:) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی ہی میں برباد کر دیں اور اُن سے فائدے اٹھا چکے، پس آج تمھیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی،[8] اس باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر

---

[1] مطلب ہے کہ وہ تو دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں نہیں آئے، حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب قیامت والے دن زندہ ہونا ہے جس کے بعد حساب ہوگا۔

[2] ماں باپ مسلمان ہوں اور اولاد کافر تو وہاں اولاد اور والدین کے درمیان اسی طرح تکرار اور بحث ہوتی ہے جس کا ایک نمونہ اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

[3] جو پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا یا شیطان کے جواب میں جو اللہ نے فرمایا تھا: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (صٓ 85:38) ’’میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا۔‘‘

[4] یعنی یہ بھی ان کافروں میں شامل ہو گئے جو انسانوں اور جنوں میں سے قیامت والے دن نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

[5] مومن اور کافر، دونوں کا ان کے عملوں کے مطابق اللہ کے ہاں مرتبہ ہوگا۔ مومن مراتب عالیہ سے سرفراز ہوں گے اور کافر جہنم کے پست ترین درجوں میں ہوں گے۔

[6] گناہ گار کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نیکوکار کے صلے میں کمی نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کو خیر یا شر میں سے وہی کچھ ملے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔

[7] یعنی اس وقت کو یاد کرو، جب کافروں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے جائیں گے اور وہ جہنم کی آگ دیکھ رہے یا اس کے قریب ہوں گے۔ بعض نے ﴿يُعْرَضُ﴾ کے معنی يُعَذَّبُوْنَ کے کیے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں: کلام میں قلب ہے۔ مطلب ہے کہ جب آگ ان پر پیش کی جائے گی۔ تُعْرَضُ النَّارُ عَلَيْهِمْ۔ (فتح القدير)

[8] طَيِّبَاتٌ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان ذوق وشوق سے کھاتے پیتے اور استعمال کرتے اور لذت وفرحت محسوس کرتے ہیں

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿20﴾ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿21﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿22﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿23﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ

کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے ﴿20﴾ [1] اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب کہ اُس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا [2] اور یقیناً اُس سے پہلے بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں اور اُس کے بعد بھی یہ کہ تم سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے خوف کھاتا ہوں ﴿21﴾ [3] قوم نے جواب دیا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں (کی پرستش) سے باز رکھیں؟ [4] پس اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب کا آپ وعدہ کرتے ہیں اسے ہم پر لا ڈالیں ﴿22﴾ اس (ہود) نے کہا: (اُس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا تھا وہ تمھیں پہنچا رہا ہوں [5] لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو ﴿23﴾ [6] پھر جب اُنھوں نے

لیکن آخرت کی فکر کے ساتھ ان کا استعمال ہو تو بات اور ہے، جیسے مومن کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ احکامِ الٰہی کی اطاعت کر کے شکر الٰہی کا بھی اہتمام کرتا رہتا ہے لیکن فکرِ آخرت سے بے نیازی کے ساتھ ان کا استعمال انسان کو سرکش اور باغی بنا دیتا ہے، جیسے کافر کا رویہ ہوتا ہے اور یوں وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے، چنانچہ مومن کو تو اس کے شکر و اطاعت کی وجہ سے یہ نعمتیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر نعمتیں آخرت میں پھر مل جائیں گی جبکہ کافروں کو وہی کچھ کہا جائے گا جو یہاں آیت میں مذکور ہے۔ ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ ......﴾ کا دوسرا ترجمہ ہے ''دنیا کی زندگی میں تم نے اپنے مزے اڑا لیے اور خوب فائدہ اٹھا لیا۔''

[1] ان کے عذاب کے دو سبب بیان فرمائے، ناحق تکبر: جس کی بنیاد پر انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے اور دوسرا: فسق، یعنی بے خوفی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب۔ یہ دونوں باتیں تمام کافروں میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ اہل ایمان کو ان دونوں باتوں سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔
ملحوظہ: بعض صحابۂ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے سامنے عمدہ خوراک وغیرہ آتی تو یہ آیت انھیں یاد آ جاتی اور وہ اس ڈر سے اسے ترک کر دیتے کہ کہیں آخرت میں ہمیں بھی یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم نے اپنے مزے دنیا میں لوٹ لیے۔ (تفسیر القرطبي) تو یہ ان کی وہ کیفیت ہے جو غایت ورع اور زہد و تقویٰ کی مظہر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی نعمتوں کا استعمال وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

[2] أَحْقَافٌ حِقْفٌ کی جمع ہے۔ ریت کا بلند مستطیل ٹیلا، بعض نے اس کے معنی پہاڑ اور غار کے کیے ہیں۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم (عادِ اولیٰ) کے علاقے کا نام ہے۔ جو حضر موت (یمن) کے قریب تھا۔ کفارِ مکہ کی تکذیب کے پیش نظر نبی ﷺ کی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

[3] ﴿يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے جسے اس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بجا طور پر بڑا دن کہا گیا ہے۔

[4] ﴿لِتَاْفِكَنَا﴾ لِتَصْرِفَنَا یا لِتَمْنَعَنَا یا لِتُزِيلَنَا سب متقارب المعنی ہیں۔ تا کہ تو ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے پھیر دے، روک دے، ہٹا دے۔

عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿24﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿25﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۫ۖ فَمَآ اَغْنٰى

عذاب کو بصورتِ بادل اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے،[1] (نہیں) بلکہ دراصل یہ بادل وہ (عذاب) ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے،[2] ہوا ہے جس میں درد ناک عذاب ہے ﴿24﴾[3] جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی، پس وہ ایسے ہوگئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔[4] گناہ گاروں کے گروہ کو ہم یونہی سزا دیتے ہیں ﴿25﴾ اور بالیقین ہم نے (قوم عاد کو) وہ مقدور دیے تھے جو تمھیں تو دیے بھی نہیں اور ہم نے اُنھیں کان، آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن اُن کے کانوں

---

⑤ یعنی عذاب کب آئے گا؟ یا دنیا میں نہیں آئے گا بلکہ آخرت میں تمھیں عذاب دیا جائے گا، اس کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے، میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔

⑥ کہ ایک تو کفر پر اصرار کر رہے ہو۔ دوسرے: مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔

① عرصۂ دراز سے ان کے ہاں بارش نہیں ہوئی تھی، امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی۔ بادل کو ﴿عَارِضٌ﴾ اس لیے کہا ہے کہ بادل عرض آسمان پر ظاہر ہوتا ہے۔

② یہ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں کہا کہ یہ وہ عذاب ہے جسے تم جلد لانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

③ یعنی وہ ہوا جس سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی، ان بادلوں سے ہی اٹھی اور نکلی اور اللہ کی مشیت سے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تباہ کر گئی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ تو بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بارش ہوگی لیکن آپ کے چہرے پر اس کے برعکس تشویش کے آثار نظر آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اس بادل میں عذاب نہیں ہوگا جبکہ ایک قوم ہوا کے عذاب سے ہی ہلاک کر دی گئی، اس قوم نے بھی بادل دیکھ کر کہا تھا: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4829، و صحيح مسلم، حديث: 16-(899)) ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب بادِ تند چلتی تو آپ یہ دعا پڑھتے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ» ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس ہوا کی خیر و برکت اور جو خیر اس میں ہے اس کی اور جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے، اس کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس ہوا کے شر سے اور اس شر سے جو اس میں ہے اور اس شر سے جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے۔'' اور جب آسمان پر بادل گھرے ہو جاتے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خوف کی سی ایک کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی جس سے آپ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر داخل ہوتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے پھر جب بارش ہو جاتی تو آپ اطمینان کا سانس لیتے۔ (صحيح مسلم، حديث: 15-(899))

④ یعنی مکین (گھر والے) سب تباہ ہو گئے اور صرف مکانات (گھر) نشان عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔

عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿26﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿27﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿28﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿29﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

اور آنکھوں اور دلوں نے اُنھیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا [1] جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی اُن پر الٹ پڑی ﴿26﴾ [2] اور یقیناً ہم نے تمھارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں [3] اور طرح طرح کی ہم نے اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کر لیں ﴿27﴾ [4] پس قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا، اُنھوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ تو اُن سے کھو گئے، (بلکہ دراصل) یہ اُن کا محض جھوٹ اور (بالکل) بہتان تھا ﴿28﴾ [5] اور یاد کرو! جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا کہ وہ قرآن سنیں، پس جب (نبی کے) پاس پہنچ گئے تو (ایک دوسرے سے) کہنے لگے: خاموش ہو جاؤ، [6] پھر جب ختم ہو گیا [7] تو اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے ﴿29﴾ کہنے لگے: اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً

---

(1) یہ اہل مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ تم سے پہلی قومیں جنھیں ہم نے ہلاک کیا، قوت و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں لیکن جب انھوں نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں (آنکھ، کان اور دل) کو حق کے سننے، دیکھنے اور اسے سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کیا تو بالآخر ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور یہ چیزیں ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔

(2) یعنی جس عذاب کو وہ انہونا سمجھ کر بطور استہزا کہا کرتے تھے کہ لے آ اپنا عذاب! جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے، وہ عذاب آیا اور اس نے انھیں ایسا گھیرا کہ پھر اس سے نکل نہ سکے۔

(3) آس پاس سے عاد، ثمود اور لوط کی وہ بستیاں مراد ہیں جو حجاز کے قریب ہی تھیں اور یمن اور شام و فلسطین کی طرف آتے جاتے ان سے ان کا گزر رہوتا تھا۔

(4) یعنی ہم نے مختلف انداز سے اور مختلف نوع کے دلائل ان کے سامنے پیش کیے کہ شاید وہ توبہ کر لیں لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔

(5) یعنی جن معبودوں کو وہ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے، انھوں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ وہ اس موقع پر آئے ہی نہیں بلکہ گم رہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بتوں کو الٰہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ انھیں بارگاہ الٰہی میں قرب کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ اللہ نے اس وسیلے کو یہاں إِفْكٌ (جھوٹ) اور افترا (بہتان) قرار دے کر واضح فرما دیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

(6) صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے قریب نَخْلَہ وادی میں پیش آیا، جہاں آپ ﷺ صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جنوں کو اس وجہ سے تجسس تھا کہ آسمان کی خبروں اور ان کے درمیان رکاوٹیں حائل کر دی گئی ہیں اور آسمان سے ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ اس سے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا ہے جس کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے، چنانچہ مشرق و مغرب کے مختلف اطراف میں جنوں کی ٹولیاں واقعے کا سراغ لگانے کے لیے پھیل گئیں۔ ان ہی میں سے ایک ٹولی نے یہ قرآن سنا اور یہ

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿30﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿31﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ط

وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو سچے دین کی اور راہ راست کی طرف رہبری کرتی ہے ﴿30﴾ اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اُس پر ایمان لاؤ[1] تو اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں المناک عذاب سے پناہ دے گا ﴿31﴾[2] اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا، پس وہ زمین میں کہیں (بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا،[3] اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اُس کے مددگار ہوں گے،[4]

بات سمجھ لی کہ نبی ﷺ کی بعثت کا یہ واقعہ ہی ہم پر آسمان کی بندش کا سبب ہے۔ اور جنوں کی یہ ٹولی آپ پر ایمان لے آئی اور جا کر اپنی قوم کو بھی بتلایا۔ (صحيح مسلم، حديث:449) صحیح بخاری میں بھی بعض باتوں کا تذکرہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث:3859) بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں بھی تشریف لے گئے اور انھیں جا کر اللہ کا پیغام سنایا اور متعدد مرتبہ جنوں کا وفد آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ (فتح الباري: 215/7، و تفسير ابن كثير وغيره)

⑦ یعنی آپ ﷺ کی طرف سے تلاوت قرآن ختم ہو گئی۔

① یہ جنوں نے اپنی قوم کو نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس سے قبل قرآن کریم کے متعلق بتلایا کہ یہ تورات کے بعد ایک اور آسمانی کتاب ہے جو سچے دین اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

② یہ ایمان لانے کے وہ فائدے بتلائے جو آخرت میں انھیں حاصل ہوں گے۔ ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ میں مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے، یعنی بعض گناہ معاف فرما دے گا اور یہ وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو گا کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ثواب وعقاب اور اوامر ونواہی میں جنات کے لیے بھی وہی حکم ہے جو انسانوں کے لیے ہے۔

اس امر میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی طرف جنوں میں سے رسول بھیجے یا نہیں۔ ظاہر آیات قرآنیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں کوئی رسول نہیں ہوا، تمام انبیاء و رسل انسان ہی ہوئے ہیں۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (یوسف 12:109) ''آپ سے پہلے بھی ہم بستیوں والوں سے مردوں کو ہی بھیجتے رہے جن کی جانب ہم وحی اتارا کرتے تھے۔'' ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان 25:20) ''ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔'' ان آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ جتنے بھی رسول ہوئے، وہ انسان تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کے لیے رسول تھے اور ہیں، اسی طرح جنات کے رسول بھی آپ ﷺ ہی ہیں جیسا کہ قرآن کریم کے اس مقام سے ظاہر ہے۔

③ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ زمین کی وسعتوں میں اس طرح گم ہو جائے کہ اللہ کی گرفت میں نہ آ سکے۔

④ جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا لیں۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ وہ خود اللہ کی گرفت سے بچنے پر قادر ہے نہ کسی دوسرے کی مدد سے ایسا ممکن ہے۔

أُولَٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿32﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ط بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿33﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ط اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿34﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ط كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ط بَلٰغٌ ج فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿35﴾ ع

اٰيَاتُهَا 38 (47) سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ (95) رُكُوْعَاتُهَا 4	سورۂ محمد ﷺ مدنی ہے، اس میں 38 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿32﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور اُن کے پیدا کرنے سے وہ نہ تھکا، وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟ کیوں نہ ہو؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے ﴿33﴾ [1] وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جس دن جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہاں، قسم ہے ہمارے رب کی! [2] (حق ہے) (اللہ) فرمائے گا، اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو ﴿34﴾ [3] پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور اُن کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو، [4] یہ جس دن اُس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی ہی (دنیا میں) ٹھہرے تھے، [5] یہ ہے پیغام پہنچا دینا، [6] پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا ﴿35﴾ [7]

---

[1] رأی سے، علم مراد ہے، یعنی کیا انھوں نے نہیں جانا۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا یا أَلَمْ يَتَفَكَّرُوا کہ جو اللہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے جن کی وسعت و بے کرانی کی انتہا نہیں ہے اور وہ ان کو بنا کر تھکا بھی نہیں۔ کیا وہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ ﴿ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾ کی صفت سے متصف ہے۔

[2] وہاں اعتراف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنے اس اعتراف پر قسم کھا کر اسے مؤکد کریں گے لیکن اس وقت کا یہ اعتراف بے فائدہ ہے کیونکہ مشاہدے کے بعد اعتراف کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اعتراف نہیں تو کیا انکار کریں گے؟

[3] اس لیے کہ جب ماننے کا وقت تھا، اس وقت مانا نہیں، یہ عذاب اسی کفر اور انکار کا بدلہ ہے جو اب تمھیں بھگتنا ہی بھگتنا ہے۔

[4] یہ کفار مکہ کے رویے کے مقابلے میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور صبر کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

[5] قیامت کا ہولناک عذاب دیکھنے کے بعد انھیں دنیا کی زندگی ایسے ہی معلوم ہوگی جیسے دن کی صرف ایک گھڑی یہاں گزار کر گئے ہیں۔

[6] یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ أَيْ هٰذَا الَّذِي وَعَظْتَهُمْ بِهِ ﴿ بَلٰغٌ ﴾ یہ وہ نصیحت یا پیغام ہے جس کا پہنچانا تیرا کام ہے۔

[7] اس آیت میں بھی اہل ایمان کے لیے خوش خبری اور حوصلہ افزائی ہے کہ ہلاکت اخروی صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو اللہ کے نافرمان اور اس کی حدود پامال کرنے والے ہیں۔

* اس کا دوسرا نام اَلْقِتَال بھی ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا [1] اللہ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے ① [2] اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اُس پر بھی ایمان لائے جو محمد پر اتاری گئی ہے [3] اور دراصل اُن کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے، اللہ نے اُن کے گناہ دُور کر دیے [4] اور اُن کے حال کی اصلاح کر دی ② [5] یہ اس لیے کہ [6] کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اُس حق کی اتباع کی جو اُن کے رب کی طرف سے ہے، اللہ لوگوں کو اُن کے احوال اسی طرح بتاتا ہے ③ [7] تو جب کافروں سے تمھاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو [8] جب اُن کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط

---

① بعض نے اس سے مراد کفار قریش اور بعض نے اہل کتاب لیے ہیں لیکن یہ عام ہے ان سمیت سارے ہی کفار اس میں داخل ہیں۔

② اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے خلاف جو سازشیں کیں، اللہ نے انھیں ناکام بنا دیا اور انھی پر ان کو الٹ دیا۔ دوسرا مطلب ہے کہ ان میں جو بعض مکارم اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً: صلہ رحمی، قیدیوں کو آزاد کرنا، مہمان نوازی وغیرہ یا خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت۔ ان کا کوئی صلہ انھیں آخرت میں نہیں ملے گا کیونکہ ایمان کے بغیر اعمال پر اجر و ثواب مرتب نہیں ہوگا۔

③ ایمان میں اگرچہ وحی محمدی، یعنی قرآن پاک پر ایمان لانا بھی شامل ہے لیکن اس کی اہمیت اور شرف کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کے لیے اس کا علیحدہ بھی ذکر فرما دیا۔

④ یعنی ایمان لانے سے قبل کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف فرما دیں جیسا کہ نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ "اسلام ماقبل کے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔" (صحيح مسلم ، حديث: 121)

⑤ ﴿بَالَهُمْ﴾ کے معنی: أَمْرَهُمْ، شَأْنَهُمْ، حَالَهُمْ، یہ سب متقارب المعنی ہیں۔ مطلب ہے کہ انھیں معاصی سے بچا کر رشد و خیر کی راہ پر لگا دیا، ایک مومن کے لیے اصلاح حال کی یہی سب سے بہتر صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت کے ذریعے سے ان کی حالت درست کر دی کیونکہ ہر مومن کو مال ملتا بھی نہیں۔ علاوہ ازیں محض دنیوی مال اصلاح احوال کا یقینی ذریعہ بھی نہیں بلکہ اس سے فساد احوال کا زیادہ امکان ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے کثرت مال کو پسند نہیں فرمایا۔

⑥ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مبتدا ہے یا خبر ہے مبتدا محذوف کی، أَيِ الْأَمْرُ ذٰلِكَ یہ اشارہ ہے ان وعیدوں اور وعدوں کی طرف جو کافروں اور مومنوں کے لیے بیان ہوئے۔

⑦ تاکہ لوگ اس انجام سے بچیں جو کافروں کا مقدر ہے اور وہ راہ حق اپنائیں جس پر چل کر ایمان والے فوز و فلاح ابدی سے ہمکنار ہوں گے۔

⑧ جب دونوں فریقوں کا ذکر کر دیا تو اب کافروں اور غیر معاہد اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قتل کرنے کی بجائے گردنیں مارنے کا حکم دیا کہ اس تعبیر میں کفار کے ساتھ غلظت و شدت کا زیادہ اظہار ہے۔ (فتح القدير)

الْوَثَاقَ ۙ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ④ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ

قید و بند سے گرفتار کرو،[1] (پھر اختیار ہے) کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ[2] لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔[3] یہی حکم ہے[4] اور اگر اللہ چاہتا تو (خود) ہی اُن سے بدلہ لے لیتا[5] لیکن (اُس کا منشا یہ ہے) کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے لے،[6] اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جاتے ہیں اللہ اُن کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا④ [7] اُنھیں راہ دکھائے گا اور اُن کے حالات کی اصلاح کر دے گا⑤ [8] اور اُنھیں اُس جنت میں لے جائے گا جس سے اُنھیں (پہلے سے) شناسا کر دیا ہے⑥ [9] اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے

---

① یعنی زوردار معرکہ آرائی اور زیادہ سے زیادہ ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے جو آدمی قابو میں آ جائیں، انھیں قیدی بنا لو اور مضبوطی سے انھیں جکڑ کر رکھو تا کہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

② ﴿مَنًّا﴾ کا مطلب ہے: بغیر فدیہ لیے بطور احسان چھوڑ دینا اور ﴿فِدَاءً﴾ کا مطلب کچھ معاوضہ لے کر چھوڑنا ہے۔ قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا گیا جو صورت حالات کے اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔

③ یعنی کافروں کے ساتھ جنگ ختم ہو جائے یا مراد ہے کہ محارب دشمن شکست کھا کر یا صلح کر کے ہتھیار رکھ دے یا اسلام غالب آ جائے اور کفر کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ صورت حال نہ ہو جائے، کافروں کے ساتھ تمھاری معرکہ آرائی جاری رہے گی جس میں تم انھیں قتل بھی کرو گے، قیدیوں میں تمھیں مذکورہ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ آیت منسوخ ہے اور سوائے قتل کے کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور امام وقت کو چاروں باتوں کا اختیار ہے، کافروں کو قتل کرے یا قیدی بنائے۔ اور قیدیوں کو چاہے بطور احسان چھوڑ دے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ (فتح القدیر)

④ یا تم اسی طرح کرو، اِفْعَلُوا ذٰلِكَ یا ذٰلِكَ حُكْمُ الْكُفَّارِ.

⑤ یعنی کافروں کو ہلاک کر کے یا انھیں عذاب میں مبتلا کر کے، یعنی تمھیں ان سے لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

⑥ یعنی تمھیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تا کہ وہ جان لے کہ تم میں سے اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں؟ تا کہ ان کو اجر و ثواب دے اور ان کے ہاتھوں سے کافروں کو ذلت و شکست سے دوچار کرے۔

⑦ یعنی ان کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا۔

⑧ یعنی انھیں ایسے کاموں کی توفیق دے گا جن سے ان کے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

⑨ یعنی جسے وہ بغیر رہنمائی کے پہچان لیں گے اور جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو از خود ہی اپنے اپنے گھروں میں جا داخل ہوں گے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایک جنتی کو اپنے جنت والے گھر کے راستوں کا اس سے کہیں زیادہ علم ہوگا، جتنا دنیا میں اسے اپنے گھر کا تھا۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 6535)

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ز وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۧ ⑪ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ع 1 11 5

تو وہ تمھاری مدد کرے گا[1] اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا⑦[2] اور جو لوگ کافر ہوئے، اُن کے لیے ہلاکت ہو، اللہ اُن کے اعمال غارت کر دے گا⑧ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ چیز سے ناخوش ہوئے،[3] پس اللہ نے (بھی) اُن کے اعمال ضائع کر دیے⑨[4] کیا اُن لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معاینہ نہیں کیا کہ اُن سے پہلے کے لوگوں کا نتیجہ کیا ہوا؟[5] اللہ نے اُنھیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں⑩[6] وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں⑪[7] جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک اعمال کیے اُنھیں اللہ یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے

[1] اللہ کی مدد کرنے سے مطلب، اللہ کے دین کی مدد ہے کیونکہ وہ اسباب کے مطابق اپنے دین کی مدد اپنے مومن بندوں کے ذریعے سے ہی کرتا ہے۔ یہ مومن بندے اللہ کے دین کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و دعوت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے، یعنی انھیں کافروں پر فتح و غلبہ عطا کرتا ہے، جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی روشن تاریخ ہے، وہ دین کے ہو گئے تھے تو اللہ بھی ان کا ہو گیا تھا، انھوں نے دین کو غالب کیا تو اللہ نے انھیں بھی دنیا پر غالب فرما دیا، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ (الحج 22:40) ”اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔“

[2] یعنی لڑائی کے وقت تَثْبِيت أَقْدَام یہ عبارت ہے میدانِ جنگ میں امداد اور معونت سے۔ بعض کہتے ہیں اسلام یا پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

[3] یعنی قرآن اور ایمان کو انھوں نے ناپسند کیا۔

[4] اعمال سے مراد وہ اعمال ہیں جو صورتاً اعمال خیر ہیں لیکن عدم ایمان کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

[5] جن کے بہت سے آثار ان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بعض تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات اور آثار موجود تھے، اس لیے انھیں چل پھر کر ان کے عبرت ناک انجام دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی کہ شاید ان کو دیکھ کر ہی یہ ایمان لے آئیں۔

[6] یہ اہل مکہ کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے تو تمھارے لیے بھی ایسی ہی سزا ہو سکتی ہے۔ اور گزشتہ کافر قوموں کی ہلاکت کی طرح تمھیں بھی ہلاکت سے دوچار کیا جا سکتا ہے۔

[7] چنانچہ جنگ احد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کیے، مثلاً: أُعْلُ هُبَل، أُعْلُ هُبَلْ (ہبل بت کی جے) کے جواب میں اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ کافروں کے انھی نعروں میں سے ایک نعرے لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا: «اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» (صحیح البخاري، حدیث:4043) ”اللہ ہمارا مددگار ہے، تمھارا کوئی مددگار نہیں۔“

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ⑭ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

نیچے نہریں جاری ہیں اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں،[1] اُن کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے⑫ اور ہم نے کتنی ہی ایسی بستیوں کو جو طاقت میں تیری اس بستی سے زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا، ہم نے اُنھیں ہلاک کر دیا ہے، پس اُن کا مددگار کوئی نہ اٹھا⑬ کیا پس وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل پر ہو اس شخص جیسا ہوسکتا ہے؟ جس کے لیے اُس کا برا کام مزین کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا پیرو ہو؟⑭[2] اُس جنت کی صفت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اُس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں،[3] اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا،[4] اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لیے بڑی لذت ہے[5]

① یعنی جس طرح جانوروں کو پیٹ اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے، ان کا مقصد زندگی بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ نہیں، آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔ اس سے ضمناً واشارتاً کھڑے کھڑے کھانے کی اس عادت کی ممانعت کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کا آج کل دعوتوں میں عام رواج ہے کیونکہ اس میں بھی جانوروں سے مشابہت ہے جسے کافروں کا شیوہ بتلایا گیا ہے۔ اس لیے جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے کی اس عادت سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے۔

② برے کام سے مراد شرک ومعصیت ہیں، مطلب وہی ہے جو پہلے بھی متعدد جگہ گزر چکا ہے کہ مومن وکافر، مشرک وموحد اور نیکوکار و بدکار برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک کے لیے اللہ کے ہاں اجر وثواب اور جنت کی نعمتیں ہیں جبکہ دوسرے کے لیے جہنم کا ہولناک عذاب۔ اگلی آیت میں دونوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس جنت کی خوبیاں اور محاسن، جس کا وعدہ متقین سے ہے۔

③ ﴿اٰسِنٍ﴾ کے معنی: ''متغیر'' یعنی بدل جانے والا، ﴿غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ ''نہ بدلنے والا'' یعنی دنیا میں تو پانی کسی ایک جگہ کچھ دیر پڑا رہے تو اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور اس کی بو اور ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جس سے وہ مضر صحت ہو جاتا ہے۔ جنت کے پانی کی یہ خوبی ہوگی کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، یعنی اس کی بو اور ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب بو، تازہ، مفرح اور صحت افزا۔

④ جس طرح دنیا میں وہ دودھ بعض دفعہ خراب ہو جاتا ہے جو گایوں، بھینسوں اور بکریوں وغیرہ کے تھنوں سے نکلتا ہے۔ جنت کا دودھ چونکہ اس طرح جانوروں کے تھنوں سے نہیں نکلے گا بلکہ اس کی نہریں ہوں گی، اس لیے جس طرح وہ نہایت لذیذ ہوگا، خراب ہونے سے بھی محفوظ ہوگا۔

⑤ دنیا میں جو شراب ملتی ہے، وہ عام طور پر نہایت تلخ، بدمزہ اور بدبودار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اسے پی کر انسان بالعموم حواس باختہ ہو جاتا ہے، اول فول بکتا ہے اور اپنے جسم تک کا ہوش اسے نہیں رہتا۔ جنت کی شراب دیکھنے میں حسین، ذائقے میں اعلیٰ اور نہایت خوشبودار ہوگی اور اسے پی کر کوئی انسان بہکے گا نہ کوئی گرانی محسوس کرے گا بلکہ ایسی لذت وفرحت محسوس کرے گا جس کا تصور اس دنیا

لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿15﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَا ذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿16﴾ وَ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿17﴾ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ

اور شہد کی نہریں ہیں جو بہت صاف ہے [1] اور اُن کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ مثل اُس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنھیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو اُن کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ﴿15﴾ [2] اور اُن میں بعض (ایسے بھی ہیں کہ) تیری طرف کان لگاتے ہیں، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ اُس نے ابھی کیا کہا تھا؟ [3] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں ﴿16﴾ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے اُنھیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور اُنھیں اُن کی پرہیز گاری عطا فرمائی ہے ﴿17﴾ [4] تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ اُن کے پاس اچانک آ جائے یقیناً اُس کی علامتیں تو آ چکی ہیں، [5] پھر جب کہ اُن کے پاس قیامت آ جائے، اُنھیں نصیحت کرنا

میں ممکن نہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 47:37) ”نہ اس سے چکر آئے گا نہ عقل جائے گی۔“ (مزید دیکھیے: سورۂ واقعہ 19:56)

[1] یعنی شہد میں بالعموم جن چیزوں کی آمیزش کا امکان رہتا ہے جس کا مشاہدہ دنیا میں عام ہے جنت میں ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔ بالکل صاف شفاف ہوگا کیونکہ یہ دنیا کی طرح مکھیوں سے حاصل کردہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی بھی نہریں ہوں گی۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب بھی تم سوال کرو تو جنت الفردوس کی دعا کرو، اس لیے کہ وہ جنت کا درمیانہ اور اعلیٰ درجہ ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔“ (صحیح البخاري، حدیث: 2790)

[2] یعنی جن کو جنت میں وہ اعلیٰ درجے نصیب ہوں گے جو مذکور ہوئے کیا وہ ایسے جہنمیوں کے برابر ہیں جن کا یہ حال ہوگا؟ ظاہر بات ہے ایسا نہیں ہوگا بلکہ ایک درجات میں ہوگا اور دوسرا درکات (جہنم) میں۔ ایک نعمتوں میں داد طرب وعیش دے رہا ہوگا، دوسرا عذاب جہنم کی سختیاں جھیل رہا ہوگا۔ ایک اللہ کا مہمان ہوگا جہاں انواع و اقسام کی چیزیں اس کی تواضع اور اکرام کے لیے ہوں گی اور دوسرا اللہ کا قیدی، جہاں اس کو کھانے کے لیے زقوم جیسا تلخ و کسیلا کھانا اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ، از کجا است تا بہ کجا

[3] یہ منافقین کا ذکر ہے، ان کی نیت چونکہ صحیح نہیں ہوتی تھی، اس لیے نبی ﷺ کی باتیں بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں وہ مجلس سے باہر آ کر صحابہ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟

[4] یعنی جن کی نیت ہدایت حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو اللہ ان کو ہدایت کی توفیق بھی دے دیتا ہے اور ان کو اس پر ثابت قدمی

ذِكْرٰىهُمْ ﴿18﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿19﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ

ع 2/8/6

کیسے ممکن ہوگا؟ ﴿18﴾ [1] سو (اے نبی!) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں [2] اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں بھی، [3] اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت کی اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے ﴿19﴾ [4] اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی گئی؟ [5] پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت [6] نازل کی جاتی ہے اور اُس میں قتال کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اُس شخص کی نظر ہوتی

بھی عطا فرماتا ہے۔

﴿5﴾ یعنی نبی ﷺ کی بعثت بجائے خود قربِ قیامت کی ایک علامت ہے جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 4936) ''میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔'' آپ ﷺ نے اشارہ کر کے واضح فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ نہیں ہے یا یہ کہ جس طرح ایک انگلی دوسری انگلی سے ذرا سا آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ذرا سا بعد ہے۔ (دیکھیے: فتح الباري شرح صحيح البخاري، حديث: 6503 کے تحت۔)

﴿1﴾ یعنی جب قیامت اچانک آ جائے گی تو کافر کس طرح نصیحت حاصل کر سکیں گے؟ مطلب ہے اس وقت اگر وہ توبہ کریں گے بھی تو وہ مقبول نہیں ہوگی، اس لیے اگر توبہ کرنی ہے تو یہی وقت ہے ورنہ وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ ان کی توبہ بھی غیر مفید ہوگی۔

﴿2﴾ یعنی اس عقیدے پر ثابت اور قائم رہیں کیونکہ یہی توحید اور اطاعتِ الٰہی مدارِ خیر ہے اور اس سے انحراف، یعنی شرک اور معصیت، مدارِ شر ہے۔

﴿3﴾ اس میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دیا گیا ہے، اپنے لیے بھی اور مومنین کے لیے بھی۔ استغفار کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ احادیث میں بھی اس پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «يَاأَيُّهَا النَّاسُ! تُوبُوا إِلَى رَبِّكُمْ فَإِنِّي أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً» (صحيح البخاري، حديث: 6307، ومسند أحمد: 211/4) ''لوگو! بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کیا کرو، میں بھی اللہ کے حضور روزانہ ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتا ہوں۔''

﴿4﴾ یعنی دن کو تم جہاں پھرتے اور جو کچھ کرتے ہو اور رات کو جہاں آرام کرتے اور استقرار پکڑتے ہو، اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ مطلب ہے شب و روز کی کوئی سرگرمی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

﴿5﴾ جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو مومنین جو جذبۂ جہاد سے سرشار تھے جہاد کی اجازت کے خواہش مند تھے اور کہتے تھے کہ اس بارے میں کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی جاتی؟ یعنی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

﴿6﴾ یعنی ایسی سورت جو غیر منسوخ ہو۔

عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿20﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿21﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ﴿22﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿23﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿24﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو،(1) پس بہت بہتر تھا اُن کے لیے ﴿20﴾ فرمان کا بجا لانا اور اچھی بات کا کہنا،(2) پھر جب کام مقرر ہو جائے(3) تو اگر اللہ سے سچے رہیں(4) تو اُن کے لیے بہتری ہے ﴿21﴾(5) اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو(6) اور رشتے ناتے توڑ ڈالو ﴿22﴾ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے ﴿23﴾(7) کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا اُن کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں ﴿24﴾(8) جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل اُلٹے پھر گئے اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت واضح ہو چکی(9)

(1) یہ ان منافقین کا ذکر ہے جن پر جہاد کا حکم نہایت گراں گزرتا تھا، ان میں بعض کمزور ایمان والے بھی بعض دفعہ شامل ہو جاتے تھے۔ سورۂ نساء 4:77 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(2) یعنی حکم جہاد سے گھبرانے کی بجائے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے اور نبی ﷺ کی بابت گستاخی کی بجائے اچھی بات کہتے۔ یہ أَوْلٰی بمعنی أَجْدَرْ ہے جسے ابن کثیر نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے أَوْلٰی کو تہدید و وعید کا کلمہ، یعنی بددعا قرار دیا ہے۔ مَعْنَاهُ قَارَبَهُ مَا يُهْلِكُهُ (ان کی ہلاکت قریب ہے) مطلب ہے، ان کی بزدلی اور نفاق ان کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔ اس اعتبار سے ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ جملہ مستانفہ ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی خَيْرٌ لَّكُمْ۔ (فتح القدير، أيسر التفاسير)

(3) یعنی جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے اور وقت جہاد آ جائے۔

(4) یعنی اگر اب بھی نفاق چھوڑ کر اپنی نیت اللہ کے لیے خالص کر لیں یا رسول کے سامنے رسول کے ہمراہ لڑنے کا جو عہد کرتے ہیں، اس میں اللہ سے سچے رہیں۔

(5) یعنی نفاق اور مخالفت کے مقابلے میں توبہ واخلاص کا مظاہرہ بہتر ہے۔

(6) ایک دوسرے کو قتل کر کے، یعنی اختیار واقتدار کا غلط استعمال کرو۔ امام ابن کثیر نے ﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾ کا ترجمہ کیا ہے: ''تم جہاد سے پھر جاؤ اور اس سے اعراض کرو''، یعنی تم پھر زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ اور باہم خون ریزی اور قطع رحمی کرو۔ اس میں فساد فی الارض کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصاً ممانعت اور اصلاح فی الارض اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے، عمل سے اور بذل اموال کے ذریعے سے اچھا سلوک کرو۔ احادیث میں بھی اس کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ (ابن كثير)

(7) یعنی ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے (حق کے سننے سے) بہرہ اور آنکھوں کو (حق کے دیکھنے سے) اندھا کر دیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ان کے مذکورہ اعمال سَيِّئَہ کا۔

(8) جس کی وجہ سے قرآن کے معانی ومفاہیم ان کے دلوں کے اندر نہیں جاتے۔

(9) اس سے مراد منافقین ہی ہیں جنھوں نے جہاد سے گریز کر کے اپنے کفر وارتداد کو ظاہر کر دیا۔

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿25﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿26﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿27﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿28﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿29﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿30﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى

یقیناً شیطان نے ان کے لیے مزین کر دیا ہے اور اُنھیں ڈھیل دے رکھی ہے[1] ﴿25﴾ یہ[2] اس لیے کہ اُنھوں نے اُن لوگوں سے جنھوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو بُرا سمجھا یہ کہا[3] کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں[4] میں تمھارا کہا مانیں گے اور اللہ اُن کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے[5] ﴿26﴾ پس اُن کا کیا حال ہوگا جب کہ فرشتے اُن کی روح قبض کرتے ہوئے اُن کے چہروں اور اُن کی پیٹھوں پر ماریں گے ﴿27﴾[6] یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے اُنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اُنھوں نے اُس کی رضا مندی کو برا جانا، تو اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کر دیے ﴿28﴾ کیا اُن لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ اُن کے کینوں کو ظاہر ہی نہ کرے گا ﴿29﴾[7] اور اگر ہم چاہتے تو اُن سب کو تجھے دکھا دیتے، پس تو انھیں اُن کے چہرے ہی سے پہچان لیتا،[8] اور یقیناً تو انھیں اُن کی بات کے ڈھنگ سے پہچان لے گا[9] اور تمھارے سب کام اللہ کو معلوم ہیں ﴿30﴾ یقیناً ہم تمھارا امتحان کریں

---

[1] اس کا فاعل بھی شیطان ہے، یعنی مَدَّ لَهُمْ فِي الْأَمَلِ وَوَعَدَهُمْ طُولَ الْعُمُرِ، یعنی انھیں لمبی آرزوؤں اور اس دھوکے میں مبتلا کر دیا کہ ابھی تو تمھاری بڑی عمر ہے، کیوں لڑائی میں اپنی جان گنواتے ہو؟ یا فاعل اللہ ہے، اللہ نے انھیں ڈھیل دی، یعنی فوراً ان کا مؤاخذہ نہیں فرمایا۔

[2] ''یہ'' سے مراد ان کا ارتداد ہے۔

[3] یعنی منافقین نے مشرکین سے یا یہود سے کہا۔

[4] یعنی نبی ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت میں۔

[5] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ﴾ (النسآء 81:4) ''اور اللہ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو (خفیہ) باتیں کرتے ہیں۔''

[6] یہ کافروں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور ادھر ادھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انھیں پکڑتے، کھینچتے اور مارتے ہیں۔ یہ مضمون اس سے قبل سورۂ انعام 93:6 اور سورۂ انفال 50:8 میں بھی گزر چکا ہے۔

[7] أَضْغَانٌ، ضِغْنٌ کی جمع ہے جس کے معنی: حسد، کینہ اور بغض کے ہیں۔ منافقین کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد تھا، اس کے حوالے سے کہا جا رہا ہے کہ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔

[8] یعنی ایک ایک شخص کی اس طرح نشان دہی کر دیتے کہ ہر منافق کو عِیَانًا پہچان لیا جاتا لیکن تمام منافقین کے لیے اللہ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ یہ اللہ کی صفت ستاری کے خلاف ہے، وہ بالعموم پردہ پوشی فرماتا ہے، پردہ دری نہیں۔ دوسرا: اس نے انسانوں کو ظاہر

الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿38﴾

ع 4 10 8

اٰیَاتُهَا: 29 (48) سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّةٌ (111) رُكُوْعَاتُهَا: 4

سورۂ فتح مدنی ہے، اس میں 29 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴿1﴾ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ

روگرداں ہو جاؤ تو وہ تمھارے بدلے تمھارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے ﴿38﴾

بے شک (اے نبی!) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلی فتح دی ہے ﴿1﴾ تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ معاف فرمائے،

یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جاؤ۔

بلکہ تم سے زیادہ اللہ اور رسول کے اطاعت گزار اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔ نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''اس سے مراد یہ اور اس کی قوم ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ایمان عقدِ ثریا (ستارے) کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کر لیں گے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3261، وذكره الألباني في الصحيحة: 14/3)

6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ اور 14 سو کے قریب صحابہ عمرے کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے لیکن مکے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر کافروں نے آپ کو روک لیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مکے بھیجا تا کہ وہ رؤسائے قریش سے گفتگو کر کے انھیں مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ کریں لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی، جس پر آپ نے صحابہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی بیعت لی جو بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ یہ افواہ غلط نکلی، تاہم کفار مکہ نے اجازت نہیں دی اور مسلمانوں نے آئندہ سال کے وعدے پر واپسی کا ارادہ کر لیا، وہیں اپنے سر بھی منڈا لیے اور قربانیاں کر لیں۔ نیز کفار سے اور بھی چند باتوں کا معاہدہ ہوا جنھیں صحابہ کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نبی کریم ﷺ نے اس کے دوررس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر سمجھا۔ حدیبیہ سے مدینے کی طرف آتے ہوئے راستے میں یہ سورت اتری جس میں صلح کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے۔ اسی لیے بعض صحابہ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔ اور نبی ﷺ نے اس سورت کی بابت فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4177)

اس سے مراد ترکِ اولیٰ والے معاملات یا وہ امور ہیں جو آپ نے اپنے فہم و اجتہاد سے کیے لیکن اللہ نے انھیں ناپسند فرمایا، جیسے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ کا واقعہ ہے جس پر سورۂ عبس کا نزول ہوا، یہ معاملات و امور اگرچہ گناہ اور منافی عصمت نہیں لیکن آپ کی شانِ ارفع کے پیش نظر انھیں بھی کوتاہیاں شمار کر لیا گیا جس پر معافی کا اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ ﴿لِّیَغْفِرَ﴾ میں لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی یہ فتح مبین ان تین چیزوں کا سبب ہے جو آیت میں مذکور ہیں۔ اور یہ مغفرت ذنوب کا سبب اس اعتبار سے ہے کہ اس صلح کے بعد

نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿2﴾ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ﴿3﴾ هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿4﴾ لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿5﴾ وَّيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ عَلَيۡهِمۡ

اور تجھ پر اپنا احسان پورا کر دے[1] اور تجھے سیدھی راہ چلائے ﴿2﴾[2] اور آپ کو ایک زبردست مدد دے ﴿3﴾ وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون (اور اطمینان) ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں[3] اور آسمانوں اور زمین کے (کل) لشکر اللہ ہی کے ہیں۔[4] اور اللہ دانا باحکمت ہے ﴿4﴾ تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو اُن جنتوں میں لے جائے[5] جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اُن سے اُن کے گناہ دُور کر دے اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿5﴾ اور تاکہ اُن منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب کرے جو اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں،[6] (دراصل) اُنھیں پر

قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا جس سے آپ کے اجرِ عظیم میں بھی خوب اضافہ ہوا اور حسنات، کفارۂ سَیِّئات ہیں۔

[1] اس دین کو غالب کر کے جس کی تم دعوت دیتے ہو یا فتح و غلبہ عطا کر کے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مغفرت اور ہدایت پر استقامت یہی اتمام نعمت ہے۔ (فتح القدير)

[2] یعنی اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔

[3] یعنی اس اضطراب کے بعد جو مسلمانوں کو شرائط صلح کی وجہ سے لاحق ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت نازل فرما دی جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

[4] یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے کسی لشکر (مثلاً: فرشتوں) سے کفار کو ہلاک کروا دے لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسا نہیں کیا اور اس کی بجائے مومنوں کو قتال و جہاد کا حکم دیا۔ اسی لیے آگے اپنی صفت علیم و حکیم بیان فرمائی ہے۔ یا مطلب ہے کہ آسمان و زمین کے فرشتے اور اسی طرح دیگر ذی شوکت و قوت لشکر سب اللہ کے تابع ہیں اور ان سے جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک کافر گروہ کو ہی دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی امداد کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمھارا محتاج نہیں ہے، وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی بھی گروہ اور لشکر سے لے سکتا ہے۔ (ابن كثير و أيسر التفاسير)

[5] حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمانوں نے سورۂ فتح کا ابتدائی حصہ سنا ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ تو انھوں نے نبی ﷺ سے کہا: آپ کو مبارک ہو، ہمارے لیے کیا ہے۔ جس پر اللہ نے آیت ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نازل فرما دی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4172) بعض کہتے ہیں کہ یہ ﴿لِيَزْدَادُوْٓا﴾ یا ﴿يَنْصُرَكَ﴾ کے متعلق ہے۔

[6] یعنی اللہ کو اس کے حکموں پر مُتَّہَم کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گمان رکھتے ہیں کہ یہ مغلوب

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ⑥ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ⑩ ع سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ

برائی کا پھیرا ہے، [1] اللہ اُن پر ناراض ہوا اور اُنھیں لعنت کی اور اُن کے لیے دوزخ تیار کی اور وہ بہت بُری لوٹنے کی جگہ ہے ⑥ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ⑦ [2] یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ⑧ تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُس کا ادب کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو ⑨ جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں، [3] اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے [4] تو جو شخص عہد شکنی کرے، وہ اپنے نفس ہی پر عہد شکنی کرتا ہے [5] اور جو شخص اُس اقرار کو پورا کرے جو اُس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے [6] تو اُسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا ⑩ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، وہ اب تجھ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال اور بال بچوں میں لگے رہ گئے، پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ [7] یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو

یا مقتول ہو جائیں گے اور دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (ابن کثیر)

① یعنی یہ جس گردش، عذاب یا ہلاکت کے مسلمانوں کے لیے منتظر ہیں، وہ تو ان ہی کا مقدر بننے والی ہے۔

② یہاں اسے منافقین اور کفار کے ضمن میں دوبارہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان دشمنوں کو ہر طرح ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی حکمت و مشیت کے تحت ان کو جتنی چاہے مہلت دے دے۔

③ یعنی یہ بیعت دراصل اللہ ہی کی ہے کیونکہ اسی نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر بھی وہی عطا فرمائے گا۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ یہ اپنے نفسوں اور مالوں کا جنت کے بدلے اللہ کے ساتھ سودا ہے۔ (التوبة 9:111) یہ اسی طرح ہے جیسے ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النسآء 4:80) ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

④ اللہ کا ہاتھ (جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے اور اللہ ان کے ساتھ اپنے علم کے ذریعے حاضر ہے، ان کی باتیں سن اور ان کی جگہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ آیت سے وہی بیعت رضوان مراد ہے جو نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سن کر ان کا انتقام لینے کے لیے حدیبیہ میں موجود 14 یا 15 سو مسلمانوں سے لی تھی۔

⑤ نَكْثٌ (عہد شکنی) سے مراد یہاں بیعت کا توڑ دینا، یعنی عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہ لینا ہے، یعنی جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

⑥ کہ وہ اللہ کے رسول کی مدد کرے گا، ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و غلبہ عطا فرما دے۔

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿11﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿12﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿13﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔[1] آپ جواب دے دیجیے کہ تمھارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے؟ اگر وہ تمھیں نقصان پہنچانا چاہے[2] یا تمھیں کوئی نفع دینا چاہے[3] تو بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اُس سے اللہ خوب باخبر ہے⑪[4] (نہیں) بلکہ تم نے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ رسول اور مسلمانوں کا اپنے گھروں کی طرف لوٹ آنا قطعاً ناممکن ہے اور یہی خیال تمھارے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور تم نے بُرا گمان کر رکھا تھا۔[5] دراصل تم لوگ ہو بھی ہلاکت والے⑫[6] اور جو شخص اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے⑬ اور زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے،

---

⑦ اس سے مدینے کے اطراف میں آباد قبیلے، غفار، مزینہ، جہینہ، اسلم، اشجع اور دُئل مراد ہیں۔ جب نبی ﷺ نے خواب دیکھنے کے بعد (جس کی تفصیل آگے آئے گی) عمرے کے لیے مکہ جانے کی عام منادی کرادی۔ تو مذکورہ قبیلوں نے سوچا کہ موجودہ حالات تو مکہ جانے کے لیے سازگار نہیں ہیں۔ وہاں ابھی کافروں کا غلبہ ہے اور مسلمان کمزور ہیں نیز مسلمان عمرے کے لیے پورے طور پر ہتھیار بند ہو کر بھی نہیں جا سکتے۔ اگر ایسے میں کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان خالی ہاتھ ان کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟ اس وقت مکے جانے کا مطلب اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، چنانچہ یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بابت فرما رہا ہے کہ یہ تجھ سے مشغولیتوں کا عذر پیش کر کے طلب مغفرت کی التجائیں کریں گے۔

① یعنی زبانوں پر تو یہ ہے کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھروں کی اور بیوی بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لیے ہمیں خود ہی رکنا پڑا لیکن حقیقت میں ان کا پیچھے رہنا نفاق اور اندیشۂ موت کی وجہ سے تھا۔

② یعنی اگر اللہ تمھارے مال ضائع کرنے اور تمھارے اہل کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لے تو کیا تم میں سے کوئی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا نہ کرنے دے۔

③ یعنی تمھیں مدد پہنچانا اور تمھیں غنیمت سے نوازنا چاہے تو کوئی روک سکتا ہے۔ یہ دراصل مذکورہ مُتَخَلِّفِين (پیچھے رہ جانے والوں) کا رد ہے جنھوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ اگر نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تو نقصان سے محفوظ اور منافع سے بہرہ ور ہوں گے، حالانکہ نفع وضرر کا سارا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

④ یعنی تمھیں تمھارے عملوں کی پوری جزا دے گا۔

⑤ اور وہ یہی تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا۔ یہ وہی پہلا گمان ہے، تکرار تاکید کے لیے ہے۔

⑥ ﴿بُوْرًا﴾ بَآئِرٌ کی جمع ہے، ہلاک ہونے والا، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقدر ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں یہ اللہ کے عذاب سے بچ گئے تو آخرت میں تو بچ کر نہیں جا سکتے وہاں تو عذاب ہر صورت میں بھگتنا ہوگا۔

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑮ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے⑭ [1] جب تم غنیمتیں لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے، [2] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں [3] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، [4] وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو [5] لیکن (اصل بات یہ ہے کہ) وہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں⑮ [6] آپ پیچھے چھوڑے ہوئے بدویوں سے کہہ دو کہ عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، [7] پس اگر تم اطاعت کرو [8] گے تو اللہ تمھیں بہت بہتر بدلہ دے گا [9] اور اگر تم نے منہ پھیر لیا جیسا کہ اس سے پہلے تم منہ پھیر چکے ہو

[1] اس میں مُتَخَلِّفِین کے لیے توبہ وانابت الی اللہ کی ترغیب ہے کہ اگر وہ نفاق سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دے گا، وہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

[2] اس میں غزوۂ خیبر کا ذکر ہے جس کی فتح کی نوید اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں دی تھی، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں سے جتنا بھی مال غنیمت حاصل ہوگا، وہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والوں کا حصہ ہے، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ نے یہودیوں کی مسلسل عہد شکنی کی وجہ سے خیبر پر چڑھائی کا پروگرام بنایا تو مذکورہ مُتَخَلِّفِین نے بھی محض مال غنیمت کے حصول کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے منظور نہیں کیا گیا۔ آیت میں مغانم سے مراد مغانم خیبر ہی ہیں۔

[3] اس ''اللہ کے کلام'' سے مراد اللہ کا خیبر کی غنیمت کا اہل حدیبیہ کے لیے خاص کرنے کا وعدہ ہے۔ منافقین اس میں شریک ہو کر اللہ کے کلام، یعنی اس کے وعدے کو بدلنا چاہتے تھے۔

[4] یہ نفی بمعنی نہی ہے، یعنی تمھیں ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے۔

[5] یعنی یہ مُتَخَلِّفِین کہیں گے کہ تم ہمیں حسد کی بنا پر ساتھ لے جانے سے گریز کر رہے ہو تا کہ مال غنیمت میں ہم تمھارے شریک نہ ہوں۔

[6] یعنی بات یہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ پابندی ان کے پیچھے رہنے کی پاداش میں ہے لیکن اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

[7] اس جنگجو قوم کی تعیین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین اس سے عرب کے ہی بعض قبائل مراد لیتے ہیں، مثلاً: ہوازن یا ثقیف جن سے حنین کے مقام پر مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ یا مسیلمہ کذّاب کی قوم بنو حنیفہ۔ اور بعض نے فارس اور روم کے مجوسی وعیسائی مراد لیے ہیں۔ ان پیچھے رہ جانے والے بدویوں سے کہا جا رہا ہے کہ عنقریب ایک جنگجو قوم سے مقابلے کے لیے تمھیں بلایا جائے گا۔ اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو تمھاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑯ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑰ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ⑱ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

تو وہ تمھیں درد ناک عذاب دے گا⑯[1] اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے[2] جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے، اُسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں اور جو منہ پھیر لے اُسے دردناک عذاب (کی سزا) دے گا⑰ یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔[3] اُن کے دلوں میں جو تھا اُسے اُس نے معلوم کر لیا[4] اور اُن پر اطمینان نازل فرمایا[5] اور اُنھیں قریب کی فتح عنایت فرمائی⑱[6] اور بہت سی غنیمتیں جنھیں وہ حاصل کریں گے[7]

---

⑧ یعنی خلوص دل سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

⑨ دنیا میں غنیمت اور آخرت میں پچھلے گناہوں کی مغفرت اور جنت۔

① یعنی جس طرح حدیبیہ کے موقع پر تم نے مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے سے گریز کیا تھا، اسی طرح اب بھی تم جہاد سے بھاگو گے تو پھر اللہ کا دردناک عذاب تمھارے لیے تیار ہے۔

② بصارت سے محرومی اور لنگڑے پن کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری۔ یہ دونوں عذر تو لازمی ہیں۔ ان اصحاب عذر یا ان جیسے دیگر معذورین کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حَرَجٌ کے معنی گناہ کے ہیں، ان کے علاوہ جو بیماریاں ہیں، وہ عارضی عذر ہیں جب تک وہ واقعی بیمار ہیں، شرکت جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ بیماری دور ہوتے ہی وہ حکم جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

③ یہ ان اصحاب بیعت رضوان کے لیے رضائے الٰہی اور ان کے پکے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے، جنھوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔

④ یعنی ان کے دلوں میں جو صدق وصفا کے جذبات تھے، اللہ ان سے بھی واقف ہے۔ اس سے ان دشمنانِ صحابہ کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ان کا ایمان ظاہری تھا، دل سے وہ منافق تھے۔

⑤ یعنی وہ نہتے تھے، جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، یعنی ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر وسکینت ان پر نازل فرما دی جس کی بنا پر انھیں لڑنے کا حوصلہ ہوا۔

⑥ اس سے مراد وہی فتح خیبر ہے جو یہودیوں کا گڑھ تھا اور حدیبیہ سے واپسی کے بعد 7 ہجری میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا۔

⑦ یہ وہ غنیمتیں ہیں جو خیبر سے حاصل ہوئیں۔ یہ نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ تھا، اسی حساب سے یہاں سے مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں غنیمت کا مال حاصل ہوا، جسے صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کیا گیا۔

يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اور اللہ غالب حکمت والا ہے ⑲ اللہ نے تم سے بہت ساری غنیموں کا وعدہ کیا ہے [1] جنھیں تم حاصل کرو گے، پس یہ تو تمھیں جلدی ہی عطا فرما دی [2] اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے [3] تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی ہو جائے [4] اور (تاکہ) وہ تمھیں سیدھی راہ چلائے ⑳ [5] اور تمھیں اور (غنیمتیں) بھی دے جن پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا۔ اللہ نے اُنھیں اپنے قابو میں رکھا ہے [6] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ㉑ اور اگر تم سے کافر جنگ کرتے تو یقیناً پیٹھ دکھا کر بھاگتے، پھر نہ تو کوئی کارساز پاتے نہ مددگار ㉒ [7] اللہ کے اس قاعدے کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے، [8] تو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا ㉓ وہی ہے جس نے خاص مکہ میں کافروں کے

① یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی غنیموں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں۔

② یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ کیونکہ یہ دونوں تو فوری طور پر مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں۔

③ حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ اور خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ اللہ نے روک دیے، یعنی ان کے حوصلے پست کر دیے اور وہ مسلمانوں سے مصروف پیکار نہیں ہوئے۔

④ یعنی لوگ اس واقعے کا تذکرہ پڑھ کر اندازہ لگالیں گے کہ اللہ تعالیٰ قلت تعداد کے باوجود مسلمانوں کا محافظ اور دشمنوں پر ان کو غالب کرنے والا ہے یا یہ روک لینا، تمام موعودہ باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی ہے۔

⑤ یعنی ہدایت پر استقامت عطا فرمائے یا اس نشانی سے تمھیں ہدایت میں اور زیادہ کرے۔

⑥ یہ بعد میں ہونے والی فتوحات اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح چار دیواری کر کے کسی چیز کو اپنے قبضے میں کر لیا جاتا ہے اور پھر اس کی بابت بے فکری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان فتوحات کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لیا ہوا ہے، یعنی گو ابھی تمھاری فتوحات کا دائرہ وہاں تک وسیع نہیں ہوا ہے لیکن اللہ نے انھیں تمھارے لیے اپنے قابو میں کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے گا، تمھیں اس پر غلبہ عطا کر دے گا جس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض نے ﴿اَحَاطَ﴾ کے معنی عَلِمَ کے کیے ہیں، یعنی اسے معلوم ہے کہ وہ علاقے بھی تم فتح کرو گے۔

⑦ یہ حدیبیہ میں متوقع جنگ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ قریش مکہ صلح نہ کرتے بلکہ جنگ کا راستہ اختیار کرتے تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے، کوئی ان کا مددگار نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم وہاں تمھاری مدد کرتے اور ہمارے مقابلے میں کس کو ٹھہرنے کی طاقت ہے؟

⑧ یعنی اللہ کی یہ سنت اور عادت پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ جب کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی کا مرحلہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرما کر حق کو سربلندی عطا کرتا ہے، جیسے اس سنت اللہ کے مطابق بدر میں تمھاری مدد کی گئی۔

وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿24﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو اُن سے روک لیا اس کے بعد کہ اُس نے تمھیں اُن پر غلبہ دے دیا تھا،[1] اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿24﴾ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لیے موقوف جانور کو اُس کی جگہ میں پہنچنے سے (روکا)[2] اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی[3] یعنی اُن کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر اُن کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا،[4] (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی[5] لیکن ایسا نہیں کیا گیا)[6] تا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے

---

① جب نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے تو کافروں نے 80 آدمی جو ہتھیاروں سے لیس تھے، اس نیت سے بھیجے کہ اگر انھیں موقع مل جائے تو دھوکے سے نبی ﷺ اور صحابہ کے خلاف کارروائی کریں، چنانچہ یہ مسلح جتھہ جبل تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا جس کا علم مسلمانوں کو بھی ہو گیا اور انھوں نے ہمت کر کے ان تمام آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔ ان کا جرم شدید تھا اور ان کو جو بھی سزا دی جاتی، صحیح ہوتی لیکن اس میں خطرہ یہی تھا کہ پھر جنگ ناگزیر ہو جاتی جبکہ نبی ﷺ اس موقع پر جنگ کی بجائے صلح چاہتے تھے کیونکہ اسی میں مسلمانوں کا مفاد تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سب کو معاف کر کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1808) بطن مکہ سے مراد حدیبیہ ہے، یعنی حدیبیہ میں ہم نے تمھیں کفار سے اور کفار کو تم سے لڑنے سے روکا۔ یہ اللہ نے احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔

② هَدْيٌ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو حاجی یا معتمر (عمرہ کرنے والا) اپنے ساتھ مکے لے جاتا ہے۔ مَحِلٌّ (حلال ہونے کی جگہ) سے مراد وہ قربان گاہ ہے جہاں ان کو لے جا کر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مقام معتمر کے لیے مروہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منیٰ ہے۔ ﴿مَعْكُوْفًا﴾ حال ہے، یعنی یہ جانور اس انتظار میں روکے گئے تھے کہ مکے میں داخل ہوں تا کہ انھیں قربان کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافروں نے ہی تمھیں بھی مسجد حرام سے روکا اور تمھارے ساتھ جو جانور تھے، انھیں بھی اپنی قربان گاہ تک نہیں پہنچنے دیا۔

③ یعنی مکے میں اپنا ایمان چھپائے رہ رہے تھے۔

④ کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں ممکن تھا کہ یہ بھی مارے جاتے اور تمھیں ضرر پہنچتا، ﴿مَّعَرَّةٌ﴾ کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد کفارہ اور وہ برائی اور شرمندگی ہے جو کافروں کی طرف سے تمھیں اٹھانی پڑتی، یعنی ایک تو قتل خطا کی دیت دینی پڑتی اور دوسرے: کفار کا یہ طعنہ سہنا پڑتا کہ یہ اپنے مسلمان ساتھیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

⑤ یہ ﴿لَوْلَا﴾ کا محذوف جواب ہے، یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمھیں مکے میں داخل ہونے کی اور قریش مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔

⑥ بلکہ اہل مکہ کو مہلت دے دی گئی تا کہ جس کو اللہ چاہے قبول اسلام کی توفیق دے دے۔

مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿25﴾ اِذۡ جَعَلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الۡجَاهِلِيَّةِ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى وَكَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا

ہم اُن کو دردناک سزا دیتے﴿25﴾[1] جب کہ[2] اُن کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی، سو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی[3] اس نے مسلمانوں کو تقوے کی بات پر جمائے رکھا[4] اور وہ اُس کے اہل اور

---

① ﴿تَزَيَّلُوا﴾ بمعنی تَمَيَّزُوا ہے مطلب یہ ہے کہ مکے میں آباد مسلمان اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے تو ہم تمھیں اہل مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دیتے اور تمھارے ہاتھوں ان کو قتل کرواتے اور اس طرح انھیں دردناک سزا دیتے۔ عذاب الیم سے مراد یہاں قتل، قیدی بنانا اور قہر وغلبہ ہے۔

② ﴿اِذْ﴾ ظرف کا متعلق یا تو ﴿لَعَذَّبْنَا﴾ ہے یا وَاذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب ان کافروں نے......

③ کفار کی اس حمیت جاہلیہ (عار اور غرور) سے مراد اہل مکہ کا مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے ہمارے بیٹوں اور باپوں کو قتل کیا ہے۔ لات وعُزّیٰ کی قسم! ہم انھیں کبھی یہاں داخل نہیں ہونے دیں گے، یعنی انھوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنالیا۔ اسی کو حمیت جاہلیہ کہا گیا ہے کیونکہ خانہ کعبہ میں عبادت کے لیے آنے سے روکنے کا کسی کو حق حاصل نہیں تھا۔ قریش مکہ کے اس معاندانہ رویے کے جواب میں خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں بھی شدت آجاتی اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر مکہ جانے پر اصرار کرتے جس سے دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ جاتی اور یہ لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک رہتی (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت نازل فرما دی، یعنی انھیں صبر وتحمل کی توفیق دے دی اور وہ پیغمبر کے ارشاد کے مطابق حدیبیہ ہی میں ٹھہرے رہے جوش اور جذبے میں آ کر مکہ جانے کی کوشش نہیں کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس حمیت جاہلیہ سے مراد قریش مکہ کا وہ رویہ ہے جو صلح کے لیے اور معاہدے کے وقت انھوں نے اختیار کیا۔ یہ رویہ اور معاہدہ دونوں مسلمانوں کے لیے بظاہر ناقابل برداشت تھے لیکن انجام کے اعتبار سے چونکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کا بہترین مفاد تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نہایت ناگواری اور گرانی کے باوجود اسے قبول کرنے کا حوصلہ عطا فرما دیا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کی یہ بات تسلیم کر لی کہ اس سال مسلمان عمرے کے لیے مکہ نہیں جائیں گے اور یہیں سے واپس ہو جائیں گے تو پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انھوں نے آپ کے حکم سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ لکھی۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کر دیا کہ رحمٰن، رحیم کو ہم نہیں جانتے۔ جو لفظ پہلے استعمال کرتے تھے، اس کے ساتھ، یعنی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ۔ (اے اللہ! تیرے نام سے) لکھیں، چنانچہ آپ نے اسی طرح لکھوایا، پھر آپ ﷺ نے لکھوایا: "یہ وہ دستاویز ہے جس پر محمد رسول اللہ (ﷺ) نے اہل مکہ سے مصالحت کی ہے۔" قریش کے نمائندوں نے کہا: اختلاف کی بنیاد تو آپ کی رسالت ہی ہے اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو اس کے بعد جھگڑا ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر ہمیں آپ سے لڑنے کی اور بیت اللہ میں جانے سے روکنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ یہاں "محمد رسول اللہ" کی جگہ "محمد بن عبداللہ" لکھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی لکھنے کا حکم دیا۔ (یہ مسلمانوں کے لیے نہایت اشتعال انگیز صورت حال تھی اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سکینت نازل نہ فرماتا تو وہ کبھی اسے برداشت نہ کرتے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹانے اور کاٹنے سے انکار کر دیا، نبی کریم ﷺ نے کہا کہ یہ لفظ کہاں ہے؟ بتانے کے بعد

وَاَهْلَهَاؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿26﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿27﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ

زیادہ مستحق تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿26﴾ یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو واقعہ خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چین کے ساتھ) نڈر ہو کر،[1] وہ اُن امور کو جانتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے، پس اُس نے اُس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمھیں میسر کی ﴿27﴾[2] وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور

خود آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اور اس کی جگہ محمد بن عبداللہ تحریر کرنے کو فرمایا۔ اس کے بعد یہ معاہدہ یا صلح نامہ لکھا گیا جس کی تین اہم باتیں یہ تھیں: ① اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ② جو مسلمان اہل مکہ سے جا ملے گا، وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ ③ مسلمان آئندہ سال مکے میں آئیں گے اور یہاں تین دن قیام کر سکیں گے، تاہم انھیں ہتھیار ساتھ لانے کی اجازت نہیں ہوگی، سوائے اس ہتھیار کے جو میان میں آ جائے۔ (صحیح البخاري، حدیث: 2699، وصحیح مسلم، حدیث: 1783) اہل سِیَر نے معاہدے کی دفعات ان الفاظ میں بیان کی ہیں: ① ''فریقین نے اس امر پر صلح کی ہے کہ دس سال تک وہ آپس میں جنگ نہیں کریں گے اور اس عرصے میں لوگ امن سے رہیں گے۔ ② قریش کا کوئی آدمی اس کے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائے اور جو محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے قریش کے پاس چلا جائے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ③ جو محمد (ﷺ) کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ (چنانچہ اس کی رُو سے خزاعہ قبیلہ نبی ﷺ کے اور بنو بکر قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہو گئے) ④ اس سال آپ مکے میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے، البتہ آئندہ سال آپ کو مکے میں آنے کی اور تین دن ٹھہرنے کی اجازت ہوگی، آپ کے پاس سوار کا ہتھیار، یعنی میانوں میں تلواریں ہوں گی۔'' (البدایة والنهایة: 170/4، طبع جدید) دس سال جنگ نہ کرنے کا ذکر سنن ابوداود میں بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 2766)

④ اس سے مراد کلمۂ توحید و رسالت «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» ہے، جس سے حدیبیہ والے دن مشرکین نے انکار کیا۔ (ابن کثیر) یا وہ صبر و وقار ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے حدیبیہ میں کیا یا وہ وفائے عہد اور اس پر ثبات ہے جو تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ (فتح القدیر)

① واقعۂ حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہو کر طواف وعمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔ نبی کا خواب بھی بمنزلہ وحی ہی ہوتا ہے، تاہم اس خواب میں یہ تعیین نہیں تھی کہ یہ اسی سال ہوگا لیکن نبی ﷺ اور مسلمان، اسے بشارت عظیمہ سمجھتے ہوئے، عمرے کے لیے فوراً ہی آمادہ ہو گئے اور اس کے لیے عام منادی کرا دی گئی اور چل پڑے۔ بالآخر حدیبیہ میں وہ صلح ہوئی جس کی تفصیل ابھی گزری، درآں حالیکہ اللہ کے علم میں اس خواب کی تعبیر آئندہ سال تھی جیسا کہ آئندہ سال مسلمانوں نے نہایت امن کے ساتھ یہ عمرہ کیا اور اللہ نے اپنے پیغمبر کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

② اس سے فتح خیبر و فتح مکہ کے علاوہ صلح کے نتیجے میں جو بہ کثرت مسلمان ہوئے وہ بھی مراد ہے کیونکہ وہ بھی فتح کی ایک عظیم قسم ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے اس کے بعد ... فاتحانہ طور پر داخل ہوئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿28﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿29﴾ ع 4/3 12

دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے ہر دین پر غالب کرے،[1] اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا ﴿28﴾ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں تو اُنھیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں، اُن کا نشان اُن کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، اُن کی یہی مثال تورات میں ہے اور یہی مثال انجیل میں ہے،[2] اُس کھیتی کی مثل جس نے اپنی کونپل نکالی[3] پھر اُسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا[4] تاکہ اُن کی وجہ سے کافروں کو چڑائے،[5] ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے ﴿29﴾[6]

---

① اسلام کا یہ غلبہ دیگر ادیان پر دلائل کے لحاظ سے تو ہر وقت مسلم ہے، تاہم دنیوی اور عسکری لحاظ سے بھی قرون اولیٰ اور اس کے مابعد عرصۂ دراز تک، جب تک مسلمان اپنے دین پر عامل رہے انھیں غلبہ حاصل رہا اور آج بھی یہ مادی غلبہ ممکن ہے بشرطیکہ مسلمان، مسلمان بن جائیں۔ ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران 139:3) ''اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔'' یہ دین غالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے، مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔

② ﴿ الْاِنْجِيْلِ ﴾ پر وقف کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی یہی خوبیاں تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور آگے ﴿ كَزَرْعٍ ﴾ میں اس سے پہلے هُمْ محذوف ہوگا۔ اور بعض ﴿ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾ پر وقف کرتے ہیں، یعنی ان کی مذکورہ صفت تورات میں ہے اور ﴿ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ﴾ کو ﴿ كَزَرْعٍ ﴾ کے ساتھ ملاتے ہیں، یعنی انجیل میں ان کی مثال، مانند اس کھیتی کے ہے...... (فتح القدیر)

③ ﴿ شَطْـَٔهٗ ﴾ سے مراد پودے کا وہ پہلا ظہور ہے جو دانہ پھاڑ کر اللہ کی قدرت سے باہر نکلتا ہے۔

④ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ابتدا میں وہ قلیل تھے، پھر زیادہ اور مضبوط ہو گئے، جیسے کھیتی، ابتدا میں کمزور ہوتی ہے، پھر دن بدن قوی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ مضبوط تنے پر وہ قائم ہو جاتی ہے۔

⑤ یا کافر غیظ و غضب میں مبتلا ہوں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بڑھتا ہوا اثر و نفوذ اور ان کی روز افزوں قوت و طاقت، کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھی، اس لیے کہ اس سے اسلام کا دائرہ پھیل رہا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض ائمہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس فرقۂ ضالہ کے دیگر عقائد بھی ان کے کفر پر ہی دال ہیں۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

⑥ اس پوری آیت کا ایک ایک جز صحابۂ کرام کی عظمت و فضیلت، اخروی مغفرت اور اجر عظیم کو واضح کر رہا ہے، اس کے بعد بھی صحابہ

سورۂ حجرات مدنی ہے، اس میں 18 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

اٰيَاتُهَا 18 (49) سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (106) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو[1] اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے ① اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ اُس سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو ②[2] بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی

کے ایمان میں شک کرنے والا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اسے کیونکر دعوائے مسلمانی میں سچا سمجھا جا سکتا ہے؟

■ یہ طوال مفصل میں پہلی سورت ہے۔ سورۂ حجرات سے سورۂ نازعات تک کی سورتیں طِوَالِ مُفَصَّلْ کہلاتی ہیں۔ بعض نے سورۂ قٓ کو پہلی سورت قرار دیا ہے اور یہ زیادہ راجح ہے۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) ان کا فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے اور سورۂ عبس سے سورۂ لیل تک أَوْسَاطِ مُفَصَّلْ اور سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک قِصَارِ مُفَصَّلْ ہیں۔ ظہر اور عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنی مستحب ہیں۔ (أیسر التفاسیر)

① اس کا مطلب ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کرو نہ اپنی سمجھ اور رائے کو ترجیح دو بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد، اللہ اور رسول سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کے لائق نہیں۔ اسی طرح کوئی فتویٰ قرآن و حدیث میں غور و فکر کے بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اگر اس کا نص شرعی کے خلاف ہونا واضح ہو جائے تو اس پر اصرار بھی اس آیت میں دیے گئے حکم کے منافی ہے۔ مومن کی شان تو اللہ اور رسول کے احکام کے سامنے سر تسلیم و اطاعت خم کر دینا ہے نہ کہ ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہنا۔

② اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اس ادب و تعظیم اور احترام و تکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمھاری آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ دوسرا ادب: جب خود نبی ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا محمد، یا احمد نہ کہو بلکہ ادب کے ساتھ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرو۔ اگر ادب و احترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھو گے تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں تمھارے عمل برباد ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کی شان نزول کے لیے دیکھیے (صحیح البخاري، حدیث: 4845) تاہم حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔ خیال رہے کہ اس میں خطاب کرنے کا ادب بیان کیا گیا ہے، جس کی رو سے نام لے کر خطاب کرنے کی بجائے آپ کے منصب رسالت کے حوالے سے آپ کو خطاب کیا جائے لیکن اب آپ کو خطاب کرنے کا تو مسئلہ ہی باقی نہیں رہا ہے، اس لیے آج کل لوگ جو ''یا محمد'' یا ''یا رسول اللہ''

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑥

آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ اُن کے لیے مغفرت اور بڑا ثواب ہے③ [1] جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، اُن میں سے اکثر (بالکل) بے عقل ہیں④ [2] اگر یہ لوگ یہاں تک صبر کرتے کہ آپ (خود) اُن کے پاس آ جاتے تو یہی اُن کے لیے بہتر ہوتا، [3] اور اللہ غفور و رحیم ہے⑤ [4] اے مسلمانو! اگر تمھیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اُس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو [5] ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ⑥

کے نعرے لگاتے یا اٹھتے بیٹھتے بطور ذکر یا بطور استغاثہ یہ الفاظ دہراتے ہیں، اس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ استغاثے (مدد طلب کرنے) کے طور پر تو ''یارسول اللہ مدد'' کہنا مشرکانہ فعل ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقیدے کی اس خرابی سے محفوظ رکھے۔

① اس میں ان لوگوں کی تعریف ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عظمت وجلالت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔

② یہ آیت قبیلۂ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ایک روز دوپہر کے وقت، جو کہ نبی ﷺ کے قیلولے کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز سے یا محمد یا محمد کی آوازیں لگائیں تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند أحمد: 488/3 و 394/6) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان کی اکثریت بے عقل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی جلالت شان اور آپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا بے عقلی ہے۔

③ یعنی آپ کے نکلنے کا انتظار کرتے اور آپ کو ندا دینے میں جلد بازی نہ کرتے تو دین ودنیا دونوں لحاظ سے بہتر ہوتا۔

④ اس لیے مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ آئندہ کے لیے ادب وتعظیم کی تاکید بیان فرما دی۔

⑤ یہ آیت اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا لیکن انھوں نے غلط فہمی کی بنا پر واپس آ کر یوں رپورٹ دی کہ انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے جس پر آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوج کشی کا ارادہ فرما لیا، تاہم پھر پتہ لگ گیا کہ یہ بات غلط تھی۔ صاحب استیعاب شیخ سلیم بن عید الہلالی اور شیخ شعیب وغیرہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، (مسند أحمد: 18451) جبکہ بعض نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ فاسق کا مصداق مذکورہ صحابی ہوں، اس لیے اسے ایک صحابی رسول پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' میں موجود ہے، بلکہ اس میں فقط ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے جس کی انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر نہایت اہمیت ہے۔ ہر فرد اور ہر حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے پاس جو بھی خبر یا اطلاع آئے بالخصوص بدکردار، فاسق اور مفسد قسم کے لوگوں کی طرف سے تو پہلے اس کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ؕ لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۞ ⑦ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ⑧ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ⑨ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں[1] اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھارا کہنا مان لیا کریں تو (الٹے) تم ہی مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اُسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمھاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں ⑦ اللہ کے احسان و انعام سے[2] اور اللہ دانا اور باحکمت ہے ⑧ اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں میل ملاپ کرا دیا کرو،[3] پھر اگر اُن دونوں میں سے ایک دوسری (جماعت) پر زیادتی کرے تو تم (سب) اُس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے[4] اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو[5] اور عدل کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ⑨[6] (یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو،[7] اور اللہ سے ڈرتے رہو

① جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم اور اطاعت کرو، اس لیے کہ وہ تمھارے مصالح زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان پر وحی اترتی ہے، پس تم ان کے پیچھے چلو، ان کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش مت کرو، اس لیے کہ اگر وہ تمھاری پسند کی باتیں ماننا شروع کر دیں تو اس سے تم خود ہی زیادہ مشقت میں پڑ جاؤ گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَـقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ﴾ (المؤمنون 71:23) ''اگر حق ہی ان کی خواہشوں کا پیرو ہو جائے تو زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز درہم برہم ہو جائے۔''

② یہ آیت بھی صحابۂ کرام کی فضیلت، ان کے ایمان اور اُن کے رشد و ہدایت پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ

③ اور اس صلح کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں قرآن و حدیث کی طرف بلایا جائے، یعنی ان کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

④ یعنی اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق اپنا اختلاف دور کرنے پر آمادہ نہ ہو بلکہ بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ سب مل کر بغاوت کرنے والے گروہ سے لڑائی کریں تا آنکہ وہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

⑤ یعنی باغی گروہ بغاوت سے باز آ جائے تو پھر عدل کے ساتھ، یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرا دی جائے۔

⑥ اور ہر معاملے میں انصاف کرو، اس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور اس کی یہ پسند اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ انصاف کرنے والوں کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

⑦ یہ پچھلے حکم کی ہی تاکید ہے، یعنی جب مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی، اس لیے اس اصل کی

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿10﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿10﴾ اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے مسخرا پن نہ کرے ممکن ہے کہ یہ اُس سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں، [2] اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ [3] اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ [4] ایمان کے بعد فسق برا نام ہے، [5] اور جو توبہ نہ کریں وہی

اہمیت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں بلکہ ایک دوسرے کے دست و بازو، ہمدرد و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں۔ اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بُعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے انھیں آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ (مزید دیکھیے: سورۂ توبہ 9:71 کا حاشیہ)

① اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرو، شاید اس کی وجہ سے تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا جاؤ۔ تَرَجِّي (امید والی بات) مخاطب کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کی رحمت تو اہل ایمان وتقویٰ کے لیے یقینی ہے۔

حدیث میں مسلمان سے قتال کرنے کو کفر کہا گیا ہے: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحيح البخاري، حديث: 48) ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' جس سے خوارج اور معتزلہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے۔ اہل سنت مرتکب کبیرہ کو کافر، خارج عن الملة نہیں کہتے اور حدیث میں کفر کو كُفْرٌ دُونَ كُفْرٍ قرار دیتے ہیں اور آیت: 9 اس کی دلیل ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت سے لڑنے والی باغی جماعت پر مومن ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ ''اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں۔'' تاہم اگر کوئی کسی مومن کو بوجہ ایمان ہی قتل کر دے تو یہ کفر ہے۔ اب بعض نہایت اہم اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔

② ایک شخص کسی دوسرے شخص کا استہزا، یعنی اس سے مسخرا پن اسی وقت کرتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھتا ہے، حالانکہ اللہ کے ہاں ایمان وعمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور کون نہیں؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، اس لیے اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ بنابریں آیت میں اس سے منع فرما دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورتوں میں یہ اخلاقی بیماری زیادہ ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کا الگ ذکر کر کے انھیں بھی بطور خاص اس سے روک دیا گیا ہے۔ اور حدیث رسول ﷺ میں لوگوں کے حقیر سمجھنے کو کبر سے تعبیر کیا گیا ہے «اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» (صحيح مسلم، حديث: 91، وسنن أبي داود، حديث: 4092) ''تکبر حق بات کو جھٹلانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام ہے۔'' اور کبر اللہ کو نہایت ہی ناپسند ہے۔

③ یعنی ایک دوسرے پر طعنہ زنی مت کرو، مثلاً: تُو تو فلاں بدکار کا بیٹا ہے، تیری ماں ایسی ویسی ہے تو فلاں کمینے خاندان کا ہے، وغیرہ۔

④ یعنی اپنے طور پر استہزا اور تحقیر کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھ لینا جو انھیں ناپسند ہوں۔ یا اچھے بھلے ناموں کو بگاڑ کر بولنا، یہ تنابز بالالقاب ہے جس کی یہاں ممانعت کی گئی ہے۔

⑤ یعنی اس طرح نام بگاڑ کر یا برے نام تجویز کر کے بلانا یا قبول اسلام اور توبہ کے بعد اسے سابقہ دین یا گناہ کی طرف منسوب کر کے

الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ

75

ظالم لوگ ہیں⑪ اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں[1] اور بھید نہ ٹٹولا کرو[2] اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔[3] کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی،[4] اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے⑫ اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے

خطاب کرنا، مثلاً: اے کافر، اے زانی یا شرابی وغیرہ، یہ بہت برا کام ہے۔ ﴿الْاِسْمُ﴾ یہاں الذکر (یاد کرنے) کے معنی میں ہے، یعنی: بِئْسَ الاِسْمُ الَّذِي يُذْكَرُ بِالْفِسْقِ بَعْدَ دُخُولِهِمْ فِي الْإِيمَانِ (فتح القدیر) البتہ اس سے بعض وہ صفاتی نام بعض حضرات کے نزدیک مستثنیٰ ہیں جو کسی کے لیے مشہور ہو جائیں اور وہ اس پر اپنے دل میں رنج بھی محسوس نہ کریں، جیسے لنگڑے پن کی وجہ سے کسی کا نام لنگڑا پڑ جائے۔ کالے رنگ کی بنا پر کالیا یا کالو مشہور ہو جائے وغیرہ۔ (تفسیر القرطبی)

① ﴿الظَّنِّ﴾ کے معنی ہیں: گمان کرنا۔ مطلب ہے کہ اہل خیر و اہل صلاح و تقویٰ کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو بے اصل ہوں اور تہمت و افترا کے ضمن میں آتے ہوں اسی لیے اس کا ترجمہ بدگمانی کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں اس کو «أَكْذَبُ الْحَدِيثِ» (سب سے بڑا جھوٹ) کہہ کر اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ» (صحيح البخاري، حديث: 6066، وصحيح مسلم، حديث: 28-(2563)) ورنہ فسق و فجور میں مبتلا لوگوں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کے گھناؤنے کردار کی بابت بدگمانی رکھنا، یہ وہ بدگمانی نہیں ہے جسے یہاں گناہ کہا گیا ہے اور اس سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے: إِنَّ الظَّنَّ الْقَبِيحَ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْخَيْرُ، لَا يَجُوزُ، وَإِنَّهُ لَا حَرَجَ فِي الظَّنِّ الْقَبِيحِ بِمَنْ ظَاهِرُهُ الْقَبِيحُ. (تفسير القرطبي) ”جس کا ظاہر اچھا ہے، اس کی بابت بدگمانی جائز نہیں، البتہ جس کا ظاہر برا ہے، اس کے بارے میں بدگمانی کرنے میں حرج نہیں۔“

② یعنی اس ٹوہ میں رہنا کہ کوئی خامی یا عیب معلوم ہو جائے تا کہ اسے بدنام کیا جائے، یہ تجسس ہے جو منع ہے اور حدیث میں بھی اس سے منع کیا گیا ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی کی خامی، کوتاہی تمھارے علم میں آ جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو نہ کہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے پھرو بلکہ جستجو کر کے عیب تلاش کرو۔ آج کل حریت اور آزادی کا بڑا چرچا ہے۔ اسلام نے بھی تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کو تسلیم کیا ہے لیکن اس وقت تک، جب تک وہ کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے یا جب تک دوسروں کے لیے ایذا کا باعث نہ ہو۔ مغرب نے مطلق آزادی کا درس دے کر لوگوں کو فساد عام کی اجازت دے دی ہے جس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو گیا ہے۔

③ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سامنے کسی کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جائے جسے وہ برا سمجھے اور اگر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے اندر موجود ہی نہیں ہیں تو وہ بہتان ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی بڑے جرم ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ دونوں ہی جرم عام ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا.

④ یعنی کسی مسلمان بھائی کی کسی کے سامنے برائی بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے مردار بھائی کا گوشت کھانا۔ مردار بھائی کا گوشت کھانا تو

وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ⑬ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا

پیدا کیا ہے[1] اور (پھر) تم کو کنبوں اور قبیلوں میں (تقسیم) کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو،[2] اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔[3] یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے⑬ دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے، حالانکہ ابھی تک تمھارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔[4] تم اگر اللہ کی اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے لگو گے تو اللہ تمھارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے⑭ مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اُس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں، پھر شک و شبہ نہ کریں اور اپنے مالوں اور

کوئی پسند نہیں کرتا لیکن غیبت لوگوں کی نہایت مرغوب غذا ہے۔

① یعنی آدم وحواء سے، یعنی تم سب کی اصل ایک ہی ہے ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ مطلب ہے کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ سب کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے ہی جا کر ملتا ہے۔

② ﴿شُعُوْبًا﴾ شَعْبٌ کی جمع ہے ''برادری یا بڑا قبیلہ'' شعب کے بعد قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فصیلہ اور پھر عشیرہ ہے۔ (فتح القدیر) مطلب یہ ہے کہ مختلف خاندانوں، برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے تاکہ آپس میں صلہ رحمی کر سکو۔ اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بدقسمتی سے حسب ونسب کو برتری کی بنیاد بنا لیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے آ کر اسے مٹایا تھا اور اسے جاہلیت سے تعبیر کیا تھا۔

③ یعنی اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان، قبیلہ اور نسل ونسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقویٰ ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ واختیار میں ہے۔ یہی آیت ان علماء کی دلیل ہے جو نکاح میں کفاءت نسب کو ضروری نہیں سمجھتے اور صرف دین کی بنیاد پر نکاح کو پسند کرتے ہیں۔ (ابن کثیر)

④ بعض مفسرین کے نزدیک ان اعراب سے مراد بنو اسد اور خزیمہ کے منافقین ہیں جنھوں نے قحط سالی میں محض صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے کے اندیشے کے پیش نظر زبان سے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ ان کے دل ایمان، اعتقاد صحیح اور خلوص نیت سے خالی تھے (فتح القدیر) لیکن امام ابن کثیر کے نزدیک ان سے وہ اعراب (بادیہ نشین) مراد ہیں جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے اندر پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا لیکن دعویٰ انھوں نے اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا کیا تھا۔ جس پر انھیں یہ ادب سکھایا گیا کہ پہلے مرتبے پر ہی ایمان کا دعویٰ صحیح نہیں۔ آہستہ آہستہ ترقی کے بعد تم ایمان کے مرتبے پر پہنچو گے۔ ایمان و اسلام کے درمیان فرق کی بحث کے لیے دیکھیے، سورۂ ذاریات 36,35:51 کا حاشیہ۔

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑮ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑯ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑰ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱

ع 2 / 8 / 14

اٰيَاتُهَا 45 (50) سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (34) رُكُوْعَاتُهَا 3	سورۂ ق مکی ■ ہے، اس میں 45 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ

جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں، (اپنے دعوائے ایمان میں) یہی سچے اور راست گو ہیں⑮ [1] کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو اپنی دینداری سے آگاہ کر رہے ہو؟ [2] اللہ ہر اُس چیز سے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے بخوبی آگاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے⑯ [3] اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اُس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو⑰ [4] یقین مانو کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اللہ خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اُسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے⑱

قٓ! بہت بڑی شان والے اِس قرآن کی قسم ہے① [5] بلکہ اُنھیں تعجب ہوا کہ اُن کے پاس اُنھی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آیا تو

[1] نہ کہ وہ جو صرف زبان سے اسلام کا اظہار کر دیتے ہیں اور مذکورہ اعمال کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں کرتے۔

[2] تَعْلِيم، یہاں إِعْلام اور إِخْبار (اطلاع وخبر دینے) کے معنی میں ہے، یعنی آمَنَّا کہہ کر تم اللہ کو اپنے دین وایمان سے آگاہ کر رہے ہو یا اپنے دلوں کی کیفیت اللہ کو بتلا رہے ہو۔

[3] تو کیا تمھارے دلوں کی کیفیت پر یا تمھارے ایمان کی حقیقت سے وہ آگاہ نہیں؟

[4] یہی اعراب نبی ﷺ کو کہتے کہ دیکھو ہم مسلمان ہوگئے اور آپ کی مدد کی جبکہ دوسرے عرب آپ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے فرمایا: ان سے کہو کہ اسلام لانے کا احسان مجھ پر مت جتلاؤ، اس لیے کہ اگر تم اخلاص سے مسلمان ہوئے ہو تو اس کا فائدہ تمھیں ہی ہوگا نہ کہ اللہ کو، یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں قبول اسلام کی توفیق دے دی نہ کہ تمھارا احسان اللہ یا اس کے رسول پر ہے۔

■ نبی ﷺ عید کی نماز میں سورۂ قٓ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (سورۂ قمر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 891) ہر جمعے کے خطبے میں بھی پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 872) امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ عیدین اور جمعے میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے بڑے مجمعوں میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس میں ابتدائے خلق، بعث ونشور، معاد وقیام، حساب، جنت و دوزخ، ثواب وعتاب اور ترغیب وترہیب کا بیان ہے۔

عَجِيۡبٌ ② ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا‌ ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌ ۢ بَعِيۡدٌ ③ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ‌ ۚ وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ④ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ⑤ اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ⑥ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ ۢ بَهِيۡجٍ ⑦ تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ

کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے② [1] کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے، پھر یہ واپسی دور (از عقل) ہے③ [2] زمین جو کچھ اُن میں سے گھٹاتی ہے وہ ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس (سب) یاد رکھنے والی کتاب ہے④ [3] بلکہ اُنھوں نے سچی بات کو جھوٹ کہا ہے جب کہ وہ اُن کے پاس پہنچ چکی، پس وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں⑤ [4] کیا اُنھوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اُسے کس طرح بنایا ہے [5] اور زینت دی ہے [6] اور اُس میں کوئی شگاف نہیں⑥ [7] اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اُس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیے ہیں اور اُس میں ہم نے قسم قسم کی خوشنما چیزیں اُگا دی ہیں⑦ [8] تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے

---

(5) اس کا جوابِ قسم محذوف ہے لَتُبْعَثُنَّ (تم ضرور قیامت والے دن اٹھائے جاؤ گے) بعض کہتے ہیں: اس کا جواب مابعد کا مضمون کلام ہے جس میں نبوت اور معاد کا اثبات ہے۔(فتح القدير و ابن كثير)

(1) حالانکہ اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے۔ ہر نبی اسی قوم کا ایک فرد ہوتا تھا جس میں اسے مبعوث کیا جاتا تھا۔ اسی حساب سے قریش مکہ کو ڈرانے کے لیے قریش ہی میں سے ایک شخص کو نبوت کے لیے چن لیا گیا۔

(2) حالانکہ عقلی طور پر اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں ہے۔ آگے اس کی کچھ وضاحت ہے۔

(3) یعنی زمین انسان کے گوشت، ہڈی اور بال وغیرہ کو بوسیدہ کر کے کھا جاتی ہے، یعنی اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، وہ نہ صرف ہمارے علم میں ہے بلکہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بھی درج ہے، اس لیے ان تمام اجزاء کو جمع کر کے انھیں دوبارہ زندہ کر دینا ہمارے لیے قطعاً مشکل امر نہیں ہے۔

(4) حق (سچی بات) سے مراد قرآن، اسلام یا نبوت محمدیہ ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ ﴿مَّرِيۡجٍ﴾ کے معنی مختلط، مضطرب یا مُلْتَبِسْ کے ہیں، یعنی ایسا معاملہ جو ان پر مشتبہ ہو گیا ہے، جس سے وہ ایک الجھاؤ میں پڑ گئے ہیں، کبھی اسے جادوگر کہتے ہیں، کبھی شاعر اور کبھی کاہن۔

(5) یعنی بغیر ستون کے جن کا اسے کوئی سہارا ہو۔

(6) یعنی ستاروں سے اسے مزین کیا۔

(7) اسی طرح کوئی فرق و تفاوت بھی نہیں ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا‌ ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ‌ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ ۞ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ۞﴾ (الملك 67:3،4)

''جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا تو اللہ کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھے گا۔ دوبارہ دیکھ لے، کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے؟ پھر دوہرا کر دوبارہ دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف ذلیل ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی۔''

(8) اور بعض نے ﴿زَوۡجٍ﴾ کے معنی جوڑا کیے ہیں، یعنی ہر قسم کی نباتات اور اشیاء کو جوڑا جوڑا (نر اور مادہ) بنایا ہے۔ ﴿بَهِيۡجٍ﴾

مُّنِيْبٍ ⑧ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ⑨ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ⑩ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ⑪ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ⑫ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ⑬ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ⑭ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ

کے لیے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو⑧ [1] اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اُس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے⑨ [2] اور کھجوروں کے بلند و بالا درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں⑩ [3] بندوں کی روزی کے لیے اور ہم نے پانی سے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح (قبروں سے) نکلنا ہے⑪ [4] اُن سے پہلے نوح کی قوم نے اور رس والوں [5] نے اور ثمود نے جھٹلایا⑫ اور عاد نے اور فرعون نے اور برادران لوط نے⑬ اور ایکہ [6] والوں نے اور تبع کی قوم [7] نے بھی (تکذیب کی تھی)۔ سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا، [8] پس میرا وعدہ عذاب اُن پر صادق آ گیا⑭ کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟ [9] بلکہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف

کے معنی: خوش منظر، شاداب اور حسین۔

① یعنی آسمان و زمین کی تخلیق اور دیگر اشیاء کا مشاہدہ اور ان کی معرفت ہر اس شخص کے لیے بصیرت و دانائی اور عبرت و نصیحت کا باعث ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

② کٹنے والے غلے سے مراد وہ کھیتیاں ہیں جن سے گندم، مکئی، جوار، باجرہ، دالیں اور چاول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ان کا ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔

③ ﴿بٰسِقٰتٍ﴾ کے معنی: طِوَالًا شَاهِقَاتٍ، بلند و بالا ﴿طَلْعٌ﴾ کھجور کا وہ گدرا گدرا پھل جو پہلے پہل نکلتا ہے۔ ﴿نَّضِيْدٌ﴾ کے معنی: تہ بہ تہ۔ باغات میں کھجور کا پھل بھی آ جاتا ہے لیکن اسے الگ سے بطور خاص ذکر کیا، جس سے کھجور کی وہ اہمیت واضح ہے جو عرب میں اسے حاصل ہے۔

④ یعنی جس طرح بارش سے مردہ زمین کو زندہ اور شاداب کر دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن ہم قبروں سے انسانوں کو زندہ کر کے نکال لیں گے۔

⑤ أصحاب الرس کی تعیین میں مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انھیں اصحاب اخدود قرار دیا گیا ہے، جس کا ذکر سورۂ بروج میں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن كثير و فتح القدير، سورة الفرقان 38:25)

⑥ ﴿اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ کے لیے دیکھیے سورۂ شعراء 176:26 کا حاشیہ۔

⑦ ﴿قَوْمُ تُبَّعٍ﴾ کے لیے دیکھیے سورۂ دخان 37:44 کا حاشیہ۔

⑧ یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی ہے۔ گویا آپ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کی طرف سے اپنی تکذیب پر غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ان کی

جَدِيْدٍ ⑮ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ⑯ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ⑰ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ

سے شک میں ہیں⑮ (1) ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اُن سے ہم واقف ہیں (2) اور ہم اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اُس سے قریب ہیں⑯ (3) جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے⑰ (انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اُس کے پاس

قوموں نے یہی معاملہ کیا۔ دوسرے اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ پچھلی قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی تو دیکھ لو ان کا کیا انجام ہوا؟ کیا تم بھی اپنے لیے یہی انجام پسند کرتے ہو؟ اگر یہ انجام پسند نہیں کرتے تو تکذیب کا راستہ چھوڑ دو اور پیغمبر پر ایمان لے آؤ۔

(9) کہ قیامت والے دن دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب پہلی مرتبہ پیدا کرنا ہمارے لیے مشکل نہیں تھا تو دوبارہ زندہ کرنا تو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم 27:30) سورۂ یٰسٓ 79,78:36 میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم یہ کہہ کر مجھے ایذا پہنچاتا ہے کہ اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے جس طرح اس نے پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا، حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا، دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے۔'' یعنی اگر مشکل ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ۔ (صحيح البخاري، حديث:4974)

(1) یعنی یہ اللہ کی قدرت کے منکر نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انھیں قیامت کے وقوع اور اس میں دوبارہ زندگی کے بارے میں ہی شک ہے۔

(2) یعنی انسان جو کچھ چھپاتا اور دل میں مستور رکھتا ہے، وہ سب ہم جانتے ہیں۔ وسوسہ، دل میں گزرنے والے خیالات کو کہا جاتا ہے جس کا علم اس انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا لیکن اللہ ان وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے، یعنی ان پر گرفت نہیں فرمائے گا۔ جب تک وہ زبان سے ان کا اظہار یا ان پر عمل نہ کرے۔'' (صحيح البخاري، حديث:5269، وصحيح مسلم، حديث:127)

(3) ﴿الْوَرِيْدِ﴾ شہ رگ یا رگ جان کو کہا جاتا ہے جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے، یعنی علم کے لحاظ سے ہم انسان کے بالکل بلکہ اتنے قریب ہیں کہ اس کے نفس کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ﴿نَحْنُ﴾ سے مراد فرشتے ہیں، یعنی ہمارے فرشتے انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہیں کیونکہ انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں، وہ انسان کی ہر بات اور عمل کو نوٹ کرتے ہیں ﴿يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ﴾ کے معنی ہیں: يَأْخُذَانِ وَيُثْبِتَانِ ''لیتے اور ثبت کرتے ہیں۔'' امام شوکانی نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال کو جانتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم ان فرشتوں کے محتاج ہوں جن کو ہم نے انسان کے اعمال واقوال لکھنے کے لیے مقرر کیا ہے، یہ فرشتے تو ہم نے صرف اتمام حجت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ دو فرشتوں سے مراد بعض کے نزدیک ایک نیکی اور دوسرا بدی لکھنے کے لیے۔ اور بعض کے نزدیک رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ۔ (فتح القدير)

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿18﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿19﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ

ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿20﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿21﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿22﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿23﴾ ؕ اَلْقِيَا

فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿24﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿25﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿26﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿27﴾

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿28﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ

نگہبان تیار ہے ﴿18﴾ [1] اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، [2] یہی ہے جس سے تو بدکتا پھرتا تھا ﴿19﴾ [3] اور صور پھونک دیا جائے گا۔ وعدۂ عذاب کا دن یہی ہے ﴿20﴾ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک گواہی دینے والا ﴿21﴾ [4] یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا لیکن ہم نے تیرے سامنے سے پردہ ہٹا دیا، پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے ﴿22﴾ اُس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا: یہ حاضر ہے جو کہ میرے پاس تھا ﴿23﴾ [5] ڈال دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو ﴿24﴾ جو نیک کام سے روکنے والا حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا تھا ﴿25﴾ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا، پس اُسے سخت عذاب میں ڈال دو ﴿26﴾ [6] اُس کا ہم نشین (شیطان) کہے گا: اے ہمارے رب! میں نے اُسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ خود ہی دُور دراز کی گمراہی میں تھا ﴿27﴾ [7] حق تعالیٰ فرمائے گا: پس میرے سامنے جھگڑے کی بات مت کرو میں تو پہلے ہی تمھاری طرف وعید بھیج چکا تھا ﴿28﴾ [8] میرے ہاں بات بدلتی نہیں [9] اور نہ میں اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم

---

[1] ﴿ رَقِيْبٌ ﴾ محافظ، نگران اور انسان کے قول اور عمل کا انتظار کرنے والا۔ ﴿ عَتِيْدٌ ﴾ حاضر اور تیار۔

[2] دوسرے معنی اس کے ہیں: موت کی سختی حق کے ساتھ آئے گی، یعنی موت کے وقت حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء کرتے رہے ہیں۔

[3] ﴿ تَحِيْدُ ﴾ تَمِيلُ عَنْهُ وَتَنفِرُ۔ ''تو اس موت سے بدکتا اور بھاگتا تھا۔''

[4] ﴿ سَآئِقٌ ﴾ (ہانکنے والا) اور ﴿ شَهِيْدٌ ﴾ (گواہ) کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام طبری کے نزدیک یہ دو فرشتے ہیں۔ ایک انسان کو محشر تک ہانک کر لانے والا اور دوسرا گواہی دینے والا۔

[5] یعنی فرشتہ انسان کا سارا ریکارڈ سامنے رکھ دے گا اور کہے گا کہ یہ تیری فردِ عمل ہے جو کہ میرے پاس تھی۔

[6] اللہ تعالیٰ اس فردِ عمل کی روشنی میں انصاف اور فیصلہ فرمائے گا۔ ﴿ اَلْقِيَا ﴾ سے ﴿ الشَّدِيْدِ ﴾ تک اللہ کا قول ہے۔

[7] اس لیے اس نے فوراً میری بات مان لی اگر یہ تیرا مخلص بندہ ہوتا تو میرے بہکاوے میں ہی نہ آتا یہاں قَرِينٌ (ساتھی) سے مراد شیطان ہے۔

[8] یعنی اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے ہم نشین شیطانوں کو کہے گا کہ یہاں موقف حساب یا عدالت انصاف میں لڑنے جھگڑنے کی

لِّلْعَبِيْدِ ﴿29﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿30﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿31﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿32﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ

کرنے والا ہوں ﴿29﴾ [1] جس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے: کیا تو بھر چکی؟ وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور زیادہ بھی ہے؟ ﴿30﴾ [2] اور جنت پرہیزگاروں کے لیے بالکل قریب کردی جائے گی ذرا بھی دُور نہ ہوگی ﴿31﴾ [3] یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اُس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو ﴿32﴾ [4] جو رحمٰن کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل

ضرورت نہیں نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے، میں نے تو پہلے ہی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے ان وعیدوں سے تم کو آگاہ کر دیا تھا۔

(9) یعنی جو وعدے میں نے کیے تھے، ان کے خلاف نہیں ہوگا بلکہ وہ ہر صورت میں پورے ہوں گے اور اسی اصول کے مطابق تمھارے لیے عذاب کا فیصلہ میری طرف سے ہوا ہے جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(1) کہ بغیر جرم کے جو انھوں نے نہ کیا ہو اور بغیر گناہ کے جس کا صدور ان سے نہ ہوا ہو، میں ان کو عذاب دے دوں؟ ظَلَّامٌ یہاں ظَالِمٌ کے معنی میں ہے۔ یا محاورۃً بولا گیا ہے، یعنی بندوں کی جمعیت کا لحاظ کرتے ہوئے صیغہ مبالغہ لایا گیا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: فلانٌ ظالمٌ لِعَبْدِہٖ ''فلاں اپنے غلام پر ظلم کرنے والا ہے۔'' اور جمع کی صورت میں کہتے ہیں: فلانٌ ظَلَّامٌ لِعَبِیدِہٖ ''فلاں اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا ہے۔'' یعنی یہاں پر ظالم اور ظلّام دونوں کا ایک ہی معنی ہے، فرق صرف اس وجہ سے ہے کہ عبد واحد ہے تو ظالم کا صیغہ لائے اور دوسری مثال میں عبید جمع ہے اس لیے ظلّام لائے، اسی طرح یہاں بھی عبید جمع ہونے کی وجہ سے ظلّام کہا گیا جو بمعنی ظالم ہی ہے اور یہ وزن صرف بوجہ عبید (جمع) کے ہے۔ (فتح القدیر) یا مقصود نفی میں مبالغہ ہے، یعنی میں بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ (السجدة 13:32) ''میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دوں گا۔'' اس وعدے کا جب ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جن وانس کو جہنم میں ڈال دے گا تو جہنم سے پوچھے گا کہ تو بھر گئی ہے یا نہیں۔ وہ جواب دے گی: کیا کچھ اور بھی ہے، یعنی اگرچہ میں بھر گئی ہوں لیکن یا اللہ! تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی یہ گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے: ''آگ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور جہنم کہے گی: ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝﴾ کیا کچھ اور بھی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پیر رکھ دے گا، جس سے جہنم پکار اٹھے گی، قط قط، یعنی بس بس۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4848) اور جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جنت میں ابھی خالی جگہ باقی رہ جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نئی مخلوق پیدا فرمائے گا جو وہاں آباد ہوگی۔ (صحيح مسلم، حديث: 39-(2848))

(3) اور بعض نے کہا ہے کہ قیامت، جس روز جنت قریب کر دی جائے گی، دور نہیں ہے کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی اور «كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» جو بھی آنے والی چیز ہے، وہ قریب ہی ہے، دور نہیں۔ (ابن كثير)

(4) یعنی اہل ایمان جب جنت کا اور اس کی نعمتوں کا قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کہا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ ہر اَوَّاب اور حَفِیظ سے کیا گیا تھا۔ ﴿اَوَّابٍ﴾ بہت رجوع کرنے والا، یعنی اللہ کی طرف، کثرت سے توبہ واستغفار اور تسبیح و ذکر الٰہی کرنے والا، خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑانے والا اور ہر مجلس میں استغفار کرنے والا۔ ﴿حَفِيْظٍ﴾ اپنے گناہوں کو

مُّنِيْبِ ﴿33﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿34﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿35﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿36﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿37﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿38﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿39﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿40﴾

لایا ہو﴿33﴾ [1] تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے﴿34﴾ یہ اس میں جو چاہیں گے ان کے لیے ہوگا (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے﴿35﴾ [2] اور اُن سے پہلے بھی ہم بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو اُن سے طاقت میں بہت زیادہ تھیں، وہ شہروں میں ڈھونڈتے [3] ہی رہ گئے کہ کوئی بھاگنے کا ٹھکانا ہے﴿36﴾ اس میں ہر صاحبِ دل کے لیے عبرت ہے اور اُس کے لیے جو دل [4] سے متوجہ ہو کر کان لگائے [5] اور وہ حاضر ہو﴿37﴾ [6] یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو (صرف) چھ دن میں پیدا کر دیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں﴿38﴾ پس یہ جو کچھ کہتے ہیں آپ اُس پر صبر کریں اور اپنے رب کی تسبیح تعریف کے ساتھ بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے بھی﴿39﴾ [7] اور رات کے کسی وقت بھی تسبیح کریں [8] اور نماز کے بعد بھی﴿40﴾ [9]

یاد کر کے ان سے توبہ کرنے والا یا اللہ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھنے والا یا اللہ کے اوامر و نواہی کو یاد رکھنے والا۔(فتح القدير)

(1) ﴿مُّنِيْبٍ﴾ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کا اطاعت گزار دل یا بمعنی سَلِیم شرک و معصیت کی نجاستوں سے پاک دل۔

(2) اس سے مراد رب تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو نصیب ہوگا جیسا کہ ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (يونس 26:10) کی تفسیر میں گزرا۔

(3) ﴿فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ﴾ ''شہروں میں چلے پھرے۔'' کا ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان اہل مکہ سے زیادہ تجارت و کاروبار کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے تھے لیکن ہمارا عذاب آیا تو انھیں کہیں پناہ اور راہ فرار نہیں ملی۔

(4) یعنی دل بیدار جو غور و فکر کر کے حقائق کا ادراک کر لے۔

(5) یعنی توجہ سے وہ وحیٔ الٰہی سنے جس میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

(6) یعنی قلب اور دماغ کے لحاظ سے حاضر ہو، اس لیے کہ جو بات کو ہی نہ سمجھے، وہ موجود ہوتے ہوئے بھی ایسے ہے جیسے نہیں ہے۔

(7) یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو یا عصر اور فجر کی نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔

(8) مِنْ تَبْعِيض کے لیے ہے، یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی اللہ کی تسبیح کریں یا رات کی نماز (تہجد) پڑھیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (بنیٓ إسرآءيل 79:17) ''رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھیں جو آپ کے لیے مزید ثواب کا باعث ہے۔'' بعض کہتے ہیں کہ معراج سے قبل مسلمانوں کے لیے صرف فجر اور عصر کی نماز اور نبی ﷺ کے لیے تہجد کی نماز بھی فرض تھی۔ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔(ابن كثير)

(9) یعنی اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض نے اس سے وہ تسبیحات مراد لی ہیں جن کے پڑھنے کی تاکید نبی ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿41﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿42﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿43﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿44﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿45﴾

اور سن رکھیں [1] کہ جس دن ایک پکارنے والا [2] قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا ﴿41﴾ [3] جس روز اُس تند و تیز چیخ کو یقین کے ساتھ سن لیں گے، یہ دن (لوگوں کے قبروں سے) نکل پڑنے کا ہے ﴿42﴾ [4] ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں [5] اور ہماری ہی طرف لوٹ پھر کر آنا ہے ﴿43﴾ [6] جس دن زمین پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے [7] (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت ہی آسان ہے ﴿44﴾ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم بخوبی جانتے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے نہیں، [8] تو آپ قرآن کے ساتھ اُنھیں سمجھاتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتے ہیں ﴿45﴾ [9]

فرمائی ہے، مثلاً: 33 مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ» 33 مرتبہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» اور 34 مرتبہ «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» وغیرہ (صحيح البخاري، حديث: 843، و صحيح مسلم، حديث: 596) مگر یہ تسبیحات اس سورت کے نزول کے بہت عرصہ بعد بتائی گئی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿اَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

[1] یعنی قیامت کے جو احوال وحی کے ذریعے سے بیان کیے جا رہے ہیں، انھیں توجہ سے سنیں۔

[2] یہ پکارنے والا اسرافیل فرشتہ ہوگا یا جبرائیل اور یہ ندا وہ ہوگی جس سے لوگ میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے، یعنی نفخۂ ثانیہ۔

[3] اس سے بعض نے صخرۂ بیت المقدس مراد لیا ہے، کہتے ہیں یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص یہ آواز اس طرح سنے گا، جیسے اس کے قریب سے ہی آواز آ رہی ہے۔ (فتح القدير) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

[4] یعنی یہ چیخ، یعنی نفخۂ قیامت یقیناً ہوگا جس میں یہ دنیا میں شک کرتے تھے۔ اور یہی دن قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے کا ہوگا۔

[5] یعنی دنیا میں موت سے ہمکنار کرنا اور آخرت میں زندہ کر دینا، یہ ہمارا ہی کام ہے، اس میں کوئی ہمارا شریک نہیں ہے۔

[6] وہاں ہم ہر شخص کو اس کے عملوں کے مطابق جزا دیں گے۔

[7] یعنی اس آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے جس نے آواز دی ہوگی۔ مُسْرِعِينَ إِلَى الْمُنَادِي الَّذِي نَادَاهُمْ. (فتح القدير) نبی ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ» (صحيح مسلم، حديث: 2278) "جب زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے زندہ ہو کر نکلنے والا میں ہوں گا۔"

[8] یعنی آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔

[9] یعنی آپ کی دعوت و تذکیر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی وعیدوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا۔ اسی لیے حضرت قتادہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيدَكَ وَيَرْجُو مَوْعُودَكَ يَا بَارُّ! يَا رَحِيمُ!» "اے اللہ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے!

اٰيَاتُهَا: 60 (51) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (67) رُكُوْعَاتُهَا: 3

سورۂ ذاریات کی ہے، اس میں 60 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَ الذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ

قسم ہے بکھیرنے والیوں کی اُڑا کر! ﴿۱﴾[1] پھر اٹھانے والیاں بوجھ کو ﴿۲﴾[2] پھر چلنے والیاں نرمی سے ﴿۳﴾[3] پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ﴿۴﴾[4] یقین مانو کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں۔ (سب) سچے ہیں ﴿۵﴾ اور بے شک انصاف ہونے والا ہے ﴿۶﴾ قسم ہے راہوں والے آسمان کی! ﴿۷﴾[5] یقیناً تم اختلاف والی بات میں پڑے ہوئے ہو ﴿۸﴾[6] اُس سے وہی

اے رحم فرمانے والے!"

[1] اس سے مراد ہوائیں ہیں جو مٹی کو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

[2] ﴿وِقْرًا﴾ ہر وہ بوجھ جسے کوئی جاندار لے کر چلے، حَامِلَاتٌ سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یا پھر وہ بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں جیسے چوپائے حمل کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

[3] جَارِيَاتٌ پانی میں چلنے والی کشتیاں، ﴿يُسْرًا﴾ آسانی سے۔

[4] مُقَسِّمَاتٌ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کاموں کو تقسیم کرلیتے ہیں۔ کوئی رحمت کا فرشتہ ہے تو کوئی عذاب کا، کوئی پانی کا ہے تو کوئی سختی (قحط سالی وغیرہ) کا، کوئی ہواؤں کا فرشتہ ہے تو کوئی موت اور حوادث کا۔ بعض نے ان سب سے صرف ہوائیں مراد لی ہیں اور ان سب کو ہواؤں کی صفت بنایا ہے، جیسے فاضل مترجم رحمہ اللہ نے بھی اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے لیکن ہم نے امام ابن کثیر اور امام شوکانی کی تفسیر کے مطابق تشریح کی ہے۔ قسم سے مقصد مقسم علیہ کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے یا بعض دفعہ صرف تاکید مقصود ہوتی ہے اور بعض دفعہ مقسم علیہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں قسم کی یہی تیسری قسم ہے۔ آگے جواب قسم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سے جو وعدے کیے جاتے ہیں یقیناً وہ سچے ہیں اور قیامت برپا ہوکر رہے گی جس میں انصاف کیا جائے گا۔ یہ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی کو اٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا اور فرشتوں کا مختلف امور کو سرانجام دینا، قیامت کے وقوع پر دلیل ہے کیونکہ جو ذات یہ سارے کام کرتی ہے جو بظاہر نہایت مشکل اور اسباب عادیہ کے خلاف ہیں، وہی ذات قیامت والے دن تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ بھی کرسکتی ہے۔

[5] دوسرا ترجمہ، حسن و جمال اور زینت و رونق والا کیا گیا ہے، چاند، سورج، کواکب و نجوم، روشن ستارے، اس کی بلندی اور وسعت، یہ سب چیزیں آسمان کی رونق و زینت اور خوب صورتی کا باعث ہیں۔

[6] یعنی اے اہل مکہ! تمھارا کسی بات میں آپس میں اتفاق نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر کو تم میں سے کوئی جادوگر، کوئی شاعر، کوئی کاہن اور کوئی کذاب کہتا ہے۔ اسی طرح کوئی قیامت کی بالکل نفی کرتا ہے، کوئی شک کا اظہار۔ علاوہ ازیں ایک طرف اللہ کے خالق اور رازق ہونے کا اعتراف کرتے ہو، دوسری طرف دوسروں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔

عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝١١ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٢ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝١٣ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٤ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝١٥ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝١٦ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝١٧ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝١٨ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝١٩ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ

باز رکھا جاتا ہے [1] جو پھیر دیا گیا ہو⑨ بے سند باتیں کرنے والے غارت کر دیے گئے⑩ جو غفلت میں ہیں اور بھولے ہوئے ہیں⑪ پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہوگا؟⑫ ہاں یہ وہ دن ہے کہ یہ آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے⑬ [2] اپنی فتنہ پردازی کا مزہ چکھو، [3] یہی ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے⑭ بے شک تقویٰ والے لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے⑮ اُن کے رب نے جو کچھ اُنھیں عطا فرمایا ہے اُسے لے رہے ہوں گے، وہ تو اس سے پہلے ہی نیکوکار تھے⑯ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے⑰ [4] اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے⑱ [5] اور اُن کے مال میں مانگنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا حق تھا⑲ [6] اور یقین والوں کے لیے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں⑳ اور خود تمھاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟㉑ اور تمھاری روزی اور جو

① یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے یا حق سے، یعنی بعث وتوحید سے یا مطلب ہے مذکورہ اختلاف سے وہ شخص پھیر دیا گیا جسے اللہ نے اپنی توفیق سے پھیر دیا، پہلے مفہوم میں ذم ہے، دوسرے میں مدح۔

② ﴿يُفْتَنُوْنَ﴾ کے معنی ہیں: يُحْرَقُوْنَ وَيُعَذَّبُوْنَ جس طرح سونے کو آگ میں ڈال کر جانچا پرکھا جاتا ہے، اسی طرح یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔

③ فتنہ، بمعنی عذاب یا آگ میں جلنا۔

④ هُجُوع کے معنی ہیں: رات کو سونا۔ ﴿مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ میں ﴿مَا﴾ (زائدہ) تاکید کے لیے ہے۔ وہ رات کو کم سوتے تھے، مطلب ہے ساری رات سو کر غفلت اور عیش وعشرت میں نہیں گزار دیتے تھے بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے گزارتے تھے جیسا کہ احادیث میں بھی قیام اللیل کی تاکید ہے، مثلاً: ایک حدیث میں فرمایا: ''لوگو! لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' (مسند أحمد: 451/5)

⑤ وقت سحر قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں۔ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کر دوں۔ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 758)

⑥ ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ سے مراد وہ ضرورت مند ہے جو سوال سے اجتناب کرتا ہے، چنانچہ مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ یا وہ شخص ہے جس کا سب کچھ آفت ارضی وسماوی میں تباہ ہو جائے۔

وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿22﴾ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿23﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿24﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿25﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿26﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿27﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿28﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿29﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿30﴾

تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے ﴿22﴾ [1] آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم! کہ یہ [2] بالکل برحق ہے ایسا ہی جیسے کہ تم باتیں کرتے ہو ﴿23﴾ کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ ﴿24﴾ [3] وہ جب اُن کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جوابِ سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں ﴿25﴾ [4] پھر چپ چاپ جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) فربہ بچھڑا لائے ﴿26﴾ اور اُسے اُن کے پاس رکھا اور کہا: آپ کھاتے نہیں؟ ﴿27﴾ [5] پھر تو دل ہی دل میں اُن سے خوفزدہ ہو گئے، [6] انھوں نے کہا: آپ خوف نہ کیجیے۔ [7] اور اُنھوں نے اُس کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی ﴿28﴾ پس اُن کی بیوی آگے بڑھی اور حیرت [8] میں آکر اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ میں تو بڑھیا ہوں اور ساتھ ہی بانجھ ﴿29﴾ اُنھوں نے کہا: ہاں، تیرے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، بے شک وہ حکیم وعلیم ہے ﴿30﴾ [9]

[1] یعنی بارش بھی آسمان سے ہوتی ہے جس سے تمھارا رزق پیدا ہوتا ہے اور جنت ودوزخ، ثواب وعتاب بھی آسمانوں میں ہے جن کا وعدہ کیا جاتا ہے۔

[2] ﴿اِنَّهٗ﴾ میں ضمیر (یہ) کا مرجع وہ امور وآیات ہیں جو مذکور ہوئیں۔

[3] ﴿هَلْ﴾ استفہام کے لیے ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ کو اس قصے کا علم نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع کیا۔

[4] یہ اپنے جی میں کہا، ان سے خطاب کر کے نہیں کہا۔

[5] یعنی سامنے رکھنے کے باوجود انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھائے تو پوچھا۔

[6] ڈر اس لیے محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے یہ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آنے والے کسی خیر کی نیت سے نہیں بلکہ شر کی نیت سے آئے ہیں۔

[7] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر فرشتوں نے کہا۔

[8] ﴿صَرَّةٍ﴾ کے دوسرے معنی ہیں: چیخ وپکار، یعنی چیختے ہوئے کہا۔

[9] یعنی جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے، یہ ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ تیرے رب نے اسی طرح کہا ہے جس کی ہم تجھے اطلاع کر رہے ہیں، اس لیے اس پر تعجب کی ضرورت ہے نہ شک کرنے کی، اس لیے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿31﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿32﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿33﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿34﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿35﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿36﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

(ابراہیم) نے کہا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو!) تمھارا کیا مقصد ہے؟﴿31﴾[1] اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں﴿32﴾[2] تاکہ ہم اُن پر مٹی کے کنکر برسائیں﴿33﴾[3] جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں، اُن حد سے گزر جانے والوں کے لیے﴿34﴾[4] پس جتنے ایمان دار وہاں تھے ہم نے اُنھیں نکال لیا﴿35﴾[5] اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا﴿36﴾[6] اور وہاں ہم نے اُن کے لیے جو درد ناک عذاب کا ڈر رکھتے ہیں

---

(1) خَطْبٌ شان، قصہ، یعنی اس بشارت کے علاوہ تمھارا اور کیا کام اور مقصد ہے جس کے لیے تمھیں بھیجا گیا ہے۔

(2) اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جن کا سب سے بڑا جرم لواطت تھا۔

(3) برسائیں کا مطلب ہے، ان کنکریوں سے انھیں رجم کر دیں۔ یہ کنکریاں مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ آسمانی اولے نہیں تھے۔

(4) ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ (نامزد یا نشان زدہ) ان کی مخصوص علامت تھی جن سے انھیں پہچان لیا جاتا تھا یا وہ عذاب کے لیے مخصوص تھیں، بعض کہتے ہیں کہ جس کنکری سے جس کی موت واقع ہونی تھی، اس پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا ﴿لِلْمُسْرِفِيْنَ﴾ جو شرک و ضلالت میں بہت بڑھے ہوئے اور فسق و فجور میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(5) یعنی عذاب آنے سے قبل ہم نے ان کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا تاکہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں۔

(6) اور یہ اللہ کے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس میں ان کی دو بیٹیاں اور کچھ ان پر ایمان لانے والے تھے۔ کہتے ہیں یہ کل تیرہ آدمی تھے۔ ان میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں تھی بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ (أیسر التفاسیر) اسلام کے معنی ہیں، اطاعت و انقیاد۔ اللہ کے حکموں پر سر اطاعت خم کر دینے والا مسلم ہے، اس اعتبار سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ اسی لیے پہلے ان کے لیے مومن کا لفظ استعمال کیا اور پھر ان ہی کے لیے مسلم کا لفظ بولا گیا ہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے مصداق میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ مومن اور مسلم کے درمیان کرتے ہیں۔ قرآن نے جو کہیں مومن اور کہیں مسلم کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ ان معانی کے اعتبار سے ہے جو عربی لغت کی رو سے ان کے درمیان ہے، اس لیے لغوی استعمال کے مقابلے میں حقیقت شرعیہ کا اعتبار زیادہ ضروری ہے اور حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے ان کے درمیان صرف وہی فرق ہے جو حدیث جبرائیل علیہ السلام سے ثابت ہے۔ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی شہادت، اقامت صلاۃ، ایتائے زکاۃ، حج اور صیام رمضان۔'' اور جب ایمان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا، اس کے ملائکہ، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور تقدیر (خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا۔'' یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین رکھنا ایمان اور احکام و فرائض کی ادائیگی اسلام ہے۔ اس لحاظ سے ہر مومن، مسلمان ہے۔ (فتح القدیر) یہاں قرآن نے ایک ہی گروہ کے لیے مومن اور مسلم کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ گروہ مومنوں کا تھا اور مومنوں پر مسلمین کا اطلاق صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں تھا کہ ہر مسلم مومن بھی ہے۔ (ابن کثیر) بہرحال یہ ایک علمی بحث ہے۔ فریقین کے پاس اپنے اپنے موقف پر استدلال کے لیے دلائل موجود ہیں۔

الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿37﴾ وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿38﴾ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿39﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿40﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿41﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿42﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿43﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿44﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿45﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿46﴾ ع 2/23

ایک (کامل) علامت چھوڑی﴿37﴾ [1] موسیٰ (کے قصے) میں (بھی ہماری طرف سے تنبیہ ہے) کہ ہم نے اُسے فرعون کی طرف کھلی دلیل دے کر بھیجا﴿38﴾ پس اُس نے اپنے بل بوتے پر منہ موڑا [2] اور کہنے لگا: یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے﴿39﴾ بالآخر ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو اپنے عذاب میں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا، وہ تھا ہی ملامت کے قابل﴿40﴾ [3] اسی طرح عادیوں میں [4] بھی (ہماری طرف سے تنبیہ ہے) جب کہ ہم نے اُن پر خیر و برکت سے خالی [5] آندھی بھیجی﴿41﴾ وہ جس جس چیز پر گرتی تھی اُسے بوسیدہ ہڈی کی طرح (چورا چورا) کر دیتی تھی﴿42﴾ [6] اور ثمود (کے قصے) میں بھی (عبرت) ہے جب اُن سے کہا گیا کہ تم کچھ دنوں تک فائدہ اٹھالو﴿43﴾ [7] لیکن اُنھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی جس پر اُنھیں اُن کے دیکھتے دیکھتے (تیز و تند) کڑاکے [8] نے ہلاک کر دیا﴿44﴾ پس نہ تو وہ کھڑے ہو سکے [9] اور نہ بدلہ لے سکے﴿45﴾ [10] اور نوح کی قوم کا بھی اس سے پہلے (یہی حال ہو چکا تھا) وہ بھی بڑے نافرمان لوگ تھے﴿46﴾ [11]

---

[1] یہ آیت یا کامل علامت وہ آثار عذاب ہیں جو ان ہلاک شدہ بستیوں میں ایک عرصے تک باقی رہے۔ اور یہ علامت بھی انھی کے لیے ہے جو عذاب الٰہی سے ڈرنے والے ہیں کیونکہ وعظ و نصیحت کا اثر بھی وہی قبول کرتے اور آیات میں غور و فکر بھی وہی کرتے ہیں۔

[2] جانب اقویٰ کو رُکن کہتے ہیں۔ یہاں مراد اس کی اپنی قوت اور لشکر ہے۔

[3] یعنی اس کے کام ہی ایسے تھے کہ جن پر وہ ملامت ہی کا مستحق تھا۔

[4] أَيْ تَرَكْنَا فِي قِصَّةِ عَادٍ آيَةً یعنی عاد کے قصے میں بھی ہم نے نشانی چھوڑی۔

[5] ﴿الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ (بانجھ ہوا) جس میں خیر و برکت نہیں تھی، وہ ہوا درختوں کو ثمر آور کرنے والی تھی نہ بارش کی پیامبر بلکہ صرف ہلاکت اور عذاب کی ہوا تھی۔

[6] یہ اس ہوا کی تاثیر تھی جو قوم عاد پر بطور عذاب بھیجی گئی تھی۔ یہ تند و تیز ہوا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا......﴾ الآیة (الحآقة 7:69)

[7] یعنی جب انھوں نے اپنے ہی طلب کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا تو ان کو کہہ دیا گیا کہ اب تین دن اور تم دنیا کے مزے لوٹ لو، تین دن کے بعد تم ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اسے حضرت صالح علیہ السلام کی ابتدائے نبوت کا قول قرار دیا ہے۔ الفاظ اس مفہوم کے بھی متحمل ہیں بلکہ سیاق سے یہی معنی زیادہ قریب ہیں۔

[8] یہ ﴿الصّٰعِقَةُ﴾ (کڑاکا) آسمانی چیخ تھی اور اس کے ساتھ نیچے سے رَجْفَةٌ (زلزلہ) تھا جیسا کہ سورۂ اعراف 78:7 میں ہے۔

[9] چہ جائیکہ وہ بھاگ سکیں۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿47﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿48﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿49﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿50﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿51﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿52﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿53﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿54﴾

آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا ہے[1] اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں﴿47﴾[2] اور زمین کو ہم نے فرش بنا دیا ہے۔[3] پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں﴿48﴾ اور ہر چیز کو ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے[4] تاکہ تم نصیحت حاصل کرو﴿49﴾[5] پس تم اللہ کی طرف دوڑ بھاگ کرو،[6] یقیناً میں تمھیں اُس کی طرف سے صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں﴿50﴾ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ بے شک میں تمھیں اُس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں﴿51﴾[7] اسی طرح جو لوگ اُن سے پہلے گزرے ہیں اُن کے پاس جو بھی رسول آیا اُنھوں نے کہہ دیا کہ یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے﴿52﴾ کیا یہ اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے ہیں۔[8] (نہیں) بلکہ یہ سب کے سب سرکش ہیں﴿53﴾[9] تو آپ اُن سے منہ پھیر لیں آپ پر کوئی ملامت نہیں﴿54﴾

⑩ یعنی اللہ کے عذاب سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے۔

⑪ قوم نوح، عاد، فرعون اور ثمود وغیرہ سے بہت پہلے گزری ہے۔ اس نے بھی اطاعت الٰہی کی بجائے اس کی بغاوت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ بالآخر اسے طوفان میں ڈبو دیا گیا۔

① ﴿السَّمَآءَ﴾ منصوب ہے بَنَيْنَا محذوف کی وجہ سے۔ بَنَيْنَا السَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا۔

② یعنی آسمان پہلے ہی بہت وسیع ہے لیکن ہم اس کو اس سے بھی زیادہ وسیع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یا آسمان سے بارش برسا کر روزی کشادہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں یا مُوسِعٌ کو وُسْعٌ سے قرار دیا جائے (طاقت وقدرت رکھنے والے) تو مطلب ہوگا کہ ہمارے اندر اس جیسے اور آسمان بنانے کی بھی طاقت وقدرت موجود ہے۔ ہم آسمان وزمین بنا کر تھک نہیں گئے ہیں بلکہ ہماری قدرت وطاقت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

③ یعنی فرش کی طرح اسے بچھا دیا ہے۔

④ یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا، نر اور مادہ یا اس کی مقابل اور ضد کو بھی پیدا کیا ہے، جیسے روشنی اور اندھیرا، خشکی اور تری، چاند اور سورج، میٹھا اور کڑوا، رات اور دن، خیر اور شر، زندگی اور موت، ایمان اور کفر، شقاوت اور سعادت، جنت اور دوزخ، جن وانس وغیرہ حتیٰ کہ حیوانات (جاندار) کے مقابل، جمادات (بے جان)، اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کا بھی جوڑا ہو، یعنی آخرت، دنیا کے بالمقابل دوسری زندگی۔

⑤ یہ جان لو کہ ان سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

⑥ یعنی کفر ومعصیت سے توبہ کر کے فوراً بارگاہ الٰہی میں جھک جاؤ، اس میں تاخیر مت کرو۔

⑦ یعنی میں تمھیں کھول کھول کر ڈرا رہا اور تمھاری خیر خواہی کر رہا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک مت کرو۔ ایسا کرو گے تو یاد رکھنا، جنت کی نعمتوں سے

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿55﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿56﴾ مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿57﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿58﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿59﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿60﴾

76

ع 3/14/2

اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان داروں کو نفع دے گی﴿55﴾[1] میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں﴿56﴾[2] نہ میں اُن سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ یہ مجھے کھلائیں﴿57﴾[3] اللہ تو خود ہی سب کا روزی رساں قوت والا اور زور آور ہے﴿58﴾ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُنھیں بھی اُن کے ساتھیوں کے حصہ کے مثل حصہ ملے گا،[4] لہٰذا وہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں﴿59﴾[5] پس تباہی ہے کافروں کے لیے اُس دن (کے آنے) سے جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے﴿60﴾

ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاؤ گے۔

(8) یعنی ہر بعد میں آنے والی قوم نے اس طرح رسولوں کی تکذیب کی اور انھیں جادوگر اور دیوانہ قرار دیا، جیسے پچھلی قومیں بعد میں آنے والی قوموں کے لیے وصیت کر کے جاتی رہی ہیں۔ یکے بعد دیگرے ہر قوم نے یہی تکذیب کا راستہ اختیار کیا۔

(9) یعنی ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی بلکہ ہر قوم ہی اپنی اپنی جگہ سرکش ہے، اس لیے ان سب کے دل بھی متشابہ ہیں اور ان کے طور اطوار بھی ملتے جلتے، اس لیے متاخرین نے بھی وہی کچھ کہا اور کیا جو متقدمین نے کہا اور کیا۔

(1) اس لیے کہ نصیحت سے فائدہ انھیں کو پہنچتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، اس نصیحت سے وہ لوگ یقیناً فائدہ اٹھائیں گے جن کی بابت اللہ کے علم میں ہے کہ وہ ایمان لائیں گے۔

(2) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارادۂ شرعیہ تکلیفیہ کا اظہار ہے جو اس کو محبوب و مطلوب ہے کہ تمام انس و جن صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اطاعت بھی اسی ایک کی کریں۔ اگر اس کا تعلق ارادۂ تکوینی سے ہوتا، پھر تو کوئی انس و جن اللہ کی عبادت و اطاعت سے انحراف کی طاقت ہی نہ رکھتا، یعنی اس میں انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاد دہانی کرائی گئی ہے جسے اگر انھوں نے فراموش کیے رکھا تو آخرت میں سخت باز پرس ہوگی اور وہ اس امتحان میں ناکام قرار پائیں گے جس میں اللہ نے ان کو ارادہ و اختیار کی آزادی دے کر ڈالا ہے۔

(3) یعنی میری عبادت و اطاعت سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ یہ مجھے کما کر کھلائیں جیسا کہ دوسرے آقاؤں کا مقصود ہوتا ہے بلکہ رزق کے سارے خزانے تو خود میرے ہی پاس ہیں میری عبادت و اطاعت سے تو خود ان ہی کو فائدہ ہوگا کہ ان کی آخرت سنور جائے گی نہ کہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا۔

(4) ﴿ذَنُوْبِ﴾ کے معنی ڈول کے ہیں۔ کنویں سے ڈول میں پانی نکال کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ڈول کو حصے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ ظالموں کو عذاب سے حصہ پہنچے گا، جس طرح اس سے پہلے کفر و شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو ان کے عذاب کا حصہ ملا تھا۔

(5) لیکن یہ حصۂ عذاب انھیں کب پہنچے گا، یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے طلب عذاب میں جلدی نہ کریں۔

اٰيَاتُهَا 49 (52) سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ (76) رُكُوْعَاتُهَا 2	سورۂ طور مکی ہے،اس میں 49 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ﴿1﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿2﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿3﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿4﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿5﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿6﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿7﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ﴿8﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿9﴾ وَّتَسِيْرُ

قسم ہے طور کی! ﴿1﴾ [1] اور لکھی ہوئی کتاب کی ﴿2﴾ [2] جو جھلی کے کھلے ہوئے ورق میں ہے ﴿3﴾ [3] اور آباد گھر کی ﴿4﴾ [4] اور اونچی چھت کی ﴿5﴾ [5] اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی ﴿6﴾ [6] بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہنے والا ہے ﴿7﴾ اُسے کوئی روکنے والا نہیں ﴿8﴾ [7] جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا ﴿9﴾ [8] اور پہاڑ

---

① طور وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ اسے طور سینا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ نے اس کے اسی شرف کی بنا پر اس کی قسم کھائی ہے۔

② ﴿مَّسْطُوْرٍ﴾ کے معنی ہیں: مکتوب، لکھی ہوئی چیز۔ اس کے مصداق مختلف بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن مجید، لوح محفوظ، تمام کتب منزلہ یا وہ انسانی عمل نامے جو فرشتے لکھتے ہیں۔

③ یہ متعلق ہے ﴿مَّسْطُوْرٍ﴾ کے۔ ﴿رَقٍّ﴾ وہ باریک چمڑا جس پر لکھا جاتا تھا۔ ﴿مَّنْشُوْرٍ﴾ بمعنی مَبْسُوطٌ پھیلا یا کھلا ہوا۔

④ یہ بیت معمور ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے جس میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت خانہ فرشتوں سے اس طرح بھرا ہوتا ہے کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے آتے ہیں جن کی پھر دوبارہ قیامت تک باری نہیں آتی جیسا کہ احادیث معراج میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض بیت معمور سے مراد خانہ کعبہ لیتے ہیں جو عبادت کے لیے آنے والے انسانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ معمور کے معنی ہی آباد اور بھرے ہوئے کے ہیں۔

⑤ اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے ''محفوظ چھت'' کہا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○﴾ (الأنبيآء 32:21) ''آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم ہی نے بنایا ہے لیکن لوگ اس کی قدرت کے نمونوں پر دھیان ہی نہیں دھرتے۔'' بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔

⑥ ﴿الْمَسْجُوْرِ﴾ کے معنی ہیں: بھڑکائے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد سمندر ہیں، ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی، جیسے فرمایا: ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○﴾ (التكوير 6:81) ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے۔'' امام شوکانی نے اسی مفہوم کو اولیٰ قرار دیا ہے اور بعض نے مسجور کے معنی مملوء (بھرے ہوئے) کے لیے ہیں، یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے، البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں، امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

⑦ یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے، یعنی یہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی مظہر ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کا وہ عذاب

الْجِبَالُ سَيْرًا ⑩ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑫ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑬ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ⑭ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑮ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑲ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ

چلنے پھرنے لگیں گے ⑩ اُس دن جھٹلانے والوں کی (پوری) خرابی ہے ⑪ جو اپنی بیہودہ گوئی میں اُچھل کود کر رہے ہیں ⑫ [1] جس دن وہ دھکے دے دے کر [2] آتشِ جہنم کی طرف لائے جائیں گے ⑬ یہی وہ آتشِ دوزخ ہے جسے تم جھوٹ بتلاتے تھے ⑭ [3] (اب بتاؤ) کیا یہ جادو ہے؟ [4] یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو ⑮ [5] جاؤ دوزخ میں اب تمھارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمھارے لیے یکساں ہے۔ تمھیں فقط تمھارے کیے کا بدلہ دیا جائے گا ⑯ یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں ⑰ [6] جو انھیں اُن کے رب نے دے رکھی ہیں۔ اُس پر خوش خوش ہیں، [7] اور اُن کے پروردگار نے اُنھیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے ⑱ تم مزے سے کھاتے پیتے رہو اُن اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے ⑲ [8] برابر بچھے ہوئے شاندار تختوں پر تکیے لگائے ہوئے [9] اور ہم اُن کے نکاح گوری گوری

بھی یقیناً واقع ہو کر رہے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، اسے کوئی ٹالنے پر قادر نہیں ہوگا۔

⑧ ﴿مَوْرًا﴾ کے معنی ہیں: حرکت و اضطراب۔ قیامت والے دن آسمان کے نظم میں جو اختلال اور کواکب و سیارگان کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے جو اضطراب واقع ہوگا، اس کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ مذکورہ عذاب کے لیے ظرف ہے، یعنی یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جب آسمان تھرتھرائے گا اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ کر روئی کے گالوں اور ریت کے ذروں کی طرح اڑ جائیں گے۔

① یعنی اپنے کفر و باطل میں مصروف اور حق کی تکذیب و استہزا میں لگے ہوئے ہیں۔

② ﴿دَعًّا﴾ کے معنی ہیں نہایت سختی کے ساتھ دھکیلنا۔

③ یہ جہنم پر مقرر فرشتے (زبانیہ) انھیں کہیں گے۔

④ جس طرح تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر کہا کرتے تھے، بتلاؤ! کیا یہ بھی کوئی جادو کا کرتب ہے۔

⑤ یا جس طرح تم دنیا میں حق کے دیکھنے سے اندھے تھے، یہ عذاب بھی تمھیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ یہ تقریع و توبیخ کے لیے انھیں کہا جائے گا ورنہ ہر چیز ان کے مشاہدے میں آ چکی ہوگی۔

⑥ اہل کفر و اہل شقاوت کے بعد اہل ایمان و اہل سعادت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

⑦ یعنی جنت کے گھر، لباس، کھانے، سواریاں، حسین و جمیل بیویاں (حور عین) اور دیگر نعمتیں ان سب پر وہ خوش ہوں گے کیونکہ یہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوں گی اور «مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ» (صحيح البخاري، حديث: 4779) ''جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا ہے۔'' کا مصداق۔

⑧ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝﴾ (الحآقة 24:69) ''مزے سے کھاؤ

عِيْنٍ ﴿20﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿21﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿22﴾

بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے کر دیں گے ﴿20﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم اُن کی اولاد کو اُن تک پہنچا دیں گے اور اُن کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے،[1] ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے ﴿21﴾[2] ہم اُن کے لیے میوے اور مرغوب گوشت کی ریل پیل کر دیں گے ﴿22﴾[3]

پیو! ان اعمال کے بدلے جو تم نے گذشتہ زمانے میں کیے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بہت ضروری ہیں۔

(9) ﴿مَّصْفُوْفَةٍ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے، گویا وہ ایک صف ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے چہرے ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جیسے میدان جنگ میں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس مفہوم کو قرآن میں دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ﴿عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 44:37) ''ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر فروکش ہوں گے۔''

(1) یعنی جن کے باپ اپنے اخلاص وتقویٰ اور عمل وکردار کی بنیاد پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے بھی درجے بلند کر کے ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ان کے باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد والے کمتر درجوں میں انھیں لے آئے، یعنی اہل ایمان پر دوگونہ احسان فرمائے گا۔ ایک تو باپ بیٹوں کو آپس میں ملا دے گا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بشرطیکہ دونوں ایماندار ہوں۔ دوسرا یہ کہ کم تر درجے والوں کو اٹھا کر اونچے درجوں پر فائز فرما دے گا ورنہ دونوں کے ملاپ کا یہ طریقہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے کلاس والوں کو بی کلاس دے دے، یہ بات چونکہ اس کے فضل واحسان سے فروتر ہوگی، اس لیے وہ ایسا نہیں کرے گا بلکہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا فرمائے گا۔ یہ تو اللہ کا وہ احسان ہے جو اولاد پر آباء کے عملوں کی برکت سے ہوگا اور حدیث میں آتا ہے: ''اولاد کی دعا واستغفار سے آباء کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے ایک شخص کے جب جنت میں درجے بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ سے اس کا سبب پوچھتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تیری اولاد کی تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔'' (مسند أحمد: 509/2) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے: ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، البتہ تین چیزوں کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے: ایک صدقہ جاریہ، دوسری: وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں اور تیسری: نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1631)

(2) ﴿رَهِيْنٌ﴾ بمعنی مَرْھُوْنٌ (گروی شدہ چیز) ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہوگا۔ یہ عام ہے، مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور مطلب ہے کہ جو جیسا (اچھا یا برا) عمل کرے گا، اس کے مطابق (اچھی یا بری) جزا دیا جائے گا۔ یا اس سے مراد صرف کافر ہیں کہ وہ اپنے اعمال میں گرفتار ہوں گے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝﴾ (المدثر 39,38:74) ''ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہوگا۔ سوائے اصحاب الیمین (اہل ایمان) کے۔''

(3) ﴿اَمْدَدْنٰهُمْ﴾ بمعنی زِدْنَاھُم، یعنی خوب دیں گے۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿23﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿24﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿25﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿26﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿27﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿28﴾ ع 1/28/3 فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿29﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿30﴾

(خوش طبعی کے ساتھ) ایک دوسرے سے جام (شراب) کی چھینا جھپٹی کریں گے،[1] جس (شراب کے سُرور) میں نہ تو بیہودہ گوئی ہوگی نہ گناہ ﴿23﴾[2] اور اُن کے اردگرد اُن کے نوعمر غلام چل پھر رہے ہوں گے، گویا کہ وہ موتی تھے جو ڈھکے رکھے تھے ﴿24﴾[3] اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے ﴿25﴾[4] کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں میں بہت ڈرا کرتے تھے ﴿26﴾[5] پس اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا ﴿27﴾[6] ہم اس سے پہلے ہی اُس کی عبادت کیا کرتے تھے،[7] بے شک وہ محسن اور مہربان ہے ﴿28﴾ تو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں نہ دیوانے ﴿29﴾[8] کیا کافر یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اُس پر زمانے کے حوادث (موت) کا انتظار کر رہے ہیں ﴿30﴾[9]

---

① ﴿ يَتَنَازَعُوْنَ ﴾ يَتَعَاطَوْنَ وَ يَتَنَاوَلُوْنَ ایک دوسرے سے لیں گے۔ یا پھر وہ معنی ہیں جو فاضل مترجم نے کیے ہیں۔ ﴿ كَاْسًا ﴾ اس پیالے اور جام کو کہتے ہیں جو شراب یا کسی اور مشروب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی برتن کو كَاْسٌ نہیں کہتے۔ (فتح القدیر)

② اس شراب میں دنیا کی شراب کی تاثیر نہیں ہوگی، اسے پی کر نہ کوئی بہکے گا کہ لغو گوئی کرے نہ اتنا مدہوش اور مست ہوگا کہ گناہ کا ارتکاب کرے۔

③ یعنی جنتیوں کی خدمت کے لیے انھیں نوعمر خادم بھی دیے جائیں گے جو ان کی خدمت کے لیے پھر رہے ہوں گے اور حسن و جمال اور صفائی و رعنائی میں وہ ایسے ہوں گے جیسے موتی، جسے ڈھک کر رکھا گیا ہوتا کہ ہاتھ لگنے سے اس کی چمک دمک ماند نہ پڑے۔

④ ایک دوسرے سے دنیا کے حالات پوچھیں گے کہ دنیا میں وہ کن حالات میں زندگی گزارتے اور ایمان و عمل کے تقاضے کس طرح پورے کرتے رہے؟

⑤ یعنی اللہ کے عذاب سے، اس لیے اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے رہے، اس لیے کہ انسان کو جس چیز کا ڈر ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ تگ و دو بھی کرتا ہے۔

⑥ ﴿ السَّمُوْمِ ﴾ لُو، جھلس ڈالنے والی گرم ہوا کو کہتے ہیں، جہنم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

⑦ یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذاب جہنم سے بچنے کے لیے دعا کرتے تھے۔

⑧ اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ وعظ و تبلیغ اور نصیحت کا کام کرتے رہیں اور یہ آپ کی بابت جو کچھ کہتے رہتے ہیں، ان کی طرف کان نہ دھریں، اس لیے کہ آپ اللہ کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانے (جیسا کہ یہ کہتے ہیں) بلکہ آپ پر باقاعدہ ہماری طرف سے وحی آتی ہے جو کہ کاہن پر نہیں آتی، آپ جو کلام لوگوں کو سناتے ہیں، وہ دانش و بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، ایک دیوانے

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿31﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿32﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿34﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿35﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿37﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ

کہہ دیجیے کہ تم منتظر رہو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿31﴾ [1] کیا اُن کی عقلیں اُنھیں یہی سکھاتی ہیں؟ [2] یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش ﴿32﴾ [3] کیا یہ کہتے ہیں کہ اُس نبی نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ﴿33﴾ [4] اچھا! اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اُس جیسی ایک (ہی) بات یہ (بھی) تو لے آئیں ﴿34﴾ [5] کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ [6] یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ ﴿35﴾ [7] کیا اُنھوں نے ہی آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہ کرنے والے لوگ ہیں ﴿36﴾ [8] یا کیا اُن کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں؟ [9] یا (اُن خزانوں کے) یہ داروغہ ہیں؟ ﴿37﴾ [10] یا کیا اُن کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر) وہ اچھی طرح سن لیتے ہیں؟ [11] (اگر ایسا ہے) تو اُن کا سننے والا کوئی

سے اس طرح گفتگو کیوں کر ممکن ہے۔

⑨ ﴿رَیْبَ﴾ کے معنی ہیں: حوادث، ﴿الْمَنُوْنِ﴾ موت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مطلب ہے کہ قریش مکہ اس انتظار میں ہیں کہ زمانے کے حوادث سے شاید اس (محمد ﷺ) کو موت آ جائے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے جو اس کی دعوت توحید نے ہم سے چھین لیا ہے۔

① یعنی دیکھو! موت پہلے کسے آتی ہے۔ اور ہلاکت کس کا مقدر بنتی ہے۔

② یعنی یہ تیرے بارے میں جو اس طرح اناپ شناپ جھوٹ اور غلط سلط باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سجھاتی ہیں؟

③ نہیں بلکہ یہ سرکش اور گمراہ لوگ ہیں اور یہی سرکشی اور گمراہی انھیں ان باتوں پر برانگیختہ کرتی ہے۔

④ یعنی قرآن گھڑنے کے الزام پر ان کو آمادہ کرنے والا بھی ان کا کفر ہی ہے۔

⑤ یعنی اگر یہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا اپنا گھڑا ہوا ہے تو پھر یہ بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش کر دیں جو نظم، اعجاز و بلاغت، حسن بیان، ندرت اسلوب، تعیین حقائق اور حل مسائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

⑥ یعنی اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ انھیں کسی بات کا حکم دے یا کسی بات سے منع کرے لیکن جب ایسا نہیں ہے بلکہ انھیں ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے تو ظاہر ہے اس کا انھیں پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے، وہ انھیں پیدا کر کے یوں ہی کس طرح چھوڑ دے گا؟

⑦ یعنی یہ خود بھی اپنے خالق نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔

⑧ بلکہ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔

⑨ کہ یہ جس کو چاہیں روزی دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں یا جس کو چاہیں نبوت سے نوازیں۔

مُّبِيْنٍ ﴿38﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿39﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿40﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿41﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿42﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿43﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿44﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿45﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿46﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿47﴾ وَاصْبِرْ

روشن دلیل پیش کرے ﴿38﴾ کیا اللہ کی تو سب لڑکیاں ہیں اور تمھارے ہاں لڑکے ہیں؟ ﴿39﴾ کیا تو اُن سے کوئی اُجرت طلب کرتا ہے کہ یہ اُس کے تاوان سے بوجھل ہو رہے ہیں؟ ﴿40﴾[1] کیا اُن کے پاس علم غیب ہے جسے یہ لکھ لیتے ہیں؟ ﴿41﴾[2] کیا یہ لوگ کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں؟[3] تو یقین کر لیں کہ چال میں آنے والے کافر ہی ہیں ﴿42﴾[4] کیا اللہ کے سوا اُن کا کوئی معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) اللہ اُن کے شرک سے پاک ہے ﴿43﴾ اگر یہ لوگ آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے ﴿44﴾[5] پس تو اُنھیں چھوڑ دے یہاں تک کہ اُنھیں اُس دن سے سابقہ پڑے جس میں یہ بے ہوش کر دیے جائیں گے ﴿45﴾ جس دن اُنھیں اُن کا مکر کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے ﴿46﴾ بے شک ظالموں کے لیے اُس کے علاوہ اور عذاب بھی[6] ہیں لیکن اُن لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں ﴿47﴾[7] تو

﴿10﴾ ﴿اَلْمُصَيْطِرُ﴾ یا مُسَيْطِرٌ، سَطْرٌ سے ہے، لکھنے والا، جو محافظ و نگران ہو، وہ چونکہ ساری تفصیلات لکھتا ہے، اس لیے یہ محافظ اور نگران کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کیا اللہ کے خزانوں یا اس کی رحمتوں پر ان کا تسلط ہے کہ جس کو چاہیں دیں یا نہ دیں۔

﴿11﴾ یعنی کیا یہ ان کا دعویٰ ہے کہ سیڑھی کے ذریعے سے یہ بھی محمد ﷺ کی طرح آسمانوں پر جا کر ملائکہ کی باتیں یا ان کی طرف جو وحی کی جاتی ہے، وہ سن آئے ہیں۔

﴿1﴾ یعنی اس کی ادائیگی ان کے لیے مشکل ہو۔

﴿2﴾ کہ ضرور ان سے پہلے محمد ﷺ مر جائیں گے اور ان کو موت اس کے بعد آئے گی۔

﴿3﴾ یعنی ہمارے پیغمبر کے ساتھ، جس سے اس کی ہلاکت واقع ہو جائے۔

﴿4﴾ یعنی کید و مکر ان ہی پر الٹ پڑے گا اور سارا نقصان انھی کو ہوگا، جیسے فرمایا: ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ (فاطر 43:35) ''اور بری تدبیر والوں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔'' چنانچہ بدر میں یہ کافر مارے گئے اور بھی بہت سی جگہوں پر ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے۔

﴿5﴾ مطلب ہے کہ اپنے کفر و عناد سے پھر بھی باز نہ آئیں گے بلکہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ عذاب نہیں بلکہ ایک پر ایک بادل چڑھا آ رہا ہے جیسا کہ بعض موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔

﴿6﴾ یعنی دنیا میں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾ (السجدة 21:32) ''بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو چھوٹا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔''

﴿7﴾ اس بات سے کہ دنیا کے یہ عذاب اور مصائب اس لیے ہیں تاکہ انسان اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہ نکتہ چونکہ نہیں سمجھتے، اس

لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿48﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿49﴾

اٰيَاتُهَا 62 (53) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ (23) رُكُوْعَاتُهَا 3	سورۂ نجم مکی ہے، اس میں 62 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿1﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿2﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿3﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ

اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اُٹھے [1] اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر ﴿48﴾ اور رات کو بھی اُس کی تسبیح پڑھ [2] اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی ﴿49﴾ [3]

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! ﴿1﴾ [4] کہ تمھارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے ﴿2﴾ [5] اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں ﴿3﴾ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری

لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ ”منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا۔“ (سنن أبي داود، حديث: 3089)

[1] اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں: جب نماز کے لیے کھڑے ہوں جیسا کہ آغاز نماز میں: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ...... الخ» پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں: جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں، جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کسی مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ» (جامع الترمذي، حديث: 3433) ”اے اللہ! تو پاک ہے اور تیرے ہی لیے تعریف ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے معافی اور توبہ کا طلبگار ہوں۔“

[2] اس سے مراد قیام اللیل، یعنی نماز تہجد ہے، جو عمر بھر نبی ﷺ کا معمول رہا۔

[3] أَيْ وَقْتَ إِدْبَارِهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ۔ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں، نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے۔ (صحيح البخاري، حديث: 1169) اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”فجر کی دو سنتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔“ (صحيح مسلم، حديث: 725، وجامع الترمذي، حديث: 416)

ﷺ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا، تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے، سب نے سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے، اس نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا، چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4863) بعض طرق میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ ﷺ کے سامنے کی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 1073) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

يُّوْحٰى ﴿4﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ﴿5﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى ﴿6﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ﴿7﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿8﴾

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿9﴾ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴿10﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿11﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

جاتی ہے ④ [1] اُسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے ⑤ جو زور آور ہے [2] پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا ⑥ اور وہ بُلند آسمان کے کناروں پر تھا ⑦ [3] پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا ⑧ [4] پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلے پر گیا بلکہ اس سے بھی کم ⑨ [5] پس اُس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی [6] جو بھی پہنچائی ⑩ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا ⑪ [7] کیا تم جھگڑا کرتے ہو

④ بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم۔ ﴿هَوٰى﴾ اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

⑤ یہ جواب قسم ہے۔ ﴿صَاحِبُكُمْ﴾ (تمھارا ساتھی) کہہ کر نبی ﷺ کی صداقت کو واضح تر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمھارے ساتھ اور تمھارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمھارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمھارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت: راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت: وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہہ بیان فرمائی۔

① یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحیِ الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ (جامع الترمذي، حديث: 1990) اسی طرح حالت غضب میں آپ ﷺ کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ ﷺ کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی۔ (سنن أبي داود، حديث: 3646)

② اس سے مراد جبرائیل فرشتہ ہے جو قوی اعضاء کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

③ یعنی جبرائیل، یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

④ یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی ﷺ کے قریب ہوئے۔

⑤ بعض نے ترجمہ کیا ہے: دو ہاتھوں کے بقدر، یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقع پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔

⑥ یعنی جبرائیل علیہ السلام اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے، وہ انھوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔

⑦ یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا، اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ⑳ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ㉑ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒ اِنْ

اُس پر جو وہ (پیغمبر) دیکھتے ہیں؟⑫ اُسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا⑬ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس⑭[1] اُسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے⑮[2] جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھا رہی تھی⑯[3] نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی⑰[4] یقیناً اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں⑱[5] کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا⑲ اور منات تیسرے گھٹیا کو⑳[6] کیا تمھارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں؟㉑[7] یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے㉒[8] دراصل

① یہ لَیْلَةُ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، اس کا بیان ہے۔ یہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے، اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی یہیں سے وصول کرتے ہیں۔

② اسے ﴿جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا، بعض کہتے ہیں کہ روحیں یہاں آ کر جمع ہوتی ہیں۔(فتح القدیر)

③ ﴿سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا، سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے، فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔ (ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی ﷺ کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہوگا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 173) مغفرت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ یا تو ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر کے جنت میں بھیج دے گا یا پھر سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا دائمی ٹھکانا بالآخر جنت ہی ہے بشرطیکہ شرک سے وہ پاک ہو۔

④ یعنی نبی ﷺ کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ (أیسر التفاسیر)

⑤ جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات میں معراج کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے، اس لیے قرآن فہمی کے لیے احادیث صحیحہ سے استفادہ ناگزیر ہے، چنانچہ معراج کی جو تفصیل احادیث میں بیان ہوئی ہے، اس پر ایمان رکھنا اور اسے ان آیات کی توضیح و تشریح سمجھنا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات۔ ایک تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دارالسلام)

⑥ یہ مشرکین کی توبیخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی تو یہ شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے، محمد رسول اللہ ﷺ جیسے اس کے رسول ہیں، جنھیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔ کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں۔ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے: لَاتَ بعض کہتے ہیں کہ مشرکین اپنے بتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے نام مشتق کرتے تھے اور لَات کو لفظ اللہ سے مشتق کیا ہے۔ بعض کے نزدیک لَاتَ یَلِیْتُ سے ہے۔ جس کے معنی موڑنے کے ہیں، پجاری اپنی گردنیں

هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿23﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿24﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے اُن کے رکھ لیے ہیں، اللہ نے اُن کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے﴿23﴾ کیا ہر شخص جو آرزو کرے اُسے میسر ہے؟﴿24﴾[1] اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان

اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے، اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ﴿اللّٰتَ﴾ میں تا مشدد ہے۔ لَتَّ يَلُتُّ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا، جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا، پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔ یہ طائف میں بنو ثَقِیف کا سب سے بڑا بت تھا۔ ﴿الْعُزّٰى﴾ کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِيزٌ سے ماخوذ ہے اور یہ اَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزِيْزَةٌ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ابیض تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ ﴿مَنٰوةَ﴾ مَنَى يَمْنِي سے ہے جس کے معنی صَبَّ (بہانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا۔ (فتح القدير) یہ قُدَيْد کے بالمقابل مُشَلَّل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس بت کا طواف بھی کرتے تھے۔ (أيسر التفاسير و ابن كثير) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروا دیں، ان درختوں کو کٹوا دیا جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی وغیرہم رضی اللہ عنہم کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انھوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن كثير) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ محمد رحمہ اللہ بن عبدالوہاب کو توفیق دی، انھوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبدالعزیز رحمہ اللہ والیٔ نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کا احیاء فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی ''مزار'' ''دربار'' یا ''آستانہ'' ہے جس کی پرستش کی جاتی ہو، جس طرح کہ اکثر اسلامی ممالک میں ''قبر پرستی'' کی شکل میں شرک، کے مظاہر عام ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى

⑦ مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

⑧ ﴿ضِيْزٰى﴾ حق و صواب سے ہٹی ہوئی۔

① یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انھیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

وَالْاُوْلٰى ﴿25﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿26﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿27﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿28﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿29﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿30﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿31﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

اور وہ جہان ﴿25﴾ [1] اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے ﴿26﴾ [2] بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں ﴿27﴾ حالانکہ اُنھیں اُس کا کوئی علم نہیں، وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بے شک وہم (وگمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا ﴿28﴾ تو آپ اُس سے منہ موڑ لیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگانیٔ دنیا کے اور کچھ نہ ہو ﴿29﴾ یہی اُن کے علم کی انتہا ہے۔ آپ کا رب اُس سے خوب واقف ہے جو اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اُس سے بھی جو راہ یافتہ ہے ﴿30﴾ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تا کہ اللہ برے عمل کرنے والوں کو اُن کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ عنایت فرمائے ﴿31﴾ [3] اُن لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی، [4]

① یعنی وہی ہوگا جو وہ چاہے گا کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

② یعنی فرشتے جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے، ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انھی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا، جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی۔ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو، نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا جبکہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔

③ یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے اور ﴿لِيَجْزِيَ﴾ کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔ (فتح القدیر)

④ ﴿كَبٰٓئِرَ﴾ كَبِيرَةٌ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن وحدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار ودوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علماء نے انھیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے، جیسے کتاب الکبائر للذہبی اور الزواجر وغیرہ ﴿الْفَوَاحِشَ﴾ فَاحِشَةٌ

وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿32﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿33﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿34﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿35﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿36﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ

سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔ [1] بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے، وہ تمھیں بخوبی جانتا ہے جب اُس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے [2] پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو، [3] وہی پرہیز گار کو خوب جانتا ہے﴿32﴾ کیا آپ نے اُسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا﴿33﴾ اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا﴿34﴾ [4] کیا اُسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟﴿35﴾ [5] کیا اُسے اُس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں تھا﴿36﴾ اور وفادار

کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو "تہذیب" سمجھ لیا گیا ہے حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس "تہذیب بے حیائی" کو اپنا لیا ہے، چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وتیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، درآں حالیکہ یہ سب "فواحش" میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبائر وفواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

[1] ﴿اللَّمَمَ﴾ کے لغوی معنی ہیں: کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں۔ اَلَمَّ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔) اَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا) اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا یا اس کے قریب ہونا یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام واستمرار نہ کرنا یا محض دل میں خیال کا گزرنا، یہ سب صورتیں لَمَمْ کہلاتی ہیں۔ (فتح القدیر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ ارتکاب کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔

[2] ﴿اَجِنَّةٌ﴾ جَنِيْنٌ کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے اور اس میں ستر اور چھپنے کا معنی پایا جاتا ہے اور اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

[3] یعنی جب اس سے تمھاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمھیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمھارے تمام احوال سے وہ واقف تھا تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

[4] یعنی تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا ﴿اَكْدٰى﴾ کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آ جائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں اَكْدٰى۔ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿37﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿38﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿39﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿40﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿41﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿42﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿43﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿44﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿45﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿46﴾ وَاَنَّ

ابراہیم کے ﴿37﴾ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی ﴿38﴾ اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اُس نے کی ﴿39﴾ [1] اور یہ کہ بے شک اُس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ﴿40﴾ [2] پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ﴿41﴾ اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے ﴿42﴾ اور یہ کہ وہی ہنسا تا ہے اور وہی رُلاتا ہے ﴿43﴾ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے ﴿44﴾ اور یہ کہ اُسی نے جوڑا، یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے ﴿45﴾ نطفے سے جب کہ وہ ٹپکایا جاتا ہے ﴿46﴾ اور یہ کہ

﴿5﴾ یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا۔ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الٰہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

﴿1﴾ یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہوگا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انھی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم کے لوگ اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں)، البتہ اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص سے اس کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا، البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی ﷺ نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، حديث: 4454) صدقہ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ﴾ (یٰس 12:36) ”اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان کے اگلے اور پیچھے چھوڑے ہوئے اعمال کو۔“ اسی طرح وہ علم جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصداق حدیث نبوی: «مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا» (سنن أبي داود، حديث: 4609) ”جس نے کسی کی ہدایت کی طرف راہنمائی کی تو اسے پیروی کرنے والوں کی مثل ثواب ملے گا اور یہ ان میں سے کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔“ اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا، اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن كثير)

﴿2﴾ یعنی دنیا میں اس نے اچھا یا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿47﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿48﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿49﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿50﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿51﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿52﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿53﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿54﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿55﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿56﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿57﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿58﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿59﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿60﴾ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿61﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿62﴾ السجدة

ع 3 | 30 | 7 — السجدۃ 12

اُسی کے ذمے دوبارہ پیدا کرنا ہے ﴿47﴾ اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے ﴿48﴾ [1] اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے ﴿49﴾ [2] اور یہ کہ اُسی نے عادِ اول کو ہلاک کیا ہے ﴿50﴾ [3] اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا ﴿51﴾ اور اس سے پہلے قومِ نوح کو، یقیناً وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے ﴿52﴾ اور اُلٹی ہوئی بستیوں کو اُسی نے اُٹھا پھینکا ﴿53﴾ [4] پھر اُس پر چھا گیا جو چھایا ﴿54﴾ [5] پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت میں جھگڑے گا؟ ﴿55﴾ [6] یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے ﴿56﴾ قیامت نزدیک آ گئی ﴿57﴾ اللہ کے سوا اُس کا (وقتِ معین کھول) دکھانے والا اور کوئی نہیں ﴿58﴾ پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟ ﴿59﴾ [7] اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟ ﴿60﴾ بلکہ تم کھیل رہے ہو ﴿61﴾ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اُسی کی) عبادت کرو ﴿62﴾ [8]

---

① یعنی کسی کو اتنی تونگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

② رب تو وہ ہر چیز کا ہے، یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

③ قومِ عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی یا اس لیے کہ قومِ نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں: عاد نامی دو قومیں گزری ہیں، یہ پہلی ہے جسے بادِ تند سے ہلاک کیا گیا جبکہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

④ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں جن کو ان کی قوم پر الٹ دیا گیا۔

⑤ یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

⑥ یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا جبکہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا اخفا ہی۔

⑦ بات سے مراد قرآن کریم ہے، یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو، حالانکہ اس میں نہ تعجب والی کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔

⑧ یہ مشرکین اور مکذبین کی توبیخ کے لیے حکم دیا، یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کی بجائے، اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کر کے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو، چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ نے اور صحابہ نے سجدہ کیا حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

اٰيَاتُهَا: 55 (54) سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (37) رُكُوْعَاتُهَا: 3

سورۂ قمر مکی ہے، اس میں 55 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ

قیامت قریب آ گئی [1] اور چاند پھٹ گیا ① [2] یہ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ پہلے سے چلا آتا ہوا جادو ہے ② [3] اُنھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام ٹھہرے ہوئے وقت پر مقرر ہے ③ [4] یقیناً اُن کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں [5] جن میں ڈانٹ ڈپٹ ہے ④ [6] اور کامل عقل کی بات ہے [7] لیکن اُن ڈراؤنی باتوں نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا ⑤ [8] پس (اے نبی) تم اُن سے اعراض کرو۔ جس دن ایک پکارنے والا ناگوار چیز کی طرف پکارے گا ⑥ [9] یہ جھکی آنکھوں

یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔

① ایک تو باعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا کیونکہ جو باقی ہے، وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے، ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اپنی بابت فرمایا: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» (صحيح البخاري، حديث: 6504، وصحيح مسلم، حديث: 2951، وجامع الترمذي، حديث: 2214) ''میں اور قیامت ایسے (متصل) بھیجے گئے ہیں، جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' اور آپ نے سبابہ اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی نبی ﷺ کا وجود قیامت سے متصل ہے، آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

② یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حراء کو اس کے درمیان دیکھا، یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4864، و صحيح مسلم، حديث: 2800) جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے۔ (فتح القدیر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں: علماء کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی ﷺ کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے، صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

③ یعنی قریش نے ایمان لانے کے بجائے اسے جادو قرار دے کر اپنے اعراض کی روش برقرار رکھی۔

④ یہ کفار مکہ کی تکذیب اور اتباع اہواء کی تردید و بطلان کے لیے فرمایا کہ ہر کام کی ایک غایت اور انتہا ہے، وہ کام اچھا ہو یا برا، یعنی بالآخر اس کا نتیجہ نکلے گا، اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا برا۔ اس نتیجے کا ظہور دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر اللہ کی مشیت مقتضی ہو ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

⑤ یعنی گزشتہ امتوں کی ہلاکت کی، جب انھوں نے تکذیب کی۔

⑥ یعنی ان میں عبرت و نصیحت کے پہلو ہیں، کوئی ان سے سبق حاصل کر کے شرک و معصیت سے بچنا چاہے تو بچ سکتا ہے۔ ﴿مُزْدَجَرٌ﴾ اصل میں مُزْتَجَرٌ ہے، زجر سے مصدر میمی۔

⑦ یعنی ایسی بات جو تباہی سے پھیر دینے والی ہے یا یہ قرآن حکمت بالغہ ہے جس میں کوئی نقص یا خلل نہیں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ جس کو

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ

77

قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دَل ہے ⑦ [1] پکارنے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے [2] اور کافر کہیں گے یہ دن تو بہت سخت ہے ⑧ اُن سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ بتلا کر جھڑک دیا گیا تھا ⑨ [3] پس اُس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر ⑩ پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا ⑪ [4] اور زمین سے چشموں کو جاری کر دیا، پس اُس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہو گیا ⑫ [5] اور ہم نے اُسے تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا ⑬ [6] جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اُس کی طرف سے جس کا

ہدایت دے اور جس کو گمراہ کرے، اس میں بڑی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

⑧ یعنی جس کے لیے اللہ نے شقاوت لکھ دی ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے، اس کو پیغمبروں کا ڈراوا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لیے تو اِنْذَار ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ﴾ ''کافروں کو آپ کا ڈرانا نہ ڈرانا ان پر برابر ہے۔'' والی بات ہے۔ تقریباً اسی مفہوم کی یہ آیت ہے: ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 149:6) ''آپ کہیے کہ پس پوری حجت اللہ ہی کی رہی اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا کر دیتا۔''

⑨ ﴿ يَوْمَ ﴾ سے پہلے اُذْكُرْ محذوف ہے، یعنی اس دن کو یاد کرو۔ ﴿ نُّكُرٍ ﴾ نہایت ہولناک اور دہشت ناک۔ مراد میدان محشر اور موقف حساب کی ہولناکیاں اور آزمائشیں ہیں۔

① یعنی قبروں سے نکل کر وہ اس طرح پھیلیں گے اور موقف حساب کی طرف اس طرح نہایت تیزی سے جائیں گے، گویا ٹڈی دل ہے جو آناً فاناً فضائے بسیط میں پھیل جاتا ہے۔

② ﴿ مُّهْطِعِيْنَ ﴾ مُسْرِعِينَ دوڑیں گے، پیچھے نہیں رہیں گے۔

③ ﴿ وَّازْدُجِرَ ﴾ وَازْتُجِرَ ہے، یعنی قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب ہی نہیں کی بلکہ انھیں جھڑکا اور ڈرایا دھمکایا بھی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 116:26) ''اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دیا جائے گا۔''

④ ﴿ مُّنْهَمِرٍ ﴾ بمعنی کثیر یا زوردار۔ هَمْر، صَبّ (بہنے) کے معنی میں آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن تک مسلسل خوب زور سے پانی برستا رہا۔

⑤ یعنی آسمان اور زمین کے پانی نے مل کر وہ کام پورا کر دیا جو ازل میں لکھ دیا گیا تھا، یعنی طوفان بن کر سب کو غرق کر دیا۔

⑥ ﴿ دُسُرٍ ﴾ دِسَارٌ کی جمع، وہ رسیاں جن سے کشتی کے تختے باندھے گئے یا وہ کیلیں اور میخیں جن سے کشتی کو جوڑا گیا۔

كُفِرَ ﴿14﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿15﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿16﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿17﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿18﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿19﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿20﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

کفر کیا گیا تھا﴿14﴾ اور بے شک ہم نے اُس واقعہ کو نشان بنا کر[1] باقی رکھا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا﴿15﴾[2] بتاؤ میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں کیسی رہیں؟﴿16﴾ اور بے شک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا[3] ہے، پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ﴿17﴾ قومِ عاد نے بھی جھٹلایا پس کیسا ہوا میرا عذاب اور میری ڈرانے والی باتیں﴿18﴾ ہم نے اُن پر تیز و تند مسلسل چلنے والی ہوا، ایک پیہم منحوس دن میں بھیج دی﴿19﴾[4] جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر دے پٹختی تھی، گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ﴿20﴾[5] پس کیسی رہی میری سزا

① ﴿تَّرَكْنٰهَآ﴾ میں ضمیر کا مرجع سفینة ہے۔ یا فِعْلَة، یعنی تَرَكْنَا هٰذِهِ الْفِعْلَةَ الَّتِي فَعَلْنَاهَا بِهِمْ عِبْرَةً وَّمَوْعِظَةً (فتح القدیر) ''ہم نے ان کے انجام کو عبرت وموعظت کے لیے باقی رکھا۔''

② ﴿مُّدَّكِرٍ﴾ اصل میں مُذْتَكِرٍ ہے۔ تاء کو دال سے بدل دیا گیا اور ذال معجمہ کو دال بنا کر دال کا دال میں ادغام کر دیا گیا۔ معنی ہیں: عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والا۔ (فتح القدیر)

③ یعنی اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود، کوئی شخص تھوڑی سی توجہ دے تو وہ عربی گرامر اور معانی و بلاغت کی کتابیں پڑھے بغیر بھی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے، اسی طرح یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جو لفظ بلفظ یاد کر لی جاتی ہے ورنہ چھوٹی سے چھوٹی کتاب کو بھی اس طرح یاد کر لینا اور اسے یاد رکھنا نہایت مشکل ہے۔ اور انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے دریچے وا رکھ کر اسے عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے قلب و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتی ہے۔

④ کہتے ہیں یہ بدھ کی شام تھی، جب اس تند، یخ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا کا آغاز ہوا، پھر مسلسل 7 راتیں اور 8 دن چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور قلعوں میں بند انسانوں کو بھی وہاں سے اٹھاتی اور اس طرح زور سے انھیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ دن ان کے لیے عذاب کے اعتبار سے منحوس ثابت ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بدھ کے دن میں یا کسی اور دن میں نحوست ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ ﴿مُّسْتَمِرٍّ﴾ کا مطلب ہے، یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک سب ہلاک نہیں ہو گئے۔

⑤ یہ درازیٔ قد کے ساتھ ان کی بےبسی اور لاچارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے درآں حالیکہ انھیں اپنی قوت وطاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ ﴿اَعْجَازُ﴾ عِجْزٌ کی جمع ہے جو کسی چیز کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں۔ ﴿مُّنْقَعِرٍ﴾ اپنی جڑ سے اکھڑ جانے اور کٹ جانے والا، یعنی کھجور کے ان تنوں کی طرح جو اپنی جڑ سے اکھڑ اور کٹ چکے ہوں، ان کے لاشے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

وَنُذُرِ ﴿21﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿22﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿23﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿24﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿25﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿26﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿27﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿28﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿29﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿30﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ

ع 22 / 8

اور میرا ڈرانا؟﴿21﴾ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟﴿22﴾ قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا﴿23﴾ اور کہنے لگے: کیا اپنے میں سے ایک شخص کی ہم فرمانبرداری کرنے لگیں؟ تب تو ہم یقیناً غلطی اور دیوانگی میں پڑے ہوئے ہوں گے﴿24﴾ [1] کیا ہمارے سب کے درمیان صرف اُسی پر وحی اتاری گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا شیخی خور ہے﴿25﴾ [2] اب سب جان لیں گے کل کو کہ کون جھوٹا اور شیخی خور تھا؟﴿26﴾ [3] بے شک ہم اُن کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے، [4] پس (اے صالح!) تو ان کا منتظر رہ اور صبر کر﴿27﴾ [5] ہاں اُنھیں خبر کر دے کہ پانی اُن میں تقسیم شدہ ہے، [6] ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوگا﴿28﴾ [7] اُنھوں نے اپنے رفیق کو آواز دی [8] جس نے وار کیا [9] اور کونچیں کاٹ دیں﴿29﴾ پس کیوں کر ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا﴿30﴾ ہم نے اُن پر ایک چیخ بھیجی، پس وہ ایسے ہوگئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور

① یعنی ایک بشر کو رسول مان لینا، ان کے نزدیک گمراہی اور دیوانگی تھی۔ ﴿سُعُرٍ﴾ سَعِيرٌ کی جمع ہے، آگ کی لپٹ۔ یہاں اس کو دیوانگی یا شدت وعذاب کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

② ﴿اَشِرٌ﴾ بمعنی مُتَكَبِّر یا کذب میں حد سے تجاوز کرنے والا، یعنی اس نے جھوٹ بھی بولا ہے تو بہت بڑا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ بھلا ہم میں سے صرف اسی ایک پر وحی آنی تھی۔ یا اس ذریعے سے ہم پر اپنی بڑائی جتانا اس کا مقصود ہے۔

③ یہ خود پیغمبر پر الزام تراشی کرنے والے یا حضرت صالح جن کو اللہ نے وحی و رسالت سے نوازا۔ کل سے مراد قیامت کا دن ہے یا دنیا میں ان کے لیے عذاب کا مقررہ دن۔

④ کہ یہ ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ یہ وہی اونٹنی ہے جو اللہ نے خود ان کے کہنے پر پتھر کی ایک چٹان سے ظاہر فرمائی تھی۔

⑤ یعنی دیکھ کہ یہ اپنے وعدے کے مطابق ایمان کا راستہ اپناتے ہیں یا نہیں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کر۔

⑥ یعنی ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے اور ایک دن قوم کے پانی پینے کے لیے۔

⑦ مطلب ہے ہر ایک کا حصہ اس کے ساتھ ہی خاص ہے جو اپنی اپنی باری پر حاضر ہو کر وصول کرے دوسرا اس روز نہ آئے۔ ﴿شِرْبٍ﴾ حصۂ آب۔

⑧ یعنی جس کو انھوں نے اونٹنی کو قتل کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا جس کا نام قدار بن سالف بتلایا جاتا ہے، اس کو پکارا کہ وہ اپنا کام کرے۔

⑨ یا تلوار یا اونٹنی کو پکڑا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر اسے ذبح کر دیا۔ بعض نے ﴿فَتَعَاطٰى﴾ کے معنی فَجَسَرَ کیے ہیں، پس اس نے جسارت کی۔

الْمُحْتَظِرِ ﴿31﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿32﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿33﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿34﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿35﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿36﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿37﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿38﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿39﴾

ٹوٹی ہوئی گھاس ﴿31﴾ [1] اور ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے، پس کیا ہے کوئی جو نصیحت پکڑے ﴿32﴾ قوم لوط نے بھی ڈرانے والوں کی تکذیب کی ﴿33﴾ بے شک ہم نے اُن پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی [2] سوائے آلِ لوط کے، اُنھیں ہم نے سحر کے وقت نجات دے دی ﴿34﴾ [3] اپنے احسان سے [4] ہر شکر گزار کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ﴿35﴾ یقیناً (لوط نے) اُنھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا [5] تھا لیکن اُنھوں نے ڈرانے میں شک کیا ﴿36﴾ [6] اور اس (لوط) کو اُس کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا [7] پس ہم نے اُن کی آنکھیں اندھی کر دیں [8] (اور کہہ دیا) میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو ﴿37﴾ اور یقینی بات ہے کہ اُنھیں صبح سویرے ہی ایک جگہ پکڑنے والے مقررہ عذاب نے غارت کر دیا ﴿38﴾ [9] پس میرے عذاب اور میرے ڈراوے کا مزہ چکھو ﴿39﴾

---

① حَظِيْرَةٌ بمعنی مَحْظُوْرَةٌ، باڑ جو خشک جھاڑیوں اور لکڑیوں سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ ﴿الْمُحْتَظِرِ﴾ اسم فاعل ہے صَاحِبُ الْحَظِيْرَةِ هَشِيْمٌ خشک گھاس یا کٹی ہوئی خشک کھیتی، یعنی جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا ہو گئے۔

② یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان کو کنکریاں مارتی تھی اور ان کی بستیوں کو ان پر الٹا دیا گیا، اس طرح کہ ان کا اوپر والا حصہ نیچے اور نیچے والا حصہ اوپر، اس کے بعد ان پر کھنگر پتھروں کی بارش ہوئی جیسا کہ سورۂ ہود وغیرہ میں تفصیل گزری۔

③ ﴿اٰلَ لُوْطٍ﴾ سے مراد خود حضرت لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی شامل نہیں کیونکہ وہ مومنہ نہیں تھی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں ان کے ساتھ تھیں جن کو نجات دی گئی۔ سحر سے مراد رات کا آخری حصہ ہے۔

④ یعنی ان کو عذاب سے بچانا، یہ ہماری رحمت اور احسان تھا جو ان پر ہوا۔

⑤ یعنی عذاب آنے سے پہلے ہماری سخت گرفت سے ڈرایا تھا۔

⑥ لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی بلکہ شک کیا اور ڈرانے والوں سے جھگڑتے رہے۔

⑦ یا بہلایا یا مانگا لوط علیہ السلام سے ان کے مہمانوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کو معلوم ہوا کہ چند خوبرو نوجوان لوط علیہ السلام کے ہاں آئے ہیں (جو دراصل فرشتے تھے اور ان کو عذاب دینے کے لیے ہی آئے تھے) تو انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ان مہمانوں کو ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان سے بدکاری کریں۔

⑧ کہتے ہیں کہ یہ فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے۔ جب انھوں نے بدفعلی کی نیت سے فرشتوں (مہمانوں) کو لینے پر زیادہ اصرار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کا ایک حصہ انھیں مارا جس سے ان کی آنکھوں کے ڈھیلے ہی باہر نکل آئے۔ بعض کہتے ہیں: صرف آنکھوں کی بصارت زائل ہوئی، بہر حال عذاب عام سے پہلے یہ عذاب خاص ان لوگوں کو پہنچا جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بد نیتی

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿40﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿41﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿42﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿43﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿44﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿45﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ

اور یقیناً ہم نے قرآن کو پند و وعظ کے لیے آسان کر دیا ہے۔[1] پس کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ﴿40﴾ اور فرعونیوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے ﴿41﴾[2] اُنھوں نے ہماری تمام نشانیاں جھٹلائیں[3] پس ہم نے اُنھیں بڑے غالب قوی پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا ﴿42﴾[4] (اے قریشیو!) کیا تمھارے کافر اُن کافروں سے کچھ بہتر ہیں؟[5] یا تمھارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے؟ ﴿43﴾[6] یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں ﴿44﴾[7] عنقریب یہ جماعت شکست دی جائے گی اور پیٹھ دے کر بھاگے گی ﴿45﴾[8] بلکہ قیامت کی گھڑی اُن کے وعدے کا وقت ہے

سے آئے تھے۔ اور آنکھوں سے یا بینائی سے محروم ہو کر گھر پہنچے۔ اور پھر صبح اس عذاب عام میں تباہ ہو گئے جو پوری قوم کے لیے آیا۔ (تفسیر ابن كثير)

9. یعنی صبح ان کے پاس ﴿عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ﴾ آ گیا۔ ﴿مُّسْتَقِرٌّ﴾ کے معنی: ان پر نازل ہونے والا جو انھیں ہلاک کیے بغیر نہ چھوڑے۔

1. تَيْسِير قرآن (قرآن کے آسان کرنے) کا اس سورت میں بار بار ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن اور اس کے فہم و حفظ کو آسان کر دینا اللہ کا احسان عظیم ہے، اس کے شکر سے انسان کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

2. ﴿النُّذُرُ﴾ نَذِيرٌ (ڈرانے والا) کی جمع ہے یا بمعنی إِنْذَار مصدر ہے۔ (فتح القدير)

3. وہ نشانیاں جن کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو ڈرایا۔ یہ نو نشانیاں تھیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

4. یعنی ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ وہ عذاب ایسے غالب کی گرفت تھی جو انتقام لینے پر قادر ہے، اس کی گرفت کے بعد کوئی بچ نہیں سکتا۔

5. یہ استفہام انکار، یعنی نفی کے لیے ہے، یعنی اے اہل عرب! تمھارے کافر گزشتہ کافروں سے بہتر نہیں ہیں، جب وہ اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے تو تم جبکہ ان سے بدتر ہو، عذاب سے سلامتی کی امید کیوں رکھتے ہو؟

6. ﴿الزُّبُرِ﴾ سے مراد گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں ہیں، یعنی کیا تمھاری بابت کتب منزلہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ قریش یا عرب جو مرضی کرتے رہیں، ان پر عذاب نہیں آئے گا۔

7. تعداد کی کثرت اور وسائل قوت کی وجہ سے، کسی اور کا ہم پر غالب آنے کا امکان نہیں۔ یا مطلب ہے کہ ہمارا معاملہ مجتمع ہے، ہم دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہیں۔

8. اللہ نے ان کے زعم باطل کی تردید فرمائی، جماعت سے مراد کفار ہیں، چنانچہ بدر میں انھیں شکست ہوئی اور یہ پیٹھ دے کر بھاگے، رؤسائے شرک اور اساطین کفر ہلاک کر دیے گئے۔ جنگ بدر کے موقع پر جب نبی ﷺ نہایت الحاح و زاری سے اپنے خیمے میں مصروف دعا تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «حَسْبُكَ يَارَسُولَ اللهِ، أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ» ”بس کیجیے اللہ کے رسول! آپ نے رب کے سامنے بہت الحاح و زاری کر لی۔“ چنانچہ آپ ﷺ خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہی مذکورہ آیت تھی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4877)

وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿46﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿47﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿48﴾ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿50﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿51﴾ وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ﴿52﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿53﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿54﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿55﴾

اٰيَاتُهَا: 78 (55) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ (97) رُكُوْعَاتُهَا: 3

سورۂ رحمٰن مدنی ﷺ ہے، اس میں 78 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی چیز ہے﴿46﴾[1] بے شک گناہ گار گمراہی میں اور عذاب میں ہیں﴿47﴾ جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور اُن سے کہا جائے گا:) دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو﴿48﴾[2] بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے﴿49﴾[3] اور ہمارا حکم صرف ایک دفعہ ہی ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا﴿50﴾ اور ہم تمھارے (کتنے ہی) ہم مشربوں کو[4] ہلاک کر چکے ہیں پس کوئی ہے نصیحت لینے والا﴿51﴾ جو کچھ اُنھوں نے (اعمال) کیے ہیں سب نامۂ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں﴿52﴾[5] (اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے﴿53﴾[6] یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہیں﴿54﴾[7] راستی اور عزت کی بیٹھک میں[8] قدرت والے بادشاہ کے پاس﴿55﴾[9]

---

① ﴿ اَدْهٰى ﴾ دَهَاءٌ سے ہے، سخت رسوا کرنے والا، ﴿ اَمَرُّ ﴾ مَرَارَةٌ سے ہے، نہایت کڑوا، یعنی دنیا میں جو یہ قتل کیے گئے، قیدی بنائے گئے وغیرہ، یہ ان کی آخری سزا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں ان کو قیامت والے دن دی جائیں گی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

② ﴿ سَقَرَ ﴾ بھی جہنم کا نام ہے، یعنی اس کی حرارت اور شدت عذاب کا مزہ چکھو۔

③ ائمۂ سنت نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے تقدیر الٰہی کا اثبات کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سب کا علم تھا اور اس نے سب کی تقدیر لکھ دی ہے اور فرقہ قدریہ کی تردید کی ہے جس کا ظہور عہد صحابہ کے آخر میں ہوا۔ (ابن کثیر)

④ یعنی گزشتہ امتوں کے کافروں کو جو کفر میں تمھارے ہی جیسے تھے۔ ﴿ اَشْيَاعَكُمْ ﴾ أَيْ أَشْبَاهَكُمْ وَنُظَرَاءَكُمْ (فتح القدير)

⑤ یا دوسرے معنی ہیں، لوح محفوظ میں درج ہیں۔

⑥ یعنی مخلوق کے تمام اعمال، اقوال و افعال لکھے ہوئے ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، حقیر ہوں یا جلیل، اشقیاء کے ذکر کے بعد اب سعداء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

⑦ یعنی مختلف اور متنوع باغات میں ہوں گے۔ ﴿ نَهَرٍ ﴾ بطور جنس کے ہے جو جنت کی تمام نہروں کو شامل ہے۔

⑧ ﴿ مَقْعَدِ صِدْقٍ ﴾ عزت کی بیٹھک یا مجلس حق، جس میں گناہ کی بات ہوگی نہ لغویات کا ارتکاب۔ مراد جنت ہے۔

⑨ ﴿ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ قدرت والا بادشاہ، یعنی وہ ہر طرح کی قدرت سے بہرہ ور ہے جو چاہے کر سکتا ہے، کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا۔ ﴿ عِنْدَ ﴾ (پاس) اس میں اس شرف و منزلت اور عزت و احترام کا بیان ہے جو اہل ایمان کو اللہ کے ہاں حاصل ہوگا۔

اس کو بعض حضرات نے مدنی قرار دیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ مکی ہے۔ (فتح القدیر) اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ⑧ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ

رحمٰن نے ① قرآن سکھایا ② [1] اُسی نے انسان کو پیدا کیا ③ [2] اور اُسے بولنا سکھایا ④ [3] آفتاب اور ماہتاب (مقررہ) حساب سے ہیں ⑤ [4] اور بیلیں اور درخت دونوں سجدہ کرتے ہیں ⑥ [5] اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور اُسی نے ترازو رکھی ⑦ [6] تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو ⑧ [7] انصاف کے ساتھ وزن کو

جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم خاموش رہتے ہو، تم سے تو اچھے جن ہیں کہ جب جن والی رات کو میں نے یہ سورت ان پر پڑھی تو میں جب بھی ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ پڑھتا تو وہ اس کے جواب میں کہتے: «لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ» (جامع الترمذي، حديث: 3291، وذكره الألباني في صحيح سنن الترمذي: 341/3) ”اے اللہ! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔“ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی اور سامع کو یہ جواب دینا چاہیے۔ اور بعض علماء نے کہا۔ ہے کہ چونکہ یہ واقعہ نماز کا نہیں ہے، اس لیے نماز میں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[1] کہتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کے جواب میں ہے جو کہتے تھے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے کہ رحمٰن کیا ہے۔ قرآن سکھانے کا مطلب ہے، اسے آسان کر دیا یا اللہ نے اپنے پیغمبر کو سکھایا اور پیغمبر نے امت کو سکھایا۔ اس سورت میں اللہ نے اپنی بہت سی نعمتیں گنوائی ہیں۔ چونکہ تعلیم قرآن ان میں قدر و منزلت اور اہمیت و افادیت کے لحاظ سے سب سے نمایاں ہے، اس لیے پہلے اسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتح القدير)

[2] یعنی یہ بندر وغیرہ جانوروں سے ترقی کرتے کرتے انسان نہیں بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ڈارون کا فلسفۂ ارتقا ہے۔ بلکہ انسان کو اسی شکل و صورت میں اللہ نے پیدا فرمایا ہے جو جانوروں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہے۔ انسان کا لفظ بطور جنس کے ہے۔

[3] اس بیان سے مراد ہر شخص کی اپنی مادری بولی ہے جو بغیر سیکھے از خود ہر شخص بول لیتا اور اس میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ چھوٹا بچہ بھی بولتا ہے جس کو کسی بات کا علم اور شعور نہیں ہوتا۔ یہ اس تعلیم الٰہی کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

[4] یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حساب سے اپنی اپنی منزلوں پر رواں دواں رہتے ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

[5] جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ......﴾ الآية (الحج 18:22) ”سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔“

[6] یعنی زمین میں انصاف رکھا، جس کا اس نے لوگوں کو حکم دیا، جیسے فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد 25:57) ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں، کتاب اور میزان (ترازو) دے کر بھیجا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔“

[7] یعنی انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ⑨ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ⑩ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑫ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑯ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ⑰ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑱ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ⑲ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ⑳ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ㉑ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ㉒

ٹھیک رکھو اور تول میں کم نہ دو⑨ اور اُسی نے مخلوق کے لیے زمین بچھا دی⑩ جس میں میوے ہیں اور خوشے والی کھجور کے درخت ہیں⑪ [1] اور بھُس والا اناج ہے [2] اور خوشبو دار پھول ہیں⑫ پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟⑬ [3] اُس نے انسان کو ایسی آواز دینے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی⑭ [4] اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا⑮ [5] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟⑯ [6] وہ رب ہے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا⑰ [7] تو (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟⑱ اُس نے دو دریا جاری کر دیے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں⑲ اُن دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اُس سے بڑھ نہیں سکتے⑳ [8] پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟㉑ اُن دونوں میں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں㉒ [9]

① ﴿الْاَكْمَامِ﴾ كِمٌّ کی جمع ہے، وِعَاءُ الثَّمَرِ کھجور پر چڑھا ہوا غلاف۔

② ﴿الْحَبُّ﴾ سے مراد ہر وہ خوراک ہے جو انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ خشک ہو کر اس کا پودا بھُس بن جاتا ہے جو جانوروں کے کام آتا ہے۔

③ یہ انسانوں اور جنوں دونوں سے خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوا کر ان سے پوچھ رہا ہے۔ یہ تکرار اس شخص کی طرح ہے جو کسی پر مسلسل احسان کرے لیکن وہ اس کے احسان کا منکر ہو، جیسے کہے: میں نے تیرا فلاں کام کیا، کیا تو انکار کرتا ہے؟ فلاں چیز تجھے دی، کیا تجھے یاد نہیں؟ تجھ پر فلاں احسان کیا، کیا تجھے ہمارا ذرا خیال نہیں؟ (فتح القدیر)

④ ﴿صَلْصَالٍ﴾ خشک مٹی، جس میں آواز ہو۔ فَخَّارٌ آگ میں پکی ہوئی مٹی جسے ٹھیکری کہتے ہیں۔ اس انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا پہلے مٹی سے پتلا بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حواء کو پیدا فرمایا اور پھر ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔

⑤ اس سے مراد سب سے پہلا جن ہے جو ابوالجن ہے یا جن بطور جنس کے ہے جیسا کہ ترجمہ جنس کے اعتبار سے ہی کیا گیا ہے۔ ﴿مَّارِجٍ﴾ آگ سے بلند ہونے والے شعلے کو کہتے ہیں۔

⑥ یعنی تمھاری یہ پیدائش بھی اور پھر تم سے مزید نسلوں کی تخلیق و افزائش، یہ اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔ کیا تم اس نعمت کا انکار کرو گے؟

⑦ ایک گرمی کا مشرق اور ایک سردی کا مشرق، اسی طرح مغرب ہے، اس لیے دونوں کو تثنیہ ذکر کیا ہے، موسموں کے اعتبار سے مشرق و مغرب کا مختلف ہونا اس میں بھی انس و جن کی بہت سی مصلحتیں ہیں، اس لیے اسے بھی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿23﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿24﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟ ﴿23﴾ [1] اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہوئے (چل پھر رہے) ہیں ﴿24﴾ [2] پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو

⑧ ﴿مَرَجَ﴾ بمعنی اَرْسَلَ جاری کر دیے۔ اس کی تفصیل سورۂ فرقان 53:25 میں گزر چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو دریاؤں سے مراد بعض کے نزدیک ان کے الگ الگ وجود ہیں، جیسے میٹھے پانی کے دریا ہیں جن سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں اور انسان ان کا پانی اپنی دیگر ضروریات میں بھی استعمال کرتا ہے۔ دوسری قسم سمندروں کا پانی ہے جو کھارا ہے جس کے کچھ اور فوائد ہیں۔ یہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کھارے سمندروں میں ہی میٹھے پانی کی لہریں چلتی ہیں اور یہ دونوں لہریں آپس میں نہیں ملتیں بلکہ ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہی رہتی ہیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھارے سمندروں میں ہی کئی مقامات پر میٹھے پانی کی لہریں بھی جاری کی ہوئی ہیں اور وہ کھارے پانی سے الگ ہی رہتی ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اوپر کھارا پانی ہو اور اس کی تہ میں نیچے چشمۂ آب شیریں۔ جیسا کہ وَاقِعتًا بعض مقامات پر ایسا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جن مقامات پر میٹھے پانی کے دریا کا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے، وہاں کئی لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ دونوں پانی میلوں دور تک اس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا دریائی پانی اور دوسری طرف وسیع و عریض سمندر کا کھارا پانی، ان کے درمیان اگرچہ کوئی آڑ نہیں۔ لیکن یہ باہم نہیں ملتے۔ دونوں کے درمیان یہ وہ ﴿بَرْزَخٌ﴾ (آڑ) ہے جو اللہ نے رکھ دی ہے، دونوں اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

⑨ ﴿الْمَرْجَانُ﴾ سے چھوٹے موتی یا پھر مونگے مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو سیپیاں اپنے مونہہ کھول دیتی ہیں، جو قطرہ ان کے اندر پڑ جاتا ہے، وہ موتی بن جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ موتی وغیرہ میٹھے پانی کے دریاؤں سے نہیں بلکہ صرف آب شور، یعنی سمندروں سے ہی نکلتے ہیں لیکن قرآن نے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سے ہی موتی نکلتے ہیں۔ چونکہ موتی کثرت کے ساتھ سمندروں سے ہی نکلتے ہیں، اس لیے اس کی شہرت ہوگئی ہے، تاہم شیریں دریاؤں سے اس کی نفی ممکن نہیں بلکہ موجودہ دور کے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ میٹھے دریا میں بھی موتی ہوتے ہیں، البتہ ان کے مسلسل جاری رہنے کی وجہ سے ان سے موتی نکالنا مشکل امر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد مجموعہ ہے، ان میں سے کسی ایک سے بھی موتی نکل جائیں تو ان پر تثنیہ کا اطلاق صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ شیریں دریا بھی عام طور پر سمندر میں ہی گرتے ہیں اور وہیں سے موتی نکالے جاتے ہیں، اس لیے گو منبع دریائے شور ہی ہوئے لیکن دوسرے دریاؤں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے لیکن موجودہ دور کے تجربات کے بعد ان تاویلات اور تکلفات کی ضرورت نہیں۔ واللہ أعلم.

① یہ جواہر اور موتی زیب و زینت اور حسن و جمال کا مظہر ہیں اور اہل شوق و اہل ثروت انھیں اپنے ذوق جمال کی تسکین اور حسن و رعنائی میں اضافے ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ان کا نعمت ہونا بھی واضح ہے۔

② ﴿الْجَوَارِ﴾ جَارِيَةٌ (چلنے والی) کی جمع اور محذوف موصوف کی صفت ہے۔ ﴿الْمُنْشَئٰتُ﴾ کے معنی مرفوعات ہیں، یعنی بلند کی ہوئیں، مراد بادبان ہیں جو بادبانی کشتیوں میں جھنڈوں کی طرح اونچے اور بلند بنائے جاتے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی مصنوعات کے کیے ہیں، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی جو سمندر میں چلتی ہیں۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿25﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿26﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿28﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿29﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿30﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿31﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿32﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿33﴾

جھٹلاؤ گے؟﴿25﴾ [1] زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں﴿26﴾ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی ﴿27﴾ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿28﴾ [2] سب آسمان و زمین والے اُسی سے مانگتے ہیں۔ [3] ہر روز وہ ایک شان میں ہے ﴿29﴾ [4] پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿30﴾ [5] اے جنوں اور انسانوں کے گروہو! ہم جلد ہی تمھارے لیے فارغ ہوں گے ﴿31﴾ [6] پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿32﴾ اے گروہ جن و انس! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو! [7] بغیر غلبے اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے ﴿33﴾ [8]

① ان کے ذریعے سے بھی نقل وحمل کی جو آسانیاں ہیں، محتاج وضاحت نہیں، اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

② فنائے دنیا کے بعد جزا وسزا، یعنی عدل کا اہتمام ہوگا، لہٰذا یہ بھی ایک نعمت عظمٰی ہے جس پر شکر الٰہی واجب ہے۔

③ یعنی سب اس کے محتاج اور اس کے در کے سوالی ہیں۔

④ ہر روز کا مطلب، ہر وقت۔ ﴿شَاْنٍ﴾ کے معنی امر یا معاملہ، یعنی ہر وقت وہ کسی نہ کسی کام میں مصروف ہے، کسی کو بیمار کر رہا ہے، کسی کو شفایاب، کسی کو تونگر بنا رہا ہے تو کسی تونگر کو فقیر۔ کسی کو گدا سے شاہ اور شاہ سے گدا، کسی کو بلندیوں پر فائز کر رہا ہے، کسی کو پستی میں گرا رہا ہے، کسی کو ہست سے نیست اور نیست کو ہست کر رہا ہے وغیرہ۔ الغرض کائنات میں یہ سارے تصرف اسی کے امر ومشیت سے ہو رہے ہیں اور شب وروز کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جو اس کی کارگزاری سے خالی ہو۔ ﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ﴾ (البقرة 255:2) ''وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا ہے، جسے اونگھ آئے نہ نیند۔''

⑤ اور اتنی بڑی ہستی کا ہر وقت بندوں کے امور ومعاملات کی تدبیر میں لگے رہنا، کتنی بڑی نعمت ہے۔

⑥ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو فراغت نہیں ہے بلکہ یہ محاورۃً بولا گیا ہے جس کا مقصد وعید وتہدید ہے۔ ﴿الثَّقَلٰنِ﴾ (جن وانس کو) اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کو تکالیف شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے، اس پابندی یا بوجھ سے دوسری مخلوق مستثنیٰ ہے۔ یا اس لیے کہ یہ زندہ ہوں یا مردہ، زمین پر بوجھ ہیں کیونکہ ثقل کے معنی بوجھ کے ہیں۔

⑦ یہ تہدید بھی نعمت ہے کہ اس سے بدکار، بدیوں کے ارتکاب سے باز آجائے اور محسن زیادہ نیکیاں کمائے۔

⑧ یعنی اللہ کی تقدیر اور قضا سے تم بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو تو چلے جاؤ لیکن یہ طاقت کس میں ہے۔ اور بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔ کون سی جگہ ایسی ہے جو اللہ کے اختیارات سے باہر ہو۔ یہ بھی تہدید ہے جو مذکورہ تہدید کی طرح نعمت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ میدان محشر میں کہا جائے گا جبکہ فرشتوں نے ہر طرف سے لوگوں کو گھیر رکھا ہوگا۔ دونوں ہی مفہوم اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿34﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿35﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿36﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۤءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿37﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿38﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَاۤنٌّ ﴿39﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿40﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿41﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿42﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿43﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿44﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا

پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(34) تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا[1] پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے (35)[2] پھر اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(36) پس جب کہ آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے کہ سرخ چمڑہ (37)[3] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(38) اُس دن کسی انسان اور کسی جن سے اُس کے گناہوں کی پرسش نہ کی جائے گی (39)[4] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(40) گناہ گار صرف حلیے ہی سے پہچان لیے جائیں گے[5] اور اُن کی پیشانیوں کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے (41)[6] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟(42) یہ ہے وہ جہنم جسے مجرم جھوٹا جانتے تھے (43) اُس کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کھائیں گے (44)[7] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو

(1) مطلب یہ ہے کہ اگر تم قیامت والے دن کہیں بھاگ کر گئے بھی تو فرشتے آگ کے شعلے اور دھواں تم پر چھوڑ کر یا پگھلا ہوا تانبہ تمھارے سروں پر ڈال کر تمھیں واپس لے آئیں گے۔ ﴿نُحَاسٌ﴾ کے دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں۔

(2) یعنی اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی تم قدرت نہیں رکھو گے۔

(3) قیامت والے دن آسمان پھٹ پڑے گا، فرشتے زمین پر اتر آئیں گے، اس دن یہ نارِ جہنم کی شدت حرارت سے پگھل کر سرخ نری کے چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ دِهَانٌ سرخ چمڑہ۔

(4) یعنی جس وقت وہ قبروں سے باہر نکلیں گے ورنہ بعد میں موقف حساب میں ان سے باز پرس کی جائے گی۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ گناہوں کی بابت نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ ان کا تو پورا ریکارڈ فرشتوں کے پاس بھی ہوگا اور اللہ کے علم ازلی میں بھی، البتہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کیوں کیے۔ یا یہ مطلب ہے، ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ انسانی اعضاء خود بول کر ہر بات بتلائیں گے۔

(5) یعنی جس طرح اہل ایمان کی علامت ہوگی کہ ان کے اعضائے وضو چمکتے ہوں گے۔ اسی طرح گناہ گاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے۔

(6) فرشتے ان کی پیشانیاں ان کے قدموں کے ساتھ ملا کر پکڑیں گے اور جہنم میں ڈال دیں گے یا کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انھیں پکڑیں گے۔

(7) یعنی کبھی انھیں جحیم کا عذاب دیا جائے گا اور کبھی مَآءٌ حَمِيمٌ (گرم پانی) پینے کا عذاب۔ ﴿اٰنٍ﴾ گرم، یعنی سخت کھولتا ہوا گرم پانی، جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿45﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿46﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿47﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿48﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿49﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿50﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿51﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿52﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿53﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿54﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿55﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿56﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿57﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

جھٹلاؤ گے؟﴿45﴾ اور اُس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا دو دو جنتیں ہیں﴿46﴾ [1] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿47﴾ (دونوں جنتیں) بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں﴿48﴾ [2] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿49﴾ ان دونوں (جنتوں) میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں﴿50﴾ [3] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿51﴾ اُن دونوں جنتوں میں ہر قسم کے میووں کی دو قسمیں ہوں گی﴿52﴾ [4] پھر اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿53﴾ جنتی ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، [5] اور اُن دونوں جنتوں کے میوے بالکل قریب ہوں گے﴿54﴾ [6] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿55﴾ وہاں (شرمیلی) نیچی نگاہ والی حوریں ہیں [7] جنھیں اُن سے پہلے کسی جن و انس نے ہاتھ نہیں لگایا﴿56﴾ [8] پس اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟﴿57﴾ وہ حوریں مثل یاقوت

① جیسے حدیث میں آتا ہے: "دو باغ چاندی کے ہیں جن میں برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب چاندی کے ہوں گے۔ دو باغ سونے کے ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، سب سونے کے ہی ہوں گے۔" (صحيح البخاري، حديث: 4878) بعض آثار میں ہے کہ سونے کے باغ خواص مومنین (مقربین) اور چاندی کے باغ عام مومنین (اصحاب الیمین) کے لیے ہوں گے۔ (ابن كثير)

② یہ اشارہ ہے اس طرف کہ اس میں سایہ گنجان اور گہرا ہوگا، نیز پھلوں کی کثرت ہوگی کیونکہ کہتے ہیں ہر شاخ اور ٹہنی پھلوں سے لدی ہوگی۔ (ابن كثير)

③ ایک کا نام تَسْنِیم اور دوسرے کا سَلْسَبِیل ہے۔

④ یعنی ذائقے اور لذت کے اعتبار سے ہر پھل دو قسم کا ہوگا، یہ مزید فضل خاص کی ایک صورت ہے۔ بعض نے کہا کہ ایک قسم خشک میوے کی اور دوسری تازہ میوے کی ہوگی۔

⑤ اَبری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوب صورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر (اَبرا) کا کپڑا اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا۔

⑥ اتنے قریب ہوں گے کہ بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے بھی توڑ سکیں گے۔ ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝﴾ (الحآقة 23:69)

⑦ جن کی نگاہیں اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی پر نہیں پڑیں گی اور ان کو اپنے خاوند ہی سب سے زیادہ حسین اور اچھے معلوم ہوں گے۔

⑧ یعنی باکرہ اور نئی نویلی ہوں گی۔ اس سے قبل وہ کسی کے نکاح میں نہیں رہی ہوں گی۔ یہ آیت اور اس سے ماقبل کی بعض آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو جن مومن ہوں گے، وہ بھی مومن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے اور ان کے لیے بھی وہی

وَ الْمَرْجَانُ ﴿58﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿59﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿60﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿61﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿62﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿63﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿64﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿65﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿66﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿67﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿68﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿69﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿70﴾

اور مونگے کے ہوں گی ﴿58﴾ [1] پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿59﴾ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے؟ ﴿60﴾ [2] پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿61﴾ اور اُن کے سوا دو جنتیں اور ہیں ﴿62﴾ [3] پھر تم (اے انسانو اور جنو!) اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿63﴾ جو دونوں گہری سبز سیاہی مائل ہیں ﴿64﴾ [4] بتاؤ اب اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿65﴾ اُن میں دو (جوش سے) ابلنے والے چشمے ہیں ﴿66﴾ [5] پھر تم (اے انسانو اور جنو!) اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿67﴾ اُن دونوں میں میوے اور کھجور اور انار ہوں گے ﴿68﴾ [6] کیا اب بھی رب کی کسی نعمت کی تکذیب تم کرو گے؟ ﴿69﴾ اُن میں نیک سیرت خوبصورت عورتیں ہیں ﴿70﴾ [7]

کچھ ہوگا جو دیگر اہل ایمان کے لیے ہوگا۔

[1] یعنی صفائی میں یاقوت اور سفیدی وسرخی میں موتی یا مونگے کی طرح ہوں گی۔ جس طرح صحیح احادیث میں بھی ان کے حسن وجمال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: «يُرٰى مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ» (صحيح البخاري، حديث: 3254، و صحيح مسلم، حديث: 2834) ''ان کے حسن وجمال کی وجہ سے ان کی پنڈلی کا گودا، گوشت اور ہڈی کے پیچھے سے نظر آئے گا۔'' ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ ''جنتیوں کی بیویاں اتنی حسین وجمیل ہوں گی کہ اگر ان میں سے ایک عورت اہل ارض کی طرف جھانک لے تو آسمان وزمین کے درمیان کا سارا حصہ چمک اٹھے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کا دوپٹہ اتنا قیمتی ہوگا کہ وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2796)

[2] پہلے احسان سے مراد نیکی اور اطاعت الٰہی اور دوسرے احسان سے اس کا صلہ، یعنی جنت اور اس کی نعمتیں ہیں۔

[3] ﴿دُوْنِهِمَا﴾ سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ دو باغ شان اور فضیلت میں پچھلے دو باغوں سے، جن کا ذکر آیت: 46 میں گزرا، کم تر ہوں گے۔

[4] کثرت سیرابی اور سبزے کی فراوانی کی وجہ سے وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

[5] یہ صفت ﴿تَجْرِیٰنِ﴾ سے ہلکی ہے۔ اَلْجَرْيُ أَقْوٰى مِنَ النَّضْخِ ''جَرْيٌ (تیز چلنا) نَضخ (جوش سے ابلنا) سے قوی ہے۔'' (ابن كثير)

[6] جبکہ پہلی دو جنتوں (باغوں) کی صفت میں بتلایا گیا ہے کہ ہر پھل دو قسم کا ہوگا۔ ظاہر ہے اس میں شرف وفضل کی جو زیادتی ہے، وہ دوسری بات میں نہیں ہے۔

[7] ﴿خَیْرٰتٌ﴾ سے مراد اخلاق، کردار اور حسن کی خوبیاں ہیں اور ﴿حِسَانٌ﴾ کا مطلب ہے حسن وجمال میں یکتا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿71﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿72﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿73﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿74﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿75﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿76﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿77﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿78﴾

ع 3 / 33 / 13

پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿71﴾ وہ حوریں (جنتی) خیموں میں رہنے والیاں ہیں ﴿72﴾ [1] پس (اے انسانو اور جنو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿73﴾ اُن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جن نے ﴿74﴾ پس اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے ساتھ تم تکذیب کرتے ہو؟ ﴿75﴾ سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ﴿76﴾ [2] پس (اے جنو اور انسانو!) تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ﴿77﴾ [3] تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے [4] جو عزت و جلال والا ہے ﴿78﴾

① حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں موتیوں کے خیمے ہوں گے، ان کا عرض ساٹھ میل ہوگا، اس کے ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے، جس کو دوسرے کونے والے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن اس میں گھومے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4879، وصحيح مسلم، حديث: 2838)

② ﴿ رَفْرَفٍ ﴾ مسند، غالیچہ یا اس قسم کا عمدہ فرش، ﴿ عَبْقَرِيٍّ ﴾ ہر نفیس اور اعلیٰ چیز کو کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا: «فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ» (صحيح البخاري، حديث: 3682، و صحيح مسلم، حديث: 2393) ''میں نے کوئی عبقری ایسا نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ جنتی ایسے تختوں پر فروکش ہوں گے جس پر سبز رنگ کی مسندیں، غالیچے اور اعلیٰ قسم کے خوب صورت منقش فرش بچھے ہوں گے۔

③ یہ آیت اس سورت میں 31 مرتبہ آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ہر نعمت یا چند نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ استفسار فرمایا ہے حتیٰ کہ میدان محشر کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کے بعد بھی یہ استفسار فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے کہ امور آخرت کی یاددہانی بھی نعمت عظیمہ ہے تاکہ بچنے والے اس سے بچنے کی سعی کر لیں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے بلکہ انسانوں کے بعد یہ دوسری مخلوق ہے جسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے اور اس کے بدلے میں ان سے صرف اس امر کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ مخلوقات میں یہی دو ہیں جو شرعی احکام و فرائض کے مُکلّف ہیں، اسی لیے انھیں ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے، تیسری یہ کہ ان نعمتوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جائز و مستحب ہے۔ یہ زہد و تقویٰ کے نہ خلاف ہے اور نہ تعلق باللہ میں مانع جیسا کہ بعض اہل تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھا یہ کہ بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے۔ یہ توبیخ اور تہدید کے طور پر ہے جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ «لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ» (صحيح سنن الترمذي للألباني: 341/3، حديث: 3291) ''اے ہمارے رب! ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے،

اٰيَاتُهَا: 96 (56) سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ (46) رُكُوْعَاتُهَا: 3

سورۂ واقعہ مکی ہے، اس میں 96 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ⑥ وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۥ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑧ وَأَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۥ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ⑨ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ⑩

جب قیامت قائم ہو جائے گی① [1] جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں② وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہوگی③ [2] جب کہ زمین زلزلے کے ساتھ ہلا دی جائے گی④ اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں⑤ [3] پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے⑥ اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے⑦ [4] پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے⑧ [5] اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا⑨ [6] اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں⑩ [7]

پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔"

④ ﴿تَبٰرَكَ﴾ برکت سے ہے جس کے معنی دوام وثبات کے ہیں۔ مطلب ہے: اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علوشان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت، یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت ورفعت والی ہوگی۔

اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سورۃ الغنی (تونگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھیے: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: 459,458/1)

① واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے، اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

② پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے، یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز ومکرم ہوں گے اور اہل کفر وعصیان ذلیل وخوار۔

③ ﴿رَجًّا﴾ کے معنی حرکت واضطراب (زلزلہ) اور ﴿بَسًّا﴾ کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

④ ﴿أَزْوَاجًا﴾ اَصْنَافًا کے معنی میں ہے، یعنی قسمیں۔

⑤ اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہوگی۔

⑥ اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

⑦ ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں تو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ⑮ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ⑯ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ⑰ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ⑱ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ⑲ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ⑳ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ㉑ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ㉒ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ㉓ جَزَآءً

وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں⑪ نعمتوں والی جنتوں میں ہیں⑫ (بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا⑬ اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے⑭ [1] یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر⑮ ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے⑯ [2] اُن کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) [3] رہیں گے آمدورفت کریں گے⑰ آبخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پُر ہو⑱ جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے⑲ [4] اور ایسے میوے لیے ہوئے جو اُن کی پسند کے ہوں⑳ اور پرندوں کے گوشت جو اُنھیں مرغوب ہوں㉑ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں㉒ جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں㉓ [5] یہ صلہ ہے

① ﴿ثُلَّةٌ﴾ اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی ﷺ تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیاء کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے تھوڑے ہوں گے۔ اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 221) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے ان میں (سابقہ امتوں میں) محض سابقین کی کثرت سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہو گی۔ مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں، یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہو گی۔ امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے، ﴿فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝﴾ اور ﴿عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝﴾ کے درمیان۔

② ﴿مَّوْضُوْنَةٍ﴾ بنے ہوئے، جڑے ہوئے، یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے، یعنی رو در رو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت۔

③ یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدوخال اور قد و قامت میں کوئی تغیر واقع ہوگا بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نوعمر لڑکے ہوتے ہیں۔

④ صُدَاعٌ ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافٌ کے معنی: وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو۔ دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہو گی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی۔

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿24﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿25﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿26﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿27﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿28﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿29﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿30﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿31﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿32﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿33﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿34﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿35﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿36﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿37﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿38﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ

78

ع 1 38 14

اُن کے اعمال کا﴿24﴾ نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات﴿25﴾ صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی﴿26﴾ [1] اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے﴿27﴾ [2] وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں میں﴿28﴾ اور تہ بہ تہ کیلوں میں﴿29﴾ اور لمبے لمبے سایوں میں﴿30﴾ [3] اور بہتے ہوئے پانیوں میں﴿31﴾ اور بکثرت پھلوں میں (ہوں گے)﴿32﴾ جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں﴿33﴾ [4] اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے﴿34﴾ [5] ہم نے اُن (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے﴿35﴾ اور ہم نے اُنھیں کنواریاں کر دیا ہے﴿36﴾ [6] محبت والیاں اور ہم عمر ہیں﴿37﴾ [7] دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں﴿38﴾ جمِ غفیر ہے

﴿ مَّعِيْنٍ ﴾ چشمۂ جاری جوخشک نہ ہو۔

⑤ ﴿ الْمَكْنُوْنِ ﴾ جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد وغبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

① یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں حتیٰ کہ بہن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف ونزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض وعناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب وشتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہوگی بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام وتحیہ تو ہوگا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

② اب تک سابقین (مقربین) کا ذکر تھا، ﴿ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴾ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

③ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی، وہ سایہ ختم نہیں ہوگا۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4881، و صحيح مسلم، حديث: 2827)

④ یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح فصل گل ولالہ کے پابند نہیں ہوں گے بلکہ ہر وقت دستیاب ہوں گے۔ اس طرح ان کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

⑤ بعض نے ﴿ فُرُشٍ ﴾ (فرشوں) سے بیویاں اور ﴿ مَّرْفُوْعَةٍ ﴾ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

⑥ ﴿ اَنْشَاْنٰهُنَّ ﴾ میں ضمیر کا مرجع اگرچہ قریب نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حورعین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انھیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿39﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿40﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿41﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿42﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿44﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿45﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿46﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿47﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿49﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ

پہلے لوگوں میں سے ﴿39﴾[1] اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے ﴿40﴾[2] اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے ﴿41﴾[3] گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے) ﴿42﴾ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ﴿43﴾[4] جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش ﴿44﴾[5] بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے ﴿45﴾[6] اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے ﴿46﴾ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے؟ ﴿47﴾ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ﴿48﴾[7] آپ کہہ دیجیے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ﴿49﴾ ضرور جمع کیے جائیں گے

بوڑھی، کالی، بدشکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بدشکل، بدشکل بلکہ سب حسین وجمیل باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

⑦ ﴿عُرُبًا﴾ عَرُوبَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ ﴿اَتْرَابًا﴾ تِرْبٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی 33 سال کی عمر کے ہوں گے۔ (جامع الترمذي، حديث: 2545) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

1 یعنی آدم سے لے کر نبی کریم ﷺ تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے پہلوں میں سے۔

2 یعنی نبی ﷺ کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

3 اس سے مراد اہل جہنم ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے جو ان کی شقاوت ازلی کی علامت ہوگی۔

4 ﴿سَمُوْمٍ﴾ آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ ﴿حَمِيْمٍ﴾ کھولتا ہوا پانی، ﴿يَحْمُوْمٍ﴾ اَحَمُّ سے ہے، بمعنی سیاہ، بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے أَسْوَد يَحْمُوم مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آ کر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سایہ نہیں ہے، جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَمّ سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں، یہ حُمَمٌ سے ہے، جو کوئلے کے معنی میں ہے۔ امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آگ بھی سیاہ ہے، اہل نار بھی سیاہ رو ہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہوگا، سیاہ ہی ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ "اے اللہ! ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔"

5 یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے، وہ سایہ ہی نہیں ہوگا، جو ٹھنڈا ہو، وہ تو جہنم کا دھواں ہوگا، ﴿وَّلَا كَرِيْمٍ﴾ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں یا حلاوت نہیں۔

إِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿51﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿52﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿53﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿54﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿55﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿56﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ أَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ أَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ عَلٰٓى أَنْ نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ

ایک مقرر دن کے وقت ﴿50﴾ پھر تم اے گمرا ہو! جھٹلانے والو! ﴿51﴾ البتہ کھانے والے ہو تھوہر کا درخت ﴿52﴾ اور اُسی سے پیٹ بھرنے والے ہو ﴿53﴾ [1] پھر اُس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو ﴿54﴾ پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ﴿55﴾ [2] قیامت کے دن اُن کی مہمانی یہ ہے ﴿56﴾ [3] ہمیں نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ ﴿57﴾ [4] اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو منی تم ٹپکاتے ہو ﴿58﴾ کیا اُس کا انسان تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟ ﴿59﴾ [5] ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے [6] اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں ﴿60﴾ [7] کہ تمھاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمھیں نئے سرے سے اُس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو ﴿61﴾ [8] تمھیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش

---

⑥ یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

⑦ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے، جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

① یعنی اس کریہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمھیں اگرچہ سخت ناگوار ہوگا لیکن بھوک کی شدت سے تمھیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہوگا۔

② ﴿اَلْهِيْمِ﴾ أَهْيَم کی جمع ہے، ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمھیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا، تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیے جاؤ گے لیکن تمھاری پیاس دور نہیں ہوگی۔

③ یہ بطور استہزا اور تَهَكُّمْ کے فرمایا ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ (آل عمران 21:3) ''ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔''

④ یعنی تم جانتے ہو کہ تمھیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے، پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو۔ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے۔

⑤ یعنی تمھارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمھارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں، ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم۔

⑥ یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا، چنانچہ کوئی بچپن میں، کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿63﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿64﴾
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿65﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿66﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿67﴾
اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ لَوْ نَشَآءُ
جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿71﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ
اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿72﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿73﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ

معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟﴿62﴾ [1] اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو﴿63﴾ اُسے تم ہی اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں﴿64﴾ [2] اگر ہم چاہیں تو اُسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ﴿65﴾ [3] کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا﴿66﴾ [4] بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے﴿67﴾ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو﴿68﴾ اُسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟﴿69﴾ اگر ہماری منشا ہو تو ہم اُسے کڑوا زہر کر دیں پھر تم ہماری شکرگزاری کیوں نہیں کرتے؟﴿70﴾ [5] اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو﴿71﴾ اُس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اُس کے پیدا کرنے والے ہیں؟﴿72﴾ [6] ہم نے اُسے سببِ نصیحت [7] کیا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے﴿73﴾ [8] پس اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح

---

⑦ یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں بلکہ قادر ہیں۔

⑧ یعنی تمھاری صورتیں مسخ کر کے تمھیں بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمھاری جگہ تمھاری شکل وصورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

① یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمھیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

② یعنی زمین میں تم جو بیج بوتے ہو، اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے۔ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمھارے کسی ہنر یا چھومنتر کا نتیجہ ہے۔

③ یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے نہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهٌ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت وخوش حالی بھی ہیں اور حزن ویاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں، تَنَوَّعُونَ كَلَامَكُمْ، تَنْدَمُونَ، تَحْزَنُونَ، تَعْجَبُونَ، تَلَاوَمُونَ اور تَفْجَعُونَ وغیرہ۔ مفہوم سب کا قریب قریب ہی ہے، یعنی حیرت واستعجاب یا ندامت، ملامت اور غم کا اظہار۔ ظَلْتُمْ اصل میں ظَلِلْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تَفَكَّهُونَ، تَتَفَكَّهُونَ ہے۔

④ یعنی ہم نے پہلے زمین پر ہل چلا کر اسے ٹھیک کیا، پھر بیج ڈالا، پھر اسے پانی دیتے رہے لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا، یعنی یہ سارا خرچ اور محنت، ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

5 یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿75﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿76﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿77﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿78﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿79﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾

کیا کرو ﴿74﴾ پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی ﴿75﴾ [1] اور اگر تمھیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے ﴿76﴾ کہ بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے ﴿77﴾ [2] جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے ﴿78﴾ [3] جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ﴿79﴾ [4] یہ رب العالمین کی طرف سے اُترا ہوا ہے ﴿80﴾

---

⑥ کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں، مرخ اور عفار، ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔

⑦ کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے، پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے، ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے 69 گنا حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث:30-(2843))

⑧ مُقْوِينَ ،مُقْوِي کی جمع ہے، قَوَآءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے، یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقْوِي سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِينَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر، غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے۔ (سنن أبي داود، حدیث: 3477، و سنن ابن ماجه، حدیث: 2473 اور دیکھیے: إرواء الغلیل: 6/7-9)

① ﴿فَلَآ اُقْسِمُ﴾ میں لَا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے بلکہ ماقبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے، یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے...... مَوَاقِعُ النُّجُومِ سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: "قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں!" (موضح القرآن) یعنی نجوم، قرآن کی آیات اور مواقع، قلوب انبیاء۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑنا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)

② یہ جواب قسم ہے۔

③ یعنی لوح محفوظ میں۔

④ ﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ﴾ میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے، بعض نے اس کا مرجع، قرآن کریم کو بنایا ہے، یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔ بعض نے اس آیت میں نفی کو بمعنی نہی لے کر یہ کہا ہے کہ قرآن کو بے وضو چھونا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال صحیح

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿81﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿82﴾ فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿83﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَىٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿84﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿85﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿87﴾ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ

پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو؟﴿81﴾ [1] اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو﴿82﴾ پس جب کہ روح نرخرے تک پہنچ جائے﴿83﴾ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو﴿84﴾ [2] ہم اُس شخص سے بہ نسبت تمھارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں [3] لیکن تم نہیں دیکھ سکتے﴿85﴾ [4] پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں﴿86﴾ اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اُس روح کو تو لوٹاؤ﴿87﴾ [5] پس جو کوئی بارگاہِ الٰہی

نہیں، کیونکہ یہ نفی بمعنی نہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف ایک بات کی خبر دی جا رہی ہے، اس کو چھونے یا نہ چھونے کا حکم بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔(البدائع: 475) تفصیل کے لیے دیکھیے: (نيل الأوطار: 1/265-267) اسی طرح (موطأ إمام مالك: 1/191) کی روایت: «وَلَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ» ''صرف پاک شخص ہی قرآن کو چھوئے۔'' صحیح ہے۔(دیکھیے: إرواء الغليل، حديث: 122) لیکن یہ اپنے مفہوم میں واضح نہیں کیونکہ اس طہارت سے کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہونا مراد ہو سکتا ہے جس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 283، و صحيح مسلم، حديث: 371، و جامع الترمذي، حديث: 121، وسنن النسائي، حديث: 270، وسنن أبي داود، حديث: 230، وسنن ابن ماجه، حديث: 535) اس ناپاکی سے مراد وہی کفر و شرک کی ناپاکی ہے جس کی نفی ایک مومن سے کی گئی ہے اور اس اعتبار سے ایک جنبی مومن بھی پاک ہے۔ ورنہ جنابت وغیرہ کی ناپاکی اس کو بھی لاحق ہوتی ہے اور اس کے احکام اس کے لیے بیان کر دیے گئے ہیں۔ بہر صورت ائمہ اربع اور بہت سے فقہاء و محدثین بے وضو شخص کے لیے قرآن چھونے کو ناجائز کہتے ہیں، حائضہ اور نفاس والی کا زبانی قرآن پڑھنا درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی صحیح حدیث نہیں آئی ہے، تاہم جنبی کا قرآن پڑھنا ممنوع ہے اور اس بارے میں حسن روایت موجود ہے۔(دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 229 و حسنه علي زئي.) البتہ باوضو ہو کر قرآن پڑھنے اور چھونے کی افضلیت پر سب کا اتفاق ہے۔

① حدیث سے مراد قرآن کریم ہے۔ مداہنت، وہ نرمی جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے درآں حالیکہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے، یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے، اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

② یعنی مرنے والے اور اس کی حالت نزاع کو دیکھتے ہو لیکن اس کی موت کو ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

③ یعنی مرنے والے کے ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے، یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

④ یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمھیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

⑤ دَانَ يَدِينُ کے معنی ہیں: ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں: بدلہ دینا، یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمھارا آقا اور مالک نہیں

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿88﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿89﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿90﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿91﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿92﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿93﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿94﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿95﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿96﴾ ع 3/22/16

اٰيَاتُهَا: 29 (57) سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ (94) رُكُوْعَاتُهَا: 4	سورۂ حدید مدنی ہے، اس میں 29 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿1﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ

ـسے قریب کیا ہوا ہوگا ﴿88﴾[1] اُسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے ﴿89﴾ اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے ﴿90﴾[2] تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے ﴿91﴾ لیکن اگر کوئی جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے ﴿92﴾[3] تو کھولتے ہوئے گرم پانی سے مہمانی ہے ﴿93﴾ اور دوزخ میں جانا ہے ﴿94﴾ یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے ﴿95﴾ پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کر ﴿96﴾[4]

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں،[5] وہ زبردست باحکمت ہے ﴿1﴾ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی

جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمھارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمھارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

[1] سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنھیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں۔

[2] یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

[3] یہ تیسری قسم ہے جنھیں آغاز سورت میں أَصْحَابُ الْمَشْئَمَة کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست۔ یہ اپنے کفر ونفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

[4] حدیث میں آتا ہے کہ ''دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زباں پر ہلکے اور وزن میں بھاری: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ» (صحيح البخاري، حديث: 7563، وصحيح مسلم، حديث: 2694)

[5] یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی إسرآء يل 44:17) ''تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے۔'' حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (الأنبياء 79:21) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ (فتح القدير)

وَيُمِيتُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ② هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ③ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ

ہے،[1] وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ② وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی،[2] اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے ③ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوگیا۔[3] وہ (خوب) جانتا ہے، اُس چیز کو جو زمین میں جائے[4] اور جو اُس سے نکلے[5] اور جو آسمان سے نیچے آئے[6] اور جو کچھ چڑھ کر اُس میں جائے،[7] اور

① اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملکیت میں ہیں۔

② وہی اول ہے، یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں اور عقلوں سے مخفی ہے۔ (فتح القدير) نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ ؓ کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَرَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ» (صحيح مسلم، حديث: 2713) ”اے ساتوں آسمانوں کے رب! عرش عظیم کے رب! ہمارے اور ہر چیز کے رب! اے تورات، انجیل اور قرآن کو نازل کرنے والے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! میں ہر چیز کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اس کی پیشانی تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا۔ تو آخر میں رہنے والا ہے۔ تجھ سے بعد میں کچھ نہ ہوگا تو باطن ہے تجھ سے ماورا کوئی چیز نہیں، اے اللہ! ہمارے قرضے اتار دے اور ہمیں فقر سے نکال کر بے نیاز بنا دے۔“ اس دعا میں جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرما دی گئی ہے۔

③ اسی مفہوم کی آیات سورۂ اعراف 54:7، سورۂ یونس 3:10، سورۂ سجدہ 4:32 وغیرہا میں گزر چکی ہیں۔ ان کے حواشی ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

④ یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے۔

⑤ جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (الأنعام 59:6) ”اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں۔ کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔“

⑥ بارش، اولے، برف، تقدیر اور وہ احکام جو فرشتے لے کر اترتے ہیں۔

مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ

جہاں کہیں تم ہو وہ تمھارے ساتھ ہے [1] اور جو تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ④ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور تمام کام اُسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ⑤ وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے [2] اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے ⑥ اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اُس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمھیں (دوسروں کا) جانشین بنایا ہے، [3] پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں اُنھیں بہت بڑا ثواب ملے گا ⑦ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمھیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے ⑧ [4] وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے

⑦ فرشتے انسانوں کے عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ ''اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 179)

① یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں، رات ہو یا دن، گھروں میں ہو یا صحراؤں میں، ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمھارے ساتھ ہے، یعنی تمھارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمھاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے۔ یہی مضمون سورۂ ہود 11:3 و سورۂ رعد 13:10 اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

② یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے، ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی، کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

③ یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمھارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا، دوسرے اس کے وارث بنیں گے اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اس کے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ ''انسان کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال، ایک تو وہ ہے جو تو نے کھا پی کے فنا کر دیا، دوسرا وہ ہے جسے پہن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2958، و مسند أحمد: 24/4)

④ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اَخَذَ کا فاعل الرَّسُول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام سے لیتے تھے کہ خوشی اور

لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ

تا کہ وہ تمھیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے ⑨ تمھیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں[1] بلکہ اُن سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔[2] ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ کا اُن سب سے ہے[3] جو کچھ تم کر رہے ہو اُس سے اللہ خبردار ہے ⑩ کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض؟ پھر اللہ اُسے اُس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اُس کے لیے پسندیدہ اجر

ناخوشی ہر حالت میں سمع وطاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انھیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا جو عہد اَلَسْتُ کہلاتا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف 7:172 میں ہے۔

① فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہرحال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا، دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا جبکہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت وتعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

② کیونکہ پہلوں کا انفاق اور جہاد، دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل وعزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف وفضل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں کیونکہ صحابۂ کرام میں مومن اول بھی وہی ہیں اور منفق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) نے انھیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔

③ اس میں وضاحت فرما دی کہ صحابۂ کرام کے درمیان شرف وفضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوتِ درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابۂ کرام ایمان واخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے جیسا کہ بعض حضرات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انھیں طُلَقاء کہہ کر ان کی تنقیص واہانت کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تمام صحابۂ کرام کے بارے میں فرمایا ہے کہ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ”میرے صحابہ پر سب وشتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مُد بلکہ نصف مُد کے بھی برابر نہیں۔“ (صحيح البخاري، حديث: 3673، و

كَرِيْمٌ ⑪ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ⑬ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ

ثابت ہو جائے ⑪ [1] (قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں دوڑ رہا ہوگا، [2] آج تمھیں اُن جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی ⑫ [3] اُس دن منافق مرد و عورت ایمان داروں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ [4] جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ [5] اور روشنی تلاش کرو، پھر اُن کے اور ان کے درمیان [6] ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا۔ اُس کے اندرونی حصے میں رحمت [7] ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا ⑬ [8] یہ چلا چلا کر اُن سے کہیں گے کہ کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے [9] وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں پھنسا رکھا تھا [10] اور انتظار ہی میں رہے [11] اور شک و شبہ کرتے رہے [12]

(صحیح مسلم، حدیث:2540)

① اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنا۔ یہ مال جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا، یہ اللہ کا فضل واحسان ہے کہ وہ اس انفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

② یہ عرصۂ محشر میں پل صراط میں ہوگا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہوگا جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہما نے ﴿ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

③ یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

④ یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرما دے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

⑤ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

⑥ یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

⑦ اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

⑧ یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہوگی۔

⑨ یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمھارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے اور جہاد وغیرہ میں

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿14﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿15﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿16﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور تمھیں تمھاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا[1] یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا[2] اور تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے والے نے دھوکے ہی میں رکھا﴿14﴾[3] الغرض، آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمھاری رفیق ہے[4] اور وہ بُرا ٹھکانا ہے﴿15﴾ کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اُس سے نرم ہو جائیں[5] اور اُن کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں اُن سے پہلے کتاب دی گئی تھی[6] پھر جب اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے[7] اور اُن میں بہت سے فاسق ہیں﴿16﴾[8] یقین مانو کہ

حصہ نہیں لیتے تھے؟

⑩ کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

⑪ کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

⑫ دین کے معاملے میں، اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔

① جن میں تمھیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔

② یعنی تمھیں موت آ گئی یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمھاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

③ یعنی اللہ کے حلم اور اس کے قانون امہال (مہلت دینے) کی وجہ سے تمھیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

④ مَوْلٰی اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی، یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انھیں سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولٰی کہہ لیتے ہیں، یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا، پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرے گی، یعنی ان کی والی بنے گی اور انھیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گی۔

⑤ خطاب اہلِ ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خُشُوع کے معنی ہیں: دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا، حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

⑥ جیسے یہود و نصاریٰ ہیں، یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

⑦ چنانچہ انھوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی، اس کے عوض دنیا کا ثَمَنِ قلیل حاصل کرنے کو انھوں نے شعار بنا لیا، اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا، اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنا لیا، مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرنا ورنہ تمھارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الٰہی کا سبب بنے، تمھیں اچھے لگیں گے۔

اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَاؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑲ اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ

ع 2/9 18

اللہ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو⑰ بے شک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے رہے ہیں، اُن کے لیے یہ بڑھایا جائے گا[1] اور اُن کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے[2]⑱ اللہ اور اُس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق[3] اور شہید ہیں۔ اُن کے لیے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں ⑲ خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا،

⑧ یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ (المآئدة 13:5) "پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ نصیحت انھیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے۔"

① یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت، حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا، وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے، جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

② یعنی جنت اور اس کی نعمتیں جن کو کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں: ﴿الْمُصَّدِّقِيْنَ﴾ اصل میں مُتَصَدِّقِينَ ہے۔ تاء کو صاد سے بدل کر صاد کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔

③ بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے ﴿وَالشُّهَدَآءُ ......﴾ کو الگ جملہ قرار دیا ہے۔ صِدِّیْقِیَّتْ کمال ایمان اور کمال صدق و صفا کا نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ "آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔" (صحیح البخاري، حدیث: 6094، وصحیح مسلم، حدیث: 105-(2607)) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انھیں حاصل ہوگا۔ فرمایا: "جنتی، اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو، یعنی ان کے درمیان درجات کا اتنا فرق ہوگا۔" صحابہ نے پوچھا، یہ انبیاء کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔" (صحیح البخاري، حدیث: 3256)، یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا۔

وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿20﴾ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿21﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي

زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش اور اُس کی پیداوار کسانوں [1] کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اُس کو تم دیکھتے ہو، پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے [2] اور آخرت میں سخت عذاب [3] اور اللہ کی مغفرت اور رضا مندی ہے [4] اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور کچھ بھی تو نہیں ﴿20﴾ [5] (آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف [6] اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے، [7] یہ اُن کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے [8] اور اللہ بڑے فضل والا ہے ﴿21﴾ [9] نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی

---

[1] ﴿كُفَّارٌ﴾ کسانوں کو کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں: چھپانے والے۔ کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے، اس لیے انھیں کافر کہا جاتا ہے۔ اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں بیج بوتے، یعنی انھیں چھپا دیتے ہیں۔

[2] یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد رو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی زیب و زینت، مال، اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں لیکن یہ زندگی چندروزہ ہی ہے، اس کو بھی ثبات و قرار نہیں۔

[3] یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انھوں نے حاصل زندگی سمجھا۔

[4] یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے جنھوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا بلکہ اسے عارضی، فانی اور دارالامتحان سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

[5] لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

[6] یعنی اعمال صالحہ اور توبۃ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

[7] اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہوگا کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

[8] ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

[9] وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا،

الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿22﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿23﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿24﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

ہے [1] نہ (خاص) تمھاری جانوں میں، [2] مگر اس سے پہلے کہ ہم اُس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، [3] یہ (کام) اللہ پر (بالکل) آسان ہے ﴿22﴾ تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، [4] اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ﴿23﴾ جو (خود بھی) بخل کریں اور لوگوں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیں۔ سنو! جو بھی منہ پھیرے [5] اللہ بے نیاز اور لائقِ حمد وثنا ہے ﴿24﴾ یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمائی [6] تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اُتارا [7] جس میں سخت ہیبت وقوت ہے [8] اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں [9] اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اُس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد

تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

① مثلاً: قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی وسماوی۔

② مثلاً: بیماریاں، تعب وتکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

③ یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دی ہیں، جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «قَدَّرَ اللّٰهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ» (صحيح مسلم، حديث: 2653، وجامع الترمذي حديث: 2156) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں۔“

④ یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے، وہ غم اور وہ خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا، یہ ایک فطری عمل ہے لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر اتراتا نہیں ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل وکرم اور اس کا احسان ہے۔

⑤ یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

⑥ ﴿اَلْمِيْزَانَ﴾ سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے، ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے، ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو تول کر پورا پورا حق دو۔

⑦ یہاں بھی اتارا، پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں، یہ سب اللہ کے اس الہام وارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

⑧ یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں، جیسے تلوار، نیزہ، بندوق اور اب ایٹم بم، توپیں، جنگی جہاز، آبدوزیں، گنیں، راکٹ اور ٹینک

بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿25﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ

بن دیکھے کون کرتا ہے،[1] بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے ﴿25﴾ [2] بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ہم نے اَن دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو اُن میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور اُن میں سے اکثر نافرمان رہے ﴿26﴾ اُن کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد عیسیٰ ابنِ مریم کو بھیجا اور اُنھیں انجیل عطا فرمائی اور اُن کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا[3] ہاں رہبانیت تو اُن لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی،[4] ہم نے اُن پر اُسے واجب نہ کیا[5] تھا سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔[6] سو اُنھوں نے اُس کی پوری رعایت نہ کی،[7]

وغیرہ بے شمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

⑨ یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں، جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام آتی ہیں، جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، ہتھوڑا، سوئی، زراعت، تجارت، (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور ساز و سامان۔

① یہ ﴿ لِيَقُوْمَ ﴾ پر عطف ہے، یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو دیکھے بغیر ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

② اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں بلکہ وہ چاہے تو اس کے بغیر ہی ان کو غالب فرما دے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

③ ﴿ رَاْفَةً ﴾ کے معنی نرمی اور ﴿ رَحْمَةً ﴾ کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہیں، یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیے، جیسے صحابۂ کرام رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ یہود آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار نہیں تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

④ ﴿ رَهْبَانِيَّةَ ﴾ رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رُهْبَانٌ (درویش) سے۔ رَهْب سے اسے ماخوذ قرار دیا جائے تو اس کا مصدر رَاهِبِيَّة بنتا ہے، اس میں نون کا اضافہ کر کے رہبانیت بنا دیا گیا۔ (أیسر التفاسیر) رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے، یعنی دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے بادشاہ ہوئے جنھوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بادشاہوں کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا جس کی بنیاد اضطرار پر تھی لیکن ان کے بعد آنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہر بدری کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گرجوں اور معبدوں میں محبوس کر لیا اور اس کے لیے علائق دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے

فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿27﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿28﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

79　ع 4/20

پھر بھی ہم نے اُن میں سے جو ایمان لائے تھے، اُنھیں اُن کا اجر دیا[1] اور اُن میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ﴿27﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا[2] اور تمھیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمھارے گناہ بھی معاف فرما دے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿28﴾ یہ اس لیے کہ اہل کتاب[3] جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی اُنھیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ ﴿29﴾

لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداع (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی دین میں اپنی طرف سے چیزیں گھڑ لینا۔ اسی کو بدعت کہتے ہیں جو مذموم ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 1718) ''جس نے ہمارے اس دین میں نئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

⑤ یہ پچھلی بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

⑥ یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضا جوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انھوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہوں۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو گی۔

⑦ یعنی گو انھوں نے مقصد اللہ کی رضا جوئی بتلایا لیکن اس کی انھوں نے پوری رعایت نہیں کی ورنہ وہ ابتداع (بدعت ایجاد کرنے) کی بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

① یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسیٰ پر قائم رہے تھے۔

② یہ دوگنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 97، و صحيح مسلم، حديث: 154) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انھیں دوگنا اجر ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسير ابن كثير)

③ ﴿لِّئَلَّا﴾ میں لا زائد ہے اور معنی ہیں: لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلٰى أَنْ يَّنَالُوا شَيْئًا مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ ''تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل سے کچھ بھی پانے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' (فتح القدير)

اٰیَاتُھَا 22 (58) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (105) رُكُوْعَاتُهَا 3

سورۂ مجادلہ مدنی ہے، اس میں 22 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، [1] بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے ① تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (انھیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے، [2] یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ② [3] جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کر لیں [4] تو ان کے ذمے آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے [5] ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کے ذریعے تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ

① یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثَعْلَبَہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں، اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ ﷺ سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسئلۂ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرما دیا گیا۔ (سنن أبي داود، حديث: 2214) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی ﷺ سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 188) صحیح بخاری میں بھی تعلیقاً اس کا مختصر ذکر ہے۔ (صحيح البخاري، قبل حديث: 7386)

② یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمھارے کہہ دینے سے تمھاری بیوی تمھاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کی بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسے بھی ظہار قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے علماء اسے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علماء کہتے ہیں کہ اگر ظہار کی نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہو گا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہو گا، امام شافعی بھی کہتے ہیں

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ

تمھارے تمام اعمال سے باخبر ہے③ ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمے دو مہینوں کے لگا تار روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے④ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں [1] گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے، [2] اور بے شک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور کافروں کے لیے تو ذلت والا عذاب ہے⑤ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا، پھر انھیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار رکھا اور وہ اسے بھول گئے تھے، [3]

کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی ہوگا۔ (فتح القدیر)

③ اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔

④ اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے: بیوی سے ہم بستری کرنا چاہے۔

⑤ یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں ① ایک غلام آزاد کرنا اس کی طاقت نہ ہو تو ② پے در پے بلا ناغہ دو مہینے کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ③ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع، یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں: ایک مد کافی ہے لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جا سکتی ہے۔ (فتح القدیر) تاہم یہ ضروری ہے کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے بیوی سے ہم بستری نہیں کرے گا اور روزے رکھنے کی صورت میں بھی دو مہینے کی تکمیل سے پہلے بیوی سے جماع نہیں کرے گا جبکہ کھانا کھلانے کی صورت میں یہ پابندی شرعاً نہیں ہے۔

① ﴿کُبِتُوْا﴾ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت کا باعث تھا۔

② اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

③ یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظاہر ناممکن

وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۷ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ⑥ [1] کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے [2] جہاں بھی وہ ہوں، [3] پھر قیامت کے دن انھیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، [4] بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے ⑦ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنھیں کانا پھوسی سے روک دیا گیا تھا، وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں [5] اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانی رسول کی سرگوشیاں کرتے ہیں، [6] اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ نے نہیں کہا [7] اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمھیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

① اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تاکید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

② یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ (اپنے علم کے اعتبار سے یا جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

③ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگلوں اور صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

④ یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔

⑤ اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا پھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انھیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرما دیا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انھوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

⑥ یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً: کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی اور ایک دوسرے کو رسول کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

اللهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ ؕ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا

سزا کیوں نہیں دیتا،[1] ان کے لیے جہنم کافی ہے جس میں یہ جائیں گے،[2] سو وہ برا ٹھکانا ہے⑧ اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم اور نافرمانیٔ رسول کی نہ ہوں[3] بلکہ نیکی اور پرہیز گاری کی باتوں پر سرگوشی کرو[4] اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے⑨ (بری) سرگوشیاں، بس شیطانی کام ہے جس سے ایمان داروں کو رنج پہنچے۔[5] گو اللہ کی اجازت کے بغیر وہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں⑩ اے مسلمانو![6] جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کھل کر بیٹھو تو تم جگہ کشادہ

⑦ یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تم اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہو لیکن یہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کی بجائے کہتے: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ یا عَلَيْكَ ''تم پر موت وارد ہو۔'' اس لیے رسول اللہ ﷺ ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ [وَعَلَيْكُمْ] یا [وَعَلَيْكَ] ''اور تم ہی پر ہو۔'' اور مسلمانوں کو بھی آپ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمھیں سلام کرے تو تم جواب میں عَلَيْكَ کہا کرو، یعنی وَعَلَيْكَ مَاقُلْتَ ''تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ ہی پر وارد ہو۔'' (صحیح البخاري، حدیث:6030، و صحیح مسلم، حدیث: 2164)

① یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری گرفت فرماتا۔

② اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کی فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔

③ جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمھاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اِثْم و عُدْوَان پر نہیں ہونی چاہئیں۔

④ یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر مبنی ہوں کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔

⑤ یعنی گناہ، زیادتی اور معصیت رسول پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہے کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم وحزن میں مبتلا کرے۔

⑥ لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اِلّا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو، اس لیے تم اپنے دشمنوں کی ان اوچھی حرکتوں سے پریشان نہ ہوا کرو بلکہ اللہ پر بھروسا رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے نہ کہ یہود اور منافقین جو تمھیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے: ''جب تم تین آدمی اکٹھے ہو تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

کرو[1] اللہ تمھیں کشادگی دے گا،[2] اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو تم اٹھ کھڑے ہو جاؤ،[3] اللہ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا،[4] اور اللہ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے ⑪ اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو،[5] یہ تمھارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر ہے،[6] ہاں اگر نہ پاؤ تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ⑫

دے گا۔" (صحيح البخاري، حديث: 6290، و صحيح مسلم، حديث: 2184) البتہ اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہوگا۔

[1] اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے جو ہر اس مجلس کو شامل ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسير القرطبي) "کھل کر بیٹھو" کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا: "کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے، اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو" (صحيح البخاري، حديث: 911، و صحيح مسلم، حديث: 28-(2177))

[2] یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے طالب ہو گے، مثلاً: مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمھیں فراخی عطا فرمائے گا۔

[3] یعنی جہاد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا جائے تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی ﷺ سے خلوت میں کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

[4] یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفع درجات کا باعث ہے۔

[5] ہر مسلمان نبی ﷺ سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا جس سے نبی ﷺ کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی ﷺ سے مناجات میں مصروف رہتے تھے جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرما دیا تاکہ آپ سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

[6] بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمھارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہوگا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ ایک عمل صالح اور اطاعت الٰہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور استحباب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

ع 2 7 2

کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟ پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے بھی تمھیں معاف فرما دیا[1] تو اب نمازوں کو قائم رکھو زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی تابعداری کرتے رہو۔[2] تم جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ خوب خبردار ہے⑬ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنھوں نے اس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ غضب ناک ہو چکا ہے،[3] نہ یہ منافق تمھارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں[4] باوجود علم کے پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں⑭[5] اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،[6] تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں⑮ ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے[7] اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں[8] ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے⑯ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے⑰ جس دن اللہ ان سب کو کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں، اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے[9]

1 یہ امر گو استحبابًا تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرما دیا۔

2 یعنی فرائض و احکام کی پابندی، اس صدقے کا بدل بن جائے گی جسے اللہ نے تمھاری تخفیف کے لیے معاف فرما دیا ہے۔

3 جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

4 یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں، پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی ﷺ اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔

5 یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمھاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے ان کے رابطے نہیں ہیں۔

6 یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

7 أَيْمَانٌ يَمِينٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم، یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

8 یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں حقیقت واقعیہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے [illegible] اسلام سے محروم رہتے ہیں اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے

وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ

اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی دلیل پر ہیں، [1] یقین مانو کہ بے شک وہی جھوٹے ہیں (18) ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا ہے، [2] اور انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے [3] یہ شیطانی لشکر ہے کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے (19) [4] بے شک اللہ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں، [5] وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں (20) [6] اللہ لکھ چکا ہے [7] کہ بے شک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، یقیناً اللہ زور آور اور غالب ہے (21) [8] اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے

روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

(9) یعنی ان کی بدبختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شوخ چشمانہ جسارت کریں گے۔

(1) یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھا لیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

(2) ﴿ اِسْتَحْوَذَ ﴾ کے معنی ہیں: گھیر لیا، احاطہ کرلیا، جمع کرلیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کرلیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔

(3) یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کردیا ہے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرواتا ہے، انھیں خوبصورت دکھلا کر یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور آرزوؤں میں مبتلا کر کے۔

(4) یعنی مکمل خسارہ انھی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں، اس لیے کہ انھوں نے جنت کا سودا گمراہی لے کر کرلیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

(5) مُحَادَّةٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو، گویا دونوں دو کناروں (حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے دربان اور پہرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(6) یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انھی اہل ذلت میں ہوگا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(7) یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہ مضمون سورۂ مومن 52,51:40 میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(8) جب یہ بات لکھنے والا سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کرسکے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے، یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے [1] گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ [2] یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے [3] اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے [4] اور جنھیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں [5] یہ اللہ کا لشکر ہے، آگاہ رہو بے شک اللہ کے گروہ والے ہی

---

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: سورۂ آل عمران 28:3، سورۂ توبہ 24:9 وغیرہ۔

[2] اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، اُبُوَّتُ، بُنُوَّتُ، اُخُوَّتُ اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے باپ، بیٹے، بھائی، چچا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ انفال 67:8 کا حاشیہ)

[3] یعنی راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

[4] روح سے مراد اپنی نصرت خاص یا نور ایمان ہے جو انھیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

[5] یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابۂ کرام، ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے حتیٰ کہ انھیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے، اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ کے مصداق اول اور مصداق اتم صحابۂ کرام ہیں لیکن الفاظ کے عموم کی وجہ سے بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ السلام (دعائیہ جملے کے طور پر) بولا جا سکتا ہے لیکن اہل سنت عام طور پر ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر، ان کو صحابۂ کرام اور انبیاء کے علاوہ کسی اور کے لیے بولتے اور لکھتے نہیں۔ یہ گویا شعار ہیں، رضی اللہ عنہم صحابہ کے لیے اور علیہم السلام

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿22﴾ ع

اٰیَاتُھَا 24 (59) سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (101) رُکُوْعَاتُھَا 3

سورۂ حشر مدنی ہے، اس میں 24 آیات اور 3 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿1﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

کامیاب لوگ ہیں ﴿22﴾ [1]

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ غالب باحکمت ہے ﴿1﴾ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا، [2] تمھارا گمان (بھی) نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ خود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچالیں گے [3] پس ان پر اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے آپڑا کہ انھیں گمان بھی نہ تھا [4] اور ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا، [5] وہ اپنے

انبیائے کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمۃ اللہ علیہ یا رحمہ اللہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہوسکتا ہے کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں لیکن ان کا استعمال فوت شدگان کے لیے خاص ہو چکا ہے، اس لیے اسے زندہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

﴿1﴾ یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہوگا، کفار ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے جیسے وہ فلاح سے بالکل محروم ہیں جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۂ نضیر بھی کہتے ہیں۔ (صحيح البخاري، حديث:4882)

2 مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی ﷺ نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ در پردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے خلاف رابطہ رکھا حتی کہ ایک موقع پر جبکہ آپ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینکنے اور آپ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی جس کے متعلق وحی کے ذریعے سے آپ کو بروقت اطلاع کر دی گئی اور آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انھوں نے جان بخشی کی صورت میں جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا جسے رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا۔ اسے اول حشر (پہلی بار جمع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلا وطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے، وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں انھیں دوبارہ جلا وطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کا آخری حشر ہوگا۔

3 اس لیے کہ انھوں نے نہایت مضبوط قلعے تعمیر کر رکھے تھے جن پر انھیں گھمنڈ تھا اور مسلمان بھی سمجھتے تھے کہ اتنی آسانی سے یہ قلعے

وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ

گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے [1] اور مسلمانوں کے ہاتھوں برباد کروا رہے تھے، [2] پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو② [3] اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی کو مقدر نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً انھیں دنیا ہی میں عذاب دیتا، [4] اور آخرت میں تو ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی③ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی سخت عذاب کرنے والا ہے④ تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کے فرمان سے تھا اور اس لیے

فتح نہیں ہو سکیں گے۔

④ اور وہ یہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

⑤ اس رعب کی وجہ سے ہی انھوں نے جلاوطنی پر آمادگی کا اظہار کیا ورنہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور دیگر لوگوں نے انھیں پیغامات بھیجے تھے کہ تم نے مسلمانوں کے سامنے جھکنا نہیں، ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ خصوصی وصف عطا فرمایا تھا کہ دشمن ایک مہینے کی مسافت پر آپ سے مرعوب ہو جاتا تھا، اس لیے سخت دہشت اور گھبراہٹ ان پر طاری ہو گئی۔ اور تمام تر اسباب و وسائل کے باوجود انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور صرف یہ شرط مسلمانوں سے منوائی کہ جتنا سامان وہ لاد کر لے جا سکتے ہیں انھیں لے جانے کی اجازت ہو، چنانچہ اس اجازت کی وجہ سے انھوں نے اپنے گھروں کے دروازے اور شہتیر تک اکھیڑ ڈالے تاکہ انھیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

① یعنی جب انھیں یقین ہو گیا کہ اب جلاوطنی ناگزیر ہے تو انھوں نے دوران محاصرہ اندر سے اپنے گھروں کو برباد کرنا شروع کر دیا تاکہ وہ مسلمانوں کے بھی کام کے نہ رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سامان لے جانے کی اجازت سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے وہ اپنے اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جا سکتے تھے، اپنے گھر ادھیڑ ادھیڑ کر وہ سامان انھوں نے اونٹوں پر رکھ لیا۔

② باہر سے مسلمان ان کے گھروں کو برباد کرتے رہے تاکہ ان پر گرفت آسان ہو جائے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ادھیڑے ہوئے گھروں سے بقیہ سامان نکالنے اور حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو مزید تخریب سے کام لینا پڑا۔

③ کہ کس طرح اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا۔ درآں حالیکہ وہ ایک نہایت طاقت ور اور وسائل سے بہرہ ور قبیلہ تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت عمل ختم ہو گئی اور اللہ نے اپنے مؤاخذے کے شکنجے میں کسنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر ان کی اپنی طاقت اور وسائل ان کے کام آئے نہ دیگر اعوان و انصار ان کی کچھ مدد کر سکے۔

④ یعنی اللہ کی تقدیر میں پہلے سے ہی اس طرح ان کی جلاوطنی لکھی ہوئی نہ ہوتی تو ان کو دنیا میں ہی سخت عذاب سے دوچار کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں ان کے بھائی یہود کے ایک دوسرے قبیلے (بنو قریظہ) کو ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ ان کے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے غنیمت بنا دیا گیا۔

الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ⑧ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ

بھی کہ فاسقوں کو اللہ رسوا کرے⑤ [1] اور ان کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے، اس پر نہ تو تم نے اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ بلکہ اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہے غالب کر دیتا ہے، [2] اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے⑥ بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تمھارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے تاکہ تمھارے دولت مندوں کے ہاتھ ہی میں یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے اور تمھیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ سخت عذاب والا ہے⑦ (فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں⑧ [3] اور (ان کے لیے) جنھوں نے

---

① ﴿لِيْنَةٍ﴾ کھجور کی ایک قسم ہے، جیسے عجوہ، برنی وغیرہ کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ یا عام کھجور کا درخت مراد ہے۔ دوران محاصرہ نبی ﷺ کے حکم سے مسلمانوں نے بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کو آگ لگا دی، کچھ کاٹ ڈالے اور کچھ چھوڑ دیے۔ جس سے مقصود دشمن کی آڑ کو ختم کرنا۔ اور یہ واضح کرنا تھا کہ اب مسلمان تم پر غالب ہیں، وہ تمھارے اموال و جائیداد میں جس طرح چاہیں تصرف کرنے پر قادر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی اس حکمت عملی کی تصویب فرمائی اور اسے یہود کی رسوائی کا ذریعہ قرار دیا۔

② بنونضیر کا یہ علاقہ، جو مسلمانوں کے قبضے میں آیا، مدینے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا، پس مسلمانوں کو اس کے لیے لمبا سفر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یعنی اس میں مسلمانوں کو اونٹ اور گھوڑے دوڑانے نہیں پڑے۔ اسی طرح لڑنے کی بھی نوبت نہیں آئی اور صلح کے ذریعے سے یہ علاقہ فتح ہو گیا، یعنی اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے ان پر غالب فرما دیا، اس لیے یہاں سے حاصل ہونے والے مال کو فے قرار دیا گیا، جس کا حکم غنیمت سے مختلف ہے۔ گویا مال فے وہ ہے جو دشمن بغیر لڑے چھوڑ کر بھاگ جائے یا صلح کے ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جو مال باقاعدہ لڑائی اور غلبہ حاصل کرنے کے بعد ملے، وہ غنیمت ہے۔ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے، چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہے لیکن مال فے یہ مجاہدین میں مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں ہوگا، سارا کا سارا ہی اللہ اور رسول کا حصہ ہے، یعنی مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہوگا۔ اس آیت میں یہاں مال فے کا یہی مصرف بیان کیا گیا ہے۔

③ اس میں مال فے کا ایک صحیح ترین مصرف بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مہاجرین کی فضیلت، ان کے اخلاص اور ان کی راست بازی

الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ع 1 10/4

اس گھر میں یعنی مدینہ اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے [1] اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے [2] بلکہ خود اپنے اوپر انھیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، [3] بات یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب ہے⑨ [4] اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال، [5] اے ہمارے رب! بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے⑩ کیا تو نے منافقوں کو نہ

کی وضاحت ہے جس کے بعد ان کے ایمان میں شک کرنا، گویا قرآن کا انکار ہے۔

① ان سے انصار مدینہ مراد ہیں جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے قبل مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے قبل، ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مہاجرین کے ایمان لانے سے پہلے یہ انصار ایمان لا چکے تھے کیونکہ ان کی اکثریت مہاجرین کے ایمان لانے کے بعد ایمان لائی ہے، یعنی ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا مطلب مِنْ قَبْلِ هِجْرَتِهِمْ ہے۔ اور ﴿الدَّارَ﴾ سے دَارُ الْهِجْرَةِ یعنی مدینہ مراد ہے۔

② یعنی مہاجرین کو اللہ کا رسول جو کچھ دے، اس پر حسد اور انقباض محسوس نہیں کرتے، جیسے مال فَے کا اولین مستحق بھی ان کو قرار دیا گیا لیکن انصار نے برا نہیں منایا۔

③ یعنی اپنے مقابلے میں مہاجرین کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکے رہتے ہیں لیکن مہاجرین کو کھلاتے ہیں، جیسے حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا لیکن آپ ﷺ کے گھر میں کچھ نہ تھا، چنانچہ ایک انصاری اسے اپنے گھر لے گیا، گھر جا کر بیوی کو بتلایا تو بیوی نے کہا کہ گھر میں تو صرف بچوں کی خوراک ہے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ بچوں کو تو آج بھوکا سلا دیں اور ہم خود بھی ایسے ہی کچھ کھائے بغیر سو جائیں گے، البتہ مہمان کو کھلاتے وقت چراغ بجھا دینا تا کہ اسے ہماری بابت علم نہ ہو کہ ہم اس کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ صبح جب وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ......﴾ الآية (صحيح البخاري، حديث: 4889) ان کے ایثار کی یہ بھی ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ایک انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اس لیے طلاق دینے کی پیشکش کی کہ عدت گزرنے کے بعد اس سے اس کا دوسرا مہاجر بھائی نکاح کر لے۔ (صحيح البخاري حديث: 5072)

④ حدیث میں ہے: "شُحّ سے بچو، اس حرص نفس نے ہی پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اسی نے انھیں خوں ریزی پر آمادہ کیا اور انھوں

نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ

دیکھا؟ کہ اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ضرور بالضرور ہم بھی تمھارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمھارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی جائے گی تو اَللّٰہ کی قسم! ہم تمھاری مدد کریں گے، [1] لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں ⑪ [2] اگر وہ جلا وطن کیے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں [3] گے اور اگر بالفرض مدد پر آ بھی گئے [4] تو پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے [5] پھر

نے محارم کو حلال کرلیا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 2578)

⑤ یہ مالِ فَے کے مستحقین کی تیسری قسم ہے، یعنی صحابہ کے بعد آنے والے اور صحابہ کے نقشِ قدم پر چلنے والے۔ اس میں تابعین اور تبع تابعین اور قیامت تک ہونے والے اہلِ ایمان وتقویٰ آ گئے لیکن شرط یہی ہے کہ وہ انصار و مہاجرین کو مومن ماننے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والے ہوں نہ کہ ان کے ایمان میں شک کرنے اور ان پر سب وشتم کرنے اور ان کے خلاف اپنے دلوں میں بغض وعناد رکھنے والے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی ہے: «إِنَّ الرَّافِضِيَّ الَّذِي يَسُبُّ الصَّحَابَةَ لَيْسَ لَهُ فِي مَالِ الْفَيْءِ نَصِيبٌ لِعَدَمِ اتِّصَافِهِ بِمَا مَدَحَ اللّٰهُ بِهِ هٰؤُلَاءِ فِي قَوْلِهِمْ» (ابن كثير) ''رافضی جو صحابۂ کرام پر سب وشتم کرتے ہیں، انھیں مالِ فَے سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی مدح کی ہے اور رافضی ان کی مذمت کرتے ہیں۔'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «أُمِرْتُمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فَسَبَبْتُمُوهُمْ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ يَقُولُ: لَا تَذْهَبُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ حَتّٰى يَلْعَنَ آخِرُهَا أَوَّلَهَا» (تفسير البغوي) ''تم لوگوں کو اصحاب محمد ﷺ کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا۔ مگر تم نے ان پر لعن طعن کی۔ میں نے تمھارے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے آخری زمانے کے لوگ اولین پر لعنت نہ کریں۔''

① جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ منافقین نے بنونضیر کو یہ پیغام بھیجا تھا۔

② چنانچہ ان کا جھوٹ واضح ہو کر سامنے آ گیا کہ بنونضیر جلا وطن کر دیے گئے لیکن یہ ان کی مدد کو پہنچے نہ ان کی حمایت میں مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔

③ یہ منافقین کے گزشتہ جھوٹے وعدوں ہی کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنونضیر جلا وطن اور بنوقریظہ قتل اور اسیر کیے گئے لیکن منافقین کسی کی مدد کو نہیں پہنچے۔

④ یہ بطورِ فرض بات کی جا رہی ہے ورنہ جس چیز کی نفی اللہ تعالیٰ فرما دے، اس کا وجود کیونکر ممکن ہے، مطلب ہے کہ اگر وہ یہود کی مدد کرنے کا ارادہ کریں۔

⑤ یعنی شکست کھا کر۔

لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ

مدد نہ کیے جائیں⑫ [1] (مسلمانو! یقین مانو) کہ تمھاری ہیبت ان کے دلوں [2] میں بہ نسبت اللہ کی ہیبت کے بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں⑬ [3] یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، [4] ان کی لڑائی تو ان کے آپس ہی میں بہت سخت ہے [5] گو آپ انھیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں، [6] اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں⑭ [7] ان لوگوں کی طرح جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں جنھوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا [8] اور جن کے لیے المناک عذاب ہے⑮ [9] شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو

① مراد یہود ہیں، یعنی جب ان کے مددگار منافقین ہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے تو یہود کس طرح منصور و کامیاب ہوں گے۔ بعض نے اس سے مراد منافقین لیے ہیں کہ وہ مدد نہیں کیے جائیں گے بلکہ اللہ ان کو ذلیل کرے گا اور ان کا نفاق ان کے لیے نافع نہیں ہوگا۔

② یہود کے یا منافقین کے یا سب کے ہی دلوں میں۔

③ یعنی تمھارا یہ خوف ان کے دلوں میں ان کی ناسمجھی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر یہ سمجھدار ہوتے تو سمجھ جاتے کہ مسلمانوں کا غلبہ و تسلط، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے چاہیے نہ کہ مسلمانوں سے۔

④ یعنی یہ منافقین اور یہودی مل کر بھی کھلے میدان میں تم سے لڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، البتہ قلعوں میں محصور ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر تم پر وار کر سکتے ہیں، جس سے یہ واضح ہے کہ یہ نہایت بزدل ہیں اور تمھاری ہیبت سے لرزاں و ترساں ہیں۔

⑤ یعنی آپس میں یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں، اس لیے ان میں باہم تو تکرار اور ٹھکا فضیحتی عام ہے۔

⑥ یہ منافقین کا آپس میں دلوں کا حال ہے۔ یا یہود اور منافقین کا یا مشرکین اور اہل کتاب کا۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں یہ ایک نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل ایک نہیں ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و عناد سے بھرے ہوئے۔

⑦ یعنی یہ اختلاف اور تشتُّت ان کی بے عقلی کی وجہ سے ہے، اگر ان کے پاس سمجھنے والی عقل ہوتی تو یہ حق کو پہچان لیتے اور اسے اپنا لیتے۔

⑧ اس سے بعض نے مشرکین مکہ مراد لیے ہیں جنھیں غزوۂ بنی نضیر سے کچھ عرصہ قبل جنگ بدر میں عبرت ناک شکست ہوئی تھی، یعنی یہ بھی مغلوبیت اور ذلت میں مشرکین ہی کی طرح ہیں جن کا زمانہ قریب ہی ہے۔ بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنو قینقاع کو مراد لیا ہے جنھیں بنو نضیر سے قبل جلا وطن کیا جا چکا تھا جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے ان کے قریب تھے۔ (ابن کثیر)

⑨ یعنی یہ وبال جو انھوں نے چکھا، یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جو نہایت دردناک ہوگی۔

بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿16﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ط
وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿17﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿18﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿19﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ط اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿20﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا

تجھ سے بری ہوں، [1] میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں ⑯ [2] پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ آتشِ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے گئے اور ظالموں کی یہی سزا ہے ⑰ [3] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو [4] اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا بھیجا ہے، [5] اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے ⑱ [6] اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انھیں اپنی جانوں سے غافل کر دیا، [7] اور ایسے ہی لوگ نافرمان فاسق ہوتے ہیں ⑲ اہل نار اور اہل جنت باہم برابر نہیں۔ [8] جو اہلِ جنت ہیں وہی کامیاب ہیں ⑳ [9] اگر ہم اس

① یہ یہود اور منافقین کی ایک اور مثال بیان فرمائی کہ منافقین نے یہودیوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس طرح شیطان انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، پہلے وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور جب انسان شیطان کے پیچھے لگ کر کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان اس سے براءت کا اظہار کر دیتا ہے۔

② شیطان اپنے اس قول میں سچا نہیں ہے، مقصد صرف اس کفر سے علیحدگی اور براءت ہے جو انسان شیطان کے گمراہ کرنے سے کرتا ہے۔

③ یعنی خلود في النار جہنم کی دائمی سزا۔

④ اہل ایمان کو خطاب کر کے انھیں وعظ کیا جا رہا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب ہے، اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں بجالاؤ۔ جن سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، آیت میں یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا کیونکہ یہ تقویٰ (اللہ کا خوف) ہی انسان کو نیکی کرنے پر اور برائی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے۔

⑤ کل سے مراد قیامت ہے۔ اسے کل سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اس کا وقوع زیادہ دور نہیں، قریب ہی ہے۔

⑥ چنانچہ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا، نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا۔

⑦ یعنی اللہ نے بطور جزا انھیں ایسا کر دیا کہ وہ ایسے عملوں سے غافل ہو گئے جن میں ان کا فائدہ تھا اور جن کے ذریعے سے وہ اپنے نفسوں کو عذاب الٰہی سے بچا سکتے تھے۔ یوں انسان خدا فراموشی سے خود فراموشی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی عقل، اس کی صحیح رہنمائی نہیں کرتی، آنکھیں اس کو حق کا راستہ نہیں دکھاتیں اور اس کے کان حق کے سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً اس سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جن میں اس کی اپنی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔

⑧ جنھوں نے اللہ کو بھول کر یہ بات بھی بھلائے رکھی کہ اس طرح وہ خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اور ایک دن آئے گا کہ اس کے نتیجے میں ان کے یہ جسم، جس کے لیے دنیا میں وہ بڑے بڑے پاپڑ بیلتے تھے، جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ اور ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ تھے جنھوں نے اللہ کو یاد رکھا، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزاری۔ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس

هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿21﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿22﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿23﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ

80

قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے [1] تو تو دیکھتا کہ خوفِ الٰہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، [2] ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں ﴿21﴾ [3] وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے [4] کھلے کا جاننے والا مہربان اور رحم کرنے والا ﴿22﴾ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زورآور اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنھیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں ﴿23﴾ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا بنانے والا، [5] صورت بنانے والا،

کی بہترین جزا عطا فرمائے گا اور اپنی جنت میں انھیں داخل فرمائے گا، جہاں ان کے آرام و راحت کے لیے ہر طرح کی نعمتیں اور سہولتیں ہوں گی۔ یہ دونوں فریق، یعنی جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہوں گے۔ بھلا یہ برابر ہو بھی کس طرح سکتے ہیں۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لیے تیاری کرتا رہا۔ دوسرا اپنے انجام سے غافل رہا اور اس وجہ سے اس کے لیے تیاری میں بھی مجرمانہ غفلت برتی۔

⑨ جس طرح امتحان کی تیاری کرنے والا کامیاب اور دوسرا ناکام ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان وتقویٰ جنت کے حصول میں کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ اس کے لیے وہ دنیا میں نیک عمل کر کے تیاری کرتے رہے گویا دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے۔ جس نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور اس نے انجام سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری، وہ کامیاب ہوگا اور جو دنیا کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر اور انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا، وہ خاسر و ناکام ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِينَ.

① اور پہاڑ میں فہم وادراک کی وہ صلاحیت پیدا کر دیتے جو ہم نے انسان کے اندر رکھی ہے۔

② یعنی قرآن کریم میں ہم نے بلاغت وفصاحت، قوتِ استدلال اور وعظ وتذکیر کے ایسے پہلو بیان کیے ہیں کہ انھیں سن کر پہاڑ بھی، باوجود اتنی سختی اور وسعت وبلندی کے، خوفِ الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ انسان کو سمجھایا اور ڈرایا جا رہا ہے کہ تجھے عقل وفہم کی صلاحیتیں دی گئی ہیں لیکن اگر قرآن سن کر تیرا دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

③ تاکہ قرآن کے مواعظ سے وہ نصیحت حاصل کریں اور زواجر کو سن کر نافرمانیوں سے اجتناب کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن یہ آپ پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے آپ کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ نے اس چیز کو برداشت کر لیا جس کو برداشت کرنے کی طاقت پہاڑوں میں بھی نہیں ہے۔ (فتح القدير) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات بیان فرما رہا ہے جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہے۔

④ غیب، مخلوقات کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ کے لیے تو کوئی چیز غیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے، چاہے وہ ہمارے سامنے ہو یا ہم سے غائب حتیٰ کہ وہ تاریکیوں میں چلنے والی چیونٹی کو بھی جانتا ہے۔

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿24﴾

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اس میں 13 آیات اور 2 رکوع ہیں۔	اٰيَاتُهَا: 13 (60) سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (91) رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا

اسی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، [1] ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں، اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ [2] اور وہی غالب حکمت والا ہے ﴿24﴾ [3]

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ [4] تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو [5] اور وہ

---

⑤ کہتے ہیں کہ ﴿اَلْخَالِقُ﴾ کا مطلب ہے: اپنے ارادہ ومشیت کے مطابق مقدر کر دینے والا اور ﴿اَلْبَارِئُ﴾ کے معنی ہیں: اسے پیدا کرنے والا، گھڑنے اور وجود میں لانے والا۔

① اسمائے حسنٰی کی بحث سورۂ اعراف 7:180 میں گزر چکی ہے۔

② یہ تسبیح زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

③ جس چیز کا بھی فیصلہ کرتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

④ کفار مکہ اور نبی ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا، اہل مکہ نے اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے وہ معاہدہ ختم ہو گیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو خفیہ طور پر لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک مہاجر بدری صحابی تھے جن کی قریش کے ساتھ کوئی رشتے داری نہیں تھی لیکن ان کے بیوی بچے مکے ہی میں تھے۔ انھوں نے سوچا کہ میں قریش مکہ کو آپ ﷺ کے حملے کے ارادے کی اطلاع کر دوں تاکہ اس احسان کے بدلے وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں، چنانچہ انھوں نے ایک عورت کے ذریعے سے یہ پیغام تحریری طور پر اہل مکہ کی طرف روانہ کر دیا جس کی اطلاع بذریعہ وحی نبی ﷺ کو کر دی گئی، چنانچہ آپ نے حضرت علی، حضرت مقداد اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ ''جاؤ روضۂ خاخ پر ایک عورت ہوگی جو مکہ جا رہی ہوگی، اس کے پاس ایک رقعہ ہے، وہ لے آؤ۔'' چنانچہ وہ حضرات گئے اور اس سے یہ رقعہ لے آئے جو اس نے سر کے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آپ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کام کفر وارتداد کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیگر مہاجرین کے رشتے دار مکے میں موجود ہیں جو ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میرا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ میں اہل مکہ کو کچھ اطلاع کر دوں تاکہ وہ میرے احسان مند رہیں اور میرے بچوں کی حفاظت کریں۔ آپ نے ان کی سچائی کی وجہ سے انھیں کچھ نہیں کہا، تاہم اللہ نے تنبیہ کے طور پر یہ آیات نازل فرما دیں تاکہ آئندہ کوئی مومن کسی کافر کے ساتھ اس طرح کا تعلق مودت قائم نہ کرے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4890، و صحيح مسلم، حديث: 2494)

⑤ مطلب ہے نبی ﷺ کی خبریں ان تک پہنچا کر ان سے دوستانہ تعلق قائم کرنا چاہتے ہو۔

بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ

اس حق کے ساتھ جو تمھارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمھیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان رکھتے ہو،[1] اگر تم میری راہ کے جہاد میں اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو)،[2] تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا، وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا①[3] اگر وہ تم پر کہیں قابو پالیں تو وہ تمھارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ②[4] تمھاری قرابتیں، رشتے داریاں اور اولاد قیامت کے دن تمھارے کام نہ آئیں گی،[5] اللہ تمھارے درمیان فیصلہ کر دے گا[6] اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ خوب دیکھ رہا ہے③ (مسلمانو!) تمھارے لیے ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے،[7] جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار

① جب ان کا تمھارے ساتھ اور حق کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو تمھارے لیے کیا یہ مناسب ہے کہ تم ان سے محبت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرو؟

② یہ جواب شرط، جو محذوف ہے، کا ترجمہ ہے۔

③ یعنی میرے اور اپنے دشمنوں سے محبت کا تعلق جوڑنا اور انھیں خفیہ نامہ و پیام بھیجنا، یہ گمراہی کا راستہ ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

④ یعنی تمھارے خلاف ان کے دلوں میں تو اس طرح بغض و عناد ہے اور تم ہو کہ ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہو۔

⑤ یعنی جس اولاد کے لیے تم کفار کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہے ہو، یہ تمھارے کچھ کام نہیں آئے گی، پھر اس کی وجہ سے تم کافروں سے دوستی کر کے کیوں اللہ کو ناراض کرتے ہو۔ قیامت والے دن جو چیز کام آئے گی وہ تو اللہ اور رسول کی اطاعت ہے، اس کا اہتمام کرو۔

⑥ دوسرے معنی ہیں: تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا، یعنی اہل طاعت کو جنت میں اور اہل معصیت کو جہنم میں داخل کرے گا۔ بعض کہتے ہیں: آپس میں جدائی کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے، جیسے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾ (عبس 80:34) "یعنی شدت ہول سے بھائی، بھائی سے بھاگے گا۔"

⑦ کفار سے عدم موالات کے مسئلے کی توضیح کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جا رہی ہے۔ ﴿اُسْوَةٌ﴾ کے معنی ہوتے ہیں: ایسا

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ

ہیں۔① ہم تمھارے عقائد کے منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوگئی② لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی③ کہ میں تمھارے لیے استغفار ضرور کروں گا اور تمھارے لیے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسا کیا ہے④ اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ④ اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال،⑤ اور اے ہمارے پالنے والے! ہماری خطاؤں کو بخش دے، بے شک تو ہی

نمونہ جس کی اقتدا کی جائے۔

① یعنی شرک کی وجہ سے ہمارا اور تمھارا کوئی تعلق نہیں، اللہ کے پرستاروں کا بھلا غیر اللہ کے پجاریوں سے کیا تعلق۔

② یعنی یہ علیحدگی اور بیزاری اس وقت تک رہے گی جب تک تم کفر و شرک چھوڑ کر توحید کو نہیں اپنا لو گے۔ ہاں! جب تم ایک اللہ کو ماننے والے بن جاؤ گے تو پھر یہ عداوت موالات میں اور یہ بغض محبت میں بدل جائے گا۔

③ یہ ایک استثنا ہے جو ﴿فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ﴾ میں مقدر محذوف مضاف سے ہے، یعنی قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي مَقَالَاتِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيهِ یا ﴿اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ سے استثنا ہے، اس لیے کہ ﴿قَوْلَ﴾ بھی من جملہ اسوہ ہے۔ گویا کہا جا رہا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ فِي جَمِيعِ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ إِلَّا قَوْلَهُ لِأَبِيهِ (فتح القدير) مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی ایک قابل اتباع نمونہ ہے، البتہ ان کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں ان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کا یہ فعل اس وقت کا ہے جب ان کو اپنے باپ کی بابت علم نہیں تھا، چنانچہ جب ان پر یہ واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اپنے باپ سے بھی اظہار براءت کر دیا جیسا کہ سورۂ براءت 9:114 میں ہے۔ (سورۂ براءت سورۂ توبہ کو کہا جاتا ہے)

④ توکل کا مطلب ہے: امکانی حد تک ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ظاہری وسائل اختیار کیے بغیر ہی اللہ پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا جائے، اس سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اس لیے توکل کا یہ مفہوم بھی غلط ہو گا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور پوچھا کہ میں اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دوں اور توکل کروں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں، آپ نے فرمایا: «اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ» ''پہلے اس کا گھٹنا باندھ، پھر اللہ پر بھروسا کر۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2517، و صحيح الجامع الصغير: 242/1، حديث: 1068) انابت کا مطلب ہے: اللہ کی طرف رجوع کرنا۔

⑤ یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ و تسلط عطا نہ فرما، اس طرح وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور یوں ہم ان کے لیے فتنے کا باعث بن جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھوں یا اپنی طرف سے ہمیں کسی سزا سے دوچار نہ کرنا، اس طرح بھی ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا، وہ کہیں گے کہ اگر یہ حق پر ہوتے تو ان کو یہ تکلیف کیوں پہنچتی۔

اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ

مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑦ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي

الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧

غالب، حکمت والا ہے ⑤ یقیناً تمھارے لیے ان میں [1] اچھا نمونہ ہے، خاص کر ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی ملاقات کی امید رکھتا ہو [2] اور اگر کوئی روگردانی کرے [3] تو اللہ بالکل بے نیاز ہے اور لائقِ حمد وثنا ہے ⑥ کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تم میں اور تمھارے دشمنوں میں محبت پیدا کردے۔ [4] اللہ کو سب قدرتیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور ورحیم ہے ⑦ جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی [5] اور تمھیں جلاوطن نہیں کیا [6] ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تمھیں نہیں روکتا [7] بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ⑧ [8]

---

① یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان میں۔ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

② کیونکہ ایسے ہی لوگ اللہ سے اور عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں، یہی لوگ حالات وواقعات سے عبرت پکڑتے اور نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

③ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوے کو اپنانے سے گریز کرے۔

④ یعنی ان کو مسلمان کرکے تمھارا بھائی اور ساتھی بنادے، جس سے تمھارے مابین عداوت دوستی اور محبت میں تبدیل ہوجائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد لوگ فوج درفوج مسلمان ہونا شروع ہوگئے اور ان کے مسلمان ہوتے ہی نفرتیں محبت میں تبدیل ہوگئیں، جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، وہ دست وبازو بن گئے۔

⑤ یہ ان کافروں کے بارے میں ہدایات دی جارہی ہیں جو مسلمانوں سے محض دین اسلام کی وجہ سے بغض وعداوت نہیں رکھتے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے نہیں لڑتے، یہ پہلی شرط ہے۔

⑥ یعنی تمھارے ساتھ ایسا رویہ بھی اختیار نہیں کیا کہ تم ہجرت پر مجبور ہوجاؤ۔ یہ دوسری شرط ہے۔ ایک تیسری شرط یہ ہے جو اگلی آیت سے واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں کو کسی قسم کی مدد بھی نہ پہنچائیں۔ مشورے اور رائے سے اور نہ ہتھیاروں وغیرہ کے ذریعے سے۔

⑦ یعنی ایسے کافروں سے احسان اور انصاف کا معاملہ کرنا ممنوع نہیں ہے، جیسے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی مشرکہ ماں کی بابت صلہ رحمی، یعنی حسن سلوک کرنے کا پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صِلِي أُمَّكِ» (صحیح البخاري، حديث:2620، و صحيح مسلم، حديث: 50-(1003)) ''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

⑧ اس میں انصاف کرنے کی ترغیب ہے حتیٰ کہ کافروں کے ساتھ بھی۔ حدیث میں انصاف کرنے والوں کی فضیلت یوں بیان ہوئی ہے: « إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَاللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑨ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ

اللہ تمھیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمھیں دیس نکالے دیے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی، جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں،[1] وہ (قطعاً) ظالم ہیں ⑨ [2] اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو۔[3] دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمھیں ایمان دار معلوم ہوں[4] تو اب تم انھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں،[5] اور جو خرچ ان کافروں کا ہوا ہو، وہ انھیں ادا کر دو،[6] ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر ان سے

فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا" (صحیح مسلم، حدیث: 1827) ''انصاف کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں، جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل میں اور اپنی رعایا میں انصاف کا اہتمام کرتے ہیں۔''

① یعنی ارشاد الٰہی اور امر ربانی سے اعراض کرتے ہوئے۔

② کیونکہ انھوں نے ایسے لوگوں سے محبت کی ہے جو محبت کے اہل نہیں تھے اور یوں انھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انھیں اللہ کے عذاب کے لیے پیش کر دیا۔ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدة 51:5) ''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے، وہ بے شک انھی میں سے ہے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہِ راست نہیں دکھاتا۔''

③ معاہدۂ حدیبیہ میں ایک شق یہ تھی کہ مکے سے کوئی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو گیا ہو لیکن اس میں مرد و عورت کی صراحت نہیں تھی۔ بظاہر أَحَدٌ ''کوئی'' میں دونوں ہی شامل تھے، چنانچہ بعد میں بعض عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس چلی گئیں تو کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، جس پر اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی اور یہ حکم دیا۔ امتحان لینے کا مطلب ہے اس امر کی تحقیق کرو کہ ہجرت کر کے آنے والی عورت جو ایمان کا اظہار کر رہی ہے، اپنے کافر خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی علاقے کی طرف رغبت یا دنیا کے حصول کی غرض سے تو نہیں آئی ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے لیے اور اللہ کے دین کو پسند کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔

④ یعنی تم اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچو اور تمھیں گمان غالب حاصل ہو جائے کہ یہ واقعی مومنہ ہیں۔

⑤ یہ انھیں ان کے کافر خاوندوں کے پاس واپس نہ کرنے کی علت ہے کہ اب کوئی مومن عورت کسی کافر کے لیے حلال نہیں جیسا کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑩ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں [1] اور کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضے میں نہ رکھو [2] اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو، [3] مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو، [4] وہ بھی مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو تمھارے درمیان کر رہا ہے [5] اور اللہ بڑے علم اور حکمت والا ہے ⑩ اور اگر تمھاری کوئی بیوی تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور کافروں کے پاس چلی جائے، پھر تمھیں اس کے بدلے کا وقت مل جائے [6] تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں، انھیں ان کے اخراجات کے برابر ادا کر دو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو

ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا، چنانچہ نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوا تھا جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے لیکن اس آیت نے آئندہ کے لیے ایسا کرنے سے منع کر دیا، اسی لیے یہاں فرمایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، اس لیے انھیں کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔ ہاں اگر شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو پھر ان کا نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔ چاہے خاوند عورت کے بعد ہجرت کر کے آئے۔

⑥ یعنی ان کے کافر خاوندوں نے ان کو جو مہر ادا کیا ہے، وہ تم انھیں ادا کر دو۔

① یہ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ یہ عورتیں جو ایمان کی خاطر اپنے کافر خاوندوں کو چھوڑ کر تمھارے پاس آ گئی ہیں، تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کا حق مہر تم ادا کرو، تاہم یہ نکاح مسنون طریقے سے ہی ہوگا، یعنی ایک تو انقضائے عدت (استبرائے رحم) کے بعد ہوگا۔ دوسرے، اس میں ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی بھی ضروری ہے، البتہ عورت مدخول بہا نہیں ہے تو پھر بلا عدت فوری نکاح جائز ہے، تاہم دوسری شرائط، یعنی ولی کی اجازت اور گواہوں کی موجودگی کا اہتمام ضروری ہے اگر ولی مسلمان ہے اور اگر ولی مسلمان نہیں ہے تو پھر اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهٗ ”خلیفہ، بادشاہ ان کا ولی (سرپرست، کفالت کنندہ) ہے جن کا کوئی ولی نہ ہو۔“

② ﴿بِعِصَمِ﴾ عِصْمَةٌ کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد عصمت عقد نکاح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور بیوی بدستور کافر اور مشرک رہے تو ایسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسے فوراً طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ (ابن کثیر) اگر بیوی کتابیہ (یہودی یا عیسائی) ہو تو اسے طلاق دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان سے نکاح جائز ہے، اس لیے اگر وہ پہلے سے ہی بیوی کی حیثیت سے تمھارے پاس موجود ہے تو قبول اسلام کے بعد اسے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

③ یعنی ان عورتوں پر جو کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔

④ یعنی ان عورتوں پر جو مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے آ گئی ہیں۔

⑤ یعنی یہ حکم مذکور کہ دونوں ایک دوسرے کو حق مہر ادا کریں بلکہ مانگ کر لیں، اللہ کا حکم ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دور کے ساتھ ہی خاص تھا۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر) اس کی وجہ وہ معاہدہ ہے جو اس وقت فریقین کے درمیان تھا۔ اس قسم کے معاہدے کی صورت میں آئندہ بھی اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر نہیں۔

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو⑪ اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زناکاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور کسی نیک کام میں تیری بے حکمی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کرلیا کریں،[1] اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے⑫ اے مومنو! تم اس قوم سے دوستی نہ رکھو جن پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے[2] جو آخرت سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسے کہ کافر

---

⑥ فَعَاقَبْتُمْ (پس تم سزا دو یا بدلہ لو) کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کے حق مہر جو تمھیں ان کے کافر شوہروں کو ادا کرنے تھے، وہ تم ان مسلمانوں کو دے دو جن کی عورتیں کافر ہونے کی وجہ سے کافروں کے پاس چلی گئی ہیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کو مہر ادا نہیں کیا (یہ بھی سزا کی ایک صورت ہے۔) دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم کافروں سے جہاد کرو اور جو مال غنیمت حاصل ہو، اس میں تقسیم سے پہلے ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دار الکفر چلی گئی ہیں، ان کے خرچ کے بقدر ادا کردو۔ گویا مال غنیمت سے مسلمانوں کے نقصان کا جبر (ازالہ) یہ بھی سزا ہے۔ (أيسر التفاسير و ابن كثير) اگر مال غنیمت سے بھی ازالہ کی صورت نہ ہو تو بیت المال سے تعاون کیا جائے۔ (أيسر التفاسير)

① یہ بیعت اس وقت لیتے جب عورتیں ہجرت کر کے آتیں جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث:4891 میں ہے۔ علاوہ ازیں فتح مکہ والے دن بھی آپ نے قریش کی عورتوں سے بیعت لی۔ بیعت لیتے وقت آپ صرف زبان سے عہد لیتے۔ کسی عورت کے ہاتھ کو آپ نہیں چھوتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! بیعت میں نبی ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ بیعت کرتے وقت آپ صرف یہ فرماتے کہ ”میں نے ان باتوں پر تجھ سے بیعت لے لی۔“ (صحيح البخاري، حديث:4891) بیعت میں آپ یہ عہد بھی عورتوں سے لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، گریبان چاک نہیں کریں گی، سر کے بال نہیں نوچیں گی اور جاہلیت کی طرح بین نہیں کریں گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4892، وصحيح مسلم، حديث: 937، وسنن أبي داود، حديث: 3131) اس بیعت میں نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ارکان دین اور شعائر اسلام ہونے کے اعتبار سے محتاج وضاحت نہیں۔ آپ نے بطور خاص ان چیزوں کی بیعت لی جن کا عام ارتکاب عورتوں سے ہوتا تھا تاکہ وہ ارکان دین کی پابندی کے ساتھ، ان چیزوں سے بھی اجتناب کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء و دعاۃ اور واعظین حضرات اپنا زور خطابت ارکان دین ہی بیان کرنے میں صرف نہ کریں جو پہلے ہی واضح ہیں بلکہ ان خرابیوں اور رسموں کی بھی پرزور انداز میں تردید کیا کریں جو معاشرے میں عام ہیں اور نماز روزے کے پابند حضرات بھی ان سے اجتناب نہیں کرتے۔

② اس سے بعض نے یہود، بعض نے منافقین اور بعض نے تمام کافر مراد لیے ہیں۔ یہ آخری قول ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس میں

اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

اٰيَاتُهَا 14 (61) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (109) رُكُوْعَاتُهَا 2	سورۂ صف مدنی ہے، اس میں 14 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ

اہل قبور سے ناامید ہیں ⑬ [1]

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے ① اے ایمان والو! [2] تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ② تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے ③ [3] بے شک اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ④ [4] اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ستا رہے ہو، حالانکہ تمھیں بخوبی

یہود و منافقین بھی آجاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سارے کفار ہی غضب الٰہی کے مستحق ہیں، اس لیے مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی کافر سے دوستانہ تعلق مت رکھو، جیسا کہ یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

① آخرت سے مایوس ہونے کا مطلب، قیامت کے برپا ہونے سے انکار ہے۔ اصحاب القبور (قبروں میں مدفون لوگوں) سے مایوس ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ایک دوسرے معنی اس کے یہ کیے گئے ہیں کہ قبروں میں مدفون کافر، ہر قسم کی خیر سے مایوس ہو گئے کیونکہ مر کر انھوں نے اپنے کفر کا انجام دیکھ لیا، اب وہ خیر کی کیا توقع کر سکتے ہیں۔ (تفسير الطبري)

▪ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ کچھ صحابہ آپس میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اللہ کو جو سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے چاہئیں تاکہ ان پر عمل کیا جا سکے لیکن آپ کے پاس جا کر پوچھنے کی جرأت کوئی نہیں کر رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی۔ (مسند أحمد: 452/5، و جامع الترمذي، حديث: 3309)

② یہاں ندا اگرچہ عام ہے لیکن اصل خطاب ان مومنوں سے ہے جو کہہ رہے تھے کہ ہمیں اَحَبُّ الْاَعْمَال "سب سے زیادہ پسندیدہ اعمال" کا علم ہو جائے تو ہم انھیں کریں لیکن جب انھیں بعض پسندیدہ عمل بتلائے گئے تو سست ہو گئے، اس لیے ایسے لوگوں کو توبیخ کی جا رہی ہے کہ خیر کی جو باتیں کہتے ہو، کرتے کیوں نہیں ہو جو بات منہ سے نکالتے ہو، اسے پورا کیوں نہیں کرتے۔ جو زبان سے کہتے ہو، اس کی پاسداری کیوں نہیں کرتے؟ تفصیل کے لیے تفسیر الطبری دیکھیے۔

③ یہ اسی کی مزید تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہوتا ہے۔

④ یہ جہاد کا ایک انتہائی نیک عمل بتلایا گیا جو اللہ کو بہت محبوب ہے۔

تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑥ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ

معلوم ہے کہ میں تمھاری جانب اللہ کا رسول ہوں[1] پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا،[2] اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا⑤ اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں[3] اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمھیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے،[4] پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے⑥[5] اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے،[6] حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے[7] اور اللہ

---

① یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول ہیں، بنی اسرائیل انھیں اپنی زبان سے ایذا پہنچاتے تھے حتیٰ کہ ان کی طرف بعض جسمانی عیوب منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیماری ان کے اندر نہیں تھی۔

② یعنی علم کے باوجود حق سے اعراض کیا اور حق کے مقابلے میں باطل کو، خیر کے مقابلے میں شر کو اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں کو مستقل طور پر ہدایت سے پھیر دیا کیونکہ یہی سنت اللہ چلی آ رہی ہے۔ کفر و ضلالت پر دوام و استمرار ہی دلوں پر مہر لگنے کا باعث ہوتا ہے، پھر فسق، کفر اور ظلم اس کی طبیعت اور عادت بن جاتی ہے جس کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی سنت کے مطابق گمراہ کیا ہوتا ہے، اب کون اسے ہدایت دے سکتا ہے جسے اس طریقے سے اللہ نے گمراہ کیا ہو؟

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس لیے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی، اسی طرح انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی انکار کیا، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ یہود آپ ہی کے ساتھ اس طرح نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کی تو ساری تاریخ ہی انبیاء کی تکذیب سے بھری پڑی ہے۔ تورات کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت دے رہا ہوں، وہ وہی ہے جو تورات کی بھی دعوت ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جو پیغمبر مجھ سے پہلے تورات لے کر آئے اور اب میں انجیل لے کر آیا ہوں، ہم دونوں کا اصل ماخذ ایک ہی ہے، اس لیے جس طرح تم موسیٰ و ہارون اور داود و سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے، مجھ پر بھی ایمان لاؤ، اس لیے کہ میں تورات کی تصدیق کر رہا ہوں نہ کہ اس کی تردید و تکذیب۔

④ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خبری سنائی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَ بِشَارَةُ عِيسٰى» (أيسر التفاسير) ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں۔'' ﴿ اَحْمَدُ ﴾ یہ اگر بمعنی فاعل اسم تفضیل کا صیغہ ہو تو معنی ہوں گے: دوسرے تمام لوگوں سے اللہ کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اور اگر یہ بمعنی اسم مفعول اسم تفضیل ہو تو معنی ہوں گے کہ آپ کی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے جتنی تعریف آپ کی کی گئی، اتنی

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ⑨ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ

ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا⑦ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں[1] اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانے والا ہے[2] گو کافر برا مانیں⑧ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے[3] اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں⑨[4] اے ایمان والو! کیا میں تمھیں وہ تجارت بتلاؤں[5] جو تمھیں دردناک عذاب سے بچا لے؟⑩ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تمھیں علم ہو⑪ اللہ تمھارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمھیں ان جنتوں میں پہنچائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صاف ستھرے گھروں میں

کسی کی بھی نہیں کی گئی۔ (فتح القدیر)

⑤ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ معجزات کو جادو سے تعبیر کیا، جس طرح گزشتہ قومیں بھی اپنے پیغمبروں کو اسی طرح کہتی رہی ہیں۔ بعض نے اس سے مراد نبی ﷺ لیے ہیں اور ﴿قَالُوْا﴾ کا فاعل کفار مکہ کو بنایا ہے۔

⑥ یعنی اللہ کی اولاد قرار دے یا جو جانور اس نے حرام قرار نہیں دیے، ان کو حرام باور کرائے۔

⑦ جو تمام دینوں میں اشرف اور اعلیٰ ہے، اس لیے جو شخص ایسا ہو، اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ کسی پر بھی افترا گھڑے، چہ جائیکہ اللہ پر افترا باندھے۔

① نور سے مراد قرآن یا اسلام یا محمد ﷺ یا دلائل و براہین ہیں۔ ''منہ سے بجھا دیں'' کا مطلب، وہ طعن و تشنیع کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی تھیں۔

② یعنی اس کو آفاق میں پھیلانے والا اور دوسرے تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔ دلائل کے لحاظ سے یا مادی غلبے کے لحاظ سے یا دونوں لحاظ سے۔

③ یہ گزشتہ بات ہی کی تاکید ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے پھر دہرایا گیا ہے۔

④ تاہم یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔

⑤ اس عمل (ایمان اور جہاد) کو تجارت سے تعبیر کیا، اس لیے کہ اس میں بھی انھیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات۔ اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا۔ اس بات کو دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبۃ 111:9) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے بدلے میں کر لیا ہے۔''

جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ⑭ ع 2/5/10

جو جنت عدن میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے⑫ اور تمھیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے،[1] ایمانداروں کو خوشخبری دے دو⑬[2] اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔[3] جس طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا کہ کون ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں،[4] پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے کفر کیا[5] تو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے پر مدد کی، پس وہ غالب آ گئے⑭[6]

---

① یعنی جب تم اس کی راہ میں لڑو گے اور اس کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھیں فتح و نصرت سے نوازے گا۔ ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد 7:47) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم جما دے گا۔'' ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ (حج 40:22) ''اور یقیناً اللہ ضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔'' آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اسے فتح قریب قرار دیا۔ اور اس سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض نے فارس و روم کی عظیم الشان سلطنتوں پر مسلمانوں کے غلبے کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ جو دورِ خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

② جنت کی بھی، مرنے کے بعد۔ اور فتح و نصرت کی بھی، دنیا میں۔ بشرطیکہ اہل ایمان، ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہیں۔ ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 139:3) ''اور تم ہی سر بلند ہو گے، اگر تم مومن ہو۔'' آگے اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے دین کی نصرت کی مزید ترغیب دے رہا ہے۔

③ تمام حالتوں میں، اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے بھی اور جان و مال کے ذریعے سے بھی۔ جب بھی، جس وقت بھی اور جس حالت میں بھی تمھیں اللہ اور اس کا رسول اپنے دین کے لیے پکارے، تم فوراً ان کی پکار پر لبیک کہو، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کی پکار پر لبیک کہا۔

④ یعنی ہم آپ کے اس دین کی دعوت و تبلیغ میں مددگار ہیں جس کی نشر و اشاعت کا حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ ایام حج میں فرماتے: ''کون ہے جو مجھے پناہ دے تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، اس لیے کہ قریش مجھے فریضۂ رسالت ادا نہیں کرنے دیتے۔'' حتیٰ کہ آپ کی اس پکار پر مدینے کے اوس اور خزرج نے لبیک کہا، آپ کے ہاتھ پر انھوں نے بیعت کی اور آپ کی مدد کا وعدہ کیا۔ نیز آپ کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں تو آپ کی حفاظت کی ذمے داری ہم قبول کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وعدے کے مطابق انھوں نے آپ کی اور آپ کے تمام ساتھیوں کی پوری مدد کی حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کا نام ہی ''انصار'' رکھ دیا اور اب یہ ان کا علَم بن گیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ. (ابن کثیر)

⑤ یہ یہود تھے جنھوں نے نبوت عیسیٰ ہی کا انکار نہیں کیا بلکہ ان پر اور ان کی ماں پر بہتان تراشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف و تفرق

اٰيَاتُهَا: 11 (62) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (110) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ جمعہ مدنی ہے، اس میں 11 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

(ساری چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں (جو) بادشاہ نہایت پاک (ہے) غالب و باحکمت ہے ① وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں [1] میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ② اور دوسروں کے لیے بھی انھی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے۔ [2] اور وہی غالب باحکمت ہے ③

اس وقت ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ ایک نے کہا کہ عیسیٰ کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر ظہور فرمایا تھا، اب وہ پھر آسمان پر چلا گیا ہے، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ نسطوریہ فرقے نے کہا کہ وہ ابن اللہ تھے، باپ نے بیٹے کو آسمان پر بلا لیا ہے۔ تیسرے فرقے نے کہا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، یہی فرقہ صحیح تھا۔

⑥ یعنی نبی ﷺ کو مبعوث فرما کر ہم نے اسی آخری جماعت کی، دوسرے باطل گروہوں کے مقابلے میں مدد کی، چنانچہ یہ صحیح عقیدے کی حامل جماعت نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئی اور یوں ہم نے ان کو دلائل کے لحاظ سے بھی سب کافروں پر غلبہ عطا فرمایا اور قوت و سلطنت کے اعتبار سے بھی۔ اس غلبے کا آخری ظہور اس وقت پھر ہوگا، جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا جیسا کہ اس نزول اور غلبے کی صراحت احادیث صحیحہ میں تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ (دیکھیے: سورۂ نساء 4:159، 160 کے حواشی۔)

نبی ﷺ جمعے کی نماز میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 877) تاہم ان کا جمعے کی رات کو عشاء کی نماز میں پڑھنا صحیح روایت سے ثابت نہیں، البتہ ایک ضعیف روایت میں ایسا آتا ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر: 38/3 ترجمة سعید بن سماك بن حرب)

① ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ سے مراد عرب ہیں جن کی اکثریت ان پڑھ تھی۔ ان کے خصوصی ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی رسالت دوسروں کے لیے نہیں تھی لیکن چونکہ اولین مخاطب وہ تھے، اس لیے اللہ کا ان پر یہ زیادہ احسان تھا۔

② یہ ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ پر عطف ہے، یعنی بَعَثَ فِي آخَرِينَ مِنْهُمْ ﴿اٰخَرِيْنَ﴾ سے فارس اور دیگر غیر عرب لوگ مراد ہیں جو قیامت تک آپ پر ایمان لانے والے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب وعجم کے وہ تمام لوگ ہیں جو عہد صحابہ کے بعد قیامت تک ہوں گے، چنانچہ اس میں فارس، روم، بربر، سوڈان، ترک، مغول، کرد، چینی اور اہل ہند وغیرہ سب آجاتے ہیں، یعنی آپ کی نبوت سب کے لیے ہے، چنانچہ یہ سب ہی آپ پر ایمان لائے۔ اور اسلام لانے کے بعد یہ بھی ﴿مِّنْهُمْ﴾ کا مصداق، یعنی اولین اسلام

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦

یہ اللہ کا فضل ہے [1] جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے④ جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔ [2] اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا⑤ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اگر تمھارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا [3] تو تم موت کی تمنا کرو [4] اگر تم سچے ہو⑥ [5] یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں [6] اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے⑦

لانے والے ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ میں سے ہو گئے کیونکہ تمام مسلمان امت واحدہ ہیں۔ اسی ضمیر کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ ﴿اٰخَرِيْنَ﴾ سے مراد بعد میں ہونے والے عرب ہیں کیونکہ ﴿مِّنْهُمْ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿الْاُمِّيّٖنَ﴾ ہیں۔ (فتح القدیر)

① یہ اشارہ نبوت محمدی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کی طرف بھی۔

② ﴿اَسْفَارًا﴾ سِفْرٌ کی جمع ہے جس کا لغوی معنیٰ ظہور اور انکشاف ہے۔ یہاں معنیٰ ہیں: بڑی کتاب۔ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو وہ اپنے معانی کو ظاہر کرتی ہے، اس لیے کتاب کو بھی سِفر کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) یہ بے عمل یہودیوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ جس طرح گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی کمر پر جو کتابیں لدی ہوئی ہیں، ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یا اس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں یا کوڑا کرکٹ۔ اسی طرح یہ یہودی ہیں یہ تورات کو تو اٹھائے پھرتے ہیں، اس کو پڑھنے اور یاد کرنے کے وعدے بھی کرتے ہیں لیکن اسے سمجھتے ہیں نہ اس کے مقتضا پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس میں تاویل و تحریف اور تغییر و تبدل سے کام لیتے ہیں، اس لیے یہ حقیقت میں گدھے سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھا تو پیدائشی طور پر فہم و شعور سے ہی عاری ہوتا ہے جبکہ ان کے اندر فہم و شعور ہے لیکن یہ اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کی بڑی بری مثال ہے۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ (الأعراف 179:7) ”یہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔“ یہی مثال مسلمانوں کی اور بالخصوص علماء کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں، اسے یاد کرتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

③ جیسے وہ کہا کرتے تھے کہ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔“ (المآئدة 18:5) اور دعویٰ کرتے تھے کہ ”جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔“ (البقرة 111:2)

④ تاکہ تمھیں وہ اعزاز و اکرام حاصل ہو جو تمھارے زعم کے مطابق تمھارے لیے ہونا چاہیے۔

⑤ اس لیے کہ جس کو یہ علم ہو کہ مرنے کے بعد اس کے لیے جنت ہے، وہ تو وہاں جلد پہنچنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر دعوتِ مباہلہ سے کی ہے، یعنی اس میں ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اپنے دعوائے ولایت و محبوبیت

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ⑨ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ⑩ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ

کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تو تمھیں پہنچ کر رہے گی، پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمھارے کیے ہوئے تمام کام بتلا دے گا⑧ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔[1] یہ تمھارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو⑨ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو[2] اور بکثرت اللہ کا ذکر کیا کرو تاکہ تم فلاح پالو⑩ اور جب کوئی سودا بکتا دیکھیں یا کوئی تماشا نظر آجائے تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔[3] آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے پاس جو ہے[4] وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے[5] اور اللہ

میں سچے ہو تو مسلمانوں کے ساتھ مباہلہ کرلو، یعنی مسلمان اور یہودی دونوں مل کر بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ یا اللہ! ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اسے موت سے ہمکنار فرما دے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 94:2 کا حاشیہ)

⑥ یعنی کفر و معاصی اور کتاب الٰہی میں تحریف و تغیر کا جو ارتکاب یہ کرتے رہے ہیں، ان کے باعث کبھی بھی یہ موت کی آرزو نہیں کریں گے۔

① یہ اذان کس طرح دی جائے، اس کے الفاظ کیا ہوں۔ یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، البتہ حدیث میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہے نہ اس پر عمل کرنا ہی۔ جمعہ کو، جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تھا، یوں تمام مخلوقات کا اس دن اجتماع ہو گیا یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدير) ﴿فَاسْعَوْا﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ دوڑ کر آؤ بلکہ یہ ہے کہ اذان کے فوراً بعد آجاؤ اور کاروبار بند کر دو کیونکہ نماز کے لیے دوڑ کر آنا ممنوع ہے، وقار اور سکینت کے ساتھ آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 636، و صحيح مسلم، حديث: 602) اذان سے وہی اذان مراد ہے جو عہد رسالت میں ہوتی تھی اور یہ اذان اس وقت دی جاتی جب آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو جاتے۔ (فتح القدير) اس لیے اسی اذان نبوی پر اکتفا بہتر ہے۔ بعض حضرات نے ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ ''خرید و فروخت چھوڑ دو۔'' سے استدلال کیا ہے کہ جمعہ صرف شہروں میں فرض ہے، اہل دیہات پر نہیں کیونکہ کاروبار اور خرید و فروخت شہروں میں ہی ہوتی ہے، دیہاتوں میں نہیں، حالانکہ اول تو دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو، اس لیے یہ دعویٰ ہی خلاف واقعہ ہے۔ دوسرا بیع اور کاروبار سے مطلب، دنیا کے مشاغل ہیں، وہ جیسے بھی اور جس قسم کے بھی ہوں۔ اذان جمعہ کے بعد انھیں ترک کر دیا جائے۔ کیا اہل دیہات کے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی اور کاروبار مشاغل دنیا سے مختلف چیز ہے؟

② اس سے مراد کاروبار اور تجارت ہے، یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہو کر تم پھر اپنے اپنے کاروبار اور دنیا کے مشاغل میں مصروف ہو۔

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع

2 ع 3 12

اٰيَاتُهَا 11 (63) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ (104) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ منافقون مدنی ہے، اس میں 11 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنَّهُمْ سَآءَ مَا

بہترین روزی رساں ہے⑪ [1]

تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، [2] اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں۔ [3] اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں① [4] انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے [5] پس اللہ کی راہ سے رک گئے، [6] بے شک برا ہے وہ کام جو

جاؤ۔ مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار بند رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف نماز کے وقت ایسا کرنا ضروری ہے۔

③ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک قافلہ (غلہ لے کر) آ گیا، لوگوں کو پتہ چلا تو خطبہ چھوڑ کر باہر خرید و فروخت کے لیے چلے گئے کہ کہیں سامان فروخت ختم نہ ہو جائے، صرف 12 آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4899، وصحيح مسلم، حديث: 863) اِنْفِضَاض کے معنی ہیں: مائل اور متوجہ ہونا، دوڑ کر منتشر ہو جانا۔ ﴿اِلَيْهَا﴾ میں ضمیر کا مرجع ﴿تِجَارَةً﴾ ہے۔ یہاں صرف ضمیر تجارت پر اکتفا کیا، اس لیے کہ جب تجارت بھی، باوجود جائز اور ضروری ہونے کے، دوران خطبہ مذموم ہے تو کھیل وغیرہ کے مذموم ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ﴿قَآئِمًا﴾ سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ کھڑے ہو کر دینا سنت ہے، چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آپ کے دو خطبے ہوتے تھے، جن کے درمیان آپ بیٹھتے تھے، قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ (صحيح مسلم، حديث: 86)

④ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کی جو جزائے عظیم ہے۔

⑤ جس کی طرف تم دوڑ کر گئے اور مسجد سے نکل گئے اور خطبۂ جمعہ کی سماعت بھی نہیں کی۔

① پس اسی سے روزی طلب کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اسی کی طرف وسیلہ پکڑو۔ اس کی اطاعت اور اس کی طرف انابت تحصیل رزق کا بہت بڑا سبب ہے۔

② منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی ہیں۔ یہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو قسمیں کھا کھا کر کہتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

③ یہ جملہ معترضہ ہے جو مضمون ماقبل کی تاکید کے لیے ہے جس کا اظہار منافقین بطور نفاق کے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو ویسے ہی زبان سے کہتے ہیں، ان کے دل اس یقین سے خالی ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔

④ اس بات میں کہ وہ دل سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، یعنی دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان سے دھوکا دینے کے

81

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ز اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ الَّذِيْنَ

یہ کر رہے ہیں② یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایمان لا کر کافر ہو گئے[1] پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اب یہ نہیں سمجھتے③ جب آپ انھیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں،[2] یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر اپنا کان لگائیں،[3] گویا کہ یہ لکڑیاں ہیں دیوار کے سہارے سے لگائی ہوئیں،[4] ہر سخت آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔[5] یہی حقیقی دشمن ہیں، ان سے بچو اللہ انھیں غارت کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں؟④ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمھارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں تو اپنے سر مٹکاتے ہیں[6] اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں⑤[7] ان کے حق میں آپ کا استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے۔[8] اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔[9] بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا⑥ یہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ

لیے اظہار کرتے ہیں۔

⑤ یعنی وہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمھاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، انھوں نے اپنی اس قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے اس کے ذریعے سے وہ تم سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ تمھاری تلواروں کی زد میں نہیں آتے۔

⑥ دوسرا ترجمہ ہے کہ انھوں نے شک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا۔

① اس سے معلوم ہوا کہ منافقین بھی صریح کافر ہیں۔

② یعنی ان کے حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے۔

③ یعنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے۔

④ یعنی اپنی درازئ قد اور حسن و رعنائی، عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں گویا کہ دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہیں لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مطلب ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ (فتح القدیر)

⑤ یعنی بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زوردار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہو گئی ہے۔ یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے، جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

⑥ یعنی استغفار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں۔

⑦ یعنی کہنے والے کی بات سے منہ موڑ لیں گے یا رسول اللہ ﷺ سے اعراض کر لیں گے۔

⑧ اپنے نفاق پر اصرار اور کفر پر استمرار کی وجہ سے وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں استغفار اور عدم استغفار ان کے حق میں برابر ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧ ع 1/8/13 يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ

جولوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ ادھر ادھر ہو جائیں [1] اور آسمان وزمین کے کل خزانے اللہ کی ملکیت ہیں [2] لیکن یہ منافق بے سمجھ ہیں⑦ [3] یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ [4] سنو! عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے [5] لیکن یہ منافق جانتے نہیں⑧ [6] اے مسلمانو! تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے

---

⑨ اگر اسی حالت نفاق میں وہ مر گئے۔ ہاں اگر وہ زندگی میں کفر ونفاق سے تائب ہو جائیں تو بات اور ہے، پھر ان کی مغفرت ممکن ہے۔

① ایک غزوے میں (جسے اہل سیر غزوۂ مُرَیسیع یا غزوۂ بنی مصطلق کہتے ہیں) ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنی اپنی حمایت کے لیے انصار اور مہاجرین کو پکارا، جس پر عبداللہ بن ابی (منافق) نے انصار سے کہا کہ تم نے مہاجرین کی مدد کی اور ان کو اپنے ساتھ رکھا، اب دیکھ لو، اس کا نتیجہ سامنے آ رہا ہے، یعنی یہ اب تمھارا کھا کر تمھی پر غرا رہے ہیں۔ ان کا علاج تو یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنا بند کر دو، یہ اپنے آپ تتر بتر ہو جائیں گے۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ ہم (جو عزت والے ہیں) ان ذلیلوں (مہاجروں) کو مدینے سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات خبیثہ سن لیے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو آ کر بتلایا، آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر حضرت زید بن ارقم کو سخت ملال ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صداقت کے اظہار کے لیے سورۂ منافقون نازل فرما دی، جس میں عبداللہ بن ابی کے کردار کو پوری طرح طشت ازبام کر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4900)

② مطلب یہ ہے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ رزق کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جس کو جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

③ منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ انصار اگر مہاجرین کی طرف دست تعاون دراز نہ کریں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔

④ اس کا کہنے والا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، عزت والے سے اس کی مراد، وہ خود اور اس کے رفقاء تھے اور ذلت والے سے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ اور مسلمان۔

⑤ یعنی عزت اور غلبہ صرف ایک اللہ کے لیے ہے اور پھر وہ اپنی طرف سے جس کو چاہے عزت وغلبہ عطا فرما دے، چنانچہ وہ اپنے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو عزت اور سرفرازیاں عطا فرماتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے نافرمان ہوں۔ یہ منافقین کے قول کی تردید فرمائی کہ عزتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور معزز بھی وہی ہے جسے وہ معزز سمجھے نہ کہ وہ جو اپنے آپ کو معزز یا اہل دنیا جس کو معزز سمجھیں اور اللہ کے ہاں معزز صرف اور صرف اہل ایمان ہوں گے، کافر اور اہل نفاق نہیں۔

⑥ اس لیے ایسے کام نہیں کرتے جو ان کے لیے مفید ہیں اور ان چیزوں سے نہیں بچتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪

ع 2/3 14

سورۂ تغابن مدنی ہے، اس میں 18 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

اٰيَاتُهَا 18 (64) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (108) رُكُوْعَاتُهَا 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

ذکر سے غافل نہ کر دے،[1] اور جو ایسا کریں وہ بڑے ہی زیاں کار لوگ ہیں⑨ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے ہماری راہ میں اس سے پہلے خرچ کرو[2] کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہنے لگے: اے میرے پروردگار! مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا؟[3] کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں⑩ اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے پھر اسے اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ بخوبی باخبر ہے⑪

(تمام چیزیں) جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں[4] اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے،[5] اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے① اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے سو تم میں سے بعض تو کافر ہیں اور بعض ایمان دار ہیں اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ خوب دیکھ رہا ہے②[6] اسی

① یعنی مال اور اولاد کی محبت تم پر اتنی غالب نہ آ جائے کہ تم اللہ کے بتلائے ہوئے احکام و فرائض سے غافل ہو جاؤ اور اللہ کی قائم کردہ حلال و حرام کی حدوں کی پروا نہ کرو۔ منافقین کے ذکر کے فوراً بعد اس تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ منافقین کا کردار ہے جو انسان کو خسارے میں ڈالنے والا ہے۔ اہل ایمان کا کردار اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کو یاد رکھتے ہیں، یعنی اس کے احکام و فرائض کی پابندی اور حلال و حرام کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔

② خرچ کرنے سے مراد زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ میں اور اسی طرح اگر حج کی استطاعت ہو تو اس کی ادائیگی میں قطعاً تاخیر نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ موت کا کوئی پتہ نہیں کس وقت آ جائے۔ اور یہ فرائض اس کے ذمے رہ جائیں کیونکہ موت کے وقت آرزو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

④ یعنی آسمان و زمین کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہر نقص و عیب سے تنزیہ و تقدیس بیان کرتی ہے۔ زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی جیسا کہ پہلے گزرا۔

⑤ یعنی یہ دونوں خوبیاں بھی اسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اگر کسی کو کوئی اختیار حاصل ہے تو وہ اسی کا عطا کردہ ہے جو عارضی ہے، کسی کے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

نے آسمانوں اور زمین کو عدل وحکمت سے پیدا کیا،[1] اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں[2] اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ③[3] وہ آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو، وہ سب کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کی باتوں تک کو جاننے والا ہے ④[4] کیا تمھارے پاس اس سے پہلے کے کافروں کی خبر نہیں پہنچی؟ جنھوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا[5] اور جن کے لیے دردناک عذاب ہے ⑤[6] یہ اس لیے[7] کہ ان کے پاس ان کے

پاس کچھ حسن وکمال ہے تو اسی مالک الملک کی کرم گستری کا نتیجہ ہے، اس لیے اصل تعریف کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

⑥ یعنی انسان کے لیے خیر وشر، نیکی اور بدی اور کفر وایمان کے راستوں کی وضاحت کے بعد اللہ نے انسان کو ارادہ واختیار کی جو آزادی دی ہے اس کی رو سے کسی نے کفر کا اور کسی نے ایمان کا راستہ اپنایا ہے۔ اس نے کسی پر جبر نہیں کیا۔ اگر وہ جبر کرتا تو کوئی شخص بھی کفر ومعصیت کا راستہ اختیار کرنے پر قادر ہی نہ ہوتا لیکن اس طرح انسان کی آزمائش ممکن نہیں تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کو آزمانا تھا۔ ﴿ اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملك 67:2) ''جس نے موت وحیات کو پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔'' بنابریں جس طرح کافر کا خالق اللہ ہے، کفر کا خالق بھی اللہ ہے لیکن یہ کفر اس کافر کا عمل وکسب ہے جس نے اسے اپنے ارادے سے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح مومن اور ایمان کا خالق بھی اللہ ہے لیکن ایمان اس مومن کا کسب وعمل ہے جس نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کسب وعمل پر دونوں کو ان کے عملوں کے مطابق جزا ملے گی کیونکہ وہ سب کے عمل دیکھ رہا ہے۔

① اور وہ عدل وحکمت یہی ہے کہ محسن کو اس کے احسان کی اور بدکار کو اس کی بدی کی جزا دے، چنانچہ وہ اس عدل کا مکمل اہتمام قیامت والے دن فرمائے گا۔

② تمھاری شکل وصورت، قد وقامت اور خدوخال نہایت خوب صورت بنائے، جس سے اللہ کی دوسری مخلوق محروم ہے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ (المؤمن 40:64) ''(اللہ نے) تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔'' ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ ﴾ (الانفطار 82:6-8) ''اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر بنایا جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔''

③ کسی اور کی طرف نہیں کہ اللہ کے محاسبے اور مؤاخذے سے بچاؤ ہو جائے۔

④ یعنی اس کا علم کائنات ارضی وسماوی سب پر محیط ہے بلکہ تمھارے سینوں کے رازوں تک سے وہ واقف ہے۔ اس سے قبل جو وعدے اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں، یہ ان کی تاکید ہے۔

⑤ یہ اہل مکہ سے بالخصوص اور کفار عرب سے بالعموم خطاب ہے۔ اور ماقبل کافروں سے مراد قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ ہیں۔ جنھیں ان کے کفر ومعصیت کی وجہ سے دنیا میں عذاب سے دوچار کر کے تباہ وبرباد کر دیا گیا۔

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑧

رسول واضح دلائل لے کر آئے تو انھوں نے کہہ دیا کہ کیا انسان ہماری راہنمائی کرے گا؟[1] پس انکار کر دیا[2] اور منہ پھیر لیا[3] اور اللہ نے بھی بے نیازی کی،[4] اور اللہ تو ہے ہی بہت بے نیاز،[5] سب خوبیوں والا⑥[6] ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔[7] آپ کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے،[8] پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے[9] اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے⑦[10] سو تم اللہ اور اس کے رسول پر[11] اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ[12] اور اللہ تمھارے ہر عمل پر باخبر ہے⑧

⑥ یعنی دنیوی عذاب کے علاوہ آخرت میں۔

⑦ ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ اشارہ ہے اس عذاب کی طرف جو دنیا میں انھیں ملا اور آخرت میں بھی انھیں ملے گا۔

① یہ ان کے کفر کی علت ہے کہ انھوں نے یہ کفر، جو ان کے عذاب دارین کا باعث بنا، اس لیے اختیار کیا کہ انھوں نے ایک بشر کو اپنا ہادی ماننے سے انکار کر دیا، یعنی ایک انسان کا رسول بن کر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آنا، ان کے لیے ناقابل قبول تھا جیسا کہ آج بھی اہل بدعت کے لیے رسول کو بشر ماننا نہایت گراں ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

② چنانچہ اس بنا پر انھوں نے رسولوں کو رسول ماننے سے اور ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

③ یعنی ان سے اعراض کیا اور جو دعوت وہ پیش کرتے تھے، اس پر انھوں نے غور و تدبر ہی نہیں کیا۔

④ یعنی ان کے ایمان اور ان کی عبادت سے۔

⑤ اس کو کسی کی عبادت سے کیا فائدہ اور اس کی عبادت سے انکار کرنے سے کیا نقصان۔

⑥ یا محمود ہے (تعریف کیا گیا) تمام مخلوقات کی طرف سے، یعنی ہر مخلوق زبان حال و قال سے اس کی حمد و تعریف میں رطب اللسان ہے۔

⑦ یعنی یہ عقیدہ کہ قیامت والے دن دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، یہ کافروں کا محض گمان ہے جس کی پشت پر دلیل کوئی نہیں۔ زعم کا اطلاق کذب پر بھی ہوتا ہے۔

⑧ قرآن مجید میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی قسم کھا کر یہ اعلان کرے کہ اللہ تعالیٰ ضرور دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ ان میں سے ایک یہ مقام ہے اس سے قبل ایک مقام سورۂ یونس 53:10 اور دوسرا مقام سورۂ سبا 3:34 میں ہے۔

⑨ یہ وقوع قیامت کی حکمت ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کیوں دوبارہ زندہ کرے گا، اس لیے کہ وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری جزا دی جائے۔ کیونکہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جزا مکمل شکل میں بالعموم نہیں ملتی۔ نیک کو نہ بد کو۔ اب اگر قیامت والے دن بھی مکمل جزا کا اہتمام نہ ہو تو دنیا ایک کھلنڈرے کا کھیل اور فعل عبث ہی قرار پائے گی جبکہ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔ اس کا تو کوئی فعل عبث نہیں، چہ جائیکہ جن و انس کی تخلیق کو بے مقصد اور ایک کھیل سمجھ لیا جائے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.

⑩ یہ دوبارہ زندگی، انسانوں کو کتنی ہی مشکل یا مستبعد نظر آتی ہو لیکن اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا

جس دن تم سب کو اس جمع ہونے کے دن[1] جمع کرے گا وہ یہی دن ہے ہار جیت کا[2] اور جو شخص اللہ پر ایمان لا کر نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے ⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ⑩ کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی،[3] جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے[4] اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ⑪ (لوگو!) اللہ کا کہنا

⑪ ﴿فَاٰمِنُوْا﴾ میں فاء فصیحہ ہے جو شرط مقدر پر دلالت کرتی ہے۔ أَيْ إِذَا كَانَ الْأَمْرُ هٰكَذَا فَصَدِّقُوا بِاللّٰهِ.....، یعنی جب معاملہ اس طرح ہے جو بیان ہوا تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی تصدیق کرو۔

⑫ آپ کے ساتھ نازل ہونے والا یہ نور قرآن مجید ہے جس سے گمراہی کی تاریکیاں چھٹتی ہیں اور ایمان کی روشنی پھیلتی ہے۔

① قیامت کو ﴿لِيَوْمِ الْجَمْعِ﴾ اس لیے کہا کہ اس دن اول و آخر سب ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ فرشتہ پکارے گا تو سب اس کی آواز سنیں گے، ہر ایک کی نگاہ آخر تک پہنچ جائے گی کیونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ (ہود 103:11) ''وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ، وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔'' ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾ (الواقعۃ 50,49:56) ''کہہ دیجیے: یقیناً تمام پہلے اور پچھلے ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر ضرور اکٹھے کیے جانے والے ہیں۔''

② یعنی ایک گروہ جیت جائے گا اور ایک ہار جائے گا، اہل حق اہل باطل پر، ایمان والے اہل کفر پر اور اہل طاعت اہل معصیت پر جیت جائیں گے، سب سے بڑی جیت اہل ایمان کو یہ حاصل ہوگی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان گھروں کے بھی وہ مالک بن جائیں گے جو جہنمیوں کے لیے تھے، اگر وہ جہنم میں جانے والے کام نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی ہار جہنمیوں کے حصے میں آئے گی جو جہنم میں داخل ہوں گے، جنھوں نے خیر کو شر سے، عمدہ چیز کو ردی سے اور نعمتوں کو عذاب سے بدل لیا۔ غبن کے معنی نقصان اور خسارے کے بھی ہیں، یعنی نقصان کا دن۔ اس دن کافروں کو تو خسارے کا احساس ہوگا ہی۔ اہل ایمان کو بھی اس اعتبار سے خسارے کا احساس ہوگا کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کر کے مزید درجات کیوں نہ حاصل کیے۔

③ یعنی اس کی تقدیر اور مشیت سے ہی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: اس کے نزول کا سبب کفار کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے تو دنیا کی مصیبتیں انھیں نہ پہنچتیں۔ (فتح القدیر)

④ یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ کی مشیت اور اس کے حکم سے ہی پہنچا ہے، پس وہ صبر اور رضا بالقضا کا مظاہرہ کرتا

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا

مانو اور رسول کا کہنا مانو، پس اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے⑫ [1] اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیے⑬ [2] اے ایمان والو! تمھاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمھارے دشمن ہیں [3] پس ان سے ہوشیار رہنا [4] اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے⑭ [5] تمھارے مال اور اولاد تو سراسر تمھاری آزمائش ہیں۔ [6] اور بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے⑮ [7] پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے

ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے جس سے وہ جان لیتا ہے کہ اس کو پہنچنے والی چیز اس سے چوک نہیں سکتی اور جو اس سے چوک جانے والی ہے، وہ اسے پہنچ نہیں سکتی۔ (ابن کثیر)

① یعنی ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے۔ (فتح القدير)

② یعنی تمام معاملات اسی کو سونپیں، اسی پر اعتماد کریں اور صرف اسی سے دعا و التجا کریں کیونکہ اس کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ہی نہیں۔

③ یعنی جو تمھیں عمل صالح اور اطاعت الٰہی سے روکیں، سمجھ لو وہ تمھارے خیر خواہ نہیں، دشمن ہیں۔

④ یعنی ان کے پیچھے لگنے سے بچو بلکہ انھیں اپنے پیچھے لگاؤ تاکہ وہ بھی اطاعت الٰہی اختیار کریں نہ کہ تم ان کے پیچھے لگ کر اپنی عاقبت خراب کر لو۔

⑤ اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مکے میں مسلمان ہونے والے بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ آنے کا ارادہ کیا جیسا کہ اس وقت ہجرت کا حکم نہایت تاکید کے ساتھ دیا گیا تھا لیکن ان کے بیوی بچے آڑے آ گئے اور انھوں نے انھیں ہجرت نہیں کرنے دی، پھر بعد میں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے تو دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والوں نے دین میں بہت زیادہ سمجھ حاصل کر لی ہے تو انھیں اپنے بیوی بچوں پر غصہ آیا جنھوں نے انھیں ہجرت سے روکے رکھا تھا، چنانچہ انھوں نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس میں انھیں معاف کرنے اور درگزر سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ (جامع الترمذي، حديث: 3317)

⑥ جو تمھیں کسب حرام پر اکساتے اور اللہ کے حقوق ادا کرنے سے روکتے ہیں، پس اس آزمائش میں تم اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہو، جب تم اللہ کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و اولاد جہاں اللہ کی نعمت ہے، وہاں یہ انسان کی آزمائش کا ذریعہ بھی ہے۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا اطاعت گزار کون ہے اور نافرمان کون۔

⑦ یعنی اس شخص کے لیے جو مال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱

ع 2 8 16

اٰيَاتُهَا: 12 (65) سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (99) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ طلاق مدنی ہے، اس میں 12 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ

چلے جاؤ[1] اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو جو تمھارے لیے بہتر ہے[2] اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے⑯ اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے[3] تو وہ اسے تمھارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔[4] اللہ بڑا قدردان بڑا بردبار ہے⑰ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے،[5] زبردست حکمت والا ہے⑱

اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو[6] تو ان کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں انھیں طلاق دو[7] اور عدت کا حساب رکھو،[8] اور اللہ سے جو تمھارا پروردگار ہے ڈرتے رہو،

① یعنی اللہ اور رسول کی باتوں کو توجہ اور غور سے سنو اور ان پر عمل کرو، اس لیے کہ صرف سن لینا بے فائدہ ہے، جب تک عمل نہ ہو۔

② خَيْرًا أَيْ إِنْفَاقًا خَيْرًا یا يَكُنِ الْإِنْفَاقُ خَيْرًا۔ انفاق عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔

③ یعنی اخلاص نیت اور طیبِ نفس (خوش دلی) کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

④ یعنی کئی کئی گنا بڑھانے کے ساتھ وہ تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

⑤ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو اَضْعَافًا مُّضَاعَفَة اجر وثواب سے نوازتا ہے اور معصیت کاروں کا فوری مؤاخذہ نہیں فرماتا۔

⑥ نبی ﷺ سے خطاب آپ کے شرف و مرتبت کی وجہ سے ہے ورنہ حکم تو امت کو دیا جارہا ہے۔ یا آپ ہی کو بطور خاص خطاب ہے اور جمع کا صیغہ بطور تعظیم کے ہے اور امت کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ ہی کافی ہے۔ ﴿طَلَّقْتُمُ﴾ کا مطلب ہے جب طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلو۔

⑦ اس میں طلاق دینے کا طریقہ اور وقت بتلایا ہے۔ ﴿لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں لام توقیت کے لیے ہے، یعنی أَوَّلِ یا لِاسْتِقْبَالِ عِدَّتِهِنَّ (عدت کے آغاز میں) طلاق دو، یعنی جب عورت حیض سے پاک ہوجائے تو اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق دو۔ حالت طہر اس کی عدت کا آغاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں یا طہر میں ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دینا غلط طریقہ ہے۔ اس کو فقہاء طلاق بدعی سے اور پہلے (صحیح) طریقے کو طلاق سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے اور انھیں اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ حالت طہر میں طلاق دینا اور اس کے لیے آپ ﷺ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔ (صحيح البخاري، حديث: 5251) تاہم حیض میں دی گئی طلاق بھی، باوجود بدعی ہونے کے واقع ہوجائے گی۔ محدثین اور جمہور

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو[1] اور نہ وہ (خود) نکلیں[2] ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں،[3] یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے، اس نے یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا،[4] تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی بات پیدا کردے①[5] پس جب یہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انھیں یا تو قاعدے کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو یا دستور کے مطابق انھیں الگ

علماء اسی بات کے قائل ہیں، البتہ امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ طلاق بدعی کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار: 249/6 اور دیگر شروحات حدیث)

⑧ یعنی اس کی ابتدا اور انتہا کا خیال رکھو تا کہ عورت اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے یا اگر تم ہی رجوع کرنا چاہو، (پہلی اور دوسری طلاق کی صورت میں) تو عدت کے اندر رجوع کر سکو۔

① یعنی طلاق دیتے ہی عورت کو اپنے گھر سے مت نکالو بلکہ عدت تک اسے گھر میں ہی رہنے دو اور اس وقت تک رہائش اور نان و نفقہ تمھاری ذمے داری ہے۔

② یعنی عدت کے دوران خود عورت بھی گھر سے باہر نکلنے سے احتراز کرے، اِلَّا یہ کہ کوئی بہت ہی ضروری معاملہ ہو۔

③ یعنی بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھے یا بدزبانی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرے جس سے گھر والوں کو تکلیف ہو۔ دونوں صورتوں میں اس کا اخراج جائز ہوگا۔

④ یعنی احکام مذکورہ، اللہ کی حدیں ہیں جن سے تجاوز خود اپنے آپ ہی پر ظلم کرنا ہے کیونکہ اس کے دینی اور دنیوی نقصانات خود تجاوز کرنے والے ہی کو بھگتنے پڑیں گے۔

⑤ یعنی مرد کے دل میں مطلقہ عورت کی رغبت پیدا کردے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے جیسا کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کردے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات پیدا کردے۔ (فتح القدیر) اسی سے امام احمد اور دیگر بعض علماء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ رہائش اور نفقے کی جو تاکید کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے لیے ہے جن کو ان کے خاوندوں نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو کیونکہ ان میں خاوند کے رجوع کا حق برقرار رہتا ہے۔ اور جس عورت کو مختلف اوقات میں دو طلاقیں مل چکی ہوں تو تیسری طلاق اس کے لیے طلاقِ بَتّہ یا بائِنہ ہے، اس کا سُکنیٰ (رہائش) اور نفقہ خاوند کے ذمے نہیں ہے۔ اس کو فوراً خاوند کے مکان سے دوسری جگہ منتقل کردیا جائے گا کیونکہ خاوند اب اس سے رجوع کر کے اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ② وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ③

کر دو[1] اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو[2] اور اللہ کی رضا مندی کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔[3] یہی ہے وہ جس کی نصیحت اُسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے ② [4] اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔[5] اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے ③ [6]

﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ﴾ (البقرۃ 230:2) ''یہاں تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے۔'' اور پھر وہ اپنی مرضی سے کسی وجہ سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے، اس لیے اب اس خاوند کے پاس رہنے کا اور اس سے نان ونفقہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کی تائید حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب اس کے خاوند نے اس کو تیسری طلاق بھی دے دی اور اس کے بعد اسے خاوند کے مکان سے نکلنے کے لیے کہا گیا تو وہ آمادہ نہیں ہوئی بالآخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا کہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ نہیں ہے، اسے فوراً کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے بلکہ بعض روایات میں صراحت بھی ہے: «إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰی لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَیْهَا الرَّجْعَةُ» (سنن النسائي، حدیث:3432، و مسند أحمد: 417/6) ''رہائش اور خرچہ اس عورت کو ملے گا جس کے خاوند کو رجوع کرنے کا حق باقی ہو۔'' البتہ بعض روایات میں حاملہ عورت کے لیے بھی نفقہ اور رہائش کی صراحت ہے۔ (تفصیل اور حوالوں کے لیے دیکھیے: نیل الأوطار: 338/6-342) بعض لوگ ان روایات کو قرآن کے مذکورہ حکم ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ﴾ کے خلاف باور کرا کے ان کو رد کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن کا حکم اپنے گرد وپیش کے قرائن کے پیش نظر مُطَلَّقَہ رَجْعِیَّہ سے متعلق ہے۔ اور اگر اسے عام مان بھی لیا جائے تو یہ روایات اس کی مُخَصِّصْ ہیں، یعنی قرآن کے عموم کو ان روایات نے مُطَلَّقَہ رَجْعِیَّہ کے لیے خاص کر دیا اور مطلقہ بائنہ کو اس عموم سے نکال دیا ہے۔

[1] مطلقہ مدخولہ کی عدت تین حیض ہے۔ اگر رجوع کرنا مقصود ہو تو عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے رجوع کرلو۔ بصورت دیگر انھیں معروف طریقے کے مطابق اپنے سے جدا کر دو۔

[2] اس رجعت اور بعض کے نزدیک طلاق پر گواہ کرلو۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں، استحباب کے لیے ہے، یعنی گواہ بنالینا بہتر ہے، تاہم ضروری نہیں۔

[3] یہ تاکید گواہوں کو ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت اور لالچ کے بغیر صحیح صحیح گواہی دیں۔

[4] یعنی شدائد اور آزمائشوں سے نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیتا ہے۔

[5] یعنی وہ جو چاہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

[6] تنگیوں کے لیے بھی اور آسانیوں کے لیے بھی۔ یہ دونوں اپنے وقت پر انتہا پذیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے حیض اور عدت مراد لی ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں ، اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنھیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو[1] اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے[2] اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کردے گا④ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمھاری طرف اتارا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹادے گا اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا⑤ تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو[3] اور انھیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ[4]

① یہ ان کی عدت ہے جن کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہوگیا یا جنھیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا۔

② مطلقہ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چاہے دوسرے روز ہی وضع حمل ہو جائے۔ علاوہ ازیں ظاہراً آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے، چاہے وہ مطلقہ ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 5318، و صحيح مسلم، حديث: 1485، و جامع الترمذي، حديث: 1193، و سنن أبي داود، حديث: 2306، و سنن النسائي، حديث: 3538، و سنن ابن ماجه، حديث: 2027) دیگر عورتیں جن کے خاوند فوت ہو جائیں، ان کی عدت 4 مہینے 10 دن ہے۔ (البقرة 2:234)

③ یعنی مطلقہ رجعیہ کو، اس لیے کہ مطلقۂ بائنہ کے لیے تو رہائش اور نفقہ ضروری ہی نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحے میں بیان ہوا۔ اپنی طاقت کے مطابق رکھنے کا مطلب ہے کہ اگر مکان فراخ ہو اور اس میں متعدد کمرے ہوں تو ایک کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ بصورت دیگر اپنا کمرہ اس کے لیے خالی کر دے۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ قریب رہ کر عدت گزارے گی تو شاید خاوند کا دل پسیج جائے اور رجوع کرنے کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ خاص طور پر اگر بچے بھی ہوں تو پھر رغبت اور رجوع کا قوی امکان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے جس کی وجہ سے اس حکم کے فوائد و حِکَم سے بھی وہ محروم ہیں۔ ہمارے معاشرے میں طلاق کے ساتھ ہی جس طرح عورت کو فوراً اچھوت بنا کر گھر سے نکال دیا جاتا ہے یا بعض دفعہ لڑکی والے اسے اپنے گھر لے جاتے ہیں، یہ رواج قرآن کریم کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

④ یعنی نان ونفقہ میں یا رہائش میں اسے تنگ اور بے آبرو کرنا تاکہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ عدت کے دوران ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے قریب ہو تو پھر رجوع کرلے اور بار بار ایسا کرے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جس کے سدباب کے لیے شریعت نے طلاق کے بعد رجوع کرنے کی حد مقرر فرما دی تاکہ کوئی

عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ أُخْرٰى ⑥ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ⑦ ع وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا

اور اگر وہ حمل سے ہوں تو جب تک بچہ پیدا ہو لے انھیں خرچ دیتے رہا کرو،[1] پھر اگر تمھارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دے دو[2] اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو[3] اور اگر تم آپس میں کشمکش کرو تو اس کے کہنے سے کوئی اور دودھ پلائے گی ⑥[4] کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے[5] اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو[6] اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے،[7] اللہ تنگی کے بعد آسانی بھی کر دے گا ⑦[8] اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ انھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی[9]

شخص آئندہ اس طرح عورت کو تنگ نہ کرے، اب ایک انسان دو مرتبہ تو ایسا کر سکتا ہے، یعنی طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لینا لیکن تیسری مرتبہ جب طلاق دے گا تو اس کے بعد اس کے رجوع کا حق بھی ختم ہو جائے گا۔

[1] یعنی مطلقہ خواہ بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر حاملہ ہے تو اس کا نفقہ وسکنٰی ضروری ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے۔

[2] یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت تمھارے ذمے ہے۔

[3] یعنی باہمی مشورے سے اجرت اور دیگر معاملات طے کر لیے جائیں، مثلاً: بچے کا باپ عرف کے مطابق اجرت دے اور ماں، باپ کی استطاعت کے مطابق اجرت طلب کرے وغیرہ۔

[4] یعنی آپس میں اجرت وغیرہ کا معاملہ طے نہ ہو سکے تو کسی دوسری انا کے ساتھ معاملہ کر لے جو اس کے بچے کو دودھ پلائے۔

[5] یعنی دودھ پلانے والی عورتوں کو اجرت اپنی طاقت کے مطابق دی جائے اگر اللہ نے مال و دولت میں فراخی عطا فرمائی ہے تو اسی فراخی کے ساتھ مُرْضِعَة کی خدمت ضروری ہے۔

[6] یعنی مالی لحاظ سے وہ کمزور ہو۔

[7] اس لیے وہ غریب اور کمزور کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ دودھ پلانے والی کو زیادہ اجرت ہی دے۔ مطلب ان ہدایات کا یہ ہے کہ بچے کی ماں اور بچے کا باپ دونوں ایسا مناسب رویہ اختیار کریں کہ ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ سنگین نہ ہو، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ (البقرۃ 2:233) ''نہ ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور نہ باپ کو۔''

[8] چنانچہ جو اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو آسانی و کشادگی سے بھی نواز دیتا ہے۔

[9] ﴿عَتَتْ﴾ أَيْ تَمَرَّدَتْ وَطَغَتْ وَ اسْتَكْبَرَتْ عَنِ اتِّبَاعِ أَمْرِ اللّٰهِ وَمُتَابَعَةِ رُسُلِهٖ - ''اللہ کے حکم اور اس کے رسولوں کی پیروی سے انکار کیا۔''

وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ⑨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ⑩ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ

تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب کیا اور انھیں عذاب کیا اَن دیکھا سخت عذاب⑧ [1] پس انھوں نے اپنے کرتوت کا مزہ چکھ لیا اور انجامِ کار ان کا خسارہ ہی ہوا⑨ ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرو اے عقل مند ایمان والو! یقیناً اللہ نے تمھاری طرف نصیحت اتار دی ہے⑩ (یعنی) رسول [2] جو تمھیں اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، وہ تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے، [3] اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے [4] اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اسے بہترین روزی دے رکھی ہے⑪ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ [5] اس کا حکم ان کے درمیان اترتا

① ﴿نُّكْرًا﴾ مُنكَرًا فَظِيعًا (ہولناک آفت) حساب اور عذاب، دونوں سے مراد دنیاوی مؤاخذہ اور سزا ہے یا پھر بقول بعض کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ﴿عَذَابًا نُّكْرًا﴾ وہ عذاب ہے جو دنیا میں قحط، خسف و مسخ وغیرہ کی شکل میں انھیں پہنچا اور ﴿حِسَابًا شَدِيْدًا﴾ وہ ہے جو آخرت میں ہوگا۔ (فتح القدیر)

② ﴿رَّسُوْلًا﴾ ذِكْرًا سے بدل ہے بمعنی ذاکر، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا، جیسے کہتے ہیں: وہ تو مجسم عدل ہے۔ یا ''ذکر'' سے مراد قرآن ہے اور ﴿رَّسُوْلًا﴾ سے پہلے اَرْسَلْنَا محذوف ہے، یعنی ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور رسول کو بھیجا۔

③ یہ رسول کا منصب اور فریضہ بیان کیا گیا کہ وہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اخلاقی پستیوں سے اور شرک و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ رسول سے یہاں مراد الرَّسُول یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

④ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہی سے انسان اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آ سکتے ہیں۔ عمل صالح میں دونوں باتیں شامل ہیں، احکام و فرائض کی ادائیگی اور معصیات و منہیات سے اجتناب۔ مطلب ہے کہ جنت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنھوں نے صرف زبان سے ہی ایمان کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے حقیقی ایمان لا کر اس کے تقاضوں کے مطابق فرائض پر عمل اور معاصی سے اجتناب کیا تھا۔

⑤ أَيْ خَلَقَ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات آسمانوں کی طرح، اللہ نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔ بعض نے اس سے سات اقالیم مراد لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ بلکہ جس طرح اوپر نیچے سات آسمان ہیں، اسی طرح سات زمینیں ہیں احادیث سے بھی

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫

اٰیَاتُهَا: 12 (66) سُوْرَةُ التَّحْرِیْمِ مَدَنِیَّةٌ (107) رُكُوْعَاتُهَا: 2	سورۂ تحریم مدنی ہے، اس میں 12 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ①

ہے[1] تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے ⑫[2] اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کردیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟[3] (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ①

اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ» (صحيح مسلم، حديث: 140-(1610)) ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے ہتھیا لی تو قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔'' صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: «خُسِفَ بِهِ إِلٰى سَبْعِ أَرَضِينَ» ''اس کو ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2454) اور جنھوں نے یہ کہا ہے کہ ہر زمین میں، اسی طرح کا پیغمبر ہے جس طرح کا پیغمبر تمھاری زمین پر آیا، مثلاً: آدم، آدم کی طرح۔ نوح، نوح کی طرح۔ ابراہیم، ابراہیم کی طرح۔ عیسیٰ، عیسیٰ کی طرح (علیہم السلام) یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں بلکہ باطل بات ہے۔

① یعنی جس طرح ہر آسمان پر اللہ کا حکم نافذ اور غالب ہے، اسی طرح ہر زمین پر اس کا حکم چلتا ہے، آسمانوں کی طرح ساتوں زمینوں کی بھی وہ تدبیر فرماتا ہے۔

② پس اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، چاہے وہ کیسی ہی ہو۔

③ نبی ﷺ نے جس چیز کو اپنے لیے حرام کرلیا تھا وہ کیا تھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا: اس سلسلے میں ایک تو وہ مشہور واقعہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے اور وہاں شہد پیتے، حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے وہاں معمول سے زیادہ دیر تک آپ کو ٹھہرنے سے روکنے کے لیے یہ اسکیم تیار کی کہ ان میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو وہ ان سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول! آپ کے منہ سے مغافیر (ایک قسم کا پھول جس میں بساند ہوتی ہے) کی بو آرہی ہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تو زینب کے گھر صرف شہد پیا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں پیوں گا لیکن یہ بات تم کسی کو مت بتلانا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4912) سنن نسائی میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایک لونڈی تھی جس کو آپ نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ (شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے) (صحيح سنن النسائي: 63/3) جبکہ کچھ دوسرے علماء اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر آگئی تھیں جبکہ حضرت حفصہ موجود نہیں تھیں۔ اتفاق سے انھی کی موجودگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آگئیں، انھیں نبی ﷺ کے

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③

تحقیق اللہ نے تمھارے لیے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے [1] اور اللہ تمھارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم والا، حکمت والا ہے ② اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، [2] پس جب اس نے اس بات کی خبر کردی [3] اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے، [4] پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔ [5] کہا: سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا ③ [6]

ساتھ اپنے گھر میں خلوت میں دیکھنا ناگوار گزرا، جسے نبی ﷺ نے بھی محسوس فرمایا، جس پر آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے قسم کھا کر ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو تاکید کی کہ وہ یہ بات کسی کو نہ بتلائے۔ امام ابن حجر ایک تو یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مختلف طرق سے نقل ہوا ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوسری بات وہ یہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے بیک وقت دونوں ہی واقعات اس آیت کے نزول کا سبب بنے ہوں۔ (فتح الباري: 838,837/8) امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور دونوں قصوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے۔

① یعنی کفارہ ادا کر کے اس کام کو کرنے کی، جس کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہو، اجازت دے دی، قسم کا یہ کفارہ سورۂ مائدہ 89:5 میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے بھی کفارہ ادا کر کے شہد کا بھی استعمال کیا اور ماریہ رضی اللہ عنہا کا حق بھی ادا کیا۔ (فتح القدير) اس امر میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک بیوی کے علاوہ کسی چیز کو حرام کرنے سے وہ چیز حرام ہوگی نہ اس پر کفارہ ہے، اگر بیوی کو اپنے اوپر حرام کرے گا تو اس سے اس کا مقصد اگر طلاق ہے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو راجح قول کے مطابق یہ قسم ہے، اس کے لیے کفارۂ یمین کی ادائیگی ضروری ہے۔ (أيسر التفاسير مزید دیکھیے: صحيح الجامع، حديث: 1463) کفارۂ یمین کا مطلب ہے قسم کا کفارہ۔ (دیکھیے: المآئدة 89:5)

② وہ پوشیدہ بات شہد کو یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے والی بات تھی جو آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کی تھی۔

③ یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جا کر بتلا دی۔

④ یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلا دیا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے، تاہم اپنی تکریم وعظمت کے پیش نظر ساری بات بتانے سے اعراض فرمایا۔

⑤ جب نبی ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ تم نے میرا راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران ہوئیں کیونکہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو یہ بات نہیں بتلائی تھی اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے انھیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ آپ کو بتلا دیں گی کیونکہ وہ شریک معاملہ تھیں۔

⑥ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا

(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو بہت بہتر ہے [1] یقیناً تمھارے دل جھک پڑے ہیں [2] اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی، پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہے اور نیک ایمان دار اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں ④ [3] اگر وہ (پیغمبر) تمھیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انھیں ان کا رب تمھارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے۔ [4] جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت بجالانے والیاں روزے رکھنے والیاں ہوں گی بیوہ اور کنواریاں ⑤ [5] اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ [6] جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنھیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ

---

① یا تمھاری توبہ قبول کر لی جائے گی، یہ شرط ﴿ اِنْ تَتُوْبَآ ﴾ کا جواب محذوف ہے۔

② یعنی حق سے ہٹ گئے ہیں اور وہ ہے ان کا ایسی چیز کا پسند کرنا جو نبی ﷺ کے لیے ناگوار تھی۔ (فتح القدیر)

③ یعنی نبی کے مقابلے میں تم جتھابندی کرو گی تو نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، اس لیے کہ نبی کا مددگار تو اللہ بھی ہے اور مومنین اور ملائکہ بھی۔

④ یہ تنبیہ کے طور پر ازواج مطہرات کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے۔

⑤ ﴿ ثَيِّبٰتٍ ﴾ ثَيِّبٌ کی جمع ہے، (لوٹ آنے والی) بیوہ عورت کو ثَيِّبٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خاوند سے واپس لوٹ آتی ہے اور پھر اس طرح بے خاوند رہ جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ ﴿ اَبْكَارًا ﴾ بِكْرٌ کی جمع ہے، کنواری عورت۔ اسے بکر اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ ابھی اپنی اسی پہلی حالت پر ہوتی ہے جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ (فتح القدیر) بعض روایات میں آتا ہے کہ ثَيِّبٌ سے حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور بکر سے حضرت مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) مراد ہیں، یعنی جنت میں ان دونوں کو نبی ﷺ کی بیویاں بنا دیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن ان روایات کی بنیاد پر ایسا خیال رکھنا یا بیان کرنا صحیح نہیں ہے جو اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں کیونکہ سنداً یہ روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

⑥ اس میں اہل ایمان کو ان کی ایک نہایت اہم ذمے داری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور وہ ہے، اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا اہتمام تاکہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر کے بچوں میں نماز سے تساہل دیکھو تو انھیں سرزنش کرو۔'' (سنن أبي داود، حديث: 494 و جامع الترمذي، حديث: 407) فقہاء نے کہا ہے: اسی طرح روزے ان سے رکھوائے جائیں اور دیگر احکام کے اتباع کی تلقین انھیں کی جائے۔ تاکہ جب وہ شعور کی عمر کو پہنچیں تو اس دین حق کا شعور بھی انھیں حاصل ہو چکا ہو۔ (ابن کثیر)

يُؤْمَرُوْنَ ⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑦ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ
عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ

جو حکم دیا جائے بجالاتے ہیں ⑥ اے کافرو! آج تم عذر و معذرت مت کرو۔ تمھیں صرف تمھارے کرتوت کا بدلہ دیا جا رہا ہے ⑦ اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ [1] قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ دور کر دے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس دن اللہ نبی کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور عطا فرما [2] اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ⑧ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو [3] اور ان پر سختی کرو، [4] ان کا ٹھکانا جہنم ہے [5] اور وہ بہت بری جگہ ہے ⑨ اللہ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، [6]

---

① خالص توبہ یہ ہے کہ ① جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کر دے۔ ② اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کرے۔ ③ آئندہ اسے نہ کرنے کا عزم رکھے۔ ④ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے، اس کا ازالہ کرے۔ جس کے ساتھ زیادتی کی ہے، اس سے معافی مانگے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کر لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

② یہ دعا اہل ایمان اس وقت کریں گے جب منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا جیسا کہ سورۂ حدید میں تفصیل گزری۔ اہل ایمان کہیں گے: جنت میں داخل ہونے تک ہمارے اس نور کو باقی رکھ اور اس کا اتمام فرما۔

③ کفار کے ساتھ جہاد، سلاح وقتال کے ساتھ اور منافقین سے، ان پر حدود الٰہی قائم کر کے، جب وہ ایسے کام کریں جو موجب حد ہوں۔

④ یعنی دعوت و تبلیغ میں سختی اور احکام شریعت میں درشتی اختیار کریں کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ حکمت تبلیغ کبھی نرمی کی متقاضی ہوتی ہے اور کبھی سختی کی۔ ہر جگہ نرمی بھی مناسب نہیں اور ہر جگہ سختی بھی مفید نہیں رہتی۔ تبلیغ و دعوت میں حالات و ظروف اور اشخاص و افراد کے اعتبار سے نرمی یا سختی کرنے کی ضرورت ہے۔

⑤ یعنی کافروں اور منافقوں دونوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

⑥ مَثَلٌ کا مطلب ہے: کسی ایسی حالت کا بیان کرنا جس میں ندرت وغرابت ہو تا کہ اس کے ذریعے سے ایک دوسری حالت کا تعارف ہو جائے جو ندرت وغرابت میں اس کے مماثل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کافروں کے حال کے لیے اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے جو نوح اور لوط کی بیویوں کی ہے۔

وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿10﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿11﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿12﴾ ع 2 5 20

یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں، پھر ان کی انھوں نے خیانت کی،[1] پس وہ دونوں نیک بندے ان سے اللہ کے کسی عذاب کو نہ روک سکے[2] اور حکم دے دیا گیا دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی چلی جاؤ﴿10﴾[3] اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی[4] جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے﴿11﴾ اور (مثال بیان فرمائی) مریم بنت عمران کی[5] جس نے اپنی ناموس کی حفاظت کی پھر ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں[6] اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور عبادت گزاروں میں سے تھی﴿12﴾[7]

---

(1) یہاں خیانت سے مراد عصمت میں خیانت نہیں کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ کسی نبی کی بیوی بدکار نہیں ہوئی۔ (فتح القدیر) خیانت سے مراد ہے کہ یہ اپنے خاوندوں پر ایمان نہیں لائیں، نفاق میں مبتلا رہیں اور ان کی ہمدردیاں اپنی کافر قوموں کے ساتھ رہیں، چنانچہ نوح علیہ السلام کی بیوی، حضرت نوح علیہ السلام کی بابت لوگوں سے کہتی کہ یہ مجنون (دیوانہ) ہے اور لوط کی بیوی اپنی قوم کو گھر میں آنے والے مہمانوں کی اطلاع پہنچاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں اپنی قوم کے لوگوں میں اپنے خاوندوں کی چغلیاں کھاتی تھیں۔

(2) یعنی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام دونوں باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے جو اللہ کے مقرب ترین بندوں میں سے ہوتے ہیں، اپنی بیویوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے۔

(3) یہ انھیں قیامت والے دن کہا جائے گا یا موت کے وقت انھیں کہا گیا۔ کافروں کی یہ مثال بطور خاص یہاں ذکر کرنے سے مقصود ازواج مطہرات کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ بے شک اس رسول کے حرم کی زینت ہیں جو تمام مخلوق میں سب سے بہتر ہے لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اگر انھوں نے رسول کی مخالفت کی یا انھیں تکلیف پہنچائی تو وہ بھی اللہ کی گرفت میں آ سکتی ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہوگا۔

(4) یعنی ان کی ترغیب، ثبات قدمی، استقامت فی الدین اور شدائد میں صبر کے لیے۔ نیز یہ بتلانے کے لیے کہ کفر کی صولت وشوکت ایمان والوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، جیسے فرعون کی بیوی ہے جو اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کے تحت تھی لیکن وہ اپنی بیوی کو ایمان سے نہیں روک سکا۔

(5) حضرت مریم کے ذکر سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود اس بات کے کہ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم کے درمیان رہتی تھیں لیکن اللہ

نے انھیں دنیا وآخرت میں شرف وکرامت سے سرفراز فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

⑥ کلمات رب سے مراد، شرائع الٰہی ہیں۔

⑦ یعنی ایسے لوگوں میں سے یا خاندان میں سے تھیں جو فرماں بردار، عبادت گزار اور صلاح وطاعت میں ممتاز تھا۔ حدیث میں ہے: جنتی عورتوں میں سب سے افضل حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ (مسند أحمد: 293/1، و مجمع الزوائد: 357/9، والسلسلة الصحيحة: 13/4) ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''مردوں میں تو کامل بہت ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کامل صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران رضی اللہ عنہما ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 5418، وصحيح مسلم، حديث: 2431)

اٰيَاتُهَا: 30 (67) سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (77) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ ملک مکی ہے، اس میں 30 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ② الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے[1] اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ① جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے،[2] اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے ② جس نے ساتوں آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا، (تو اے دیکھنے والے!) رحمٰن کے پیدا کرنے میں تو کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا،[3] دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آرہا ہے ③[4] پھر دوہرا کر دو دو بار دیکھ لے تیری نگاہ تیری طرف

اس کی فضیلت میں متعدد روایات آتی ہیں جن میں سے صرف چند روایات صحیح یا حسن ہیں۔ ایک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس میں صرف 30 آیات ہیں، یہ آدمی کی سفارش کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جائے گا۔'' (جامع الترمذي، حديث: 2891، وسنن أبي داود، حديث: 1400، وسنن ابن ماجه، حديث: 3786، ومسند أحمد: 299/2 و321) دوسری روایت میں ہے: ''قرآن مجید میں ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی طرف سے لڑے گی حتی کہ اسے جنت میں داخل کروائے گی۔'' (مجمع الزوائد: 270/7، وذكره الألباني في صحيح الجامع الصغير، حديث: 3644) جامع ترمذی کی ایک روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک ضرور پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3404) ایک روایت شیخ البانی نے صحیحہ میں نقل کی ہے: «سُورَةُ تَبَارَكَ هِيَ الْمَانِعَةُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (السلسلة الصحيحة للألباني: 131/3) ''سورۂ ملک عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔'' یعنی اس کا پڑھنے والا امید ہے کہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ احکام و فرائض اسلام کا پابند ہو۔

① تَبٰرَكَ ، بَرَكَةٌ سے ہے، اَلنَّمَاءُ وَالزِّيَادَةُ بڑھوتری اور زیادتی کے معنی میں۔ بعض نے معنی کیے ہیں: مخلوقات کی صفات سے بلند اور برتر۔ تفاعل کا صیغہ مبالغے کے لیے ہے۔ ''اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔'' یعنی ہر طرح کی قدرت اور غلبہ اسی کو حاصل ہے، وہ کائنات میں جس طرح کا تصرف کرے، کوئی اسے روک نہیں سکتا، وہ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنا دے، امیر کو غریب، غریب کو امیر کر دے۔ کوئی اس کی حکمت و مشیت میں دخل نہیں دے سکتا۔

② روح، ایک ایسی غیر مرئی چیز ہے کہ جس بدن سے اس کا تعلق و اتصال ہو جائے، وہ زندہ کہلاتا ہے اور جس بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے، وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ عارضی زندگی کا سلسلہ، جس کے بعد موت ہے، اس لیے قائم کیا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ اس زندگی کا صحیح استعمال کون کرتا ہے۔ جو اسے ایمان و اطاعت کے لیے استعمال کرے گا، اس کے لیے بہترین جزا ہے اور دوسروں کے لیے عذاب۔

③ یعنی کوئی تناقض، کوئی کجی، کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں بلکہ وہ بالکل سیدھے اور برابر ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان

اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ④ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ⑤ وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ⑦ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ

ذلیل (و عاجز) ہو کر تھکی ہوئی لوٹ آئے گی ④ [1] بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت والا بنا دیا اور انھیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ [2] بنا دیا اور شیطانوں کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر دیا ⑤ اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے ⑥ جب اس میں یہ ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی ⑦ [3] قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے، [4] جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ ⑧ [5] وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! بے شک آیا تھا، لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو ⑨ [6] اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں

سب کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہی ہے متعدد نہیں ہیں۔

④ بعض دفعہ دوبارہ غور سے دیکھنے سے کوئی نقص اور عیب نکل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دعوت دے رہا ہے کہ بار بار دیکھو کیا تمھیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔

① یہ مزید تاکید ہے جس سے مقصد اپنی عظیم قدرت اور وحدانیت کو واضح تر کرنا ہے۔

② یہاں ستاروں کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں: ایک آسمانوں کی زینت کیونکہ وہ چراغوں کی طرح جلتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے، شیطان اگر آسمانوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شرارہ بن کر ان پر گرتے ہیں۔ تیسرا مقصد ان کا یہ ہے جسے دوسرے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ ان سے بر و بحر میں راستوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (النحل 16:16)

③ ﴿شَهِیْقًا﴾ گدھے کے حلق سے نکلنے والی شروع کی آواز کو کہتے ہیں، یہ قبیح ترین آواز ہوتی ہے۔ جہنم بھی گدھے کی طرح چیخ اور چلا رہی اور آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جوش مار رہی ہوگی۔

④ یا مارے غیظ و غضب کے اس کے حصے ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ یہ جہنم کافروں کو دیکھ کر غضب ناک ہوگی جس کا شعور اللہ تعالیٰ اس کے اندر پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہنم کے اندر یہ ادراک و شعور پیدا کر دینا کوئی مشکل نہیں ہے۔

⑤ جس کی وجہ سے تمھیں آج جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا ہے۔

⑥ یعنی ہم نے پیغمبروں کی تصدیق کرنے کی بجائے انھیں جھٹلایا، آسمانی کتابوں کا ہی سرے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اللہ کے پیغمبروں کو ہم نے کہا کہ تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا

(شریک) نہ ہوتے⑩ [1] پس وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے[2] سو دفع ہو جائیں دوزخی⑪ [3] بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے⑫ [4] اور تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو[5] وہ تو سینوں کی باتوں تک کو بھی بخوبی جانتا ہے⑬ [6] بھلا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟[7] حالانکہ وہ بڑا باریک بین باخبر ہے⑭ [8] وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو پست و مطیع کردیا[9] تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو[10] اور اس کے دیے ہوئے رزق میں

---

① یعنی غور اور توجہ سے سنتے اور ان کی باتوں اور نصیحتوں کو آویزۂ گوش بنا لیتے، اسی طرح اللہ کی دی ہوئی عقل سے بھی سوچنے سمجھنے کا کام لیتے تو آج ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔

② جس کی بنا پر مستحق عذاب قرار پائے اور وہ ہے کفر اور انبیاء ﷺ کی تکذیب۔

③ یعنی اب ان کے لیے اللہ سے اور اس کی رحمت سے دوری ہی دوری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سُحْقٌ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

④ یہ اہل کفر و تکذیب کے مقابلے میں اہل ایمان کا اور ان نعمتوں کا ذکر ہے جو انھیں قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ملیں گی۔ ﴿بِالْغَيْبِ﴾ کا ایک مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کو دیکھا تو نہیں لیکن پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب، یعنی خلوتوں میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

⑤ یہ پھر کافروں سے خطاب ہے۔ مطلب ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں چھپ کر باتیں کرو یا علانیہ، سب اللہ کے علم میں ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

⑥ یہ سر و جہر جاننے کی تعلیل ہے کہ وہ تو سینوں کے رازوں اور دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، تمھاری باتیں کس طرح اس سے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

⑦ یعنی سینوں اور دلوں اور ان میں پیدا ہونے والے خیالات، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو کیا وہ اپنی مخلوق سے بے علم رہ سکتا ہے؟ استفہام، انکار کے لیے ہے، یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔

⑧ ﴿اللَّطِيْفُ﴾ کے معنی ہی باریک بین کے ہیں: اَلَّذِي لَطُفَ عِلْمُهُ بِمَا فِي الْقُلُوبِ (فتح القدير) ''جس کا علم اتنا لطیف ہے کہ دلوں میں پرورش پانے والی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے۔''

⑨ ﴿ذَلُوْلًا﴾ کے معنی: مطیع و منقاد کے ہیں جو تمھارے سامنے جھک جائے، سرتابی نہ کرے، یعنی زمین کو تمھارے لیے نرم اور آسان کردیا ہے، اسے اس طرح سخت نہیں بنایا کہ تمھارا اس پر آباد ہونا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔

⑩ مَنَاكِبُ مَنْكِبٌ کی جمع ہے، جانب۔ یہاں اس سے مراد اس کے راستے اور اطراف و جوانب ہیں۔ امر اباحت کے لیے ہے، یعنی اس کے راستوں میں چلو۔

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۙ⑯ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ⑰ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ⑲ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۚ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ

سے کھاؤ (پیو)[1] اور اُسی کی طرف (تمھیں) جی کر اٹھ کھڑا ہونا ہے⑮ کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے⑯[2] یا کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟[3] پھر تو تمھیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا⑰[4] اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو دیکھو ان پر میرا عذاب کیسا کچھ ہوا؟⑱ کیا یہ اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور (کبھی کبھی) سمیٹے ہوئے اڑنے والے پرندوں کو نہیں دیکھتے،[5] انھیں رحمٰن ہی (ہوا وفضا میں) تھامے ہوئے ہے۔[6] بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے⑲ سوائے اللہ رحمٰن کے تمھارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمھاری مدد کر سکے؟[7] کافر تو سراسر دھوکے ہی میں ہیں⑳[8] اگر اللہ اپنی روزی روک لے تو بتاؤ کون ہے جو پھر تمھیں روزی دے گا؟[9]

① یعنی زمین کی پیداوار سے کھاؤ پیو۔

② یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں پر، یعنی عرش پر جلوہ گر ہے، یہ کافروں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ آسمانوں والی ذات جب چاہے تمھیں زمین میں دھنسا دے، یعنی وہی زمین جو تمھاری قرارگاہ ہے اور تمھاری روزی کا مخزن ومنبع ہے، اللہ تعالیٰ اسی زمین کو، جو نہایت پرسکون ہے، حرکت وجنبش میں لا کر تمھاری ہلاکت کا باعث بنا سکتا ہے۔

③ جیسے اس نے قوم لوط اور اصحاب الفیل (ہاتھیوں والے ابرہہ اور اس کے لشکر) پر برسائے اور پتھروں کی بارش سے ان کو ہلاک کر دیا۔

④ لیکن اس وقت یہ علم بے فائدہ ہوگا۔

⑤ پرندہ جب ہوا میں اڑتا ہے تو وہ پر پھیلا لیتا ہے اور کبھی دوران پرواز پروں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ پھیلانا، صَفّ اور سمیٹ لینا قَبْض ہے۔

⑥ یعنی دوران پرواز ان پرندوں کو تھامے رکھنے والا کون ہے جو انھیں زمین پر گرنے نہیں دیتا۔ یہ اللہ رحمٰن ہی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔

⑦ یہ استفہام تقریع وتوبیخ کے لیے ہے۔ ﴿جُنْدٌ﴾ کے معنی ہیں: لشکر، جتھا، یعنی کوئی لشکر اور جتھا ایسا نہیں ہے جو تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

⑧ جس میں انھیں شیطان نے مبتلا کیا ہوا ہے۔

⑨ یعنی اللہ بارش نہ برسائے یا زمین ہی کو پیداوار سے روک دے یا تیار شدہ فصلوں کو تباہ کر دے جیسا کہ بعض دفعہ وہ ایسا کرتا ہے جس کی وجہ سے تمھاری خوراک کا سلسلہ موقوف ہو جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا کر دے تو کیا کوئی اور ہے جو اللہ کی اس مشیت کے برعکس تمھیں روزی مہیا کر دے؟

رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿21﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿22﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿23﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿24﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿25﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿26﴾ فَلَمَّا

بلکہ وہ (کافر) تو سرکشی اور بدکنے پر اڑ گئے ہیں ﴿21﴾ [1] اچھا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہوکر چلے [2] یا وہ جو سیدھا (پیروں کے بل) راہ راست پر چل رہا ہو؟ ﴿22﴾ [3] کہہ دیجیے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا [4] اور تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے [5] تم بہت ہی کم شکرگزاری کرتے ہو ﴿23﴾ [6] کہہ دیجیے کہ وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا اور اس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿24﴾ [7] (کافر) پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ کب ظاہر ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ؟) ﴿25﴾ [8] آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، [9] میں تو صرف کھلے طور پر آگاہ کردینے والا ہوں ﴿26﴾ [10] جب یہ

(1) یعنی وعظ ونصیحت کی ان باتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ وہ حق سے سرکشی اور اعراض ونفور میں ہی بڑھتے چلے جارہے ہیں، عبرت پکڑتے ہیں اور نہ غور وفکر کرتے ہیں۔

(2) منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا، نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ ہوتا ہے۔ کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دنیا میں اللہ کی معصیتوں میں ڈوبا ہوا شخص آخرت کی کامیابی سے محروم رہے گا۔

(3) جس میں کوئی کجی اور انحراف نہ ہو اور اس کو آگے اور دائیں بائیں بھی نظر آرہا ہو۔ ظاہر ہے یہ شخص اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائے گا، یعنی اللہ کی اطاعت کا سیدھا راستہ اپنانے والا آخرت میں سرخ رو رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مومن اور کافر دونوں کی اس کیفیت کا بیان ہے جو قیامت والے دن ان کی ہوگی۔ کافر منہ کے بل جہنم میں لے جائے جائیں گے اور مومن سیدھے اپنے قدموں پر چل کر جنت میں جائیں گے، جیسے کافروں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ (بنی إسرآء یل 97:17) ”ہم انھیں قیامت والے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے۔“

(4) یعنی پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

(5) جن سے تم سن سکو، دیکھ سکو اور اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کرکے اللہ کو سمجھ سکو۔ تین قوتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے انسان مسموعات، مبصرات اور معقولات کا ادراک کرسکتا ہے، یہ ایک طرح سے اتمام حجت بھی ہے اور اللہ کی ان نعمتوں پر شکر نہ کرنے کی مذمت بھی۔ اسی لیے آگے فرمایا: تم بہت ہی کم شکرگزاری کرتے ہو۔

(6) یعنی شُكْرًا قَلِیْلًا یا زَمَنًا قَلِیْلًا یا قِلَّتِ شکر سے مراد ان کی طرف سے شکر کا عدم وجود ہے۔

(7) یعنی انسانوں کو پیدا کرکے زمین میں پھیلانے والا بھی وہی ہے اور قیامت والے دن سب جمع بھی اسی کے پاس ہوں گے، کسی اور کے پاس نہیں۔

(8) یہ کافر بطور استہزا اور قیامت کو مستبعد سمجھتے ہوئے کہتے تھے۔

رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿27﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿28﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿29﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿30﴾

ع 2/16/2

لوگ اس [1] وعدے کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے [2] اور کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے جسے تم طلب کیا کرتے تھے ﴿27﴾ [3] آپ کہہ دیجیے اچھا اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو اللہ ہلاک کردے یا ہم پر رحم کرے بہرصورت یہ تو بتاؤ کہ کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ ﴿28﴾ [4] آپ کہہ دیجیے کہ وہی رحمٰن ہے ہم تو اس پر ایمان لاچکے [5] اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے۔ [6] تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے؟ ﴿29﴾ [7] آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمھارا (پینے کا) پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو تمھارے لیے نتھرا ہوا پانی لائے؟ ﴿30﴾ [8]

---

⑨ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ﴾ (الأعراف 187:7) ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔''

⑩ یعنی میرا کام تو اس انجام سے ڈرانا ہے جو میری تکذیب کی وجہ سے تمھارا ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں میرا کام انذار ہے، غیب کی خبریں بتلانا نہیں الّا یہ کہ جس کی بابت خود اللہ مجھے بتلا دے۔

① ﴿ رَاَوْهُ ﴾ میں ضمیر کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک عذاب قیامت ہے۔

② یعنی ذلت، ہولناکی اور دہشت سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ جس کو دوسرے مقام پر چہروں کے سیاہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (آل عمران 106:3)

③ ﴿ تَدَّعُوْنَ ﴾ اور تَدْعُوْنَ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، وہی ہے جسے تم دنیا میں جلد طلب کرتے تھے، جیسے سورۂ انفال 32:8، سورۂ ص 16:38 وغیرہ میں ہے۔

④ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو موت دے دے یا ان پر رحم کرے لیکن کافروں کے متعلق تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس کے عذاب سے بچنے والے نہیں لیکن وہ اتنے بدبخت ہیں کہ اپنی فکر تو نہیں کرتے، رسول ﷺ اور مومنوں کے بارے میں انتظار کرتے ہیں کہ ان پر عذاب کب آتا ہے؟

⑤ یعنی اس کی وحدانیت پر، اسی لیے اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔

⑥ کسی اور پر نہیں۔ ہم اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں، کسی اور کے نہیں، جیسے مشرک کرتے ہیں۔

⑦ تم ہو یا ہم۔ اس میں کافروں کے لیے سخت وعید ہے۔

⑧ ﴿ غَوْرًا ﴾ کے معنی ہیں: خشک ہو جانا یا اتنی گہرائی میں چلا جانا کہ وہاں سے پانی نکالنا ناممکن ہو، یعنی اگر اللہ تعالیٰ پانی خشک فرما دے کہ اس کا وجود ہی ختم ہو جائے یا اتنی گہرائی میں کردے کہ ساری مشینیں پانی نکالنے میں ناکام ہو جائیں تو بتلاؤ! پھر کون ہے جو

اٰیَاتُھَا:52 (68) سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَکِّیَّۃٌ (2) رُکُوْعَاتُھَا:2

سورۂ قلم مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ

نٓ۔[1] قسم ہے قلم کی[2] اور اس کی جو کچھ وہ فرشتے لکھتے ہیں①[3] تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے②[4] اور بے شک تیرے لیے بے انتہا اجر ہے③[5] اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے④[6] پس اب تو بھی دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے⑤[7] کہ تم میں سے کون فتنہ میں پڑا ہوا ہے⑥ بے شک تیرا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو خوب

تمھیں جاری، صاف اور نتھرا ہوا پانی مہیا کر دے، یعنی کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تمھاری معصیتوں کے باوجود وہ تمھیں پانی سے بھی محروم نہیں فرماتا۔

① ﴿نٓ﴾ اسی طرح حروف مُقطّعات میں سے ہے، جیسے اس سے قبل ص، ق اور دیگر فواتح سُوَر گزر چکے ہیں۔

② قلم کی قسم کھائی، جس کی اس لحاظ سے ایک اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے سے تبیین وتوضیح ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ خاص قلم ہے جسے اللہ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو تقدیر لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے ازل سے ابد تک ہونے والی ساری چیزیں لکھ دیں۔ (جامع الترمذي، حديث:3319 وقال الألباني صحيحٌ)

③ ﴿یَسْطُرُوْنَ﴾ میں ضمیر کا مرجع اصحاب قلم ہیں، جس پر قلم کا لفظ دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ آلۂ کتابت کا ذکر کاتب کے وجود کو مستلزم ہے۔ مطلب ہے کہ اس کی بھی قسم جو لکھنے والے لکھتے ہیں یا پھر مرجع فرشتے ہیں، جیسے ترجمہ سے واضح ہے۔

④ یہ جواب قسم ہے جس میں کفار کے قول کا رد ہے، وہ آپ کو مجنون (دیوانہ) کہتے تھے۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ۝﴾ (الحجر 6:15) ”اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا! تُو تو مجنون ہے۔“

⑤ فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں جتنی زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اور دشمنوں کی باتیں تو نے سنی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ مَنٌّ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔

⑥ ﴿خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ سے مراد اسلام، دین یا قرآن ہے۔ مطلب ہے کہ تو اس خلق پر ہے جس کا حکم اللہ نے تجھے قرآن میں یا دین اسلام میں دیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ تہذیب وشائستگی، نرمی اور شفقت، امانت وصداقت، حلم وکرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں، جس میں آپ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی اور وسعت آئی۔ اسی لیے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا: «کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنَ» (صحيح مسلم، حديث: 746) ”آپ کا خلق قرآن تھا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب خلق عظیم کے مذکورہ دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔

⑦ یعنی جب حق واضح ہو جائے گا اور سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ بعض نے اسے جنگ بدر سے متعلق قرار دیا ہے۔

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ⑭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا

جانتا ہے، اور وہ راہ یافتہ لوگوں کو بھی بخوبی جانتا ہے ⑦ پس تو جھٹلانے والوں کی نہ مان ⑧ [1] وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ⑨ [2] اور تو کسی ایسے شخص کا بھی کہا نہ ماننا جو زیادہ قسمیں کھانے والا ذلیل ہے ⑩ بے وقار طعنے دینے والا، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے ⑪ بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گناہ گار ہے ⑫ سنگدل اور ان (سب عیوب) کے علاوہ بے نسب ہے ⑬ [3] اس کی سرکشی صرف اس لیے ہے کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے ⑭ [4] جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں ⑮ ہم بھی اس کی سونڈ پر داغ دیں گے ⑯ [5] بے شک ہم نے انھیں اسی طرح آزمالیا [6] جس طرح ہم نے باغ والوں کو [7] آزمایا تھا جبکہ انھوں نے قسمیں کھائیں کہ

---

① اطاعت سے مراد یہاں وہ مدارات ہے جس کا اظہار انسان اپنے ضمیر کے خلاف کرتا ہے، یعنی مشرکوں کی طرف جھکنے اور ان کی خاطر مدارات کی ضرورت نہیں ہے۔

② یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ان کے معبودوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرے تو وہ بھی تیرے بارے میں نرم رویہ اختیار کریں لیکن باطل کے ساتھ مداہنت کا نتیجہ ہوگا کہ باطل پرست اپنی باطل پرستی کو چھوڑنے میں ڈھیلے ہو جائیں گے، اس لیے حق میں مداہنت حکمتِ تبلیغ اور کارِ نبوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

③ یہ ان کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر پیغمبر کو مداہنت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ یہ صفات ذمیمہ کسی ایک شخص کی بیان کی گئی ہیں یا عام کافروں کی۔ پہلی بات کا ماخذ اگرچہ بعض روایتیں ہیں مگر وہ غیر مستند ہیں، اس لیے مقصود عام یعنی ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔ ﴿زَنِيْمٍ﴾ ولد الحرام یا مشہور و بدنام۔

④ یعنی مذکورہ اخلاقی قباحتوں کا ارتکاب وہ اس لیے کرتا ہے کہ اللہ نے اسے مال اور اولاد کی نعمتوں سے نوازا ہے، یعنی وہ شکر کی بجائے کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ بعض نے اسے ﴿فَلَا تُطِعْ﴾ کے متعلق قرار دیا ہے، یعنی جس شخص کے اندر یہ خرابیاں ہوں، اس کی بات صرف اس لیے مان لی جائے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے۔

⑤ بعض کے نزدیک اس کا تعلق دنیا سے ہے، مثلاً: کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں ان کافروں کی ناکوں کو تلواروں کا نشانہ بنایا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت والے دن جہنمیوں کی علامت ہوگی کہ ان کی ناکوں کو داغ دیا جائے گا۔ یا اس کا مطلب چہروں کی سیاہی ہے جیسا کہ کافروں کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کا یہ حشر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ممکن ہے۔

⑥ مراد اہل مکہ ہیں، یعنی ہم نے ان کو مال و دولت سے نوازا تاکہ وہ اللہ کا شکر کریں نہ کہ کفر و تکبر۔ لیکن انھوں نے کفر و استکبار کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے انھیں بھوک اور قحط کی آزمائش میں ڈال دیا جس میں وہ نبی ﷺ کی بددعا کی وجہ سے کچھ عرصہ مبتلا رہے۔

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑰ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲
فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ⑳ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ㉑ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉒
فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ㉓ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉔ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ
قٰدِرِيْنَ ㉕ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ㉖ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ㉗ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ

صبح ہوتے ہی اس باغ کے پھل توڑ لیں گے⑰ [1] اور ان شاء اللہ نہ کہا⑱ پس اس پر تیرے رب کی جانب سے ایک بلا چاروں طرف گھوم گئی اور یہ سو رہے تھے⑲ [2] پس وہ باغ ایسا ہوگیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی⑳ [3] اب صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں㉑ کہ اگر تمھیں پھل اتارنے ہیں تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی سویرے چل پڑو㉒ پھر یہ سب چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے㉓ [4] کہ آج کے دن کوئی مسکین تمھارے پاس نہ آنے پائے㉔ [5] اور لپکے ہوئے صبح صبح پہنچ گئے۔ (سمجھ رہے تھے) کہ ہم قابو پا گئے㉕ [6] پھر جب انھوں نے باغ دیکھا [7] تو کہنے لگے: یقیناً ہم راستہ [8] بھول گئے㉖ نہیں نہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی㉗ [9] ان سب میں جو بہتر تھا اس نے کہا کہ میں تم سے نہ کہتا تھا کہ

⑦ باغ والوں کا قصہ عربوں میں مشہور تھا۔ یہ باغ صَنْعاء (یمن) سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ اس کا مالک اس کی پیداوار میں سے غرباء ومساکین پر بھی خرچ کرتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد جب اس کی اولاد اس کی وارث بنی تو انھوں نے کہا کہ ہمارے تو اپنے اخراجات ہی بمشکل پورے ہوتے ہیں، ہم اس کی آمدنی میں سے مساکین اور سائلین کو کس طرح دیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ہی تباہ کر دیا۔ کہتے ہیں: یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تھوڑے عرصے بعد ہی پیش آیا۔ (فتح القدیر) یہ ساری تفصیل تفسیری روایات کی ہے۔

① صَرْمٌ کے معنی ہیں: پھل اور کھیتی کا کاٹنا، ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ حال ہے، یعنی صبح ہوتے ہی پھل اتار لیں گے اور پیداوار کاٹ لیں گے۔

② بعض کہتے ہیں: راتوں رات اسے آگ لگ گئی، بعض کہتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے آ کر اسے تہس نہس کر دیا۔

③ یعنی جس طرح کھیتی کٹنے کے بعد خشک ہو جاتی ہے، اس طرح سارا باغ اجڑ گیا۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا، یعنی جل کر۔

④ یعنی باغ کی طرف جانے کے لیے ایک تو صبح صبح نکلے۔ دوسرے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے گئے تاکہ کسی کو ان کے جانے کا علم نہ ہو۔

⑤ یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے رہے کہ آج کوئی باغ میں آ کر ہم سے کچھ نہ مانگے جس طرح ہمارے باپ کے زمانے میں آیا کرتے تھے اور اپنا حصہ لے جاتے تھے۔

⑥ ﴿حَرْدٍ﴾ کے ایک معنی تو قوت وشدت کیے گئے ہیں جس کو مترجم مرحوم نے ”لپکے ہوئے“ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے غصہ اور حسد کیے ہیں، یعنی مساکین پر غیظ وغضب کا اظہار یا حسد کرتے ہوئے۔ ﴿قٰدِرِيْنَ﴾ حال ہے، یعنی اپنے معاملے کا انھوں نے اندازہ کر لیا یا اپنے زعم میں انھوں نے اپنے باغ پر قدرت حاصل کر لی یا مطلب ہے کہ مساکین پر انھوں نے قابو پا لیا۔

⑦ یعنی باغ والی جگہ کو راکھ کا ڈھیر یا اسے تباہ وبرباد دیکھا۔

⑧ یعنی پہلے پہل تو ایک دوسرے کو کہا۔

⑨ پھر جب غور کیا تو جان گئے کہ یہ آفت زدہ اور تباہ شدہ باغ ہمارا ہی باغ ہے جسے اللہ نے ہمارے طرز عمل کی پاداش میں ایسا کر دیا

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿28﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿30﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿31﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿32﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ ع اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿34﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿35﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿36﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿37﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿38﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى

تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟﴿28﴾ [1] تو سب کہنے لگے: ہمارا رب پاک ہے بے شک ہم ہی ظالم تھے ﴿29﴾ [2] پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں ملامت کرنے لگے ﴿30﴾ کہنے لگے: ہائے افسوس! یقیناً ہم سرکش تھے ﴿31﴾ کیا عجب ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے ہم تو اب [3] اپنے رب ہی سے آرزو رکھتے ہیں ﴿32﴾ یوں ہی عذاب آتا ہے [4] اور آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔ کاش! وہ جانتے ہوتے ﴿33﴾ [5] یقیناً پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغات ہیں ﴿34﴾ کیا ہم فرمانبرداروں کو گناہ گاروں کے مثل کر دیں گے؟﴿35﴾ [6] تمھیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟﴿36﴾ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب [7] ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟﴿37﴾ کہ اس میں تمھاری من مانی باتیں ہوں؟﴿38﴾ یا تم سے ہم نے کچھ قسمیں لی ہیں؟

ہے اور واقعی یہ ہماری حرمان نصیبی ہے۔

① بعض نے تسبیح کا مطلب یہاں ان شاء اللہ کہنا مراد لیا ہے۔

② یعنی اب انھیں احساس ہوا کہ ہم نے اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف قدم اٹھا کر غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا اللہ نے ہمیں دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معصیت کا عزم اور اس کے لیے ابتدائی اقدامات بھی، ارتکاب معصیت کی طرح جرم ہے جس پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے، صرف وہ ارادہ معاف ہے جو وسوسے کی حد تک رہتا ہے۔ (دیکھیے: سورۂ بقرہ 2: 284 کا حاشیہ)

③ کہتے ہیں کہ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو اپنے باپ کی طرح اس میں سے غرباء و مساکین کا حق بھی ادا کریں گے۔ اسی لیے ندامت اور توبہ کے ساتھ رب سے امیدیں بھی وابستہ کیں۔

④ یعنی اللہ کے حکم کی مخالفت اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرنے والوں کو ہم دنیا میں اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔ (اگر ہماری مشیت اس کی مقتضی ہو۔)

⑤ لیکن افسوس وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، اس لیے پروا نہیں کرتے۔

⑥ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر ہی ہوں گے، جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں سے زیادہ آسودہ حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم مسلمانوں، یعنی اپنے فرماں برداروں کو مجرموں، یعنی نافرمانوں کی طرح کر دیں۔ مطلب ہے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف دونوں کو یکساں کر دے۔

⑦ جس میں یہ بات لکھی ہو جس کا تم دعویٰ کر رہے ہو کہ وہاں بھی تمھارے لیے وہ کچھ ہو گا جسے تم پسند کرتے ہو۔

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿39﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿40﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿41﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿42﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿43﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿44﴾ وَاُمْلِيْ

جو قیامت تک باقی رہیں کہ تمھارے لیے وہ سب ہے جو تم فیصلہ کرو گے ﴿39﴾[1] ان سے پوچھو تو کہ ان میں سے کون اس بات کا ذمے دار اور دعویدار ہے؟ ﴿40﴾[2] کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے کہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر یہ سچے ہیں ﴿41﴾[3] جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے ﴿42﴾[4] ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت وخواری چھا رہی ہوگی،[5] حالانکہ یہ سجدے کے لیے اس وقت بھی بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے ﴿43﴾[6] پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے[7] ہم انھیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انھیں معلوم بھی نہ ہوگا ﴿44﴾[8] اور میں

---

① یا ہم نے تم سے پکا عہد کر رکھا ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے کہ تمھارے لیے وہی کچھ ہوگا جس کا تم اپنی بابت فیصلہ کرو گے۔

② کہ وہ قیامت والے دن ان کے لیے وہی کچھ فیصلہ کروائے گا جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے فرمائے گا۔

③ یا جن کو انھوں نے شریک ٹھہرا رکھا ہے، وہ ان کی مدد کر کے ان کو اچھا مقام دلوا دیں گے۔ اگر ان کے شریک ایسے ہیں تو ان کو سامنے لائیں تا کہ ان کی صداقت واضح ہو۔

④ بعض نے کشف ساق سے مراد قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں، یہ درست نہیں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا، (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے، البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے، وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے، تختے کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لیے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4919) اللہ تعالیٰ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہوگی۔ اسے وہ کس طرح کھولے گا۔ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں، اس لیے جس طرح ہم بلا کیف و بلا تشبیہ، اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں، اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں ہے، اس پر اس کی کیفیت بیان کیے بغیر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔

⑤ یعنی دنیا کے برعکس ان کا معاملہ ہوگا، دنیا میں تکبر و عناد کی وجہ سے ان کی گردنیں اکڑی ہوتی تھیں۔

⑥ یعنی صحت مند اور توانا تھے، اللہ کی عبادت میں کوئی چیز ان کے لیے مانع نہیں تھی۔ لیکن دنیا میں اللہ کی عبادت سے یہ دور رہے۔

⑦ یعنی میں ہی ان سے نمٹ لوں گا تو ان کی فکر نہ کر۔

⑧ یہ اسی استدراج (ڈھیل دینے) کا ذکر ہے جو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی وضاحت کی گئی ہے کہ نافرمانی کے باوجود، دنیوی مال و اسباب کی فراوانی، اللہ کا فضل نہیں ہے، اللہ کے قانون امہال کا نتیجہ ہے، پھر جب وہ گرفت کرنے پر آتا ہے تو

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿45﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿46﴾ؕ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿47﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿48﴾ؕ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿49﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿50﴾

انھیں ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے﴿45﴾[1] کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے جس کے تاوان سے یہ دبے جاتے ہوں﴿46﴾[2] یا کیا ان کے پاس علم غیب ہے جسے وہ لکھتے ہوں﴿47﴾[3] پس تو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر[4] اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب[5] کہ اس نے غم کی حالت میں دعا کی﴿48﴾[6] اگر اسے اس کے رب کی نعمت نہ پالیتی تو یقیناً وہ برے حالوں میں چٹیل زمین میں ڈال دیا جاتا﴿49﴾[7] پس اسے اس کے رب نے پھر نوازا[8] اور اسے نیکو کاروں میں کر دیا﴿50﴾[9]

کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔

① یہ گزشتہ مضمون ہی کی تاکید ہے۔ کَیْدٌ خفیہ تدبیر اور چال کو کہتے ہیں، اچھے مقصد کے لیے ہو تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسے اردو زبان کا کَید نہ سمجھا جائے جس میں ذم ہی کا مفہوم ہوتا ہے۔

② یہ خطاب نبی ﷺ کو ہے لیکن توبیخ ان کو کی جارہی ہے جو آپ پر ایمان نہیں لا رہے تھے۔

③ یعنی کیا غیب کا علم ان کے پاس ہے، لوح محفوظ، ان کے تصرف میں ہے کہ اس میں سے جو بات چاہتے ہیں، نقل کر لیتے ہیں (وہاں سے لکھ لاتے ہیں) اس لیے یہ تیری اطاعت اختیار کرنے اور تجھ پر ایمان لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا۔

④ ﴿فَاصْبِرْ﴾ میں فاء تفریع کے لیے ہے، یعنی جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو اے پیغمبر! تو فریضہ رسالت ادا کرتا رہ اور ان مکذبین کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

⑤ جنھوں نے اپنی قوم کی روش تکذیب کو دیکھتے ہوئے عجلت سے کام لیا اور رب کے فیصلے کے بغیر ہی از خود اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

⑥ جس کے نتیجے میں انھیں مچھلی کے پیٹ میں جبکہ وہ غم و اندوہ سے بھرے ہوئے تھے، اپنے رب کو مدد کے لیے پکارنا پڑا جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (دیکھیے سورۂ صافات 37:139-144 کے حواشی)

⑦ یعنی اللہ تعالیٰ اگر انھیں توبہ و مناجات کی توفیق نہ دیتا اور ان کی دعا قبول نہ فرماتا تو انھیں ساحل سمندر کی بجائے، جہاں ان کے سائے اور خوراک کے لیے بیل دار درخت اگا دیا گیا، کسی بنجر زمین میں پھینک دیا جاتا اور عنداللہ ان کی حیثیت بھی مذموم رہتی جبکہ قبولیت دعا کے بعد وہ محمود ہو گئے۔

⑧ اس کا مطلب ہے کہ انھیں توانا و تندرست کرنے کے بعد دوبارہ رسالت سے نواز کر انھیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جیسا کہ سورۂ صافات 37:146 سے بھی واضح ہے۔

⑨ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2377) مزید دیکھیے: (سورۂ بقرہ 2:253 کا حاشیہ نمبر 1)

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿51﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿52﴾

اٰيَاتُهَا: 52 (69) سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ (78) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ حاقہ مکی ہے، اس میں 52 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ﴿1﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿2﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿3﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿4﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ

اور قریب ہے کہ کافر اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں،[1] جب کبھی قرآن سنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ تو ضرور دیوانہ ہے ﴿51﴾[2] درحقیقت یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہی ہے ﴿52﴾[3]

ثابت ہونے والی ﴿1﴾[4] ثابت ہونے والی کیا ہے؟ ﴿2﴾[5] اور تجھے کیا معلوم کہ وہ ثابت شدہ کیا ہے؟ ﴿3﴾[6] اس کھڑکا دینے والی کو ثمود اور عاد نے جھٹلا دیا تھا ﴿4﴾[7] اس کے نتیجہ میں ثمود

---

① یعنی اگر تجھے اللہ کی حمایت و حفاظت نہ ہوتی تو ان کفار کی حاسدانہ نظروں سے تو نظر بد کا شکار ہو جاتا، یعنی ان کی نظر تجھے لگ جاتی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، مزید لکھتے ہیں: ''یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا دوسروں پر اللہ کے حکم سے اثر انداز ہونا حق ہے۔'' جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے، چنانچہ احادیث میں اس سے بچنے کے لیے دعائیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کوئی چیز اچھی لگے تو ماشاء اللہ یا بارك الله کہا کرو تاکہ اسے نظر نہ لگے، اسی طرح کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو فرمایا: اسے غسل کروا کے اس کا پانی اس شخص پر ڈالا جائے جس کو اس کی نظر لگی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر ابن کثیر اور کتب حدیث) بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ تجھے تبلیغ رسالت سے پھیر دیتے۔

② یعنی حسد کے طور پر بھی اور اس غرض سے بھی کہ لوگ اس قرآن سے متاثر نہ ہوں بلکہ اس سے دور ہی رہیں، یعنی آنکھوں کے ذریعے سے بھی یہ کفار نبی ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے اور زبانوں سے بھی آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کے دل کو مجروح کرتے۔

③ جب واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن جن و انس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے آیا ہے تو پھر اس کو لانے والا اور بیان کرنے والا مجنون (دیوانہ) کس طرح ہو سکتا ہے۔

④ یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس میں امر الٰہی ثابت ہوگا اور خود یہ بھی بہر صورت وقوع پذیر ہونے والی ہے، اس لیے اسے ﴿اَلْحَآقَّةُ﴾ سے تعبیر فرمایا۔

⑤ یہ لفظاً استفہام ہے لیکن اس کا مقصد قیامت کی عظمت اور فَخَامَتِ شان بیان کرنا ہے۔

⑥ یعنی کس ذریعے سے تجھے اس کی پوری حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ مطلب اس کے علم کی نفی ہے۔ گویا کہ تجھے اس کا علم نہیں کیونکہ تو نے ابھی اسے دیکھا ہے اور نہ اس کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کیا ہے، گویا کہ وہ مخلوقات کے دائرۂ علم سے باہر ہے۔ (فتح القدير) بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں جس کی بابت بھی صیغہ ماضی ﴿مَآ اَدْرٰىكَ﴾ استعمال کیا گیا ہے، اس کو بیان کر دیا گیا ہے اور جس کو مضارع کے صیغے ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ﴾ کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، اس کا علم لوگوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ (فتح القدير و أيسر التفاسير)

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

تو بے حد خوفناک اور اونچی آواز سے ہلاک کر دیے گئے ⑤ [1] اور عاد بے حد تیز وتند ہوا سے غارت کر دیے گئے ⑥ [2] جسے ان پر برابر لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رکھا [3] پس تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر اس طرح گر گئے جیسے کہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں ⑦ [4] کیا ان میں سے کوئی بھی تجھے باقی نظر آ رہا ہے؟ ⑧ فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں، [5] انھوں نے بھی خطائیں کیں ⑨ اور اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی بالآخر اللہ نے انھیں (بھی) زبردست گرفت میں لے لیا ⑩ [6] جب پانی میں طغیانی آ گئی [7] تو اس وقت ہم نے تمھیں کشتی میں چڑھا لیا ⑪ [8] تا کہ اسے تمھارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں، [9] اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں ⑫ [10] پس جبکہ صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ⑬ [11] اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے

⑦ اس میں قیامت کو کھڑکا دینے والی کہا ہے، اس لیے کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے لوگوں کو بیدار کر دے گی۔

① طَاغِيَةٌ ایسی آواز جو حد سے تجاوز کر جانے والی ہو، یعنی نہایت خوف ناک اور اونچی آواز سے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا جیسا کہ پہلے متعدد جگہ گزرا۔

② ﴿صَرْصَرٍ﴾ "پالے والی ہوا" ﴿عَاتِيَةٍ﴾ "سرکش، کسی کے قابو میں نہ آنے والی" یعنی نہایت تند و تیز، پالے والی اور بے قابو ہوا کے ذریعے سے حضرت ہود کی قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

③ حَسْمٌ کے معنی کاٹنے اور جدا جدا کر دینے کے ہیں اور بعض نے ﴿حُسُوْمًا﴾ کے معنی پے درپے کیے ہیں۔

④ اس سے ان کے درازئ قد کی طرف بھی اشارہ ہے، ﴿خَاوِيَةٍ﴾ کھوکھلے۔ بے روح جسم کو کھوکھلے تنے سے تشبیہ دی ہے۔

⑤ اس سے قوم لوط مراد ہے۔

⑥ ﴿رَّابِيَةً﴾ رَبَا يَرْبُو سے ہے جس کے معنی زائد کے ہیں، یعنی ان کی ایسی گرفت کی جو دوسری قوموں کی گرفت سے زائد، یعنی سب میں سخت تر تھی۔ گویا ﴿اَخْذَةً رَّابِيَةً﴾ کا مفہوم ہوا، نہایت سخت گرفت۔

⑦ یعنی پانی ارتفاع اور بلندی میں تجاوز کر گیا، یعنی پانی خوب چڑھ گیا۔

⑧ ﴿حَمَلْنٰكُمْ﴾ میں خطاب اہل زمانہ کو ہے، مطلب ہے کہ تم جن آباء کی پشتوں سے ہو، ہم نے انھیں کشتی میں سوار کر کے بپھرے ہوئے پانی سے بچایا تھا۔ ﴿الْجَارِيَةِ﴾ سے مراد سفینۂ نوح ہے۔

⑨ یعنی یہ فعل کہ کافروں کو پانی میں غرق کر دیا اور مومنوں کو کشتی میں سوار کرا کے بچا لیا، تمھارے لیے اس کو عبرت و نصیحت بنا دیں تا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

جائیں گے، [1] پھر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے ﴿۱۴﴾ تو اس دن ہو پڑنے والی (قیامت) ہو پڑے گی ﴿۱۵﴾ اور آسمان پھٹ جائے گا، چنانچہ وہ اس دن بالکل کمزور ہو جائے گا ﴿۱۶﴾ [2] اس کے کناروں پر فرشتے ہوں گے، [3] اور تیرے پروردگار کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ﴿۱۷﴾ [4] اس دن تم سب سامنے پیش کیے [5] جاؤ گے، تمھارا کوئی بھید پوشیدہ نہ رہے گا ﴿۱۸﴾ سو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا [6] تو وہ کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو ﴿۱۹﴾ [7] مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے ﴿۲۰﴾ [8] پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا ﴿۲۱﴾ بلند و بالا جنت میں ﴿۲۲﴾ [9] جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے ﴿۲۳﴾ [10]

---

(10) یعنی سننے والے اسے سن کر یاد رکھیں اور وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔

(11) مُکَذِّبِین کا انجام بیان کرنے کے بعد اب بتلایا جا رہا ہے کہ یہ ﴿اَلْحَاقَّةُ﴾ کس طرح واقع ہوگی۔ اسرافیل کی ایک ہی پھونک سے یہ برپا ہو جائے گی۔

(1) یعنی اپنی جگہوں سے اٹھا لیے جائیں گے اور قدرت الٰہی سے اپنی قرار گاہوں سے ان کو اکھیڑ لیا جائے گا۔

(2) یعنی اس میں کوئی قوت اور استحکام نہیں رہے گا جو چیز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اس میں استحکام کس طرح رہ سکتا ہے۔

(3) یعنی آسمان تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر آسمانی مخلوق فرشتے کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ''وہ آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔'' اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے آسمان پھٹنے سے قبل اللہ کے حکم سے زمین پر آجائیں گے تو گویا فرشتے دنیا کے کنارے پر ہوں گے یا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مختلف ٹکڑوں میں ہو گا تو ان ٹکڑوں پر جو زمین کے کناروں میں اور بجائے خود ثابت ہوں گے، ان پر ہوں گے۔ (فتح القدیر)

(4) یعنی ان مخصوص فرشتوں نے عرش الٰہی کو اپنے سروں پر اٹھایا ہوا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس عرش سے مراد وہ عرش ہو جو فیصلوں کے لیے زمین پر رکھا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ (ابن کثیر)

(5) یہ پیشی اس لیے نہیں ہوگی کہ جن کو اللہ نہیں جانتا، ان کو جان لے، وہ تو سب کو ہی جانتا ہے، یہ پیشی خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی۔ ورنہ اللہ سے تو کسی کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آگے بھی فرمایا۔

(6) جو اس کی سعادت، نجات اور کامیابی کی دلیل ہوگا۔

(7) یعنی وہ مارے خوشی کے ہر ایک کو کہے گا کہ لو پڑھ لو، میرا اعمال نامہ تو مجھے مل گیا ہے، اس لیے کہ اسے پتا ہو گا کہ اس میں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی، کچھ برائیاں ہوں گی تو وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہوں گی یا ان برائیوں کو بھی حسنات میں تبدیل کر دیا ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ فضل و کرم کی یہ مختلف صورتیں اختیار فرمائے گا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿24﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿25﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿26﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿27﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿28﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿29﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿30﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿31﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿32﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿33﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿34﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿35﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿36﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا

ان سے کہا جائے گا کہ مزے سے کھاؤ، پیو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم نے گزشتہ زمانے میں کیے ﴿24﴾ [1] لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، تو وہ کہے گا کہ کاش! مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی ﴿25﴾ [2] اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے ﴿26﴾ [3] کاش کہ موت میرا کام ہی تمام کر دیتی ﴿27﴾ [4] میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا ﴿28﴾ مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی ﴿29﴾ [5] (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو پھر اسے طوق پہنا دو ﴿30﴾ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو ﴿31﴾ [6] پھر اسے ایسی زنجیر میں، جس کی پیمائش ستر ہاتھ کی ہے، جکڑ دو ﴿32﴾ [7] بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہ رکھتا تھا ﴿33﴾ [8] اور مسکین کے کھلانے پر رغبت نہ دلاتا تھا ﴿34﴾ [9] سو آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں ﴿35﴾ اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے ﴿36﴾ [10] جسے گناہ گاروں کے سوا

---

⑧ یعنی آخرت کے حساب کتاب پر میرا کامل یقین تھا۔

⑨ جنت میں مختلف درجات ہوں گے، ہر درجے کے درمیان بہت فاصلہ ہوگا، جیسے مجاہدین کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان جتنا فاصلہ ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 2790، وصحيح مسلم، حديث: 1884)

⑩ یعنی بالکل قریب ہوں گے، یعنی کوئی لیٹے لیٹے بھی توڑنا چاہے گا تو ممکن ہوگا۔ قُطُوفٌ، قِطْفٌ کی جمع ہے، چنے یا توڑے ہوئے، مراد پھل ہیں۔ مَا يُقْطَفُ مِنَ الثِّمَارِ'' چنے یا توڑے ہوئے پھل۔''

① یعنی دنیا میں اعمال صالحہ کیے، یہ جنت ان کا صلہ ہے۔

② کیونکہ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا بدبختی کی علامت ہوگا۔

③ یعنی مجھے بتلایا ہی نہ جاتا کیونکہ سارا حساب ان کے خلاف ہوگا۔

④ یعنی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تاکہ یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

⑤ یعنی جس طرح مال میرے کام نہ آیا، جاہ و مرتبہ اور سلطنت و حکومت بھی میرے کام نہ آئی۔ اور آج میں اکیلا ہی یہاں سزا بھگتنے پر مجبور ہوں۔

⑥ اللہ تعالیٰ یہ حکم ملائکہ جہنم کو دے گا۔

⑦ یہ ﴿ذِرَاعًا﴾ (ہاتھ) کس کا ذراع ہوگا؟ اور یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعیین نہیں کی گئی، تاہم ظاہر یہ ہے کہ انسانوں کے ہاں مفہوم اور مستعمل ذراع ہی مراد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زنجیر کی لمبائی ستر ذراع ہوگی۔

⑧ یہ مذکورہ سزا کی علت یا مجرم کے جرم کا بیان ہے۔

الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿37﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿38﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿39﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿40﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿41﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿42﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿43﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿44﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿45﴾ ثُمَّ

کوئی نہیں کھائے گا ﴿37﴾ [1] پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنھیں تم دیکھتے ہو ﴿38﴾ اور ان چیزوں کی جنھیں تم نہیں دیکھتے ﴿39﴾ [2] کہ بے شک یہ (قرآن) بزرگ رسول کا قول ہے ﴿40﴾ [3] یہ کسی شاعر کا قول نہیں [4] (افسوس!) تمھیں بہت کم یقین ہے ﴿41﴾ اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے، [5] (افسوس!) بہت کم نصیحت لے رہے ہو ﴿42﴾ [6] (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے ﴿43﴾ [7] اور اگر وہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا ﴿44﴾ [8] تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ﴿45﴾ [9] پھر

---

⑨ یعنی عبادت واطاعت کے ذریعے سے اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ وہ حقوق ادا کرتا تھا جو بندوں کے بندوں پر ہیں۔ گویا اہل ایمان میں یہ جامعیت ہوتی ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

⑩ بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں کوئی درخت ہے، بعض کہتے ہیں کہ زَقُّوْمٌ ہی کو یہاں ﴿غِسْلِيْنٍ﴾ کہا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جہنمیوں کی پیپ یا ان کے جسموں سے نکلنے والا خون اور بدبودار پانی ہوگا۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْه.

① ﴿الْخَاطِـُٔوْنَ﴾ سے مراد اہل جہنم ہیں جو کفر وشرک کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے، اس لیے کہ یہی گناہ ایسے ہیں جو خلود في النار کا سبب ہیں۔

② یعنی اللہ کی پیدا کردہ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت وطاقت پر دلالت کرتی ہیں جنھیں تم دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے، ان سب کی قسم ہے۔ آگے جواب قسم ہے۔

③ بزرگ رسول سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور قول سے مراد تلاوت ہے، یعنی رسول کریم اس کی تلاوت کرتے ہیں یا قول سے مراد ایسا قول ہے جو رسول کریم اللہ کی طرف سے تمھیں پہنچاتا ہے کیونکہ قرآن، رسول یا جبرائیل کا قول نہیں ہے بلکہ اللہ کا قول ہے جو اس نے فرشتے کے ذریعے سے پیغمبر پر نازل فرمایا ہے، پھر پیغمبر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

④ جیسا کہ تم سمجھتے اور کہتے ہو، اس لیے کہ یہ اصناف شعر سے ہے نہ اس کے مشابہ ہے، پھر یہ کسی کا کلام کس طرح ہو سکتا ہے۔

⑤ جیسا کہ بعض دفعہ تم یہ دعویٰ بھی کرتے ہو، حالانکہ کہانت بھی ایک شئے دیگر ہے۔

⑥ قِلّت دونوں جگہ نفی کے معنی میں ہے، یعنی تم بالکل قرآن پر ایمان لاتے ہو نہ اس سے نصیحت ہی حاصل کرتے ہو۔

⑦ یعنی رسول کی زبان سے ادا ہونے والا یہ قول، رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اسے تم کبھی شاعری اور کبھی کہانت کہہ کر اس کی تکذیب کرتے ہو۔

⑧ یعنی اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتا یا اس میں کمی بیشی کر دیتا تو ہم فوراً اس کا مؤاخذہ کرتے اور اسے ڈھیل نہ دیتے جیسا کہ اگلی آیات میں فرمایا۔

⑨ یا اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کی گرفت کرتے، اس لیے کہ دائیں ہاتھ سے گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے اور اللہ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ (دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث: 1827)

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿46﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿47﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿48﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿50﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿51﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿52﴾

اٰيَاتُهَا 44 (70) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ (79) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ معارج مکی ہے، اس میں 44 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿1﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿2﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ﴿3﴾

اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ﴿46﴾ [1] پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا ﴿47﴾ [2] یقیناً یہ (قرآن) پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے ﴿48﴾ [3] یقیناً ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں ﴿49﴾ بے شک یہ (جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے ﴿50﴾ [4] اور بے شک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے ﴿51﴾ [5] پس تو اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کر ﴿52﴾ [6]

ایک سوال کرنے والے [7] نے اس عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے ﴿1﴾ کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں ﴿2﴾ اس اللہ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے ﴿3﴾ [8]

---

① خیال رہے یہ سزا، خاص نبی کریم ﷺ کے ضمن میں بیان کی گئی ہے جس سے مقصد آپ کی صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں یہ اصول بیان نہیں کیا گیا ہے کہ جو بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے گا تو جھوٹے مدعی کو ہم فوراً سزا سے دوچار کر دیں گے، لہٰذا اس سے کسی جھوٹے نبی کو اس لیے سچا باور نہیں کرایا جا سکتا کہ دنیا میں وہ مؤاخذۂ الٰہی سے بچا رہا۔ واقعات بھی شاہد ہیں کہ متعدد لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے اور اللہ نے انھیں ڈھیل دی اور دنیوی مؤاخذے سے وہ بالعموم محفوظ ہی رہے، اس لیے اگر اسے اصول مان لیا جائے تو پھر متعدد جھوٹے مدعیان نبوت کو ''سچا نبی'' ماننا پڑے گا۔

② اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے رسول تھے، جن کو اللہ نے سزا نہیں دی بلکہ دلائل و معجزات اور اپنی خاص تائید و نصرت سے انھیں نوازا۔

③ کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن تو سارے ہی لوگوں کی نصیحت کے لیے آیا ہے۔

④ یعنی قیامت والے دن اس پر حسرت کریں گے کہ کاش! ہم نے قرآن کی تکذیب نہ کی ہوتی۔ یا یہ قرآن بجائے خود ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا، جب وہ اہل ایمان کو قرآن کا اجر ملتے ہوئے دیکھیں گے۔

⑤ یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا بالکل یقینی ہے، اس میں قطعاً شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یا قیامت کی بابت جو خبر دی جا رہی ہے، وہ بالکل حق اور سچ ہے۔

⑥ جس نے قرآن کریم جیسی عظیم کتاب نازل فرمائی۔

⑦ کہتے ہیں یہ نضر بن حارث تھا یا ابوجہل تھا جس نے کہا تھا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (الأنفال 8:32) ''اے اللہ! اگر قرآن واقعی تیری طرف سے ہے تو تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا دے۔'' چنانچہ

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ⑤ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ⑥ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ⑧ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ⑩ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ

جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں [1] ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے ④ [2] پس تو اچھی طرح صبر کر⑤ بے شک یہ اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں⑥ اور ہم اسے قریب ہی دیکھتے ہیں⑦ [3] جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی مثل ہوجائے گا⑧ اور پہاڑ رنگین اون کی مثل ہوجائیں گے⑨ [4] اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا⑩ (حالانکہ) ایک دوسرے کو دکھادیے جائیں گے، [5] گناہ گار اس دن کے عذاب کے

یہ شخص جنگ بدر میں مارا گیا۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں جنھوں نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی اور اس کے نتیجے میں اہل مکہ پر قحط سالی مسلط کی گئی تھی۔

⑧ یا درجات والا، بلندیوں والا ہے جس کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

① ﴿ الرُّوْحُ ﴾ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، ان کی عظمت شان کے پیش نظر ان کا الگ خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ورنہ فرشتوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ یا روح سے مراد انسانی روحیں ہیں جو مرنے کے بعد آسمان پر لے جائی جاتی ہیں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

② اس ﴿ يَوْمٍ ﴾ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے جیسا کہ الم السجدہ کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے چار اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جو عرش عظیم سے اسفل سافلین (زمین کے ساتویں طبقے) تک ہے۔ یہ مسافت 50 ہزار سال میں طے ہونے والی ہے۔ دوسرا قول ہے کہ یہ دنیا کی کل مدت ہے۔ ابتدائے آفرینش سے وقوع قیامت تک، اس میں سے کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تیسرا قول ہے کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی مقدار ہے، یعنی کافروں پر یہ یوم حساب پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔ لیکن مومن کے لیے دنیا میں ایک فرض نماز پڑھنے سے بھی مختصر ہوگا۔ (مسند أحمد: 75/3) امام ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں زکاۃ ادا نہ کرنے والے کو قیامت والے دن جو عذاب دیا جائے گا، اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَتّٰی يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ» (صحيح مسلم، حديث: 26-(987)) ”یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ایسے دن میں جس کی مدت تمھاری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی۔“ اس تفسیر کی رو سے ﴿ فِيْ يَوْمٍ ﴾ کا تعلق عذاب سے ہوگا، یعنی وہ واقع ہونے والا عذاب قیامت والے دن ہوگا جو کافروں پر پچاس ہزار سال کی طرح بھاری ہوگا۔

③ دور سے مراد ناممکن اور قریب سے اس کا یقینی واقع ہونا ہے، یعنی کافر قیامت کو ناممکن سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ضرور آکر رہے گی، اس لیے کہ كُلُّ مَا هُوَ آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ ”ہر آنے والی چیز قریب ہے۔“

④ یعنی دھنی ہوئی روئی کی طرح، جیسے سورۂ قارعہ میں ہے: ﴿ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾

⑤ لیکن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، اس لیے تعارف اور شناخت کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں پوچھیں گے۔

عَذَابِ یَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِیْهِۙ۝۱۱ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِۙ۝۱۲ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِۙ۝۱۳ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِۙ۝۱۴ كَلَّاؕ اِنَّهَا لَظٰىۙ۝۱۵ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ۝۱۶ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰىۙ۝۱۷ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى۝۱۸ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاۙ۝۱۹ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًاۙ۝۲۰ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًاۙ۝۲۱ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَۙ۝۲۲ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَۙ۝۲۳ وَ الَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌۙ۝۲۴ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِۙ۝۲۵ وَ الَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِۙ۝۲۶ وَ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ

بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو⑪ اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو⑫ اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا⑬ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا، پھر یہ اسے نجات دلا دے⑭ [1] (مگر) ہرگز یہ نہ ہوگا، یقیناً وہ شعلے والی آگ ہے⑮ [2] جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے⑯ [3] وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے⑰ اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے⑱ [4] بے شک انسان تو پیدا کیا گیا ہے کم حوصلہ⑲ [5] جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو بڑا بے صبرا ہے⑳ اور جب راحت ملتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے㉑ مگر وہ نمازی㉒ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں㉓ [6] اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے㉔ [7] مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی㉕ [8] اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں㉖ [9] اور جو اپنے رب کے عذاب سے

---

(1) یعنی اولاد، بیوی، بھائی اور خاندان یہ ساری چیزیں انسان کو نہایت عزیز ہوتی ہیں لیکن قیامت والے دن مجرم چاہے گا کہ اس سے فدیے میں یہ عزیز چیزیں قبول کر لی جائیں اور اسے چھوڑ دیا جائے۔ فَصِیلَةٌ خاندان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ قبیلے سے جدا ہوتا ہے۔

(2) یعنی وہ جہنم۔ یہ اس کی شدت حرارت کا بیان ہے۔

(3) یعنی گوشت اور کھال کو جلا کر رکھ دے گی۔ انسان صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جائے گا۔

(4) یعنی جو دنیا میں حق سے پیٹھ پھیرتا اور منہ موڑتا تھا اور مال جمع کر کے خزانوں میں سینت سینت کر رکھتا تھا، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا نہ اس میں سے زکاۃ نکالتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جہنم کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور جہنم بزبان قال خود ایسے لوگوں کو پکارے گی جن پر ان کے عملوں کی پاداش میں جہنم واجب ہوگی۔ بعض کہتے ہیں: پکارنے والے تو فرشتے ہی ہوں گے اسے منسوب جہنم کی طرف کر دیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پکارے گا، یہ صرف تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ مطلب ہے کہ مذکورہ افراد کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

(5) سخت حریص اور بہت جزع فزع کرنے والے کو ﴿هَلُوْعًا﴾ کہا جاتا ہے جس کو ترجمے میں ''کم حوصلہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ایسا شخص ہی بخیل و حریص اور زیادہ جزع فزع کرنے والا ہوتا ہے، آگے اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔

(6) مراد ہیں مومن کامل اور اہل توحید، ان کے اندر مذکورہ اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں بلکہ اس کے برعکس وہ صفات محمودہ کے پیکر ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نماز پڑھنے کا مطلب ہے، وہ نماز میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر نماز اپنے وقت پر نہایت پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کوئی مشغولیت انھیں نماز سے نہیں روکتی اور دنیا کا کوئی فائدہ انھیں نماز سے غافل نہیں کرتا۔

(7) یعنی زکاۃ مفروضہ۔ بعض کے نزدیک یہ عام ہے، صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں اس میں شامل ہیں۔

(8) ﴿الْمَحْرُوْمِ﴾ میں وہ شخص بھی داخل ہے جو رزق سے ہی محروم ہے، وہ بھی جو کسی آفت سماوی وارضی کی زد میں آ کر اپنی پونجی سے

مُّشْفِقُوْنَ ﴿27﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿28﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿29﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿30﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿31﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿32﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿33﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿34﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿35﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿36﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿37﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

ڈرتے رہتے ہیں﴿27﴾ [1] بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں﴿28﴾ [2] اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں﴿29﴾ ہاں ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انھیں کوئی ملامت نہیں﴿30﴾ [3] اب جو کوئی اس کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے﴿31﴾ اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے قول و قرار کا پاس رکھتے ہیں﴿32﴾ [4] اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں﴿33﴾ [5] اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں﴿34﴾ یہی لوگ جنتوں میں عزت والے ہوں گے﴿35﴾ پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں﴿36﴾ دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ﴿37﴾ [6] کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ

محروم ہو گیا اور وہ بھی جو ضرورت مند ہونے کے باوجود اپنی صفت تَعَفُّف کی وجہ سے لوگوں کی عطا اور صدقات سے محروم رہتا ہے۔

﴿9﴾ یعنی وہ اس کا انکار کرتے ہیں نہ اس میں شک و شبہ کا اظہار۔

﴿1﴾ یعنی اطاعت اور اعمال صالحہ کے باوجود اللہ کی عظمت وجلالت کے پیش نظر اس کی گرفت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اللہ کی رحمت ہمیں اپنے دامن میں نہیں ڈھانپ لے گی، ہمارے یہ اعمال نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے جیسا کہ اس مفہوم کی حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

﴿2﴾ یہ سابقہ مضمون ہی کی تاکید ہے کہ اللہ کے عذاب سے کسی کو بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا اور اس سے بچاؤ کی ممکنہ تدابیر اختیار کرتے رہنا چاہیے۔

﴿3﴾ یعنی انسان کی جنسی تسکین کے لیے اللہ نے دو جائز ذرائع رکھے ہیں: ایک بیوی اور دوسری مِلْکِ یمین (لونڈی)۔ عصر حاضر میں لونڈیوں کا وجود تقریباً ناپید ہے لیکن شرعی جہاد کے نتیجے میں جب کبھی لونڈیاں حاصل کی جائیں گی تو ان کا رکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا شرعاً درست ہے۔ بہر حال اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار نہیں کرتے۔

﴿4﴾ یعنی ان کے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہوتی ہیں، اس میں وہ خیانت نہیں کرتے اور لوگوں سے جو عہد کرتے ہیں، انھیں توڑتے نہیں بلکہ ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

﴿5﴾ یعنی اسے صحیح صحیح ادا کرتے ہیں، چاہے اس کی زد میں ان کے قریبی عزیز ہی آ جائیں۔ علاوہ ازیں اسے چھپاتے بھی نہیں نہ اس میں تبدیلی ہی کرتے ہیں۔

﴿6﴾ یہ نبی ﷺ کے زمانے کے کفار کا ذکر ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں دوڑے دوڑے آتے لیکن آپ کی باتیں سن کر عمل کرنے کی بجائے

اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿38﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿39﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ

وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿40﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿41﴾ فَذَرْهُمْ

یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿42﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿43﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا

وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟﴿38﴾ (ایسا) ہرگز نہ ہوگا۔[1] ہم نے انھیں اس (چیز) سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں﴿39﴾[2] پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں[3] کے رب کی! ہم یقیناً قادر ہیں﴿40﴾ اس پر کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں[4] اور ہم عاجز نہیں ہیں﴿41﴾[5] پس تو انھیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے[6] یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے جاملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے﴿42﴾ جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے، گویا کہ وہ ہدف کی طرف تیز تیز جارہے ہیں﴿43﴾[7] ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی،[8] ان پر ذلت چھا رہی ہوگی،[9] یہ ہے وہ دن جس کا

ان کا مذاق اڑاتے اور ٹولیوں میں بٹ جاتے۔ اور دعویٰ یہ کرتے کہ اگر مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ نے اگلی آیت میں ان کے اس زعم باطل کی تردید فرمائی۔

① یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ مومن اور کافر دونوں جنت میں جائیں، رسول کو ماننے والے اور اس کی تکذیب کرنے والے دونوں کو اخروی نعمتیں ملیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

② یعنی ﴿مَّآءٍ مَّهِیْنٍ﴾ (حقیر قطرے) سے۔ جب یہ بات ہے تو کیا تکبر اس انسان کو زیب دیتا ہے جس تکبر کی وجہ سے ہی یہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب بھی کرتا ہے۔

③ ہر روز سورج ایک الگ جگہ سے نکلتا اور الگ مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مشرق بھی بہت ہیں اور مغرب بھی۔ (مزید تفصیل کے لیے سورۂ صافات 5:37 کا حاشیہ دیکھیے۔)

④ یعنی ان کو ختم کرکے ایک نئی مخلوق آباد کردینے پر ہم پوری طرح قادر ہیں۔

⑤ جب ایسا ہے تو کیا ہم قیامت والے دن ان کو دوبارہ زندہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

⑥ یعنی فضول بحثوں میں پھنسے اور اپنی دنیا میں مگن رہیں، تاہم آپ اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھیں، ان کا رویہ آپ کو اپنے منصب سے غافل یا بددل نہ کردے۔

⑦ ﴿الْاَجْدَاثِ﴾ جَدَثٌ "قبر" کی جمع ہے۔ نُصُبٌ تھان، جہاں بتوں کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بتوں کے معنی میں بھی ہے۔ بتوں کے پجاری، جب سورج طلوع ہوتا تو نہایت تیزی سے اپنے بتوں کی طرف دوڑتے کہ کون پہلے اسے بوسہ دیتا ہے۔ بعض اسے یہاں عَلَم کے معنی میں لیتے ہیں کہ جس طرح میدان جنگ میں فوجی اپنے عَلَم (جھنڈے) کی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی طرح قیامت والے دن قبروں سے نہایت برق رفتاری سے نکلیں گے۔ ﴿یُّوْفِضُوْنَ﴾ یُسْرِعُوْنَ کے معنی میں ہے۔

⑧ جس طرح مجرموں کی آنکھیں جھکی ہوتی ہیں کیونکہ انھیں اپنے کرتوتوں کا علم ہوتا ہے۔

يُوْعَدُوْنَ ﴿44﴾ ع

اٰيَاتُهَا 28　(71) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ (71)　رُكُوْعَاتُهَا 2	سورۂ نوح مکی ہے،اس میں 28 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　　شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿1﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿2﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿3﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿4﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ

ان سے وعدہ کیا جاتا تھا﴿44﴾[1]

یقیناً ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا[2] کہ اپنی قوم کو ڈرا دو اور خبردار کردو اس سے پہلے کہ ان کے پاس دردناک عذاب آجائے ﴿1﴾[3] نوح نے کہا: اے میری قوم! میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿2﴾[4] کہ تم اللہ کی عبادت کرو[5] اور اسی سے ڈرو[6] اور میرا کہنا مانو ﴿3﴾[7] تو وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایک وقتِ مقررہ تک چھوڑ دے گا۔[8] یقیناً اللہ کا وعدہ جب آجاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا[9] کاش! تم جانتے ہوتے ﴿4﴾[10] (نوح نے) کہا: اے میرے پروردگار!

⑨ یعنی سخت ذلت انھیں اپنی لپیٹ میں لے رہی ہوگی اور ان کے چہرے مارے خوف کے سیاہ ہوں گے۔ اسی سے غُلَامٌ مُرَاهِقٌ کی ترکیب ہے جو قریب البلوغت ہو، یعنی غَشِيَهُ الْاِحْتِلَامُ. (فتح القدير)

① یعنی رسولوں کی زبانی اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے۔

② حضرت نوح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں، صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث شفاعت میں ہے کہ یہ پہلے رسول ہیں، نیز کہا جاتا ہے کہ انھی کی قوم سے شرک کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔

③ قیامت کے دن عذاب یا دنیا میں عذاب آنے سے قبل، جیسے اس قوم پر طوفان آیا۔

④ اللہ کے عذاب سے، اگر تم ایمان نہ لائے۔ اسی لیے عذاب سے نجات کا نسخہ تمھیں بتلانے آیا ہوں۔ جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

⑤ اور شرک چھوڑ دو، صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔

⑥ اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرو جن سے تم عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پا سکتے ہو۔

⑦ یعنی میں تمھیں جن باتوں کا حکم دوں، اس میں میری اطاعت کرو، اس لیے کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ بن کر آیا ہوں۔

⑧ اس کے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ ایمان لانے کی صورت میں تمھاری موت کی جو مدت مقرر ہے، اس کو مؤخر کر کے تمھیں مزید مہلت عمر عطا فرمائے گا اور وہ عذاب تم سے دور کر دے گا جو عدمِ ایمان کی صورت میں تمھارے لیے مقدر تھا، چنانچہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اطاعت، نیکی اور صلۂ رحمی سے عمر میں حقیقتاً اضافہ ہوتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے: «صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ

دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ⑦ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ⑧ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ⑨ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

میں نے اپنی قوم کو رات اور دن تیری طرف بلایا ہے⑤ [1] مگر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے⑥ [2] میں نے جب کبھی انھیں تیری بخشش کے لیے بلایا [3] تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں [4] اور اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیا [5] اور اڑ گئے [6] اور بڑا تکبر کیا⑦ [7] پھر بے شک میں نے انھیں آواز بلند بلایا⑧ اور بے شک میں نے ان سے اعلانیہ بھی کہا اور چپکے چپکے بھی⑨ [8] اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ [9] اور معافی مانگو وہ یقیناً

فِي الْعُمُرِ»(صحیح الجامع الصغیر: 703/2، والسلسلة الصحيحة: 537/4) ''صلہ رحمی اضافۂ عمر کا باعث ہے۔'' بعض کہتے ہیں: تاخیر کا مطلب برکت ہے، ایمان سے عمر میں برکت ہوگی۔ ایمان نہیں لاؤ گے تو اس برکت سے محروم رہو گے۔

⑨ بلکہ لامحالہ واقع ہو کر رہتا ہے، اس لیے تمھاری بہتری اسی میں ہے کہ ایمان واطاعت کا راستہ فوراً اپنا لو، تاخیر میں خطرہ ہے کہ وعدۂ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ۔

⑩ یعنی اگر تمھیں علم ہوتا تو تم اسے اپنانے میں جلدی کرتے جس کا میں تمھیں حکم دے رہا ہوں یا اگر تم یہ بات جانتے ہوتے کہ اللہ کا عذاب جب آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں ہے۔

① یعنی تیرے حکم کی تعمیل میں، بغیر کسی کوتاہی کے رات دن میں نے تیرا پیغام اپنی قوم کو پہنچایا ہے۔

② یعنی میری پکار سے یہ ایمان سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں۔ جب کوئی قوم گمراہی کے آخری کنارے پر پہنچ جائے تو پھر اس کا یہی حال ہوتا ہے، اسے جتنا اللہ کی طرف بلاؤ، وہ اتنا ہی دور بھاگتی ہے۔

③ یعنی ایمان اور اطاعت کی طرف جو سبب مغفرت ہیں۔

④ تاکہ میری آواز نہ سن سکیں۔

⑤ تاکہ میرا چہرہ نہ دیکھ سکیں یا اپنے سروں پر کپڑے ڈال لیے تاکہ میرا کلام نہ سن سکیں۔ یہ ان کی طرف سے شدت عداوت کا اور وعظ ونصیحت سے بے نیازی کا اظہار ہے۔ بعض کہتے ہیں: اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لینے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبران کو پہچان نہ سکے اور انھیں قبولیت دعوت کے لیے مجبور نہ کرے۔

⑥ یعنی کفر پر مصر رہے، اس سے باز نہیں آئے اور توبہ نہیں کی۔

⑦ قبول حق اور اِمتِثالِ امر سے انھوں نے سخت تکبر کیا۔

⑧ یعنی مختلف انداز اور طریقوں سے انھیں دعوت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ اجتماعات اور مجلسوں میں بھی انھیں دعوت دی اور گھروں میں فرداً فرداً بھی تیرا پیغام پہنچایا۔

⑨ یعنی ایمان اور اطاعت کا راستہ اپنا لو اور اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگ لو۔

غَفَّارًا ﴿10﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿11﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿12﴾ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿13﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿14﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿15﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿16﴾ وَاللّٰهُ

بڑا بخشنے والا ہے⑩[1] وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا⑪[2] اور تمھیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمھیں باغات دے گا اور تمھارے لیے نہریں نکال دے گا⑫[3] تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے⑬[4] حالانکہ اس نے تمھیں کئی طرح سے[5] پیدا کیا ہے⑭ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اوپر تلے کس طرح سات آسمان پیدا کردیے ہیں⑮[6] اور ان میں چاند کو خوب جگمگاتا بنایا ہے[7] اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے⑯[8] اور اللہ نے

① وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا رحیم وغفار ہے۔

② ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ﴾ کا مطلب ہے: يُرْسِلُ مَاءَ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ (تم پر آسمان کا پانی چھوڑ دے گا)، یعنی اس میں لفظ مَاءٌ مضمر (پوشیدہ) ہے یا اَلسَّمَاءُ خود مَطَرٌ (بارش) کے معنی میں ہے۔

③ یعنی ایمان وطاعت سے تمھیں اخروی نعمتیں ہی نہیں ملیں گی بلکہ دنیاوی مال ودولت اور بیٹوں کی کثرت سے بھی نوازے جاؤ گے۔ بعض علماء اسی آیت کی وجہ سے نماز استسقا میں سورۂ نوح کے پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک مرتبہ نماز استسقا کے لیے منبر پر چڑھے تو صرف آیات استغفار (جن میں یہ آیت بھی تھی) پڑھ کر منبر سے اتر آئے۔ اور فرمایا کہ میں نے بارش کو، بارش کے ان راستوں سے طلب کیا ہے جو آسمانوں میں ہیں جن سے بارش زمین پر اترتی ہے۔ (ابن کثیر) حضرت حسن بصری کے متعلق مروی ہے کہ ان سے آکر کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو انھوں نے اسے استغفار کی تلقین کی، کسی دوسرے شخص نے فقر وفاقہ کی شکایت کی، اسے بھی انھوں نے یہی نسخہ بتلایا۔ ایک اور شخص نے اپنے باغ کے خشک ہونے کا شکوہ کیا، اسے بھی فرمایا: استغفار کر۔ ایک شخص نے کہا: میرے گھر اولاد نہیں ہوتی، اسے بھی کہا: اپنے رب سے استغفار کر۔ کسی نے جب ان سے کہا کہ سب کو آپ نے استغفار ہی کی تلقین کیوں کی؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت کرکے فرمایا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات نہیں کی، یہ وہ نسخہ ہے جو ان سب باتوں کے لیے اللہ نے بتلایا ہے۔ (أیسر التفاسیر)

④ ﴿وَقَارًا﴾ توقیر سے ہے بمعنی عظمت اور رجا خوف کے معنی میں ہے، یعنی جس طرح اس کی عظمت کا حق ہے، تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ اور اس کو ایک کیوں نہیں مانتے اور اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

⑤ پہلے نطفہ، پھر علقہ، پھر مُضغہ، پھر عظام اور لحم اور پھر خلق تام، جیسا کہ سورۂ انبیاء 21:5، سورۂ مومنون 23:14، سورۂ مومن 40:67 وغیرہا میں تفصیل گزری۔

⑥ جو اس کی قدرت اور کمال صناعت پر دلالت کرتے اور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک اللہ ہے۔

⑦ جو روئے زمین کو منور کرنے والا اور اس کے ماتھے کا جھومر ہے۔

⑧ تاکہ اس کی روشنی میں انسان معاش کے لیے جو انسانوں کی انتہائی ناگزیر ضرورت ہے، کسب ومحنت کرسکے۔

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿17﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿18﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿19﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿20﴾ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿21﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿22﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿23﴾ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ۬

تم کو زمین سے (ایک خاص اہتمام سے) اگایا (پیدا کیا) ہے ﴿17﴾[1] پھر تمھیں اسی میں لوٹائے گا اور ایک خاص طریقے سے پھر نکالے گا ﴿18﴾[2] اور تمھارے لیے زمین کو اللہ نے فرش بنا دیا ہے ﴿19﴾[3] تاکہ تم اس کی کشادہ راہوں میں چلو پھرو ﴿20﴾[4] نوح نے کہا: اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری تو نافرمانی کی[5] اور ایسے لوگوں کی فرمانبرداری کی جن کے مال و اولاد نے ان کو (یقیناً) نقصان ہی میں بڑھایا ہے ﴿21﴾[6] اور ان لوگوں نے بڑا سخت فریب کیا ﴿22﴾[7] اور انھوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا ﴿23﴾[8] اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ

---

① یعنی تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو، جنھیں مٹی سے بنایا گیا اور پھر اس میں اللہ نے روح پھونکی۔ یا اگر تمام انسانوں کو مخاطب سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ تم جس نطفے سے پیدا ہوتے ہو وہ اسی خوراک سے بنتا ہے جو زمین سے حاصل ہوتی ہے، اس اعتبار سے سب کی پیدائش کی اصل زمین ہی قرار پاتی ہے۔

② یعنی مر کر، پھر اسی مٹی میں دفن ہونا ہے اور پھر قیامت والے دن اسی زمین سے تمھیں زندہ کر کے نکالا جائے گا۔

③ یعنی اسے فرش کی طرح بچھا دیا ہے، تم اس پر اسی طرح چلتے پھرتے ہو، جیسے اپنے گھر میں بچھے ہوئے فرش پر چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔

④ ﴿سُبُلًا﴾ سَبِیْلٌ کی جمع اور ﴿فِجَاجًا﴾ فَجٌّ (کشادہ راستہ) کی جمع ہے، یعنی اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں تاکہ انسان آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکے، اس لیے یہ راستے بھی انسان کی کاروباری اور تمدنی ضرورت ہیں جس کا انتظام کر کے اللہ نے انسانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔

⑤ یعنی میری نافرمانی پر اڑے ہوئے ہیں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہہ رہے ہیں۔

⑥ یعنی ان کے اصاغر نے اپنے بڑوں اور اصحاب ثروت ہی کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے انھیں دنیا اور آخرت کے خسارے میں ہی بڑھایا ہے۔

⑦ یہ مکر یا فریب کیا تھا؟ بعض کہتے ہیں: ان کا بعض لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل کرنے پر ابھارنا تھا، بعض کہتے ہیں: مال و اولاد کی وجہ سے جس فریب نفس کا وہ شکار ہوئے حتیٰ کہ بعض نے کہا: اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ان کو یہ نعمتیں کیوں میسر آتیں؟ اور بعض کے نزدیک ان کے بڑوں کا یہ کہنا تھا کہ تم اپنے معبودوں کی عبادت مت چھوڑنا، بعض کے نزدیک ان کا کفر ہی بڑا مکر تھا۔

⑧ یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے وہ بت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی اتنی شہرت ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا پاٹ ہوتی رہی، چنانچہ ''وَدّ'' دُومۃ الجندل میں قبیلۂ کلب کا ''سُواع'' ساحل بحر کے قبیلۂ ہذیل کا ''یَغُوث'' سبا کے قریب جرف جگہ میں مراد اور بنی غطیف کا۔ ''یعوق'' ہمدان قبیلے کا اور ''نسر'' حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر و فتح القدیر) یہ پانچوں قوم نوح

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿24﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿25﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿26﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿27﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿28﴾

اٰيَاتُهَا 28 (72) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (40) رُكُوْعَاتُهَا 2	سورۂ جن مکی ہے، اس میں 28 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿1﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ

کیا[1] الٰہی! تو ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا ﴿24﴾ یہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ[2] سے غرق کر دیے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا انھوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا ﴿25﴾ اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ ﴿26﴾[3] اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو یقیناً یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے ﴿27﴾ اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور مومن مردوں اور ایماندار عورتوں کو بخش دے[4] اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا ﴿28﴾[5]

(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت[6] نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ﴿1﴾[7] جو

کے نیک آدمیوں کے نام تھے، جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمھارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمھارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ (صحيحَ البخاري، حديث: 4920)

① ﴿ اَضَلُّوْا ﴾ کا فاعل (مرجع) قوم نوح کے رؤساء ہیں، یعنی انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا یا اس کا مرجع یہی مذکورہ پانچ بت ہیں، اس کا مطلب ہوگا کہ ان کے سبب بہت سے لوگ گمراہی میں مبتلا ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کہا تھا: ﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾ (إبراهيم 36:14) ''اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔'' یعنی ان کے باعث گمراہ ہوئے۔

② ﴿ مِمَّا ﴾ میں مَا زائدہ برائے تاکید ہے، مِنْ خَطِيئَاتِهِمْ أَي مِنْ أَجْلِهَا وَبِسَبَبِهَا أُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ (فتح القدير)

③ یہ بددعا اس وقت کی جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے اور اللہ نے بھی اطلاع کر دی کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ (هود 36:11) ﴿ دَيَّارًا ﴾ فَيْعَال کے وزن پر دَيْوَار ہے۔ واؤ کو یاء سے بدل کر ادغام کر دیا گیا، یعنی مَنْ يَسْكُنِ الدِّيَارَ ''جو شہروں میں رہائش پذیر ہیں۔'' مطلب ہے، کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

④ کافروں کے لیے بددعا کی تو اپنے لیے اور مومنین کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾
وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾

راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔[1] ہم اس پر ایمان لاچکے[2] (اب) ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب[3] کا شریک نہ بنائیں گے ② اور بے شک ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے نہ اس نے کسی کو (اپنی) بیوی بنایا ہے نہ بیٹا ③[4] اور یہ کہ ہمارا بے وقوف، اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہا کرتا تھا ④[5] اور ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ ناممکن ہے کہ انسان اور جنات اللہ پر جھوٹی باتیں لگائیں ⑤[6] بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے[7] جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے ⑥[8]

---

⑤ یہ بددعا قیامت تک آنے والے ظالموں کے لیے ہے جس طرح مذکورہ دعا تمام مردوں اور تمام عورتوں کے لیے ہے۔

⑥ یہ واقعہ سورۂ احقاف 29:46 کے حاشیے میں گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ وادئ نخلہ میں صحابۂ کرام کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ کچھ جنوں کا وہاں سے گزر ہوا تو انھوں نے آپ ﷺ کا قرآن سنا۔ جس سے وہ متاثر ہوئے۔ یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ اس وقت جنوں کا قرآن سننا، آپ کے علم میں نہیں آیا بلکہ وحی کے ذریعے سے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا گیا۔

⑦ ﴿عَجَبًا﴾ مصدر ہے بطور مبالغہ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ ذَا عَجَبٍ یا مصدر، اسم فاعل کے معنی میں ہے مُعْجِبًا مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قرآن سنا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بڑا عجیب ہے یا مواعظ کے اعتبار سے عجیب ہے یا برکت کے لحاظ سے نہایت تعجب انگیز ہے۔ (فتح القدیر)

① یہ قرآن کی دوسری صفت ہے کہ وہ راہ راست، یعنی حق وصواب کو واضح کرتا یا اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے۔

② یعنی ہم نے تو اس کو سن کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں، اس میں کفار کو توبیخ وتنبیہ ہے کہ جن تو ایک مرتبہ سن کر ہی اس قرآن پر ایمان لے آئے، تھوڑی سی آیات سن کر ہی ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے لیکن انسانوں کو، خاص طور پر ان کے سرداروں کو اس قرآن سے فائدہ نہیں ہوا، درآں حالیکہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے انھوں نے متعدد مرتبہ قرآن سنا۔ علاوہ ازیں خود آپ ﷺ بھی ان ہی میں سے تھے اور ان ہی کی زبان میں آپ ان کو قرآن سناتے تھے۔

③ نہ اس کی مخلوق میں سے نہ کسی اور معبود کو، اس لیے کہ وہ اپنی ربوبیت میں متفرد ہے۔

④ ﴿جَدُّ﴾ کے معنی عظمت وجلال کے ہیں، یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی اولاد یا بیوی ہو۔ گویا جنوں نے ان مشرکوں کی غلطی کو واضح کیا جو اللہ کی طرف بیوی یا اولاد کی نسبت کرتے تھے، انھوں نے ان دونوں کمزوریوں سے رب کی تنزیہ وتقدیس کی۔

⑤ ﴿سَفِيْهُنَا﴾ (ہمارے بیوقوف) سے بعض نے شیطان مراد لیا ہے اور بعض نے ان کے ساتھی جن اور بعض نے بطور جنس، یعنی ہر وہ شخص جو یہ گمان باطل رکھتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ ﴿شَطَطًا﴾ کے کئی معنی کیے گئے ہیں: ظلم، جھوٹ، باطل، کفر میں مبالغہ وغیرہ۔ مقصد، راہ اعتدال سے دوری اور حد سے تجاوز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ اللہ کی اولاد ہے ان بے وقوفوں کی بات ہے جو راہ اعتدال وصواب سے دور، حد سے متجاوز اور کاذب وافترا پرداز ہیں۔

⑥ اسی لیے ہم ان کی تصدیق کرتے رہے اور اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے رہے حتیٰ کہ ہم نے قرآن سنا تو پھر ہم پر اس عقیدے

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ⑦ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ⑧ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ⑨ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ

اور انسانوں نے بھی تم جنوں کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو نہ بھیجے گا (یا دوبارہ زندہ نہیں کرے گا)[1] ⑦ اور ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں، اور سخت شعلوں سے پُر پایا[2] ⑧ اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔[3] اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے[4] ⑨ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے[5] ⑩ اور یہ کہ (بے شک) بعض تو ہم میں نیکوکار ہیں اور بعض اس کے برعکس بھی ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے بٹے ہوئے تھے[6] ⑪ اور ہم نے سمجھ لیا[7] کہ ہم اللہ کو زمین میں

کا بطلان واضح ہوا۔

⑦ زمانۂ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ سفر پر کہیں جاتے تو جس وادی میں قیام کرتے، وہاں جنات سے پناہ طلب کرتے، جیسے علاقے کے بڑے آدمی اور رئیس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور صرف ایک اللہ سے پناہ طلب کرنے کی تاکید کی۔

⑧ یعنی جب جنات نے یہ دیکھا کہ انسان ہم سے ڈرتے ہیں اور ہماری پناہ طلب کرتے ہیں تو ان کی سرکشی اور تکبر میں اضافہ ہو گیا۔ ﴿رَهَقًا﴾ یہاں سرکشی، طغیانی اور تکبر کے مفہوم میں ہے۔ اس کے اصل معنی ہیں گناہ اور حرام کاموں کا ارتکاب کرنا۔

① بعث کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں، جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔

② ﴿حَرَسًا﴾ حَارِسٌ (چوکیدار، نگران) کی اور ﴿وَّشُهُبًا﴾ شِهَابٌ (شعلہ) کی جمع ہے، یعنی آسمانوں پر فرشتے چوکیداری کرتے ہیں کہ آسمانوں کی کوئی بات کوئی اور نہ سن لے اور یہ ستارے آسمان پر جانے والے شیاطین پر شعلہ بن کر گرتے ہیں۔

③ اور آسمانی باتوں کی کچھ سن گن پا کر کاہنوں کو بتلا دیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیا کرتے تھے۔

④ لیکن بعثت محمدیہ کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اب جو بھی اس نیت سے اوپر جاتا ہے، شعلہ اس کی تاک میں ہوتا ہے اور ٹوٹ کر اس پر گرتا ہے۔

⑤ یعنی اس حراست آسمانی سے مقصد اہل زمین کے لیے کسی شر کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا، یعنی ان پر عذاب نازل کرنا ہے یا بھلائی کا ارادہ، یعنی رسول بھیجنا ہے۔

⑥ ﴿قِدَدًا﴾ چیز کا ٹکڑا، صَارَ الْقَوْمُ قِدَدًا اس وقت بولتے ہیں جب ان کے احوال ایک دوسرے سے مختلف ہوں، یعنی ہم متفرق جماعتوں اور مختلف اصناف میں بٹے ہوئے ہیں۔ مطلب ہے کہ جنات میں بھی مسلمان، کافر، یہودی، عیسائی اور مجوسی وغیرہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں بھی مسلمانوں کی طرح قدریہ، مُرجئہ اور رافضہ وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر)

⑦ ظَنٌّ یہاں علم اور یقین کے معنی میں ہے، جیسے اور بھی بعض مقامات پر ہے۔

فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ⑫ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ⑬ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ⑭ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ⑮ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ⑯ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ⑰ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ

ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہم بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں⑫ ہم تو ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لا چکے اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ تو کسی نقصان کا اندیشہ ہے نہ ظلم وستم کا⑬ [1] ہاں، ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں [2] پس جو فرماں بردار ہو گئے انھوں نے تو راہ راست کا قصد کیا⑭ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے⑮ [3] اور اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہتے تو یقیناً ہم انھیں بہت وافر پانی پلاتے⑯ تاکہ ہم اس میں انھیں آزمالیں۔ [4] اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیر لے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا⑰ [5] اور یہ کہ مسجدیں

① یعنی نہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی نیکیوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ ان کی برائیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

② یعنی جو نبوت محمدیہ پر ایمان لائے وہ مسلمان اور اس کے منکر بے انصاف ہیں۔ قَاسِطٌ، ظالم اور غیر منصف اور مُقْسِطٌ، عادل، یعنی ثلاثی مجرد سے ہو تو معنی ظلم کرنے کے اور مزید فیہ سے ہو تو انصاف کرنے کے ہیں۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات بھی دوزخ اور جنت دونوں میں جانے والے ہوں گے۔ ان میں جو کافر ہوں گے وہ جہنم میں اور مسلمان جنت میں جائیں گے۔ یہاں تک جنات کی گفتگو ختم ہو گئی، اب آگے پھر اللہ کا کلام ہے۔

④ ﴿ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ ﴾ کا ﴿ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ پر عطف ہے، یعنی یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر وہ راہ راست پر قائم رہتے ﴿ الطَّرِيْقَةِ ﴾ سے مراد راہ راست، یعنی اسلام ہے۔ ﴿ غَدَقًا ﴾ کے معنی: کثیر۔ وافر پانی سے مطلب دنیوی خوش حالی ہے، یعنی دنیا کا مال و اسباب دے کر ہم ان کی آزمائش کرتے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الأعراف 96:7) ”اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکتوں کا نزول کر دیتے۔“ یہی بات اہل کتاب کے ضمن میں بھی فرمائی گئی ہے۔ (المآئدۃ 66:5) ۔ بعض کہتے ہیں: اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب کفار قریش پر قحط سالی مسلط کر دی گئی تھی۔ ﴿ الطَّرِيْقَةِ ﴾ کے دوسرے معنی گمراہی کے راستے کے کیے گئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ مادی خوش حالی استدراج کے طور پر ہوگی، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام 44:6) ”پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیے۔“ ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ”کیا یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم جو بھی ان کے مال و اولاد بڑھا رہے ہیں، وہ ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں۔“ امام ابن کثیر کے نزدیک لِنَفْتِنَهُمْ کے پیش نظر یہ دوسرا مفہوم زیادہ قرین قیاس

لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ⑱ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ؕ ⑲ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ㉒ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ㉓ حَتّٰٓى

صرف اللہ ہی کی ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو⑱ [1] اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں⑲ [2] آپ کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا⑳ [3] کہہ دیجیے کہ مجھے تمھارے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں㉑ [4] کہہ دیجیے کہ مجھے ہرگز کوئی اللہ سے بچا نہیں سکتا [5] اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا㉒ البتہ میرا کام اللہ کی بات اور اس کے پیغامات لوگوں کو پہنچا دینا ہے، [6] اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے㉓ (ان کی آنکھ نہ کھلے گی) یہاں تک

ہے جبکہ امام شوکانی کے نزدیک پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

⑤ ﴿صَعَدًا﴾ أَيْ عَذَابًا شَاقًّا شَدِيدًا مُوجِعًا مُؤْلِمًا (ابن کثیر) نہایت سخت، الم ناک عذاب۔

① مسجد کے معنی سجدہ گاہ کے ہیں۔ سجدہ بھی ایک رکن نماز ہے، اس لیے نماز پڑھنے کی جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب واضح ہے کہ مسجدوں کا مقصد صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے، اس لیے مسجدوں میں کسی اور کی عبادت، کسی اور سے دعا و مناجات، کسی اور سے استغاثہ و استمداد جائز نہیں۔ یہ امور ویسے تو مطلقاً ہی ممنوع ہیں اور کہیں بھی غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے لیکن مسجدوں کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ہی اللہ کی عبادت ہے۔ اگر یہاں بھی غیر اللہ کو پکارنا شروع کر دیا گیا تو یہ نہایت ہی قبیح اور ظالمانہ حرکت ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے نام نہاد مسلمان اب مسجدوں میں بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو مدد کے لیے پکارتے ہیں بلکہ مسجدوں میں ایسے کتبے آویزاں کیے ہوئے ہیں جن میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے استغاثہ کیا گیا ہے۔ آہ! فَلْيَبْكِ عَلَى الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا.

② ﴿عَبْدُ اللّٰهِ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور مطلب ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اس کے اور بھی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن امام ابن کثیر نے اسے راجح قرار دیا ہے۔

③ یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور تل گئے ہیں تو آپ فرما دیجیے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا اور اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔

④ یعنی مجھے تمھاری ہدایت یا گمراہی کا یا کسی اور نفع نقصان کا اختیار نہیں ہے، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں جسے اللہ نے وحی و رسالت کے لیے چن لیا ہے۔

⑤ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھے اس پر وہ عذاب دینا چاہے۔

⑥ یہ ﴿لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ﴾ سے مستثنیٰ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿لَنْ يُّجِيْرَنِيْ﴾ سے مستثنیٰ ہو، یعنی اللہ سے کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ

اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿24﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿25﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿26﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿27﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿28﴾

ع 2 9/12

کہ اسے دیکھ لیں جس کا ان کو وعدہ دیا جاتا ہے[1] پس عنقریب جان لیں گے کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی جماعت کم ہے ﴿24﴾[2] کہہ دیجیے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے دور کی مدت مقرر کرے گا ﴿25﴾[3] وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ﴿26﴾ سوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کر لے[4] لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے ﴿27﴾[5] تاکہ وہ بظاہر جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے[6] اور اللہ نے ان کے آس پاس کی تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے[7] اور ہر چیز کی گنتی کا شمار کر رکھا ہے ﴿28﴾[8]

یہی ہے کہ تبلیغ رسالت کا وہ فریضہ بجا لاؤں جس کی ادائیگی اللہ نے مجھ پر واجب کی ہے۔ ﴿ رِسٰلٰتِهٖ ﴾ کا عطف لفظ ﴿ اللّٰهِ ﴾ پر ہے یا ﴿ بَلٰغًا ﴾ پر اور اس صورت میں عبارت اس طرح ہے: إِلَّا أَنْ أُبَلِّغَ عَنِ اللّٰهِ وَأَعْمَلَ بِرِسَالَتِهِ (فتح القدير)

[1] یا مطلب یہ ہے کہ یہ نبی ﷺ اور مومنین کی عداوت اور اپنے کفر پر مصر رہیں گے، یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں وہ عذاب دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

[2] یعنی اس وقت ان کو پتا لگے گا کہ مومنوں کا مددگار کمزور ہے یا مشرکوں کا۔ اور اہل توحید کی تعداد کم ہے یا غیر اللہ کے پجاریوں کی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر مشرکین کا تو سرے سے کوئی مددگار ہی نہیں ہوگا اور اللہ کے ان گنت لشکروں کے مقابلے میں ان مشرکین کی تعداد بھی آٹے میں نمک کے برابر ہی ہوگی۔

[3] مطلب یہ ہے کہ عذاب یا قیامت کا علم، یہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور۔

[4] یعنی اپنے پیغمبر کو بعض امور غیب سے مطلع کر دیتا ہے جن کا تعلق یا تو اس کے فرائض رسالت سے ہوتا ہے یا وہ اس کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اللہ کے مطلع کرنے سے پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوسکتا کیونکہ پیغمبر بھی اگر عالم الغیب ہو تو پھر اس پر اللہ کی طرف سے غیب کے اظہار کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے غیب کا اظہار اسی وقت اور اسی رسول پر کرتا ہے جس کو پہلے اس غیب کا علم نہیں ہوتا، اس لیے عالم الغیب صرف اللہ ہی کی ذات ہے جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت فرمائی گئی ہے۔

[5] یعنی نزول وحی کے وقت پیغمبر کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جو شیاطین اور جنات کو وحی کی باتیں سننے نہیں دیتے۔

[6] ﴿ لِيَعْلَمَ ﴾ کا فاعل کون ہے؟ بعض کے نزدیک اس کا فاعل وہ ضمیر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ جان لیں کہ آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اللہ کا پیغام اسی طرح پہنچایا جس طرح آپ نے پہنچایا۔ یا نگران فرشتوں نے اپنے رب کا پیغام پیغمبر تک پہنچا دیا ہے اور بعض نے اس کا فاعل وہ ضمیر قرار دی ہے جو لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی فرشتوں کے ذریعے سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ وہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی صحیح طریقے سے کر سکیں،

اٰيَاتُهَا: 20 (73) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (3) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ مزمل کی ہے، اس میں 20 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ⑤ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

اے کپڑے میں لپٹنے والے ①[1] رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہوجاؤ مگر کم ② آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کرلے ③ یا اس پر بڑھادے[2] اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر ④[3] یقیناً ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے ⑤[4] بے شک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے[5] اور بات کو بہت درست

نیز وہ اس وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے جو پیغمبروں کو کی جاتی ہے تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیے ہیں یا فرشتوں نے پیغمبروں تک وحی پہنچا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ پہلے ہی سے ہر چیز کا علم ہے لیکن ایسے موقعوں پر اللہ کے جاننے کا مطلب اس کے تحقق کا عام مشاہدہ ہے، جیسے ﴿لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ (البقرۃ 2:143) ''تاکہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے۔'' اور ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ (العنکبوت 29:11) ''جو لوگ ایمان لائے اللہ انھیں بھی اور منافقوں کو بھی جان کر رہے گا۔'' میں ہے۔ (ابن کثیر)

⑦ فرشتوں کے پاس کی یا پیغمبروں کے پاس کی۔

⑧ کیونکہ وہی عالم الغیب ہے جو ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے، یعنی اس کے علم میں ہے۔

① جس وقت ان آیات کا نزول ہوا، نبی ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے خطاب فرمایا، مطلب ہے کہ اب چادر چھوڑ دیں اور رات کو تھوڑا قیام کریں، یعنی نماز تہجد پڑھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی بنا پر نماز تہجد آپ کے لیے واجب تھی۔ (ابن کثیر)

② یہ ﴿قَلِيْلًا﴾ سے بدل ہے، یعنی یہ قیام نصف رات سے کچھ کم (ثُلُث) یا کچھ زیادہ (دو ثُلُث) ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

③ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ آپ کی قراءت ترتیل کے ساتھ ہی ہوتی تھی اور آپ نے اپنی امت کو بھی ترتیل کے ساتھ، یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تلقین کی ہے۔

④ رات کا قیام چونکہ نفس انسانی کے لیے بالعموم گراں ہے، اس لیے یہ جملۂ معترضہ کے طور پر فرمایا کہ ہم اس سے بھی بھاری بات تجھ پر نازل کریں گے، یعنی قرآن جس کے احکام و فرائض پر عمل، اس کے حدود کی پابندی اور اس کی تبلیغ و دعوت، ایک بھاری اور جاں گسل عمل ہے۔ بعض نے ثقالت (بھاری پن) سے وہ بوجھ مراد لیا ہے جو وحی کے وقت نبی ﷺ پر پڑتا تھا جس سے سخت سردی میں بھی آپ پسینے سے شرابور ہو جاتے۔ (ابن کثیر)

⑤ اس کا دوسرا مفہوم ہے کہ رات کی تنہائیوں میں کان معانیٔ قرآن کے فہم میں دل کے ساتھ زیادہ موافقت کرتے ہیں جو ایک نمازی تہجد میں پڑھتا ہے۔

قِیْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ⑩ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ⑪ اِنَّ لَدَیْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ⑬ یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِیْبًا مَّهِیْلًا ⑭ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ⑮

کر دیتا ہے⑥ [1] یقیناً تجھے دن میں بہت شغل رہتا ہے⑦ [2] تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا⑧ [3] مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا لے⑨ اور جو کچھ وہ کہیں تو سہتا رہ اور اچھے طریقے سے ان سے الگ تھلگ رہ⑩ اور مجھے اور ان جھٹلانے والے آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دے اور انھیں ذرا سی مہلت دے⑪ یقیناً ہمارے ہاں سخت بیڑیاں ہیں اور سلگتی ہوئی جہنم ہے⑫ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے⑬ [4] جس دن زمین اور پہاڑ تھرتھرا جائیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے⑭ [5] بے شک ہم نے تمھاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا [6] رسول بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا⑮

---

① دوسرا مفہوم ہے کہ دن کے مقابلے میں رات کو قرآن زیادہ واضح اور حضور قلب کے لیے زیادہ مؤثر ہے، اس لیے کہ اس وقت دوسری آوازیں خاموش ہوتی ہیں، فضا میں سکون غالب ہوتا ہے، اس وقت نمازی جو پڑھتا ہے وہ آوازوں کے شور اور دنیا کے ہنگاموں کی نذر نہیں ہوتا بلکہ نمازی اس سے خوب محظوظ ہوتا اور اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتا ہے۔

② ﴿ سَبْحًا ﴾ کے معنی ہیں: اَلْجَرْيُ وَالدَّوَرَانُ (چلنا اور گھومنا پھرنا)، یعنی دن کے وقت دنیاوی مصروفیتوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ پہلی بات ہی کی تائید ہے، یعنی رات کو نماز اور تلاوت زیادہ مفید اور مؤثر ہے، یعنی اس پر مداومت کر، دن ہو یا رات، اللہ کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کرتا رہ۔

③ ﴿ تَبَتَّلْ ﴾ کے معنی انقطاع اور علیحدگی کے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت اور اس سے دعا و مناجات کے لیے یکسو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یہ رہبانیت سے مختلف چیز ہے۔ رہبانیت تو تجرد اور ترک دنیا ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے۔ اور ﴿ تَبَتَّلْ ﴾ کا مطلب ہے امور دنیا کی ادائیگی کے ساتھ عبادت میں اشتغال، خشوع، خضوع اور اللہ کی طرف یکسوئی۔ یہ محمود و مطلوب ہے۔

④ ﴿ اَنْكَالًا ﴾ نِکْلٌ کی جمع ہے، قیود (بیڑیاں) اور بعض نے اَغْلَال کے معنی میں لیا ہے، یعنی طوق۔ ﴿ جَحِیْمًا ﴾ بھڑکتی آگ۔ ﴿ ذَا غُصَّةٍ ﴾ حلق میں اٹک جانے والا، نہ حلق سے نیچے اترے اور نہ باہر نکلے۔ یہ زَقُّوْمٌ یا ضَرِیْعٌ کا کھانا ہوگا۔ ضَرِیْعٌ ایک کانٹے دار جھاڑی ہے جو سخت بدبودار اور زہریلی ہوتی ہے۔

⑤ یعنی یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن زمین اور پہاڑ بھونچال سے تہ و بالا ہو جائیں گے اور بڑے بڑے پر ہیبت پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح بے حیثیت ہو جائیں گے۔ ﴿ كَثِیْبًا ﴾ ریت کا ٹیلہ، ﴿ مَّهِیْلًا ﴾ بھربھری، پیروں کے نیچے سے نکل جانے والی ریت۔

⑥ جو قیامت والے دن تمھارے اعمال کی گواہی دے گا۔

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ⑯ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖ ⑰ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ⑱ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ⑲ ع اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ

تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سخت وبال کی پکڑ میں پکڑ لیا⑯ [1] تم اگر کافر رہے تو اس دن کیسے پناہ پاؤ گے جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا⑰ [2] جس میں آسمان پھٹ جائے گا [3] اللہ کا یہ وعدہ ہو کر ہی رہنے والا ہے⑱ [4] بے شک یہ نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کرے⑲ تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور ایک تہائی رات کے تہجد پڑھتے ہیں [5] اور رات دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کو ہے، [6] وہ (خوب) جانتا ہے کہ تم ہرگز نہ نبھا سکو گے، [7] پس اس نے تم پر مہربانی کی، [8] لہٰذا قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو [9] وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے، بعض

① اس میں اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ تمھارا حشر بھی وہی ہوسکتا ہے جو فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہوا۔

② ﴿شِيْبًا﴾ اَشْيَبُ کی جمع ہے، قیامت والے دن، قیامت کی ہولناکی سے فی الواقع بچے بوڑھے ہو جائیں گے یا تمثیل کے طور پر ایسا کہا گیا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کہے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنم کے لیے نکال لے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: یا اللہ! کس طرح؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے 999۔ اس وقت حمل والی عورتوں کا حمل گر جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 4741)

③ یہ یوم کی دوسری صفت ہے۔ اس دن ہولناکی سے آسمان پھٹ جائے گا۔

④ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بعث بعد الموت، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کا وعدہ کیا ہوا ہے، یہ یقیناً لامحالہ ہو کر رہنا ہے۔

⑤ جب سورت کے آغاز میں نصف رات یا اس سے کم یا زیادہ، قیام کا حکم دیا گیا تو نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رات کو قیام کرتی، کبھی دو تہائی سے کم، کبھی نصف رات اور کبھی ثُلُث (ایک تہائی حصہ) جیسا کہ یہاں ذکر ہے۔ لیکن ایک تو رات کا یہ مستقل قیام نہایت گراں تھا۔ دوسرے وقت کا یہ اندازہ نصف رات یا ثلث یا دو ثلث حصہ قیام کرنا ہے، اس سے بھی زیادہ مشکل تر تھا، اس لیے اللہ نے اس آیت میں تخفیف کا حکم نازل فرما دیا جس کا مطلب بعض کے نزدیک ترک قیام کی اجازت ہے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے فرض کو استحباب میں بدل دیا گیا۔ اب یہ نہ امت کے لیے فرض ہے نہ نبی ﷺ کے لیے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ تخفیف صرف امت کے لیے ہے۔ نبی ﷺ کے لیے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔

⑥ یعنی اللہ تعالیٰ تو رات کی گھڑیاں گن سکتا ہے کہ کتنی گزر گئی ہیں اور کتنی باقی ہیں۔ تمھارے لیے یہ اندازہ ناممکن ہے۔

⑦ جب تمھارے لیے رات کے گزرنے کا صحیح اندازہ ممکن ہی نہیں تو تم مقررہ اوقات تک نماز تہجد میں مشغول بھی کس طرح رہ سکتے ہو۔

⑧ یعنی اللہ نے قیام اللیل کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اب صرف اس کا استحباب باقی رہ گیا ہے۔ اور وہ بھی وقت کی پابندی کے بغیر۔

فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ تعالیٰ کا فضل، یعنی روزی بھی تلاش کریں گے[1] اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے،[2] سو تم بہ آسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو[3] اور نماز کی پابندی رکھو[4] اور زکاۃ دیتے رہا کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو۔[5] اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے

نصف شب یا ثُلُث شب یا دو ثُلث کی پابندی بھی ضروری نہیں۔ اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کر کے دو رکعت بھی پڑھ لو گے تو عنداللہ قیام اللیل کے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے، تاہم اگر کوئی شخص گیارہ رکعات تہجد بمع وتر کا اہتمام کرے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور نبی ﷺ کا متبع قرار پائے گا۔

⑨ ﴿فَاقْرَءُوْا﴾ کا مطلب ہے فَصَلُّوا اور ﴿الْقُرْاٰنِ﴾ سے مراد اَلصَّلَاۃ ہے۔ قیام اللیل میں چونکہ قیام لمبا ہوتا ہے اور قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہے، اس لیے نماز تہجد کو قرآن ہی سے تعبیر کر دیا گیا ہے، جیسے نماز میں سورۂ فاتحہ نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں جو سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، سورۂ فاتحہ کو نماز سے تعبیر فرمایا ہے: «قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي» (صحيح مسلم، حديث: 395، وجامع الترمذي، حديث: 2953) ”میں نے فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔“ اس لیے جتنا قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھ لو کا مطلب ہے: رات کو جتنی نماز پڑھ سکتے ہو، پڑھ لو۔ اس کے لیے نہ وقت کی پابندی ہے اور نہ رکعات کی۔ اس آیت سے بعض لوگ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری نہیں ہے جتنا کسی کے لیے آسان ہو، پڑھ لے اگر کوئی ایک آیت بھی کہیں سے پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی۔ لیکن اول تو یہاں قراءت بمعنی نماز ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس لیے آیت کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ نماز میں کتنی قراءت ضروری ہے۔ دوسرے، اگر اس کا تعلق قراءت سے ہی مان لیا جائے، تب بھی یہ استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا کیونکہ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کی تفسیر خود نبی ﷺ نے فرما دی ہے کہ وہ کم سے کم قراءت جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی وہ سورۂ فاتحہ ہے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”یہ ضرور پڑھو“ جیسا کہ صحیح اور نہایت قوی اور واضح احادیث میں یہ حکم ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 756، وسنن النسائي، حديث: 921) اس تفسیر نبوی ﷺ کے خلاف یہ کہنا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ ضروری نہیں بلکہ کوئی سی بھی ایک آیت پڑھ لو، نماز ہو جائے گی۔ بڑی جسارت اور نبی ﷺ کی احادیث سے بے اعتنائی کا پر رعونت مظاہرہ ہے۔ نیز ان کے اپنے ائمہ کے بھی خلاف ہے جو انھوں نے اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس آیت سے ترک فاتحہ خلف الامام پر استدلال جائز نہیں، اس لیے کہ دو آیتیں متعارض ہیں۔

① یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے سفر کرنا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا پڑے گا۔

② اسی طرح جہاد میں بھی پر مشقت سفر اور مشقیں کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ تینوں چیزیں: بیماری، سفر اور جہاد۔ نوبت بہ نوبت ہر ایک کو لاحق ہوتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کر دی ہے کیونکہ تینوں حالتوں میں یہ نہایت مشکل اور بڑا صبر آزما کام ہے۔

③ اسباب تخفیف کے ساتھ تخفیف کا یہ حکم دوبارہ بطور تاکید بیان کر دیا ہے۔

④ یعنی پانچ نمازوں کی جو فرض ہیں۔

⑤ یعنی اللہ کی راہ میں حسب ضرورت و توفیق خرچ کرو، اسے قرض حسن سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں سات

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑳

اٰيَاتُهَا 56 (74) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (4) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ مدثر مکی ہے، اس میں 56 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ⑧ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ⑨ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ⑪ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ وَّبَنِيْنَ

بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے [1] اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے ⑳

اے کپڑا اوڑھنے والے ① [2] کھڑے ہوجائیے اور ڈرائیے ② [3] اور اپنے رب ہی کی بڑائیاں بیان کیجیے ③ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے ④ [4] ناپاکی کو چھوڑ دیجیے ⑤ [5] اور احسان کرکے زیادہ لینے کی خواہش نہ کیجیے ⑥ [6] اور اپنے رب کی راہ میں صبر کیجیے ⑦ پس جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی ⑧ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا ⑨ (جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا ⑩ [7] مجھے اور اسے چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے ⑪ [8] اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے ⑫ اور بیٹے

سو گنا بلکہ اس سے زیادہ تک اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

① یعنی نفلی نمازیں، صدقات وخیرات اور دیگر نیکیاں جو بھی کرو گے، اللہ کے ہاں ان کا بہترین اجر پاؤ گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدینے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اس کا نصف حصہ مکی اور نصف مدنی ہے۔ (أیسر التفاسیر)

② سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی وہ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (العلق 1:96) ہے اس کے بعد وحی میں وقفہ ہو گیا اور نبی ﷺ سخت مضطرب اور پریشان رہے۔ ایک روز اچانک پھر وہی فرشتہ جو غار حرا میں پہلی مرتبہ وحی لے کر آیا تھا، آپ نے دیکھا کہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے جس سے آپ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا اور گھر جا کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کوئی کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو، چنانچہ انھوں نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا ڈال دیا، اسی حالت میں یہ وحی نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4926، و صحيح مسلم، حديث: 161) اس اعتبار سے یہ دوسری وحی اور فترت وحی کے بعد پہلی وحی ہے۔ (وحی کے انقطاع کی مدت فترت کہلاتی ہے۔)

③ یعنی اہل مکہ کو ڈرا، اگر وہ ایمان نہ لائیں۔

④ یعنی قلب ونیت کے ساتھ کپڑے بھی پاک رکھ۔ یہ حکم اس لیے دیا کہ مشرکین مکہ طہارت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔

⑤ رُجز اور رِجز، دونوں طرح ہے، بمعنی عذاب لیکن یہاں بت یا معصیت کے معنی میں ہے، اس لیے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت عذاب کا باعث ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ بتوں کی عبادت یا معصیت چھوڑ دے۔ یہ دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے حکم دیا جا رہا ہے۔

⑥ یعنی احسان کرکے یہ خواہش نہ کر کہ بدلے میں اس سے زیادہ ملے گا۔

⑦ یعنی قیامت کا دن کافروں پر بھاری ہوگا کیونکہ اس روز کفر کا نتیجہ انھیں بھگتنا ہوگا جس کا ارتکاب وہ دنیا میں کرتے رہے ہوں گے۔

شُهُوْدًا ﴿13﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿14﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿15﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿16﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿17﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿18﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿19﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿20﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿21﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿22﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿23﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿24﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ

حاضر رہنے والے ﴿13﴾ [1] اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے ﴿14﴾ [2] پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں ﴿15﴾ [3] نہیں نہیں، [4] وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے ﴿16﴾ [5] عنقریب میں اسے ایک دشوار گزار گھاٹی پر چڑھاؤں گا ﴿17﴾ [6] اس نے غور کرکے تجویز کی ﴿18﴾ [7] اسے ہلاکت ہو کیسی تجویز سوچی؟ ﴿19﴾ وہ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا؟ ﴿20﴾ [8] اس نے پھر دیکھا ﴿21﴾ [9] پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا ﴿22﴾ [10] پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا ﴿23﴾ [11] اور کہنے لگا: یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے ﴿24﴾ [12] سوائے انسانی کلام کے

---

⑧ یہ کلمۂ وعید وتہدید ہے کہ اسے جسے میں نے ماں کے پیٹ میں اکیلا پیدا کیا، اس کے پاس مال تھا نہ اولاد اور مجھے اکیلا چھوڑ دو، یعنی میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کفر وطغیان میں بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ و اللہ أعلم.

① اسے اللہ نے اولاد ذکور سے نوازا تھا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی رہتے تھے، گھر میں دولت کی فراوانی تھی، اس لیے بیٹوں کو تجارت وکاروبار کے لیے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ بعض کہتے ہیں: یہ بیٹے سات تھے بعض کے نزدیک 12 اور بعض کے نزدیک 13 تھے ان میں سے تین مسلمان ہو گئے تھے، خالد، ہشام اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم۔ (فتح القدير)

② یعنی مال ودولت میں ریاست وسرداری میں اور درازئ عمر میں۔

③ یعنی کفر ومعصیت کے باوجود اس کی خواہش ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔

④ یعنی میں اسے زیادہ نہیں دوں گا۔

⑤ یہ ﴿كَلَّا﴾ کی علت ہے۔ ﴿عَنِيْدًا﴾ اس شخص کو کہتے ہیں جو جاننے کے باوجود حق کی مخالفت اور اس کو رد کرے۔

⑥ یعنی ایسے عذاب میں مبتلا کروں گا جس کا برداشت کرنا نہایت سخت ہوگا، بعض کہتے ہیں: جہنم میں آگ کا پہاڑ ہوگا جس پر اس کو چڑھایا جائے گا۔ اِرْهَاقٌ کے معنی ہیں: انسان پر بھاری چیز لاد دینا۔ (فتح القدير)

⑦ یعنی قرآن اور نبی ﷺ کا پیغام سن کر، اس نے اس امر پر غور کیا کہ میں اس کا کیا جواب دوں۔ اور اپنے جی میں اس نے وہ تیار کیا۔

⑧ یہ اس کے حق میں بددعائیہ کلمے ہیں کہ ہلاک ہو، مارا جائے، کیا بات اس نے سوچی ہے؟

⑨ یعنی پھر غور کیا کہ قرآن کا رد کس طرح ممکن ہے۔

⑩ یعنی جواب سوچتے وقت چہرے کی سلوٹیں بدلیں اور منہ بسورا جیسا کہ عموماً کسی مشکل بات پر غور کرتے وقت آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔

⑪ یعنی حق سے اعراض کیا اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔

⑫ یعنی کسی سے یہ سیکھ آیا اور وہاں سے نقل کر لایا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

الْبَشَرِ ﴿25﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿26﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿27﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿28﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿29﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿30﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

کچھ بھی نہیں ﴿25﴾ میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا ﴿26﴾ اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ [1] ﴿27﴾ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ﴿28﴾ [2] کھال کو جھلسا دیتی ہے ﴿29﴾ اور اس پر انیس (فرشتے مقرر) ہیں ﴿30﴾ [3] ہم نے دوزخ کے داروغے صرف فرشتے رکھے ہیں۔ اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے، [4] تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں، [5] اور ایمان دار ایمان میں بڑھ جائیں [6] اور اہل کتاب اور مسلمان شک نہ کریں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں گے کہ اس بیان سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ [7] اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ [8] تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں

---

(1) دوزخ کے ناموں یا درجات میں سے ایک کا نام سقر بھی ہے۔

(2) ان کے جسموں پر گوشت چھوڑے گی نہ ہڈی۔ یا مطلب ہے جہنمیوں کو زندہ چھوڑے گی نہ مردہ، ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝﴾ (الأعلىٰ 87:13) ''جہنم میں مریں گے نہ جئیں گے۔''

(3) یعنی جہنم پر بطور دربان 19 فرشتے مقرر ہیں۔

(4) یہ مشرکین قریش کا رد ہے، جب جہنم کے داروغوں کا اللہ نے ذکر فرمایا تو ابوجہل نے جماعت قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم میں سے ہر دس آدمیوں کا گروپ، ایک ایک فرشتے کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلدہ نامی شخص نے جسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا، کہا: تم سب صرف دو فرشتے سنبھال لینا، 17 فرشتوں کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ کہتے ہیں: اسی نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کا بھی کئی مرتبہ چیلنج دیا اور ہر مرتبہ شکست کھائی مگر ایمان نہیں لایا۔ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ یزید بن رکانہ کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ کشتی لڑی تھی، تیسری مرتبہ وہ شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے۔ (البداية والنهاية: 102/3 طبع جدید) مطلب یہ ہے کہ یہ تعداد بھی ان کے استہزا، یعنی آزمائش کا سبب بن گئی۔

(5) یعنی جان لیں کہ یہ رسول برحق ہے اور اس نے وہی بات کی ہے جو پچھلی کتابوں میں بھی درج ہے۔

(6) کہ اہل کتاب نے ان کے پیغمبر کی بات کی تصدیق کی ہے۔

(7) بیمار دل والوں سے مراد منافقین ہیں یا پھر وہ ہیں جن کے دلوں میں شکوک تھے کیونکہ مکے میں منافقین نہیں تھے، یعنی یہ پوچھیں گے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں اللہ کی کیا حکمت ہے۔

(8) یعنی گزشتہ گمراہی کی طرح، جسے چاہتا ہے گمراہ اور جسے چاہتا ہے، راہ یاب کرتا ہے، اس میں جو حکمت بالغہ ہوتی ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿31﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿32﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿33﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿34﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿35﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿36﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿37﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿38﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿39﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿40﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿41﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿42﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿43﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿44﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ

جانتا،[1] یہ تو تمام بنی آدم کے لیے سراسر پند و نصیحت ہے ﴿31﴾ [2] سچ کہتا ہوں [3] قسم ہے چاند کی ﴿32﴾ اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے ﴿33﴾ اور صبح کی جب کہ روشن ہو جائے ﴿34﴾ کہ یقیناً وہ (جہنم) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے ﴿35﴾ [4] بنی آدم کو ڈرانے والی ﴿36﴾ (یعنی) اسے [5] جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے ﴿37﴾ [6] ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے ﴿38﴾ [7] مگر دائیں ہاتھ والے ﴿39﴾ [8] کہ وہ بہشتوں میں (بیٹھے ہوئے) سوال کرتے ہوں گے ﴿40﴾ گناہ گاروں سے ﴿41﴾ [9] تمھیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا؟ ﴿42﴾ وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے ﴿43﴾ نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے ﴿44﴾ [10] اور ہم بحث کرنے والوں

---

[1] یعنی یہ کفار و مشرکین سمجھتے ہیں کہ جہنم میں 19 فرشتے ہی تو ہیں نا، جن پر قابو پانا کون سا مشکل کام ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ رب کے لشکر تو اتنے ہیں کہ جنھیں اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔ صرف فرشتے ہی اتنی تعداد میں ہیں کہ 70 ہزار فرشتے روزانہ اللہ کی عبادت کے لیے بیت المعمور میں داخل ہوتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی۔ (صحيح البخاري، حديث: 3207، و صحيح مسلم، حديث: 162)

[2] یعنی یہ جہنم اور اس پر مقرر فرشتے، انسانوں کی پند و نصیحت کے لیے ہیں کہ شاید وہ نافرمانیوں سے باز آجائیں۔

[3] ﴿ كَلَّا ﴾ یہ اہل مکہ کے خیالات کی نفی ہے، یعنی جو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرشتوں کو مغلوب کر لیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے، یعنی جانے لگے۔

[4] یہ جواب قسم ہے۔ ﴿ الْكُبَرِ ﴾ كُبْرٰى کی جمع ہے۔ تین نہایت اہم چیزوں کی قسموں کے بعد اللہ نے جہنم کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے جس سے اس کی بڑائی میں کوئی شک نہیں رہتا۔

[5] یعنی یہ جہنم ڈرانے والی ہے یا اس نذیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یا قرآن ہے کیونکہ قرآن بھی اپنے بیان کردہ وعد و وعید کے اعتبار سے انسانوں کے لیے نذیر ''ڈرانے والا'' ہے۔

[6] یعنی ایمان و اطاعت میں آگے بڑھنا چاہے یا اس سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ مطلب ہے کہ انذار ہر ایک کے لیے ہے جو ایمان لائے یا کفر کرے۔

[7] رہن گروی رکھنے کو کہتے ہیں، یعنی ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے، وہ عمل اسے عذاب سے چھڑا لے گا، (اگر نیک ہوگا) یا اسے ہلاک کروا دے گا (اگر برا ہوگا۔)

[8] یعنی وہ اپنے گناہوں کے اسیر نہیں ہوں گے بلکہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

[9] ﴿ فِيْ جَنّٰتٍ ﴾ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ سے حال ہے۔ اہل جنت بالا خانوں میں بیٹھے، جہنمیوں سے سوال کریں گے۔

[10] نماز حقوق اللہ میں سے اور مساکین کو کھلانا حقوق العباد میں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اللہ کے حقوق ادا کیے نہ بندوں کے۔

مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿45﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿46﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿47﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿48﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿49﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿50﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿51﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿52﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿53﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿54﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿56﴾

ع 2 / 25 / 16

کا ساتھ دے کر بحث مباحثے میں مشغول رہا کرتے تھے ﴿45﴾ [1] اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے ﴿46﴾ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی ﴿47﴾ [2] پس انھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی ﴿48﴾ [3] انھیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں؟ ﴿49﴾ گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں ﴿50﴾ جو شیر سے بھاگے ہوں ﴿51﴾ [4] بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں ﴿52﴾ [5] ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ قیامت سے بے خوف ہیں ﴿53﴾ [6] سچی بات تو یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے ﴿54﴾ [7] اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے ﴿55﴾ اور وہ اس وقت نصیحت حاصل کریں گے جب اللہ چاہے، [8] وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور لائق ہے کہ بخشے ﴿56﴾ [9]

---

① یعنی کج بحثی اور گمراہی کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

② یقین کے معنی موت کے ہیں، جیسے دوسرے مقام پر ہے: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾ (الحجر 15:99) ”اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔“

③ یعنی جو صفاتِ مذکورہ کا حامل ہوگا، اسے کسی کی شفاعت بھی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے محلِ شفاعت ہی نہیں ہوگا، شفاعت تو صرف ان کے لیے مفید ہوگی جو ایمان کی وجہ سے شفاعت کے قابل ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت بھی انھی کے لیے ملے گی نہ کہ ہر ایک کے لیے۔

④ یعنی یہ حق سے نفرت اور اعراض کرنے میں ایسے ہیں جیسے وحشی، خوف زدہ گدھے، شیر سے بھاگتے ہیں جب وہ ان کا شکار کرنا چاہے۔ ﴿ قَسْوَرَةٍ ﴾ بمعنی شیر، بعض نے اس کے معنی تیر انداز بھی کیے ہیں۔

⑤ یعنی ہر ایک کے ہاتھ میں اللہ کی طرف سے ایک ایک کتاب مفتوح نازل ہو جس میں لکھا ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ بعض نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بغیر عمل کے یہ عذاب سے براءت چاہتے ہیں، یعنی ہر ایک کو پروانۂ نجات مل جائے۔ (ابن کثیر)

⑥ یعنی ان کے فساد کی وجہ ان کا آخرت پر عدمِ ایمان اور اس کی تکذیب ہے جس نے انھیں بے خوف کر دیا ہے۔

⑦ لیکن اس کے لیے جو اس قرآن کے مواعظ و نصائح سے عبرت حاصل کرنا چاہے۔

⑧ یعنی اس قرآن سے ہدایت اور نصیحت اسے ہی حاصل ہوگی جسے اللہ چاہے گا۔ ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (التکویر 81:29) ”اور تم بغیر پروردگار کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔“

⑨ یعنی وہ اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی معاف کرنے کے اختیارات رکھتا ہے، اس لیے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے تاکہ انسان اس کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے۔

اٰیَاتُهَا 40 (75) سُوۡرَةُ الۡقِیٰمَةِ مَکِّیَّةٌ (31) رُکُوۡعَاتُهَا 2

سورۂ قیامہ مکی ہے، اس میں 40 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ① وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ② اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ③ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ④ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ⑤ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الۡقَمَرُ ⑧ وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ⑨ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی ① [1] اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو ② [2] کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع ہی نہیں کریں گے ③ [3] ہاں! ضرور کریں گے ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پور پور تک درست کر دیں ④ [4] بلکہ انسان تو چاہتا ہے کہ آگے آگے نافرمانیاں کرتا جائے ⑤ [5] پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا ⑥ [6] پس جس وقت کہ نگاہ پتھرا جائے گی ⑦ [7] اور چاند بے نور ہو جائے گا ⑧ [8] اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں گے ⑨ [9] اس دن انسان کہے گا کہ

---

① ﴿لَاۤ اُقۡسِمُ﴾ میں لَا زائدہ ہے جو عربی زبان کا ایک اسلوب ہے، جیسے ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ﴾ (الأعراف 7:12) ''تجھے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔'' اور ﴿لِّئَلَّا یَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ﴾ (الحدید 57:29) ''تا کہ اہل کتاب جان لیں۔'' اور دیگر بہت سے مقامات میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم سے پہلے کفار کے کلام کا رد ہے، وہ کہتے تھے مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لَا کے ذریعے سے کہا گیا، جس طرح تم کہتے ہو، معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں، قیامت کے دن کی قسم کھانے سے مقصد اس کی اہمیت وعظمت کو واضح کرنا ہے۔

② یعنی بھلائی پر بھی کرتا ہے کہ زیادہ کیوں نہیں کی۔ اور برائیوں پر بھی کہ اس سے باز کیوں نہیں آتا۔ دنیا میں بھی جن کے ضمیر بیدار ہوتے ہیں، ان کے نفس انھیں ملامت کرتے ہیں، تاہم آخرت میں تو سب ہی کے نفس ملامت کریں گے۔

③ یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد یہاں کافر اور ملحد انسان ہے جو قیامت کو نہیں مانتا۔ اس کا گمان غلط ہے، اللہ تعالیٰ یقیناً انسانوں کے اجزاء کو جمع فرمائے گا۔ یہاں ہڈیوں کا بطور خاص ذکر ہے، اس لیے کہ ہڈیاں ہی پیدائش کا اصل ڈھانچہ اور قالب ہیں۔

④ بَنَانٌ ہاتھوں اور پیروں کے ان اطراف (کناروں) کو کہتے ہیں جو جوڑوں، ناخن، لطیف رگوں اور باریک ہڈیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جب یہ باریک اور لطیف چیزیں ہم بالکل صحیح صحیح جوڑ دیں گے تو بڑے بڑے حصوں کو جوڑ دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہوگا؟

⑤ یعنی اس امید پر نافرمانی اور حق کا انکار کرتا ہے کہ کون سی قیامت آنی ہے۔

⑥ یہ سوال اس لیے نہیں کرتا کہ گناہوں سے تائب ہو جائے بلکہ قیامت کو ناممکن الوقوع سمجھتے ہوئے پوچھتا ہے۔ اسی لیے فسق و فجور سے باز نہیں آتا، تاہم اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ قیامت کے آنے کا وقت بیان فرما رہا ہے۔

⑦ دہشت اور حیرانی سے۔ ﴿بَرِقَ﴾ تَحَيَّرَ وَ انۡدَهَشَ جیسے موت کے وقت عام طور پر ہوتا ہے۔

⑧ جب چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس وقت بھی وہ بے نور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خَسۡفِ قَمَر جو علامات قیامت میں سے ہے جب ہوگا تو اس کے بعد اس میں روشنی نہیں آئے گی۔

يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ⑯ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲

آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟⑩ [1] نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ نہیں⑪ [2] آج تو تیرے پروردگار ہی کی طرف قرار گاہ ہے⑫ [3] آج انسان کو اس کے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے سے آگاہ کیا جائے گا⑬ [4] بلکہ انسان خود اپنے اوپر آپ دلیل ہے⑭ [5] اگرچہ کتنے ہی بہانے پیش کرے⑮ [6] (اے نبی!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں⑯ [7] اس کا جمع کرنا اور (آپ کا زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمے ہے⑰ [8] ہم جب اسے پڑھ [9] لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں⑱ [10] پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمے ہے⑲ [11]

---

9 یعنی بے نوری میں۔ مطلب ہے کہ چاند کی طرح سورج کی روشنی بھی ختم ہو جائے گی۔

1 یعنی جب یہ واقعات ظہور پذیر ہوں گے تو پھر اللہ سے یا جہنم کے عذاب سے راہ فرار ڈھونڈے گا لیکن اس وقت راہ فرار کہاں ہوگی؟

2 ﴿وَزَرَ﴾ پہاڑ یا قلعے کو کہتے ہیں جہاں انسان پناہ حاصل کر لے۔ وہاں ایسی کوئی پناہ گاہ نہیں ہوگی۔

3 جہاں وہ بندوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہوگا کہ کوئی اللہ کی اس عدالت سے چھپ جائے۔

4 یعنی اس کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کیا جائے گا، قدیم ہو یا جدید، اول ہو یا آخر، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ (الکھف 49:18) ''سب کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائے گا۔''

5 یعنی اس کے اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور دیگر اعضاء گواہی دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے عیوب خود جانتا ہے۔

6 یعنی لڑے جھگڑے، ایک سے ایک تاویل کرے لیکن ایسا کرنا نہ اس کے لیے مفید ہے اور نہ وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکتا ہے۔

7 حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ عجلت سے پڑھتے جاتے کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اللہ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ ساتھ اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4929) یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ (طٰہٰ 114:20) ''آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری کی جائے۔'' چنانچہ اس حکم کے بعد آپ خاموشی سے سنتے۔

8 یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمے داری ہے تاکہ اس کا کوئی حصہ آپ کی یادداشت سے نہ نکلے اور آپ کے ذہن سے محو نہ ہو۔

9 یعنی فرشتے (جبرائیل) علیہ السلام کے ذریعے سے جب ہم اس کی قراءت آپ پر پوری کر لیں۔

10 یعنی اس کے شرائع واحکام لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ان کا اتباع بھی کریں۔

11 یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال وحرام کی توضیح، یہ بھی ہمارے ذمے ہے۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کے مجملات کی جو تفصیل، مبہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے، یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سمجھائی ہوئی باتیں ہیں، اس لیے انھیں بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿20﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿21﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿24﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿25﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿26﴾ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ﴿27﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿28﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿29﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿30﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿31﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿32﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿33﴾ اَوْلٰى

ع 1 30 17

نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی دنیا کی محبت رکھتے ہو ﴿20﴾ اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ﴿21﴾ [1] اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے ﴿22﴾ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے ﴿23﴾ [2] اور کتنے چہرے اس دن (بدرونق اور) اداس ہوں گے ﴿24﴾ [3] یقین کرلیں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ [4] کیا جائے گا ﴿25﴾ نہیں نہیں، [5] جب روح ہنسلی [6] تک پہنچے گی ﴿26﴾ اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک [7] کرنے والا ہے؟ ﴿27﴾ اور وہ یقین کرلے گا کہ یہ وقت جدائی ہے ﴿28﴾ [8] اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی ﴿29﴾ [9] آج تیرے پروردگار کی طرف چلنا ہے ﴿30﴾ اس نے نہ تو تصدیق کی نہ نماز ادا کی ﴿31﴾ [10] بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی ﴿32﴾ [11] پھر اپنے گھر والوں کے پاس اتراتا ہوا گیا ﴿33﴾ [12] افسوس ہے

---

[1] یعنی یوم قیامت کی تکذیب، ﴿مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کی مخالفت اور حق سے اعراض، اس لیے ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت تمھیں بالکل فراموش ہے۔

[2] یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جو اپنے حسن انجام کی وجہ سے مطمئن، مسرور اور منور ہوں گے۔ مزید دیدار الٰہی سے بھی لطف اندوز ہوں گے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

[3] یہ کافروں کے چہرے ہوں گے۔ ﴿بَاسِرَةٌ﴾ متغیر، زرد، غم وحزن سے سیاہ اور بے رونق۔

[4] اور وہ یہی کہ جہنم میں ان کو پھینک دیا جائے گا۔

[5] یعنی یہ ممکن نہیں کہ کافر قیامت پر ایمان لے آئیں۔

[6] ﴿التَّرَاقِيَ﴾ تَرْقُوَةٌ کی جمع ہے۔ یہ گردن کے قریب، سینے اور کندھے کے درمیان ایک ہڈی ہے، یعنی جب موت کا آہنی پنجہ تمھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

[7] یعنی حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعے سے تمھیں موت کے پنجے سے چھڑا لے۔ بعض نے اس کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ اس کی روح کون لے کر چڑھے۔ ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب۔ اس صورت میں یہ قول فرشتوں کا ہے۔

[8] یعنی وہ شخص یقین کرلے گا جس کی روح ہنسلی تک پہنچ گئی ہے کہ اب مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آ گیا ہے۔

[9] اس سے یا تو موت کے وقت پنڈلی کا پنڈلی کے ساتھ مل جانا مراد ہے یا پے در پے تکلیفیں۔ جمہور مفسرین نے دوسرے معنی کیے ہیں۔ (فتح القدیر)

[10] یعنی اس انسان نے رسول اور قرآن کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، یعنی اللہ کی عبادت نہیں کی۔

[11] یعنی رسول کو جھٹلایا اور ایمان واطاعت سے روگردانی کی۔

لَكَ فَاَوْلٰى ﴿34﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿35﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿36﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿37﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿38﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿39﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿40﴾

اٰيَاتُهَا: 31 (76) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ (98) رُكُوْعَاتُهَا: 2

سورۂ دہر مکی ہے، اس میں 31 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿1﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

تجھ پر حسرت ہے تجھ پر ﴿34﴾ وائے ہے اور خرابی ہے تیرے لیے ﴿35﴾ [1] کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ﴿36﴾ [2] کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو رحم میں ٹپکایا گیا تھا؟ ﴿37﴾ پھر وہ لہو کا لوتھڑا ہوگیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا ﴿38﴾ [3] پھر اس سے جوڑے، یعنی نر و مادہ بنائے ﴿39﴾ کیا (اللہ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے ﴿40﴾ [4]

یقیناً انسان پر ایک وقت زمانے میں سے ایسا بھی گزرا ہے [5] جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ﴿1﴾ بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے

﴿12﴾ ﴿ يَتَمَطّٰى ﴾ اتراتا اور اکڑتا ہوا۔

① یہ کلمۂ وعید ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل ہے: أَوْلَاكَ اللّٰهُ مَاتَكْرَهُهُ اللہ تجھے ایسی چیز سے دوچار کرے جسے تو ناپسند کرتا ہے۔

② یعنی اس کو کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی چیز سے منع کیا جائے گا، نہ اس کا محاسبہ ہوگا نہ معاقبہ۔ یا اس کو قبر میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، وہاں سے اسے دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

③ ﴿ فَسَوّٰى ﴾ یعنی اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس کی تکمیل کی اور اس میں روح پھونکی۔

④ یعنی جو اللہ انسان کو اس طرح مختلف اطوار سے گزار کر پیدا فرماتا ہے کیا مرنے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے، یعنی وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ اس سورت کے آخر میں ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴾ کے جواب میں سُبْحَانَكَ فَبَلٰى کہنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحيح سنن أبي داود للألباني: 38/4، حديث: 884.)

■ اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور اسے مدنی قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری دس آیات مکی ہیں، باقی سب مدنی۔ (فتح القدير) نبی ﷺ جمعے کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے۔ (صحيح مسلم، حديث: 879) اس سورت کو سورۂ انسان بھی کہا جاتا ہے۔

⑤ ﴿ هَلْ ﴾ بمعنی قَدْ ہے جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے۔ ﴿ الْاِنْسَانِ ﴾ سے مراد، بعض کے نزدیک ابوالبشر، یعنی انسان اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ﴿ حِيْنٌ ﴾ (ایک وقت) سے مراد، روح پھونکے جانے سے پہلے کا زمانہ ہے جو چالیس سال ہے۔ اور اکثر مفسرین کے نزدیک ﴿ الْاِنْسَانِ ﴾ کا لفظ بطور جنس کے استعمال ہوا ہے اور ﴿ حِيْنٌ ﴾ سے مراد حمل، یعنی رحم مادر کی مدت ہے۔ جس میں وہ قابل ذکر چیز نہیں ہوتا۔ اس میں گویا انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک پیکر حسن و جمال کی صورت میں جب باہر آتا ہے تو رب کے سامنے اکڑتا اور اتراتا ہے، اسے اپنی حیثیت یاد رکھنی چاہیے کہ میں تو وہی ہوں جب میں عالم نیست میں تھا تو مجھے کون جانتا تھا؟

اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا

8

نطفے سے امتحان کے لیے[1] پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا②[2] ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے، خواہ ناشکرا③[3] یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے④[4] بے شک نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہے⑤[5] جو ایک چشمہ ہے[6] جس سے اللہ کے بندے پئیں گے، اس کی نہریں نکال لے جائیں گے⑥[7] جو نذر پوری کرتے ہیں[8] اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے⑦[9] اور اللہ کی محبت[10] میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو⑧ ہم تو تمھیں

---

① ملے جلے کا مطلب، مرد اور عورت دونوں کے پانی کا ملنا اور پھر ان کا مختلف اطوار سے گزرنا ہے۔ پیدا کرنے کا مقصد، انسان کی آزمائش ہے۔ ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملك 67:2) ”تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اعمال میں اچھا ہے۔“

② یعنی اسے سماعت اور بصارت کی قوتیں عطا کیں تاکہ وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکے اور اس کے بعد اطاعت یا معصیت دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔

③ یعنی مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں کے علاوہ ہم نے خود بھی انبیاء علیہم السلام، اپنی کتابوں اور داعیان حق کے ذریعے سے صحیح راستے کو بیان اور واضح کر دیا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بن جائے یا معصیت کا راستہ اختیار کر کے اس کا ناشکرا بن جائے، جیسے ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُوبِقُهَا أَوْ مُعْتِقُهَا» (صحيح مسلم، حديث: 223) ”ہر شخص صبح کو اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے، پس اسے ہلاک کر دیتا ہے یا اسے آزاد کرا لیتا ہے۔“ یعنی اپنے عمل و کسب کے ذریعے سے ہلاک یا آزاد کراتا ہے، اگر شر کمائے گا تو اپنے نفس کو ہلاک اور خیر کمائے گا تو نفس کو آزاد کرا لے گا۔

④ یہ اللہ کی دی ہوئی آزادی کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔

⑤ اشقیاء (بدبختوں) کے مقابلے میں یہ سُعداء (نیک بختوں) کا ذکر ہے، ﴿ كَاْسٍ ﴾ اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا اور چھلک رہا ہو۔ ﴿ كَافُوْرًا ﴾ ٹھنڈی اور ایک مخصوص خوشبو کی حامل ہوتی ہے، اس کی آمیزش سے شراب کا ذائقہ دو آتشہ اور اس کی خوشبو مشام جان کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔

⑥ یعنی یہ کافور ملی شراب، دو چار صراحیوں یا مٹکوں میں نہیں ہوگی بلکہ اس کا چشمہ ہوگا، یعنی یہ ختم ہونے والی نہیں ہوگی۔

⑦ یعنی اس کو جدھر چاہیں گے، موڑ لیں گے، اپنے محلات و منازل میں، اپنی مجلسوں اور بیٹھکوں میں اور باہر میدانوں اور تفریح گاہوں میں۔

⑧ یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں، نذر بھی مانتے ہیں تو صرف اللہ کے لیے اور پھر اسے پورا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو، چنانچہ حدیث میں ہے: ”جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ⑪ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ⑬ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ

صرف اللہ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری⑨ بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں[1] جو اداسی اور سختی والا ہوگا⑩ پس انھیں اللہ نے اس دن کی برائی سے بچا لیا[2] اور انھیں تازگی اور خوشی پہنچائی⑪[3] اور انھیں ان کے صبر[4] کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے⑫ یہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ نہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سردی کی شدت⑬[5] ان جنتوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے[6] اور ان کے (میوے اور) گچھے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں گے⑭[7] اور ان پر چاندی کے برتنوں اور ان جاموں کا دور

اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے معصیت الٰہی کی نذر مانی ہے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے (اسے پورا نہ کرے)۔" (صحيح البخاري، حديث: 6696)

⑨ یعنی اس دن سے ڈرتے ہوئے محرمات اور معصیات کا ارتکاب نہیں کرتے۔ برائی پھیل جانے کا مطلب ہے کہ اس روز اللہ کی گرفت سے صرف وہی بچے گا جسے اللہ اپنے دامن عفو و رحمت میں ڈھانپ لے گا۔ باقی سب اس روز کے شر کی لپیٹ میں ہوں گے۔

⑩ یا طعام کی محبت کے باوجود، وہ اللہ کی رضا کے لیے ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ قیدی اگر غیر مسلم ہو، تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، جیسے جنگ بدر کے کافر قیدیوں کی بابت نبی ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان کی تکریم کرو، چنانچہ صحابہ پہلے ان کو کھانا کھلاتے، خود بعد میں کھاتے۔ (ابن کثیر) اسی طرح غلام اور نوکر چاکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی کہ "نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔" (سنن ابن ماجه، حديث: 2698)

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿قَمْطَرِيْرًا﴾ کے معنی طویل کے کیے ہیں، ﴿عَبُوْسًا﴾ سخت، یعنی وہ دن نہایت سخت ہوگا اور سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے کافروں پر بڑا لمبا ہوگا۔ (ابن کثیر)

② جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ کی اطاعت کرتے تھے۔

③ تازگی چہروں پر ہوگی اور خوشی دلوں میں۔ جب انسان کا دل مسرت سے لبریز ہوتا ہے تو اس کا چہرہ بھی مسرت سے گلنار ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ "جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح روشن ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔" (صحيح البخاري، حديث: 4418، و صحيح مسلم، حديث: 2769)

④ صبر کا مطلب ہے دین کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا، اللہ کی اطاعت میں نفس کی خواہشات اور لذات کو قربان کرنا اور معصیتوں سے اجتناب کرنا۔

⑤ ﴿زَمْهَرِيْرًا﴾ سخت جاڑے کو کہتے ہیں۔ مطلب ہے کہ وہاں ہمیشہ ایک ہی موسم رہے گا اور وہ ہے موسم بہار، نہ سخت گرمی اور نہ

وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا

کرایا جائے [1] گا جو شیشے کے ہوں گے ﴿۱۵﴾ شیشے بھی چاندی [2] کے جن کو (ساقی نے) اندازے سے ناپ رکھا ہوگا ﴿۱۶﴾ [3] اور انھیں وہاں وہ جام پلائے جائیں گے جن کی آمیزش زنجبیل کی ہوگی ﴿۱۷﴾ [4] جنت کی ایک نہر سے جس کا نام سلسبیل ہے ﴿۱۸﴾ [5] اور ان کے ارد گرد گھومتے پھرتے ہوں گے وہ کم سن بچے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، [6] جب تو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں ﴿۱۹﴾ [7] تو وہاں جہاں کہیں بھی نظر ڈالے گا [8] سراسر نعمتیں اور عظیم الشان سلطنت

کڑاکے کی سردی۔

⑥ گو وہاں سورج کی حرارت نہیں ہوگی، اس کے باوجود درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے یا مطلب ہے کہ ان کی شاخیں ان کے قریب ہوں گی۔

⑦ یعنی درختوں کے پھل، گوش برآواز فرماں بردار کی طرح، انسان کا جب کھانے کو جی چاہے گا تو وہ جھک کر اتنے قریب ہو جائیں گے کہ بیٹھے، لیٹے بھی انھیں توڑ لے۔ (ابن کثیر)

① یعنی خادم انھیں لے کر جنتیوں کے درمیان پھریں گے۔

② یعنی یہ برتن اور آب خورے چاندی اور شیشے سے بنے ہوں گے۔ نہایت نفیس اور نازک، گویا یہ صنعت ایسی ہے کہ جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔

③ یعنی ان میں شراب ایسے اندازے سے ڈالی گئی ہوگی کہ جس سے وہ سیراب بھی ہو جائیں، تشنگی محسوس نہ کریں۔ اور برتنوں اور جاموں میں بھی زائد نہ بچی رہے۔ مہمان نوازی کے اس طریقے میں بھی مہمانوں کی عزت افزائی ہی کا اہتمام ہے۔

④ ﴿زَنْجَبِيْلًا﴾ (سونٹھ، خشک ادرک) کو کہتے ہیں۔ یہ گرم ہوتی ہے۔ اس کی آمیزش سے ایک خوشگوار تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عربوں کی یہ مرغوب چیز ہے، چنانچہ ان کے قہوہ میں بھی زنجبیل شامل ہوتی ہے۔ مطلب ہے کہ جنت میں ایک وہ شراب ہوگی جو ٹھنڈی ہوگی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور دوسری شراب گرم جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔

⑤ یعنی اس شراب زنجبیل کی بھی نہر ہوگی جسے ﴿سَلْسَبِيْلًا﴾ کہا جاتا ہے۔

⑥ شراب کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ساقیوں کا وصف بیان کیا جا رہا ہے "ہمیشہ رہیں گے" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جنتیوں کی طرح ان خادموں کو بھی موت نہیں آئے گی۔ دوسرا یہ کہ ان کا بچپن اور ان کی رعنائی ہمیشہ برقرار رہے گی۔ وہ نہ بوڑھے ہوں گے نہ ان کا حسن و جمال متغیر ہوگا۔

⑦ حسن وصفائی اور تازگی وشادابی میں وہ موتیوں کی طرح ہوں گے، بکھرے ہوئے کا مطلب، خدمت کے لیے ہر طرف پھیلے ہوئے اور نہایت تیزی سے مصروف خدمت ہوں گے۔

⑧ ﴿ثَمَّ﴾ ظرف مکان ہے وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ، أَيْ هُنَاكَ. یعنی وہاں جنت میں جہاں کہیں بھی دیکھو گے۔

كَبِيْرًا ⑳ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ㉑ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ㉒ ع اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۚ ㉓ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۚ ㉔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۚ ㉕ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ㉖ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ㉗ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ

ہی دیکھے گا⑳ ان کے جسموں پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے [1] اور انھیں چاندی کے کنگن کا زیور پہنایا جائے گا۔ [2] اور انھیں ان کا رب پاک صاف شراب پلائے گا㉑ (کہا جائے گا) کہ یہ ہے تمھارے اعمال کا بدلہ اور تمھاری کوشش کی قدر کی گئی㉒ بے شک ہم نے تجھ پر بتدریج قرآن نازل کیا ہے㉓ [3] پس تو اپنے رب کے حکم پر قائم رہ [4] اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کا کہنا نہ مان㉔ [5] اور اپنے رب کے نام کا صبح وشام ذکر کیا کر㉕ [6] اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر㉖ [7] بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی (دنیا) کو چاہتے ہیں [8] اور اپنے پیچھے ایک بڑے بھاری دن کو چھوڑ دیتے ہیں㉗ [9] ہم نے انھیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے بندھن مضبوط کیے [10] اور ہم جب چاہیں ان کے عوض ان جیسے

① ﴿سُنْدُسٍ﴾ باریک ریشمی لباس اور ﴿اِسْتَبْرَقٌ﴾ موٹا ریشم۔

② جیسے ایک زمانے میں بادشاہ، سردار اور ممتاز قسم کے لوگ پہنا کرتے تھے۔

③ یعنی ایک ہی مرتبہ نازل کرنے کی بجائے حسب ضرورت و اقتضا مختلف اوقات میں نازل کیا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے، یہ تیرا اپنا گھڑا ہوا نہیں ہے جیسا کہ مشرکین دعویٰ کرتے ہیں۔

④ یعنی اس کے فیصلے کا انتظار کر۔ وہ تیری مدد میں کچھ تاخیر کر رہا ہے تو اس میں اس کی حکمت ہے، اس لیے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔

⑤ یعنی اگر یہ تجھے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روکیں تو ان کا کہنا نہ مان بلکہ تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ اور اللہ پر بھروسا رکھ، وہ لوگوں سے تیری حفاظت فرمائے گا۔ فاجر، جو افعال میں اللہ کی نافرمانی کرنے والا ہو یا کفر میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس نے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ اس کام سے باز آجا، ہم تجھے تیرے کہنے کے مطابق دولت مہیا کر دیتے ہیں اور عرب کی جس عورت سے تو شادی کرنا چاہے، ہم تیری شادی کرا دیتے ہیں۔ (فتح القدیر)

⑥ صبح وشام سے مراد ہے: تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کر۔ یا صبح سے مراد فجر کی نماز اور شام سے عصر کی نماز ہے۔

⑦ رات کو سجدہ کر، سے بعض نے مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لی ہیں۔ اور تسبیح کا مطلب، جو باتیں اللہ کے لائق نہیں ہیں، ان سے اس کی پاکیزگی بیان کر، بعض کے نزدیک اس سے رات کی نفلی نماز، یعنی تہجد ہے امر ندب و استحباب کے لیے ہے۔

⑧ یعنی یہ کفار مکہ اور ان جیسے دوسرے لوگ دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور ساری توجہ اسی پر ہے۔

⑨ یعنی قیامت کو، اس کی شدتوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے اسے بھاری دن کہا اور چھوڑنے کا مطلب ہے کہ اس کے لیے تیاری نہیں

اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿28﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿29﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿30﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿31﴾

ع 2 / 9 / 20

سورۂ مرسلات ﷺ مکی ہے، اس میں 50 آیات اور 2 رکوع ہیں۔	اٰیَاتُهَا: 50 (77) سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (33) رُكُوْعَاتُهَا: 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اوروں کو بدل لائیں ﴿28﴾ [1] یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے ﴿29﴾ [2] اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے [3] بے شک اللہ علم والا باحکمت ہے ﴿30﴾ [4] جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے، اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿31﴾ [5]

کرتے اور اس کی پروا نہیں کرتے۔

⑩ یعنی ان کی پیدائش کو مضبوط بنایا یا ان کے جوڑوں کو، رگوں اور پٹھوں کے ذریعے سے، ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے۔

① یعنی ان کو ہلاک کر کے ان کی جگہ کسی اور قوم کو پیدا کر دیں یا اس سے مطلب قیامت کے دن دوبارہ پیدائش ہے۔

② یعنی اس قرآن سے ہدایت حاصل کرے۔

③ یعنی تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت کی راہ پر لگا لے، اپنے لیے کسی نفع کو جاری کر لے، ہاں اگر اللہ چاہے تو ایسا ممکن ہے، اس کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے، البتہ صحیح قصد و نیت پر وہ اجر ضرور عطا فرماتا ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى» (صحيح البخاري، حديث:1) ''اعمال کا دار و مدار، نیتوں پر ہے، ہر آدمی کے لیے وہ ہے جس کی وہ نیت کرے۔''

④ چونکہ وہ علیم و حکیم ہے، اس لیے اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، بنابریں ہدایت اور گمراہی کے فیصلے بھی یوں ہی الل ٹپ نہیں ہو جاتے بلکہ جس کو ہدایت دی جاتی ہے وہ واقعی اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس کے حصے میں گمراہی آتی ہے، وہ حقیقتاً اسی لائق ہوتا ہے۔

⑤ ﴿وَالظّٰلِمِيْنَ﴾ اس لیے منصوب ہے کہ اس سے پہلے يُعَذِّبُ محذوف ہے۔

ﷺ یہ سورت مکی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ مرسلات کا نزول ہوا، آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں اسے آپ سے حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ آ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے مار دو۔'' لیکن وہ تیزی سے غائب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کے شر سے اور وہ تمھارے شر سے بچ گیا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4930، وصحيح مسلم حديث: 2234) نبی ﷺ نے بعض دفعہ مغرب کی نماز میں بھی یہ سورت پڑھی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 763، و صحيح مسلم، حديث: 462)

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿1﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿2﴾ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿3﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿4﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿5﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿6﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿7﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿8﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿9﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿10﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿11﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿12﴾

قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں (1) [1] پھر زور سے جھونکا دینے والیوں کی قسم (2) [2] پھر (ابر کو) ابھار کر پراگندہ کرنے والیوں کی قسم (3) [3] پھر حق و باطل کو جدا جدا کردینے والے (4) [4] اور وحی لانے والے فرشتوں کی قسم (5) [5] جو (وحی) الزام اتارنے یا آگاہ کردینے کے لیے ہوتی ہے (6) [6] جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً ہونے والی ہے (7) [7] پس جب ستارے بے نور کردیے جائیں گے (8) [8] اور جب آسمان توڑ پھوڑ دیا جائے گا (9) اور جب پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کرکے اڑا دیے جائیں گے (10) [9] اور جب رسولوں کو وقتِ مقررہ پر لایا جائے گا (11) [10] کس دن کے لیے (اس سب کو) مؤخر کیا گیا ہے (12) [11]

① اس مفہوم کے اعتبار سے ﴿عُرْفًا﴾ کے معنی پے درپے ہوں گے۔ بعض نے ﴿الْمُرْسَلٰتِ﴾ سے فرشتے یا انبیاء مراد لیے ہیں۔ اس صورت میں ﴿عُرْفًا﴾ کے معنی وحیٔ الٰہی یا احکام شریعت ہوں گے۔ یہ مفعول لہ ہوگا لِاَجْلِ الْعُرْفِ یا منصوب بِنَزْعِ الْخَافِضِ ہے، یعنی بِالْعُرْفِ.

② یا فرشتے مراد ہیں جو بعض دفعہ ہواؤں کے عذاب کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔

③ یا ان فرشتوں کی قسم جو بادلوں کو منتشر کرتے ہیں یا فضائے آسمانی میں اپنے پر پھیلاتے ہیں، تاہم امام ابن کثیر اور امام طبری نے ان تینوں سے ہوائیں مراد لینے کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ ترجمے میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

④ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لے کر اترتے ہیں۔ یا مراد آیات قرآنیہ ہیں جن سے حق و باطل اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یا رسول مراد ہیں جو وحیٔ الٰہی کے ذریعے سے حق و باطل کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں۔

⑤ جو اللہ کا کلام پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں یا رسول مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی اپنی امتوں کو پہنچاتے ہیں۔

⑥ دونوں مفعول لہ ہیں لِاَجْلِ الْإِعْذَارِ أَوِالْإِنْذَارِ، یعنی فرشتے وحی لے کر آتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی اللہ کا پیغام ہی لے کر نہیں آیا یا مقصد ڈرانا ہے، ان کو جو انکار یا کفر کرنے والے ہوں گے۔ یا معنی ہیں: مومنوں کے لیے خوشخبری اور کافروں کے لیے ڈراوا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ مُرْسَلَاتٌ، عَاصِفَاتٌ اور نَاشِرَاتٌ سے مراد ہوائیں اور فَارِقَاتٌ وَ مُلْقِيَاتٌ سے فرشتے ہیں۔ یہی بات راجح ہے۔

⑦ قسموں سے مراد مقسم علیہ کی اہمیت سامعین پر واضح کرنا اور اس کی صداقت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مقسم علیہ (یا جواب قسم) یہ ہے کہ تم سے قیامت کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، یعنی اس میں شک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ قیامت کب واقع ہوگی۔ اگلی آیات میں اسے واضح کیا جا رہا ہے۔

⑧ طَمْسٌ کے معنی مٹ جانے اور بے نشان ہونے کے ہیں، یعنی جب ستاروں کی روشنی ختم بلکہ ان کا نشان تک مٹ جائے گا۔

⑨ یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور زمین بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔

⑩ یعنی فصل و قضا کے لیے، ان کے بیانات سن کر ان کی قوموں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑮ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ⑯ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ⑰ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ⑱ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑲ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ⑳ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ㉑ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ㉒ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ㉓ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ㉔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ㉕ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ㉖ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ㉗

فیصلے کے دن کے لیے ⑬ [1] اور تجھے کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟ ⑭ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ⑮ [2] کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا؟ ⑯ پھر ہم ان کے بعد پچھلوں کو لائے ⑰ [3] ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ⑱ [4] اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ویل، یعنی تباہی ہے ⑲ کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے (منی سے) پیدا نہیں کیا ⑳ پھر ہم نے اسے مضبوط و محفوظ جگہ میں رکھا ㉑ [5] ایک مقررہ وقت تک ㉒ [6] پھر ہم نے اندازہ کیا [7] اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں ㉓ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ㉔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ ㉕ زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی ㉖ [8] اور ہم نے اس میں بلند وبالا پہاڑ بنادیے [9] اور تمھیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا ㉗

⑪ یہ استفہام تعظیم اور تعجب کے لیے ہے، یعنی کیسے عظیم دن کے لیے جس کی شدت اور ہولناکی لوگوں کے لیے سخت تعجب انگیز ہوگی، ان پیغمبروں کو جمع ہونے کا وقت دیا گیا ہے۔

① یعنی جس دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، کوئی جنت میں اور کوئی دوزخ میں جائے گا۔

② یعنی ہلاکت ہے، بعض کہتے ہیں: ﴿وَيْلٌ﴾ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ یہ آیت اس سورت میں بار بار دہرائی گئی ہے، اس لیے کہ ہر مکذب کا جرم ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہوگا اور اسی حساب سے عذاب کی نوعیتیں بھی مختلف ہوں گی، بنا بریں اسی ویل کی مختلف قسمیں ہیں جسے مختلف مکذبین کے لیے الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر)

③ یعنی کفار مکہ اور ان کے ہم مشرب جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی۔

④ یعنی سزا دیتے ہیں دنیا میں یا آخرت میں۔

⑤ یعنی رحم مادر میں۔

⑥ یعنی مدت حمل تک، چھ یا نو مہینے۔

⑦ یعنی رحم مادر میں جسمانی ساخت و ترکیب کا صحیح اندازہ کیا کہ دونوں آنکھوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں اور دونوں کانوں کے درمیان اور دیگر اعضاء کا ایک دوسرے کے درمیان کتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔

⑧ یعنی زمین زندوں کو اپنی پشت پر اور مردوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی (جمع کر لیتی) ہے۔

⑨ ﴿رَوَاسِيَ﴾ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے۔ ثَوَابِتُ، جمے ہوئے پہاڑ، ﴿شٰمِخٰتٍ﴾ بلند۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿28﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿29﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿30﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿31﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿32﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿33﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿34﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿35﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿36﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿37﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿39﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿40﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿41﴾

ع 1 40/21

اس دن جھٹلانے والوں کے لیے وائے اور افسوس ہے ﴿28﴾ اس دوزخ کی طرف جاؤ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے ﴿29﴾[1] چلو تین شاخوں والے سائے کی طرف ﴿30﴾[2] جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے ﴿31﴾[3] یقیناً دوزخ چنگاریاں پھینکتی ہے جو مثل محل کے ہیں ﴿32﴾[4] گویا کہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ﴿33﴾[5] اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿34﴾ آج (کا دن) وہ دن ہے کہ یہ بول بھی نہ سکیں گے ﴿35﴾[6] نہ انھیں معذرت کی اجازت دی جائے گی ﴿36﴾[7] اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿37﴾ یہ ہے فیصلے کا دن ہم نے تمھیں اور پہلوں کو سب کو جمع کر لیا ہے ﴿38﴾[8] پس اگر تم مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو ﴿39﴾[9] تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ﴿40﴾ بے شک پرہیزگار لوگ سایوں میں ہوں گے[10] اور بہتے چشموں میں ﴿41﴾

---

[1] یہ فرشتے جہنمیوں کو کہیں گے۔

[2] جہنم سے جو دھواں آئے گا، وہ بلند ہو کر تین جہتوں میں پھیل جائے گا، یعنی جس طرح دیوار یا درخت کا سایہ ہوتا ہے جس میں آدمی راحت اور عافیت محسوس کرتا ہے، یہ دھواں حقیقت میں اس طرح کا سایہ نہیں ہوگا جس میں جہنمی کچھ سکون حاصل کر لیں۔

[3] یعنی جہنم کی حرارت سے بچنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

[4] اس کا ایک اور ترجمہ ہے: جو لکڑی کے بوٹے، یعنی بھاری ٹکڑے کے مثل ہیں۔ (بوٹے بمعنی شہتیر کے ٹکڑے، جسے گیلی بھی کہتے ہیں۔)

[5] اس کا دوسرا ترجمہ ہے: وہ سیاہ اونٹ ہیں۔ ﴿صُفْرٌ﴾ اَصْفَرُ (زرد) کی جمع ہے لیکن عرب میں اس کا استعمال اَسْوَدُ سیاہ کے معنی میں بھی ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس کی ایک ایک چنگاری اتنی اتنی بڑی ہوگی جیسے محل یا قلعہ، پھر ہر چنگاری کے مزید اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں۔

[6] محشر میں کافروں کی مختلف حالتیں ہوں گی، ایک وقت وہ ہوگا کہ وہ وہاں بھی جھوٹ بولیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، پھر جس وقت ان کو جہنم میں لے جایا جا رہا ہوگا، اس وقت عالم اضطراب و پریشانی میں ان کی زبانیں پھر گنگ ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں: بولیں گے تو سہی لیکن ان کے پاس حجت کوئی نہیں ہوگی۔ گویا ان کو بات کرنی ہی نہیں آئے گی، جیسے ہم دنیا میں ایسے شخص کی بابت کہتے ہیں جس کے پاس کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی، وہ تو ہمارے سامنے بول ہی نہیں سکا۔

[7] مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی معقول عذر ہی نہیں ہوگا جسے وہ پیش کر کے چھٹکارا پا سکیں۔

[8] یہ اللہ تعالیٰ بندوں سے خطاب فرمائے گا کہ ہم نے تمھیں اپنی قدرت کاملہ سے فیصلہ کرنے کے لیے ایک ہی میدان میں جمع کر لیا ہے۔

[9] یہ سخت وعید اور تہدید ہے کہ اگر تم میری گرفت سے بچ سکتے ہو اور میرے حکم سے نکل سکتے ہو تو بچ اور نکل کے دکھاؤ لیکن

وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿42﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿44﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿45﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿46﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿47﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿48﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿49﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿50﴾ ع 2/10/22

اور ان میووں میں جن کی وہ خواہش کریں گے ﴿42﴾ [1] (اے جنتیو!) کھاؤ پیو مزے سے اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے ﴿43﴾ [2] یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزادیتے ہیں ﴿44﴾ [3] اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بربادی ہے ﴿45﴾ [4] (اے جھٹلانے والو!) تم دنیا میں تھوڑا سا کھالو اور فائدہ اٹھالو بے شک تم گناہ گار ہو ﴿46﴾ [5] اس دن جھٹلانے والوں کے لیے سخت ہلاکت ہے ﴿47﴾ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ رکوع کرلو تو نہیں کرتے ﴿48﴾ [6] اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے ﴿49﴾ [7] اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ﴿50﴾ [8]

وہاں کس میں یہ طاقت ہوگی۔ یہ آیت بھی ایسے ہی ہے، جیسے یہ آیت ہے: ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا﴾ (الرحمٰن 33:55) ”اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو۔“

⑩ یعنی درختوں اور محلات کے سائے، آگ کے دھویں کا سایہ نہیں ہوگا، جیسے مشرکین کے لیے ہوگا۔

① ہر قسم کے پھل، جب بھی خواہش کریں گے، آموجود ہوں گے۔

② یہ بطور احسان انھیں کہا جائے گا۔ ﴿بِمَا كُنْتُمْ﴾ میں با سبب کے لیے ہے، یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان اعمال صالحہ کی وجہ سے تمھیں ملی ہیں جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ، جس کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہوگا، اعمال صالحہ ہیں۔ جو لوگ عمل صالح کے بغیر ہی اللہ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار بن جاتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہی ہے، جیسے کوئی زمین میں ہل چلائے اور بیج بوئے بغیر فصل کا امیدوار بن جائے یا تخم حنظل بو کر خوش ذائقہ پھلوں کی امید رکھے۔

③ اس میں بھی اسی امر کی ترغیب و تلقین ہے کہ اگر آخرت میں حسن انجام کے طالب ہو تو دنیا میں نیکی اور بھلائی کا راستہ اپناؤ۔

④ کہ اہل تقویٰ کے حصے میں تو جنت کی نعمتیں آئیں اور ان کے حصے میں بڑی بدبختی۔

⑤ یہ مکذبین قیامت کو خطاب ہے اور یہ امر تہدید و وعید کے لیے ہے، یعنی اچھا چند روز خوب عیش کرلو، تم جیسے مجرمین کے لیے شکنجۂ عذاب تیار ہے۔

⑥ یعنی جب ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز نہیں پڑھتے۔

⑦ یعنی ان کے لیے جو اللہ کے اوامر و نواہی کو نہیں مانتے۔

⑧ یعنی جب اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس کے بعد اور کون سا کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے۔ یہاں بھی حدیث کا اطلاق قرآن پر ہوا ہے جیسا کہ اور بھی بعض مقامات پر کیا گیا ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ جو سورۂ تین کی آخری آیت:

﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ...... ﴾ الآية پڑھے تو وہ جواب میں کہے: [بَلٰی وَأَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ] اور ﴿ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ کے جواب میں اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہے۔ (سنن أبي داود، حديث: 887، وضعيف أبي داود، للألباني: 343/1) بعض علماء کے نزدیک سامع کو بھی جواب دینا چاہیے۔ لیکن جب یہ روایات ہی ضعیف ہیں تو پھر کسی کو بھی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، قاری ہو یا سامع، البتہ پڑھنے والا ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ○ ﴾ کے بعد جواباً سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰی کہے کیونکہ یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھیے صحيح سنن أبي داود للألباني: 38/4.)

ایاتها 40 (78) سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (80) رکوعاتها 2

سورۂ نبا مکی ہے، اس میں 40 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں آپس میں پوچھ گچھ کرتے ہیں ①[1] اُس بڑی خبر کے متعلق ② جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ③[2] یقیناً یہ ابھی جان لیں گے ④ پھر بالیقین انھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا ⑤[3] کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ ⑥[4] اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟) ⑦[5] اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا ⑧[6] اور ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا سبب بنایا ⑨[7] اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے ⑩[8] اور دن کو ہم نے (وقتِ) روزگار بنایا ⑪[9] اور تمھارے اوپر ہم نے

① جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید، قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ نے پہلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جوان کی ہے، پھر خود ہی جواب دیا کہ......

② یعنی جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے، اس کے متعلق استفسار ہے۔ اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے، کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعر اور کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا اور دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا۔ کوئی بالکل انکار کرتا تھا کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافۂ یقین اور ازدیاد بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا استہزا اور تمسخر کے طور پر۔

③ یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کاریگری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انھیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

④ یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو۔ زمین کو ڈولتا ہوا نہیں رہنے دیا۔

⑤ ﴿اَوْتَادًا﴾ وَتَدٌ کی جمع ہے میخیں، یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے کیونکہ حرکت و اضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

⑥ یعنی مذکر اور مؤنث۔ نر اور مادہ۔ یا ازواج بمعنی اصناف و الوان ہے، یعنی مختلف شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا، خوب صورت، بدصورت، دراز قد، کوتاہ قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔

⑦ ﴿سُبَاتًا﴾ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان و حیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی

شِدَادًا ﴿12﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿13﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿14﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿15﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿16﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿17﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿18﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿19﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿20﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ

سات مضبوط آسمان بنائے (12)[1] اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا (13)[2] اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا (14)[3] تاکہ ہم اُس سے اناج اور سبزہ اُگائیں (15)[4] اور گھنے باغ (بھی اگائیں) (16)[5] بے شک فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے (17)[6] جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر تم فوج در فوج چلے آؤ گے (18)[7] اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اُس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے (19)[8] اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب ہو جائیں گے (20)[9] بے شک دوزخ گھات کی

نیند سولیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمھارے اعمال کاٹ دیتی ہے، یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب آرام ہے۔

(8) یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے، جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپا لیتا ہے۔

(9) مطلب ہے کہ دن کو روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

(1) ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

(2) اس سے مراد سورج ہے اور ﴿جَعَلْنَا﴾ بمعنی خَلَقَ (پیدا کیا) ہے۔

(3) ﴿اَلْمُعْصِرٰتِ﴾ وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں، جیسے: اَلْمَرْأَةُ الْمُعْتَصِرَةُ . اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو، ﴿ثَجَّاجًا﴾ کثرت سے بہنے والا پانی۔

(4) ﴿حَبًّا﴾ (دانا) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جو اور مکئی وغیرہ اور ﴿نَبَاتًا﴾ سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔

(5) ﴿اَلْفَافًا﴾ شاخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت، یعنی گھنے باغ۔

(6) یعنی اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع ہونے کا مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔

(7) بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان محشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفخہ ہوگا جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اٹھ کر نکل آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے انسان کھیتی کی طرح اگ آئے گا۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے دم کی ہڈی (کے آخری سرے کے) اسی سے قیامت والے دن ہر انسان کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔ (صحیح البخاري، حدیث: 4814)

(8) یعنی فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

(9) ﴿سَرَابًا﴾ وہ چمکتی ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے۔ اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں

مِرْصَادًا ﴿21﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿22﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿23﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿24﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿25﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿26﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿27﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿28﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿29﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿30﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿31﴾ حَدَآئِقَ

جگہ ہے ﴿21﴾ [1] سرکشوں کا ٹھکانا وہی ہے ﴿22﴾ اُس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے ﴿23﴾ [2] نہ کبھی اُس میں ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے، نہ پانی کا ﴿24﴾ سوائے گرم پانی اور (بہتی) پیپ کے ﴿25﴾ [3] (اُن کو) پورا پورا بدلہ ملے گا ﴿26﴾ [4] یقیناً اُنھیں تو حساب کی توقع ہی نہ تھی ﴿27﴾ [5] اور (بے باکی سے) ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ﴿28﴾ ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے ﴿29﴾ [6] اب تم (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ہم تمھارا عذاب ہی بڑھاتے رہیں گے ﴿30﴾ [7] یقیناً پرہیز گار لوگوں کے لیے کامیابی ہے ﴿31﴾ [8] باغات ہیں اور

پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ① ﴿فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ (الحآقة 14:69) ”انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔“ ② ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (القارعة 5:101) ”وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔“ ③ ﴿فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا﴾ (الواقعة 6:56) ”وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔“ ④ ﴿يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ (طه 105:20) ”میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا۔“ اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ سراب ہو جائیں گے، یعنی لَا شَيْءَ جیسا کہ اس مقام پر ہے۔(فتح القدیر)

① گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں، جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ وہاں سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہے۔

② ﴿اَحْقَابًا﴾ حُقُبٌ کی جمع ہے، بمعنی زمانہ۔ مراد ابد اور ہمیشگی ہے۔ ابد الآباد تک وہ جہنم میں ہی رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔

③ جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔

④ یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔

⑤ یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے، یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدۂ بعث بعد الموت کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔

⑥ یعنی لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ (یٰسٓ 12:36) ”ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں ضبط کر دیا ہے۔“

⑦ عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چمڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیے جائیں گے۔ (النسآء 56:4) جب آگ بجھنے لگے گی تو پھر بھڑکا دی جائے گی۔ (بنی إسرآء یل 97:17)

⑧ اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد، اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انھیں تقویٰ کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقویٰ، ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

وَّاَعْنَابًا ﴿32﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿33﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿34﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿36﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿38﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿39﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

انگور ہیں ﴿32﴾ [1] اور نوجوان کنواری ہم عمر عورتیں ہیں ﴿33﴾ [2] اور چھلکتے ہوئے جام (شراب) ہیں ﴿34﴾ [3] وہاں نہ تو وہ بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ ہی جھوٹ سنیں گے ﴿35﴾ [4] (اُن کو) تیرے رب کی طرف سے (اُن کے نیک اعمال کا) یہ بدلہ ملے گا جو کافی انعام ہوگا ﴿36﴾ [5] (اُس رب کی طرف سے ملے گا جو کہ) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُن کا پروردگار ہے، بڑا مہربان ہے، کسی کو اُس سے بات چیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا ﴿37﴾ [6] جس دن روح اور فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے [7] تو کوئی کلام نہ کر سکے گا مگر جسے رحمٰن اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے ﴿38﴾ [8] یہ دن حق ہے، [9] اب جو چاہے اپنے رب کے پاس (نیک اعمال کر کے) ٹھکانا بنالے ﴿39﴾ [10] ہم نے تمھیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ [11] جس دن انسان

---

[1] یہ ﴿مَفَازًا﴾ سے بدل ہے۔

[2] ﴿كَوَاعِبَ﴾ كَاعِبَةٌ کی جمع ہے، یہ كَعْبٌ (ٹخنہ) سے ہے، جس طرح ٹخنہ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں میں بھی ایسا ہی ابھار ہوگا جو ان کے حسن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ ﴿اَتْرَابًا﴾ ہم عمر۔ (خاوندوں کی ہم عمر یا آپس میں ہم عمر)

[3] ﴿دِهَاقًا﴾ بھرے ہوئے یا لگاتار ایک کے بعد ایک یا صاف شفاف۔ ﴿كَاْسًا﴾ ایسے جام کو کہتے ہیں جو لبالب بھرا ہوا ہو۔

[4] یعنی کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہوگی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

[5] ﴿عَطَآءً﴾ کے ساتھ ﴿حِسَابًا﴾ مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہوگی۔

[6] یعنی اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداءً اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، اسی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔

[7] یہاں ﴿الرُّوْحُ﴾ کے جبرائیل علیہ السلام سمیت کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ امام ابن کثیر نے بنو آدم (انسان) کو أَشْبَه (قرین قیاس) قرار دیا ہے۔

[8] یہ اجازت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق وصواب ہی ہوگی یا یہ مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو، یعنی کلمۂ توحید کا اقراری رہا ہو۔

[9] یعنی لامحالہ آنے والا ہے۔

[10] یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان و تقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا ٹھکانا مل جائے۔

[11] یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے کیونکہ بہر صورت اس نے آ کر ہی رہنا ہے۔

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿40﴾

اٰيَاتُهَا 46 (79) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (81) رُكُوْعَاتُهَا 2

سورۂ نازعات مکی ہے، اس میں 46 آیات اور 2 رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿1﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿2﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿3﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿4﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿5﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿6﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿7﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿8﴾ اَبْصَارُهَا

اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا[1] اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا﴿40﴾[2]

ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم!﴿1﴾[3] بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم!﴿2﴾[4] اور تیرتے پھرنے والوں کی قسم!﴿3﴾[5] پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم!﴿4﴾[6] پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم!﴿5﴾[7] جس دن کانپنے والی کانپے گی﴿6﴾[8] اُس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے گی﴿7﴾[9] (بہت سے) دل اُس دن دھڑکتے ہوں گے﴿8﴾[10] جن کی نگاہیں

[1] یعنی اچھا یا برا جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا۔ ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ (الكهف 18:49) ”جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، وہ سامنے پائیں گے۔“ ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (القيٰمة 75:13) ”انسان کو اس دن اگلے پچھلے اعمال کی خبر دی جائے گی۔“

[2] یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2582، و مسند أحمد: 235/2) اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ، چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسير ابن كثير، تفسير سورة الأنعام 6:71، وسورة النبا 78:40، و السلسلة الصحيحة للألباني: 606/4)

[3] نزع کے معنی، سختی سے کھینچنا، ﴿غَرْقًا﴾ ڈوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان، نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

[4] ﴿نَشْطًا﴾ کے معنی: گرہ کھول دینا، یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

[5] ﴿سَبْحًا﴾ کے معنی: تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔

[6] یہ فرشتے اللہ کی وحی انبیاء تک دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

[7] یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مُدبّر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ

خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿١٥﴾ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن

نیچی ہوں گی⑨ [1] کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے جائیں گے؟⑩ [2] کیا اُس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟⑪ [3] کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے⑫ [4] پس یقیناً وہ تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہے⑬ کہ (جس کے پیدا ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع ہو جائیں گے⑭ [5] کیا تمھیں موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر پہنچی ہے؟⑮ جب کہ اُنھیں اُن کے رب نے مقدس میدان طویٰ میں پکارا⑯ [6] (کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اُس نے سرکشی اختیار کرلی ہے⑰ [7] اُس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستی

کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انھیں بھی مُدَبِّر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے، یعنی ﴿لَتُبْعَثُنَّ﴾ ''تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے۔'' قرآن نے اس بعث و جزا کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے، جیسے مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی۔ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

[8] یہ نَفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

[9] یہ دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخے سے چالیس سال بعد ہوگا۔ اسے ﴿الرَّادِفَةُ﴾ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہوگا، یعنی نفخۂ ثانیہ نفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔

[10] قیامت کے احوال اور شدائد سے۔

[1] یعنی أَبْصَارُ أَصْحَابِهَا ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

[2] ﴿الْحَافِرَةِ﴾ پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے۔

[3] یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جبکہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

[4] یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

[5] سَاهِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح، یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاهِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر) بہرحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفخے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

[6] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں گزری۔ ﴿طُوًى﴾ اسی جگہ کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے اور نبوت و رسالت سے نوازا، یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں رسالت عطا فرما دی۔

[7] یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

تَزَكّٰى ﴿18﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿19﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿20﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿21﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿22﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿23﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿24﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿25﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿26﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ﴿27﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿28﴾

8 — ع 1/26/3

اور اصلاح چاہتا ہے⑱ [1] اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو (اُس سے) ڈرنے لگے⑲ [2] پس اُسے بڑی نشانی دکھائی⑳ [3] تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی㉑ [4] پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے㉒ [5] پھر سب کو جمع کر کے پکارا㉓ [6] کہ تمھارا سب سے بڑا رب میں ہی ہوں㉔ تو اللہ نے بھی اُسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا㉕ [7] بے شک اس میں اُس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے㉖ [8] کیا تمھارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ [9] اسی نے اس کو بنایا㉗ اُس کی بلندی اونچی کی پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کر دیا㉘ [10]

---

① یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

② یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے، اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

③ یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ کی طرف سے انھیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں: اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے، مثلاً: ید بیضا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔

④ لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور تکذیب و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔

⑤ یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔

⑥ اپنی قوم کو یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔

⑦ یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمردین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو اسے وہاں ملے گا۔

⑧ اس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انھوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

⑨ یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمھارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمھیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

⑩ بعض نے سَمْكٌ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ

اُس کی رات کو تاریک اور اُس کے دن کو نکالا ﴿۲۹﴾[1] اور اُس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا ﴿۳۰﴾[2] اُس میں سے پانی اور چارہ نکالا ﴿۳۱﴾ اور پہاڑوں کو (خوب) گاڑ دیا ﴿۳۲﴾ یہ سب تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں) ﴿۳۳﴾ پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آ جائے گی ﴿۳۴﴾ جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا ﴿۳۵﴾ اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی ﴿۳۶﴾[3] تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی) ﴿۳۷﴾[4] اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی) ﴿۳۸﴾[5] (اُس کا) ٹھکانا جہنم ہی ہے ﴿۳۹﴾[6] ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے[7] سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا ﴿۴۰﴾[8] تو اُس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ﴿۴۱﴾[9] لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت کرتے ہیں ﴿۴۲﴾[10] آپ کو اُس کے بیان کرنے

---

① ﴿ اَغْطَشَ ﴾ بمعنی أَظْلَمَ ''تاریک کر دیا۔'' ﴿ اَخْرَجَ ﴾ بمعنی أَبْرَزَ ''ظاہر کیا'' ہے۔ اور نَھَارَھَا کی جگہ ﴿ضُحٰهَا﴾ اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت بہت اچھا ہوتا ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

② یہ حٰمٓ السجدۃ 9:41 میں گزر چکا ہے کہ خَلْق (پیدا کرنا) اور چیز ہے اور دَحْی (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی تخلیق کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً: زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

③ یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے انھیں اس سے بچا لیا اور کافر جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر ان کے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

④ یعنی کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔

⑤ یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہوگا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

⑥ اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

⑦ کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

⑧ یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

⑨ جہاں وہ قیام پذیر بلکہ اللہ کا مہمان ہوگا۔

ذِكْرٰىهَا ۝43 اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝44 اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝45 كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝46

ع 20 2 4

اٰيَاتُهَا: 42 (80) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (24) رُكُوْعُهَا: 1

سورۂ عبس مکی ہے، اس میں 42 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝1 اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝2 وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝3 اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝4

سے کیا تعلق؟ ۝43 [1] اُس کے علم کی انتہا تو اللہ ہی کو معلوم ہے ۝44 آپ تو صرف اُس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں ۝45 [2] جس روز یہ اُسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں ۝46 [3]

اس نے تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا ① (صرف اس لیے) کہ اُس کے پاس ایک نابینا آیا ② [4] تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جائے ③ یا نصیحت سنتا اور اُسے نصیحت فائدہ پہنچائے ④ [5]

---

[10] یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

[1] یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

[2] یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے نہ کہ غیب کی خبریں دینا جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ ﴿مَنْ يَّخْشٰىهَا﴾ اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

[3] ﴿عَشِيَّةً﴾ ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ، طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے، یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں، یعنی دنیا کی زندگی انھیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

* اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آ کر نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی، چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (جامع الترمذي، حديث: 3331 و صححه الألباني)

[4] ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد سے نبی ﷺ کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے ﴿عَبَسَ﴾ سے اور بے توجہی کو ﴿تَوَلّٰٓى﴾ سے تعبیر فرمایا۔

[5] یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

جو بے پروائی کرتا ہے⑤ [1] اُس کی طرف تو تُو پوری توجہ کرتا ہے⑥ [2] حالانکہ اُس کے نہ سنورنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں⑦ [3] اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے⑧ [4] اور وہ ڈر (بھی) رہا ہے⑨ [5] تو اُس سے تو بے رخی برتتا ہے⑩ [6] یہ ٹھیک نہیں [7] قرآن تو نصیحت (کی چیز) ہے⑪ جو چاہے اسے یاد کر لے⑫ [8] (یہ تو) پُر عظمت صحیفوں میں (ہے)⑬ [9] جو بلند و بالا اور پاک صاف ہیں⑭ [10] ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے⑮ [11] جو بزرگ اور پاکباز ہیں⑯ [12] انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے⑰ [13] اسے اللہ نے کس چیز سے

① ایمان سے اور اس علم سے جو تیرے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے جو صاحب ثروت وغنا ہے۔

② اس میں آپ ﷺ کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مُخلِصِین کو چھوڑ کر مُعرِضِین کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔

③ کیونکہ تیرا کام تو صرف تبلیغ ہے، اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

④ اس بات کا طالب بن کر کہ تو خیر کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازے۔

⑤ یعنی اللہ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ تیری باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

⑥ یعنی ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رخی برتنے کی۔ ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحاب حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا و غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔ (ابن کثیر)

⑦ یعنی غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔

⑧ یعنی جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشراف قریش نے کیا تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہیں۔

⑨ یعنی لوح محفوظ میں کیونکہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیونکہ وہ علم و حکمت سے پر ہیں۔

⑩ ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ اللہ کے ہاں رفیع القدر ہیں یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ وہ بالکل پاک ہیں کیونکہ انھیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہیں۔

⑪ ﴿سَفَرَةٍ﴾ سَافِرٌ کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

⑫ یعنی خُلق کے اعتبار سے وہ کریم، یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔ یہاں سے یہ بات

خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَةٍ ط خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ㉒ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ㉓ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ㉔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ㉕ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ㉖ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ㉗ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ㉘ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ㉙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ㉚ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ㉛ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉜ فَاِذَا جَآءَتِ

پیدا کیا⑱ ایک نطفے سے پیدا کیا، [1] پھر اس کا اندازہ مقرر کیا⑲ [2] پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا⑳ [3] پھر اسے موت دی اور پھر قبر میں دفن کیا㉑ [4] پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا㉒ ہرگز نہیں، [5] اُس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی㉓ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے㉔ [6] کہ ہم نے خوب پانی برسایا㉕ پھر زمین کو اچھی طرح پھاڑا㉖ پھر اس میں سے اناج اُگائے㉗ اور انگور اور ترکاری㉘ اور زیتون اور کھجور㉙ اور گنجان باغات㉚ اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی)㉛ [7] (یہ سب کچھ) تمھارے استعمال و فائدے کے لیے اور تمھارے چوپایوں کے لیے㉜ پس جب کہ کان بہرے کر

معلوم ہوئی کہ حامل قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال واطوار میں ﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ کا مصداق ہونا چاہیے۔(ابن کثیر) حدیث میں بھی ﴿سَفَرَةٍ﴾ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے، وہ «مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ» (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن پڑھتا ہے لیکن مشقت کے ساتھ (ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھ سکتا) اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔“ (صحيح البخاري، حديث: 4937، و صحيح مسلم، حديث: 798)

⑬ اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے، ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ اور ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ فعل تعجب ہے، کس قدر ناشکرا ہے۔ آگے اس کَفُور (ناشکرے) انسان کو غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آ جائے۔

① یعنی جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرۂ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟

② اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالح نفس اسے مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ، دو پیر اور دو آنکھیں اور دیگر آلات وحواس عطا کیے۔

③ یعنی خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

④ یعنی موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے توقیری ہوتی۔ یا یہ کہ مرنے کے بعد وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے، جو جہاں ہوتا ہے وہی جگہ اس کی قبر بن جاتی ہے۔

⑤ یعنی معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

⑥ کہ اسے اللہ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور کس طرح اس کے لیے اسباب معاش مہیا کیے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے سعادت اخروی حاصل کر سکے۔

⑦ ﴿اَبًّا﴾ وہ گھاس، چارہ جو خود رو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

الصَّآخَّةُ ﴿33﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿34﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿35﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿36﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿37﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿38﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿39﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿40﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿41﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿42﴾

ع 1 42 5

اٰيَاتُهَا: 29 (81) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (7) رُكُوْعُهَا: 1

سورۂ تکویر ﷺ مکی ہے، اس میں 29 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿1﴾ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿2﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿3﴾ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿4﴾

دینے والی (قیامت) آجائے گی ﴿33﴾[1] اُس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے ﴿34﴾ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ﴿35﴾ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے ﴿36﴾ اُن میں سے ہر ایک کو اُس دن ایسی فکر (دامن گیر) ہوگی جو اُسے بے پروا بنا دے گی ﴿37﴾[2] اُس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ﴿38﴾ (جو) ہنستے ہوئے اور ہشاش بشاش ہوں گے ﴿39﴾[3] اور بہت سے چہرے اُس دن غبار آلود ہوں گے ﴿40﴾ جن پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ﴿41﴾[4] وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے ﴿42﴾[5]

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا ﴿1﴾[6] اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے ﴿2﴾[7] اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے ﴿3﴾[8] اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی ﴿4﴾[9]

① قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ (بہرا کر دینے والی) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

② یا اپنے اقرباء اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گی۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ میدان محشر میں ننگے بدن، ننگے پیر، پیدل اور غیر مختون ہوں گے۔ حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا: اس طرح سے تو اعضائے مستورہ ظاہر ہوں گے؟ نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی، یعنی ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (جامع الترمذي، حدیث: 3332) تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس سے کچھ نیکیاں مانگیں الغرض نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ایک کے پاس لوگ جائیں گے کہ ان کی شفاعت کریں لیکن وہ کہیں گے کہ ہم تو آج اللہ تعالیٰ سے اپنی سلامتی کے طلب گار ہیں۔ (ابن کثیر)

③ یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جنھیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انھیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا اور ان کے چہرے خوشی سے تمتمار ہے ہوں گے۔

④ یعنی ذلت اور معائنۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

⑤ یعنی اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بد اطوار بھی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

▩ اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو اس طرح دیکھے جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾، ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ⑤ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ⑦ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ⑪ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ⑬ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ⑭ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ⑮ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ⑯ وَالَّيْلِ إِذَا

اور جب وحشی جانور اکٹھے کیے جائیں گے⑤ [1] اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے⑥ [2] اور جب جانیں (جسموں سے) ملا دی جائیں گی⑦ [3] اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا⑧ کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی؟⑨ [4] اور جب نامۂ اعمال کھول دیے جائیں گے⑩ [5] اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی⑪ [6] اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی⑫ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی⑬ تو اُس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا ہوگا⑭ [7] پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے⑮ چلنے پھرنے والے، چھپنے والے ستاروں کی⑯ [8] اور رات کی جب

﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3333، ومسند أحمد: 27/2 و 36 و 100، و ذكره الألباني في الصحيحة: 69/3)

[6] یعنی جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا۔ جس سے اس کی روشنی از خود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے: «اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، حديث: 3200) ''قیامت والے دن چاند اور سورج لپیٹ دیے جائیں گے۔'' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین مزید ذلیل وخوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔ (فتح الباري: 360/6)

[7] دوسرا ترجمہ ہے جھڑ کر گر جائیں گے، یعنی آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔

[8] یعنی انھیں زمین سے اکھیڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔

[9] ﴿الْعِشَارُ﴾ عُشَرَاءُ کی جمع ہے، حمل والیاں، یعنی گابھن اونٹنیاں۔ گابھن اونٹنیاں، جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنیاں بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔

[1] یعنی انھیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔

[2] یعنی ان میں اللہ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

[3] اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب وہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بد کو بدوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ۔

[4] اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہوگا نہ کہ مَوْءُودَة جس سے بظاہر سوال ہوگا۔

[5] موت کے وقت یہ صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیے جائیں گے جنھیں ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔

[6] یعنی وہ اس طرح ادھیڑ دیے جائیں گے جس طرح چھت ادھیڑ دی جاتی ہے۔

عَسْعَسَ ﴿17﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿18﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿19﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿20﴾
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿21﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿22﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿23﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
بِضَنِيْنٍ ﴿24﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿25﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿26﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿27﴾ لِمَنْ شَآءَ

جانے لگے ﴿17﴾ [1] اور صبح کی جب چمکنے لگے ﴿18﴾ [2] یقیناً یہ (قرآن) ایک بزرگ رسول کا کہا ہوا ہے ﴿19﴾ [3] جو قوت والا ہے، [4] عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ﴿20﴾ جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے اور امین [5] ہے ﴿21﴾ اور تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے ﴿22﴾ [6] اُس نے اُس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا بھی ہے ﴿23﴾ [7] اور یہ غیب کی باتوں کو بتلانے پر بخیل بھی نہیں ﴿24﴾ [8] اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں ﴿25﴾ [9] پھر تم کہاں جا رہے ہو؟ ﴿26﴾ [10] یہ تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت نامہ ہے ﴿27﴾ (بالخصوص) اُس کے

---

⑦ یہ جواب ہے، یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے۔ اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آ جائے گی۔

⑧ اس سے مراد ستارے ہیں خُنَّسٌ خَنَسَ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اور یہ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں، یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں کیونکہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کو چھپے رہتے ہیں۔ ﴿الْجَوَارِ﴾ چلنے والے، ﴿الْكُنَّسِ﴾ چھپ جانے والے، جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

① ﴿عَسْعَسَ﴾ اضداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

② یعنی جب اس کا ظہور وطلوع ہو جائے یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔

③ اس لیے کہ وہ اسے اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

④ یعنی جو کام اس کے سپرد کیا جائے، اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

⑤ یعنی فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے، نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔

⑥ یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمھارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی، (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو کہ کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف وحقائق بیان کر سکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔

⑦ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے جنھوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر دیکھا جیسا کہ سورۂ نجم میں تفصیل گزر چکی ہے۔

⑧ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وضاحت کی جا رہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے اور جو احکام وفرائض آپ کو بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضۂ رسالت کی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿28﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿29﴾

سورۂ انفطار مکی ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔	اٰیاتُھَا 19 (82) سُوۡرَةُ الۡاِنۡفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (82) رُکُوۡعُھَا 1

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ﴿1﴾ وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ ﴿2﴾ وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ﴿3﴾ وَاِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ﴿4﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَاَخَّرَتۡ ﴿5﴾ يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ ﴿6﴾ الَّذِىۡ خَلَقَكَ

لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے ﴿28﴾ اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو رب العالمین چاہے ﴿29﴾[1]

جب آسمان پھٹ جائے گا ﴿1﴾[2] اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ﴿2﴾ اور جب سمندر بہہ نکلیں گے ﴿3﴾[3] اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ﴿4﴾[4] (اُس وقت) ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اور پیچھے چھوڑے ہوئے (اگلے پچھلے اعمال) کو معلوم کر لے گا ﴿5﴾[5] اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ ﴿6﴾[6] جس (رب) نے تجھے پیدا کیا،[7]

---

(9) جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں ادھوری شکل میں انھیں بتلا دیتے ہیں۔ قرآن ایسا نہیں ہے۔

(10) یعنی کیوں اس سے اعراض کرتے ہو۔ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

(1) یعنی تمھاری چاہت، اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، جب تک تمھاری چاہت کے ساتھ اللہ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو ﴿ اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ ﴾ (القصص 56:28) وغیرہ آیات میں بیان ہوا ہے، یعنی ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے، پیغمبر بھی جس کو چاہے، ہدایت نہیں دے سکتا۔

(2) یعنی اللہ کے حکم اور اس کی ہیبت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

(3) سب کا پانی ایک ہی سمندر میں جمع ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ پچھمی ہوا بھیجے گا جو اس میں آگ بھڑکا دے گی جس سے فلک شگاف شعلے بلند ہوں گے۔

(4) یعنی قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ ﴿ بُعۡثِرَتۡ ﴾ اکھیڑ دی جائیں گی یا ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی۔

(5) یعنی جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا۔ جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہوگا، وہ سامنے آ جائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار و عمل کے اچھے یا برے نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، اس کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو جو بھی اسے اپنائے گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا جسکی مساعی سے وہ برا طریقہ یا کام رائج ہوا۔

(6) یعنی کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھ پر احسان کیا اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل و فہم عطا کی اور اسباب حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

(7) یعنی حقیر نطفے سے جبکہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔

فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ⑦ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ⑨ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ⑩ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ⑪ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ⑬ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ⑭ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ⑮ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ⑯ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑰

پھر ٹھیک ٹھاک کیا، [1] پھر (درست اور) برابر بنایا⑦ [2] جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا⑧ [3] ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو⑨ [4] حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں⑩ باعزت لکھنے والے⑪ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں⑫ [5] یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش و آرام اور) نعمتوں میں ہوں گے⑬ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے⑭ [6] جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے⑮ [7] وہ اُس سے کبھی غائب نہ ہونے پائیں گے⑯ [8] تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بدلے کا دن کیا ہے؟⑰

[1] یعنی تجھے ایک کامل انسان بنا دیا تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔

[2] تجھے معتدل، کھڑا اور حسن صورت والا بنایا یا تیری دونوں آنکھوں، دونوں کانوں، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضاء میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کی بجائے بے ڈھبا پن ہوتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر أَحْسَنِ تَقْوِيم سے تعبیر فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ (التین 4:95) ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا۔''

[3] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنا دے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، ڈھال دے حتیٰ کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل میں ہی پیدا فرماتا ہے۔

[4] ﴿ كَلَّا ﴾ حَقًّا کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رأفت و رحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے، یعنی اس فریب نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمھارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔

[5] یعنی تم تو جزا و سزا کے منکر ہو لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمھاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے کہ ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو پہلے گزر چکی ہے، مثلاً: ﴿ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ ﴾ (ق 18,17:50) ''ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس نگران تیار اور حاضر ہے۔'' یعنی لکھنے کے لیے۔ کہتے ہیں ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آگے نیکوں اور بدوں، دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

[6] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ○ ﴾ (الشوریٰ 7:42) ''ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں۔''

[7] یعنی جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے، اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿18﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿19﴾ ع

اٰيَاتُهَا 36 (83) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (86) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ مطففین کی ہے، اس میں 36 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿1﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿2﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿3﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿4﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿5﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿6﴾

میں پھر کہتا ہوں کہ تجھے کیا معلوم کہ جزا (اور سزا) کا دن کیا ہے؟﴿18﴾[1] جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مختار نہ ہوگا اور (تمام تر) احکام اُس روز اللہ ہی کے ہوں گے ﴿19﴾[2]

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی ﴿1﴾ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں ﴿2﴾ اور جب اُنھیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں ﴿3﴾[3] کیا اُنھیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال ﴿4﴾ اُس عظیم دن کے لیے ﴿5﴾ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ﴿6﴾[4]

---

(8) یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

(1) تکرار، اس کی عظمت وفَخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

(2) یعنی دنیا میں تو اللہ نے عارضی طور پر، آزمانے کے لیے، انسانوں کو کم وبیش کے کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں۔ لیکن قیامت والے دن تمام اختیارات کُلِّیَۃً صرف اور صرف اللہ کے پاس ہوں گے، جیسے فرمایا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن 16:40) چنانچہ نبی ﷺ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمادیا تھا: «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا» (صحيح مسلم، حديث: 205) اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنبہ فرمادیا: «أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا» (صحيح البخاري، حديث: 4771، و صحيح مسلم، حديث: 204) "تم اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ، پس بے شک میں تمھیں اللہ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"

بعض اسے مکی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں، بعض کے نزدیک مکے اور مدینے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول کے لحاظ سے گھٹیا ترین لوگ تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، جس کے بعد انھوں نے اپنی ناپ تول صحیح کرلی۔ (سنن ابن ماجه، حديث: 2223)

(3) یعنی لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا، بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا وآخرت میں تباہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: "جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کردیا جاتا ہے۔" (سنن ابن ماجه، حديث: 4019 ذكره الألباني في الصحيحة: 216/1 من عدة طرق و له شواهد)

(4) یعنی یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝7 وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝8 كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝9 وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝10

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝11 وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝12 اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝13 كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝14 كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ

یقیناً بدکاروں کا نامۂ اعمال سجین میں ہے⑦ [1] تجھے کیا معلوم سجین کیا ہے؟⑧ (یہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے⑨ اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے⑩ جو جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے⑪ اسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا (اور) گناہ گار ہوتا ہے⑫ جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ پہلوں کے افسانے ہیں⑬ [2] یوں نہیں [3] بلکہ اُن کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ (چڑھ گیا) ہے⑭ [4] ہرگز نہیں یہ لوگ اُس دن اپنے رب سے

خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جس وقت رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے تو پسینہ انسانوں کے آدھے آدھے کانوں تک پہنچا ہوگا۔ (صحيح البخاري، حديث: 4938) ایک اور روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سورج مخلوق کے اتنا قریب ہوگا کہ ایک میل کی مقدار کے قریب فاصلہ ہوگا۔ (حدیث کے راوی حضرت سلیم بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل مراد لیا ہے یا وہ سلائی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے) پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے، یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک ہوگا اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔ (صحيح مسلم، حديث: 2864)

① ﴿سِجِّيْنٍ﴾ بعض کہتے ہیں سِجْنٌ ''قیدخانہ'' سے ہے، مطلب ہے کہ قیدخانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے، جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے آگے اسے ''لکھی ہوئی کتاب'' قرار دیا ہے۔

② یعنی اس کا گناہوں میں انہماک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ان پر غور وفکر کرنے کی بجائے انھیں پہلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

③ یعنی یہ قرآن کہانیاں نہیں جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول پر جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

④ یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الٰہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں۔ الرَّانُ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکاب گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کی بجائے، گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ الرَّانُ ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3334، وسنن ابن ماجه، حديث: 4244، و مسند أحمد: 297/2)

يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ⑮ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ⑰ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ⑱ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ⑲ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ⑳ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ㉑ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ㉒ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ㉓ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ㉔ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ㉕ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ㉖ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ㉗ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ㉘ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ㉙

اوٹ میں رکھے جائیں گے ⑮ [1] پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جھونکے جائیں گے ⑯ پھر کہہ دیا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے رہے ⑰ یقیناً یقیناً نیکوکاروں کا نامۂ اعمال علیین میں ہے ⑱ [2] تجھے کیا پتا کہ علیین کیا ہے؟ ⑲ (وہ تو) لکھی ہوئی کتاب ہے ⑳ مقرب (فرشتے) اس کا مشاہدہ کرتے ہیں ㉑ یقیناً نیک لوگ (بڑی) نعمتوں میں ہوں ㉒ مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ㉓ تُو ان کے چہروں سے ہی نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا ㉔ [3] یہ لوگ سربمہر خالص شراب پلائے جائیں گے ㉕ [4] جس پر مشک کی مُہر ہوگی، رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہیے ㉖ [5] اور اِس کی آمیزش تسنیم کی ہوگی ㉗ [6] (یعنی) وہ چشمہ جس کا پانی مقرب لوگ پئیں گے ㉘ گناہ گار لوگ ایمان داروں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے ㉙ [7]

---

① ان کے برعکس اہل ایمان رؤیت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

② ﴿عِلِّيِّينَ﴾ عُلُوٌّ (بلندی) سے ہے۔ یہ سِجِّینٌ کے برعکس، آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہیٰ یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں جس کے پاس مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

③ جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے جو ان آسائشوں، سہولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انھیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی جو ارزانی ہوگی، اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

④ ﴿رَحِيقٍ﴾ صاف، شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ ﴿مَّخْتُومٍ﴾ "سربمہر" اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دوبالا اور خوشبو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں: یہ ختم سے ہے، یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہوگا۔ بعض ﴿خِتَامُهُ﴾ کے معنی خوشبو کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ (ابن کثیر) حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جس مومن نے کسی پیاسے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن اَلرَّحِيقُ الْمَخْتُومُ پلائے گا، جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا، جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔" (مسند أحمد: 14,13/3 وإسناده ضعيف)

⑤ یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل ہوں، جیسے فرمایا: ﴿لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾ (الصّٰفّٰت 61:37) "اس جیسی چیز کے لیے ہی عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔"

وَاِذَا مَرُّوۡا بِهِمۡ يَتَغَامَزُوۡنَ ﴿30﴾ وَاِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمُ انۡقَلَبُوۡا فَكِهِيۡنَ ﴿31﴾ وَاِذَا رَاَوۡهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ لَضَآلُّوۡنَ ﴿32﴾ وَمَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَيۡهِمۡ حٰفِظِيۡنَ ﴿33﴾ فَالۡيَوۡمَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡكُفَّارِ يَضۡحَكُوۡنَ ﴿34﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ يَنۡظُرُوۡنَ ﴿35﴾ هَلۡ ثُوِّبَ الۡكُفَّارُ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿36﴾

ع 1 36/8

اٰيَاتُهَا: 25 (84) سُوۡرَةُ الۡاِنۡشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (83) رُكُوۡعُهَا: 1	سورۂ انشقاق مکی ہے، اس میں 25 آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اور اِن کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ کے اشارے کرتے تھے ﴿30﴾[1] اور جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے تھے ﴿31﴾[2] اور جب اُنھیں دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ گمراہ ہیں ﴿32﴾[3] یہ اُن پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ﴿33﴾[4] پس آج ایمان دار اُن کافروں پر ہنسیں گے ﴿34﴾[5] تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں ﴿35﴾ کہ اب ان منکروں نے جیسا یہ کرتے تھے پورا پورا بدلہ پالیا ﴿36﴾[6]

﴿تَسۡنِيۡمٍ﴾ کے معنی، بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے، اسے سَنَامٌ کہتے ہیں۔ قبر کے اونچا کرنے کو بھی تَسْنِيمُ الْقُبُورِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسنیم شراب کی آمیزش ہوگی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہوگی۔

یعنی انھیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

[1] غَمْزٌ کے معنی ہوتے ہیں: پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کر کے ان کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے۔

[2] یعنی اہل ایمان کا ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل لگیاں کرتے۔ دوسرا مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ انھیں مل جاتا۔ اس کے باوجود انھوں نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے میں ہی مشغول رہے۔ (ابن کثیر)

[3] یعنی اہل توحید، اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں حتیٰ کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى۔

[4] یعنی یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مُکلّف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں۔

[5] یعنی جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنستے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر ہنسیں گے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہنستے تھے۔ آج ان کو پتا چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزا کیا جائے؟

[6] ﴿ثُوِّبَ﴾ بمعنی أُثِيبَ، بدلہ دے دیے گئے، یعنی کیا کافروں کو، جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ؕ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ

جب آسمان پھٹ جائے گا① اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا[2] اور یہی اس کے لائق ہے②[3] اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے گی③[4] اور اُس میں جو ہے اُسے وہ اُگل دے گی اور خالی ہو جائے گی④[5] اور اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی[6] اور یہی اس کے لائق ہے⑤ اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اُس سے ملاقات کرنے والا ہے⑥[7] تو (اُس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا⑦ تو اُس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا⑧[8] اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا⑨[9] ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اُس کی پیٹھ کے پیچھے

---

[1] یعنی جب قیامت برپا ہوگی۔

[2] یعنی اللہ اس کو پھٹنے کا جو حکم دے گا، اسے سنے گا اور اطاعت کرے گا۔

[3] یعنی اس کے یہی لائق ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ وہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں۔ اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہو سکتی ہے؟

[4] یعنی اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کر دی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں، سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا۔ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

[5] یعنی اس میں جو مردے دفن ہیں، سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں، وہ انھیں ظاہر کر دے گی اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

[6] یعنی اِلْقَاء اور تَخَلِّي کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

[7] یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ ﴿ كَدْحًا ﴾ سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی، یعنی قیامت آ جائے گی تو اے انسان! تو نے جو بھی، اچھا یا برا، عمل کیا ہو گا وہ تو اپنے سامنے پا لے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل و وضاحت ہے۔

[8] آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہو گا۔ اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے انھیں معاف فرما دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا، اس کا حساب آسان ہو گا۔'' (مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہو گا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہو گا) آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی: ''یہ تو پیشی ہے۔ (مومن کے ساتھ معاملہ شدید حساب کا نہیں ہو گا، ایک سرسری سی پیشی ہو گی) مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، جس کا مناقشہ ہوا، یعنی پوچھ گچھ ہوئی وہ مارا گیا۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4939) ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا پڑھتے تھے:

ظَهْرِهٖ ⑩ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ⑱ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ⑲ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۩ ㉑ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ㉒ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ㉓ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ㉔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے دیا جائے گا⑩ تو وہ موت کو بلانے لگے گا⑪ [1] اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا⑫ یہ شخص اپنے گھر والوں میں بڑا خوش تھا⑬ [2] اس کا خیال تھا کہ اللہ کی طرف لوٹ کر ہی نہ جائے گا⑭ [3] کیوں نہیں، [4] حالانکہ اس کا رب اسے بخوبی دیکھ رہا تھا⑮ [5] مجھے شفق کی قسم!⑯ [6] اور رات کی! اور اس کی جمع کردہ [7] چیزوں کی قسم!⑰ اور چاند کی جب کہ وہ بھر جاتا ہے⑱ [8] یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت پر پہنچو گے⑲ [9] اُنھیں کیا ہوگیا کہ ایمان نہیں لاتے⑳ اور جب اُن کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے㉑ [10] بلکہ جنھوں نے کفر کیا وہ جھٹلا رہے ہیں㉒ [11] اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ دلوں میں رکھتے ہیں㉓ [12] اُنھیں المناک عذابوں کی خوشخبری سنا دو㉔ ہاں، جو لوگ ایمان لائے

«اَللّٰهُمَّ! حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيرًا» ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا۔'' نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا: حسابِ یسیر ''آسان حساب'' کا کیا مطلب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرما دے گا......'' (مسند أحمد: 48/6)

⑨ یعنی جو اس کے گھر والوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حورعین اور ولدان (نوعمر خادم) ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

① ﴿ثُبُوْرًا﴾ ہلاکت، خسارا، یعنی وہ چیخے گا، پکارے گا اور واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہوگیا۔

② یعنی دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھر والوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

③ یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے، یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حَوْرٌ کے معنی ہیں: لوٹنا۔ جس طرح نبی ﷺ کی دعا ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ» (صحیح مسلم، حدیث: 1343، وجامع الترمذي، حدیث: 3439، وسنن ابن ماجه، حدیث: 3888) مطلب ہے: ''اس بات سے میں پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں۔''

④ کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو یا بَلٰی، کیوں نہیں، یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

⑤ یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

⑥ شَفَق اُس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے تک رہتی ہے۔

⑦ اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماویٰ اور مسکن کی طرف سمٹ آتی ہے، یعنی رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

⑧ ﴿اِذَا اتَّسَقَ﴾ کے معنی ہیں: جب وہ مکمل ہو جائے، جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سولھویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

⑨ ﴿طَبَقٍ﴾ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے، یعنی اس روز ایک سے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾

ع 1 / 25 / 9

اٰيَاتُهَا: 22 (85) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (27) رُكُوْعُهَا: 1	سورۂ بروج ■ مکی ہے، اس میں 22 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿1﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿2﴾ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ﴿3﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿4﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿5﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿6﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿7﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے بے شمار اور نہ ختم ہونے والا اجر ہے ﴿25﴾

بُرجوں والے آسمان کی قسم! ﴿1﴾ [1] وعدہ کیے ہوئے دن کی قسم! ﴿2﴾ [2] حاضر ہونے والے اور حاضر کیے گئے کی قسم! ﴿3﴾ [3] (کہ) خندقوں والے ہلاک کیے گئے ﴿4﴾ [4] وہ ایک آگ تھی ایندھن والی ﴿5﴾ [5] جب کہ وہ لوگ اُس کے آس پاس بیٹھے تھے ﴿6﴾ [6] اور مسلمانوں کے ساتھ جو وہ کر رہے تھے اس پر خود شاہد تھے ﴿7﴾ یہ لوگ اُن مسلمانوں سے (کسی اور گناہ کا) بدلہ نہیں لے رہے تھے،

بڑھ کر ایک حالت طاری ہوگی۔ (فتح الباري: 891/8) یہ جواب قسم ہے۔

⑩ احادیث سے یہاں نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔

⑪ یعنی ایمان لانے کی بجائے جھٹلاتے ہیں۔

⑫ یعنی تکذیب یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

■ نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھتے تھے۔ (جامع الترمذي، حديث: 307)

① ﴿الْبُرُوْجِ﴾ بُرْجٌ، محل کی جمع ہے۔ بُرْجٌ کے اصل معنی ہیں: ظہور۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنھیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انھیں بروج کہا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۂ فرقان 61:25 کا حاشیہ۔ بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں، یعنی ستاروں والے آسمان کی قسم! بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔ (فتح القدير)

② اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

③ شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعے کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے عرفے (9 ذوالحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔

④ یعنی جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے، ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ۔ اللہ کی رحمت سے دوری اور بربادی۔

⑤ ﴿النَّارِ﴾ الاُخْدُود سے بدل اشتمال ہے۔ ذَاتِ الْوَقُوْدِ، النَّار کی صفت ہے، یعنی یہ خندقیں کیا تھیں۔ ایندھن والی آگ تھی جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔

⑥ کافر بادشاہ یا اس کے کارندے، آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سوائے اس کے کہ وہ اللہ غالب قابلِ ستائش ذات پر ایمان لائے تھے⑧ [1] وہی جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے⑨ بے شک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا، پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے ⑩ بے شک ایمان قبول کرنے والوں

[1] یعنی ان لوگوں کا جرم جنھیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل جو صحیح احادیث سے ثابت ہے مختصرًا حسب ذیل ہے:

واقعۂ اصحاب الاخدود: ”گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ایک ذہین لڑکا دو جسے میں یہ علم سکھا دوں، چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کے سپرد کر دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب بھی رہتا تھا، یہ لڑکا اس کے پاس جا کر بیٹھا اور اس کی باتیں سنیں اور پسند آ گئیں، اس کے بعد یہ لڑکا آتے جاتے اس کے پاس بھی بیٹھتا اور اس کی باتیں سنتا۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لڑکا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بہت بڑے جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ آج میں پتا کرتا ہوں کہ جادوگر صحیح ہے یا راہب۔ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: ”اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو مار دے تاکہ لوگوں کی آمدورفت جاری ہو جائے۔“ یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور وہ جانور مر گیا۔ لڑکے نے جا کر یہ واقعہ راہب کو بتلایا۔ راہب نے کہا کہ بیٹے! اب تم فضل و کمال کو پہنچ گئے ہو اور تمھاری آزمائش شروع ہونے والی ہے لیکن اس دورِ ابتلا میں میرا نام ظاہر نہ کرنا۔ یہ لڑکا مادرزاد اندھے، اَبرَص اور دیگر بعض بیماریوں کا علاج بھی کرتا تھا لیکن ایمان باللہ کی شرط پر، اسی شرط پر اس نے بادشاہ کے ایک نابینا مصاحب کی آنکھیں بھی اللہ سے دعا کر کے صحیح کر دیں۔ یہ لڑکا یہی کہتا تھا کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، وہ شفا عطا فرما دے گا، چنانچہ اس کی دعا سے اللہ شفایاب فرما دیتا۔ یہ خبر بادشاہ تک بھی پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا، بعض اہلِ ایمان کو تو اس نے قتل کروا دیا۔ اس لڑکے کے بارے میں اس نے چند آدمیوں کو کہا کہ اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر نیچے پھینک دو، اس نے اللہ سے دعا کی، پہاڑ میں لرزش پیدا ہوئی، جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچا لیا۔ بادشاہ نے اسے دوسرے آدمیوں کے سپرد کر کے کہا کہ ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر کے بیچ میں لے جا کر اسے پھینک دو، وہاں بھی اس کی دعا سے کشتی الٹ گئی، جس سے وہ سب غرق ہو گئے اور یہ بچ گیا۔ اس لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اگر تو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کر اور بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ”لڑکے کے رب، اللہ کے نام سے۔“ کہہ کر مجھے تیر مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جس سے وہ لڑکا مر گیا لیکن سارے لوگ پکار اٹھے کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا، چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھٹھکی تو بچہ بول پڑا کہ اماں! صبر کر تو حق پر ہے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 3005 ملخصًا) امام ابن کثیر نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں جو اس سے مختلف ہیں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ⑫

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ⑮ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ⑯ هَلْ اَتٰىكَ

حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ⑱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ⑲ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ⑳ بَلْ

هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ㉑ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ㉒

ع 1 / 22 / 10

اور نیک کام کرنے والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ⑪ یقیناً تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے ⑫[1] وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا ⑬[2] وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے ⑭ عرش کا مالک، عظمت والا ہے ⑮[3] جو چاہے اُسے کر گزرنے والا ہے ⑯[4] تجھے لشکروں کی خبر بھی ملی ⑰[5] (یعنی) فرعون اور ثمود کی ⑱ بلکہ کافر تو جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں ⑲ اور اللہ بھی اُنھیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ⑳[6] بلکہ یہ قرآن ہے ہی بڑی شان والا ㉑ لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ㉒[7]

اور کہا ہے: ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر)

① یعنی جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت کرنے پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ تو پھر اس کی گرفت سے انھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

② یعنی وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انھیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

③ یعنی تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش جو سب سے اوپر ہے، وہ اس کا مستقر ہے جیسا کہ صحابہ و تابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ ﴿الْمَجِيْدُ﴾ ''اونچی شان و بزرگی والا'' اس میں دو قراءتیں ہیں، ایک میں یہ مرفوع ہے، اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ دوسری قراءت میں یہ مجرور ہے، اس صورت میں یہ عرش کی صفت بنے گی۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔ (ابن کثیر)

④ یعنی وہ جو چاہے کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا: کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا۔ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ فرمایا: اس نے کہا ہے: إِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا أُرِيدُ میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں۔ (ابن کثیر) مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آ گیا ہے اور اللہ ہی اب میرا طبیب ہے جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔

⑤ یعنی ان پر جب میرا عذاب آیا اور میں نے انھیں اپنی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔

⑥ یہ ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ ہی کا اثبات اور اس کی تاکید ہے۔

⑦ یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت و اقتضا اسے نازل فرماتا ہے۔

اٰيَاتُهَا 17 (86) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (36) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ طارق مکی ہے، اس میں 17 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪ وَالْاَرْضِ ذَاتِ

قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں روشن ہونے والے کی! ① تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ ② وہ روشن ستارہ ہے ③ [1] کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو ④ [2] انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ⑤ وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ⑥ [3] جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے ⑦ [4] بے شک وہ اُسے پھیر لانے پر یقیناً قدرت رکھنے والا ہے ⑧ [5] جس دن پوشیدہ بھیدوں کی جانچ پڑتال ہوگی ⑨ [6] تو نہ ہوگا اُس کے پاس کچھ زور نہ مددگار ⑩ [7] بارش والے آسمان کی قسم! ⑪ [8] اور پھٹنے والی زمین

حضرت خالد عدوانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بازار ثقیف میں کمان یا لاٹھی کے سہارے پر کھڑے دیکھا، آپ ان کے پاس ان سے مدد حاصل کرنے آئے تھے، میں نے وہاں آپ سے سورۂ طارق سنی، میں نے اسے یاد کر لیا، درآں حالیکہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، پھر مجھے اللہ نے اسلام سے نواز دیا اور اسلام کی حالت میں میں نے اسے پڑھا۔ (مسند أحمد: 335/4، و مجمع الزوائد: 287/7، ضعیف) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مغرب (اور ایک روایت کے مطابق عشاء) کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو فرمایا: ''لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے۔ تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾، ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ اور اس جیسی سورتیں ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ وغیرہ کیوں نہ پڑھیں؟'' (سنن النسائي مع التعليقات السلفية: 87/2 السلفيه برقم 985)

① طارق سے کیا مراد ہے۔ خود قرآن نے واضح کر دیا: روشن ستارہ۔ ﴿الطَّارِقُ﴾ طُرُوقٌ سے ہے، جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

② یعنی ہر نفس پر اللہ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت: 11 سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

③ یعنی منی سے جو قضائے شہوت کے وقت زور سے نکلتی ہے۔ یہی قطرۂ آب (منی) رحم عورت میں جا کر، اگر اللہ کا حکم ہوتا ہے تو، حمل کا باعث بنتا ہے۔

④ کہا جاتا ہے کہ پیٹھ مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں مل کر ایک ہی بن جاتا ہے۔ ﴿التَّرَآئِبِ﴾ تَرِيبَةٌ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو ہار پہننے کی جگہ ہے۔

⑤ یعنی انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۂ آب کو دوبارہ

الصَّدۡعِ ﴿12﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿13﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿14﴾ اِنَّهُمۡ یَكِیۡدُوۡنَ كَیۡدًا ﴿15﴾ وَّاَكِیۡدُ كَیۡدًا ﴿16﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِیۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَیۡدًا ﴿17﴾

ع 1/17/11

کی قسم! ﴿12﴾ ① بے شک یہ (قرآن) البتہ دوٹوک فیصلہ کرنے والا کلام ہے ﴿13﴾ ② یہ ہنسی کی (اور بے فائدہ) بات نہیں ﴿14﴾ ③ البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں ﴿15﴾ ④ اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں ﴿16﴾ ⑤ تُو کافروں کو مہلت دے، ⑥ اُنھیں چند دنوں تک چھوڑ دے ﴿17﴾

شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پہلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

⑥ یعنی ظاہر ہو جائیں گے کیونکہ ان پر جزا و سزا ہوگی۔ بلکہ حدیث میں آتا ہے: ''ہر غدر (بدعہدی) کرنے والے کے سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 3188، وصحیح مسلم، حدیث: 1736) مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔

⑦ یعنی خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا مددگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

⑧ ﴿الرَّجۡعِ﴾ کے لغوی معنی ہیں: لوٹنا پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔ (فتح القدیر)

① یعنی زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے، اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شگاف والی کہا۔

② یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔

③ یعنی کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے، هَزْلٌ، جِدٌّ (سنجیدگی و حقیقت) کی ضد ہے، یعنی ایک واضح سنجیدہ مقصد کی حامل کتاب ہے، لہو و لعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

④ یعنی نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں، اس کو ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں یا نبی ﷺ کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

⑤ یعنی میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ ﴿كَیۡدًا﴾ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

⑥ یعنی ان کے لیے تعجیل عذاب کا سوال نہ کر بلکہ انھیں کچھ مہلت دے دے۔ رُوَیْدًا قَلِیلًا یا قَرِیبًا یہ اِمْهَال و اِسْتِدْراج بھی کافروں کے حق میں اللہ کی طرف سے ایک کَیْد کی صورت ہے، جیسے فرمایا: ﴿سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ وَاُمۡلِیۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ○﴾ (الأعراف 7:182،183) ''ہم ان کو بتدریج لیے جا رہے ہیں، اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

اٰیَاتُهَا 19 (87) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (8) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ اعلیٰ مکی ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩ وَيَتَجَنَّبُهَا

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر① [1] جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا② [2] اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی③ [3] اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی④ [4] پھر اس نے اس کو سیاہ کوڑا کر دیا⑤ [5] ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا⑥ [6] مگر جو کچھ اللہ چاہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے⑦ [7] ہم آپ کے لیے آسانی پیدا کر دیں گے⑧ [8] تو آپ نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت کچھ فائدہ دے⑨ [9] ڈرنے والا تو نصیحت لے گا⑩ [10] (ہاں) بدبخت اس

رسول اللہ ﷺ یہ سورت اور سورۂ غاشیہ عیدین اور جمعہ کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ نبی ﷺ نے ایک موقعے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی، ان میں ایک یہ بھی تھی۔ (سنن النسائي، حديث: 985)

[1] یعنی ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ پڑھتے تو اس کے جواب میں پھر کہتے: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى» (مسند أحمد: 232/1، و سنن أبي داود، حديث: 883 وقال الألباني صحيح) جواب کون دے؟ صرف پڑھنے والا یا سننے والا بھی۔ بظاہر تو یہ حکم صرف پڑھنے والے کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں سامع کا ذکر نہیں ہے، اس لیے راجح قول یہی ہے۔

[2] دیکھیے سورۂ انفطار کا حاشیہ: 6

[3] یعنی نیکی اور بدی کی۔ اسی طرح ضروریات زندگی کی یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ ﴿قَدَّرَ﴾ کا مفہوم ہے: اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع وصفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرما دی تاکہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

[4] جسے جانور چرتے ہیں۔

[5] گھاس خشک ہو جائے تو اسے ﴿غُثَآءً﴾ کہتے ہیں، ﴿اَحْوٰى﴾ سیاہ کر دیا، یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم سکھا کر سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

[6] حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تاکہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے، یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔ مگر جسے اللہ چاہے گا لیکن اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد ہی رہا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلوا دے گا۔ (فتح القدير)

[7] یہ عام ہے، جہر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ ﷺ یاد کر لیں اور جو آپ کے سینے سے محو کر دیا جائے، وہ مخفی ہے۔ اس

الْاَشْقَى ﴿11﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿12﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿13﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿14﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿15﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿16﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿17﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿18﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿19﴾

ع 1 · 19 · 12

اٰيَاتُهَا 26 (88) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ (68) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ غاشیہ مکی ہے، اس میں 26 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سے گریز کرے گا ﴿11﴾ جو بڑی آگ میں جائے گا ﴿12﴾ جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جیے گا، (بلکہ حالتِ نزع میں پڑا رہے گا) ﴿13﴾ بے شک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا ﴿14﴾ اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا ﴿15﴾ لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو ﴿16﴾ اور آخرت بہت بہتر اور بہت بقا والی ہے ﴿17﴾ یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں ﴿18﴾ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں ﴿19﴾

طرح جہراونچی آواز سے پڑھے، خفی پست آواز سے پڑھے۔ خفی، چھپ کر عمل کرے اور جہر ظاہری عمل، ان سب کو اللہ جانتا ہے۔

● یہ بھی عام ہے، مثلاً: ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہوگا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے، ہم آپ کے لیے ایسے افعال واقوال آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہوگی جس میں کوئی کجی، عسر اور تنگی نہیں ہوگی۔

● یعنی وعظ ونصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہوگی۔ یہ وعظ ونصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔ (ابن کثیر) امام شوکانی کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے کیونکہ انذار وتبلیغ دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی، یعنی اَوْلَمْ تَنْفَعْ یہاں محذوف ہے۔ (یا فائدہ نہ دے۔)

● یعنی آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا، ان میں خشیت الٰہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

● یعنی اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیونکہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں انہماک جاری رہتا ہے۔

● ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انھیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا حتی کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے، جس سے وہ اس طرح جی اٹھیں گے، جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ اگ آتا ہے۔ (صحيح مسلم، حديث: 185)

● جنھوں نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے اور دلوں کو شرک ومعصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا۔

● کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے عاقل فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

● بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ کے ساتھ سورۂ غاشیہ بھی پڑھتے تھے۔ (موطأ إمام مالك: 117/1)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۟ۚ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۟ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۟ۙ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۟ۙ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۟ؕ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۟ۙ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۟ؕ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۟ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۟ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۟ۙ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۟ؕ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۟ۘ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۟ۙ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۟ۙ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۟ۙ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۟ؕ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۟ٚ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ

کیا تجھے بھی چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے[1] (1) اُس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے (2) [2] محنت کرنے والے تھکے ہوئے (3) [3] وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے (4) اور انھیں نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا (5) [4] اُن کے لیے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا (6) [5] جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے (7) بہت سے چہرے اُس دن تروتازہ (اور آسودہ حال) ہوں گے (8) اپنی کوشش پر خوش ہوں گے (9) بلند و بالا جنتوں میں ہوں گے (10) جہاں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے (11) جہاں بہتا ہوا چشمہ ہوگا (12) (اور) اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے (13) اور آبخورے رکھے ہوئے (ہوں گے) (14) اور ایک قطار میں لگے ہوئے تکیے ہوں گے (15) اور مخملی مسندیں پھیلی پڑی ہوں گی (16) [6] کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں؟ (17) [7] اور آسمان کو کہ کس

---

[1] ﴿ هَلْ ﴾ بمعنی قَدْ ہے۔ ﴿ الْغَاشِيَةِ ﴾ سے مراد قیامت ہے، اس لیے کہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیں گی۔

[2] یعنی کافروں کے چہرے۔ ﴿ خَاشِعَةٌ ﴾ کے معنی ہیں: جھکے ہوئے، پست اور ذلیل۔

[3] ﴿ نَّاصِبَةٌ ﴾ کے معنی ہیں: تھک کر چور ہو جانے والے، یعنی انھیں اتنا پرمشقت عذاب ہوگا کہ اس سے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے، یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے، اس لیے ''عبادات'' اور ''اعمال شاقہ'' کے باوجود جہنم میں جائیں گے، چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴾ سے نصاریٰ مراد لیے ہیں۔ (صحيح البخاري، بعد حديث: 4941)

[4] یہاں وہ سخت کھولتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ (فتح القدير)

[5] یہ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہر حال یہ بھی زَقُّوم کی طرح ایک نہایت تلخ، بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا جو جزو بدن بنے گا نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

[6] یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ ﴿ عَيْنٌ ﴾ بطور جنس کے ہے، یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ ﴿ نَمَارِقُ ﴾ بمعنی وَسَائِد (تکیے) ہے۔ ﴿ زَرَابِيُّ ﴾ مسندیں، قالین اور گدے بستر ﴿ مَبْثُوْثَةٌ ﴾ پھیلی ہوئی، یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ بچھی ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے کر سکیں گے۔

[7] اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی قوت و طاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمھارے لیے نرم اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لاددو، وہ انکار نہیں کرے گا، تمھارا ماتحت ہوکر رہے گا۔ علاوہ ازیں اُس کا گوشت تمھارے کھانے کے، اس

رُفِعَتْ ﴿18﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿19﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿20﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿21﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿22﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿23﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿24﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿25﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿26﴾

ع 1 / 26 / 13

آیاتہا: 30 (89) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (10) رکوعہا: 1

سورۂ فجر مکی ہے، اس میں 30 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ﴿1﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿2﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿3﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿4﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿5﴾

طرح اونچا کیا گیا ہے؟ ﴿18﴾ [1] اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں؟ ﴿19﴾ [2] اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟ ﴿20﴾ [3] پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں ﴿21﴾ [4] آپ اُن پر کوئی داروغہ نہیں ہیں ﴿22﴾ [5] ہاں! جو شخص روگردانی کرے اور کفر کرے ﴿23﴾ اُسے اللہ بہت عذاب دے گا ﴿24﴾ [6] بے شک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے ﴿25﴾ پھر بے شک ہمارے ذمے ہے ان سے حساب لینا ﴿26﴾ [7]

قسم ہے فجر کی! ﴿1﴾ [8] اور دس راتوں کی! ﴿2﴾ [9] اور جفت اور طاق کی! ﴿3﴾ [10] اور رات کی جب وہ چلنے لگے ﴿4﴾ [11] یقیناً ان میں عقل مند کے لیے بھاری قسم ہے ﴿5﴾ [12]

کا دودھ تمھارے پینے کے اور اس کی اون گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

(1) یعنی آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شگاف اور کجی بھی نہیں ہے، نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

(2) یعنی کس طرح انھیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے، نیز ان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

(3) یعنی کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

(4) یعنی آپ کا کام صرف تذکیر اور تبلیغ و دعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔

(5) کہ انھیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیت سیف سے منسوخ ہو گیا کیونکہ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ» (صحيح البخاري، حديث: 25، وصحيح مسلم، حديث: 21) ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جب وہ یہ اقرار کر لیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیا۔ سوائے حق اسلام کے، (جو اگر ہمارے علم میں نہ آیا تو) ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“

(6) یعنی جہنم کا دائمی عذاب۔

(7) مشہور ہے کہ اس کے جواب میں «اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَّسِيرًا» پڑھا جائے۔ لیکن نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ⑥ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ⑦ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۙ⑧ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ⑨ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۙ⑩ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۙ⑪ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عادیوں کے ساتھ کیا کیا؟⑥ ستونوں والے اِرم کے ساتھ⑦ جس کی مانند (کوئی قوم) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی⑧ اور ثمودیوں کے ساتھ جنھوں نے وادی میں بڑے بڑے پتھر تراشے تھے⑨ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا⑩ ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا⑪ اور بہت فساد

اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے ''اللہ تعالیٰ کے ہاں عشرۂ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح سے دیگر دنوں کے عمل صالح زیادہ محبوب نہیں حتیٰ کہ دیگر دنوں کا جہاد فی سبیل اللہ بھی، سوائے اس جہاد کے جس میں انسان مال جان دونوں لے جائے اور ان میں سے کوئی چیز واپس نہ لائے، یعنی شہید ہو جائے۔'' (صحيح البخاري، حديث:969)

اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (أيسر التفاسير)

یعنی جب آئے اور جب جائے کیونکہ سَیْر (چلنا) آتے، جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ﴾ سے مذکورہ مقسم بہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے، یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے۔ ﴿حِجْرٍ﴾ کے معنی ہوتے ہیں: روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے، جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَة بھی کہتے ہیں۔ جواب قسم یا مقسم علیہ لَتُبْعَثُنَّ ہے کیونکہ مکی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ ہیں۔ اس کے بعد بہ طریق استشہاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب و عناد کی بنا پر ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا بھی اسی طرح مؤاخذہ ہو سکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ نے کیا۔

ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے انھوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی۔ (الحآقة 69:7-10) اور انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

﴿اِرَمَ﴾ عاد سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلہ نسب ہے، عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ (فتح القدير) اس وضاحت کا مقصد یہ ہے کہ یہ عاد اولیٰ ہے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔ علاوہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

یعنی ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی: ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ السجدة 15:41) ''ہم سے زیادہ کون طاقت ور ہے؟''

الْفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑬ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ⑭ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ أَكْرَمَنِ ⑮ وَأَمَّآ إِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ أَهَانَنِ ⑯ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ⑰ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ⑱ وَتَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ⑲ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ㉑ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ

مچا رکھا⑫ آخر تیرے رب نے ان سب پر عذاب کا کوڑا برسایا⑬ [1] یقیناً تیرا رب گھات میں ہے⑭ [2] انسان (کا یہ حال ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت ونعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا⑮ [3] اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی (اور ذلیل کیا)⑯ [4] ایسا ہرگز نہیں [5] بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے⑰ [6] اور مسکینوں کو کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے⑱ اور (مُردوں کی) میراث سمیٹ سمیٹ کر کھاتے ہو⑲ [7] اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو⑳ [8] یقیناً جس [9] وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی㉑ اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے

یہ حضرت صالح کی قوم تھی، اللہ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت وقوت عطا کی تھی حتیٰ کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے: ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴾ (الشعراء 149:26) ”اور تم پہاڑوں کو تراش کر پر تکلف مکان بناتے ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنھیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا۔ یا اس سے اس کے ظلم وستم کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔ (فتح القدير)

[1] یعنی ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ وبرباد یا انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔

[2] یعنی تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔

[3] یعنی جب اللہ کسی کو رزق ودولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

[4] یعنی وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

[5] یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔

[6] یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ گھر بدترین ہے جس میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے، پھر اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے، جیسے یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں۔“ (الأدب المفرد، حديث: 137، ضعيف، البتہ دوسرا حصہ صحیح ہے، دیکھیے: سنن أبي داود، حديث: 5150)

صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿23﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

اٰيَاتُهَا: 20 (90) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (35) رُكُوْعُهَا: 1	سورۂ بلد مکی ہے، اس میں 20 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

صفیں باندھ کر (آ جائیں گے) ﴿22﴾ [1] اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی، [2] اُس دن انسان کی سمجھ میں آئے گا مگر آج اُس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟ ﴿23﴾ [3] وہ کہے گا کاش کہ میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا ﴿24﴾ [4] پس آج اللہ کے عذابوں جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا ﴿25﴾ نہ اُس کی قید و بند جیسی کسی کی قید و بند ہوگی ﴿26﴾ [5] اے اطمینان والی روح ﴿27﴾ تو اپنے رب کی طرف لوٹ [6] چل اس طرح کہ تُو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش ﴿28﴾ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا ﴿29﴾ اور میری جنت میں چلی جا ﴿30﴾

⑦ یعنی جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے ﴿لَّمًّا﴾ بمعنی جَمْعًا یعنی سارا کا سارا۔

⑧ ﴿جَمًّا﴾ بمعنی کَثِیْرًا ''بہت''۔

⑨ یعنی تمھارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب......

① کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی، اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔

② ستر ہزار لگاموں کے ساتھ جہنم جکڑی ہوئی ہوگی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 2842، و جامع الترمذي، حدیث: 2573) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور یَارَبِّ نَفْسِي نَفْسِي پکاریں گے۔ (فتح القدیر)

③ یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر پر نادم ہوگا لیکن اس روز ندامت اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

④ یہ افسوس اور حسرت کا اظہار اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہوگی۔

⑤ اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے، دوسرے کسی کو اس کے سامنے دم مارنے کا حوصلہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے، اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہوگا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہوگا، جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

⑥ یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں: قیامت والے دن کہا جائے گا، بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عساکر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو یہ دعا پڑھنے کا

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ①[1] تیرے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ②[2] اور (قسم ہے) انسانی باپ اور اولاد کی ③[3] یقیناً ہم نے انسان کو (بڑی) مشقت میں پیدا کیا ہے ④[4] کیا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ کسی کے بس میں ہی نہیں؟ ⑤[5] کہتا پھرتا ہے کہ میں نے تو بہت کچھ مال خرچ کر ڈالا ⑥[6] کیا (یوں) سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا (ہی) نہیں؟ ⑦[7] کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ⑧[8] اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے) ⑨[9] ہم نے دکھا دیے اس کو دونوں راستے ⑩[10] سو اس سے نہ ہو سکا کہ گھاٹی میں داخل ہوتا ⑪[11]

حکم دیا: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ» (ابن کثیر، ضعیف) ''اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ساتھ مطمئن ہو، تیری ملاقات پر یقین رکھے، تیرے فیصلوں پر راضی رہے اور تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرے۔''

① اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت، جب اس سورت کا نزول ہوا، نبیٔ کریم ﷺ کا قیام تھا، آپ ﷺ کا مولد بھی یہی شہر تھا، یعنی اللہ نے آپ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

② یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا، اس وقت اللہ نے نبی ﷺ کے لیے اس بلد حرام میں قتال کو حلال فرما دیا تھا جبکہ اس میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس شہر کو اللہ نے اس وقت سے حرمت والا بنایا ہے، جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے، پس یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں، میرے لیے اسے صرف دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا اور آج اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے، جیسے کل تھی...... اگر کوئی یہاں قتال کے لیے دلیل میں میری لڑائی کو پیش کرے تو اس سے کہو کہ اللہ کے رسول کو تو اس کی اجازت اللہ نے دی تھی جبکہ تمھیں یہ اجازت اس نے نہیں دی۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 104، وصحیح مسلم، حدیث: 1354) اس اعتبار سے معنی ہوں گے: وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ''اے پیغمبر! تیرے لیے مستقبل میں اس شہر میں لڑائی حلال ہوگی۔'' بعض نے ﴿حِلٌّ﴾ کے معنی کیے ہیں کہ تو اس شہر میں رہنے والا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معنی اس وقت صحیح ہوں گے جب لغت عرب سے یہ ثابت ہو کہ حِلٌّ، حَلَّ (اترنا، قیام کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہ جملہ معترضہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت عرب میں یہ لفظ مُقِیمٌ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، (دیکھیے: المعجم الوسیط)

③ بعض نے اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

④ یعنی اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے، یہ جواب قسم ہے۔

⑤ یعنی کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں۔

⑥ ﴿لُّبَدًا﴾ کثیر، ڈھیر، یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ⑫ فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ⑭ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑱ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳ ع 1 20 15

اور تُو کیا سمجھا کہ گھاٹی ہے کیا؟ ⑫ کسی گردن (غلام لونڈی) کو آزاد کرنا ⑬ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ⑭ کسی رشتہ دار یتیم کو ⑮ یا خاکسار مسکین کو ⑯ [1] پھر اُن لوگوں میں سے ہوجاتا جو ایمان لاتے [2] اور ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں ⑰ [3] یہی لوگ ہیں دائیں بازو والے (خوش بختی والے) ⑱ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا وہ بائیں ہاتھ والے ہیں (کم بختی والے ہیں) ⑲ انھی پر آگ ہوگی جو چاروں طرف سے گھیری [4] ہوئی ہوگی ⑳

---

⑦ اس طرح اللہ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے، حالانکہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔

⑧ جن سے یہ دیکھتا ہے۔

⑨ زبان سے وہ بولتا اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

⑩ یعنی خیر کا بھی اور شر کا بھی، ایمان کا بھی اور کفر کا بھی اور سعادت کا بھی شقاوت کا بھی، جیسے فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر 3:76) ''ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے، اب وہ شکر گزار بن جائے یا ناشکرا۔'' ﴿النَّجْدَيْنِ﴾ کے معنی ہیں: اونچی جگہ، اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے: ''ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی۔'' یعنی وہ عالم شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

⑪ ﴿الْعَقَبَةَ﴾ گھاٹی کو کہتے ہیں، یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفہام بمعنی انکار کے مفہوم میں ہے، یعنی أَفَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کیا وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔ مطلب ہے کہ نہیں ہوا۔ یہ ایک مثال ہے اس محنت و مشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھاٹی پر چڑھنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ (فتح القدیر)

① ﴿مَسْغَبَةٍ﴾ بمعنی مَجَاعَةٌ (بھوک) ﴿ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ (مٹی والا) یعنی جو فقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو۔ اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا، کسی بھوکے کو، رشتے دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلا دینا، یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔ یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے لیکن اگر وہ رشتے دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔ اسی طرح احادیث میں غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ہے۔

② اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال خیر اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں گے جب ان کا کرنے والا صاحب ایمان ہوگا۔

③ اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں۔

سورۂ شمس مکی ہے، اس میں 15 آیات ہیں۔	اٰیاتُھَا 15 (91) سُوْرَۃُ الشَّمْسِ مَکِّیَّۃٌ (26) رُکُوْعُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫

قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی! ①[1] اور چاند کی جب اُس کے پیچھے آئے! ②[2] اور دن کی جب سورج کو نمایاں کرے! ③[3] اور رات کی جب اُسے ڈھانپ لے! ④[4] اور آسمان کی اور اس کے بنانے کی ⑤[5] اور زمین کی اور اسے ہموار کرنے کی ⑥[6] اور نفس کی اور اسے درست کرنے کی ⑦[7] پھر اس کو برائی (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی ⑧[8] جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا ⑨[9] اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا ⑩[10] (قومِ) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا ⑪[11] جب اُن میں اُن کا بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا ⑫[12]

④ ﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾ کے معنی ہیں مُغْلَقَةٌ (بند)، یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت وحرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے، وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکیں۔

① یا اس کی روشنی کی یا مطلب ضُحٰی سے دن ہے، یعنی سورج کی اور دن کی قسم!

② یعنی جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ پہلے نصف مہینے میں ایسا ہوتا ہے۔

③ یا تاریکی کو دور کرے، ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ (فتح القدیر)

④ یعنی سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے۔

⑤ یا اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ پہلے معنی کی رو سے ﴿مَا﴾ مصدریہ ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے بمعنی مَنْ۔

⑥ یا جس نے اسے ہموار کیا۔

⑦ یا جس نے اسے درست کیا۔ درست کرنے کا مطلب ہے: اسے متناسب الاعضاء بنایا، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔

⑧ الہام کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انھیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انھیں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر و شر کی پہچان کروادی۔ یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کر دیا تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

⑨ شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز وفلاح سے ہمکنار ہوگا۔

⑩ یعنی جس نے اسے گمراہ کرلیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسٌّ، تَدسِیسٌ سے ہے جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو چھپا دینا۔ ﴿دَسّٰىهَا﴾ کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ کی اطاعت اور عمل صالح میں نہیں لگایا۔

⑪ طُغْيَانٌ وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے اسی طغیان نے انھیں تکذیب پر آمادہ کیا۔

⑫ جس کا نام مفسرین قدار بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس الاشقیاء بن گیا سب سے بڑا شقی (بدبخت)۔

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ﴿13﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ۬ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا ﴿14﴾ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿15﴾

ع 1 15/16

آیاتھا: 21 (92) سُوۡرَةُ الَّيۡلِ مَكِّيَّةٌ (9) رکوعھا: 1

سورۂ لیل مکی ہے، اس میں 21 آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۙ﴿1﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿2﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ۙ﴿3﴾ اِنَّ سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰى ؕ﴿4﴾

اُنھیں اللہ کے رسول نے فرما دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اُس کے پینے کی باری کی (حفاظت کرو) ﴿13﴾ [1] اُن لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اُس اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں، [2] پس اُن کے رب نے اُن کے گناہوں کے باعث اُن پر ہلاکت ڈالی [3] اور پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اُس بستی کو برابر کر دیا ﴿14﴾ [4] وہ نہیں ڈرتا اس کے تباہ کن انجام سے ﴿15﴾ [5]

قسم ہے رات کی جب چھا جائے! ﴿1﴾ [6] اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو! ﴿2﴾ [7] اور قسم ہے اُس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا! ﴿3﴾ [8] یقیناً تمھاری کوشش مختلف قسم کی ہے ﴿4﴾ [9]

---

① یعنی اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں بھی گڑ بڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم ثمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کی حفاظت کی تاکید کی گئی۔ لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔

② یہ کام ایک ہی شخص قدار نے کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ شریک تھی، اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا۔ اور تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر ایک یا چند افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر نکیر کرنے کی بجائے اسے پسند کرتی ہو اور ان کی پشت پر کھڑی ہو تو اللہ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔

③ ﴿فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ﴾ ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

④ عام کر دیا، یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹا بڑا، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا، یعنی سب کو تہ خاک کر دیا۔

⑤ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انھیں سزا دی ہے کہ کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیونکہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر ہی ہو جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

⑥ یعنی افق پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

⑦ یعنی رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

⑧ یہ اللہ نے اپنی قسم کھائی کیونکہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ ﴿مَا﴾ موصولہ ہے، بمعنی اَلَّذِي۔

⑨ یعنی کوئی اچھے عمل کرتا ہے جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے۔ ﴿لَشَتّٰى﴾ شَتِيتٌ کی جمع ہے، جیسے مَرِيضٌ کی جمع مَرْضٰى۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿5﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿6﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿7﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿8﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿9﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿10﴾ وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿11﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ﴿12﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿13﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿14﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿15﴾

جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے)⑤ [1] اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا⑥ [2] تو ہم بھی اُس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے⑦ [3] لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پروائی برتی⑧ [4] اور نیک بات کی تکذیب کی⑨ [5] تو ہم بھی اُس کی تنگی و مشکل کے سامان میسر کر دیں گے⑩ [6] اُس کا مال اُسے (اوندھا) گرنے کے وقت۔ کچھ کام نہ آئے گا⑪ [7] بے شک راہ دکھا دینا ہمارے ذمے ہے⑫ [8] اور ہمارے ہی ہاتھ آخرت اور دنیا ہے⑬ [9] میں نے تو تمھیں شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے⑭ جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا⑮

① یعنی خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور محارم سے بچے گا۔

② یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا۔

③ یُسْرٰی کا مطلب نیکی اور اَلْخَصْلَةُ الْحُسْنٰی ہے، یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے چھ غلام آزاد کیے جنھیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔ (فتح القدیر)

④ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پروائی کرے گا۔

⑤ یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔

⑥ عُسْرٰی (تنگی) سے مراد کفر و معصیت اور طریق شر ہے، یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے، اس کے صلے میں اللہ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔ (ابن کثیر) یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم عمل کرو، ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔ جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔'' (صحیح البخاري، حدیث: 4949)

⑦ یعنی جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔

⑧ یعنی حلال اور حرام، خیر اور شر، ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمے ہے (جو کہ ہم نے کر دیا ہے۔)

⑨ یعنی دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم سے ہی مانگیں کیونکہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿16﴾ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿17﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ﴿18﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ﴿19﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿20﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴿21﴾

ع 1 21 17

ایاتها: 11 (93) سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّیَّةٌ (11) ركوعها: 1

سورۂ ضحیٰ مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جس نے جھٹلایا اور (اُس کی پیروی سے) منہ پھیر لیا ⑯[1] اور اُس سے ایسا شخص دُور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہوگا ⑰[2] جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے ⑱[3] کسی کا اُس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جارہا ہو ⑲[4] بلکہ صرف اپنے پروردگار بلند و بالا کی رضا چاہنے کے لیے ⑳[5] یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضامند ہو جائے گا ㉑[6]

① اس آیت سے مُرجئہ فرقے نے (جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے) استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے، پھر وہ نبی ﷺ ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے، یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ پکے کافر اور نہایت بدبخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے جس میں وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازمی اور حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ بطور سزا ان کا یہ دخول عارضی ہوگا۔ (فتح القدیر)

② یعنی جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

③ یعنی جو اپنا مال اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔

④ یعنی بدلہ اتارنے کے لیے خرچ نہ کرتا ہو۔

⑤ بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

⑥ یا وہ راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور وہی اس سے مراد ہیں۔ (دیکھیے مباحث في علوم القرآن و دراسات في علوم القرآن الكريم، ص:551) تاہم بعض علماء ﴿ الْاَتْقَی ﴾ کو عموم پر محمول کر کے قاعدہ: اَلْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوصِ السَّبَبِ "لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے سبب نزول کے خصوص کا نہیں۔" کے تحت کہتے ہیں کہ جو بھی ان صفات عالیہ سے متصف ہوگا، وہ بھی بارگاہ الٰہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے محمد! معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا، جس پر اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (صحیح البخاري، حدیث:4950) یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ (فتح الباري:907/8)

وَالضُّحٰی ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰی ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ⑤ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰی ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ⑦ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ⑧ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ⑨ وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪ ع 1/11 18

قسم ہے چاشت کے وقت کی! ①[1] اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے!②[2] نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ بیزار ہوگیا ہے ③[3] یقیناً تیرے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا ④[4] تجھے تیرا رب بہت جلد (انعام) دے گا اور تو راضی ہو جائے گا ⑤[5] کیا اُس نے تجھے یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ ⑥[6] اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟⑦[7] اور تجھے نادار پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟⑧[8] پس یتیم پر تو بھی سختی نہ کیا کر⑨[9] اور نہ سوال کرنے والے کو ڈانٹ ڈپٹ ⑩[10] اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ ⑪[11]

---

① چاشت ﴿اَلضُّحٰی﴾ اس وقت کو کہتے ہیں، جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

② ﴿سَجٰی﴾ کے معنی ہیں: سَكَنَ جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

③ جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

④ یا آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ دونوں مفہوم معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

⑤ اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر وثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ کو اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

⑥ یعنی باپ کے سہارے سے بھی تو محروم تھا، ہم نے تیری دست گیری اور چارہ سازی کی۔

⑦ یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتا نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس سے قبل تو ہدایت کے لیے سرگرداں تھا، جیسے دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (الشورٰی 52:42) ''پہلے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔''

⑧ تونگر کا مطلب ہے، اپنے سوا تجھ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس تو فقر میں صابر اور غنا (تونگری) میں شاکر رہا، جیسے خود نبی ﷺ کا بھی فرمان ہے کہ ''تونگری، ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1051)

⑨ بلکہ اس کے ساتھ نرمی واحسان کا معاملہ کر۔

⑩ یعنی اس سے سختی اور تکبر نہ کر، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کر بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دے۔

⑪ یعنی اللہ نے تجھ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً: ہدایت اور رسالت ونبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود تیری کفالت وسرپرستی کا انتظام کیا، تجھے قناعت وتونگری عطا کی وغیرہ۔ انھیں جذبات تشکر وممنونیت کے ساتھ بیان کرتا رہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ کو پسند ہے لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت وطاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

اٰيَاتُهَا 8 (94) سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (12) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ الم نشرح مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ①[1] اور ہم نے تجھ پر سے تیرا بوجھ اتار دیا ②[2] جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی ③ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ④[3] پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے ⑤ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے ⑥[4] پس جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر ⑦[5] اور اپنے پروردگار ہی کی طرف دل لگا ⑧[6]

---

① گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جتلائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا، ان میں پہلا ہے۔ اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا تاکہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سما بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ (الأنعام 6:125) ”جس کو اللہ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“ یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔ اس شرح صدر میں وہ شق صدر بھی آ جاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں، جبکہ آپ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے آپ کا دل چیرا اور اس سے وہ حصۂ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے آب زم زم سے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم، حدیث: 261(162)) دوسری مرتبہ معراج کے موقع پر۔ اس موقع پر آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا، اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحيح البخاري، حديث: 349، وصحيح مسلم، حديث: 164) ان کے علاوہ بعض روایات میں دو مرتبہ اور شق صدر کا ذکر آیا ہے، ایک اس وقت جب نبی ﷺ دس سال کے تھے اور ایک غار حرا میں وحی کے آغاز پر۔ (فتح الباري: 597/1) لیکن بعض علماء ان آخری دو واقعوں کی اسنادی حیثیت پر مطمئن نہیں ہیں (سیرت النبی ﷺ: 297/3، سید سلیمان ندوی)

② ﴿وِزْرَكَ﴾ آپ کا بوجھ۔ اس سے مراد سابقہ تمام خلاف اَوْلٰی امور ہیں جن کو ذنوب سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی یہ وہی مفہوم ہے جو ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح 48:2) ”تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے، سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔“ کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ کارِ نبوت وتبلیغ کا بوجھ تھا جسے اللہ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ ودعوت میں آسانیاں پیدا فرما دیں۔

③ یعنی جہاں اللہ کا نام آتا ہے وہیں آپ کا نام بھی آتا ہے، مثلاً: اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ کا ذکر خیر ہے، آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم دیا وغیرہ۔

④ یہ آپ کے لیے اور صحابہ کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں

اٰیَاتُهَا: 8 (95) سُوْرَةُ التِّیْنِ مَکِّیَّةٌ (28) رُکُوْعُهَا: 1

سورۂ تین مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا یُکَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ⑦ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ⑧

ع 1 8 20

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی!① اور طورِ سینین کی!② [1] اور اس امن والے شہر کی!③ [2] یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا④ [3] پھر اُسے نیچوں سے نیچا کر دیا⑤ [4] لیکن جو لوگ ایمان لائے اور (پھر) نیک عمل کیے تو اُن کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا⑥ [5] پس تجھے اب روزِ جزا کے جھٹلانے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے⑦ [6] کیا اللہ (سب) حاکموں کا حاکم نہیں ہے⑧ [7]

ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تمھیں فراغت و آسانی سے نوازے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے ساری دنیا جانتی ہے۔

5 یعنی نماز سے یا تبلیغ سے یا جہاد سے تو دعا میں محنت کر یا اتنی عبادت کر کہ تو تھک جائے۔

6 یعنی اسی سے جنت کی امید رکھ، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کر اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسا رکھ۔

1 یہ وہی کوہِ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔

2 اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں قتال کی اجازت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے، اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحب شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔ انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔ طورِ سَیْنَاء یا سِیْنِیْن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (ابن کثیر)

3 یہ جوابِ قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے، پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان میں جانوروں کی طرح بے ڈھنگا پن نہیں ہے۔ ہر اہم عضو دو دو بنائے اور ان میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل و تدبر، فہم و حکمت اور سمع و بصر کی قوتیں ودیعت کیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کو بھی اسی معنی پر محمول کیا ہے جس میں ہے کہ «خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ آدَمَ عَلٰی صُورَتِهِ» (صحیح البخاري، حدیث: 6227، و صحیح مسلم، حدیث: 2841) ''اللہ عزوجل نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا فرمایا۔'' انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام ہی احسن تقویم ہے جس کا ذکر اللہ نے تین قسموں کے بعد فرمایا۔ (فتح الباري: 226/5)

4 یہ اشارہ ہے انسان کے ارذل عمر (بہت زیادہ بڑھاپے کی عمر) کی طرف۔ جس میں جوانی اور قوت کے بعد بڑھاپا اور ضعف آ جاتا ہے اور انسان کی عقل اور ذہن بچے کی طرح ہو جاتا ہے۔ بعض نے اس سے کردار کا وہ سفلہ پن مراد لیا ہے جس میں مبتلا ہو کر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور بعض نے اس سے ذلت و رسوائی کا وہ عذاب مراد لیا ہے جو جہنم میں کافروں کے لیے ہے۔ گویا انسان اللہ اور رسول کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے آپ کو احسن تقویم کے بلند رتبہ و اعزاز سے گرا کر

اٰیَاتُہَا 19 (96) سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ (1) رُکُوْعُہَا 1

سورۂ علق مکی ہے، اس میں 19 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ⑦ اِنَّ اِلٰی

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا①[1] جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا②[2] تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے③[3] جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا④[4] جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا⑤ سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے⑥ اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھتا ہے⑦ یقیناً لوٹنا

جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال لیتا ہے۔

[5] آیت ماقبل کے پہلے مفہوم کے اعتبار سے یہ جملہ مبینہ ہے، مومنوں کی کیفیت بیان کر رہا ہے اور دوسرے تیسرے مفہوم کے اعتبار سے ماقبل کی تاکید ہے کہ اس انجام سے اس نے مومنوں کا استثنا کر دیا۔ (فتح القدیر)

[6] یہ انسان سے خطاب ہے، زجر و توبیخ کے لیے کہ اللہ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر مذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے!

[7] جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے: «بَلٰی وَأَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِینَ» (جامع الترمذي، حدیث: 3347)

[1] یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آ کر کہا: پڑھ، آپ نے فرمایا: "میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں۔" فرشتے نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا: پڑھ، آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ کو بھینچا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، حدیث: 3، و صحیح مسلم، حدیث: 160)۔ ﴿اِقْرَاْ﴾ جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھ۔ ﴿خَلَقَ﴾ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

[2] مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

[3] یہ بطور تاکید فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرما دیا جو آپ ﷺ نے پیش کیا کہ میں تو قاری ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا: اللہ بہت کرم والا ہے پڑھ، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

[4] قَلَمٌ کے معنی ہیں: قطع کرنا، تراشنا، قلم بھی پہلے زمانے میں تراش کر ہی بنائے جاتے تھے، اس لیے آلۂ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن و حافظہ میں جو ہوتا ہے، وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے، وہ بھی محفوظ نہیں رہتا، البتہ قلم سے لکھا ہوا،

رَبِّكَ الرُّجْعٰى ⑧ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ⑩ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ⑮ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ⑲

ع 1 / 19 / 21

تیرے رب کی طرف ہے⑧ (بھلا) اُسے بھی تو نے دیکھا جو (بندے کو) روکتا ہے⑨ جب کہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے⑩ [1] بھلا بتلا تو اگر وہ ہدایت پر ہو⑪ [2] یا پرہیز گاری کا حکم دیتا ہو⑫ [3] بھلا دیکھو تو اگر یہ جھٹلاتا ہو اور منہ پھیرتا ہو⑬ [4] تو کیا اُس نے نہیں جانا کہ اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے⑭ [5] یقیناً اگر یہ باز نہ رہا تو ہم اُس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے⑮ [6] ایسی پیشانی جو جھوٹی خطا کار ہے⑯ [7] یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے⑰ ہم بھی (دوزخ کے) پیادوں کو بلا لیں گے⑱ [8] خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا⑲

اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو تو ہمیشہ محفوظ رہتا ہے، اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ یہی ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی۔ اسی لیے اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

① مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابوجہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ﴿عَبْدًا﴾ سے مراد نبی ﷺ ہیں۔

② یعنی جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

③ یعنی اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دی جائیں۔

④ یعنی یہ ابوجہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو۔ ﴿اَرَءَيْتَ﴾ بمعنی اَخْبِرْنِي (مجھے بتلاؤ) ہے۔

⑤ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ ان کی اس کو جزا دے گا، یعنی یہ ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ﴾ مذکورہ شرطوں ﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ○ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ○ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○﴾ کی جزا ہے۔

⑥ یعنی نبی ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا ﴿لَنَسْفَعًا﴾ کے معنی ہیں: لَنَأْخُذَنَّ تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا: اگر محمد (ﷺ) کعبے کے پاس نماز پڑھنے سے باز نہ آیا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ (اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا) نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4958)

⑦ یہ پیشانی کی صفات ہیں مراد صاحب پیشانی ہے، یعنی جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

⑧ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل گزرا تو کہا: اے محمد! میں نے تجھے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا اور آپ سے سخت دھمکی آمیز باتیں کیں، آپ نے کڑا جواب دیا تو کہنے لگا: اے محمد! تو مجھے کس چیز سے ڈراتا ہے۔ اللہ

اٰیَاتُہَا: 5 (97) سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ (25) رُکُوْعُہَا: 1

سورۂ قدر مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ② لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ۚ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ۛ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ

یقیناً ہم نے اُسے شب قدر میں نازل فرمایا① [1] تو کیا سمجھا کہ شبِ قدر کیا ہے؟② [2] شبِ قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے③ [3] اُس (میں ہر کام) کے سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرائیل) اترتے ہیں④ [4] یہ رات سراسر سلامتی کی

کی قسم! اس وادی میں سب سے زیادہ میرے حمایتی اور مجلس والے ہیں، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو اسی وقت ملائکۂ عذاب انھیں پکڑ لیتے۔ (جامع الترمذي، حديث: 3349، ومسند أحمد: 329/1، وتفسير الطبري) اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔“ (صحیح مسلم، حدیث: 2797) ﴿الزَّبَانِيَةَ﴾ داروغے اور پولیس، یعنی طاقتور لشکر جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔ ﴿الْقَدْرِ﴾ کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے شب قدر کہتے ہیں، اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْمِ بھی کہتے ہیں، اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں۔ اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ شب قدر، یعنی تنگی کی رات یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ (فتح القدير) احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ اس کو مبہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں اللہ کی خوب عبادت کریں۔

[1] یعنی اتارنے کا آغاز کیا یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں جو آسمان دنیا پر ہے، ایک ہی مرتبہ اتار دیا اور وہاں سے حسب وقائع نبی ﷺ پر اترتا رہا تا آنکہ 23 سال میں پورا ہوگیا۔ اور اس آیت کریمہ: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہوتی ہے کیونکہ قرآن کی آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة 2:185) ”رمضان وہ ماہ مقدس ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔“ سے یہ واضح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ہے اور سورۂ قدر کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن قدر کی رات اترا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ (صحیح بخاری، حدیث: 2021.)

[2] اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

الْفَجْرِ ⑤

ع 1 5 22

اٰیَاتُھَا 8 (98) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (100) رُکُوْعُھَا 1

سورۂ بینہ مدنی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

ہوتی ہے[1] اور فجر کے طلوع ہونے تک (ہوتی ہے)⑤

اہلِ کتاب کے کافر[2] اور مشرک لوگ[3] جب تک کہ اُن کے پاس ظاہر دلیل نہ آ جائے باز رہنے والے نہ تھے①(وہ دلیل یہ تھی کہ) اللہ کا ایک رسول[4] جو پاک صحیفے پڑھے ② جن میں صحیح اور درست احکام ہوں[5] ③ اہلِ کتاب اپنے پاس ظاہر دلیل

③ یعنی اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے 83 سال 4 مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرما دی۔

④ روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت اس رات زمین پر اترتے ہیں، ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

① یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ شب قدر کے لیے نبی ﷺ نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي» (جامع الترمذي، حديث: 3513، وسنن ابن ماجه، حديث: 3850) ”اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔“ اس لیے شب قدر میں اسے کثرت سے پڑھنا چاہیے۔

■ اس کا دوسرا نام سورۂ لَمْ يَكُنْ بھی ہے۔ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سورۂ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ تجھے پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں“ جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4959)

② اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

③ مشرک سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ باز آنے والے، ﴿الْبَيِّنَةُ﴾ (دلیل) سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد (ﷺ) قرآن لے کر آ جائیں اور وہ ان کی ضلالت و جہالت بیان کریں اور انھیں ایمان کی دعوت دیں۔

④ یعنی حضرت محمد ﷺ۔

⑤ یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

⑥ یہاں ﴿كُتُبٌ﴾ سے مراد احکام دینیہ اور ﴿قَيِّمَةٌ﴾ معتدل اور سیدھے۔

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ

آ جانے کے بعد ہی (اختلاف میں پڑ کر) متفرق ہوگئے ④ [1] اُنھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا [2] کہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اُسی کے لیے دین کو خالص رکھیں یکسو [3] ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکاۃ دیتے رہیں، یہی ہے دین سیدھی ملت کا⑤ [4] بے شک جو لوگ اہلِ کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین وہ دوزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں⑥ [5] بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں⑦ [6] اُن کا بدلہ اُن کے رب کے ہاں ہیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے

[1] یعنی اہل کتاب نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل مجتمع تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی بعثت ہوگئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبی ﷺ کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تفرق کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا کیونکہ یہ بہر حال علم والے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

[2] یعنی ان کی کتابوں میں انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ......

[3] حَنِيفٌ کے معنی ہیں، مائل ہونا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ ﴿حُنَفَآءَ﴾ جمع ہے، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

[4] ﴿الْقَيِّمَةِ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ أَيِ الْمُسْتَقِيمَةِ یا دِينُ الْأُمَّةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمُعْتَدِلَةِ یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے۔ اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال، ایمان میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

[5] یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے، نیز انھیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

[6] یعنی جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اعضاء کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔ جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف و فضل میں بہترین ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ ﴿الْبَرِيَّةِ﴾، بَرَأَ (خَلَقَ) سے ہے۔ اسی سے اللہ کی صفت البَارِئُ ہے، اس لیے بَرِيَّةٌ، اصل میں بَرِيئَةٌ ہے، ہمزہ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۟﴿8﴾

اٰيَاتُهَا 8 (99) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (93) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ زلزال مدنی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۟﴿1﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۟﴿2﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿3﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۟﴿4﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ﴿5﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ﴿6﴾ فَمَنْ

راضی ہوا[1] اور وہ اُس سے راضی ہوئے۔[2] یہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرے ﴿8﴾[3]

جب زمین پوری طرح جھنجھوڑ دی جائے گی ﴿1﴾[4] اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی ﴿2﴾[5] انسان کہنے لگے گا کہ اسے کیا ہوگیا؟ ﴿3﴾[6] اُس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کردے گی ﴿4﴾[7] اس لیے کہ تیرے رب نے اُسے حکم دیا ہوگا ﴿5﴾[8] اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر (واپس) لوٹیں[9] گے تاکہ اُنھیں اُن کے اعمال دکھا دیے جائیں ﴿6﴾[10] پس جس نے

① ان کے ایمان وطاعت اور اعمال صالحہ کے سبب۔ اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (التوبة 72:9) ''اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔''

② اس لیے کہ اللہ نے انھیں ایسی نعمتوں سے نواز دیا جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔

③ یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہوگئی تو فوراً توبہ کرلی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کرلی حتیٰ کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کرسکتا اور جو ایسا کرتا ہے، حقیقت میں اس کا دل اللہ کے خوف سے خالی ہے۔

* اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

④ اس کا مطلب ہے کہ سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی، یہ اس وقت ہوگا، جب پہلا نفخہ پھونکا جائے گا۔

⑤ یعنی زمین میں جتنے انسان دفن ہیں، وہ زمین کا بوجھ ہیں جنھیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکے گی، یعنی اللہ کے حکم سے سب زندہ ہوکر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نفخے میں ہوگا، اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

⑥ یعنی دہشت زدہ ہوکر کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے، یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے؟

⑦ یہ جواب شرط ہے۔ حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: ''جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں۔'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہوگا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی: فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں عمل، فلاں فلاں دن میں کیا تھا۔'' (جامع الترمذي، حديث: 3353، ومسند أحمد: 374/2 ضعفه البعض)

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

اٰيَاتُهَا 11 (100) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (14) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ عادیات مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ بِهٖ

ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا⑦ [1] اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا⑧ [2]

ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم!① [3] پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم!② [4] پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم!③ [5] پس اس وقت گرد وغبار اڑاتے ہیں④ [6] پھر اُسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان

---

[8] یعنی زمین کو یہ قوت گویائی اللہ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے، جس طرح انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرمادے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنادے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

[9] ﴿ يَصْدُرُ ﴾ يَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کی ضد ہے، یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿ اَشْتَاتًا ﴾ متفرق، یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے، جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ، جو ان کے جہنمی ہونے کی علامت ہوگی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہوگا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ، ادیان و مذاہب اور اعمال و افعال کی بنیاد پر ہوں گے۔

[10] یہ متعلق ہے یَصْدُرُ کے یا اس کا تعلق ﴿ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾ سے ہے، یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔

[1] پس وہ اس سے خوش ہوگا۔

[2] وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہوگا۔ ﴿ ذَرَّةٍ ﴾ بعض کے نزدیک چیونٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں: انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے، وہ ذرّہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد وغبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں، وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔ امام مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک شخص سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ (فتح القدير)

[3] عادیاتٌ، عَادِيَةٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدْوٌ سے ہے جیسے غَزْوٌ ہے۔ غَازِيَاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یاء سے بدل دیا گیا ہے، تیز رو گھوڑے۔ ﴿ ضَبْحًا ﴾ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنہنانا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنہناتے ہوئے تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

[4] مُورِيَاتٌ، اِيرَاءٌ سے ہے، آگ نکالنے والے۔ ﴿ قَدْحًا ﴾ کے معنی ہیں: صَكٌّ چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالزِّنَادِ ہے۔ چقماق سے آگ نکالنا، یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی

جَمْعًا ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ⑥ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ⑦ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ⑧ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ⑩ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪

ع 1 11 25

گھس جاتے ہیں⑤ [1] یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے⑥ [2] اور یقیناً وہ خود بھی اُس پر گواہ ہے⑦ [3] یہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے⑧ [4] کیا اُسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا⑨ [5] اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کردی جائیں گی⑩ [6] بے شک اُن کا رب اُس دن اُن کے حال سے پورا باخبر ہوگا⑪ [7]

ہے، جیسے چقماق سے نکلتی ہے۔

⑤ مُغِيرَاتٌ أَغَارَ يُغِيرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ ﴿صُبْحًا﴾ صبح کے وقت، عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا، شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

⑥ أَثَارَ، اڑانا۔ ﴿نَقْعًا﴾ گردوغبار، یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گردوغبار چھا جاتا ہے۔

① ﴿فَوَسَطْنَ﴾ درمیان میں گھس جاتے ہیں، ﴿بِهٖ﴾ میں ''ہ'' کی ضمیر وقت کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور جگہ کے لیے بھی، یعنی اس وقت یا اس جگہ میں۔ ﴿جَمْعًا﴾ دشمن کے لشکر میں۔ مطلب ہے کہ اس وقت یا جبکہ فضا گردوغبار سے اٹی ہوتی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھمسان کی جنگ کرتے ہیں۔

② یہ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ کَنُودٌ بمعنی کَفُورٌ، ناشکرا۔

③ یعنی انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض ﴿اِنَّهٗ﴾ کی ضمیر رب کی طرف راجع کرتے ہیں اور ﴿لَشَهِيْدٌ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کو لیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی نے پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے، اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

④ ﴿الْخَيْرِ﴾ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ﴾ (البقرة 180:2) میں ہے، معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

⑤ ﴿بُعْثِرَ﴾ نُشِرَ وَ بُعِثَ یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کرکے اٹھا کھڑا کردیا جائے گا۔

⑥ ﴿حُصِّلَ﴾ مُيِّزَ وَ بُيِّنَ یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

⑦ یعنی جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کردے گا، اس کے متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے۔ اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی، چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

سورۂ قارعہ مکی ہے، اس میں 11 آیات ہیں۔	اٰیَاتُھَا 11 (101) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (30) رُكُوْعُهَا 1

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

ع 1 11 26

کھڑکھڑا دینے والی ① کیا ہے [1] وہ کھڑکھڑا دینے والی؟ ② تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ ③ جس دن انسان بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ④ [2] اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے ⑤ [3] پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے ⑥ [4] وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا ⑦ [5] اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے ⑧ [6] اُس کا ٹھکانا ہاویہ ہے ⑨ [7] تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ ⑩ [8] وہ تند و تیز آگ (ہے) ⑪ [9]

[1] یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام گزر چکے ہیں، مثلاً: الحاقة، الطامة، الصاخة، الغاشية، الساعة، الواقعة وغیرہ۔ ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو خوف زدہ اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کردے گی۔

[2] فَرَاشٌ، شمع کے گرد منڈلانے والے پتنگے، پروانے وغیرہ۔ ﴿الْمَبْثُوْثِ﴾ منتشر اور بکھرے ہوئے، یعنی قیامت والے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

[3] عِهْنٌ، اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، ﴿الْمَنْفُوْشِ﴾ دھنی ہوئی۔ یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو قیامت والے دن ان کی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ دیکھیے: سورۂ نبا: 78، آیت 20 کا حاشیہ) اب آگے ان دو فریقوں کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت والے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

[4] مَوَازِيْنُ، مِيْزَانٌ کی جمع ہے۔ ترازو، جس میں اعمال، عامل اور صحائف اعمال تولے جائیں گے جیسا کہ اس کا ذکر سورۂ اعراف 8:7، وسورۂ کہف 105:18، وسورۂ انبیاء 47:21 میں بھی گزرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں، مَوْزُوْنٌ کی جمع ہے، یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہوگا۔ (فتح القدیر) لیکن پہلا مفہوم ہی راجح اور صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزن اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

[5] یعنی ایسی زندگی جس کو وہ صاحب زندگی پسند کرے گا۔

[6] یعنی جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہوگا۔

[7] ﴿هَاوِيَةٌ﴾ جہنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو اُمٌّ (ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جہنمیوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُمّ کے معنی دماغ کے ہیں۔ جہنمی، جہنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

سورۂ تکاثر مکی ہے، اس میں 8 آیات ہیں۔

اٰیَاتُهَا 8 (102) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (16) رُكُوْعُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ

کثرت کی چاہت نے تمھیں غافل کر دیا ①[1] یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے ②[2] ہرگز نہیں[3] تم عنقریب معلوم کر لو گے ③ ہرگز نہیں پھر تمھیں جلد علم ہو جائے گا④[4] ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لو⑤[5] تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے ⑥[6] اور تم اُسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ⑦[7] پھر اُس دن تم سے ضرور بالضرور

[8] یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم وتصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کنہ نہیں جان سکتے۔

[9] جس طرح حدیث میں ہے کہ انسان دنیا میں جو آگ جلاتا ہے، یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے، جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے 69 گنا زیادہ ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 3265، و صحيح مسلم، حديث: 2843) ایک اور حدیث میں ہے کہ ''آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں، پس جو سخت سردی ہوتی ہے یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے اور نہایت سخت گرمی جو پڑتی ہے، وہ جہنم کا گرم سانس ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3260) ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3259، وصحيح مسلم، حديث: 615)

[1] اَلْهٰى يُلْهِي کے معنی ہیں: غافل کر دینا۔ ﴿التَّكَاثُرُ﴾ زیادتی کی خواہش۔ یہ عام ہے مال، اولاد، اعوان وانصار اور خاندان وقبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش وخواہش اسے اللہ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

[2] اس کا مطلب ہے کہ حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمھیں موت آ گئی اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

[3] یعنی تم جس تکاثر وتفاخر میں ہو، یہ صحیح نہیں۔

[4] اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے، یہ بطور تاکید دو مرتبہ فرمایا۔

[5] اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمھیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر وتفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

[6] یہ قسم محذوف کا جواب ہے، یعنی اللہ کی قسم تم جہنم ضرور دیکھو گے، یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

[7] پہلا دیکھنا دور سے ہوگا، یہ دیکھنا قریب سے ہوگا، اسی لیے اسے ﴿عَيْنَ الْيَقِيْنِ﴾ (جس کا یقین مشاہدۂ عینی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

عَنِ النَّعِيْمِ ⑧

ع 1 8 27

سورۂ عصر مکی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

اٰیَاتُہَا 3 (103) سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ (13) رُکُوْعُہَا 1

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

ع 1 3 28

سورۂ ہمزہ مکی ہے، اس میں 9 آیات ہیں۔

اٰیَاتُہَا 9 (104) سُوْرَۃُ الْهُمَزَۃِ مَکِّیَّۃٌ (32) رُکُوْعُہَا 1

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نعمتوں کا سوال ہوگا⑧ [1]

زمانے کی قسم!① [2] بے شک انسان سراسر نقصان میں ہے!② [3] سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل [4] کیے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی [5] اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی③ [6]

① یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی، جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن وصحت، مال ودولت اور اولاد وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں: یہ سوال صرف کافروں سے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں: ہر ایک سے ہی ہوگا کیونکہ محض سوال مستلزم عذاب نہیں۔ جنھوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی ہدایات کے مطابق کیا ہوگا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جنھوں نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا ہوگا، وہ دھر لیے جائیں گے۔

② زمانے سے مراد شب وروز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مرورِ ایام، زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے۔ یہ پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے صرف اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

③ یہ جوابِ قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب وروز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام وراحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

④ ہاں اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عملِ صالح کے جامع ہیں کیونکہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہرحال ابدی نعمتوں اور جنت کی پر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ آگے اہلِ ایمان کی مزید صفات کا تذکرہ ہے۔

⑤ یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات ومعاصی سے اجتناب کی تلقین۔

⑥ یعنی مصائب وآلام پر صبر، احکام وفرائضِ شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے اجتناب پر صبر، لذات وخواہشات کی قربانی پر صبر، صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے، تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا جس سے اس کا شرف وفضل اور خصالِ حق میں

89

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ﴿١﴾ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ ﴿٢﴾ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ ﴿٣﴾ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۖ٘ ﴿٤﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ ﴿٦﴾ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ ﴿٨﴾ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۠ ﴿٩﴾

ع 1 — 29

اٰیَاتُهَا 5 (105) سُوْرَةُ الْفِیْلِ مَكِّیَّةٌ (19) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ فیل مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کی جو عیب ٹٹولنے والا غیبت کرنے والا ہو①[1] جو مال کو جمع کرتا جائے اور گنتا جائے②[2] وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا③[3] ہرگز نہیں[4] یہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا④[5] اور تجھے کیا معلوم کہ ایسی آگ کیا ہوگی؟⑤[6] وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی⑥ جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی⑦[7] وہ اُن پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی⑧ بڑے بڑے ستونوں میں⑨[8]

اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

① ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُمَزَةٍ﴾ بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ هُمَزَةٌ وہ شخص ہے جو روبرو برائی کرے اور لُمَزَةٌ، وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هَمْزٌ آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمْزٌ زبان سے۔

② اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔ ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکاۃ وصدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام نہ ہو۔

③ ﴿اَخْلَدَهٗ﴾ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا" یعنی یہ مال جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

④ یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا اس کا زعم اور گمان ہے۔

⑤ ایسا بخیل شخص ﴿الْحُطَمَةُ﴾ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بھی جہنم کا ایک نام ہے توڑ پھوڑ دینے والی۔

⑥ یہ استفہام اس کی ہولناکی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمھاری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور تمھارا فہم وشعور اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

⑦ یعنی اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہوگا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی لیکن موت نہیں آئے گی بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔

⑧ ﴿مُؤْصَدَةٌ﴾ بند، یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیے جائیں گے تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے اور انھیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی، بعض کے نزدیک ﴿عَمَدٍ﴾ سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤

ع 1 / 5 / 30

اٰيَاتُهَا 4 (106) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (29) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ قریش[*] مکی ہے، اس میں 4 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟① [1] کیا اُن کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟② [2] اور اُن پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے③ [3] جو انھیں پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے④ [4] پس اُنھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا⑤ [5]

نزدیک ستون ہیں جن میں انھیں عذاب دیا جائے گا۔ (فتح القدیر)

① جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کے معنی ہیں: اَلَمْ تَعْلَمْ کیا تجھے معلوم نہیں؟ استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی تو جانتا ہے یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو تیرے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے:

واقعۂ اصحاب الفیل: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا عیسائی گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج وعمرہ کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی، چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو کر دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجا کو ناپاک کر دیا ہے جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب یہ لشکر وادیٔ مُحَسِّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں۔ جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے، جو مکے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا جس پر عبدالمطلب نے آ کر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے، تو وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے تو جانے اور بیت اللہ کا مالک (اللہ) جانے۔ (أیسر التفاسیر)

② یعنی وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

③ ﴿اَبَابِيْلَ﴾ پرندے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں غول در غول۔

④ ﴿سِجِّيْلٍ﴾ مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک کام کیا۔

⑤ یعنی ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

[*] اسے سورۂ اِیْلَاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہی ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

سورۂ ماعون مکی ہے، اس میں 7 آیات ہیں۔

اٰيَاتُهَا 7 (107) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (17) رُكُوْعُهَا 1

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③

قریش کے مانوس کرنے کے سبب ①(یعنی) انھیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب ② [1] (اس کے شکریہ میں) پس انھیں چاہیے کہ اُسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں ③ جس نے اُنھیں بھوک میں کھانا دیا [2] اور خوف میں امن (وامان) دیا ④ [3]

کیا تو نے (اُسے بھی) دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ ① [4] یہی وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ② [5] اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا ③ [6]

① اِیلَافٌ کے معنی ہیں: مانوس اور عادی ہونا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ ”قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف جو گرم علاقہ تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے، اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گرمی سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمھیں مکے میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمھارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمھاری عزت بھی برقرار رہے اور تمھارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر ہو، قائم رہے اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمھاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلۂ سفر بھی منقطع ہو جاتا، اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

② مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے۔

③ عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریش مکہ کو حرم مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف و خطر سے محفوظ تھے۔

ﷺ اس سورت کو سُورَۃُ الدِّینِ، سُورَۃُ أَرَاَیْتَ اور سُورَۃُ الْیَتِیمِ بھی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

④ رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور استفہام سے مقصد اظہار تعجب ہے۔ رؤیت معرفت کے مفہوم میں ہے اور اَلدِّین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت ہے: ”کیا تو نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟“

⑤ اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے، بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیونکر حسن سلوک کر سکتا ہے۔ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کی بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت و محبت ہوگی۔ دوسرے، اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿4﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿5﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿6﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿7﴾

آیاتہا 3 (108) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (15) رکوعہا 1

سورۂ کوثر مکی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿1﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿2﴾ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿3﴾

اُن نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے﴿4﴾ جو اپنی نماز سے غافل ہیں﴿5﴾[1] جو ریاکاری کرتے ہیں﴿6﴾[2] اور برتنے کی (عام) چیز روکتے ہیں﴿7﴾[3]

یقیناً ہم نے تجھے (حوض) کوثر دیا ہے﴿1﴾[4] پس تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر﴿2﴾[5] یقیناً تیرا دشمن ہی بے نام ونشان ہے﴿3﴾[6]

---

[6] یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکے ہی دے گا۔

[1] اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں۔ یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کا معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع وخضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آ جاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے: ﴿وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النسآء 142:4) ”اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔“

[2] یعنی ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود ونمائش اور ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

[3] مَعْنٰی: شَيْءٌ قَلِيْلٌ کو کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکاۃ لیتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے، (ڈھائی فی صد) اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

* اس کا دوسرا نام سورۂ نحر بھی ہے۔

[4] ﴿الْكَوْثَرَ﴾ کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے ”خیر کثیر“ کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آ جاتے ہیں، مثلاً: صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل

اٰيَاتُهَا 6 (109) سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (18) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ کافرون مکی ہے، اس میں 6 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ⑤ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑥

آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! ①[1] نہ میں عبادت کروں گا اُس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو ② نہ تم عبادت کرنے والے ہو اُس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ③ اور نہ میں پرستش کروں گا جس کی تم نے پرستش کی ④ اور نہ تم اُس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں ⑤[2] تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے ⑥[3]

نبی ﷺ کے دست مبارک سے پانی پئیں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آ رہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور آپ ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر وثواب، سب ہی چیزیں ''خیر کثیر'' میں آ جاتی ہیں۔ (ابن کثیر)

⑤ یعنی نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کر۔ نَحْرٌ کے اصل معنی ہیں: اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔ لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقع پر منیٰ میں اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

⑥ ﴿الْاَبْتَرُ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مفقود الذکر ہو، یعنی اس کی ذات پر ہی اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے۔ جب نبی ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے نبی ﷺ کو اَبتر کہا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اَبتر تو نہیں، تیرے دشمن ہی ہوں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بھی باقی رکھا گو اس کا سلسلہ لڑکی کی طرف سے ہی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی معنوی وروحانی اولاد ہے جس کی کثرت پر آپ ﷺ قیامت والے دن فخر کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت واحترام سے کیا جاتا ہے جبکہ آپ سے بغض وعناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ پر ہی موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

■ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت یہ سورت پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (مسند أحمد: 456/5، وسنن أبي داود، حديث: 5055، وجامع الترمذي، حديث: 3403، وصححه الألباني) بعض روایات میں خود آپ ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

① ﴿الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر وشرک پر ہوگا کیونکہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انھوں نے اللہ کی عبادت کی۔ (فتح القدیر)

② بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے جیسا کہ فاضل مترجم نے بھی اس کے مطابق ترجمہ

ایاتہا: 3 (110) سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ (114) رکوعہا: 1

سورۂ نصر مدنی ہے، اس میں 3 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

ایاتہا: 5 (111) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (6) رکوعہا: 1

سورۂ لہب مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ① اور تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لے ②[1] تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگ، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے ③[2]

کیا ہے لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان تکلّفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار، عربی زبان کا عام اسلوب ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے، جیسے سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کرلوں جیسا کہ تم چاہتے ہو۔ اور اگر اللہ نے تمھاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے تو تم بھی اس توحید اور عبادت الٰہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی، جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

③ یعنی اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں۔ ﴿لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ (القصص 55:28) ”ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل۔“

* نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 3024) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ سمجھ گئے کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے، اسی لیے آپ کو تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے، جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4970)

① اللہ کی مدد کا مطلب، اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو نبی ﷺ کا مولد ومسکن تھا لیکن کافروں نے آپ کو اور صحابۂ کرام کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب 8 ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے جبکہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے جس کے بغیر اب نجات اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایسا ہو تو۔

② یعنی یہ سمجھ لے کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو تیرے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب تیرا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آ گیا ہے، اس لیے حمد وتسبیح الٰہی اور استغفار کا خوب اہتمام کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

* اسے سُوْرَةُ الْمَسَدْ بھی کہتے ہیں۔ اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو انذار وتبلیغ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③

وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا① [1] نہ تو اُس کا مال اُس کے کام آیا اور نہ اُس کی کمائی② [2] وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا③ اور اُس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے④ [3] اُس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی⑤ [4]

کریں تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر یَاصَبَاحَاہْ! کی آواز لگائی۔ اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''ذرا بتلاؤ، اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے۔'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا: ''پھر میں تمھیں ایک بڑے عذاب سے ڈرانے آیا ہوں (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے)۔'' یہ سن کر ابولہب نے کہا: تَبًّا لَكَ تیرے لیے ہلاکت ہو! کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما دی۔ (صحيح البخاري، حديث: 4971) ابولہب کا اصل نام عبدالعزّٰی تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابولہب (شعلۂ فروزاں) کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا ایندھن بننا تھا۔ یہ نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا لیکن آپ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

[1] ﴿يَدَآ﴾ اصل میں یَدَان ہے جو یَدٌ (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ مراد اس سے اس کا نفس ہے، جز بول کر کُل مراد لیا گیا ہے، یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی ﷺ کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ ﴿وَّتَبَّ﴾ ''اور وہ ہلاک ہو گیا'' یہ خبر ہے، یعنی بددعا کے ساتھ ہی اللہ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی، چنانچہ جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی حتیٰ کہ سخت بدبودار ہو گئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے، اس کے جسم پر دور ہی سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنا دیا۔ (أيسر التفاسير)

[2] کمائی میں اس کی رئیسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے، یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

[3] یعنی جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی تاکہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہوگا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں، مددگار تھی، آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی۔ (ابن كثير) بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی ﷺ کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے، چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی ﷺ کی غیبت کرتی اور انھیں آپ ﷺ کی عداوت پر اکساتی تھی۔ (فتح الباري: 944,943/8)

[4] جِیدٌ گردن۔ ﴿مَّسَدٍ﴾ مضبوط بٹی ہوئی رسی۔ وہ مونج کی یا پوست کھجور کی ہو یا آہنی تاروں کی جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس

اٰيَاتُهَا 4 (112) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (22) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ اخلاص مکی ہے، اس میں 4 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

اٰيَاتُهَا 5 (113) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (20) رُكُوْعُهَا 1

سورۂ فلق مکی ہے، اس میں 5 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک (ہی) ہے ① اللہ بے نیاز ہے ② [1] نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ③ [2] اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے ④ [3]

کے گلے میں جو طوق ہوگا، وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہوگا۔ مَسَدٌ سے تشبیہ، اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی ﷺ نے ثُلث (ایک تہائی 1/3) قرآن قرار دیا ہے اور اسے رات کو صبح و شام اور ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 5013) بعض صحابہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے، جس پر نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تمھاری اس کے ساتھ محبت تمھیں جنت میں داخل کر دے گی۔'' (صحيح البخاري، حديث: 774، وصحيح مسلم، حديث: 813) اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ (مسند أحمد: 134,133/5)

① یعنی سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

② یعنی نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

③ اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشورٰی 42:11) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جنا ہے نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4974) اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں اور ان کا بھی جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں، ان کا بھی جو دوسروں کو اس کا شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

اس کے بعد سورۂ ناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے، مثلاً: ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔'' یہ فرما کر آپ نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ (صحيح مسلم، حديث: 814، وجامع الترمذي، حديث: 2902) ابن عابس جہنی ؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عابس! کیا میں تمھیں سب سے بہترین ذریعۂ بچاؤ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں، انھوں نے عرض کیا: ہاں، ضرور بتلائیے! آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کر کے فرمایا: یہ دونوں مُعَوِّذَتَین ہیں۔'' (صحيح سنن النسائي للألباني: 454/3) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں کی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ان کے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝1 مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝2 وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝3 وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝4 وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝5

ع 1/5 38

آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ①[1] ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے ②[2] اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے ③[3] اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی ④[4] اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے ⑤[5]

پڑھنے کو معمول بنالیا اور باقی دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔(صحيح سنن الترمذي للألباني: 405/2) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب آپ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو مُعَوِّذَتَيْنِ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ ﷺ کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسم پر پھیرتی۔(صحيح البخاري، حديث: 5016، وصحيح مسلم، حديث: 2192) جب نبی ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنوئیں میں ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو بھیج کر اسے منگوایا، (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں) جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔(صحيح البخاري، مع فتح الباري، حديث: 5763، وصحيح مسلم، حديث: 2189) آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انھیں پورے جسم پر مل لیتے، پہلے سر، چہرے اور پھر جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ایسا کرتے۔(صحيح البخاري، حديث: 5017)

① ﴿اَلْفَلَقِ﴾ کے راجح معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبح کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔(فتح القدير)

② یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

③ رات کے اندھیرے میں ہی خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ ﴿غَاسِقٍ﴾ رات ﴿وَقَبَ﴾ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

④ ﴿اَلنَّفّٰثٰتِ﴾ مؤنث کا صیغہ ہے، جو النُّفُوس (موصوف محذوف) کی صفت ہے مِنْ شَرِّ النُّفُوسِ النَّفّٰثٰتِ، یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کا لاعمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں، یعنی اس میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے

اٰیَاتُھَا 6 (114) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (21) رُکُوْعُھَا 1

سورۂ ناس مکی ہے، اس میں 6 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں ①[1] لوگوں کے مالک کی ②[2] اور لوگوں کے معبود کی (پناہ میں) ③[3] وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے ④[4] جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ⑤ (خواہ) وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ⑥[5]

اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

5 حسد یہ ہے کہ حاسد، محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

* اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔ (المعجم الصغير للطبراني، حديث: 830، ومجمع الزوائد: 191/5، وقال الهيثمي إسناده حسن)

1 رَبٌّ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا ہی سے جبکہ انسان ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے حتیٰ کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے، پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے اور تمام انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے، یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

2 جو ذات تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

3 اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

4 ﴿الْوَسْوَاسِ﴾ بعض کے نزدیک اسم فاعل الْمُوَسْوِسُ کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذِی الْوَسْوَاسِ ہے۔ وسوسہ، مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ ﴿الْخَنَّاسِ﴾ (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

5 یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین جو جنات میں سے ہوتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی

قدرت دی ہے۔علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے۔ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔'' (صحيح مسلم، حديث: 2814) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف فرما تھے کہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے ملنے کے لیے آئیں۔رات کا وقت تھا، آپ انھیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے۔راستے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے تو آپ ﷺ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ ''یہ میری اہلیہ، صفیہ بنت حیی ہیں۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہو سکتی تھی۔آپ نے فرمایا: ''یہ تو ٹھیک ہے لیکن شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 7171) دوسرے وہ شیطان جو انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو اپنی ہی جنس (انسانوں) کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔اس تفصیل کی روشنی میں ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ کا تعلق ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ﴾ سے ہے۔جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ کا تعلق ﴿فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ میں الناس سے ہے، اس صورت میں مطلب یہ بنتا ہے کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے، ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ﴿رِجَالٌ﴾ کا لفظ بولا گیا ہے۔(الجن 6:72) اس لیے وہ بھی نَاس کا مصداق ہیں۔

رضاعت کے چند ضروری مسائل

رضاعت کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ دودھ پلانے کی کس کیفیت سے رضاعت ثابت ہوتی ہے؟ یعنی صرف پستان سے دودھ چوسنے سے حرمت ثابت ہوگی یا برتن میں ڈال کر پلانے سے یا چمچے یا ڈراپر کے ذریعے سے منہ میں ڈالنے سے یا ناک میں ٹپکانے سے یا حقنہ اور انجکشن کے ذریعے سے یا کسی دوائی میں ملا کر دینے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی؟

جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ شیر خوارگی کی مدت میں بچے کو اس انداز سے دودھ پلانا کہ وہ دودھ اس کے بدن کی غذا بن جائے، خواہ کسی طرح بھی پلایا جائے، اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ» (صحيح البخاري، حديث: 2647، وصحيح مسلم، حديث: 1455.) ''رضاعت بھوک ہی سے ثابت ہوگی۔'' یعنی جس مدت میں بچے کی بھوک مٹانے کا ذریعہ دودھ ہو جو کہ دو سالہ دورانیہ ہے، جب اس مدت میں رضاعت ہو تو یہ رضاعت باعث حرمت ہے۔ اس حدیث میں عموم ہے کہ جس طریقے سے بھی بچے کی بھوک دور ہو جائے اس طریقے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس نے براہ راست پستان سے دودھ پیا ہے یا مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقے سے اس کو پلایا گیا ہے۔ اسی کے ہم معنی یہ حدیث بھی ہے: «لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ» (رواه الترمذي (حديث: 1152) وصححه هو والحاكم۔ سبل السلام، باب الرضاع: 335/3) ''اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو پستانوں میں موجود دودھ آنتوں کو پھاڑ دے اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔'' یعنی جس رضاعت سے آنتوں میں اتنا دودھ بھر جائے کہ آنتیں کھل جائیں اور یہ دودھ پلانا دودھ پلانے کی مدت کے اندر اندر ہو (قبل الفطام، دودھ چھڑانے سے پہلے کا مطلب یہی ہے۔) اس کی مزید وضاحت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جس میں انھوں نے فرمایا: «لَا رَضَاعَ إِلَّا مَا شَدَّ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ» (سنن أبي دود، حديث: 2059، والمصنف لعبد الرزاق: 463/7، حديث: 13895) ''رضاعت وہی قابل اعتبار ہے جس کے ذریعے سے ہڈیاں قوی ہوں اور گوشت پیدا ہو۔'' ایسا دو سال کے اندر ہی ممکن ہے جب کہ بچے کی خوراک عام طور پر صرف دودھ ہی ہوتا ہے۔ اس مدت کے اندر اس طریقے سے دودھ پلانے سے حرمت ثابت ہو جائے گی جس سے اس کی جسمانی نشو ونما میں اضافہ ہو۔ ایام شیر خوارگی کے بعد بچہ دوسری خوراک بھی استعمال کرنے لگ جاتا ہے جس سے اس کی نشو ونما میں دوسری خوراک کا دخل ہو جاتا ہے، اس لیے دو سال کے بعد رضاعت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مدت رضاعت کے اندر بچے کو جس طریقے سے بھی دودھ پلایا جائے، اس سے حرمت

ثابت ہو جائے گی، چنانچہ علامہ صنعانی لکھتے ہیں: وَاسْتُدِلَّ بِهِ عَلٰى أَنَّ التَغَذِّيَ بِلَبَنِ الْمُرْضِعَةِ مُحَرِّمٌ، سَوَاءٌ كَانَ شُرْبًا أَوْ وُجُورًا أَوْ سُعُوطًا أَوْ حُقْنَةً حَيْثُ كَانَ يَسُدُّ جُوعَ الصَّبِيِّ وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُورِ "مذکورہ حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مُرْضِعَہ کا وہ دودھ جو بچے کی غذا بنے، وہ حرمت رضاعت ثابت کرنے والا ہے، چاہے وہ دودھ براہ راست پستان سے پیے یا کسی برتن میں ڈال کر منہ کے ذریعے سے یا ناک کے ذریعے سے یا حقنے کے ذریعے سے، جہاں اس سے بچے کی بھوک دور ہو جاتی ہو۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔" (سبل السلام:3/335)

صغرسنی کی (دو سال کے دورانیے میں) رضاعت قابل اعتبار ہوگی

دوسرا مسئلہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مدت رضاعت بھی دو سال ہے، اس مدت ہی کے اندر جو بچہ کسی عورت کا دودھ پیے گا فی الحقیقت یہی رضاعت معتبر ہے اور اسی سے حرمت ثابت ہوگی۔ اس سے زیادہ عمر کا بچہ اگر دودھ پیے گا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیوں کہ مدت رضاعت، یعنی دو سال کے بعد بچہ روٹی سالن اور دیگر خوراک سے اپنی بھوک مٹانے لگتا ہے، جبکہ اس سے پہلے اس کی بھوک مٹانے کا واحد مفید ذریعہ دودھ ہی تھا، دوسری غذاؤں کا کھانا اس کے لیے ناممکن یا مشکل تھا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرۃ2:233) "مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو۔" اس میں مدت رضاعت دو سال بتلائی گئی ہے اور اثبات رضاعت کے لیے اسی قرآنی مدت کا اعتبار ہوگا۔ اس کی وضاحت سنن دارقطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں اثبات رضاعت کے لیے دو سال کے اندر دودھ پینے کی صراحت ہے: «لَا رَضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ» "رضاعت صرف (ابتدائی) دو سالوں کے اندر ہے۔" (سبل السلام:3/341) اسے اگرچہ موقوف قرار دیا گیا ہے، تاہم مذکورہ احادیث اور آیت قرآنی کی توضیح میں اسے پیش کرنا صحیح ہے۔

سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کے واقعے کی وضاحت: سالم جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے متبنّٰی اور حلیف بنالیا تھا، ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ بھی اسے حقیقی بیٹے ہی کی طرح سمجھتی تھی، بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم باطل قرار دیا تو اسے سالم مولى أبي حذيفة کہا جانے لگا اور اجنبی قرار پائے، پھر وہ بالغ بھی ہو چکے تھے تو ابوحذیفہ کو ان کا گھر میں آنا جانا ناپسند تھا، اس پر سہلہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی مشکل پیش فرمائی کہ وہ ہمارے ہاں بیٹوں کی طرح رہے ہیں اور اب ان کے آنے کو ابوحذیفہ پسند نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے یہ حل تجویز فرمایا کہ وہ سالم کو پانچ مرتبہ (5 رضعے) دودھ پلا دے، وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ (مسند أحمد: 6/201، و صحیح مسلم، حدیث: 1453، وسنن أبي داود، حدیث: 2061) اس حدیث سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ مدت رضاعت کی تعیین صحیح نہیں۔ زیادہ عمر والے بچے حتی کہ بالغ لڑکوں کو بھی دودھ پلایا جا سکتا ہے اور اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس حدیث اور واقعے کی بنیاد پر رضاعت

کبیر کی قائل تھیں۔ تاہم دوسری ازواج مطہرات ﷢ نے اس مسئلے میں عائشہ کی رائے کو پسند نہیں کیا۔ انھوں نے اسے صرف سالم کے لیے خاص سمجھا، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے لیکن اگر یہ حدیث منسوخ ہوتی تو دیگر ازواج مطہرات عائشہ ﷞ کو یہ کہہ کر کہ یہ حدیث منسوخ ہے، انھیں ان کے موقف سے رجوع کرنے پر اصرار کر سکتی تھیں۔ لیکن ان سے ایسا کرنا منقول نہیں ہے، اس لیے اسے منسوخ باور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس واقعے سے نکلنے والی اجازت اور رخصت کو سالم کے ساتھ خاص تسلیم کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے جبکہ بعض موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو خصوصی اجازت اور رعایت عطا فرمائی ہے تو اس کی صراحت فرمادی ہے، جس طرح ابو بردہ ﷛ کو آپ نے یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ بکری کا چھوٹا بچہ قربانی میں ذبح کر لے اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ تیرے بعد یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح خزیمہ ﷛ کی شہادت کو ایک موقع پر دو کے قائم مقام قرار دیا اور اس کی بھی وضاحت فرمادی۔ اسی طرح اگر سالم کے واقعے میں بھی خصوصی اجازت صرف انھی کے لیے خاص ہوتی تو اس کی وضاحت بھی آپ فرما دیتے۔ ایسی وضاحت چونکہ آپ سے منقول نہیں، اس لیے اسے سالم کے ساتھ خاص تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ حدیث اگر سالم کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے، منسوخ بھی نہیں ہے تو پھر یہ حدیث دو سال کے اندر اندر دودھ پلانے والے موقف سے متعارض ہے جب کہ وہ موقف بھی صحیح احادیث پر مبنی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے امام ابن تیمیہ ؒ نے جو تطبیق پیش کی ہے، وہ بہت معقول ہے اور صاحب سبل السلام نے بھی اسے ''احسن'' قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عام حالات میں تو مدت رضاعت دو سال ہی ہے اس مدت کے اندر دودھ پینے سے ہی حرمت ثابت ہوگی، البتہ کبھی اس قسم کی خاص صورت پیش آجائے جیسے سہلہ اور سالم ﷠ کے واقعے میں موجود ہے تو اس خاص صورت میں سہلہ ﷞ والی حدیث پر عمل کرتے ہوئے رضاعتِ کبیر پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے، اس طرح اسے نہ خاص ماننے کا تکلف کرنا پڑتا ہے، نہ اسے منسوخ قرار دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ مطلقاً رضاعتِ کبیر کا جواز ہی تسلیم کرنے کی ضرورت رہتی ہے جو رضاعت کے لغوی مفہوم اور احادیثِ مذکورہ کے خلاف ہے بلکہ یہ ایک خاص حکم ہے جس پر خاص حالات میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو''سبل السلام شرح بلوغ المرام 3/338) مجتہد العصر مولانا حافظ عبد اللہ محدث روپڑی ؒ نے بھی اس تطبیق کو پسند فرمایا ہے اور اپنے فتویٰ میں اسے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ اہل حدیث: 3/185)

رضاعت کتنی مرتبہ دودھ پینے سے ثابت ہوگی؟

تیسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ رضاعت کتنی مرتبہ دودھ پینے سے ثابت ہوگی؟ کیا ایک ہی مرتبہ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی یا اس کے لیے ایک سے زیادہ مرتبہ کی شرط ہے؟ احناف، موالک اور بعض دیگر علماء کا مسلک تو یہی ہے کہ اس کے لیے ایک بار سے زیادہ پینے کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی اور زیادہ مرتبہ پینے سے تو بطریق اولیٰ ثابت ہو جائے گی مگر محدثین کی اکثریت خمس رَضَعَات (پانچ مرتبہ دودھ پینے) سے حرمت کی قائل ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

① صحیح مسلم میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن میں دس رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت کا حکم نازل کر دیا گیا۔(سبل السلام: 3/339)

② سہلہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ ہے جس کا ذکر صحیح مسلم وغیرہ کے حوالے سے گزر چکا ہے، اس میں بھی صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں پانچ مرتبہ دودھ پلانے کا حکم دیا تھا۔ قرآن مجید میں بلاشبہ اِرضاع کا ذکر مطلق آیا ہے: ﴿اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ''تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا'' لیکن قرآن مجید کے اس اطلاق کی تقیید حدیث نے کر دی کہ یہ دودھ پلانا کم از کم پانچ مرتبہ ہونا چاہیے۔ جس طرح اور کئی اطلاقات کی تقیید احادیث صحیحہ سے کی گئی ہے، یہاں بھی حدیث سے قرآن کے اطلاق کی تقیید صحیح ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں نے حدیث: «لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ» (صحیح مسلم، حدیث: 1450) ''ایک مرتبہ چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا۔'' اور حدیث: «لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ» (مسند أحمد: 6/339) ''ایک مرتبہ پستان منہ میں دینا یا دو مرتبہ دینا حرمت ثابت نہیں کرتا۔'' سے استدلال کیا ہے کہ کم از کم تین مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ تین مرتبہ سے حرمت کے اثبات میں واضح نہیں ہے، اس لیے کہ تین مرتبہ پینے سے حرمت ثابت کرنا اس حدیث کا مفہوم مخالف ہے جبکہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی پانچ رضعات والی حدیث منطوق اور صریح ہے، جب منطوق اور مفہوم میں تعارض ہو جائے تو منطوق کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا خمس رضعات والی احادیث ان احادیث پر مقدم اور راجح ہوں گی جن سے تین کا مفہوم اخذ کیا جاتا ہے۔

خمس رضعات (پانچ مرتبہ دودھ پینے) کا مطلب

رَضَعَاتٌ رَضْعَةٌ کی جمع ہے۔ رَضْعَةٌ کے معنی ہیں: ایک مرتبہ دودھ پینا، جیسے ضَرْبَةٌ کے معنی ایک مرتبہ مارنے، جَلْسَةٌ کے معنی ایک مرتبہ بیٹھنے کے ہیں۔ اور ایک مرتبہ دودھ پینے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ ایک دفعہ پستان منہ میں لے کر چوسے، پھر اپنی مرضی سے بغیر کسی عارضے کے چھوڑ دے، البتہ درمیان میں اگر سانس لینے یا تھوڑا سا ستانے کے لیے منہ پستان سے ہٹا لے تو اسے چھوڑنا نہیں کہیں گے بلکہ یہ معمولی سا وقفہ ہے، اس سے پہلے اور بعد کے دودھ پینے کو ایک ہی رَضْعَة میں شمار کیا جائے گا۔ اس طرح سے اگر ایک دن میں پانچ مرتبہ دودھ پیے گا تو یہ دودھ یقیناً اس کے جسم کی غذا بنے گا، اس کی ہڈیاں مضبوط ہوں گی اور گوشت میں اضافہ ہو گا جب کہ ایک دو مرتبہ دودھ پینے سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ (سبل السلام: 3/336)

اس طریقے سے جو بچہ کسی عورت کا پانچ مرتبہ دودھ پیے گا تو اس رضاعت سے حرمت ثابت ہو جائے گی، وہ عورت اس کی رضاعی ماں اور یہ اس کا رضاعی بیٹا اور اس عورت کے بیٹے بیٹیاں اس کے رضاعی بھائی اور بہنیں شمار ہوں گی۔ اس عورت کا شوہر اس کا رضاعی باپ ہو جائے گا۔ جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ تمام رشتے رضاعت (دودھ پینے) سے بھی حرام ہو جائیں گے۔

سورتوں کی فہرست

90



اعداد

دارالسلام ریسرچ سنٹر







باب: 1 ارکان ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	62
2	〃	136
2	〃	177
2	〃	186
2	〃	228
2	〃	257
2	〃	285
3	آل عمرٰن	18
3	〃	52
3	〃	84
3	〃	110
3	〃	114
3	〃	179
3	〃	193
3	〃	199
4	النسآء	39
4	〃	59
4	〃	136
4	〃	152
4	〃	162
4	〃	175
5	المآئدة	59
5	〃	69
5	〃	84
5	〃	88
6	الأنعام	14
6	〃	71
6	〃	163,162
7	الأعراف	158
9	التوبة	19,18
9	〃	99
18	الكهف	13
21	الأنبيآء	108
24	النور	2
24	〃	62
26	الشعرآء	47
29	العنكبوت	46
36	يٰس	25
48	الفتح	9
48	〃	13
49	الحجرات	15
57	الحديد	8,7
57	〃	19
57	〃	21
58	المجادلة	4
58	〃	22

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	133
2	〃	163
3	آل عمرٰن	18
4	النسآء	171
5	المآئدة	73
6	الأنعام	19
7	الأعراف	70
9	التوبة	31
12	يوسف	39
13	الرعد	16
14	إبراهيم	48
14	〃	52
16	النحل	22
16	〃	51
17	بنيٓ إسرآء يل	46
18	الكهف	110
21	الأنبيآء	108
22	الحج	34
29	العنكبوت	46
37	الصّٰفّٰت	4
38	صٓ	5
38	〃	65
39	الزمر	4
39	〃	45
40	المؤمن	12
40	〃	16
40	〃	84
41	حٰمٓ السجدة	6
60	الممتحنة	4
112	الإخلاص	1

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	83
2	〃	163
2	〃	172
3	آل عمرٰن	2
3	〃	6
3	〃	18
3	〃	62
3	〃	64
4	النسآء	36
4	〃	87
5	المآئدة	73
6	الأنعام	46
6	〃	71
6	〃	102
6	〃	106
6	〃	151
7	الأعراف	59
7	〃	65
7	〃	73
7	〃	85
7	〃	158
9	التوبة	31
9	〃	129
10	يونس	90
11	هود	2
11	〃	26
11	〃	50
11	〃	61
11	〃	84
12	يوسف	40-38
13	الرعد	30
13	〃	36
16	النحل	2
17	بنيٓ إسرآء يل	23
18	الكهف	110
20	طٰه	8
20	〃	14
20	〃	98
21	الأنبيآء	22
21	〃	25
21	〃	87
23	المؤمنون	23
23	〃	91
23	〃	116
27	النمل	26
27	〃	64-59
28	القصص	72-70
28	〃	88
35	فاطر	3

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
36	یٰسٓ	61
37	الصّٰفّٰت	35
38	صٓ	65
39	الزمر	3,2
39	〃	6
40	المؤمن	3
40	〃	62
40	〃	66,65
41	حٰمٓ السجدة	14
43	الزخرف	84
44	الدخان	8
46	الأحقاف	21
47	محمد	19
52	الطور	43
59	الحشر	23,22
64	التغابن	13
73	المزمل	9

اللہ ہر چیز کا خالق ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	21
2	〃	29
2	〃	117
2	〃	228
3	ال عمرٰن	6
3	〃	47
4	النسآء	1
5	المآئدة	18,17
6	الأنعام	2,1
6	〃	73
6	〃	79
6	〃	99-95
6	〃	102,101
7	الأعراف	54
7	〃	185
9	التوبة	36
10	یونس	6-3
11	هود	7
11	〃	51
13	الرعد	16
14	إبراهيم	19
14	〃	32
15	الحجر	27,26
15	〃	33
15	〃	86
16	النحل	5-3
16	〃	48
16	〃	70
16	〃	81-78
17	بنیٓ إسرآءيل	99
20	طٰهٰ	4
20	〃	53
20	〃	55
21	الأنبيآء	30
21	〃	33
23	المؤمنون	79,78
24	النور	45
25	الفرقان	2
25	〃	48-45
25	〃	54
25	〃	62,61
26	الشعرآء	166
26	〃	184
27	النمل	61,60
35	فاطر	3-1
36	یٰسٓ	81
39	الزمر	62
40	المؤمن	66
59	الحشر	24
67	المُلک	3,2
67	〃	15
67	〃	23
75	القيٰمة	39,38
87	الأعلٰى	2
92	الّيل	3
96	العلق	2,1
113	الفلق	2

اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	3
2	〃	57
2	〃	172
2	〃	212
2	〃	254
3	ال عمرٰن	37
5	المآئدة	88
6	الأنعام	143
7	الأعراف	50
7	〃	160
8	الأنفال	4,3
8	〃	26
10	يونس	31
10	〃	93
11	هود	6
13	الرعد	22
14	إبراهيم	31
16	النحل	56
16	〃	73,72
16	〃	75
16	〃	114
17	بنیٓ إسرآءيل	31,30
17	〃	70
20	طٰهٰ	81
22	الحج	35,34
24	النور	38
28	القصص	54
29	العنكبوت	60
30	الروم	28
30	〃	37
30	〃	40
32	السجدة	16
36	یٰسٓ	47
40	المؤمن	64
42	الشورٰى	12
42	〃	38
45	الجاثية	16
51	الذّٰريٰت	58
63	المنٰفقون	10

غیب کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	33
5	المآئدة	109
5	〃	116
6	الأنعام	50
6	〃	59
6	〃	73
7	الأعراف	188
9	التوبة	78
9	〃	94
9	〃	105
10	يونس	20
11	هود	31
11	〃	123

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
13	الرعد	9
16	النحل	77
18	الكهف	26
23	المؤمنون	92
27	النمل	65
32	السجدة	6
34	سبا	3
34	〃	48
35	فاطر	38
39	الزمر	46
49	الحجرات	18
52	الطور	41
53	النجم	35
59	الحشر	22
62	الجمعة	8
64	التغابن	18
72	الجن	26

شفاعطاکرنے والا اللہ ہی ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	14
26	الشعرآء	80

مصائب ومشکلات سے نجات دینے والا اللہ ہی ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	50,49
6	الأنعام	41
6	〃	64,63
7	الأعراف	64
7	〃	72
7	〃	83
7	〃	89
7	〃	141
10	يونس	22
10	〃	23
10	〃	73
10	〃	86
10	〃	92
10	〃	103
11	هود	58
11	〃	66
11	〃	94
11	〃	116
12	يوسف	110
17	بنيٓ إسرآء يل	56
17	〃	67
20	طٰه	40
20	〃	80
21	الأنبيآء	9
21	〃	71
21	〃	74
21	〃	76
21	〃	88
23	المؤمنون	28
26	الشعرآء	73,72
26	〃	118
26	〃	119
28	القصص	21
29	العنكبوت	15
29	〃	24
29	〃	32
29	〃	65
31	لقمٰن	32
37	الصّٰفّٰت	76
37	〃	115
37	〃	134
39	الزمر	61
41	حٰمٓ السجدة	18
44	الدخان	30
54	القمر	34
66	التحريم	11

ملائکہ پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	177
2	〃	285
4	النسآء	136

ملائکہ، اُن کے اوصاف اور ذمہ داریاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	34-30
2	〃	98-97
2	〃	102
6	الأنعام	93
7	الأعراف	206
13	الرعد	11
13	〃	13
16	النحل	50,49
19	مريم	64
21	الأنبيآء	20,19
21	〃	29-26
25	الفرقان	25
26	الشعرآء	194,193
34	سبا	23,22
35	فاطر	1
37	الصّٰفّٰت	3-1
37	〃	166-164
40	المؤمن	9-7
41	حٰمٓ السجدة	31,30
41	〃	38
42	الشورىٰ	5
43	الزخرف	77
43	〃	80
50	قٓ	18,17
50	〃	26-23
53	النجم	26
66	التحريم	4
66	〃	6
69	الحآقة	17
74	المدثر	31,30
81	التكوير	21-19
82	الانفطار	12-10
97	القدر	4

قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	2
2	〃	4
2	〃	41
2	〃	61
2	〃	85
2	〃	89
2	〃	91
2	〃	99
2	〃	121
2	〃	177
2	〃	285
3	ال عمرٰن	4,3
3	〃	7
3	〃	53
3	〃	84
3	〃	199
4	النسآء	47
4	〃	136
4	〃	162

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	〃	170
5	المآئدة	59
5	〃	66
5	〃	68
5	〃	83
5	〃	84
6	الأنعام	20
6	〃	92
6	〃	109
10	يونس	40
10	〃	94
11	هود	17
13	الرعد	36
17	بنيّ إسرآءيل	107
21	الأنبيآء	50
28	القصص	52
29	العنكبوت	47,46
40	المؤمن	70
42	الشورى	15
64	التغابن	8
66	التحريم	12

قرآن مجید کے مُنَزَّل مِنَ الله ہونے کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24,23
3	ال عمرٰن	44
4	النسآء	82
6	الأنعام	19
10	يونس	38,37
11	هود	14,13
11	〃	49
12	يوسف	102
17	بنيّ إسرآءيل	88

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشعرآء	197,196
28	القصص	49
29	العنكبوت	49-47
34	سبا	6
39	الزمر	23
39	〃	28,27
46	الأحقاف	10
52	الطور	34,33
69	الحآقة	47-38

قرآن کی پیشین گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	24
2	〃	114
3	ال عمرٰن	12
3	〃	112,111
3	〃	139
3	〃	151
4	النسآء	84
5	المآئدة	54
5	〃	67
8	الأنفال	36
8	〃	40-37
8	〃	60,59
8	〃	62
9	التوبة	15,14
9	〃	28
9	〃	33,32
9	〃	39
9	〃	57,56
9	〃	101
13	الرعد	31
15	الحجر	9
16	النحل	41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنيّ إسرآءيل	8
17	〃	60
17	〃	88
24	النور	55
27	النمل	93
28	القصص	85
30	الروم	6-1
32	السجدة	21
37	الصّٰفّٰت	175-171
41	حٰمٓ السجدة	53
47	محمد	10-7
47	〃	35
48	الفتح	16
48	〃	21
48	〃	27
52	الطور	48,47
54	القمر	45
58	المجادلة	21,20
61	الصف	9,8
68	القلم	16
96	الفلق	18-15

سائنس قرآن کی تصدیق کرتی ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	164
6	الأنعام	99-95
7	الأعراف	54
13	الرعد	4-2
16	النحل	16-10
16	〃	69-65
21	الأنبيآء	33-30
21	〃	104
23	المؤمنون	22-12
24	النور	45-43

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشعرآء	7
27	النمل	88
29	العنكبوت	20,19
36	يٰسٓ	40-36
41	حٰمٓ السجدة	12-9
42	الشورى	33,32
51	الذّٰريٰت	49-47
57	الحديد	25
71	نوح	20-14
75	القيٰمة	9-7
81	التكوير	6
82	الانفطار	3
84	الانشقاق	19-16
86	الطارق	7-6
86	〃	12,11
87	الأعلى	5,4
96	العلق	2
97	القدر	5

قرآنی تمثیلات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	20-17
2	〃	26
2	〃	171
2	〃	261
2	〃	266-264
3	ال عمرٰن	117
10	يونس	24
11	هود	24
13	الرعد	17
14	إبراهيم	18
14	〃	26-24
16	النحل	76,75
16	〃	112

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	32
18	〃	45
22	الحج	73
24	النور	35
24	〃	40,39
29	العنكبوت	41
30	الروم	28
36	يٰسٓ	13
36	〃	78
39	الزمر	29
48	الفتح	29
57	الحديد	20
59	الحشر	21
62	الجمعة	5
66	التحريم	12-10
رسولوں پرایمان		
2	البقرة	136
2	〃	177
2	〃	285
3	ال عمرٰن	81
3	〃	84
3	〃	144
3	〃	179
4	النسآء	136
4	〃	152
5	المآئدة	12
5	〃	19
5	〃	111
6	الأنعام	34
6	〃	48
6	〃	130
7	الأعراف	52

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	128
10	يونس	2
14	إبراهيم	9
15	الحجر	10
16	النحل	36
16	〃	63
21	الأنبيآء	25
52	الفرقان	20
30	الروم	47
40	المؤمن	22
40	〃	51
40	〃	78
46	الأحقاف	9
57	الحديد	7
57	〃	19
57	〃	21
57	〃	28
58	المجادلة	4
61	الصف	11
64	التغابن	8
تمام انبیاء ورسل بشر ہی تھے		
3	ال عمرٰن	79
6	الأنعام	91
11	هود	27
14	إبراهيم	11,10
15	الحجر	28
15	〃	33
17	بنيٓ إسرآء يل	94,93
18	الكهف	110
21	الأنبيآء	3
21	〃	34
23	المؤمنون	24

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	〃	34,33
23	〃	47
26	الشعرآء	154
26	〃	186
36	يٰسٓ	15
41	حٰمٓ السجدة	6
42	الشورىٰ	51
54	القمر	24
64	التغابن	6
74	المدثر	25
روزآخرت پرایمان		
2	البقرة	4
2	〃	46
2	〃	62
2	〃	156
2	〃	177
2	〃	223
2	〃	228
2	〃	285
3	ال عمرٰن	9
3	〃	114
4	النسآء	39
4	〃	59
4	〃	136
4	〃	162
5	المآئدة	69
9	التوبة	19,18
9	〃	99
17	بنيٓ إسرآء يل	19
23	المؤمنون	74
24	النور	2
29	العنكبوت	36

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
31	لقمٰن	4
34	سبا	3
34	〃	30
40	المؤمن	27
40	〃	59
42	الشورىٰ	18
43	الزخرف	61
43	〃	66
58	المجادلة	22
64	التغابن	7
65	الطلاق	2
69	الحآقة	20
70	المعارج	26
83	المطففين	6,5
قُربِ قیامت اوراس کے آثار		
18	الكهف	99,98
21	الأنبيآء	96
27	النمل	82
43	الزخرف	61
44	الدخان	11,10
47	محمد	18
53	النجم	58,57
54	القمر	1
70	المعارج	7,6
نفخ صوراور حشر ونشر		
2	البقرة	113
2	〃	148
2	〃	174
2	〃	210
3	ال عمرٰن	107,106
4	النسآء	42,41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	31
6	〃	36
6	〃	38
6	〃	73
7	الأعراف	29
7	〃	53
9	التوبة	35,34
10	يونس	4
10	〃	30-26
10	〃	45
11	هود	18
11	〃	98
11	〃	103
14	إبراهيم	51-48
15	الحجر	25
16	النحل	89-84
17	بنيٓ إسرآء يل	52
17	〃	72-71
17	〃	97
17	〃	104
18	الكهف	47
18	〃	53,52
18	〃	101-98
19	مريم	39-37
19	〃	72-68
19	〃	85
19	〃	87
19	〃	95-93
20	طٰهٰ	112-100
20	〃	127-124
21	الأنبيآء	40
21	〃	104-103
22	الحج	78
23	المؤمنون	100
23	〃	103
25	الفرقان	30-22
25	〃	34
26	الشعرآء	95-90
27	النمل	85-83
27	〃	88,87
28	القصص	66-62
28	〃	75,74
30	الروم	16-12
30	〃	57-55
32	السجدة	5
36	يٰسٓ	67-48
37	الصّٰفّٰت	34-18
38	صٓ	15
39	الزمر	70-67
39	〃	75
40	المؤمن	20-15
42	الشورىٰ	47
43	الزخرف	68-66
44	الدخان	42-40
50	قٓ	11
50	〃	31-20
50	〃	44-41
52	الطور	15-7
54	القمر	8-6
55	الرحمٰن	44-37
56	الواقعة	6-1
56	〃	50,49
57	الحديد	15-12
64	التغابن	9
68	القلم	43,42
69	الحآقّة	4-1
69	〃	18-13
70	المعارج	14-1
70	〃	44,43
73	المزمل	14-12
73	〃	18-17
74	المدثر	10-8
75	القيٰمة	13-7
77	المرسلٰت	15-8
78	النبا	20-17
78	〃	40-37
79	النّٰزعٰت	9-6
79	〃	14-13
79	〃	41-34
79	〃	46
80	عبس	42-33
81	التكوير	14-1
82	الانفطار	5-1
82	〃	19-15
83	المطففين	17-15
84	الانشقاق	5-1
89	الفجر	30-21
99	الزلزال	8-1
100	العٰديٰت	11-9
101	القارعة	5-1

حوض کوثر کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
108	الكوثر	1

عذابِ قبر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
14	إبراهيم	27
40	المؤمن	46

عالم برزخ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	54
3	ال عمرٰن	171-169
4	النسآء	97
6	الأنعام	62
7	الأعراف	41,40
23	المؤمنون	100
32	السجدة	11
40	المؤمن	46
50	قٓ	3
71	نوح	25

قیامت اور دوبارہ زندگی کا ثبوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	73,72
2	〃	113
2	〃	260,259
7	الأعراف	29
7	〃	57
16	النحل	40-38
16	〃	77
17	بنيٓ إسرآء يل	52-48
17	〃	99,98
18	الكهف	21
19	مريم	68-66
20	طٰهٰ	15
21	الأنبيآء	104
22	الحج	7-1
27	النمل	72-67
29	العنكبوت	20,19
30	الروم	14-11
30	〃	19
30	〃	27
30	〃	50
34	سبا	3
35	فاطر	9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
36	يٰسٓ	33
36	〃	68
36	〃	82-77
37	الصّٰفّٰت	21-16
38	صٓ	28,27
39	الزمر	42
40	المؤمن	59-57
41	حٰمٓ السجدة	39
44	الدخان	40-38
45	الجاثيه	22-21
46	الأحقاف	3
46	〃	33
50	قٓ	15-2
51	الذّٰريٰت	6-1
52	الطور	12-1
56	الواقعة	7-1
56	〃	62-57
75	القيٰمة	13-3
75	〃	40-36
77	المرسلٰت	13-1
78	النبأ	20-6
78	〃	40-38
79	النّٰزعٰت	14-10
79	〃	46-27
86	الطارق	10-5
95	التين	8-4
اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں		
2	البقرة	255
4	النسآء	85
17	بنيٓ إسرآءيل	79
19	مريم	87
78	النبا	38

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
93	الضحٰى	5
اہلِ دوزخ کے لیے ہولناک عذاب		
6	الأنعام	27
7	الأعراف	39,38
23	المؤمنون	108-104
25	الفرقان	14-13
26	الشعرآء	102-96
32	السجدة	14-12
33	الأحزاب	68-66
35	فاطر	37,36
40	المؤمن	11,10
40	〃	50-47
43	الزخرف	77-74
67	المُلك	11-6
اعراف اور اہلِ اعراف		
7	الأعراف	49-46
جنت، وسعتِ جنت اور اہلِ جنت		
3	ال عمرٰن	133
7	الأعراف	44-42
10	يونس	10,9
13	الرعد	24-22
13	〃	35
15	الحجر	48-45
16	النحل	32-30
18	الكهف	31-30
22	الحج	24-23
25	الفرقان	16-15
29	العنكبوت	58
32	السجدة	19-17
33	الأحزاب	44

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
34	سبا	37
35	فاطر	35-33
36	يٰسٓ	58-55
37	الصّٰفّٰت	59-41
38	صٓ	54-49
40	المؤمن	40
43	الزخرف	73-69
44	الدخان	57-51
52	الطور	38-17
56	الواقعة	37-12
57	الحديد	21
88	الغاشية	16-10
دوامِ جنت و دوزخ		
11	هود	108-106
دیدارِ الٰہی		
10	يونس	26
18	الكهف	110
29	العنكبوت	5
75	القيٰمة	25-22
83	المطففين	15
تقدیر پر ایمان		
7	الأعراف	131
9	التوبة	51
10	يونس	49
10	〃	98-96
10	〃	100
10	〃	107
11	هود	6
11	〃	34
11	〃	36

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	109
11	〃	119
12	يوسف	15
12	〃	41
13	الرعد	2
13	〃	8
13	〃	17
13	〃	26
13	〃	38
15	الحجر	5,4
15	〃	21
15	〃	24
15	〃	61
17	بنيٓ إسرآءيل	7-4
17	〃	13
17	〃	30
17	〃	58
17	〃	77
17	〃	104
17	〃	108
18	الكهف	27
18	〃	58
20	طه	40
23	المؤمنون	18
23	〃	27
23	〃	43
25	الفرقان	2
33	الأحزاب	38
36	يٰسٓ	38
36	〃	39
54	القمر	49
57	الحديد	23,22
64	التغابن	11

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
65	الطلاق	3
باب: 2 ارکان اسلام		
نماز		
2	البقرة	43
2	〃	239,238
4	النسآء	103-101
11	هود	114
17	بني إسرآء يل	79,78
17	〃	110
20	طٰه	14
20	〃	130
20	〃	132
23	المؤمنون	2
23	〃	9
24	النور	56
29	العنكبوت	45
30	الروم	18,17
50	ق	40,39
51	الذّٰريٰت	18,17
52	الطور	49,48
62	الجمعة	10,9
73	المزمل	4-2
76	الدهر	26,25
87	الأعلى	15
107	الماعون	6-4
پنج وقتہ فرض نمازیں		
11	هود	114
17	بني إسرآء يل	78
20	طٰه	130
30	الروم	18,17
نماز جمعہ اور خطبہ		
62	الجمعة	11-9
نماز عید الفطر		
87	الأعلى	15,14
نماز عید الاضحیٰ		
108	الكوثر	2
نماز جنازہ		
9	التوبة	84
9	〃	103
نماز خوف		
2	البقرة	239
4	النسآء	102
نماز تہجد		
17	بني إسرآء يل	79
73	المزمل	4-2
نماز استسقاء		
71	نوح	12-10
نماز مسافر		
4	النسآء	101
نماز مریض		
4	النسآء	103
زکاۃ، صدقات اور ان کے مصارف		
2	البقرة	215
2	〃	267
2	〃	274-271
6	الأنعام	141
9	التوبة	60
24	النور	56
25	الفرقان	67
30	الروم	39
76	الدهر	9,8
رمضان		
روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کا بیان		
2	البقرة	125
2	〃	187-183
44	الدخان	5-3
97	القدر	5-1
حج وعمرہ		
مسائل حج، کعبہ اور مکہ مکرمہ کا بیان		
2	البقرة	127-125
2	〃	158
2	〃	191
2	〃	203-196
3	آل عمرٰن	97,96
5	المآئدة	2,1
5	〃	97-94
22	الحج	37-25
27	النمل	91
28	القصص	57
29	العنكبوت	67
95	التين	3
باب: 3 اوامر کا بیان		
انفاق (اللہ کے راستے میں خرچ کرنا)		
2	البقرة	3
2	〃	177
2	〃	195
2	〃	215
2	〃	219
2	〃	245
2	〃	254
2	〃	262,261
2	〃	265
2	〃	267
2	〃	271
2	〃	272
2	〃	274
3	آل عمرٰن	92
3	〃	134
4	النسآء	39
8	الأنفال	3
8	〃	60
9	التوبة	54,53
30	الروم	39
32	السجدة	16
33	الأحزاب	35
34	سبا	39
35	فاطر	30,29
36	يٰس	47
42	الشورٰى	38
47	محمد	38
57	الحديد	7
57	〃	10
57	〃	11
57	〃	18
63	المنافقون	10
64	التغابن	17
65	الطلاق	6
65	〃	7

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
73	المزمل	2
92	الليل	5
92	〃	18
	اللہ کا ذکر	
2	البقرة	152
2	〃	198
2	〃	200
2	〃	203
3	آل عمرٰن	41
4	النسآء	103
7	الأعراف	69
7	〃	74
7	〃	201
7	〃	205
8	الأنفال	45
13	الرعد	28
17	بنیٓ إسرآءيل	111
18	الكهف	24
20	طٰه	34,33
20	〃	113
20	〃	130
22	الحج	37
22	〃	40
25	الفرقان	58
25	〃	62
29	العنكبوت	45
30	الروم	18,17
32	السجدة	15
33	الأحزاب	21
33	〃	35
33	〃	42,41
38	صٓ	18

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المومن	55
48	الفتح	9
50	قٓ	40,39
52	الطور	49,48
56	الواقعة	74
56	〃	96
57	الحديد	16
62	الجمعة	10
63	المنافقون	9
69	الحآقة	52
73	المزمل	8
74	المدثر	3
76	الدهر	26,25
87	الأعلىٰ	1
87	〃	15
110	النصر	3
	اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا	
2	البقرة	40
2	〃	177
3	آل عمرٰن	77,76
5	المآئدة	7
6	الأنعام	152
13	الرعد	20
16	النحل	91
16	〃	95
57	الحديد	8
	اللہ کا تقویٰ	
2	البقرة	2
2	〃	48
2	〃	177
2	〃	179

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	197,196
2	〃	203
2	〃	233
3	آل عمرٰن	15
3	〃	76
3	〃	102
4	النسآء	1
4	〃	12
4	〃	131
5	المآئدة	35
5	〃	65
5	〃	88
5	〃	93
5	〃	96
5	〃	100
6	الأنعام	69
7	الأعراف	35
7	〃	96
7	〃	128
7	〃	156
8	الأنفال	1
13	الرعد	35
15	الحجر	45
16	النحل	2
16	〃	128
19	مريم	63
19	〃	85
22	الحج	1
22	〃	32
23	المؤمنون	52
24	النور	52
26	الشعرآء	108
26	〃	126

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
	اللہ کا ڈر	
2	البقرة	40
2	〃	150
3	آل عمرٰن	175
5	المآئدة	3
5	〃	28
5	〃	94
6	الأنعام	15
6	〃	51
6	〃	82,81
7	الأعراف	56
7	〃	154
7	〃	205
8	الأنفال	2
9	التوبة	13
9	〃	18
13	الرعد	21
14	إبراهيم	14
16	النحل	51,50
21	الأنبيآء	28
21	〃	49
21	〃	90
22	الحج	54
23	المؤمنون	2
23	〃	57
23	〃	60
24	النور	52
32	السجدة	16
33	الأحزاب	35
33	〃	37
33	〃	39
35	فاطر	18

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
35	〃	28
36	یونس	11
39	الزمر	16
39	〃	23
55	الرحمٰن	46
57	الحديد	16
59	الحشر	21
67	الملک	19
79	النّزعٰت	19
79	〃	41,40
80	عبس	9
87	الأعلیٰ	10
98	البينة	8

صبر کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	45
2	〃	153
2	〃	156,155
2	〃	177
2	〃	250
3	آل عمرٰن	125
3	〃	142
3	〃	146
3	〃	186
3	〃	200
7	الأعراف	87
7	〃	126
7	〃	128
7	〃	137
8	الأنفال	66
10	يونس	109
11	هود	11
11	〃	49

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	〃	115
12	يوسف	83
12	〃	90
13	الرعد	22
13	〃	24
14	إبراهيم	5
14	〃	12
15	النحل	42
15	〃	96
15	〃	127,126
18	الكهف	28
18	〃	69
19	مريم	65
20	طٰه	130
20	〃	132
21	الأنبيآء	85
22	الحج	35
23	المؤمنون	111
25	الفرقان	20
25	〃	75
28	القصص	54
28	〃	80
29	العنكبوت	59
30	الروم	60
31	لقمٰن	17
31	〃	31
32	السجدة	24
33	الأحزاب	35
34	سبا	19
37	الصّٰفّٰت	102
38	صٓ	17
38	〃	44
39	الزمر	10

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	55
40	〃	77
41	حٰمٓ السجدة	35
42	الشوریٰ	23
42	〃	43
46	الأحقاف	35
47	محمد	31
49	الحجرات	5
50	قٓ	39
52	الطور	48
68	القلم	48
71	المعارج	5
73	المزمل	10
74	المدثر	7
76	الدهر	24
90	البلد	17

توبہ واستغفار

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	54
2	〃	58
2	〃	160
2	〃	199
2	〃	222
3	آل عمرٰن	54
7	الأعراف	143
7	〃	153
8	الأنفال	33
8	〃	38
8	〃	70
9	التوبة	3
9	〃	5
9	〃	27
9	〃	102

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	〃	104
9	〃	106
19	مريم	60
20	طٰه	122
24	النور	22
24	〃	31
25	الفرقان	6
25	〃	71,70
27	النمل	46
28	القصص	16
28	〃	67
33	الأحزاب	73
34	سبا	4
34	〃	15
35	فاطر	28
35	〃	41
38	صٓ	24
38	〃	35
38	〃	44
39	الزمر	17
39	〃	54,53
40	المؤمن	3
40	〃	7
40	〃	55
41	حٰمٓ السجدة	6
42	الشوریٰ	5
42	〃	25
46	الأحقاف	15
47	محمد	19
48	الفتح	14
50	قٓ	33,32
51	الذاريٰت	18
59	الحشر	10

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
66	التحريم	5,4
66	〃	8
68	القلم	32
71	نوح	10
73	المزمل	20
76	الدهر	29
78	النبأ	39
110	النصر	3
شکر		
2	البقرة	2
2	〃	40
2	〃	47
2	〃	52
2	〃	56
2	〃	152
2	〃	172
2	〃	185
3	ال عمرٰن	145
4	النسآء	147
5	المآئدة	11
5	〃	20
7	الأعراف	58
7	〃	144
8	الأنفال	26
12	يوسف	38
14	إبراهيم	7-5
14	〃	34
14	〃	37
16	النحل	14
16	〃	78
16	〃	114
16	〃	121
21	الأنبياء	80
22	الحج	36
25	الفرقان	62
27	النمل	40
27	〃	59
28	القصص	73
29	العنكبوت	17
30	الروم	46
31	لقمٰن	12
31	〃	14
32	السجدة	9
33	الأحزاب	9
34	سبا	13
34	〃	15
34	〃	19
35	فاطر	12
36	يٰسٓ	73
39	الزمر	7
39	〃	66
42	الشورٰى	33
43	الزخرف	13
45	الجاثية	12
46	الأحقاف	15
54	القمر	35
56	الواقعة	70
67	الملك	23
93	الضحٰى	11
والدین کے ساتھ حسن سلوک		
2	البقرة	83
4	النسآء	36
6	الأنعام	151
17	بنيٓ إسرآء يل	24,23
19	مريم	14
19	〃	32
29	العنكبوت	8
31	لقمٰن	15,14
46	الأحقاف	15
رشتہ داروں سے حسن سلوک		
2	البقرة	83
4	النسآء	8
4	〃	36
8	الأنفال	41
16	النحل	90
17	بنيٓ إسرآء يل	26
30	الروم	38
52	الطور	26
59	الحشر	7
یتیموں سے حسن سلوک		
2	البقرة	83
2	〃	220
4	النسآء	2
4	〃	6
4	〃	8
4	〃	10
4	〃	36
4	〃	127
6	الأنعام	152
8	الأنفال	41
17	بنيٓ إسرآء يل	34
18	الكهف	82
59	الحشر	7
76	الدهر	8
93	الضحٰى	9
107	الماعون	2
مساکین سے حسن سلوک		
2	البقرة	83
4	النسآء	8
4	〃	36
8	الأنفال	41
17	بنيٓ إسرآء يل	26
22	الحج	28
30	الروم	38
59	الحشر	7
76	الدهر	8
پڑوسیوں سے حسن سلوک		
4	النسآء	36
مسافر اور حاجت مند سے حسن سلوک		
2	البقرة	177
4	النسآء	36
8	الأنفال	41
17	بنيٓ إسرآء يل	26
30	الروم	38
51	الذٰريٰت	19
59	الحشر	7
70	المعارج	25
93	الضحٰى	10
اولاد کے ساتھ بھلائی		
2	البقرة	124
2	〃	126
2	〃	129,128
2	〃	133,132
3	ال عمرٰن	38

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
14	إبراهيم	35
25	الفرقان	74
31	لقمٰن	13
31	〃	19
37	الصّٰفّٰت	100
52	الطور	26
بیوی سے حسن سلوک		
2	البقرة	187
2	〃	223,222
2	〃	228
4	النسآء	19
23	المؤمنون	6
25	الفرقان	74
65	الطلاق	2,1
65	〃	7,6
اپنے مملوک (غلام، لونڈی) سے حسن سلوک		
4	النسآء	36
عام احسان وبھلائی		
2	البقرة	112
2	〃	195
4	النسآء	125
4	〃	128
5	المآئدة	93
7	الأعراف	161
10	يونس	26
12	يوسف	22
16	النحل	90
31	لقمٰن	3
31	〃	22
39	الزمر	10
39	〃	58
46	الأحقاف	12
51	الذاريٰت	16
53	النجم	60
67	الملك	2
77	المرسلٰت	44
اچھی گفتگو (کلام طیب)		
2	البقرة	83
4	النسآء	9
5	المآئدة	85-83
14	إبراهيم	27,26
17	بني إسرآء يل	53
20	طٰه	44
22	الحج	24
25	الفرقان	63
33	الأحزاب	32
33	〃	71,70
35	فاطر	10
38	صٓ	20
41	حٰمٓ السجدة	33
47	محمد	21
عفوودرگذر		
2	البقرة	109
3	ال عمرٰن	134
3	〃	159
5	المآئدة	13
5	〃	28
12	يوسف	92
12	〃	98
15	الحجر	85
24	النور	22
42	الشورٰى	37
42	〃	40
42	〃	43
43	الزخرف	89
45	الجاثية	14
64	التغابن	14
قرآن کی تلاوت اور اس کی پیروی		
2	البقرة	121
2	〃	146
4	النسآء	82
6	الأنعام	155
7	الأعراف	204
16	النحل	98
18	الكهف	27
20	طٰه	3,2
20	〃	123
27	النمل	92
29	العنكبوت	45
33	الأحزاب	2
33	〃	34
35	فاطر	29
36	يٰسٓ	11
39	الزمر	55
43	الزخرف	44,43
47	محمد	24
54	القمر	17
54	〃	22
54	〃	32
54	〃	40
62	الجمعة	2
65	الطلاق	11
73	المزمل	4
73	〃	20
75	القيٰمة	19-16
مساجد کی تعمیر		
2	البقرة	125
2	〃	127
7	الأعراف	31
9	التوبة	18
9	〃	110-107
22	الحج	26
24	النور	36
جہاد فی سبیل اللہ		
2	البقرة	154
2	〃	191,190
2	〃	193
2	〃	216
2	〃	218
2	〃	244
3	ال عمرٰن	142
3	〃	158,157
3	〃	169
3	〃	171
3	〃	195
4	النسآء	71
4	〃	77
4	〃	84
4	〃	95
4	〃	104
5	المآئدة	35
5	〃	54
8	الأنفال	39
8	〃	45

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
8	〃	57-55
9	التوبة	4
9	〃	16
9	〃	19
9	〃	22
9	〃	29
9	〃	36
9	〃	38
9	〃	41
9	〃	73
9	〃	88
9	〃	111
9	〃	121
9	〃	123
22	الحج	40,39
22	〃	59,58
22	〃	78
27	النمل	37
29	العنكبوت	6
29	〃	69
47	محمد	4
47	〃	7
47	〃	21
47	〃	31
47	〃	35
48	الفتح	16
48	〃	29
49	الحجرات	15
57	الحديد	10
57	〃	25
59	الحشر	2
59	〃	5
59	〃	8

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
60	الممتحنة	1
61	الصف	4
61	〃	10
61	〃	14
66	التحريم	9
73	المزمل	20

اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کی رضا اور رحمت کی امید

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	165
2	〃	207
3	آل عمرٰن	31
5	المآئدة	54
9	التوبة	24
26	الشعرآء	51
26	〃	82
30	الروم	38
32	السجدة	16
33	الأحزاب	21
39	الزمر	9
48	الفتح	18
48	〃	29
60	الممتحنة	6

صدق وسچائی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	177
5	المآئدة	119
9	التوبة	119
12	يوسف	51
18	الكهف	29
19	مريم	51
19	〃	56
26	الشعرآء	84

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
29	العنكبوت	3
33	الأحزاب	8
33	〃	24,23
39	الزمر	33
49	الحجرات	15
49	〃	17
59	الحشر	8

صلح جوئی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	182
2	〃	224
4	النسآء	35
4	〃	114
4	〃	128
4	〃	129
7	الأعراف	35
7	〃	142
8	الأنفال	1
11	هود	88
11	〃	117
28	القصص	83
49	الحجرات	10,9

ہجرت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	218
4	النسآء	100,97
8	الأنفال	73,72
16	النحل	41
19	مريم	49
29	العنكبوت	26
29	〃	56
37	الصّفّٰت	99
39	الزمر	10

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
51	الذاريت	50
59	الحشر	8
60	الممتحنة	10
73	المزمل	19

اداۓ امانت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	283
3	آل عمرٰن	75
4	النسآء	58
23	المؤمنون	8
26	الشعرآء	107,106
26	〃	125
26	〃	143
26	〃	178
28	القصص	26
33	الأحزاب	72
70	المعارج	32

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	32
3	〃	132
4	النسآء	13
4	〃	59
4	〃	64
4	〃	69
4	〃	80-70
5	المآئدة	92
5	〃	108
7	الأعراف	158,157
8	الأنفال	1
8	〃	20
8	〃	14

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	71
24	النور	54-52
24	〃	56
26	الشعرآء	108
26	〃	110
26	〃	126
26	〃	131
26	〃	150
26	〃	179
33	الأحزاب	33
33	〃	36
33	〃	66
33	〃	71
36	يٰس	21,20
42	الشورىٰ	38
42	〃	42
43	الزخرف	61
43	الدخان	18
46	الأحقاف	31
47	محمد	21
47	〃	33
48	الفتح	18-16
49	الحجرات	14
58	المجادلة	11
58	〃	13
59	الحشر	7
64	التغابن	12
64	〃	16
71	نوح	3

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	103
3	〃	105
4	النسآء	175
22	الحج	78
42	الشورىٰ	13
43	الزخرف	43

دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	104
3	〃	110
3	〃	114
7	الأعراف	165
7	〃	181
7	〃	199
9	التوبة	71
9	〃	112
9	〃	122
16	النحل	90
16	〃	125
17	بنيٓ إسرآءيل	28
19	مريم	39
19	〃	55
20	طٰه	43
20	〃	44
20	〃	132
22	الحج	41
22	〃	67
25	الفرقان	52
26	الشعرآء	214
28	القصص	87
29	العنكبوت	46
31	لقمٰن	17-13
32	السجدة	24
33	الأحزاب	47-45
36	يٰس	25
40	المؤمن	28
40	〃	38
40	〃	43-41
41	حٰمٓ السجدة	33
42	الشورىٰ	15
46	الأحقاف	29
51	الذاريٰت	55
52	الطور	29
66	التحريم	6
71	نوح	9,1
72	الجن	23
74	المدثر	2
79	النّزعٰت	17
79	〃	20
87	الأعلىٰ	10,9
88	الغاشية	21
89	الفجر	18
90	البلد	17
96	العلق	12
103	العصر	3,1

توکل علی اللہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	160,159
3	〃	173
5	المآئدة	11
5	〃	23
8	الأنفال	2
8	〃	49
8	〃	61
9	التوبة	129
10	يونس	84
11	هود	56
11	〃	123
12	يوسف	67
13	الرعد	30
14	إبراهيم	12,11
16	النحل	42
16	〃	99
25	الفرقان	58
26	الشعرآء	217
27	النمل	79
29	العنكبوت	59
33	الأحزاب	3
39	الزمر	36
39	〃	38
40	المؤمن	10
42	الشورىٰ	36
58	المجادلة	10
60	الممتحنة	4
64	التغابن	13
65	الطلاق	3
67	الملك	29
73	المزمل	9

باہم مشورہ کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	159
27	النمل	32
42	الشورىٰ	38
49	الحجرات	7

انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	58
4	〃	135
5	المآئدة	8

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	〃	42
6	الأنعام	152
7	الأعراف	29
7	〃	181
16	النحل	76
16	〃	90
38	صٓ	22
42	الشورىٰ	15
49	الحجرات	9
55	الرحمٰن	9
57	الحديد	25
60	الممتحنة	8

اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلے کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	65,59
4	〃	105
5	المآئدة	50-44
5	〃	66
24	النور	51
28	القصص	70
42	الشورىٰ	21
57	الحديد	25
95	التين	8

عقد و معاہدہ کی تکمیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	1
17	بنيٓ إسرآءيل	34
19	مريم	54
23	المؤمنون	8
33	الأحزاب	23
48	الفتح	10
70	المعارج	32

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	2
18	الكهف	95
28	القصص	35
49	الحجرات	10,9

اہل ایمان کے لیے عاجزی اختیار کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
5	〃	82
15	الحجر	88
16	النحل	49
25	الفرقان	63
26	الشعرآء	215
27	النمل	31
28	القصص	83
31	لقمٰن	18
32	السجدة	15
48	الفتح	29

کافروں پر غلبہ و سختی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	54
9	التوبة	123
48	الفتح	29
63	المنافقون	8
66	التحريم	9

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو دوست بنانا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	55
6	الأنعام	14
7	الأعراف	3
7	〃	196
8	الأنفال	40
9	التوبة	71
9	〃	116
9	〃	129
10	يونس	63,62
22	الحج	78
29	العنكبوت	22
32	السجدة	4
42	الشورىٰ	28
42	〃	31
45	الجاثية	19
47	محمد	11
61	الصف	14

عمل صالح (نیکی) کی طرف مسابقت و جلدی کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	48
21	الأنبيآء	90
23	المؤمنون	61
35	فاطر	32
39	الزمر	12
57	الحديد	21
83	المطففين	26

یہ شعور ہونا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اسے ہمارے حالات کا علم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	97
5	〃	99
6	الأنعام	3
6	〃	59
6	〃	61,60
6	〃	132
7	الأعراف	7
9	التوبة	78
9	〃	105
10	يونس	46
10	〃	61
11	هود	6,5
11	〃	92
11	〃	111
11	〃	123
12	يوسف	50
12	〃	77
13	الرعد	11-8
14	إبراهيم	38
15	الحجر	24
16	النحل	19
16	〃	23
16	〃	28
17	بنيٓ إسرآءيل	13
17	〃	17
17	〃	25
17	〃	84
18	الكهف	49
19	مريم	79
19	〃	94
20	طٰه	7
20	〃	35
20	〃	110
21	الأنبيآء	4
21	〃	47
21	〃	78
21	〃	81
21	〃	94
21	〃	110

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	70
22	〃	76,75
24	النور	24
24	〃	29
24	〃	30
24	〃	41
24	〃	64
25	الفرقان	20
25	〃	58
26	الشعرآء	220-218
27	النمل	25
27	〃	75,74
27	〃	88
27	〃	93
28	القصص	69
29	العنكبوت	8
29	〃	10
29	〃	42
29	〃	45
29	〃	52
29	〃	60
29	〃	62
31	لقمٰن	16,15
31	〃	23
31	〃	29,28
31	〃	34
32	السجدة	6

ناپ تول میں کمی سے اجتناب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	152
7	الأعراف	85
12	يوسف	59
17	بنيٓ إسرآءيل	35

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشعرآء	182,181
55	الرحمٰن	9-7

اللہ کے لیے اخلاص

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	163,162
7	الأعراف	29
10	يونس	105
22	الحج	31
31	لقمٰن	22
39	الزمر	3,2
39	〃	11
39	〃	14
39	〃	17
39	〃	66,65
40	المؤمن	14
40	〃	65
76	الدهر	9
92	اليل	20
98	البينة	5
112	الإخلاص	4-1

جاہلوں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	199
12	يوسف	29
15	الحجر	94
17	بنيٓ إسرآءيل	28
18	الكهف	16
25	الفرقان	63
28	القصص	55
32	السجدة	30
37	الصّٰفّٰت	174
37	〃	178
51	الذٰريٰت	54

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
52	الطور	45
53	النجم	29
54	القمر	6
73	المزمل	10
74	المدثر	5
86	الطلاق	17

اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنا اور اس سے مدد مانگنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	5
7	الأعراف	200
16	النحل	98
19	مريم	18
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	98,97
38	صٓ	42,41
40	المؤمن	27
40	〃	56
41	حٰمٓ السجدة	36
44	الدخان	20
58	المجادلة	1
113	الفلق	5-1
114	الناس	6-1

دین میں فقاہت حاصل کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	122
16	النحل	44,43
21	الأنبيآء	7
21	〃	10
25	الفرقان	73
47	محمد	14

کفار کے عقیدہ وعمل سے بیزاری

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	41
10	〃	104
11	هود	54
12	يوسف	108
14	إبراهيم	36,35
26	الشعرآء	168
26	〃	216
28	القصص	55
39	الزمر	39
40	المؤمن	66
42	الشورىٰ	15
43	الزخرف	27,26
60	الممتحنة	4
109	الكافرون	6-1

استقامت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحه	6
10	يونس	89
11	هود	112
30	الروم	30
30	〃	43
41	حٰمٓ السجدة	6
41	〃	31,30
42	الشورىٰ	13
42	〃	15
42	〃	35
46	الأحقاف	13
72	الجن	16
81	التكوير	28

حلال وپاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	168
2	〃	172

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	5,4
5	〃	88
16	النحل	115,114
20	طٰه	81
22	الحج	28
23	المؤمنون	51

روز قیامت کا ڈر

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	48
2	〃	123
2	〃	281
21	الأنبيآء	49
24	النور	37
26	الشعرآء	135
31	لقمٰن	33
39	الزمر	9
40	المؤمن	32
42	الشورىٰ	18
52	الطور	26
70	المعارج	28,27
76	الدهر	7
76	〃	10
79	النّزعٰت	45

لغو کاموں سے اعراض کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	3
25	الفرقان	72
28	القصص	55
43	الزخرف	83

محنت و پیشہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
21	الأنبيآء	80

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	〃	82
23	المؤمنون	27
28	القصص	73
30	الروم	23
34	سبا	13-10
35	فاطر	12
36	يٰسٓ	35
36	〃	80
55	الرحمٰن	33
57	الحديد	35
62	الجمعة	11-9
73	المزمل	7
73	〃	20

کسی کے ہاں جانے کے لیے اجازت طلب کرنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	29-27
24	〃	59,58
24	〃	63-61
33	الأحزاب	53

نظر کی حفاظت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	31,30

ہر کام میں تحقیق و احتیاط سے کام لینے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	94
27	النمل	27
27	〃	35
49	الحجرات	6
60	الممتحنة	10
65	الطلاق	1
72	الجن	14

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
74	المدثر	31

جسمانی قوت اور علاج

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	الأعراف	31
16	النحل	69
26	الشعرآء	80
28	القصص	26
38	صٓ	42,41
41	حٰمٓ السجدة	44

موت کو یاد رکھنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	46
4	النسآء	78
6	الأنعام	2
7	الأعراف	98,97
7	〃	187
21	الأنبيآء	34
21	〃	40
21	〃	109
28	القصص	88
31	لقمٰن	34
32	السجدة	38
44	الدخان	59
55	الرحمٰن	27,26
56	الواقعة	60
62	الجمعة	80
63	المنافقون	11,10
67	الملك	2
84	الانشقاق	6
84	〃	19

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	202,201

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	32
10	يونس	24
18	الكهف	46,45
20	طٰه	131
28	القصص	61,60
28	〃	77
28	〃	80,79
29	العنكبوت	64
31	لقمٰن	33
33	الأحزاب	29,28
40	المؤمن	39
42	الشورىٰ	20
42	〃	36
43	الزخرف	35-32
47	محمد	36
60	الممتحنة	6
62	الجمعة	11-9
64	التغابن	15,14
87	الأعلىٰ	17,16
93	الضحىٰ	4

باب: 4 نواهي و محرمات کا بیان

کبائر و فواحش سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	151
7	الأعراف	33
17	بنيٓ إسرآءيل	32
24	النور	19
42	الشورىٰ	37
53	النجم	32
60	الممتحنة	12

زمین میں فساد کرنے سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	60
2	〃	205
5	المآئدة	33
5	〃	33
5	〃	64
7	الأعراف	56
7	〃	74
7	〃	85
11	هود	85
13	الرعد	25
14	إبراهيم	3
18	الكهف	94
26	الشعرآء	152
26	〃	183
27	النمل	34
27	〃	48
28	القصص	4
28	〃	77
29	العنكبوت	36
30	الرّوم	41
38	صٓ	28
47	محمد	22

قتل وخون ریزی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30
2	〃	84
3	ال عمرٰن	22,21
4	النسآء	29
4	〃	93,92
5	المآئدة	30
5	〃	32
5	〃	45
6	الأنعام	140
6	〃	151
17	بنيّ إسرآءيل	33
25	الفرقان	68
28	القصص	4

اولاد کو قتل اور زندہ درگور کرنے کی ممانعت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	151
16	النحل	59,58
17	بنيّ إسرآءيل	31
60	الممتحنة	12
81	التكوير	8

ظلم سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	35
2	〃	92
4	النسآء	13
4	〃	54
12	يوسف	79
18	الكهف	59
19	مريم	38
20	طٰه	111
21	الأنبيآء	14
21	〃	97
25	الفرقان	19
27	النمل	14
27	〃	85
28	القصص	59
29	العنكبوت	14
29	〃	31
30	الروم	57
33	الأحزاب	72
35	فاطر	32
40	المؤمن	52
42	الشورىٰ	42
46	الأحقاف	12
51	الذاريٰت	59
52	الطور	47
53	النجم	52
65	الطلاق	1

شہادت اور حق کو چھپانا اور اسے باطل سے ملانے کی مذمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	42
2	〃	71
2	〃	140
2	〃	146
2	〃	159
2	〃	174
2	〃	283
3	ال عمرٰن	71
3	〃	187
5	المآئدة	106
6	الأنعام	91

جادو کے عمل سے اجتناب کرو

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	103
10	يونس	77
10	〃	81
20	طٰه	69
26	الشعرآء	223,222
72	الجن	6
113	الفلق	4

شیطان کی پیروی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	169-166
2	〃	208
2	〃	257
2	〃	268
4	النسآء	38
4	〃	51
4	〃	60
4	〃	117
4	〃	121
6	الأنعام	121
6	〃	142
7	الأعراف	18
7	〃	27
7	〃	30
8	الأنفال	48
14	إبراهيم	22
15	الحجر	42
16	النحل	100

اعتدا (زیادتی) وسرکشی حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	178
2	〃	190
2	〃	194
2	〃	213
3	ال عمرٰن	19
3	〃	21
5	المآئدة	2
5	〃	78
7	الأعراف	33
9	التوبة	10
10	يونس	23
16	النحل	90
22	الحج	60
28	القصص	78

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	صٓ	22
38	〃	24
42	الشوریٰ	27
42	〃	39
42	〃	42
49	الحجرات	9
50	قٓ	25
68	القلم	12

مال حرام سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	188
3	ال عمرٰن	161
4	النسآء	2
4	〃	30,29
4	〃	161
5	المآئدة	42
5	〃	63,62
9	التوبة	34
18	الكهف	79
89	الفجر	19

فتنہ میں پڑنے سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	191
2	〃	211
8	الأنفال	25
8	〃	28
9	التوبة	49-47
20	طٰه	90
25	الفرقان	20
33	الأحزاب	14
39	الزمر	49
51	الحديد	14

شراب، جوئے، آستھانوں اور قسمت کے تیروں سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90

عورتوں کے ساتھ بُرے سلوک سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	229
2	〃	233-231
4	النسآء	24-19
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2

میدان جنگ سے بھاگنا حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	246
3	ال عمرٰن	155
8	الأنفال	16,15
33	الأحزاب	13
33	〃	16,15
33	〃	20
48	الفتح	17,16

احسان جتلانا جائز نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	264-262
49	الحجرات	17
74	المدثر	6
90	البلد	6

سود کی حرمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	280-275
3	النسآء	161

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
30	الروم	39

کافروں اور منافقوں کو دوست مت بناؤ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	28
3	〃	120-118
4	النسآء	89
4	〃	139,138
4	〃	144
5	المآئدة	51
5	〃	57
9	التوبة	23
11	هود	113
13	الرعد	16
25	الفرقان	52
29	العنكبوت	41
33	الأحزاب	1
33	〃	17
33	〃	48
58	المجادلة	15
60	الممتحنة	1
61	الصف	8

اللہ کے راستے سے روکنا جرم عظیم ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	99
4	النسآء	44
4	〃	55
4	〃	113
4	〃	160
4	〃	167
7	الأعراف	45
7	〃	86

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
8	الأنفال	36-34
8	〃	47
9	التوبة	9
9	〃	34-32
11	هود	19
13	الرعد	33
14	إبراهيم	3
16	النحل	88
22	الحج	25
31	لقمٰن	6
43	الزخرف	38-36
47	محمد	1
47	〃	34-32
48	الفتح	25
58	المجادلة	16
63	المنافقون	2
96	العلق	10,9

بُخل سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	180
4	النسآء	37
9	التوبة	35-34
9	〃	67
17	بني إسرآءيل	29
17	〃	100
25	الفرقان	67
33	الأحزاب	19
47	محمد	38-37
50	قٓ	25
53	النجم	35,34
53	〃	44
57	الحديد	24
59	الحشر	9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
63	المنافقون	7
64	التغابن	16
68	القلم	12
70	المعارج	21
74	المدثر	44
89	الفجر	18-17
92	الليل	8
92	〃	11
107	الماعون	7

اللہ پر جھوٹ باندھنے کی شدید مذمت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمرٰن	181
4	النسآء	50
4	〃	171
5	المآئدة	18,17
5	〃	73,72
6	الأنعام	21
6	〃	24
6	〃	93
6	〃	112
6	〃	136
6	〃	138
6	〃	144
7	الأعراف	28
7	〃	33
7	〃	37
7	〃	169
10	يونس	17
10	〃	59
11	هود	18
16	النحل	57
16	〃	62
16	〃	116
17	بنيٓ إسرآءيل	40
17	〃	73
18	الكهف	5
18	〃	15
20	طٰه	61
23	المؤمنون	91
29	العنكبوت	13
29	〃	68
37	الصّٰفّٰت	159-149
39	الزمر	32
53	النجم	23-19
61	الصف	7
69	الحاقة	47-44
72	الجن	5,4

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	93
4	النسآء	14
4	〃	42
4	〃	115
5	المآئدة	78
5	〃	104
7	الأعراف	166
7	〃	193
10	يونس	15
11	هود	59
11	〃	63
13	الرعد	18
17	بنيٓ إسرآءيل	90
26	الشعرآء	176
33	الأحزاب	36
39	الزمر	13
60	الممتحنة	12
65	الطلاق	9-8
69	الحاقة	10,9
71	نوح	21
72	الجن	23
73	المزمل	16
79	النّٰزعٰت	21
80	عبس	23

حسد وریاکاری سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
4	〃	38
4	〃	54
4	〃	142
6	الأنعام	53
8	الأنفال	47
15	الحجر	88
107	الماعون	6
113	الفلق	5

بہتان باندھنے سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	112
4	〃	156
24	النور	23-4
33	الأحزاب	58
60	الممتحنة	12

تکبر وبڑائی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	173,172
6	الأنعام	93
7	الأعراف	13
7	〃	36
7	〃	40
7	〃	48
7	〃	76
7	〃	88
7	〃	133
7	〃	146
10	يونس	75
16	النحل	23,22
16	〃	29
17	بنيٓ إسرآءيل	37
23	المؤمنون	46
23	〃	67
23	〃	76
25	الفرقان	21
27	النمل	14
28	القصص	4
28	〃	39
29	العنكبوت	39
31	لقمٰن	7
31	〃	18
34	سبا	31
34	〃	33
38	صٓ	76-74
39	الزمر	60,59
39	〃	72
40	المؤمن	27
40	〃	35
40	〃	48
40	〃	60

چوری سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	38
60	الممتحنة	12

دین کے ساتھ استہزا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	58,57
6	الأنعام	5
6	〃	68
6	〃	70
7	الأعراف	51
9	التوبة	66-64
11	هود	8
13	الرعد	32
15	الحجر	11
18	الكهف	56
18	〃	106
21	الأنبيآء	36
25	الفرقان	41
26	الشعرآء	6
31	لقمٰن	6
36	يٰسٓ	30
37	الصّٰفّٰت	14
39	الزمر	48
40	المؤمن	83
43	الزخرف	7
43	〃	47
45	الجاثية	9
11	هود	112
20	طٰه	81
23	المؤمنون	75
37	الصّٰفّٰت	30
38	صٓ	55
51	الذاريٰت	53
53	النجم	52
55	الرحمٰن	8
78	الأنبيآء	22
79	النّٰزعٰت	73
91	〃	11
96	〃	6

جنگ کی آگ بھڑکانے اور غلو و سرکشی سے بچنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	64
5	〃	68
5	〃	77
6	الأنعام	110
7	الأعراف	186
10	يونس	11

عداوت، بغض، کینہ و غصے سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	134
5	المآئدة	91
59	الحشر	10
68	القلم	48

آباء واجداد اور سرداروں کی تقلید سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	104
7	الأعراف	28
7	〃	70
7	〃	173
10	يونس	78
11	هود	62
11	〃	87
11	〃	109
14	إبراهيم	10
23	المؤمنون	24
28	القصص	36
31	لقمٰن	21
33	الأحزاب	67
34	سبا	63
37	الصّٰفّٰت	70,69
43	الزخرف	25-21
53	النجم	23

دین میں شک کرنا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	2
9	التوبة	45
10	يونس	94
11	هود	62
11	〃	110
14	إبراهيم	10,9
19	مريم	34
16	النحل	66
34	سبا	54
40	المؤمن	34
41	حم السجدة	45
53	النجم	14
49	الحجرات	15
53	النجم	55
57	الحديد	14

ظن کی پیروی اور بدگمانی سے اجتناب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	116
6	〃	148
28	القصص	38
33	الأحزاب	10
38	صٓ	27
41	حم السجدة	23,22
45	الجاثية	24
45	〃	32
48	الفتح	6
48	〃	12
49	الحجرات	12
53	النجم	23
53	〃	28,27
59	الحشر	2
72	الجن	7

مکر وفریب سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	124
8	الأنفال	30
10	يونس	21
12	يوسف	5
12	〃	28
12	〃	31
12	〃	52
13	الرعد	33
13	〃	42
16	النحل	26
16	〃	45
20	طٰه	64
21	الأنبيآء	70
27	النمل	70
34	سبا	33
35	فاطر	10
35	〃	43
52	الطور	42
40	المؤمن	25
40	〃	45
71	نوح	22
86	الطارق	15
105	الفيل	21

اسراف وتبذیر سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	141
7	الأعراف	31
10	یونس	12
10	〃	83
17	بنیٓ إسرآء یل	29-26
20	طٰه	127
21	الأنبیآء	9
26	الشعرآء	151
36	یٰسٓ	19
40	المؤمن	28
40	〃	34
40	〃	43
43	الزخرف	5
44	الدخان	31

خیانت سے اجتناب کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	109-105
8	الأنفال	27
8	〃	58
8	〃	71
12	یوسف	52
22	الحج	38
66	التحریم	10

جھوٹ سے بچنے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	10
16	النحل	105
23	المؤمنون	90
29	العنکبوت	3
29	〃	12
39	الزمر	3

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
58	المجادلة	2
58	〃	18
59	الحشر	11
61	الصف	2
61	〃	3
63	المنافقون	1

غیبت وچغل خوری حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	148
12	یوسف	30
12	〃	77
49	الحجرات	12
68	القلم	11

باب: 5 قرآنی احکام و مسائل

مسائلِ طہارت
پانی طاہر ومطہر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	43
8	الأنفال	11
25	الفرقان	49,48

حیض کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	222

حلال جانوروں کا چمڑا، اون اور بال پاک ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
16	النحل	81,80

وضو وغسل کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	6

تیمم کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	43
5	المآئدة	6

نماز اور شرائط نماز
کپڑے کا پاک ہونا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
74	المدثر	4

بدن کا ڈھانکنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	31
24	النور	31

جائے نماز کا پاک ہونا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	125
22	الحج	26

مسجد کے احکام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	114
2	〃	125
2	〃	150,149
22	الحج	40
24	النور	37,36

مسجد قبا کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	109,108

مساجد سے روکنے والے کی مذمت اور وعید

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	114

اذان کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	58
62	الجمعة	9

استقبال قبلہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	144
2	〃	150,149
7	الأعراف	29

تکبیر تحریمہ کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنیٓ إسرآء یل	111
74	المدثر	3

نذر فی سبیل اللہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	270
3	آل عمرٰن	35
16	النحل	56
19	مریم	26
22	الحج	29
76	الدهر	7

غنیمت، قیدی اور مال فے کے مسائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	71
4	〃	81-75
4	〃	84
4	〃	91-89
4	〃	96-94
5	المآئدة	35
8	الأنفال	1
8	〃	16-12
8	〃	41-39
8	〃	47-45
8	〃	62-57
8	〃	75-65
9	التوبة	7-1
9	〃	16-11
9	〃	24-20
9	〃	29,28

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	〃	41-36
9	〃	74,73
9	〃	111
16	النحل	126
22	الحج	40,39
22	〃	78
33	الأحزاب	62-60
47	محمد	8-4
49	الحجرات	15
59	الحشر	10-5
60	الممتحنة	11,10
61	الصف	4
61	〃	13-10

تجارت

خرید وفروخت، تجارت اور کسب حلال کے مسائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	198
2	〃	275
2	〃	283,282
4	النسآء	29
24	النور	37
62	الجمعة	10
73	المزمل	20

حلال وحرام کھانوں اور مشروبات کے مسائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	168
2	〃	173,172
5	المآئدة	1
5	〃	5-3
5	〃	90-87
6	الأنعام	121-118
6	〃	145-142
7	الأعراف	157
16	النحل	116-114
22	الحج	30

عائلی احکام

نکاح، طلاق، خلع، عدت، حق مہر اور رضاعت کے مسائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	221
2	〃	232-227
2	〃	237-234
2	〃	241
4	النسآء	4-3
4	〃	25-19
4	〃	35,34
4	〃	130-127
24	النور	3
24	〃	26
28	القصص	27
33	الأحزاب	37
33	〃	50-49
33	〃	53
60	الممتحنة	10
65	الطلاق	2-1
65	〃	7-4

کن عورتوں سے نکاح حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	221
4	النسآء	24-22

بیویوں میں عدل وانصاف

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	3
4	〃	129

رضاعت کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	233
31	لقمٰن	14
46	الأحقاف	15

خلع کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	229

مسائل لعان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	9-6

مسائل ایلاء وظہار

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	226
33	الأحزاب	4
58	المجادلة	4-2

مسائل قسم وکفارۂ قسم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	225,224
5	المآئدة	89
66	التحريم	2

مسائل پردہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	31-27
24	〃	60-58
33	الأحزاب	55-53
33	〃	54

مسائل میراث ووصیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	182-180
2	〃	240
4	النسآء	8-7
4	〃	12,11
4	〃	33
4	〃	177
5	المآئدة	108-106
8	الأنفال	75

باب: 6 تذکرۂ انبیاء علیہم السلام

ابتدائے آفرینش عالم اور تخلیق آدم، ان کی خلافت، فرشتوں پر فضیلت اور ابلیس کی دشمنی اور انبیاء ورسل کے حالات وواقعات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	30
2	〃	39
3	آل عمران	33
3	〃	59
4	النساء	1
7	الأعراف	27-9
7	〃	189
10	يونس	4-3
11	هود	7
15	الحجر	26
15	〃	29
15	〃	44-28
17	بني إسرآءيل	65-61
18	الكهف	50
20	طٰه	124-115
21	الأنبيآء	85-71
24	النور	30
38	صٓ	85-71
41	حٰمٓ السجدة	12-9
79	النّٰزعٰت	32-27

سیدنا آدم علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	38-30
3	آل عمرٰن	59-33

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	27
7	الأعراف	25-11
15	الحجر	33-26
17	بني إسرآء يل	61
18	الكهف	50
19	مريم	58
20	طٰهٰ	123-115
36	يٰسٓ	60
38	صٓ	76-71

سیدنا نوح علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	آل عمران	33
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
7	الأعراف	64-59
9	التوبة	70
10	يونس	73-71
11	هود	48-25
11	〃	58
14	إبراهيم	9
17	بني إسرآء يل	3
19	مريم	58
21	الأنبيآء	77,76
22	الحج	42
23	المؤمنون	29-23
25	الفرقان	37
26	الشعرآء	122-105
29	العنكبوت	15,14
33	الأحزاب	7
37	الصّٰفّٰت	82-75
38	صٓ	12
40	المؤمن	5
40	〃	31
42	الشورى	13
50	قٓ	12
50	〃	14
51	الذّٰريٰت	46
53	النجم	52
54	القمر	17-9
57	الحديد	26
66	التحريم	10
69	الحآقّة	12,11
71	نوح	28-1

سیدنا ابراہیم علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	132-124
2	〃	136,135
2	〃	258
2	〃	260
3	آل عمران	33
3	〃	68-65
3	〃	84
3	〃	95
3	〃	97
4	النسآء	54
4	〃	125
4	〃	163
6	الأنعام	90-74
6	〃	161
9	التوبة	70
9	〃	114
11	هود	76-69
12	يوسف	6
12	〃	38
14	إبراهيم	41-35
15	الحجر	60-51
16	النحل	123-120
19	مريم	50-41
19	〃	58
21	الأنبيآء	73-51
22	الحج	27,26
22	〃	43
22	〃	78
26	الشعرآء	104-69
29	العنكبوت	27-16
29	〃	32,31
33	الأحزاب	7
37	الصّٰفّٰت	113-83
38	صٓ	47-45
42	الشورى	13
43	الزخرف	28-26
51	الذّٰريٰت	27-24
57	الحديد	26
60	الممتحنة	6-4
87	الأعلى	19

سیدنا اسماعیل علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	125
2	〃	129-127
2	〃	133
2	〃	136
2	〃	140
3	آل عمران	84
4	النسآء	163
6	الأنعام	90-86
19	مريم	55,54
21	الأنبيآء	86,85
37	الصّٰفّٰت	107-100
38	صٓ	48

سیدنا لوط علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	90-86
7	الأعراف	84-80
11	هود	70
11	〃	83-74
15	الحجر	77-58
21	الأنبيآء	71
21	〃	75,74
22	الحج	43
25	الفرقان	40
26	الشعرآء	175-160
27	النمل	58-54
29	العنكبوت	26
29	〃	35-28
37	الصّٰفّٰت	138-133
38	صٓ	13
50	قٓ	13
51	الذّٰريٰت	37-32
53	النجم	54,53
54	القمر	40-33
66	التحريم	10

سیدنا اسحاق علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	133
3	آل عمران	84
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
11	هود	73-71
12	يوسف	6
12	〃	38
21	الأنبيآء	72
37	الصّٰفّٰت	113,112

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	ص	47-45

سیدنا یعقوب و یوسف علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	133,132
3	ال عمرٰن	84
3	〃	93
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
12	يوسف	38
12	〃	102-4
21	الأنبيآء	73,72
38	ص	47-45
40	المؤمن	34

سیدنا ہود علیہ السلام اور قوم عاد

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	72-65
9	التوبة	70
11	هود	60-50
11	〃	89
14	إبراهيم	17-9
25	الفرقان	39,38
26	الشعرآء	140-123
29	العنكبوت	38
38	ص	12
40	المؤمن	31
41	حمٓ السجدة	16-13
46	الأحقاف	26-21
50	ق	13
51	الذّٰريٰت	42-41
53	النجم	50
54	القمر	22-18
69	الحآقة	4
69	〃	8-6

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
89	الفجر	8-6
89	〃	13-11

سیدنا صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	79-73
9	التوبة	70
11	هود	68-61
11	〃	89
11	〃	95
14	إبراهيم	17-9
15	الحجر	84-80
17	بني إسرآء يل	59
22	الحج	42
25	الفرقان	39-38
26	الشعرآء	159-141
27	النمل	53-45
29	العنكبوت	38
38	ص	13
40	المؤمن	31
41	حمٓ السجدة	14,13
41	〃	18,17
50	ق	12
51	الذّٰريٰت	45-43
53	النجم	51
54	القمر	32-23
69	الحآقة	5-4
85	البروج	18
89	الفجر	9
89	〃	13-11
91	الشمس	15-11

سیدنا شعیب علیہ السلام اور اہل مدین و ایکہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	93-85
11	هود	95-84
15	الحجر	79-78
26	الشعرآء	191-176
29	العنكبوت	37,36

سیدنا داود و سلیمان علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	102
2	〃	251
4	النسآء	163
5	المآئدة	78
6	الأنعام	84
17	بني إسرآء يل	55
21	الأنبيآء	82-78
27	النمل	44-15
34	سبا	14-10
38	ص	26-17
38	〃	40-30

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	123-40
2	〃	140-135
2	〃	253-243
3	ال عمرٰن	84
3	〃	93
4	النسآء	164-153
5	المآئدة	26-12
5	〃	32
5	〃	45
5	〃	72-57
5	〃	79,78
6	الأنعام	71-84
6	〃	146
6	〃	154
6	〃	159
7	الأعراف	157-103
7	〃	166-159
8	الأنفال	52
8	〃	54
10	يونس	93-75
11	هود	99-96
11	〃	110
14	إبراهيم	8-5
16	النحل	124
17	بني إسرآء يل	8-2
17	〃	104-101
18	الكهف	82-60
19	مريم	53-51
20	طٰهٰ	98-9
21	الأنبيآء	49,48
22	الحج	44
23	المؤمنون	49-45
25	الفرقان	36,35
26	الشعرآء	68-10
27	النمل	14-7
28	القصص	48-3
28	〃	82-76
29	العنكبوت	40,39
32	السجدة	24,23
33	الأحزاب	7
33	〃	69
37	الصّٰفّٰت	122-114
38	ص	12
40	المؤمن	46-23
42	الشورىٰ	13

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
43	الزخرف	56-46
44	الدخان	33-17
45	الجاثية	17-16
46	الأحقاف	12
50	قٓ	13
51	الذّٰريٰت	40-38
53	النجم	36
54	القمر	42,41
61	الصف	5
62	الجمعة	6,5
66	التحريم	11
69	الحآقّة	10-9
73	المزمل	16,15
79	النّٰزعٰت	26-15
85	البروج	18
87	الأعلىٰ	19
89	الفجر	14-10

سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	59,58
7	الأعراف	162,161
18	الكهف	65-60

سیدنا حزقیل علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	243

سیدنا شمویل علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	248-246

سیدنا یونس علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	86
10	يونس	98
21	الأنبيآء	88,87
37	الصّٰفّٰت	148-139
68	القلم	50-48

سیدنا ادریس والیاس علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	85
19	مريم	58-56
21	الأنبيآء	86,85
37	الصّٰفّٰت	132-123

سیدنا ایوب علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	163
6	الأنعام	84
21	الأنبيآء	84,83
38	صٓ	44-41

سیدنا زکریا و یحییٰ علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	41-37
6	الأنعام	85
19	مريم	15-2
21	الأنبيآء	90-89

سیدنا یسع علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	86
38	صٓ	48

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	86,85
38	صٓ	48

سیدنا عزیر علیہ السلام (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	259
9	التوبة	30

سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	87
2	〃	136
2	〃	253
3	ال عمرٰن	37-35
3	〃	60-42
3	〃	84
4	النسآء	159-156
4	〃	163
4	〃	172-171
5	المآئدة	17
5	〃	46
5	〃	75-72
5	〃	78
5	〃	118-110
6	الأنعام	85
9	التوبة	31-30
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
23	المؤمنون	50
33	الأحزاب	7
42	الشورىٰ	13
43	الزخرف	64-57
57	الحديد	27
61	الصف	6
61	〃	14
66	التحريم	12

باب: 7 تذکار حبیب ﷺ

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عامہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	119
2	〃	151
4	النسآء	79
7	الأعراف	158
13	الرعد	30
14	إبراهيم	1
16	النحل	44,43
16	〃	64
17	بنيٓ إسرآءيل	106,105
21	الأنبيآء	107
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	47-45
34	سبا	28
35	فاطر	24
48	الفتح	8
73	المزمل	15

سابقہ آسمانی کتابوں میں رسالتِ محمدی ﷺ کی پیش گوئیاں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	89
2	〃	144
2	〃	146
6	الأنعام	20
7	الأعراف	157
11	هود	17
13	الرعد	43
20	طٰهٰ	133
23	المؤمنون	69
48	الفتح	29
61	الصف	6

اہل کتاب اور مشرکین کا آپ کو صادق جاننا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	42-41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	〃	75
2	〃	89
2	〃	109
2	〃	144
2	〃	146
3	ال عمرٰن	86
3	〃	99
6	الأنعام	33
6	〃	114
13	الرعد	36
13	〃	43
28	القصص	53,52
28	〃	57

نبوت محمدیہ کے دلائل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	13
4	النسآء	163
4	〃	166
6	الأنعام	11-10
6	〃	105,104
7	الأعراف	184
10	يونس	16
12	يوسف	111-109
13	الرعد	43
16	النحل	103
23	المؤمنون	68
28	القصص	46-44
34	سبا	47,46
38	صٓ	70-67
41	حٰمٓ السجدة	43,42
43	الزخرف	45
48	الفتح	29-27
52	الطور	42-29

نبی ﷺ کی فضیلت اور ختم نبوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	81
3	〃	110
4	النسآء	113
17	بنیٓ إسرآءيل	1
17	〃	79
25	الفرقان	1
25	〃	56
33	الأحزاب	40
33	〃	46,45
33	〃	56
53	النجم	18-5
93	الضحىٰ	8-1
94	الم نشرح	4-1
108	الكوثر	3-1

نبی ﷺ کا خُلق عظیم اور اوصاف حسنہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	144
3	〃	159
3	〃	161
5	المآئدة	15
6	الأنعام	35
6	〃	50
6	〃	58-56
6	〃	90
7	الأعراف	188-187
9	التوبة	40
9	〃	61
9	〃	129-128
10	يونس	49
12	يوسف	104-103

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	الحجر	88
18	الكهف	6
21	الأنبيآء	107
21	〃	109
21	〃	111
23	المؤمنون	72
25	الفرقان	58-57
26	الشعرآء	3
33	الأحزاب	53
33	〃	63
34	سبا	47
35	فاطر	8
38	صٓ	86
42	الشورىٰ	23
46	الأحقاف	9
52	الطور	40
68	القلم	4
72	الجن	23-21
72	〃	27-25

نبی ﷺ کے نام قرآن میں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	144
33	الاحزاب	40
47	محمد	2
48	الفتح	29
61	الصف	6

نبی ﷺ اور آپ کے رشتہ دار بھی شریعت کے پابند اور مکلّف تھے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	145
4	النسآء	84
5	المآئدة	67
6	الأنعام	15,14

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	205
9	التوبة	113
10	يونس	95-94
10	〃	106-104
10	〃	109
11	هود	112
11	〃	115
11	〃	123
17	بنیٓ إسرآءيل	75,74
17	〃	79,78
19	مريم	65
20	طٰهٰ	132-130
26	الشعرآء	217-213
29	العنكبوت	45
30	الروم	43
33	الأحزاب	34-28
33	〃	52
33	〃	59
39	الزمر	66-65
42	الشورىٰ	15
52	الطور	49-48
73	المزمل	10-1
74	المدثر	7-1
76	الدهر	26-23
94	الم نشرح	8-7
108	الكوثر	2
110	النصر	3

معراج النبی ﷺ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بنی اسرآءیل	1
53	النجم	18-12

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مغفرت کا اعلان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	128
4	النسآء	107-105
8	الأنفال	68,67
9	التوبة	43
9	〃	84
33	الأحزاب	37
66	التحريم	5-1
80	عبس	10-1

رسول اللہ ﷺ کے غزوات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	13
3	〃	127-121
3	〃	145-140
3	〃	155-152
3	〃	175-165
8	الأنفال	18-5
8	〃	44-41
8	〃	49,48
9	التوبة	26,25
9	〃	59-38
9	〃	96-81
33	الأحزاب	27-9
48	الفتح	12-1
48	〃	26-16
59	الحشر	14-2

باب: 8 قصص القرآن

قرآنی واقعات اور بعض شخصیات

سیدنا لقمان حکیم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
31	لقمٰن	19-12

سیدنا ذوالقرنین

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	98-83

اصحاب الکہف والرقیم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	22-9
18	〃	26,25

حبیب نجار اور اہل انطاکیہ (تفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
36	یٰسٓ	29-13

قصۂ ہاروت و ماروت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	102

دو باغ والوں کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	44-32

مالکان باغ کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
68	القلم	33-17

اصحاب الرس

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
25	الفرقان	39,38
50	قٓ	12
50	〃	14

اصحاب الفیل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
105	الفيل	5-1

ہفتے کے دن والوں کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	66-65
4	النسآء	47
4	〃	154
5	المآئدة	60
7	الاعراف	166-163
16	النحل	124

قارون کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	83-76
40	المؤمن	24

ہامان کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	8-6
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24,23
40	〃	37,36

اصحاب الاخدود کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
85	البروج	12-4

قصۂ یاجوج و ماجوج

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	101-94
21	الانبيآء	97-96

قصۂ قوم سبا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	44-22
34	سبا	21-15

قصۂ قوم تبع

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
44	الدخان	37
50	قٓ	14

قصۂ طالوت و جالوت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	251-246

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	31-27

قصۂ حضرت خضر علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	82-60

قصۂ ابولہب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
111	اللهب	5-1

ایک کافر کا قصہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
68	القلم	16-10
74	المدثر	26-11

مردوں کے زندہ ہونے کے واقعات

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	56-55
2	〃	73-67
2	〃	243
2	〃	259
2	〃	260

دنبیوں کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	صٓ	26-21

گھوڑوں کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
38	صٓ	33-31

بکریوں کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الانبيآء	79-78

گائے کا واقعہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	73-67

قصۂ تحویل قبلہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	152-142

قصۂ قارون و ہامان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	6
28	〃	8

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	〃	38
28	〃	82-76
29	العنكبوت	39
40	المؤمن	24
40	〃	36

باب: 9 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تذکرہ اور صفات

صحابہ رسول کی دیانت اور ان کی مدح

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	137
2	〃	143
2	〃	273
3	آل عمرٰن	110
3	〃	174-172
9	التوبة	79
9	〃	89,88
9	〃	92
9	〃	100,99
9	〃	117
16	النحل	110
22	الحج	41-39
22	〃	58
24	النور	22
26	الشعرآء	219
33	الأحزاب	23,22
48	الفتح	10
48	〃	19,18
48	〃	26
48	〃	29
59	الحشر	10-8

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	26-11
33	الأحزاب	6
33	〃	34-28
33	〃	37
33	〃	53-50
66	التحريم	5-1

باب: 10 متفرقات

اسلام کیا ہے؟

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	7-5
2	البقرة	132-128
2	〃	137-135
3	آل عمرٰن	20-19
3	〃	68-67
3	〃	85-83
4	النسآء	125
6	الانعام	126,125
6	〃	163-161
9	التوبة	33,32
9	〃	36
12	يوسف	40
30	الروم	30
30	〃	43
48	الفتح	28
49	الحجرات	17
61	الصف	14-7
98	البينة	5

اصولِ دین میں سب انبیاء متفق ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	183
3	آل عمرٰن	64
3	〃	83-81
5	المآئدة	48-46
7	الأنعام	88
7	〃	90
12	يوسف	38
16	النحل	36
21	الأنبيآء	25,24
21	〃	92
23	المؤمنون	52
37	الصّٰفّٰت	37
42	الشورٰى	13
43	الزخرف	45
53	النجم	56-36
87	الأعلى	19-14

حالت نزع (جان کنی) کا ایمان مقبول نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	18
10	يونس	90

شریعت سے استہزا کفر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	57
9	التوبة	66,65

اجارہ (مزدوری) کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	26

وکیل بنانے کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
18	الكهف	19

ذبائح کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	5-3
6	الأنعام	121-118
6	〃	145

قربانی کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	162
37	الصّٰفّٰت	107
108	الكوثر	2

اشیاء میں اصل اباحت ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	29
6	الأنعام	145-141
7	الأعراف	32

رشوت اور ناجائز طریقے سے کمائی حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	188

سود حرام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	279-275
3	آل عمرٰن	131,130
30	الروم	39

شراب، خنزیر، جوا، مردار اور خون حرام ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	173
2	〃	219
5	المآئدة	3
5	〃	91,90
6	الأنعام	145
16	النحل	115

قصاص اور خون بہا (دیت)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	179,178
4	النسآء	92
5	المآئدة	45

حدود وتعزیرات

حدِ زنا

92

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
24	النور	2
	حدِّ قذف (زنا کی تہمت لگانے پر حد)	
24	النور	5-4
	حدِّ سرقہ (چوری کی حد)	
5	المآئدة	39,38
	حدِّ قاطع الطریق (ڈاکو کی حد)	
5	المآئدة	34,33
	مرتد کا حکم	
2	البقرة	217
4	النسآء	137
5	المآئدة	54
8	الأنفال	38
	علم کی فضیلت	
2	البقرة	269
3	ال عمرٰن	7
3	〃	18
20	طٰهٰ	114
35	فاطر	28
39	الزمر	9
58	المجادلة	11
	علم چھپانے پر وعید	
2	البقرة	159
2	〃	174
3	ال عمرٰن	187
	مہمان نوازی	
11	هود	71-69

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
15	الحجر	52,51
15	〃	69,68
33	الأحزاب	53
51	الذٰريٰت	28-24
54	القمر	37
	شرک کی حقارت	
22	الحج	73
29	العنكبوت	41
30	الروم	28
39	الزمر	29
	مشرک کی مغفرت نہیں	
4	النسآء	48
4	〃	116
	نیکیوں کے ذریعے سے گناہوں کا کفارہ، توبہ اور قبولیتِ توبہ کی شرائط	
2	البقرة	271
4	النسآء	18-17
4	〃	31
4	〃	106
4	〃	110
6	الأنعام	54
7	الأعراف	153
9	التوبة	104-102
11	هود	114
16	النحل	119
19	مريم	60
20	طٰهٰ	83
25	الفرقان	71,70
27	النمل	11
64	التغابن	9

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
65	الطلاق	5
	خوف اور امید کی حالت میں ہونا لازم ہے	
3	ال عمرٰن	106
3	〃	185
4	النسآء	57,56
5	المآئدة	98
6	الأنعام	147
6	〃	165
7	الأعراف	56
7	〃	156
7	〃	167
13	الرعد	6
15	الحجر	50,49
17	بنيٓ إسرآءيل	57
21	الأنبيآء	90
23	المؤمنون	60
32	السجدة	16
35	فاطر	29
39	الزمر	8
41	حم السجدة	43
56	الواقعة	10-7
56	〃	94-88
57	الحديد	20
75	القيٰمة	25-22
80	عبس	42-38
82	الانفطار	14,13
89	الفجر	30-25
98	البيّنة	7,6
99	الزلزال	8-7
101	القارعة	11-6
	اللہ اجر ضائع نہیں کرتا	

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	171
7	الأعراف	170
9	التوبة	120
11	هود	115
12	يوسف	56
12	〃	90
18	الكهف	30
	اللہ اپنے بندوں، ان کے ایمان، دعا، عمل، اولاد اور قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیتا	
2	البقرة	137
2	〃	143
2	〃	157,156
2	〃	158
2	〃	272
3	ال عمرٰن	37-35
3	〃	195
5	المآئدة	67
7	الأعراف	64
7	〃	72
7	〃	83
11	هود	66
11	〃	94
12	يوسف	7
12	〃	21
12	〃	57,56
12	〃	101,100
18	الكهف	80
18	〃	82
21	الأنبيآء	88-87
34	سبا	39
38	ص	43

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
53	النجم	39
85	البروج	11-10

قسم اٹھانے کا بیان

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	225,224
3	ال عمرٰن	77
5	المآئدة	89
9	التوبة	13,12
16	النحل	92,91
16	〃	94
66	التحريم	2
68	القلم	10

اللہ نے جو قسمیں کھائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	53
15	الحجر	72
37	الصّٰفّٰت	3-1
38	صٓ	1
43	الزخرف	88
50	قٓ	1
51	الذّٰريٰت	4-1
51	〃	7
51	〃	23
52	الطور	6-1
53	النجم	1
56	الواقعة	76,75
68	القلم	1
69	الحاقة	39,38
70	المعارج	40
74	المدثر	34-32
75	القيٰمة	2,1
77	المرسلٰت	6-1
79	النّٰزعٰت	5-1
81	التكوير	18-15
84	الانشقاق	18-16
85	البروج	3-1
86	الطارق	1
86	〃	12,11
89	الفجر	5-1
90	البلد	3-1
91	الشمس	7-1
92	الّيل	3-1
93	الضحٰى	2,1
95	التين	3-1
100	العٰديٰت	5-1
103	العصر	1

باب: 11 رد مذاهب باطله

ہندومت، بدھ مت اور شرک کا ردّ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
1	الفاتحة	4
2	البقرة	116
2	〃	167-165
3	ال عمرٰن	64
4	النسآء	48
4	〃	116
5	المآئدة	72
5	〃	76
6	الأنعام	14
6	〃	17
6	〃	41,40
6	〃	64,63
6	〃	71
6	〃	102-100
6	〃	140-136
7	الأعراف	188
7	〃	198-191
9	التوبة	32-30
10	يونس	18
10	〃	35,34
10	〃	68
10	〃	107,106
13	الرعد	14
13	〃	16
13	〃	33
16	النحل	21-20
16	〃	56-53
16	〃	73
17	بنىٓ إسرآء يل	40
17	〃	42
17	〃	57,56
17	〃	67
19	مريم	36,35
19	〃	82,81
19	〃	93-88
21	الأنبيآء	22
21	〃	43
21	〃	100-98
22	الحج	13,12
22	〃	71
22	〃	73
23	المؤمنون	92,91
25	الفرقان	3
25	〃	55
27	النمل	64-59
29	العنكبوت	17
29	〃	41
29	〃	66,65
30	الروم	40
31	لقمٰن	13
33	الأحزاب	17
34	سبا	22
35	فاطر	3
35	〃	14,13
35	〃	40
36	يٰس	75,74
39	الزمر	4-3
39	〃	29
39	〃	38
39	〃	43
41	حٰمٓ السجدة	38,37
46	الأحقاف	6-4
53	النجم	23-19
67	الملك	21,20
72	الجن	22-20
109	الكٰفرون	6-1

ردِّ یہودیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	14
2	〃	44
2	〃	61
2	〃	80-74
2	〃	113-89
3	ال عمرٰن	23
3	〃	78-69
3	〃	93
4	النسآء	55-44
4	〃	161-153
5	المآئدة	43-41
5	〃	66-57
8	الأنفال	56
9	التوبة	34-29

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
33	الأحزاب	27,26
59	الحشر	5-2
59	〃	17-11
62	الجمعة	8-5

ردِّ نصرانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	112-111
3	ال عمرٰن	51-35
3	〃	59
3	〃	64
4	النسآء	172,171
5	المآئدة	18,17
5	〃	75-72
5	〃	117,116
9	التوبة	34-29
19	مريم	37-16
21	الأنبيآء	91
43	الزخرف	65-61
57	الحديد	27
66	التحريم	12

ردِّ منافقت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	20-8
4	النسآء	63-60
4	〃	90-88
4	〃	145-138
9	التوبة	68,67
9	〃	87-77
9	〃	97-93
9	〃	101
9	〃	110-107
9	〃	126,125
33	الأحزاب	20-11
33	〃	61,60
57	الحديد	15-13
58	المجادلة	19-14
59	الحشر	17-11
63	المنٰفقون	8-1

ردِّ قادیانیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	4
3	ال عمرٰن	46
3	〃	49,48
3	〃	55,54
4	النسآء	159-157
4	〃	172
5	المآئدة	75
5	〃	117
19	مريم	31
33	الأحزاب	40
43	الزخرف	61

ردِّ دہریت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	6
17	بنيٓ إسرآءيل	12
25	الفرقان	47-45
27	النمل	64-60
30	الروم	25-20
30	〃	50-46
35	فاطر	11
40	المؤمن	68-61
41	حٰمٓ السجدة	37
45	الجاثية	26-23

مجوسیت اور ستارہ پرستی کا ردّ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	79-76
10	يونس	5
21	الأنبيآء	33
36	يٰسٓ	40-38
39	الزمر	5
41	حٰمٓ السجدة	37

کمیونزم اور سوشلزم کا ردّ
(کمیونزم اور سوشلزم میں انسان کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	43
4	النسآء	12,11
4	〃	20
6	الأنعام	142
9	التوبة	60
9	〃	79
18	الكهف	82
34	سبا	36
34	〃	39
39	الزمر	52
43	الزخرف	32
53	النجم	39
65	الطلاق	7
76	الدهر	8

باب: 12 مختلف اشیاء کے نام

جانوروں کے نام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	26
2	〃	65
2	〃	67
2	〃	173
3	ال عمرٰن	14
5	المآئدة	1
5	〃	31
5	〃	103
6	الأنعام	138
6	〃	145-143
7	الأعراف	107
7	〃	176
7	〃	179
12	يوسف	13
16	النحل	8
16	〃	68
20	طٰهٰ	20
22	الحج	36
22	〃	73
27	النمل	10
27	〃	18
27	〃	82
29	العنكبوت	41
74	المدثر	51
105	الفيل	1
105	〃	3

پہاڑوں کے نام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	63
2	〃	158
11	هود	45
27	النمل	88
74	المدثر	17
78	النباء	7
88	الغاشية	19
101	القارعة	5

پھلوں کے نام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	266
6	الأنعام	99

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	″	141
16	النحل	67
95	التين	1

دھاتوں کے نام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	14
9	التوبة	34
34	سبا	12-10
57	الحديد	25

بتوں کے نام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
53	النجم	20,19
71	نوح	23

باب:13 دعاء فرضیت و اھمیت

دعا کے احکام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	29
7	″	56,55
40	المؤمن	14
40	″	60
40	″	65

دعا مانگنے کے آداب

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	56,55

دعا مانگنے کی شرائط

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	29
40	المؤمن	65

دعا کا مقصد جہنم سے بچاؤ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	60

دعا نہ مانگنا تکبر ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	60

دعا کی قبولیت کی شرطیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	186

موت کی آمد پر کفار کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
14	إبراهيم	44
4	النسآء	18

موت کے بعد جہنمیوں کی دعائیں بے کار ہوں گی

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
6	الأنعام	27
13	الرعد	14
23	المؤمنون	107
32	السجدة	12
35	فاطر	37

دعا کی قبولیت کے لیے اسم اعظم (حدیث کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	163
3	ال عمرٰن	2,1
21	الأنبيآء	87
112	الإخلاص	4-1

اللہ تعالیٰ مجبور ولاچار کی دعا قبول فرماتا ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	62

اللہ بندے کے قریب ہے اور اس کی دعا قبول کرتا ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	186
11	هود	61

ناجائز کام کے لیے دعا سراسر جہالت ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	46

اللہ تعالیٰ سے خود دعا مانگو

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	186

ایمان واعمال صالحہ کا وسیلہ درست ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	16
3	″	53
3	″	193
5	المآئدة	35
5	″	83
17	بني إسرآءيل	57
23	المؤمنون	109

اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا کی جائے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	180
17	بني إسرآءيل	110

نیک زندہ شخص سے دعا کرانا جائز ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	61
2	″	70-68

دعا کی اہمیت

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
25	الفرقان	77

دعا عین عبادت ہے اور اس سے اعراض جہنمیوں کا کام ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
40	المؤمن	60

غیر اللہ کو پکارنے والا نامراد ہی رہے گا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	117

غیر اللہ کو پکارنا دھوکا وفریب ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
35	فاطر	40
40	المؤمن	43

مشرکین کے معبود نہ دعا سنتے ہیں اور نہ جواب دے سکتے ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
35	فاطر	14
46	الأحقاف	5

جن کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ سراسر عاجز ہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
35	فاطر	13
40	المؤمن	20

یہ معبود اس قدر عاجز ہیں کہ ایک مکھی کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
22	الحج	73

دعا صرف اللہ ہی سے برحق ہے اور اس کے سوا دوسروں سے مانگنا باطل ہے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	194
7	″	197

رب کے ڈر سے رونا اور سجدے میں گر پڑنا

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بني إسرآءيل	109-107
19	مريم	58

باب:14 انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں

آدم وحوا علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	23

نوح علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	41

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
23	المؤمنون	26
26	الشعرآء	118,117
54	القمر	10
71	نوح	27,26
71	〃	28

ابراہیم علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	129-127
14	إبراهيم	41-35
26	الشعرآء	89-83
37	الصّفّت	100
60	الممتحنة	5,4

لوط علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
26	الشعرآء	169

اسماعیل علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	127

یوسف علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
12	یوسف	33
12	〃	101

ایوب علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	83

یونس علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
21	الأنبيآء	87

شعیب علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	89
11	هود	88

موسیٰ علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	67

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	151
7	〃	156,155
10	یونس	88
20	طٰهٰ	28-25
28	القصص	17,16
28	〃	21
28	〃	24
40	المؤمن	27

داؤد و سلیمان علیہما السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	15
27	〃	19

زکریا علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	38
19	مريم	6-4
21	الأنبيآء	89

عیسیٰ علیہ السلام

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
5	المآئدة	114

محمد ﷺ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
17	بني إسرآء يل	80
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	118
39	الزمر	46

باب: 15 مختلف اوقات اور احوال کی دعائیں

دُنیا و آخرت کی بہتری، بھلائی اور فضل و رزق کی دعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	201
3	ال عمرٰن	27,26
5	المآئدة	114

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
28	القصص	24

اسلام پر اور نیک لوگوں کی رفاقت اور اُن کی معیت میں فوت ہونے اور ثابت قدمی کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	250
3	ال عمرٰن	147
5	المآئدة	83
7	الأعراف	126
12	یوسف	101
26	الشعرآء	84,83

مغفرت، توبہ، گناہوں سے کنارہ کشی، عذاب اور رُسوائی سے بچنے اور جہنم سے محفوظ رہنے کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	286
3	ال عمرٰن	16
3	〃	192,191
3	〃	193
7	الأعراف	23
7	〃	156,155
12	یوسف	33
19	مريم	18
23	المؤمنون	109
23	〃	118
25	الفرقان	66,65
26	الشعرآء	87
28	القصص	17,16
38	صٓ	35
59	الحشر	10

شکر کی توفیق، فضل و رحمت اور جنت کے حصول کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
4	النسآء	32
7	الأعراف	149
7	〃	151
17	بنيٓ اسرآء يل	80
18	الكهف	10
26	الشعرآء	85
27	النمل	19
46	الأحقاف	15
66	التحريم	8

ہمارے اور کافروں کے درمیان فیصلہ ہونے کے لیے دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	89
26	الشعراء	118

پریشانی، بیماری، مصیبت اور غم سے بچنے کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	156
21	الأنبيآء	83
21	〃	87
35	فاطر	35,34

جہالت سے بچنے، علم کے حصول، اضافے اور شرح صدر کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	67
20	طٰهٰ	28-25
20	〃	114

کافروں، ظالموں اور دشمنوں سے نجات کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	173
4	النسآء	75
5	المآئدة	25

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
7	الأعراف	47
10	يونس	86,85
21	الأنبيآء	112
23	المؤمنون	26
23	〃	94
26	الشعرآء	118,117
26	〃	169
28	القصص	21
40	المؤمن	27
44	الدخان	20
60	الممتحنة	5
66	التحريم	11

والدین، اولاد، اصلاح زوجین، اور مومنوں کے لیے دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	128
3	ال عمرٰن	38
14	إبراهيم	37
14	〃	40
14	〃	41
17	بني إسرآءيل	24
21	الأنبيآء	89

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
25	الفرقان	74
37	الصّٰفّٰت	100
40	المؤمن	9-7
71	نوح	28

شیطان کے شرور اور وسوسوں سے بچنے کی دُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	36
23	المؤمنون	98,97
113	الفلق	5-1
114	الناس	6-1

روزمرہ کی قرآنی دُعائیں (احادیث وتفسیر کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
3	ال عمرٰن	200-190
11	هود	41
23	المؤمنون	29
39	الزمر	46
43	الزخرف	14,13

بددُعائیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
10	يونس	88
71	نوح	24

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
71	〃	27,26
71	〃	28

مشرک ومنافق کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
9	التوبة	84
9	〃	113
19	مريم	47
26	الشعرآء	86
60	الممتحنة	4

باب: 16 متفرق وظائف اور دعائیں

سیدنا ابراہیم واسماعیل ﷩ کی دعائیں قبولیت عمل کے لیے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	127

دعائے ابراہیم محمد ﷺ کی بعثت کے لیے

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	129

ساری رات کفایت کرنے والا وظیفہ (حدیث کی روشنی میں)

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
2	البقرة	286,285

سیدنا شعیب ؈ کا وظیفۂ توکل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
11	هود	88

سیدنا داود اور سیدنا سلیمان ﷩ کا وظیفۂ حمد

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	15

ملکۂ سبا کی دعا اور اعتراف لغزش

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	44

حمد وسلام کے لیے وظیفہ

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
27	النمل	59

سیدنا ابراہیم ؈ اور توحید پرستوں کا وظیفۂ توکل

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
60	الممتحنة	4

دعوت، تبلیغ وجہاد کی تکمیل پر تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم

سورت نمبر	سورت	آیت نمبر
110	النصر	3

مقدمہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن کریم نے گزشتہ اقوال وملل کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن تاریخ کے انداز میں نہیں، بلکہ عبرت وموعظت کے نقطۂ نظر سے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس انداز کو سامنے رکھتے ہوئے اقوام گزشتہ کے عام افراد کے اس اخلاق وکردار کی روشنی میں، جو ان کی تباہی کا باعث بنا، مسلمان عوام کی اخلاقی پستی اور کردار کی گراوٹ کو اہل کتاب کے احبار ورہبان کی روش کے مقابلے میں، جو ان کے لیے غضب الٰہی کا موجب بنی، امت مسلمہ کے علماء وصوفیاء کے یہودیانہ کردار کو اجاگر اور نمایاں کیا گیا ہے تاکہ اس امت کے عوام وخواص (علماء اور عام افراد) ادبار وزوال کی اس پستی سے نکلنے کی سعی کریں، جس میں وہ اقوام گزشتہ کے اس اخلاق وکردار کے اپنانے کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص نسل سے محبت یا نفرت تو نہیں ہے، اس کی قوموں اور افراد سے محبت یا نفرت صرف ان کے اعمال واخلاق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم یا فرد اچھے عمل کرتا ہے، ایمان اور اس کے تقاضوں کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے، تو وہ اس کا محبوب ہے اور وہ اس کا معاون اور مددگار اور اس کے برعکس ایمان وعمل کے تقاضوں سے بے خبر قوم یا فرد، اللہ کو ناپسندیدہ ہے، دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔

یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ گزشتہ اقوام تو اپنے استکبار، اعراض عن الحق اور اللہ ورسول کی تکذیب کے نتیجے میں ہلاکت سے دوچار ہوں (جیسا کہ قرآن نے ان کی بابت بیان کیا ہے) اور امت مسلمہ وہی تکذیب واعراض کی روش اپنائے تو اسے عروج و اقبال نصیب ہو۔ یہ تو سنت اللہ ہی کے خلاف ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا. اس لیے ضروری ہے کہ امت اگر واقعی ذلت وپستی کی بجائے عظمت ورفعت کی خواہاں ہے تو مطالعۂ قرآن کے وقت اپنے اخلاق وکردار کا جائزہ لے اور اس پستی سے نکلے جس میں وہ (اپنے خواص سمیت) مبتلا ہے اور جو گزشتہ قوموں کی تباہی کا باعث تھی اور اسی طرح شرک وبدعت کی دلدل سے بھی نکلے، جس میں اس کی اکثریت پھنسی ہوئی ہے اور جو غضب الٰہی کا موجب ہے۔ ان بگڑے ہوئے عوام وخواص کے لیے یہ مختصر تفسیر ایک آئینہ ہے، جس میں وہ اپنے اخلاق وکردار کی پستیوں کو اور اپنی سیرت کے خدوخال کو واضح طور پر، اگر دیکھنا چاہیں، تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ حضرات اس آئینے میں اپنی شکل بگڑی ہوئی دیکھیں، تو آئینے کو برا نہ سمجھیں، اس کی وجہ سے چیں بہ جبیں نہ ہوں اور اس پر خفگی وبرہمی کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ اپنے اخلاق وکردار کی اصلاح کریں، اپنے روئے ''زیبا'' کو سنواریں اور اپنی سیرت کے خدوخال کو درست کریں۔ اس تفسیر میں گزشتہ امتوں اور امت مسلمہ کے کردار کے تقابل سے اصل

مقصد یہی ہے طعن وتشنیع اور طنز وتحقیر ہر گز مقصود نہیں، صرف اصلاح مقصود ہے۔ اعمال کی بھی اور عقائد کی بھی، باطن کی بھی اور ظاہر کی بھی، دین کی بھی اور دنیا کی بھی۔ دین کی بھی اور دنیا کی بھی۔ یہ اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ امت قرآن کی ابدی حقیقتوں پر سچے دل سے ایمان نہیں لائے گی اور اس کی روشنی میں اپنے عقیدہ وعمل کی بنیادوں کو استوار نہیں کرے گی۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ. (صحیح مسلم، حدیث: 1897) ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے کچھ دوسروں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

قرآن پر عمل کا صلہ، بلندی اور اس سے اعراض وغفلت کا نتیجہ، ذلت وپستی ہے۔ اللہ کرے کہ اس تفسیر کا جو اصل مقصد ہے، وہ حاصل ہو اور اس کے ذریعے سے عقائد وعمال کی اصلاح ہو، جس سے یہ امت اللہ کے فضل خاص کی مستحق بن سکے۔ ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

یہ مختصر تفسیر ''احسن البیان'' جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جس کا پہلا ایڈیشن 1995ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں اگرچہ جگہ کی محدودیت کی وجہ سے زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا گیا، تاہم پھر بھی کوشش کی گئی ہے کہ عوام کو قرآن فہمی اور اس کے مشکل مقامات کے لیے جس قدر تفصیل کی ضرورت ہے، اسے اختصار اور جامعیت کے ساتھ ضرور پیش کیا جائے۔ اس کے باوجود قارئین کہیں تشنگی محسوس کریں تو اس کی وجہ راقم کی علمی کوتاہی کے علاوہ، وہی جگہ کی محدودیت بھی ہے۔ اس کی مزید خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- اس تفسیر میں اسرائیلی اور ضعیف روایات کے بیان کرنے سے گریز اور صرف صحیح ومقبول احادیث کے اہتمام کی پوری کوشش کی گئی ہے۔
- شان نزول اور سورتوں کے فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں لیکن ان میں بھی صحیح روایات بہت کم ہیں۔ عدم گنجائش کی وجہ سے مشہور ضعیف روایات کی تردید تو ممکن نہیں تھی، اس لیے حتی المقدور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اپنے علم کے مطابق صرف صحیح اور مستند روایت ذکر کر دی جائے۔
- تفصیلی علمی مسائل ومباحث سے اسے گراں بار نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا محل مفصل تفسیر ہے۔ حتی الامکان پوری تفسیر میں احادیث کے مکمل حوالوں کا التزام کیا گیا ہے تاکہ تفصیلی کے خواہش مند اہل علم کو مراجعت میں آسانی رہے۔
- تفسیر ابن کثیر، تفسیر فتح القدیر، تفسیر ابن جریر طبری، ایسر التفاسیر وغیرہ جیسی سلفی تفاسیر، اس کے بنیادی ماخذ ہیں، زیادہ تر

انھیں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ دیگر عربی اور اردو تفاسیر سے بہت کم اعتنا کیا گیا ہے۔

• توضیح وتشریح میں سلف (صحابہ وتابعین) کی تعبیر اور ان کے منہاج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ سلفی تفاسیر کا خلاصہ، صحابہ وسلف کے منہج ومسلک کا آئینہ اور تفسیر بالاحادیث الصحیحہ کی الحمد للہ ایک عمدہ کوشش ہے۔

• اردو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خدا'' کا لفظ بول چال اور تحریر میں عام ہے۔ لیکن اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور فارس کے آتش پرستوں کے ہاں بالخصوص یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جو دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک کو وہ اہرمن اور دوسرے کو یزداں کہتے ہیں۔ اسی طرح انگریزی کا لفظ گاڈ (GOD) ہے جسے اہل تثلیث اور بھگوان کا لفظ ہے جسے مورتیوں کے پجاری ہندو استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اردو میں ان تمام الفاظ کے استعمال سے گریز اور صرف اللہ کا لفظ ہی لکھنا اور بولنا چاہیے۔ یہ بہتر بھی ہے اور باعث ثواب بھی۔ بنابریں اس مختصر تفسیر کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ ''خدا'' کا لفظ سوائے ناگزیر تراکیب کے کہیں استعمال نہ ہو۔ اس میں جو ترجمہ دیا گیا ہے، وہ دراصل مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کا ہے جو ان کی مترجم تفسیر ابن کثیر کے ساتھ ہے۔ اس میں البتہ متعدد جگہ اصلاحات کی گئی ہیں۔ ان میں ایک اصلاح یہ بھی ہے کہ خدا کا لفظ جہاں جہاں بھی ترجمۂ قرآن میں استعمال ہوا تھا اس کو اللہ کے لفظ سے بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح ترجمہ اور تفسیر دونوں میں لفظ ''خدا'' کے استعمال سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اس اہتمام والتزام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ کے لیے اللہ ہی کا لفظ استعمال کریں، جو قرآن کریم کا لفظ ہے، جس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''خدا'' کا لفظ ہماری زبان میں جو عام ہو گیا ہے اس سے لوگ احتراز اور گریز کریں۔

سب سے آخر میں جماعت کے اہل علم وفضل سے استدعا ہے کہ وہ اس جدید ایڈیشن میں زبان وبیان سے لے کر توضیح وتعبیر تک میں جو مزید خامی اور کوتاہی محسوس وملاحظہ فرمائیں، ان سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ اصلاح کر کے اس کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو قبول فرما کر اسے نافع انام بنائے اور مزید توفیق مرضیات سے نوازے۔ والحمد للہ رب العالمین.

حافظ صلاح الدین یوسف
124/40 شاداب کالونی
علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو۔ لاہور
فون (گھر): 6316931

شعبان 1429ھ، اگست 2008ء

عرض ناشر

آپ نے دیکھا ہوگا، ہمارے ہاں ترقی یافتہ ملکوں سے طرح طرح کی مشینیں آتی رہتی ہیں۔ ہر مشین کے ساتھ ایک Guide Book بھی بھیجی جاتی ہے۔ اس میں بتایا جاتا ہے کہ یہ مشین مندرجہ قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق استعمال کی جائے گی تو کیسے کیسے مفید اور منفعت بخش نتائج پیدا کرے گی۔ اور اگر اسے غلط طور طریقوں سے برتا گیا تو یہ کتنی مضر اور مہلک ثابت ہوگی۔ ٹھیک یہی مثال اس دنیا کی بھی ہے۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنائی ہے اور اپنی آخری اور ابدی کتاب قرآن کریم مرحمت فرما کر ہمیشہ کے لیے بتا دیا ہے کہ اس دنیا کو کس طرح برتا جائے۔ زندگی کیسے بسر کی جائے۔ یہاں رہنے کے لیے کون کون سے طریقے، سلیقے اور اُصول و آداب بروئے کار لائے جائیں اور کن افعال سے گریز اور پرہیز کیا جائے۔ قرآن کریم نے وضاحت سے بتا دیا کہ تمام مخلوقات کا خالق و مالک صرف اللہ رب العزت ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ قائم بالذات ہے۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ وہ لاشریک ہے اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جس طرح ہر چیز کی مخصوص خصوصیات ہیں اسی طرح انسان کے اعمال بھی اپنے معنوی خواص اور نتائج سے خالی نہیں۔ نیک کام کا لازمی نتیجہ کامیابی اور سرفرازی ہے اور بُرے عمل کا نتیجہ ذلت اور ہلاکت ہے۔ انسان کی زندگی اسی دنیا تک محدود نہیں۔ مرنے کے بعد عقبیٰ کی ابدی زندگی شروع ہو جاتی ہے جہاں انسان کو اچھے کام کی جزا اور بُرے افعال کی سزا ملے گی۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ جو انسان اس دنیا میں اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ جنت کے سدا بہار لہلہاتے ہوئے باغوں کا مالک بن جائے گا اور جو شخص من مانی کرے گا اسے یہی دنیا ہلاکت بار جھٹکے لگا کر جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔

قرآن کریم کے اس پیغام کو ہر آن پیش نظر رکھنا، اس کے مطابق زندگی بسر کرنا اور اس دائمی پیغام کو دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کی پہلی اور فوری ذمہ داری ہے۔ اسی ذمہ داری کا احساس میرے دل کے تاروں کو رہ رہ کر چھیڑتا تھا اور یہ تمنا بیدار کر دیتا تھا کہ میں قرآن کریم کی تعلیمات ان سب لوگوں تک جلد از جلد پہنچا دوں جو عربی زبان سے نابلد ہیں۔ اس ضرورت کا احساس میری اہلیہ نے دو چند کر دیا۔ الحمد للہ! وہ ریاض میں طالبات کے لیے قرآن کریم کی تدریس و تعلیم کے ایک بڑے مدرسے ''ضُحیٰ انٹرنیشنل سکول'' کی سرپرست اور نگران ہیں۔ انھیں اللہ کے مقدس کلام کی اہمیت و عظمت کا زبردست احساس ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ سمجھدار طالبات کے لیے قرآن کریم کی ایسی تفسیر کی اشد ضرورت ہے جو اسرائیلیات، ضعیف روایات، فلسفیانہ مُوشگافیوں اور غیر ضروری علمی مباحث سے پاک ہو اور قرآن کریم کے ٹھیک ٹھیک وہی معانی اور مطالب و

مفاہیم اُجاگر کرے جو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے مقدس پیروکاروں نے سمجھے اور بتائے تھے۔

ایسے ترجمے اور تفسیر کی اشاعت کے لیے میں نے فوراً منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں عزیز مکرم مولانا محمد ادریس فاروقی، پروفیسر محترم ساجد میر اور دیگر اجل علماء سے مفصل مشورے لیے۔ ان کے وقیع، معتبر اور مشکور مشوروں کی روشنی میں میری راہ عمل آسان ہوگئی۔ ترجمہ کے لیے طے پایا کہ فاضل اجل مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ کے ترجمۂ قرآن ہی سے استفادہ کیا جائے۔ اس مستند ترجمے کی موجودگی میں کسی نئے ترجمے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مولانا محمد جوناگڑھی ذہانت و فطانت، فہم و فراست اور تقویٰ و للّٰہیت کا نادر مرقع تھے اور مرحوم کی یہ خوبیاں وہ اوصاف ہیں جو قرآن فہمی کی اساس ہیں، چنانچہ ترجمے کا مدار مولانا محمد جوناگڑھی ہی کے تفسیر ابن کثیر والے ترجمے پر رکھا گیا تاہم اُردو ادب کے نئے آہنگ کی روشنی میں ان الفاظ کی اصلاح کر دی گئی جو آج کل نامانوس اور مرفوع القلم ہیں۔ الحمد للہ! یہ خدمت رفیق محترم حافظ محمد طاہر اور راقم الحروف نے انجام دی۔ اگلہ مرحلہ تفسیری حواشی کا تھا۔ اس کے لیے مجھے ایسی جامع کمالات شخصیت کی جستجو تھی جو سلفِ صالحین کے اسلوب کے مطابق قرآن فہمی کی صلاحیت کی حامل ہو اور کلام الٰہی کا مطلب سلیس اور نفیس اُردو میں بخوبی سمجھا سکے۔ اس عظیم الشان قرآنی خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نامور عالم محترم حافظ صلاح الدین یوسف کی خدمات سے مستفید فرمایا۔ حافظ صاحب مجمع البحرین ہیں۔ اُردو اور عربی ادب پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ موصوف نے گیارہ ماہ کی محنت شاقہ سے تفسیری حواشی کا کام بطریق احسن پورا کر دیا۔ بعد ازاں اس عظیم کام پر الرحیق المختوم کے شہرۂ آفاق مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے نظر ثانی فرمائی۔ رحمة الله تعالٰی رحمة واسعة

اللہ رب العزت نے بڑا کرم فرمایا۔ یہ تفسیر شائع ہوئی تو اس کی پذیرائی بڑے اشتیاق و احترام سے ہوئی۔ متعدد ایڈیشن جلد نکل گئے۔ اب اس کے جدید ایڈیشن کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو میں نے اس معاملے میں اس زاویے سے نگاہ ڈالی کہ کاروانِ وقت بہت آگے نکل چکا ہے۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالبانِ علم درپیش مسائل و معاملات کو زمانے اور زندگی کی جدید نزاکتوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی اور دور حاضر کے دیگر خوانندگان کرام کی مشکلات پیش نظر رکھی جائیں اور اس پوری تفسیر کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔ متروکاتِ سخن حذف کر دیے جائیں اور قرآن کے حقائق و بصائر کی ترجمانی پہلے سے بھی زیادہ صحت، وضاحت اور سلاست کے ساتھ کی جائے تاکہ نہ صرف اونچے مدارج کے طلبہ اور محترم طالبات بلکہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا عام قاری بھی اسے بخوبی سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات بے پایاں ہیں۔ اس مقدس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دارالسلام کے فاضل اجل سکالر مولانا عبدالولی حفظہ اللہ کے علم و نظر سے مشرف فرمایا۔ مولانا موصوف نے سب سے پہلے اس کا ترجمہ دیکھا جو الفاظ قرآنی مطالب کی وضاحت میں معین نظر آئے انھیں برقرار رکھا اور جو الفاظ زبان و بیان کے مروجہ تناظر میں اجنبی ہوگئے ہیں اُن پر قلم پھیر دیا اور ان کی جگہ آسان الفاظ رکھ کر اسے سب کے

لیے اقرب الی الفہم بنا دیا۔ اسی طرح انھوں نے تشریحی حاشیوں پر نظر ڈالی، جن روایاتِ حدیث میں کوئی غلطی راہ پا گئی تھی، ان کی تصحیح کی۔ جو ضعیف احادیث باقی رہ گئی تھیں انھیں نکال کر صحیح احادیث درج کیں۔ فقہی مسائل کی تصحیح کی۔ راجح امور قلم بند کیے۔ نحوی و صرفی غلطیوں کا ازالہ کیا اور تسامحات دور کیے۔ اسماء و صفات کی توضیح ٹھیک ٹھیک منہج سلفِ صالحین کے مطابق کی۔ فتح القدیر اور دیگر تفاسیر سے منقول عبارتوں کا اصل سے موازنہ کیا۔ اس طرح پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں زیرِ نظر ایڈیشن کی افادیت میں بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ پہلا ایڈیشن نقشِ اول تھا۔ یہ نقشِ ثانی ہے۔ جن خوانندگانِ کرام نے پہلا ایڈیشن خریدا تھا وہ بھی اس نئے ایڈیشن کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

یہ ایڈیشن جدید خطاطی اور دو رنگ کے حسن طباعت سے مرصع ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ اس کی اشاعتِ نو کا اہتمام عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم اسد نے بڑی محنت، محبت اور عقیدت سے کیا ہے۔ میں اس وقیع خدمت کے لیے ان کا اور ان کے رفقائے کرام جناب حافظ محمد ندیم، مولانا تنویر احمد، مولانا مشتاق احمد اور کمپوزنگ سیکشن کے ابومصعب، حافظ عبدالماجد، گل رحمٰن، خرم شہزاد اور حفیظ الرؤف ہاشمی کا شکر گزار ہوں......

نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا!......اصل طلب حسنِ عمل کی ہے۔ یہ تفسیر پڑھ کر جن صاحبان کے قلوب میں حُبِ قرآن کی شمع روشن ہو جائے، ان سے التجا ہے کہ وہ دُعا فرمائیں کہ ربِ ذوالجلال دارالسلام کو ہمیشہ اپنی نصرت و رحمت کے سائے میں رکھے اور یہ ادارہ زمانے اور زندگی کے اندھیروں میں الی یوم الآخر کتاب و سنت کا نُور پھیلاتا رہے۔

خادم کتاب و سنت
عبدالمالک مجاہد
مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

شعبان 1429ھ اگست 2008ء